اُردو

...فان

...یں

...منفہ

...ت دہلوی

در مطبع ... نظامی ... مطبع ... ن ... ل جہاں ... شد

...باضابطہ بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں

مخالفوں کے دلوں میں تو نے گھر کر لیا ہے تیری رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہے اور تو کئی بار دنیا بھر کا چکر لگا چکا ہے۔
بری ہی برکت کا سارا ظہورا ہے اور تیرے ہی نور کی روشنی ہر سو نظر آتی ہے عرب کی سرزمین میں تو نے جنم لیا اور اب
نیا کے ہر حصہ میں موجود ہے۔ تیرا نام بہت بڑے احترام سے ہر حصۂ دنیا میں لیا جاتا ہے اور تجھ پر کروروں نفوس
نقد جان قربان کرنے کو آمادہ ہیں ہر دیندار کے لئے تیرا ایک ایک لفظ قانون ہے اور تیرے ایک چھوٹے سے حکم
سرتابی کی مجال بڑے بڑے سلاطین میں بھی نہیں ہے ✦

تیری نعمتیں عام ہیں جس طرح تو کسی سلطان معظم کو شرف بخشتا ہے اسی طرح ایک فقیر بے یارومددگار کی حمایت پر
ہے تو ایا صوفیہ جیسی مسجد میں اور بیت الحرام جیسے سجدہ گاہ جہان میں بھی پڑھا جاتا ہے اور غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں
لئے تیری مقدس آوازیں سنی جاتی ہیں۔
کو یتیموں کی حفاظت کی ہے اور رانڈوں کی سرپرستی تیرا عام قانون ہے۔ دنیا کو متمدن تو نے ہی بنایا۔ اور ساری
کچھ ...نی تو ہی ہے۔
دلوں کریم رحیم کے پاس سے تو آیا تھا تیری منادی بہت خاموشی سے کیجاتی تھی تجھکو صرف چند افراد نے قبول کیا تھا
کیا جاتا تیری تشہیر ابھی ہوئی ہے اور دن بدن بمقتضائے قانون قدرت بنتی جاتی ہے۔ ایک پاک اور جوشیلا
ہے۔ غرض
نگاہ میں اُن میں بیخود ہو رہا ہو بار بار تجھے مخاطب بنا کے بے اختیاری میں یہ پڑھتا ہے۔
کہ ہم اس
بحیثیت اُ

اے قول پاک یزداں اے معجز نمایاں — اے نقش لوح محفوظ اے جان و روح انساں
ہیں تیرے اک شان کبریائی — ہر قول میں ہے تیرے سو معجزے درخشاں
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی — ہے تیری وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
سرچشمۂ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے — اے اصل دین و ایماں اے پُرجلال فرقاں
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں — کُنہ کو جن کی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں
دل سے فدا ہیں تجھ پر دین خدا کے پیرو — ہے تو ہی فخر انکا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں
طرز بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے — ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں

پتہ ہے اتنا کس کا کھولے زباں جو تجھ پر
نعرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آکر

جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ — تیرا پیارا مولد بیت خدا ہے پہلا

---

۱ اس نظم میں شاعری کی مین میخ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اظہار شاعری کے لئے نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کی دلی جذبہ انگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی پاک کتاب کو ہر وقت کس طرح مخاطب بناتا ہے ✦

HEK
Call No ... Cat...
No 4781 .... Price...
Checked

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ
تفسیر القرآن

دیباچہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حمد اُسی اَن دیکھے خدائے مطلق کے لئے سزاوار ہے جس نے قرآن مجید ... دی اور نعت اُسی د... معصوم ہجتی محمد عربی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شایاں ... تک وہ کتاب پہنچی خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے اُس ربانی تحفہ یا کلام خدا کو قبول کیا زیادہ خوش قسمت ... خداداد سے سمجھا اور اُس پر غور کیا اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے سمجھکر اُس پر عمل ... کو بھی عمل کرایا ۔

اِس روشن کتاب کو دنیا میں آتے ہوتے تیرہ سو برس ہوئے ہیں مگر اب بھی اسکی و... اُترنے کے وقت تھی۔ اسکا اثر جوں کا توں باقی ہے اور اُسپر عمل کرنا وہی ثمرہ رکھتا ہے جو تیرہ سو برس پہلے رکھتا تھا۔ اب ... سکا وہی احترام کیا جاتا ہے جو کلام پاک کا ہونا چاہئے ۔

فلسفہ نے نیا لباس بدل لیا منطق دوسری صورت میں جلوہ دینے لگی علو... معبود خلایق بننے لگے مگر تیری تابانی اور جلال اے خدائے واحد کے کلام پاک اب بھی ویسا ہی ... کو جنکی بنیادیں زمین کے انتہائی حصہ تک پہنچ گئی ہیں اِس قسم کے چھوٹے چھوٹے طوفان باد مخالف ... صدمہ پہنچا سکتے تعجب اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو تجھپر گستاخی اور سخت بے ادبی سے معترض ہو... پھر بھی کچھ فرق نہیں ڈال سکتے علوم جدیدہ تیرے مخالفوں کی حمایت پر آمادہ ہیں مگر کون کہہ سکتا ... کریں گے

حالت سخت قابل افسوس ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سمجھنے کے بعد اعتراضات کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے ہاں تعصب کا تاریک رستہ کھلا رہتا ہے اور ہم نے مخالفین کا ایک گروہ کثیر اسی میں بھٹکتا دیکھا ہے قرآن مجید پر اب تک جتنے اعتراضات ہوئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض نے تو اُس کی فصاحت و بلاغت علم ادب وغیرہ پر اعتراض کئے ہیں اور بعض نے اس کے مضامین کو ناممکن الوقوع اور غلط بتایا ہے۔ اعتراض بکثرت ہوئے اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے مگر دو مذکورہ بالا باتوں سے خالی نہیں۔

میور کی لائف آف محمد (سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے شائع ہونے سے پہلے یورُپ کے سرتاج لنڈن میں عام طور پر یہ مشہور تھا اگرچہ اُس کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے کہ قرآن اُس کتاب کا نام ہے جو لوگوں کو چار بیبیوں کی اجازت دیتی ہے اور مسلمان اُسے کہتے ہیں جو چار چار عورتیں کرے۔ میور کی کتاب نے اگرچہ بہت کچھ اس غلط فہمی کی اصلاح کی مگر قرآن مجید کی طرف سے یورُپ میں نئی اغلاط پھیلا دیں اور اُنہیں اس قدر دلوں میں جما دیا کہ اب اُنہیں اس کے خلاف کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ کہیں قرآن مجید کی تاریخی ترتیب پر اعتراض کیا جاتا ہے کہیں اس کے مضامین کے نظام پر نکتہ چینی ہوتی ہے کہیں اسے خلاف محاورۂ اہلِ عرب بتایا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح کے بہت سے اعتراضات ہیں جو ہر پہلو سے ہماری کتاب پاک پر کئے جاتے ہیں اور عوام کی نگاہ میں اُن اعتراضوں کی بُنیاد مضبوط کرنے کے لئے اُنہیں موجودہ فلسفہ کا نیا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اِس مقدمہ میں بالتفصیل کُل اعتراضوں کے جواب دیں اگر ہم سے یہ کام بن آیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے بحیثیت ایک مسلمان کے بہت بڑا اسلامی فرض ادا کیا +

علمائے اسلام کی تحقیق

دنیا میں صرف اِس پاک کتاب ہی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس کی صدیوں تک لا انتہا تحقیق کی جائے ہر ہر پہلو پر بحث ہو اور صدہا کتابیں اس کی باریکیاں اور اسرار الٰہی کی کُنہ تک پہنچنے کے لئے تصنیف کی جائیں۔

جتنے علمائے اسلام ہوئے ہیں سب نے بقدر فرصت و وسعت قرآن مجید میں غور و خوض کیا ہے اور اُس کے ہر فن میں وہ وہ مبسوط کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کی ذہانت خداداد فہم و فراست اور بے مثال علمی لیاقت کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ اِن کتابوں میں اُنہوں نے مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے فہم رسا اور جودتِ ذہن سے خود اعتراض کئے اور اُن کے جواب دیئے۔ اگر وہ کُل اعتراضات اور جوابات ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو اُن ہی کی ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔

ہمارے علماء کی تحقیق مُختلف امور پر مبنی ہے بعض نے صرف اس تحقیق میں متعدد کتابیں لکھی ہیں کہ قرآن مجید کس کیفیت سے نازل ہوا تھا اور کس طرح لکھا جاتا تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کون کون اصحاب حافظ قرآن تھے جن کی روایت پر اعتماد ہو سکے۔ بعض علماء نے صِرف وجوہ و نظائر میں بڑی تحقیق کی ہے

کرتا ہے فخر تجھپر تنہا نہ اک عرب ہی نازاں نہیں ہے تجھپر صرف ایک خاک بطحا
اب ہند و چین وماچیں کرتے ہیں ناز تجھپر ہے شام و روم تجھپہ پھولا نہیں سماتا
ہے فیض تیرا جاری مشرق میں ہی نہ تنہا مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا
جتنا کہ تو ہے مشکل ہے اُتنا ہی تو آساں فاضل جہاں ہیں ششدر اُمّی وہاں ہے گویا
عقبےٰ کا سیدھا رستہ ہمکو بتا دیا ہے سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھسے خدا کو پایا
تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھکو آئے تیرا جلال اب بھی ہے دن بدن چمکتا

ہوگی نجات اُن کو عقبےٰ کے کب خطر ہے
ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے

برحق ہے تیرا دعویٰ یہ بھی ہے تیری حجت لونڈی ہے تیرے گھر کی ادنی سی اک فصاحت
سب جن وانس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت
ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت
مُردوں کو زندہ کرنا آسان ہے بلاشک معہ جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ دقت
ناممکنات عالم ممکن ہیں اور آساں لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت
تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا پھر کس کی چل سکے گی آگے ترے طلاقت
دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھکو وہ جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت

جو ہیں ہیئے کے پھوڑے اور عقل کے ہیں دشمن
اُن پر تیرے دلائل اب تک نہیں مبرہن

ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری کرتے ہیں خود محمدؐ تیری بڑی بزرگی
حاصل شرف ہوا ہے کل انبیا کو تجھ سے عصمت کی تونے اُنکی دی آن کر گواہی
ادنے گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں عظمت ہے تیری غالب ہے رعب تیرا ساری
اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی
میداں میں جنگجو کا تو ہی ہے دل بڑھاتا ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کنجی
دنیا کے سرکشوں نے مانا ہے تیرا لوہا یورپ کے آج دل پر ہے دھاک تیری بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تونے تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی

کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے
حافظ ہے تیرا باری اور اُس کے کل فرشتے

کلام باری کے دقایق سمجھنے کے رستے علمائے کرام نے اس قدر صاف کر دیئے ہیں کہ ہر شخص باآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ فہم سلیم اور عربی دانی کی بیشک ضرورت ہے۔ جو لوگ نہیں سمجھتے اور اعتراض کرتے ہیں اُن کی

فرض ہے کہ معترضوں کو اُن کی لاعلمی پر آگاہ کریں اور بتائیں کہ قرآن مجید کی نسبت اُن کے استدلال صحیح نہیں ہیں اور وہ ایک ایسے جنگل میں بھٹک رہے ہیں جہاں سے منزل مقصود تک پہنچنا محال کیا ناممکن ہے۔

جن کتابوں کا نام ہم نے اوپر لکھا ہے یہ قرآن مجید کے خاص فنون سے تعلق رکھتی ہیں ابھی اور فنون کلام باری کے متعلق بہت سی کتابیں باقی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

وہ کتابیں جو اسباب اعجاز قرآن یعنے فصاحت و بلاغت کے فنون اور صنائع بدائع کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں بکثرت موجود ہیں ان میں سے چند کتابوں کا نام لکھتے ہیں جو بہت مشہور ہیں اور علماء انہیں معتبر تسلیم کرتے ہیں۔

اعجاز القرآن خطابی - اعجاز القرآن رمانی - اعجاز القرآن ابن سراقہ - اعجاز القرآن قاضی ابوبکر بن الباقلانی - کتاب عبدالقاہر جرجانی - کتاب فخرالدین رازی برہان - ابن ابی الاصبع برہان - زملکانی مجید - زملکانی مجاز القرآن ابن عبدالسلام - ایجاز فی المجاز ابن قیم - نہایۃ التامیل فی اسرار التنزیل زملکانی - تبیان فی البیان زملکانی - منہج مفید فی احکام التوکید زملکانی - بدائع القرآن ابن ابی الاصبع - تحبیر ابن ابی الاصبع - خواطر سوانح ابن ابی الاصبع - اسرار التنزیل شرف بارزی - اقصی قریب تنوخی - منہاج البلغاء حازم - عمدہ ابن رشیق - صناعتین عسکری - مصباح بدرالدین بن مالک تبیان طیبی - کنایات جرجانی - اغریض تقی الدین سبکی - اقتناص تقی الدین - عروس الافراح بہاؤالدین بن تقی الدین سبکی - روض الافہام شمس الدین بن صائغ - نشر العبیر شمس الدین مذکور - مناسبات ترتیب السور ابوجعفر بن الزبیر - فواصل الآیات طوفی - مثل سائر ابن اثیر - کنز البراعۃ ابن اثیر - شرح بدیع قدامہ +

ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام باری کے اسرار و مطالب حل کرنے کے لئے اور اُن معجزات کو دکھانے کے لیے جو اس میں مُضمر رکھے گئے ہیں علماء نے کس قدر تحقیق کی ہے اور کہاں تک بال کی کھال نکالنے میں عرق ریزی کی ہے - اللہ اکبر - یہ شان قرآن مجید ہی جیسی پاک کتاب کی ہے کہ اس لاانتہا تحقیق پر بھی بہت کچھ باقی ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی ہر عصر بلکہ ہر صدی کے مذاق کے موافق مطالب اخذ کرنے میں اس میں بڑی گنجایش موجود ہے۔

قرآن مجید میں وہ آیتیں جو آیاتِ متشابہات کے اسم گرامی سے موسوم ہیں عام طور پر اُن کے مطالب حل کرنے میں سخت سخت دقتوں کا سامنا پڑتا ہے اور اکثر مفسرین فرقان حمید عاجز ہوکے مجبوراً اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں مگر بہت سے علما گزرے ہیں جنھوں نے ان ہی آیات متشابہات کی تحقیق میں اپنی خداداد بے مثال قابلیت سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے بعض کے نام ہم درج کرتے ہیں۔

بُرہان فی متشابہ القرآن کرمانی - دُرۃ التنزیل و غرۃ التاویل عبداللہ رازی - کشف المعانی قاضی بدرالدین بن جماعہ وغیرہا - اس فن میں مشہور کتابیں ہیں - بعض علمائے قرآن کے امثال اور اعلام وغیرہ میں جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ امثال القرآن ماوردی - اقسام القرآن ابن قیم - جواہر القرآن غزالی - التعریف و الاعلام سہیلی - تبیان فی مبہمات القرآن قاضی بدرالدین بن جماعہ - اسماء من نزل فیہم القرآن اسمٰعیل الضریر - وغیرہ اس باب میں اعلی درجہ کی مستند

اور بعض نے صرف حل التراکیب و اعراب میں علیحدہ تصانیف کی ہیں چنانچہ ایسے فنون کی کتابوں میں کتب مذکورہ ذیل بہت مشہور ہیں۔

کتاب مفردات القرآن راغب۔ کتاب مفردات القرآن ابی حیان۔ کتاب اللغات ابو القاسم محمد بن عبد الصمد۔ کتاب عزیزی جس کو اُس نے اور اُس کے اُستاذ ابن الانباری نے ۱۵ برس میں لکھا تھا۔ غرائب الفنون ابن قتیبہ۔ مجمع البحرین صاغانی۔ مجمع البحرین طریح نجفی۔ الوجوہ و النظائر نیشاپوری۔ الوجوہ و النظائر ابن عبد الصمد۔ کتاب ابی الحسن اخفش اوسط۔ زاہر ابن الانباری۔ شرح التسہیل والارتشاد ابی حیان۔ الجنی الدانی فی حروف المعانی ابن ام قاسم کتاب مقاتل بن سلیمان۔ کتاب ابن الجوزی۔ کتاب ابن الدامغانی۔ کتاب الافراد ابن فارس۔ معترک الاقران سیوطی۔ تبیان فی اعراب القرآن ابی البقاء العبکری۔ المحتسب فی توجیہ الشواذ ابن جنی۔ ذا القد ابن جنی۔ اعراب القرآن سفاقسی۔ اعراب القرآن منتجب الدین۔ اعراب القرآن مکی۔ اعراب القران حوفی۔ خصائص ابن جنی۔ خاطریات ابن جنی۔ امالی ابن حاجب۔ معرب جوالیقی۔ مشکل القرآن ابن قتیبہ۔ کتاب ابن السمین۔ اور چار معین لغات قرآنیہ میں یہ علماء اپنا فرد نہیں رکھتے۔ ابو عبیدہ۔ ابو عمرو الزاہد۔ ابن درید۔ زجاج۔ فراء۔ اخفش۔ ابن الانباری۔ ابن قتیبہ۔

ان کے علاوہ علما ہیں جنہوں نے بالتخصیص آیات احکامیہ اور ناسخہ و منسوخہ میں بڑی تحقیق کرکے جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ وہ یہ ہیں۔ احکام القرآن قاضی اسمٰعیل۔ احکام القرآن بکر بن العلاء۔ احکام القرآن ابو بکر رازی احکام القرآن ابن العربی۔ احکام القرآن ابن الفرس۔ احکام القرآن ابن خویز منداد۔ احکام القرآن شیخ مقداد ناسخ و منسوخ مکی۔ ناسخ و منسوخ سیدی۔ ناسخ و منسوخ ابن الحصار۔ ناسخ و منسوخ ابن جعفر نحاس۔ ناسخ و منسوخ ابن العربی۔ ناسخ و منسوخ ابوداؤد سجستانی ناسخ و منسوخ ابی منصور ابی عبد القاہر سم بن سلام۔ ناسخ و منسوخ ابی منصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی۔ الامام فی ادلۃ الاحکام شیخ عزیز الدین بن سلام وغیرہا۔ اس قدر مشہور اور عمدہ کتابیں ہیں کہ پڑھنے والا خود اندازہ کر سکتا ہے۔

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے علما نے اعتراض کرتے وقت ہرگز ان کتابوں کو نہیں دیکھا جو نکتہ چینیاں اُنہوں نے کی ہیں وہ نری اوپری اور اٹکل پچو ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ قرآن مجید کی باریکیاں اور ربانی مطالب سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اُس کے دائمی اور مستقل اوامر و نواہی کے سمجھنے کے لیئے ایک بیدار دل کی ضرورت ہے جو دنیا کی آلائیشوں سے ایک حد تک پاک ہو اور جس کا ایمان اور یقین بے لوث ہو اور جو ہر وقت خدائے برتر اور قہار کے غضب سے کانپتا رہے۔ روز جزا پر اُس کا کامل یقین ہو اور ایک ہی اَن دیکھے وحدہٗ لاشریک کے حضور اُس کی پیشانی ٹکتی ہو جس کا عظیم الشان جلال ابد تک قایم و برقرار رہنے والا ہے۔ خود قرآن مجید میں رب العرش العظیم نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اُن ہی کو ہدایت کرتی ہے جو متقی ہیں اور جو غیب پر ایمان لائے ہیں اور جو اُسی کے آگے جھکتے ہیں اور جو اُس کے نام مبارک پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ تو ایک انقطاعی فیصلہ ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اس سے کون انکار کر سکتا ہے تاہم ہمارا

تجھ پر کبھی کوئی الزام نہیں قائم کر سکتا۔ تو تمام عیوب اور نقائص سے برتر ہے۔
کون کہہ سکتا ہے کہ جو حکیمانہ نکات قرآن مجید میں صدیوں کی جستجو کے بعد ثابت ہوئے ہیں وہ کسی دوسری کتاب میں مل سکتے ہیں

ہمعصر شعرائے عرب

قرآن مجید میں جہاں اور معجزے ہیں وہاں فصاحت کا بھی ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ نتیجہ بخش ثابت ہوا ہے۔ ہمارے پاس کوئی وجہ اس بین معجزہ سے انکار کرنے کی نہیں ہے اس کی فصاحت کا اثر نہ صرف اُس شخص پر پڑتا ہے جو عربی سمجھ سکتا ہو بلکہ علاوہ قدیم روایتوں کے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ قرآن جس وقت خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے آدمی تو آدمی جانور کو بھی سکتہ ہو جاتا ہے۔ ہم اس صریح اور روشن معجزہ کا کیوں اور کس وجہ سے انکار کریں اور کیوں نہ اسے منجملہ اور معجزات کے شمار کریں جو قرآن مجید میں ودیعت کیئے گئے ہیں۔ جہاں اس پاک کتاب کے حکیمانہ اقوال اور بے نظیر تعلیم نے عجیب و غریب اور حیرت انگیز اثر دنیا میں پیدا کر کے کروروں کو دائرۂ اسلام میں داخل کر دیا وہاں اس کے معجزۂ فصاحت نے بھی لاکھوں کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔ کیوں نہو کلام خدا ہے اور اسمیں ایسی ہر صفت کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ وہ شعرائے عرب جنھوں نے اپنی پُرزور اور وجد انگیز نظموں کی وجہ سے عرب کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا اور جنھیں دعوے تھا کہ اُن سے بہتر روئے زمین پر بھی کوئی ایسے اشعار موزون نہیں کر سکتا اُنھوں نے قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی سورت سے متاثر ہو کے پھر ہزاروں کو اسلام کے سچے اور پُرجوش شیدائیوں میں بنا دیا۔ بھلا اُن کے مقابلہ میں کیا خاک کوئی قرآن مجید کی فصاحت پر اعتراض کر سکتا ہے۔ جب وہ اس بات کے قایل ہو گئے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

لبید بن ربیعہ جو بہت بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا اور جس کی بیش بہا تصنیف سے معلقہ رابعہ جیسی گوہر بے بہا کتاب موجود ہے صرف قرآن پاک کے معجزۂ فصاحت ہی نے اُسے ابدی نجات کی کُنجی عطا کی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے قصیدہ کو بوجہ کمال فصاحت خانۂ کعبہ پر آویزاں کر دیا تھا۔ اور خانۂ کعبہ پر آویزاں کرنے سے اُس زمانہ میں یہ غرض ہوتی تھی کہ یہ کلام فصاحت میں بے مثل ہے تاکہ صاحب کلام کی لوگ عزت کریں اور اُسے فخر شعرائے عصر مانیں۔ یہ شاعر یمن کا رہنے والا تھا۔ یہ سبعہ معلقہ کے چند قصائد میں سے بعض کا مصنف ہے۔ یہ پہلے سخت بُت پرست تھا اور اپنی پُرزور اور موزوں طبیعت سے سب کو نیچا دکھا چکا تھا۔ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسی اثنار میں صرف اُس کا یہ دعوے توڑنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورت کعبہ پر آویزاں کر دی گئی۔ جوں ہی اُسے خبر لگی یہ وہاں پہنچا اور دیکھکر سخت شرمندہ ہوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ یہ کلام کلام خدا ہے اور اسی بنا پر وہ دایرۂ اسلام میں آکے حضرت رسالت مآب کے فدائیوں میں ہو گیا۔

کعب بن مالک جو فصاحت کلام پاک پر ایمان لایا تھا اور جس کی شہرت بلحاظ فصیح و بلیغ ہونے کے کچھ کم نہ تھی حضرت

اور عمدہ کتابیں ہیں ۔
بعض علمانے آیات قرآنیہ کی تعداد و شمار مضامین میں ہی بہت کچھ سعی فرمائی ہے ۔ چنانچہ کتاب ذات الرشد اور شرح ذات الرشد موصلی ۔ شرح آیات الصفات ابن لبان ۔ دُر نظیم یافعی نہایت نامور اور مشہور کتابیں ہیں بعض نے رسم کتابت قرآن مجید میں بہت کچھ جانفشانی کی ہے چنانچہ کتاب سخاوی اور اُس کی شرح اسی فن میں ہے بعض نے آیات متفرقہ کے فنون و بدائع و لطائف و نکات جداگانہ لکھے ہیں چنانچہ بدائع الفوائد ابن قیم ۔ کنز الفوائد ۔ عزالدین ۔ الغرر والدرر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ۔ تذکرۃ البدرین ۔ تذکرۃ البدرین صاحب بن عباد ۔ جامع الفنون ابن شبیب الحلیلی ۔ نفیس ابن الجوزی اسی فن کی کتابیں ہیں ۔
بعض نے قرآن مجید کے علوم و فنون کے بیان میں جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں چنانچہ فنون الافنان ابن الجوزی جمال القراء علم الدین ۔ وسخاوی مرشد وجیز ابی شامہ ۔ برہان ابو المعالی ۔ اتقان سیوطی ۔ اس باب میں عمدہ کتابیں تسلیم کی گئی ہیں ۔

احادیث مفسرہ کی جمع و تنقید

اکثر علمانے احادیث مفسرہ کی جمع و تنقید میں اپنی عمر بسر کر دی ہے ۔ اس صفت کی بعض تفسیریں حسب ذیل ہیں ۔
تفسیر ابن جریر ۔ تفسیر ابن ابی حاتم ۔ تفسیر ابن مردویہ ۔ تفسیر ابن حیان ۔ تفسیر غریابی ۔ تفسیر عبدالرزاق ۔ تفسیر ابن منذر ۔ تفسیر سعید بن منصور ۔ تفسیر حاکم ۔ تفسیر عماد الدین بن کثیر ۔ تفسیر دُر منثور ۔
یہاں تک بطور نمونہ اُن کتابوں کے نام تھے جن میں ایک ایک یا دو دو فنون قرآنیہ مذکور ہیں اور تفاسیر رسمیہ جن میں قرآن کے معانی و مطالب حل کیئے گئے ہیں بیشمار ہیں جن کی مختصر فہرست آگے آتی ہے ۔

تفاسیر رسمیہ

مجمع البیان علامہ طبرسی ۔ کشاف زمخشری ۔ تفسیر اصبہانی ۔ تفسیر خوبی ۔ تفسیر ابن عطیہ ۔ تفسیر قیشری ۔ تفسیر مرسی تفسیر ابن الجوزی ۔ تفسیر ابن عقیل ۔ تفسیر ابن رزین ۔ تفسیر واحدی ۔ تفسیر کواشی ۔ تفسیر ماوردی ۔ تفسیر سلیم رازی تفسیر ابو الفتوح رازی ۔ تفسیر ابن برجان ۔ تفسیر ابن بزیزہ ۔ تفسیر ابن المنیر ۔ تفسیر ابن النقیب ۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ۔ تفسیر الغرائب والعجائب کرمانی ۔ تفسیر ثعلبی ۔ تفسیر معالم التنزیل ۔ تفسیر انوار التنزیل بیضاوی ۔ تفسیر مدارک ۔ تفسیر صافی ۔ قواعد فی التفسیر ابن تیمیہ ۔ وغیرہا ۔
جس نے اِن کُل کتابوں کو سمجھکر پڑھا ہے اُسے قیامت تک قرآن مجید کے ایک جملہ پر بھی اعتراض کرنے کا موقع نہ ملیگا مگر جس نے دیکھا ہی نہیں اور قرآن مجید کا کوئی غلط صحیح ترجمہ انگریزی یا اُردو کا دیکھ لیا اُس سے انصاف کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے ۔ اے خدا کی پاک کتاب تیری بزرگی بہت بڑی ہے اور تیرا اجلال تمام عالم پر محیط ہے

کہ کیا کلام محمد میرے کلام سے بھی زیادہ فصیح ترین ہے۔ چنانچہ وہ سید ہا یمامہ سے مدینہ میں آیا اور ایک ہی بار قرآن مجید سن کر مسلمان ہوگیا۔

ولید بن مغیرہ جیسا بے نظیر اور محقق شاعر تھا اُسی قدر متعصب بھی بلا کا تھا۔ اسے اسلام سے دلی دشمنی تھی اور جو جو کچھ ابوجہل کے ساتھ شامل ہو کے اس نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی ہے وہ سخت غضبناک تھی۔ پھر بھی یہ ضرور تھا کہ قرآن مجید کو بوجہ کمال بلاغت سحر کہا کرتا تھا جب ابوجہل وغیرہ قریش فصاحت کلام مجید کو دریافت کرتے تھے تو صاف کہہ دیا کرتا تھا کہ یہ کلام سحر ہے۔ اسے اپنی مہارت اشعار کا بہت بڑا دعویٰ تھا اور وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ میرے برابر کوئی شخص قصائد و رجز و اشعار عرب و جنات سے واقف نہیں ہے مگر قرآن مجید کے آگے اسے گردن خم کرنی پڑتی تھی اور وہ صاف اقرار کرتا تھا کہ آجتک ایسا کلام نہیں سُنا یہ تو سحر ہے چنانچہ یہ کیفیت اور ولید کا یہ مقولہ سورۂ مدثر میں باعلان و اشتہار مذکور ہوا ہے ”ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ“ اور سورۂ سبا میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ خود حضرت رسالت مآب کو بھی (معاذ اللہ) ساحر کہتے تھے چنانچہ سورۂ یونس میں ہے ”اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ“ ○ اس سے زیادہ عظمت ایک کلام کی اور کیا ہوسکتی ہے جو اُس پر ایمان لے آئے وہ تو اسے کلام خدا سمجھتے ہیں اور جو ایمان نہیں لائے وہ اُسے قوت بشری سے باہر سمجھکر سحر وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نابغہ جعدی اگرچہ مسن اور بہت معمر ہوگیا تھا اور اُسے بسبب زیادتی عمر کے ایک تجربہ بھی خاص طور پر شاعری میں حاصل تھا پھر بھی قرآن مجید نے اُسے اپنا حلقہ بگوش بنالیا اور وہ خالص نیت سے مسلمان ہوا۔ جب تک زندہ رہا اسلام و قرآن اور حضرت رسالت مآب کی مدح کیا کرتا تھا۔ اس کی عمر نابغہ ذبیانی شاعر سے بھی بہت بڑی تھی۔ اسکی عمر کی بابت مختلف روایتیں ہیں کوئی لکھتا ہے ۱۲۰ برس کی عمر میں اس کی وفات ہوئی تھی اور کوئی ۱۸۰ برس کی عمر بتاتا ہے اور کوئی ۲۰۰ برس کی بہرحال جتنی عمر ہو اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبول اسلام کے وقت نہایت تجربہ کار تھا اور دنیا کے سرد و گرم کا مزا خوب چکھ چکا تھا۔ اس کے اشعار میں سے چند وہ اشعار جن سے اسکی عمر فصاحت۔ اور صدق نیت کا اظہار ہوتا ہے درج کرتے ہیں جس سے عربی داں تو اسکی بے نظیر فصاحت اور بیمثال بلاغت کا کافی اندازہ کرلیں گے اور اردو داں اسکی بلند خیالی۔ نیک نیتی اور صاف باطنی کا نمونہ ملاحظہ فرمالیں گے۔ ؎

قالت امامة کم عمرت زمانه　　وذبحت من عتر علی الاوثان
ولقد شهدت عكاظ قبل محلها　　فيها وكنت اعد مل فتيان
والمنذر بن محرق فی ملائکم　　وشهدت يوم هجائن النعمان
وعمرت حتی جاء احمد بالهدی　　وقوارع تتلی من القرآن

ہ امامہ کہتی ہے کہ جاہلیت کا بہت سا زمانہ گزر گیا۔ جس میں ہم بتوں پر قربانیاں چڑھایا کرتے تھے۔
ہم مشاعرہ میں اول حاضر ہوتے تھے اور بہادر لوگوں کے نام فخر لیتے تھے۔
اور منذر جو بڑا بہادر تھا ہمارے گروہ میں۔ اور جس روز معائب نعمان کا بیان ہوتا تھا ہم موجود ہوتے تھے اور اُس کی ہجو کرتے تھے۔
بہت سی عمریں ہی گزر گئیں کہ ناگاہ احمد مصطفےٰ کا ہدایت اور عذاب کی آیات قرآنیہ کے ساتھ ظہور ہوا۔

رسالت مآب کی طرف سے کفار کے اشعار کا دھواں دھار جواب دیا کرتا تھا۔
حسان بن ثابت جو طوطی عرب کے معزز لقب سے ملقب کرنے کے قابل ہے حضور انور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت دلسوزی اور غمخواری کیا کرتا تھا اسے بھی فصاحت فرقان حمید نے اپنا والا و شیدا بنایا تھا۔
عباس بن مرداس جیسا نامی گرامی شاعر جس نے دائرۂ اسلام میں آکے وہ وہ کارنمایاں کیئے جس کے سنہری نقوش اب تک صفحۂ ہستی پر چمک دے رہے ہیں صرف فصاحت قرآنی ہی کے دل دادوں سے تھا اور اسی معجزے نے اسے مشرف باسلام کیا تھا۔
عبد اللہ بن قیس بن عدی قریشی فصیح و بلیغ سخن شناس نکتہ سنج کا ساشاعر بھی قرآنی فصاحت پر گرویدہ ہو کے ہمیشہ کے لیئے اسلام کا رام ہوگیا تھا۔ یہ شخص معارف فصاحت و بلاغت سے اس قدر واقف تھا کہ اس کا کلام سب سے پہلے بطور سند کے پیش کیا جاتا تھا۔ اس شاعر کے مسلمان ہونے کا واقعہ سخت حیرت انگیز ہے جب مسلمان حضرت رسالت مآب کے حکم سے حبشہ روانہ ہوئے ہیں اور وہاں اُن سے مختلف لوگوں نے نئے مذہب یعنی اسلام کی بابت سوالات کیئے ہیں تو اُن سوال کرنے والوں میں ایک یہ بھی تھا اس نے اول ہی کسی آیت کے پڑھنے کی فرمائش مسلمانوں سے کی جوں ہی آیت پڑھی گئی بلاخوف پکار کے بولا بیشک یہ کلام خدا ہے اور ہمارا اس پر ایمان لانا حق ہے۔
ابو ذویب الہذلی شاعر کی اور بھی حیرت انگیز سرگزشت ہے۔ یہ آستانۂ علیۂ نبویہ پر اُس وقت حاضر ہوا ہے کہ جب حضرت رسالت مآب کی وصل باری تعالیٰ کی تیاری ہو رہی تھی۔ یہ بہت شوق سے حاضر ہوا تھا اور اسکی دلی مُراد یہ تھی کہ خود جناب رسالت مآب کی زبان فیض ترجمان سے کوئی آیت سنوں مگر یہ اُسکی تقدیر میں نہیں لکھا تھا اور اسے اس دنیائے فانی سے اسی آرزو میں رحلت کرنی تھی جوں ہی اس نے سُنا کہ نبی معصوم و برحق مرض الموت میں مبتلا ہیں اُس نے سخت افسوس کیا۔ اور اُس پر ایک مایوسانہ حالت طاری ہوگئی۔ اُس کی صورت حال یہ صاف شہادت دے رہی تھی ؎

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم   ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اخیر حضور انور احمد مصطفےٰ شفیع دوجہاں حضرت رسالت مآب کا وصل ہوگیا مگر اس شیدائے اسلام کے اسی سے کچھ آنسو پونچھے کہ یہ مخلص خدا ترس مشرف باسلام ہو کے تدفین میں شریک ہوا۔
اللہ اکبر۔ اس نے مسلمان ہو کے کیا کیا خدمتیں اسلام کی کیں اور کفار کے مقابلہ میں کیا کیا جوہر شجاعت دکھائے اُس کی اخیر آرزو اور دلی خواہش اسلام کے لیئے شہید ہونے کی تھی وہ خدا نے پوری کی اور یہ بے مثال شاعر اور میدانِ کارزار کا شیر غزاغزوۂ روم میں شہید ہوگیا۔ (شواہد المغنی للسیوطی)
اعشیٰ یعنے میمون ابو بصیر بن قیس بن ثعلبہ سرآمد شعرائے روزگار یمامہ کا رہنے والا تھا۔ جب اس کے کانوں میں اسلام کی آوازیں گونجیں اور اس نے قرآن مجید کی سہانی فصاحت کا تذکرہ سُنا اس کے دل میں جوش اُٹھا کہ چل کر سُنا چاہیئے

قرآن مجید کی تصنیف اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ اصول پر کی گئی۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ اُن شاعروں کو کس کلام نے اسلام کی چاشنی چکھائی تھی اور اول ہی اول وہ کس باعث نظام کلام سے زمرۂ غلامانِ نبی میں داخل ہوتے تھے۔ تو جواب سوائے اسکے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن مجید نے۔ پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کوئی شخص مصنف قرار دیا جائے۔ اور اسے کسی شخص خاص کی طرف نسبت دی جائے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ رئیس کس قدر ایمان لاتے تھے سب کی فہرست لکھنے سے تو ایک بے لطف طول ہو جائے گا ہم یہاں صرف ایک ایک فرقہ میں سے ایک ایک دو دو کے نام لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رئیس قبائل اپنی حکمرانہ حالت پر لات مار کے غلامی اور وہ بھی بے مثل غلامی کے دائرہ میں آگئے تھے۔ اگرچہ یہ ضرور تھا کہ اُنکی یہ غلامی شہنشاہی مرتبہ سے کہیں برترین واعلیٰ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا یہ اثر ہے کہ بارہ سو برس سے آجتک کروروں نفوس جن میں عالم سے لگا کے شہنشاہ بھی ہوئے اور ہیں اُنھیں اپنا مخدوم اپنا پیشوا خیال کرتے تھے اور کرتے ہیں۔

مصعب بن عمر رئیس بنی اشہل۔ بریدہ اسلمی۔ اور دیگر شتر اشخاص رئیس اور اہل علم مدینہ خصوصاً عبداللہ بن سلام وغیرہ فقہائے یہود قرآن مجید پر جس صدق دل سے ایمان لائے تھے اُس کی نظیر کسی عصر یا کسی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

عبداللہ بن عوف۔ منذر بن عامر۔ اشجع۔ دلاور یہ سب اُمرائے عرب اور بڑے دولتمند تھے۔ فروہ بن عمرو صوبہ دار عمان۔ بلغاء۔ عامل ہرقل سلطان روم ایک متعصب نصرانی امیر و مصاحب حارث شاہ دمشق۔ جبلہ امیر غسانی۔ منذر بن ساوی سلطان بحرین۔ حارث بن ضرار امیر بنی مصطلق۔ باذان حاکم یمن۔ نجاشی بادشاہ حبشہ یہ سب خود مختار حاکم تھے جنہوں نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن مجید کی روشن تعلیم پر اعتراض کرنے والوں کی کیسی عقل ہے وہ قرآن جس کی حکومت دنیا پر بارہ سو برس سے قایم ہے اور ہر صدی نہیں بلکہ ہر قرن میں اُس کی عظمت اور شوکت کو ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے کبھی تو تلوار اُس کی حکومت کی معاون رہی اور کبھی تلوار نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا مگر ارکانِ حکومت میں کچھ فرق نہیں آیا اور اُنکی اُستواری کی وہی کیفیت ہے۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ تلوار کا تبادلہ قلم سے ہو گیا ہے اور آزادی کے عام راستے کھُلے ہوئے ہیں مسلمانوں کی حالت دوسری قوموں کی بہ نسبت بہت ہی کمزور ہے اشاعتِ قرآن کے ذرائع نہ اُن کے پاس ہیں نہ انھیں حاصل کرنے کا خیال بایںہمہ یہ معجزہ ہے کہ بغیر کسی کی کوشش کے دنیا کے ہر حصّہ میں دن بدن اس کی ترقی ہوتی جاتی ہے اِس میں شک نہیں کہ یہ بمقتضائے قانونِ قدرت ایک دن دنیا پر اپنا نور پھیلا کے رہے گا۔

کُل مذہب کیا تو مر گئے یا ادھ مرے تڑپ رہے ہیں یا اس قدر ضعیف ہو گئے کہ اب اِن کی موت کی پیشنگوئی آسانی ہو سکتی ہے مگر اسلام اب بھی وہی زندہ و توانا ہے اور اُس کی زندگی میں زور اور قوت اور غیر معمولی نمو پائی جاتی ہے۔ یہی بہت بڑا معجزہ ہے اور اسی سے دینِ خدا پہچانا جاتا ہے +

پھر کہتا ہے۔ بلغنا السماء مجدنا وجدودنا وانا لنرجو فوق ذلک مظھرا

اس شعر کو جناب رسالت مآب نے گوش گزار فرما کے نابغہ سے ارشاد کیا کہ "یا ابا لیلی این المظھر" یعنے ابو لیلے کہاں ہے مظہر نابغہ نے عرض کیا کہ جنت یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ۔ (الغرر والدرر)

کعب بن زہیر بھی عرب کے نامدار شعرا میں سے تھا۔ اسے قرآن مجید سُننے کا ازحد شوق تھا مگر قوم کی جابرانہ کارروائی سے خوف کھاتا تھا اخیر بڑی مشکل سے ایک دن شب کو اپنی قوم سے چھپ کے ناقہ پر منہ لپیٹ کے سوار ہوا اور نہایت ہوشیاری سے چھپتا چھپاتا حضور انور حضرت رسالت پناہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قرآن مجید سنا صورت حال میں ایک نئی تبدیلی محسوس ہوئی۔ وجد انگیز نشہ حیرت و استعجاب میں حضور انور احمد مصطفےٰ کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت شوق سے مشرف باسلام ہوا۔ ایک قصیدہ نعتیہ جو رسول مقبول کی جناب میں پیش کیا اب تک بہت نامور اور مشہور چلا آتا ہے۔ اس کا مذاق فصاحت مسلّم ہے اور اس کی شیریں کلامی اب تک مزے دیتی ہے۔ نعمائے بہشتی جسکے اشعار ایک عجیب غیر معمولی اثر رکھتے ہیں حضور انور کے فدائیوں میں سے تھا۔ اسکے اشعار سے اُس جوشیلے حیرت انگیز شوق شفاعت کا ایک عجیب لطف پایا جاتا ہے جو اوروں میں نظر نہیں آتا سواد بن قارب کاہن بھی صرف قرآن مجید کی فصاحت پر ایمان لاکے اسلام کا دائمی فدائی بن گیا تھا۔

فصاحت کا معجزہ اور اُس کا اثر جو کچھ ہوا وہ ہمارے بیان بالا سے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ گو ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن مجید کا بڑا معجزہ تعلیم ہے جس نے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور شیوخ قبائل عرب اور حکام کو اسلام کی زنجیروں میں اس مضبوطی سے جکڑ دیا تھا کہ اسکی مثل زمانہ دوسرا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسپر بھی ہم معجزۂ فصاحت قرآن مجید سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل لغو اور غلط ہے کہ جو لوگ اسلام پر فریفتہ ہوکے اس کے سرگرم و پُرجوش پیرو بن گئے تھے۔ اُنہیں کسی قسم کا لالچ تھا۔ یہ ایک مضحکہ خیز اور بے معنی بات ہے۔ ایمان لانے والوں میں حکمران۔ رئیس۔ دولتمند اور سردار بھی تھے جنہیں نہ حکمرانی کا لالچ تھا نہ ریاست کا نہ دولت کا اور پھر مسلمان ہوکے اُنہیں کفار عرب کے ہاتھ سے جو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ اس امر کی کافی دلیل ہیں کہ اُن کا اسلام لانا محض نجات ابدی کے لیئے تھا اور اُن کی سخت آزمایش خدا کی طرف سے اس غرض سے کی گئی تھی کہ لوگوں کی آنکھوں کے آگے اُن کا امتحان ہو جائے کہ وہ کسی دنیاوی طمع سے نہیں بلکہ خدائے واحد کی پرستش کے شوق میں دایرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ۔ حمزہ۔ جعفر طیار۔ عثمان بن طلحہ۔ عبداللہ بن مسعود۔ زبیر بن عوام۔ زید بن حارثہ۔ عمارہ۔ سعد بن وقاص ابو سلمہ مخزومی۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ ابو عبیدہ بن الحارث۔ سعید بن زید۔ ابو جندل بن سہیل۔ یہ سب اشراف و رئیس مکہ معظمہ تھے۔ قرآن ہی نے انھیں اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ اور اسی پاک کتاب کی ربانی ہدایتوں نے انھیں اسلام کا سچا خدمتگزار کر دیا تھا۔

یہ خیال کس قدر لچر اور پوچ ہے کہ حضرت رسالت مآب کی خدمت میں چونکہ شعرائے عرب بکثرت حاضر رہتے تھے اسلیئے

ھلہ ہماری عزت آسمان تک پہنچی اور ہمارے بزرگ معزز ہوئے اور ہم ہر طرح اس سے بھی زیادہ عزت کا امید رکھتے ہیں۔

خود قرآن مجید سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید میں کتاب کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی نوشتہ چیز کے ہیں۔ ہاں صرف لفظ قرآن کلام یا اعادہ ظاہر کرتا ہے اس سے ایک لکھی ہوئی چیز مفہوم نہیں ہوتی۔

یہ خیال ہوسکتا ہے کہ جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے ہیں تو آپ کا کوئی گھر نہ تھا یعنی مستقل کوئی جائے قیام نہ تھی پھر جمع کیا ہوا قرآن کہاں رکھا جاتا تھا اس سے شاید کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ضرور بعض ٹکڑے ادھر اُدھر ہوگئے ہوں اور جب تک آپ کی کوئی مستقل قیام گاہ نہ ہوگئی ہو اُن میں کمی بیشی ممکن ہے اگرچہ یقینی نہیں۔ ہم اس خیال کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے نہ ہمیں آنحضرت کی مستقل جائے قیام نہ ہونے سے تحریر شدہ اشیا کی پراگندگی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ لکھی ہوئی وحیاں صرف آنحضرت ہی کے پاس محفوظ نہیں رہتی تھیں بلکہ عموماً ہر صحابی کے پاس جمع رہتی تھیں اور وہ اُن کی روزمرہ تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس امر کی کئی شہادتیں موجود ہیں منجملہ اُن کے ہم دو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ہجرت نبوی سے پہلے مکہ معظمہ میں قرآن مجید کے پڑھنے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شکایت مشرکان مکہ نے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں کی تھی کہ یہ علی الصباح قرآن کی تلاوت باآواز بلند کیا کرتا ہے اور اس کے پڑھنے سے سننے والے متاثر ہو ہو کے اپنے عقائد میں کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ اگر آپ نے ابوبکر کو اس امر سے باز نہ رکھا تو ہم جنگ کرینگے اور زبردستی قرآن کا بلند آواز سے پڑھنا روکیں گے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس قرآن مجید تھا جسے وہ روزمرہ پڑھا کرتے تھے۔ دوسری صحیح روایت حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے کی ہے کہ جب آپ نے گھر میں آکے دیکھا کہ آپ کی بہن چمڑے کے ورق کا لکھا ہوا قرآن پڑھ رہی تھیں اور اسی لئے آپ نے اپنے بہنوئی کو زد و کوب کیا تھا کیونکہ وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کا ورق اپنے بہنوئی سے لیکے چاک کر ڈالا تھا۔ ان دو صحیح روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لکھا ہوا قرآن خواہ وہ کسی چیز پر ہو عموماً صحابہ کے پاس رہتا تھا۔ اب اس میں اس کمزور خیال کو رستہ دینا کہ وہ صحابہ کہاں رکھتے تھے ایک بے بنیاد بات ہے۔ جہاں وہ رہتے تھے جہاں وہ اُٹھتے بیٹھتے تھے اسے جان سے لگا کے رکھتے تھے کیونکہ یہی ایک پونجی تھی جو انہیں ایمان لا کے حاصل ہوئی تھی اور یہی دراصل اُن کی نجات کی کُنجی تھی۔ اس سے اور کچھ نہیں تو اتنا ثبوت ضرور ہوگیا کہ لکھا ہوا قرآن علاوہ آنحضرت کے صحابہ کے پاس بھی رہتا تھا۔ قرآن ایک جگہ جمع ہونا آنحضرت کی ہدایت کے موافق ہوا۔ یہ روایت کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق سے قرآن جمع کرنے اور اسکے نسخے لکھوا کے مختلف حصص اسلامی میں تقسیم کرانے کی رائے دی تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ جس کام کے کرنے کو میرے نبی نے نہیں فرمایا میں ہرگز نہ کرونگا۔ اخیر حضرت عمرؓ نے اونچ نیچ کے کئی پہلو سمجھا کے انھیں راضی کیا اور جب قرآن مجید لکھنے کے لیئے زید ابن ثابت سے کہا گیا تو اس نے بھی یہی عُذر کیا۔ ہمیں اس روایت پر پورا وثوق نہیں۔ ہم مجبور نہیں ہے کہ تواتر کے مقابلہ میں خبر احاد کو مان لیں۔ جب خود آنحضرت کا منشا قرآن کے جمع کرنے اور لکھوانے کا بہ تواتر ثابت ہے پھر کسی صورت سے ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ تواتر یہ ہے کہ آنحضرتؐ ابتدا ہی سے وحیاں لکھاتے جاتے تھے اور خاص ایک جگہہ وہ وحیاں محفوظ رہتی تھیں۔ ہم کاتبوں کا ذکر جو مکہ اور مدینہ میں وحیاں لکھتے تھے پہلے

پہلا باب

قرآن مجید کا انضباط اور ترتیب

یہ بحث نہایت دلچسپ اور اہم ہے اور ہم اس میں ایک بسیط تحریر کریں گے اور قرآن مجید پر جو اعتراضات اس پہلو سے کیئے گئے ہیں اُن کے جواب دیں گے۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے فرض کو پُورے طور پر ادا کر دیں۔

عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید زید ابن ثابت نے جمع کیا اور بعض جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضؓ کو کہتے ہیں مگر ہم دونوں خیالات سے اختلاف رکھتے ہیں نہ ہم زید کو جامع القرآن کہتے ہیں اور نہ حضرت عثمان رضؓ کو ہمارا مذہب ہے اور ہمیں احادیث صحیحہ سے پُورا پتہ لگا ہے اور ہمعصر شہادتیں بکثرت ہمارے پاس جمع ہیں کہ جامع القرآن خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ ضرور ہے کہ زید نے نظر ثانی کی یا حضرت عثمانؓ نے قرأت کا فرق نکالا مگر جامع القرآن کا معزز لقب اُسی ذات پاک و معصوم کے لیئے شایاں ہے جس کی نسبت یہ موزوں ہو سکتا ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

کم و بیش حضرت رسالت مآب کی نبوت کا زمانہ ۲۳ برس شمار کرنا چاہیئے۔ اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً جتنا قرآن نازل ہوتا گیا بالترتیب سب لکھ لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ حفظ بھی یاد ہوتا گیا۔ خود حضرت رسالت مآب کے زمانہ محمود و مسعود میں بہت سے صحابہ موجود تھے جنہیں قرآن مجید پُورا حفظ یاد تھا۔ یہ التزام تھا کہ ادھر وحی نازل ہوئی اور اُسی لحظہ یا اس سے تھوڑی دیر بعد آپ نے اپنے صحابہ کے آگے کلام ربانی فرما دیا۔ سُنتے ہی وہ کلام ربانی کھجور کے پتّوں۔ چمڑے۔ پتھروں۔ ہڈیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور ان چیزوں کی جن پر کلام خدا تحریر ہوتا تھا سخت حفاظت کی جاتی تھی۔ اس لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان ٹکڑوں کو دنیا کی ہر قیمتی چیز سے بیش قیمت خیال کرتے تھے۔

مکہ معظمہ سے جب تک ہجرت نہ ہوئی تھی اور وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اس وقت آپ کے کاتب وحی خدیجۃ الکبریٰ ورافعہ علی بن ابی طالب۔ ابوبکر صدیق تھے۔ یہ سب تعلیم یافتہ اور اس زمانہ کی علمی دنیا میں نامور تھے۔ مختلف کاتب اس لیئے آنحضرت کی خدمت میں رہتے تھے کہ وحی کے نازل ہونے کا وقت کوئی خاص نہ تھا اور جب مختلف اوقات میں وحی نازل ہوتی تھی تو ایک نہ ایک ضرور موجود رہتا تھا جب آپ نے ہجرت فرمائی اور یثرب مدینۃ النبی کے نام سے مشرف ہوا تو آپ کی خدمت میں چودہ کاتب وحی رہتے تھے جن میں علی بن ابی طالب۔ عثمان بن عفان۔ زید بن ثابت بڑے نامور تھے۔ آخر الذکر عبرانی کا بہت بڑا عالم تھا اور بطور مُعتمد کے بھی کام کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی عبداللہ بن سعد بھی کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور روایات صحیحہ کا سلسلہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ خود آنحضرت اپنے سامنے وحی لکھوا کے سُن لیا کرتے۔ اور اگر کسی لفظ میں سہو کاتب ہوتی اسکی فوراً صحت کرا دیتے۔

مگر سر ولیم میور اس روایت سے اتفاق کرکے یہ لکھتے ہیں کہ صرف چھوٹی چھوٹی سورتیں جو پانچوں وقت کی نماز میں پڑھی جاتی تھیں دوہرایا کرتے تھے نہ کہ پورا قرآن۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وجہ کیا تھی کہ قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتوں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور بڑی سورتوں کے پڑھنے یا دوہرانے میں اُنہیں تکلف ہوتا تھا۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نماز میں خود آنحضرت اور آپ کے بعض صحابہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُنہیں بڑی سورت کے پڑھنے کی ممانعت تھی۔ کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی فلاں سورت پڑھی جائے اور فلاں نہ پڑھی جائے۔ نماز فجر میں اکثر بڑی بڑی سورتیں پڑھی جاتی تھیں چنانچہ اب بھی یہی دستور ہے۔ پھر عام طور پر یہ خیال کر لینا کہ سب ہمیشہ چھوٹی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے کتنا غلط استدلال ہے

سر ولیم میور یہ لکھتا ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ترتیب نہیں ہے بلکہ اس ترتیب کو صحابہ نے درست کیا تھا اُس کا اعتراض ہے کہ اگر خود آنحضرت دیتے تو مضامین کا اسقدر غلط ملط نہ ہو جاتا چنانچہ وہ یہ بحث کرتا ہے "یہ بعید الفہم ہے کہ پیغمبر نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ اس انضباط اور ترتیب سے قرآن جمع کیا جائے (یعنی کونسی سورت آگے ہو اور کونسی پیچھے) ہمیں اس میں بھی شبہہ ہے آیا سورتوں کا شمار جو اب موجود ہے پیغمبر کی ہدایت سے ہوا۔ بہت سی سورتوں کے مضمون میں اندرونی تواتر اس پیمانہ پر نہیں ہے جو پیغمبر کے عمل میں آیا تھا۔ مضامین کی غیر متغیر ہیولائی آمیزش کو جس طرح کہ علم تاریخ نے علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے اسی طرح ادراک نے بھی اسے بے ترتیب ثابت کیا ہے۔ ایک آیت جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی وہ اس آیت سے پہلے آگئی ہے جو بہت دن پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ ایک حکم ایسے حکم کے بعد رکھا گیا ہے جو ماقبل الذکر حکم کی ترمیم یا تردید کرتا ہے یا ایک بحث فوراً ایک جملہ کے بیچ میں آنے سے جو اس کی تائید سے خارج ہے یا اسکا موید نہیں بن سکتا چھٹے ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں ہمیں اس یقین کرنے میں مانع آتی ہیں کہ موجودہ ترتیب یا کوئی کامل انتظام پیغمبر کی زندگی میں کیا گیا ہے"۔ یہ اعتراض ہے جس کا جواب ہم ذیل میں دیتے ہیں۔ میور یہ لکھتا ہے کہ قرآن کی تاریخی ترتیب جس طرح غلط ہے اسیطرح اس کے مضامین کی ترتیب اور اُس کا نظام بھی غلط ہے اس بنا پر وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ قرآن مجید کو آنحضرت نے ترتیب نہیں دیا۔ یہی اعتراض ڈاکٹر موسیو لی بان فرانسیسی محقق نے بھی اپنی کتاب تمدن عرب میں کیا ہے اور یہی نکتہ چینی اسپرنگر نے بھی اپنی سیرت محمدیہ میں جائز رکھی ہے۔ پس ہم اس پر بسیط بحث کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں خود علمائے اسلام کا بہت بڑا اختلاف ہے اور اب تک اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا ہے کہ اتنی سورتیں یقینی مکی ہیں اور اتنی سورتیں بلاشک مدنی ہیں۔ مگر ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سورت جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی اُس سورت سے پہلے آگئی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اس سے ہم یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ تاریخی ترتیب غلط ہے۔ غلط کا کریہ لفظ خود کسی مصنف کی ایسی تصنیف کی نسبت بھی عائد نہیں ہو سکتا جس نے مضامین کی کسی مصلحت کی وجہ سے ترتیب دی ہو اور اُسے اپنے ڈھنگ پر نیا لباس پہنایا ہو مسلمانوں کا

کرچکے ہیں۔ہم دریافت کرتے ہیں اگر آنحضرت کا منشا ایک جگہہ قرآن کا جمع کرنا اور اشاعت دینا نہ تھا پھر لکھوانے اور علیحدہ محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ صحیح روایت ہے کہ حضرت بی بی حفصہؓ کے گھر میں ایک صندوق میں پورا قرآن مجید رکھا تھا۔ایک غلط روایت کا مشہور ہوجانا اور کبھی کسی عالم مفسر یا محقق کو اُس پر غور کرنے کا اتفاق نہونا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ روایت درحقیقت صحیح ہے۔میرا اس پر ایمان اور یقین ہے کہ حضرت صدیق یا زید ابن ثابت نے قرآن کے ایک جگہہ لکھے جانے اور اشاعت پر اعتراض نہیں کیا نہ وہ کر سکتے تھے۔دُوسرا ثبوت قرآن کے ایک جگہہ جمع ہونے اور خود نبی معصوم و برحق کے ہاتھوں سے جمع ہونے کا یہ ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے مرض الموت میں فرمایا کہ دوات قلم لاؤ میں کچھہ لکھوا دوں تو حضرت عمرؓ نے صاف کہدیا تھا کہ ہمارے لئے اسے محمدؐ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کافی ہے۔ہم دریافت کرتے ہیں جب قرآن مجید جمع ہی نہیں تھا تو حضرت عمرؓ نے کیونکر کہا۔نہیں بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید محفوظ تھا اور اس طرح اُس کی ترتیب دی ہوئی تھی کہ اُس پر لفظ کتاب کا اطلاق ہوسکتا تھا ہمارے اس بیان سے یہ تو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جامع القرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زید ابن ثابت اور حضرت عثمان غنیؓ کو اس سے کچھہ تعلق نہیں۔یہ قرآن جو ہمارے ہاتھہ میں ہے اسے ہم نہ زید بن ثابت کا قرآن کہسکتے ہیں اور نہ عثمان غنی کا صرف اس قدر ضرور ہے کہ زید ابن ثابت نے لکھا اور حضرت عثمان غنی نے قرات کے اختلاف کو دُور کرکے اسی نبوی قرآن کی اشاعت دی جو آنحضرت کے زمانہ مسعود و محمود میں جمع ہوچکا تھا۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کہیں بھی کامل سلسلہ اصلی منقولہ نسخہ قرآن کا نہ تھا۔سر ولیم میور نے بھی اس پر بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے مگر معترضوں کی سخت غلطی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب خود نبی اکرم اور آپ کے صحابہ اناجیل اور تورات کو عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں میں ناقص دیکھہ چکے تھے جب اُنہیں اس کا علم ہوچکا تھا کہ ان دونو فرقوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے پھر وہ کیوں نہیں خبردار ہوتے اور کیا وجہ تھی کہ قرآن کی ایسی حفاظت نہ کرتے جتنی ممکن ہوسکتی ہے جس سے کمی بیشی کا خیال تک نہ رہتا۔ بیشک اور یقیناً اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی آیت کی اس قدر حفاظت کی کہ وہ علاوہ تحریر کے لوگوں کے سینوں میں نقش ہوگئی۔

مسلمانوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے اور وہ اس عقیدہ اور یقین کے ثبوت اور استحکام کے لیئے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل سال میں ایک دفعہ کُل قرآن آنحضرت کو دہروا جاتے تھے۔ایک محقق شخص اس روایت سے یہ نتیجہ ضرور نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید ضرور دوہرایا جاتا تھا خواہ اُسے حضرت جبرئیل دوہراتے ہوں یا کوئی جلیل القدر صحابی۔قرآن کا دوہرایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت ہی کی دی ہوئی ہے اور اس ترتیب میں کسی دُوسرے شخص کا ہاتھہ نہیں لگا ہے۔

ہم نے ماسوائے اسکے چند صحابہ کا ذکر پڑھا ہے جنہوں نے کئی کئی بار آنحضرتؐ کے آگے قرآن مجید کو بزبان دوہرایا تھا

بھی بحث کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اقرأ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسری سورت تھی جس کے پڑھنے کے لیئے خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی تھی نہ کہ خود سورۂ اقرأ۔ یہ بحث نہایت دقیق اور نازک ہے اور اس کا اس آسانی سے فیصلہ نہیں ہو سکتا جیسا میور یا اُس کے اور ہم خیالوں نے کر لیا ہے۔ قرآنی معارف و دقایق پر غور کرنے کے لیئے ایک غیر طرفدار اور بیدار دل کی ضرورت ہے اور ایسی روشن ضمیری کی حاجت ہے جو ایک پاک متقی کو حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے صرف ربط قرآن مجید ثابت کرنے کے لیئے ایک بہت بڑے علم ربط کی بنیاد ڈالی جس کا بانی امام محی الدین ابن عربی ہے جس نے یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید الحمد سے لیکے والناس تک ایک ہی جملہ ہے۔ اگر معترض علم ربط کی بحث کو بغور دیکھ لیتے تو اُنہیں کبھی بھی اس نکتہ چینی کا موقع نہ ملتا۔

ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی نبی کے چند قصص مختلف مقامات قرآن میں آ گئے ہیں اور اس وجہ سے ترتیب مضامین میں بہت بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک ایک قصہ کو قرآن مجید میں مختلف مقامات میں بیان کیا ہے مثلاً حضرت آدم ہی کا قصہ ہے اس سے ہم نہیں سمجھتے کہ ترتیب مضامین کیونکر غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ جس جگہ ایک قصہ بیان ہوا ہے وہاں اُسکی اور حالت ہے اور دوسری جگہہ اسی بیان نے ایک ایسا نیا لباس پہن لیا ہے کہ وہاں اُس کی اور ہی صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا مفصل ذکر جگہہ بجگہہ ہماری تفسیر میں آئے گا۔

اب ہم ایک اور پہلو پر بحث کرتے ہیں فرض کرو کہ آنحضرت نے کوئی ترتیب اپنے سامنے قرآن مجید کی نہیں دی اور نہ کسی خاص ترتیب یا نظام کی آپ نے اپنے صحابہ سے ہدایت کی اور اب صحابہ کو قرآن کے ایک جگہہ جمع کرنے کی ضرورت ہوئی جس وقت حضرت عمر کی تحریک اور حضرت ابو بکر کے حکم سے زید ابن ثابت نے ایک جگہہ قرآن جمع کرنا شروع کیا ہے اُس وقت بیسیوں صحابہ موجود تھے جنھیں قرآن پورا حفظ تھا اور ایسے تو ہزاروں صحابہ تھے جنہیں اُس ترتیب کا بخوبی علم تھا جو آنحضرت کے سامنے قایم ہو چکی تھی کیا یہ خیال میں آ سکتا ہے کہ قوم کی قوم غلطی کرے اور اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم ترتیب مضامین غلط کر رہے ہیں ان صحابہ میں بڑے بڑے عالم۔ شاعر اور نثار موجود تھے اور ایک ہی نبی کے قصوں کو ایک جگہہ جمع کر دینے کا کام نہ لیاقت چاہتا تھا نہ اس میں کچھ علمیت کا کام تھی یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کر سکتا تھا نہ کہ جلیل القدر صحابہ جن کے بے نظیر اور معنی خیز کلام نے تیرہ سو برس سے مخلوق خدا کی رگوں میں ذوق اور شوق کا خون دوڑا رکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام بلاغت نظام اور آپ کے خطبے موجود ہیں جنھوں نے مشرقی دنیا ہی کو نہیں بلکہ مغربی عالم کو ششدر بنا دیا تھا اور آپ کے مقولے بطور ضرب المثل کے اب تک یورپی مصنفوں کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں اسی طرح اور بھی زبردست فاضل تھے جن سے علم فقہ جیسے عظیم الشان قانون کی بنیاد پڑی کیا کسی کم عقل سے کم عقل کی سمجھہ میں بھی یہ آ سکتا ہے کہ ان میں یکساں مضامین کو ایک جگہہ جمع کرنے کی قابلیت نہ تھی اور نہ برسوں تک اُنہیں یہ غلطی معلوم ہوئی نہ اب تک کہ لاکھوں علما گزر گئے اور وہ علما جن کی مثل زمانہ نے اب تک پیدا نہیں کیا اس صریح اور موٹی غلطی پر

عقیدہ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور آسمان سے نازل ہوا ہے اس کی وہی ترتیب ہے جو لوح محفوظ میں تھی مگر یہ جواب خصم کے لیئے کافی نہیں ہے اس لیئے ہم مفصلہ ذیل بحث کرتے ہیں۔ قرآن خواہ آسمان سے نازل ہوا یا خود آنحضرت نے تصنیف کیا ہر حالت میں یہ لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ بمقتضائے وقت وضرورت نازل ہوتا تھا اور اُسی قدر تلقین کیا جاتا تھا جتنی کہ اُس کی ضرورت ہوتی تھی اگر آگے پیچھے کی وہی ترتیب رکھی جاتی تو خلط بحث ایسا ہو جاتا کہ پھر ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ اس طرح پریشان صورت میں نازل ہونا اور پھر اُس کی عُمدہ طور پر ترتیب دے لینا قانون قدرت کے مطابق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مُختلف حصص عالم میں مُختلف چیزیں پیدا کیں مثلاً فرض کرلو کہ لوہا ولایت سے آتا ہے اور ہندوستان کی لکڑی کے ساتھ ملا کے اُسے کسی خاص کام میں لاتے ہیں تو کیا یہ کہنا بجا ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخی ترتیب ٹھیک نہیں۔ لوہا خواہ کسی دور دراز حصئہ دنیا میں مستعمل ہو کہلائے گا لندن ہی کا لوہا۔ اسی طرح مکی سورت خواہ مدینہ والی سُورت کے بعد ہی کیوں نہ رکھی جائے ہوگی مکی سورت تاریخی ترتیب اسے نہیں کہتے بلکہ تاریخی ترتیب کے یہ معنی ہیں کہ واقعات گزشتہ قرن بعد قرن یا صدی بعد صدی ایک انضباط میں رکھے جائیں یا بیان کیئے جائیں اور پھر اُنکی ترتیب میں فرق آجائے یعنے ہم اکبر کا حال بیان کر رہے ہیں اسے ختم کرتے ہی ہم نے بابر کا ذکر چھیڑ دیا اُسکے بعد جہانگیر کا آگیا اور پھر اورنگ زیب کا اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ لکھ رہے ہیں اور ہم نے اِس قسم کی ترتیب دی ہے تو بے شک ہماری ترتیب غلط ہوگی اور اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں لکھ رہے بلکہ تمثیلوں اور نصائح یا حکایات کی ایک کتاب تیار کر رہے ہیں تو مذکورہ ترتیب کسی لحاظ سے بھی غلط نہیں ہوسکتی چاہے ہم جلال الدین اکبر کا ذکر لکھتے لکھتے بہادر شاہ کا تذکرہ کرنے لگیں اور بہادر شاہ کے ساتھ عالمگیر کا بیان لکھدیں۔

اب ہم قرآن مجید کی طرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں قرآن مجید ایک کتاب ہے جس میں خدا کی طرف سے اوامر و نواہی کا بیان ہوا ہے اور اُن کی ترتیب جس عُمدگی سے دیگئی ہے وہ انسانی معمولی ترتیب سے بدرجہا بہتر اور عُمدہ ہے یہ بالکل غلط ہے جیسا سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ بعض جگہہ ایک حکم جو بعد میں آیا ہے اپنے ماسبق کے حکم کی تردید کرتا ہے شاید اسے ناسخ و منسوخ کی بحث میں مغالطہ پڑا ہو نکہ تمثیلاً اُس نے ایسے کسی دو حکموں کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کیا اس لئے ہم اُس پر ابھی بحث نہیں کرتے اور اس بحث کو ناسخ و منسوخ کی دلچسپ بحث کے لیئے رہنے دیتے ہیں۔

ہمارے علماء کے مُختلف اقوال اور آرائے کو جانچ کے اُس نے نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معمولی طور پر چند اقوال پر نظر کر کے اس نے یہ غلط اور صریح اور لغو الزام قرآن پاک جیسی کتاب پر عاید کر دیا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ قرآن احکام الٰہیہ کا ایک مجموعہ ہے اور اُن میں انجیل کی طرح ایک بھی حکم ایسا نہیں ہے جسے ہم دوسرے حکم کی ضد کہہ سکیں۔ بڑا اختلاف اسی میں ہے کہ پہلے کون سی سورت نازل ہوئی تھی اگرچہ عام اتفاق اس پر ہے کہ سورۂ اقرأ کا سب سے پہلے نزول ہوا تھا مگر بعض علماء نے اِس پر

بلکہ خود نبی نے نہایت مضبوطی سے اور بلا شرکت غیرے ترتیب دیئے تھے اور آپ ہی کی ہدایتوں کے بموجب اُن کی تعلیم ہوئی تھی اور انہیں لکھہ لیا گیا تھا اور یہ وجہ قرآن کا اندازہ بتاتی ہے کہ نہ صرف اس میں وہی سورتیں ہیں کہ جو نبی کی زبان اور مُنہ سے نکلی تہیں بلکہ اس کے تعلق اور سیاقِ کلام سے پایا جاتا ہے کہ ان میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں "۔ میور کو یہ الہام شاید روح القدس کی طرف سے ہوا ہوگا کہ قرآن میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ سر ولیم میور جب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں مطلقاً تحریف نہیں ہوئی اور تحریف نہونے کے ثبوت میں وہ منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل کیا جاتا تو ہرگز وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جو راسخ الاعتقادی سے یہ ایمان رکھتے تھے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے۔ فوراً ایک سخت بغاوت ہوتی اور عرب میں خون کے دریا بہ جاتے۔ اس لکھنے کے بعد تعجب ہے کہ اُس نے یہ اعتراض کر دیا کہ قرآن میں دوسروں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ کوئی وجہ اس یقین کی نہیں معلوم ہوتی کہ اس میں ایک لفظ بھی کسی دوسرے شخص کا شامل ہو اور ایسی مخدوش ترتیب کو زید ابن ثابت نے لکھا ہو اور حضرت ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ نے اس خلط ملط کو تسلیم کر لیا ہو اور یہ جائز رکھا ہو کہ خدا کا کلام اس مخلوط صورت میں اشاعت پائے اور اُن کے دین کی کتاب برباد ہو۔ اُن کے ایمان زبردست اور مضبوط تھے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ان کی راسخ الاعتقادی بے نظیر اور لاجواب تھی اُنہیں قرآن مجید کا احترام دنیا کی ہر شے سے زیادہ تھا اور وہ اُس کے ہر ہر لفظ کو کلام خدا سمجھہ کے جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اُن کی قوت حافظہ کا خود میور ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مصنفین قایل ہیں اُن میں معمولی بات یہ تھی کہ آناً فاناً میں وہ قصائد کے قصائد حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے بھلا وہ ایسی قوت حافظہ اور ایسے مستحکم ایمان اور یقین پر جو وہ قرآن مجید کی نسبت رکھتے تھے کیوں بھولنے لگے اور کیوں اس سے پہلوتہی کرنے لگے۔ ان کی اس صفت یعنی قوت حافظہ کی ودیعت بطور ورثہ مسلمانوں میں ہوئی ہے دیکھہ لو دس دس بارہ بارہ برس کے بچے کس آسانی اور عمدگی سے قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں اور پھر کس خوبی اور جرأت سے بھرے مجمع میں پڑھ کے سُنا دیا کرتے ہیں۔ کچھہ اس کتاب میں یہ معجزہ رکھا گیا ہے کہ چھہ سات برس کا بچہ جس آسانی سے قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اپنی مادری زبان کی کتاب ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کا کئی بار تجربہ ہوا ہے اور اس سے بلاشک کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ اسی کتاب میں شرف ہے اور اسی کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ اگر دنیا میں ایک ایک نسخہ معدوم کر دیا جائے اور ایک لکھا ہوا ورق بھی نہ رہے پھر بھی بہت جلد ہزاروں قرآن تیار ہو سکتے ہیں اور یہ محض ناممکن ہے کہ ان میں ایک جگہہ بھی زیر زبر پیش کا بل ہو اور کیا مجال ہے کہ کہیں ایک حرف میں بھی فرق آئے۔ کسی غیر لفظ کا الحاق اس زمانہ میں جب اس قدر ناممکن ہے تو کیونکر خیال میں آ سکتا ہے کہ اس زمانہ مسعود و محمود میں ممکن ہو سکتا۔ الحاق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو اپنی طرف سے کسی آیت میں کوئی لفظ ملا کے اُس سے ایک نیا مطلب پیدا کرنا۔ دوسرے کسی لفظ کے الحاق سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ کوئی عیب جو کلام میں کسی وجہ سے آ گیا ہے جاتا رہے یہ دونوں صورتیں اُس زمانہ کی طبائع کا خیال کر کے ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ اسی کلام پاک پر انہوں نے اپنا گھر بار

آگاہ نہ ہوئے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جو ترتیب اس وقت قرآن مجید کی ہے یہ بالکل صحیح ہے اور خود آنحضرت کی دی ہوئی ہے اور نہ اس ترتیب میں دوسرے کی رائے شریک ہے نہ دوسرے شخص کا ہاتھ لگا ہے ہمارے بیان بالا سے ایک منصف مزاج شخص یہ استنباط کر سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی غلط تاریخی ترتیب کا الزام لغو ہے اسی طرح مضامین کی بے ترتیبی کا اتہام محض بے بنیاد لاطائل و لایعنی ہے۔

اس کے آگے سر ولیم میور لکھتا ہے "اس کے خلاف بلا شک کتنی ہی سورتیں مضمون اور ترتیب میں بالکل وہی سورتیں ہیں کہ جیسی پیغمبر نے اپنے وقت میں چھوڑی تھیں اور سورتوں کا باقی ماندہ حصہ گو بے ضابطگی سے باہم مشابہ ہے پھر بھی اصلی ٹکڑوں سے عموماً ایک بڑی طولانی پر ترتیب دی گئی ہے اور ہر سورت کا بہت سا حصہ اسی انضباط کی پیروی کرتا ہے جو عام عبادت میں مستعمل ہوتی ہیں اور ان ہی سورتوں کو لکھ بھی لیا گیا اور حفظ بھی یاد کر لیا گیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی بے قاعدہ وساطت اور بے ترتیب نظام نے بسا اوقات بلا شک تواتر کو برباد کر دیا ہے اور اس سے ایک انتشار اور آیتوں کی ایک پریشانی پائی جاتی ہے"۔ سر ولیم میور کو اس امر نے کہ جو سورتیں نماز میں پڑھی جاتی تھیں وہ کوئی خاص تھیں مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔ روایات صحیحہ سے یہ بات خفیف طور پر بھی ثابت نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ نماز میں فلاں سورت پڑھنا اور فلاں نہ پڑھنا یا عام طور پر چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہوں اور کوئی شخص بڑی سورت کا ورد نہ رکھتا ہو۔ یہ ساری باتیں محض بے بنیاد ہیں اور ان خیالی اور ایجادی باتوں کی درحقیقت اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ اگر تحقیق سے کچھ بھی سروکار ہوتا تو سر ولیم میور کو معلوم ہوتا کہ رمضان المبارک میں مسجدوں میں قرآن مجید کا پڑھا جانا اور دیر تک پڑھا جانا اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ صحابہ حافظ قرآن تھے اور اسی ترتیب سے قرآن پڑھتے تھے جس کی بنیاد خود آنحضرت نے ڈالی تھی اور جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ صحیح احادیث موجود ہیں کہ رمضان المبارک میں قرآن پڑھا گیا اور اتنی اتنی دیر تک پڑھا گیا کہ جناب رسالت مآب نے فرمادیا کہ شاید تمہیں تکان ہوا اور روزے رکھنے میں تکلیف ہو تم اپنے گھر میں پڑھ لیا کرو۔ اب اس حکم سے کئی کئی باتیں پیدا ہوتی ہیں پورے قرآن پڑھنے کا حکم اور قرآن مجید کے ترتیب وار ہونے کا پورا ثبوت تیسرے اس امر کا ثبوت کہ موجودہ ترتیب کو آنحضرت نے سنا اور پسند کیا چوتھے اس بات کا ثبوت کہ ترتیب زمانہ وصل سے بہت دن پہلے برابر ہوتی چلی آتی تھی پانچویں اس امر کا ثبوت کہ صحابہ کو وہ ترتیب یاد تھی جو آنحضرت کے وقت میں موجود تھی۔ اب یہاں سے میور اور اس کے ہم خیال معترضوں کے کل اعتراضات منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ذرا بھی قابل لحاظ نہیں رہتے۔

ہم نہیں خیال کرتے کہ کن چھوٹی چھوٹی سورتوں یا آیتوں سے قرآن مجید کے تواتر میں فرق پڑتا ہے۔ ہماری تفسیر کے ناظر خود اس بات کا فیصلہ کر لیں گے کہ معترض کا یہ خیال کس قدر غلط اور نامعقول ہے۔ قرآن مجید کے تواتر میں نہ کبھی فرق پڑا نہ پڑ سکتا ہے۔ بے سمجھی سے کوئی رائے قائم کر دینا اور اس پر منطق کے پیرائے میں حجت کرنا اپنی کامل لاعلمی اور تعصب کا پورا ثبوت دینا ہے۔ پھر آگے سر ولیم میور یہ گوہر افشانی کرتے ہیں "تاہم یہ بات باقی رہتی ہے کہ سورتوں کی

پسند کرے اور پھر وہ بھی راضی ہو تو تیرا نکاح اُس سے کر دوں گا۔ اُس خاتون نے ایک صحابی کی طرف اشارہ کیا اُن صحابی نے بھی منظور کر لیا پھر آنحضرت نے فرمایا تیرے پاس مہر دینے کے لئے کوئی چیز ہے صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ نہیں پھر ارشاد نبوی ہوا کہ اپنے مکان میں جا کے دیکھو شاید کوئی چیز مل جائے۔ ارشاد کی تعمیل صحابی نے فوراً کی اور واپس آ کے نفی میں جواب دیا پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا ایک لوہے کا چھلا بھی نہیں ہے پھر جا کے دیکھو اور اگر لوہے کا چھلا ملے اُسے ہی لے آؤ وہ پھر گئے اور پھر خالی ہاتھ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک چھلا بھی لوہے کا نہیں ہے پھر آپ نے ارشاد کیا تمہیں قرآن مجید کی کوئی سورت بھی یاد ہے جواب دیا سورتیں تو کئی یاد ہیں چنانچہ آنحضرت نے نکاح پڑھایا اور مہر میں قرآن مجید کی سورت باندھی اور فرمایا کہ تو ایک سورت قرآن مجید کی جس وقت اپنی زوجہ کو حفظ یاد کراوے گا تو اُسی وقت مہر کے دین سے سبکدوش ہو جائے گا۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مہر قرآن مجید کی سورتوں کا باندھا جاتا ہو وہاں حفظ یاد کرنے اور صحیح یاد کرنے کا کس قدر رواج ہوگا۔ پھر میور صاحب تحریر کرتے ہیں "اگرچہ نبی اُمی تھے اور آپ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے پھر بھی آپ علوم وفنون کی طرف حاسدانہ نظر نہ رکھتے تھے۔ چند غریب مکی قیدی جو جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے تھے صرف اسبات پر رہا کر دیئے گئے کہ وہ جاہل اہل مدینہ کی خاص تعداد کو لکھنا سکھائیں۔ اگرچہ اہل مدینہ مکیوں کی طرح تعلیم یافتہ تھے پھر بھی اشاعت اسلام [illegible] پہلے ایسے بہت سے لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ اس قابلیت کے [illegible] صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ سورتیں جو بلا امکان حفظ کر لی جاتی تھیں اسی طرح ضرور انہیں نہایت [illegible] بھی لیا جاتا تھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں جب کوئی گروہ داخل اسلام ہوتا تھا تو نبی اپنے پیرواں سے فرماتے تھے کہ انہیں قرآن کی تعلیم کرو اور اصول دین خدا سمجھا دو۔ ہمیں اکثر اوقات اس کی بھی اطلاع دی ہے کہ وہ اپنے ساتھ تحریری ہدایتیں لیجاتے تھے اور اس سلسلہ سے اُن کے پاس وحیوں کے مشہور حصص کا ایک سرمایہ ہوجاتا تھا۔ بالخصوص اُن وحیوں کا جن پر دستورات اسلام مبنی ہیں اور ایسی سورتیں ہمیشہ عام عبادت میں پڑھی جاتی تھیں۔"

یہاں میور کا قول ختم ہو گیا۔

اخیر نتیجہ جو اس تحریر کا نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ضرور مسلمانوں کے پاس قرآنی سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اور ہر شخص اپنے پاس لکھا ہوا قرآن مجید ضرور رکھتا تھا مگر یہ لکھی ہوئی سورتیں زیادہ تر وہی ہوتی تھیں جو نماز وغیرہ دستورات اسلام میں مستعمل ہوتی تھیں۔ یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کی نسبت ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ کسی روایت سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی طرف سے یا آنحضرت نے کوئی حکم ایسا دیا ہو کہ فلاں فلاں سورتیں مخصوص اس دستور کے لئے ہیں۔ کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی اسکی موید نہیں ملتی۔ عجیب بے معنی قیاس اور بودا وہ استدلال ہے۔

اس قسم کی ایک روایت موجود ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے سورہ اخلاص پسند ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ہر وقت کی نماز میں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں یہی سورۃ پڑھا کروں۔ آپ نے ارشاد کیا تمہیں اختیار ہے

وطن بال بچے چھوڑ دیئے تھے اور اسی کلام پاک کی منادی کے لئے جو جو کوششیں سر ہتیلی پر رکھکر انہوں نے کی ہیں وہ تاریخ عالم کے صفحوں میں اب تک درخشاں اور تاباں ہیں اس کے علاوہ ایک منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کے دقایق اور معارف کے اظہار کے لئے مسلمانوں نے جو کچھ جد وجہد کی ہے اور جس کثرت سے تصانیف کی ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے کہ انہیں اس امر کا شبہہ بھی نہیں ہوا کہ قرآن مجید میں ایک لفظ کا بھی فرق ہے یا اس میں خفیف سی کمی بیشی ہوئی ہے۔ انہوں نے ہزاروں اعتراضات صرفی نحوی فصاحت وبلاغت کے متعلق خود کئے اور ان کے خود ہی جواب دیئے۔ جیساکہ ہمارے گزشتہ دیباچہ سے معلوم ہو گیا ہوگا ایسے زبردست فضلا کو تو ایک لفظ بھی قرآن میں الحاقی نہیں ملا اور تیرہ سو برس کے بعد ایک لندن نژاد شخص کو جس میں معمولی عربیت کی لیاقت ہو ایسے بہت سے الفاظ مل جائیں جو قرآنی نہوں بلکہ دوسرے شخصوں کے ہوں تعجب سے بھی زیادہ تعجب ہے۔ اس قسم کے اعتراضات سے سر ولیم میور نے اپنے دوست عیسائیوں کے آنسو پوچھے ہیں جو انجیل کی تحریف سے غمگین ہیں اور انہیں کوئی جواب بن نہیں آتا۔ سوائے اس کے اور کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن کو محرف ثابت کریں اور یہ بتائیں کہ قرآن خود بھی عربی کی تصنیف ہے اور اس میں گھٹانے بڑھانے کی گنجایش ہے۔ بڑا شک سر ولیم میور اور اس کے ہم خیال دوست اسپرینگر کو یہ ہے آیا مسلمان قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں حفظ کر سکتے تھے یا نہیں ؟ انہیں یقین ہے کہ سوائے چھوٹی چھوٹی سورتوں کے بڑی سورتیں اول تو مسلمانوں کو یاد نہیں تہیں اور اگر تہیں بھی بہت کم۔ موجودہ اور گزشتہ زمانہ کو نظر کرتے یہ خیال مضحکہ خیز اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے پورے قرآن کا حفظ یاد کرنا شروع اسلام سے چلا آتا ہے اور اسکا سواج اب تک اسی سرگرمی سے جاری ہے۔ جتنے بڑے بڑے علماء گزرے خواہ زمانہ خلافت کے ہوں خواہ پہلی دوسری اور تیسری صدی میں سب حافظ قرآن تھے۔ اور قرآن کا اس طرح حفظ کرنا جیسا ہم پہلے لکھہ آئے ہیں انہیں بطور ورثہ پہنچا تہا۔ اس بین اور صریح بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

جب یہ امر صریح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اشاعت اسلام سے بہت پہلے لکھنے کا علم مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جاری ہو چکا تہا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُمی تھے مگر آپ نے ہمیشہ پڑہنے لکھنے کی طرف اپنی قوم کو تحریص دلائی اور آپ کے صحابہ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو اچھی طرح لکھہ پڑہ سکتے تھے پھر اس یقین کرنے میں کیوں تردد کیا جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا اسے بار ہا نہ صرف نبی معصوم کے آگے بلکہ ہزاروں مسلمانوں کے آگے پڑھا ہوگا جس ترتیب سے انہوں نے لکھا وہ پسندیدہ اور حسب منشائے رسول کریم تہی اور جو کچھ لکھا وہ بلفظہ کلام خدا تہا ایک حرف کی بھی اس میں کمی بیشی ممکن نہ تہی۔ قرآن مجید کو لکھنے اور حفظ یاد کرنے کی رسم خود اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس میں مہر قرآن مجید کی ایک سورت کا باندھا گیا ہے۔ یہ روایت اس طرح پر ہے کہ ایک دن ایک عورت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا محمد میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں آپ نے بڑی حلیمی اور اخلاق سے فرمایا اے خاتون مجھے ضرورت نہیں ہے ہاں حاضرین میں سے جسے تو

دوسرا باب

اختلاف قرأت

ہمارے دوست سر ولیم میور اور آپ کے چند ہم خیال لوگوں نے اختلاف قراءت پر بحث کی اور ہم مشکور ہیں کہ میور صاحب نے اس بحث میں کسی قدر انصاف سے کام لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں" دنیا میں اغلباً یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدیل چلی آئی ہو ساختلاف قرأت نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف علت اور ممیزہ نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیئے لیکن یہ علامتیں بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا پتہ ہی نہیں ہے اور مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں" ہم ابھی اس تحریر بالا پر بحث نہیں کرتے۔ قرارت کی اصلی حقیقت پر گفتگو کرتے ہیں اور اس پیچیدہ مسئلہ کو ایک حد تک صاف اور آسان کرنا چاہتے ہیں جن علماء نے اختلاف قرارت کی دو قسمیں کی ہیں اُن کا یہ بیان ہے کہ قرارت دو قسم کی ہے ایک متواترہ دوسری شاذہ۔ متواترہ قرارتیں معلوم اور معیّن ہیں اور تواتر کی وجہ سے اُنمیں سہو و نسیان کا احتمال باقی نہیں۔ پس قرارت متواترہ کی بنائے اختلافات سہو و نسیان پر نہیں ہوئی بلکہ قرآن مجید کا نزول اُن قرارتوں پر ہوا ہے اور یہ قرارتیں متواتر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور ان ہی اختلاف قرارت کی طرف اشارہ ہے حدیث میں آیا ہے" انزل القران علی سبعة احرف۔ روایت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان کو ایسی قرارت پر پڑھتے سُنا جو اُن کی قرارت کے خلاف تھی آپ خاموش نہ رہ سکے اور ہشام بن حکیم کو آنحضرت کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہشام سورۂ فرقان اُن الفاظ کے برخلاف پڑھتا ہے جو آپ نے مجھے سکھائے ہیں۔ آنحضرت نے دونوں سے سورت پڑھوائی اور ہر ایک قرارت سُنکر فرمایا کہ" ھکذا انزلت ان ھذا القران انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ماتیسر منہ یعنی دونوں کی قرارت کی نسبت فرمایا کہ اسی طرح پر یہ سورت نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس ان میں سے جس طرح پڑھ سکو پڑھو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے دوسری حدیث صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھکو ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں ہمیشہ اُن سے زیادہ چاہتا تھا اور وہ زیادہ کرتے تھے یہاں تک کہ سات حرف تک پہنچے۔ قرارت متواترہ کے علاوہ جو اور قرارتیں ہیں وہ بطور نقل اور منقول ہیں اس لئے اُن کو احد یا شاذہ کہتے ہیں اور ان قرارتوں کا بالاتفاق قرآن کا حکم نہیں تسلیم کیا جاتا۔ اس لئے کہ وہ قرارتیں بطور احاد منقول ہیں وما نقل احادا فلیس بقرآن پھر علماء نے یہ بحث کی ہے کہ اختلافات قرارت دو امور سے متعلق ہیں ایک جوہر کلمہ سے جس طرح بعض قرارت

اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے جا ہے جونسی سورت پڑہو۔اس صحیح حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ خصوصیت مُطلق نہیں تہی اور ہر شخص بآزادی قرآن کا ہر حصہ نماز میں پڑہ سکتا تہا۔ اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ جب کتابت وحی کا سلسلہ موجود تھا جب وحی لکھنے اور لکھوانے کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اُس وقت یہ خیال کہ نہ ترتیب درست ہے نہ اول سے اخیر تک یہ کلام خدا ہے بلکہ اس میں دوسروں کے الفاظ شریک ہوگئے ہیں کس قدر لغو اور بیہودہ ہے۔ صحیح حدیث موجود ہے کہ زید ابن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہوتے ہی مجھے طلب کر لیا کرتے تہے اور ایک لحظہ کا بہی توقف نہ کرتے تہے۔ سمجھہ میں نہیں آتا کہ جب ایسی کُھلی کُھلی شہادتیں موجود ہیں پہر بلاوجہ دخل دینا اور زبردستی کے معائب پیدا کرنا کتنی بُری بات ہے۔

غالبًا ہمارے بیان سے دو باتیں ثابت ہوئی ہونگی اول تو یہ کہ قرآن مجید کی تاریخی ترتیب غلط نہیں ہے دوسری یہ بات کہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ترتیب ہے اور جامع القرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ دو ہی باتیں تہیں جن پر نہایت دریدہ دہنی سے حملہ کیا جاتا تہا۔ اور اسی ایک غلط فہمی نے یکساں سب کو گھیر رکھا ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری اس بحث کو سرولیم میور یا آپ کے ہم خیال لوگ دیکھیں گے تو اُنہیں بشرطیکہ اُنکی طبیعت میں انصاف ہو اپنی اغلاط کی صحت کرنے کا عمدہ موقع ملے گا اور اُنہیں ظاہر ہو گا کہ اُن کے اعتراضات بے بنیاد اور بے ربط ہیں۔اس کے بعد ہم عالمانہ طور پر اختلاف قرأت پر بحث کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے ✣

وہم کرے۔ پس فاسق تو عمدًا اور اہل خیر وہم سے مصحف میں سے بدل دے اور اُس میں ایسا اختلاف پڑجائے کہ اُس سے گمراہی پیدا ہو۔ اس لئے ایسے مصحف لکھے گئے جن پر سب کا اتفاق تھا اور ہر طرف ایک ایک مصحف بھیجا۔ اگر کوئی وہمی وہم کرے یا بدلنے والا بدل دے تو اس مصحف کی طرف جس پر سب کا اتفاق ہے رجوع کیا جائے پس حق ظاہر ہوجائے اور کید و وہم باطل ہوجائے۔ جس شخص کا یہ بیان ہے کہ عثمان رضؓ نے چھ حرف کھودئے وہ جھوٹا ہے وہ ساتوں حرف سب کے سب ہمارے پاس موجود و قایم ہیں اور قراءات مشہورہ میں جو حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں مُشتہر ہیں۔

اس سے پایا جاتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں سے قراءات مُتواترہ خارج نہیں کی گئیں اور وہ قراءات اب تک موجود ہیں مثلاً اگر کسی نے مالک یوم الدین پڑہا اور کسی نے مَلِک یوم الدین پڑھا اس میں کچھ فرق نہیں دونو قراءات پر قرآن پڑہا گیا مثلاً سورۂ یٰسین میں کسی نے ماعملت ایدیھم پڑہا اور کسی نے ماعملته ایدیھم پڑہا یا مثلاً سورۂ براءۃ کے اخیر کسی نے تجری تحتھا الانھار پڑہا اور کسی نے تجری من تحتھا الانھار پڑہا تو دونوں نے قرآن ہی کے کلمات پڑہے اس لئے دونو طرح پر نزول قرآن ہوا ہے۔ اور دونوں قراءتیں بتواتر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مصاحف عثمانیہ میں عملت اور تجری تحتھا الانھار بغیر ھاء، اور من کے آئے ہیں اور بعض میں عملته اور تجری تحتھا الانھار ہار اور من کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے ایسے کلماتؔ کے لکھنے سے جن میں مختلفہ قراءات ہیں اس کا بہت لحاظ رکھا ہے اور اُن کو حتی الامکان اس انداز پر لکھا ہے کہ ہر ایک قراءت پر اُن کو پڑھ سکیں تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ دونو قراءتیں صحیح ہیں اور یہی جناب امیرالمؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مشکور ہوئی اور تمام عالم میں اُن کی اس سعی کی بدولت جن جن قراءات پر قرآن نازل ہوا تھا اُنہیں قراءات پر بالیقین بلا احتمال کمی و بیشی کے کتابت قرآن شایع ہوئی اور پروردگار جلشانہٗ کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" پورا ہوگیا۔ اب اس میں کسی واہم یا کسی مبدل کو کچھ گنجایش کسی وہم اور تبدیل کی نہ رہی۔ اور انہیں مصاحف کی کروروں نقلیں بہت احتیاط کے ساتھ تمام عالم میں کی گئیں اور مشہور ہوئیں اور اُن میں کسی طرح کے اختلاف کی گنجایش نہ رہی۔

عہد حیوٰۃ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید جن جن قراءات پر نازل ہوا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک متواتر ہزاروں آدمیوں کو یاد تھا اور اُس کے ہزاروں نسخے موجود تھے جیسا کہ شیخ ابن حزم ظاہری اندلسی لکھتے ہیں" ان عثمان رضؓ لم یبل الاوجزیرۃ العرب کلھا مملوۃ بالمسلمین والمصاحف والمساجد والقراءات والقراء یعلمون الصبیان والنساء وکل من ھبّ ودبّ والیمن کلھا وھی ایام فی ایام مدن والقری والبحرین کذلک وھی بلاد واسعة مدان وقری ومکة والطائف و المدینة والشام کلھا کذلک والجزیرۃ کلھا والمصر کلھا کذلک والکوفة والبصرۃ کذلک وفی کل ھذہ البلاد والقری من المصاحب مالا یحصی عدہ الا اللہ تعالیٰ" یعنی جس وقت خلافت حضرت عثمان کو پہنچی تھی

مالك يوم الدين اور بعض میں مَلِكِ يوم الدين ہے۔ دوسرے ہیئت کلمہ سے یعنی حرکات۔ ادغام۔ اشمام۔ تفخیم۔ امالہ اور اُن کی اضداد اور یہ دونوں قسمیں قراءت متواترہ میں بتواتر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اگرچہ شیخ ابن حاجب نے قسم ثانی کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کا تواتر واجب نہیں لیکن جلال الدین سیوطی۔ ابن جزری۔ زرکشی۔ قاضی ابوبکر۔ میرزا جان۔ اور مولانا بحر العلوم اور دیگر علمائے اصول رحمۃ اللہ علیہم نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا اِس لیئے کہ جوہر کلمات کا تواتر مسلم ہے اور اُس کی ہیئت لوازم سے ہے۔ پس جب جوہر کلمات متواتر ہوئے تو لازم ہے کہ اُسکے لوازم بھی متواتر ہوں۔

علماء نے اِس امر کی بھی خوب تشریح کی ہے کہ بناء رفع کمی وبیشی اور قراءت شاذہ کی کچھ کتابت صحیفہ صدیقیہ اور مصحف عثمانیہ پر نہ تھی بلکہ اُس کی بنا اس پر تھی کہ کا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت کے وہ خلاف تھیں اور اُن کا ثبوت بتواتر نہ تھا۔ اس لیئے حکماً اُن کو رد کر دیا گیا اور قراءت متواترہ کے موافق چند مصاحف لکھا کے اطراف ممالک میں بھیجدیئے تاکہ جو شبہہ کسی امر میں واقع ہو اس سے مطابقت کر لی جائے۔ اس کے بعد کچھ بھی اختلاف نہ رہا صرف وہی قراءتیں باقی رہیں جن پر نزول قرآن ہوا تھا اور بتواتر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی تھیں چنانچہ اب تک اسی طور پر قرآن مجید مصاحف میں لکھا جاتا ہے اور ان ہی قراءت متواترہ پر پڑھا جاتا ہے شیخ ابن حزم ظاہری رحمہ نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں لکھا ہے "اما قولهم اننا مختلفون فی قراءة كتابنا فبعضنا يزيد حروفا وبعضنا يسقطها فليس هذا اختلافا بل هو اتفاق منا صحيح لان تلك الحروف وتلك القراءة كلها يبلغ بنقل الكواف الى رسول الله صلعم فاىّ تلك القراءت قرءنا فهى قرءة صحيحة وهى محصورة كلها مضبوطة معلومة لا زيادة فيها ولا نقص انتهى"۔ یعنی اہل کتاب کا یہ قول کہ ہم یعنی مسلمان اپنی کتاب کے پڑھنے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ بعض کچھ حروف زیادہ کرتے ہیں اور بعض اُن حروف کو گرا دیتے ہیں اصل میں یہ اختلاف نہیں بلکہ ہمارا سب کا اتفاق صحیح ہے اس لئے کہ وہ حروف اور وہ قراءات بنقل متواتر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہیں پس اُن قراءات میں سے ہم کوئی سی قراءت پڑھیں صحیح ہے اور وہ سب قراءات محصور ہیں اور ہمارے ضبط میں ہیں اور معلوم ہیں اس میں کچھ کمی بیشی نہیں ہو سکتی پھر وہ اُن مصاحف کی نسبت جو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کے اطراف عالم میں بھیجے تھے لکھتے ہیں "انما خشی عثمان رض ان یاتی فاسق یسعی فی کید الدین او ان یهم واهم من اهل الخير فيبدل شيئا من المصحف ذلك عمدا وهذا وهما فيكون اختلافا يودى الى الضلال فكتب مصاحف مجتمعا عليها وبعث الى كل افق مصحف لكى ان يهم واهم او يبدل مبدل رجع الى المصحف المجتمع عليه فانكشف الحق وبطل الكيد والوهم ومن قال ابطل الاحرف الستة فقد كذب من قال ذلك بل الاحرف السبعة كلها موجودة عندنا وقائمة كما كانت مبثوثة فی القراءات المشهورة المأثورة"۔ یعنی سوا اسکے نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا خوف کیا کہ دین میں کوئی فاسق فریب ومکر کی کوشش کرے یا کوئی وہم کرنے والا اہل خیر میں سے

ان ہی قراءتوں پر تعلیم ہوتی تھی ہاں بعض بلاد عراق عجم میں کسی کسی کو حذیفہ بن یمان نے قراءت شاذہ پر جو بتواتر حضرت رسالت مآب سے منقول نہ تھیں پڑھتے دیکھا اور اپنے حفظ اور یاد سے قراءت متواترہ کے خلاف پایا۔ اُنھوں نے فوراً اس کی اتنی جلدی اصلاح کرادی کہ اُن قراءت شاذہ کی زیادہ شہرت نہ ہونے پائی۔

ہماری رائے یہ ہے اور ہم نے بطور خود جہاں تک تحقیق کیا ہی وہ یہ ہے کہ اختلاف قراءت کو غلطی کہنا سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ قرآن تو قرآن اختلاف قراءت خود اصل لغات عرب میں موجود ہے مثلاً لفظ کبد" تین طرح سے پڑھا جاتا ہے اور ابل اور کتف دو طرح سے اور بجائے لعلّ علّ بھی بولتے ہیں اور لدن کو کئی طرح سے بولتے ہیں لَدُنْ لَدَنْ لِدَنِ لُدْنِ لَدٌ لُدٌ لُدُ۔ ساتھ ہی اُس کے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اختلاف قراءت کچھ عربی ہی پر موقوف نہیں ہے اپنے اپنے طرز و قاعدہ سے ہر زبان میں موجود ہے مثلاً فارسی میں اٰب اور آب و۔ اشکم اور شکم۔ ہندی میں جوگ۔ ویوگ۔ منش اور منکھ موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اختلاف قراءت کی دو قسمیں کرنی بھی سخت غلطی ہے بلکہ عربی زبان میں اختلاف قراءت کی سات صورتیں ہیں۔ اوّلاً تغیر کلمہ کا یعنی اختلاف قراءت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اس کے کہ معنیٰ اور صورت مکتوبی میں کوئی تغیر ہو مثلاً حج بالفتح اور بالکسر دونوطرح سے آتا ہے۔ ثانیاً اعراب کے تغیر سے مفہوم میں تغیر ہو جائے مگر صورت مکتوبی اور متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو مثلاً کلماتٌ بالنصب والرفع۔ آیۂ فتلقّی آدم من ربہ کلمات،، میں اور اذ تلقونہ۔ ثالثاً کلمہ کے حروف میں تغیر ہو اور اُس سے معنی اور مفہوم میں بھی تغیر ہو جائے مگر متکلم کا حاصل مطلب اور مکتوبی صورت متغیر نہو مثلاً بعض یعلمون اور تعلمون اور کیف ننشزھا بالزاء المعجمۃ و بالراء المھملۃ۔ رابعاً کلمہ کی سورت میں تغیر ہو مگر معنی میں نہو مثلاً الصراط والسراط اور والکانت الا صیحۃ والازقیۃ۔ خامساً صورت اور معنی دونو میں تغیر ہو مگر متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو۔ مثلاً فامضوا۔ فاسعوا واذا مشوا واذا مرّوا۔ سادساً کلمہ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے تغیر ہو مگر معنیٰ اور مطلب متغیر نہو مثلاً وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔ سابعاً حروف کی زیادتی و کمی سے تغیر ہو مگر معنی و مطلب متغیر نہو مثلاً مالک یوم الدین و ملکِ یوم الدین و انجینا و نجینا۔ اور بعد اور باعد اور وصّٰی اور اوصٰی اور وما عملت ایدیھم اور وما عملتہ ایدیھم کیونکہ ضمیر مفعولی کو خواہ لکھو یا نہ لکھو بہر حال مُراد ہے۔

یہ سب صورتیں اختلاف قراءت کی ہیں انہیں تحریف کہنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ جب تک لفظ کے تغیر سے متکلم کے مقصد میں فرق نہ پڑے قراءت ہی کا اختلاف کہلائے گا۔ ہاں اگر اس اختلاف لفظ سے متکلم کے مقصو میں خلل ہو تو وہ بے شک تحریف اور غلطی ہے۔

اب میں ایک خاص امر کی طرف ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے میں ایک حدیث نقل کر آیا ہوں وہ حدیث یہ ہے" ان القرآن انزل سبعۃ احرف کلھا شاف کاف"۔ اس سے عام طور پر یہ مُراد لیجاتی ہے

اُس وقت کل جزیرۂ عرب مسلمانوں ۔ مصاحف ۔ مساجد اور قراءات سے معمور تھا ۔ یمن کا بھی یہی حال تھا ۔ بحرین بھی ایسا ہی تھا ۔ مکہ معظمہ ۔ طائف ۔ مدینہ اور شام کی بھی یہی کیفیت تھی ۔ مصر ۔ کوفہ ۔ اور بصرہ میں اس کثرت سے قرآن مجید تھے کہ سرِدست اُن کی تعداد کا اندازہ کرنا محالات سے ہے ۔ چونکہ اہلِ شام و عراق میں کوئی کوئی شخص قرآن کو قراءات شاذہ پر پڑھتا تھا اور اس خیال سے کہ شاید کسی مصحف میں کسی نے کوئی کلمہ اپنے وہم و گمان سے زیادہ لکھ لیا ہو یا کسی کلمہ کی فروگزاشت ہوگئی ہو حضرت عثمان رض نے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور مطابقت مصحف مرتبہ عہد صدیق اکبر اور اُس زمانہ کے دیگر مصاحف صحیحہ موجودہ سے ایک ایک نسخہ لکھوا کے اطراف میں بھیجدیا تھا اور جو کچھ ماسوا قرآن کے کسی نے لکھدیا تھا یا قرارت شاذہ لکھ لی تھیں اس کو خارج کرادیا اور اس کے بعد کسی مصحف میں غیر قرآن کوئی کلمہ باقی رہا نہ کوئی قراءۃ شاذہ باقی رہی بلکہ جس قدر کلمات منزل من اللہ مع قراءات منزلہ متواترہ کے تھے سب قایم اور باقی رکھے گئے ۔

ہمارے علماء کا اس پر بھی صاد ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں نزول قرآن ہی سے متواتر ہوجاتی تھیں اور جن جن قراءتوں پر نزول ہوتا تھا اُنہیں زمانہ حیوٰۃ حضرت رسالت مآب ہی میں متواتر سمجھنا چاہیئے ۔ حضرت صدیق کے زمانہ خلافت میں قرآن مجید کی بہت شہرت ہوئی یعنی جسقدر اسلام بلاد دور دست میں پھیلتا گیا اُسی قدر قرآن مجید کی تعلیم و تعلم حضرت صدیق اکبر ہی کے مرتبہ قرآن کے دیکھنے پر منحصر نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابہ کرام اور اُن کے تابعین حافظ قرآنِ مجید موجود تھے اور اپنے حفظ کی رو سے تعلیم فرماتے تھے ۔ اس زمانہ میں بھی قرآن مجید کی یہی کیفیت تھی جو آج ہے صرف حفاظ کی یاد پر ہزاروں نسخے لکھہ لئے گئے ۔ اور اُن میں باہم ایک لفظ کا فرق بھی ثابت نہوا ۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا مرتبہ قرآن مجید یا وہ قرآن مجید جو خود آنحضرت ترتیب دے کے چھوڑ گئے تھے اور اس کی اشاعت حضرت صدیق اکبر نے کی حفاظ کے مکتوبی قرآن سے یکساں اور مشابہ تھا ۔ اور اس قرآن میں اور اُن قرآنوں میں جو صحابہ کرام نے اپنی یادداشت سے لکھہ لئے تھے سرِ مو تفاوت اور فرق نہیں نکلا ۔

جب حضرت ابوبکر صدیق نے وفات پائی اور امیر المؤمنین عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے اور ممالک نصاریٰ کا ایک بہت بڑا حصّہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں آیا تو قرآن مجید کی اشاعت نے اور بھی زور پکڑا اور اس کی نورانی شعاعوں کا عکس پھیلنا شروع ہوا ۔ ادھر حفاظ کی بھی کثرت ہوئی ۔ ان مصاحف میں بجز قراءات متواترہ کے اور کوئی اختلاف نہ تھا ۔

جب امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اسلام کی اشاعت نہ صرف بلادِ عجم اور عرب میں پھیلی بلکہ افریقیہ تک پہنچی جس کی تفصیل ہم ابھی کتاب " الفصل " مؤلفہ شیخ ابن حزم اندلسی سے نقل کر چکے ہیں ۔ ان کُل بلادِ مفتوحہ میں بچے ۔ جوان ۔ بوڑھے ۔ عورتیں ۔ لڑکیاں ۔ برابر قرآن پڑھا کرتی تھیں اور قرآن کی تعلیم کی اشاعت بہت کثرت سے جاری ہوگئی تھی ۔ ان ہی قراءات متواترہ پر قرآن پڑھا جاتا تھا اور

بلکہ کئی قرآن قراءات سبعہ پر طبع ہو گئے ہیں پھر بھی اگر کسی کو کسی آیت کے معنی میں شک ہو تو وہ ان قراءتوں کو اپنے اپنے مقام پر چسپاں کر کے دیکھ سکتا ہے اور جملہ کے معنی کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ حفاظت اور احتیاط ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے اتنی حفاظت اور احتیاط حق تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی بھی نہیں کی گئی۔

وہ حدیث جو ہم اوپر دوبار لکھ آئے ہیں جس کا یہ مضمون ہے کہ قرآن سات اَحْرُف پر نازل ہوا۔ اور عام علماء اس سے قراءات سبعہ مراد لیتے ہیں۔ علماء میں اپنے معنی کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث پر شرح وبسط سے بحث کریں۔

سیوطی اپنی اتقان میں اس حدیث کے یہ معنی لکھتا ہے اخرجه الحاكم والبيهقي عن ابن مسعود عن النبي صلے اللہ علیہ وسلم قال كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف زجر۔ وامر وحلال وحرام۔ ومحكم۔ ومتشابه۔ وامثال۔
اس حدیث سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ سبعہ احرف سے مراد سات باب ہیں اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ قرآن کو سات قراءتوں پر نازل کرتا اور اس میں کتاب کی کچھ شان پیدا ہوتی۔ ایک ہی قراءت پر نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خفیف سا اختلاف بھی کبھی پیدا ہو یہی بہت بڑی حکمت باری تعالیٰ ہے۔ پھر ابو قلابہ نے جناب رسالت مآب سے روایت کی ہے" انه قال نزل القرآن على سبعة احرف۔ امر وزجر۔ وترغيب۔ وترهيب۔ وجدال۔ وقصص۔ ومثل۔ اور اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب سے منقول ہے کہ قرآن سات اقسام پر نازل ہوا ہے اور ہر ایک کافی وشافی ہے۔ دراصل حرف کے معنی قراءت کے نہیں ہیں بلکہ حرف کے معنی طرف یا وجہ کے ہیں چنانچہ خود قرآن مجید میں حرف کے معنی وجہ کے آئے ہیں۔ ومن يعبد الله على حرف واحد" ای علی وجہ واحد۔ جب حرف کے معنی وجہ کے ثابت ہو گئے تو ہمیں حدیث عبداللہ بن مسعود اور ابو قلابہ اور حضرت علی کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں ہو سکتا۔

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف قراءات کی سات صورتیں ہیں اور تاوقتیکہ تغیر لفظی سے خواہ کسی قسم کا مراد ہو متکلم کی مُراد میں خلل نہ آوے وہ ضرور اختلاف قراءات ہے۔ مثلاً اس آیت میں" اعلم ان الله على كل شئ قدير" اس میں جو لفظ" اعلمُ" ہے اور جو صیغہ مضارع متکلم ہے اختلاف قراءت ہے کیونکہ حمزہ قاری نے امر کا صیغہ یعنی اِعْلَمْ بسکون میم پڑھا ہے اور چونکہ بصورت امر ہونے کے قال کے فاعل میں جو اعلم سے پہلے ہے بادی النظر میں اشتباہ ہوتا ہے کہ اعلم کا قائل کون ہے یعنی آیا عزیز صاحب قصہ فاعل ہے یا اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اسی لئے جلال الدین سیوطی نے اس فاعل کی تشریح کر دی ہے اور لکھا ہے کہ اعلم صیغہ امر ہے اور اُس عزیز کے واسطے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ پس اس عبارت یعنی" اعلم امر من الله له" کو نا سمجھی سے دوسری قراءت سمجھنا سخت غلطی اور کم لیاقتی ہے۔ تفسیر کی عبارت کا ایک ٹکڑا لے کے قرآن کے ساتھ چسپاں کر لینا عجیب بیہودہ دلیری اور دھوکا دہی ہے۔ عیسائیوں نے صدہا اعتراضات اختلاف قراءات کا سہارا پا کے قرآن مجید پر کئے ہیں جن میں سے

کہ قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا مگر میری یہ رائے نہیں ہے میں اسکے بالکل خلاف ہوں۔ یہ حدیث حضرت عثمان ابن عفان رضؓ سے روایت ہوئی ہے پہلے اس کے کہ ہم اس کی صحت و غیر صحت میں کچھ کلام کریں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ علماء میں اس حدیث کے معنی میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر اتقان میں کُل اختلافات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سبعۃ احرف سے قراءات سبعہ مراد لینا جہل قبیح ہے۔ یہ مسلّم ہے اور بالکل صحیح ہے کہ اختلافات قراءات قرآن کے لئے کوئی عیب یا تحریف کا موجب ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اِس حدیث کو اپنی تائید میں پیش کرنا کہ نزول قرآن ہی سات قراءتوں پر ہوا ہے سراسر غلطی ہے۔ اصل یہ ہے کہ قراء سبعہ کا اختلاف قراءت کسی کسی لفظ میں روایت احاد ہیں اور قرآن کو مسلمان تواتر سے مانتے ہیں۔ اس قرآن موجودہ اجماعی و متواتر کی قراءت کے مقابلہ میں روایات احاد کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرض کرو کہ اگر کسی مسلمان سے یہ کہا جائے کہ تو اپنی قرآنی قراءت کو حمزہ یا نافع یا کسائی کی قراءت کے موافق بنائے آیا وہ اُسے منظور کرتا ہے یا نہیں۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ وہ ہرگز منظور نہ کرے گا۔ آج تک جسے تیرہ سو برس ہوئے کسی نے اس قرآن کے خلاف دوسرا قرآن نہیں دیکھا۔ قیاس دوسرا اور بات ہے اور واقعات پر بحث کرنا شئے دیگر ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے قیاساً یہ لکھا ہے کہ عثمانی قرآن میں یہ اعراب نہ ہوں گے جو اس وقت کے قرآنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس قیاس سے کسی صریح واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ قیاس کو بہت بڑی گنجایش ہے اور ہر شخص مختار ہے چاہے جو کچھ قیاس کرے مگر ہر شخص کے قیاس کرنے سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ دُوسرا شخص اُسے ایک دلیل قطعی سمجھکر مان لے۔ مثلاً بعض علماء بعض قراءتوں کے تواتر کے قایل ہیں جیساکہ ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُن کے قول کو خواہ مخواہ تسلیم کریں اور بغیر اس کے ہمیں چارہ ہی نہو خبر احاد سے کسی واقعہ کی صحت و غیر صحت کا قطعی ثبوت ہونا ذرا مشکل ہے ہماری رائے میں اگر قراءات متواترہ سے کوئی مطلب نکل سکتا ہے تو یہ ہے کہ یہ قراءتیں قاریوں سے ہم تک بتواتر پہنچی ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ ہر قاری کو چند وسائط کے بعد ایک صحابی کی قراءت پہنچی ہے۔ مثلاً ابن عامر شامی قاری ایک واسطہ کے بعد حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے یعنی اُس نے مغیرہ سے پڑھا اور مغیرہ نے حضرت عثمان رضؓ سے اور ابن کثیر مجاہد کے واسطہ سے ابن عباس کا شاگرد ہے اور عاصم۔ عبدالرحمن السلمی کے واسطہ سے جناب امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کا اور پھر ذر بن حبیش کے واسطے سے عبداللہ بن مسعود کا شاگرد ہے وقس علی ہذا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے چونکہ ہر صحابی اور اُس کے وسائط شخص واحد ہیں۔ اس واسطے ہر ایک قراءت کا مبداء واحد ہے اور اُن کی روایات روایات احاد کے قبیل سے ہوئیں ہاں اگر ہر قاری کی روایات متعدد صحابہ تک پہنچ جاتیں یا یہ ساتوں قاری ہر لفظ کی قراءت میں متفق ہوتے گو قرآن کے خلاف سہی پھر بھی ان کی قراءات متواترہ کے قریب پہنچ جاتیں۔ کچھ ہم ہی انوکھے تواتر قراءات کے قائل نہیں ہیں بلکہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر اتقان میں قراءتوں کے متواتر ہونے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زرکشی نے بھی برہان میں قراءتوں کے تواتر کو تسلیم نہیں کیا ہے اور اگر بر سبیل تنزل یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قراء سبعہ کی قراءتیں کتابوں میں موجود ہیں

تیسرا باب

پادری سیل صاحب اور بعض یورپی مصنف

پادری سیل صاحب جنہوں نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے بظاہر ایک عربی داں شخص معلوم ہوتے ہیں اور اُن کے حواشی سے جو اُنہوں نے ترجمۂ قرآن پر دیے ہیں بخوبی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ خود عربی پڑھے ہوئے ہیں یا اُنہوں نے کسی عربی داں سے مدد لی ہے مگر بدقسمتی سے سوائے چند تفاسیر سنیہ کے اُنہیں قرآن کے متعلق اور کتابیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا نہ اُنہوں نے اُن حدیثوں کی کچھ تحقیق و تنقید کی جو اپنے ثبوت میں جا بجا نقل کی ہیں۔ ایک ایسا شخص جس نے نہ متعدد تفسیریں دیکھی ہوں نہ علما کے اختلافی مسائل کو چھانا ہو۔ غور کرنے کے بعد ایک نتیجہ نکالا ہوا ور نہ حدیثوں کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی تحقیق کی ہو وہ آسانی سے پادری صاحب کے دھوکے میں آجائیگا اور یہ سمجھے کہ پادری صاحب نے تمام اسلامی روایات اور تفاسیر سے اپنے مطالب اخذ کرکے استدلال کیا ہے ضرور اُن کی ساری باتیں صحیح ہونگی اور ایسی باتوں کے ماننے میں کچھ بھی لیت و لعل نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر نہیں ایک محقق شخص پادری صاحب کے اس بے سروپا استدلال کی کوئی وقعت نہ کریگا اور اختلاف روایات و اقوال پر نظر ڈالکر وہ یہ نتیجہ نکالیگا کہ اگر پادری صاحب نے نیک نیتی سے لکھا ہے تو وہ محض جاہل ہیں اور اگر اُنہوں نے عمداً غلط روایات سے استدلال کیا ہے تو گویا مخلوق خدا کو اُنہوں نے دھوکے میں ڈالا اور ایسا قبیح امر ایک عالم کی شان سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو سخت بعید ہے بہرحال ہم پہلے پادری سیل صاحب ہی کی خدمت کرتے ہیں اور اُن کے استخراج اور استدلال پر غور کرتے ہیں کہ کہاں تک صحیح بنیاد پر ہیں اور اُن کی تحریر نے قرآن کے اصلی مطالب کو کہاں تک بگاڑا ہے۔

شروع ہی میں وہ لفظ قرآن سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں" قرآن لفظاً فعل قرا سے مشتق ہے جسکے معنی پڑھنے کے ہیں۔ مسلمان پوری جلد کو ہی جسمیں تیس پارے ہوں قرآن کہتے ہیں اور ایک حصہ کو بھی قرآن ہی کہتے ہیں خواہ وہ ایک پارہ ہو یا ایک سورت ہو یا ایک آیت ہو کہلائے گی قرآن ہی۔ اسی طرح یہودی بھی اپنی پوری الہامی کتاب کا نام قرا یا مقرا کہتے ہیں۔ دونو الفاظ یا دونو ناموں کا مادہ ایک ہی ہے۔ علمائے عرب نے اپنی الہامی کتاب کا نام قرآن اسی لیئے رکھا ہے کہ وہ پراگندہ ٹکڑوں سے اکٹھا گیا ہے" پادری صاحب نے اپنی اس تحریر سے جو نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمانوں نے یہودیوں کی دیکھا دیکھی اپنی کتاب کا نام بھی وہی رکھ لیا جو یہودیوں نے تجویز کیا تھا۔ یہ بات زیادہ غور طلب ہے حالانکہ آگے وہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کا نام خدا کا رکھا ہوا مسلمان سمجھتے ہیں مگر اُنہیں یقین نہیں آتا کہ یہ بات صحیح ہو۔ بہرحال ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں قرآن ہی اس پاک کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ اسکے متعدد نام ہیں جنہیں امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے جو آگے ہم درج کریں گے۔ فرقان اور مصحف یہ دونو

ایک یہ اعتراض ہے آل عمران کے پانچویں رکوع میں جو یہ آیا ہے فیکون طیرا۔ اور بعض قرآنوں میں طائرا کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے بلکہ اُس کا بڑا دعویٰ ہے کہ خدا معلوم ان دونوں میں صحیح لفظ کونسا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ طیرا صحیح ہے اور خود جناب رسالت مآب نے طیرًا ہی بولا ہے کیونکہ یہی قریش کا محاورہ ہے، اور قرآن قریش کے روزمرہ محاورہ پر نازل ہوا ہے اس لئے لازم ہے کہ لفظ طیرًا ہو۔ اور مقامات پر بھی قرآن مجید میں پرندے کے لئے طیر ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے مگر لفظ طائر پرندے کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی افسوں اور فال بد کے مستعمل ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ میں دو جگہ اور سورۂ یوسف میں ایک جگہ ان ہی معنی میں آیا ہے۔ اور اگر فرض کریں کہ کسی قاری نے طائر پڑھا تو اُس کی روایت قرآن کے مقابلہ میں ہم کیونکر مُعتبر سمجھ سکتے ہیں۔ لو فرضنا ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ نہیں طائر کی قراءت صحیح ہے تو بھی ہمیں اس کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ طیر بھی بمعنے طائر مستعمل ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ محض تلفظ کا اختلاف ہے اور تلفظ کے اختلاف سے معنی میں کچھ تغیر نہیں ہوسکتا۔

ہماری اس بحث سے جو ہم نے اختلاف قراءات کی کی ہے اصل حالت معلوم ہوگئی ہوگی اور سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اختلاف قراءات کوئی چیز نہیں ہے صرف بعض مقامات پر کسی قاری کی وجہ سے کوئی فرق آگیا تو اُس سے تواتر قرآن میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ لکھنا چاہئے تھا ہم اس باب میں لکھ چکے اور ہماری یہ تحریر ایک حد تک اختلاف قراءات کے پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگی ؎

قران ہی کہتے ہیں حالانکہ یہودی اپنی کتاب کے کسی جزو کو قرا یا مقرا سے تعبیر نہیں کرتے۔ یہ بھی اہل بصیرت کے لئے بہت بڑا فرق ہے اگر یہ فرق کم بین نظر میں معمولی سے بھی زیادہ معمولی معلوم ہوگا مگر ایک محقق شخص اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب ایک اسم کا اطلاق ایک محدود چیز پر ہو سکتا ہے اور جب وہ محدود چیز پارہ پارہ ہو جائے تو وہ اسم ہرگز اُسکے ساتھ چسپاں نہو گا۔ مثلاً مکان اُن مختلف اجزاء کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو پہلے علیحدہ علیحدہ تھے اور اُن کے نام بھی جدا جدا تھے اور جب وہ اشیاء پھر پراگندہ کر دی جائینگی لفظ مکان اُنسے اُٹھ جائیگا اور اُنہیں الگ الگ ناموں سے پکارا جائے گا۔ دنیا کی ہر ایک چیز میں اور انسان کے ہر رکھے ہوئے نام میں یہی خاصیت پائی جاتی ہے برخلاف خدا کے رکھے ہوئے ناموں کے کہ یہ جیسے مجموعی حالت میں بولے جاتے ہیں اسی طرح انفرادی صورت میں بھی انکا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہم قرآن مجید ہی کی دیتے ہیں۔ اگر دو لفظ بھی اس کے پڑھے جاویں گے تو قرآن بولا جائے گا۔ پوری کتاب ہوگی تو قرآن ہی تصور ہوگا۔ بس خدا کے اور انسان کے رکھتے ہوئے ناموں میں یہ فرق ہے جو ہم نے بیان کیا۔

اب ہم لفظ فرقان سے بحث کرتے ہیں جو ہماری پاک کتاب کا دوسرا نام ہے اسے بھی پادری سیل صاحب نے یہودیوں سے لیا ہوا بتایا ہے۔ یہ بھی محض غلط اور دھوکا دہی ہے۔ فرقان کا لفظ خاص قرآن مجید ہی کے لئے زیبا ہے دوسری کتاب کے لئے ہرگز اس کا استعمال ممکن نہیں۔ فرقان کا لفظ جو فرق سے ہے جس کے معنی جُدا کرنے یا امتیاز کے ہیں یہودیوں نے کونسی کتاب کے مقابل رکھ کے اپنی کتاب کو یہ لقب خاص عطا کیا۔ اگر ایسا نہیں ہے اور درحقیقت نہیں ہے تو اُن کا یہ نام رکھ لینا محض مہمل ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اپنی کتاب کو لفظ فرقان سے شرف بخشا۔ قرآن کے لئے یہ نام اس وجہ سے موزوں ہو سکتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں توراۃ و اناجیل موجود تھیں اُن کتابوں میں اور قرآن میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے خدا نے لفظ فرقان سے اپنی پاک کتاب کو ملقب کیا۔ یہ ایسی صریح بات ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت نہو اُس کا مسلّم ہونا لازمی ہے۔ اور پھر اُس میں ذرا بھی چون وچرا کی گنجایش نہیں رہتی۔

پادری صاحب کی یہ بہت بڑی دوراندیشی تھی کہ اُنھوں نے قرآن مجید کے باقی ناموں کو اُڑا دیا ورنہ اُنہیں اس امر کے ثابت کرنے میں دقت پیش آتی کہ یہ نام بھی یہودیوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہاں ایک لفظ مصحف کی بابت بھی وہ اشارہ کرتے ہیں مگر اُس کی نسبت اُن کا بیان ہے کہ یہ لفظ یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ یونانی انجیل وغیرہ کو مصحف کہتے تھے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔ مگر کوئی سند پادری صاحب نے یہاں نہیں پیش کی اپنے رو میں لکھتے چلے گئے اسی طرح لفظ اللہ کی نسبت رائے دی ہے کہ یہ لفظ بھی یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ باینہمہ بغیر کسی ثبوت کے آپکو خاموش ہونا پڑا۔ ہم پادری صاحب کی اس دلیری پر ساکت ہیں اور ہمیں تعجب ہے کہ اُنھوں نے کیوں ایسی بے سروپا باتیں لکھیں۔ ہمیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ اگر پادری صاحب میں خفیف سی بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ ضرور قرآن مجید کے باقیماندہ نام لکھ کے کہدیتے کہ یہ نام مسلمانوں کے یا خود نبی کے یا اُن کے خدا کے ایجاد کئے

نام اور بھی پادری صاحب نے لکھدیے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ دونو نام بھی یہودیوں ہی سے لئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں سب جانتے ہیں کہ اس کتاب کو منزل من اللہ کہتے ہیں اور اُس کا ایک ایک لفظ خدا ہی کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ یہ تو اُن کا اپنا عقیدہ ہے مگر مخالف اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اُس کا خیال ہے کہ یہ کتاب جو مسلمان پیش کرتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور ہر قسم کی ترتیب اور اس کتاب کا نظام انسانی ہے اسی لئے یہ نام جو اُنہوں نے اپنی کتاب کا مقرر کیا ہے خود اُن ہی کا ایجاد کیا ہوا نہیں بلکہ یہودیوں سے لیا ہوا ہے۔ ہم پادری سیل صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہودی اپنی کتاب کو قرایا مقرا کہتے ہیں اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنی کتاب کو قرآن کہنے لگے۔ پادری صاحب نے یہ اور بھی سخت غلطی کی ہے کہ علمائے عرب نے اس کتاب اسلامی کا نام قرآن مجید رکھ لیا۔ در اصل اس کتاب پاک کا ایک نام مقرر کرنا سخت غلطی ہے اس کے بہت سے نام ہیں اور ہر ایک نام سے کل کتاب کی صفت پائی جاتی ہے۔ قرآن کے لفظ کا مشہور ہونا صرف اس وجہ سے ہوا کہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سورۂ اقرا نازل ہوئی تھی جس کے معنی پڑھ امر کے ہیں اسی لحاظ سے اس کی شہرت لفظ قرآن سے زیادہ ہوگئی۔ خود خداوند تعالی نے اپنی پاک کتاب کے لئے کوئی خاص نام تجویز نہیں کیا۔ کلام خدا اور کلام الٰہی کہہ کے بھی ہم وہی مطلب سمجھ سکتے ہیں جو قرآن کہکے اب صرف بحث یہ رہی کہ آیا یہ نام یہودیوں سے لیا ہے یا سورۂ اقرا کی نسبت سے رکھ لیا گیا ہے۔ اس صورت میں توارد ہونا ممکن تھا مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب لفظ قرآن کتاب اللہ کے ساتھ استعمال ہونے لگا تو یہودی بھی اپنی کتاب کو قرایا مقرا کہنے لگے۔ اس سے انکار کرنے کی ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ کوئی کتاب یہودیوں کی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہو اور اُس میں قرایا مقرا بطور اسم کتاب کے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتاب میں تحریف بے انتہا ہوگئی ہے اور ایسی صریح تحریف ہوئی ہے جس سے کوئی بھی معقول طور پر انکار نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں اگر اُنہوں نے اپنی کتاب کا نام قرا رکھ لیا یا اُسے مقرا کہہ کے پکارنے لگے تو کون سی بڑی بات ہے۔ عبرانی میں قرا کے معنی پڑھنے کے ہونا اور پھر اُس لفظ کا عربی میں مستعمل ہونا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے یہ نام یہودیوں سے لے لیا۔ ہم مسلمانوں کو ایسا عاجز ہرگز نہیں سمجھتے کہ اُنہیں کوئی نیا نام نہ مل سکا ہو اور اُنہوں نے مجبور ہوکے یہودیوں کے اختراعی نام پر تکیہ کیا ہو۔ اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جاوے کہ قرآن کا لفظ یہودیوں سے لیا گیا ہے تب بھی کوئی قباحت نہیں ہو سکتی۔ توریت اور قرآن کی مصنف ایک ہی ذات پاک ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں اُس کی کل کتابوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے اگرچہ بعض خود غرض طبائع نے اُس کی پہلی کتاب کو بدل دیا اور اس میں اپنی طرف سے نئے نئے فقرے چسپاں کر دیئے۔ باینہمہ یہ دیکھنے کے قابل ہے کہ پادری سیل صاحب کوئی دلیل اپنے دعوے کے ثبوت میں نہ دے سکے۔ عبرانی اور عربی کے اس ایک لفظ میں ہم مادّہ ہونے سے اُنہیں یہ وہم لاحق ہوا اور اُنہوں نے مسلمانوں کی پاک کتاب پر یہ الزام لگا دیا۔

دوسری بات غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ مسلمان اپنی پاک کتاب کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کو بھی

کی نسبت لکھا ہے صحت کریں گے۔

قرآن مجید میں آیتوں کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶۶ ہے اس میں ایک ہزار آیتیں وعید کی۔ ایک ہزار امر کی۔ ایک ہزار نہی کی۔ ایک ہزار مثل کی۔ ایک ہزار قصص کی۔ پانسو حلت و حرمت کی۔ سو دعاؤں کی چھیاسٹھ ناسخ و منسوخ[1] کی آیتیں ہیں۔ قرآن مجید میں ستھتر ہزار چار سو چھتیس لفظ ہیں اور تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف ہیں۔ ان میں سے اڑتالیس ہزار آٹھ سو بہتر الف دس ہزار چار سو اٹھائیس۔ بے دس ہزار ایک سو ننانوے تے ایکہزار دو سو چھہتر ثے تین ہزار دو سو تہتر جیم تین ہزار نو سو تہتر حے دو ہزار چار سو سولہ خے پانچہزار چھ سو بیالیس دال چار ہزار چھ سو ننانوے ذال پندرہ ہزار سات سو ترانوے رے ایک ہزار پانسو ستر زے پانچہزار آٹھ سو اکیانوے سین دو ہزار دو سو تریپن شین دو ہزار چھ سو تیرہ صاد ایک ہزار چھ سو سات ضاد ایک ہزار دو سو چھہتر طا آٹھ سو بیالیس۔ ظا نو ہزار دو سو بیس عین دو ہزار چار سو نو غین آٹھ ہزار چار سو ننانوے فے چھ ہزار آٹھ سو تیرہ قاف نو ہزار پانسو بائیس کاف تیس ہزار چھ سو تیئیس لام چھبیس ہزار پانسو ساٹھ میم پینتالیس ہزار ایک سو نوے نون پچیس ہزار پانسو چھتیس واؤ انیس ہزار ستر ھا چار ہزار سات سو بیس لا پچیس ہزار نو سو انیس یا ہیں۔

یہ صحیح تعداد ہے جو ہم نے لکھی ہے۔

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن کے سات متفرق نسخوں میں آیتوں کا شمار نہیں ملتا ایک زبردستی کی دعویٰ ہے جس بات کا سر ہے نہ پیر اُسے تسلیم کرنے والے بجز نہیں دنیا میں کون لوگ ہوں گے۔ پادری صاحب کی ہمہ دانی کی یہی ایک مثال کافی ہے کہ انہوں نے الفاظ کے شمار میں بھی اختلاف لکھا ہے مگر الحمد للہ کہ دونوں اختلافی

[1] ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہماری رائے ہے وہ ہم اپنے مقدمہ تفسیر الفرقان کے کسی آیندہ باب میں ظاہر کریں گے فی الحال ہمیں یہاں صرف اسقدر لکھنا ہے کہ ہم نے آیتوں کے ساتھ ناسخ و منسوخ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ عام طور پر اسی نام سے اُنہیں پکارا جاتا ہے اگرچہ ہماری رائے اس بارے میں چاہے کچھ ہی کیوں نہو۔ ہمیں آیتوں کی تعداد گنانی تھی وہ ہم نے شمار کرادی اس میں شک نہیں کہ ناسخ و منسوخ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور خدا کے کلام میں ایک حرف کی تبدیلی بھی ممکن نہیں۔ چونکہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں خود علما میں بڑا اختلاف ہے اس لئے علماء کا مقلد اس اختلاف سے ایک رائے نہیں قایم کرسکتا۔ ہاں اُن کے اختلاف سے محققانہ نتیجہ یہ ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک لفظ بھی قرآن کا منسوخ نہیں ہوا۔ اور جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ کے نام سے پکارا جاتا ہے اُس کے اوامر و نواہی جوں کے توں باقی ہیں اور دنیائے معلوم کے کسی نہ کسی حصہ میں اُن پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہم نے اسی دلچسپ بحث کے لئے اپنے مقدمے کا ایک باب وقف کردیا ہے اور ہم نے جس بسط سے اس میں بحث کرنے کا ارادہ کیا ہے ہمارے ناظرین کی تشفی کے لئے بہت کافی ہوگا۔ اس میں شک نہیں اے کلام پاک تیری بزرگی بڑی ہے اور تجھ میں وہ وہ باریکیاں پوشیدہ ہیں کہ قیامت تک اُن میں نئی نئی باتیں مطابق ترقی علوم و فنون اور زمانہ نکلتی چلی آئیں گی +

ہوئے ہیں کسی قوم سے نہیں لئے گئے۔ مگر اُن کا سکوت اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنہوں نے عمداً حق چشم پوشی کی اور باوجود علم کے ایک ایسی شے کو چھپایا جو اُن کے دعوے کو کمزور کردیتی اور پھر اُن کی ساری عمارت گرپڑتی ہمیں افسوس ہے کہ ایک محقق شخص نے ایسی سخت ابلہ فریبی کی اور ہمیں تعجب ہے کہ کسی دوسرے محقق عیسائی نے پادری سیل صاحب کی اس دہوکا دہی کی کوئی اصلاح نہ کی۔ اِس قسم کا عام سکوت اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حق پسند طبائع ابھی پیدا نہیں ہوئیں شاید زمانہ صدی دو صدی کے بعد یورپ میں انصاف پسند طبائع پیدا کرسکے۔

قرآن مجید کے نام جو خود اس پاک کتاب میں لئے گئے ہیں یہ ہیں۔ الکتاب۔ قرآن۔ فرقان۔ مصحف کتاب۔ مجید۔ قطع۔ ھدی۔ برھان۔ ذکر۔ مبین۔ اِن ناموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی خاص نام کتاب اللہ کے لئے محدود نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے کہ وہ ذات پاک و برحق خود غیر محدود ہے۔ لازم ہوا کہ اسکی کتاب کو بھی کوئی نام یا لقب محدود نہ کرے۔

پھر پادری صاحب نے لفظ آیت پر بحث کی ہے اور آپنے لکھا ہے کہ آیت کا لفظ جن معنی میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے ان ہی معنی میں توریت میں آیا ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ پادری صاحب کی مُراد اس سے کیا ہے اگر پادری صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کوئی کتاب ایسی بنائی جائے اگرچہ انسانی زبان میں کیوں نہو جس میں دوسری الہامی وغیرہ الہامی کتب کا کوئی لفظ نہ آئے تو اُن کا یہ خیال سخت مضحکہ خیز ہوگا مثلاً لفظ آیت سے جسکے معنی نشانی کے بھی ہیں معجزے کے بھی ہیں اور قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصّہ کو بھی آیت کہتے ہیں۔ فرض کرو کہ یہود یوں میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں استعمال ہوتا تھا پھر اُس سے کیا قباحت لازم آئی اور کیوں اس معمولی بحث سے اُنہوں نے اپنی کتاب کا ایک حصّہ سیاہ کیا۔ پھر پادری صاحب حصص قرآن کی بابت تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے سات مختلف نسخے ہیں اور انہیں قدیمی نسخوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دو نسخوں کی اشاعت مدینہ میں ہوئی تیسرا نسخہ مکہ کے لئے مخصوص تھا۔ چوتھا کوفہ کے لئے۔ پانچواں بصرہ میں پڑھا جاتا تھا چھٹا شام میں۔ ساتواں ایک عام نسخہ کے نام سے مشہور تھا۔ ان نسخوں میں سے مدینہ والے نسخہ میں چھ ہزار آیتیں تھیں۔ دوسرے اور پانچویں نسخہ میں چھ ہزار دو سو چودہ تیسرے میں چھ ہزار دو سو انیس چوتھے میں چھ ہزار دو سو چھتیس چھٹے میں چھ ہزار دو سو چھبیس اور آخری نسخہ میں چھ ہزار دو سو پچیس۔ لیکن یہ بیان کیا جاتا ہے کہ الفاظ کی تعداد سب میں یکساں ہے یعنی ستر ہزار چھ سو انتالیس لفظ ہیں لیکن رینالڈ کے قول کے بموجب قرآن میں ننانوے ہزار چار سو چھیاسٹھ لفظ ہیں اور تین لاکھ تیئیس ہزار پندرہ حرف ہیں۔ اور دوسری روایت کے بموجب تین لاکھ تیس ہزار ایک سو تیرہ حرف ہیں" یہاں تک پادری سیل صاحب نے قرآنی آیتوں یا لفظوں اور حرفوں کی گنتی گنائی ہے۔ ہمیں سخت تعجب اور افسوس ہے کہ یہ بہت ہی معمولی بات بھی پادری صاحب اور اُن کے ہم مذہب رینالڈ صاحب صحیح لکھ سکے۔ پھر ہم دقایق قرآن کی بابت جو اُنہوں نے قلم فرسائی کی ہے کیونکر صحیح سمجھ سکتے انھیں اُن کی کامیابی پر مبارکباد دے سکتے ہیں۔ ہم آیتوں اور الفاظ وغیرہ کی تعداد درج ذیل کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی ہمارے قول بالا کی جو ہم نے پادری سیل صاحب اور اُن کے ہمخیال رینالڈ

منادی کرتے تھے اور سب کا ایک ہی مسلک اور ایک ہی منشا تھا۔ خواہ انہیں خدا کا بھیجا ہوا سمجھو یا انہیں مصلح قوم خیال کرو پاؤ گے سب کو یکساں۔ اور یکساں بھی ایسا کہ ایک دوسرے کی تعریف کرتا ہے اور اُس کے من اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی اور کوئی تاریخی یا عقلی دلیل مانی جاتی ہے تو ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور ہماری یہ بحث غیر طرفدارانہ اور آزاد ہوگی اور صرف بسم اللہ پر ہم ایک عام نظر کریں گے۔ پادری سیل صاحب ہوں یا اُن کے ہمخیال۔ اور یورپی مصنف جب مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں تو دہرے ہو کے معترض ہوتے ہیں انہیں اپنے مذہبی اصول بالائے طاق رکھنے پڑتے ہیں اور جو باتیں اُن کے ہاں مثل مسلمانوں کے مسلم ہیں انہیں وہ نظر انداز کر جاتے ہیں اور عجب تماشائی بات ہے کہ آنکھیں بند کر کے وہی اعتراض کرتے ہیں جو اُن پر عاید ہو سکیں۔ یہ انتہا درجہ کا اسلامی اور تعصب ہے۔ اور ایسے امور کو درحقیقت تحقیق اور انصاف سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

پہلی بات جو پادری صاحب نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہودی مثل بسم اللہ کے ایک فقرہ ہر قسم کی تحریر شروع کرنے سے پہلے استعمال کیا کرتے تھے۔ ہم اس مقولہ کو کیونکر تسلیم کر لیں اور بغیر معقول وجوہات کے کیونکر مان لیں۔ ہم یہودیوں کی ایسی کوئی کتاب یا تحریر دیکھنا چاہتے ہیں جو اشاعت اسلام سے پہلے کی ہو اور اُس پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہو۔ پادری سیل صاحب نے ایسی کسی تحریر کا پتہ نہیں دیا صرف اسی قدر لکھ کے وہ بری ہونا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کا یہ عام قانون یا قاعدہ تھا جبکہ ہم یہودیوں یا عیسائیوں کی کتب مقدسہ محرّف مان چکے جبکہ ہمیں اس کا علم ہو چکا کہ یہودی یا عیسائی کسی ایک حکم کو بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ درحقیقت یہ حضرت موسیٰ یا مسیح علیہ السلام کا ہے۔ جو کتابیں صدیوں کے بعد لکھی گئی ہوں جن اقوال کے سننے والے کبھی کے دارفنا میں آرام کر چکے ہوں اور پھر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور زور ڈالا جائے کہ اسے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ کا کلام مانو اور اُس کے لئے دلیل نہ پیش کی جائے بلکہ سوائے تحکم کے اُس میں کچھ نہ ہو پھر نہیں خیال میں آسکتا کہ ہم اُسے کیونکر تسلیم کریں۔ متی۔ یا لوقا۔ یا پطرس۔ یا یوحنّا نے کچھ لکھا اور ایک بیاض مرتب کی اور وہ بھی حضرت مسیح کے برسوں بلکہ قرنوں کے بعد کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اس مجموعہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہو۔ کس نے اس امر کی تنقید کی اور کس نے اس زمانہ میں اس امر کی سند دی۔ اناجیل اپنے غلط ہونے کی خود آپ شاہد ہیں۔ اُن کا صریح اور بیّن اختلاف خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ حق نہیں ہیں بلکہ چند پریشان اقوال کا مجموعہ ہیں جو ناسمجھ بادیہ گردوں نے ترتیب دے لیا ہے۔ اُن میں اگر کوئی بات قرآن کی لے لی ہو۔ اگر مسلمانوں کی کوئی طرز تحریر اخذ کر لی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہودی ہوں یا مشرقی عیسائی۔ ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ طریقہ ہمارے ہاں اشاعت اسلام سے پہلے رائج تھا۔

اب ہم آتش پرستوں کی بسم اللہ پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جب عیسائی اس ترقی اور اعلےٰ درجہ کے تمدن کے زمانہ میں ایک جملہ بھی اناجیل کا حضرت مسیح کا کہا ہوا ثابت نہیں کر سکتے سند دشتی بیچارے جن کا مذہب مُردہ ہو چکا ہے اور جن کی قوم معدوم ہونے کے قریب پہنچ چکی ہے وہ کیا خاک اس امر کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ بسم اللہ ہماری کتابوں میں اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسی بات کا فیصلہ نہیں ہوا کہ دساتیر ژند و پاژند

رائیں اُنہوں نے اپنے ہی ہمخیال اور ہم مذہب محققوں کی دی ہیں کسی مسلمان کا نام نہیں لکھا۔ اختلاف ہمیشہ رائے میں ہوتا ہے نہ کہ ایک بدیہی چیز میں جو آنکھوں سے دیکھی جاسکے اور اُس کی گنتی ہو سکے۔

اس کے آگے پادری سیل صاحب نے جو یہ لکھا ہے "کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور یہ تیس پارے شہنشاہی مساجد یا اُن کے قریب کی چھوٹی مسجدوں میں پڑھے جاتے ہیں اور تیس آدمیوں کے سپرد تیس پارے ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنا ایک ایک پارہ روز پڑھ لیں اور اس طرح گویا پورا قرآن ختم ہوجاتا ہے" سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب کا اس مقولہ سے جو اُنہوں نے اپنے دوست وائٹ سمتھ کے حوالہ سے لکھا ہے کیا مطلب ہے اور ایسی لغو اور بے معنی تحریر کی اخیر کوئی انتہا بھی ہے یا نہیں۔ اگر اُن کی یہ مُراد ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت صرف شہنشاہی مساجد تک محدود ہے تو یہ اُن کی علانیہ غلطی ہے یا اگر وہ جانتے ہیں تو اُن کی دیدہ و دانستہ نادانی ہے جو ایک مصنف کبھی نہیں کریگا۔ اور اگر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ایک پارہ خاص ایک ہی شخص کے لئے مخصوص ہوجاتا ہے پھر وہ دوسرے پارے کو نہ پڑھتا ہے نہ ہاتھ لگاتا ہے اور بھی زیادہ ابلہ فریبی ہے۔ پھر پادری صاحب یہ فرماتے ہیں "ہر سورت سے پہلے مسلمان بسم اللہ لکھتے ہیں یہودی بھی اسی منشائے سے اسی مطلب کا ایک فقرہ لکھا کرتے ہیں جس کے معنی بسم اللہ کے ہیں۔ مشرقی عیسائی بھی یہی طرز برتتے ہیں اور وہ اپنی ہر کتاب باپ۔ بیٹے اور روح القدس کے نام سے شروع کرتے ہیں مگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ طریقہ ہو بہو آتش پرستوں سے اخذ کیا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی کتابوں کو ان لفظوں سے شروع کرتے ہیں۔ بنام یزدان بخشایشگر دادار جس کے لفظی معنی عربی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے" یہاں تک پادری سیل صاحب کی بسم اللہ کی نسبت تحقیقات ہوئی۔ ہمیں افسوس ہے کہ بعض مسلمانوں نے بھی اس غلط فہمی کو محسوس نہیں کیا اور اپنی قیمتی تصانیف میں یہ لکھدیا کہ بسم اللہ بیشک آتش پرستوں سے لیگئی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کریں کہ بسم اللہ یہودیوں مشرقی عیسائیوں اور بالخصوص آتش پرستوں سے لیگئی ہے تب بھی شان کلام خدا میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اسلام اور اُس کے اصول درحقیقت عطر ہیں تمام ادیان سابقہ عالم کے اور خلاصہ ہے اُن لمبی چوڑی تحریروں یا صحائف انبیا کا جن میں بمقتضائے وقت خدا پرستی کی باتیں اور معاشرت و تہذیب کے قوانین موجود ہیں۔ خدا کا نام کسی کام کے پہلے لینا انتہا درجہ کی خدا پرستی اور خلوص نیت کا ثبوت ہے اور اس سے بہتر فروتنی اور عاجزی کی صفت ہو نہیں سکتی۔ چونکہ تمام گروہوں میں اُس نے ہدایت کرنے والا یعنی رسول بھیجا جیسا کہ وہ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا فِيْهَا نَذِيْرٌ" یعنی کوئی ایسا فرقہ نہیں ہے جس میں ڈرانے والا یعنی پیغمبر جو بُری باتوں سے ڈراتا ہو نہ گزرا ہو۔ جب پیغمبر ہوا تو ضرور ہے کہ اُس پر خدا کا کلام نازل ہوا ہو گا خدا کے کلام میں سب سے پہلے اُسی کا نام ہونا ضرور ہے اسی طرح برابر انبیا پر اس کا کلام بمقتضائے وقت نازل ہوتا رہا اور سب میں خدا پرستی اور دین داری کے مضامین کا ایک ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ایک نے دوسرے سے لیلیا ہو اور اس صورت سے وہ قابل الزام ہو سکے۔

اور اگر یہ بھی نہ خیال کریں اور سمجھیں کہ کُل انبیا نے خود ہی کتابیں تصنیف کیں پھر بھی وہ ایک دوسرے سے خدا کے نام کے پہلے نقل کر لینے میں کچھ بھی خطاوار نہیں ہو سکتے نہ اس نقل سے اُن کی کمزوری پائی جاتی ہے سب درحقیقت خدا پرستی کی

بلا تغیر و تبدیل چلی آتی ہوں اور ان کا مصنف کوئی خاص شخص ہو اُس صورت اور حالت پر نظر کرتے پادری سیل صاحب کو بحیثیت ایک محقق ہونے کے کبھی زیبا نہ تھا کہ وہ ایک ایسی کتاب کی شہادت کو نہ جس کے مصنف کا پتہ ہے نہ جس کے زمانہ تصنیف کا نشان ہے اور نہ جس کے مضامین کا تعلق اور اُن کی ترتیب کسی زمانہ خاص کے ساتھ ثابت ہوتی ہے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک صورت سے تو قرآن مجید کا جزو ہے کیونکہ ایک سورہ قرآن میں موجود ہے دوسری صورت میں کہ وہ ہر سورت کے پہلے لکھی جاتی ہے علما کا اختلاف ہے بعض اسے جزو قرآن کہتے ہیں بعض اس کے مخالف ہیں اگر ہم اسے جزو قرآن مان لیں تو اس لئے کوئی قباحت نہیں پڑ سکتی کہ یہ پورا جملہ قرآن مجید کے متن میں آگیا ہے اور اگر بسم اللہ کو جزو قرآن نہ مانیں تو بھی کچھ قباحت نہیں کیونکہ سب سورتوں کے پہلے سے بسم اللہ کو اُڑا دینے پر معنی قرآن میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

صرف ایک بسم اللہ پر اسقدر احادیث۔ روایات۔ اقوال علما موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو جمع کر لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ تمام مفسروں نے اسکی تفسیر میں بہت کچھ بحث کی ہے اور بہت سی حدیثیں صرف بسم اللہ کے بارے میں لکھی ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی نے یہ لکھا ہے کہ مکہ اور کوفہ کے قاری ابن مبارک اور امام شافعی اور مکہ اور کوفہ کے تمام فقہا اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے مگر مدینہ۔ بصرہ اور شام کے قاری اور فقہا مع امام مالک اور اوزاعی کے اس بات کے قایل ہیں کہ سورت سے پہلے جو بسم اللہ آتی ہے وہ جزو قرآن نہیں ہے امام اعظم رحمہ نے اس کی کچھ تشریح نہیں فرمائی کہ آیا بسم اللہ آغاز سورت کی جزو قرآن ہے یا نہیں مگر اتنا فرمایا ہے کہ بسم اللہ کا دو سورتوں میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دونوں میں فصل یعنی جُدائی کر دے۔ اس کے علاوہ تمام ائمہ کا یہ مذہب ہے

سر ولیم جانس جیسے فاضل شخص نے اس ترجمہ کا مضحکہ اُڑایا اور مترجم پر کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیا بہرحال کچھ ہی ہو فاضل سیاح اور مترجم کا یہ کام بلحاظ اُس کی جانبازی اور محنت کے بے نظیر تھا۔ بڑی بات جو اس ترجمہ میں دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر بسم اللہ کے ہم معنی جملہ کا نئی نئی صورت میں اظہار ہوا ہے چنانچہ وہ جملے یہ ہیں۔ بنام یزداں بخشایشگر دادار۔ بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگران۔ کہیں یہ لکھا ہے پناہیم بیزداں از منش دخوئے بد و زشت گمراہ کنندہ و براہ ناخوب برندہ رنج دہندہ آزار رسانندہ یہ بھی جملے ہیں اگرچہ ان کا مفہوم قریب قریب یکساں ہو مگر الفاظ میں فرق ہے۔ الفاظ میں فرق ہونے کی ادنٰے دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی بسم اللہ کا مختلف زمانوں میں مختلف علماء نے ترجمہ کیا اس لئے الفاظ کی تبدیلی لازمی ہوگئی۔ اس سے ہم آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر بسم اللہ ترجمہ ہوتا اوستا کے کسی فقرے کا اور وہ فقرہ اوستا میں ایک مستقل ہیئت کذائی سے ہوتا تو الفاظ میں ہرگز فرق نہ پڑتا اور یہ صریح تبدیلی نہ واقع ہوتی۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہوئی قطعی پارسیوں نے بسم اللہ کا جو کلام خدا سے اسلام ہے اپنی کتابوں میں ترجمہ کیا اور کسی ضعیف سے ضعیف پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے بسم اللہ پارسیوں کے ہاں سے لی ہے۔ پارسیوں کی الہامی کتاب کی حقیقت مختصر سی سن لینی چاہیئے تاکہ آیندہ بڑے بڑے حل طلب پیچیدہ مسائل

آیا۔ اُس زردشت کی تصنیف ہے جس کا زمانۂ ولادت وظہور ابھی تک نہیں معلوم ہوا۔ نہ یہ خبر ہے کہ اُس کی تعلیم کیا تھی اور اُس نے آکے دنیا میں کیا کیا۔ دوسرا زردشت گشتاسپ کے زمانہ میں پیدا ہوا جس کی طرف موجودہ کتاب کو نسبت دی جاتی ہے اور اُسی کو بہت بڑا مصلح مانا جاتا ہے مگر یہ پتہ لگنا مشکل ہے کہ موجودہ ژند و پاژند اسی صورت پر تصنیف ہوئی تھی یا اس سے کچھ اختلاف تھا۔ اول ہی اول اس کے نسخے کس نے لکھے تھے۔ اور زردشت کے مرنے کے بعد اسے کس نے ترتیب دیا تھا۔ کیا ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب میں کچھ تحریف نہیں ہوئی۔ اور کیا دلیل ہے کہ اس میں اشاعت اسلام کے بعد کچھ گھٹا یا بڑھایا نہیں گیا۔ یہ ساری باتیں بہت غور طلب ہیں اور مشکل ہے کہ ان کا کوئی اطمینان بخش جواب دے سکے۔ پارسیوں کی کسی ایسی کتاب کو پیش کرنا جس کا مصنف بڑی تحقیق کے بعد بھی نہیں مل سکتا اور اُسے قرآن کے مقابلہ میں بطور شہادت کے دینا ایک افسوسناک امر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جتنی کتابیں پارسی پیش کرتے ہیں وہ اول سے اخیر تک غلط ہیں بلکہ ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ آیا اُنکی اصلیت جوں کی توں باقی ہے یا اُس میں کچھ تغیر وتبدل آگیا ہے؟۔ اس مخالفت پر بھی جو قرآن مجید کی کی جاتی ہے تمام یورپی مصنفوں کا اتفاق ہے کہ دنیا میں سوائے قرآن کے کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو تیرہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدیل چلی آتی ہو۔ انجیل توریت کو چھوڑ کے اگر ہم وید اور زردشتیوں کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہم ان کے ظہور کا کونسا زمانہ قرار دیں۔ اور ان کتابوں کا کس کو مصنف جانیں۔ اگر غور سے دیکھا جائیگا تو زردشتیوں اور ویدوں کے عقاید کا ایک ہی مخرج ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کتابیں[1] ہم تک

[1] یونانیوں رومیوں اور عربوں نے زردشتی مذہب اور اُن کی دینی کتاب کی بہت کم تحقیق کی ہے اور جو کچھ اُنہوں نے لکھا بھی ہے وہ ناکامل ہی نہیں ہے بلکہ غلط بھی ہے مگر یورپی مصنفوں نے جو کچھ اس خستہ اور قدیم مذہب کے حالات دریافت کئے ہیں اُن سے گونہ اطمینان ہوتا ہے اور وہ حالات ہمیں چند مطالب کو یکجا کر کے نتیجہ نکالنے میں مدد دیتے ہیں۔ پارسیوں یا مجوسیوں پر جو کچھ بیتا پڑی وہ کسی کی نظر سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ کے پارسی گویا نقش پا ہیں اُس قدیم بزرگ قوم کے جس کی حکومت بہت وسیع تھی اور جس نے مشرقی یورپ ہی میں نہیں بلکہ حدود ہندوستان تک اپنی فتوحات بڑھائی تھیں۔ اسی طرح اُنکی دینی کتاب ژند وستا پراگندہ محرف ٹکڑا ہے۔ اُس عظیم الشان مبسوط کتاب کا جو بطور ضوابط و قوانین تمدن و سیاست استعمال ہوتی تھی۔ پہلا شخص جسنے ژند وستا کی تحقیق کی ایک فرانسیسی سیاح اُن کے شیل دوپران نامی ہوا ہے ۱۷۵۴ء میں اُس نے اس جہاز میں ملاحوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا جو بمبئی کو آتا تھا۔ اور بہزار مشکل بمبئی اور بمبئی سے سورت پہنچا۔ یہی شہر اُسکا منزل مقصود تھا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد پارسیوں کے دستور داراب جی نامی کی خدمت میں پہنچا کچھ تحفے اپنے ملک کے دیئے اور اُن سے اس تعظیم اور تکریم کا برتاؤ کیا کہ دستور کی نظر عنایت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ اس محقق سیاح نے اپنا اثر خوب جما لیا اور اخیر اوستا کی کامل قلمی جلد کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہی فاضل سیاح کی دلی مراد تھی۔ پھر وہ اپنے وطن ۱۷۶۱ء میں واپس پھرا ۱۷۷۱ء میں اُس نے اس کل ذخیرہ کا کامل ترجمہ شایع کرایا جس کے لئے اس نے ممالک مشرقی کا سفر کر کے سالہا سال مصائب و تکالیف برداشت کی تھیں۔ مگر اُسکی اس جانکاہی کا صلہ یہ ملا کہ

خفیف سی خفیف دلیل بھی نہ لاسکیں۔ اس لحاظ سے پادری سیل صاحب کا دعوی نظر انداز کرنے کے قابل ہے
اور اس سے زیادہ اُس کی وقعت نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک متعصب شخص کا قول خیال کیا جائے اور جتنی بحث اس پر کی ہے
اسے کافی سمجھا جائے۔ اور زیادہ طولانی وجوہات کو تحریر میں نہ لایا جائے تاکہ صرف ایک ہی بحث میں بے مزا طول نہو جائے۔
اس کے بعد پادری صاحب نے حروف مقطعات پر حرف گیری کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ طریقہ بھی یہودیوں سے لیا گیا ہے
پھر اُنھوں نے ان حروف کے مفسروں کی زبانی معنی بیان کئے ہیں اور اخیر اپنی تمام بحث کا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہودیوں کے
ہاں بھی یوں ہی حروف مقطعات استعمال ہوتے تھے۔ اور ان حروف کا نام پادری صاحب نے قابہ یاس لکھا ہے۔
یہ خیال بھی پادری صاحب کا بالکل غلط ہے کوئی ثبوت نہیں کہ یہودی ایسا کرتے تھے اور کوئی شہادت نہیں
جس سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر یہی طریقہ یہودیوں کے ہاں جاری ہے تو کس زمانہ سے اس طریقہ کا رواج ہوا اور آیا وہ زمانہ
قبل ظہور اسلام ہے یا بعد حضرت رسالت مآب کے واقع ہوا ہے۔ یہ الزام بھی مثل الزام بالا کے بے بنیاد ہے
جس کا ہم نے اوپر جواب دیا ہے۔
اس سے آگے پادری صاحب نے قرآن کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے میں بحث کی ہے اور معتزلیوں کے اقوال پیش

بودھ کی طرح اُس کا نام زردشت صرف ایک لقب کے طور پر تھا جس کے معنی ایک بڑا پیشوا یا روحانی رہنما ہی اس کی پیدایش کے
قبل اور بھی بہت سے زردشت ہوئے جن کے حالات سرتاپا تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں اور ان پر تاریخ کی روشنی دھندلی سی بھی
نہیں پڑتی۔ اسپنتیما اس کا اصلی نام ہے اور اسی سے اُس کے خاندان کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح بودھ کا اصلی نام سکیا سمجھا
تھا۔ زردشت کے حالات زندگی ہمیں جس قدر معلوم ہوئے ہیں اگرچہ اُن کی صحت کا ہم حلف نہیں اُٹھا سکتے پھر بھی بسبب مشہور
ہونے اور دلچسپ ہونے کے اُسکی قدر ہی کرتے ہیں۔ زردشت کے باپ کا نام پوروش جاسپا تھا اور ماں کا نام داگدو
تھا اُس کی شادی بھی ہوئی تھی اور اُس کی اولاد بھی تھی۔ جب اُس کی عمر تیس ۳۰ کو پہنچی تو وہ تارک الدنیا ہو کے ایک ویرانے
میں عزلت گزیں ہوا وہاں اس کے پاس انگرومینوش آیا جس نے وعدہ کیا کہ اگر تو مجھے معبود مطلق تسلیم کرلے تو میں
تجھے ہر قسم کی خوشحالی۔ قدرت اور فارغ البالی عطا کرسکتا ہوں۔ زردشت نے جواب دیا "او شریر بدذات دوزخ تیرے اور تیری
اولاد کے لئے تیار ہوئی ہے اور میں صرف اھورامزدا کی ہی عبادت کرنی جانتا ہوں" یہی روایت حضرت مسیح کی نسبت اناجیل
کے ترتیب دینے والوں نے مشہور کردی ہے کہ حضرت مسیح کو چالیس دن تک شیطان نے آزمایا۔ مطابقت اس کا نام ہے۔ دیکھا
دونوں روایتوں میں کس قدر تطابق ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کے بعد زردشت اپنی جگہہ سے اُٹھا تو کامل
پیغمبر تھا۔ اسی طرح جب حضرت مسیح چالیس دن تک شیطان سے آزمائے جاچکے تو کامل پیغمبر بن گئے تھے۔ متعدد روایتیں
زردشت کے صاحب معجزہ ہونے کی شہادت دیتی ہیں کہتے ہیں اُس نے اپنے معجزوں ہی کے ذریعہ سے شاہ گشتاسپ کا
دل اپنی طرف پھیر لیا اور اس کا مشیر و معتمد بن کر اپنے سچے مذہب مزدیسنانی کو تمام مملکت میں شایع کردیا تھا۔
پارسیوں کی خاص خاص کتابیں جو اس زمانہ میں موجود ہیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔ وندیداد۔ ویسپراد۔

بسم اللہ جزو قرآن مجید ہے۔

یہ بیضاوی کی تحقیقات ہے ہم اس پر صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کو جزو قرآن مان لیں تو کوئی نقصان نہیں نہ مانیں تو کوئی ہرج نہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مطلب صرف یہ ہے کہ پادری سیل صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ بسم اللہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے لی گئی ہے ہمیں اس کی کوئی سند نہیں ملی نہ اُن کی تحقیق میں نہ اپنی جستجو میں ہم نے خاص اس امر کی بابت بہت کچھ تحقیق کی ہے۔ مجوسیوں کے اور بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں سے مل کر اس امر کو دریافت کیا ہے وہ اتنا تو ضرور کہتے ہیں "کہ ہماری ہر تحریر میں نہیں ہاں اوستا کے بعض حصّوں میں بسم اللہ کے ہم معنی یہ عبارت بنام یزداں بخشایشگر دادار لکھی ہے مگر ہم یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ آیا یہ جملہ ابتدائے تصنیف کتاب سے اس میں درج ہے یا بعد ازاں بڑھایا گیا ہے مگر ہم مذہباً اسے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ابتدائے تصنیف ہی سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں نے ہماری ہی نقل کی ہے۔

فلسفہ کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہو وہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے مگر اس دعوے کو ہم کہاں تک ضعیف اور فضول خیال کریں گے جس کی تائید میں دلیل کی ضرورت ہونا یا نہ ہونا تو کیسا

حل ہو جائیں گے اور ہمارے مسلمان مصنف غلط فہمی میں نہ پڑیں گے۔

جس فرانسیسی سیاح کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اس کی ترجمہ اوستا پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم سنسکرت سے محض ناآشنا ہے اسی وجہ سے جا بجا ترجمہ کرنے میں بہی اغلاط بکثرت رہ گئیں اور بعض مقام پر تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف کا اس عبارت سے کیا مدعا ہے۔ نصف صدی تک تو کوئی خبردار نہوا آخر یوجین برنوف جو سنسکرت کا بڑا فاضل تھا اس طرف متوجہ ہوا اس نے زبان سنسکرت کی مدد سے دفعۃً زند کے اصول کا ایک عام رستہ پیدا کر دیا ڈنمارک میں راسک اور ویسٹر گارڈ نے فرانس میں سلوسٹو ڈی سی نے روس میں کاسو وچہ نے جرمنی میں اسپیگل اور ھاوگ نے اس خاص تحقیقات میں اس کی پیروی کی بالخصوص ھاوگ تو زند کی تحصیل میں سب سے بڑھ گیا گویا برنوف سے ایک کام کی ابتدا ہوئی اور ہاوگ سے وہ کام انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد ان کے تیل ڈ یران اور یوجین برنوف کے کام کو پروفیسر ڈارا سٹبٹر نے اپنے ذمہ لیا۔ اور اس نے میکس مولر کے مشرقی مقدس کتابوں کے سلسلہ میں وندیداد کا ترجمہ شائع کرایا ہمیں جو کچھ پارسیوں کے عقائد مذہبی سے واقفیت ہے وہ ان ہی فاضل محققوں کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے۔

دنیا کی اور قوموں کی طرح پارسی بھی اپنی مقدس کتاب کو اھورامزدا کی طرف منسوب کرتے ہیں جس نے کہ براہ راست اُن کے پیغمبر اسپیتمان زرتشت پر اُسکو نازل کیا تھا۔ اُن کے معزز پیغمبر کے حالات اس درجہ تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اُس کے زمانہ کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دارا کے باپ گشتاسپ کے زمانہ میں تھا اور کم و بیش بودھ کا ہمعصر تھا لیکن ھاوگ اس قیاس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا زمانہ حضرت مسیح سے ایک ہزار یا بارہ سو برس قبل بتاتا ہے وشتاسپا یا گشتاسپ شاہ فارس کو جو اُس کا دوست یا حامی تھا وہ یونانیوں کا ھستاسپس نہیں تھا بلکہ اُسے ایک علیحدہ ہی شخص سمجھنا چاہئیے یعنی

یعنی تو ہر نافرمان متمرد شخص کو ملامت کرتا ہے۔ دیکھ میں نافرمان متمرد شخص ہوں جب قیامت کے دن تو اپنے مالک کے سامنے حاضر ہو تو شکایت کیجو کہ اے خالق الولید نے مجھے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح تسلیم کریں تو قرآن کے اعزاز واکرام میں کیا فرق آتا ہے۔ دریا میں سے اگر کتے نے پانی پی لیا تو دریا کا پانی ناپاک نہیں ہو سکتا یا اگر آفتاب کی کرنوں کو کسی نے میلا ہاتھ لگا دیا تو ان میں نہ کچھ ملگجا پن آئے گا نہ اُن کی تابانی میں کچھ فرق آئے گا۔ اس کے علاوہ جب اس روایت پر محققانہ نظر ڈالی جائے تو نہ اس روایت کے راوی اور نہ پادری سیل صاحب اسے صحیح بتا سکیں گے۔ خلیفہ مہدی نے اپنے دربار میں الولید کو زندیق کہا اس پر ابو العلامہ فقیہ نے کہا اے امیر المومنین وہ مسلمان تھا اگرچہ اُس کی معاشرت رندانہ تھی۔ مگر جب اذان ہوتی تھی اس کے محل درباری تعیش کے لباس کو اُتار کے نماز کے کپڑے پہن لیتے تھے اور نماز پڑھنے میں ایک لحہ کا بھی توقف نہ کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو زندیق کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس گفت وشنود سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی یعنے الولید نے قرآن پھاڑا ہوتا تو ضرور خلیفہ مہدی اس کی نظیر پیش کرتا مگر اُس نے اشارہ تک نہ کیا اور اخیر ابو العلامہ فقیہ کی رائے ماننی پڑی۔ اِس قسم کے اعتراض بچّوں کے سے ہیں۔ ایک محقق شخص کو ان چھوٹی باتوں سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔ کسی ایک شخص کی بُرائی قومی بُرائی نہیں بن سکتی اور کسی ایک مسلمان کی بداعتقادی قوم کے اعتقاد کو نہیں خراب کر سکتی۔

پادری سیل صاحب نے اس کے آگے ایک بڑے اہم اور عظیم الشان مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس پر اسلام کی بنیاد ہے یعنی فرشتوں کا یقین اور اُن پر ایمان۔ ان کی نسبت وہ مفصلۂ ذیل لکھتے ہیں ” قرآن نے فرشتوں کے وجود اور پاکی کی بابت اعتراف کیا ہے۔ اور قرآن اُن لوگوں کو کافر بتاتا ہے جو اُن سے انکار کرے یا اُنکی حقارت کرے۔ یا اُن کو کسی جنس کے ساتھ نسبت دے۔ مسلمان اُنھیں پاک اور نورانی جسم کا بتاتے ہیں اور اُنکی پیدایش

---

(۱) (الف) ” شروع میں دو روحوں کا ایک توام جوڑا تھا جن میں سے ہر ایک حد درجہ کی تیز تھی ان میں سے ہا عتبار خیال۔ قول۔ فعل۔ ایک تو نیک تھی اور دوسری بدتم ان میں سے ایک کو پسند کرو لیکن یہ خیال رہے کہ تم نیک بنو۔“

(ب) ان دونوں روحوں کے ملاپ سے جو چیز اول پیدا ہوئی وُہ ایک تو اصلیت تھی اور دوسری غیر اصلیت۔

(ج) ان دونوں روحوں میں سے تمہیں ایک پسند کرلینی چاہئے خواہ بد پسند کرو جس سے بد افعال صادر ہوتے ہیں خواہ نیک پسند کرو جو مقدس روح ہے۔ بعض بدقسمت مُصیبت جھیلنا پسند کریں گے اور بعض نیکوکاری کے ذریعہ سے اھورا مزد کی پرستش کرینگے۔

(د) تم ایک ہی ساتھ ان دونوں سے تعلق نہیں پیدا کر سکتے۔

(۲) (الف) مبارک ہے وہ اور مبارک ہے ہر وہ شخص جسے اھورا مزد اخود اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے اور اسی کو دو لازوال طاقتیں (صحت وبقا) عطا ہوں گی۔ اس نعمت کو میں تجھسے مانگتا ہوں تو اپنے رحم کے فرشتے ارمیتی کے ذریعہ سے مجھے خوشی عطا کر اور اچھی چیزیں نیک دلی کے ساتھ عنایت فرما۔

(ب) میں تجھے سب سے افضل اور دنیا کی ہر قسم کی روشنی کا سرچشمہ سمجھتا ہوں ہر ایک تجھی کو سرچشمۂ روشنی تسلیم کرے گا۔

کرکے یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ موجود ہے جو قرآن کو مخلوق مانتا ہے۔ پھر پادری صاحب نے اور بھی آگے قدم بڑھایا ہے اور ولید بن یزید کا قصہ نقل کیا ہے کہ اُس نے قرآن مجید اُٹھا کے پھینک دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایتوں کے بیان سے پادری صاحب کی غرض کیا ہے اور کیوں اُنھوں نے بے فایدہ اپنی کتاب کے صفحے سیاہ کئے۔ ایک ناشدنی اور نالایق خلیفہ کا ذکر کہ اُس نے قرآن کو اُٹھا کے پھینک دیا قرآن کے احترام میں کیا فرق پیدا کرتا ہے۔ ولید کی معاشرت اول دن سے غلیظ اور ناپاک تھی نہ وہ خود مسلمان تھا نہ اُسے اسلام کا کچھ خیال تھا۔ صدہا نہیں بلکہ ہزاروں انگریز فرانسیسی ایسے ہیں جو انجیل کو اُٹھا کے ہی نہیں پھینک دیتے بلکہ اُن کی یہ رائے ہے کہ اگر تم عقیدہ کے بھوت کے خوف کو دُور کرکے انجیل مقدس کو دیکھوگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میں نے کیوں اپنا عزیز وقت ایک پُر از ظلم و جہل تصنیف میں گزارا۔ اسی طرح کے صدہا اقوال ہیں جو ہم آیندہ کسی باب میں نقل کریں گے یہاں صرف اِس قدر کہنا ہے کہ اِس سے قرآن کی عظمت میں اور اُس احترام میں جو کروڑہا آدمی اس کا کرتے ہیں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ پادری صاحب نے اُن اشعار کا ترجمہ بھی کیا ہے جو اُس نے قرآن کو مخاطب بنا کے پڑھے تھے۔ ہم مُناسب سمجھتے ہیں کہ اصل اشعار عربی کے نقل کردیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس میں کچھ بھی اسلام کی بو ہوگی وہ ایسے نالایق کام کرنے کا خیال بھی نہ لائے گا۔ اصل روایت ولید کی یہ ہے۔ ایک دن ولید نے قرآن کھولا تو اول ہی صفحہ میں یہ لکھا ہوا دیکھا "وخاب کل جبّار عنید" یعنے نافرمان کبھی نہیں پھلے پھُولیں گے۔ یہ دیکھکر مصحف کو ہاتھ سے پھینک دیا اور اُس پر تیر مارے۔ اور یہ اشعار پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید ‌‌ فما انا ذاك جبار عنید

اذا ما جئت ربك یوم حشر ‌ فقل یا رب خرقنی الولید

یاشت۔ اور نیز پھر اِن کے حصے کئے گئے ہیں۔ ان میں سے یاسنا سب سے قدیم اور سب سے ضروری ہے۔ یاسنا کے بھی دو حصے ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید۔ قدیم یاسنا میں پانچ گتھا اور جدید یاسنا میں ہپتہا یتی یعنی ہفت بابی یاسنا شریک ہے یہ ژند کی شکل میں گتھا زبان میں لکھی گئی ہیں جو ویدی سنسکرت کے قریب ہے۔

لفظ گھتا۔ وید اور بودھ کی کتابوں میں بمعنی گیت مشہور ہے جیسے سماوید کے اشعار اڈ گیٹر گاتے ہیں اسی طرح یاسنا کے گتھا اتھروں یعنی پیشوا گاتے ہیں۔ گتھا کی تحریریں عروضی تقطیع میں ہوتی ہیں اور ان میں مختصر سی دعائیں گیت اور مناجاتیں شریک ہیں جن میں علی العموم مذہبی جوش اخلاقی اور ما بعد الطبیعاتی خیالات کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ اور بھی تعجب انگیز بات ہے کہ یہ پانچوں گھتا کم وبیش ایک ہی وزن پر ہیں اور یہ وہی اوزان ہیں کہ جن میں وید کی نہایت پُرانی مناجاتیں پائی جاتی ہیں اور اصطلاح شعرا میں اسودی کے نام سے مشہور ہیں چنانچہ پہلا گتھا جسکو اھونا ویتی کہتے ہیں اور اُسی تقطیع اور وزن میں لکھا گیا ہے جس میں برہمنوں کی گایستری لکھی گئی ہیں دوسری گتھا کا نام استا ویتی تیسرے کا نام اسپنتا مینیا چوتھے کا نام اھوکھے شترم اور پانچویں کا نام واشتو اشتی۔ ذیل میں گتھا کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے۔

فرشتوں کی بابت یہ ساری باتیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ نے یہودیوں سے لی ہیں اور یہودیوں نے مجوسیوں سے فرشتوں کے نام اور عہدے قایم کرنے سیکھے ہیں۔ قدیم مجوسیوں کا فرشتوں اور اُن کے فرائض پر کامل یقین اور ایمان تھا۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ معاملات دنیا میں بھی وہ دست اندازی کرتے ہیں اور اُن کا تصرف ہر کام میں موجود ہے۔ اسی لیئے مجوسیوں نے اُن کے عہدے اور وہ صوبے مقرر کر رکھے ہیں جہاں اُن کے فرائض متعلق تھے۔ اُن کے نام اور مہینے مقرر کئے تھے اور دنوں کا شمار بھی کر رکھا تھا۔ اب بھی مجوسیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جبرئیل کا نام اُنھوں نے سوروش اور ریوان بخش یعنی بخشایندۂ ارواح رکھا تھا دوسرے فرشتہ کا نام ملک الموت تھا جسے وہ مرداد کے نام سے پکارتے تھے۔ میکائیل کو مجوسی بیشتر کہتے تھے جو مخلوق خدا کے لئے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور اُن کے بہت سے عہدے ہیں۔ وہ مخلوق اور خالق میں واسط ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے سب کام انجام پاتے ہیں۔ یہودی ملک الموت کو دوما کے نام سے پکارتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دم واپسیں کے وقت ملک الموت آدمی کا اصلی نام لیکے پکارتا ہے۔

کمینے ہیں۔ اُن لوگوں کو ان لوگوں سے میز رکھنا چاہیئے جنھیں ہمیشہ نیکی کا خیال رہتا ہے۔ اُس کا دوست۔ بھائی اور باپ اھورامزد ہے۔ پیشوائے آتش کا یہی سب سے عمدہ الہام ہے۔

(۴) (الف) ہم اھورامزدا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکوکاری اور راستبازی کا سچا مالک ہے۔

ہم امیشا سپنتا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکی کے مالک اور اُس کے عطا کرنے والے ہیں۔

ہم نیک روحوں کی تمام مخلوق کی پرستش کرتے ہیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا روحانی اور جو چیزیں نیک مخلوق کی باعث ہوتی ہیں اور عمدہ مزدیسنانی مذہب کو پھیلاتی ہیں ہم اُنکی بھی پرستش کرتے ہیں۔

(ب) جو عمدہ خیالات۔ پاکیزہ اقوال۔ اچھے افعال اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں گے ہم اُن سب کی تعریف کرتے ہیں اور ایسے ہی ہم تمام اچھی چیزوں کو پاک اور صاف رکھتے ہیں۔

(۵) میں دیو یا شیطان پرستی سے توبہ کرتا ہوں اور زردشتی مزدانی ہونے۔ شیطان کے دشمن بننے۔ اھورا کی پرستش غیرفانی وفیض رساں دیوتاؤں (امیشا سپنتا) کی تعریف کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اچھی چیزوں کو اھورامزدا کی طرف منسوب کرتا ہوں جو خود نیک۔ راستباز۔ منور اور پُر جلال ہے۔ اور تمام افضل ترین چیزوں۔ روح۔ فطرت۔ راستبازی۔ منور اشیاء اور خود بخود روشن ہو جانے والی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۶) میں مزدیانی زردشتی مزدیانی ہوں میں اس مذہب کا اقرار دوسرے شیطانی مذاہب (یعنی مذاہب ویدک) کے مقابلہ میں اس مذہب کو ترجیح دینے اور قابل تعریف سمجھنے سے کرتا ہوں۔ میں اُن خیالات کی تعریف کرتا ہوں جو اچھے ہیں میں اُس کلام کی تعریف کرتا ہوں جو احسن ہے۔ میں اُس فعل کی تعریف کرتا ہوں جو عمدہ ہے ؛

آگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ نہ پیتے ہیں نہ کھاتے ہیں۔ نہ اُن میں ترقی نسل کے اسباب ہیں۔ اُن کی مختلف صورتیں اور عہدے ہیں۔ بعض خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض اُس کی حمد کرتے رہتے ہیں۔ بعض دنیا میں انسان کے کاموں کے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی بیان ہے کہ انسان کے کاموں کو تحریر کرنے پر بھی فرشتے متعین ہیں اور بعض خدا کا عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔

چار فرشتے جنہیں مسلمان خدا کا مقرب سمجھتے ہیں اور اُن کے عہدے بھی مقرر کر رکھے ہیں یہ ہیں جبرئیل جنہیں مسلمانوں نے چند خطابات عطا کئے ہیں بالخصوص روح القدس اور قاصد وحی کے نام سے پکارتے ہیں اور خدا کا بہت بڑا مقرب ہی نہیں مانتے بلکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ خدا کا جبرئیل پر بہت بڑا اعتماد ہے اور بہ نسبت دوسرے فرشتوں کے یہ زیادہ قابل بھروسہ ہیں اور یہی ربانی احکامات لکھتے رہتے ہیں۔ پھر میکائیل ہیں جو یہودیوں کے دوست اور محافظ ہیں پھر عزرائیل یا ملک الموت ہیں جو اجسام میں سے قبض ارواح کرتے ہیں۔ پھر اسرافیل ہیں جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ اُسکے اعمال لکھنے کے لئے مقرر کیئے گئے ہیں اور وہ شب و روز اُسکی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اعمال و افعال بھی قلمبند کرتے ہیں۔

اے مزدا افضل ترین روح بس تجھی کو ہی! تو نے اپنے نیک دل طاقت کے ذریعہ سے تمام سچی چیزیں پیدا کی ہیں اور ہمیں عمر دراز بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(ج) اے اھورا میں تجھی سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ سچ بتا کہ ابتدائے آفرینش میں پاک اور مقدس مخلوق کا باپ کون تھا؟ کس نے سورج اور ستاروں کی راہ بنائی ہے؟ تیرے سوا اور کون ہے جس نے چاند کو ہلال اور بدر بنایا۔ مزدا مجھے ان باتوں کی اور نیز دوسرے امور کے معلوم کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ زمین و آسمان کو ایسا کون سنبھالے ہوئے ہے جو گرنے نہیں دیتا؟ پانی اور درختوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہوا اور بادلوں کو کس نے یہ تیزی عطا کی ہے؟ اے مزدا پاک اور صاف خیالات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ کس اچھے کاریگر نے ظلمت اور روشنی بنائی ہے؟ سونا اور جاگنا کس اچھے صانع کا بنایا ہوا ہے؟ صبح دوپہر اور شام کس نے بنائی ہے؟

(۳) (الف) میں اس لفظ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں جو افضل ترین ذات نے مجھے خطاب فرمایا ہے۔ آدمی اگر اس کو سُنے تو اُس کے سُننے کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے۔ جو شخص میرے اِس کلام کو سُنے گا وہ درجہ کمال کو پہنچکر بقائے دوام حاصل کرے گا۔ نیک اندیشوں کے آگے مزدا مالک ہر دو جہان ہے۔

(ب) میں اس امر کا بیان کرتا ہوں جو سب چیزوں سے افضل و بہتر ہے۔ صرف راستبازی ہی قابل تحسین ہے۔ اھورا مزدا اُن کی سُنے گا جو تمام نیک کام کرنے کی طرف مائل ہیں۔ وہ ذات جس کی عمدگی نیک دل لوگوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اُس نے مجھے سب سے بہتر حکمت سکھائی۔

ج جو لوگ بتوں کے خیال میں منہمک رہتے ہیں یا وہ جو ہمیشہ شرارت و بدنفسی ہی کی دھن میں لگے رہتے ہیں رذیل اور

فرشتوں کی بابت یہ ساری باتیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ نے یہودیوں سے لی ہیں اور یہودیوں نے مجوسیوں سے فرشتوں کے نام اور عہدے قایم کرنے سیکھے ہیں۔ قدیم مجوسیوں کا فرشتوں اور اُن کے فرائض پر کامل یقین اور ایمان تھا۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ معاملات دنیا میں بھی وہ دست اندازی کرتے ہیں اور اُن کا تصرف ہر کام میں موجود ہے۔ اسی لیئے مجوسیوں نے اُن کے عہدے اور وہ صوبے مقرر کر رکھے ہیں جہاں اُن کے فرائض متعلق تھے۔ اُن کے نام اور مہینے مقرر کئے تھے اور دنوں کا شمار بھی کر رکھا تھا۔ اب بھی مجوسیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جبرئیل کا نام اُنہوں نے سوریش اور دیواب بخشی یعنی بخشایندۂ ارواح رکھا تھا دوسرے فرشتہ کا نام ملک الموت تھا جسے وہ مرداد کے نام سے پکارتے تھے۔ میکائیل کو مجوسی بیشتر کہتے تھے جو مخلوق خدا کے لئے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور اُن کے بہت سے عہدے ہیں۔ وہ مخلوق اور خالق میں واسطہ ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے سب کام انجام پاتے ہیں۔ یہودی ملک الموت کو دوما کے نام سے پکارتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دم واپسیں کے وقت ملک الموت آدمی کا اصلی نام لیکے پکارتا ہے۔

کمینے ہیں۔ اُن لوگوں کو ان لوگوں سے میز رکھنا چاہیئے جنہیں ہمیشہ نیکی کا خیال رہتا ہے اُس کا دوست۔ بھائی اور باپ اھورامزد ہے۔ پیشوائے آتش کا یہی سب سے عمدہ الہام ہے۔

(۴) (الف) ہم اھورامزدا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکوکاری اور راستبازی کا سچا مالک ہے۔

ہم امیشا سپنتا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکی کے مالک اور اُس کے عطا کرنے والے ہیں۔

ہم نیک روحوں کی تمام مخلوق کی پرستش کرتے ہیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا روحانی اور جو چیزیں نیک مخلوق کی باعث ہوتی ہیں اور عمدہ مزدیسنانی مذہب کو پھیلاتی ہیں ہم اُنکی بھی پرستش کرتے ہیں۔

(ب) جو عمدہ خیالات۔ پاکیزہ اقوال۔ اچھے افعال اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں گے ہم اُن سب کی تعریف کرتے ہیں اور ایسے ہی ہم تمام اچھی چیزوں کو پاک اور صاف رکھتے ہیں۔

(۵) میں دیو یا شیطان پرستی سے توبہ کرتا ہوں اور زردشتی مزدانی ہونے۔ شیطان کے دشمن بننے۔ اھورا کی پرستش غیر فانی وفیض رساں دیوتاؤں (امیشا سپنتا) کی تعریف کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اچھی چیزوں کو اھورامزدا کی طرف منسوب کرتا ہوں جو خود نیک۔ راستباز۔ منور اور پُر جلال ہے۔ اور تمام افضل ترین چیزوں۔ روح۔ فطرت۔ راستبازی۔ منور اشیاء اور خود بخود روشن ہو جانے والی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۶) میں مزدیانی زردشتی مزدیانی ہوں میں اس مذہب کا اقرار دوسرے شیطانی مذاہب (یعنی مذاہب ویدک) کے مقابلہ میں اس مذہب کو ترجیح دینے اور قابل تعریف سمجھنے سے کرتا ہوں۔ میں اُن خیالات کی تعریف کرتا ہوں جو اچھے ہیں میں اُس کلام کی تعریف کرتا ہوں جو احسن ہے۔ میں اُس فعل کی تعریف کرتا ہوں جو عمدہ ہے۔

آگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ نہ پیتے ہیں نہ کھاتے ہیں۔ نہ اُن میں ترقی نسل کے اسباب ہیں۔ اُن کی مختلف صورتیں اور عہدے ہیں۔ بعض خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض اُس کی حمد کرتے رہتے ہیں۔ بعض دنیا میں انسان کے کاموں کے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی بیان ہے کہ انسان کے کاموں کو تحریر کرنے پر بھی فرشتے متعین ہیں اور بعض خدا کا عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔

چار فرشتے جنہیں مسلمان خدا کا مقرب سمجھتے ہیں اور اُن کے عہدے بھی مقرر کر رکھے ہیں یہ ہیں جبرئیل جنہیں مسلمانوں نے چند خطابات عطا کئے ہیں بالخصوص روح القدس اور قاصد وحی کے نام سے پکارتے ہیں اور خدا کا بہت بڑا مقرب ہی نہیں مانتے بلکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ خدا کا جبرئیل پر بہت بڑا اعتماد ہے اور بہ نسبت دوسرے فرشتوں کے یہ زیادہ قابل بھروسہ ہیں اور یہی ربانی احکامات لکھتے رہتے ہیں۔ پھر میکائیل ہیں جو یہودیوں کے دوست اور محافظ ہیں پھر عزرائیل یا ملک الموت ہیں جو اجسام میں سے قبض ارواح کرتے ہیں۔ پھر اسرافیل ہیں جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ اُسکے اعمال لکھنے کے لئے مقرر کیئے گئے ہیں اور وہ شب و روز اُسکی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اعمال و افعال بھی قلمبند کرتے ہیں۔

اے مزدا افضل ترین روح بس تجھی کو ہی! تو نے اپنے نیک دل طاقت کے ذریعہ سے تمام سچی چیزیں پیدا کی ہیں اور ہمیں عمر دراز بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(ج) اے اھورا میں تجھی سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ سچ بتا کہ ابتدائے آفرینش میں پاک اور مقدس مخلوق کا باپ کون تھا؟ کس نے سورج اور ستاروں کی راہ بنائی ہے؟ تیرے سوا اور کون ہے جس نے چاند کو ہلال اور بدر بنایا۔ مزدا مجھے ان باتوں کی اور نیز دوسرے امور کے معلوم کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ زمین و آسمان کو ایسا کون سنبھالے ہوئے ہے جو گرنے نہیں دیتا؟ پانی اور درختوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہوا اور بادلوں کو کس نے یہ تیزی عطا کی ہے؟ اے مزدا پاک اور صاف خیالات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ کس اچھے کاریگر نے یہ ظلمت اور روشنی بنائی ہے؟ سونا اور جاگنا کس اچھے صانع کا بنایا ہوا ہے؟ صبح دوپہر اور شام کس نے بنائی ہے؟۔

(۳) (الف) میں اس لفظ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں جو افضل ترین ذات نے مجھے خطاب فرمایا ہے۔ آدمی اگر اس کو سُنے تو اُس کے سُننے کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے۔ جو شخص میرے اس کلام کو سُنے گا وہ درجۂ کمال کو پہنچکر بقائے دوام حاصل کرے گا۔ نیک اندیشوں کے آگے مزدا مالک ہر دو جہان ہے۔

(ب) میں اس امر کا بیان کرتا ہوں جو سب چیزوں سے افضل و بہتر ہے۔ صرف راستبازی ہی قابل تحسین ہے۔ اھورا مزدا اُن کی سُنے گا جو تمام نیک کام کرنے کی طرف مائل ہیں۔ وہ ذات جس کی عمدگی نیک دل لوگوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے اس نے مجھے سب سے بہتر حکمت سکھائی۔

(ج) جو لوگ بتوں کے خیال میں منہمک رہتے ہیں یا وہ جو ہمیشہ شرارت و بدنفسی ہی کی دھن میں لگے رہتے ہیں رذیل اور

کھانا۔ پینا۔ شادی بیاہ کرنا۔ اور مرنا۔ یہودیوں کا یہ بھی قول ہے کہ جنوں میں سے بعض حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور وہ نیکو کاروں میں سے تھے اور بعض اُن میں سے کافر اور نافرمان رہتے یعنے حضرت موسیٰ پر ایمان نہیں لائے؛؛ پادری سیل صاحب کی تقریر ختم ہوگئی +

(جواب)

پادری صاحب نے یہودیوں مجوسیوں اور مسلمانوں کے بیان میں عیسائیوں کا ذکر نہیں کیا ۔ نہ یہ لکھا کہ عیسائیوں نے فرشتوں اور شیاطین کا خیال کس فرقہ اور مذہب سے لیا۔ اگر یہی تحقیق اور انصاف ہے تو بس سلام ہے ہم فرشتوں کے مسئلہ پر ایک بسیط بحث کریں گے اور تمام اقوام کے عقاید اور اسلامی اصول کا بالتفصیل مقابلہ کریں گے خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں ۔

ابتدائے آفرینش سے جتنی قومیں اور جتنے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے سب فرشتوں کے قایل تھے رہا ان کے ناموں میں اختلاف یا عہدوں اور کاموں میں فرق یہ بمقتضائے آب وہوا اور مرزوبوم کے پیدا ہوگیا تھا۔ مفہوم سب کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور کوئی محقق اب تک یہ ثابت نہ کرسکا کہ فرشتوں کے خیال کا بانی مبانی کونسا گروہ تھا اور ابتدا میں کس نے یہ خیال دنیا میں پھیلایا۔ اگر مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا اور یہودیوں نے مجوسیوں سے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجوسیوں کے ہاں فرشتوں کا خیال کہاں سے آیا سوا اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی سرشت میں اس خیال کا کہ خالق کی مخلوق کا انتظام ضرور ایسی قوتوں سے منضبط ہے جو دکھائی نہیں دیتیں مگر اُن کا تصرف ہر جگہ اور ہر صورت میں موجود ہے ۔ مادہ پایا جاتا ہے ۔ اور یہ وہ پوشیدہ قوتیں ہیں جنہیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ۔ ہمارے بعض مسلمان مصنفوں نے یہ خیال کرکے کہ مسلمانوں کے پاس فرشتوں کی بابت کوئی جواب

تو وجود ہے اور آخرالذکر عدم یعنی ان سے روح اور مادہ یا نور اور ظلمت یا بھلائی اور بُرائی مراد ہے وہ وید کے برابر برہما اور مایا اور سنکھیا کے پورو سنار اور پراکرتی ہیں جو حق۔ انصاف اور محبت کے لئے لڑتے ہیں ۔ وہ سپنتا مینوش یعنی اہورا مزدا (ہرمزد) کے پیرو اور معتقد ہیں کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے جو لوگ جھوٹ ظلم حسد میں مبتلا ہیں وہ انگرو منیوش یا اہرمن کے غلام ہیں ایشا سپنتا یشول اہورا مزدا صفات ہیں ۔

(۱) اہورا مزدا (ہرمزد) یعنی عقل کُل ۔

(۲) دہو مینو (بہمن) یعنی نیک دل ۔

(۳) آشا دہشتا یعنی پاکی و صفائی ۔

(۴) کھشترا ویریا یعنی باروری ۔

(۵) سپنتا آرمئیتی یعنی عبادت و تقدس

(۶) ہوروتیال یعنی صحت وری ۔

شیطان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابلیس رکھا ہے جس کے معنی مایوس کے ہیں۔ ایک زمانہ میں ابلیس خدائے تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کے زمرہ میں تھا اگر نافرمانی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوگیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر بیّن طور پر آگیا ہے۔

فرشتوں اور ابلیس کے علاوہ قرآن جنات کی بھی تعلیم کرتا ہے جن کی سرشت آگ سے بیان ہوئی ہے مگر یہ معصوم اور زیادہ لطیف نہیں ہیں کیونکہ یہ کھاتے پیتے ہیں اور ان میں ازدیاد نسل کے اسباب بھی ہیں اور انھیں موت بھی آتی ہے۔ ان میں نیک و بد دونوں قسم کے مانے گئے ہیں۔ مشرقیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے سے پہلے جن ہی جن اس عالم میں آباد تھے۔ اور مختلف بادشاہوں کی حکومت میں رہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کی رعایا میں جن بھی تھے۔ چونکہ اُنھوں نے بداعمالی پر کمر باندھ لی تھی اس لئے ابلیس کو حکم ہوا تھا کہ وہ انہیں دنیا کے آباد حصص سے نکال کے ایک خاص مقام پر مقید کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جن کی نسل ہنوز باقی تھی شہنشاہ فارس طہمورث دیوبند نے اُن سے جنگ کی اور اُنھیں قاف کے مشہور پہاڑ میں بھگا دیا۔ جن کی بعد ازاں مختلف کہانیاں زبان زد عوام ہوگئیں۔

مسلمانوں نے جنات کا خیال بھی یہودیوں سے لیا ہے۔ یہودی جن کو شدیم کہتے ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ جن یعنی شدیم دو فرشتوں عزا اور عزرئیل سے بنا ہے۔ طوفان نوح سے پہلے لا مچ کی بیٹی نامہ جنات سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہودیوں کا بیان ہے کہ شدیم کے مثل فرشتوں کے پر ہوتے ہیں وہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک اُڑتے ہیں اور اُنہیں غیب کا علم بھی ہے اور وہ تین باتوں میں آدمی سے مشابہ

مجوسیوں کے یہ اصول ایمان ہیں۔ خداپرستی کی تعلیم بےشک ہے مگر صاف الفاظ میں اس کا بیان نہیں ہوا۔ فرشتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہاں روحوں کی طرف اشارہ ہے جس سے فرشتے سمجھ لینا دوسری بات ہے۔ پھر خیال میں نہیں آتا کہ ان صاف اور صریح اصول پر کب اور کس وقت حاشئے چڑھائے گئے اور فرشتوں جنوں کے حالات آغاز اسلام سے ان میں داخل ہوئے یا اس سے پہلے ان خیالات کا اثر ان میں موجود تھا۔ اس زمانہ کی قدیم روایات اور قدیم کتب اور دیرینہ کتبوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ آریاؤں اور مجوسیوں میں چونکہ حد درجہ دشمنی پیدا ہوگئی تھی (حالانکہ پہلے یہ ایک ہی تھے) اور ایک فریق دوسرے فریق کی ہجو کر کے اس ہجو یہ نظم ونثر کو اپنی الہامی کتابوں میں داخل کر لیتا تھا۔ اس لئے زردشت کو آریاؤں کے بےتعداد دیوتاؤں کی پرستش کے مقابلہ میں ایک معبود کی پرستش نکالنی پڑی۔ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جب تک آریا پنجاب کے بار آور میدانوں میں داخل نہوئے تھے اور اُن میں گڈریوں کے عادات و اطوار باقی تھے اِندر کی پرستش ہوتی تھی اور وہی بڑا معبود گنا جاتا تھا جس کی درگاہ میں سوما کی قربانیاں چڑھائی جاتیں اور اس کے صلہ میں اُنہیں گانے کی قدرت اور لڑنے کی طاقت عطا کی جاتی تھی یاسنا کے سب سے اخیر انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتخاب پیروان و معتقدین زردشت ہی کے عقاید میں داخل تھا سپنتا مینیوش اور انگرو مینیوش دو جدا جدا ذاتے نہیں ہیں جیسا کہ اکثر کا مذہب ہے بلکہ ایک ہی ذات کی یہ دو حقیقتیں ہیں اول الذکر

جس سے زمین اور اجرام بن گئے۔ غرض کسی طور سے زمین کی پیدائش تسلیم کریں اس کے ساتھ یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ انسان کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے بھی نظام عالم قایم ہے وہ ہمیں آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتی۔ دن رات کا باقاعدہ ہونا۔ مینھہ کا مقررہ مہینوں میں برسنا۔ چاند کا اپنی ایک حالت پر ہلال بن کے بدر بن جاتا۔ اسی طرح کے صدہا نظام عالم ہیں جو ایک صورت سے قایم ہیں اور اُن کی رفتار اور حالت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ضرور اس باقاعدہ نظام کو ایک ایسی قوت نے قایم کر رکھا ہے جس کا ہر جا ہونا تو ضرور ہے مگر انسانی آنکھ سے اُس کا معلوم ہونا کچھہ لازمی نہیں ہے اُس قوت کا تصرف ہر جگہہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر ذرہ میں ہے کہیں تو وہ قوت پانی ہوکے برستی ہے اور کھیتوں کو تازہ کرتی ہے اور اس سے انسان کے لئے رزق جو اُس کی زندگی کا باعث ہے پیدا ہوتا ہے کہیں یہ قوت پہاڑوں پر برف کی صورت میں پڑتی ہے اور اس سے دریاؤں میں پانی آتا ہے جو انسان کی زندگی کا ایک جزو ہے کہیں یہ قوت تند اور تیز ہوا کی صورت میں محسوس ہوتی ہے اور اس سے انسانی ذات کو ہزارہا فایدے ہوتے ہیں۔ یہ قوت گرم اور شدید دہوپ کی صورت میں پرگرتی ہے اس سے خراب ہوا اور غلیظ رطوبتوں کی اصلاح ہوتی ہے اور انسان کے لئے گویا پوشیدہ سامان حفظان صحت کا کیا جاتا ہے۔ کہیں یہ قوت آسمان پر گرج اور کڑک کی صورت میں موج ہوتی ہے اور اُس سے باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ کہیں یہ قوت سمندر کی لہروں میں دست وگریبان دکھائی دیتی ہے اور کہیں آتش فشاں پہاڑ کی شکل میں اس کا جلوہ ہوتا ہے۔ غرض ہر جگہہ اور ہر چیز میں یہ قوت موجود ہے۔ اور اسی قوت نے ایک ایسا عظیم نظام قایم کر رکھا ہے جو ہرگز سمجھہ میں نہیں آتا۔ ایک قطعۂ زمین پر چند ایسے درختوں کا یکجا ہونا جو مزے اور رنگ میں باہم متضاد ہیں صاف پایا جاتا ہے کہ پوشیدہ قوت نے اُنہیں اُنکی خوراک میں امتیاز یہ درجہ عطا کیا ہے۔ ایک ہی جگہہ نیم ہے اور ایک ہی جگہہ آم کا درخت ہے اور دونوں کی جڑیں زمین کے اندر پھیل کے باہم دست وگریباں ہوگئی ہیں اور زنجیر و

آشا وہشتا یعنی افضل ترین نیکوئی میں ہی عقل ہوں۔ میں ہی علم ہوں۔ زندہ ہوں۔ میں جو ہوں وہ ہوں (اہمی یاد اہمی مزدا) اہورامزدا۔ پھر اس طرح فرماتا ہے اگر تم مجھے دن کو یا رات کو ان ناموں کے ساتھ یاد کروگے تو میں خود تمہاری مدد و اعانت کو آؤنگا اور فرشتہ۔ سروش۔ پانی۔ درختوں اور نیک آدمیوں کی روحیں بھی تمہاری مدد کو آئیں گی۔

یہ سروش یا سروشا پارسیوں کی کُل مذہبی پرستش کا شخص ہے یہی فرشتہ تھا جس نے اول اول پانچوں گہتا گاگے زردشت کو بتائے تھے اور اسی نے سب سے پہلے مقدس شاخوں (یا سوم) کو ترتیب دیا تھا۔ اور یہی موت کے بعد انسان کے افعال کا فیصلہ کرے گا۔ اُس کی پرستش زوتہرا یعنی آب مقدس سے کی جاتی ہے۔ کتاب یاما میں ایک پُورا کا پُورا باب نیراتا کے بیان میں ہے جسے سروش یشت کہتے تھے۔ وسپراؤ سے مُراد اُن دعاؤں کا مجموعہ ہے جو ۲۳ بابوں میں مرقوم ہے۔ یہ زند کی معمولی زبان میں لکھا گیا ہے اور جدید یاسنا سے بہت مُشابہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید یاسنا اور ویسپاراؤ میں زردشتی مذہب کے خاص خاص طریق عبادت بیان کئے گئے ہیں اُن کو پارسیوں کے بجو ردیداکے نام سے پکارتے ہیں۔ ذیل میں ویسپراؤ سے کچھہ انتخاب کرکے لکھا جاتا ہے۔

نہیں ہے صریح وجود ملائکہ کا انکار کر دیا ہے تاکہ کچھ جھگڑا ہی نہ باقی رہے اور یہہ مسلمانوں پر یہودیوں کی چوری کا الزام جاتا ہے مگر ہم ایسی غلطی نہیں کرنے کے اور ہمیں کوشش کر کے ایک حد تک اپنے نکتہ چیں کی تسلی کرنی چاہئے۔ ہم علاوہ مذہبی معقول مباحث کے علوم جدیدہ سے بھی فرشتوں کا وجود ثابت کریں گے اور ہم مسلمانوں کو خوشی کی خبر سناتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اسی کام کے لئے چُنا ہے تاکہ ہم معترضوں کے جواب دیں بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق پر لادیں اور پریشان دلوں کی تسکین کریں۔ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے گا۔ اُس نے ہمیں خاص برکت دی ہے اور اُسکی نعمت کا دروازہ ہم پر کھل گیا ہے۔ ہم میں اُس نے ہر وہ صفت ودیعت کی ہے جو وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو بخشتا ہے اس لئے ہماری تحریر غور اور خوض سے پڑھنی چاہئے اور اُس کے ہر پہلو پر غور کرنا لازم ہے یقیناً ہمارے استدلال تشنہ کامانِ دہر کی تسکین اور اُن کا تذبذب دور کریں گے۔

پہلے اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ خدا نے اس عالم کو پیدا کیا اس سے بحث نہیں کہ اس کی آفرینش کیونکر ہوئی۔ خواہ اُسے عقل اول نے ترتیب دیا خواہ وہ پانی میں سے نکلی خواہ اُسے خدا اور فرشتوں نے بنایا یا خواہ زمین شب کے بیضۂ عظیم سے بنی خواہ آسمانی سانڈنے اپنے سینگوں سے شب کے بیضہ کو توڑ کے زمین پیدا کی خواہ آسمان سے ایک حاملہ عورت نیچے گری اور زمین نہونے کی وجہ سے کچھوے نے اُس عورت کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور پھر اس کا وضع حمل ہوا اور زمین پیدا ہوئی خواہ کرۂ زمین کو آفتاب کا ایک حصہ تسلیم کر کے یہ مانیں کہ وہ دُمدار ستارے کی رگڑ سے علیحدہ ہوگئی پہلے اُس کے گرد کے بخارات دُور ہوئے اور اپنی کثافت کے موافق زمین رہوا۔ پانی بن گئے۔ خواہ زمین کو اصل میں ایک دُمدار ستارا مان لیں خواہ یہ تسلیم کریں کہ آسمان میں ایک جرم عظیم پارہ پارہ ہوا اور اُس سے نظام ملکی میں ایک ہل چل پیدا ہوئی

---

(۷) امرتال یعنی بقا۔

یہ امیشاسپنتا غیر فانی محسن کے لقب سے بھی ملقب کئے گئے ہیں اور ان کی پرستش مثل ملائکہ اعلیٰ کے کی جاتی ہے جو علیحدہ علیحدہ انسان۔ مویشی۔ آگ۔ فلزات۔ زمین۔ پانی۔ اور درختوں پر متعین ہیں۔

امیشاسپنتا کے بعد فروشی فرشتوں کا رتبہ ہے جو انسان حیوان۔ نباتات۔ اور معدنیات کے محافظ و نگہبان ہیں۔ ہر موقع پر اُن کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اُن کی پرستش کی جاتی ہے کیونکہ بھلائی۔ برائی اور انسان کی اعلیٰ و کمتر طبیعت کے مابین جو جھگڑے رہتے ہیں ان میں وہ ہمیشہ امداد کرتے ہیں۔ فرانشی معہ مہتر اتشتور یا وغیرہ کے نیراتا (سنسکرت یجاتا) یعنی فرشتے کہلائے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی حمد و ثنا کی جاتی ہے اور اس حمد و ثنا کا نام یشت ہے اس قسم کی یشت تعداد میں بیس سے کم نہیں منجملہ اُن کے ہرمزیشت جس کا ذیل میں ترجمہ کیا جاتا ہے سب سے افضل ہے۔

"زردشت نے اہورامزدا سے ناپاک روح سے بچنے کے لئے سب سے پُر اثر دعا دریافت کی جواب میں اُسے معلوم ہوا کہ اہورامزدا کے مختلف ناموں کا وظیفہ پڑھنا مختلف بلایات سے محفوظ رہنے کے لئے سب سے بہتر ہے۔ اس کے بعد زردشت نے اہورامزدا سے ان ناموں کے علم حاصل کرنے کی درخواست کی اہورامزدا نے بیس نام اُسے بتا دیئے مثلاً اہمی یعنی میں ہوں تھا

ناموں اور اصطلاحوں کے تغیر و تبدل سے ہمیشہ عوام کو شبہ پڑ جاتا ہے اور وہ ایک ہی چیز کو کسی دوسری جنس سے خیال کر کے کچھ کا کچھ سمجھنے اور خیال کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً خدا۔ گاڈ۔ یزداں۔ علت العلل یہ چار الفاظ ہیں اور ان چاروں کا تلفظ الگ الگ ہے مگر غور سے دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ مفہوم چاروں کا ایک ہے اور اس میں کچھ بھی فرق نہیں۔ چاہیئے ہم خدا کہیں یا فرست کاز یعنی علت العلل کے نام سے پکاریں ایک ہی ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں نظام عالم ہے اور اس کے تصرفات کی ہر جگہ ریشہ دوانی ہو رہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے تصرفات کی صفات سمجھنے میں غلطی کی ہو اور اپنی محدود عقل کے مطابق بالکل محدود صفات میں انہیں مقید کر دیا ہو مگر ماننا پڑے گا کہ آفتاب کے ایکساں دورے کا محرک اور اس کو ایک حال پر قایم رکھنے والا ضرور کوئی ہے خواہ اُسے ہم لفظ کشش سے یاد کریں یا حکم خدا سے کہیں دونوں کے معنی میں کچھ بھی تفاوت نہیں۔ ستاروں اور سیارے کی گردش۔ چاند کا گھٹنا بڑھنا کوئی نہیں کہتا کہ خود بخود ہوتا ہے بلکہ اُن کی اُس پوشیدہ قوت کے سب قایل ہیں جو ہمیں نہیں دکھائی دیتی مگر اُن میں ودیعت ضرور ہوئی ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر یہ بیان کرتے ہیں کہ کشش نے اپنے اپنے مقام پر سب کو ٹھیرا رکھا ہے اور اُس کشش میں کچھ بھی فرق آ جائے تو نظام آسمانی دم بھر میں درہم برہم ہو جائے۔ اسی کو دوسری زبان یا اصطلاح میں قوانین قدرت کہتے ہیں اور اسی کو ہم مسلمان مذہبی طور پر حکم باری عزاسمہ سمجھتے ہیں کون اعتراض کر سکتا ہے کہ ہم نے کشش یا قوانین قدرت کے غلط معنی لگائے اور کون دعوی کر سکتا ہے کہ ہمارے ادعا غلط ہیں۔ عام طور پر فرشتوں کے عہدے اور کاموں کے متعین کرنے میں زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا اور جہاں تک بغور دیکھا جاتا ہے سب کا مفہوم یکساں ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب تمام دنیا کا ایک ہی بات پر اتفاق ہے تو وہ بات ضرور صحیح ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے یہودیوں نے ملائکہ کا علم سیکھا اور اُن کے ہر اصول کو قبول کر لیا اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے سوائے تصدیق کے فرشتوں سے خفیف سا بھی انکار نہیں کیا۔ پھر اسلام نے اُن کی صداقت کی پُرزور شہادت دی اگرچہ اُن کی آمد و شد اور تصرفات و قوت

آگ روشن رکھتے تھے۔

سو بند او پارسیوں کی سُمرتی کے بمنزلہ سمجھنی چاہیئے۔ اس میں ۲۲ فریاد دیا باب ہیں اور یہ گویا قدیم ایرانیوں کا مذہبی تعزیری اور ملکی مکمل قانون ہے جس کو پارسیوں کے علماء یعنی زردشت کی اولاد در اولاد کی متحدہ کوششوں نے تیار کیا تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ علماء نے ان مقولات اور قواعد کے مطابق اس قانون کو تیار کیا تھا جو اُن کے پیغمبر سے نقل ہوتے چلے آتے تھے وہ قدیم مقولات اور قوانین اوستا کے نام سے مشہور تھے اور اس کی جو کچھ تفسیریں اور شرحیں پارسیوں کے علمائے متاخرین نے کیں وہ زند کے نام سے نامزد ہیں اور پھر زند کی جو شرحیں ہوئیں وہ پازند کہلاتی ہیں اس طرح وینداد۔ اوستا۔ زند۔ پاژند پر منقسم ہے۔ بلاشبہ وینداد گتھا اور یاسنا قدیم بعد کی کتاب ہے۔ ھاوگ نے لکھا کی تاریخ سنہ مسیحی سے ہزار سے بارہ سو سال تک پیشتر۔ وینداد کی تاریخ ۹۰۰ سے ہزار سال یاسنا جدید کی تاریخ ۸۰۰ سے آٹھ سو برس قبل مسیح

کی طرح اُن میں لڑیاں پڑ گئی ہیں۔ ایک ہی قسم کی رطوبت زمین سے جذب کرتی ہیں اور اس رطوبت کا ایک ہی مزا ہوتا ہے مگر وہ پوشیدہ قوت جس کا اُن دیکھا نظام مسلّم ہے جڑوں میں پہنچتے ہی رطوبت کو مزے اور رنگ کا نیا جامہ پہنا دیتی ہے اور وہ کبھی تو نبولی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی خوشبودار شیریں آم کی شکل میں نمودار ہوتی ہے کہیں کھٹے میں اُس کا مزا ترش معلوم دیتا ہے اور کہیں زنگترے میں اُس کی شادابی اور شیرینی ہویدا ہوتی ہے۔

جب دنیا میں انسان پیدا ہوتا ہے اور اسے عقل اور تہذیب کا حصہ ملا تو اس نے اس پوشیدہ قوت اور تصرّفات کا علم حاصل کرنا چاہا اور اپنی محدود عقل سے اس کنہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اخیر یہ سربستہ راز مصلحان مخلوق یعنی انبیاء علیہم السلام کے طفیل سے کُھلا اور وہ یہ تھا کہ علاوہ اس عام کے اور بھی ایک عالم ہے اور اُسے عالم علوی یا عالم مجردات کہتے ہیں وہاں لطیف اور پاکیزہ روحیں بستی ہیں اور خداوند تعالیٰ کے تمام نظام میں اُن ہی سے کام لیا جاتا ہے اگر صرف یہی بیان کر دیا جاتا اور اُن کے ناموں کی تشخیص نہ کی جاتی تو انسان کبھی سمجھ نہ سکتا تھا۔ اس لئے ہر زبان اور ہر محاورہ کے مطابق اُن ساکنان عالم مجرّدات کا ایک نام رکھدیا گیا اور پھر اُن کے کاموں اور عہدوں کی تعیین کر دی مثلاً ایک ایسے جوہر بسیط کا نام فرشتہ رکھا جو ہوا اور پانی پر حکومت کرتا ہے۔ اور وہی بادلوں کو چلاتا اور اسی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ بادی النظر میں یہ خیال موجودہ خیالات کی رو سے قابل مضحکہ ہوں گے مگر ایک عاقل کی نگاہ میں بشرطیکہ وہ غیر طرفدارانہ فیصلہ کرنا چاہے ہرگز قابل مضحکہ نہیں رہنے کے۔ صرف الفاظ کا تغیر و تبدل ہے ورنہ ایک ہی کل اور ایک ہی قسم کے پُرزے ہیں جو اُسے چلا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی نے اُن سے انکار نہیں کیا اور اپنے مذاق کے مطابق نئی نئی اصطلاحوں اور نئے نئے خطابات سے انہیں یاد کیا۔ مسلمانوں نے نئے نئے ناموں سے اُنہیں نامزد کیا اور فلاسفہ نے اُن کے جُدا جُدا نام مقرر کئے۔

ملائکہ پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اُنہیں ایسا بدیہی طور پر ثابت کریں گے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ پڑے گی جب پادری سیل صاحب نے دہریے بن کر اعتراض کیا ہے تو ہم بھی اُنہیں دہریہ نہ رہنے دیں گے اور ہرگز اُنہیں عیسائیت کا جامہ نہ پہنائیں گے اور حالت تدبر میں اُنہیں ساکت کریں گے۔

"ہم اہورامزدا کی عزت و احترام کرتے ہیں جو عالم الغیب ذات ہے۔ ہم سورج کی روشنی کی عزت کرتے ہیں ہم امیشاسپنتا اور سُورج کی تعظیم کرتے ہیں ہم کامل سنتوں کی تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔ ہم صفائی اور پاکیزگی کی، روشن اور منور کاموں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ ہم اُن جماعتوں کو محترم سمجھتے ہیں جن کے مجتمع ہونے کا سبب آگ ہوتی ہے۔ ہم مقدس اور مبارک سرسبزی اور ہوشیاری کو باعث فخر جانتے ہیں"

ایرانیوں کے خیال میں مثل اہل ہنود کے آگ اور روشنی دونوں پرستش کی مرغوب طبع علامتیں تھیں ہر ایک خاندان کا جُدا جُدا نیچ اور علیحدہ علیحدہ مقدس آگ تھی اس طور پر گھر کے چولھے مقدّس اشیا میں سے مقدس قرار پا گئے اور یہ صرف ایرانیوں اور اہل ہند ہی کے ہاں نہیں ہوا بلکہ یونانیوں اور رومۃ الکبرے والوں کے ہاں بھی اُن کے ھستیا یا ویستیا تھی جہاں وہ ہمیشہ

اوصاف میں ایسی ایسی باتوں کو ملا دیا ہے جو بدیہی طور پر غلط ثابت ہوئی ہیں اور اُن کی تائید کسی پہلو سے بھی نہیں ہو سکتی مگر اسلام نے اُن کی غلطیوں کی صحت کی اور ایسی صحت کی کہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ اسلام نے ملائکہ پر ایمان لانا اس لئے مذہب کا ایک اصول قرار دے دیا کہ اسلام توحید پرستی کی تعلیم کرتا ہے اور جس طرح کہ اسلام نے توحید کے مسئلہ کو دو قیمتی اور پُر معنی جملوں میں ادا کیا ہے دنیا کے تمام ادیان بھی جمع ہو کے اس کے ہم معنی ویسے ہی مختصر الفاظ نہیں لا سکتے اور ان ہی دو لفظوں کی قیمت کے اندازہ کرنے میں اگرچہ یورپی مصنفوں کو کامیابی ہوئی ہے پھر بھی وہ اس کے اصلی جوہر کو ثابت کرنے میں اِس لئے قاصر رہے کہ ان کے دل پر ان الفاظ کہنے سے وہ تاثیر نہیں ہوتی جو ان میں ودیعت کی گئی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جس وقت ایک پاک دل مسلمان مکروہاتِ زمانہ سے پاک ہو کے دل کے سچے اور عجیب جوش سے یہ کلمہ پڑھتا ہے اسکے رونگٹے رونگٹے میں توحید کی آگ روشن ہو جاتی ہے اور خون کے ہر ہر قطرہ میں وہ حرارت پیدا ہوتی ہے جسے وہ محسوس تو بخوبی کر سکتا ہے مگر اُس کی اصلیت سے واقف نہیں ہو سکتا نہ اُس کی لذت کا اُسے پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ خدائے واحد کی پرستش عین اسلام ہے اس لئے اُس کی قوتوں اور پھر اُن کے تصرفات پر ایمان لانا بھی ضروری یا لازمی ہو گیا اسلام نے اُن لوگوں کی سخت حقارت کی ہے جو اکثر معاملات کے حدوث کو اتفاقی سمجھتے ہیں۔ یہ اصول اسلام اور علوم جدیدہ دونو کے لحاظ سے غلط ہے۔ اسلام کا تو یہ منشا ہے کہ بغیر خدا کے حکم کے کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ ایک ذرہ بھی

پُل ہے جس کو وہ چینوت پرتیو کہتے ہیں۔ صرف نیک آدمیوں کی روح اس پر سے صحیح و سالم گزر سکتی ہے اور برخلاف اسکے بدروحیں اس پر سے گر کے دوزخ میں جا پڑتی ہیں۔ موت کے بعد نیک آدمی کی روح اپنی لاش کے سر کے قریب رہ کر تین رات تک وہ لطف و مسرت اُٹھاتی ہے کہ جو تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور وہاں سے گزر کے وہ ایک سب سے زیادہ پُر رونق طبقہ میں پہنچتی ہے اور وہاں اُس کی ملاقات اس کے ایمان سے ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کی صورت میں ہوتی ہے اور وہ نوعمر نازنین اُس کے سامنے اُس کے تمام نیک افعال دوہراتی ہے اور پھر اُس کو ھومیتی۔ ھوراستی۔ اور ہوختی یعنی عمدہ خیال۔ نیک کام احسن کلام کی بہشتوں میں لے جاتی ہے جہاں غیر متناہی اور دائمی روشنی موجود ہے۔ بخلاف اس کے بد آدمی مرنے کے بعد تین رات تک اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھاتا ہے جس قدر تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور بعد ازاں ایک نہایت ناپاک و غلیظ طبقہ میں ہو کے وہ بُرے بُرے خیالات۔ بدکلام۔ زشت کار دوزخوں میں لایا جاتا ہے جہاں لا متناہی رات اور دائمی ظلمت چھائی رہتی ہے۔ پارسیوں میں جنت کو گارد یوانا اور اھو دھشتا کہتے ہیں جس سے لفظ بہشت نکالا گیا ہے جہنم کو ان کے ہاں ڈسہی یو ویمانا اور دوڈ ہنا کہتے ہیں جس سے حال کا لفظ دوزخ نکلا ہے۔ معاد بھی زنداوستا کے عقاید اور اصول میں سے خیال کی جاتی ہے۔ اہورامزدا کے حکم سے قیامت کے دن پیغمبر سوس یوش ظاہر ہوگا

میں اسلام کا کُل ادیان سابقہ سے اختلاف ہے جسے ہم مفصل طور پر آگے تحریر کریں گے۔ وہ چیزیں جنھیں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سُنتے ہیں ہم اُن کا کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ ہم فرشتوں کو اگرچہ آنکھوں سے نہیں دیکھتے کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتے نہ محدود ہیں بلکہ تمام کائنات میں اُن کا تصرف موجود ہے اور وہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ موجودہ علم طبعیات کے ماہر اس امر کے قائل ہیں کہ ہزاروں اسباب ہیں جن سے نظام کائنات قائم ہے اگرچہ وہ اسباب دکھائی نہیں دیتے۔ بہت غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوت تو ایک ہے جس کے ہاتھ میں نظام کائنات کی ڈوری ہے مگر اس قوت کی وسعت سے ہر جگہہ اس کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اسی وجہ سے اسکے نام علیحدہ علیحدہ رکھ لئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک قوت وہ ہے جو سمندر کے بخارات آسمان پر لی جاتی ہے دوسری قوت جدا ہے جو اُنہیں منجمد برف کی صورت میں کر دیتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو ان ہی میں برق و رعد کی آوازیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو پانی کو زمین پر لاتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو کانوں میں جواہرات بناتی ہے۔ دوسری قوت سمندر میں سوتی پیدا کرتی ہے۔ ادھر ایک قوت مخلوق کو جسد بے روح بنا رہی ہے۔ اُدھر دوسری قوت انہیں شیریں زندگی عطا کر رہی ہے۔ ایک قوت نے طوفان برق و باد کی ساکنان زمین پر آفت ڈھائی۔ دوسری قوت نے خشک سالی میں صدہا کو ہلاک کر دیا۔ ایک اور قوت کا دورہ ہوا تو اُس نے کھیتوں اور باغوں کو تر و تازہ کر دیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم اپنے محاورہ اور اپنے مذاق کے موافق ان مختلف قوتوں کے نام رکھتے ہیں کیوں مورد الزام بنائے جاتے ہیں اور بلا وجہ ہم پر کیوں طعن تشنیع کی جاتی ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہروں نے ان قوتوں کے اپنے مذاق اور محاورہ کے موافق نئے نئے نام رکھے۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہوتے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ سب کا مفہوم ایک ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے بعض اوصاف سمجھنے میں بیشک غلطی کی گئی ہے اور ادیان سابقہ نے اُن کے

بیان کی ہے۔ دو گانگی کی تعلیم جو ہرمزد اور اہرمن کی صورت میں مسلم مانی گئی ہے وندیداد میں اُس کی خوب صراحت موجود ہے۔ اور تجہیز و تکفین کے متعلق نہایت دقیق دقیق ہدایتیں کی گئی ہیں۔ مُردے میں سے خبیث روح "چوانکھے کتّھے" کے ذریعہ سے نکالی جاتی ہے۔ یعنی کتّے کو مُردہ کے نزدیک لا کے اس کو مُردہ دکھاتے ہیں اور اس امر کو "سگ وید" کہتے ہیں۔ یہ ہمیں طبعی طور پر یاما کے "چوانکھے کتّھے" جو وید میں بیان کئے گئے ہیں اور یونانیوں کا تین سر والا کتا جس کو وہ سربی رس کہتے اور محافظ دوزخ سمجھتے تھے یاد دلاتا ہے۔ چونکہ پارسیوں کے ہاں اربعہ عناصر یعنی خاک۔ باد۔ آب۔ آتش پاک و مقدّس خیال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان سے وہ مُردوں کو دُور ہی رکھتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق اُنہیں پاس نہیں آنے دیتے۔ اور اُنہیں ایسی جگہہ جا کے رکھتے ہیں جہاں مُردار خوار کتّے۔ گدھ چیلیں کوّے وغیرہ اپنی دعوت سمجھکے ان کے کھانے کے لئے وہاں موجود رہتے ہیں جب مُردہ یوں کھلا دیا جاتا ہے تو اُس کی ہڈیاں دخمہ یا گنبد خموشی میں ڈال دی جاتی ہیں گتھا میں آیندہ زندگی کا مشرح اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور یہ زند اوستا کے خاص اصول عقاید میں سے گویا ایک اصول ہے۔ ان کے عقیدہ کے موافق دنیائے جاودانی اور دنیائے فانی کے درمیان ایک

دلچسپ ہے جسے بغور پڑھنا چاہیئے۔ یہودی۔ زردشتی۔ عیسائی اس بات کے قایل ہیں کہ فرشتے مجسم ہو کے زمین پر اُترتے ہیں اور ہر نئی صورت میں حلول کر کے خدا کے احکام مُنہ بمُنہ سُناتے اور باتیں کرتے ہیں۔ اور اُن کی گفتگو سُنی جاتی اور اُنھیں جواب دیا جاتا ہے۔ یہ خیالات اگرچہ گزشتہ زمانہ میں خواہ کسی قدر پسندیدہ ہوں مگر موجودہ زمانہ میں قابل مضحکہ ہیں۔ ایک جوہر بسیط جو سراسر نور ہی نور ہو وہ کیوں کر ایک جسم خاکی میں ایک غیر معمولی وسعت کے ساتھ حلول کر سکتا ہے اور جسم میں آنے کے بعد اُس کی نورانی کیفیت کیونکر بحال رہ سکتی ہے۔ یہ باتیں اور خیالات ہیں جو اِس وقت وقعت کی نظر سے نہیں دیکھے جا سکتے اور عقلمند سے لگا کے کم عقل تک انصافاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ حق ہے۔

اسلام نے اِس خیال کی زبردست اصلاح کی اور قرآن نے صاف گواہی دی کہ نزول ملائکہ سے یہ غرض نہیں ہے کہ وہ آسمان سے زمین پر انسان کی صورت میں درحقیقت اُترتے ہوں بلکہ جہاں اُن کا قیام خداوند تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ وہاں سے جنبش نہیں کھا سکتے۔ ہاں ان کے ذریعہ سے پیغمبروں کے دل پر وحی باری تعالیٰ القا ہوتی ہے۔ ہمارے علمائے سابقین میں ہم مانتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت جبرئیل آ سے درحقیقت نازل ہوتے تھے یا اُن کا تصرف تھا جہاں تک ہم نے اس اختلافی مسئلہ پر غور کی ہمیں کثرت رائے نہایت مضبوطی سے اسی طرف معلوم ہوئی کہ حضرت جبرئیل یا اور ملائکہ ہرگز اپنی جگہہ سے جنبش نہیں کھا سکتے بلکہ اُن کا تصرف تھا اور آنحضرت کو وہ القا کرتے تھے۔

ہم بطور خود علمار کی اختلافی آرائے کو علیحدہ رکھ کے خود اس پر بحث کرتے ہیں اور قرآن مجید کو سب سے زیادہ حَکَم ٹھیراتے ہیں اگرچہ اپنی تائید میں صحیح احادیث اور بعض نامی گرامی علمار کے اقوال بھی نقل کریں گے۔

عام طور پر جو یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ فرشتے خاص اوقات میں نازل ہوتے تھے اور اُن کا اثر اسی وقت تک رہتا تھا یہ ایک بودا خیال ہے اور قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے بھی مطابقت نہیں کھاتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ اپنے نیک بندوں کی روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام سے تائید کرتا ہوں۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تائید جو خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روح القدس سے کی گئی اس تائید سے جو آپ کی امت کے متقی لوگوں کی کی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیل اپنے ظلی وجود سے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جس کے تمثل کی انھیں طاقت دی گئی تھی جیسا کہ دحیہ کلبی کی شکل پر حضرت جبرئیل متمثل ہو کے ظاہر ہوتے تھے مگر امتیوں کے لئے یہ بات نہیں رکھی گئی کہ خدا کا فرشتہ اپنے ظلی وجود سے نازل ہو اور اُن سے باتیں کرے بلکہ جس طرح خدا اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے اُس کی یہ صورت ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے" یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویجعل لکم نورا تمشون بہ "

یعنے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہو تو خدائے تعالیٰ تمہیں وہ چیز عطا کرے گا (یعنی روح القدس) جس کے ساتھ تم غیروں سے امتیاز کلی پیدا کر لو گے۔ اور تمہارے لئے ایک نور مقرر کر دے گا (یعنی روح القدس) جو تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اس سے ایک دائمی تائید روح القدس کی معلوم ہوتی ہے

جنبش نہیں کھاتا۔موجودہ فلسفہ کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی دونو کا مفہوم ایک ہے صرف لفظ حکم اور سبب کی دو صورتیں ہیں جو بظاہر غیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔علوم جدیدہ کے ماہر اس شخص کو نادان سمجھتے ہیں جو ان کے بدیہی اور مسلمہ اصول پر ایمان نہ رکھے اور اُن کے اصول وہ ہی ہیں جو علم طبعیات نے قایم کیئے ہیں مثلاً ہر قسم کے حدوث کے لئے انہوں نے اسباب مقرر کئے ہیں اور ان ہی اسباب پر ان کا یقین اور ایمان ہے۔اسی طرح اسلام نے بھی ان اسباب کو پہچانا جن کا تصرف بہت کچھ نظام عالم میں ہے اور بغیر ان کے ایک لمحہ بھی نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا اور اپنے معتقدین کو جتادیا کہ ان پر یقین رکھنا اور ایمان لانا اسلام کی نشانی ہے اور وہ کافر ہیں جو ان کھلی نشانیوں سے انکار کریں اور یہ کہیں کہ ہر شے آپ سے آپ ہو جاتی ہے محرک کوئی نہیں۔اس میں کچھ اعتراض اسلام پر نہیں ہو سکتا۔نہ ملائکہ پر کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ اُن پر کیوں ایمان رکھنا چاہیئے۔یہ درحقیقت خدا کی لازوال قوتیں ہیں جن کے تصرفات کی ریشہ دوانی نباتات۔معدنیات۔اور حیوانات سے لگا کے کائنات کے کل سیاروں میں ہو رہی ہے اگرچہ وہ خود ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے مگر اُس کا اثر عینی اور بدیہی ہے اور اس سے کوئی بھی منکر نہیں۔بڑی بات اسلام میں دیکھنے کی یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے اسلام ملائکہ کو کس طرح مانتا ہے اور اُن کی صفات کا کیونکر قایل ہے اور دنیا میں اُس کی آمدوشد پر کیا خیال رکھتا ہے۔یہ بحث نہایت ادق اور

اور تمام مردوں کو تازہ حیات بخش کے اُن کا فیصلہ کرے گا۔بدی اور بُرائی کی طاقت تمام و کمال ضائع کردی جائے گی۔اور پھر مالک حقیقی کو فیصلہ اور انصاف کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔اہرمان اور اُس کے جاں نثار ہمیشہ کے لئے نابود کر دیئے جائیں گے اور صرف اہورامزدا اور اُس کی اولاد دائمی خوشی اور لازوال مسرت میں بسر کریں گے۔ فقط

یہ اصول اور عقاید ہیں جو ہم نے پارسیوں کی مذہبی کتب سے انتخاب کئے۔ایک مبصر اس سے اندازہ کر سکتا ہے کہ پیچیدگی ہر معاملہ میں بہت ہے۔توحید جو اسلام نے سکھائی اُس کا شمہ برابر بھی نہیں ادا کیا گیا۔دوزخ اور جنت کے بارے میں بھی بہت سا اختلاف ہے اور فرشتوں کا عقیدہ بھی اسلام سے بالکل مختلف ہے۔یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ سچی باتیں قریب قریب ہر قوم اور فرقہ کی یکساں ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ فلاں فریق نے فلاں فریق سے سیکھا۔ملائکہ یا جنت و دوزخ یا شیطان کا خیال کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ فلاں قوم نے فلاں قوم سے لیا۔اندازہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں یہ جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچانے۔اور اُس کی لازوال قوتوں کے نئے نئے نام رکھ کے اُن کی تعظیم کرے۔مخالفانہ نکتہ چینیاں کرنی اور زبردستی ایک مخالف فریق کو مورد الزام ٹھیرانا عقلاً اور انصاف پسند طبایع سے بعید ہے۔دنیا کا کوئی مذہب ہو حتیٰ کہ مذہب تدبر بھی خدا اور اُس کی لازوال قوتوں کے تصرفات کو مانتا ہے۔اگرچہ اُس نے اپنی عقل کے مطابق صفات قایم کرنے میں غلطی کی۔اس عالم میں تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔چاہے اُس کا اعتراف کسی صورت اور کسی رنگ کا ہو۔

وجبرائیل معلت" یعنی اے حسان کفار کی بدگوئی کا بدگوئی کے ساتھ جواب دے اور جبریل تیرے ساتھ ہے
بڑی بات جو اسلام نے صاف کی ہے وہ ملائکہ کی آمد و شد کے متعلق ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اسلام نے
ان قدیم عقاید میں جو فرشتوں کی بابت تمام گزشتہ اقوام میں پھیلے ہوئے تھے بہت بڑی اصلاح کی ہے اور صاف بتایا
کہ فرشتوں کا اپنے نوری اجسام کے ساتھ کسی جسم خاکی میں حلول کرنا اور پھر آسمان سے اُترنا محض قیاسی امور ہیں جنہیں
صدق سے کوئی تعلق نہیں۔ ملائکہ یا خدائے رب العرش کی لازوال قوتیں کبھی نہ محدود ہوسکتی ہیں اور نہ مجسم ہوسکتی
ہیں اُن کا تصرف تمام کائنات پر پھیلا ہوا ہے اور اُن کے کام بہت بڑے اور اہم ہیں اگر فرائض کی انجام دہی میں
ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی ہو تو نظام کائنات آناً فاناً میں درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا کی لازوال قوتوں کا ہر مقام پر
اور ہر جگہ تصرف موجود ہے اس لئے اس یقین کرنے میں ہمیں کونسی بات مانع آسکتی ہے کہ حضرت جبرئیل ہر لحظہ اور ہر وقت
نہ صرف اس عالم میں بلکہ کُل کائنات پر محیط ہوں اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ روح القدس کا سب عالم پر محیط ہونا لازمۂ
قوانین قدرت ہے۔ ہمارے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت جبرئیل وحی لیکے زمین پر اُترتے تھے اور پھر آسمان پر
چلے جاتے تھے مگر افسوس ہے کہ ہم اس خیال کے موید نہیں بن سکتے۔ خود قرآن مجید اور صحیح حدیثیں ہمیں اس
خیال کی منافی معلوم ہوتی ہیں مثلاً "ایدھم بروح منه" صاف طور پر ان ربانی الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ
روح القدس ہر وقت مومنوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی طرح اس روایت کی تفسیر میں" وایدناہ بروح القدس"
تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ روح القدس ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام سے جدا نہیں ہوتی تھی اور جب تک
وہ دنیا پر رہے ایک لحظہ بھی روح القدس سے اُن کی مفارقت نہوئی۔ معالم۔ اور ابن کثیر اور مظہری وغیرہ تفسیر میں یہی
لکھتی ہیں۔ روح القدس کا ہم سے علیحدہ ہو کے آسمان پر نہ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا تصرف دم بھر کے لئے ایک
جگہہ کم یا بڑھتی نہیں ہو سکتا۔ یا یہ ممکن نہیں کہ جبرئیل آسمان پر چلے گئے تو زمین خالی ہوگئی اور زمین پر چلے آئے تو آسمان
خالی ہوگیا۔ اس سے ایک اور بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ آسمان سے وحی لیکے کون آتا تھا جب جبریل ہر وقت حضرت
عیسےٰ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کُل پہلوؤں پر غور کرنے سے یہی پایا جاتا ہے کہ ہر نیک مخلوق کے ساتھ ہمیشہ
روح القدس رہتی ہے۔ اور اُس سے وہ ایک لمحہ بھی جُدا نہیں ہوتی۔ روح القدس کے ذریعہ سے تمام نیک کام ہوتے
ہیں۔ اور اسی روح القدس کے ذریعہ سے انبیا علیہم السلام کو وحی القا ہوتی ہے۔ اس امر کی تائید میں کہ نزول وحی
کے وقت حضرت جبرئیل یا روح القدس اپنی جگہہ ہوتی ہے وہاں سے ایک انچہ بھی حرکت نہیں کرسکتی۔ ابن جریر اور
ابن کثیر نے یہ حدیث نقل کی ہے عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اذا اراد اللہ تبارک وتعالی ان یوحی بامرہ تکلم بالوحی فاذا تکلم اخذت السموات منہ رجفۃ
اوقال رعدۃ شدیدۃ من خوف اللہ تعالی واذا سمع بذلک اھل السموات صعقوا وخروا
للہ سجدا فیکون اول من یرفع رأسہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام فکلمہ اللہ من وحیہ بما اراد
فیمضی بہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علی الملائکۃ کلما مر بسماء یسئلہ ملائکتھا ماذا

اور خدائے ذوالجلال وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم متقی رہے اور تم نے نیک کام کئے تو تم میں ایک ایسا نور یعنی روح القدس عطا کرے گا جس سے تمہیں امتیاز کلی دوسروں میں ہو جائے گا اور اس کی رفاقت تمہارے ساتھ دائمی ہوگی۔ پھر خداوند تعالیٰ سورۃ المجادلہ میں فرماتا ہے "اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ" یعنی اُن مومنوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ نے ایمان لکھدیا اور روح القدس سے اُن کو مدد دی۔ روح القدس کی تائید کی تشریح کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے صرف اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ ربانی قوتوں کے وہ بدیہی اثرات جو ہمیشہ قدم بقدم اُن کے ساتھ رہتے ہیں جنہوں نے خدا کی مرضی پر اپنے کام کو چلایا یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی نہیں کی اس وقت روح القدس ان کی تائید کرتی ہے اور اس کا تائید کرنا مسلّم ہے۔ یہ ایک خاص نعمت ہے جو خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو مرحمت فرماتا ہے جو قوانین قدرت کی کسی حالت میں بھی خلاف ورزی نہیں کرتے اور اپنی زندگی کا دارومدار اسی پر سمجھتے ہیں یہی بہت بڑی تائید ہے کہ روح القدس کے ذریعہ سے ہمیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ نئی زندگی کو ہم ایمان سمجھتے ہیں اور فلسفی تمدنی یا معاشری حالت کو جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں روحانی زندگی کا ذکر اس کثرت سے آیا ہے کہ تقریباً تمام قرآن مجید اسی سے مملو ہے۔ اور وہ روحانی زندگی یہی ہے کہ ہم ایماندار بنیں اور خدائے واحد ومطلق پر یقین رکھیں اپنی زندگی اپنے کاموں کا دارومدار اسی کی مرضی پر موقوف رکھیں۔ ہمارے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بارہا یہی دعا دی ہے کہ خدا تمہاری روح القدس سے تائید کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوئی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد فکان ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اید حسان بروح القدس کما نافح عن نبیک" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتا تھا اور اُن کی ہجو کا مدح کے ساتھ جواب دیتا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کے حق میں دعا کی اور فرمایا یا الٰہی حسان کی روح القدس کے ساتھ مدد کر۔" اس حدیث شریف سے سوائے اس کے اور کچھ مستنبط نہیں ہوتا کہ جبرئیل کی مدد ہر پاک دل مومن کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے اور وہ مدد جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوتی ہے۔ خود آنحضرت نے درگاہ رب العرش میں روح القدس کی تائید کے لئے اپنے صحابہ کے واسطے دعا مانگی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ روح القدس یعنی جبرئیل کی خصوصیت صرف پیغمبروں کے ساتھ تھی اور دوسرے اس سے محروم کئے گئے ہیں۔ ایک کامل نور اور تمام کائنات پر پھیلا ہوا نور چند ذاتوں کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس کی تائید اور مدد کے پہلو مدارج کے لحاظ سے مختلف ہوں مثلاً انبیا علیہم السلام کے ساتھ روح القدس کی تائید ظلی وجود کے ساتھ ہو اور خدا کے برگزیدہ بندوں سے بذریعہ القا کے اُس کی تائید تسلیم کی جا سکتی ہے اگرچہ روح القدس کے ذریعہ سے القا خود سرور دو جہاں حضرت رسالت مآب کو ہوا کرتا تھا۔ حضرت جبرئیل یا روح القدس کا مدد کے لئے ساتھ ہونا ایک صحیح حدیث میں مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں جن میں جبرئیل کی ہمراہی غیر فانی کے ساتھ بیان ہوئی ہے "ھاجھم

جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل یا روح القدس باری تعالیٰ کی قوت کے اُس تصرف کا نام ہے جو تمام کائنات پر محیط ہے اور جس کا اثر ایک لحظہ بھی کل کرہوں اور اُن کی مخلوق سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اپنے نبی معصوم و برحق کی نسبت ہمارا یقین اور ایمان یہ ہے کہ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ ہر وقت حضرت جبرائیل رہے یعنی روح القدس نے ایک لحظہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی وہ ذریعہ تھا جس سے آپ میں وحی القا ہوتی تھی اور وہی ذریعہ تھا جس نے آپ کو انبیا میں امتیازیہ مرتبہ دیا۔ ہم بہت زور سے کہتے ہیں اور اسی کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں کہ کبھی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے شیطان نے مس نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض مسلمان غلط فہمی سے خیال کرتے ہیں آپ پر خدا کا ہاتھ تھا روح القدس یا حضرت جبرائیل ابتدائے زمانہ سے کہ آپ شکم مادر سے دنیا میں تشریف لائے ہم صحبت اور جلیس رہے اور ایک لمحہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں ہمارے دعوے کی تائید اور صاف الفاظ میں موجود ہے " وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی "۔ خود صحابہ کا آنحضرت کی نسبت یہ صحیح یقین تھا کہ روح القدس کبھی آپ سے جدا نہوتی تھی اور یقین تھا کہ حضرت رسالت مآب کا کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس کی تائید میں ہم یہ حدیث نقل کرتے ہیں جسے امام احمد حنبل وسطوں سے عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ نے کہا جو کچھ میں آنحضرت سے سنتا لکھ لیتا تھا تاکہ میں اُسے حفظ کر لوں اس پر بعض لوگوں نے مجھے منع کیا کہ ایسا مت کیا کر کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں کبھی غضب سے بھی کلام کرتے ہیں تو میں یہ بات سن کے لکھنے سے دستکش ہو گیا اور اس بات کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اُس ذات کی مجھے قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ جو مجھ سے صادر ہوتا ہے خواہ قول یا فعل وہ سب خدا کی طرف سے ہے "۔ یہ حدیث تو صاف الفاظ میں ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہے کہ روح القدس یا جبرائیل ایک لمحہ بھی آپ سے جدا نہوتے تھے اور جو کچھ آپ فرماتے جو کچھ آپ کرتے ہرگز آمیزش وحی سے خالی نہیں تھا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اسی بحث کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں " ملائکہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دائمی رفیق اور قرین ہیں چنانچہ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں یہ لکھا ہے کہ ابتدائے بلوغت سے تین برس برابر حضرت اسرافیل ملازم صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہے اور پھر حضرت جبرائیل دائمی رفاقت کے لئے آئے۔ پھر صاحب سفر السعادت یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات برس کے تھے جب اسرافیل کو اللہ جل شانہ کی طرف سے حکم ہوا کہ حضرت رسالت مآب کے ملازم خدمت رہیں پس اسرافیل ہر وقت اور ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ گیارہ برس تک یہی کیفیت رہی مگر اسرافیل بجز کلمہ دو کلمہ کے کوئی بات وحی کے طور پر آنحضرت کے دل میں نہیں ڈالتے تھے۔ اسی طرح میکائیل بھی آنحضرت کے قرین رہے پھر سب کے بعد حضرت جبرائیل کو حکم ہوا اور وہ پورے انتیس برس قبل از وحی ہر وقت قرین و مصاحب نبی اکرم کے رہتے پھر اس کے بعد وحی نبوت شروع ہوئی "۔

قال ربنا یا جبرائیل فیقول علیہ السلام قال الحق وھو العلی الکبیر فیقولون کلھم مثل ماقال جبرائیل فینتھی جبرائیل بالوحی الی حیث امرہ اللہ تعالیٰ من السماء والارض " یعنی نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت خدائے تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ کوئی امروحی اپنی طرف سے نازل کرے تو بطور وحی متکلم ہوتا ہے اور اس محجوب المفہوم کلام سے ایک لرزہ آسمان پر پڑجاتا ہے جس سے وہ ہولناک کلام تمام آسمان میں ساری ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا کہ اسکے کیا معنی ہیں۔ اور خوفِ الٰہی سے ہرایک فرشتہ کانپنے لگتا ہے کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے اور اس ہولناک آواز کو سُنکر ہر فرشتہ پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں پھر سب سے پہلے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ سے سر اُٹھاتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اس وحی کی تمام تفصیلات اُنہیں سمجھا دیتا اور اپنی مراد اور منشا سے مطلع کر دیتا ہے۔ پھر جبرائیل اُس وحی کو لیکے فرشتوں کے پاس جاتے ہیں جو مختلف آسمانوں میں ہیں اور ہر ایک فرشتہ اُن سے دریافت کرتا ہے کہ یہ ہولناک آواز کیسی تھی اور اس سے کیا مُراد تھی۔ اس وقت جبرائیل اُنہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک امر حق ہے اور خدا تعالیٰ بلند اور نہایت بزرگ ہے یعنی یہ وحی اُن حقایق میں سے ہے جنکا ذکر کرنا اُس العلی الکبیر نے قرین مصلحت سمجھا ہے پھر وہ سب اُن کے ہمکلام ہو جاتے ہیں پھر جبرائیل اُس وحی کو اس جگہہ پہنچا دیتے ہیں جس جگہہ پہنچانے کے لئے اُنہیں حکم ہوا تھا "

اِس حدیث شریف سے جو کچھ ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے وحی پیغمبروں کو القا ہوتی تھی۔ کوئی لفظ اس حدیث شریف کا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جبرائیل مجسم ہو کے زمین پر اُترتے تھے تمام آسمانوں میں ملائکہ کو مطلع کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ آناً فاناً میں وہیں بیٹھے بیٹھے اسی طرح کلام خدا بھی پیغمبروں کو پہنچا دیتے تھے۔ ساتھ ہی ایک بڑی بات جو اس حدیث شریف سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا کی قوت اور اُس کا تصرف تمام کائنات پر پھیلا ہوا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی قوت کے زنجیر سے بندھا ہوا ہے اس لئے ایک ہی ہٹیس اور ایک ہی حرکت اُنہیں جنبش میں لے آتی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ روح القدس جس کی تائید تمام کائنات اور تمام کُرّوں کی مخلوق کے لیئے لازمۂ قوانین قدرت ہے کیونکر ایک تنگ و تاریک جسم خاکی کی صورت میں آکے برسوں ایک ہی مقام پر گزار دے گی۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کے لئے دلیل وحجت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی مثال بعینہ اُس ہوا کی سی ہے جس نے اس کرۂ زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ لکھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور ہوا چاروں طرف سے سمٹ کے تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوتی تھی اور پھر اپنی جگہہ چلی جاتی تھی۔ یہ خیال نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ اس قابل بھی نہیں کہ انسان اُسے مُنھ سے نکالے۔ اسی طرح روح القدس یا حضرت جبرئیل کا ایک ہی جگہ جمع ہو جانا اور ایک ہی ذات واحد کے ساتھ برسوں تک رہنا قرین عقل نہیں ہے۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر پیغمبر کے پاس حضرت جبریل وحی لیکے آیا جایا کرتے تھے تو پھر یہ حدیث کیوں کر صحیح ہوئی کہ حضرت جبرئیل اخیر دم تک حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہے اور ان سے دم بھر جدا نہیں ہوئے۔ ان سب امور پر غور کرنے کے بعد

میں یہ تحریر فرماتے ہیں"۔ نزول جبرائیل جو بعض اوقات دحیہ کلبی یا کسی اور انسان کی صورت میں ہوتا تھا زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور اہل نظر کو اس میں سخت مشکل یہ پڑتی ہے کہ اگر درحقیقت جبرائیل علیہ السلام ایک نیا جسم دحیہ کلبی کے جسم کے مشابہ حاصل کر کے اس میں اپنی روح داخل کر لیتے تھے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا اصلی جسم جس کے تین سو بازو بیان ہوئے ہیں کس حالت میں ہوتا تھا کیا وہ جسد بے روح کی طرح پڑا رہتا تھا اور حضرت جبرئیل فوت ہو کے پھر بطریق تناسخ دوسرے جسم میں آجاتے تھے"۔ اس کے بعد ہمارے مولانا ممدوح یہ تحریر فرماتے ہیں"۔ اہل تحقیق اسے تمثلی نزول سمجھتے ہیں نہ حقیقی نزول جس سے ایک جسم کو چھوڑنا اور دوسرے جسم میں داخل ہونا لازم آئے اصل بات یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے ذہن میں جو دحیہ کلبی کی صورت علیہ تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی قوت کاملہ اور ارادت شاملہ کے زور سے اس صورت پر اپنے وجود کا اضافہ اپنی کل صفتوں کے ساتھ کر کے تمثل کے طور پر اس میں اپنے کو ظاہر کر دیتے تھے۔ یعنی بطور تمثل دحیہ کلبی کی صورت میں اپنے کو دکھاتے تھے اور صورت علیہ کو اپنی صفات سے متلبس کر کے نبی معصوم وبرحق پر تمثلاً ظاہر کر دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ جبرائیل آپ اپنے وجود کے ساتھ آسمان سے اُترتے تھے بلکہ حضرت جبرائیل آسمان پر اپنے مقام پر ثابت قایم رہتے تھے اور یہ جبرائیل اس حقیقی جبرائیل کی ایک مثال تھی یعنی اس کا ایک ظل تھا عین نہیں تھا کیونکہ عین جبرائیل تو وہ ہے جو اپنی صفات خاصہ کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور اس کی حقیقت اور شان الگ ہے"۔ یہاں مولانا صاحب کی رائے ختم ہو گئی۔

اس تحریر بالا سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نزول ملائکہ تمثلی ہوا کرتا ہے نہ حقیقی۔ یہی بہت بڑا فرق ہے جو ادیان سابقہ اور اسلام میں ہے ہم اسی لیئے اسلام کو کامل دین کہتے ہیں کہ اس نے کسی مسئلہ کو الجھاؤ میں نہیں ڈال رکھا اور ہر بات کو اس طرح صاف کر کے دکھا دیا کہ پھر اس میں چون وچرا کی جگہہ باقی نہ رہی۔ ہم نے صرف دو باتیں بیان کی ہیں اور وہ دونوں باتیں گو بظاہر نئی معلوم ہوں گی مگر درحقیقت وہی باتیں ہیں جنھیں ہمارے بہت سے علما تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے مسلمہ مسئلہ کی شہرت نہوئی ہوا اور وہ گوشۂ فراموشی میں پڑا ہوا ہو۔ پہلی بات جو ہم نے بیان کی یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا روح القدس دائمی طور پر ہمارے نبی معصوم وبرحق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ نزول جبرائیل تمثلی صورت میں ہوتا تھا۔

اس اصول کو ماننے کے بعد ہم موجودہ سائنس ہی سے نہیں بلکہ خود دہریے معترضوں کے مقابلہ میں یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ اسلام کا اعتقاد ملائکہ اور تصرفات پر وہی ہے جو ایک عاقل شخص کا بمقتضاے قانون قدرت ہونا چاہیئے اور وہ کسی حالت میں اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہم اس خیال کے بالکل مخالف ہیں کہ فرشتوں کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے اور خود انسان ہی میں ایسی قوت ہے جسے ملک کہتے ہیں۔ یہ خیال یا اس قسم کی رائے بلاشک بغیر سمجھے سوچے قایم کی گئی اور اس قسم کے خیالات سے اس قادر مطلق کی اعلیٰ اور برترین عظمت کی سخت توہین ہوتی ہے جس نے علم ہیئت کی الف۔ بے۔ تے بھی پڑھی ہے وہ اس امر کو جانتا ہے کہ اس آسمان میں جو

اس روایت سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپ کی ہمقرین بن گئی اور وفات تک آپ کی خدمت میں حاضر رہی فرشتوں کی تبدیلی اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے روح القدس کی تائید ترقی کرتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہاں تک ہوگیا کہ روح القدس آپ کی جزو ذات ہوگئی مگر ثابت ہوتی ہے روح القدس کی دائمی رفاقت جس پر اب خفیف سا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا مذہب ہے اور اس پر ایمان ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپ کی خدمت میں رہنے لگی اور جوں جوں سن شریف بڑھتا گیا روح القدس کا نور زیادہ ہوتا گیا اور پھر روح القدس چالیسویں برس آپ کی ذات اطہر واقدس کے ساتھ ایسی شیر وشکر ہوگئی کہ دوئی جاتی رہی اور اُس کے ذریعہ سے کلام خدا کا القا ہونے لگا۔ **اے** انبیا کے سرتاج تیری ہی ذات کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ تیرا کوئی فعل کوئی کلام کبھی بغیر روح القدس یا وحی کے نہیں سُنا گیا۔ تیرا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا۔ وحی کی آمیزش سے خالی نہ تھا۔ تو برگزیدہ ہے اور خدا نے تیرے ہی ذریعہ سے اپنے کلام کی دنیا میں مُنادی کرائی۔ اُن کی سخت گستاخی اور خیرہ چشمی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان نے تیرے مقدس اور مبارک جسم کو مس کیا۔ اِدھر تو شکم مادر سے باہر آیا کہ روح القدس نے تجھے اپنے آغوش میں لیلیا۔ اور تیری پرورش نورانی معاشرت سے کی وہاں شیطان کا گزر ممکن نہیں۔ اگر شیطان نے اور نبیوں کو بہکایا تو بہکانے دے۔ اگر شیطان نے چالیس دن تک حضرت مسیح کی آزمایش کی تو بلا سے مگر اے خاتم النبیین تیری ذات سب سے اعلےٰ اور افضل ہے کہ تیرے قریب سے گزرنے کا بھی خیال شیطان کو کبھی نہیں آیا۔ **اے** سرچشمۂ نورِ ہدایت تیرا فضل بہت بڑا ہے حقیقت میں تو روح القدس کی گود کا پرورش پایا ہوا ہے تیرے دین کا جلال ابد تک قایم رہے۔

ہم جب حضرت جبرائیل یا روح القدس کے جسم خاکی میں حلول کرنے اور تنگ وتاریک پُتلے کی صورت بننے کے قایل نہیں ہیں اسی طرح ہم ان ربانی قوتوں کا کوئی جائے قرار بھی تعین نہیں کر سکتے۔ ہم اُنہیں تو تمام آسمانوں۔ سیاروں اور ستاروں بلکہ تمام کرّوں پر محیط تسلیم کرتے ہیں اور اُن کی اسی صفت سے ہم اپنے رب الافواج کی پوری بزرگی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ خیال اب کسی طرح بھی درست نہیں رہا کہ جس طرح زردشتی اور یہودی فرشتوں کے قایل ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہیں ہماری تحریر بالا سے پادری سیل صاحب اور اُن کے ہمخیال لوگوں کو یہ تو ضرور معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام فرشتوں کو اُسی صورت سے مانتا ہے کہ نہ اُس کے منافی سائنس کوئی حجت پیش کر سکتا ہے نہ نیوٹن۔ مل اور ڈارون کے اصول مسلمہ کے خلاف پڑتا ہے۔ ہاں زردشتی۔ یہودی۔ عیسائی۔ جس صورت سے کہ ملائکہ اور اُن کی آمد ورفت اور افعال کے قایل ہیں وہ قابل مضحکہ ضرور ہے۔ اور اس سے پتہ نہیں چلتا کہ ان مذہبوں نے فرشتوں کو سمجھا ہی کیا ہے اور اُنہیں کس نوعیت کا مانا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جبرائیل کے نازل ہونے اور دحیہ کلبی کی صورت میں اکثر حضور پُر نور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے پر ایک معقول اور دلچسپ بحث کی ہے جس سے عیسائی اور اُن کے معترض علما یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نزول ملائکہ کا کس طرح قایل ہے چنانچہ مولانا صاحب ممدوح مدارج النبوۃ

عیسائی جس نفس کو ابن اللہ کہتے ہیں وہ شیطان کے ذریعہ سے چالیس دن تک آزمایا گیا۔ بدروحوں سے ہمیشہ اس ابن اللہ کو واسطہ پڑا اور اسی ابن اللہ نے ان بدروحوں کے ذریعہ سے بہت سے سؤروں کو مارڈالا۔ اسلام نے شیطان کی قوت کو جہاں ایک جگہ تسلیم کیا ہے دوسری جگہ اُسے ایسا کمزور بنادیا ہے کہ صرف لاحول پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے۔ اور اس سے بچنے کی آسان ترکیب یہی ہے کہ خدا اور اُس کی لازوال قوتوں کا خیال کرلے اور دل میں جمالے کہ وہ سب پر غالب ذات ہے اور اُس کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔

جس طرح ہم نے ملائکہ یا بالخصوص روح القدس کی بحث میں اُن کا تصرف تمام کائنات پر ثابت کیا ہے اسی طرح ہم ابلیس یا اس کے بھائی اجنہ کا تصرف بھی تمام کائنات پر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ شیطان یا اجنہ کوئی خاص مجسم جنس ہیں سخت غلطی ہے شیطان درحقیقت اجنہ ہی میں سے ہے جس کی تصریح فرقان حمید میں صاف طور پر آگئی ہے۔ مسلمان جب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اجنہ آگ کے بنے ہوئے ہیں تو پھر اس یقین کرنے کے بعد کیونکر اُن کا جسم ثابت ہوسکتا ہے جب جسم نہیں ہے تو ان کا ایک مقام خاص میں ہونا ناممکن ہے وہ سارے عالم میں ساری ہیں اور بیشک انکی وہی صورتیں ہیں جو اسلام نے تسلیم کی ہیں۔ تمام دنیا کے مہذب سے مہذب ممالک میں اگر ایک ہی گھنٹہ کی بدکرداریوں اور بدافعالیوں کا حساب لگاؤ تو ہزاروں تک اُن کی تعداد پہنچ جائے گی قتل عمد۔ دھوکا اور فریب دہی۔ زنا بالجبر۔ خودکشی۔ ڈاکہ زنی۔ ظلم۔ بے بس نوجوان لڑکیوں پر زبردستی۔ حلف دروغ۔ حق تلفی۔ غصب وغیرہ کے شنیع افعال ہزاروں شمار میں آسکتے ہیں۔ کون شخص چاہتا ہے کہ اُس کی جان ہلاکت میں پڑے اور کس کی خواہش ہے کہ وہ چشموں میں انگشت نما ہو اور کس کی تمنا ہے کہ جیل خانہ کی بدترین اور سخت ترین زندگی گزارے انسان بجائے خود فطری طور پر آزادی اور نیک نامی پسند پیدا ہوا ہے پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز نے ان افعال شنیعہ کے ارتکاب کی اُنہیں جرأت دی اور کس چیز نے ایسا محو کردیا کہ کسی طرف کی سدھ بدھ ہی نہیں رہی اس کا یہ جواب نہایت ناکامل ہوگا کہ انسان ہی میں ایک قوت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ جو یہ افعال کراتی ہے اور اُسی قوت کا غلبہ اُس پر ایسا ہوجاتا ہے کہ پھر اسے دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی اور وہ بات کرگزرتا ہے جو اُسے زیبا نہ تھی اور شاید ہوشیاری میں وہ کبھی بھی نہ کرتا۔ اگرچہ ہمارے بعض موجودہ زمانہ کے مصنفوں نے یہی لکھا ہے مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے ہم یہ ضرور مانتے ہیں کہ انسان میں بُری یا بھلی باتوں کے قبول کرنے کا ایک خاص مادہ ضرور ہے مگر اس لئے خارجی محرک کی ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں جس نے سجے ہوئے کمرے اور پُرتکلف سامان ہی نہیں دیکھے اُسے کیا خاک آرزو ہوگی کہ میں ایسے پُرشان کمروں میں رہوں۔ انسان کی نیک نیتی اور بدنیتی کا اظہار جس طرح بغیر کسی پری رو پر نظر ڈالے ممکن نہیں اسی طرح یہ محال ہے کہ جب تک کوئی خارجی چیز محرک نہ ہو داخلی چیز کچھ بھی کرسکے۔ وہ خارجی چیزیں جب کہ یکساں سب پر اثر ڈالتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ بعض تو اُن سے متاثر ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے جن کے دل قوی ہوتے ہیں جن کے دماغ روشن ہوتے ہیں اُن کے آگے آیندہ خرابیوں کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور وہ اُس سے خوف زدہ ہوکے فوراً اُس سے باز

ہمارے سر پر ہے اور جو ہر گھڑی نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے ۔ لاکھوں ستارے ایسے ہیں جو مثل ہمارے آفتاب کے بجائے خود روشن ہیں اور ہماری زمین ہی سے نہیں بلکہ خود ہمارے آفتاب سے بھی ہزاروں مرتبہ بڑے ہیں۔ اور اتنی دور ہیں کہ اُن کی روشنی ہم تک صدہا برس ہی میں نہیں بلکہ ہزاروں برس میں آکے پہنچتی ہے یہ عقل میں آتا ہے کہ اتنے عظیم کرّوں کو خلاے قادر مطلق نے بنجر اور غیر آباد بنایا ہو اور اُنہیں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ رکھا ہو نہیں وہاں بھی مخلوق آباد ہے اور اُن میں مثل ہمارے تمدّن کے تمدّن موجود ہے اُن کی بھی سلطنتیں قایم ہیں اور اُن کے ہاں بھی ضوابط اور قوانین کی پابندی ہے ۔ یہ ساری باتیں ہونی لازمی ہیں اور اُن کے انتظام جس قوت یا اُس کے غیر متناہی تصرفات سے کئے جاتے ہیں اُنکی حقیقت دریافت کرنا اور اُن کی کنہ تک پہنچنا ناممکن ہے جبکہ ہمیں خود اُس زمین کے جس پر ہم رہتے ہیں بہت سے حالات دریافت کرنے ہیں اور ابھی بہت سی باتوں کی تحقیق باقی ہے ۔ اس کے سوا ہم نے ابھی تک چاند اور سورج کی اُس حقیقت کو نہیں پہچانا جس پر سب کا اتفاق ہو اور کوئی اختلاف باقی نہ رہے ۔ پھر یہ کتنی بودی اور نادرست بات ہوگی کہ ہم یک لخت ان اعجوبہ اور زبردست قوتوں کا انکار کر دیں جن سے ان ستاروں یا کرّوں کا یہ کُل نظام قایم ہے ۔ اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے اُسے یہ کہدیں کہ اس کا وقوع ناممکن ہے ۔ یہ امر خلاف عقل اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے ۔ ہم جہاں وجود ملائکہ کا انکار نہیں کرتے وہاں اُن کی حالت اور اُن کی آمد و شد میں اور مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسی بنا پر ہم قرآن پاک کو کلام خدا کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خلاف عقل نہیں ہے ۔ ناسمجھی کا ذکر نہیں ہاں سمجھ اور غیر طرفدارانہ حالت میں دیکھو گے تو ایک واقعہ بھی قرآن کا غلط اور ناممکن نہ معلوم ہوگا ۔

ابلیس اور جنّات

ابلیس اور جنات کا عقیدہ بھی تمام دنیا کی قوموں میں یکساں چلا آتا ہے اور اس سنہ ۱۹ صدی میں جبکہ الحاد نے یورپ کے کونہ کونہ میں اپنا گھر کر لیا ہے ہنوز شیطان اور جنات کا عقیدہ باقی ہے بلکہ اس کی تائید میں مختلف رسالے اور اخبار نکلتے ہیں ۔ صرف پادری سیل صاحب یا اور یورپی نکتہ چینوں کی طرح یہ کہدینا کہ اسلام میں شیطان اور جنات کا خیال یہودیوں سے آیا ہے اور پھر اُس پر مضحکہ کرنا محققوں اور انصاف پسند مصنفوں کی وضع کے خلاف ہے ۔ انصاف کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم کسی مذہب پر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگیں تو ہمیں بڑی ہوشیاری سے اُس کی بظاہر ناممکن الوقوع باتیں بھی جانچنی چاہئیں کیونکہ بعض اوقات ظاہری الفاظ سے اصلی معنی پیدا نہیں ہوتے اور انسان چکر میں پڑ کے اپنی اصلی تحقیق پر بھی پانی پھیر دیتا ہے اور جو اُس نے کسی مسئلہ میں عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے تو گویا اُس نے اپنی زندگی کا اتنا حصہ اس ناپاکی اور شرمناکی میں گزارا کہ پھر گویا تمام عمر اُس سے نجات ممکن نہیں ۔ زردشتیوں کا شیطان ایک بہت بڑا قوی اور خداے مطلق کے مقابلہ میں انا گیا ہے ۔ یہودیوں میں اسکی شرارت آمیز طاقت کو کم درجہ نہیں تسلیم کیا گیا ۔ عیسائیوں میں تو اُسے بہت ہی زبردست قوت عطا کی گئی ہے یعنی

بھوت[1] پریت کا عقیدہ اگرچہ اب بھی کم و بیش دنیا کے تمام قوموں میں پایا جاتا ہے اور وحشی سے لگا کے مہذب تک اُسے تسلیم کرتا ہے۔ اور دنیا کی بہت سی قوموں اور مذاہب کا تو یہ جزو اعظم ہو گیا ہے مگر اسلام ان تمام توہمات سے پاک ہے اور وہ بھوت پریت یا ارواح خبیثہ کی مطلق وقعت نہیں کرتا۔ اُنہیں قوی ماننا اور انسان پر اُن کا غلبہ تسلیم کرنا تو کجا۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں کہ فلاں شخص پہ کسی جن کا سایہ ہے اور فلاں پر بھوت سوار ہے اور فلاں جن نے اُس شخص کو اُٹھا کے پھینک دیا۔ اسلام کے عاقلانہ اور حکیمانہ اصول سے ان صریح غلط باتوں کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور جو لوگ نادانی سے اُسے جزو اسلام تسلیم کرتے ہیں اُن کی سخت غلطی ہے +

آسمانی کتابوں کا عقیدہ اور برناباس کی انجیل

اس کے بعد پادری صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہر نبی پر آسمانی کتاب کے نازل ہونے کا عقیدہ مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا ہے یہ بھی عجیب بات ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جملے کی پادری صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی اس کی بالکل وہی مثال ہے کہ پیروں سے چلنا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا ہاتھ سے کھانا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا ہاتھ سے کھانا اور نوالہ بنا کے منہ میں رکھ لینا فلاں کو فلاں نے تعلیم کیا۔ یہ عجیب بے معنی باتیں ہیں جن پر بچہ بھی ہنس دے گا۔ عیسائیوں کا عقیدہ الہامی کتب کے بارے میں

---

[1] بھوت ہندی لفظ ہے جس کے معنی زمانہ گزشتہ کے ہیں۔ ہر گزشتہ چیز کو بھوت کہتے ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے مرے ہوئے آدمی کو بھوت کہتے ہیں عام اس سے کہ وہ نیک اعمال ہو یا بد اعمال۔ مگر اب اصطلاحی نام اُس مرے ہوئے شخص کا ہے جو بداعمال مرا ہے اُسکی روح ایسی ذی اختیار ہو جاتی ہے کہ جب چاہے وجود ظاہری اختیار کرے اور جب چاہے غائب ہو جائے اور زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جائے اور بڑی قوت کے کام جو انسانی طاقت سے خارج ہوں کر گزرے۔ بھوت پریت کے معتقد اس امر کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے کانوں سے بھوت کی آواز سُنی اور اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ کسی نے بغیر سر کا اور کسی نے اُلٹے پاؤں والا اور کسی نے بڑے بڑے دانتوں والا سیاہ رنگ کا کبھی بھیڑ کے بچہ کی شکل اور کبھی بکری اور بھینسے کی صورت میں دیکھا ہے کہیں وہ چھلاوے کی صورت میں جلوہ کرتا ہے اور کہیں بلند ہوتے ہوتے اُسکا سر آسمان سے لگ جاتا ہے بہت سے آدمیوں نے عورتوں کے سر پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے بعض بھوتوں نے اپنا نام بقید ولدیت و سکونت بتا دیا ہے بلکہ مزید براں اپنے بھوت ہونے کی وجہ بھی کہدی۔ علی العموم اُن کی سکونت کے ویران مکان۔ ٹوٹی ہوئی پُرانی قبریں۔ مرگھٹ۔ ویران باولیاں۔ اندھے کنوئے۔ انار کے درخت۔ خالی برج۔ فصیلوں کے غیر آباد کُرج اور نہریاں قرار دی گئی ہیں۔

بھوت کا ظہور دو طرح سے لوگ بیان کرتے ہیں ایک زندہ آدمی میں حلول کر کے دوسرا خارج میں باشکال مختلفہ۔ اول ہم اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ آیا بھوت بذاتہ مادّی ہے یا غیر مادّی۔ اگر دوسری صورت ہے تو اُس غیر مادّی چیز کا ظہور جسم انسان میں کیونکر ہوتا ہے؟ جب کہ

رہتے ہیں اسی مطلب کو ہم مذہبی آدمی اس صورت سے ادا کریں گے کہ جو لوگ ایماندار ہیں فوراً خوف خدا کو محسوس کرکے اپنی عاجزی اور فروتنی کا خیال کرکے اپنا دل اُس طرف سے پھیر لیتے ہیں اور شیطانی تحریک پر غالب آکے اللہ کا شکر کرتے ہیں اور اُس کے جلال میں ابد تک رہنے کی دعا مانگتے ہیں۔ تمام عمدہ سرسبز باغات تمام سبزہ زار اور شاداب گھاٹیاں تمام عالیشان محلات اور بروج مشیدہ، تمام دریا اور پاکیزہ شیریں چشمے۔ تمام دلفریب صنعتیں اور تمام دلکش حُسن اپنے ساتھ ایک طرف نیک قوت کو رکھتا ہے تو دوسری جانب بُری یا شیطانی قوتیں اس کے محیط ہو رہی ہیں۔ ان ہی سحر انگیز مقامات میں ایک عابد زاہد صانع حقیقی کی حمد گا رہا ہے اور اپنے خالق کو یاد کر رہا ہے اور اسی دلکش منظر میں ایک بدمست تمام شرمناک افعال کو انتہا درجہ تک پہنچا رہا ہے اس سے یہ ضرور نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کے ہر ذرہ ذرہ میں جہاں نیک قوت رکھی گئی ہے وہاں بد قوت بھی ہے جس نے جسے پسند کیا وہ اُسی کا ہو کے رہ گیا۔ اگر نیک و بد قوت ہوتی تو انسان میں عقل و ہوش کا ہونا غیر ضروری تھا۔ عقل یا تمیز اسی لئے عطا کیا گیا ہے کہ شیطانی افعال سے بچے اور روح القدس کی تائید میں رہے۔ اِس قوت کو کسی زبان میں شیطان کہتے ہیں کسی میں اہرمن اور کسی میں ڈیول اور کسی میں ابلیس۔ یہ ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ ایک حد تک قبول کرنے کا مادہ انسانی طبائع میں بھی ودیعت ہوا ہے مگر پھر ہم صاف کہہ چکے ہیں جب تک خارجی تحریک نہ ہو وہ مادۂ قبولیت محض بیکار رہتا ہے۔ قاتل کے لئے مقتول کا ہونا ضرور ہے اور ساتھ ہی آلۂ قتل کا ہونا بھی لازمی ہے۔ چور تو اُسی مکان میں کول دے گا جہاں مال رکھا ہو خالی مکان میں جا کے وہ کیا لے سکتا ہے۔ غرض کسی فعل کا وقوع بغیر خارجی تحریک اور سامان کے ممکن نہیں۔ شراب میں نشہ ہے تو اُس سے بوتل کیوں نہیں ناچنے لگتی انسان کی طبیعت میں مادۂ قبولیت ہے تو وہ بغیر پئے کیوں نہیں بیخود ہو جاتا اس سے صاف ثابت ہوا جس طرح انسان کو مدہوش ہونے کے لئے ایک خارجی چیز مثلاً شراب کی ضرورت ہوئی اسی طرح شراب کی خاصیت اور فطرت اُس وقت کھلی جب وہ آدمی کے پیٹ میں گئی۔ تو اُس خیال کا بطلان کہ شیطان انسان کی ذات میں ہے بیّن طور پر ہو گیا۔

جو بحث ہم نے ابلیس اور جنات کے بارے میں لکھی ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے خصم کی اُس سے بہت تسکین ہو جائے گی اور اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان بدیہیات کا ہزاروں برس سے نہ کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے وہ لوگ اسے مانتے ہیں جن کی پرستش آج کروروں آدمی کرتے ہیں حضرت مسیح نے تو اس کی ذات بلکہ اُس کے جسم کا یہاں تک اقرار کر لیا کہ وہ چالیس دن تک اُن کے ساتھ رہا اور اُنہیں دنیا کے سبز باغ دکھا کے آزماتا رہا۔ وہ عقیدہ کہ جنات ایک ایسا گروہ ہے کہ وہ ستانے کے لئے کسی زندہ انسان کے جسم میں حلول کر جاتا ہے اسلام سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اگرچہ بہت سے مسلمان اُس کے قایل ہوں۔ ارواح خبیثہ کو بھی تمام دنیا کی قوموں نے مانا ہے مگر ہم اس کی تشریح اسی پیرائے میں کریں گے جس پیرائے میں کہ ہم جن اور ملائکہ کو ثابت کر چکے ہیں۔

بدیہی ہے۔ اور تاریخ دیکھنے والے اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جتنے مذاہب اور گروہ دنیا میں آباد ہیں ایک نہ ایک رہنما اُن کا ضروری ہے اور وہ ایک شخص کو اپنا ہادی ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ ان ہادیوں کے گنانے اور تعداد بتانے کی زیادہ ضرورت نہیں اور اگر کسی نے کوئی تعداد مقرر کر دی تو اُس کی تصدیق اور تکذیب دونوں محال ہیں۔

برنا باس کی انجیل کے معاملہ میں پادری سیل صاحب نے ایک سخت الزام سے مسلمانوں کو یاد کیا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ برنا باس کی انجیل کے مصنف مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہاں اُنہوں نے وہ لفظ جسکے معنی محمد کے ہوتے ہیں بڑھا دیا ہے۔ یہ لکھ کے پادری صاحب خاموش ہو گئے اور اُنہوں نے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں دیا بلکہ کسی صدی میں کس مُلک میں اور کس شخص نے ایسا کیا اور آیا اُس وقت اس تحریف کی عیسائیوں نے اُس مسلمان کو اجازت دی اور بعد ازاں کیوں نہیں اس کا اظہار کیا گیا کہ یہ تحریف مسلمان کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر ہم اس تحریف کو قبول کر لیں اور مان لیں کہ بیشک مسلمان نے محمد کے لفظ کا ہم معنی لفظ داخل کر دیا تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اُنہیں قدرت حاصل تھی اور وہ اپنی ہوشیاری یا چالاکی سے تحریف کر سکتے تھے پھر اُنہوں نے ان چار مروجہ انجیلوں میں کانٹ چھانٹ کیوں نہیں کی اور کیا وجہ ہے کہ اُنہیں نظر انداز کر دیا۔ یہ ایسا بے معنی الزام ہے جس کی خفیف سی بنیاد بھی قایم نہیں ہو سکتی اگر لو فرضاً اس الزام کو صحیح تسلیم کر لیں اور اس بات کا یقین کر لیں کہ مسلمان ہی محمد کے ہم معنی لفظ برنا باس کی انجیل میں بڑھانے کا سبب ہیں تو اس سے کئی کئی باتیں لازم آتی ہیں اول تو یہ کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں کی الہامی کتابیں اس کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں کہ اگر غیر شخص اُن میں کوئی تحریف بھی کر دیتا تھا جب بھی کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ دوسرے یہ نئی بات پائی گئی کہ اس زمانہ میں جب اس کی تحریف ہوئی۔ **لوقا۔ متی۔ یوحنا۔ مرقس** کی انجیلوں کا رواج نہ تھا اور برنا باس ہی کی انجیل مروّج تھی کیونکہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی غیر مشہور اور غیر مروّج کتاب میں ایسی دلیری کی جاتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انجیل اصلی برنا باس ہی کی ہے۔ پادریوں کی خود غرضی کی تکمیل چونکہ اس انجیل سے نہ ہوتی تھی اُنہوں نے سرے ہی سے اُسے خارج کر دیا اور اور اس کی جگہ موجودہ اناجیل کو دخل دیدیا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم کتاب سابق کی کسی پیشین گوئی کو جو ہمارے نبی معصوم و برحق کے لئے ہو محض غیر ضروری جانتے ہیں ہمارے ہادی برحق کو نہ کسی پیشین گوئی کی ضرورت ہے نہ انبیائے سابقین کی بشارت کی حاجت ہے اُس کی ذات خود اس کے آخر الزمان نبی ہونے کی شہادت دیتی ہے اس کے کام اور اُسکی زندگی اس۔ کے شاہد ہیں کہ محمد نہ صرف خاتم النبیین ہیں بلکہ فخر رسل بھی ہیں اُس معصوم ذات کے لئے اصل تو یہ ہے کہ کتب قدیم کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں کوئی چیز نہیں۔ وہ خود اپنی آپ بشارت ہے اور اپنے لئے آپ پیشین گوئی کرتی ہے اس ذات اطہر و اقدس میں صداقت کے ہزاروں چشمے ہیں جو تیرہ سو

بیان کرنا پادری صاحب بھول گئے کہ حضرت مسیح کا ان الہامی کتابوں پر کیا ایمان تھا اور عیسائی انجیلوں کو "**ورڈ آف گاڈ**" یعنی کلام خدا کہنا کس سے سیکھے۔ اسلام نے تمام انبیا کو برحق مانا ہے جس طرح ایک نیک نہاد مذہب کا مصلحان قوم اور نیک بندوں کی تعظیم و تکریم کا شیوہ ہونا چاہیئے اسی طرح اسلام کا یہ شیوہ ہی کہ اُسنے نہ صرف اُن گزشتہ بزرگوں کی تحریم کی بلکہ اُنہیں برگزیدۂ خدا مان کے اپنے معتقدوں کو انقطاعی حکم دیدیا کہ ان پر ایمان رکھنا اور اُنہیں ہر گناہ سے پاک سمجھنا عین اسلام کی نشانی ہے۔ اس عقیدہ کے ساتھ اگر اسلام نے قرار دیدیا کہ اُن پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے یا اُن میں وحی القا کی جاتی ہے تو کونسی قابل الزام بات کی۔ اگر مصلح قوم یا برگزیدہ مخلوق کی عزت و توقیر کرنی کسی جرم میں داخل ہے تو اسلام اس قسم کا مجرم بننا فخر سے قبول کرتا ہی کل کو پادری صاحب تعجب نہیں اگر یہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں نے کھانا پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ بولنا جواب دینا یہودیوں سے سیکھا۔ یہ درحقیقت طفلانہ باتیں ہیں اور انہیں انصاف اور تحقیق سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر پادری صاحب نے اسلامی روایت کے بموجب پیغمبروں کا نام گنوایا ہے اور ایک روایت کے بموجب اُنہوں نے دو لاکھ چوبیس ہزار تعداد لکھی ہے اور دوسری روایت سے پیغمبروں کا شمار ایک لاکھ چوبیس ہزار بتایا ہے۔" اگر ہم ان مختلف روایتوں کو تسلیم بھی کرلیں تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اور جو ان روایتوں کو تسلیم نہ کریں تو اسلام ان کے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے انبیا کی کوئی خاص تعداد نہیں بتائی صرف اسی قدر ارشاد باری ہوا ہے کہ ہم نے ہر گروہ میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیجا ہے۔ یہ بات

پہلے اس قسم کی غیر مادی چیز جسم میں موجود ہے مثلاً حرارت جو انسان کے جسم میں ۹۹ درجہ بموجب تھرمامیٹر کے ہی۔ اگر ہم حرارت داخل کریں تو دونو حرارتیں ظاہر ہے باہم مل جائینگی اسی طرح بھوت وغیرہ کی روح زندہ آدمی کی روح سے ملکے ایک کیوں نہیں ہوجاتی اگر یہ کہا جائے کہ اوپر سے پڑتا ہی تو بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بغیر داخل ہوئے جن یا بھوت کی روح انسان کے ہر عضو اور آلہ آواز پر قابو کیونکر پا لیتی ہی۔ عموماً ایسی باتیں کہ کسی کے سر پر جن آسیب بھوت پری کا سایہ ہی دو طرح پر ہوتی ہیں ایک پہلو تو انکا مرض ہے اور دوسرا پہلو محض دھوکا دہی ہی طب کی لاعلمی کی وجہ سے پوشیدہ امراض کے اثرات اور نتائج کو کسی قسم کا سایہ تصور کیا جاتا ہے۔ فریب اور دھوکا دہی کے یہ معنی ہیں کہ کچھ روپے حاصل کرنے یا ناجائز خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ شرفا میں یہ باتیں بسبب تعلیم یافتہ ہونے کے بہت کم ہوگئی ہیں مگر ہندوستان کی ارذل اقوام میں بہت شدومد سے جاری ہیں انکے ہاں مرنے کے بعد سوکن کا لپٹنا لازمی ہی کوئی بچہ۔ عورت۔ مرد انکے ہاں بغیر جادو کے مرتا ہی نہیں۔ قاعدہ ہی کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہی۔ مرنیوالے کے رشتہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ دشمن نے بھوت بٹھا کے مار ڈالا یا فلاں بھوت اُسے اپنے ساتھ لیگیا۔ عام طور پر ناواقف ایسی ادنے اور بے بنیاد باتوں کو اسلام کے عقاید میں داخل کرتے ہیں مگر ہم بڑے زور سے اسکی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کو ان فضول اور دور از عقل باتوں سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس قسم کے مہمل خیالات جو کم عقلوں کے لئے بھوت پریت جن۔ بلا چڑیل۔ چھل پائی۔ آسیب۔ پن سرا وغیرہ بن جاتے ہیں دور کرنیکے لئے اسلام نے ہدایت کی ہی کہ خدائے رب العرش کی فوراً پناہ مانگنی چاہیئے وہی اس لاعلاج مرض سے نجات دیتے اور ان اوہام باطلہ کا ازالہ اُسی کی پناہ میں آنے سے ممکن ہے یہی ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے اور اسی میں سچی عبودیت اور ربوبیت کی شان پیدا ہوتی ہے +

سوال منکر و نکیر بچوں کو سکھائے جاتے ہیں اور یہ جوابات اُنہیں بتائے جاتے ہیں اللہ ربی والاسلام دینی والقرآن کتابی والکعبۃ قبلتی یعنی خدا میرا پروردگار ہے اور اسلام میرا دین ہے اور قرآن میری کتاب ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس عذاب قبر کے مسئلہ کو پیغمبر اسلام نے مثل دیگر مسائل کے یہودی کی کتابوں سے اخذ کیا ہے عذاب قبر کو یہود اور اہل اسلام دونو فشار قبر کہتے ہیں چنانچہ جرمنی کے یہودی یہ دُعا آج تک پڑھتے ہیں کہ خداوندا ہمیں مضر احکام۔ افلاس۔ غم والم اور ہر قسم کے عذاب سے اور نار جہنم اور فشار قبر سے محفوظ رکھ اور ایلیا ابن عشر ایک یہودی عالم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب آدمی اس دنیا سے رحلت کرتا ہے تو ملک الموت اُس کی قبر پر آکے بیٹھ جاتا ہے تب اُس کی روح فوراً اُس کے جسم میں چلی آتی ہے اور وہ اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ملک الموت کے ہاتھ میں ایک زنجیر نصف آہنی اور نصف آتشیں ہوتی ہے اُس زنجیر سے وہ فرشتہ اُس شخص کو مارتا ہے پہلی ضرب میں اُس کے اعضا و جوارح جُدا ہو جاتے ہیں اور دوسری ضرب میں اُس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جاتی ہیں پھر فرشتے آکے اُن ہڈیوں کو جمع کرتے ہیں تیسری ضرب میں وہ شخص خاک ہو جاتا ہے اور پھر اپنی قبر میں واپس بھیجا جاتا ہے۔۔۔ ایک اور عالم یہود کا قول ہے کہ فشار قبر عذاب جہنم سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ نیکوکاروں اور شیرخواروں پر بھی فشار قبر ہوتا ہے بجز اُس شخص کے جو یوم السبت یعنی روز شنبہ کی شام کو مرا ہو اور بنی اسرائیل کے ملک میں رہتا ہو" فقط یہاں تک پادری سیل صاحب اور اُن کے سوید الگزنڈر رس کی تحقیق ہوئی۔ اب ہم بطور خود اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ دو باتیں خیال کرنے کی ہیں۔ پہلی بات یہ ثابت کی گئی ہے کہ منکر نکیر اور فشار قبر کا خیال پیغمبر اسلام نے یہودیوں سے اخذ کیا ہے دوسری بات یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ خیالات درحقیقت کوئی بنیاد نہیں رکھتے۔ اور ایک قوم نے دوسرے سے اخذ کر لیئے ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کے خیالات زردشتیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور عیسائیوں یا ہندوؤں میں بھی آئندہ عذاب و ثواب کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔

یہ دعوے کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے ہاں منکر و نکیر کا قصہ اسلام سے پہلے مروج تھا ہمیں اس کے یقین کرنے میں بہت بڑا تامل ہے اور ہماری تامل کی بہت سی وجوہات ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ توریت میں منکر و نکیر اور فشار قبر کا کہیں ذکر نہیں آیا صرف یہودیوں کی تالمود[1] میں ایسے خیالات ظاہر کیئے گئے

---

[1] تالمود یہودیوں کی احادیث وروایات کا ایک مجموعہ ہے۔ دو کتابیں ہیں جن کا نام تالمود رکھا گیا ہے ایک کو تالمود آورشلیم اور دوسری کو تالمود بابلی کہتے ہیں۔ ہر تالمود کے دو حصے ہیں ایک کو مشنا کہتے ہیں جو متن ہے اور دونو نسخوں سے اُسکا تعلق ہے اور دوسرے کو جمیرا یا تفسیر و شرح کہتے ہیں۔ مشنا میں تمام قوانین ضوابط اور زندگی کے قواعد علاوہ قدیم عبرانی کتاب مقدس کے مرقوم ہیں۔ یہودی ان ضوابط و قوانین کی پابندی اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ تمام علمائے یہود کا اس پر اتفاق ہے کہ تالمود کی ترتیب اور انضباط دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر ہوا۔ یہ ترتیب اور تصنیف ربی جہودا ھنا دوش کی ہے جو دوسر

برس سے اُبل رہے ہیں اور جنہوں نے دنیا کی پیلے آبادی کو سیراب کردیا ہے۔ ہم ہرگز اُن سے اتفاق نہیں کرتے جو توریت یا اناجیل کی پیشین گوئیاں یا بشارتیں عیسائیوں کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور اس پہلو سے اپنے نبی برحق کی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں۔ قرآن مجید اس کی صداقت اور افضل النبیین ہونے کی شہادت دینے کے لئے کافی ہے اور ہمارے لئے اُس کی شہادت بس ہے +

مسئلہ منکر و نکیر اور فشار قبر

پادری صاحب نے یہ لکھ کے مسئلہ منکر و نکیر اور فشار قبر کے متعلق بحث کی ہے اور اُنہوں نے اپنے خیال میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ طریقہ بھی مسلمانوں نے یہودیوں ہی سے لیا ہے۔ ان کی تائید اکثر یورپی مصنفوں نے کی ہے جن میں سب سے زیادہ سرگرم مو ید اُن کے الگزینڈر راس ہیں جنہوں نے خاص اس بیان میں بڑے بڑے مضامین لکھ کے ولایت کے رسالوں میں شائع کرا دئے اور انہیں اپنی تحریر پر بہت بڑا ناز ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب مسلمان نہیں دے سکتے۔ چنانچہ پادری سیل صاحب اور اُن کے دوست الگزینڈر راس کا مضمون جو منکر و نکیر کے بارے میں ہے ذیل میں بطور اقتباس درج کیا جاتا ہے " جہنم کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے سوال منکر و نکیر کی بابت کچھ لکھنا ضرور ہے جس کا اعتقاد ہر پکے مسلمان کو ہے اور یہ عذاب قبر کفار کو ہوتا ہے چنانچہ سورۂ انفال میں لکھا ہے کہ اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کر لیتے ہیں تو اُن کے مُنہ اور جسم پر ضرب لگا کے کہتے ہیں کہ تم اس سزا یا اس جلنے کا مزا چکھو اور ایسے ہی الفاظ سورۂ محمد میں پائے جاتے ہیں۔ ان آیات قرآنی میں احادیث نبوی ملا کے مفسرین نے سوال منکر و نکیر کا مسئلہ بنایا ہے چنانچہ اس عذاب قبر کو امام غزالی نے اپنی کتاب زینت الادیان میں یوں بیان کیا ہے کہ یہ دو فرشتے جن کا نام نکیر و منکر ہے اور جن کی نہایت قبیح اور مہیب صورت ہے اور جن کی آنکھیں کرنجی ہیں اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں لونڈے بہرے اور گونگے ہیں الغرض بعد دفن ہونے کے یہ دو نو فرشتے مُردہ کو قبر میں اُٹھا کے بٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کا مُردہ کفن پہنکر مگر بلا صندوق دفن کیا جاتا ہے اور قبر میں لحد بنائی جاتی ہے اور قبر کے اندر مٹی نہیں ڈالی جاتی اور لحد اس لئے بنائی جاتی ہے کہ ان فرشتوں کے سامنے مُردہ آسانی سے اُٹھ کے بیٹھ سکے تب منکر و نکیر یہ سوال مُردوں سے کرتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ تیرا پیغمبر کون ہے۔ تیرا قبلہ کیا ہے۔ اگر ان سوالات کے جواب مُردہ صحیح طور پر نہ دے گا تو فرشتگان عذاب لوہے کے ہتوڑوں سے ایسی شدید ضربیں اُس کے سر پر لگائیں گے کہ وہ شخص جس پر یہ عذاب ہو رہا ہے اس صدمہ سے اس زور سے شور کرے گا کہ اُس کی آواز کو بجز انسان اور جن کے کل جانور از غرب تا شرق سُنتے ہیں۔ پھر ہر ایک کی قبر میں ننانوے تنین بھیجی جاتی ہیں۔ اب اگر تم دریافت کرو کہ تنین کیا چیز ہے تو یہ نام اُن سانپوں کا ہے جن کے سات سر ہوتے ہیں جو گنہگاروں کے بدن کو قیامت تک کاٹا کریں گے۔ یہ

کوئی عجب نہیں کہ انہوں نے یہ خیالات مسلمانوں سے لیئے ہوں اور کوئی عجب نہیں کہ ان الفاظ کے ظاہری معنی سمجھ کے انہوں نے اپنے ہاں داخل کر لئے ہوں ۔ ہم یہودیوں کے مجموعہ روایات پر کیوں کر بھروسہ کر سکتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا زمانہ ترتیب و تصنیف میں صدیوں کا بل ہے اگرچہ دو چار یہودی مصنفوں کا نام بتایا گیا ہے مگر ہم اُن کے حالات زندگی کی تحقیق کیوں کر کر سکتے ہیں اور ہمیں کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کا زہد و تقویٰ اور ان کی ایمانداری کی کیا کیفیت تھی ۔ وہ زمانہ گیا کہ ہر بات بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق قبول کر لی جاتی تھی اب ہر ایک مسئلہ کی بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور پھر بھی جب تک زبردست شہادتیں نہوں ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا ۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ عذاب قبر اور منکر نکیر کے کیا معنی ہیں اور اسلام نے ان کا جسم خارجی قایم کیا ہے یا صرف تمثلی اور اسلام نے درحقیقت لوہے کے گرزا ور جلتی ہوئی زنجیروں اور سانپ بچھوؤں سے اصلی اور حقیقی معنی مراد لئے ہیں یا صرف ان چیزوں کا نام لیکے انتہائے عذاب کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ منکر و نکیر کے سوال و جواب کا ذکر مطلقاً قرآن مجید میں نہیں آیا مگر ہاں بہت سی حدیثیں اس بیان کی روایت کی گئی ہیں جن کے اصلی معنی سمجھنے میں پادری سیل صاحب اور اُن کے ہم خیال الگزینڈر رمس ہی نے نہیں بلکہ یہودیوں نے بھی غلطی کی ہے اور تمثیلوں کو اپنی غلط فہمی سے حقیقت کا جامہ پہنا دیا ہے ۔

ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اُن حدیثوں کا انتخاب جو فشار قبر اور منکر نکیر کے بارے میں آئی ہیں نقل کر دیں اور پھر ان حدیثوں اور روایتوں پر بڑے بڑے علما کی رائیں تحریر کریں کہ آیا انہوں نے ان الفاظ کے ظاہری معنی سمجھے تھے یا ان سب باتوں کو انہوں نے بطور تمثیل کے مانا اور یقین کیا تھا وہ روایتیں یا حدیثیں یہ ہیں ۔

حضرت برا ابن عازب فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے پر نکلے حضور انور رسول خدا اپنا سر مبارک جھکا کے اس قبر پر بیٹھے پھر تین بار ارشاد فرمایا الٰہی میں تجھسے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا جب ایماندار آخرت کی پیشی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ گویا اُن کے منھ آفتاب ہوتے ہیں اس کے ساتھ خوشبو اور کفن ہوتا ہے وہ اُس کے آنکھوں کے سامنے بیٹھتے ہیں جب اُسکی روح نکلتی ہے تو آسمان و زمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اُس پر رحمت بھیجتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی روح اپنے اندر ہو کے جانی نہ چاہتا ہو یا بہ تبدیل الفاظ ہر آسمان کے دروازہ کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرحوم کی روح مجھی میں سے ہو کے جائے ۔ جب اُس کی روح اوپر چڑھتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں الٰہی یہ تیرا فلاں بندہ ہے پس حکم ہوتا ہے اسے لیجاؤ اور جو کچھ ہم نے اُس کے لئے سامان مہیا کیا ہے اسے دکھاؤ اسی لئے ہم وعدہ کر چکے منها خلقنکم وفیها نعیدکم و منها نخرجکم تارة اخری یعنی اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں بنایا اور اُسی میں تمہیں

ہیں۔ ہم تالمود کی کیوں کر تصدیق کرسکتے ہیں جبکہ ہمیں تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ خود توریت میں اسقدر تحریف ہوئی ہے کہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہوسکتا کوئی بڑے سے بڑا محقق توریت کا ایک قول بھی حضرت موسیٰ کا یا کسی دوسرے پیغمبر کا قول ثابت نہیں کرسکتا۔ رہی تالمود اس کی اور بھی ناگفتہ بہ کیفیت ہے اگرچہ عام طور پر یہودی علما کہتے ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسری صدی عیسوی کے اختتام کا ہے پھر بھی اُس باقی کے حصے جن میں فشار قبر وغیرہ کے متعلق بحثیں ہیں چھٹی اور ساتویں صدی یعنی ظہور اسلام کے بہت بعد کے لکھے گئے ہیں اور ان کی ترتیب اُس وقت ہوئی ہے جب ہماری حدیثیں منضبط اور مشہور ہوچکی تھیں۔ اتنا کہہ دینا کچھ دلیل نہیں ہوسکتا کہ جرمنی یہودی اب تک فشار قبر سے پناہ مانگتے ہیں۔ کوئی

مبتیر یاس کا ایک طالبعلم تھا اور جو چالیس برس تک اس مدرسہ میں رہا تھا اس کی شرحیں اور ضمیمے ربی جوشنان بن ایلیا زیر کی تصنیف سے ہیں بعض کا مقولہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں بعض کہتے ہیں چھٹی صدی میں بعض کی تحقیق یہ ہے کہ ساتویں صدی میں تالمود کی تکمیل ہوئی اور اس ضمیمے۔ یا شرح کو جمیرا کہتے ہیں۔ ایک اسی قسم کا مجموعہ علمائے بابلی چھٹی صدی کے آغاز میں بطور ضمیمہ تالمود کے ساتھ شریک کیا گیا اسے بھی سوائے فاضل این فیلڈ کے اور محقق ساتویں صدی عیسوی کا بیان کرتے ہیں یہ شش حصوں پر منقسم ہے۔ ہر حصہ کا نام علاحدہ ہے اور اس میں کئی نسخے شامل ہیں ہر نسخہ بابوں پر تقسیم ہوا ہے اور ہر باب کی تقسیم مثنا یا پند و نصائح پر کی گئی ہے۔ پہلے حصہ میں تو بیجوں۔ میوہ جات درختوں سے بحث کی گئی ہے دوسرے حصہ میں عورتوں۔ اور اُن کے فرائض۔ نافرمانیوں معاہدوں۔ ازدواج اور طلاق سے بحث ہوئی ہے۔ چوتھے میں اُن نقصانات کا بیان ہے جو آدمیوں اور جانوروں سے پہنچتے ہیں۔ مثلاً سود خواری کرایہ۔ زراعت کے معاملات۔ تجارت میں شرکت۔ وراثت میں حصہ داری۔ خرید و فروخت کی قسمیں شہادتیں گرفتاری بُت پرستی۔ اور اس کے آگے ان لوگوں کے نام گنائے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے زبانی قوانین پہنچے اور محفوظ کرائے گئے۔ پانچویں حصہ میں اُن چیزوں کا بیان ہے جو قربانیوں اور پاک چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ چھٹے حصہ میں متعلق تطہیر ظروف۔ اثاث البیت ملبوسات۔ گھر۔ برص عام اور بیشمار دوسرے مضامین ہیں۔

تالمود بابلی یہودیوں کے نزدیک بہت قیمتی ہے اور جہاں کہیں وہ تالمود کا حوالہ دیتے ہیں یا اسکا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو اسی تالمود کا حوالہ دیتے ہیں۔ بارھویں صدی عیسوی میں میمونی دیس نے اسکا اختصار شروع کیا اور بہت سی زوائد اور فضول باتوں کو اس سے خارج کر دیا جیسا ہیں خواب اور پریشان باتوں کا ذکر ہے اور بہت سے جاہلانہ اور بے بنیاد سوالات کئے گئے ہیں جنکے پڑھنے سے طبیعت اکتاتی ہے مثنا کی طرح تحریر نہایت صاف و پاکیزہ ہے اور اسکا رنگ بالکل انجیل کا سا ہے اور بہت سی باتیں انجیل ہی کی اسمیں داخل کرلی ہیں عیسائی علما اور پیشواؤں نے تالمود کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کیے ہیں اُنکی رائے میں تالمود سے گویا دین مسیحی کو صدمہ پہنچنے کا خیال تھا پوپ گرےگوری نے بیس گاڑیاں کتابوں کی بھری ہوئی جلوادی تھیں اور پولوس ششم نے تالمود کے بارہ ہزار نسخے برباد کرادیے تھے۔ بابلی تالمود کا اخیری نسخہ امسٹرڈم میں بارہ جلدوں میں طبع ہوا۔ اسیطرح اورشلیم کی تالمود بھی ایک ضخیم کتاب ہے (از این سائکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۲۔ صفحہ ۴۷ ۔ ۱۷۶)

جان آجاتی ہے پھر اُس کی آنکھوں میں ایک ضرب لگاتا ہے کہ اُس کی آواز سوائے جن و انسان کے زمین کے سب رہنے والے سنتے ہیں پھر آواز آتی ہے اس کے لئے دو تختیاں آگ کی بچھا دو اور ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو۔ فوراً تختیاں بچھ جاتی ہیں اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

محمد بن علی رح فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے مرتے وقت اُس کے اعمال نیک و بد اُس کے سامنے آکے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال پر خوش نظر کرتا ہے اور بد اعمال کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جب مومن مرنے لگتا ہے تو فرشتے حریر کے کپڑے میں مُشک اور ریحان کی ستّی لیکر آتے ہیں پس اُس کی روح اس آسانی سے نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ خدائے تعالیٰ کی کرامت اور راحت کی طرف نکل تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش اور جب اُس کی جان نکلتی ہے اُسے مشک و ریحان میں رکھ کے اوپر سے حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اسے علیّین یعنی اوپر والوں میں بھیجدیا جاتا ہے۔ اور کافر کو جب موت آتی ہے اُس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لیکے آتے ہیں اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں اور جان نکالتے وقت کہا جاتا ہے اے نفس پلید خدائے تعالےٰ کے عذاب اور خواری کی طرف نکل کہ تو اُس سے خفا اور وہ تجھ پر ناراض۔ جب اُس کی جان نکلتی ہے تو اُن ہی چنگاریوں میں رکھ دی جاتی ہے اور روح اُن میں چھنچھناتی رہتی ہے اور اوپر سے ٹاٹ لپیٹ کے سجّین یعنی زندان میں بھیجدی جاتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی رح نے اس آیت کو پڑھ کے فرمایا "حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا فیما ترکت" یعنی یہاں تک جب اُن میں کسی کو موت آئی وہ کہے گا اے رب مجھے پھر بھیج شاید میں کچھ بھلا کام کروں۔ اس کی مُراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ دریافت کرتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے کونسی چیز کی رغبت کرتا ہے کیا تیری یہ خواہش ہے کہ پھر کے مال جمع کرے۔ باغ لگائے۔ عمارت بنائے اور نہریں کھدوائے وہ جواب دیتا ہے نہیں بلکہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اُس میں اچھا کام کروں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے "کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا" کوئی نہیں بد بات ہے کہ وہ کہتا ہے یعنی موت کے وقت یہ کلام کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں رہتا ہے اور اُس کی قبر ستر گز وسیع ہو جاتی ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی ہو جاتی ہے۔ اور کافر کی قبر میں یہ عذاب ہوتا ہے کہ ننانوے تنین اس پر مسلط کر دی جائیں گی اور تمہیں معلوم ہے تنین کیا چیز ہے ننانوے اژدہا ہر ایک کے سات سات پھن ہونگے۔ اور وہ اُس کے جسم کو قیامت تک نوچتے کھسوٹتے رہیں گے فقط

یہاں تک تو ہم نے اُن روایات کا انتخاب کیا جو منکر نکیر اور عذاب قبر کے بارے میں ہیں اب ہم چندان صحیح احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جن سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ساری باتیں بطور تمثیل کے بیان ہوئی ہیں حقیقت سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ سب جانتے ہیں اور یہ ایک مسلم امر ہے کہ معمولی چیز

پھر ڈالتے ہیں اور اس سے دوسری بار تمہیں نکالیں گے اور وہ شخص چلنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے یہاں تک کہ اُس سے کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے اور دین کیا اور نبی کون ہے وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں سوال اُس سے نہایت درشت لہجہ میں کئے جاتے ہیں اور یہ اخیری جانچ ہے جو مُردے کی کی جاتی ہے پس جب وہ جواب مذکور دے لیتا ہے تو آواز آتی ہے کہ تو سچ کہتا ہے۔ پھر اُس کے پاس ایک خوبصورت خوش لباس معطر آنے والا کہتا ہے تجھے رحمت پروردگار کی بشارت ہو اور اُن جنتیوں کا مژدہ ہو جہاں دائمی لذت ہے مُردہ جواب دیتا ہے تجھے بھی خیر کی بشارت خدا تعالےٰ دے وہاں سے جواب ملتا ہے۔ میں تیرا عمل نیک ہوں۔ بخدا مجھے تیری حالت کی خبر ہے کہ تو خدا وند تعالیٰ کی اطاعت میں جلد باز اور معصیت میں دیر کرنے والا تھا۔ خداے تعالےٰ تجھے جزائے خیر دے پھر آواز آتی ہے کہ اس کے لئے جنت کے بستروں میں سے بستر کرو اور جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ پھر جنت میں بچھونا بچھا دیا جاتا ہے اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے وہ اُس وقت آرزو کرتا ہے الٰہی قیامت جلد برپا ہو کہ میں اپنے مال اور کُنبہ کی طرف رجوع کروں۔

کافروں کی یہ صورت ہے کہ جب کسی کافر کی جان نکلنے لگتی ہے تو اس کے لئے تند خو اور بدمزاج فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور گندھک کا کُرتہ ہوتا ہے۔ سب مرنے والے کو گھیر لیتے ہیں جب اُس کی جان نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے کل فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں۔ سب دروازے آسمان کے بند کر دیے جاتے ہیں کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ جو اس کی روح کو اپنے میں داخل ہونے کی اجازت دے۔ اس کی روح اِدھر آسمان پر چڑھی اور اُدھر نیچے پھینک دی گئی۔ عرض کیا جاتا ہے اے ذی الجلال رب تیرے بندے کی روح کو کہیں جگہہ نہیں ملتی اور کوئی چیز اُسے رستہ نہیں دیتی ارشاد باری ہوتا ہے کہ اسے لیجاؤ اور جو سامان بُرائی کا اُس کے لیئے مہیا کیا ہے اُسے دکھاؤ۔

دوسری روایت کافر سے سوال وجواب کے بارے میں یہ ہے کہ جب اُس سے رب کعبہ اور دین کی نسبت سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ اس کا جواب اُسے دیا جاتا ہے کہ تو جانیو پھر اُس کے پاس ایک بدصورت بدبودار لباس پہنے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہے تجھے دائمی عذاب اور دیرپا غضب الٰہی کا مژدہ ہو مُردہ جواب دیتا ہے خدائے تعالیٰ تجھے بدی کی خبر سنائے تو کون ہے وہ جواب دیگا میں تیرا عمل بد ہوں بخدا تو خداے تعالیٰ کی نافرمانی میں جلد باز اور اطاعت میں تاخیر کرنے والا تھا خداے تعالےٰ تجھے جزائے بد دے۔ مُردہ جواب دیتا ہے کہ تجھے بھی خداے تعالیٰ جزائے بد دے۔ پھر اُس پر ایک بہرا گونگا۔ اندھا معین کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے کہ اگر جن و انسان اُس کے اُٹھانے پر متفق ہوں تو نہ اُٹھ سکے اگر اُسے پہاڑ پر مارے تو چُورا چُورا کر دے وہ اسی گرز سے کافر کو مارتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اُسمیں

گویا کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں اے اکیلے بندے گڑھے میں پڑے ہوئے تیرے دوست اور تیرے رشتہ دار تیرے پاس سے چلے گئے تو ہمارے پاس ہی آج تیرا کوئی انیس نہیں ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال نیک نماز و روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جہاد اُسے گھیر لیتے ہیں پھر عذاب کے فرشتے اُس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے اُس سے الگ رہو یہ شخص اللہ کے واسطے اُن پر اکثر کھڑا رہا کرتا تھا۔ پھر فرشتے سر کی طرف آتے ہیں تو روزہ مانع آتا ہے اور کہتا ہے ادہر میں تمہیں نہیں آنے دیتا یہ شخص بہت پیاسا رہتا تھا۔ پھر فرشتے بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں یہاں سے الگ رہو کہ اس نے اس بدن سے حج کے لئے بہت محنت و مشقت اُٹھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تم کو راہ نہ ملے گی۔ فرشتے ہاتھوں کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے اس شخص کو جانے دو اُس نے ان ہاتھوں سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اللہ نے قبول کیا۔ یہ ساری باتیں سن کے فرشتے جواب دیتے ہیں مبارک ہو تو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا پھر اُس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اُس کے لئے جنت کا بستر بچھاتے ہیں اور حلۂ بہشتی لاتے ہیں اور اُس کی قبر کو جہاں تک نظر کام کرے کشادہ کر دیتے ہیں اور جنت سے اُس کے لئے ایک قندیل لائی جاتی ہے جو قیامت تک روشن رکھے گی۔

عبد اللہ بن عبید بن عمیر نے ایک جنازہ کو دیکھ کے کہا میں نے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُردہ قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور وہ اپنے ہمراہیوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے اور اُس سے بجز اُس کی قبر کے کوئی چیز کلام نہیں کرتی۔ قبر کہتی ہے اے خانہ خراب تجھے مجھ سے کسی نے نہیں ڈرایا تھا تجھے یہ خوف نہیں دیا گیا تھا کہ میں تنگ۔ بدبودار۔ ہولناک اور کیڑوں سے پُر ہوں پس تو نے میرے لئے کیا سامان کیا۔ فقط

اِن مختلف واقعات سے جو عذاب قبر اور اندرونی حالت کی نسبت بیان ہوئے ہیں اس سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ انسان کی اُس بے بس اور مایوس حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو مرنے کے بعد اُس کی ہوتی ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مرتے وقت انسان کے اعمال اس کے سامنے نہیں آجاتے انسان کے دل میں ایک ممیزہ قوت ہے جو اپنی نیکی اور بدی کا پورا اندازہ کرتی ہے۔ مرتے وقت انسان یہ سمجھتا ہے کہ اب میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں اور پھر کبھی واپس پھر کے نہ آؤں گا۔ اس وقت میری حالت سخت حسرتناک ہے باوجود حشم و خدم مدافعت کی قوت نہیں اور دنیاوی دولت وحشمت سے کچھ بھی فایدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ ایسی حالت میں اس مرنے والے شخص نے جو کام اپنی زندگی میں اچھے کئے ہیں۔ اُن کے خیال سے اُسے کسی قدر اطمینان ہوتا ہے اور جب اُس بداعمالی کا نتیجہ یاد آتا ہے جس سے اُسکے ابنائے جنس کو نقصان پہنچا تھا وہ اپنے دل ہی دل میں سخت پشیمان ہوتا ہے اور یہ انتہا درجہ کی پشیمانی ایسی نازک

کی اصلیت کے سمجھنے یا بیان کرنے کے لیئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی زبان میں الفاظ ہی نہیں پیدا کیئے کہ وہ اُنہیں اُن کی معمولی حالت میں بھی ظاہر کرسکے۔ مثلاً درد دُکھ یا کڑوی اور میٹھی چیز کی کیفیت سوائے تمثیل کے نہ انسان سمجھ سکتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ اسی طرح روحانی عذاب یا ثواب کا انسانی زبان میں سمجھانا غیر ممکن تھا اُنہیں بطور تمثیل کے سمجھا دیا۔ آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قبر کے اژدہا اور عذاب کے فرشتے کون ہیں اور اُن کی اصلی حقیقت کیا ہے۔ کسی خاص معاملہ میں اختلاف روایات اِس امر کا پتہ دیتا ہے کہ اسلام نے کوئی خاص اصول اِس امر کے لئے مقرر نہیں کیا کہ درحقیقت یہ چیزیں مرنے کے بعد ہوں گی اور اس صورت خاص سے عذاب و ثواب نازل ہوگا۔ بہرحال ہم پہلے وہ روایتیں نقل کردیتے ہیں اور اُس کے بعد اس مسئلہ پر بحث کریں گے۔

طبرانی و حاکم نے یہ حدیث نقل کی ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اُس سے کہتی ہے اے خانہ خراب آدمی تجھے کس چیز نے مجھ سے مغالطہ میں رکھا تو نے نہ جانا کہ میں آزمایش کا گھر ہوں اور تاریکی کا مکان۔ تنہائی کی جگہ اور کیڑوں کا خانہ ہوں۔ میرے باب میں تجھے کس چیز نے دھوکا دیا کہ تو میرے اوپر اکڑ کے چلتا تھا۔ اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اُسکی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ تو دیکھتی نہیں یہ شخص اچھی بات کا امر کیا کرتا تھا اور بُری بات سے منع کیا کرتا تھا قبر جواب دیتی ہے تو اب اس پر سبز ہوئی جاتی ہوں اُس کا جسم نور بن جائیگا اور روح خدائے تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی۔

عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ جب مُردہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو گڑھا کہتا ہے میں تنہائی۔ تاریکی اور اکیلے رہنے کا مکان ہوں اگر تو اپنی زندگی میں خدائے تعالےٰ کا مطیع رہا ہو گا تو میں آج تجھپر رحمت بنونگا۔ اگر تو نافرمان رہا ہوگا تو عذاب بنونگا میں وہ ہوں جو مجھ میں مطیع ہو کے آئے گا وہ خوش ہو کے نکلے گا۔ اور جو عاصی ہو کے آئے گا وہ تباہ ہو کے نکلے گا۔

محمد بن صبیح کہتے ہیں" جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس پر کچھ عذاب ہوتا ہے تو اُس کے پڑوس کے مُردے اُس سے کہتے ہیں کہ اے اپنے قریبی اور پڑوسیوں سے دنیا میں پیچھے رہنے والے کیا تجھے ہم سے عبرت نہوئی کیا اپنے آپ سے آگے آنے والوں کا حال تو نے نہ سوچا تو نے نہ دیکھا کہ ہمارے اعمال مرنے سے تمام ہو گئے تھے۔ تجھے تو مُہلت تھی تو نے اُس چیز کا تدارک کیوں نہ کرلیا جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی۔ زمین کے حصّے اُس سے کہتے ہیں اے ظاہر دنیا پر دھوکا کھانے والے جو لوگ تیرے گھر والوں میں سے زمین کے شکم میں چلے گئے تھے اُن سے تو نے عبرت کیوں نہ پکڑی انھیں دنیا نے تجھ سے پہلے دھوکا دیا پھر اُن کی موت اُنہیں قبروں میں لے گئی تو اُنہیں دیکھتا تھا کہ دوسروں کے کاندھوں پر اُس منزل میں چلے جاتے ہیں جو اُن کے لئے ضرور تھی۔

یزید رقاشی کہتے ہیں جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال اُسے گھیر لیتے ہیں پھر اُنہیں خدائے تعالےٰ

عذاب ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح زندگی میں اچھے بُرے اعمال اس کے ساتھ رہتے تھے اُسی طرح مرنے کے بعد اُس کی قبر میں دفن ہوتے ہیں اور وہاں بھی اسے چین نہیں لینے دیتے۔ آگ کے گرز پڑنے اژدہاؤں کا تاقیامت اُس کے جسم کو برباد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مرنے کے بعد اُس کی بداعمالی کی وجہ سے خلق خدا کی اُس پر لعنت پڑتی ہے۔ مجلسوں میں اُس کا ذکر بُرے الفاظ میں کیا جاتا ہے کتابوں میں اُس پر سخت سب وشتم ہوتا ہے نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر خلق اللہ کی پھٹکار اور لعنت ملامت کم نہیں ہوتی۔ یزید نے جو کچھ کیا اُسے تیرہ سو برس کا زمانہ ہوگیا مگر دنیا کے اکثر حصہ میں ہنوز اُس پر لعن طعن ہوتی ہے اور کسی مذہب کا ہو اُسے اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا۔

اگر انسان غور کرے اور سمجھے کہ یہ عذاب کتنا بڑا ہے جس کی حقیقت ہرگز الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ اس سے نہ کوئی مذہبی آدمی انکار کرسکتا ہے نہ کوئی دہریہ۔ یہی باتیں ہیں جن سے سمجھدار آدمی عبرت لیتے ہیں اپنی زشتی اعمال پر افسوس کرکے پشیمان ہوتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں کہ الٰہی خاتمہ بخیر ہو۔ سمجھدار کے لئے تو یہ ساری باتیں حکیمانہ ہیں ناسمجھ اگر اپنی بدعقلی سے اُن پر ہنستا ہے تو اُس کی حالت قابل افسوس ہے۔

کچھ پادری سیل صاحب ہی کی حالت قابل افسوس نہیں ہے بلکہ کُل عیسائی مُعترضوں پر افسوس ہوتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت انجیل اور اُس کی تعلیم کی طرف سے اُن کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور وہ ذرا بھی اپنے مذہب کا پاس نہیں رکھتے۔ وہ نہیں جانتے کہ اُن کے اس قسم کے اعتراضوں سے خود اُن کے مذہبی اصول درہم برہم ہوئے جاتے ہیں اور روح القدس کی برکت رخصت ہوئی جاتی ہے۔ ہم لامذہب جن کے توریت و انجیل پر وہ اعتراضات کرسکتے ہیں کہ تمام دنیا بھی اُن کا جواب نہیں دے سکتی مگر نہیں ہم دائرہ اسلام سے خارج ہوکے مُعترض نہیں ہونا چاہتے اور نہ ہمارا یہ شیوہ ہے جو پادری صاحبان نے اختیار کیا ہے ✝

حالت میں اُس کے لئے عذاب کا فرشتہ بن جاتی ہے خواہ مرنے والا کسی مذہب کا پابند ہو یا نہو یعنی دہریہ ہو پھر بھی اُسے اپنے گزشتہ نیک و بداعمال پر ایسی خطرناک حالت میں خوشی اور رنج ضرور ہوتا ہے۔

پھر دوسری بحث قبر کی حالت اور اُس کی گفتگو کرنے کی ہے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ قبر تنگ۔ بدبودار۔ ہولناک اور کیڑوں سے پُر ایک گڑھا ہے اور کون کہسکتا ہے کہ قبر زبان حال سے مُردہ سے وہ تقریر کرے گی جو اوپر لکھی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کوئی چیز ہے اور ضرور بداعمالی کی سزا اور نیک اعمالی کی جزا ملے گی۔ دنیا میں جتنے مذاہب پیدا ہوئے اور جتنے اس وقت موجود ہیں وہ آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کے قایل ہیں اگرچہ اُن حالات کو بیان کرنے کا طریقہ سب نے اپنے مذاق کے موافق علیحدہ علیحدہ نکالا ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ یہ خیالات اس مذہب نے اُس مذہب سے لئے ہیں ایک بزدلانہ حملہ ہے۔ ہم نے فرشتوں کی بحث میں کہ ملائکہ کا نزول دنیا پر تمثیلی صورت میں ہوتا ہے اور اُن کا اثر حقیقت میں ہر وقت ہر ہر ذرّہ میں موجود رہتا ہے۔ اسلام نے ہر مسئلہ کو عقل کے مطابق صاف کیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ اُس سے ہو سکا مخلوق خدا کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دینے میں اس نے کوئی کسر نہیں کی۔ ان مختلف عذابوں سے جو اوپر بیان ہوئے اگر ایک معمولی عقل کا شخص ظاہر معنی لیلے تو کیا قباحت ہوسکتی ہے یا ایک عقلمند فہمیدہ شخص اس کے حقیقی معنی کی تہ تک پہنچ جائے اور یہ سمجھ لے کہ اس قسم کی مثالیں دینے سے انتہائے عذاب روحانی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو کیا برائی ہے۔ غرض ہر قسم کی عبرت لینے اور اپنی حالت درست کرنے سے وہ بات بدرجہ احسن اس سے حاصل ہوتی ہے۔

پادری سیل صاحب اور اُن کے دوست پادری الگزینڈر راس نے صرف دو ایک ہی روائتیں یہودیوں کی بیان کرکے یہ لکھدیا کہ یہودیوں سے پیغمبر اسلام نے عذاب قبر اور منکر نکیر کا مسئلہ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ اُنھوں نے اُن روایتوں کو نہیں دیکھا جو ان کے علاوہ ہیں اور جو یہودیوں کی تالمود میں نہیں ملتیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ آیا دنیا میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا مذہب آج تک ایسا پیدا ہوا ہے جو آیندہ زندگی کا قایل نہو اور اُس نے مرنے کے بعد کے چند قواعد عذاب یا ثواب مقرر نہ کئے ہوں۔ جس مذہب میں پادری صاحبان ہیں اسمیں بھی برے لوگوں کے لئے گندھک میں جلنے اور دانت پیسنے کی دعوت کی گئی ہے اور حضرت مسیح نے نیک اعمالوں کو یہ بشارت دی ہے کہ وہ انہیں ہاتھ پر بٹھاکے اُنہیں انگور کی شراب پلائیں گے۔

حکما اور انبیاء کی تعلیم میں یہی بہت بڑا بل ہے کہ حکیم ایسی بات کہتے ہیں جو اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ سمجھ سکے اور فایدہ اُٹھاسکے اور انبیا وہ باتیں کہتے ہیں کہ معمولی عقل کا شخص اس سے جسقدر متاثر ہوگا اُسی قدر ایک عاقل کو اُس سے نصیحت ہوگی۔ قبر کا عذاب اور اُس کا بیان درحقیقت ایک تازیانہ ہے اُن غافلوں کے لئے جو دنیا میں صرف اپنے ذاتی نفع کے لئے مخلوق خدا کو ستاتے ہیں بار بار صحیح حدیثوں میں ان الفاظ کا آنا کہ مرتے وقت عذاب یا ثواب کے فرشتے جو آتے ہیں وہ درحقیقت مرنے والے کے بد و نیک اعمال ہوتے ہیں اور قبر میں بھی وہی اعمال ہوتے ہیں جو اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کے نیک و بداعمال کا نام ملائکہ ثواب و

پُر۔ گوری گوری عورتوں بڑی آنکھوں والیوں سے آراستہ خوش خُلق اور خوبصورتوں سے مزین ہوں گے۔ وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی اور اُنہیں جنتیوں سے پیشتر کسی نے آنکھ بھر کے نہ دیکھا ہوگا۔ جنت کے درجوں میں خرام ناز کریں گی اور جب اُن میں سے کوئی حور تبختر کرے گی تو اُس کے دامن کو ستر ہزار لڑکے اٹھائیں گے اور اُن پر سفید حریری چادریں اُس شوخ رنگ کی ہوں گی جنہیں دیکھ کے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو جائے اُن پر موتی اور مونگے جڑے ہوئے ہونگے۔ تاج اُن کے سر پر آنکھوں میں سُرخ ڈورے۔ ناز و انداز کی پتلیاں۔ لعل کے محلوں میں پردہ نشین نیچی نگاہوں والیاں ہوں گی۔ ان کے مکان جنت کے باغوں کے بیچ میں تعمیر ہوں گے۔ اور پھر ان مردوں اور عورتوں میں جام و صراحی کا دور چلے گا۔ شراب خاص اور لذت کا عرق اُن میں باہم پیے جائیں گے۔ اُن پیالوں کو جن میں یہ شراب وغیرہ پلائی جائے گی وہ لڑکے لئے ہوں گے جو مثل دُر آبدار کے صاف اور تاباں ہوں گے۔ یہ اہل جنت کی کمائی کا بدلہ ہوگا کہ آسایش و آرام کے مقام میں باغوں اور چشموں کے بیچ میں گلزاروں اور نہروں کے وسط میں پُر تکلف نشستگاہوں میں بیٹھے اپنے قادر ذوالجلال کے نور سے روحانی لذت لیتے ہوں گے۔ اور اس لذت کی شادابی اُن کے چہرے سے ٹپکتی ہوگی نہ ان میں گرد ہوگی نہ ذلت بلکہ وہ معزز بندے ہوں گے اور خالق ارض و سما کی طرف سے نئے نئے تحفوں سے اُن کی خبر گیری ہوتی ہوگی۔ غرضکہ اپنی خواہش خواہ آرزوؤں میں سدا رہیں گے نہ کسی کا خوف ہوگا نہ غم کریں گے اور موت کا وہم بھی اُن کے پاس ہو کے نہ پھٹکے گا۔ اُن کا دائمی قیام جنت میں ہوگا اسی کی غذائیں اُنہیں ملینگی۔ نہروں میں سے دودھ۔ شہد اور شراب بہیں گے۔ اُن نہروں کی زمین چاندی کی ہوگی۔ کنکر۔ مونگے کے اور مٹی مُشک اذفر کی۔ سبزہ زعفران کا۔ جو بادل اُس میں برسے گا اُس کا شیریں پانی کافور کے ٹیلوں پر پڑے گا جو آبخورے پانی پینے کو ملیں گے اُن میں موتی۔ لعل۔ مونگے جڑے ہوئے ہوں گے۔ اُن آبخوروں میں سر بھر شراب جس میں سلسبیل کی ملونی ہوگی صاف عیاں نظر آئے گی۔ اُن کو کسی آدمی نے نہیں بنایا جس کی بناوٹ میں کسی قسم کا قصور یا فتور رہا ہو۔ وہ پیالے ایسے خادموں کے ہاتھوں میں ہوں گے جن کے چہرہ کی تابانی اور درخشانی سورج کی روشنی کے برابر ہوگی مگر سورج میں صُورت کی ملائمت۔ کالی زلفوں کی خوبی۔ آنکھوں کی ملاحت کہاں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا (مسلم بروایت ابو ہریرہ و ابو سعید) کہ ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت تمہیں وہ تندرستی عطا ہوئی ہے کہ تم کبھی بیمار نہو گے اور تمہیں وہ زندگی عطا ہوئی ہے کہ کبھی نہ مرو گے اور تمہیں وہ جوانی دی گئی ہے کہ کبھی بوڑھے نہو گے اور تم میں وہ تونگری ودیعت کی گئی ہے کہ کبھی محتاج نہو گے۔

سورہ رحمٰن میں جن دو جنتوں کا اشارہ ہے اُس کی تفسیر میں یہ حدیث آئی ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو موسیٰ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ دونو جنتیں چاندی کی ہوں گی اُنکے

چوتھا باب

جنت - دوزخ - قیامت

دُنیا میں اگر کوئی دلچسپ اور ضروری مضمون ہوسکتا ہے تو وہ جنت - دوزخ اور قیامت کا مضمون ہے - تمام معاملات دنیا تمام قضیئے - تمام خونریزیاں - تمام جوڑ توڑ انسان اپنی آیندہ زندگی کے لیئے کرتا ہے اور کوئی فرد بشر یا کوئی مذہب اور کسی خیال کا انسان نہیں ہے جو آیندہ زندگی کا قایل نہو اور مرنے کے بعد اپنی ایک نئی زندگی نہ مانتا ہو -

علوم جدیدہ چاہے کتنا ہی انکار کیوں نہ کریں مگر نہیں سمجھ میں آتا کہ اُن کے فرضی اصول کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے - جب کہ وہ اب تک زندگی ہی میں انسان کے جسم کی حالت سے پُورے پُورے واقف نہیں ہوئے اور درحقیقت ابھی تک انسان کی جسمانی حالت کا بلب حصہ بھی تحقیق نہیں کیا ہے تو پھر کس صورت سے آنکھ بند کر کے مان لیا جائے کہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد کا حال بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے اور انسان میں آنکھ بند ہوتے ہی کچھ نہیں رہتا - کون کہہ سکتا ہے کہ ڈارون کے اصول موضوعہ ہمیشہ مسلّم ہی رہیں گے اور کون خیال کر سکتا ہے کہ موجودہ خیالات کی طرح آنے والی نسلوں کے خیالات بھی ان اصول موضوعہ کی حمایت کریں گے - جو اصول کل بنتے ہیں اور آج بگڑ جاتے ہیں اُن کی نسبت کامل صحیح ہونے کا کون دعوٰے کر سکتا ہے - وہ چیزیں جو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سُنتے ہیں اُن کی نسبت بھی ہماری آرائے میں اختلاف ہے ظاہر ہے جب اختلاف ہے تو وہ مسئلہ ہی غلط ہے - کسی مسئلہ میں اختلاف کا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مسئلہ ہی سرے سے غلط ہے - بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں جنت و دوزخ کا خیال کیسا ہے - اور اُنھوں نے کہاں تک ایک نامعلوم چیز کو سچ جانا اور اُس کی حقیقت کو پہچانا ہے - قرآن مجید میں مُختلف مقامات پر جنت کا بیان آیا ہے اور اُس میں جو کچھ عُمدگی رکھی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کی اعلے درجہ کی راحت کے خیال کو سادے سادے جُملوں میں ادا کیا گیا ہے - نہروں کا بہنا - سرسبز باغوں کا رہنا - میوہ دار درختوں کا پھل کھانا - جواہرات کی اتنی کثرت ہونا کہ اس کے بستر بنائے جائیں گے - خدمت میں جمیل اور حسین لونڈی غلاموں کا ہر وقت حاضر رہنا - یہ ساری باتیں ہیں جن سے ایک اعلےٰ سے اعلےٰ خیال راحت پیدا ہوسکتا ہے - ہم مُناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں جنت اور اُس کی نعمتوں کا جو بیان ہوا ہے اس کا اختصار کر دیں اور پھر اخیر ان سب روایتوں پر اپنی رائے کا اظہار کریں - وھو ھٰذا -

اہل جنت کے حال پر نظر کر کہ اُن کے چہروں پر آرام کی تازگی ہوگی اور اُنھیں سربمہر شراب پلائی جاتی ہوگی - یاقوت سرخ کے منبروں پر دُرشاداب و سفید کے خیموں میں بیٹھے ہوئے ہونگے جن میں سبز چھاپے کے بچھونے بچھے ہوئے اور تختوں پر تکیے لگے ہوں گے اور وہ خیمے شراب اور شہد کی نہروں کے کناروں پر ایستادہ - غلاموں اور بچوں سے

اور اُن پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ پھر جنتی تکیہ لگا کے کہے گا خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اسپر ہدایت کی اگر خدائے تعالیٰ ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ہدایت پاتے پھر ایک آواز آئے گی کہ تم زندہ رہوگے اور کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔ تمہارا یہاں دائمی قیام ہوگا سفر کی زحمت کا خواب وخیال بھی تمہیں نہ آئے گا۔ صحت تمہارے ساتھ لازمی کردیگئی ہے۔ تم کبھی بیمار نہوگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (مسلم بروایت انس) قیامت کے دن میں جنت کے دروازہ پر آکر اُسے کھلواؤں گا داروغہ کہے گا تم کون ہو میں جواب دوں گا کہ محمد ہوں وہ عرض کرے گا مجھے حکم ہے کہ آپ سے پیشتر کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں گا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری ومسلم نے روایت کی ہے) جنت والے کھڑکی والوں کو اپنے اوپر ایسا دیکھیں گے جیسے تم ستاروں کو مشرق اور مغرب کے کناروں پر جاتا دیکھتے ہو اور وہ اس لئے اس شان سے نظر آئیں گے کہ اہل جنت ہیں اور اُن میں مرتبہ کی رو سے بہت بڑا فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ مراتب انبیا ہی کے ہوں گے اوروں کو ان سے محروم رکھا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں اوروں کو بھی کیوں نہ ملیں گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس مرتبہ کے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انبیا کی تصدیق کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ترمذی وابن ماجہ بروایت ابو سعید) بلند مرتبہ والوں کو اُن کے نیچے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کسی کنارے سے ستارے کو نکلتے دیکھتے ہو اور ابوبکرؓ وعمرؓ ان ہی بلند درجہ والوں میں سے ہیں۔ اور فضل میں سب سے زیادہ ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے میں جنت کی کھڑکیوں کا بیان کروں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں آپ نے ارشاد کیا جنت میں کھڑکیاں ہیں جن میں سے چیز آرپار نظر آتی ہے اور ان میں راحت اور لذت اتنی ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی آدمی کے دل میں گذری میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کھڑکیاں کن لوگوں کو ملیں گی آپ نے فرمایا اُن لوگوں کو جو اشاعت اسلام کریں۔ اور کھانا کھلاویں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور رات کو لوگوں کے سوتے ہوئے نماز پڑھیں۔ میں نے عرض کیا ان باتوں کی طاقت کس کو ہے آپ نے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور اب میں تمہیں اس کا حال بتاتا ہوں جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے ملے اُسے سلام کرے یا اُس کے سلام کا جواب دے تو اُس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے گھر والوں یا کنبہ کے لوگوں کو اتنا کھانا کھلایا کہ اُن کا پیٹ بھر دیا تو اُس نے گویا کھانا کھلایا۔ اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے اُس نے ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے نماز عشاء اور نماز فجر جماعت سے پڑھی کہ اس وقت لوگ سوتے ہوتے ہیں یعنی یہود ونصاریٰ اور مجوس اُس کا وقت گویا ہمیشہ نماز میں گزرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے معنی میں فرمایا

ظروف اور ان کی کُل چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں معہ ظروف اور کُل اثاث البیت کے سونے کی ہونگی اور لوگوں میں اپنے پروردگار کا جلال دیکھنے کے لئے بجز چادر کبریا کے کوئی چیز حائل نہوگی۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں (بخاری و مسلم نے روایت کی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑ خرچ کرے گا وہ جنت کے دروازوں میں سے بُلایا جائے گا اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو کوئی نمازی ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو شخص روزہ دار ہوگا وہ باب الریان میں سے بُلایا جائے گا اور جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا اُسے باب الصدقہ میں سے بلائیں گے۔ اور جو اہل جہاد ہوگا اُسے باب الجہاد میں سے آواز دی جائے گی پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور نہیں کہ کوئی کسی دروازہ سے بُلایا جائے مگر یہ فرمائیے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو ان سب دروازوں میں سے بُلایا جائے ارشاد نبوی ہوا ہاں ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ان سب دروازوں میں سے بُلائے جائیں اور مجھے توقع ہے کہ تو اُن میں سے ہو۔

عاصم بن ضمرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے دوزخ کا ذکر فرمایا اور اُس کی نسبت ایسی طویل تقریر کی کہ مجھے یاد نہیں اس ذکر کے ختم کرنے کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی "وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا" یعنی وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے تھے جتھے جتھے بہشت میں بھیجے گئے۔ فرمایا جب یہ لوگ اُس کے کسی دروازہ پر پہنچیں گے تو اُس کے پاس درخت دیکھیں گے جس کی جڑ کے پاس دو چشمے بہتے ہوں گے وہ حکم کے بموجب اُن دونوں میں سے ایک کی طرف جائیں گے اور اس میں نہائیں گے۔ اُن پر فوراً راحت کی شادابی عیاں ہو جائے گی پھر کبھی اُن کے بالوں میں فرق نہ آئے گا اور وہ الجھنے اور میلے ہونے نہ پائیں گے ہر وقت یہ معلوم ہوگا کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا ہے۔ پھر جنت تک پہنچیں گے تو داروغہ جنت اُن سے یوں خطاب کرے گا "سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" یعنی سلام پہنچے تم کو تم لوگ پاکیزہ ہو سو ہمیشہ رہنے کے لئے اس میں بیٹھو۔ پھر اُن سے لڑکے ملیں گے اور ایسا چمٹیں گے جیسے کسی رشتہ دار کو چمٹتے ہیں جو مدت کے بعد سفر سے واپس آیا ہو وہ لڑکے اُن سے کہیں گے تجھے بشارت ہو اس کرامت کی جو خداوند تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کی ہے پھر ایک لڑکا اُن لڑکوں میں سے جاکے اُس جنتی کی حوروں کو اطلاع دے گا کہ فلاں شخص آیا ہے اور وہی نام لیگا جو دنیا میں اُس کا تھا وہ بیتاب ہو کے بولے گی تو نے اُسے دیکھا ہے لڑکا جواب دے گا ہاں دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آتا ہے وہ حور فرط خوشی سے اُٹھ کھڑی ہوگی اور اپنے دروازہ کی دہلیز پر پیشوائی کے لئے آکھڑی ہوگی جب جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ پتھروں کی جگہہ موتی ہیں اور اُن پر ایک عالی شان عمارت سُرخ زرد سبز غرض ہر ہر رنگ کی بنی ہوئی ہے پھر جنتی اپنا سر اٹھائے گا تو اُس سے چھت بجلی کی طرح چمکتی نظر آئے گی۔ اگر خدائے تعالیٰ نظر کو قدرت نہ دیتا تو کیا عجب تھا کہ اس چمک سے نظر جاتی رہتی۔ پھر وہ اپنی نظر کو نیچی کریگا تو دیکھے گا کہ اُس کی بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں پیالے رکھے ہوئے ہیں اور فرش بچھے ہوئے

تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اُسے بزرگی دیتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ قیامت میں تاریکیاں کیا ہونگی میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔ پھر ایک باریک سا تنکا اُٹھایا جو زیادہ باریک ہونے کی وجہ سے مجھے دکھائی نہ دیتا تھا پھر فرمایا اے جریر اگر تو اس کے موافق جنت میں ڈھونڈے گا تو نہ پائے گا میں نے عرض کیا کہ پھر خرما کے درخت اور دوسرے پیڑ کہاں جائیں گے فرمایا کہ وہ لکڑی اور تنکوں کے نہوں گے اُن کی جڑیں موتی اور سونے کی ہوں گی اور اُن میں پھل لگے ہوئے ہونگے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم نے نقل کیا ہے) جو جنت میں داخل ہوگا اُسے نعمت باری تعالیٰ کا حصہ۔ یا جائے گا پھر نہ وہ محتاج ہوگا نہ اُس کے کپڑے پرانے ہونگے۔ نہ جوانی کو تنزل ہوگا اور جنت میں **وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں نہ کسی آدمی کے دل میں اُن کا خطرہ گزرا۔**

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے جنتیوں کے کپڑوں کا حال بیان فرمائیے آپ نے سکوت کیا (نسائی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ) اور اُس پر بعض لوگ ہنسنے لگے آپ نے ارشاد کیا تم کیوں ہنستے ہو کیا اس سے ہنستے ہو جو شخص نہیں جانتا وہ جاننے والے سے دریافت کرتا ہے پھر فرمایا اُن کے لباس جنت کے میووں میں سے نکلا کریں گے۔ اسے آپ نے دوبار فرمایا۔

ابو ہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (بخاری و مسلم) اول گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اُن کی صورتیں چودھویں رات کے چاند سی ہوں گی وہ نہ جنت میں تھوکینگے نہ چھینکیں گے نہ جائے ضرور جائیں گے۔ اُن کے برتن اور کنگھیاں سونے چاندی کی ہوں گی پسینے میں مشک کی خوشبو آئے گی ہر ایک کے لئے دو دو بیبیاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت میں سے حسن اور لطافت کے باعث صاف دکھائی دیگا۔ نہ آپس میں اختلاف رہے گا نہ دلوں میں بغض بلکہ یکدل ہو کے صبح شام خدائے تعالےٰ کی تسبیح کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی بروایت ابو سعید) جنتیوں کے تاج ایسے ہوں گے کہ اُن میں کے ادنےٰ موتی کی چمک پورب سے لیکے پچھم تک روشن کردے۔

آنحضرت فرماتے ہیں (بخاری و مسلم دونوں نے بروایت ابو موسیٰ اشعری اس حدیث کو نقل کیا ہے) کہ جنتیوں کا خیمہ بیچ میں سے خالی ہوگا اور اُس کی اونچائی تیس کوس ہوگی۔ اُس کے ہر گوشہ میں مومن کی گھروالی ہوگی۔ جسے دوسری بی بیاں نہ دیکھیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (بخاری) کہ خیمہ مجوف موتی کا ہے اُس کا طول و عرض ایک فرسخ کا اور اُس کے چار ہزار دروازے سونے کے ہوں گے۔

ثوبان مولیٰ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ علمائے یہود میں سے ایک

(ابن حبان در کتاب العظمت بروایت حسن عن ابی ہریرہ) "ومساکن طیبۃ فی جنّٰت عدان" کہ مساکن سے غرض موتی کے محل ہیں ہر محل میں ستر گھر لعل سُرخ کے اور ہر گھر میں ستر حجرے سبز زمرد کے اور ہر حجرے میں تخت ہیں اور ہر تخت پر ستر فرش ہر رنگ کے بچھے ہوئے اور ہر فرش پر ایک بی بی حوروں میں سے بیٹھی ہوئی ہر حجرے میں ستر دسترخوان ہیں ہر دسترخوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے۔ ہر حجرے میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایمان دار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ اُن سب سے تعلق پیدا رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط ونسائی اور صحیح میں بروایت انس مرقوم ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخرت میں خدائے تعالیٰ شراب پلوائے تو چاہئے کہ دنیا میں شراب نہ پیوے اور جسے یہ منظور ہو کہ خداوند تعالیٰ آخرت میں اُسے حریر پہنائے تو چاہئے کہ دنیا میں حریر کا پہننا ترک کرے۔

ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے ٹیلوں یا مشک کے پہاڑوں میں سے نکلتی ہیں۔

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہ) اگر جنت کے لوگوں میں سے کسی کے پاس سب سے کمتر زیور ہو اور اُس کا تمام دنیا کے زیور سے مقابلہ کیا جائے تو جو زیور اللہ تعالیٰ آخرت میں دے گا وہ تمام دنیا کے زیور سے اچھا ہوگا۔

ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (یہ حدیث بخاری ومسلم میں لکھی ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اُس کے سایہ میں سو برس چلے پھر بھی اُس کو تمام نہ کر سکے۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ابن مبارک در زہد عن مسلم بن عامر مرسلاً) اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور اُن کے سائل سے نفع دیتا ہے۔ ایک بار ایک اعراب آیا اور اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایذا دہندہ درخت کا ذکر فرمایا ہے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ جنت میں کوئی درخت ایسا بھی ہے جو جنتی کو ایذا پہنچائے آپ نے فرمایا وہ کونسا درخت ہے اُس نے عرض کیا بیری کا درخت جسمیں کانٹے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کاٹنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ہر کانٹے کی جگہہ ایک پھل لگا دے گا کہ ہر پھل میں بہتر طرح کا مزہ ہوگا اور شکل میں بھی ایک دوسرے سے مغایرت کلی ہوگی۔

جریر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب صفاح میں ٹھیرے تو دیکھا ایک شخص درخت کے نیچے سوتا ہے اور اُس پر دھوپ آگئی ہے میں نے اپنے غلام کو بھیجا کہ چمڑے کے بچھونے کا اُس پر سایہ کر اُس نے میرے حکم کی تعمیل کی جب وہ جاگے تو معلوم ہوا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں میں نے اُن کی خدمت میں جا کے سلام کیا انھوں نے فرمایا اے جریر اللہ کے واسطے تواضع کر جو شخص دنیا میں خدائے تعالیٰ کے واسطے

السلام علیکم یا رسول اللہ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ آواز کن عورتوں کی ہیں جبرائیل نے کہا یہ عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہیں انہوں نے اپنے پروردگار سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی چنانچہ انہیں اجازت مرحمت ہوئی پس وہ کہنے لگیں ہم راضی ہیں کبھی ناراض نہوں گی ہم مقیم ہیں کبھی سفر نہ کرینگی۔

اور حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کا نام باکرہ عورتوں کی بکارت دُور کرنے کا ہوگا۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت والے جماع بھی کریں گے آپ نے فرمایا کہ ایک ایک شخص کو اہل جنت میں سے اتنی اتنی قوت ملے گی کہ تم میں سے وہ ستر مردوں سے زیادہ ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ادنے مرتبہ کا وہ شخص ہوگا کہ اُس کے ساتھ ہزار خادم ہونگے اور ہر خادم کو وہ کام ہوگا جو دوسرے کو نہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پانسو حوروں چار ہزار باکرہ عورتوں آٹھ ہزار مردرسیدہ عورتوں سے نکاح کرے گا اور ان میں سے ہر ایک سے اتنا معانقہ کرے گا جتنا دنیا میں جیا ہوگا۔

آنحضرت نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں بجز مرد و عورت کے حُسن کے اور کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں ہوتی پس جب کوئی شخص کسی حسین صورت کی خواہش کرے گا تو وہ اُس بازار میں جالے گا جہاں بڑی آنکھوں والی حوریں جمع ہیں۔ وہ اتنی بلند آواز سے کہتی ہیں کہ کسی نے نہ سُنی ہوگی اور وہ آواز یہ ہے ہم دایم و قایم ہیں۔ ہم کبھی فنا نہونگے۔ ہم صاحب نعمت ہیں محتاج نہونگے۔ ہم خوش ہیں کبھی خفا نہوں گے۔ مبارک ہے وہ شخص جو ہمارا ہوا اور ہم اس کے ہوں۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوریں جنت میں گاتی ہیں اور کہتی ہیں ہم خوبصورت لونڈیاں ہیں اور کریم مردوں کے لیئے ہم محفوظ ہیں۔

یحیٰی بن کثیر فرماتے ہیں کہ جنت میں راگ راگنی ہوگی۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے اس کے پائیں بیٹھ کے دو حوریں گیت سناتی ہیں جس گیت کو انسان اور جن سُنتے ہیں اور وہ گیت مزمار شیطان یعنی شعر نہیں ہوتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی حمد اور تقدّس کا حال ہوتا ہے۔

حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا سنو کوئی ہے کہ جنت کی تیاری کرے جنت کو کچھ خطرہ نہیں بخدائے کعبہ ایک نور ہے تاباں اور ایک گلدستہ ہے سرسبز اور خوشنما مضبوط مضبوط محل بنے ہوئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں۔ درختوں میں پکے پکے میوے لگے ہوئے ہیں خوبصورت صاحب جمال بی بیاں۔ خوشی اور نعمت کا دائمی قیام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم ہیں اُس کی تیاری کرنے والے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہو انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ نے جہاد کا حکم دیا۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا جنت میں گھوڑا بھی ہوگا کہ وہ

عالم حاضر حضور انور ہوا اُس نے چند سوال کیئے یہاں تک کہ یہ بھی دریافت کیا کہ پُل صراط پر لوگوں میں سے اول کون شخص اُترے گا۔ آپ نے فرمایا فقرائے مہاجرین یہودی نے پوچھا جب وہ جنت میں جائیں گے تو اُنہیں تحفہ کیا ملے گا آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کے کباب اُس نے عرض کیا اس کے بعد اُن کی غذا کیا ہوگی آپ نے فرمایا جنت کا بیل جو اُس کے کناروں پر کھاتا پھرتا ہے وہ اُن کے لئے ذبح ہوگا اُس نے دریافت کیا کہ پانی کہاں سے پیئیں گے آپ نے ارشاد کیا چشمہ سلسبیل سے اُس نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (نسائی در کبریٰ) اور عرض کیا اے ابوالقاسم آپ نے یہ فرمایا ہے کہ نہیں کہ جنت کے لوگ کھائیں گے اور پیئیں گے۔ اور یہ بھی اُس نے کہا اگر آپ مجھ سے اِس امر کا اعتراف کریں گے تو میں اعتراض کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جنتیوں میں ایک ایک کو سو سو مردوں کی طاقت کھانے اور پینے اور عیش کرنے کی عطا ہوگی۔ یہودی نے کہا جو شخص کھائے پیئے گا اُسے جائے ضرور جانے کی ضرورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا جائے ضرور جانے کے عوض یہ ہوگا کہ اُن کے جسموں سے مشک کی خوشبو کا پسینہ بہے گا اور پیٹ صاف ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوں ہی تو پرند کو دیکھ کے خواہش کرے گا وہ فوراً تیرے سامنے ذبح ہو کے بھن جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کچھ پرند مثل بختی اونٹ کے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ خوب ہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ اُن سے خوب زیادہ وہ ہے جو اُن کو کھائے گا اور تو اے ابوبکر اُن لوگوں میں سے ہے جو اُن کو کھائیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے لئے ستر پیالوں کا دور ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر ایک پیالہ میں نئی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتیوں کو ایک شراب چاندی کے رنگ کی سی ملے گی اور وہ ایسی شراب ہوگی اگر کوئی شخص دنیاداروں میں سے اُس میں اپنا ہاتھ ڈالے اور باہر نکال لے تو اس قدر خوشبو ہو کہ کوئی جاندار ایسا باقی نہ رہے جس کو اس کی خوشبو نہ پہنچے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُن کی صورتیں پردوں میں سے آئینہ سے بھی صاف نظر آئیں گی اور اُن کے زیور کا ادنےٰ موتی مشرق سے مغرب تک روشن کردے گا اور اُن پر وہ ستر کپڑے ہوں گے جن سے آدمی کی نظر پار ہو جائے یہاں تک کہ اُن کی پنڈلیوں کا مغز اُن کے اندر سے معلوم ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ شب معراج میں جنت کے ایک مقام پر پہنچا وہاں موتیوں۔ زبرجد اور لعل سرخ کے خیمے ایستادہ تھے اُن عورتوں نے جو اُن خیموں میں تھیں مجھ سے کہا

نظر اور دست مالی کے آسیب سے محفوظ اور وہ حوریں اپنی دونوں انگلیوں میں ستر لباس پکڑ کے پہنیں گی۔ فقط یہ ہے جنت کی کیفیت جو ہم نے نہ صرف قرآن میں سے بلکہ احادیث صحیحہ اور صحابہ اور علما کے اقوال سے بیان کی۔ ایک عاقل منصف شخص اس سارے جنت کے بیان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے حکیمانہ اصول پر ہے اور ایک حکیم یا مصلح کو یہی کہنا چاہئے تھا۔ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں میں مبعوث ہوئے تھے جنہیں شہد۔ دودھ۔ میوے اور خوبصورت عورتیں یا جواہرات کے مکان حد سے زیادہ عزیز تھے اور وہ ان ہی چیزوں کو انتہائے شادمانی سمجھتے تھے اگر انہیں اُن کے خیال اُن کی طبیعت اُن کے مذاق کے موافق جنت کی نعمتوں کا حصہ دار نہ بنایا جاتا تو آج کفر و بدعت میں سارا جہان کا جہان گرفتار ہوتا اور کہیں نام کو بھی توحید پرستی نہ ہوتی اُن ہی مقدس انفاس کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ⅓ دنیا خدائے برحق و واحد کے حضور پانچ وقت جھکتی ہے اور مذاہب باطلہ کی طرف سے خدائے تعالیٰ کے ایک بڑے حصۂ مخلوق کو پھیر رکھا ہے۔ سمجھنے اور زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ایک شخص نے آکے گھوڑا مانگا دوسرے نے اونٹ چونکہ یہود سی زیادہ کھانے والی قوم ہوتی ہے اُن میں سے ایک شخص نے کھانے کی بابت دریافت کیا آپ نے گھوڑے والے کو گھوڑا اونٹ والے کو اونٹ اور کھانے کی دریافت کرنے والے کو بیل کی بشارت دی۔ اب اگر آپ اُن سے یہی حکیمانہ مقولہ فرما دیتے کہ جنت میں وہ چیز ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی۔ نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا تو وہ لوگ کیا خاک سمجھتے اور کیوں کر سچے مسلمان ہو کے دین خدا کی اشاعت کرتے۔ زبردستی اعتراض کرنا اور چیز ہے اور مقتضائے وقت دیکھنا دوسری چیز ہے۔

سب سے زیادہ ہمیں عیسائیوں کے اعتراضات پر جو وہ مسلمانوں کی جنت پر کرتے ہیں حیرت ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی جنت[1] کا بیان اس مبالغہ سے ہوا ہے کہ جس کا سر پیر ہی نہیں دکھائی دیتا اور اسکی

---

[1] انجیل میں کئی جگہ جنت کا ذکر آیا ہے جہاں حضرت مسیح نے نہایت سیدھے سادے الفاظ میں فرمایا ہے کہ جنت میں خیمے ہوں گے اور وہاں خداوند اپنی آستینوں سے تمہارے آنسو پونچھے گا۔ ان الفاظ سے حضرت مسیح کے حواریوں کو کچھ تسکین نہیں ہوئی تو ناچار آپ نے یہ فرمایا کہ جنت میں تم میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیو گے۔ یہ جملے بھی زیادہ تسکین بخش نہ ثابت ہوئے وجہ یہ کہ وہ انگور کا شربت تنہا ہی نہیں بلکہ حضرت مسیح کے ساتھ روز پیا کرتے تھے اور انہیں کوئی غیر معمولی بات نہ معلوم ہوتی تھی۔ غرض اسی کشمکش کے عرصہ میں حضرت مسیح کی وفات ہو گئی اور خداوند تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ تیری وفات ہوگی پورا ہو گیا اب اُن کے حواری پریشان ہوئے کہ کیا کریں اور خود اپنی اور دوسروں کی آیندہ زندگی کی تسکین کے لئے کونسی صورت نکالیں اخیر مدت کے بعد یوحنا نے چند باتیں بیان کیں جو اُس نے آسمان پر جا کے خود دیکھیں اس بیان کو مکاشفات یوحنا کہتے ہیں۔
لہٰذا اسے انجیل مقدس کا ایک بڑا عنصر خیال کیا گیا ہے اور عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے الہام سے لکھا گیا ہے اور وہ اُسے مثل قول مسیح کے خدا کی طرف کا پاک نوشتہ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر انہوں نے اناجیل کے ساتھ شامل کر رکھا ہے چنانچہ

مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے فرمایا اگر تجھے گھوڑا پسند ہے تو یاقوت سرخ کا گھوڑا تجھے ملے گا کہ جنت میں جہاں تو چاہے تجھے لئے اُڑتا پھرے گا۔

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ جنت میں اونٹ بھی ہوگا آپ نے فرمایا اے بندہ خدا جب تو جنت میں داخل ہوگا تو جس چیز کو تیرا نفس چاہے گا وہ تجھے ملے گی۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی کا دل چاہے گا تو اس کی اولاد ہوگی اور اُس کا حمل وضع حمل اور جوانی ایک ہی ساعت میں ہو جائے گی۔

آنحضرت نے فرمایا ہے اہل جنت جنت میں ٹھیر جائیں گے تو بھائی بھائیوں کے مشتاق ہوں گے پس ایک کا تخت دوسرے کے پاس جائے گا اور ملاقات کریں گے جو دنیا میں دونوں میں ہوتی تھی ایک کہے گا بھائی تجھے یاد ہے کہ ہم نے فلاں روز فلاں مجلس میں خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ہمیں بخشدیا۔

آنحضرت نے فرمایا ہے جنت والے بے ریش و بروت۔ چاق و چُست سُرمہ لگائے ہوئے تینتیس برس کی عمر کے حضرت آدم کی پیدایش پر ہوں گے۔ اُن کا قد ساٹھ ہاتھ کا اور عرض سات ہاتھ کا ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اہل جنت میں سے ادنےٰ وہ ہوگا جس کے پاس اسّی ہزار خادم اور بہتّر بی بیاں ہوں گی اور اُس کے لئے ایک خیمہ زبرجد اور موتیوں کا اتنا بڑا کھڑا کیا جائے گا کہ وہ جابیہ اور صنعا کے بیچ میں آجائے اُن کے سر پر تاج ہوں گے اور اُن میں ادنےٰ درجہ کا موتی پورب سے پچھم تک روشن کر دے گا۔

آنحضرت فرماتے ہیں میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انار اتنے اتنے بڑے ہیں جیسا پالان کسا ہوا اونٹ اُس کے پرند مثل بختی اونٹ کے بڑے ہیں اسی میں ایک لونڈی کو دیکھا اور اُس سے میں نے دریافت کیا کہ تو کس کی ہے اُس نے کہا زید بن حارثہ کی۔ جو چیز جنت میں نظر پڑی وہ ایسی ہی تھی کہ **آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی کے دل پر اُس کا خطرہ گزرا۔**

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور جنت کے درخت اپنے ہاتھ سے لگائے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوا بول جنت بولی "قد افلح المؤمنون" یعنی ایمان والوں کی بن پڑی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کے انار ڈول جیسے ہیں اُس کی نہریں اس پانی کی ہیں جو نہیں سڑتا اور وہ نہریں دودھ کی ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں صاف شہد کی ہیں جسے آدمیوں نے صاف نہیں کیا اور نہریں ایسے شراب کی ہیں جو پینے والوں کو مزہ دیں نہ نیند سے اُس کا سرور جائے نہ سر میں گرانی ہو۔ پھلوں کا حال سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اُن کی خوشبو پانسو برس کی راہ سے آتی ہے۔

جنت والوں کو جنت میں تیز اور سبک رو گھوڑے اور تیز قدم اونٹ ملیں گے جن کی کاٹھیاں باگیں اور زین یاقوت کے ہوں گے۔ وہ لوگ جنت میں سیر کریں گے اور اُن کی بی بیاں حوریں ہوں گی جیسے لپٹا ہوا موتی یعنی

اُس کی عقل بھی موٹی تھی۔ اُس نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے۔ یا مسلمان۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے جواب دیا خدا مسلمان ہے۔ اس نے وجہ مسلمانی کی دریافت کی آپ نے فرمایا اگر خدا مسلمان نہ ہوتا اور ہندو ہوتا تو گائے کو کیوں ذبح کرنے دیتا۔ اس جواب سے اُس گنوار شخص کی تسکین ہوگئی اور وہ شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ کون شخص شاہ صاحب کے جواب پر اعتراض کرسکتا ہے جب کہ وہ ایک ایسے گنوار کے مقابلہ میں تھا جو زیادہ عقل آرائی نہیں چاہتا تھا۔ شاہ صاحب جیسا فاضل شخص خدا کی ذات پر ہزاروں باتیں بیان کرسکتا تھا مگر یہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکیمانہ حکمت عملی تھی کہ اُس نے مخاطب کے مذاق کے مطابق جواب دیا اسی طرح دنیا میں جتنے عقلا گزرے ہیں اُن کا یہی طریقۂ ہدایت رہا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اگر مخاطب کے عقول کے مطابق جواب نہ دیا جائے اور سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے تو وہ شخص عام طور پر دیوانہ گنا جائے گا

حضرت رسالت مآب نے اس وحشی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کے لئے بُلایا تھا جو اب تک کسی سے مغلوب نہوئی تھی جس کی معاشرت میں تعدد ازدواج اور شراب خواری داخل تھی جہاں سبزے اور نہر یا دریا کا نام تک نہ تھا اُنھیں راہ راست پر لانا بڑا کٹھن کام تھا اور جب تک وہ باتیں جو اُنہیں مرغوب تھیں نہ بتائی جاتیں اور اُن کا اُن ہی کے محاورہ کے مطابق تذکرہ نہ کیا جاتا وہ ہرگز راہ راست پر نہ آتے۔

ہم بیشک آیندہ زندگی اور عذاب وثواب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ منکران خدا کے لئے دائمی عذاب ہوگا جس عذاب کی کیفیت انسانی زبان کے الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے انتہائے عذاب کا ایک اندازہ ہوسکتا ہے اور بس۔ یہی کیفیت جنت کی نعمتوں کی ہے کہ وہاں وہ نعمتیں ہوں گی جن کا خیال بھی انسانی دل میں نہیں گزر سکتا۔

اور میں نے اس کے دائیں ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر باہر لکھی ہوئی اور سات مہروں سے سربمہر تھی اور میں نے ایک زبردست فرشتہ کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ اس لائق کون ہے جو اس کتاب کو کھولے اور اُس کی مُہر توڑے۔ کسی کا مقدور نہوا نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے مجھے اُس پر بہت رونا آیا کہ ایک بھی کتاب کھولنے اور پڑھنے کے لایق نہ نکلا پھر اُن بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھ سے کہا مت رو دیکھ وہ ببر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اُس کی ساتوں مہروں کو توڑے میں نے نگاہ اُٹھائی تو عجیب سماں دیکھا کہ اُس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برہ اس طرح کھڑا دکھا گیا ہے گویا کہ ذبح کیا گیا ہے جس کے سات سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی سات روحیں ہیں اور تمام روئے زمین پر بھیجی گئی ہیں چنانچہ وہ آیا اور اُس کے دہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اُس کتاب کو لیا جوں ہی وہ کتاب اُس کے ہاتھ میں آئی وہ چاروں جاندار اور چوبیس بزرگ اُس برے کے آگے گر پڑے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے۔ یہ گویا مقدسوں کی دعائیں تھیں اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے کہ تو ہی اس لایق ہے جو اس کتاب کو لے نیا راگ

ہم کوئی تاویل ہی نہیں کر سکتے برخلاف مسلمانوں کی جنت کے کہ اُس میں عقل سے کام لینے کی بڑی گنجائش ہے اور ایک عقلمند انسان سرزمین عرب کی حالت اور جزیرہ نما کی مرزوبوم کو دیکھ کے ہرگز یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ جو کچھ بیان کیا گیا جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے تھا۔ العظمۃ للہ۔ ہمارے نبی معصوم و برحق کا یہ ہرگز منشا نہ تھا۔ آپ نے عامہ خلائق کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا اس لئے آپ بمقتضائے قانون قدرت ہر شخص کی سمجھ کے موافق گفتگو کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک شخص نے بیری کے درخت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ بیری کا درخت بھی جنت میں ہوگا اُس نے بیری کے کانٹوں سے خوف ظاہر کیا آپ نے فرمایا خوف کیوں کرتا ہے ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل ہوگا۔ یہ ساری باتیں ہمیں اُس زبردست اصلاح کی قوت سے آگاہ کرتی ہیں جو ہمارے نبی معصوم و برحق میں ودیعت کی گئی تھی۔ کون کہتا ہے کہ ہمارے ہادی برحق نے خلاف کیا اور کون دعوی کر سکتا ہے کہ آپ کے یہ اقوال لذائذ نفسانیہ کے لئے تھے۔ ہزاروں اقوال موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہی کہ علمائے اسلام نے خاص اس امر میں کہ جہلا کو جہلا کے موافق جواب دیا جائے بڑی تقلید کی ہے اور اپنی تقلید میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے فخر دہلی شاہ عبدالعزیز صاحب سے ایک ہندو نے آکے کہا اگر آپ میرے سوال کا جواب دیدیں گے اور میرا اطمینان ہو جائے گا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ شخص دہقانی تھا اور

مکاشفات یوحنا باب ۴ سے ہم عیسائیوں کی جنت کا تذکرہ انتخاب کرتے ہیں اور ہم اسے اپنی اردو میں تحریر کریں گے۔ انجیل کی بے تکی اردو میں نہ لکھیں گے جسے ہمارے ناظرین نہ سمجھ سکیں۔ وھوھذا

اس کے بعد میں نے نگاہ کی تو دیکھا آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے۔ پہلی آواز جو میں نے سُنی نرسنگھے کی سی تھی جو مجھ سے خطاب کرتی معلوم ہوئی اس نے کہا اوپر آ میں تجھے آج وہ باتیں دکھاؤں گا جو اس کے بعد ضروری ہوں گی۔ یہ سُنتے ہی میں روح میں جا ملا۔ میں نے ایک تخت رکھا ہوا دیکھا اور اُس پر مجھے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر پڑا۔ وہ شخص سنگ یشم او عقیق کا سا تھا۔ اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد کے مانند تھی اُس تخت کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اس تخت کے آس پاس چوبیس تخت اور تھے ان تختوں پر چوبیس بزرگ سفید لباس پہنے ہوئے دیکھے ان کے سر پر سونے کے تاج تھے۔ بجلی گرج اور آوازیں تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ تخت کے آگے روشن تھے۔ یہی چراغ خدا کی سات روحیں ہیں۔ اس تخت کے شیشے کا سمندر بلور کی طرح موجیں مار رہا تھا اور تخت کے بیچ میں اور تخت کے گرد چار ایسے جاندار تھے جن کے تمام جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ پہلا جاندار ببر کی صورت تھا اور دوسرے جاندار کی شکل بچھڑے کے مانند اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا اور چوتھا جاندار مثل اُڑتے عقاب کے تھا۔ اُن چاروں کے چھ چھ پر تھے اور چاروں طرف جسم کے ہر حصہ میں آنکھیں آنکھیں تھیں اور رات دن انھیں قدوس قدوس کہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اور وہ سب جاندار مل کے اس کی جو تخت پر بیٹھا ہے اور جو ابدالآباد تک زندہ ہے بزرگی عزت اور شکرگزاری کرتے ہیں یہ چوبیس بزرگ اُسکے آگے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے اپنے تاج اُسکے آگے ڈالدیتے ہیں اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لایق ہے کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وہ تیری ہی مرضی سے ہیں اور پیدا ہوئی ہیں۔ (۵ باب)

بیان ہوئی ہیں تو ہمیں تعجب سے دیکھنا پڑے گا کہ جو چیزیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر تو ہمیں اسی دنیا میں مل سکتی ہیں بلکہ نئی ایجادوں نے تعیش کے سامان اسقدر جمع کر دیئے ہیں جو جنت کی بہت سی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ گئے ہیں جس پہلو سے ہم غور کریں ہمیں اس یقین کرنے میں کچھ بھی تردّد نہیں ہے کہ شارع اسلام نے جنت کی حقیقت بیان کرنے میں ضرور عقول مختلفہ کا لحاظ رکھا ہے اور یہی اُس نبی معصوم کی اعلیٰ درجہ کی ہدایت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے جس کے پاسنگ بھی بڑے بڑے گزشتہ و موجودہ حکما اور فلاسفہ کی عقل نہیں ہے شراب کی ممانعت کس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب پیئے گا اُسے جنت میں شراب نہیں ملنے کی شراب پینے والا سمجھ سکتا ہے کہ چند روزہ زندگی میں شراب پی کے دائمی شراب خواری پر لات ماروں۔ عرب میں عام طور پر شراب رائج تھی اور اس خانہ خراب عرق کو معاشرت کا جزو عظیم بنا لیا تھا۔ شارع اسلام کی عاقلانہ حکمت عملی یہی تھی کہ یک لخت اُنھیں امتناعی حکم شراب کے پینے کا نہیں دیا کیونکہ انسانی فطرت کے خلاف تھا کہ صدیوں کی عادت آناً فاناً میں جاتی رہے۔ اس بارے میں جو وحی آپ کو القا ہوئی اُس کی حکمت وہی سمجھ سکتا ہے جس نے عقلائے زمانہ اور حکمائے دہر کی نصائح اور ہدایتیں سُنی ہوں اور اُس نے باہم موازنہ کر کے دیکھا ہو وہ وحی یہ تھی کہ شراب میں نفعے کم اور نقصان زیادہ ہیں۔ اس سموئی ہوئی وحی نے جس میں قوانین قدرت کا لب لباب تھا اور جس میں تمام انسانی طبائع کے اُتار چڑھاؤ کا کامل پاس و لحاظ کیا گیا تھا سُننے والوں کو مسخر کر لیا۔ اگرچہ بعض پُر جوش صحابہ سخت مصر ہوئے تھے اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ خدا سے دعا کرو کہ صاف الفاظ میں شراب حرام قرار دی جائے مگر آپ فطرت کی پوری کتاب سبقاً سبقاً پڑھ چکے تھے اور آپ ان معتدل احکام کا نتیجہ اور بے بہا اثر بخوبی جانتے تھے۔ آپ نے اس اصرار سے بھی تامل کیا اور اگر شراب کی بابت آپ میں کوئی وحی القا ہوئی تو اس کا حکم امتناعی اس سے زیادہ نہوا کہ جوا اور شراب کی ایک حالت قرار دی جائے اور اسے کار شیطان اور نجس بیان کیا جائے

چند موٹے موٹے اعتراضوں کے اُس کے کل اعتراض خواہ ملائکہ کی نسبت ہوں خواہ شیطان اور جنات کی نسبت خواہ معجزوں کی نسبت خواہ جنت و دوزخ کی نسبت سب اُسی پر پڑتے ہیں۔ پادری سیل صاحب اگرچہ اپنے کو عیسائی کہتے تھے مگر اُن کے مذہب کی نسبت جس طرح کہ بہت سے یورپیوں کو شبہ ہے ہمارا بھی ویسا ہی شک ہے اور ہم بآزادی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پادری سیل صاحب دہریے ہیں اُنھیں عیسوی مذہب سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ اگرچہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ معترض کون ہے خواہ وہ کوئی مذہبی ہو یا دہریہ ہم اُس کی خدمت کرنے کو موجود ہیں مگر یہ شرم کی بات ہے کہ عیسویت کا اقرار بھی کرتے جائیں اور دوسرے مذہب کے اُن اصول پر ٹھٹھا بھی اڑاتے جائیں جو خود اُن کے ہاں مسلم مانے گئے ہیں اور بغیر اُن کے عیسوی مذہب کو چارہ ہی نہیں ٭

جو قومیں یہ مانتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق کوئی ہے وہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہیں کہ ہمارے نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا ضرور ملے گی۔ اُن کے جزا اور سزا کا طرز بیان اسی مرز و بوم سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ آباد ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں اگر نہروں اور سرسبز باغوں یا پھل دار درختوں کی بشارت دی جاتی تو کاہے کو عام توجہ اس طرف پھرتی کیونکہ یہاں بہتے ہوئے دریا۔ جواہر نگار محل۔ تروتازہ میووں سے لدے پھندے درخت خوبصورت اور حسین لڑکیاں ہر طرف سبزہ زار۔ معتدل موسم۔ غرض کل نعمتیں حاصل تھیں جو فطرت اُنھیں دے سکتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ ربانی بخششوں کی تکمیل ہو گئی اور اب ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہمیں دی نہ جا چکی ہو اسی لحاظ سے اُنہوں نے مسئلہ تناسخ کی ایجاد کی اور یہ عقیدہ عام لوگوں میں پھیلایا کہ نیکوکار مرتے ہی اعلےٰ درجہ کی حیثیت میں پھر اسی سرزمین میں پیدا ہوں گے اور بدکار نہ صرف انسانی ارذل ترین حالت میں ظہور کریں گے بلکہ ناپاک جانوروں میں اُن کی پیدایش ہو گی۔ مطلب یہ کہ ہندوستان سے زیادہ راحت و آسایش کا مقام اُن کے خیال میں نہ آسکا اسی لئے بار بار ایک ہی جگہ مختلف صورتوں میں پیدا ہونے کی تکلیف انسان کو دیگئی ہے۔ اس لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ آیندہ زندگی کے عذاب و ثواب کا خیال جس پر بنی آدم کی کلی اصلاح کا دارومدار ہے مرز و بوم کے اختلاف سے ہر جگہہ بدل گیا ہے ورنہ اصلی حالت تو یہ ہے جو ہمارے نبی برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ وہاں کی لذتوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ روحانی لذتیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ اُس کا خیال کسی دل میں گزرا۔ اگر ہم اُن نعمتوں کے ظاہری معنی لیں جو بہشت کے متعلق

گایا اور عرض کیا تو ہی ان نہروں کو تو ڑ کیونکہ تو ذبح ہوا اور تو نے ہی اپنے لہو سے ہر فرقے اہل زبان اور ملک و قوم میں سے خدا کیواسطے مول لیا۔ (۵ باب)

پھر میں نے نظر کی تو دیکھا تو ہر ایک قوم و فرقے کے لوگ جن کا شمار ممکن نہ تھا سفید جامہ پہنے اور خرمہ کی ڈالیاں ہاتھ میں لئے اُس تخت کے آگے اور برے کے حضور کھڑے ہیں وہ غل مچا مچا کے کہہ رہے ہیں نجات ہمارے خدا کو اور اُس برے کو جو تخت پر بیٹھا ہے۔ (۱۲ باب)

اور ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے چاند کو پیروں کے نیچے دبائے ہوئے دکھائی دی اُسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا اور وہ حاملہ تھی اور درد سے غل مچاتی تھی پھر وہ ایک لڑکا جنی اُس لڑکے نے پیدا ہوتے ہی لوہے کا ڈنڈا سنبھال لیا۔ اور وہ اُسی لوہے کے ڈنڈے سے دنیا پر حکومت کرے گا۔ فقط۔

غرض ایسی ہی بے سروپا آسمانی جنت کی کیفیت یوحنا نے اپنے مکاشفات میں بیان کی ہے کہیں وحشت اور عذاب کا خوفناک رنگ دکھایا ہے کہیں جواہرات کے بچھونے بچھائے ہیں کہیں حضرت بی بی مریم کو آفتاب اُڑھا دیا ہے یہ حقیقت میں شاعرانہ خیال ہیں جن کی دراصل نہ کوئی تاویل ہو سکتی ہے نہ لحہ بھر کے لئے اُن پر کوئی یقین کر سکتا ہے۔ ایک مقام پر بہشت کی کیفیت حضرت مسیح نے بیان کی ہے کہ خدا خیمہ میں جنتیوں کے آنسو اپنی آستین سے پونچھے گا۔ سمجھنے کی بات ہے جب جنت میں بھی رونا اور زاری کرنا ہو گا پھر جنت ہی کاہے کو ہوئی اور اُس میں جسمانی و روحانی راحت کا کہاں پتہ ہے۔

خواہ کوئی پادری ہو یا عالم فاضل عیسائی بشرطیکہ مذہب عیسویت کا پابند ہو اسلام پر ہرگز اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ سوائے

کی حوروں کے نام سے اُنہوں نے بہت سے صفحے سیاہ کئے ہیں۔ ایسی باتیں درحقیقت انصاف اور تحقیق سے کچھ سروکار نہیں رکھتیں سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ حوروں کا بہشت میں ہونا اس قدر ناممکن نہیں ہے جتنا بے باپ کے پیدا ہونے۔ مر کے زندہ ہو جانے اور پھر معہ جسم آسمان پر چڑھ جانا ناممکن ہے۔ حضرت مسیح نے خوب فرمایا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا معلوم ہوتا ہے اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر دکھائی دیتا ہے۔ اسلام اور بانی اسلام کے اصلی منشا کو نہ دیکھنا اور محض تعصب مذہبی سے اعتراض کر دینا ایک شرمناک امر ہے۔

ہم نے علاوہ قرآن مجید کے اسی لئے کُل حدیثیں اور صحابہ و صالحین کے اقوال جمع کر دیے ہیں تاکہ رائے قایم کرنے والے کو آسانی ہو اور وہ سمجھ سکے کہ جہاں عام طبائع کا لحاظ رکھا گیا ہے خاص طبائع اور حکیمانہ طبائع کا بھی پاس کیا گیا ہے۔ اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ایسے اہم مسئلہ کو جس طرح اسلام نے لوگوں کے ذہن نشین کیا ہے اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ توریت میں کہیں جنت کا ذکر ہی نہیں آیا۔ انجیل میں حضرت مسیحؑ نے سوا اس کے کوئی بشارت ہی نہیں دی کہ میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیو گے۔ ادہر ہندؤں نے تناسخ کے مسئلہ سے معاشرت انسانی پر کوئی نتیجہ بخش اثر نہیں کیا کیونکہ بار بار ایک ہی دنیا میں پیدا ہونے کا خیال دن بدن پیچیدہ اور لاینحل ہوتا جاتا ہے۔ زردشتیوں نے بھی آیندہ زندگی کی جزا سوائے اس کے اور کچھ نہیں دی کہ اہورامزدا کے تخت کے ساتھ رہیں برخلاف اسلام کے کہ اس نے انسانی طبائع کے ہر پہلو کو جانچ کے اس پر بحث کی ہے۔ اور بہشت کا بیان جن پُر اثر الفاظ میں فرمایا ہے اُس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ دنیا نے دیکھا اور جو کچھ روز ہوتا ہے وہ دنیا بین طور پر دیکھ رہی ہے۔ جنت ہی کی بشارت نے اُنہیں میدان جنگ میں فتح دلوائی۔ جنت ہی کی بشارت نے اُنھیں نصف پُرانی دنیا کا مالک بنا دیا۔ جنت ہی کی بشارت نے ان سے اُس تمدن کی بنیاد ڈلوائی جس سے یورپ صدیوں تک مستفیض ہوتا رہا۔ اب بھی لاکھوں آدمی صرف جنت ہی کی خاطر اس مذہب میں روز داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسی اعلےٰ درجہ کی چیز پر جس نے یہ کارنمایاں کئے مضحکہ اُڑانا نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ خلافِ انسانیت ہے ✦

(دوزخ)

ہم چاہتے ہیں کہ دوزخ کی بابت بھی ایک بسیط بحث کریں اور بہت سی وہ حدیثیں لکھدیں جن میں جنت کی طرح دوزخ کا بیان نہایت تفصیل سے ہوا ہے۔ عیسائیوں کی دوزخ[1] میں اگرچہ بہت کچھ سامان جمع کئے گئے ہیں اور تمام

---

[1] پیشوایان دین مسیحی نے بہت طول طویل دوزخ کا بیان کیا ہے۔ اس کی موجودگی اس کی گوناگوں تکالیف اسکی مداومت کے قایل ہیں۔ اُنہوں نے اس کے نام رکھے ہیں۔ اس کے مقام کا پتہ بتایا ہے۔ اور اس کی بابت صدہا قسم کی رائیں دی ہیں جہنم کی تکالیف کے حصے کئے گئے ہیں پوپ جی روم نے جہنم کی عام تکلیف کا ذکر کیا ہے۔ پادری ایڈ مر جہنم کی تکالیف کو چودہ

بہرحال جو کچھ ہمیں بیان کرنا ہے یہ ہے کہ حضور انور احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور اوامر و نواہی میں طبائع مخلوق کا بڑا پاس رہتا تھا اور آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو قوانین قدرت اور طبع انسانی کے خلاف ہو۔

آیندہ عذاب و ثواب کی بابت آپ ان لوگوں کو کیا سمجھا سکتے تھے جن کی زندگی صدیوں سے قتل و غارت اور صحرانوردی میں بسر ہوئی ہو جنھوں نے سبزہ زار اور شیریں چشموں کی بہار بہت کم دیکھی ہو جنھیں صحرائے لق و دق میں حسین عورتوں کی مصاحبت کا اتفاق نہ ہوا ہو جنھوں نے جواہرات کے محل اور جواہرات کے خیمے یا بچھونے صرف افسانوں میں سُنے ہوں اُنھیں وہ بشارتیں نہ دی جاتیں اور صرف یہ حکیمانہ اور عاقلانہ جملہ کہہ دیا جاتا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی زبان نے اُس کی لذت چکھی نہ کسی دل میں اُس کا خطرہ گزرا اس سے اُن کا ہرگز اطمینان نہوتا اور وہ ہرگز مسلمان نہوتے۔ اُنھیں تو خرُمے کے درخت۔ میوہ دار شجر۔ بہتی نہروں۔ لطیف خوشبودار سبزہ زار باغوں۔ حسین لونڈیوں۔ اور جواہر نگار محلوں کی بشارت دینی تھی جسے اُنھوں نے اپنے ظرف کے موافق سمجھا۔ اور اپنا اطمینان کیا۔ ہمیں ایک یورپی فلسفی کا ایک جواب یاد آیا ہے جو اُس نے ایک ناواقف شخص کو جہاز میں دیا تھا۔ ایک شخص نے اُس فلسفی سے دریافت کیا تم کہاں جاتے ہو اُس نے ایک حصۂ افریقیہ کا نام لیا ناواقف نے کام کی بابت سوال کیا تو اُس نے سورج گرہن دیکھنے کا کام بتایا۔ وہ ناواقف شخص کہنے لگا تم بڑے نادان ہو کہ اتنی مصیبت جھیل کے اور اتنا روپیہ خرچ کر کے ایک بیکار چیز کو دیکھنے جاتے ہو۔ اب فلسفی سٹ پٹایا کہ اس کا اطمینان کیونکر کروں۔ اخیر بڑی دیر سوچنے کے بعد یہ جواب دیا تم نہیں جانتے اگر ہم ایسا کریں تو یہہ نفیس کپڑے جو تم پہنے ہوئے ہو تمہیں کبھی نہ ملیں یہ جہاز جس میں تم سوار ہو کبھی میسر نہو۔ یہ سُن کے ناواقف شخص بہت خوش ہوا اور کہا کہ جب یہ بات ہے تو آپ کو یہ ضرور کرنا چاہیئے۔ غرض یہ ہے کہ جب تک عقل کے پیمانہ کے مطابق نصیحت نہ کی جائے ہرگز بڑا اثر نہیں ہو سکتی۔ ناواقف جنت کے اس بیان کو واقعی سمجھکر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بہشت میں وہ چیزیں ہیں جو لذائذ نفسانیہ اور خواہشات شہوانیہ سے مملو ہیں اور اسی بناء پر وہ دعوی کرتے ہیں کہ اسلام میں روحانیت نہیں ان کی زندگی بھی ایسی اور ان کی موت بھی ایسی۔ بالکل ان کی یہی مثال ہے۔ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے اُنھوں نے اسلامی وعدے وعید کے گہرے فلسفہ کی جانچ نہیں کی اُنھوں نے نہیں سمجھا کہ کن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے اور اُن کی نگاہوں میں انتہائے آرام سوا ان چیزوں کے دوسری چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے شخص کو جس نے انگریزی تھوڑی سی پڑھی ہے ابتدائی کتابیں پڑھائی جائیں گی اور یہی ایک عاقلانہ کارروائی ہوگی۔ بجائے اس کے اگر اُسے انتہائی کتابیں پڑھائی جائیں اور مدت تک پڑھائی جائیں اُن سے سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ فایدہ نہو گا۔

نافہم معترضوں نے حوروں کے لفظ کو اعتراض کرنے کا ایک بڑا آلہ بنا لیا ہے اور اکثر تصانیف میں اسلام

پیدا کریں گے۔ سورۂ نساء میں ہے ان کے لئے بادِ سموم اور سیاہ دھوئیں کا سایہ ہوگا۔ سورۂ القارعہ میں ہے مثل زرد رنگ اونٹوں کے اُن پر چنگاریاں پھینکی جائیں گی۔ سورۂ حج میں ہے وہ آہ وزاری کریں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ تو اُن مضامین کا خلاصہ ہوا جو دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اب احادیث نبویہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن میں دوزخ کے حالات کی تفصیل کس طرح کی ہے۔ وھو ہذا۔

دوزخیوں کو تاریکیاں شاخ در شاخ آ کے گھیر لیں گی اور اُن پر شعلہ انگیز آگ چھا جائے گی آواز اور جھنجناہٹ اُن کے کانوں میں آئے گی جس میں غضب کی شدّت ہوگی۔ اُس وقت مجرموں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا اور سب لوگ گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔ اور جو لوگ بری بھی ہوں گے انھیں اپنے بُرے انجام سے خوف معلوم ہوگا دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ یہ پکارتا ہوا نکلے گا کہ فلاں شخص کا فلاں بیٹا کہاں ہے جس کا نفس دنیا میں طول امل کے باعث لیت ولعل کیا کرتا تھا اور بُرے کاموں میں اپنی عمر تلف کرنے کا عادی تھا۔ پس اُس پر لوہے کے گرز لیکے پلیں گے اور بڑی بڑی دھمکیاں دیں گے اور سخت عذاب کریں گے اور اوندھے مُنہ قعر دوزخ میں ڈال دیں گے اور کہیں گے لے مزا چکھ تو تو بڑا صاحب عزت اور صاحب وقار ہے اور اب اس گھر میں رہ جس کے کنارے تنگ۔ راہ تاریک اور مُہلک ہے۔ تجھے اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ ہمیشہ آتش خانہ بنا رہتا ہے اسکے قیدیوں کے پینے کی چیز کھولتا پانی ہے اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ آگ کے فرشتے اُن پر گُرز برسائیں گے

والٹر نے مسٹر سین سے اپنے آقا ولیم جولیس کی بابت دریافت کیا اُس نے جواب دیا کہ تم اُس ضلع کو جانتے ہو جو وولی کنبرگ اور ڈریچن فیلس کے مابین واقع ہے غرض کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ اگر وہ ضلع اور اُس کے پہاڑ لوہے کے بن جائیں اور جہاں تمہارے آقا کی روح ہے اُس مقام میں بھیج دیے جائیں تو وہ اتنے جلدی پگھل جائیں کہ تم ایک آنکھ کا اشارہ بھی نہ کر سکو۔ یعنی وہاں اتنی تیز آگ ہے۔

دوزخ کی آگ کا رنگ دُھندلا سبز ہے روشنی کا نام بھی نہیں۔ ہاں تاریکی عیاں ہے۔ دوزخ میں سردی بکثرت ہے گرمائی کا نام نہیں۔ عام طور پر دوزخ میں جو کیڑے ہیں وہ مادی نہیں ہیں۔

دوزخ کی کیفیت ایک اور پوپ نے یہ بیان کی ہے۔ ایک اتھاہ (یعنی جس کی تھاہ نہ ہو) گڑھا جہاں دوزخی تاریکی میں قید کئے جاتے ہیں اور جو دائمی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں ایک انگیٹھی روشن رہتی ہے جس کی آگ کبھی بجھنے کی نہیں جہاں دانت پیسنا اور رونا ہوتا ہے۔ جہاں سانپ بچھو کھنکھجورے۔ زہریلے جانور ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ جہاں بھوک اور زاری کو مداومت ہے اور جہاں ایک گھنٹے کی تکلیف یہاں کی ایک صدی کی جاں کندنیوں سے بھی زیادہ دردناک ہے۔ برائیوں کی دنیا۔ تمام اخلاقی اور جسمانی مصائب کا عالم ایک دائمی رات کی زمین اور غیر فانی مایوسی کا مقام ہے۔ ربانی غضب کا آتش خیز جیلخانہ جہاں نالہ وبکا کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور اگر وہاں کی آہ وزاری کی آوازوں کا دنیاوی واویلا و بکا کے غل وشور کا مقابلہ کیا جائے تو دنیاوی آوازیں اُس کے مقابلہ میں موسیقی خیز اور راحت بخش معلوم ہوں گی۔

پیشوایان دین مسیحی نے مختلف رائیں اور خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن انجیل میں دانت پیسنے رونے اور گندھک کے تیزاب میں جلنے سے عذاب دوزخ تعبیر کیا گیا ہے۔ بہرحال ہمیں اسلامی دوزخ سے بحث ہے اور ہم دکھائیں گے جس طرح جنت کی نعمتیں بیان کرکے انتہائے آسایش و آرام مُراد لی گئی ہے اسی طرح عذاب دوزخ کا بیان کرکے انتہائے عذاب روحانی مُراد لیا گیا ہے۔ وہو ہذا۔

قرآن مجید میں جہنم کی آگ کا ایندھن آدمیوں کو بنایا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں لکھا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا علیحدہ حصہ ہے۔ سورۂ رحمٰن میں دوزخیوں کے کپڑوں کا ذکر ہے جو آگ کے بنے ہوئے ہوں گے۔ سورۂ حج میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ آتش بے دود اور دودبے آتش میں لپٹے ہوئے ہونگے سابق الذکر سورت میں اُس پانی کا بھی ذکر ہے جو مثل پگھلے ہوئے پیتل کے ہوگا۔ سورۂ کہف میں آیا ہے کہ خنکی وغیرہ کی ہوا تک اُنہیں نہ لگے گی۔ سورۂ نبا میں ہے جتنی بار اُن کی کھال جل بھن جائے گی ہم ہر بار نئی کھال

قسم کا بتاتے ہیں جن میں سات روحانی اور سات جسمانی ہیں۔ سینٹ اسٹیفنس کا بیان ہے اگر کوئی شخص دوزخ کی تکالیف کو ایک نگاہ سے بھی دیکھ لے تو فوراً اُس کا دم نکل جائے اور ایک لمحہ بھی وہ زندہ نہ رہ سکے۔ دوزخ کی خاص تکالیف یہ ہیں غلامی رونا۔ دانت پیسنا۔ تاریکی۔ پریشانی۔ مایوسی۔ جنگ۔ خوف۔ کمزوری۔ کیڑے۔ شیاطین کی صحبت وغیرہ۔ ہر تکلیف پر بکثرت لوگ متعین ہیں۔ اور اُن ہی کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ گنہگار اپنے گناہوں کے مُطابق سزا دیے جائیں گے ایک ہی آگ ہے۔ لیکن وہ سب پر یکساں اثر نہیں کرنے کی۔

بعض بطریقوں کی رائے کے مطابق جہنم میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں بعض کا یہ بیان ہے کہ مکان نہیں ہیں بلکہ ایک گہری خندق ہے۔ ان ہی لوگوں کا بیان ہے اگرچہ وہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہیں مگر مکانات نہیں ہیں۔

آدم اسکاٹش کا بیان ہے کہ سودخوار کو سونا گلا کے پلایا جائے گا۔ ریورینڈ (واجب التعظیم) جے فرانس کہتے ہیں کہ جہنمیوں کو موت ضرور آئے گی مگر اُن کی موت ایسی ہوگی جیسے اُس گھاس کی جو بیل کے کھروں کے نیچے روندی جاتی ہے بظاہر وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے مگر اُس کی جڑیں پوشیدہ زمین میں باقی رہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی طرح زندہ رہیں گے اور اسی طرح مریں گے۔

بطریق جان کا بیان ہے دوزخی مرنا چاہیں گے مگر موت اُن سے بھاگے گی۔ اُنھیں چار قسم کی تکلیف سے سزا دی جائیگی شرم۔ خوف۔ مایوسی اور درد۔ اُن کی شرم پر کوئی پردہ نہوگا۔ اُن کا خوف بغیر کسی امید کے۔ اُن کی ندامت بغیر کسی فایدہ کے۔ اور اُن کا درجہ بغیر کسی رحم کے ہوگا۔

جے دوم اور ٹرٹی لین نے بار بار دوزخ کی آگ کی ایک اصلیت قبول کرکے اُس کی تپش کو سخت ہولناک بنایا ہے۔ انکا بیان ہے کہ دوزخ کی آگ گندھک اور رال سے بنی ہے۔ اور اس کے بنانے والے عذاب کے فرشتے ہیں۔ کافر اس آگ میں جلائے جائینگے جب اُن سے سوال کیا گیا کہ غیر مادی روح کیونکر جلائی جائے گی۔ تو اُنھوں نے بیان کیا کہ غیر مادی آگ سے پھر سوال کیا کہ مادی اجسام ہمیشہ تک کیونکر جل سکتے ہیں۔ جواب دیا خداوند اُن میں ایسی زندگی دے دیگا کہ وہ جلنے پر بھی تر و تازہ رہیں گے۔

مقابل میں جو باتیں کی ہوں گی اُن پر افسوس کریں گے مگر اب کیا ہوتا ہے اب تو نہ عذر سے کام چلے گا نہ پشیمانی محفوظ رکھ سکے گی غرض ہمیشہ آگ اُن کا اوڑھنا بچھونا بنی رہے گی کھانا ہوگا تو آگ - پینا ہوگا تو آگ - یعنی وہ لوگ آگ کے کپڑے اور گندھک کے کُرتے پہنیں گے - اُن کے پیروں میں وزنی بیڑیاں پڑی ہونگی دوزخ کی تنگ راہوں میں غُل مچاتے اور اُس کے طبقات میں شکستہ پھرتے - اطراف وجوانب میں اضطراب کرتے ہوں گے - آگ اُنھیں ہانڈی کے اُبال کی طرح اُبالے گی - اور وہ خرابی - تباہی - فریاد اور واویلا کا غُل مچاتے ہوں گے - ہلاکت کا لفظ نکلتے ہی اُن کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے اُن کی انتڑیاں اور کھال پگھل جائے گی اور پھر گُرزوں کی مار پڑے گی جس سے اُن کے سر چکنا چُور ہو کے مُنھ سے پیپ بہنے لگیگی - پیاس کے مارے جگر ٹکڑے ہوں گے - آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر آجائیں گے - رخساروں - ہاتھ اور پیروں کا گوشت سب جھڑ پڑے گا - اور جب جسم کی کھال جل جائے گی تو پھر نئی کھال اور بدل دی جائے گی - گوشت سے ہڈیاں خالی ہو جائیں گی اور جان صرف رگوں اور پٹھوں میں لگی رہ جائے گی - اُن کی آگ کی لپٹوں کا شور ہوگا اور وہ بھی اس حالت میں موت کی تمنا کریں گے مگر اُنہیں موت نہ آئے گی - جب تم اُن لوگوں کا حال دیکھو کہ مُنھ اُن کے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ - آنکھوں سے اندھے - زبانوں سے گونگے - ہڈیاں اور پیٹھ ٹوٹی ہوئی - ناک کان کٹے ہوئے - کھال پھٹی ہوئی - ہاتھوں کے طوق گردن میں پڑے ہوئے - پیشانی کے بالوں سے پاؤں بندھے ہوئے تو تمہیں عبرت ہوگی کہ وہ کیونکر اس حالت میں آگ پر سر کے بل چلیں گے - لوہے کے گوکھرو اپنی آنکھوں کے ڈھیلوں سے کچلیں گے - آگ کا شعلہ اُن کے اندرونی اجزا میں دوڑے گا - خارجی اجزا پر دوزخ کے سانپ بچھو لپٹے ہوں گے - فقط -

یہ حالات جو ہم نے بیان کئے محض مجمل ہیں اب ہم بالتفصیل بیان کرتے ہیں جن کی تفصیل حدیثوں میں آئی ہے - چنانچہ وہ یہ ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - جہنم میں ستر ہزار جنگل ہیں اور ہر جنگل

لگ جاتی ہے - مگر ان میں سے ایک چیز بھی دوزخ میں نہوگی - نہ دوزخ میں طلوع آفتاب ہوگا اور نہ نیند نہ شب کی شبنم اور نہ پرندوں کا شیریں گانا - ہاں اگر ہوگا تو یہ - شیطان - تاریکی - شکستہ خاطری اور مایوسی -

سینٹ امینڈس کہتے ہیں کہ دوزخی یہ غُل مچاتے ہیں - ہائے ہائے افسوس ہمارے غم پر حیف ہماری تکلیف پر جو ہمیں ہمیشہ اٹھانی پڑے گی - ہائے ہائے آہ - آہ اے مداومت تو کیا چیز ہے - ہائے ہائے تو وہ چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں - ہائے موت تجھے فنا نہیں - ہر لحہ مرنے کی آرزو ہے مگر موت نہیں آتی - ہائے ماں اور باپ اور تمام وہ لوگ جن سے ہم محبت کرتے تھے خدا اپنی رحمتیں ہمیشہ تم پر نازل کرے - اب ہمیں تمھارا دیدار کبھی نصیب نہوگا اور کبھی تم سے محبت کرنیکا موقع نہ آئیگا ہم تم سے ہمیشہ ہی کے لئے جدا ہو گئے ہیں - آہ آہ مفارقت - آہ آہ دائمی مفارقت تو کتنی پُر وحشت ہے -

آہ آہ ہم کچھ نہیں چاہتے صرف ہماری یہ خواہش ہے کہ ایک چکی کا پاٹ قایم کیا جائے جو اتنا چوڑا ہو جتنی کل زمین اور اُسکی

اور خود آگ انہیں الگ جلا بھُنا کے کباب کرتی ہے۔ اُن کی تمنا اس میں مرجانے کی ہے مگر اس سے رستگاری ناممکن ہے۔ اُن کے پاؤں سر کے بالوں سے بندھے ہوں گے اور گناہوں کی تاریکی سے مُنہ سیاہ ہوں گے ہر طرف اور ہر گوشہ میں پکاریں گے اور غل مچائیں گے اے مالک ہم سے جو وعدۂ عذاب تھا پُورا ہو چکا۔ بیڑیاں ہمیں سخت تکلیف دیتی ہیں ہماری کھال جل گئی یہاں سے نکال دے ہم اب ایسا نہ کریں گے۔ دوزخ کا داروغہ جواب دے گا بس اب امن کے دن دور ہو گئے تمہیں اس ذلت کے گھر سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ یہیں ذلیل پڑے رہو مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ اگر بالفرض تم نکال بھی دیے جاؤ گے تم اپنے کردار سے باز نہ آؤ گے اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے وہی عمل میں لاؤ گے۔ دوزخی یہ جواب سُننے سے ناامید ہوں گے اور خدائے تعالیٰ کے

جرایمی ٹیلر کا بیان ہے کہ ہر دوزخی کا جسم نہایت متعفن اور سڑا ہوا ہے بمقابلہ دس لاکھ مرے ہوئے اور سڑے ہوئے کتوں کے۔

سینٹ بینی وینٹورا کا بیان ہے کہ دوزخی کا ایک جسم تمام دنیا کو متعفن کرنے کے لئے کافی ہے۔

ڈریکزل کا بیان ہے۔ ہم دوزخ کی پوری کیفیت نہیں سمجھ سکتے فرض کرو کہ ایک شخص کو برفستانی ملک میں آدھی رات کو ایک ایسے عمیق جیل خانہ میں قید کرو جہاں برف کے ڈھیر لگے ہوں۔ تاریکی چھائی ہوئی ہو اور وہاں نہ میز ہو نہ آگ ہو نہ بچھونا ہو اور سارے دن میں اُسے ایک سوکھا ہوا روٹی کا ٹکڑا اور انڈے کے چھلکے میں سبز رنگ کا پانی کسی رسّی کے ذریعہ سے لٹکا کے پہنچا دو تو گویا یہ حالت دوزخ کی حالت سے مقابلہ کرتے ہزاروں عیش سے زیادہ ہے۔ دوزخی سب شیطان کے کمرے میں بند کر دیے جائیں گے اور ہر کمرے میں ایک ارب دوزخی ہوں گے۔ وہ اس طرح بند ہوں گے جس طرح اینٹیں آتشدان میں لگا دی جاتی ہیں یا جس طرح لکڑی کسی چھت میں چسپاں کی جاتی ہے یا جس طرح نمک بھونتے وقت مچھلی میں لگا دیتے ہیں۔ یا جیسے بھیڑ مذبح میں ہوتی ہے۔

جہنمی اپنے ہمسایہ سے نفرت کریں گے اور اُن میں باہم وہ دشمنی ہوگی کہ بس چلے تو ایک دوسرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں اور دانتوں سے بوٹیاں چبا ڈالیں۔ اولوالعزمانہ جوش۔ آرام و آسایش کی ملکہ۔ زندگی کا آفتاب دوزخ میں نام کو بھی نہ ملے گا۔ دوزخ میں محبت کا نام و نشان نہیں۔ وہ خودکشی کی آرزو کریں گے مگر اپنے کو قتل نہ کر سکیں گے۔ وہاں موت میں زندگی ہے اور ایسی موت ہے جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ اُنہیں گزشتہ حال اور آیندہ سے کوئی تسکین نہ ہوگی۔ نیند کبھی اُنہیں نہ آئے گی موسموں کا اختلاف اُنہیں محسوس نہ ہوگا۔ اُن کے پاس جنتری ہوگی نہ ستارے۔ دوزخ میں گھڑی نہیں ہے۔

برایڈ ٹینی کہتا ہے کہ ایک جہنمی یکایک اپنے مصیبت کے بستر سے سر اُٹھا کے دریافت کرے گا کہ کیا وقت ہے ایک آواز اس کے جواب میں تاریکی سے پیدا ہوگی اور کہے گی کہ مداومت۔ اگرچہ دوزخ میں کوئی گھڑی نہیں ہے پھر بھی انہیں علم اور حس کی ایک گھڑی دی جائے گی جس سے ہر وقت وہ اپنی تکالیف اور مصائب کا اندازہ کر سکیں گے۔ مریض رات بھر اپنے بستر پر کروٹیں بدلا کرتا ہے اور رات کی گھڑیاں گنتا ہے۔ اخیر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ شب نے کوچ کیا رفتہ رفتہ پو بھی پھٹنے لگتی ہے اور آفتاب بھی سامنے سے طلوع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس مریض کی تکلیف میں کسی قدر کمی آجاتی ہے اور تھوڑی دیر اُسکی آنکھ

اتنی تیزی نہیں ہے جتنی کہ دوزخ کی آگ میں ہے۔ ایک حدیث میں دوزخ کی آگ کی تصریح یوں ہوئی ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ ہزار برس جھونکی گئی یہاں تک کہ لال ہوگئی پھر جھونکی گئی یہاں تک کہ سفید ہوگئی پھر جھونکی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی ۔ اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری و مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے) دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا الٰہی میرے حصہ نے بعض کو کھالیا اُس کو اجازت ملی کہ دو سانس لے لیا کرے ایک جاڑے میں اور ایک گرمی میں پس موسم گرما میں جو تمہیں سخت گرمی معلوم ہوتی ہے یہ اُسی کے سانس کی حرارت ہے اور جاڑے میں جو شدت کا جاڑا معلوم ہوتا ہے تو اُسی کے سانس کی تاثیر ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیامت کے دن نازپروردہ دولتمند کافر کو لائیں گے اور پھر اُسے آگ میں غوطہ دیا جائے گا ۔ دو غوطوں کے بعد اُس سے دریافت کیا جائے گا بتا تو سہی تو نے دنیا میں کبھی آرام پایا تھا وہ کہے گا نہیں اور مسلمانوں میں سے جسے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف ہوگی لائیں گے اور جنت میں غوطہ دے کے کہینگے کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف اُٹھائی ہے وہ کہیگا کہ نہیں ۔

کھل گئی تھی جس کتاب میں اس نے بہت سی عجیب وغریب چیزیں پڑہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ جب میں نے روحانی گھوڑے پر سوار ہوکے دیکھا تو کھولتے ہوئے پانی کے چشمے اور پگھلے ہوئے دہات کے دریا بہ رہے تھے اور ان میں دوزخی نالہ و بکا کی صدائیں بلند کر رہے تھے ۔

ملٹن کی دوزخ چوڈ کی تہ میں واقع ہے مختصر اسکا بیان یوں کیا گیا ہے ایک جنوبی قطبی ملک آگ اور برف سے پرخوفناک اولوں اور ہمیشہ جلنے والی گندہک سے بھرا ہوا اُس کا فاصلہ آسمان سے ہمارے سلسلۂ دنیا کے تین نصف قطروں کے برابر ہے ۔ شیطان کا قد آسمان تک پہنچتا ہے ۔ چار ناری دریا کافروں کے علم الٰہی سے نکلے ہیں ۔ اس جغرافیائی صورت میں لیتہ بھی ہمزبان ہے دوسری طرف خود فراموشی کے طوفان میں ایک منجمد برف کا برّاعظم ہے ۔ یہاں تمام جہنمی تیز قدموں سے جلتی ہوئی آگ سے منجمد برف کے برّاعظم پر دوڑیں گے ۔ دوزخ کے دروازوں پر گناہ اور موت کا پہرہ ہوگا اور جن کی صورت دیکھتے ہی جہنمی اُن کی اصلی حقیقت سے واقف ہوجائیں گے ۔ دوزخ سے اس منجد برّاعظم تک ایک پُل بنا ہوا ہے جس میں فن عمارت کی عمدگی ختم ہوگئی ہے ۔ اسکے علاوہ ملٹن نے دوزخ کی تکالیف کا جو بیان کیا ہے وہ ایک اعلےٰ درجہ کا شاعرانہ ہے مگر اُسنے بہ نسبت اپنے پیشوایان دین کے دوزخیوں کو زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔

فرین کیٹلس بل کہتا ہے کہ دوزخی ایک پنجرے میں بند کیا جائیگا اور پھر اُس پنجرے میں آگ لگا دیجائیگی اور وہ ہمیشہ تک جلتی رہے گی پھر اُسی پنجرے میں اُس کے بھالے چھوڑے جائیں گے دو دیو اُسپر ہر وقت حملہ کرینگے ۔ ان دیووں کی صورت تیندوں کی سی ہوگی ۔ اُن کا جسم سانپوں کا سا ۔ اور اُن کے بازو اُس جانور کے سے ہوں گے جسکا آدہا دھڑ سیمرغ کا اور آدھا شیر کا ہوتا ہے اور اُسکا دھڑ بھی اسی قسم کے ایک جانور کا ہوگا ۔ اُن کے کاٹنے کے نشان بالکل عیاں ہوں گے ۔ یہ کتاب جسمیں دوزخیوں کی تکالیف کا بالتفصیل ذکر ہے ۱۸۶۳ء میں چھپی تھی اس کے دیباچہ میں پینا مونٹی کہتا ہے کیا تمہیں خیال ہے کہ میں نے دوزخ کی تکالیف کے بارے میں

میں ستر ہزار شعبے اور ہر شعبے میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کافر اور منافق جب تک اُن سب سے نہیں ملتا اپنے انجام کو نہیں پہنچتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وادی حُزن یا چاہ حزن سے پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جہنم کا ایک جنگل ہے جس سے جہنم ستر بار پناہ مانگتی ہے اُس کو اللہ تعالیٰ نے ریاکار قاریوں کے لئے بنایا ہے۔"

یہ حال تو جہنم کی وسعت اور اُس کے شاخ در شاخ جنگلوں کا ہے۔ اُس کے جنگلوں کا شمار دنیا کے جنگلوں کے برابر ہے۔ جہنم کے دروازوں کا شمار انسان کے سات اعضا کے موافق ہے۔ سب سے اوپر کے حصہ کو جہنم کہتے ہیں۔ دوسرا سقر۔ تیسرا لظیٰ۔ چوتھا حطمہ۔ پانچواں سعیر۔ چھٹا جحیم۔ ساتواں ھاویہ کے عمق کی کوئی انتہا نہیں۔ جس طرح دنیا کی خواہشوں کی کوئی حد نہیں۔ یعنی جس طرح کہ دنیا کی ایک حاجت پوری نہیں ہونے پاتی کہ دوسری پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح دوزخ کا ایک گڑھا تمام نہیں ہوتا کہ دوسرا اُس سے بھی گہرا آجاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ مگر ترمذی کے قول کے مطابق یہ حدیث غریب ہی) جس وقت میں نے آپ کی ہمراہی میں ایک دھما کا سنا آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہی ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے جو ستر برس ہوئے جہنم میں چھوڑا گیا تھا اِس وقت اُس کی تہ پر پہنچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر) قیامت کے دن آدمی پر دوزخ کا کمترین عذاب یہ ہوگا کہ اُسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اُس کا مغز اُبلنے لگے گا۔

ابن عبدالبر نے یہ روایت کی ہے کہ دنیا کی آگ ستر بار رحمت کے پانی سے دھوئی گئی ہے۔ اِس لئے اُس میں

موٹائی اور اونچائی اتنی ہو کہ ہر طرف سے وہ آسمان سے مس کرے اور پھر تو ایک چھوٹے سے پرند کو حکم دے کہ وہ صرف ایک ہزار برس میں ایک پھیرا کرے اور اس پاٹ میں سے رائی کے دانہ کے برابر حصہ اٹھالے اور تو ہم سے وعدہ کر کہ جب اس صورت سے یہ پرند کل پاٹ کو اُٹھالے تو ہم تمہیں دوزخ سے رہائی دے دیں گے مگر افسوس یہ بھی نہیں اور اتنی مدت کے بعد بھی ہماری رہائی ممکن نہیں۔

جو تاجر کہ اپنے ہمسایوں کے ہاتھ اپنا مال تجارت گراں قیمت میں فروخت کرتے ہیں اُن کے لئے اس قسم کی دوزخ ہوگی کہ جس کوٹھری میں وہ قید کئے جائیں گے اُس کا دروازہ صرف اتنا بڑا ہوگا کہ ایک چھوٹی سی چوہیا چلی جائے مگر جانے کے بعد وہ بھی نکل نہ سکے گی۔ اسی دردناک کوٹھری میں وہ شاعر قید کئے جائیں گے جنھوں نے کسی کی ہجو کی ہوگی اور وہ لوگ جو اپنے عالی نسب اور حسب اور جلیل القدر عہدے پر فخر کریں گے اُن کا قیام بھی اسی کوٹھری میں ہوگا۔ تمام نجومی تمام کافر اسی آتش خیز مقام میں ہمیشہ کیلئے رکھے جائینگے

سنہ ۱۶۲۰ء میں ایک کتاب شایع ہوئی تھی جس کا نام "ڈیکر کا خواب" تھا جس خواب میں ڈیکر کے آگے دوزخ کی پوری کتاب

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی) کہ دوزخیوں کو اس لئے بھوک لگے گی تاکہ انہیں عذاب کی تکلیف پوری پوری ہو پھر وہ کھانے کے لئے فریاد کرینگے تو انہیں کانٹوں کی غذا دی جائے گی جس سے نہ پیٹ بھرے نہ بھوک دور ہو۔جب وہ پختہ کھانے کی فریاد کریں گے تو کھولتا پانی لوہے کے آنکڑوں سے انکے قریب کیا جائے گا۔جوں ہی وہ منہ لگائیں گے جھلس کے کوئلہ ہوجائینگے اور جب وہ پانی پیٹ میں جائے گا تو اندرونی اعضا سب جل جائیں گے۔پھر وہ جہنم کے داروغہ کو پکاریں گے داروغہ آئے گا تو وہ کہیں گے کہ تو اپنے رب سے دعا کر کہ کسی دن ہمارے عذاب میں تخفیف ہوجائے داروغہ جواب دے گا کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزے نہیں لائے تھے وہ جواب دینگے لائے تھے داروغہ کہے گا تو پھر فریاد کیا کرو تمہاری کوئی نہ سنیگا۔پھر جہنمی اپنے رب کو پکاریں گے کہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے رب کی طرف سے جواب ملے گا تم ہمیشہ دوزخ ہی میں رہو۔یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان سب کے کہنے اور جواب پانے میں ایک ہزار برس کا عرصہ لگے گا پھر وہ اس جواب پر کہیں گے الٰہی ہم بدبختی کا شکار بن گئے۔الٰہی ہمیں اس بلا سے نکال اگر پھر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔خداوند کریم سے انہیں جواب ملے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے تم دوزخ ہی میں پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔یہ جواب سن کے دوزخی مایوس ہوجائینگے اور چیخنا غل مچانا آہ وزاری کرنا شروع کریں گے۔

میں نظر کریں گے۔بی بیاں اپنے خاوندوں کو دیکھیں گی اور خاوند اپنی بی بیوں کو نظر حسرت سے ملاحظہ کریں گے مگر ایک دوسرے کے درد کا کوئی علاج نہ کر سکے گا۔

ابی کوسنل اپنی کتاب کو اس بیان سے شروع کرتا ہے۔تمام اچھی چیزیں وسط میں رکھی جاتی ہیں۔بیج میوے کے بیچ میں ہوتا ہے۔بیت المقدس دنیا کے وسط میں آکے واقع ہوا ہے۔آفتاب ہمارے سلسلۂ عالم کے وسط میں ہے۔دوزخ ناف زمین میں ہے چوڑا راستہ بہ نسبت تنگ راستہ کے زیادہ آسان ہے فلسفی مدبران سلطنت۔شاعر۔مورخ۔مصور۔ریاضی داں بھاٹ حسین مستورات۔سب دوزخ میں جائیں گی۔

چاٹابرینڈ نے کتاب لیس مرٹاٹرس میں دوزخیوں کی تکالیف کا بیان کیا ہے لیکن اس کا رجحان زیادہ تر جسمانی تکالیف سے روحانی تکالیف کی طرف معلوم ہوتا ہے۔یہ کتاب بہت ضخیم ہے اور اس میں نہایت دلچسپی سے بیان لکھا گیا ہے جس کے چند فقرے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں "شیطان پارہ پارہ ہوکے اپنی بداعمالیوں کے بوجھ کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔موت مثل ایک سیاہ داغ کے ظاہر کی جائے گی اور پھر اسے دوزخ کی آگ میں جلا دیا جائے گا۔شعلے مارتی ہوئی آگ اس کو نابکار سیاہ کر دے گی اور اس کا نام ونشان صفحۂ ہستی پر باقی نہ چھوڑے گی۔شیطان غریبوں کی آہ وزاری پر خندہ کرے گا۔دوزخ کے عمیق غار کے وسط میں خون اور آنسوؤں کے سمندر کے بیچ میں ایک سیاہ محل بنایا گیا ہے جس پر دائمی طوفان کی آفتیں برپا رہیں گی۔ایک خشک درخت اس کے دروازہ پر لگا ہوا ہے جس پر غرور کا پھریرہ ربانی روشنی کے ساتھ اڑتا رہتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اگر مسجد میں لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ ہوں اور ایک دوزخی سانس لے تو سب کے سب آناً فاناً میں مرجائیں گے۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ آیت "تلفح وجوههم النار" سے یہ مراد ہے کہ آگ اُنہیں لپیٹ لے گی جس سے کسی ہڈی پر گوشت باقی نہ رہے گا اور تمام گوشت ایڑیوں پر گرادے گی۔

دوزخیوں کے بدن کی پیپ بہت ہی سڑاندی ہے پیپ اِسقدر بہے گی کہ دوزخی اُس میں ڈوب جائینگے اور اُسکا نام غسّاق ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا (ترمذی) کہ اگر ایک ڈول جہنم کے غساق کا دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام باشندے متعفن ہو جائیں۔ یہی دوزخیوں کو پینے کے لیئے دیا جائیگا جب اُنہیں پیاس بہت لگے گی۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی وابن ماجہ) کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر پڑے تو اہل دنیا جینے سے تنگ آجائیں تو اُن لوگوں کا حال جن کی غذا یہ ہوگی اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے۔

مبالغہ کیا نہیں بلکہ میں نے ۱/۲ حصہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس کتاب میں تصاویر بھی بنائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو کیونکر تکلیفیں پہنچائی جائیں گی۔ کسی دوزخی کے جسم میں آگ لگی ہوئی ہے اور کسی کے سانپ لپٹ رہے ہیں کسی پر فولادی آگ کے گرز پڑ رہے ہیں۔ اِس کتاب میں علیحدہ علیحدہ باب ہیں اور اُن میں خاص خاص تکالیف کا بیان ہے ایک باب میں صرف تکالیف کی تعداد اور جہنمیوں کے رہنے کے کمروں کا ذکر ہے جن میں ظالم۔ کنجوس۔ شرابی۔ کافر اور اوباش عورتیں رکھی جائیں گی۔ سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بے ایمان دوزخی ہونے کی نشانی ہے

ایلس ون کا بیان ہے کہ مجھے خواب میں ایک فرشتہ دوزخ کی سیر کرانے لیگیا جہاں اُس نے دیکھا کہ آتش کا ایک سیلاب آرہا ہے اور جتنی تکالیف کہ بہت فکر کے بعد انسان کے خیال میں آسکتی ہیں سب کی وہاں تکمیل ہوگئی ہے۔

جوناتھن ایڈورڈس کا بیان ہے کہ دوزخی جب ایک زمانہ مدید دوزخ میں گزار چکیں گے یعنی وہ زمانہ جس میں چاند سورج اور تمام سیاروں اور ستاروں کی عمر ختم ہو جائے گی اور وہ آہ وزاری کریں گے کہ اب ہمیں دوزخ سے نجات دی جائے تو انھیں یہ جواب ملے گا کہ تمہیں کوئی امید نجات کی نہ کرنی چاہیئے تمہیں ہرگز ایک لمحہ کا بھی آرام نہ دیا جائیگا اور جب تم ایسے ہزار زمانے اور طے کر لوگے تو اُس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ جتنی تکالیف تمہارے لئے خاص کی گئی ہیں اُن کا ایک لاکھواں حصہ بھی تم نے پورا نہیں کیا اب بھی وہی رونا ہے وہی درد سے غل مچانا ہے اور وہی ہائے ہائے کرنا ہے۔ تمہارے اجسام جو کروروں برس سے جل رہے ہوں گے اب بھی اُسیطرح تازے رہیں گے اور تمہیں غیر فانی عرصہ تک ان ہی اجسام پر یہ تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی۔

ایک اور پیشوائے دین مسیحی کا قول ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کو ایک تکلیف میں دیکھیں گے۔ بچّے اپنے ماں باپ کو جانکندنی

ایک حدیث میں آیا ہے (ترمذی بروایت ابوسعید) کہ قیامت کے دن کافر اپنی زبان دوزخ کے بندی خانہ میں گھسیٹیں گے اور لوگ اُسے پاؤں کے نیچے ملیں گے اور باوجود جسم کے بڑے ہونے کے آگ انھیں برابر جلاتی رہے گی۔ نئے نئے گوشت اور تازہ تازہ کھالیں دم بدم برابر بدلتی رہیں گی۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آگ دوزخیوں کو ایک دن میں ستر ہزار بار کھالیا کرے گی جب وہ کھاچکے گی تو فوراً حکم ہوگا کہ ان کی کھال تازہ ہوجائے چنانچہ کھال فوراً تازہ ہوجائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم بروایت ابن مسعود) جہنم کو اُس روز اس طرح لائیں گے کہ اُسکی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے لگے ہوں گے۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابن ماجہ بروایت یزید رقاسی) کہ دوزخیوں کو رونے کی قوت دی جائے گی وہ اتنا روئیں گے کہ آنسو نہ رہیں گے پھر خون روئیں گے یہاں تک کہ چہروں میں دراریں پڑجائیں گی ایسی کہ اگر اُن میں کشتیاں چھوڑی جائیں تو بہ نکلیں اور جبتک انھیں رونے چیخنے اور واویلا اور تباہی پکارنے کی اجازت رہے گی کچھ آرام ملتا رہے گا مگر پھر ان باتوں سے بھی روک دیے جائینگے۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوزخی پانچ بار دعا مانگیں گے چار کا تو خدائے تعالیٰ جواب دے گا جب پانچویں دعا کریں گے تو پھر انھیں بولنا نصیب نہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری بروایت ابن عمر و مسلم بروایت ابوسعید) کہ قیامت کے دن موت کو حاضر کریں گے اور اُس کی صورت سفید مینڈھے کی سی ہوگی پھر وہ مینڈھا دوزخ اور جنت کے بیچ میں ذبح کردیا جائے گا پھر اہل جنت سے کہا جائیگا کہ تم بآرام زندگی بسر کرو موت ذبح کردیگئی اور اہل دوزخ سے کہا جائیگا کہ بغیر موت کے سدا رہنا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص ہزار برس بعد دوزخ سے نکلیگا وہ میں ہی ہوں تو کیا اچھا ہو۔ ایک بار کسی نے آپ کو ایک گوشہ میں بیٹھے روتا دیکھا دریافت کیا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپنے فرمایا مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں خدائے تعالیٰ مجھے دوزخ میں ڈال دے اور پھر خبر نہو۔ فقط

کدمین نے بچوں کے بارے میں تحریر کی ہے اس کتاب میں سخت دہشناک اور دوزخ کے خوفناک عذابوں کا ذکر ہے چنانچہ لکھتے ہیں سولہ برس کی لڑکی جلتے ہوئے روشن صحن پر برہنہ پا پھرائی جائے گی اور ایک لڑکے کے گلے میں آگ کے جلتے ہوئے شعلوں کا طوق ڈالا جائے گا اور ایک شیرخوار بچہ آتشیں تنور میں سخت دردناکی سے تڑپتا اور غل مچاتا نظر آئے گا

سینٹ ٹیز کا یہ بیان ہے کہ کرۂ آفتاب ہی دوزخ ہے اور کل دوزخی مرنے کے بعد کرۂ آفتاب میں چلے جاتے ہیں جو کتاب اس شخص نے دوزخ کے بیان میں تصنیف کی ہے اُسکا نام ٹریولس ان ھیل ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے اور اس میں نہایت دلچسپ طریقہ سے حالات دوزخ بیان کئے گئے ہیں چنانچہ دوزخ کی شکل اور صورت کی نسبت یہ تحریر ہوا ہے کہ یہ ہشت پہلو

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (ترمذی) کہ جب پانی جہنمی کے پاس کیا جائے گا تو وہ اس سے ناک چڑھائے گا مگر جب اُس کے مُنھ سے لگایا جائے گا تو اُس کا مُنھ جُھلس دے گا۔ اور سر کی کھال گرا دیگا اور جب پیئے گا تو انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری بروایت ابو ہریرہ و مسلم بروایت جابر) جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے مال دیا اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہ دی تو اُس کا مال قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت بنایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اُس شخص کے گلے میں لپٹ کے دونوں باچھیں پکڑ کے کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں بُختی اونٹوں کی گردن کے برابر سانپ ہوں گے اگر وہ ایک بار کاٹیں گے تو اُس کا اثر چالیس برس تک رہے گا اور اس میں بچھو اتنے بڑے ہوں گے جیسے پالان اُن کے ڈنک کی سوزش چالیس برس تک رہے گی۔ بچھو اُن لوگوں کو کاٹیں گے جنہوں نے دنیا میں بخل۔ بدخُلقی اور لوگوں کی ایذا رسانی میں زندگی بسر کی ہوگی اور جو اِن باتوں سے دنیا میں محفوظ ہے دوزخ میں اِن زہریلے کیڑوں سے محفوظ رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کی ڈاڑھ دوزخ میں مثل اُحد کے پہاڑ کے ہوگی اور اُس کے جسم کی کھال کی موٹائی تین دن کے سفر کے برابر ہوگی۔

پولاس اپنی کتاب کورس آف ٹائم میں یہ تحریر کرتا ہے کہ دوزخ کی دیوار اتنی بلند ہے کہ امید جدّ و جہد کے بعد بھی اس پر نہیں جا سکتی غمگین صورتوں کا نشان دوزخ کی آگ میں ملے گا۔ وہ کیڑے ہوں گے جن کی خوراک انسان کے دل ہیں اور جو کبھی نہ مرینگے اس کتاب میں بھی تصویریں بنائی گئی ہیں اور دکھایا ہے کہ کیڑے کیونکر دوزخیوں کے دل کھا رہے ہیں اور وہ اِس درد سے کیونکر تڑپ رہے ہیں

دی اے ھسٹیڈ اپنی کتاب بریوا فراھلویڈی میں جو ۱۸۸۳ء میں طبع ہوئی تھی لکھتا ہے کہ اگر حق پوچھو تو یہ ہے کہ اُن کی گردن میں پھندا پڑا ہوگا اور تیس ٹکڑے جلتی ہوئی چاندی کے اُن کی ہتھیلیوں پر رکھے جائیں گے اور جب وہ اُنہیں تپش کے سبب سے پھینک دیں گے تو پھر وہ ٹکڑے اُچھل کے اُن کی ہتھیلیوں پر آپڑیں گے۔ ہم پر یہ بپتا کیوں ڈالی گئی اور یہ کب تک رہے گی بڑے بڑے پادریوں اور بطریقوں کے نالہ و بکا کی آوازیں بلند ہوں گی۔ وہ خود دریافت کرینگے کہ اے دوزخ تو کتنی دور ہے اور جو کچھ عذاب کی عجیب و غریب باتیں تیری نسبت بیان کی گئی تھیں اُن میں سے ایک بھی غلط نہیں نکلی۔

اِس کتاب میں آگے چل کے یہ بیان ہوا ہے۔ دوزخ میں گرجے بنے ہوئے ہیں۔ پادری وعظ کہنے والے ہوں گے۔ شیر خوار یا نابالغ بچے دوزخ میں نہیں ہیں۔ دوزخ میں تھیٹر بھی ہیں ناچ گھر بھی ہیں۔ کمروں میں میزوں پر طرح طرح کے ناول بھی رکھے ہوئے ہیں ڈاکخانے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ڈاکخانہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جو عرضیاں دوزخی روانہ کریں یا عذاب کی نسبت باہم خط کتابت کریں وہ پہنچ سکیں

پادری دیو رنلڈ جے نرنس نے ایک کتاب دی سائٹ اف ھیل نامی تصنیف کی ہے جس کے دیباچہ میں وہ یہ لکھتے ہیں

دل لگی تھی - دنوں بے آب ودانہ رہنا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی - غرض وہ درندے جانوروں سے کسیطرح بھی کم نہ تھے بلکہ سختی اور صحرائی مصائب برداشت کرنے میں وہ ان جانوروں سے بحیثیت انسان ہونے کے زیادہ سخت تھے - اُن کی ماتمی اور شادی کی تقریبات میں سوائے ہولناک باتوں کے اور کچھ نہیں ملتا - کسی کو قتل کر ڈالنا یا میدان جنگ میں جان دیدینا کوئی بات ہی نہ تھی - شدید سے شدید زخموں میں اُف تک نہ کرنا یہ اُن کی فطرت تھی - صدہا واقعات تواریخی موجود ہیں کہ ابتداے اسلام میں جو لوگ ایمان لے آئے تھے اُن پر کفار مکہ اس قدر سختیاں توڑتے تھے جن کا بیان اب تک کلیجہ تھرا دیتا ہے مگر اُنہیں پروا بھی نہوتی تھی اور نہ یہ سُنا گیا ہے کہ اُن سخت ترین مصائب کو برداشت کرکے اُن کے سر میں کبھی درد بھی ہوا ہو - حضرت بلال کا جانکاہ واقعہ موجود ہے کہ جب اُنہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور زمرہ غلامان نبی میں داخل ہوئے تو اُن کے آقا نے ایک جلتے ہوئے چٹان پر لٹا کے ایک وزنی پتھر اُن کی چھاتی پر رکھ دیا تھا اور کہا تھا جب تک تو اسلام سے توبہ نہ کرے گا ہرگز تجھے اس مصیبت سے رہائی نہ دیجائے گی - اُنہوں نے اس سختی کی جو محض اسلام کے لیئے اُن کے آقا کی طرف سے کی گئی ذرا بھی پروا نہ کی اور وہ اس قابل رحم حالت میں برابر کلمہ طیبہ پڑھتے رہے - آفتاب کی تیزی اور جھلستی ہوئی باد سموم کے جھکڑ زمین آگ کی طرح جلتی ہوئی اوپر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا اور پھر اپنے ارادہ اور عزم میں خفیف سی جنبش نہوتے دینا اس امر کی شہادت ہے کہ بچپن سے وہ ایسی ایسی تکالیف سہنے کے عادی تھے اخیر چوبیس گھنٹے یا دو دن اسی حالت میں گزرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے روپیہ دے کے حضرت بلالؓ کو رہائی دلوائی جب اُنہوں نے اس بلا سے خلاصی پائی - تو تکلیف کے خفیف سے آثار بھی اُن کے چہرہ پر ہویدا نہ تھے یہاں تک کہ سر میں خفیف سا درد بھی نہوا تھا - عام طور پر غرض کل عربوں کی جہاں ہمارے نبی برحق و معصوم مبعوث ہوئے تھے - یہی کیفیت تھی جو سزائیں کہ دوزخ کی بیان ہوئی ہیں وہ عام طور پر عربوں میں دی جاتی تھیں - کھولتا ہوا پانی یا گلا یا ہوا تانبا اُن پر ڈالا جاتا تھا اُنہیں کانٹوں پر بٹھایا جاتا تھا اُنہیں زہریلے جانوروں سے

سویڈن بارگ نے بڑی بسط سے بحث کی ہے اور اخیر اُس نے پولوس مقدس اور حضرت داؤد کو جہنمی قرار دیا ہے - اور جارج ثانی اور لوئیس چاردہم کو فرشتوں کے زمرہ میں شامل کردیا ہے -

گیولی مس پیری سٹن سس نے اُن شیاطین کی جو دوزخ میں متعین ہوں گے ۴۴۴۳۵۵۵۶ تعداد لکھی ہے یہ بھی لکھدیا ہے کہ حسب ضرورت اُن کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا - ان شیاطین کی خارجی شکلیں او ماندرونی حالت بھی مفصل طور پر ظاہر کی گئی ہے - اُن کے اجسام خاکی نہیں ہیں بلکہ وہ کسی قدر روحانیت کا مادہ رکھتے ہیں یا روحانی اجسام سے مشابہ ہیں جان وائر نے کئی ہزار صفحے کی ایک کتاب اسی بیان میں لکھی ہے جس میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ دنیا شیاطین کا مسکن ہے وہ لکھتا ہے کہ بہتر شہزادے شیاطین میں ہیں جن کی رعایا کی تعداد ۷۴۰۵۹۲۶ ہے - شیطان کی شکل عام طور پر بکرے سے مشابہ ہے دو سینگ آگے ہوتے ہیں اور دو پیچھے مگر وہ مینڈک میکھی اور بندر کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے - بلیک نے

یہاں تک حدیثیں اور اقوال پیشوایان دین اسلام بیان ہوئے اب ہم اس پر بحث کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اتنی سخت سے سخت تکالیف بیان کرنے کا منشاء بانی اسلام کا کیا ہے اور دوزخ کی حقیقت اخیر کیا سمجھ میں آسکتی ہے۔ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہم نے نقل کی ہیں وہ اس امر کی تہ تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں کہ دوزخ چیز کیا ہے اور اس کے عذاب ایک عاقل کی نگاہ میں کیا جچتے ہیں جس طرح شارع اسلام نے جنت کی نعمتیں ہر شخص کے مذاق کے بموجب بیان کی ہیں اسی طرح دوزخ کے عذاب ہر شخص کی عقل اور فہم کے مطابق بیان فرمائے ہیں اگر کل حدیثیں اور روایتیں صحیح بھی تسلیم کرلی جائیں تو اس سے اس زمانہ کی طبائع کا لحاظ کرکے زیادہ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ عربوں کی طبائع کی سختی اور انتہا درجہ کی درشتی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ معمولی تکالیف انہیں کچھ معلوم ہی نہ ہوتی تھیں صحرائے لق ودق کی زندگی اور سنگلاخ چٹانوں کی معاشرت نے انہیں سخت سخت مصائب کا عادی بنا دیا تھا جو غیر عرب سے کبھی برداشت نہیں ہوسکتیں اور جن کا خیال ایک متمدن قوم کے افراد کو پریشان کردیتا ہے۔ بچھونا ان کا چٹان اور تکیہ تپتا ہوا پتھر تھا۔ قتل وغارت خونریزی کی

مربع۔ گول اور مثلث نما ہے لیکن عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ دوزخ مربع شکل کی ہے۔ گو اس کا رقبہ ٹھیک طور پر نہیں معلوم۔
جب ملکہ الزبتھ مرگئی اور جیمس اول تخت نشین ہوا تو ایک آئرش پادری نے جسکا نام سیلڈن تھا گرجا میں جاکے یہ وعظ کہا۔ شاید تم یہ دریافت کرو کہ یہ باتیں کس نے بیان کیں تو تم سمجھ لو کہ اس قسم کے سوال اور ایسی باتیں گرجا میں کرنی زیبا نہیں ہیں جو ہم بیان کریں اسے حق سمجھو اور یہ نہ دریافت کرو کہ یہ باتیں ہمیں کہاں سے معلوم ہوئی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان آزمائش میں ضرور پڑے گا اور ہم نہیں خیال کرسکتے کہ اسکی کیا کیفیت ہوگی ۱/۲ سے زیادہ مخلوق یقیناً دوزخ میں جائے گی۔ تمام بڑے مصنفوں اور فلاسفہ کے لئے دوزخ کے سخت ترین طبقے تیار کئے گئے ہیں افلاطون۔ ارسطو۔ سقراط۔ ٹراجن۔ ایپک ٹیٹس یہ سب دوزخی ہیں اور دوزخ میں ان کی جگہہ تجویز کی گئی ہے۔
غالباً پچاس برس ہوئے ہوں گے کہ ڈاکٹر ایمنس ایک امریکہ کے پادری نے اس مضمون پر "کفار کی مایوسانہ حالت" ایک وعظ کہا اور انہوں نے بیان کیا کہ دہریے۔ کافر۔ موحد۔ صوفی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صرف اہل تثلیث کے لئے جنت بنی ہے۔
ڈاکٹر سیڈکس کہتا ہے کہ جہنمی وہ ہیں جو گناہ کو گناہ نہ سمجھیں اور بری باتوں کو برا نہ خیال کریں اور اسی فطرت کی بہت سی باتوں کو ملنیر فرینس کولیوتے ایک دلچسپ کتاب مشرکوں اور بت پرستوں کی آیندہ زندگی پر تحریر کی ہے اسکی اشاعت سترہ صدی کے آغاز میں ہوئی اس کتاب کا نام ڈی ایغ میبس پیگنے نورام لبری کوئنکو ہے اس کتاب میں عالمانہ بحث کی گئی ہے اور بڑے بڑے علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اس کے پورے ۹۰۰ صفحے ہیں۔ اس کتاب میں سب سے زیادہ افسوسناک مقام وہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت سرزہ سرائی کی گئی ہے چونکہ عیسائیوں کا یہ مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنی بیوی کے کہنے سے اخیر زمانہ میں بت پرستی کرنے لگے تھے اس لئے اس مصنف نے انکی بعض پیاری اور خاص بی بیوں کی فہرست دی ہے اور انہیں جہنمی قرار دیا ہے۔
ابٹی بنیٹ نے ایک کتاب صرف آیندہ زندگی پر تحریر کی ہے جس میں اسنے علانیہ حنیفتا سغورٹ۔ سینیکا تھامس کو جہنمی قرار دیا ہے

سخت غلطی ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قرآن اگرچہ خدا کا کلام ہے مگر نازل ہوا ہے انسان کی زبان اور محاورہ میں اس لئے کلام خدا کو بھی اُسی حد میں محدود ہونا پڑا جو زبان عربی کی حد ہے زبان عربی میں یا دنیا کی اور زبانوں میں جب ایسے الفاظ ہی پیدا نہیں ہوئے جو چیز کی اصلی ماہیت کو بیان کر سکیں تو پھر دوزخ اور جنت کے عذاب اور راحت کی حقیقت کیونکر بیان ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر ہم یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں سب تمثیلی ہیں اور اُن ہی سے ایک عاقل شخص قیاس کر سکتا ہی اور اپنے مذاق اور طبیعت کے موافق اسے سمجھ سکتا ہی۔ اسمیں شک نہیں کہ دنیا میں آکے اپنے خالق کو نہ پہچاننا ایک سنگین جرم ہے جس نے تمام نعمتیں اُس کے لئے مہیا کیں اُس سے روگردانی کرنا ایک ایسا جرم کبیرہ ہے جو اندازہ میں بھی نہیں آسکتا۔ ایسے شخص کے لئے روحانی عذاب ہزار دوزخوں سے زیادہ ہے کہ اُسے دیدار باری تعالیٰ نصیب نہو اور جب کہ اُس کے اور بھائی دائمی رحمت اور قادر ذوالجلال کی روشنی میں اُسکے سامنے روحانی زندگی بسر کریں اور وہ اُس سے محروم رکھا جائے۔

قرآن مجید میں جہاں دوزخ کے عذابوں کا بیان ہولناک الفاظ میں کیا گیا ہے وہاں یہ حکیمانہ مقولے بھی ہیں کہ بدکاروں کو دنیا و آخرت دونوں جگہہ فلاح نہ ہوگی۔ در اصل یہ بہت بڑا حکیمانہ قول ہے اور اس سے معقول پسند طبائع بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

عذاب و ثواب کا محسوس کرنا اور اُس سے متاثر ہونا مختلف طبائع پر موقوف ہے۔ ایک وہ شخص ہے کہ دنیا کی ذلیل ترین اور سخت ترین حالت بھی اُس کے لئے محض معمولی ہے۔ مثلاً ایسے اشخاص دکھائی دیتے ہیں

عام طور پر دوزخ کے چار حصے کئے گئے ہیں سب سے نیچے کے حصے میں جنات رکھے جائیں گے۔ اور اسی درجہ میں ان جنیوں کی روح بھی داخل ہوگی جنکے اجسام قیامت کے بعد اس میں ڈالے جائیں گے۔ دوزخ کے دوسرے درجہ کو اعراف کہتے ہیں جہاں آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے مگر کبھی کبھی اُس کی تپش کم بھی ہو جاتی ہے۔ تیسرے درجہ میں وہ بچے ہوں گے جو بپتسمہ لینے سے پہلے مرگئے ہیں چوتھے درجہ میں بڑی عمر کے لوگ داخل کئے جائیں گے تیسرے درجہ میں دوزخیوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ تل رکھنے کو جگہہ نہیں ملنے کی۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی آبادی کے ½ حصہ کی تعداد اُن بچوں کی شمار کرنی چاہیئے جو بغیر بپتسمہ لئے فوت ہوگئے

پادریوں کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ قوی اور دولتمندوں کے لئے نہیں بلکہ محض کمزوروں اور غربا کے لئے دوزخ بنائی گئی ہے وہ کہتے ہیں بے گناہی کوئی چیز نہیں ہے اور ہم اس کی حقارت کرتے ہیں۔ دوزخ مثل مکڑی کے جالے کے ہے جو بے جرم غریب مکھی کو قید کر لیتا ہے۔ کرنیل انگرسولس نے جانوروں کی کہانیوں کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں شیر کہتا ہے البتہ میں مطلق بے قصور ہوں اگر کوئی شخص میری بے جرمی کا منکر ہو تو اُسے کہو میری طرف قدم بڑھا کے دیکھ لے۔ لومڑی کہتی ہے مجھے پرندوں کے مارنے کی معافی دیگئی ہے۔ بھیڑیا کہتا ہے میں گو ایسے پر اس لئے حملہ کرتا ہوں تاکہ بھیڑ کو اُس کے قبضہ سے نجات دوں۔ بندر کہتا ہے وہ میں ہی ہوں جسے شریر کہتے ہیں۔ ایک دن میں بہت بھوکا تھا ایک بستی میں

کٹوایا جاتا تھا - جب اِس قسم کی سختیاں سہنے کے وہ پہلے ہی سے عادی تھے اور انہیں بھی وہ معمولی خیال کرتے تھے تو سمجھ ہی نہیں آسکتا کہ اگر اُن سے یہ کہا جاتا کہ روحانی تکلیف ہوگی اور خدائے ذوالجلال کی حضوری حاصل ہونے کا عذاب تمام دنیا کے عذابوں سے بڑھ جائے گا وہ کیونکر خوف کھاتے اور کونسی صورت تھی جس سے وہ راہ راست پر آتے - اور اُن میں یہ قوت کہاں پیدا ہوتی کہ وہ یورپ کو تہذیب سکھاتے اور عالم کو متمدن بناتے - اگر اُن سے جنت کی کیفیت یہ بیان کی جاتی کہ اُس کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ کسی زبان نے اُس کا مزا لیا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا اور دوزخ کی کیفیت صرف اسقدر بیان کر دیتے کہ دیدار باری نصیب نہوگا اور ایسی جگہ رہوگے جہاں اُس کے نور کی شعاعیں نہ پہنچ سکیں گی وہ کیونکر مسلمان ہوتے اور یہ حکیمانہ الفاظ اُن کے دل میں امید اور خوف کا کیا خاک نقشہ کھینچتے - یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر مخاطب کی عقل کے مطابق گفتگو نہ کی جائے تو اس سے زیادہ جنون ہو نہیں سکتا - قرآن میں جہاں دوزخ کا ذکر آیا ہے اُس سے حقیقی معنی سمجھ لینے اور یہ خیال کر لینا کہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہ عین حقیقت ہو

شیطان کو بکری کی صورت میں دیکھا تھا - اُس کا یہ بھی بیان ہے کہ شیطان سوائے فاختہ اور بھیڑ کے ہر جانور کی شکل میں حلول کر سکتا ہے - افریقہ والوں کا شیطان سفید رنگ کا ہوتا ہے اور اہل یورپ کا شیطان سیاہ رنگ کا - بوڑھا شیطان سانپ ہے جس نے حضرت آدم کو بہکا کے جنت سے نکالا تھا اسی کی اس دنیا میں حکومت ہے اور وہی اُس کا مطلق العنان حکمران ہے ہوا اور تاریکی پر بھی اُسی کا قبضہ ہے -

لیوسیفر نے شیطان کی شکل اژدہے کی بتائی ہے اور اُس کے سر پر سات تاج - دس سینگ اور بڑی لمبی چوڑی دم بیان کی ہے اُس کے دو ماتحت معتمد کام کرنے والے ہیں ایک اُن میں سے سمندر ہے جس کے اپنے آقا سے زیادہ تین تاج ہیں - یہ مینڈے کی صورت میں ظہور کرتا ہے اس کے پیر ریچھ کے اور دُم شیر کی ہوتی ہے دوسرا معتمد زمین ہے جو چوپائے کے نام سے مشہور ہے اس کے صرف دو سینگ ہوتے ہیں -

اس کے بعد لیوسیفر نے جنات کا بیان کیا ہے اور اُن کی تقسیم کر کے لکھتا ہے کہ جنات ہی میں فرشتے بھی ہیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے - اس کے سوا جنات کا ایک گروہ سمندر میں رہتا ہے جو ہمیشہ جہازوں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے ان ہی جنات میں وہ گروہ بھی ہے جو ہمیشہ لوگوں کی بصارت کھونے کسی کا مال غائب کر لینے میں لگا رہتا ہے بعض جنات بس ایسے بھی ہیں جو لوگوں کو پوشیدہ خزائن کا پتا بتا دیتے ہیں -

ڈاکٹر لوئیس ڈی مولن جو سنہ [illegible]ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا لکھتا ہے کہ میں نے انجیل مقدس سے ثابت کیا ہے کہ حضرت آدم سے لیکے ہمارے وقت تک ایک لاکھ میں سے ایک شخص بمشکل دوزخ کے عذاب سے بچا ہوگا - پروفیسر مذکور کا یہ عام اصول ہے کہ کل کا ذب جہنمی ہیں -

کیوسریو کہتا ہے کہ سات اور بارہ برس کی عمر کے بچے جنت میں جائینگے اور باقی سب جہنمی ہیں جتنی اس دنیا کی آبادی ہے وہ سب جہنمی ہے

واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرتا ہو جن باتوں کے نتائج ایسے اعلےٰ درجہ کے ہیں تو افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نئی روشنی کا شخص اُس پر مضحکہ اُڑائے اور اپنے تعصب کی رو میں جو چاہے لکھ دے۔ وہ روح نہیں جو ہم نے اخیر صفحوں میں لکھی ہیں جن میں قبر اور کیڑے گفتگو کر رہے ہیں خیالی نہیں ہیں۔ بیشک قبر تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہے اور قبر ہی تمام مصائب کا گڑھا ہے۔ اِس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قبر میں تاریکی نہوگی اور کون اسکے خلاف دلیل لا سکتا ہے کہ وہاں کیڑے نہونگے۔ یہ انسان کی اخیر حالت ہے جو بادشاہ اور فقیر کے ساتھ لازمی کر دی گئی ہے۔ مُردے پر عذاب دوزخ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے واقف کار اُس پر لعنت ملامت کریں اور اُس کی قبر پر ٹھوکر مار کے چلیں۔ روحانی عذاب تو حساب کتاب ہونے کے بعد ہی شروع ہوگا یہ اسلام کا متفق علیہ اصول ہے کہ قیامت کے دن جب سب کے اعمال کی تحقیق ہو جائے گی اُس وقت دوزخ کے جانے والے دوزخ میں جائیں گے اور جنت والے جنت میں جب تک حساب کتاب نہو گا دوزخی اور جنتی مثل حوالات اور مقامات آسایش کے اپنی اپنی جگہہ رہیں گے اور اُن سے کچھ سروکار نہو گا۔ کہاں رہیں گے ؟ اس میں اختلاف ہے اس لئے کوئی ایک رائے قایم نہیں ہو سکتی۔

بہرحال جو ہمیں دوزخ کے بارے میں لکھنا ہے وہ یہ ہے کہ نیک و بد اعمال کی ضرور سزا و جزا دیجائے گی اگرچہ اس سزا کی حالت سوائے تمثیل کے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ قدرت امداس کی مقتضی ہے کہ جن جرائم کی سزا کبھی کوئی قانون نہیں دے سکتا اُن کی بازپرس ہو۔ بہت سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے اور بہت سے جرائم ایسے ہیں جو نہ ظاہر ہو سکتے ہیں نہ اُن کی سزا کوئی قانون تجویز کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دل میں منکر خدا ہے یا دل میں کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے یا دل میں اس کا ارادہ زنا بالجبر کرنے کا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے اسکا وہ جرم جس کا دل میں ظہور ہو رہا ہے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے جب معلوم نہیں ہو سکتا تو اُس پر قانون ملکی قانون انجمن احبا قانون حکومت کا نفاذ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اب لازم یہ آتا ہے کہ جس طرح یہ جرم پوشیدگی میں کیا گیا ہے اسی طرح اس کی سزا اسی حالت میں دی جائے جسے کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ سزا سوائے آخرت کی سزا کے اور صورت سے ممکن نہیں۔ ایک شخص مطلق العنان حکمراں ہے اور اُسکی ذات تمام قسم کے قوانین سلطنت سے بری کی گئی ہے اُس کی غلط کاریوں اور بداعمالیوں کی سزا سوائے قادر مطلق کے اور کوئی شخص نہیں دے سکتا اس سے لازم آتا ہے کہ آیندہ زندگی ضرور ہو اور اُس میں یہ جزا اور سزا دی جائے۔ اِس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادر مطلق مثل معمولی آدمیوں کے کیا دنیا میں ایسے بادشاہ کو سزا نہیں دے سکتا۔ جس پر کسی قانون سلطنت کی حکومت نہو ؟ تو جواب یہی دیا جائے گا کہ قوانین قدرت کے خلاف دنیا میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ خدا تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے مگر اُس کی عادت نہیں ہے کہ اپنے کامل قوانین میں نقص ثابت کرے اور اُنہیں روزمرہ بدلتا رہے۔ یہ یقینی ہے کہ ایک بادشاہ کی نیکیاں معمولی آدمی سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوں گی اسیطرح اسکی بداعمالیوں کی ایک غریب شخص کے مقابل میں کوئی بھی ہستی نہیں ہو سکتی۔ قوانین قدرت میں جب کہ موت سے

کہ جیل خانوں میں جانا اور رہنا اُنھیں محض معمولی معلوم ہوتا ہے اور وہ ذرا بھی اس کی پروا نہیں کرتے۔ وہ بھی لوگ ہیں جو ذرا سی چشم نمائی یا الفاظی توہین سے زہر کھا کے خودکشی کر لیتے ہیں اور گوارا نہیں کرتے کہ جب عام جلسہ میں اُن کی جو توہین ہوئی وہ دنیا کو پھر منہ دکھائیں۔ بہت سی عورتیں عام طور پر بازاروں میں شرمناک پیشہ میں مبتلا دکھائی دیں گی۔ اُن کے چہروں پر تازگی ہوتی ہے اُن کی آنکھوں میں شرم نام کو نہیں ہوتی وہ اسی شرمناک حالت میں بخوشی و خرمی اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر اس طبیعت اور فطرت کی عورتوں کو عذاب دوزخ کا خوف دلایا جائے گا تو اس کے لئے وہی لفظ استعمال کئے جائیں گے جو ایک عصمت پناہ خاتون کے لئے زیبا ہیں یا دوسرے قسم کے الفاظ۔ اس بازاری عورت کو ہزار فولادی گرزوں کی مار اور لاکھ کیڑوں اور سانپوں کا اثر اتنا نہ ہو گا جتنا ایک عصمت پناہ خاتون کو یہ کہنا کہ تمہاری نیک چلنی مشتبہ ہے۔ طبائع کی اتار چڑھاؤ اور رنگ کو دیکھ کے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اور دوزخ کی نسبت بیان کیا گیا ہے اُس میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہیں اور ان حکمتوں کے نتائج بین ہیں۔ ان باتوں نے جو کچھ اثر کیا اور اُس اثر کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ عالم پر ظاہر ہے۔ خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ایک شخص بھی دنیا میں نہ دکھائی دیتا۔ اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا اور اس کی اشاعت اس کثرت سے نہ ہوتی تو ہم سوال کرتے ہیں کہ موجودہ زمانہ ہی میں خیال کرو ایک شخص بھی ایسا ہے جو مسلمان نہ ہوا اور خدائے مطلق و

جا نکلا اور وہاں میں نے چار راہبوں کی بہت گٹھیا کھال۔ پھر وہ لکھتا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں طبیب کسی ایسی چیز کو کھاتے دیکھے گا کہ وہ تمہیں جسمانی قوت پہنچانے والی ہے تو وہ غل مچا دے گا نہ کھاؤ تمہارے لیئے یہ زہر ہلاہل ہے جب خدا تمہیں وہ اعمال کرتے دیکھتا ہے جو تمہاری روحانی مرض کا باعث ہیں تو وہ کہدیتا ہے تم جہنمی ہو۔ فقط

یہاں تک ہم نے عیسائیوں کے پیشواؤں کی اُن کتابوں سے دوزخ کا بیان انتخاب کیا ہے جو صدہا برس تک یورپ میں مروج رہیں اور اب بھی مذہبی آدمیوں میں اُن کی وہی کیفیت ہے۔ ان تمام بیانات کو غور سے پڑھ کے تمثیل ہی کے طور پر کوئی شخص ایک سچا نقشہ عذاب دوزخ کا نہیں کھینچ سکتا۔ جہاں شیرخوار بچوں کے لئے ایک طبقہ دوزخ تجویز کیا گیا ہے وہاں پادریوں کی سنگدلی اور بے رحمی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرتے صرف اسی قدر لکھدینا کافی ہے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اُس میں ایک عجیب بات یہ پائی جاتی ہے کہ ہم اُس کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ خاص خاص لوگوں کا نام گنانا اور موحدین کو دوزخیوں میں شمار کرنا ایک ایسا لغو استدلال ہے کہ تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ مذہب مسیحی کی بداخلاقی اور صریح اور علانیہ نیکی سے روگردانی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے پہلو بحث کرنے کے لئے ہم نے اپنے ناظرین کے واسطے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ اُنھیں عیسائیوں اور مسلمانوں کی دوزخ کا مقابلہ کرنے میں لطف حاصل ہو۔

زندگی میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

اے نبی پاک برحق۔معصوم تیرے سارے اقوال سچّے ہیں توحقیقت میں کائنات کا سردار ہے۔ جو کچھ تونے فرمایا ہے وہ راست ہے جن کی سمجھ میں نہ آئے اُن کی فہم کا قصور ہے۔ **اے** برگزیدۂ رب الافواج تیرے حکیمانہ مقولے اختتام دنیا تک بنی آدم کی رہنمائی کریں گے تو نبیوں کا سرتاج ہی نہیں ہے بلکہ تو اُن کا سچّا محسن ہے۔ تونے آیندہ عذاب وثواب کی خبر جو کچھ ہمیں دی ہے وہ بالکل برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے جو تیری حکمت کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں جو تیری نصائح سے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں ہونے دے جو تیری ہاتیوں پر خندہ زنی کرتے ہیں کرنے دے۔ تیری ذات اطہر واقدس اِن سب باتوں سے اعلےٰ ہے۔ تیرے جلال کو ہزار آفتابوں کا نور بھی نہیں پہنچ سکتا تیرے دین کے ساکن سمندر میں یہ چھوٹے چھوٹے بادِ مخالف کے جھونکے کچھ بھی اثر نہیں کر سکتے۔

اے معصوم نبی اِس وقت ۱/۲ دنیا تیرا کلمہ پڑھتی ہے اور تیرے جلال کے سایہ کے نیچے پرورش پارہی ہے **اے** پاک محمد عربی تیری ذات سے کسی کو نسبت دینی سخت بے ادبی ہے تو کامل نور کامل سچائی اور کامل علم ہے تو خدائے عزوجل کا برحق قاصد ہے اور تیری فطرت میں تمام عالم کی نیکیاں ودیعت ہوئی ہیں +

زیادہ کوئی سخت چیز نہیں رکھی گئی ہے اور پھر شاہ کے جرم پر خیال کیا جائے تو موت کی سزا اس کے آگے کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہوا کہ اُسے روحانی سزا دی جائے اور روحانی سزا کا دیا جانا بغیر آیندہ زندگی کے ممکن نہیں۔
اِس بداہت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ روحانی تکلیف جسمانی تکلیف سے دنیا ہی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے ایک عزت دار شخص کی بے عزتی اُس کے کسی عضو ٹوٹنے سے بدرجہا تکلیف دہ ہے۔ ہزاروں آدمی ہر صدی میں ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اپنی روحانی تکلیف کا لحاظ کرتے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ غدر میں صدہا عصمت پناہ خواتین صرف اس لئے کہ غیر شخص اُن کی صورت نہ دیکھ لے کوؤں میں گر گر کے جان بحق تسلیم ہوگئیں۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے جب جسم میں ہوکے روحانی تکلیف کی یہ کیفیت ہے کہ اُس کا برداشت کرنا محالات سے ہوجاتا ہے پھر جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اُس کی کیا کیفیت ہوگی۔
لطف یہ ہے کہ آیندہ زندگی کا انکار موجودہ سائنس داں یا دہریے بھی نہیں کرتے اگرچہ انہوں نے اپنے مذاق اور محدود خیال کے مطابق آیندہ زندگی کو نئی صورت میں بیان کیا ہے اُن کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد ثواب و عذاب کوئی چیز نہیں ہے خون کی حرکت بند ہونے کا نام موت ہے اور جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو چند روز کے بعد گل سڑ کے خاک ہوجاتا ہے اور پھر مٹی میں مٹی مل جاتا ہے مگر اتنا وہ ضرور مانتے ہیں کہ ہمیں وہ کام کرنا چاہئے کہ مرنے کے بعد ہماری نسل اُس سے مستفید ہو ملک میں ترقی ہو۔ تمدن اور تہذیب بڑھے اور ہم ایک زمانہ مدید تک قوم کے سردار گنے جائیں۔ یہ آرزو بھی آیندہ زندگی کی بہت کچھ خبر دیتی ہے اور اس سے بھی ایک قسم کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو مذاہب نے پیدا کیا ہے۔ تاہم یہ خیال بالکل ہی محدود ہے اور محدود بھی ایسا کہ کم عقل سے کم عقل اور معصوم بچہ چار پانچ برس کا یہ خیال اُن سے بہتر ذہن نشین کر سکتا ہے جس طرح ایک صغیر بچہ کو اپنی آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کا کچھ خیال نہیں ہوتا اسی طرح ایک فلسفی یا دہریے کو بھی کوئی خیال نہیں اسی طرح جانور بھی اپنی آیندہ زندگی کا کوئی خیال نہیں کر سکتا اس لحاظ سے گویا دہریے ناسمجھ بچے اور جانور کی ایک حالت ہوئی ہم ایسی ذلیل حالت میں زندگی گزارنا اپنے اعلےٰ منصب انسانی کے خلاف سمجھتے ہیں ہم اس مقام سے بلند پرواز کرکے بہت بلند اُڑتے ہیں اور اس مرتبہ پر پہنچنا چاہتے ہیں جو انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ موجودہ سائنس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ انسان کائنات کا لب لباب ہے اور انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہے تو پھر کتنی افسوس کا مقام ہوگا کہ ایسی بزرگ اور اعلےٰ چیز تو بہت جلد فنا ہوجائے اور وہ چیزیں جو اُس سے ارذل ترین ہیں مدت مدید تک زندہ و سلامت رہیں۔ عقل ہرگز نہیں مانتی کہ چیل۔ گدھ اور کوّے تو کئی کئی صدی تک زندہ رہیں اور انسان ساٹھ ستر اسی برس کے بعد فنا ہوجائے۔ عقل نہیں چاہتی کہ پہاڑوں کی زندگی تو ہزاروں برس کی اور اشرف المخلوقات چشم زدن میں فنا ہوجائے نہیں انسان کی زندگی بہت بڑی زندگی ہے اور اُسکا قیام اِس دنیا اور آخرت میں دائمی مسلّم ہے۔ وہ ہماری آنکھوں سے چھپ جاتا ہے مگر ہم میں ہر وقت زندہ رہتا ہی ہماری ہر مشکل کام میں مدد کرتا ہے۔ ہمیں نصیحت کرتا ہے ہمارے فسردہ دلوں کی ڈھارس بندھواتا ہے غرض

کے اصول پر یا مذاہب کے مقرر کردہ قواعد کی رو پر تو ضرور ایک ہولناک سانحہ پیش آئے گا وہ سانحہ جس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنی تفسیر میں چونکہ جا بجا قیامت کی آیتوں پر بحث کریں گے اس لیئے اس مقام پر ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ لفظاً لفظاً کل آیتوں کو جمع کر کے اُن کا ترجمہ کر دیں بلکہ ایک انتخاب قرآن مجید کی اُن متعدد آیتوں کا کرتے ہیں جن میں قیامت کا ذکر ہے یا جو واقعات قیامت کے دن گزریں گے اُنہیں نہ صرف قرآن مجید سے بلکہ صحیح احادیث اور روایات سے بھی دہراویں تاکہ پھر ہم ایک عام رائے قائم کر سکیں۔

وہ آیات یہ ہیں۔ آسمان چرچرا جائیں گے۔ ستارے خوف کے مارے گر پڑیں گے۔ اُن کا نور جاتا رہے گا آفتاب کی دہوپ ماند پڑ جائے گی۔ پہاڑوں کو حرکت ہوگی۔ بیاہی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی جنگل کے وحشیوں میں بھاگڑ پڑے گی۔ زمین پھیلائی جائے گی۔ زمین بھونچال سے لرز جائے گی اور چاندی سونے کے تمام بوجھ نکال کے پھینک دے گی۔ پہاڑ اور زمین اُٹھا کے پٹک دی جائے گی۔ آسمان پھٹ جائیں گے اُن کی بنیادیں کھوکلی ہو جائیں گی فرشتے زمین کے کناروں پر کھڑے ہوں گے۔ خدا کا تخت بجائے چار فرشتوں کے آٹھ اُٹھائیں گے اُس دن مخلوق کی پیشی ہوگی اور کسی کا کوئی بھید چھپا نہ رہے گا۔ زمین کھوکھلی ہو جائے گی۔ پہاڑوں کو چلنے کا حکم ہوگا۔ ان میں لرزہ پیدا ہوگا اور وہ پارہ پارہ ہو جائیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ ماں اپنے شیرخوار بچہ کو پھینک دے گی۔ لوگ نشہ میں

بھیڑوں کو داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ تب بادشاہ اُنہیں جو اُس کے داہنے میں ہوں گے کہے گا اے میرے باپ کے مبارک لوگو اُس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے سے تمہارے لئے تیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ اُس وقت راستباز اُسے جواب میں کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا اور کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اُتارا یا ننگا دیکھا اور کپڑا پہنایا ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کے تیرے پاس آئے۔ تب بادشاہ اُن سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تم نے میرے اُن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ پھر وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا اے ملعونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اُس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ پھر وہ بھی جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ پھر وہ اُنہیں جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے

قیامت

جہاں دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں بعض اصول میں اتفاق ہے وہاں مسئلہ قیامت میں بھی سب کو اتفاق ہے اگرچہ مرزو بوم کے اختلاف سے واقعات کے بیان کرنے میں ہر ایک مذہب نے نرالی طرز پیدا کی ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سب کا رجحان ایک ہی جانب ہے اور کسی نے اس اہم مسئلہ کو فروگزاشت نہیں کیا۔ یہودی اس کے قایل ہیں کہ دنیا کا خاتمہ ہوگا اور مسیح پیدا ہوگا۔ عیسائی بھی اس یقین پر تلے ہوئے ہیں کہ حضرت مسیح حسب وعدہ آئیں گے اور اپنے معتقدین کو ہمیشہ کی زندگی اور آسمانی بادشاہت عطا فرمائیں گے۔ مسلمان بھی اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ امام مہدی تشریف لائیں گے اور تمام دنیا میں امن کرنے کے بعد قیامت برپا ہوگی اور خداوندی عدالت میں مخلوق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دہریے بھی موجودہ سائنس سے اس دنیا کا خاتمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور نئی نئی وجوہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہو جائے گا۔ خواہ زمین مُدار ستارے سے ٹکرا کے پاش پاش ہو جائے خواہ آفتاب کی حرارت کم ہونے سے ذی روح مخلوق فنا ہو جائے غرض یہ سب کا عقیدہ ہے کہ ایک دن وہ ہونے والا ہے کہ یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کا خاتمہ سخت ہولناک ہوگا۔ جن خوفناک الفاظ میں قرآن نے خاتمہ عالم کا احوال لکھا ہے اُن ہی الفاظ میں انجیل[۵] بھی اختتام دنیا کی گواہی دیتی ہے اور یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اتنی بڑی دنیا کا خاتمہ ہوگا خواہ علوم جدیدہ

---

۵ اناجیل میں بھی خوب زور شور سے صریح الفاظ میں قیامت کے دن کی کیفیت بیان ہوئی ہے (چنانچہ انجیل متی باب ۲۴ ورس ۲۹ تا ۳۶ لکھا ہے۔) اُن دنوں کی مصیبت کے بعد فوراً سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔ ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی۔ تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا اور اُس وقت زمین کے سارے گھرانے چھاتی پیٹیں گے اور ابن آدم کو بڑی قوت اور جلال کے ساتھ آسمان کی بدلیوں پر آتا دیکھیں گے۔ وہ نرسنگھے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کی اس حد سے اُس حد تک جمع کریں گے۔ اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو کہ جب اُس کی ڈالی نرم ہوتی اور پتے نکلتے تم جانتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب یہ سب دیکھو تو جانو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ ہی پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب کچھ ہو نہ لے۔ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائیں گے آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتوں تک کوئی نہیں جانتا جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ فقط۔

پھر ۲۵ کے باب میں یہ لکھا ہے۔

جب ابن آدم اپنے جلال سے آئے گا اور سب پاک فرشتے اُس کے ساتھ ہوں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور کل قوم اُس کے آگے حاضر کی جائے گی اور جس طرح گڈریا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا اور

روز تنازع ۔ یوم الرعب ۔ زلزلے کا دن ۔ اُلٹ دینے کا دن ۔ روز واقعہ ۔ روز قارعہ ۔ روز راجفہ ۔ روز رادفہ روز غاشیہ ۔ روز مصیبت ۔ روز طامہ ۔ روز صافہ ۔ روز تلاق ۔ روز فراق ۔ روز مساق ۔ روز قصاص ۔ روز تناد روز مآب ۔ روز عذاب ۔ روز گریز ۔ روز قرار ۔ روز لقا ۔ روز جزا ۔ روز بلا ۔ روز گریہ ۔ روز حشر ۔ روز وعید ۔ روز پیشی روز وزن ۔ روز حق ۔ روز حکم ۔ روز فصل ۔ روز جمع ۔ روز فتح ۔ روز سوالی ۔ روز عظیم ۔ روز عقیم ۔ روز عسیر ۔ روز دین ۔ روز یقین ۔ روز نشور ۔ روز مصیر ۔ روز نفخہ ۔ روز صیحہ ۔ روز رجفہ ۔ روز جنبش ۔ روز توبیخ ۔ روز نشر روز خوف ۔ روز اضطراب ۔ روز منتہے ۔ روز مادی ۔ روز میقات ۔ روز میعاد ۔ روز مرصاد ۔ روز قلق ۔ روز عرق روز افتقار ۔ روز انکدار ۔ روز انتشار ۔ روز انشقاق ۔ روز وقوف ۔ روز خروج ۔ روز خلود ۔ روز تغابن ۔ روز عبوس ۔ روز معلوم ۔ روز موعود ۔ روز مشہود ۔ یا وہ روز جس میں شک نہیں ۔ وہ روز جس میں دل کے بھیدوں کا امتحان ہو ۔ وہ روز جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں آنکھیں اوپر کو وہ روز جس دن کوئی رفیق کسی رفیق کے کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے ۔ وہ روز جس میں دوزخ کی طرف دھکیلے جائیں ۔ وہ روز کہ باپ بیٹے کے کچھ کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں آدمی اپنے باپ بھائی ماں بہن سے بھاگے گا ۔ جس روز نہ بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر کرنے کی ۔ جس روز کہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے ۔ جس روز کہ لوگوں پر آگ کا عذاب ہوگا ۔ جس روز کہ اولاد اور والدین فایدہ نہ دیں گے جس روز کہ ظالموں کا عذر اُن کے کام نہ آئے اور اُنہیں لعنت اور بُرا ٹھکانا نصیب ہو ۔ جس روز کہ عذر نا منظور ہو اور بھیدوں کی جانچ ہو اور دل کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں اور پردے کھل جائیں ۔ جس روز آنکھیں نیچی ہوں اور آوازیں ساکن اور ایک دوسرے کی طرف کم نظری ہو اور چھپی باتیں علانیہ اور خطائیں واضح ہوں جس روز بندے لے جائے جائیں ۔ اور اُن کے ساتھ گواہ اور لڑکے بوڑھے ہو جائیں تو اُس دن ترازوئیں قایم ہوں گی اور اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے ۔ دوزخ ظاہر کی جائے گی ۔ پانی گرم جوش دیا جائے گا ۔ آگ دہڑ دہڑ جلے گی ۔ کافر نا امید ہوں گے ۔ رنگ متغیر ۔ زبانیں گونگی اور ہاتھ پیر بولتے ہوں گے ہر شخص سے ایک ایک تنکے کا حساب ہوگا ۔ آسمان کے کناروں سے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور نہایت موٹے ۔ تند خو ۔ درشت فرشتے اُتریں گے اُنہیں حکم ہوگا کہ گنہگاروں کے سر کے بال پکڑ کے جبار کے سامنے پیش کرو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابو داؤد نے بروایت جابر نقل کیا ہے) کہ خدائے عز و جل کے ہاں ایک فرشتہ ہے جس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کا فاصلہ ایک برس روز کی سفر کی راہ ہے ۔ اس ڈیل ڈول کے فرشتے بھی اُس دن کی پریشانی سے شکستہ حال اور غضب جبار کو جو اُنپر عیاں ہوگا بندوں کے لئے اپنا شعار بنائے ہوں گے اُنکے اُترنے کے وقت تمام نبی اور صدیق اور نیک بندے سجدے میں گر پڑینگے اس خوف سے کہیں ہم بھی نہ پکڑے جائیں ۔ جب مقربوں کا یہ حال ہے تو گنہگاروں اور نافرمانوں پر کیا گزرے گی ۔ اُس وقت بعض لوگ شدت خوف سے فرشتوں سے دریافت کریں گے کہ

دکھائی دیں گے یہ وہ نشہ نہوگا جو کسی منشی چیز کا ہوتا ہے بلکہ ان پر خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ لوگ خدائے رب العرش کی حضوری کے لیئے نکل کھڑے ہوں گے۔ پہاڑ اُڑکے اِدھر اُدھر پریشان ہوجائیں گے۔ زمین چٹیل میدان کردی جائے گی۔ ٹیلے اور پہاڑ زمین میں کچھ نظر نہ آئیں گے جو پہاڑ اسوقت جمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ بادل کی طرح حرکت میں معلوم ہونگے۔ آسمان پھٹ کے گلابی لال چمڑے کی طرح ہوجائیں گے۔ ہر گنہگار دم بخود ہوگا۔ ماتھے لے بالوں سے گنہگاروں کے پاؤں جکڑ دیے جائیں گے ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی اپنے آگے کھڑی دیکھے گا۔ ہر شخص آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور میری بداعمالی میں فاصلہ ہوجائے۔ زبانیں گونگی ہوجائیں گی مگر ہاتھ پیروں میں گویائی ہوجائے گی۔ وہ دن ایسا ہے کہ اُس کی یاد نے سید المرسلین کو بوڑھا کردیا تھا۔ یعنی جب حضرت صدیق اکبر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اُسکی بہنوں نے بوڑھا کردیا یعنی اُن سورتوں نے جن میں قیامت کا ذکر ہے)

اس کے بعد قیامت کے جو متعدد نام ہیں وہ ہدیۂ ناظرین ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس اہم مسئلہ کا اسلام سے کتنا تعلق ہے اور اسی لئے روز قیامت پر ایمان لانا اسلام کی نشانی قرار دیگئی ہے۔ (وہ نام یہ ہیں) روز قیامت۔ روز حسرت۔ روز ندامت۔ روز حساب۔ روز محاسب۔ روز سوال۔ روز سبقت جوئی۔

پر راست باز ہمیشہ کی زندگی میں ۔ متی باب ۵ آیت ۴۶ ۔ ۳۱ (پھر مرقس کی انجیل باب ۱۲ آیت ۲۷ ۔ ۱۸) پھر صدوقی جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اُس پاس آئے اور اُنھوں نے اس سے سوال کرکے کہا اے اُستاد ہمارے لئے موسیٰ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا بھائی مرجائے اور اُس کی جورو رہے اور فرزند نہو تو اُس کا بھائی اُس کی جورو کو لیلے تاکہ اپنے بھائی کے لئے اولاد پیدا کرے اب سات بھائی تھے پہلے نے جورو کی اور بے اولاد مر گیا تب دوسرے نے اُسے لیا اور مر گیا اُس کا بھی کوئی فرزند نہ رہا اور اسی طرح تیسرے نے یوں ہی ساتوں نے اُسے لیا اور اولاد نہیں چھوڑ گئے سب کے پیچھے وہ عورت بھی مر گئی قیامت میں جب وہ اُٹھیں گے وہ اُن میں سے کس کی جورو ہوگی کیوں کہ وہ ساتوں کی جورو ہوئی تھی یسوع نے جواب میں اُنھیں کہا کہ کیا تم اس سبب سے بھول میں نہیں پڑے ہو کہ تم نہ نوشتوں کو نہ خدا کی قدرت کو جانتے ہو کیونکہ جب مُردے اُٹھیں گے تو وہ نہ بیاہ کریں گے نہ بیاہے جائیں گے بلکہ جیسے فرشتے جو آسمان پر ہیں ویسے ہوں گے ۔ اور مُردوں کے جی اُٹھنے کی بابت کیا تم نے موسیٰ کی کتاب میں نہیں پڑھا کہ خدا نے جھاڑی میں سے اُس سے کیونکر کہا کہ میں ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں وہ مُردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہے پس تم بڑی غلطی کرتے ہو۔

کا پہنچے گا کہ میرے پاس دوزخ کو لے آ حضرت جبرئیل دوزخ کے پاس آئیں گے اور اُس سے فرمائیں گے کہ اپنے مالک اور خالق کے حکم کی تعمیل کر اور حاضر حضور ہو وہ اُس وقت غیظ اور غضب میں ہوگی اور آواز سنتے ہی ہیجان میں آئے گی اور جوش کھائے گی اور مخلوق کی طرف غل مچائے گی خلقت اُس کا جوش دیکھے گی اور اُسکا غل و شور سُنے گی اور اُس کے محافظ اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے خدائے تعالیٰ کا حکم نہیں سُنا اور نافرمانی کی اُٹھیں گے لوگوں کے دل خوف اور رعب سے پاش پاش ہوں گے وہ زانو کے بل گر پڑیں گے اور پیٹھ پھیر کے بھاگیں گے کُل قومیں گھٹنے کے بل گری ہوئی نظر آئیں گی اور بعض مُنہ کے بل اوندھے گریں گے۔ نافرمان اور ظالم تباہی اور خرابی پکاریں گے کہ ہائے تباہ ہوئے ہائے مرے اور صدیق نفسی نفسی کہتے ہوں گے یہ اس حال میں گرفتار ہونگے کہ دوزخ دوسری چیخ اور مارے گی اُس وقت لوگوں کا خوف دُگنا ہو جائے گا اور قوٰے سُست ہو جائیں گے۔ اب اُنہیں اپنی گرفتاری کا علم ہو جائے گا پھر تیسری چنگھاڑ مارے گی تو لوگ مُنہ کے بل گر پڑیں گے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی رہ جائیں گی۔ بعض دزدیدہ نظروں سے دیکھیں گے اُس وقت ظالموں کے دل ٹوٹ کے گلے میں حلقہ بن جائیں گے اور سعید و بدبخت دونوں کی عقلیں بالکل زایل ہو جائیں گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء سے خطاب کر کے فرمائے گا "مَاذَا اُجِبْتُمْ" "تمہیں کیا جواب دیا۔" جب یہ سیاست اور ڈانٹ دیکھی جائے گی تو گنہگاروں پر اور بھی خوف طاری ہوگا باپ بیٹے سے بھائی بھائی سے اور شوہر منکوحہ سے بھاگیں گے اور ہر شخص کو اپنی ہی فکر ہوگی دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ پھر ہر ایک سے اُس کے کل نیک و بد اعمال کی نسبت سوال کیا جائے گا اور تمام اعضا گویا ہونگے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا دسلم قیامت کے دن کیا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا بھلا جب دوپہر کو آفتاب پر کوئی بادل چھایا ہوا ہو تو اُس کے دیکھنے میں کچھ مخالفت تم میں تو نہیں پیدا ہوتی عرض کیا کچھ نہیں آپ نے فرمایا اگر چودھویں رات کے چاند میں کوئی بادل حائل نہ ہو تو تم اُس کے دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خدائے تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کچھ شک و تامل نہ کروگے پھر خداوند تعالیٰ بندے سے ملکر اُس سے ارشاد فرمائے گا کیا میں نے تیرے اوپر اکرام نہیں کیا تھا کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا تیرا جوڑا نہیں دیا تھا گھوڑے اونٹ تیرے تابع نہیں کئے تھے تجھکو رئیس نہیں بنایا تھا بندہ عرض کرے گا یہ سب نعمتیں دی تھیں پھر فرمائے گا بھلا تجھے گمان تھا کہ مجھسے ملنا ہے وہ عرض کرے گا نہیں فرمائے گا اچھا ہم بھی تجھے بھول جاتے ہیں جیسا تو ہم کو بھول گیا۔

فرشتے دونو بازو پکڑے کھڑے ہوں گے اور خداوند تعالیٰ بالمشافہ اپنے بندوں سے سوال کرے گا کیا ہم نے تجھے جوانی کی نعمت نہ دی تھی بتا کس چیز میں اُسے برباد کیا اور کیا تجھے زندگی سے مہلت نہیں دی اُسے کس چیز میں ڈبویا مال جو میں نے تجھے دیا اُسے تو نے کیونکر صرف کیا علم کی دولت جو تجھے دی تو نے اس سے کیا عمل کیا

ہمارا پروردگار تمہیں میں ہے۔ کیونکہ اُن کا رُعب اور ہیبت کمال درجہ کی ہوگی۔ فرشتے اُن کے سوال سے کانپ اٹھیں گے کہ خدائے تعالی کی شان کو دیکھو اور اُس ذات وحدہ لاشریک کا ہم میں ہونا دیکھو۔ وہ پکار کے کہیں گے ہمارا رب پاک ہے اور وہ ہم میں نہیں مگر آگے آتا ہے تاکہ اہل زمین کا وہم دُور ہوجائے۔ اب فرشتے خلق کو چاروں طرف سے گھیر کے پرا باندھ کے کھڑے ہوں گے اور ہر شخص پر ذلت وخواری کا لباس اور صورت سے خوف وہیبت برستی ہوگی اُس وقت اللہ تعالی اپنے اس قول کو سچا فرمائے گا "فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین" یعنی سو ہمیں دریافت کرنا ہے اُن سے جنکے پاس رسول بھیجے تھے اور ہمیں دریافت کرنا ہے رسولوں سے پھر ہم اپنے علم سے اُنہیں احوال سُنائیں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔

انبیا سے سب سے پہلے پرسش ہوگی جیساکہ ارشاد خداوندی ہوا ہے "یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لاعلم لنا انک انت علام الغیوب" یعنی جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہیگا تمہیں کیا جواب دیا بولیں گے ہمیں خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا۔ اُس دن انبیا کی عقلیں چکر میں آجائینگی اور علم شدت ہیبت کی وجہ سے محو ہوجائیں گے۔ اس لئے اُن سے جب یہ سوال ہوگا کہ تمہیں جو خلق کی طرف بھیجا تھا تو اُنہوں نے کیا جواب دیا۔ انبیا کو اس سوال کا جواب معلوم تھا مگر عقل زائل ہوجائیگی اور شدت ہیبت سے یہ نہ جانیں گے کہ کیا کہیں سوائے اسکے اور کوئی جواب ہی نہ دیں گے "لاعلم لنا انک انت علام الغیوب" عقلیں پرواز کرجائیں گی۔ علوم مٹ جائیں گے۔ بجز لاعلمی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی انہیں قوت عنایت کرے گا پھر حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائیگا اور دریافت کیا جائیگا تم نے رسالت کو پہنچایا وہ عرض کرینگے ہاں پھر اُن کی امت سے پوچھا جائے گا تمہیں پیام پہنچا وہ عرض کرینگے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کو بلا کے خطاب احدیت ہوگا کیا تُنے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا سوائے معبود برحق کے بناؤ وہ اُس سوال کے جواب میں برسوں مضطرب رہیں گے۔ اس دن کی وسعت قابل غور ہے جس میں انبیاء علیہم السلام پر ایسے سوالوں کی سیاست قائم کی جائے گی پھر فرشتے آئیں گے اور ایک ایک کو پکاریں گے کہ اے فلاں شخص فلاں عورت کے لڑکے پیشی کے مقام پر حاضر ہو اس آواز سے شانے تھرا جائینگے اور اندام میں لرزہ پڑجائے گا عقلیں چکر میں آجائیں گی۔ بعض لوگ تمنا کریں گے کہ ہمیں دوزخ میں ڈالدیا جائے ہم اپنے اعمال بد محاسب کے لئے پیش نہوں اور نہ ہمارا پردہ خلق کے سامنے فاش ہو۔

سوال سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہوگا اور میدان محشر اُس نور سے چمکنے لگے گا۔ ہر متنفس کو اُس وقت یہی گمان ہوگا کہ خدائے تعالی بندوں کی بازپرس کے لئے متوجہ ہے اور ہر ایک یہی سمجھیگا کہ میرے سوا کوئی اُسے نہیں دیکھتا اور بازپرس صرف مجھی سے ہوگی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم جبار جل شانہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک سے خدائے تعالیٰ اس طرح سوال کرے گا کہ نہ کوئی حجاب ہوگا نہ کوئی بیچ میں بیان کرنے والا۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری بروایت عدی بن حاتم) تم سے ہر شخص خدائے تعالیٰ کے آگے اس طرح کھڑا ہوگا کہ تم میں اور اُس میں کوئی پردہ حایل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اُس سے ارشاد فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر انعام نہیں کیا تھا۔ کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا وہ عرض کرے گا کیوں نہیں پھر پوچھے گا کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا وہ عرض کرے گا بھیجا تھا پھر وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہی نظر پڑے گی پس چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص اُس آگ سے بچے۔ گو نصف خرمہ ہی صدقہ دے کر ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کلمہ طیبہ پڑھ کے بچے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں تم سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے سامنے اس طرح اکیلا ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کے سامنے علیحدہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم مجھ پر تجھے کس چیز نے فریب دیا اے ابن آدم تو نے جو کچھ جانا اُس پر کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اے ابن آدم کیا میں تیری آنکھ کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُس سے وہ چیز دیکھتا تھا جو تجھے جایز نہ تھی کیا میں تیرے کانوں کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُن سے ناجایز باتیں سُنتا تھا اسی طرح فرماتا جائے گا یہاں تک کہ تمام اعضا کا شمار کرے گا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے پاؤں خدائے تعالیٰ کے سامنے جنبش نہیں کھانے کے جب تک اُس سے چار باتوں کی پرسش نہ ہولے گی۔ ایک تو عمر کا حال کہ کس چیز میں گزاری۔ دوسرے علم کا حال کہ اُس سے کیا عمل کیا تیسرے جسم کا حال کہ کس چیز میں اسے مُبتلا رکھا چوتھے مال کا حال کہ کہاں سے اُس کو پیدا کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔

اس کے بعد میزان کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کا خیال قیامت کی میزان کی نسبت کیا ہے اور باطناً اُن کا اصلی منشا کیا ہے۔ اور مخلوق خدا کو کن پُر اثر الفاظ میں نیک بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جب سوال ہو چکیں گے تو آدمیوں کے تین گروہ کر دیے جائیں گے ایک تو وہ گروہ ہوگا جس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی اُن کے لئے ایک سیاہ مُنہ دوزخ سے نکلیگا اور جس طرح پرندہ دانہ چُن لیتا ہے اس طرح وہ انھیں اُٹھا کے دوزخ میں ڈال دے گی دوزخ فوراً اُنہیں نگل جائے گی۔ اُنہیں بدبختی میں پڑ کے پھر کبھی سعادت نصیب نہ ہوگی۔ دُوسرا وہ گروہ ہوگا کہ اُس کے پاس کوئی بدی نہ ہوگی پس ایک آواز آئے گی کہ جو لوگ ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوں اس آواز کو سُن کے حمد کرنے والے کھڑے ہوں گے اور جنت کو چلے جائیں گے پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ کیا جائے گا پھر اُن لوگوں کے ساتھ جنہیں خدائے تعالیٰ کی یاد سے نہ دنیا کی تجارت نے روکا ہوگا نہ بیع نے اُن پر سعادت کا حکم پکار دیا جائے گا جس کے بعد پھر بدبختی باقی نہ رہے گی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (مسلم) آپ ازخود ہنسے پھر فرمایا تم جانتے ہو میں کس چیز سے ہنستا ہوں ہم نے عرض کیا خدائے تعالیٰ اور اُس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے بندہ کا خطاب اپنے پروردگار سے یاد آیا جو یوں عرض کرے گا الٰہی تو نے ظلم سے جو مجھے پناہ دی ہے حکم ہوگا کہ ہاں ظلم نہ ہوگا وہ عرض کرے گا تو میں جب قایل ہوں گا کہ کوئی گواہ مجھی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا "کفی بنفسک الیوم حسیبا" تو ہی بس ہے آج کے دن حساب لینے والا۔ اور ساتھ ہی کرام کاتبین کی گواہی کافی ہے۔ پھر بندہ کے مُنہ پر مُہر لگا دی جائے گی اور اُس کے اعضا کو بولنے کا حکم ہوگا اعضا حکم ہوتے ہی اُسکے اعمال پورے کہدیں گے۔ پھر جب اُس کے مُنھ کی مُہر توڑ دی جائے گی تو اپنے اعضا سے کہے گا تم پر تباہی اور بربادی ہو میں تمہاری ہی طرف سے لڑتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشی کی گفتگو کرتے کیسے سُنا حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا ہے (مسلم) کہ تم میں کا ایک شخص اپنے پروردگار سے اتنا قریب ہوگا کہ وہ اپنا شانہ اُس پر رکھے گا اور پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں قصور کیا وہ عرض کرے گا کہ ہاں میں نے کیا پھر پوچھے گا تو نے فلاں فلاں خطا کی وہ عرض کرے گا کہ اللہ جل شانہٗ فرمائے گا میں نے اُن خطاؤں کو دنیا میں پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہونے دیا آج اُنہیں تیری خاطر بخشے دیتا ہوں۔

آنحضرت نے فرمایا ہے جو شخص دنیا میں کسی مومن کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کا عیب چھپائے گا۔

قیامت میں گنہگاروں کے سر کے بال پکڑ کے آگے کو کھینچیں گے اُس وقت دل دھڑکے گا عقل گم ہو جائیگی شانے تھرانے لگیں گے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ جائے گا۔ رنگ بالکل متغیر ہو جائے گا۔ شدت خوف سے عالم سیاہ معلوم ہوگا۔ ہر شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا اور صفیں چیرتا جاتا ہوگا۔ مونڈل گھوڑے کی طرح بھگاتے ہوئے مجرم کو لئے جاتے ہوں گے۔ ساری خلقت اُسکی طرف دیکھتی ہوگی یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے عرش کے سامنے لیجا کے اُسے ڈال دیں گے۔ اور اللہ جل شانہ اپنے باعظمت کلام سے یوں پکارے گا۔ اے آدم کے بیٹے مجھسے قریب ہو تو دل مضطر غمگین وخائف اور شکستہ ہے۔ اُس وقت نامۂ اعمال ہاتھ میں ہوگا جسمیں ادنےٰ سے اعلےٰ تک سب خطائیں لکھی ہوں گی۔ بہت سی بُرائیاں جو فراموش ہو گئی ہیں یاد آجائیں گی اُس وقت خجالت اور بزدلی میں انسان ڈوب جائے گا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو نے مجھ سے حیا نہ کی اور بُرائی سے میرا سامنا کیا اور میری مخلوق سے میرے مقابلہ میں حیا کی کیا میں تیرے آگے اپنے بندوں سے بھی زیادہ ذلیل ترین تھا تو نے میرے دیکھنے کی کچھ وقعت نہیں کی اور میرے سوا دوسرے کی نظر کی تجھے سدا پروا رہی۔ کیا میں نے تجھے انعام نہیں کیا تھا۔ پس کس چیز سے تجھے میرے مقابلہ میں مغالطہ ہوا کیا تو یہ سمجھتا تھا کہ میں تجھے نہ دیکھتا تھا یا تو مجھسے نہ ملیگا (یہ حدیث مذکور جسمیں صرف خلائی سراپا جسم نمائی ہے بغور پڑھنی چاہیے)

خصومت و حقوق

جس شخص پر کسی کے حقوق ہوں گے اُسے قیامت کے دن لوگ آگھیریں گے کوئی ہاتھ پکڑے گا کوئی ماتھے کے بال کوئی گریبان۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ پر ظلم کیا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھے گالی دی کوئی کہے گا تو نے میرے ساتھ تمسخر کیا۔ کوئی کہے گا تو نے میری غیبت کی۔ کوئی کہے گا تو میرا ہمسایہ تھا مجھے ایذا دی۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ سے معاملہ میں دغا کی۔ کوئی کہے گا تو نے خرید و فروخت میں مجھے لُوٹ لیا اور اپنی چیز کا عیب چھپائے رکھا۔ کوئی کہیگا تو نے اپنے اسباب کے مول بتانے میں جھوٹ بولا کوئی کہے گا تو نے مجھے حاجتمند دیکھا اور باوجودیکہ تو غنی تھا تو نے مجھے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھلایا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھے مظلوم پایا اور گو تو مجھے ظالم کے ظلم سے رہائی دلوا سکتا تھا مگر تو نے عمداً درگزر کی۔ حقدار اُس شخص کے جسم میں ناخن گڑائیں گے۔ گریبان ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیں گے پھر وہ اُن کی کثرت تعداد سے حیران و پریشان ہو گا یہاں تک کہ عمر بھر میں جس سے ایک درم کا معاملہ ہوا ہو گا یا ایک مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہو گا اور اُس کا حق کسی پر رہا ہو گا اس نے حقیر نگاہ سے کسی کو دیکھا ہو گا سب اُس کے گرد جمع ہوں گے۔ پھر وہ شخص مایوس ہو کے اپنی گردن اپنے خالق برحق کی طرف اس نظر سے کہ وہی اُن کے ہاتھ سے نجات دے۔ اُٹھائیگا اسکے جواب میں آواز جبار جل جلالہ کی یہ آئے گی " الیوم تجزیٰ کل نفس ما کسبت لا ظلم الیوم " یعنی اپنے کیئے کا ہر شخص ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ آج ظلم نہیں ہے۔ اُس وقت اُس مستغیث کا دل مارے ہیبت کے نکل پڑے گا اور اُسے اپنی تباہی کا یقین ہو جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو مفلس کون ہے لوگوں نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس روپیہ۔ پیسہ اور سامان نہو آپنے فرمایا مفلس میری امت میں سے وہ ہے کہ قیامت کے دن روزہ نماز لیکے آئے گا۔ کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی کو زنا کی تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال لیا ہوگا کسی کا خون کیا ہو گا کسی کو مارا ہو گا تو اُس کے کل حسنات اُن سب حقداروں کو جُدا جُدا دیے جائیں گے اور اگر اُسکے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اور اُس پر اخیر حکم نہوا ہو گا تو حقداروں کی خطاؤں کا بوجھ اُس پر رکھدیا جائے گا۔ پھر دوزخ میں چلا جائیگا قیامت کے دن تمام مخلوق اُٹھے گی چرند پرند۔ کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ اور اللہ تعالیٰ کا عدل اس حد تک پہنچے گا کہ بے سینگ جانوروں کا حق سینگ والے جانوروں سے دلوایا جائے گا۔ پھر فرمائے گا مٹی ہو جاؤ۔ کافر بے ساختہ بول اُٹھے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی " انک میت و انھم میتون ثم انکم الی یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون " یعنی بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر قیامت کے دن تم اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ گناہوں کے ساتھ کیا ہم پر وہ معاملے بھی اضافہ کئے جائینگے جو دنیا میں ہمارے آپس میں ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بے شک یہ معاملے بھی جھگتنے پڑیں گے۔ یہاں تک کہ

تیسری قسم میں وہ لوگ ہوں گے اور اُن کی تعداد دونوں گروہوں سے بڑھی ہوئی ہوگی جنھوں نے نیک و بد دونوں عمل کیئے ہوں گے وہ خود تو نہ جانتے ہوں گے مگر خدائے تعالیٰ کے علم میں بہت کچھ ہوگا آیا اُن کی نیکیاں زیادہ ہیں یا بدیاں مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ انہیں بھی حقیقت حال بتائے تاکہ معاف کرنے کے وقت اُسکا فضل اور سزا دینے کے وقت اُسکا عدل ظاہر ہو۔ اسی لئیے وہ نامۂ اعمال جن میں نیکیاں اور بدیاں ہوں گی اُڑائے جائینگے اور ترازو کھڑی کی جائیگی۔ اور لوگوں کی آنکھیں نامۂ اعمال کو لگتی ہوں گی کہ دیکھئیے داہنے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ یا بائیں ہاتھ میں۔ پھر ترازو کے کانٹے کی طرف نظر دوڑائیں گے کہ نیکیوں کی طرف جھکتا ہے یا بدیوں کی طرف یہ وقت حقیقت میں بڑے خوف کا ہے جس سے کسی کی بھی عقل درست نہ رہے گی۔

حضرت حسن بیان کرتے ہیں (ابوداؤد) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد تین مقام پر اپنے گھر والوں کو آخرت میں یاد کریں گے ایک تو اُسوقت جب ترازوئیں کھڑی کی جائیں اور عمل تلنے لگیں یہاں تک کہ آدمی دیکھ لے کہ میری ترازو ہلکی ہوئی یا بھاری اور ایک نامۂ اعمال کے اُڑنے کے وقت حتیٰ کہ اُسے نظر آجائے کہ میرا نامہ داہنے ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں اور ایک پُل صراط پر۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آدمی کو قیامت کے دن لا کے میزان کے دونو پلڑوں کے بیچ میں کھڑا کریں گے اور اُس پر ایک فرشتہ مقرر رہے گا اگر اُس کا پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ پکارے گا کہ فلاں شخص ایسا بدبخت ہوا ہے کہ کبھی سعید نہوگا اور نیکی کے پڑلے کے ہلکے ہونے کی صورت میں دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز ہاتھ میں لئیے ہوئے اور آگ کے کپڑے پہنے ہوئے دوزخ کے لوگوں کو دوزخ میں لے جائیں گے۔ اور بدی کے پڑلے کے ہلکے ہونے کی وجہ سے پکارے گا کہ تو سعید ہوا اور ایسا سعید ہوا جسے شقاوت پھر نصیب نہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو پکارے گا اور ارشاد کرے گا اے آدم کھڑا ہو اور جتنے آدمی دوزخ میں جانے کو ہیں اُنھیں بھیج حضرت آدم کہیں گے الٰہی وہ کتنے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ فی ہزار نوسو ننانوے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سُنا تو نہایت غمگین ہوئے یہاں تک کہ اُن کی صورت سے رقت کے آثار ہویدا ہو گئے۔ جب آنحضرت نے صحابہ کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا (بخاری و مسلم بروایت ابوسعید) تم نیک عمل کرو اور خوش ہو۔ اِس لئیے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ تمہارے مقابلہ میں وہ مخلوق ایسی ہے کہ اُن سے تم بدرجہا بہتر ہو۔ تم آدم کی اولاد ہو اور وہ شیطان کے بچے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کونسی قومیں ہیں آپ نے فرمایا کہ یاجوج و ماجوج ہیں۔ یہ سُن کے صحابہ بہت خوش ہوئے پھر آپ نے فرمایا تم عمل کرو اور خوش ہو۔ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم لوگ قیامت میں ایسے ہوگے جیسے اونٹ کے پہلو میں سفید داغ ہوتا ہے۔ یا گھوڑے وغیرہ کی آنکھ میں تل ہوتا ہے۔

پُل صراط

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "فاهدوهم الی صراط الجحیم وقفوهم انهم مسئولون" یعنی پھر چلاؤ اُنکو دوزخ کی راہ پر اور کھڑا رکھو اُنہیں اُن سے پوچھنا ہے۔ احوال مذکورہ بالا کے بعد صراط کی طرف بیجائینگے وہ ایک پُل ہے جو دوزخ کے اوپر بنا ہے تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ پس جو شخص دنیا میں راہ راست پر سیدھا رہے گا وہ آخرت کے پُل صراط پر آسانی سے گزر جائے گا اور نجات پائے گا۔ اور جو راہ مستقیم سے روگردانی کرے گا اُس کی پشت گناہوں کے وزن سے بھاری ہوگی وہ پُل صراط کے اول ہی قدم میں لغزش کرے گا اور ہلاک ہوجائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) پُل صراط دوزخ کے بیچ میں رکھا جائے گا اور جو شخص رسولوں میں سے اپنی امت کو ساتھ لیکے اُترے گا وہ میں ہونگا اور اُس روز سوائے رسولوں کے اور کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہوں گے اللھم سلم اللھم سلم۔ الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ اور دوزخ میں کانٹے سعدان[۱] کے کانٹوں کی شکل کے ہوں گے۔ بھلا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں آپنے فرمایا کہ ہوں گے تو اُسی شکل کے مگر کتنے بڑے ہوں گے۔ سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ آدمیوں کو اُن کے اعمال کے موافق آ جھپٹینگے۔ پس بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہی ہوجائیں گے اور بعض بچ رہنے کے رائی جیسے ہوجائیں گے۔ اور پھر بچ جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے (بخاری ومسلم باختلاف الفاظ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی دوزخ کے پُل پر گزریں گے۔ اور اُس پر گوکھرو کے کانٹے اور آنکڑے ہوں گے کہ لوگوں کو دہنے اور بائیں لپٹینگے اور اُس کی دونوں طرف فرشتے کہتے ہوں گے الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ پس بعض لوگ تو مثل بجلی کے گزریں گے اور بعضے ہوا کی طرح بعضے دوڑتے گھوڑے کی طرح اور بعضے بھاگتے ہوئے جائیں گے بعضے گھٹنوں کے بل اور بعضے چوتڑیوں چلیں گے اور دوزخ کے لوگ جو اُس میں رہیں گے وہ نہ مریں گے نہ جئیں گے مگر جو لوگ گناہوں اور خطاؤں میں پکڑے جائینگے وہ جلکر مثل کوئلہ سیاہ ہوجائیں گے پھر شفاعت کی اجازت ہوجائے گی۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے نقل کیا ہے) اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں غرض سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ چالیس برس تک آسمان کی طرف آنکھیں کیئے کھڑے رہیں گے اور فیصلہ کے حکم کے منتظر رہیں گے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود نے ایمانداروں کے سجدے کے وقت تک بیان کیا اور فرمایا پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم کرے گا اپنے سر اُٹھاؤ (پھر اُٹھائیں گے پس اُن کے اعمال کے موافق نور عطا ہوگا۔ بعض کو تو بڑے پہاڑ کے مطابق نور ملے گا اور اُن کے سامنے سامنے

---

[۱] سعدان ایک قسم کی گھاس ہے جسے اونٹ بہت چبا چبا کے کھاتا ہے۔ اسکا کانٹا پستان کی شکل کا ہوتا ہے۔

سب حقداروں کو اُن کا حق دلوایا جائے گا۔ حضرت زبیر نے عرض کیا کہ بخدا پھر تو بڑا سخت معاملہ ہے پس ایسے دن کی کتنی سختی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگزر نہ ہو گی۔ نہ طمانچہ نہ لقمہ اور نہ کلمہ سے چشم پوشی کی جائے گی یہانتک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لے لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے "یحشر اللہ العباد عراۃ غرلا بھما" یعنی اللہ تعالی بندوں کا حشر ننگے۔ بے ختنہ مفلس اور غیر مریض حالت میں کرے گا۔ عرض کیا کہ "بھما" سے کیا غرض ہے۔ آپ نے فرمایا اُن کے پاس کچھ نہو گا۔ پھر اُن کا پروردگار ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور اور نزدیک والے سب یکساں سُنیں گے اور ارشاد باری تعالی ہو گا میں بدلہ لینے والا شہنشاہ ہوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی اگر اس پر دوزخی کا کوئی حق ہو بغیر حق ادا کئے جنت میں جائے نہ کوئی دوزخی دوزخ میں جاسکتا ہے جب تک جنتی کا حق نہ ادا کرے حتّٰی کہ طمانچہ کا بھی ہم نے عرض کیا کہ یہ عوض کس طرح ہو گا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حضور بے ختنہ کئے ننگے اور مفلس حاضر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نیکیوں اور بدیوں سے عوض دلایا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم (ابن ابی الدنیا وحاکم در مستدرک) ایک دن تشریف رکھتے تھے کہ یکایک آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ پر یا رسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں کس بات سے ہنسی آئی آپ نے فرمایا کہ دو شخص میری امت میں سے خدائے تعالےٰ کے آگے دو زانو ہوئے اور ایک نے جناب الٰہی میں عرض کیا الٰہی میرا حق اس میرے ساتھی سے دلا دے۔ خدائے تعالیٰ نے دوسرے سے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق دیدے اُس نے عرض کیا الٰہی میرے گناہ اس شخص پر ڈالدے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رونے لگے۔ پھر فرمایا یہ دن بہت بڑا ہے اس دن آدمی اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی اُنکی طرف سے اُن کے گناہ اپنے ذمہ کرلے۔ پھر فرمایا باری تعالی کا طالب سے ارشاد ہوا کہ اپنا سر اُٹھا کے جنت میں دیکھ اُس نے سر اُٹھایا اور عرض کیا الٰہی مجھے چاندی کے شہر بلند اور سونے کے محل موتیوں میں جڑے معلوم ہوتے ہیں۔ بارخدایا یہ کون سے نبی کے ہیں یا کون سے صدیق کے یا کس شہید کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محلات اُس کے ہیں جو انکا مول ادا کرے اُس نے عرض کیا اُن کے مول کا مالک کون ہے کس سے دیا جاسکتا ہے۔ فرمایا اُن کا مول تیرے پاس ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق معاف کرنا اُس نے عرض کیا الٰہی میں نے اُسے معاف کیا۔ حکم ہوا اس کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اللہ تعالیٰ ایمانداروں میں خوب میل کراتا ہے۔

ہیں ہوا میں جا کے مل گئے ۔ اور جو ذرّے راکھ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں وہ بھی بجلد یا بدیر کسی دوسری صورت میں جلوہ دیں گے ۔ اس سے علوم جدیدہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ در اصل کوئی چیز فنا نہیں ہوسکتی ۔ ہاں ہیئت بدلجاتی ہے اور ہیئت بدل جانے کا نام فنا رکھا گیا ہے ۔

انسان کی پیدائش پر اگر نظر غایر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بظاہر ایک شخص ایک شہر میں پیدا ہونے سے اُسی شہر کے نام سے منسوب ہوجاتا ہے ۔ اُسے کسی خاص شہر کا کہنا غلطی ہے کیونکہ وہ درحقیقت دنیا کا باشندہ ہے اور اسکے لئے دنیا کا باشندہ ہونا زیبا بھی ہے ۔ کیونکہ اُسکی زندگی اور صحت دنیا کے دُور و دراز حصص کی اُن اشیا سے بنی ہوئی ہے جو وہ شب و روز اپنے استعمال میں لاتا ہے وہ نہ صرف اپنی شہر کی جہاں وہ پیدا ہوا ہے بلکہ دوسرے شہروں اور بیرونی ممالک کی اشیا ر اپنے استعمال میں لاتا ہے ۔ وہ بمبئی کے پیوندی آم بھی کھاتا ہے ۔ عرب کی کھجوریں بھی استعمال کرتا ہے ۔ وہ لندن کی خوردنی اشیا رکھاتا ہے ۔ وہ ترکی اور روس کی بکثرت اشیار خوردنی اپنے کام میں لاتا ہے ۔ ان سب چیزوں سے اس میں خون پیدا ہوتا ہے اور اُس خون سے پھر دُوسرا آدمی اُسی کی پشت سے پیدا ہوتا ہے ۔ اب خداوند تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ ایک انسان کو اُس نے دنیا بھر کے مادّے جمع کرکے بنایا تو پھر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اس میں تمام دنیا کے جوہروں کے جمع کرنے کی قدرت ہے تو یہ قدرت بھی ضرور ہونی چاہیئے کہ جب وہ ذرّے جن سے انسان مرکّب ہے پراگندہ ہوجائیں تو اُنہیں جب چاہے ایک جگہ جمع کرلے ۔ اس میں اس لیئے زیادہ تعجب کی ضرورت نہیں ہے کہ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے یہ تماشہ ہو رہا ہے ۔

اب یہ امر کہ قیامت کی کوئی مدت قرار دینا اور صُور کی بابت بحث کرنا فضول ہے ۔ دنیا کی تاریخ اور علم ہیئت سے جو لوگ واقف ہیں وہ اِس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ دنیا ایک نہ ایک دن مٹ کے رہے گی صُور کا پُھکنا اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کے نابید ہونے سے ایک زلزلۂ عظیم پیدا ہوگا جس کا اندازہ کبھی نہیں ہوسکتا یہاں بھی صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے ۔ مسلمان صُور کہتے ہیں ۔ علوم جدیدہ کے ماہر مدار ستارے سے ٹکرانا بیان کرتے ہیں غرض خاتمۂ دنیا دونوں خیالات کے بموجب مسلّم ہے ۔ صرف تبدیل الفاظ پر گفتگو کرنی اور کسی خاص محاورہ پر مضحکہ اُڑانا شان تحقیق و تصنیف سے مُستبعد ہے ۔ اس میں کلام نہیں کہ ہم قوانین قدرت کی الف بے تک ابھی تک نہیں پہنچے ۔ علوم جدیدہ کے اصول کی روزروز کی تبدیلی اس امر کی شہادت ہے کہ اصلی معاملہ ابھی ہم سے بہت دُور ہے ۔ زلزلہ یا بھونچال ایک معمولی بات ہے ۔ اُس کے سبب حدوث کو علوم جدیدہ ابھی تک نہیں پاسکے اور روزمرّہ نئے نئے اصول بنائے جاتے ہیں اور روزمرّہ پھر اُن میں ترمیم ہوتی ہے ۔ علوم جدیدہ کا باوا آدم سر اسحٰق نیوٹن صاف طور پر اقرار کرتا ہے کہ قوانین قدرت کا جسقدر علم ہمیں ہے اُس کی بعینہ یہی مثال ہے کہ ہم ایک بحر بے پایاں کے کنارے تک پہنچے ہیں اور اُسے عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ یہ تو خدا جانتا ہے کہ آخیر میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے مگر زمانہ کی موجودہ حالت سے صاحب بصیرت یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ جن اصول کے قایل اور ماننے والے ابتدائے دنیا سے کروڑوں آدمی چلے آتے ہیں اُن اصول کو شکست دینا ایک

چلے گا اور بعض کو اُس سے کچھ کم ملے گا۔ اور بعض کو خرمے کے درخت کے برابر ملے گا۔ اور بعض کو اُس سے بھی کم یہاں تک کہ اخیر ایک شخص کو پاؤں کے انگوٹھے پر نور عنایت ہوگا۔ وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہو جائیگا۔ جب چمکے گا تو وہ پاؤں بڑھائے گا۔ اور جب گل ہو جائے گا تو کھڑے کا کھڑا رہ جائے گا۔ پھر پل صراط پر گزرنے کا ذکر فرمایا کہ اپنے نور کے موافق اُس پر گزریں گے بعض تو چشم زدن میں گزر جائیں گے اور بعض بجلی کی طرح اور بعض بادل کی طرح اور بعض ٹوٹتے ہوئے ستاروں کی طرح۔ بعض ہوا کے مانند۔ بعض دوڑتے ہوئے گھوڑے کے مانند بعض بھاگتے ہوئے آدمی کے مانند یہاں تک کہ جس شخص کے پاؤں کے انگوٹھے پر نور ملا ہوگا وہ اپنے منھ اور دونوں ہاتھ پاؤں پر گھسٹتا چلے گا۔ ایک ہاتھ بڑھائے گا تو دوسرا رہ جائے گا۔ اسی طرح ایک پاؤں بڑھانے سے دوسرا نہ اُٹھ سکے گا۔ اُسکے دونو پہلوؤں پر آگ لگتی ہوگی۔ غرض اسی طرح گرتے پڑتے پار ہو جائے گا۔ جب اِس آفت سے نجات ملے گی تو وہاں کھڑے ہو کے کہے گا خدا کا شکر ہے مجھے اسی طرح نجات دی مجھے اسوقت بچایا جب میں اُس کا مزا چکھ چکا۔ پھر اُس شخص کو جنت کے دروازہ کے پاس ایک چشمہ پر لیجائیں گے اور وہاں وہ غسل کرے گا۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں (بیہقی در شعب بسند ضعیف و بروایت زیاد نمیری عن انس بھی مروی ہے اور احمد نے بروایت عایشہ نقل کی ہے اس میں ابن لہیعہ ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ پل صراط تلوار کی تیزی یا دھار کی تیزی کی مثال ہے۔ فرشتے مومن مردوں اور عورتوں کو بچاتے ہوں گے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہوں گے اور میں کہتا ہوں گا۔ الٰہی بچا الٰہی بچا۔ مگر لغزش کرنے والے مرد اور عورتیں اُس روز بہت ہوں گے فقط۔

یہ حدیثیں جو ہم نے قیامت۔ میزان اور پل صراط کے بارے میں نقل کی ہیں ان سے ایک منصف اور محقق شخص جو کچھ نتیجہ نکال سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک خاص سزا کو مختلف طور پر بیان کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سارے واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہیں۔ اِس سے غرض یہ ہے کہ کوئی خفیف سے خفیف جرم ایسا نہیں ہوگا جس کی سزا وہاں نہ دی جائے۔ بڑی بات جو قیامت کے واقعات بیان کرنے میں مدنظر رکھی گئی ہے وہ حق العباد ہے جس نے ایک ناواجبی طمانچہ کی سزا اور کسی کے مضحکہ اُڑانے کا جرم ناقابل معافی رکھا ہو اُس سے زیادہ اخلاق کی تعلیم کون دے سکتا ہے۔ اب صرف ایک بات غور کے قابل ہے اور وہ یہ ہے۔ آیا مُردے اپنی قبروں میں سے ان ہی اجسام کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے یا اُن کے اجسام دوسرے ہوں گے۔ اِسکا سردست حل کر دینا محال ہے۔ ہم خداوند تعالیٰ کو قادر مطلق جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ پریشان ذرّوں کا دوبارہ ایک جگہ جمع کر دینا کچھ زیادہ حکمت نہیں چاہتا۔ نہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ علوم جدیدہ اِس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز فانی ہو سکتی ہی اور نہ اس کرۂ باد سے جو کرۂ زمین کے محیط ہو رہا ہے نکل کے جا سکتی ہے اسی عظیم الشان کرۂ باد میں ہزارہا برس سے رنگ بدلتی رہتی ہے اور یہیں مقید رہتی ہے ظاہر بینوں نے تغیر الوان اور ہیئت کا نام فنا رکھ لیا ہے۔ مثلاً ہم نے ایک لکڑی کو جلایا اُس کے ذرّے تھے وہ دھوئیں کی صورت

بہت سے حکمائے یونان مثلاً حکیم زینو اور حکیم ایپی کیورس وغیرہ کا بھی یہی خیال تھا جنکا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور جنہیں چند فلسفی یا قدیم فلسفہ پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں۔

بہر حال بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک سائنس داں اور علوم جدیدہ سے ماہر ہونے کے ہمارا یہ خیال ہے کہ قیامت کے حدوث کا ہم انکار اس لئے نہیں کر سکتے کہ ہمارے لئے اُس کا یقین کرنا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ اور ہم قوانین قدرت سے انحراف کرنے والے کو انسان نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ انسان کی سی شکل وصورت کیوں نہ رکھتا ہو۔

اے برگزیدہ مخلوق خدا تیرا ایک ایک قول ہزار حکما کے مجموعۂ اقوال سے بدرجہا بہتر ہے۔ تیری ایک ایک بات میں وہ وہ باریکیاں بھری ہوئی ہیں کہ اُن کے قریب عقل جس قدر پہنچتی جائے گی وہ دور ہوتی جائیں گی۔

اے ہاشمی قریشی نبی تیری حکمت کو وہی پہچان سکتا ہے جس کا دل اور آنکھیں تجلیات ربانیہ سے منور ہیں۔ تیری ذات اقدس واطہر عالم کے لیئے رحمت ہے۔ **اے** انبیاء سابقین کے سچے محسن تیری عاقلانہ ہدایتوں کا ظہور دن بدن ہوتا جاتا ہے۔ آج بھی دنیا تیرے نام کو بلند آوازی سے پکارتی ہے۔ تیرا اسلام اب بھی زندہ وتوانا ہے اور اُس میں خواطر خواہ نمو کی قوت موجود ہے۔ تیرا پاک دین علوم جدیدہ کو جس کے ساتھ اب وہ دست وگریبان ہو رہا ہے ایک دن فاش شکست دے گا۔ تیرے دین کا جلال ابد تک قایم رہے۔ آمین۔

کام رکھتا ہی اور علوم جدیدہ کی بساط سے باہر ہے جب تک علوم جدیدہ اپنی کوئی خاص صورت نہ پیدا کرلیں گے جب تک اُن کے اصول کسی ایک خاص بناء پر قایم نہوجائیں گے۔ وہ قدیمی مسلّمہ اصول سے جو مستحکم و قایم ہیں کبھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ برسرآنا اور فتح پانا تو کجا۔

ابھی بہت سے راز ہیں جن کا پتہ ہمیں نہیں لگا۔ ہم ہی میں ہزاروں اسرار ہیں جن کی کنہہ کو یورپ کی طبعی تحقیقات نہیں پہنچی۔ انسان کی قدر و منزلت کا ابھی تک ۱/۱۰۰۰ حصّہ بھی نہیں جاناگیا۔ جو کچھ پیغمبران ادیان نے فرمایا ہے اُنہیں غلط بتا کے نئے اصول اُن کی جگہہ قایم کرنے کا حوصلہ ابھی تک ہم میں پیدا نہیں ہوا۔ اسوقت علوم جدیدہ کے بڑے سے بڑے ماہر اور ایک وحشی کے خیالات کی ایک حالت ہے۔ وحشی بھی روز جزا کو نہیں جانتا۔ اور آخرت کا قایل نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی دائرہ میں ہیں اور اس صورت سے دونوں پر ایک ہی حکم عاید ہوسکتا ہے۔ مذہب نے اِن دونوں کے خیالات میں ایک محاکمہ کیا ہے اور وہ ایک ایسا اصول قایم کرتا ہے جس کا ماننا ہزارہا بُرائیوں سے بچاتا ہے۔ اور جس کا نہ ماننا بارہا مُہلک ثابت ہوچکا ہے۔

وحشی اور علوم جدیدہ کا ماہر موت کو زندگی کا اختتام سمجھتا ہے۔ مگر ایک مذہبی شخص اس جسم خاکی کے بیکار ہونے پر کائنات کے لب لباب یعنی انسان کو ہمیشہ کے لیئے معدوم نہیں تسلیم کرتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحشی کا خیال گویا پہلی سیڑھی تھی اور دوسری سیڑہی وہ ہے کہ انسان کی آیندہ زندگی لازمی ہے۔ جوں جوں انسان نے ترقی کی اُس کے خیالات شایستہ اور مہذب ہوتے گئے۔ اور اُسے گوارا نہوا کہ وہ انسان جیسی اشرف المخلوقات کو اس آسانی سے برباد ہونے دے اور بھی ہمیشہ کے لیئے کہ مثل چوپاؤں کے اُسکا نام و نشان تک نہ رہے

قیامت کا وہ بیان جو قرآن مجید میں ہوا ہے اور وہ ذکر جو احادیث نبوی میں آیا ہے اُس سے صرف ایک ہی مفہوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے۔ خواہ بھلا یا بُرا اُس کا نتیجہ اُنہیں بھگتنا پڑے گا۔

اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ باتیں ناممکن الوقوع ہیں تو پھر عالم کا وہ انتظام جو اسکے سہارے سے چل رہا ہے کتنی جلدی درہم برہم ہوجائیگا۔ ایسے خیالات بالخصوص اُن ہی چند افراد کے لیئے سزاوار ہیں جو اپنی نیکنامی یا دولتمندی کے خوف سے بیجا افعال کرنے کی جرأت نہیں کرتے مگر تھوڑی دیر کے لیئے تسلیم کرلو کہ مشرق و مغرب عوام الناس کے بھی یہی خیالات ہوجائیں اُسوقت دنیا کی کیا حالت ہو اور یہ انتظام جو بظاہر تلوار کے زور سے ہو رہا ہے کیونکر سلامت رہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قوانین قدرت یہی چاہتے ہیں کہ عام طور پر ایسے ہی خیالات ہوں اور لوگ ضرور روز آخرت پر ایمان رکھیں۔ قوانین قدرت کا ایسا منشا ہونا خدا کا منشا ہے۔ جب خدا کا منشا ہے تو جو کچھ قرآن مجید یا اور الہامی کتابوں میں آخرت کیلیئے ظاہر کیا گیا ہے خدا کا کلام ہے۔ جبکہ یہ مسلّم ہے کہ قوانین قدرت کی خلاف ورزی ہمیشہ ہلاکت کی باعث ہوتی ہے۔ اسی لئے آخرت کے خیالات سے دست بردار ہونا دنیا میں ہلاکت کا باعث ہے۔ آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا خیال کچھ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ نے ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ کئی ہزار برس پہلے

پائے جاتے ہیں" لھم الشئ والتھمتہ اذا ابتلعہ والھمت ذلک الشئ ای ابلعتہ" یعنی جب کوئی شخص کسی شے کو نگل جائے تو کہتے ہیں لھم الشئ یا کہتے ہیں التھمت اور جب کوئی چیز کسی کو نگلائی جائے تو کہتے ہیں الھمت ذلک الشئ

اس سے آگے امام صاحب تحریر فرماتے ہیں یہ تو اصلی معنی تھے پھر اسکا استعمال اسپر ہوگیا جو اللہ تعالی بندے کے دل میں ڈالتا ہی کیونکہ وہ بھی بمنزلہ نگلا دینے کے ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں" ثم استعمال ذلک فیما یقذفہ اللہ تعالی فی قلب العبد لانہ کالابلاغ۔ قاموس میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے" الھمہ اللہ خیرا" یعنی اللہ نے اُسے نیکی سمجھائی

واحدی کا قول ہے" التعلیم والتعریف والتبیین غیر الالہام فان الالہام ان یوقع اللہ فی قلب العبد شیئا یعنی سکھانا اور بتانا اور بیان کرنا دوسری چیز ہے اور الہام دوسری چیز ہے کیونکہ الہام وہ ہے جو اللہ کسی بندے کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ نے اپنی بے نظیر کتاب "احیاء العلوم" میں الہام کی بابت بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جسکا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں" جو علم بدیہی نہیں اور دل میں کبھی کبھی آتے ہیں اُن کا دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو وہ دل میں اس صورت سے آتے ہیں گویا بیخبری میں کسی نے دل میں ڈالدیا۔ کبھی بطریق تعلم و استدلال کے حاصل ہوتے ہیں پس جو علم کہ بغیر اکتساب اور دلیل کے حاصل ہوتے ہیں اُنہیں "الہام" کہتے ہیں۔ اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُنہیں "اعتبار" اور "استبصار" بولتے ہیں۔ پھر علم اول کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بندے کو یہ خبر ہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا اس کو تو "الہام" اور "نفث فی القلب" کہتے ہیں اس کی خصوصیت اولیا اور اصفیا کے لئے ہے دوسرے یہ کہ جس ذریعہ سے وہ علم حاصل ہو وہ بندے کو معلوم ہوجائے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے نظر آجائے اس کو "وحی" کہتے ہیں اور یہ انبیا کے لئے مخصوص ہے اور علم جو استدلال اور اکتساب سے ہوتا ہے وہ علما کے لئے مخصوص ہے اور اصل یہ ہے کہ خود قلب میں اس امر کی استعداد فطری طور پر ودیعت ہوئی ہے کہ امر حق معلوم ہوجائے مگر وہی پانچ وجہیں جنکا اوپر ذکر ہوچکا ہے اسکے مانع ہوتی ہیں۔ تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح کے بیچ میں حجاب ہوجاتی ہیں۔ لوح محفوظ وہ ہے جس پر تمام شدنی امور قیامت تک کے منقوش ہیں۔ لوح محفوظ سے حقائق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا جیسا ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ محاذی میں معلوم ہوتا ہے اور جس طرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی ہاتھ سے سرکادیتے ہیں اور کبھی ہوا سے سرک جاتا ہے اسی طرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ کے سامنے سے پردہ سرک جاتا ہے تو بعض چیزیں جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کہ اس سے مستقبل کا حال معلوم ہوجاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر موقوف ہے کیونکہ موت کی وجہ سے انکشاف تام حاصل ہوجاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اُٹھتے ہی پردہ غیب سے علوم کی عجیب وغریب باتیں دل پر منکشف ہوجاتی ہیں مگر یہ انکشاف بعض اوقات پے درپے ایک حد تک گذرتا رہتا ہے اور اس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے کہ "الہام" اور "اکتساب" میں نہ تو نفس علم میں فرق ہے

پانچواں باب

الہام اور وحی

الہام اور وحی کی بحث جسقدر مفید اور ضروری ہے اُسی قدر اہم اور پیچیدہ ہے مگر ہم اُسے ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کریں گے۔ اور اِس خاص مسئلہ کو اپنی بساط کے موافق حل کریں گے۔ شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں اور اپنی تفسیر کے ناظر کا کسی حد تک اطمینان کرسکیں۔

پہلے ہم الہام پر بحث کرتے ہیں جس پر اسلام کے ایک بڑے گروہ کا دارومدار ہے۔ اکثر اولیاء اللہ کی حکایات خاص الہام کی نسبت بہت کچھ سُنی جاتی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ اُن کی ہدایات کا اکثر حصہ اور ارشادات کا بڑا جزو الہام سے مملو ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر وسیلہ فرشتہ جو چیز بے خیالی میں محض بنظر تائید کسی خاص برگزیدہ بندہ کے دل میں خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اُسے الہام کہتے ہیں۔ وہ برگزیدہ شخص اس الہام سے بڑے بڑے کام لیتا ہے۔ چھپی ہوئی باتیں بعض اوقات بتادیتا ہے۔ اور لوگوں کے اُن سوالات کے جواب دیتا ہے جو اپنی کسی دنیاوی یا دینی ضرورت کے لیئے کرتے ہیں۔ اسی الہام نے اسلام میں اولیاء کرام کی مسلمانوں سے بے حد توقیر کرائی اور بعض معتقد تو اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنے پیر کو اسلام میں ایک اعجوبہ شخص سمجھ لیا۔ اس الہام نے اگرچہ ایک حد تک بہت کچھ کار نمایاں کیئے مگر بعض صورتوں میں اس کا اثر عوام جُہلا کے لیئے سمِ قاتل بن گیا۔ ایک تو وہ برگزیدہ گروہ ہے جن کی نسبت یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ انہیں الہام ہوتا ہوگا اس گروہ نے کوئی بیّن خرابی اعتقادات اسلام میں پیدا نہیں کی۔ دوسرا وہ گروہ ہے کہ جس نے اپنے کو صاحب الہام محض دنیا طلبی کے لئے بنایا اور خدا کی ہزارہا مخلوق کے دلوں میں نئے وسوسے اور خدشے قایم کردیئے اور انہیں کہیں کا بھی نہیں رکھا اُن کی بعینہ یہی مثل ہوئی۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدہر کے رہے نہ اُدہر کے رہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ الہام چیز کیا ہے۔ یا بالفاظ دیگر الہام کسے کہتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ الہام کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک جگہہ آیا ہے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے "فالھمھا فجورھا وتقوٰھا" اس کے سوا تمام قرآن مجید میں الہام کا لفظ ہی نہیں آیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الہام کا ترجمہ انداختن کیا ہے۔ مگر حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے الہام کا ترجمہ "ڈالی" یعنی انداخت کیا ہے۔ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ "سمجھ دی" کیا ہے۔ درحقیقت یہ سب ترجمے حاصل بالمعنی ہیں۔

"لھم" اور "الھام" کے معنی در اصل نگلنے اور نگلانے کے ہیں چنانچہ قاموس میں یہی معنی لکھے ہیں "لھمہ لھماً تلھمہ و التھمہ ابتلعتہ بمرۃ" یعنی ایک ہی دفعہ میں اس کو نگل گیا۔ یہاں تک تو لغت کی تحقیق ہوئی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ تفسیر کبیر میں ہمارے امام فخر الدین رازی کیا لکھتے ہیں۔ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں در اصل الہام کے معنی عربوں کے اس قول سے

الہام ہوا کہ جو کوئی ان اصول کو جو میں نے بیان کیئے ہیں جان لیگا وہ عالموں کی دعوت کرنے کی تمام باتوں کو جان لے گا۔

ہمارے شاہ صاحب نے ایک اور عجیب وغریب الہام اپنا تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے "بسرم درداوند که این تقریر را بمردم برسان کہ این تفقیر السنۂ شتّے دارد بیک لسان ولی اللہ بن عبدالرحیم ہست وبدیگرے انسان ست وبدیگرے نامی وبدیگرے جسم وبدیگرے جوہر وبلسان آخر ست وباعتبار لسان ہم حجرم وہم شجرم ہم فرس ہم فیل وہم غنم۔ تعلیم اسماء آدم رامن بودم انچہ برنوح طوفان شد وسبب نصرت او شد من بودم وانچہ برابراہیم گلزار گشت من بودم۔ توریت موسیٰ من بودم۔ احیاء عیسیٰ رامن بودم۔ قرآن مصطفےٰ من بودم۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں "میں نے روح کی طرف اور باری تعالیٰ کے استغراق کی طرف جو غیب کے پردوں سے ہی اُدہر ہے توجہ کی مجھے اُسکے حضور سے عجیب خطاب کیا گیا مجھے کہا گیا انسان کو واجب ہے کہ حضور میں اُس کی توجہ اور استغراق لوگوں کی توجہ اور استغراق کے مانند ہو میں سمجھا کہ یہ اشارہ اجنہ کی حقیقت کی طرف ہے۔ فقط۔

اِس تمام بحث اور علماء کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الہام کیا چیز ہے اور آیا وہ خاص مسلمانوں ہی سے تعلق رکھتا ہے یا غیر اسلام کو بھی ہوسکتا ہے۔ ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس مشکل مسئلہ کو ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے کام میں کامیاب ہوں۔

الہام کی تعریف تو یہی ہے کہ ایسا خیال دل میں گزرے جسکا اس سے پہلے کبھی سان وگمان بھی نہو اس لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو ایسا نہیں ہے جس کے دل پر پے در پے ایسے خیالات نہ گزرتے ہوں جن کا اُسے پہلے وہم وگمان بھی نہو اور اُس کے خیالات یا الہام ہمیشہ اُس سے دست وگریبان ہوتے نہ رہیں۔ انسان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُسکی قوتِ متخیلہ ہر وقت اُس کے آگے نئے نئے اور اعجوبہ عالم بنا کے کھڑے کردیتی ہے لیکن یہ اعجوبۂ عالم خاص اُس کے مذاق سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک مصور کو ہمیشہ تصویر ہی کے متعلق الہام ہوگا اور ایک بادشاہ کا الہام ہمیشہ امور سلطنت اور ملک گیری سے تعلق رکھے گا اسی طرح ایک صوفی کا الہام ربانی مدارج کے ترقی اور تنزل پر موقوف ہے۔ دماغ یا ضمیر انسانی انسان کی رہنمائی اسی رستہ پر کرے گا جس پر وہ چل رہا ہے۔ ایک خستہ جگر عاشق کے مجروح قلب پر جو الہام ہوگا اُسکا یہی مفہوم پیدا ہوگا کہ اُس کا معشوق فلاں وقت آکے اُس سے مل جائے گا۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ الہام خواہ صوفی کا الہام ہو یا مصور کا یا بادشاہ کا یا خستہ جگر عاشق کا دوسرے شخص کے مطلب کا نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ جسے الہام ہوا ہو اُسکی تسکین ہوجائے۔ یا بالفاظ دیگر اُسے قلب مطمئنہ حاصل ہوجائے کسی ایسی بات کا دل میں پیدا ہونا جس کی طرف کبھی ذہن نہ گیا تھا یہ حکم رکھتا ہے کہ ایک پوشیدہ اور رازدارانہ قوت کی وجہ سے اُسے تحریک ہوئی۔ بس یہ خیال اُس کے لیئے ایک کافی سرمایہ آسایش وراحت کا پیدا کردیتا ہے۔

نہ محل اور سبب میں بلکہ اگر کوئی فرق ہے تو صرف حجاب کے زایل ہونے کا فرق ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وحی میں وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دلوں میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی فرشتوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وما کان لبشران یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء" یعنی اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اُس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانے والا بھیجے پھر جو چاہے حکم اُسے پہنچا دے۔ اب اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اہل تصوف علوم الہامی کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں مگر علوم تعلیمی کی طرف اُن کی توجہ مایل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ مصنفین زمانہ کی کتابیں نہیں دیکھتے اور نہ ادلہ سے بحث کرتے ہیں بلکہ انکا یہ قول ہے کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہیئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کر کے بہمہ تن اپنی ہمت کو خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ اور جب یہ بات حاصل ہو جائے گی تو خدائے تعالیٰ خود اپنے بندہ کے قلب کا متولی اور متکفل ہو جائے گا اور جب وہ متولی ہوگا تو اُس پر سایہ رحمت کرے گا۔ قلب میں نور چمکنے لگے گا۔ سینہ کھلجائیگا اور ستر ملکوت اُس پر ظاہر ہوگا۔ قلب کے آگے سے حجاب دور ہو جائے گا۔ امور الٰہیہ کے حقایق اُس میں روشن ہو جائینگے انبیا اور اولیا کے دل پر جو صدہا اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور دلوں پر نور پھیل جاتا ہے وہ تعلیم اور نوشت و خواند کتب سے نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں زہد کرنے اور علایق سے منقطع ہونے اور اشغال دنیاوی سے فارغ البال ہونے اور اپنی تمام ہمت متوجہ الی اللہ کرنے سے ہوتا ہے۔ فقط

یہ تقریر ہے جو ہمارے بزرگ اور واجب الاحترام امام نے الہام کی بابت کی ہے۔ ابھی ہم اس پر کچھ اپنی رائے نہیں دیتے اور چند علما کا قول بابت الہام کے نقل کرتے ہیں پھر بالتفصیل اُس پر اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

علامہ مرتضیٰ حسینی نے تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو بطور فیض کے دل میں ڈالا جائے۔ اور اللہ اور ملاء اعلیٰ کی طرف سے مختص ہو۔ الہام کے معنی کسی چیز کے دل میں پڑنے کے بھی کہے گئے ہیں جس سے دل میں طمانیت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو الہام سے مختص کرتا ہے۔ اس کی عربی یہ ہے "والالہام مایلقی فی الروع بطریق الفیض ویختص بما من جہۃ اللہ والملأ الاعلی ویقال ایقاع شئ فی القلوب لیطمئن لہ الصدر یختص اللہ بہ بعض اصفیائہ"

واحدی کا قول ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو اللہ کسی بندہ کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شرح صدر کے لیئے قانون تجویز کرنے میں اصحاب طریقت کے مختلف قول ہیں مگر خدا نے مجھے الہام کیا ہے کہ جو طریقہ سلوک مجھے عطا ہوا ہے وہ طریقوں کا قریب ترین طریقہ ہے۔ اُن کی عربی عبارت یہ ہے "افترق اصحاب الطریق فی تقنین قانون شرح الصدر علی اقوال شتی اما انا فالھمنی اللہ سبحانہ انی اعطیتک طریقا من السلوک ھو اقرب الطرق واوثقھا"

شاہ صاحب ممدوح ایک مقام پر اعمال علوی و تسخیر کواکب و روحانیات کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے

کو کیا فایدہ دے سکتا ہے۔ کس صوفی کے الہام نے جب وہ ملأ اعلےٰ میں جا ملا اسلام کی نازک حالت میں مدد کی ہے ؟ اندلس برباد ہوگیا۔ بغداد ہولاکو خاں کی تلوار سے خون میں نہا گیا۔ ہندوستان ہاتھ سے نکل گیا مگر کوئی صوفی ایسا نہوا جو کچھ بھی مدد کر سکے۔ صوفی اور اُن کا الہام صرف اُسیقدر تعظیم کے لایق ہے جیسے ایک دولتمند کی دنیا میں خواہ مخواہ تعظیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ تعظیم کرنے والوں کو در حقیقت اُس سے کوئی بھی فایدہ نہیں ہوتا۔

اب یہ بات کہ خداوند تعالی اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے نہایت صحیح ہے خدائے تعالی کی اپنے بندہ سے باتیں کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کے عام وہ کام جن میں صلاح و فلاح دین و دنیا مضمر ہے برابر اُس کے خیالات کے مطابق پے در پے نتیجہ بخش ثابت ہوتے رہیں ایسے لوگوں کی خود روح القدس مدد کرتی ہے۔ اور ایسی حالت میں جو خیالات اُس کے ضمیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ محض بتائید روح القدس پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ روح القدس کی تائید خدا کی طرف سے ہوتی ہے اسلیئے اُن خیالات کو خدا کی طرف سے سمجھ لینا غلطی نہیں ہے تو بھی ہم اُن کی عجیب و غریب حالتوں سے انکار نہیں کرتے جس کا بیان بالتفصیل ہمیں بزرگ صوفیوں کی کتابوں میں ملا ہے اور جن کا مختصر اشارہ حضرت امام غزالی رح اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے کیا ہے۔

آخر الذکر فاضل نے جو یہ لکھا ہے کہ میں سب کچھ تھا میں ہی قرآن تھا اور میں ہی توریت تھا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں گو بظاہر ناممکن الوقوع ہوں گی مگر غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ دل میں ایسی باتوں کا ظہور ہونا علوے رتبت کی دلیل ہے اور ہمیں اُن الفاظ پر بھی تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ انسان کی اصلی حقیقت سے کہ فطرت نے اُس میں کیا کیا جوہر پوشیدہ کیئے ہیں ہنوز کوئی واقف نہیں ہوا ہے نہ علوم قدیمہ سے اس کا پتہ لگ سکا نہ علوم جدیدہ نے اُن جوہروں کے پتہ لگانے میں کامیابی حاصل کی ممکن ہے کہ صدہا برس گزرنے کے بعد شاید اُن چھپے جوہروں تک کوئی پہنچ سکے۔ فی الحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موجودہ فلسفہ کے پہلو پر انسان کی بابت کچھ بحث کریں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ صوفیا نے عجائبات قلبی کا جو بیان کیا ہے اُس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں کیا عقل جان سکتی ہے کہ وہ بیان محض محدود اور معینہ الفاظ کے دایرہ سے نہیں نکل سکتے۔ اور الفاظ کی یہ کیفیت ہے کہ اُنسے ہم کوئی معمولی حالت ضمیری بھی نہیں بیان کر سکتے۔ پھر ہم کیونکر بزرگان دین صوفیائے کرام کی اس گوناگون قلبی حالت کو سمجھ سکتے ہیں جو اُنھوں نے بیان کی ہے۔ بہرحال ہمارے ذیل کے بیان سے جو ہم انسان کی بزرگی کا کریں گے ایک حد تک اُن عجیب غریب اقوال اور عجائبات قلبی کی جو بظاہر اطور پر قابل مضحکہ سمجھے جاتے ہیں تصدیق ہو جائے گی اور سمجھ میں آجائے گا کہ انسان کی بزرگی خیال سے بھی بلند ہے اور اُس کی کسی ایسی صفت پر جو اپنی سمجھ میں نہ آئے خندہ زنی کرنی ناجایز اور خلاف عقل ہے۔

انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ ہم اُس عجیب جلال اور بزرگی کا جو اُس کی ذات میں خدائے برحق کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے ایک ناقص خیال لا سکتے ہیں۔ ہم صرف اُس کی ظاہری حالت کی طب الا...انی کرتے ہیں۔ ہمیں اُس کے اندرونی جوہروں کا شمہ برابر بھی علم نہیں ہے۔ مثلاً ہم نے گلاب کے درخت کی شاداب

ہمارے واجب الاحترام امام غزالی رح کا یہ تحریر فرمانا کہ دنیاوی معاملہ سے قطع تعلق کرنے کے بعد جب ضمیر انسانی خدائے واحد کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو غیب کے اسرار سب کھل جاتے ہیں اور وہ حجاب جو عبد اور معبود کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے ایک عجیب بات ہے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو سکتا ہے تو ایسے بے تعلق ہونے اور ربانی مدارج پر پہنچنے کا فایدہ سوائے اُس نفس کے اور کسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو صریح قوانین قدرت اور منشائے باریتعالی کے خلاف پڑتی ہے۔ تعلقات دنیا سے کوئی نبی نہیں بچا۔ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ختم رسل مفخر انبیا ہونے کے بھی امور دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتے تھے اور کبھی کوئی لمحہ آپ کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ نے مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی تدابیر نہ سوچی ہوں گھر سے بے گھر آپ ہوئے۔ کفار مکہ نے نہایت ناانسانیت اور سنگ دلی سے جلاوطن آپ کو کیا۔ مختلف لڑائیاں آپ سے لڑے سفارتیں آپ نے شاہانِ مشرکین کے پاس بھیجیں۔ لاکھوں نصائح نشست و برخاست اور تمدن اسلامی کے بارے میں آپنے فرمائیں جو کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی ۱/۴ آبادی کلمہ طیبہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

پڑھتی ہے۔ اگر آپ کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے اور مجاہدے فرمایا کرتے تو اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا اور آج ایک پیشانی بھی ایسی نہ ملتی جو خدائے واحد کے حضور جھکتی دکھائی دیتی۔ صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری پیدائش کی غایت کیا ہے۔ اور کیا ہم دنیا میں اسی لیئے پیدا ہوئے ہیں کہ صرف اپنی ذات کے لیئے بہت کچھ سامان کر لیں ملاء اعلےٰ میں جا ملیں اور اپنے خالق کے برحق دین کی تمام عمر کچھ خدمت نہ کریں اُس کی مخلوق سے اِس طرح بھاگیں جیسے کوئی بُری چیز سے بھاگتا ہے۔ اور ذرا بھی اُسکی مدد نہ کریں۔

ہم صرف الہام کو تخیل کی بلند پروازی سمجھتے ہیں اگرچہ ایسے تخیل کی ہم قدر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جب اس تخیل نے شجاعانِ عرب کو اُبھارا ہے تو چشم زدن میں زمانہ کی ہوا بدل گئی ہے۔ کام کرنے والے کا الہام یا تخیل گوشہ نشین کے الہام یا تخیل سے بدرجہا بہتر اور شریف ہے۔ حضرت امام بخاری کا الہام جو اُنہیں احادیث جمع کرنے کا ہوا صوفی کے اُس الہام سے بہتر ہے جو اُسے ملاء اعلےٰ میں شامل ہو جانے کا ہوتا ہے۔ ہم نے مانا اور تسلیم کیا کہ صوفی کو ربانی مدارج میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا مگر مخلوق خدا اور دین خدا کا اُس سے کیا فایدہ ہوا اُسکی مثال تو بالکل اُس شخص کی ہے جس نے تمام عمر دنیا میں آکے دولت کمائی اپنے لیئے ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کیا مگر ایک پیسہ کا بھی کسی کو اُس سے فائدہ نہیں ہوا۔ اُس کا دنیا میں ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ ہم اُس الہام کی قدر کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم کو فتح ممالک اور اشاعت اسلام کا ہوا تھا جس سے آج ہندوستان جیسے دُور دراز مُلک میں سلطنت جاتی رہنے کے بعد بھی اسلام دکھائی دیتا ہے۔ ہم صوفیوں کی دل سے توقیر کرتے ہیں ہمیں اُن کی مُنکسرانہ طبیعت میں اخلاق محمدی کا رنگ معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اُن کا قلب مطمئنہ دیکھ کے حد سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مگر جو گہری بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کا الہام جب وہ ملاء اعلیٰ میں جا ملیں دین خدا اور مخلوق خدا

ہم اپنے خیالات کے ہاتھ باگیں دیں اور اُنہیں بے انتہا دوڑنے دیں اور پھر لاانتہا تصور کی تکمیل کریں اُس وقت سوائے اس کے ہمیں کچھ نہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس وقت بے انتہا قوت بے انتہا عظمت اور بے انتہا جلال انسان کا دیکھیں گے اور فطرت کی ہمہ مرکز قوتیں ہمیں ایک جگہہ جمع نظر آئیں گی۔

جب ہم انسان کے عالی مرتبت کا تصور کرتے ہیں اور اُس کی عجیب وغریب قوت کو ملاحظہ کرتے ہیں جن سے علوم و فنون اور اخلاقی و تمدنی قوانین پیدا ہوئے ہیں اور جب اُس جوہر کا خیال کرتے ہیں جس سے اُس نے فطرت کی بہت سی قوتیں اپنے مطالب حاصل کرنے کا ذریعہ بنالی ہیں اور جس باعث سے وہ دوسری مخلوق کا آقا اور سردار معلوم ہوتا ہے تو ہمیں ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی غیر محدود قوتوں اور صفات کا مالک ضرور اپنے عالی مرتبہ کا علم رکھتا ہے اور اس صورت سے اسے بالکل آزاد اور غیر مقید زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ صدہا قسم کے اعجوبہ ظہور جو روزمرہ اسکی ذات سے حادث ہوتے ہیں اور جن کا نام مختلف محاورے اور اصطلاح میں نئے نئے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تعجب سے نہیں دیکھے جاسکتے بلکہ اُنہیں ہم معمولی سمجھتے ہیں اور اس سمجھنے کی یہ وجہ ہے کہ انسان کی ذات ان کراماتوں اور خرق عادات سے بھی زیادہ ارفع ہے۔ مگر افسوس صد افسوس موجودہ خیالات کی رو سے یہ اعجوبہ باتیں مافوق الفطرت کے دایرہ میں مقید کیجاتی ہیں اور اُنہیں ناممکن الوقوع سمجھ کے اُن پر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ انسان میں قدرتی طور پر خودداری اور آزادی کا ایک مادہ پیدا ہوا ہے اور اسی کو آجکل ایک سخت عیب خیال کیا جاتا ہے ہماری تمام کوششیں اور ہماری کل سعی ہائے جلیلہ اخیر کیا چاہتی ہیں ؟ صرف یہ کہ ہمیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہو کہ ہم کامل آزاد بن جائیں۔ مگر ہم اُنہیں ذلت کے پھندہ میں پھنسا کے ایک جگہہ رکھنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہمارے خیالات کی رسائی ہے اس سے آگے انسان کا بڑھنا خلاف فطرت ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انسان سے خواہ کچھ ہی ظہور کیوں نہو تعجب سے نہیں دیکھنا چاہیئے ہاں یہ ضرور خیال ہو سکتا ہے کہ اس عجیب کرشمہ سے جو ہمیں دکھایا گیا ہے مخلوق کا اس میں کیا فایدہ ہے۔ الہام کی نسبت ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ عیسائی ہو یا یہود۔ آتش پرست ہو یا بودھ الہام پیدا ہوتا ہے اور اُن الہاموں میں اُن کے نتائج کی وجہ سے فرق ہے۔ الہام درحقیقت ایک خیال کا نام ہے جس کا انسانی قلب میں پیدا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے جس طرح ایک مصور اور مدبر سلطنت کے الہام میں فرق ہوگا اسطرح ایک فاسق اور زاہد کے الہام میں فرق ہوگا۔ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو توریت و قرآن بن گئے ہیں اسکے کیا معنی ہیں ؟ صرف یہ ہیں کہ آپ کا تخیل روحانیات کی دنیا میں اپنی شتابانہ دوڑ دکھاتا تھا اور آپ یہ سمجھ گئے تھے کہ جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں اور ایک طرح سے یہ خیال بھی حضرت شاہ صاحب کا صحیح تھا کیونکہ تعلقات انسانی ایسی گہرائی میں پہنچے ہوئے ہیں کہ اگر اُنہیں کامل طور پر سمجھ لیا جائے تو انسان اپنے کو کسی سے جدا نہیں سمجھتا ہمارے شاہ صاحب فخر ہندوستان و عرب نے ان گہرے تعلقات پر کافی نظر کرلی تھی اور وہ جانتے تھے کہ اصلی حقیقت کیا شے ہے اسی وجہ سے آپ ہر گزشتہ چیز کے لیئے خود موزوں ہوئے ہیں۔ یہ انسانی خیالات ہیں

شاخیں۔ سبز پتے اور کٹورے سے کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کے تعریف کردی مگر اُس بیج کی ماہیت پہچاننے میں قاصر ہیں جس سے یہ درخت بنا۔ جب ہم اُن فطری قوتوں کا خیال کرتے ہیں جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئی ہیں اور جس کی ساخت صرف ایک قطرہ سے ہوئی ہے جو بظاہر ایک بے وقعت چیز ہے تو اور بھی ہمارا تعجب بڑھتا ہے اور ہمیں بڑی دیر تک ایک سکتہ ہو جاتا ہے۔ انسان بغیر کسی مقابلہ کے فطرت کا ایک اعلیٰ ترین حصہ ہے لیکن اُس کے مرتبہ کی بزرگی اُسکے مطابق ہنوز نہیں پہچانی گئی ہے۔ اور ہمیں اُس کی حقیقی تعریف کرنے کے الفاظ نہیں ملتے۔ دنیا میں اسی چیز کی زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جس کی ساخت میں اعلیٰ درجہ کی صناعی کا خرچ کیا گیا ہو اور جس میں علاوہ زرکثیر کے وقت کا گرانمایہ حصّہ صرف ہوا ہو۔ اسی پہلو سے جب ہم انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُسکی تعریف اس لیئے کرنی پڑتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُسے جامۂ انسانیت پہنانے کے لیئے کس کثرت سے انبیا بھیجے اور کئے ہزار بلکہ لاکھ برس سے انسان کے آراستہ کرنے کی تدبیر کی جا رہی ہے۔ ان لاکھوں برس کی تعلیم اور بناؤ سنوار نے کے بعد آج ہم اتنا سمجھ سکے ہیں کہ جسے کامل انسان کہنا چاہیئے اُس کا مرتبہ ابھی ہم سے بہت اعلےٰ ہے تو بھی موجودہ حالت انسان ایک بڑی تعریف کی مستحق ہے جو ہم سے پورے طور پر نہیں ہو سکتی۔

ہم انسان کی بے انتہا قوتوں کا کیوں کر خیال کر سکتے ہیں؟ ہر ہر گوشہ میں ہمارے ساتھ موت اور زندگی کی مخفی قوتیں رہتی ہیں جن کی ماہیت کو جاننا ہماری زندگی کا جزوِ اعظم ہے۔ اُن کی مشتملہ نیابت سے انسان کی ساخت ہوئی ہے اور وہ ساخت ایسی کامل ہے اور اس میں ربانی عطایات کا ایک اتنا بڑا ذخیرہ مضمر ہے کہ ہم نے اُسکا نام عالم صغیر رکھا ہے۔ کیونکہ بلا شک اُس کی ساخت کے مشتملہ جوہر کائنات کے لب لباب ہیں۔ انسان خود فطرت ہے فطرت کی واجب التوقیر کوششیں خاص اس امر کے لیئے کہ اُس کی اصلی ماہیت کو پہچانا جائے انسان کی اندرونی اور بیرونی حالت سے بہت مشابہ ہیں۔ انسان دوسرے حیوان سے اسی لیئے امتیازیہ درجہ رکھتا ہے کہ اسکی ذات میں نامحدود ترقی کرنے کی بہت سی قوتیں ہیں۔ جبکہ یہ مسلّمہ ہے کہ فطرت کے بہت سے اسرار ابھی تک نہیں کھلے۔ اسی طرح یہ بھی مسلّم ہے کہ انسان کی ذات کے بھی بہت سے اسرار ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اس خیال کو کہ ہمارا تعلق نوع انسان سے ہے دل سے محو کر دیں اور پھر اُسے ہم ذہنی روشنی سے نہیں بلکہ خارجی روشنی سے ملاحظہ کریں تو ہم انسان کو کائنات کی غیر منتہی بلندی پر پہنچا ہوا دیکھیں گے۔ اور اسے سب سے بڑا اور فطرت کا سب سے پُرجلال انکشاف ملاحظہ کریں گے۔ اگر ہم آسمان کے ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں اور پھر اس خوبصورت زمین پر اور اُس کی رنگارنگ چیزوں پر نظر کریں اور پھر ہماری نگاہ انسان پر جا پڑے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسان اپنی مُرتفع فطرت میں ممتنع الفہم اور قیاسات سے بدرجہا بلند بزرگی رکھتا ہے جس نے انسانیت کی انمول عظمت اور بزرگی کو نہ پہچانا یقیناً اُس نے فطرت کو نہیں جانا۔ کیونکہ انسان بجائے خود ایک مادی فطرت کا نام ہے۔

اسی اثنا میں جب آپ فوجیں بھیج رہے تھے نماز پڑھنے مسجد نبوی میں گئے دیکھا کہ ایک موٹا تازہ عرب ایک کونہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنے مجاہدہ میں مستغرق ہے آپ نے اُسے آواز دی وہ نہ بولا پھر آپ نے زور سے للکارا تو اس کی آنکھیں کھلیں آپ نے فرمایا تو کیا کر رہا ہے اُس نے کسی قدر بے رُخی سے جواب دیا کہ میں یاد خدا میں غرق تھا۔ آپ نے کئی درے رسید کر کے فرمایا کہ تیرے بھائی تو سر بکف میدان کارزار میں دشمنان اسلام کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اسلام کی عظمت او روقار قایم رکھنے کے لیئے اپنی جان دینے پر تیار ہیں اور تو مجاہدے میں غرق ہے تیرا یہ مجاہدہ کس کام کا ہے اور اسلام یا مسلمانوں کو اس سے کیا فایدہ ہے اُٹھ تلوار پکڑ اور میدان جنگ میں جا کہ اسلام کے سچے شیدائیوں میں ہو۔

اس قسم کی روایتیں تو بہت ہیں مگر ایسی روایتیں نہیں ملتیں کہ کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابائے راشدین کے وقت میں وہ دعوے کیئے ہوں جو بعد میں کیئے گئے اور اُس زمانہ میں وہ الہام ہوئے ہوں جو اب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی باتوں کے لیئے وہ زمانہ زیادہ موزوں تھا۔

اگر ہم غور سے تاریخ کے صفحے اُلٹیں گے تو ہمیں اس بات کا پتہ لگ جائے گا کہ جب سے ایرانی مسلمان ہوئے ہیں تصوف اسلام کی ایک شاخ بن گیا کیونکہ ایرانیوں کا یہ مذاق قبل ظہور اسلام موجود تھا اور نوشیرواں کے وقت میں اس مذہب کو بہت عروج تھا۔ مذہب اسلام میں تمام قسم کی مین میگ ان ہی ایرانیوں نے نکالی ہے ورنہ مذہب اسلام تو اس قدر سادہ اور آسان تھا کہ صرف پانچ منٹ میں ایک جاہل جنگلی بدوی سمجھ لیتا تھا اور ایسا زبردست مسلمان بنجاتا تھا کہ اُسے تمام دنیا کی متشکلہ قوت بھی جنبش نہ دے سکتی تھی جتنے بڑے بڑے محدث فقیہ اور مفسر ہوئے ہیں سب ایرانی یا نواح ایران کے ہیں الا ماشاء اللہ اسی وجہ سے اسلام میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کی گئی ہیں کہ غیر مذہب والا انہیں دیکھ کے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ سخت او مشکل مذہب کوئی بھی نہو گا۔ بہر حال ہم اُن دقایق وغوامض پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتے اور ہم اپنے خیال میں انہیں سبب رحمت سمجھتے ہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ عوام کی نگاہ میں اُن باریکیوں سے مذہب اسلام ہوا بن گیا ہے۔

جن کی کوئی حد و پایاں نہیں - ہر انسان خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو ہر لمحہ ہزاروں خیال کرتا ہے مگر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ وہ کسی کے آگے اظہار نہیں کرتا کیونکہ لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں مثلاً اگر حضرت شاہ صاحب اُس زمانے میں ہوتے جب بیچارے بیگناہ منصور پر آفت برپا ہوئی تھی تو بیشک آپ بھی نہ بچتے اور بلا سبب سلطنت کی طرف سے آپ پر بھی عقوبت توڑی جاتی - یہ ساری سمجھ کا قصور ہے - انسان کے دلی جذبات اور خیالات پر کبھی ردو قدح نہیں ہو سکتی - اگر ایک شخص کہہ رہا ہے کہ میں خدا ہوں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اُسنے کسی کو کیا اذیت پہنچائی مُفت میں اُس کے درپے ہو جانا اور اُس کی جان کے پیچھے پڑ جانا رحم اور انصاف دونوں سے بعید ہے -

اگر ایک شخص کا قول دوسرے شخص کے خیال میں نہ آئے تو اُن لوگوں کو جو اُس کی تائید نہیں کرتے ہرگز مجاز نہیں ہے کہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اور اُسے نادان یا بے دین سمجھیں کون جانتا ہے کہ کس کی رائے غلطی پر ہے اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ سچا کون ہے -

ہم نے جو کچھ الہام کی نسبت لکھا ہے اُس سے ایک منصف غیر طرفدار شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے استدلال یا او لہ یا تحقیق کہاں تک ٹھیک ہے اور ہم نے اسے سُلجھانے میں کہاں تک کوشش کی ہے - اسمیں شک نہیں کہ ہم اُن لوگوں کی سخت حقارت کرتے ہیں جو اپنے الہام کی وجہ سے دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں - اور اُن لوگوں کی افسوسناک حالت سے ہمیں ہمدردی ہے جو اُن کے الہام کے جال میں پھنس کے اپنا دین و دنیا کھو بیٹھتے ہیں - اگر فرض کرو کہ ایک شخص کو الہام ہوتا ہے تو پھر ہمیں کیا اور ہمارا اس میں کیا فایدہ ہے اگر ایک شخص عالم ملکوتی میں پہنچ گیا ہے تو اس سے ہماری نجات کی امید کیا ہو سکتی ہے الہام وہ الہام ہے جو محض ذاتی اغراض پر مبنی نہ ہو اور اُس میں خدا کے کنبہ یعنی عامہ خلایق کا فایدہ متصور ہو اور جب الہام اپنی شیخوخیت اور جاہل لوگوں میں اپنی عظمت بڑھانے کے لیئے دکھایا جاتا ہے تو ہم ایسے الہام کی بالکل قدر نہیں کرتے اور اُس الہام کو ایک مکر سے زیادہ نہیں جانتے -

ہمیں الہام کی بابت جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے اور جو کچھ ہمارا خیال تھا وہ ہم ظاہر کر چکے صرف اتنا بیان کرنا اور باقی رہ گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سب سے زیادہ الہام کا چرچا ہوا ہے اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی صوفیوں نے بھی الہام کو اپنے ہاں رواج دے لیا - خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ محمود و مسعود میں کسی صحابی کو الہام نہیں ہوا - کوئی مُعتبر شہادت ایسی نہیں ملی کہ کسی صحابی نے حضور انور رسول خدا کے حضور میں اپنے الہام کی بابت کچھ عرض کیا ہو - نہ چار خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی صاحب الہام تھا - ہاں ایسی تو بہت سی روائتیں ملتی ہیں جیسی یہ ہے کہ جب جنگ قادسیہ ہو رہی تھی اور ایک مقام پر بہادر ضرار کو خطرناک ہزیمت ہوئی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہو گئے تھے - اور جس صبر اور تن دہی سے آپنے فوج جمع کر کے میدان جنگ میں روانہ کی ہے وہ واقعہ تاریخ عالم میں یادگار رہے گا

معنی "فطرت" کے ہیں اور شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کے مقصود کو اس طرح بیان کرنے کا ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے ۔ خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت ۔ جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کندہ کرتا ہے اور اپنا قادر مطلق ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آئے اور سمجھے کہ ہم بڑے سے بڑے اور ادنےٰ سے ادنےٰ معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ شہد کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے اپنا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی اُن کی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتہ بنائیں ۔ آسمانوں کے پاس وحی بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام آسمان جکڑے ہوئے ہیں ہم اُن پر حکمرانی کرتے ہیں اور ہماری خدائی اُن کی ہستی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ۔ ہمارے خیال میں اس وحی کے معنی اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے علاوہ مکھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا منشائے باری تعالیٰ ہو سکتا ہے ۔

اب وہ آیتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں مقدس لوگوں پر وحی آنے کا ثبوت ملتا ہے پوری آیتیں نقل کرنے کے بعد ہم اُس پر بحث کریں گے ۔

سورۃ القصص آیت ۷ ۔ "واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم و لاتخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین" یعنی اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی ماں کو کہ اُسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اس کا ڈال دے اُس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا ۔ ہم تیری طرف اُسے پھر پہنچا دینگے اور اُسے رسولوں میں سے کرینگے ۔

حضرت موسیٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے اُن پر وحی آنا ثابت ہوتا ہے ۔ پھر سورہ کہف میں فرماتا ہے ۔ سورہ کہف آیت ۸۷ ۔ "قلنا یٰذا القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا ۔" اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا اُن میں خوبی رکھ ۔

پھر سورہ مریم میں فرماتا ہے ۔

سورہ مریم آیت ۱۶ الغایت ۲۲ ۔ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیا ۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلٰما زکیا قالت انی تکون لی غلٰم ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ اٰیۃ للناس و رحمۃ منا وکان امرا مقضیا یعنی اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے ایک شرقی رُخ جگہ جا بیٹھیں اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس اُنکے پاس بھیجی وہ اچھے بھلے آدمی کی شکل بنکے اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی وہ (اُسے دیکھکر) کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ) (روح القدس) بولی میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں

وحی

اصل میں وحی وہ چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کُھل جاتی ہے۔ اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے
اول یہ کہ خدا سے اُسکا پیغام سُنا جائے۔
دوسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔
تیسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔
چوتھے۔ یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مُشاہدے کے پیغام الٰہی پہنچے۔
پانچویں یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے۔
چھٹے۔ یہ کہ خواب میں یا اور طرح پر بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو۔

وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیا کے سوا اور لوگوں پر اُترے "تحدیث" کہتے ہیں۔ اور پانچویں قسم کو "الہام" اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیا پر بھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علما نے وحی کی قسمیں بنائیں اور انبیا اور غیر انبیا کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے۔ اگرچہ علمائے کرام کا یہ فعل نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے لیکن میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس امر کا قایل ہوں کہ غیر نبی پر بھی وحی نازل ہوسکتی ہے۔ وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں ڈالا جائے اور اُس پیغام میں اوامر و نواہی کے احکام مضمر ہوں اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہو اور نہ وہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدیل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان اُس جیسا بنا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لیئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہاں اُس کے مُقابل میں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کے لیے فرمایا ہے۔ اس سے کلی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہوگیا۔ ایک تو یہ امر کہ ہم نے اُسے وحی کی کہ یہ کر اور یہ نہ کر اور ایک یہ بات کہ ہم نے قرآن نازل کیا جس کی مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی۔ ہم پہلے قرآن مجید کے اُن مقامات کو نقل کرتے ہیں جن میں وحی غیر نبی پر آئی ہے پھر ہم بتائیں گے کہ اس لفظ وحی سے کیا مُراد ہے۔ آدمی تو آدمی شہد کی مکھیوں کے پاس وحی کے آنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے" واوحی ربك الی النحل" پھر آسمانوں کو وحی بھیجی گئی ہے" واوحی فی کل سماء" اب اس سے ایک عاقل شخص کیا سمجھ سکتا ہے کہ خدا ے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنے چھتے پہاڑوں میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک ناواقف شخص اچھل پڑے گا کہ جب خدا انسان تو انسان جانوروں اور وہ بھی ادنےٰ مکھیوں کے پاس وحی بھیجتا ہے تو پیغمبر اور نبی کی اس میں خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے صرف اس وحی کی وجہ سے ایک کو تمام دنیا کی حجت اور ہدایت مانیں اور دوسرے کو معمولی خیال کریں۔ ایسے خیال کا آنا ممکن ہے مگر در اصل یہ بات نہیں ہے وحی کے

اپنے کل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادر مطلق تصور کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو وکل کے اسی کو ہیں اسی خیال سے یکایک تسکین ہوتی ہے اور پھر اسی تسکین کو خداوند تعالیٰ وحی یا القا یا الہام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں بھی اس کا جلال اور لازوال قدرت کا نقشہ کھنچتا ہے۔ اور یہی منشائے باری تعالیٰ ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنی عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقتوں پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے اور ناسمجھ لوگوں کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنا لے۔

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ مگر ہاں ان کے مدارج ضرور ہیں اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم و برحق کا مرتبہ وہ اعلیٰ ہے کہ کسی کو میسر نہیں ہوا۔ حضرت مریم کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقت کے لیئے تھا۔ اور ہمارے ہادی برحق کے پاس روح القدس کا شب و روز رہنا مداومت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی سادے اور عام فہم الفاظ میں بالکل یہی مثال ہو سکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبہ کا مالک ہو اور اس حکمران پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کی عملداری بہت وسیع ہو۔ بادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک سلطان اعظم ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کر لیتا ہے۔ ہمکلام ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوئی مگر کلام کلام میں فرق ہے۔ اسی طرح اس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھیجی جاتی ہے اور اس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھیجی جاتی ہے اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

وحی جس کے معنی ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جس کا ظہور ہر لحظہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے۔ یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس اور وہ برس جاتا ہے۔ ہوا کو وحی کی جاتی ہے کہ تو چل اور وہ چلنے لگتی ہے۔ پانی کو وحی بھیجی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے۔ انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام کائنات کو جکڑا ہے ان زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہو سکتا ہے اسی طرح وحی اسی طرح القا اور اسی طرح الہام اور اسی طرح حکم خدا۔ اگر غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور ان کے معنی اور مفہوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔

خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے لیئے قوانین بنائے جنہیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین بنائے کہ جب تک کائنات کا وجود ہے وہ قوانین بدل نہیں سکتے۔ اس نے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے اور اس کے قوانین کا عام اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز حادث نہیں ہوتی۔ اس لیئے اسے شایاں سے اور اس ذات پاک وحدہٗ لاشریک کو سزاوار ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور ادنے سے ادنے کام کی نسبت اپنے

(اور) اس لیئے (آیا ہوں) کہ تمہیں (ایک) پاک طینت لڑکا دوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ کبھی میں بدکار رہی (روح القدس نے) کہا (جیسا میں کہتا ہوں) ایسا ہی (ہوگا) وہ ہم پر آسان ہے اور ہم اُسے اپنی قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پا چکی ہے۔

پھر سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۴۵ "اذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان الله یبشرك بکلمة منه اسمه المسیح عیسے ابن مریم وجیها فی الدنیا والاٰخرة ومن المقربین" یعنی جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربوں میں سے۔

پھر سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے "واذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوابی وبرسولی قالوا اٰمنا واشهد باننا مسلمون" یعنی اور جب میں نے حواریین کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر یقین لاؤ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔

ان کل آیتوں سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ غیر نبی کے پاس بھی وحی آتی ہے یہانتک کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل انسان کی صورت بن کے بی بی مریم کے پاس آئے حالانکہ وہ نبی نہ تھیں۔ ہم ملائکہ کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی خصوصیت انبیا کے لیئے نہیں ہے بلکہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی تائید ہر نیک بندہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کہ دنیا پر روح القدس یا جبرائیل کا آنا بند ہو گیا محض غلط ہے بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لمحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا۔ یہ عادت خداوندی ہے کہ اُس نے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیا سے بھی فضیلت دی ہے۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور ہم اخیر لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں اور اُس کی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو

پہلی آیت میں خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہے کہ تو اُسے یعنی موسےٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نہ کر ہم اُسے رسول بنائیں گے۔ ایسی نازک حالت جو حضرت موسیٰ کی ماں کی تھی اُس میں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے اُنھیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچہ کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر اُن کے دل پر پیدا ہوگا وہ سوائے اسکے نہیں سکتا کہ خدائے تعالیٰ مجھے اور میرے بچہ کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہے۔ یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دل میں آیا کرتا ہے۔ اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے ہر وقت

وحی میں جو انبیا کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیا کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنی اُن کے جُدا جُدا نام رکھے ہیں اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے اُن کے صفات میں ہم فرق کر سکیں چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے "قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر" یعنی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے امتوں میں الہام والے لوگ تھے پھر اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔ اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام یا صاحب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو بات کہ اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ خصوصیت کیوں کی گئی جبکہ اوروں کا بھی قوانین قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے۔ سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص معاملات میں آپ کی رائیں بالکل اُن احکام کے مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے از راہ محبت سے ایسا فرما دیا۔ کہ میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے اگر بغور انکو دیکھا جائے تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی۔ کیونکہ ان الفاظ سے ایک طرح کی اعلےٰ درجہ کی صفت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ماں کہہ سکتی ہے کہ میری دست گیری کرنے میں میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ باقیماندہ بیٹے کبھی اپنی ماں سے کوئی سلوک ہی نہیں کرتے نہیں سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام یعنی صاحب وحی ہے مگر ہاں الہام اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیا ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں پر بھی نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہئیے کہ پانچویں قسم جب نبی پر نازل ہوتی ہے کبھی نفث فی الروع بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہے تو اس کو "سکینہ" کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے۔ مشکوٰۃ فی باب التوکل والصبر "قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی" اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے۔ "مشکوٰۃ فی باب مناقب عمر" ما کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر وقلبہ" یعنی سکینہ عمر کی زبان سے اور دل سے بولتی ہے۔

ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب کو وحی القا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آ کے وحی القا کرتی تھی۔ مذکورہ صحیح حدیث سے اُسکا ثبوت ہو گیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک روح القدس نے ڈالا میرے دل میں۔

ساتھ کرے اور اُس کی اس نسبت کرنے کی غایت بہت بڑی یہ ہے کہ نافہم انسان اُس کی مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند سورج کو اپنا معبود نہ بنا لے حضرت موسیٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیرخوارگی کی حالت میں تھے اُس نے اپنی طرف اسی لیئے منسوب کیا ہے تاکہ کم عقل پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کرلیں جو حقیقی خالق کے لئے شایاں ہے۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کی ماں سے کہا تھا کہ تو اُسے دریا میں ڈالدے اور کچھ خوف نہ کھا۔ یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام تو سب قوانین قدرت یا لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں مگر خداوند تعالیٰ ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور دراصل یہی مدعائے قوانین قدرت ہے

اس کی لازوال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے۔ ہر لمحہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر شہادت دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے۔ دنیا میں تبدیل ہیئت کا نام فنا ہے۔ مگر ایک گہری نظر سے اگر دیکھو تو یہ بات نہیں ہے۔ فنا ہونے کا خاص وقت جو مقرر ہو چکا ہے اور جس کا ہمیں علم نہیں کہ کب ہوگا۔ فنا تو اُسی وقت ہوگی۔ اب تو تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو اپنے گل پتے گرا دے وہ گرا دیتا ہے۔ پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں مل جاؤ وہ مل جاتے ہیں۔ پھر اُس خاک کو وحی ہوتی ہے کہ تو دوبارہ درختوں کو بارآوری کی طاقت دے اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہے کہ تمہیں خوراک پہنچ چکی اب تم سبز پتے اور پھل دو۔ چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں۔

ہر شے میں اُس کا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اُسکے حکم یعنی قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا۔ اور ہلے کیونکر وہاں تو عظیم کرّوں سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خوردبین سے بمشکل نظر آتے ہیں قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنی ابتدا سے جو قاعدہ اُن کے لیئے مقرر کر دیا ہے اُس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ اگر تجاوز کر جائیں تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ جو بات ہوتی ہے ان ہی قوانین کے دائرہ میں۔ اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی اُن ہی قوانین کے دائرہ میں۔ معمولی آنکھ جب عجیب حادثے دیکھتی ہے تو اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ قوانین قدرت یا لوح محفوظ میں اتفاق کا لفظ ہی سرے سے نہیں ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہو کہ کتاب فطرت کی الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک ہمیں نہیں ہے تو بھی اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے اور اسلام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وحی کی خصوصیت درحقیقت انبیا کے لیئے نہیں ہے ہاں اُس کے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اوپر بیان کر چکے ہیں۔ وحی ہر شخص اور ہر چیز اور ہر جاندار اور ہر بیجان، حتیٰ کہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا۔ ہمارے علمائے کرام نے ایسی

اُس کی طرف سے توجہ پھیر لیتے ہیں ہمارا تو یہ یقین ہے اور قرآن جابجا سے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوئے روح القدس کی گود میں آپ پاک اور معصوم تھے اور تمام وہ پاکیاں اور تقدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپ کو مل چکی تھیں۔ پھر اس کی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپ کے دل میں نور بھرتا خدا جانتا ہے اُس ذات اطہر اور پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اُس کی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلیٰ تھا۔ روح القدس۔ وحی۔ الہام یہ سب اُس کے پاک خون میں آمیز ہو رہے تھے۔ وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا اور اپنے کمال انسانی کو ظاہر کر کے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ایسا ساتھ ہے کہ جان کندنی کی سخت ترین حالت میں اُسکا نام مبارک لے لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔

فطرت کی کتاب کو آنکھیں کھول کے دیکھو اور کچھ دیر اُس کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ایک قوت ہے جو عظیم الشان کُرّوں سے لگا کے ذرہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرت کی جو قوت آفتاب کے کرے میں خرچ ہوتی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف میں آتی ہے؟ اس کا جواب باسانی ایک بچہ بھی دے سکتا ہے کہ اس میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا آفتاب اور ذرہ میں ہے۔ جب فطرت کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجایش نہیں ہے عالم فطرت کی سیر اپنے ناظر تفسیر کو تھوڑی دیر کے لئے کرانا چاہتے ہیں تاکہ اسے فطرت کے آثار چڑھاؤ معلوم ہو جائیں اور وہ سمجھ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوئی تھی اور اُس وحی میں جو قریشی نبی پر نازل ہوتی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک اور قطرہ سے لگا کے سمندر تک مدارج قایم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہ ہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہ ہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو۔

جب ہم اُن زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان نئی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور ہماری نظر اُن امتیازیہ مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے اُن میں ودیعت کئے ہیں۔ اُن گوناگون اشکال کا امتحان اُن کی بناوٹ کی جانچ اور اُن کے استعمال کے طریقے سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کے مدارج اور مراتب جسطرح گوناگون ہیں اسی طرح اُن کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور ایسی گرد ہیں کہ اُٹھتے بیٹھتے ہمیں اُن سے مفر نہیں یا بالفاظ دیگر ہماری زندگی کا بالکلیہ دارومدار اُن ہی پر ہے۔ مثلاً ہوا۔ جنگل۔ کھیت۔ پانی۔ طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکم خدا یا الہام کا سلسلہ قایم ہے یا کل مخلوق اِس وحی سے دم بھر کے لئے جدا نہیں ہو سکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردین بن رہا ہے۔ اُس پر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی کم عقل سے کم عقل بھی خیال کر سکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت

اسلام نے ان مسئلوں میں جنکو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے کل مضامین یہودیوں یا نصرانیوں سے لیلئے ہیں سراسر اتہام ہے۔ یہودی یا نصرانیوں کو خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیوں کر پیدا کرتے۔ وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور آیا مذہب کسے کہتے ہیں۔ مذہب کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے اخیر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے اُن قوانین کو توڑے جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں اور کل نظام کائنات کا دارومدار صرف ان ہی پر ہے مگر مذہب کی شان یہ ہے کہ اُسکے تمام اصول قوانین قدرت کے ہو بہو مطابق ہوں اور کبھی اُن کی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے۔

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم کی ہے اگرچہ اسکی تشریح انہوں نے نہیں کی۔ وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی ہوتی ہے بالکل یہ اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے۔ اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ فطرت باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔ وحی کا عام ہونا انبیا علیہم السلام کی برترین شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا جبکہ مدارج کا بیّن تفاوت موجود ہے۔ اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگا کے چار روپے کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے۔ مگر کیا وزیر کے رُتبہ کو کوئی ادنےٰ شخص پہنچ سکتا ہے؟ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر یعنی پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ ہمارے واجب التوقیر علما بھی اس طرف گئے ہیں مگر انہوں نے وضاحت سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی جتنے انبیا کو وحی آئی وہ سب معناً تھی یعنی الفاظ خداوندی نہوتے تھے۔ بلکہ مفہوم ربانی تھا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کردیتے تھے۔ اور فخر انبیا قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس کے الفاظ اور اس کا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہمارے نبی معصوم خود ایک مجسّم وحی تھے۔ اور آپ میں سے ہر وقت۔ ہر گھڑی اور ہر لحہ صدہا چشمے وحی کے اُبلا کرتے تھے۔ آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہی کہ آپ کی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی۔ آپ کا ہر بُن مو ایک فوارہ تھا ربانی وحیوں کا۔ روح القدس جب آپ کی پاک زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم ہوگئی تھی، پھر آپ کو خاص طور پر وحی کے نازل ہونے کا انتظار کرنے کی فطرت کیوں تکلیف دیتی ہمارا یہ ایمان ہے آپ پشت پدر سے نبی بن کے جدا ہوئے۔ آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی تھے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں۔ اگرچہ پہلو کے چاک ہونے اور آلائش نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور حدیث کی مستند کتاب میں درج ہے مگر ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے اور خبر احاد کے زمرہ میں رکھتے

جو چاہے کرے۔ اس خیال سے انہیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی روح القدس کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ علیٰ قدر مراتب ذرہ سے لگا کے انسان تک کے ساتھ رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے انہیں یہ قلب مطمئنہ حاصل ہوا جسے خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ ہم بتا چکے۔ شریعت نے جس طرح اُسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے۔ ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔ اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تاہم ابھی یہ دیکھنا ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے جو طریق محدثین اور مفسرین نے بیان کئے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

اول وحی بواسطہ جبرائیل

جبرائیل کے معنی خدا کے بندہ کے ہیں مگر زبان شریعت میں اسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرائیل کئی صورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرائیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ کبھی اجنبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل مسافرانہ صورت نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کے حضرت رسالت مآب کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کرنے لگے۔ آپ کی جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالت مآب نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے تمہیں ایمان و اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے۔

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرائیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخر وقت۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن ماحصل سب کا یکساں ہے۔ اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ہاں گو ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا مگر نہیں ہم ہر روایت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدیل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جبرائیل طرح طرح کی صورتوں میں وحی لیکے تشریف لاتے تھے نہ صرف وحی لیکے بلکہ معمولی باتیں سمجھانے کے لئے بھی آپ کا نزول ہوتا تھا مثلاً مسجد میں مع جوتیوں آپ نماز پڑھ رہے تھے حضرت جبرائیل نے فوراً مطلع کیا کہ آپ جوتی اُتار ڈالیئے کیچڑ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے فوراً جوتی اُتار ڈالی جب صحابہ نے نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو آپ نے

یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت اور شکل سے ایک لمحہ بھی قایم رہ سکتے ہیں؟ اور آگے بڑھ کے پہاڑوں کو دیکھو۔ تاریک کانوں پر نظر کرو۔ عمیق غاروں میں نگاہ دوڑاؤ۔ سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تو تمہیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دیگا کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ کہیں تو یہ چیزیں تمہیں ایک بے قاعدہ صورت میں دکھائی دیں گی جو پریشان اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ ششدر رہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آخیر یہ انتظام کس چیز سے ہو رہا ہے۔ اور کس زبردست قوت نے انہیں اپنی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے؟ جواب یہی دیا جائے گا کہ قانونِ قدرت یا حکمِ خدا یا وحی یا الہام نے؟

ایک ایسا ناظر جس نے ان قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اُٹھے گا کہ اس کا سلسلہ نامتناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذروں کا سمندر کے کنارے پر مگر وہ ناظر جو فطرت کی کتاب تھوڑی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُن کی علیحدہ علیحدہ تقسیمیں بتا دیگا اور اُن کے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دے گا کہ یہ چیز کیا ہیں۔ ان کی ہستی کیا ہے قدرت نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے۔ ان چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالدیا اور ہزاروں آدمی ان کی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے انہیں آدمی کا خدمت گزار قرار دیا۔ اور انہیں صرف یہی درجہ عطا کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں۔ قرآن تو جا بجا یہی بیان شد و مد سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اس فطری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے اُس کی تعریف ہم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بذاتِ خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگون ودیعتوں کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ پھر بھی اُس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگا لیا ہے اور انہیں اپنی زندگی کے لیئے ایسا کارآمد ثابت کیا ہے کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہر شے میں اس کا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہے کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی۔ اس میں شک نہیں کہ جتنے کام ہوتے ہیں خداوند تعالیٰ اپنی طرف انہیں منسوب کرتا ہے اگرچہ اُس نے اُن کے حدوث کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنے کا شایاں ہے حضرت موسےٰ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے اُس سے کہا کہ تو نہ غم کھا نہ خوف کھا۔ ہم اسے یعنی تیرے بچہ کو پیغمبر بنائیں گے۔ یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوئی جب انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کریں گے۔ تو فوراً خیالات نے اس امر کی طرف عود کیا کہ خدا کی وہی ہول چیز ہے بغیر اس کی مرضی کے پتہ تک نہیں ہلتا۔ چونکہ وہی قادرِ مطلق ہے

انہیں نہیں پاتے۔

دوم وحی بواسطۂ آواز

کبھی جرس کے مانند آپ کو ایک آواز سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔ خود نبی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت بیان نہیں فرمائی ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں بعض کا بیان ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں بعض کہتے ہیں متنبہ کرنے کیلئے پہلے سے آواز آجاتی تھی وغیرہ وغیرہ جب خود اس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبوراً علمانے اپنی طرف سے رائے لگا دی مگر پھر بھی وہ اس کی کُنہ تک نہ پہنچ سکے۔ جب انسان کسی خیال میں غرق ہوتا ہے تو اُسے اسی رنگ کی نئی نئی آوازیں سنائی دیتیں اور شکلیں نظر آتی ہیں جنکو وہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر ان کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ غلبۂ روحانیت یا غلبۂ روح القدس کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت میں تغیر ہو جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گزرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی راحت اور ایک اعلیٰ درجہ کا قلب مطمئنہ حاصل ہوتا تھا۔ اور خداوند تعالےٰ کی لازوال قوتوں کا پورا اندازہ کر کے اُس سے لذت روحانی حاصل کیجاتی تھی۔ ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق و باد کی آوازیں بھی کلام خدا بنجاتی ہیں۔ ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلامِ خدا ہیں بیشک ان کے ذریعہ سے خدا اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اُسے معلوم ہے
تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

موسیٰ سے کوئی پوچھے کہ تمہیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا جہاں سے انہوں نے خداوند تعالیٰ سے باتیں کی تھیں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ مصرع قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی۔ نہیں جان سکتے وہ لوگ جو اس کوچہ سے واقف نہیں ہیں۔ نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنہوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں جانا۔ ظاہر بین ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھ معنی لگاتے ہیں اور ہم ان کے کچھ معنی سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بے شک آوازیں آتی تھیں اور حقیقت میں وہ خدا کی آوازیں تھیں جو اپنے بندہ سے باتیں کرتا تھا۔ بجلی کی آواز بھی اُسے نیا پیغام پہنچاتی تھی۔ بادل کی گرج اس کے لئے نئی ہدایتیں لاتی تھی۔ اور وہ آوازیں جو اُسکے دل سے اٹھتی تھیں اور جن سے اس کی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھیں۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا چلنا۔ پھرنا۔ باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا اس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پورے غلبہ میں اُسے مسموع ہوتی تھی خدا کی طرف سے تھی اور بلا شک خدا اس سے خود کلام کرتا تھا۔ یہ وہ عجیب معارف و دقایق ہیں جن کی تہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام

سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکو دیکھ کے آپ نے فرمایا میری جوتی میں چونکہ کیچڑ لگی ہوئی تھی اسلئے جبرائیل نے مجھے آگاہ کیا میں نے جوتی اتار ڈالی۔ یہ ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گزر کے ہزاروں تک پہنچتی ہیں بالکل صحیح ہیں۔ ہر لمحہ ہر کام کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ادنےٰ کیوں نہ ہو حضرت جبرائیل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں جبرائیل یا ناموس اکبر یا روح القدس کی آمیزش ہو گئی تھی، اور آپ کی ذات مطہر و مقدس کی روح القدس لازم بن گئی تھی۔ آپ کا روح القدس میں کامل استغراق بلکہ مجسم روح القدس ہو جانا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ بعض وقت ایک نیا شخص آپ کو مجسم روح القدس معلوم ہوتی تھی اور آپ کی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسے آدمی کی صورت میں دیکھ لیتے ہوں مسمریزم گویا اس درجہ تیقن کی جو انبیا کو حاصل تھا الف۔ بے ہے، اور یہ علم کوئی برا نہیں ہے اگر اس سے کوئی برا کام نہ لیا جائے تو بہت سی مفید باتیں اِس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ سلب مرض بآسانی ہو سکتا ہے۔ بغیر دیکھے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی نہیں ہے جس شخص کو اِس فن میں غلو ہو جاتا ہے اُسے مشکل نہیں ہے کہ جس چیز کا خیال کرے وہ اُس کے آگے مجسم آکے کھڑی ہو جائے اُس سے باتیں کرے۔ اُس کی باتوں کا جواب دے اور خود اُس سے سوال کرے ہمارے نبی معصوم کی شان اِس سے بھی بہت بلند ہے ہم اِسے مانتے ہیں کہ بعض اوقات غلبۂ روحانیت کیوجہ سے روح القدس آپ کو مجسم دکھائی دیتی تھی اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس کی تائید میں تھے، اسلئے اُنہیں بھی نظر آجانا کچھ بات نہیں۔ کون ہے جو نبوت اور اُس کے راز سے ذرہ بھر بھی واقفیت رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے اُن تعلقات کو پہچانا ہو جو مخصوص بندہ اور خالق کے درمیان قایم ہیں معمولی باتوں کو لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرنا اور اسی سے اپنے ہادی برحق کی تعریف سمجھ لینی سخت غلطی ہی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے۔ ہماری طرح پرورش پائی۔ ہماری طرح بڑے ہوئے، پھر بھی وہ امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہے جسکی بلندی پر ہمارا خیال نہیں جا سکتا وہ کائنات کا لب لباب، روح القدس کے مجسم آنے یا جبرائیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے۔ وہ خود ہی روح القدس ہے۔ خود ہی ناموس اکبر ہے۔ خود ہی جبرائیل ہے اور خود ہی میکائیل ہے۔ یہ اُسکی صفتیں ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ نام گنائے ہیں ورنہ ہیں یہ کل صفتیں اُس ذات میں جسے محمد ﷺ کے نام سے پکارتے ہیں۔ خدا کی خاص صفتیں ہیں جو اُس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں۔ کوئی اُنہیں نہ سمجھے اور اُن کے اٹکل پچو معنی لگائے یہ اُس کی خوش فہمی ہے۔ کہاں ہی یہ تاثیر کسی نام میں (اگرچہ بہت سے پیغمبر گزر گئے اور بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا) اب بھی وہ نبی اُمی اپنے روضۂ مبارک میں سے کروروں بندگان خدا کو کلمۂ توحید پر قایم رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اُسکے مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت باقی ہے۔ اب بھی میدان جنگ میں اُسکا پُرجلال نام تیغ و سناں کا کام دیتا ہے اے معصوم ہاشمی نبی تیری بزرگی بہت بڑی ہی تو بلاشک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا تو اپنا ثانی آپ ہی ہی ہائے ہم تیری عالی مرتبہ کو نہیں پہچان سکے ہم اپنی معدود عقلوں اور اپنی بساط کے موافق تیری صفات کی جستجو کر رہی ہیں مگر جیسا کچھ تجھ

میں سلف سے مطلق اختلاف نہیں کیا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ انہوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کیئے ہیں۔ اور ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مُراد لیتے ہیں۔ ہیں سب کے ایک ہی معنی اور سب کا ایک ہی مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں۔ نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علمانے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغام خدا ایک صورت سے نازل ہونا چاہیئے۔ وقتاً فوقتاً اُس کی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا۔ ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول اور پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔ خداوند اپنی ہر ارذل ترین مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے ساتھ اُس نے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اُس سے بھی تجاوز نہیں ہو سکتا۔ وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے اُسکے ہمکلام ہونے کا ایک نیا قاعدہ ہے اور اس سے تجاوز ممکن نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی تو روح القدس اُفق پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتی تھی اور اس صورت سے پیغام باری تعالی پہنچاتی تھی اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز بن کے سُنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہنکر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نور بن کے آنکھوں کے سامنے چکر لگانے لگتی تھی۔ یہ ساری باتیں تراشی ہوئی ہیں جن کو نزول وحی کے راز سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر بھی اگر ہم ان کل صورتوں کو تسلیم بھی کر لیں تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسی طرح وحی کے اُس چشمہ میں جو ہر وقت قلب محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیات ربانی کی شعاعیں اُس جوش زن چشمہ میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی تھیں جن کی کُنہ کو سوائے اُس ذات کے جس کے دل میں یہ چشمہ وحی اُبلتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نہ وہ خود اُسکی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کر سکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اُس کی کیفیت غیر محدود پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اُس کا راز ادا ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے۔ کبھی اُسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی کبھی تجلیات ربانی کی مثال دے کے سمجھایا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی کیونکہ اُن تمثیلوں کو بھی سمجھانا محالات سے تھا۔ نہ خداوند تعالی نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان فرماویں اور بس۔ کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبراً مانو اور اُس پر عمل کرو۔ اس کی تائید خود کلام پاک میں موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔" کلام کی یہی خوبی ہے کہ وہ خودبخود دل میں گھر کرتا جائے۔ اور اُس کے نقش بغیر کسی کوشش کے ازخود دل میں بیٹھتے جائیں۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ اس قدر احسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب

نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ ہمیں اُس نے اسی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اُس کی روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے۔ ہمیں اسی کی مرضی پر جینا۔ اُسی کی مرضی پر کام کرنا اور اُسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے۔ دعا ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اُسی کے سایہ اور اُسی کی سرپرستی میں یہ عظیم الشان کام انجام دیں۔

سوم وحی بواسطۂ تجلّیات ربّانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت بیداری میں وحی نازل ہوتی تھی اور اسکی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات ربانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرما لیتے تھے۔ اس صورت سے کل اسرار غیبی آپ پر عیاں ہو جاتے تھے جیسا نماز کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی تھی۔

یہ بھی بالکل صحیح ہے ہم یہ تو نہیں مانتے کہ صرف نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی۔ اور جسے آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے۔ تجلیات ربّانی یعنی روح القدس آپ کی ہمدم و ہمقرین رہتی تھی۔ وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبی نہ عیاں ہوتے ہوں۔ قرآن مجید کی آیتوں یا سورتوں کا بروقت ضرورت نزول اس امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرائیل کی مجالست سے علیحدہ نہیں ہوئے اور یہ کیوں کر ہو سکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لیئے پیدا ہوں۔ جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لیئے تمام ربّانی تجلیوں کا ہجوم چاہیئے۔ کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پوری ہمقرین ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صدہا برس گزرنے کے بعد ویسا ہی پر زور رہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔

اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپ کی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان کے پیدا کرنے کی کیا غایت ہے۔ خود خداوند تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمادیا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے۔ یہ ایک بڑا پُر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر سے نہیں ہوئی۔ ہم نے وحی کے نازل ہونے

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین ۰ وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین وما ھو علی الغیب بضنین وما ھو بقول شیطن رجیم فاین تذھبون ۰" یعنی یہ قرآن اُس رسول کریم (یعنی روح القدس) کا کلام ہے جو صاحب قوت اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا نبی (محمد) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جائے) اور اُس نے روح القدس کو (اس کی صورت اصلیہ ؟) افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدائش سے آپ کی ہمقرین تھی اور آپ کی ذات اقدس و اطہر کے ساتھ مل کے شیر وشکر ہو گئی تھی جو کچھ آپ فرماتے تھے روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو اُفق پر دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ایک مجسم چیز اُفق پر ایک بار دکھائی دی اور پھر غائب ہوگئی بلکہ روح القدس کی اصلیت کو بلندی پر دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اعلےٰ درجہ کی روح القدس آپ کی ہمقرین بنائی گئی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہم نے لکھا تھا کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے اسکی اس آیت سے شہادت مل گئی۔ اُفق پر روح القدس کو دیکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی ذات میں جو روح القدس ودیعت ہوئی تھی وہ اعلےٰ درجہ کی اور بلند تھی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرائیل کا ایک جسم قرار دے کے اُفق پر کھڑا کریں اور اُن کے بڑے بڑے پر بیان کریں اور اُن کی صورت ایک ایسے خوفناک دیو کی بیان کریں جو ہمارے مشرقی قصہ نویسوں نے زیادہ تر اپنے فسانوں میں لکھے ہیں۔ ایک کامل نور کامل ہدایت کو ایک ہیبت ناک جسم میں مقید کرنا یہ ہمارے بعض علماء کرام کا شیوہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کرتے۔

رب العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمد کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ روح القدس آپ کی ذات اقدس و اطہر میں بولتی تھی اور اس قدر وابستہ ہوگئی تھی کہ جو کلام آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا اسمیں روح القدس کی تائید ضروری تھی۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" قل نزلہ الروح القدس من ربک بالحق "۔ یعنی تو کہہ اس قرآن کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اُتارا ہے۔ اس میں شک کرنا اور اُس کی صداقت میں کلام کرنا سخت نافہمی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کیطرف سے نازل ہوا وہ حق ہے اور سوائے صداقت کے اُس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے بخوبی واضح ہوگئی ہوگی۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہاں تک منشائے باری تعالیٰ کے موافق ہے اور اُسکا تطابق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے۔ قوانین قدرت شاہد ہیں کہ الہام

نہیں ہوا۔ قرآن مجید سے بھی خود اس کی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے "نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کی جائے" یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنی نرم بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالی تھا جس کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تمثیلوں میں بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحب وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں۔ مگر جن کی نظر نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں جنھیں نبوت اور اس کے راز کا اور پری علم بھی ہے اور جو محمد اور خدا کے تعلقات سے واقف ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب حل ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے۔ ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتا جائے اور اس کی ترکیب دریافت کرنے کی میزبان کو تکلیف دے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ کیونکر پکایا گیا۔ ہاں پکانے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیں وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھ پر نازل ہوا ہے اس میں یہ اوامر ہیں اور یہ نواہی ہیں۔ اس کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھ پر وحی نازل ہونے کا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت دیکھ کے یہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرما دیا بھی ہو مگر آپ کا وہ فرمانا محض تمثیلی خیال کیا جائے گا حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا۔ جب راحت درد کھٹاس میٹھاس کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے گی۔ جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ اُسی قدر ہے جتنا خدا نے ہمیں آگاہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے" قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبك باذن الله" یعنی کہہ جو کوئی روح القدس کا دشمن ہو ہوا کرے مگر اُس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے حکم سے اُتارا ہے"۔ اس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ اُبلتا تھا اس لیئے کہ روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا۔ اور ایک آیت سے اس کی تشریح اور بھی واضح طور پر ہو گئی۔ جہاں خداوند رب العرش ارشاد کرتا ہے" یلقی الروح من امرہ علی من یشاء" یعنی خدا روح القدس کو جس میں چاہے القا کرتا ہے۔ یا خدا روح القدس کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیجدیتا ہی اس سے یہ بات تو نہیں پیدا ہوئی کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آکے بلفظہ قرآن سُناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کر دیتی تھی۔ آگے آنے والی آیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہو رہے ہیں دُور ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں۔

دین اور دینی عقاید کا دار و مدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو۔ ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوئی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بھی کام لینا جانتا ہے وہ ہماری بحث کو سمجھے گا بھی اُس سے لطف بھی اُٹھائے گا اور ممکن ہے کہ اُسے کچھ فایدہ بھی ہو۔ چنانچہ وہ بحث یہ ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو یعنی قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنی حدیث قدسی یا سنت۔ یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی آمیزش سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اور جو کچھ آپ کے دل میں القا ہوتا تھا اُسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہوں۔ چونکہ اُن احادیث کا طرز کلام قرآن کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لیئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اُس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لیئے جُدا جُدا نام ٹھیرا دیئے۔ ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنی سنت اور حدیث قدسی کہا۔ اب یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس دم بھر آپ سے جُدا نہیں ہوتی تھی اور ہر وقت آپ کی زبان سے بولتی تھی غرض جو کلام آپ فرماتے تھے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بھی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چھپاں ہی نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں یہ صرف ہماری ہی راے نہیں ہے بلکہ علما کا ایک بڑا گروہ اِس طرف گیا ہے۔ الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگرچہ مطلب کچھ نہ کچھ ہو نا ممکن ہے۔ چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حضور انور نے تمام زندگی میں جتنی باتیں کیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے وہ سب اسی شان اور اسی عظمت کے تھے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کا قلب پر کامل غلبہ اُسی وقت ہوتا تھا جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کرلو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اُس کے قلم سے نکلتے ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو اُس کی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب اور شان میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ کبھی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اُس تقریر سے مطابق ہو جائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی ہے۔ لاکھ ہمیں بولنے کی مشق ہو پھر بھی بہت بڑا فرق ہوگا۔ یہ مثال اگرچہ بہت ادنےٰ مثال ہے پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن کی زبان میں اور احادیث کی زبان میں کیوں بہت بڑا فرق ہے۔ فرق تو فرق کچھ نسبت ہی نہیں ہے۔

اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالت مآب تک یکساں رہا

سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آجانے والا مذہب دنیا میں کوئی نہیں۔ یونانی فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھا تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے اُنہوں نے ہر طرح سے پرکھا مگر کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادئی رائے ہونی چاہیئے۔ تعصب اندھا کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے تو صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتہ کسے کہتے ہیں۔ نزول ملائکہ کے کیا معنی ہیں الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے۔ مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی میں نہیں پہنچے۔ انہوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قایم کیا ہے۔ مثل انسان کے فرشتے آتے ہیں اور اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ مثل انسان کے جو پیغام سُناتے ہیں اُس میں آواز بھی ہوتی ہے اور الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ آسمان پر چلے چلے جاتے ہیں۔ یہ خیالات افریقیہ کی وحشی اقوام کے لیئے زیادہ موزوں ہیں۔ اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو ان سے کچھ علاقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یورپ میں عیسائیت مٹتی جاتی ہے اور اُسکا دائرہ اسقدر تنگ ہوتا جاتا ہے کہ چند روز میں سوائے قومیت کے عیسائیت کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا

قرآن مجید اُس شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا جس نے تقلید کا جامہ پہن لیا ہے۔ یا تعصب نے اُس کی عقل کو بے کار کر دیا ہے۔ قرآن میں معجزہ یہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق وہ جواب دیتا ہے اور اُس کا اطمینان کر دیتا ہے جس قدر گہری نظر کرتے جاؤگے نئے نئے مطالب حل ہوتے جائیں گے۔ اور وہ وہ باریکیاں نکلیں گی جو دیدہ نہ شنید۔ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص مفسر پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اُس سے اچھی بات بھی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے ہو نہیں سکتا۔ غیر طرفدارانہ طور پر توریت اور اناجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو۔ تو ایک عظیم فرق پاؤگے۔ توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرت ملیں گی جنہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائیں گی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہی اُسنے مُنہ کی کھائی اور سخت خفت اُٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے ادق مضمون تھے مگر قرآن مجید نے ایسے حل کیئے کہ ایک حکیم سے لگا کے ایک بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے۔ پڑھنے والے اگر پیچیدگی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اُنکی عقل کا قصور ہے۔ اس کی بالکل یہی مثال ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہاں تک تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی اب ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے۔ یہ بحث ہمارے علمائے کرام کی بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پرستی کرتا ہو اور اُسکے

کلام خدا آپ ہیں القا بھی کرتی تھی اور اُس کی عبارت بھی بتادیتی تھی اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو پادری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قایم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم کرلیں کہ سوائے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے اُنہیں الفاظ اور عبارت نہیں بتائی جاتی تھی اور پھر اخیر میں یہ طریقہ بدل دیا گیا تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب خدا کی حجت پوری ہوئی اور اُس نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہ دیکھے تھے بہت کچھ اُس میں تبدیلیاں پیدا کردیں۔ اور جس نے جو کچھ چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اِس اثنا میں سلسلۂ نبوت برابر جاری تھا اور اخیر میں نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا اس لیئے یہ حکمت تھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سان وگمان بھی نہ رہے سلسلہ نبوت ختم ہوچکا ہے۔ اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا (کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے الفاظ میں ڈھلکے اور نئے نئے محاوروں میں آگے لازمی ہے) تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت داعی ہوتی تاکہ وہ بتائے کہ کلام خدا میں یہ یہ تحریف ہوئی تھی۔ اور جب خدا کو سلسلۂ نبوت ہمارے معصوم وبرحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمۂ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونے کی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی اور ہر ہر لفظ پر مُہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور اُس کی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اُس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا جو آسمان پر ستاروں میں الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراض کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظہ کیا اور لفظ بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سُنایا۔ اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اُس وحی کو کہتے ہیں جس کے الفاظ بھی خدا سے ہی ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے ادنٰے ہے۔ اسی بنا پر مسلمان مفخر انبیا حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القائے وحی کی تبدیلی تکذیب نبوت پر اس لیئے دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہوسکتا ہے کہ خدا کو خلاف عادت کیا ضرور تھا جیسا کہ عیسائیوں کا دین ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے مر کے زندہ ہوئے اور پھر معہ جسم آسمان پر اُٹھا لیئے گئے۔ اِس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو ضرورت کیا تھی۔

اب جو جواب پادری صاحب اس کا دیں گے وہی جواب مسلمان طریقہ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیدینگے۔

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظر تفسیر کی تسکین کے لیئے بہت کافی ہوگی وہ اِس تمام بحث کو بغور پڑھ کے سمجھ جائے گا کہ ہمارے نبی معصوم وبرحق خود مجسم وحی تھے۔ آپ کے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح القدس کے ذریعہ سے اُبلتے تھے۔ آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے بلکہ روح القدس

یا کچھ بدلا گیا۔ قرآن مجید سے توصریح طور پر یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ اور تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدل گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں لیکن اب اسے بالتفصیل لکھتے ہیں۔ انبیا پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ در اصل اُس القا کا (جو خدا کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی) مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ روح القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہ ہوتی تھی۔ تورات اور اناجیل میں خدا کو متکلم کہیں نہیں بنایا گیا ہے مگر قرآن مجید میں خدا ہر جگہہ متکلم بنایا گیا ہے۔ بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ دے آئیں اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ درحقیقت کلام خدا ہی کا ہے۔ یہ اعتراض اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی کیونکر القا ہوتی تھی اس لیئے تورات اور اناجیل حضرت موسٰی اور حضرت عیسٰی کے کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں جس طرح مسلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح تورات و اناجیل کے قصص جمع ہوئے پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع و تنقید اور تورات و اناجیل کی جمع و تنقید میں بہت بڑا بل ہے۔ ہمارے ہاں اسمار الرجال گویا صحیح اور غیر صحیح پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ مگر تورات و اناجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اسوقت تک ایجاد نہیں ہوئی۔ ہمیں یہاں اِس بحث سے کچھ سروکار نہیں۔ صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت موسٰی یا حضرت عیسٰی جو کلام خدا فرماتے تھے اگر اُسی وقت لکھ لیا جاتا تو ضرور اُس پر غور کیا جاتا اور جب کلام خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اُس میں کلام ربانی کی شان ہی کیونکر پائی جا سکتی ہے۔ ہم اس بحث کے بعد یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علمائے نصارٰے کا خیال ہے وہ صحیح ہے جیسا کہ ہیو سو برا اور لیافان صاحب لکھتے ہیں "روح القدس نے جنکی تعلیم اور مدد سے انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے اُن کے لیئے کوئی زبان نہیں تیار دی تھی بلکہ اُس نے انکے دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچا لیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ اور عبارت میں اُس کو ادا کرے اور جیسے ہم اُن پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کے موافق اُن کی کتابوں میں فرق پاتے ہیں اُسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے ماہر ہوگا متی۔ لوقا۔ پال اور یوحنا کے محاورہ میں فرق پائے گا اگر روح القدس حواریوں کو عبارت بتا دیتی تو یہ بات ہرگز نہ ہوتی بلکہ اِس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر کتاب کا محاورہ علیحدہ ہوتا" اِس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے ایک تو کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا۔ دوسرے یہ بھی ہدایت کر دی کہ اپنے محاورہ کے مطابق اسے بیان کرنا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر روح القدس چاہتی بھی جب بھی صدی کی گزشتہ باتوں کا حواریوں اور انجیل نویسوں کے دلوں میں القا نہیں کر سکتی تھی۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہوگیا کہ بطور مضمون کے وحی القا ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا انبیا علیہم السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مان لیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور انبیا سے بہت اعلیٰ ہے کہ روح القدس

چھٹا باب

سحر یا جادو

نہ صرف مشرقی دنیا میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی جادو کا عقیدہ مدت تک باقی رہا۔ اور ہنوز موجود ہے۔ کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ یورپ بالخصوص لندن میں تو وہ داخل قانون ہو گیا تھا۔ اس جادو کے عقیدہ نے بیگناہوں پر ظلم کیئے ہیں۔ گھروں کو برباد کیا ہے۔ اور قوموں کی قومیں اسی ظالم عقیدہ کے لپیٹے میں آکے صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے انکار نہیں کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی تردید نہیں کی۔ مگر ہمارے برحق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اِس وہمی علم کی بلکہ اس شخص کی جو جادو جاننے کا معترف ہو سخت تضحیک کی ہے اور اُنہیں حقیر جانا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سحر یعنی جادو کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر ان مقامات کو غور سے پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت جادو کوئی چیز نہیں۔ اور جو اس وہمی علم پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ مرتبۂ انسانیت سے بھی خارج ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں پر افسوس کیا گیا ہے جو جادو اور اُسکے وہمی اثرات کو مانتے ہیں اور ہر ایسی شے

لہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اور قوموں کے عقاید اور خیالات جادو کی نسبت مفصل بیان کیئے جائیں چونکہ یہ ایک ضروری اور دلچسپ مضمون ہے اس لیئے اس سے جادو کی نئی دنیا کے عجائب وغرائب منظر معلوم ہوں گے اور اس بات کا علم ہوگا کہ جو تعویذ گنڈے اب جاری ہیں یہ قدیمی ایجاد ہے اور اس پر عقیدہ رکھنے والے وحشی اقوام میں کئی ہزار برس سے چلے آتے ہیں۔ جاہل اور سست عقیدہ مسلمانوں نے اُن کی تقلید کی اور اسلام کے روشن احکام کی پیروی پر لات مار کے اس قسم کے وہموں میں پھنس گئے۔ ایسے وہم جن کی تضحیک اور تحقیر قرآن پاک میں جابجا موجود ہے۔

قدیم قوموں میں سحر یا جادو کی یہ تعریف ہے "جادو وہ علم ہے جو عجیب وغریب واقعات کے حدوث کی تعلیم کرتا ہے۔ اور اُس سے خلاف امید باتوں کا ظہور ہوجاتا ہے" جادوگر ہمیشہ علم نجوم۔ علم غیب۔ افسونگری میں اپنی اوقات بسر کرتے تھے اور پہلی سیڑھی اُن کی یہ ہوتی تھی کہ وہ روحوں اور شیاطین کو مسخر کریں۔ کوئی عجیب چیز جسکا ظہور قوانین قدرت کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے جادو کے عقیدہ نے نہ صرف علم کے حق میں اُسے مضر ثابت کیا بلکہ لوگوں کے دماغ میں اپنا ایسا زہریلا اثر قایم کر دیا کہ صدہا برس کے تغیر وتبدیل کے بعد بھی نہیں نکلا۔ پلینی کا بیان ہے کہ جادو نے اگرچہ عامۂ خلایق کے عقاید کا ستیاناس کر دیا پھر بھی اس سے تین قسم کا علم جو بجائے خود واجب التوقیر ہے حاصل ہو گیا۔ اس میں کسی کو بھی شبہہ کرنے کی گنجایش نہیں ہے کہ جادو کا علم طب سے نکلا ہے۔ طب کے عجیب وغریب کرشموں نے لوگوں کے دلوں میں جادو کے عقیدہ کو مستحکم کر دیا اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ اتنی جلدی صحت ہو جانا ضرور ارواح اور شیاطین کی مدد سے ہوا کرتا ہے۔ اصل حقیقت کو سمجھنے والے تو بہت کم ہوتے ہیں

بولتی تھی۔ آپ دراصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح القدس کلام کرتی تھی۔ قرآن مجید خود اس امر کی شہادت ہے کہ اُس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیئے دنیا کے کُل مذاہب سے کنارہ کرلو اور پھر غیر طرفدارانہ قرآن پر غور کرو تو تمہیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائی دے گا۔ یہ کتاب جیسی پُر اثر ہے ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کے ایک ایک جملہ میں ایک زندہ روح ہے جسکی قوت تیرہ سو برس سے جوں کی توں باقی ہے۔ زمانے بدل گئے مذاق بدل گئے خیالات بدل گئے مگر اُسکے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہہ قایم ہیں۔ اور کسی کو جرات نہیں ہوسکتی کہ ذرا بھی سوء ادبی سے اُس کی طرف دیکھ لے۔ جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب اُن کے قول کے مقابلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے تو پھر اُن میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا اور وہ اپنی سلامتی خاموشی میں دیکھتے ہیں۔ ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت کر رہی ہے۔ اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بوسیدہ دکھائی دیگی اور ہر جگہہ طوائف الملوکی یعنی مذہب سے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی اور جب اور ہر غور کروگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن کی حکومت میں اب بھی دم خم باقی ہے اور جو رعب اُس کا ایک غریب شخص پر ہے وہی شہنشاہ بحر و بر پر ہے۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح۔ حرارت اور قوت پائی جاتی ہے۔ اور اُس کا سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور انجیل وحی غیر متلو یعنی اُس کے الفاظ بھی روح القدس کے الفاظ ہیں اور انجیل کے الفاظ روح القدس کے الفاظ نہیں ہیں۔

اے انبیا کے سچے مُحسن تیری شان برتر و اعلےٰ ہے تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے۔ اب بھی روح القدس اُس میں اُسی روحانیت سے موجود ہے۔ اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی ہے۔ **اے** ہادی برحق تو اب بھی ہم میں وعظ فرماتا معلوم ہوتا ہے۔ جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے تو تیری موجودگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھنچ جاتا ہے۔ کچھ تو ہے جس کا یہ اثر ہے۔ اور کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسی میں سب کو جکڑ رکھا ہے۔ **اے** قریشی نبی تیری ہی کتاب کی رہنمائی سے تجھے پا سکتے ہیں۔ اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اختلافات نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیرا اور تیری کتاب کا اے اُمّی نبی ہر فرقہ وہی احترام کرتا ہے۔ تیری روشن کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت چشم زدن میں ہزارہا اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔ کیوں نہو تو ربّ العرش کا سچا پیغمبر ہے اور تیری کتاب روح القدس کی تائید سے ترتیب دی گئی ہے ✦

کھود کے نکال لی جائے تو تمام جادو بآسانی آسکتے ہیں اور ہر شخص حضرت سلیمان کی طرح تمام عالم کی مخلوق پر قبضہ رکھ سکتا ہے۔ شیاطین اور اجنہ کے اس اغوا میں آکے لوگوں نے کرسی کے پایہ والے مقام کو کھود ڈالا اور اُس میں سے وہ کتاب نکال لی جو جادو کے اسم اس میں تحریر تھے سب پڑھنے شروع کیئے۔ اُن سے عجائب وغرائب چیزوں کا ظہور ہوا۔ الہامی کتابوں کو لوگوں نے مطلق پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور ہر شخص سحر کی کتاب کو ازبر کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اُن کی تمام ہمت افسوں گری اور جادو ٹونے میں مصروف ہونے لگی۔ تمام وہ خیالات جو حضرت سلیمان خدا پرستی کی بابت اُن میں رائج کر گئے تھے بتدریج نسیاً منسیاً ہوگئے۔ ہر قسم کے افسوں اُن کے معبود بن گئے اور وہ ان ہی فاسد خیالات کی پرستش کرنے لگے۔ جب اجنہ اور شیاطین نے یہ دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت پوری گمراہ ہوئی اور اب یہ کبھی بھولے سے بھی خدائے عزوجل کا نام نہیں لیتی وہ رفتہ رفتہ گم ہونے شروع ہوئے اور اخیر لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ اِس وجہ سے یہودیوں کے دین کو سخت صدمہ پہنچا۔ کتب اللہ سے اعراض کرنے سے اُن کے روحانی امراض بڑھنے لگے۔ بتوں اور ارواح خبیثہ

ہندوستان میں لاکھوں بلکہ کروروں آدمی اس قسم کے ہیں جو انگریزوں کو جادوگر خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ جادوگر کہلاتے تھے جو فطری علوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور روزمرہ اپنے علم کے ذریعہ سے نئے نئے تجربات دکھاتے تھے۔ مثلاً کیمیا کے بہت سے پُر اثر تجربے ہیں کہ اگر ناواقف کے آگے دکھائے جائیں تو وہ اُنہیں جادو سے تعبیر کرے گا۔ اور اسے یقین ہوجائے گا کہ عامل میں مافوق الفطرت ملکہ ہے۔

ہیٹنا پوڈا نے ایک علیحدہ ضخیم کتاب فطری سحر پر لکھی ہے جس میں اُس نے اُن فطری اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے عجیب عجیب مُشاہدے ہوتے ہیں۔ کیلڈیا والوں کا فطری سحر سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ معدنیات کی قوتوں کو دریافت کریں یا بالفاظ دیگر وہ معدنی طاقتوں کو فطری سحر سمجھتے تھے لیکن سحر یا جادو جسے وہ اپنی زبان میں ھتیورگیا کہتے تھے اُسمیں دیوتاؤں اور ارواح کی تقریبات شامل تھیں تاکہ وہ ان کی نذرانوں اور قربانیوں کو قبول کرلیں۔ وہ سمجھتے تھے اگر ہماری یہ نذریں اور قربانیاں قبول ہوجائیں گی تو ہم ان کے ذریعہ سے خدا سے باتیں کریں گے اور امراض کو اچھا کردیں گے۔

علوی جادو وہ ہے جسکے ذریعہ سے ہر قسم کی ارواح اور تمام ستاروں پر پوری حکومت ہوجائے اور پھر انسان پر پورا قبضہ ہوجائے۔ اِن ہی اصول پر اُنہوں نے ایک مضحکہ خیز سلسلۂ علم قایم کیا ہے۔

مافوق الفطرت سحر میں شیاطین اور اجنہ کی تسخیر ہے یعنی وہ جادو جس سے شیاطین اور اجنہ مسخر ہوسکیں اس کے اثر ہمیشہ نون اور دھنر بیان کیئے گئے ہیں اگرچہ اُن کے عجیب وغریب ہونے میں شک نہیں کیونکہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات فطرت کی قوتوں پر اپنے عمل کے زور سے غالب ہوجاتا ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں محض افسانہ ہیں کبھی ایسے عجیب مشاہدے نہیں ہوئے۔ خیالات اور مشرقی فسانوں میں ان کی گنجایش رہی اور یہ وہیں مقید ہوگئے۔ ظہور ان کا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔ فطری قوتوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ یہ امکان سے باہر ہے اس امر کا یقین کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔

کو جو اُن کی سمجھ میں نہ آئے جادو کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کفار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور قرآن کو جادو سے تعبیر کرتے تھے ایسے اشخاص ازلی گمراہ تھے جو جادو کی ایک ہستی قائم کر کے انتخاب کائنات کی نسبت یہ ہرزہ درائی کرتے تھے۔ ہم قرآن کی اُن آیتوں پر جن میں جادو کا بیان ہے مضمون کے اخیر حصہ میں بحث کریں گے۔ پہلے ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علمائے کرام کا سحر کی نسبت کیا خیال ہے اور وہ اسے کیا سمجھتے ہیں اگرچہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ جادو کو برحق سمجھنا بعض غلط فہمی کی وجہ سے ہمارے عقاید میں داخل ہوگیا ہے۔ تاہم ہمیں اس کی گہری تحقیق کرنی چاہیئے اور بتانا چاہیئے کہ قرآن مجید اس کی نسبت کیا رائے دیتا ہے۔ اور ہمارے علما کیا فرماتے ہیں۔

سحر کی ابتدا یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جن شیاطین اور آدمی مل جل کے رہتے تھے۔ شیاطین یا جنوں نے حضرت سلیمان کی امت کو ارواح خبیثہ کی پرستش کے طریقے اور اُن پر قبضہ پانے کے قاعدے بتانے شروع کیئے اِس تعلیم سے خدا پرستی میں فرق آنے لگا۔ جب حضرت سلیمان کو یہ حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ سب جن اور شیاطین کو حاضر ہونے کا حکم دے۔ چنانچہ وزیر نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ کُل طرق اور قواعد ارواح پرستی کے تم ایک کتاب میں قلمبند کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کیگئی اور اُن اسماء کی ایک کتاب بن کے تیار ہوگئی حضرت سلیمان نے اُس کتاب کو اپنی کرسی کے نیچے جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے دفن کردیا۔ اِس کے یہ معنی ہوئے کہ پھر ارواح پرستی کا علم مٹ گیا جب تک حضرت سلیمان زندہ رہے یہی کیفیت رہی مگر جب آپ کی وفات ہوگئی اور آپ کا وزیر آصف بن برخیا بھی رحلت کر گیا تو جنوں اور شیاطین نے عجیب چالاکی کی یعنی لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان نے جادو کے زور سے یہ کُل حکومت کی تھی اور اسی سحر کی وجہ سے جتنے جن شیاطین سب اُن کے مطیع ہوگئے تھے۔ وہ اُن کُل جادوؤں کی کتاب اپنی کرسی کے نیچے دفن کر گئے ہیں اگر دیکھنا ہے

مگر ظاہری حالات کو دیکھ کے حکم لگانے والے ہمیشہ کثرت سے ہوا کرتے ہیں۔ پھر یہ علم نجوم میں جاکے مل گیا اس وجہ سے کہ نافہموں نے یہ خیال کرلیا کہ ہر چیز کا ظہور آسمان سے ہوتا ہے ضرور ستاروں اور سیاروں کا ہم پر اثر پڑتا ہے۔

اگر یپا نے جادو کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ فطری۔ علوی۔ اور مافوق القدرت۔

فطری جادو وہ ہے جس سے قوانین قدرت کے موافق عجائبات کا ظہور ہوتا ہے اور نظام کائنات اسی فطری جادو سے قایم ہے مرنا جینا سب اسی جادو سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بہت سے عجائبات سماویہ مطلق سمجھ میں نہیں آتے جو روزمرہ یا کبھی کبھی ہماری آنکھوں کے آگے حادث ہو کے معدوم ہوجاتے ہیں جن کا سبب ہم نہیں دریافت کرسکتے۔ اور جن کے حادث ہونے کے صحیح اسباب ہماری ضعیف اور محدود عقول نہیں پاسکتیں۔ تو بھی اس صورت سے ہمارے بہت سے تجربے فطری فلسفہ بالخصوص بجلی علم مناظر و مرایا اور علم قوت مقناطیسی اسی قسم کے جادو کی ایک شکل پیدا کرتے ہیں۔ ناواقف اور وحشی لوگ ان ہی کو کرامت سمجھتے ہیں۔ رجواڑوں میں جب نئی ریل جاری ہوئی ہے تو ہزاروں ہندوؤں نے انجن کو سجدہ کیا تھا اور اُسے دیوتا مانتے تھے اب بھی

عظیم اٹھایا تھا اس لیئے وہ کافر مطلق ہو گئے۔ اور اُن کے کفر میں ذرّہ برابر بھی شُبہ نہیں رہا۔ وہ اسی وجہ سے لوگوں کو سحر کی تعلیم کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے "ویعلمون الناس السحر" یعنی لوگوں کو اعمال سحر کی تعلیم کرتے تھے اُن کے افترا اور دروغ سے لوگوں نے دھوکا کھا کے جادو اور افسوں گری میں اپنے کو متوجہ کر لیا۔ عام طور پر یہ پورا یقین ہو گیا تھا کہ درحقیقت سحر بذات خود کوئی بُری چیز نہیں۔ کیونکہ جب پیغمبروں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ اپنی کامیابی کا اسے بہت بڑا آلہ بنایا پھر اسکا سیکھنا کسی طرح بھی بُرا نہیں ہوا۔ وہ جادو کے سیکھنے میں بتوں کی وہ تعظیم کرتے تھے جو رب العزت کی شایان شان تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان ارواح خبیثہ کو غیب دانی میں بہت بڑی دستگاہ حاصل ہے۔ وہ مشکل کشائی میں ید طولےٰ رکھتی ہیں۔ اگر انہیں مسخر کر لیا جائے تو دین و دنیا کی ہر چیز بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہمارے علمائے کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کا سحر جس میں غیر اللہ کی قربانی کی جائے۔ ارواح کو عالم غیب اور مشکل کشا سمجھا جائے یا بتوں کو سجدہ کیا جائے بہت بڑا کفر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے اور اُس پر فتوائے ارتداد جاری ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُس کے توبہ کی بھی مُہلت دی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد ہے تو اُسے تین دن کی مُہلت دینی چاہیئے تاکہ وہ توبہ کرے اور ایسے قول و فعل پر لعنت کرے۔ اور اگر تین دن تک وہ توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دینا چاہیئے اور اُس کا جنازہ نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن

پیشواؤں کی تھی جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ موکلوں یا جنات سے تعلقات رکھتے ہیں اور انہیں اُن پجاریوں نے مقدس راگوں اور عملوں کے زور سے تسخیر کر لیا ہے۔ فیثاغورث کا بیان ہے کہ جس پر جن بھوت پریت یا آسیب کا سایہ ہو وہ عمل کے موکلوں کی مدد سے بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ جھاڑا پھونکی اور تعویذ گنڈوں سے بھی اچھا ہو سکتا ہے اور جادو کے راگوں سے بھی اُسے چنگا کر سکتے ہیں۔ اور کبھی صرف گانے سے ایسا مریض صحت پا سکتا ہے۔

فاضل موشیئم کا بیان ہے کہ قدیم مشرقی اقوام کا یہ عقیدہ ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے پڑھنے سے جن بھوت پریت اور تمام ارواح پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے ہی الفاظ ہیں جو روحوں کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں اور ایسے بھی الفاظ ہیں جو آسیب وغیرہ کو زیادہ مرغوب ہوتے ہیں۔ جب یہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ کسی جن کو تسخیر کیا جائے تو جادوگر وہ راگ گانا شروع کرتے ہیں جو اُس جن کے مرغوب طبع ہوتا ہے۔ اس صورت سے وہ اُس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جب وہ کسی جن کو بھگانا یا جلانا چاہتے ہیں تو وہ راگ گاتے ہیں جو اُس جن کے تن بدن میں سوئیاں لگا دیتا ہے اور پھر وہ جن غل مچاتا ہے۔ اور بھاگ جاتا ہے یا جل جاتا ہے۔ ساتھ ہی دوسری ترکیب یہ کی جاتی ہے کہ ایک تقطیع سونے کی یا چاندی کی جن زدہ کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اور اُس میں وہ نقش کندہ کیئے جاتے ہیں جو جن کو مرغوب نہیں ہیں اور اُس نقش یا حروف سے اُس جن کے سوئیاں چبھنے لگتی ہیں اور پھر آگ لگ جاتی ہے۔

سیری نکس سامونیکس لکھتا ہے کہ لفظ ابراکاڈابرا ایک ایسا زود اثر لفظ ہے جس سے بخار اور معمولی بیماریاں

اور اسلاف شیاطین کے ناموں کے ورد نے اُنہیں دین و دنیا کا نہ رکھا۔ وہ ان روحوں اور بتوں پہ نذریں اور قربانیاں چڑھانے لگے اور اُن کی پرستش کرنے لگے۔ یہی گویا کفر کی پہلی سیڑھی تھی۔ دوسرا کفران کا یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کی طرف سوءظنی کرنے لگے اور اُنہیں یقین ہوگیا کہ حضرت سلیمان بھی بُت پرستی کرتے تھے۔ اور اُن کا پختہ عقیدہ ہوگیا کہ حضرت سلیمان بہت بڑے جادوگر تھے۔ یہ اُن کے کفر کا دوسرا درجہ تھا۔

ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے محمد کو دیکھو صادقوں کے ساتھ کاذب کو بھی ملاتا ہے۔ حالانکہ سلیمان بُت پرست اور جادوگر تھا اُسے یہ معصوم پیغمبروں کی فہرست میں رکھتا ہے۔ وہ ایسا جادوگر تھا کہ اپنے جادو کے زور سے ہوا کو گھوڑا بنا کے اُس کی پیٹھ پر سوار ہوتا تھا' جب یہودیوں نے اس کا غل و شور مچایا تو خداوند تعالیٰ نے فرقان کریم میں فوراً اُس کی تردید کردی جہاں فرمایا ہے" وما کفر سلیمان" یعنی سلیمان ہرگز کافر نہ تھا۔ اگر کوئی پیغمبر ایسا کرے تو وہ کبھی کفر سے نہیں بچ سکتا۔ وہ تو حضرت سلیمان نے معجزے دکھائے تھے۔ اِس لیئے جن اور انس اور خدا کی دیگر مخلوق آن پر ایمان لے آئی تھی۔ بھلا معصوم پیغمبروں کو سحر افسوں گری اور بتوں پر نذر و قربانی چڑھانے سے کیا تعلق۔ چونکہ یہودیوں نے حضرت سلیمانؑ کی ذات پر بہتان

ہمارے پاس اس یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ اس قسم کے جادو کی بنیاد سب سے پہلے مصر میں پڑی جہاں بُت پرستی خوب زور و شور سے رائج تھی۔ اور یہ خطہ بُت پرستوں کے خطہ کے نام سے مشہور تھا۔ تاریخ میں اول ہی جادوگر مصری لکھے گئے ہیں۔ مصری۔ شیاطین پر اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ جادو کے بہت بڑے اور زبردست موکل بھی ہیں مگر انہوں نے ان شیاطین یا اجنہ کو اربع عناصر پر بھی پوری قدرت دے دی تھی۔ اور اُن کا یقین تھا کہ ہوا آگ اور پانی پر یہ پوری حکومت رکھتے ہیں۔ اور انسانی کُل معاملات بالکل ان کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں اُنہیں کوئی خفیف یا شدید مرض ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ شیطان یا جن کا اثر ہے اور کوئی سبب مرض کے حادث ہونے کا نہیں ہے۔ مثلاً جب کسی شخص کو بخار چڑھتا تھا تو ہرگز اس بخار کے فطری سبب کی جستجو نہ کی جاتی تھی۔ فوراً جادوگر یا عامل سے تعویذ گنڈے وغیرہ لاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ بغیر اس ترکیب کے صحت ناممکن ہے یہ مافوق الفطرت باتیں مصر سے تمام مشرق میں پھیل گئیں یہاں تک کہ جب یہودی بابل میں گرفتار ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی اس پر عمل پیرا ہونا شروع کیا۔ اس کا اثر انجیل نویسوں پر بھی پڑا۔ اُنہوں نے تمام مریضوں کو حضرت عیسےٰ سے جھاڑ پھونک کرا کے ہی اچھا کرایا ہے۔ چاروں انجیلوں میں موجود ہے کہ جب کوئی مریض حضرت مسیح کے پاس آتا تھا تو آپ کبھی یہ نہ فرماتے تھے کہ تم طبیب کے پاس جاؤ۔ بلکہ آپ کچھ دم فرماتے تھے اور وہ چنگا ہو جاتا تھا۔ حکیم فیثاغورث اسی قسم کا جادو کیلڈیا اور مصر سے سیکھ کے آیا تھا۔ جس کی تعلیم اس نے افلاطون کے شاگردوں کو یونان میں کی تھی۔ فیثاغورث کے سوانح عمری میں اس کا بیان مفصل کیا گیا ہے کہ وہ اور اس کے شاگرد کیوں کر جادو کی تعلیم کرتے تھے اور کیسے کیسے عجیب افعال اُن سے سرزد ہوئے تھے جمبلیکس کا بیان ہے کہ فیثاغورث کے شاگرد اپنے جادو سے اکثر مریضوں کو اچھا کر دیتے تھے۔ یہ وہ فرفری کہتا ہے کہ فیثاغورث کے مرید نہ صرف امراض جسمانی بلکہ دماغی یا ضمیری بیماریوں کو بھی جھاڑ پھونک سے چنگا کر دیتے تھے۔ یہی کارروائی بعینہ مصری

نہیں ہے۔ اور اگر وہ کہے بھی کہ میں توبہ کرتا ہوں اور جادو سے دست بردار ہوتا ہوں پھر بھی اُسے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ ایسے شخص کی توبہ کبھی پذیرا نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر وہ اِس امر کا ثبوت دیدے کہ میں نے پہلے جادو کا عمل کیا تھا مگر اب ایک مدت سے اُسے چھوڑ رکھا ہے تو اُسے معاف کردینا اور اُسکے قتل سے دست بردار ہوجانا چاہیئے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے جادو کرکے کسی کو مار ڈالا اور پھر خود اقرار بھی کرلیا کہ میں نے جادو سے اسے مارا ہے اور میرا جادو ہمیشہ مہلک ثابت ہوا ہے تو اسپر قصاص واجب ہوگیا۔ بے شک وہ شخص فوراً قتل کردیا جائے اور اگر اپنے اظہاروں میں یہ بیان کرے کہ میرے جادو سے تو یہ مرا ہے مگر میرا جادو کبھی مُہلک ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے تو گویا یہ قتل شبہ عمد میں داخل ہے اور اُس پر احکام شبہ عمد جاری ہونے چاہئیں اور اگر وہ اپنے یہ اظہار دے کہ جادو تو میں نے دوسرے شخص پر کیا لیکن چونکہ متوفی اُسکا ہمنام تھا اس سبب سے میرا جادو اِس پر چل گیا اور یہ ہلاک ہوگیا۔ یا یہ بیان کرے کہ جادو کے موضع میں یہ چلا گیا تھا اِس وجہ سے اس کی ہلاکت ہوئی تو اس قتل کو قتل خطا کہیں گے۔ خطا کے احکام اِسپر جاری ہونے چاہئیں

ہمارے علمائے کرام کا یہ بھی مذہب ہے کہ خارق عادت افعال جو محض خدا کی قدرت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اکثر اوقات اولیا سے ان کا ظہور ہوجاتا ہے۔ مثلاً صورتوں اور اشکال کا بدل دینا۔ مُردوں کا زندہ کرنا اور برسوں کی مسافت چشم زدن میں طے کرجانا جو کام پیغمبروں کے ہیں اولیا بھی کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان اولیا کے واقعات زندگی لکھے ہیں وہ اُنہیں کرامات بیان کرتے ہیں۔ اور ایسی کراماتوں کا ذکر اُن کے مناقب

مربع سحر۔ ایک ایسا مربع جو ریاضی کے اصول سے بنایا جائے اور اُس میں خانے بناکے ہندسے لکھے جائیں اور جس صورت سے اور جس رُخ سے اُن ہندسوں کو جمع کیا جائے حاصل جمع ایک ہی ہو۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو مثلاً ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ وغیرہ ۲۵ تک اگر فطری مربع ہوگا تو باقاعدہ شمار کرنے سے ۲۵ حاصل جمع ہوں گے۔ اور اگر اُن ہندسوں کو اس صورت سے رکھیں گے کہ جس طرف سے شمار کرو ۲۵ ہی ہوں تو وہ مربع سحر ہوجائے گا جسکا نمونہ درج ذیل ہے۔

فطری مربع

۱	۲	۳	۴	۵
۶	۷	۸	۹	۱۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵
۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵

مربع سحر

۲۵	۲	۸	۱۴	۱۶
۹	۱۱	۲۰	۲۲	۳
۱۷	۲۳	۴	۶	۱۵
۱	۱۰	۱۲	۱۸	۲۴
۱۳	۱۹	۲۱	۵	۷

کیا جائے۔ نہ مسلمان اُسے ہاتھ لگائیں اور نہ اُس کی ہرگز کوئی فاتحہ درود کی جائے اور نہ صدقات دیے جائیں اور اگر کوئی عورت ہے اور اُس نے ایسا کیا ہے تو ہمارے امام شافعی رح کی تو یہ رائے ہے کہ مرد کی طرح اُسے بھی تین دن کی مُہلت دینی چاہیئے اگر تین دن میں وہ باز آگئی اور اُس نے توبہ کرلی تو خیر نہ توبہ کی تو اُسے بھی قتل کر دینا چاہیئے۔ اور جو مرد کے جنازے کے ساتھ سلوک ہوا ہے وہی اُس کے ساتھ بھی کیا جائے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی یہ رائے ہے کہ جب تک وہ توبہ نصوح نہ کرے اُسے قید رکھنا چاہیئے۔

اس کے بعد جادو کی ایک اور صورت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر جادو کے عمل سے کوئی صورت ارتداد اور کفر کی نہ پائی جاوے مگر جادو کرنے والا یہ دعوٰے کرے کہ مجھ میں وہ طاقت ہے کہ اپنے جادو سے خدا کا کام کر سکتا ہوں مثلاً آدمیوں کو جانور اور جانوروں کو آدمی بنا سکتا ہوں یا پتھر کو لکڑی اور لکڑی کو پتھر کر سکتا ہوں یا پیغمبروں کے سے معجزے دکھا سکتا ہوں جیسے کہ پرند بنا کے ہوا میں اوڑانا یا ایک سال کی مسافت کو چشم زدن میں طے کر سکتا ہوں وہ شخص بھی مُرتد اور کافر ہے۔ ہاں اگر وہ یہ بیان کرے کہ یہ اعمال میں نے اِس لیئے سیکھے ہیں کہ میں اس سے قتل نفس کر سکتا ہوں یا بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنا سکتا ہوں اور امن میں خلل ڈال سکتا ہوں یا فساد رفع کر سکتا ہوں تو ایسا شخص فاسق اور مزوّر ہے۔ اِس جادو کو فسق اور تزویر کہیں گے۔ اخیر ایسے شخص کو بھی قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ اُس کی ذات سے فساد کا اندیشہ ہے اور وہ ضرور بے گناہوں کو دق کرے گا اور اُنہیں ستائے گا۔ اِس حکم میں ساحرہ اور ساحر میں کچھ فرق نہیں ہے دونوں کی ایک ہی سزا ہے۔ ہمارے امام فخر الدین رازی اور زاہدی کا اِسپر صاد ہے اور وہ اِس رائے سے مثل اور علما کے اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ میں جادو کرتا ہوں یا ثبوت ہو جائے کہ وہ جادوگیر ہے تو اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے۔ اس کو توبہ کی بھی مُہلت دینے کی ضرورت

زایل ہو جاتی ہیں اور وہ الفاظ جن کے پڑھنے سے جن کچھ کام کرتا ہے یا دوسرے کو ستاتا ہے یا اور کوئی نیا کرتب کرتا ہے یہ ہیں " ڈائش۔ مائش۔ جنکٹ۔ بینی۔ ٹڈوینٹ۔ ڈاڈویما۔ اینی ٹیماس " اور بھی صدہا قسم کے الفاظ ہیں جو نہ صرف عبرانی بلکہ مختلف زبانوں سے لیئے گئے ہیں۔

جب سے کہ علوم جدیدہ نے اپنی روشنی پھیلائی۔ یورپ اور ایشیا کی مہذب قوموں سے یہ فاسد عقاید مٹ گئے ہیں۔ اب کوئی اپنا عزیز وقت اِن بیہودگیوں میں صرف نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مُعتقد کچھ نہ کچھ دنیا کے ہر حصّہ میں موجود ہیں۔ چین و افریقیہ ان ہی قسم کے خیالات سے بھرا پڑا ہے اور ہندوستان و ایران و شام و روم میں جو لوگ ناتعلیم یافتہ ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اب تعویذ گنڈوں کی کیفیت سُنیئے۔ یہ طریقہ بھی قدیم مصری قوموں کا ایجاد کیا ہوا ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی رایج ہو گیا۔ ہم یہاں نقش۔ تعویذ وغیرہ کی کچھ کیفیت لکھنا چاہتے ہیں۔

دینا۔ توسیع رزق۔ اور شفائے مریض کرکے اپنی ارواح خبیثہ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری قدرت اور ہماری کوشش سے اولاد پیدا ہوئی یا رزق میں وسعت ہوئی یا مریض شفا یاب ہوا۔ ان کے خلاف اولیا بھی یہ ساری باتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کرتا ہے خداوند تعالے کرتا ہے۔ ہم تو صرف کسی مطلب حاصل ہونے کے لیئے دعا کرتے ہیں اور ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد ہمارے علماء نے سحر کی حقیقت اور اس کے اقسام بیان کئے ہیں جو ہم اپنی تفسیر کے ناظر کے آگے پیش کرتے ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ کونسا جادو کفر ہے۔ کونسا فسق۔ کونسا مباح جو شریعت میں جائز ہو۔

جادو یا سحر اسے کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے افعال عجیبہ و خارق عادات بغیر امداد الٰہی کے قبضہ ہو جائے۔ چونکہ خفیہ اسباب عالم میں کئی قسم کے ہیں اس لئے جادو کی بھی کئی قسمیں ہوئیں خفیہ سبب یا تو روحانیات کی تاثیر سے یا جسمانیات اور روحانیات کی مشتملہ قوت کی تاثیر سے یا صرف جسمانیات کی مطلق تاثیر سے۔ کبھی روحانیات کواکب و افلاک پر قبضہ پانے سے کبھی روحانیات عناصر پر کبھی روحانیات امراض و جن و شیاطین و نفوس مفارقہ بنی آدم پر تصرف حاصل کرنے سے افعال عجیبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور بھی بہت سی صورتیں بیان کی گئی ہیں جنہیں ہم بسبب طول کے نہیں لکھتے۔

علماء نے جادو کی عمدہ اقسام میں سحر کلدانی اور سحر بابل کو قرار دیا ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مذاہب باطلہ کے رد اور ان کے عقاید کے بطلان کے لیئے مبعوث ہوئے تھے۔ جادو کا علم ہاروت اور ماروت سے نکلا ہے کہ بابلیوں نے اس علم کو ان سے سیکھ لیا تھا۔ اور اسی علم میں تعمق بہت کرتے تھے اور کلدانی

شاگردوں کی تحریر کے مطابق ایک ایک ستارے کے لیئے مخصوص ہے۔ مثلاً ۳ کا مربع زحل کے لئے مخصوص ہے ۴ کا مربع مشتری کے لیئے ۵ کا مربع مریخ کے لیئے۔ ۶ خورشید کے لیئے ۷ زہرہ کے لیئے ۸ عطارد کے لیئے ۹ چاند کے لئے۔

بلیخت لکھتا ہے کہ میں نے جادو کے مربعوں کا علم بہت دنوں تک حاصل کیا اور اس نے ان سات نقوش کے علاوہ دو نقش ۲۵ اور ۴۹ کے ایجاد کیئے جنہیں اس نے بہت کارآمد پایا۔ اسکے بعد فرہنے نکل پیدا ہوا جس نے اس علم کا مطالعہ کیا اور اس میں ایک حد تک بڑی قابلیت حاصل کرلی۔ ایک بڑے جبر مقابلہ جاننے والے کا بیان ہے کہ سولہ عدد جن سے ایک مربع بنے وہ مختلف طرق سے ایک فطری مربع میں ۱۰۹۲۲۷۸۹۸۸۸۰۰۰ پر تقسیم ہو سکتے ہیں مگر یہ جادو کے مربع میں صرف سولہ مختلف طرق سے زیادہ تقسیم نہیں ہو سکتے لیکن فرہنے نکل کا بیان ہے کہ سولہ عدد جادو کے مربع میں ۸۷۱ طرق سے تقسیم ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے کس قدر بڑھ گیا ہے۔

اپنی اس تحقیق میں اس نے ایک اور مشکل بات شامل کردی ہے جو پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ مثلاً ۷ کا مربع سحر لو اور اس کے ۴۹ خانے بھرو۔ اگر خانہ کی دو افقی قطاریں لیجائیں اور ساتھ ہی دو عمودی قطاریں خانہ کی شمار کی جائیں جو وسط مربع سے بہت دور ہوں یعنی تمام کنارہ یا محیط مربع لے لیا جائے تو پھر ایک ایسا مربع رہ جائے گا جس کی اصل ۵ ہوگی

ہیں بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر نسبت فعل آلہی بغیر کفر کے ہے تو بھی اس جگہہ کفر لازم آتا ہے اور اگر ان کی نظر اسباب ظاہری پر ہے اور وہ غیر ہیں تو ہرگز کفر نہیں ہے جب یہ بات ہو تو ساحروں کو کافر او وجب القتل کیوں شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو حاضرات وغیرہ کرتے ہیں اور چلے کھینچتے ہیں اُن کی مشابہت بھی جادوگروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اُنہیں بھی جادوگر کہنا چاہیئے۔ اس کا جواب ہمارے علمائے کرام نے یہ دیا ہے کہ خارق عادات افعال خواہ اُن کی شبیہ پیغمبروں کے معجزوں سے ہو خواہ وہ دوسری جنس سے ہوں۔ مقدور قدرت الٰہی ہیں خدا ہی کے حکم سے اُن کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہ افعال جو اولیاء کے ہاتھوں سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ افعال جنہیں جادوگر کرتے ہیں اس میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ اولیا ایسے افعال کا صدور خدا کی طرف کرتے ہیں اور جادوگر اپنی طرف یا اپنے موکلوں کی طرف کرتے ہیں۔ اور اُن افعال کو اپنے قابو کا جانتے ہیں اور اپنی قدرت پر گھمنڈ کرتے ہیں۔ اور اپنے اصنام اور ارواح خبیثہ پر قربانیاں کرتے ہیں اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ اس میں شرک صریح لازم آتا ہے اور یہی کفر ہے۔ اسیطرح اولاد

یہ نقش جو ہم نے درج کیئے ہیں کئی ہزار برس پہلے مصریوں میں رائج تھے اور نقشوں کا نام بھی ہوتا تھا۔ چمڑے۔ پتوں اور سونے چاندی کی تقطیعوں پر لکھ کے اُنہیں جن زدہ یا مریض کے گلے میں ڈالا کرتے تھے اور تمام مافوق الفطرت ظہور انہی نقشوں سے خیال کرتے تھے۔ ہر ہندسہ پر ایک موکل قرار دیا جاتا تھا اور اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ہر ہندسہ کا نگہبان ایک جن یا موکل یا شیطان ہے جو لمحہ بھر کے لیئے اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ دونوں نقش نیک باتوں کے لئے استعمال کیئے جاتے تھے اور اُن سے کوئی بُرائی پیدا نہیں ہوتی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ طلسم نویسوں اور نقش بنانے والوں نے ریاضی میں دخل در معقولات دے کے مُفت میں اُسے ستیاناس کر دیا اور جو مطالب کہ ریاضی سے پیدا ہوئے یا اُسوقت ہوتے اُن پر پانی پھیر دیا۔ اب جبکہ ریاضی نے وہ کام کیا ہے جس پر حیرت ہوتی ہے اور جس سے قومی اور ملکی ترقی وابستہ ہے افسوس ہے کہ اب بھی اسی فضول رستہ میں ریاضی جیسا شریف اور عجیب علم کس بے دردی سے برباد کیا جاتا ہے اور جس سے قدرت کے کرشمے اور فطرت کے عجیب منظر مشاہدہ ہوتے ہیں اُسے جھاڑ پھونک میں صرف کر کے اپنی انسانی فضیلت کو مٹایا جاتا ہے۔ اور اُن ہندسوں کو جن سے تمام عالم کے نظامات وابستہ ہیں کیا تو گھول کے پلایا جاتا ہے یا تقطیع پر کندہ کرا کے کسی کے گلے میں ڈلوا دیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اِن جادو کے مربعوں کا موجد سب سے پہلے ایک یونانی مصنف موکوپولس ہوا ہے۔ اور جہاں تک معلوم ہوتا ہے اُس نے اِن نقوش سے کسی قسم کا ریاضی کا کام نہیں لیا تھا بلکہ مافوق الفطرت اثرات پیدا کرنے کے لیئے استعمال میں لایا کرتا تھا۔ اُس نے چند قواعد چھوڑے ہیں جن کی رو سے اس قسم کے نقش بن سکتے ہیں

کارنی لیس الگو بیا جو بجائے خود جادو کا بہت بڑا مخالف تھا سات نقشوں کا موجد ہوا ہے جو ابھی تک اُس کی کتاب میں موجود ہیں۔ اس کے بعد ان سات نقشوں پر سب کا عملدرآمد رہا۔ اور سب نے انہیں پسند کیا۔ ہر نقش اگو بیا اور اُس کے

پانچواں طلسم ایک تالاب تھا جو قضیے اور جھگڑوں کے رفع کرنے کے لیئے بنایا گیا تھا جب دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہوتا تھا وہ دونوں تالاب پر چلے آتے تھے اور تالاب میں کود پڑتے تھے جو شخص حق پر ہوتا تھا۔ تالاب کا پانی اُس کے ٹخنوں تک آجاتا تھا اور جو شخص ناحق پر ہوتا تھا تالاب کا پانی اُسے ڈبو دیتا تھا۔ ہاں اگر اُس نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور توبہ کی تو نجات مل جاتی تھی ورنہ ڈوب جانے میں ذرا بھی توقف نہ ہوتا تھا۔

چھٹا طلسم ایک درخت تھا جو نمرود کے محل کے دروازہ پر لگا ہوا تھا اس درخت کی عجیب خاصیت تھی جہاں اسکے نیچے لوگ جمع ہوئے اُس کا سایہ بڑھتا گیا۔ جُوں جُوں آدمیوں کی کثرت ہوتی گئی سایہ میں وسعت ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ ایک لاکھ تعداد تک درخت کا سایہ برابر وسیع ہوتا جاتا تھا جب ایک لاکھ آدمیوں کی تعداد پوری ہو جاتی تھی تو وہ درخت سب کو اپنے سایہ میں کرلیتا تھا اور جہاں ایک لاکھ سے ایک شخص بھی زیادہ بڑھا وہ سایہ یکایک گم ہو جاتا تھا اور سب لوگ اپنے کو دُھوپ میں بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا دیکھتے تھے۔ بس یہ چھ طلسم تھے جو ہمارے علما اور مؤرخین نے بابل کے بیان کیئے ہیں اور نہایت استعجاب سے دیکھا جاتا ہے کہ جادو کو کوئی چیز اور حق سمجھنے نے اُنہیں ان فرضی قصّے کہانیوں کے ماننے پر بھی مجبور کر دیا۔ ہم اس پر اخیر میں ایک مبسوط بحث کرینگے یہاں تو ہمیں صرف اپنے علما اور مؤرخین کے خیالات دکھانے ہیں۔

ہمارے علما کا یہ بھی بیان ہے کہ اس قسم کے جادو حاصل کرنا بہت مشکل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صعوبتیں اُٹھا کے جادو حاصل کرلے تو پھر تمام دنیا کے جزو و کُل پر اُس کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ایسے امراض کا علاج کر سکتا ہے جو اطبا سے کبھی نہیں ہو سکتا مثلاً برص۔ جُذام۔ یا اسی قسم کے وہ امراض جو طبیب اچھے نہیں کر سکتے۔ جادوگر بہت جلد اپنے جادو کے زور سے کلّی شفا دیدیتا ہے۔ کسی پہاڑ یا محل کا اُکھڑوا کے منگا لینا یا کسی شہر کو غارت کر دینا یا اشرفیوں اور روپوں کا مینہ برسا دینا یہ اس قسم کے جادوگروں کے بائیں ہاتھ کا داؤں ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے جادو کو حاصل کرلے بلکہ مدتوں ناقابل برداشت آفتیں اور مصائب اُٹھانے کے بعد یہ جادو حاصل ہوتا ہے۔ اور تو سب کچھ ہے لیکن

مربعوں کے سلسلہ کے اس ملک میں جادو کے مربعے نہ تھے۔ یہ شخص موصل کا رہنے والا تھا ہاں اسے کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن پانگنا ڈ نے دو بڑی بڑی ترقیاں اس میں کیں۔ بجائے اسکے کہ وہ ہندسوں کی کل تعداد لے جن سے کہ مربع بنا ہے مثلاً ۲۰ کا شمار جو فطری مربع کے کُل خانے پُر کرتا ہے جس کے ایک خانہ میں چھ کا ہندسہ ہو وہ صرف وہی تعداد لیتا ہے جو مربع میں اکائی کی ہے اور جو اس حالت میں چھ کی ہے اور یہ چھ کا ہندسہ وہ اس ترکیب سے مربع کے ۲۰ خانوں میں درج کرتا ہے کہ ان میں سے کسی خانہ کا ۱۰ کا ہندسہ خواہ اسے سرے سے شمار کرو یا بیچ سے یا ترچھی صورت سے تو حاصل جمع وہی ۳ ہوتے ہیں پانگنا ڈ کی کتاب نے ایم ڈی لاہائر کی توجہ اس طرف پھیری جس سے اُس نے جادو کے مربعوں کا ایک اصول قائم کر لیا۔ پہلے اُس نے غیر مادی مربعوں پر خیال رجوع کیا۔ کیونکہ گزشتہ موجدوں نے مساوی مربعوں پر طبع آزمائی کی تھی اور

جو بابل کے رہنے والے تھے اسی علم میں زیادہ تر مشغول تھے۔ علمائے مورخین کا بیان ہے کہ بابل کے حکیموں نے نمرود کے زمانہ میں جو بابل کا بادشاہ تھا چھ طلسم بنائے تھے جو وہم اور ادراک میں نہ آتے تھے۔ اور ان کے سمجھنے سے عقل چکر میں تھی۔ ان طلسموں میں ایک بط تھی جو تانبے کی بنائی گئی تھی اُس میں یہ عجیب جادو رکھا تھا کہ جہاں کوئی جاسوس شہر میں آیا اور اُس بط نے غل مچانا شروع کیا۔ وہ بط اس زور سے غل مچاتی تھی کہ اُس کی آواز شہر کے کُل آدمی اچھی طرح سُن لیتے تھے وہ آواز سُن کے سمجھ جاتے تھے کہ کوئی جاسوس آیا ہے یا کوئی چور شہر میں وارد ہو گیا ہے فوراً اُس جاسوس اور چور کو گرفتار کر لیتے تھے۔ دوسرا طلسم ایک نقارہ تھا جس میں یہ جادو رکھا گیا تھا کہ اگر کسی کا کوئی عزیز قریب رشتہ دار گم ہو جاتا تھا تو وہ شخص اُس کے پاس آتا تھا اور ایک چوب اُس نقارہ پر مارتا تھا وہ طبل غل مچا کے کہتا تھا کہ تیرا دوست یا رشتہ دار یا تیری فلاں چیز فلاں جگہ اور فلاں مقام پر ہے۔ وہیں وہ شخص یا وہ چیز ملجایا کرتی تھی۔

تیسرا طلسم ایک آئینہ تھا جو چھپی ہوئی چیزوں کا عکس دکھا دیتا تھا۔ خواہ وہ چیز زمین کی تہ میں ہو خواہ پانی میں ہو معلوم ہو جاتی تھی۔

چوتھا طلسم ایک حوض تھا جس کے کنارے پر سالانہ ایک جشن ہوا کرتا تھا اُس جشن میں اعیان واشراف شہر جمع ہوتے تھے اور ہر شخص قسم قسم کے شربت اور مربّے لا کے اُس حوض میں ڈال دیتا تھا۔ پھر سب روساتی اُس حوض کے کناروں پر بیٹھتے تھے اور جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی اُس حوض میں سے پیدا ہو جاتی تھی خواہ کسی قسم کا شربت ہو خواہش کے مطابق اُس حوض میں سے نکل آتا تھا۔

اور جس میں ۲۵ خانے ہوں گے۔ اب یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مربع جادو کا مربع نہیں رہا بلکہ فطری مربع ہو گیا۔ کیونکہ بڑی قطاریں پہلے شمار کرنے سے نظر انداز کر دی گئی تھیں صرف وہی خانے شمار کیئے جاتے تھے۔ جو وسط میں تھے۔ اور جن کا شمار سات ہوتا ہے۔ اس طرح سے جب ایک خانہ کو دوسرے خانہ سے ضرب دیں اور پھر دو خانوں کو بیچ میں سے نظر انداز کر جائیں ظاہر ہے کہ اُن کے حاصل جمع سے مطلوبہ عدد پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن تو بھی فرہے نکل کو اطمینان نہیں ہوا جبکہ مربع سحر یا اُس کا کنارہ الگ کر دیا گیا پھر بھی باقیماندہ مربع مربع سحر ہی رہا۔ اس میں شک نہیں کہ اخیر صورت میں ضرور باقیماندہ مربع مربع سحر ہی ثابت ہوتا ہے۔

پھر اُس نے اِس صورت کو بھی پلٹ دیا اور بیان کیا کہ چاہے کوئی سا محیط مربع لے لو تو بھی کئی محیط دائرے مربع سے بالکل علیحدہ ہوں گے یعنی اُنہیں علیحدہ کرنے سے یہ مربع سحر نہیں رہنے کا۔

اصل یہ ہے کہ فرہے نکل نے اپنے مربعوں کے قواعد منضبط نہیں کیئے اور جو کتاب اُس نے تصنیف کی ہے اُسکی زندگی میں اُس کی اشاعت ہی نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد ۱۶۹۳ء میں اُس کی کتاب کی اشاعت ہوئی تھی۔

۱۶۸۸ء میں پائنگنارڈ نے ایک کتاب صرف جادو کے مربعوں کے بیان میں شائع کی اُس سے پہلے سوائے فطرتی

ستارہ ہے پھر قمر کے وسیلہ سے عطارد کی دعوت کرے یوں ہی ایک کے وسیلہ سے ایک کی دعوت کرتا چلا جائے قمر کی دعوت میں ایک نقش تیار ہوتا ہے جس پر یہ عبارت لکھی جاتی ہے "ایھا الملك الکریم والسید الرحیم ومنزل النعمة"۔ اور جب عطارد کی دعوت ہوتی ہے تو نقش پر لکھ کے یہ پڑھا جاتا ہے "ماحصل لی من الخیر فھو عنك وکل ماینك فعم من الشر منی فھو منك"۔ اس عبارت کو چالیس بار پڑھ کے پھر گیارہ بار یہ پڑھتے ہیں "ایھا السید الفاضل الناطق العالم بخفیات الامور المطلع علی السرائر"۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے قول منافی اسلام وتوحید وملت حنیفی ہے۔ اس قسم کا جادو جو ان الفاظ کے پڑھنے سے حاصل ہو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کا عامل نہ صرف کافر ہے بلکہ گردن زدنی بھی ہے۔ بابل والے ہاروت وماروت کی تعلیم سے تمام کلی اور جزئی روحانیات سے استعانت طلب کرتے تھے۔ اور کل علوی۔ سفلی۔ فلکی عنصری روحانیات کو تمام عالم پر محیط تسلیم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امراض کی روحانیات اور غیر مذاہب کی روحانیات کی بھی تسخیر کیا کرتے تھے۔

دوسری قسم کا جادو وہ ہے جس سے جن اور شیاطین کی تسخیر ہوتی ہے اور موجودہ زمانہ میں اسی کا بہت بڑا زور ہے۔ اکثر اہل ہنود اور مسلمان اپنے خیال میں اس فن میں ید طولےٰ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو جن کو اتارتا اور بھوت پریت کو جلاتا ہے ہر شہر اور قصبہ میں بکثرت ہے۔ ناواقف اور جاہل مرد اور عورتیں بہت جلد ان کا شکار بن جاتی ہیں۔ اور اپنی زندگی کا سرمایہ جو بڑی جاں کاہی سے کمایا ہے ان کی نذر کر دیتی ہیں۔ بعض اوقات اپنی عزیز جان تک دے دیتی ہیں۔

اور وہ سات عدد بالکل آپس میں مختلف ہوتے ہیں وہ بیان کرتا ہے کہ یہ سات عدد ۰ ۴ ۰ ۵ مختلف طرق سے ترتیب پاکے داخل ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ مربع کے سرے کی پہلی قطار کو ہم نے سات عددوں سے بھرا اور وہ سات عدد اپنی فطری صورت میں یہ ہیں ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷۔ اس کے بعد کی دوسری قطار خواہ ۳ خواہ ۴ خواہ ۵ خواہ ۶ سے بھری جائے مگر اس مثال میں ۳ کے عدد سے شروع ہوتا ہے تو اس لحاظ سے تیسری قطار کو ۵ کے عدد سے شروع کرنا چاہیئے۔ چوتھی کو ۰ سے پانچویں کو ۲ سے۔ چھٹی کو ۴ سے اور ساتویں کو ۶ سے ہم تین نقش یا جادو کے مربعے بناتے ہیں جن سے ہمارا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ سلسلے نقش جو اب بد قسمتی سے ہماری قوم میں رائج ہیں ان کی ایجاد مصر۔ یونان اور یورپ کے دیگر شہروں میں صدیوں پہلے ہو چکی تھی۔ اور وہ لوگ ہماری طرح جن آسیب شیطان بلا بھوت پریت اتارنے یا بیمار کو صحت بخشنے میں کام میں لایا کرتے تھے۔ ان کی بڑی بڑی کتابیں ان تعویذ گنڈوں پر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے اس غیر ضروری اور فرضی علم کو چھانا ہے ہمارے موجودہ تعویذ اور گنڈے والے تو خیال میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔

جادوگر کی قوت یہاں تک بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی دشمن ملک پر حملہ کرے اور اُس ملک میں وہ جادوگر ہو تو وہ اکیلا آگ اور اولوں کا مینھ برسا کے حملہ آور کی ساری فوج کو ہلاک کر سکتا ہے گویا اس میں معاذ اللہ ساری خدائی طاقتیں آجاتی ہیں۔ جسے چاہے فنا کر دے اور جسے چاہے حیات مستعار بخشدے۔ تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص میں یہ تمام کمالات موجود ہیں جو اوپر بیان ہوئے تو پھر ایسے شخص کا ہلاک کرنا جیسا ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ اور ہمارے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فتوے دیا ہے۔ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اگر ممکن بھی ہو تو دل نہیں چاہتا کہ ایسا باکمال شخص قبل از وقت عالم سے مٹا دیا جائے۔

حکیم ارسطو جسے معلم اول کہتے ہیں جادو کا معتقد تھا اُس نے خود ایک روایت بابل کے دو جادوگروں کی بیان کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے (یہ قول ارسطو بھی ہمارے علمائے کرام ہی نے بیان فرمایا ہے) شہر بابل کے دو نامور جادوگر برہماطوس اور بیداغوس تھے۔ ان دونوں میں کچھ تنازع ہوا۔ جب کشید گی زیادہ بڑھی اور گفتگو تیزی کے ساتھ ہونے لگی اور طرفین سے آتشیں طیش انگیز کلمے زبان سے نکلنے لگے تو بیداغوس نے کہا تو قوت اور طاقت میں مجھ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے تو نہیں جانتا کہ مریخ اور زحل تو میرے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تیری تو کیا حقیقت ہے دم بھر میں تجھے خاک سیاہ کر سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی برہماطوس کے آگ لگ گئی اور وہ غصہ کے مارے کانپ گیا فوراً اُس نے مریخ کی روح سے استعانت کی اور دم بھر میں لاف زن بیداغوس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس قسم کا جادو شرک صریح اور کفر محض ہے اور ایسے جادوگر کے کافر ہونے میں مطلقاً شبہہ کی گنجایش نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے جادو کی کئی شرطیں ہیں جن سے ایمان و اسلام بچا نہیں رہتا اور وہ یہ ہیں۔ اول شرطیہ ہے کہ ارواح کو قلوب پر حاوی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ روحوں کو دلوں کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے اگر ایسا یقین نہ رکھے گا تو کبھی قیامت تک روحیں اُس کی التجا نہ سنیں گی نہ اُس پر کاربند ہوں گی۔ دوم کواکب کی روحانیات کی دعوت کرنے میں اول قمر کی دعوت کرے کیونکہ وہ ہماری دنیا سے سب سے قریب تر ین

اور انہیں اسی میں زیادہ مشکلات پڑتی تھیں۔ اب مذکور الصدر موجد نے یہ بات پیدا کی کہ اگر ہندسوں کی تعداد غیر مساوی ہو تو وسط میں اس قسم کی رقمیں لکھی جائیں کہ جو غیر مساوات کا اثر مطلوبہ حاصل جمع پر پہنچنے دیں۔ یہ بات حقیقت میں بہت ہی مشکل تھی اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی نہ تھی۔ فرض کرو خانوں کا ایک ایسا مربع ہے جس کی اصل غیر مساوی ہے مثال کے طور پر ۷ کا ہندسہ لو اور اس مربع کے ۴۹ خانے ہمیں جادو کے طور پر بھرنے ہیں تو ایم ڈی لاھاتو ایک طرف سے تو اول ہی کے سات عدد لیتا ہے اور انہیں اکائی سے شروع کر کے ۷ کی اصل پر ختم کر دیتا ہے اور دوسری طرف سے ۷ کا عدد معہ تمام اُس کے مضروب الیہ عددوں کے ۴۹ تک بلا شرکت غیرے یعنی فرداً فرداً لے لیتا ہے اور چونکہ ان کا شمار چھ ہے اس لیئے ان میں صفر (۰) اور جوڑ دیتا ہے صفر چھ کے شمار کو سات کر دیتا ہے یعنی ۲ ۴ ۵ ۳ ۰ ۲۸ ۲۱ ۱۴ ۷ و ۰ ۰ اس سے وہ اصل مربع کو بطور جادو کے پُر کر دیتا ہے۔ اس بنا پر وہ سرے کے سات خانوں میں جس ترتیب سے چاہے لکھدیتا ہے

سحر کی پانچویں قسم صرف اوہام کی جولانی ہے جو قدیم زمانہ میں بکثرت ہوتا تھا۔ مگر اُس کا نام و نشان نہیں ہے۔ اپنی قوتِ متخیلہ کے زور سے دوسروں کے آگے نئے نئے کرشمے کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے جادو کو تعلیق الوہم بھی کہتے ہیں۔ اس جادو کی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ صورت واقعہ کو پیش نظر رکھ کے وہم کو اُس کی تحصیل کے لیئے متعلق کرتے ہیں۔ اس کے لیئے تقلیل غذا اور اختلاط الناس سے پرہیز لازمی ہے۔ اُن کا مقولہ ہے کہ بغیر اس قسم کی محنت کے مطلوبہ امر حاصل نہیں ہوتا۔ شاید چلہ کشی اور وظیفہ و ظائف پڑھنا اسی جادو میں داخل ہے۔ اب اس میں یہ بات ہے کہ اگر یہ امر کسی مباح غرض کے لیئے کیا گیا ہے۔ مثلاً کسی کافر یا ظالم کی ہلاکت کی غرض ہے یا بین الزانئین تفریق غرض ہے تو یہ جادو حلال اور جائز ہے اور اگر کوئی ایسی غرض ہے جس سے بین الزوجین تفریق ہو یا کسی معصوم کی ہلاکت کا مطلب ہو تو یہ جادو حرام ہے۔ تو بھی یہ جادو فی نفسہ قبیح نہیں ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔

اور بھی تین نقش ہیں جو اپنی نوعیت میں نرالے ہیں اور جو اپنا اثر جُدا جُدا رکھتے ہیں جنہیں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲
۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴
۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵
۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷
۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸
۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰
۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

۱	۹	۱۷	۲۵	۳۳	۴۱	۴۹
۲۴	۳۲	۴	۴۸	۷	۸	۱۶
۴۷	۶	۱۴	۱۵	۲۳	۲۱	۳۹
۲۱	۲۲	۳۰	۳۸	۴۶	۵	۱۳
۳۷	۴۵	۴	۱۲	۲۰	۲۸	۲۹
۱۱	۱۹	۲۷	۳۵	۳۶	۴۴	۳
۳۴	۴۲	۴۳	۲	۱۰	۱۸	۲۶

تیسری قسم کا جادو وہ ہے کہ اسم کے زور سے بھوتوں یا شیاطین یا اجنہ کے گروگھنٹال کو حاضر کیا جائے اور پھر اُس سے اپنا کام لیا جائے۔

چوتھی قسم کا جادو صرف روحانیات اور تخیلات سے تعلق رکھتا ہے جس میں اپنے خیالات کے زور سے بعض جنّی ذرائع سے دوسرے پر اثر ڈالا جاتا ہے شاید مسمیریزم کو سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کو غالباً مسمیریزم کہتے ہیں۔ جس کا رواج یورپ میں بہت ہے۔ اگرچہ اس میں سوائے روحانی قوت کے جنات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کا سحر بنفسہ کفر نہیں ہے ہاں اگر اُس سے کسی کو تکلیف پہنچائی جائے یا کسی کو دغا دی جائے تو سخت گناہ کبیرہ ہے۔ کفر جب بھی اس سے لازم نہیں آتا لیکن ہاں کسی شخص کے خیال کے تصرف میں جنوں کی روحوں سے وہ التجا کی جائے جو سزاوار خداوندی ہے تو کفر ہو جاتا ہے۔

وہ نقش جس کی بابت اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہ ہے۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قطار کے ہندسے تو اپنی خوشی سے جا ہے جو کچھ لکھ دئیے جاتے ہیں مگر دوسری قطاروں کے اعداد چار مختلف طرق سے لکھے جاتے ہیں کم سے کم ۲۰۱۶۰ طریقے ہیں جن سے ۷ کا نقش لکھا جاتا ہے مثلاً دو نقش یہ ہیں

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶

چھٹی قسم کی اصلاح یہ ہے کہ خواص آیات اور اعداد میں تعمق کیا جائے۔ اور تصویر اوفاق مبارکہ اور الواح متفاوتۃ الخواص اور مطالب محمودہ میں سے کوئی مطلب اُس سے حاصل کیا جاتا ہے۔ تعویذوں کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیتیں معہ قیود اور شروط کے واضح طور پر تحریر کی گئی ہیں۔ اس جادو میں خواص عنصریات خواص بروج اور درجات میں تعمق کرنا پڑتا ہے مگر اس میں ذکر اللہ کو ممزوج کر لیتے ہیں۔

غرض وہ جادو کفر قرار دیا گیا ہے جس میں غیر اللہ مثلاً ارواح کواکب یا ارواح خبیثہ سے استعانت لیجاتی ہے جب یہ وجہ اُڑا دی جاتی ہے تو پھر حلت و حرمت اغراض مقصودہ پر موقوف ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کا جادو اسی قسم کا تھا کہ وہ ارواح خبیثہ کو مالک و مختار بنا کے اُن سے طلب مدد کیا کرتے تھے اور جو سحر کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا اُسے اول قسم کا سحر کہنا چاہیئے اور وہ سحر نہ صرف حرام مطلق بلکہ صریح کفر تھا کیونکہ اس میں عالم کی ارواح مدبرہ کو خدا سمجھ لیا گیا تھا۔ (معاذ اللہ)

قصۂ ہاروت و ماروت

ہاروت و ماروت کو ہمارے علمائے کرام نے بہت بڑا زبردست جادوگر اور صاحب قوت مانا ہے چنانچہ اُنکی عدیم المثال جادوگری اور اُس کی بے نظیر قوت کا یہ بیان کیا گیا ہے اور ایک معتبر سند سے اُسے ثابت کیا ہے۔ حاکم نے سند صحیح سے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک عورت قبیلہ دومۃ الجندل میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضور انور کی تلاش میں آئی اور کہنے لگی کہ مجھے حضرت رسولِ خدا سے کچھ دریافت کرنا تھا حیف صد حیف کہ آپنے رحلت فرمائی جب وہ میرے پاس آئی تو میں نے اُس سے دریافت کیا تیری کیا حاجت ہے اور تو کیا کہنا چاہتی ہے مجھسے کہہ۔ اُس نے کہا میرا خاوند مجھسے بہت بدسلوکی کیا کرتا تھا اور کمبخت نے کبھی صلح کی طرف میل نہیں کی اور میں اس جاں کندنی میں ہر وقت سولی پر رہتی تھی کہ ایک دن ایک بڑھیا میرے مکان پر آئی میں نے اپنی مصیبت اُس سے بھی دوہرائی اور اپنا افسوس ناک حال کہا اُس نے جواب

جادو سے غریب عیسائی محفوظ رہیں معصوم پوپ کے حکم سے بڑی سرگرمی سے جادوگروں اور جادوگرنیوں کی تلاش ہونے لگی صرف دو گواہ کسی کو جادوگر کہنے کے لیئے کافی تھے اسے فوراً صلیب پر کھینچ دیا جاتا تھا۔ صدہا ایسی عورتوں کو بھی صلیب دی گئی جو حاملہ تھیں یا اُن کے ننھے ننھے بچّے تھے جنھیں وہ دودھ پلاتی تھیں۔ تمام یورپ میں یہی آفت برپا ہو گئی جرمنی میں دو انسپکٹر جادوگروں اور جادوگرنیوں کے ڈھونڈھنے کے لیئے مقرر ہوئے۔ انسپکٹروں سے بھی حسب منشا کام نہ چلا اخیر ایک پادری صاحب اُن کے ساتھ مقرر کیئے گئے جو کامل طور پر سراغ رسانی کریں اور اُن لوگوں کو شناخت کریں جن پر جادوگری کا الزام لگایا گیا ہو اور وہ انکار کرتے ہوں۔ صرف جادو کی سزاؤں کا ایک وسیع قانون منضبط ہوا اور اُس میں

چھٹی قسم کا جادو وہ ہے جو خواص اشیا سے کرشمے دکھائے مثلاً انگلیوں کا آگ سے روشن کر لینا اور اُس کی ترکیب یہ لکھی ہے کہ تھوڑا سا کابلی شورہ سرکے میں تر کیا جائے اور اُس میں تھوڑا سا کف دریا ملا دیا جائے اور اُسے انگلیوں سے مل لیا جائے پھر اگر چراغ سے اُن انگلیوں کو روشن کیا جائے گا تو انگلیاں مثل شمع کے روشن ہو جائیں گی مگر جلنے کی نہیں۔ عرفاً اس جادو کو شعبدہ بازی بھی کہتے ہیں جو مداری اکثر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ساتویں قسم کا وہ جادو ہے جو آلات سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً کلوں کا کپڑا بُننا۔ تار برقی کا دوڑنا اور ریل جہازوں وغیرہ کا چلنا۔

آٹھویں قسم جادو کی ہاتھ کی چالاکی ہے جو عموماً تاش وغیرہ کھیلوں اور غیب سے روپیہ منگانے میں کی جاتی ہے۔ آخر الذکر تین قسمیں ہمارے علمائے کرام نے حلال قرار دی ہیں۔ ہاں ان سے اگر کوئی فاسد غرض ہو تو حرام مطلق ہیں۔

ہمارے واجب التوقیر علمار نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُمت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اولیا نے بہت سے جادوؤں کی اصلاح بھی کی ہے اور اُن جادوؤں سے کفر اور شرک کو دُور کر کے استعمال کیا ہے پہلی قسم کی اصلاح کو دعوت علوی سمجھنا چاہیئے جس سے فرشتوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور اُن کا تسخیر کرنا اسم اعظم الٰہی اور آیات قرآنیہ سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی اصلاح دعوت سفلی ہے کہ ارضی موکلوں اور جنوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور یہ تسخیر ایسی آیتوں سے ہوتی ہے جو شائبۂ کفر سے بہت دور ہوتی ہیں بلکہ حکومت اور غلبۂ اُن میں پایا جاتا ہے۔ تیسری قسم کی اصلاح یہ ہے کہ صلحا اور اولیا کی پاک روحوں سے ربط بڑھایا جائے۔ اسکا عمل اکثر حضرت اویس قرنی کے پیرو کیا کرتے ہیں۔ اس سے دوسرے لوگوں کی ضرورتیں بہت نکلتی ہیں اور صدہا کا بھلا ہوتا ہے۔ اِس جادو کی تحصیل میں طہارت لازمی ہے اور صدقات۔ ارسال ثواب وغیرہ بھی ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چوتھی قسم کی اصلاح عقد ہمت ہے جسکا ظہور مشایخ کبار اور اولیائے ابرار سے مشکلات کے حل کرنے کے لیئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسمیں استغراق بھی ہوتا ہے۔ اور روحانیات کے عالم کی سیر کی لذت خوب حاصل کی جاتی ہے۔

اور بھی بہت سے نقوش ہیں جو ہم نے غیر ضروری سمجھ کے چھوڑ دیئے۔ ہمارے خیال میں صرف اسی قدر کافی ہیں۔ اب ہم اختصاراً کے طور پر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یورپ نے جادو کے اس ظالم عقیدہ سے کیا کیا ظلم کیئے۔ کتنے بے گناہ زندہ جلائے گئے۔ اور کتنی مظلوم عورتیں قتل کی گئیں۔ ۱۴۸۴ء میں انوسینٹ ہشتم روم کے معصوم پوپ نے اپنے مشہور بُل یعنی حکم سے جو عام خیالات جادو کی بابت عوام میں پھیلے ہوئے تھے اُنہیں چرچ کی طرف سے تسلیم کیا یعنی مذہبی اعتقادات میں جادو کا عقیدہ شامل کیا گیا۔ اُس نے منادی کرادی کہ جادوگر او رجادوگرنیاں تلاش کی جائیں اور اُنہیں صلیب دی جائے تاکہ انکے

میں کامل ہو گئی۔ میں نے اپنی رفیقہ بڑھیا سے کہا کہ میں تو جادو سیکھنے آئی تھی اب تک میں نے کچھ نہیں سیکھا نہ ان مردوں نے مجھے کچھ تعلیم کی۔ بڑھیا نے کہا تیرا خیال غلط ہے تو نے ہر چیز سیکھ لی اب جو کچھ تو چاہے گی وہ ہو جائے گا۔ ان کی تعلیم اسی قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے اس بڑھیا سے کہا کہ میں کیونکر یقین کروں کہ مجھے جادو آگیا ہے اُس نے کہا تو ایک گیہوں کا دانہ زمین میں ڈال اور کہہ اسے دانہ تو اگ آ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہ دانہ فوراً اُگ آیا۔ پھر میں نے کہا بڑا ہو پھر کہا خوشہ لا خوشہ لایا پھر کہا خشک ہو خشک ہو گیا پھر کہا گیہوں بن جا گیہوں بن گیا۔ جب میں نے ہر طرح آزما لیا اور میں پوری اُتری تو اب ایمان کے خیال سے میری آنکھیں کھلیں میں سخت نادم ہوئی اور مجھے ایمان جانے کا بہت افسوس ہوا میں نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حال سُنا اور میں حضور میں اس لیئے حاضر ہوئی تھی کہ میرے درد دل کا کچھ علاج ہو اور میرا گیا ہوا ایمان واپس آجائے۔ اے مادر مؤمنین اب تک میں نے کسی کو نہیں ستایا نہ کسی کو تکلیف دی اور میں سچ کہتی ہوں کہ میں کسی کے اذیت دینے سے ابتک بچی ہوئی ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپکے صحابہ موجود ہیں اُن کے پاس جا اور یہ کیفیت بیان کر شاید تیرے ایمان واپس آنے کی وہ کوئی تدبیر بتائیں۔ وہ عورت ہر صحابی کے پاس گئی مگر کسی کو اُسکا ایمان واپس بُلانے کی تدبیر نہ سوجھی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض صحابہ نے کہا کہ اس سے بہتر تدبیر اور نہیں ہے کہ اگر تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہو تو اُس کی خدمت کر تیرا ایمان واپس آجائے گا۔

دوسری روایت ابن المنذر نے اوزاعی سے کی ہے اور اوزاعی نے ہارون بن رباب سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن عبد الملک بن مروان سے ملنے گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے پاس ایک شخص مسند پر گاؤ تکیہ لگا کے بیٹھا ہے میں نے اہل دربار سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جو بادشاہ کے برابر مسند پر بیٹھا ہے اہل دربار نے کہا کہ یہ اس بات کا فخر کرتا ہے کہ میں ہاروت و ماروت کو دیکھ کے آیا ہوں میں نے کہا یہ وہی شخص ہے اُنہوں نے کہا ہاں۔ میں اُس کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ تو قصہ ہاروت و ماروت کا میرے آگے بیان کر۔ یہ سُنتے ہی وہ شخص آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اُس نے کہا میرا قصہ یہ ہے کہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا میرے باپ کی جوانی میں وفات ہو گئی تھی۔ وہ بہت دولت چھوڑ مرا تھا اور وہ کل زر و مال میری ماں کے قبضہ میں آیا۔ میری ماں مجھسے بہت

سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا۔ ان مذکور شہنشاہوں کی اس طرز عمل سے عامۂ خلایق پر جادو کی طرف سے سخت ہیبت اور خوف پھیل گیا۔ کسی کے سر میں درد ہونا۔ غیر معمولی طور پر کسی کو بخار چڑھ آنا چلتے چلتے گر پڑنا۔ کسی کام کا اچانک کرتے کرتے بگڑ جانا۔ کسی کا یکایک مرجانا۔ آندھی کا آنا طوفان کا برپا ہونا۔ کسی جانور کا بغیر کسی ظاہری سبب کے مرجانا۔ کسی کُنبہ پر کوئی آفت آنا۔ کسی مکان یا دیوار کا گر پڑنا۔ گھوڑے پر سے گر کے مضروب ہونا۔ غرض یہ سارے واقعات جو لازمی طور پر تمام دنیا میں ہوتے رہتے ہیں وہاں جادو کی وجہ سے سمجھے جاتے تھے۔ قدرتی ضابطہ کے سبب اور نتیجہ کے یہ معنی لگائے تھے۔ تاریخ سیویلیزیشن ان انگلینڈ (یعنی تمدن انگلستان میں) مصنفہ فاضل بکل اور کانفلکٹ بٹوین سائنس اینڈ ریلیجن (یعنی نزاع علوم جدیدہ اور مذہب میں)

دیا بیٹی یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہوں اگر تو اُس پر مُستعد ہو جائے تو تیرا شوہر تیرا غلام بنجائے گا اور اگر تو بیٹھتے جوتی اور اُٹھتے لات مارے گی وہ اُف تک نہیں کرنے کا۔ میں نے جواب دیا میری جان سخت عذاب میں ہے بڑی بی جب میرا خاوند ایسا مطیع ہو جائے گا تو جو کچھ تم بتاؤ گی میں کرنے کو موجود ہوں غرض جب اخیر شب ہوئی وہ بڑھیا میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ دو کالے کتے لائی۔ ایک کتے پر آپ سوار ہوئی اور دوسرے کتے پر مجھے سوار کیا۔ اور پھر ہم دونوں روانہ ہوئے۔ اِدھر گھر سے باہر نکلے تھے کہ شہر بابل میں پہنچ گئے میں نے وہاں جا کے دیکھا کہ دو مرد اُلٹے لٹک رہے ہیں اُنہوں نے میری صورت دیکھتے ہی کہا تو یہاں کیوں آئی بڑھیا کے اشارہ سے میں نے یہ جواب دیا کہ جادو سیکھنے آئی ہوں۔ دونوں نے کہا کہ جادو کفر ہے اور جو اُسے سیکھتا ہے کافر ہو جاتا ہے جا اپنے گھر جا اور اپنا کام کر۔ اس جنجال میں پڑ کے دین ہاتھ سے کھو بیٹھے گی۔ میں نے کہا میں بغیر جادو سیکھے یہاں سے نہیں ٹلنے کی چاہے جو کچھ ہو جائے۔ وہ جوں جوں مجھے منع کرتے تھے میں اُسی قدر اصرار کرتی تھی جب میری الحاح وزاری کو بہت طول ہوا تو اُنہوں نے ناچار مجھ سے کہا کہ اس تنور کے قریب جا کے اُس پر پیشاب کر دے۔ جب میں اُس تنور کے پاس پہنچی تو مجھے سخت خوف معلوم ہوا اور میں وہاں سے پھر کے پھر اُن مردوں کے پاس آئی اور میں نے اُن سے کہا کہ میں پیشاب کر آئی ہوں اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے وہاں کچھ دیکھا بھی میں نے انکار کیا اُنہوں نے کہا تو جھوٹ بولتی ہے تو نے پیشاب نہیں کیا بس اب تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلی جا تا کہ تو کافر نہ ہو جائے میں نے کہا میں ہرگز نہیں جانے کی اُنہوں نے کہا جب تو نہیں مانتی اور ضد کئے جاتی ہے تو جا اور تنور میں پیشاب کر۔ میں پھر دل مضبوط کر کے گئی پھر وہی خوف وہراس مجھ پر طاری ہوا بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور کلیجہ کانپنے لگا۔ میں گھبرا کے اور ڈر کے واپس چلی آئی۔ پھر اُنہوں نے باز رہنے اور گھر جانے کے لیے مجھ سے کہا غرض میں سہ بارہ پھر گئی اور پیشاب کر دیا۔ پیشاب کرتے ہی میں نے ایک گھوڑے سوار تنور میں سے نکلتا دیکھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ سر پر خود فولادی بدن میں زرہ سینہ پر چار آئینہ لگائے ہوئے اس سج دھج اور خوفناکی سے نکلا کہ میں دہل گئی وہ تنور سے نکلتے ہی آسمان کی طرف اُڑا چلا گیا اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ پھر میں اُن کے پاس گئی اور میں نے سوار کا حال بیان کیا اُنہوں نے کہا اب تو سچ کہتی ہے وہ سوار تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل کے آسمان پر چلا گیا۔ بس اب جا تو جادو کے فن

صدہا دفعات جادوؤں اور سزاؤں کی رکھی گئیں اُس کی تعمیل حکومت کے احکام کی تعمیل تھی اور اُس ضابطہ سے انحراف کرنا اپنی جان خطرہ میں ڈالنا تھا۔ اس ضابطہ سحر کا نام "میلیوس میکادم" تھا۔ اس ضابطہ نے وہاں اس عقیدہ کو مجنونانہ طور پر پھیلا دیا کہ جادو کوئی چیز ہی نہیں بلکہ برحق ہے اور کرنے والا کافر اور گردن زدنی ہے۔ اب ملک بھر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو جادو کو ان خیالات باطلہ اور اوہام کاذبہ کا نتیجہ خیال کرتا ہو۔ اسکے بعد الگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں لیو دہم نے ۱۵۲۱ء میں اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں ان قواعد و ضوابط کو کافی نہ سمجھ کر اور زیادہ سخت اور ہیبت ناک دفعات کا اُن میں ازدیاد کیا

نہ لیجو کیونکہ اس میں کسی قسم کی بھی بیہودگی نہیں ہے میں نے کہا۔

دست از طلب ندارم تا کامِ جاں برآید   یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

جب تک آپ مجھے ایسا کامل نہ کریں جیسا میرا باپ تھا میں آپ کا دامن نہیں چھوڑنے کا اور کبھی اس خیال سے باز نہیں آؤنگا اُس نے یہ سُن کے سخت تاسّف کیا اور میری اس ضد سے اُسے بہت صدمہ ہوا ہرچند اُس نے کوشش کی کہ میں سمجھ جاؤں لیکن میرے سر پر تو جادو سیکھنے کا جن چڑھا ہوا تھا بھلا میں کیونکر سمجھتا اور مجھے اُس کی نصیحت کیونکر پذیرا ہوتی۔ وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند   جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

یہ ساری باتیں میری سحر آموزی کے شوق کے آگے فضول تھیں اور ان کا اثر صرف اتنا تو ہوتا تھا کہ مجھے صدمہ اور رنج محسوس ہوتا تھا اور گریبان پھاڑنے کو جی چاہتا تھا کہ یہ انکار کیوں کیئے جاتا ہے۔ اخیر وہ مجبور ہوا اور اُس نے کہا اگر تو نہیں مانتا ہے تو یہاں قیام کر اور فلاں روز اور فلاں ساعت کا منتظر رہ۔ غرض خدا خدا کر کے وہ وقت بھی آگیا میں فوراً اُسکے پاس بھاگا ہوا گیا اور اُس سے ایفائے وعدہ کی درخواست کی۔ پھر وہ مجھے سمجھانے لگا اور قسمیں دینے لگا اور منتیں کرنے لگا لِلّٰہ تو اس خیال سے باز آ میں انکار کیئے گیا جب وہ نصیحت کرتے کرتے تھک گیا تو اُس نے کہا میں تجھے اُس جگہہ لیجاؤں مگر یہ یاد رکھیو کہ وہاں بھولے سے بھی خدا کا نام نہ لیجو میں نے حتمی وعدہ کر لیا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا وہ مجھے ایک تہ خانہ میں لیکے اُترا میں اندازہ سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم دونوں نے قریب تین سو زینوں کے طے کیئے ہوں گے باوجودیکہ تہ خانہ تھا مگر پھر بھی آفتاب کی روشنی اُسی قدر تیز تھی جتنی سطح زمین پر ہوتی ہے۔ جب اخیر منزل پر پہنچے تو میں نے ہاروت اور ماروت کو لوہے کی زنجیروں میں معلق لٹکتا دیکھا اُن کی آنکھیں مثل بڑی بڑی ڈھالوں کے اور اُن کے پر اسقدر چوڑے اور چکیلے تھے کہ میں خوف کے مارے کانپ گیا اور میری زبان سے بیساختہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکل گیا یہ کلمہ سُنتے ہی اُنھوں نے اپنے پروں کو جنبش دی اور شور مچانے لگے اور پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے امتحاناً پھر بھی کلمہ پڑھا پھر اُنکی وہی حالت ہو گئی وہی آہ وزاری اور وہی پروں کا پھڑ پھڑانا۔ اسکے بعد سکوت ہوا پھر میں نے یہی کلمہ دہرایا پھر اُن کی یہی کیفیت ہوئی جب تیسری بار سکوت ہوا تو میں اُنکے آگے گیا اُنھوں نے مجھسے دریافت کیا کیا تو آدمی کی جنس سے ہے میں نے کہا ہاں مگر یہ تو بتاؤ کہ اِس کلمہ سے تمہاری یہ حالت کیوں ہو گئی اُنھوں نے کہا جب سے ہم عرش سے زمین پر آئے ہیں ہم نے یہ کلمہ آج ہی سُنا ہے اور ہم پر سخت عذاب نازل ہے تیری زبان سے جب یہ کلمہ سُنا تو ہمیں اپنی اصلی جگہہ رہنے

بدقسمتی سے کوئی نشان نہ ملا تو پھر اقبال جرم کے لیئے جسمانی سزائیں دی جاتیں۔ اُنہیں گرم لوہے سے داغا جاتا اُنکی مشکیں کس کے ایک سرد بے ہوا کوٹھری میں ڈال دیا جاتا۔ سردی۔ بھوک اور تاریکی یہ اُن کے لیئے لازمی قرار دی جاتی۔ اُنھیں ایسی تنگ جگہہ قید کیا جاتا کہ وہ ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکیں اِن سزاؤں کی دہشت سے وہ فوراً فرضی جرم کا اقبال کر لیتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دیر لگا

محبت رکھتی تھی۔جو کچھ میں اُس سے مانگتا تھا دے دیتی تھی اور میں اناپ شناپ روپیہ اُڑاتا تھا تو بھی میری ماں مجھسے نہ دریافت کرتی تھی کہ میں روپیہ کس بے دردی سے لُٹاتا ہوں۔جب میں جوان ہو گیا اور مجھے کچھ عقل وشعور آیا تو میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میرے باپ کے پاس اِسقدر مال ودولت کہاں سے آئی تھی۔میری ماں نے کہا اے پیارے بیٹے تجھے اس بات سے کیا تعلق جتنا تجھسے خرچ کیا جائے خرچ کر خوب عیش اُڑا۔مزے کر۔مگر دریافت نہ کر تیرے لیئے یہی بہتر ہے۔میں نے سخت التجا کی اور آہ وزاری کرنے لگا میری ماں میرا ہاتھ پکڑ کے ایک کوٹھری میں لے گئی میں نے دیکھا کہ جواہرات اور اشرفیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔اُس نے یہ زر کثیر مجھے دکھا کے کہا یہ روپیہ اور زر وجواہر تیری کئی پشت کے لیئے کافی ہے تجھے ضرورت کیا پڑی کہ خواہ مخواہ اِس کے سبب دریافت کرنے میں اصرار کرتا ہے کہ یہ دولت تیرے باپ نے کہاں سے کمائی تھی۔پھر بھی اپنی ضد اور اصرار پر جما رہا۔ناچار اُسنے مجھسے کہا کہ تیرا باپ جادوگر تھا اُسنے صرف جادو کے زور سے یہ دولت جمع کی تھی۔یہ سُنتے ہی میں نے کہا کہ موروثی دولت پر قناعت کرنا ہمت اور اوالعزمی کے خلاف ہے۔میری ماں نے ہر چند سمجھایا کہ باپ کی دولت ہی اور تو ہی اُسکا اکیلا وارث ہے تیرے خیال میں یہ بے موقع الوالعزمی پیدا ہو جانا میری پریشانی قلب کا باعث ہے۔میں نے ایک بات بھی نہ سُنی اور باصرار اپنی ماں سے کہا کہ یہ تو بتاؤ میرے والد کا کوئی دوست بھی ایسا ہے جو اُن کے علم کے راز سے واقف ہو اور اُسے جادو کی کیفیت معلوم ہو۔میری ماں نے مجبور ہو کے کہا کہ ہاں فلاں شخص ہے اور فلاں جگہہ رہتا ہے۔میں نے ایک کہی نہ دو سیدھا اُس شخص کے پاس دوڑا ہوا گیا۔بڑے ادب سے جھک کے سلام کیا اور دست بستہ دوزانو اُس کے سامنے بیٹھ گیا اُس نے مجھے پہچانا نہیں۔دریافت کرنے لگا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے میں نے جواب دیا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں میرے باپ کا نام سُنتے ہی مجھے اُٹھ کے گلے سے لگا لیا اور بہت مہربانی کی اور مرحبا مرحبا کہنے لگا۔اور پھر مجھسے دریافت کیا کہ کس ضرورت کے لیئے آیا ہے اور تیری کیا حاجت ہے۔تیرا باپ تو اِسقدر مال چھوڑ کے مرا ہے کہ تیری کئی پشتوں کو بھی کافی ہے تو اپنی کئی پیڑیوں تک کسی کا بھی محتاج نہیں ہو سکتا۔میں نے صاف صاف کہدیا اور ذرا بھی لگی لپٹی نہ رکھی کہ مجھے مال کی ضرورت یہاں نہیں لائی ہے بلکہ میں جادو سیکھنے کے لیئے آیا ہوں۔اُس شخص نے کہا اے پیارے بھتیجے ہرگز یہ خیال

مصنفہ فاضل ڈریپر میں مفصل کیفیت جادو کی لکھی ہوئی ہے جس سے ہم یہ مضمون انتخاب کر رہے ہیں کہ جادو کے عقیدہ نے کن کن بیگناہ مردوں عورتوں اور بچوں پر چھری پھیری ہے۔اور صدیوں تک اس باطل خیال نے خدا کی پیاری مخلوق کو کس طرح برباد کیا ہے۔جادو کے ملزم کی سزا ایسی خطرناک تھی کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب کسی عورت یا مرد پر جادو کا جرم قائم کیا جاتا اور وہ گرفتار ہو کے آتا تو وہ فوراً اقبال جرم کر لیتا تھا اس لئے انکار سے اس پر وہ عقوبتیں توڑی جاتی تھیں جو صلیب سے بھی بہ خوفناک ہوتی تھیں مثلاً انکار پر اس کا سر مونڈا جاتا اور پھر پادری صاحبان بہت غور اور تامل سے اُسکے سر پر شیطانی نشان ملاحظہ کرتے اگر کوئی غیر معمولی نشان کسی پھنسی وغیرہ کا مل جاتا تو پھر ثبوت جرم میں کوئی شک ہی باقی نہ رہتا اور اگر مجرم کی

امیر المؤمنین مرتضےٰ علی کرم اللہ وجہہ عبد اللہ بن عمر اور مجاہد رضی اللہ عنہم وغیرہم نے ہاروت و ماروت کی بابت
یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کے اعمال بد نے آسمان پر پرواز کی
تو فرشتوں میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال شروع ہوئی اور اُنہوں نے بنی آدم کی سخت تحقیر کی اور صرف توہین آمیز
کلمے ہی نہیں کہے بلکہ اُنپر لعن طعن کرنے لگے۔ خدا ے تعالیٰ نے اُنسے خطاب کرکے کہا تم بنی آدم پر اس قدر
لعن طعن کیوں کرتے ہو اور اُنپر کیوں اسقدر خفا ہو چونکہ ہم نے اُن کی سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کو
ملا دیا ہے اس لیئے اُن سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوتے ہیں اگر میں تمہیں بھی زمین میں نازل کروں اور تم میں بھی
غضب اور خواہش نفسانی کی ترکیب کردوں تو تم سے بھی ایسے ہی گناہ سرزد ہونے لگیں۔ فرشتوں نے عرض کیا
اے پروردگار اگر ہماری سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کی آمیزش بھی ہو جائے جب بھی ہم کبھی ایسے
کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہوں گے۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے گروہ میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرلو
تاکہ اُنہیں زمین پر بھیجا جائے اور پھر تمہیں حقیقت کھل جائے۔ فرشتوں نے جب اپنے گروہ میں سے منتخب کیا
تو ہاروت اور ماروت سے بہتر عبادت گزار اور ہر وقت تسبیح اور بندگی میں غرق کسی کو نہیں دیکھا اخیر سب نے متفق
ہو کے ان دو فرشتوں کو منتخب کیا اور خداوند تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ باری تعالیٰ نے اُنکی سرشت میں غضب
اور خواہش نفسانی کا مادہ ملا دیا اور دُنیا میں اُنہیں بھیجا تاکہ وہ لوگوں پر جاکے حکومت کریں اور اُنہیں آپس میں
لڑنے جھگڑنے نہ دیں۔ قتل و غارت کو موقوف کریں اور عدل و انصاف کی چاشنی اُنھیں چکھائیں۔ فرائض
عبودیت کی پوری تعلیم کریں اور ساتھ ہی یہ بھی رعایت کی گئی کہ وہ دن بھر تو اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی

کی بستیاں خالی کردی تھیں۔ ایک آفت برپا تھی اور یہ آفت ایسی تھی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ملک جرمنی کے چھوٹے سے ضلع
لنڈم میں چار برس کے اندر آبادی کا پانچواں حصہ جادو کے جُرم میں جلا دیا گیا۔ جنیوا میں تین مہینے کے اندر پانسو جادوگر
اور جادوگرنیاں جلا دی گئیں۔ ضلع کومو میں ۱۵۲۶ء میں ایک ہزار آدمی اسی جُرم میں جلائے گئے۔
ملکہ الزبتھ جو اول درجہ کی خداپرست تھیں اور بڑی رحمدل مشہور ہیں اُنہوں نے جادو کے جُرم کو اپنے ضابطہ ملکی میں
اول درجہ کا قرار دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی قید لگا دی کہ نفس جادوگرنا ہی گردن زدنی کے لایق ہے اس سے غرض نہیں کہ وہ
کسی کی نقصان رسانی کے لیئے کیا جائے یا نہیں۔
جیمس اول نے اس قانون کو ناقص سمجھ کے اور بھی زیادہ اُسے وسعت دی اور زیادہ صاف او صریح الفاظ میں
جادو کی سزا کے واسطے قانون جاری کیئے۔ اِس قانون نے نہ صرف سرکاری ملازموں تک جادوگروں اور جادوگرنیوں کی
گرفتاری کے اختیارات محدود کیئے تھے بلکہ ہر شخص کو اختیار تھا کہ اُنھیں گرفتار کرے۔ صدہا آدمیوں نے اپنا یہ پیشہ کرلیا یہ لوگ
گاؤں بہ گاؤں پھرتے اور گاؤں والوں سے ۲۰ شلنگ فیس لیتے تاکہ اُن کے گاؤں سے جادوگر او جادوگرنیوں کو خارج
کردیں۔ گاؤں والے یہ سُنتے ہی اُنھیں ۲۰ شلنگ حوالہ کردیتے وہ فوراً مشتبہ مردوں اور عورات کو گرفتار کرلیتے اور سند کو پر

گی یاد آئی ہمارے دل پر ایک چوٹ لگی اور ہم اس صدمہ سے غل مچانے لگے۔ اب تو بیان کر کہ کس پیغمبر کی امت میں ہے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا۔ وہ سنتے ہی بولے کیا محمد مبعوث ہو چکے میں نے کہا ہاں انہیں مبعوث ہوئے زمانہ ہوا آپ کی وفات بھی ہو گئی اور آپکے بعد خلفا ہوئے انکی بھی وفات ہو گئی۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ آپ کی امت ایک ہی شخص کے تابع ہے یا گروہ گروہ علیحدہ ہیں اور ان کا سردار جدا جدا ہے۔ میں نے کہا ایک ہی شخص کے تابع ہیں اسے بادشاہ کہتے ہیں۔ یہ سن کے انہیں رنج ہوا اور وہ سخت ناخوش ہوئے پھر کہنے لگے ان میں اتفاق ہے یا نفاق میں نے کہا دلوں میں نفاق رکھتے ہیں میرے جواب نے انہیں خوش کر دیا اور وہ اسقدر خوش ہوئے کہ ساری کدورت ان کی جاتی رہی۔ پھر دریافت کرنے لگے کہ محلات اور عالی شان عمارات کا سلسلہ بحر طبریہ تک پہنچ گیا ہے میں نے کہا اب تک نہیں پہنچا۔ یہ سن کے وہ پھر ملول ہوئے مجھے تعجب ہوا کہ امت محمدیہ کے ایک ہی بادشاہ کے تابع ہونے کی خبر نے انہیں کیوں غمگین بنا دیا۔ اخیر میں نے ان سے یہ سوال بھی کیا کہ جب تم نے یہ سنا کہ امت محمدی ایک ہی بادشاہ کے تابع ہے تو تم کیوں رنجیدہ ہوئے۔ انہوں نے کہا تو کچھ اور خیال نہ کر ہمارے خوش ہونے اور ناخوش ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب ہم نے یہ سنا کہ ابھی تک اتفاق ہے تو ہم پر ایک صدمۂ عظیم ہوا کیونکہ ہم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت تک ہم پر یہ عذاب رہے گا اور قیامت کے آنے کی نشانی یہ ہے کہ امت محمدیہ میں نفاق پھیلے گروہ گروہ ہو جائیں اور ہر گروہ اپنا سردار اور اپنا پیشوا الگ الگ بنا لے تیرے کہنے سے ہمیں اس لیئے رنج ہوا کہ ابھی قرب قیامت دور ہے دوسری قرب قیامت کی یہ نشانی ہے کہ بحر طبریہ تک سلسلۂ عمارات پہنچ جائے۔ پھر میں نے کہا مجھے کچھ وصیت کیجیے انہوں نے کہا کم سو یا کر اور اس خطرناک حالت سے بیدار رہ جو عنقریب آنے والی ہے۔ انہوں نے مجھے جادو نہیں سکھایا اور نہ میرے رہنما نے مجھے سحر کی تعلیم کی۔ بس میں پھر وہاں سے چلا آیا۔

ہمارے بزرگان دین کا عقیدہ بڑے پُرزور الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ وہ جادو کے برحق ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ حاکم اور دوسرے مفسر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت

سزا انہیں برداشت ہو سکے گی اور پھر فرض کرو کوئی شخص ایسی سخت سزاؤں کو بھی برداشت کر کے زندہ رہے تو وہ کبھی چھوڑا نہیں جاتا بلکہ کوشش کی جاتی تھی کہ یہ کسی نہ کسی طرح اقبال جرم کرے غرض بہر صورت اسے اقبال جرم کرنا پڑتا تھا اور یہی اس کی نجات کا باعث ہوتا تھا۔ رحیم موت کا خواہشمند ایسا ہر مجرم رہتا تھا کیونکہ انہیں صرف موت ہی ایسی دکھائی دیتی جو ان کی تمام جسمانی تکالیف کا سلسلہ قطع کر دیتی۔ اقبال جرم کے بعد مجرم نہ صرف صلیب دیے جاتے تھے بلکہ زندہ بھی جلا دیے جاتے تھے۔ زندہ جلا دینا پادری بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ خداوند مسیح تیسرے آسمان سے ہمارا یہ نیک کام دیکھ رہے ہیں اور ہم سے بہت خوش ہیں۔ اس آفت کا غضب خاص خاص اضلاع میں محدود نہ تھا بلکہ اس بلائے بے درمان نے تو بستیاں

ترکیب ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو تم میرے معبود کو سجدہ کرو اور پھر میرے خاوند کو قتل کر ڈالو میں تمہاری ہوجاؤں گی۔ یہ سنتے ہی ہاروت و ماروت نے کہا معاذ اللہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سوائے خدا کے ہم کسی کو سجدہ کریں اور کسی شخص کو بلا وجہ قتل کریں ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکے گا۔ توبہ توبہ ان باتوں کا ہمارے آگے نام بھی نہ لیجو۔ زہرہ یہ سن کے اُٹھ بیٹھی اور چلتے چلتے یہ کہہ گئی کہ اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر میرا وصل بھی ممکن نہیں۔ ہاروت و ماروت نے انکار کرنے کو تو کر دیا مگر اُنکے دل میں محبت کی آگ بھڑک چکی تھی اور اُس کی لپٹیں زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔ اُنکی زہرہ کے چلے جانے پر بالکل یہی حالت ہوگئی تھی

زدیدہ رفتی و مردم ہماں نفس فریاد　　کہ بے تو مُردم و آنگاہ چنیں بہ آسانی
کسے کہ تشنہ لب نازِ تست مے داند　　کہ ہیچ آبحیات ست چین پیشانی
نہشت غمزۂ اسلام دشمنت کہ دو روز　　محبتِ تو کنم جمع با مسلمانی

جب بیتابی و پریشانی بڑھی تو دوسرے دن زہرہ کو پیغام بھیجا کہ ہم آج تیرے ہاں مہمان رہنا چاہتے ہیں۔ اگر تو قبول کرے گی تو ہماری اس میں بہت شرف افزائی ہے۔ زہرہ نے جواب میں کہلا بھیجا بسر و چشم تشریف لائیے آپ ہی کا گھر ہے۔ غرض یہ دونوں مقررہ وقت پر وہاں پہنچے زہرہ نے پہلے ہی سے مکان کی آراستگی کر رکھی تھی خود بھی خوب بن سنور کر آراستہ ہوگئی تھی۔ شراب کے شیشے بھی تیار رکھے تھے کہ ہاروت و ماروت پہنچے زہرہ نے بڑی خاطر کی اُس کی زبانِ حال سے بیساختہ یہ نکل رہا تھا

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلے سے بھی زیادہ اُس کا حُسن و جمال اُن کے دل میں کُھب گیا اور ایک غیر معمولی جوش اُٹھا جس سے اُنکی خواہش وصل کا اظہار ہوگیا۔ زہرہ نے کہا سنو صاحب بات یہ ہے اگر آپ میری وصل چاہتے ہیں تو میں چار

فروخت کر دی ہے اور اپنی جرابیں اُتار کے اور صابون گھول کے طوفان پیدا کیا تھا۔

سنہ ۱۵۶۳ء میں اسکاٹلینڈ میں جادوگرنیوں کی سزا کے لیئے باضابطہ ایک قانون کی منظوری ہوئی۔

اسکاٹلینڈ کے بادشاہ جیمس ششم جب ڈینمارک سے شادی کر کے واپس آیا تو اُسے یہ خبر دیگئی کہ چند جادوگرنیوں نے رستہ میں جمع ہو کے طوفان برپا کرنے کے لیئے جادو کیا ہے اور اُن کی مراد یہ ہے کہ بادشاہ ہلاک ہوجائے بادشاہ نے یہ سُنتے ہی اُن بے گناہ عورتوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہو کے بادشاہ کے آگے پیش کی گئیں پہلے اُنہوں نے انکار کیا مگر وہ جانتی نہ تھیں کہ انکار اُن کے حق میں زہر ہلاہل ہے فوراً انہیں جسمانی سزائیں ملنی شروع ہوئیں ناچار ایک عورت نے بڑی عقلمندی سے اقبال جُرم کیا۔ اور کہا کہ شیطان جو بادشاہ کا بڑا دشمن تھا ہم سے ساز باز رکھتا تھا اور حضور کے قتل کی کوشش کرتا تھا۔ اِس مقدمہ کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ کُل جادوگرنیاں جنکی تعداد ۳۰ تھی گردن مار دی گئیں۔ اسی اثناء میں انگلستان میں جادوگرنیوں کو سزا دینے کے لیئے خاص ایک مجلس کا دائمی انعقاد ہوگیا تھا اور اُنکے

کرتے رہیں اور شام کو آسمان پر اُڑ کے چلے آئیں اس کے لیئے اُنہیں اسم اعظم سکھا دیا گیا تھا کہ ادھر اُنہوں نے اسم اعظم پڑھا اور وہ آسمان پر اُڑ کے چلے گئے۔ مہینہ بھر تک وہ یوں ہی آتے جاتے رہے اور اُنہوں نے ربانی فرائض کی حسب خواہش انجام دہی کی۔ اُن کی شہرت بھی شہر میں بہت ہوگئی کہ دو شخص آسمان سے اُترتے ہیں اور فلاں موضع میں رہتے ہیں نہایت نیک دل ہیں جو کچھ کہتے ہیں ہو جاتا ہے اور جو بات بتاتے ہیں بعد ازاں ٹھیک اُترتی ہے اور مقدمات خصومات کا فیصلہ بھی حق حق کرتے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کی روایت کے بموجب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت زہرہ نامی اُن کے پاس آئی یہ عورت جسقدر خوبصورت تھی اسیقدر عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی اس کا خاوند اسپر بہت زیادتی کرتا تھا اُس نے ان دونوں فرشتوں سے دادخواہی کی یہ عورت ایرانی تھی۔ اُس نے آکے یہ کہا مجھے اسم اعظم سیکھنے کا شوق ہے اور اسی لیئے میں آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں اگر مجھے اسم اعظم آجائے گا تو اس سبب سے رہائی پانے کی سبیل نکل آوے گی۔ ہاروت و ماروت نے جوں ہی اُس کی صورت پر نظر کی دل ہاتھ سے دے بیٹھے اور اُس پر فریفتہ ہوگئے تمام وعدے وعید جو اپنے خالق سے کیئے تھے دل سے محو ہوگئے اُن کی بالکل یہی کیفیت ہوگئی

نہ تنہا در رہش بازم دل و دیں　　فدائے جانِ شیریں جانِ شیریں

ہوش و حواس درست نہ رہے محبت کی آگ دل میں بھڑکی اور اسی بیخودی میں وصل کی درخواست کی۔ اس عورت نے کہا یہ ہونا ایک محال امر ہے کیونکہ میرے اور تمہارے مذہب میں فرق ہے۔ میرا شوہر بہت بڑا باغیرت شخص ہے اگر اُسے اشارتاً یہ معلوم ہوگیا کہ میرا اور آپ کا تعلق ہے تو وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ ہاں اس کی ایک

حلال کرنے کے لیئے اُنہیں سزائیں دلواتے اور بیسیوں بے گناہوں کو ظالم اپنے ۲۰ شلنگ کے لیئے مروا ڈالتے۔ جادو کی شناخت کے بہت سے طریقے رائج تھے منجملہ اُنکے یہ طریقے زیادہ عمل میں لائے جاتے تھے۔ سوئیاں نہایت بیرحمی سے جلدی جلدی اُن کے تمام بدن میں چبھوئی جاتی تھیں اس تکلیف دہی سے کوئی خاص علامت جادو کی اُنہیں معلوم ہو جاتی تھی جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مشتبہ جادوگر یا جادوگرنی کے ہاتھ پاؤں باندھ کے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کے تالاب میں ڈال دیتے تھے جب وہ ڈوب جاتی تھی تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اصطباغ کے پاک پانی کا اُسپر اثر ہے اور اگر تیرنے لگتی تو وہ جادوگرنی سمجھی جاتی۔ غرض دونوں صورتوں میں اُس کا بچنا محال تھا اور اُس کی موت یقینی تھی۔ تیرنے پر یہ اور غضب توڑا جاتا کہ اگر وہ بچ گئی تو زندہ جلا دی جاتی کیونکہ سطح آب پر آجانا جادوگر یا جادوگرنی ہونے کے لیئے کافی تھا۔

سترھویں صدی کے وسط میں جادو کے سُراغ لگانے والوں کا ایک سرگروہ تھا جسکا نام تھا میتیو ھاپ کنس تھا۔ سب سے زیادہ آدمی انگلستان میں اُس زمانہ میں جلائے گئے جو لانگ پارلیمنٹ کہلاتا ہے ۱۶۴۵ء میں ایک نوجوان عورت اور اُس کی نو برس کی معصوم بچی کو صلیب دی گئی۔ الزام یہ تھا کہ ان دونوں ماں بیٹیوں نے اپنی روح شیطان کے ہاتھ

اب ہاروت و ماروت کی حالت سخت پشیمانی میں دن بدن زبون ترین ہوتی گئی۔ آخیر وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی پوری کیفیت بیان کی اور کہا آپ ہماری شفاعت خدا کے آگے کریں ہمارا قصور معاف ہو اور ہم اپنے اصلی جائے قیام پر چلے جائیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا ٹھیر و جمعہ آنے دو میں تمہاری بابت رب العرش کے حضور عرض کروں گا۔ دوسرے دن ہفتہ کو یہ دونوں حضرت ادریس کے پاس آئے اُنہوں نے کہا میں نے تمہاری سفارش کی تھی قبول نہیں ہوئی اگلے جمعہ کو پھر دریافت کرونگا چنانچہ دوسرے جمعہ کو دریافت کیا گیا تو یہ جواب آیا کہ ہاروت و ماروت سے دریافت کیا جائے کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا اگر وہ دنیا کا عذاب چاہیں تو اُنہیں دُنیا کا دیا جائے اور جو آخرت کا عذاب چاہیں تو آخرت کا ہو۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے یہی فرمادیا۔ ہاروت و ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ عذاب دنیا فانی ہے اور عذاب آخرت باقی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم عذاب دنیا کو اختیار کریں۔ مشورہ کے بعد اُنہوں نے اپنی مرضی ظاہر کردی کہ ہم عذاب دنیا چاہتے ہیں حضرت ادریس نے بارگاہ عالی میں یہی عرض کردیا۔ فوراً فرشتوں کو حکم ہوا کہ لوہے کی آتشیں زنجیریں لیکے جاؤ اور اُن کا بند بند جکڑکے کوئیں میں اوندھا لٹکا دو اور اُس کوئیں میں تیز آگ برابر بھڑکتی رہے اور باری باری سے ایک فرشتہ ہر وقت موجود رہے جو آتشیں کوڑوں سے سٹ ورونا نہیں مارتا رہے جب تک قیامت نہو اُن کی یہی کیفیت رہے اور اُن پر یہی عذاب ہوتا رہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک فرشتہ کوڑے بازی سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر نیا فرشتہ آتا ہے اور جو فرشتہ ایک بار ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں آتا۔ پیاس کے مارے اُن کے مُنہ میں کانٹے پڑ رہے ہیں اور زبان تالو خشک ہوا جاتا ہے۔ جب اُنپر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے تو اُن کے پاس پانی لیجاتے ہیں۔ جب وہ پانی کے لیئے مُنہ کھولتے ہیں تو پانی علیحدہ

بھی زندہ جلائے جانے کی رسم پائی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ ۱۸۶۵ء میں ایک شخص انگلستان میں ڈاکٹر ہیرس کی عدالت میں مجرم قرار دیا گیا کیونکہ اُس نے کہا کہ بیماری جادو سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسکو بھی جادو آتا ہے اور اُسی سے آرام ہو سکتا ہے اکثر مریضوں سے اُس شخص نے روپیہ بھی جادو کی بیماری کو دُور کرنے کے لیئے وصول کیا تھا۔

یہ غضب تھا جو جادو نے مغربی دنیا پر برپا کیا۔ نوّے لاکھ عورتوں کا زندہ جلادینا ایک ہیبتناک کارروائی ہے جو صدیوں تک یاد رہے گی اور جب تک تاریخ یورپ قایم ہے یہ دھبہ اُس کے دامن سے نہیں جا سکتا۔ جادو کے معتقد اب بھی یورپ میں بہت ہیں۔ بھوت۔ پریت اور ارواح خبیثہ کے اثرات کو ماننے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اُنکی اتنی تعداد نہیں ہے جتنی مشرقی دنیا میں جادو ٹونے کے معتقدوں کی ہے۔

ہمیشہ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ ایسی ہی خرابیوں کے باعث ہوا کرتے ہیں۔ جھوٹا ہے وہ مذہب جو ان معتقد

شرطیں پیش کرتی ہوں اُن میں سے کسی ایک پر اگر آپ عمل کرلیں گے تو میں آپ کی ہوجاؤں گی۔ ہاروت و ماروت نے پُرشوق لہجہ میں دریافت کیا سرت گردیم و قربانت شویم فرمائیے اُس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میرے بُت کو سجدہ کرو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میرے خاوند کو مار ڈالو۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو میرے ہاتھ سے جام شراب پی لو۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو مجھے اسم اعظم سکھا دو۔ یہ چاروں شرطیں پیش کردی ہیں اب آپ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس شرط پر آپ آسانی سے عمل درآمد کرسکیں کرلیں میں حاضر ہوں۔ ہاروت ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ سجدہ کرنا خدا کے سوا دوسرے کو کفر ہے۔ قتل کرنا بھی جرم عظیم ہے جو کبھی معاف ہی نہیں ہوسکتا اسم اعظم بھی نہیں بتا سکتے کیونکہ یہ خدا کا بھید ہے۔ ہاں شراب پی لینا کچھ ایسا بھاری گناہ نہیں ہے۔ باہم اس امر کا فیصلہ کرکے اُنہوں نے شراب پی اور پی بھی اس قدر کہ بدمست ہوگئے۔ اُس بدمستی میں زہرہ کے بُت کو سجدہ بھی کیا۔ اُس کے خاوند کو قتل بھی کیا اور اُسے اسم اعظم بھی بتا دیا۔ بعض روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ جُوں ہی زہرہ کو اسم اعظم کی تعلیم ہوئی اُس کی روح نے آسمان کی طرف صعود کیا اور خدا کے حکم سے وہ روح سیّارہ زہرہ کی روح کے ساتھ ملا دی گئی جو اب تک آسمان پر چمکتی ہے۔ ادھر جب ہاروت و ماروت کو ہوش آیا تو اپنے کو اسم اعظم اور تجلیات ربانیہ سے خالی پایا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خالق ارض و سما نے فوراً فرشتوں کی طرف خطاب کرکے ہاروت و ماروت کے حال کی طرف اُنکی توجہ دلائی اور ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں فرشتے باوجودیکہ میری تجلیات سے منوّر تھے اور شب بھر انہیں آسمان پر رکھا جاتا تھا تاکہ میرے نور کے قریب رہیں۔ دیکھو تو اس عنایت پر بھی یہ کیسی شرمناک معصیت میں گرفتار ہوئے۔ بیچارے بنی آدم کو یہ تجلیات اور حضوری کہاں اگر وہ گرفتار معصیت ہوں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے فرشتوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اہل زمین کے لیئے دعائے مغفرت کرنے لگے۔ جیسا حق تعالیٰ فرماتا ہے "والملائکة یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔

لیئے قانون بھی منظور ہوگئے تھے۔ اس مجلس کے ممبر سارے میں دورہ کرتے پھرتے تھے۔ صرف گلاسگو کے ایک ہی دورے میں ستّرہ آدمی زندہ جلا دیئے گئے۔ ڈاکٹر اسپرنگ بیلنے لکھا ہے کہ عیسائیوں نے **نوے لاکھ جادوگرنیوں کو زندہ جلا دیا۔"**

سنہ ۱۵۶۳ء میں جرمنی میں ایک شخص ویر نامی پیدا ہوا جس نے جادو کو سب سے اول غلط بتایا۔ سنہ ۱۵۸۴ء میں دوسرا شخص پیدا ہوا اور اُس نے سابق الذکر کی تائید کی۔ اب جادو کے منکروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ انگلستان میں سنہ ۱۷۲۲ء کے بعد زندہ جلانے کی رسم کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جرمنی میں سنہ ۱۷۴۹ء میں اور سوئٹزرلینڈ میں سنہ ۱۷۸۲ء میں اور پوزن میں سنہ ۱۷۹۳ء میں

اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دو فرشتوں کے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مخلوق خدا میں جادو کی تعلیم پھیلے تو گویا خداوند تعالیٰ نے جادو کی تعلیم مخلوق کو خود دی اس لحاظ سے جادو علم خداوندی سے ہوا - حالانکہ یہ نہیں ہے -

ہمارے متکلمین کا یہ رد و قدح ہے جو وہ قصۂ ہاروت و ماروت پر کرتے ہیں ہم ابھی اسپر کوئی رائے نہیں دیتے ابھی ہمیں جادو کی بابت اور بھی اپنے علمائے کرام کے اقوال نقل کرنے ہیں پھر بالتفصیل اپنی رائے کا اظہار کرینگے

ہمارے بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ جادو فی نفسہ ایک بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس سے فایدے بہت ہوتے ہیں - جادو کی تعلیم کی وجہ سے معجزے - کرامت - شعبدہ بازی میں فرق بہت بڑا معلوم ہو جائے گا - اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے شر سے بچے گا - فرض کرو کہ ایک شخص کو جادو آتا ہے اور وہ اپنے جادو کو ناپسندیدہ موقع سے استعمال نہیں کرتا تو اُس سے زیادہ ثواب اور کسی کو نہیں ہو سکتا کہ باوجود قدرت گناہ رکھنے کے گناہ نہیں کرتا - اہلِ بابل پر تو اس لیئے عذاب نازل ہوا تھا کہ وہ جادو کی تعلیم سے مغرور ہو گئے تھے اور خدا کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے یہ جانتے تھے کہ تمام کائنات کا انتظام ہمارے ہی ہاتھ میں ہے جو سیاہ سفید ہم چاہیں کر سکتے ہیں - یہ باتیں خدا کو بُری معلوم ہوئیں اور اُس نے اُنہیں غارت کر دیا - ہاروت و ماروت کے قصہ کو ہمارے بعض علما نے بالکل صحیح تسلیم کر لیا ہے اور وہ دعوے کرتے ہیں کہ جب اخبار اور آثار سے مرفوعاً یہ قصہ تواتر کی حد تک پہنچا ہوا ہے پھر اسے نہ ماننے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اگرچہ امام فخر الدین وغیرہ مفسروں نے اس قصہ کی تکذیب کی ہے - ہم نے وہ روایتیں جو ہاروت و ماروت وغیرہ کی نسبت آئی ہیں عمداً قلم انداز کر دی ہیں کیونکہ اُنہیں ایک ہی جگہہ جمع کرنے سے بے مزا طول ہو جاتا ورنہ بیان تو اس طول طویل طور پر ہوا ہے کہ جسکی حد و پایان ہی نہیں - اور اس قصہ کے موید اصحاب نے وہ وہ دلائل اس کی صحت میں پیش کیئے ہیں گویا یہ قصہ یقینی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہے - اور کچھ ایسے بسط کے ساتھ بحث کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اس مسئلہ کو ایک اہم اور ضروری اصول اسلام کا خیال کیا ہے - اُن کا بیان ہے کہ زہرہ کی روح زہرہ سیارہ کی روح کے ساتھ بیشک مِل گئی اور یہ بات ممکن ہے چنانچہ اُنہوں نے بڑی کوشش سے چند دلچسپ روایتیں بہم پہنچائی ہیں جن میں ایک ہدیہ ناظرین ہے

زبیر ابن بکار و ابن مردویہ و دیلمی حضرت امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (یعنی حضرت علی نے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مسخ شدہ صورتیں کتنی ہیں آپ نے فرمایا گیارہ ہیں - ہاتی - ریچھ - سور - بندر - مارماہی - سوسمار - طوطہ - بچھو - عموص - مکڑی - خرگوش سہیل - زہرہ - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے مسخ ہونے کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا - ہاتی پہلے آدمی تہا - مگر اسے خلاف وضع فطری افعال کا بہت شوق تھا اور اس کی تمام عمر لواطت اور اسی قسم کے افعال شنیعہ میں گذری اخیر وہ ہاتی بنا دیا گیا - ریچھ مخنث تھا جو مثل عورتوں کے اپنے کو آراستہ کیا کرتا تھا - سور نصاریٰ کی ایک جماعت تہی جس نے مائدہ کی نازل شدہ نعمت سے کفران کیا تھا - بندر یہودی تھے کہ شنبہ کے دن اُنہوں نے

کرلیا جاتا ہے۔

یہ قصّہ متعدد تفاسیر سُنن بیہقی۔ مُسند امام احمد میں بیان ہوا ہے اور کتب احادیث میں روایات متعددہ اور طرق مختلفہ سے کہ بہت صحیح مانے گئے ہیں مروی ہے لیکن مفسرین متکلمین نے اِس قصّہ کی صحت سے اختلاف کیا ہے مثلاً ہمارے امام فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی نے اس قصّہ سے صریح انکار کیا ہے اور اسے محض ایک فسانہ سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا ہے اور اپنے اختلاف کی یہ وجوہات لکھی ہیں۔

اول یہ کہ فرشتے بالاجماع معصوم ہیں معاصی کبیرہ کا صدور اُنسے ممکن نہیں کیونکہ یہ مُنافی عصمت ہے۔

دوم۔ اُن دونوں فرشتوں کو اِس شدید عذاب کی گرفتاری میں جادو کی تعلیم کی فرصت کہاں سے آئی وہ بیچارے تو اپنے حال میں مبتلا ہیں اور لوگ اُن کے ملنے کے لیئے کیونکر جا سکتے ہیں اور پھر اُن کا آنے والوں کے ساتھ اختلاط پیدا کرنا کیسا۔

سوم۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فاجرہ عورت اسم اعظم پڑھتے ہی آسمان پر اُڑکے چلی گئی اور پھر وہاں ستارہ بن گئی جو ابھی تک چمک دے رہا ہے بجائے اسکے کہ اُسکے گناہوں۔ بدکاریوں اور فسق وفجور کی سزا دی جاتی اُلٹا اُس پر یہ احسان عظیم کیا گیا کہ آجتک کسی ولی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

چہارم۔ یہ کہ زہرہ تو مشہور سیارہ ہے جو حضرت آدم کی خلقت سے پہلے موجود تھا اور اِس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت اِس سیارے کا جو سبعہ سیارات میں سے ہے ظہور ہوا ہے۔

پنجم۔ یہ قصّہ فرشتوں کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے کہا اے باری تعالیٰ اگر ہم میں غضب اور خواہش نفسانی ہوتی پھر بھی ہم کبھی گناہ نہ کرتے حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اگر تم میں انسانی غضب وغیرہ کا مادّہ ہوتا تو تم گناہ کبیرہ کرتے۔ اِس واقعہ سے جناب الٰہی کی صریح تجہیل اور تکذیب لازم آتی ہے اور یہ فعل شنیع منافی ایمان ہے

خیالات کا بانی ہو۔ لعنت ہے ایسے عقاید پر جن سے بے گناہوں کے گلوں پر چھُری پھرے۔ شہر کے شہر برباد ہوں اور معصوم بچے اپنی ماؤں کی گود میں زندہ جلا دیئے جائیں۔ ایسا عقیدہ یا مذہب شیطانی ہوتا ہے جسمیں خدا کی کھیتی کو پامال کرنے کی تعلیم ہو۔ جتنے جادو کے جرایم میں خون ہوئے۔ خواہ وہ عیسائی دنیا میں ہوئے ہوں یا اسلامی عالم میں اُس کے جواب دہ پیشوایان دین ہیں کیونکہ اُن ہی کے یہ مسئلے نکالے ہوئے تھے۔ وہ کوئی عذر بھی خدا کے آگے نہیں کر سکتے۔ اور اُنہیں رب العرش کے حضور قیامت کے دن سرنگوں ہونا پڑے گا؛

میں گردن اُڑادوں گا یہودیوں نے مکر سے بیان کیا کہ ہم نے بُری نیت سے یہ الفاظ استعمال نہیں کیئے ہیں - آپ کے اور بھائی مسلمان بھی بستے ہیں - آپ اُسی غصہ میں اُٹھ کے سیدھے حضور انور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ سے ابھی بیان نہ کیا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی " یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا الخ " غرض اسی قسم کی بہت سی روایتیں ہیں جو جادو کے معتقد جادو کی نسبت بیان کرتے ہیں - یہ بھی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی برحق پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا اور اُس کا گو نہ اثر بھی آپ پر ہوا تھا مگر ہم اسے نہیں مانتے ہمارا ایمان ایسی باتیں سُن کے کانپنے لگتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ کس غلط فہمی سے مسلمانوں نے خود ذات اقدس و اطہر سے بھی جادو کے معاملہ میں درگزر نہیں کی - ہمارا جو کچھ مذہب ہے یہ ہے کہ اگر یقین بھی کر لیا جائے کہ جادو کوئی چیز ہے اور جتنی اُسکی قوت بیان کی گئی ہے تھوڑی دیر کے لیئے سب کو حق سمجھ لیا جائے اور چند منٹ کے لیئے تمام دنیا کو ہم جادوگروں سے بھرا ہوا تسلیم کرلیں اور اُن میں سے ایک ایک جادوگر ایسا ہو جو آسانی سے آسمان میں چھید کرسکتا ہو اور پھر وہ اپنی مشتملہ قوت سے مل سکے ہمارے نبی معصوم و برحق پر جادو کریں بالکل محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ آپ پر اسکا خفیف سا بھی اثر ہو - جو ذات پاک عالم کے لیئے رحمت بنا کے بھیجا گیا ہو جسکی پیدایش ہی سے روح القدس ہمقرین رہی ہو جسکا ایک ایک لفظ بہت بڑا زبردست قانون کا حکم رکھتا ہو اُس پر ناپاک روحوں کی قوت کچھ بھی نہیں چل سکتی - اُس کی نگاہوں میں وہ تاثیر تھی کہ وہ ایک نظر سے صد ہزار جادؤں کو توڑ سکتا تھا نگاہ کیا اُس کا مقدس نام ہزاروں سحر کے قلعوں کو تسخیر کے لیئے کافی تھا اب بھی اِس مقدس اور مبارک نام میں بہت بڑی قوت باقی ہے اور اب بھی اس میں زندہ روح موجود ہے - ہم اسے قیامت تک تسلیم نہیں کرسکتے کہ ناپاک روحوں کی قوت اس پر غلبہ پاسکے جس کی نسبت یہ یقین کرنا ہمارا ایمان ہو -

" بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر "

اب ہم نفس جادو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے علماء نے جادو کی نسبت لکھا ہے اگر اُسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اُس سے کیا مستنبط ہوتا ہے اور جادو کی کیا صورت پیدا ہوتی ہے - جس نے گزشتہ صفحوں کو بغور مطالعہ کیا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ جادو کے معنی غیر از خدا کی پرستش کرنے اور اُن سے نہ صرف مدد چاہنے بلکہ اُنہیں قادر مطلق سمجھنے کے ہیں چونکہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے - اسی لیئے ہمارے فقہا نے ایسے مسلمان کی سزا جو جادوگر مشہور ہے یعنی ارواح خبیثہ کی پرستش کرتا ہے اور اُن ہی میں ساری قوت مانتا ہے گردن زدنی قرار دی ہے - یہ بہت بڑی بات ہے کہ اُسے تین دن کی مہلت دیگئی ہو کہ وہ اپنی حالت پر غور کرے اور غیر اللہ کی پرستش سے تائب ہو - جادو کے زور سے کسی شخص کو قتل کرڈالنے کے یہی معنی ہیں کہ اسے خدائے واحد کی پرستش سے باز رکھ کے سورج چاند - درخت - پہاڑ - پتھر - لکڑی کی

مچھلی کا شکار کیا۔ مارماہی دیوث شخص تھا کہ اپنی بیوی اور غیر مردوں میں دلالی کرتا تھا۔ سوسمار ایک بادیہ نشین دہقان تھا کہ حاجیوں کے قافلہ کو لوٹا کرتا تھا۔ طواط وہ شخص تھا جو درخت سے میوے چرایا کرتا تھا۔ بچھو ایک زبان دراز شخص تھا اور جس کی زبان درازی سے کسی کو پناہ نہ تھی۔ عموص چغل خور شخص تھا کہ اپنی چغلخوری کی وجہ سے اپنے دوستوں میں لڑائی کرا دیتا تھا۔ مکڑی ایک عورت تھی جس نے اپنے خاوند پر جادو کرکے اُسے قتل کرا دیا تھا۔ خرگوش بھی عورت تھی کہ ایام کے بعد غسل طہارت نہ کرتی تھی۔ سہیل یمن میں ایک چوکیدار تھا جو لوگوں سے جبراً چیزیں چھین لیا کرتا تھا۔ زہرہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھی جس نے اپنے حسن وجمال سے ہاروت وماروت کو اپنا مفتون بنالیا تھا۔ اس قصہ کے تتمہ پر تفسیر زاہدی والا لکھتا ہے کہ ہاروت وماروت اگرچہ جادو کی تعلیم کرتے تھے مگر پہلے سمجھا دیتے تھے کہ جادو سیکھنا سخت زبون ہے اور جب لوگ نہ مانتے تھے تو وہ مجبوراً تعلیم کردیتے تھے ان کے جادو کی تعلیم مثل شیاطین کے نہیں تھی جنکا ارادہ خلق اللہ کو گمراہ کرنے کا تھا۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کہ شیطان روزمرہ صبح کے وقت اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے اور اپنے شیاطین کو زمین پر مخلوق خدا کے گمراہ کرنے کے لئے روانہ کرتا ہے پھر شام کو اُن کے کاموں کا جائزہ لیتا ہے جو شیطان کوئی بڑا کام کرکے آتا ہے اُس کی وہ بڑی عزت کرتا ہے اور اپنے پاس بٹھاتا ہے۔ ایک شیطان اپنی کارگزاری اس طور پر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اسقدر ورغلایا کہ اخیر اُس نے زنا کیا یا شراب پی یا چوری کی ایک شیطان کہتا ہے کہ واہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا میں نے ایک عورت اور خاوند میں سخت نااتفاقی ڈلوادی اور اُن کی جُدائی کرادی شیطان اس سے بہت خوش ہوتا ہے اُسے اپنے پاس بُلاتا ہے اور اپنے سینہ سے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بہت سعادتمند فرزند ہے۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب اغانی میں عمر بن دینار سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن علیہ السلام نے قیس کے باپ ذریح سے کہا کہ آیا تیرے نزدیک حلال ہے کہ تو نے قیس اور لبنیٰ میں جدائی پیدا کردی کیا تو نے یہ نہیں سُنا ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک جورو خاوند میں جدائی ڈالنا اور دونوں کی تلوار سے گردن اُڑا دینا برابر ہے لیکن مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ اتحاد رکھیں کیونکہ اُن کے جادو کا ادنےٰ کرشمہ میاں بیوی کی نااتفاقی ہے۔ یہودیوں کا ایک جادو بیان ہوا ہے جو اُنہوں نے بعض صحابہ پر کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہودی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو راعن کہا کرتے تھے جسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور منع کیا گیا ہے کہ نبی کو راعن نہ کہو۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی بعض ناسمجھ مسلمان بھی اپنے برحق نبی کی نسبت راعن کا لفظ استعمال کرنے لگے تو بیان کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اُن پر جادو کردیا تھا وہ یہ سمجھ نہ سکے کہ راعن کا لفظ نبی معصوم کی نسبت استعمال کرنا کفر ہے۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کہنے لگے کہ ایک دن حضرت سعد بن معاذ کا یہودیوں کے ہاں گزر ہوا۔ آپ کی ملاقات یہودیوں سے بہت تھی۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہودیوں نے راعن کا لفظ کہا۔ سعد کو بہت غصہ آیا اور کہا اب کے تم نے اگر راعن کا لفظ کہا تو

جاتی ہیں تو جو لوگ قرآن برحق کے منکر ہیں وہ اسکی نسبت کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے یعنی صریح دھوکا ہے۔ یہاں سحر سے اگر جھاڑ پھونک کی مطلب لیا جائے تو پھر اُن کا قول بے معنی سا ہو جاتا ہے جب جادو تھا تو ان پر اسکا اثر ہونا چاہیئے تھا۔ اور جب اُن پر اثر ہوا تو پھر وہ جادو کیسا۔ بلکہ یہاں سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں اور اسکے معنی یہ ہیں کہ محمدؐ جو یہ بیان کرتے ہیں قرآن خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے یہ تو صریح دھوکا ہے۔ بھلا کہیں ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے محمدؐ پر کلام نازل ہو۔ ہمارے اس قول اور دعوے کی شہادت کہ سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں نہ اِس جادو کے ہیں جو عوام میں ایک مافوق الفطرۃ قوت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے آگے آنے والی آیت سے کھلے الفاظ میں ملتی ہے:۔ "ام یقولون افترٰیہ قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئا ھو اعلم بما تفیضون فیہ" یعنی کیا یہ لوگ قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ اُسے اِس شخص نے اپنے دل سے بنا لیا ہے اے پیغمبر تم اُن سے کہو اگر میں نے قرآن کو اپنے دل سے بنایا ہوگا تو تم تو خدا کے مقابلہ میں میرے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ پُرانے عقیدہ کی پٹی کو آنکھوں سے کھول ڈالو اور نہایت انصاف سے بغور دیکھو کہ سحر کے کیا معنی خدائے تعالیٰ نے فرمائے ہیں اور ہم سحر کے کیا معنی سمجھتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ خدا ہی کے بتائے ہوئے کو لکھا ہے۔ ہم مٹ جائیں اگر ہم کلام باری کے علاوہ کسی لفظ کے معنی کہیں۔ اُسیوقت ہمیں نیست و نابود ہو جانا چاہیئے اگر ہمارے دلمیں بھولے سے بھی یہ خیال گزرے کہ منشائے باریتعالیٰ کے خلاف ہم ایک حرف نکالنے کی جرأت کریں۔ اِس سے زیادہ صریح سحر کی حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن نے کسی جگہ بھی جادو سے وہ مفہوم نہیں لیا ہے جو عام طور پر لیا جاتا ہے وہ علی الاعلان شہادت دے رہا ہے کہ سحر صرف دھوکا اور فریب ہے۔ ورنہ اُسکی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ پھر ہمیں کب بیا ہے کہ غلط روایات کی بنا پر ہم جادو کی ایک نئی دنیا بنائیں اور اُنہیں وہ مافوق الفطرۃ باتیں ملادیں جن کا ظہور خود انبیاء سے بھی نہو سکا۔ اور سوائے قادر ذوالجلال کے اُن پر کوئی قادر نہیں ہے۔ جادو کی نسبت صراحت سے شعرا کی سورۃ میں بیان ہوا ہے جہاں یہ حکایت جادوگروں اور حضرت موسیٰؑ کی لکھی ہے۔ اے پیغمبر ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمھارے پروردگار نے موسیٰؑ کو پکارا کہ ان ظالم لوگوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس جاؤ کیا یہ لوگ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے جھٹلائیں نہیں اور بات کرنے میں میرا دم رُکتا ہے اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی تو ہارون کو کہلا بھیج کہ وہ میرا ساتھ دے اور میرے ذمہ قبطیوں کا ایک تاوان بھی ہے کہ میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا۔ تو میں ڈرتا ہوں کہیں اُس کے بدلہ میں مجھے نہ مار ڈالیں فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہونے پائیگا۔ اچھا تم دونوں بھائی ہماری نشانیاں لیکے جاؤ اور ہم تمھارے ساتھ ہیں اور جو گفتگو تمھارے اُن کے درمیان ہوگی اُسکو سنتے رہینگے۔ غرض تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم تمام جہان کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کیجئے۔ چنانچہ موسیٰؑ اور ہارونؑ خدا کا حکم لیکے فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے کہا موسیٰؑ کیا تجھے ہم نے بچہ رکھ کے اپنے ہاں نہیں پالا اور تیری اتنی عمر ہونے آئی تو اپنی اس عمر میں سے برسوں ہمارے ہاں رہا۔ اور تو نے ایک حرکت اور بھی کی تھی جو کی تھی یعنی قبطی کو مار ڈالا تھا اور تو بڑا ہی

پرستش سے لگا دیا گویا اسے جان سے مار ڈالا اور کہیں کا نہ رکھا۔ مگر غور سے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مثل یہودیوں اور نصاریٰ کے مسلمانوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جادوگر ما فوق الفطرت منشا ہدے کر ادیتا ہے آسمان سے مینہ کا برسا دینا پتھروں کی بارش کرا دینا کسی کو جان سے مار ڈالنا کسی کو کسی جانور کی صورت میں بنا دینا یہ باتیں جادوگر کے دست قدرت میں ہیں اور وہ جب چاہے ایسے عمل باآسانی کر سکتا ہے۔ مگر یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں اور صدق کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے کہ جادو کی روایتیں اس کثرت سے نقل کی گئی ہیں کہ اُن کا درجہ تواتر تک پہنچ گیا ہے مگر جب اُن میں اختلاف ہے تو ہم ایسے تواتر کو لیکے کیا جاٹیں۔ قرآن مجید ہمارا فیصلہ کرنے والا ہے اور اُسی سے ہم اپنے دعوے کی صداقت لا سکتے ہیں۔ قرآن میں جہاں سحر کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی حقارت اور تضحیک کی گئی ہے اور سحر کی گفتگو ہمیشہ کافروں کی زبان سے بیان کی گئی جہاں فرمایا ہے کہ کافر کہتے ہیں قرآن تو بالکل جادو ہے کافر کہتے ہیں کہ محمد تو جادوگر ہے۔ اب اس کے کیا معنی ہوئے یعنی کفار کی یہ ساری باتیں ناقابل تسلیم اور محض لغو ہیں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے جیسا ہمارے عقاید کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے" ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین" یعنی اے محمدؐ اگر تم ان سے کہو کہ میرے بعد تم دوبارہ زندہ اُٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ منکر ہیں اُسے سن کے ضرور کہیں گے کہ یہ تو صریح جادوگروں کی سی باتیں ہیں۔" یہاں خداوند تعالیٰ نے منکران روز قیامت کا بیان فرمایا ہے اور یہاں جادوگر کے معنی فریبی پائے جاتے ہیں۔ منکران قیامت نے خداوند تعالیٰ کے اس قول کو کہ دوبارہ لوگ اٹھائے جائیں گے محض دھوکا خیال کیا ہے اور انہیں اس کا یقین نہیں آیا کہ ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے بیان کیا جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ایسی باتیں کیا کرتے ہیں حق کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہے سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں جس کا ذکر صاف طور پر آگے کی آیت میں آگیا ہے جہاں فرماتا ہے" الا یوم یاتیھم لیس مصروفا عنھم وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون" یعنی سنو جس وقت اُن پر عذاب نازل ہوگا پھر وہ کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑا رہے تھے وہ اُنہیں لپٹ جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی دھوکا دینے والی چیز پر انسان کا قہقہہ اُڑا یا کرتا ہے۔ جادو کو جب کفار حق سمجھتے تھے پھر اُس پر ہنسی اُڑانا کیسا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے معنی فریب اور دھوکے ہیں اسی لیئے وہ اُس پر ہنسی اُڑاتے تھے مگر آخر اِن کی ہنسی اُن کے لیئے خطرناک ثابت ہوئی اُنہیں حق پر دھوکا ہوا تھا چند ہی روز کے بعد حق چمکا اور انہیں کھل گیا کہ جس چیز کو ہم نے دھوکا اور فریب سمجھا تھا وہ حق نکلی اور ہم ہی دھوکے میں رہے۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے" واذا تتلیٰ علیھم اٰیتنا بینٰت قال الذین کفروا للحق لما جاءھم ھذا سحر مبین۔" یعنی اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ کے سنائی

پروردگار ہمارے قصوروں کو معاف فرمائیگا۔ اس لیئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے"۔

قرآن مجید کے اس مضمون سے جادو کی حقیقت پوری پوری کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ فرعون بحیثیت ایک فرعونے کے بھی جادوگروں سے نفرت کرتا تھا اور نفرت صرف اس لیئے تھی کہ یہ لوگ شعبدہ باز تھے اور نہایت ارذل قوم میں سے تھے۔ اور اُن کا یہی پیشہ تھا جو آج کل مداریوں کا ہے جو ایک گٹھلی سے درخت پیدا کر دیتے ہیں اور رسی کا سانپ بنا دیتے ہیں یعنی دراصل وہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ فرعون کو حضرت موسیٰ کی تذلیل کرنی تھی اسلیئے اُس نے مداریوں کو بلا کر کہا کہ تم موسیٰ کا مقابلہ کرو۔ اُنہوں نے آکے سوا اس کے کچھ نہیں کیا کہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالدیں۔ خیال ہو سکتا ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی جادو تھا۔ جو لمبی چوڑی طول طویل باتیں قرآن سے علیحدہ جادو کی عظمت بیان کرنیکے لیئے نقل کی گئی ہیں قرآن میں اُن کا اشارہ تک نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کا شعبدہ بازوں کی لکڑیاں اور رسیاں نگلجانے کے یہی معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم اور دانا پیغمبر کے آگے اُنکی شعبدہ بازی کچھ نہ چلی جیسا کہ موجودہ مداری کسی عاقل شخص کو اپنی شعبدہ بازی سے دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ چونکہ ادنی درجہ کے ذلیل لوگ تھے جب اُنہوں نے دیکھا کہ موسیٰ ہماری چالاکی یا شعبدہ بازی کو سمجھ گئے ہیں وہ سمجھ گئے کہ یہ بہت بڑا شخص ہے اس سے کسی حالت میں مخالفت ممکن نہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی جب اِن شعبدہ بازوں میں کوئی بڑا شعبدہ باز نکل آتا ہے اُسکے آگے کان پکڑ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ معاذ اللہ شعبدہ باز نہ تھے۔ مگر اُن کے شعبدوں کو اپنے آگے چلنے نہ دیتے تھے۔

قرآن نے تو جادو یعنی دھوکے فریب اور اس قسم کی شعبدہ بازی کی ہر جگہ حقارت کی ہے اور ان اعمال کو کفر بتایا ہے مگر تعجب ہے کہ ہمارے اکثر علمانے شعبدہ یا جادو کو ایک عجیب وغریب قدرت کا علم تصور کر کے ہزاروں اثر اپنی تائید میں بنالیں جسطرح بڑے بڑے لوگ اِس قسم کے شعبدہ بازوں کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے اسیطرح فرعون نے انھیں اچھا نہیں سمجھا اور محض حضرت موسیٰ کی تضحیک کرنیکے لیئے اُس نے یہ جلسہ کیا تھا۔ توریت میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔ مگر وہ اِن الفاظ میں بیان ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع توریت جادو کا قائل تھا تاہم اُس سے بھی محض ایک شعبدہ بازی پائی جاتی ہے جیسا کہ خروج باب ۷ ورس ۸ - ۱۳ تک بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے

"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو کہا کہ جب فرعون تمہیں کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون کو کہیو کہ اپنا عصا لے اور فرعون کے آگے پھینک دے وہ ایک سانپ بن جائیگا۔ تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے آگے گئے اور اُنہوں نے وہ جو خداوند نے اُنہیں فرمایا تھا کیا۔ ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اُس کے خادموں کے آگے پھینکا اور وہ سانپ ہوگیا پھر فرعون نے اپنے داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا۔ کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہوگیا۔ لیکن ہارون کا عصا اُن کے عصاؤں کو نگل گیا اور اُس نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اُس نے اُن کی جیسا خداوند نے کہا تھا نہ سُنی"

یہ ہی جادو یا سحر کی حقیقت جو ہم نے بیان کی۔ خدا شاہد ہے کہ اسلام اِن خیالات باطلہ اور اوہام ناقصہ سے پاک

ناشکر ہے۔ موسیٰ نے کہا اُن دنوں میں وہ حرکت کر بیٹھا اور میں غلطی پر تھا۔ پھر جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد میرے پروردگار نے مجھے پیغمبری کے اختیارات عطا فرمائے اور پیغمبروں میں سے مجھے بھی ایک پیغمبر بنایا۔ اور یہ بھی کوئی احسان ہے جسکی آپ مجھپر منت رکھتے ہیں کہ آپنے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ فرعون نے پوچھا اور تمام جہان کا پروردگار کیا ہے جسکی طرف سے تم نے اپنا آنا بیان کیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا وہی آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سبکا پروردگار۔ اگر تم یقین کرو۔ فرعون نے اپنے مصاحبوں سے جو اُس کے گرد بیٹھے تھے کہا کیا تم موسیٰ کی باتیں نہیں سُنتے۔ موسیٰؑ نے کہا وہی تم لوگوں کا پروردگار اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار۔ فرعون نے پھر اپنے مصاحبوں سے خطاب کر کے کہا کہ ہو نہو یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی پورب اور پچھم اور جو کچھ اُن دونوں میں ہے اور سب کا مالک اگر تم عقل رکھتے ہو۔ آخرکار فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ اگر میرے سوا کسی اَور کو تو نے خدا مانا تو میں تجھے قیدیوں میں داخل کروا دوں گا۔ موسیٰ نے کہا کیا میں ایک کھلا ہوا معجزہ بھی آپ کو دکھا دوں تو بھی۔ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اُسے دکھا۔ اسپر موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو ڈالدیا تو کیا دیکھتے ہیں وہ ایک صریح اژدہا ہے اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو نکالتے کے ساتھ ہی سب دیکھنے والوں کی نظر میں چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اُس کے اِرگرد بیٹھے ہوئے تھے کہا اس میں شک نہیں کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے تو اب تم لوگ کیا صلاح دیتے ہو۔ درباریوں نے عرض کیا کہ حضور موسیٰ اور اُس کے بھائی ہارون کے معاملہ کو چند روز ملتوی رکھیں۔ اور شہروں میں جادوگروں کے جمع کرنے کو ہرکارے روانہ فرمائیں کہ وہ تمام بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو سرکار میں لا حاضر کریں۔ غرض دن مقرر ہوا اور اُس روز مقررہ کے وعدے پر سب جادوگر جمع کیے گئے۔ اور لوگوں میں منادی کرا دی گئی کہ اب تک تو تم لوگ الگ تھلگ رہے ہو۔ اب ایسے موقع پر بھی تم لوگ جمع ہو گے یا نہیں۔ اگر جادوگر یعنی موسیٰ اور اُسکا ساتھی ہی غالب رہے تو شاید ہم اُن ہی کا دین اختیار کر لیں۔ تو جب جادوگر ملک کے اطراف و جوانب سے آ حاضر ہوئے تو اُنھوں نے فرعون سے کہا۔ بھلا ہم ہی غالب رہے تو ہمیں سرکار سے کچھ انعام بھی ملیگا۔ فرعون نے کہا ہاں ضرور۔ اور انعام کا مذکور ہے غالب رہنے کی صورت میں تو تم بارگاہ شاہی کے مقرب قرار دیئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے جادوگروں سے کہا جو کچھ تمھیں ڈالنا منظور ہو تم میدان میں ڈالو۔ اُسپر جادوگروں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالدیں۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ اسپر موسیٰؑ نے اپنا عصا میدان میں ڈالا تو بس وہ ان شعبدوں کو جو جادوگر بنا کے لائے تھے ایک دم سے لگا نگلنے۔ یہ دیکھکر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے پروردگار پر کہ وہ موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان لائے۔ فرعون نے کہا میں اِس سے پہلے کہ تمھیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو نہو موسیٰ تمہارا بڑا گرو ہے۔ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ سو خیر تم کو اُس کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ ہم تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹیں اور تم سب کو سولی دیں تو سہی وہ بولے کچھ حرج کی بات نہیں ہمکو تو بہرحال اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں ہمارا

ساتواں باب

دعا و اجابت دعا

مثل اور مذاہب کے دعا بھی اسلام کی جزو اعظم ہے۔ اور جس طرح اسلامی کتب میں اور عظیم مسائل کے لیئے قرآنی آیتیں احادیث اور آثار موجود ہیں اسیطرح دعا کے لیئے بھی نہ صرف قرآن مجید کی آیتیں بلکہ حدیثیں اور آثار بکثرت آئے ہیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہم آگے کرینگے۔ اسلام میں دعا کسے کہتے ہیں اور بانی اسلام کا منشا دعا سے کیا ہے۔ اور خداوند تعالی نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہے اور بزرگان دین کا عقیدہ دعا کی نسبت کیا ہے۔ ہم آگے بیان کرینگے۔ ابھی ہم صرف معترضون کے اقوال اور نکتہ چینیاں قلمبند کرتے ہیں جن میں ہمارا کچھ دخل نہوگا۔ بلکہ ہم انھیں کے اقوال کا ترجمہ کردینگے یا اُنہیں اپنی زبان میں دُہرادیں گے۔ اور بس۔ اور جب ہم اُن کے اعتراضات ختم کر چکیں گے تو پھر قرآن و حدیث و آثار اور اپنی رائے اور استنباط سے اُن نکتہ چینیوں کا محققانہ جواب دیں گے۔

ہمارے بعض موجودہ زمانہ کے فاضل تو یہ فرماتے ہیں کہ دُعا عبادت ہی اور اُسکا مقبول وغیر مقبول ہونا صرف اطمینان قلب ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ نہیں دعا ضرور کوئی چیز ہے اور وہ کسی امر خاص کے لیئے خداے تعالی کے حضور اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اقرار کرکے زاری اور فروتنی کے ساتھ عرض کرنا ہے۔ خواہ وہ عرض قبول ہو یا نہو مگر ان کا یہ خیال ہی کہ جو ارکان دعا کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں اگر اُن ہی ارکان سے کیجائے تو ضرور مقبول ہوتی ہے اور جس غرض اور مقصد کے لیئے کیجاتی ہے وہ ایسے پوشیدہ ذرائع سے حل ہوجاتا ہے جن کا کبھی سان و گمان بھی نہ تھا اور نہ کبھی خیال ہو سکتا تھا۔ یہ خیال جہاں تک دیکھا جاتا ہے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ بلکہ کل اسلامی دنیا کا قریب قریب رہا ہے اور اس سے کسی نے صاف الفاظ میں انکار نہیں کیا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کا فلسفہ اور سائنس ان قدیمی مسلّمہ اصول کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اُن کی تضحیک کرتا ہے اور اُس نے صدہا اعتراض نئے رنگ میں دعا اور اجابت دعا اور خداے قادر مطلق کی انتظامی معاملات عالم میں دست اندازی کے بیان کیئے ہیں اور اُسکا دعوے ہی کہ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں۔ اور بڑھیوں کی کہانیاں ہیں کیسی دعا اور کس کی دعا کیسی اجابت اور کس کی مقبولیت ایسے خیالات مدبر کے تفصیل سے بیان کرینگے ہمیں اس لیئے ضرورت ہوئی کہ ہم اجابت میں قرآنی بدیہیات سے بحث کرینگے تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو علوم جدیدہ کے اصول موضوعہ اور قرآنی اصول متعارفہ سے مقابلہ کرنے میں لطف آئے اور وہ سمجھے کہ طبائع انسانی کا کس نے زیادہ پاس و لحاظ رکھا ہے اور قوانین قدرت کی کس نے زیادہ پابندی کی ہے۔ ہماری بحث جیسی محققانہ ہوگی اُسیطرح ہم انصاف کو بھی اپنے ہاتھ سے نہ دینگے اور نہایت معقول پیرایہ میں دونوں اُصولوں کو

پاک ہے۔ اُس کے تمام اُصول قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اسی سے اُسے کل ادیان پر شرف حاصل ہے۔ اُس نے ادنی ادنی باتوں کا بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا تعلیم کیا ہے۔ علماے کرام معصوم نہیں تھے کہ اُن کی ہر راے قابل تسلیم ہی ہو اور اُسمیں خطا کا احتمال نہو۔ وہ خود ہی قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے کہ کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ چاہتا ہے۔ اور پھر اُسکے مقابل میں جادو کو ایک ایسا قوی تسلیم کیا گیا ہے کہ اُسکی طاقت معاذاللہ خدا سے بھی بڑھا دی ہے۔ یہ خیالات باطلہ مصریوں اور یونانیوں کے تھے۔ ایرانیوں نے اُن سے سیکھے اور جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اُنہوں نے اپنے قدیم خیالات کی تائید میں قرآن کی آیتوں سے اینچ تان کے مطلب نکال لیا۔ ہم پر فرض نہیں ہے کہ ہم خیالی روایتوں اور علماء کے اقوال کو زبردستی مان لیں۔ ہمیں خداوند تعالی نے فہم سلیم عطا کی ہے جس سے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ حق اور ناحق کیا چیز ہے۔

اے روشن اسلام تو ان بیہودہ خیالات سے بہت ارفع و اعلی ہے۔ تیری بزرگی۔ تیرا جلال۔ تیرا انوار اوہام کی تاریکی کو کبھی کا صاف کر چکا ہے۔ جو تیرے مقدس اُصول کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں۔ اُن کی عقل کا قصور ہے۔ اُن کی غلطی سے تجھ میں کچھ بھی نقص نہیں آسکتا۔ تیرا واجب الاحترام اور مقدس بانی عالم کی رحمت ہے۔ اُس نے سر سے اُس ان دیکھے خداے مطلق کی پرستش سکھائی جس کی قدرت کے ہاتھ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جس کی عقل کامله ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اے سر دفتر پیغمبران تیرا جلال ابتک قائم ہو۔ تو نے دنیا کو ہلاکت سے نجات دی۔ تجھ میں اِن وہام اور وساوس باطلہ کا نام و نشان کیوں ہونے لگا۔ تو ہر ایسے الزام سے پاک ہے۔ تیری عظمت مسلم ہے یہ تیری صداقت اور من اللہ ہونیکی شہادت ہے کہ آج تیرا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ اور تجھ میں وہی زندہ روح ہنوز باقی ہے جو ابتداے ظہور سے تجھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ تیری روانی خس و خاشاک کو بہاکے لیجارہی ہے جو تیرے رستہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں۔ تو خدا کا برگزیدہ ہے۔ اور تیری برگزیدگی مسلم ہے۔ جب کہ تیرا بانی انبیاے سابقین کا سچا محسن ہے۔ اِس طرح تو بھی ادیان سابقہ کا مصلح ہے۔ جو تیری عظمت کو نظر انداز کرتے ہیں کرنے دے۔ دیکھ وہ کب تک تجھ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ہمپر اپنا پورا نور چمکا اور ہمیں اپنے جلال میں لیلے۔ آمین ثم آمین۔

میں مافوق الفطرۃ ذات کی مداخلت کا اصول روشن دماغ اشخاص میں ضمنی علت کے طور پر یقین کیا جاتا ہے اس شکل مافوق الفطرۃ ذات کا عقیدہ ہنوز موجود ہے مگر بجائے اِس کے کہ اس ذات کو حادثات طبیعیہ میں کامل دخیل سمجھا جائے یہ مانا گیا ہے کہ اُس نے پہلے فطرۃ کو پیدا کیا اور اپنے قوانین کی زنجیر میں اُسے جکڑ دیا اور اُن قوانین کے مطابق اُس ذات نے جو چاہا بعد ازاں کیا۔ اس بنا پر عام طور پر یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اِن ہی قوانین کے دائرہ میں ہوتا ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ علوم طبیعیات سے کامل بہرہ رکھتے ہیں پھر بھی اُن کا یقین ہے کہ خدا نے روز ازل سے جو قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ اُن میں خفیف سی مداخلت بھی نہیں کیجاتی اور وہ ابتدا ہی سے ایک صورت پر چل رہے ہیں۔ لیکن مذہب کی معمولی شکل بہ نسبت اس کے مافوق الفطرۃ ایجنسی کو بہت زیادہ تسلیم کرتی ہے مذہب دعوے کرتا ہے کہ نہ صرف کائنات۔ حیوانات۔ جمادات مافوق الفطرۃ نے پیدا کئے ہیں بلکہ ہر وقت اُس ذات کو اُن کے نظام میں دخیل ہونیکا اختیار بھی حاصل ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اب بھی یہی عقیدہ موجود ہے اس طرح سے عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ مرض اور صحت خدا ہی ہمیں دیتا ہے اور وہی ہماری مصیبت اور راحت کا سرچشمہ ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ اُسکی روح القدس نے ہمارے ضمائر کو منور کر دیا ہے جس سے ہمیں ضمیر کی ایک مقدس حالت دستیاب ہو گئی ہے۔ اگر ہم سچی اصول کو بغور مطالعہ کریں تو ہمیں کھل جائے گا کہ بتدریج قدم بقدم ربانی مداخلت کا خیال فطرۃ کی رفتار میں اسقدر پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جس نے بدیہی اصول طبیعیات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ علم طبقات الارض علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ فلسفہ فطریہ اور علوم فطری مثلاً علم نباتات اور علم حیوانات سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق الفطرۃ ذات کا کچھ بھی دخل ہے زبردستی اُس ذات کے دخیل ہونے کو تسلیم کر لینا سخت افسوسناک مقام ہے بغیر سخت جھگڑے اور جدوجہد کے یہ ناممکن ہے کہ مافوق الفطرۃ مذہب کو شکست ہو سکے وہ مذہب جس نے نہایت کامیابی سے مذکورہ بالا علوم پر قبضہ کر رکھا ہے قدم قدم پر اسی مذہب کی حکومت ہے۔ بہت سے طبقات الارض اور ہیئت کے ماہر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اُسکی قید سے ذرا بھی نہیں اُکتاتے۔ جب تک حق پورے طور پر ظاہر نہو جائے مذہب کی حکومت نہیں جا سکتی۔

ضمیر کے عالم میں خاص طور پر خدا کی دست اندازی بہت اصرار سے تسلیم کیجاتی ہے۔ عامہ خلائق کا یقین ہے کہ جتنی تبدیلیاں اور تغیرات مادی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب خدا کرتا ہے۔ مثلاً وہ ایک دریا کا فطری راستہ بدل دیتا ہے۔ یا کیمیائی روابط کے فطری عمل میں اسی سے تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں محض بے بنیاد اور غلط ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن اہل مذہب کا خیال ہے کہ ضمیر میں جو کچھ تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب خدا ہی کرتا ہے۔ اُسکی روح ضمیر پر حکومت کرتی ہے اور اسی کی وجہ سے غم اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔

جہاں اور جس ملک میں علوم جدیدہ کی حکومت ہے وہاں بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ موسموں کے تغیر و تبدل میں بھی خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے پوشیدہ واقعات ہیں مثلاً آلوؤں کی کاشت وغیرہ جن کا اصلی سبب معلوم نہیں سب خدا ہی کی دست اندازی کے اندر خیال کئے جاتے ہیں وہ امراض جو ہمارے اجسام کے ساتھ

مقابلہ کرکے دکھائیں گے۔ شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں۔ اور جس مضمون پر ہم نے قلم اُٹھایا ہے شاید ہم اس سے ایک حد تک طرفین کا اطمینان کرسکیں۔

علوم جدیدہ کے ماہروں کا یہ خیال ہے

موجودہ صدی میں بتدریج انسانی عقائد میں ایک عجیب اور حیرتناک تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اور دن بدن برابر ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ تبدیلی مافوق الفطرۃ مذہب سے فطری مذہب کی طرف ہوئی ہے۔ دنیا میں انسانی ظہور سے اسوقت تک مافوق الفطرۃ مذہب کل ممالک اور کل حالات میں انسان کے ساتھ رہا ہے یا بالفاظ دیگر اس مذہب نے انسان کے ساتھ ایک ہی گہوارہ میں پرورش پائی ہے۔ اُس نے اس مذہب کی پرستش اور تحریم کو فطرۃ کی خارجی نیکیوں اور قوتوں کو جنہیں اُس نے اعلےٰ درجہ کا تسلیم کیا ہے اپنا بڑا اصول قرار دے رکھا ہے۔ اُس نے اپنے ہی خیالات سے ایک خاص ذات کو پیدا کیا اور اپنی تمام صفات و اعمال کو جو خود اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یا جو حادثات اور واقعات وہ شب و روز اپنے گرد نظر کرتا ہے اُسکو سونپ دیئے ہیں اور ان سب معاملات کی باگ اُسی فرضی ذات کو دیدی ہے جس سے انسان نے اپنے قوانین مرتب کیے اور اپنے زندگی کے اعمال ایک تنگ دائرہ میں محدود کردیئے اور اس پہلو سے اُس نے اس خیالی ذات کو دخل درمعقولات کرنیکا بالکلیہ اختیار سونپ دیا۔

مافوق الفطرۃ ذات کے عقیدہ نے ہر قوم کا ایک نیا رنگ بدلا ہے۔ اور صدیوں پر صدیاں گزرتے گزرتے یہ عقیدہ خوب چھن گیا ہے۔ اور قدیم زمانہ کی نسبت اسمیں پاکیزگی اور عمدگی زیادہ آگئی ہے اور اسیصورت سے یہ مافوق الفطرۃ عقیدہ ہم میں جاری و ساری ہے۔ قدیم زمانہ میں انسان میں یہ فہم اور دانش نہ تھی کہ وہ ان حادثات طبیعیہ کی علت غائی پہچانتا۔ جو اُس کے گرد ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اس لیے اُس نے اِن کا ایک فرضی فاعل قرار دے دیا اور یہ سب قوتیں حدوث و غیر حدوث کی اُسی کے حوالہ کردیں اس بنا پر اُس نے خدا کو اپنے ذہن سے پیدا کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ طوفان بھی اُسی کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہی طوفان میں سکون بھی دیدیتا ہے۔ درخت پودے بھی اُسی کی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور حیوانات کی پیدائش بھی اُسیکے حکم کی محتاج ہے۔ انسان کو اُس نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کی مصیبت اور راحت کا دارومدار سب اُسی کی ذات پر موقوف ہے اور جو واقعات شب و روز انسان پر گزرتے ہیں سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ اُس نے اپنے خیالات سے ایک مافوق الفطرۃ ذات پیدا کی اور کائنات میں اُسکی ایک زبردست قوت ہی تسلیم نہیں کی بلکہ اُسے مالک کل بنا دیا۔ اور کل اختیارات اُس کے ہاتھ میں دیدیئے۔

لیکن بتدریج ہزارہا برس گزرنیکے بعد علوم جدیدہ نے ہم پر یہ منکشف کردیا ہے کہ حادثات طبیعیہ جو ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں اُن کا ظہور محض فطری اسباب سے ہوتا ہے اور جب ہم نہایت دقیق نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اِن میں سوائے فطرۃ کے اور کوئی دوسری چیز نہیں کام کرتی اگرچہ اُسکا کام کیسا ہی مخفی اور رازدارانہ ہو۔ اسصورت

مطیع کرنے اور روح کا تعلق مافوق الفطرۃ ذات سے کرنے نے اخلاقی علوم کو تہ و بالا کر دیا ہے اور سب تفحص اور آزادانہ تحقیق کا دروازہ بند کر دیا ہے وہ آزادانہ تحقیق جس سے ہم بہت کچھ اعلیٰ درجہ کے ثمرے حاصل کرتے اسی لیے آج ہم فطری اور اخلاقی علم سے محروم ہیں اور ہمیں اُسکی ہوا تک نہیں لگی ہے ضمیر کی صحت کے قوانین کی جن پر انکی خوشی اور اُسکی نیکیوں کا انحصار ہے جسطرح جسمانی صحت کا دارومدار طبی قواعد پر ہے کوئی علمی باقاعدہ شکل پیدا نہیں ہوئی۔ جب کبھی صحت جسمانی یا صحت ضمیری کے قوانین سے انحراف کیا جاتا ہے اُس کا نتیجہ مصیبت ہوتا ہے اور وہ مصیبت اپنی اغلاط کی اصلاح کرنیسے فوراً دور ہو سکتی ہے۔ دعائیں کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔

دماغی صحت کا علم ہنوز اپنی شیر خوارگی کیحالت میں ہے۔ اُسکے قواعد ناقابل تسلیم خیال کیے جاتے ہیں اور اُسکی تمام عمدگیاں مافوق الفطرۃ ذات کی تاریکی میں چھپی ہوئی ہیں۔ جیسا ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ دو بڑے بڑے فطری رہنما جنپر دماغی صحت اور مرض کا انحصار ہے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے یعنی رنج و راحت جن سے تکلیف اور خوشی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اسیوجہ سے اس کے سمجھنے میں سخت تخلل برپا ہے کہ کس چیز سے ضمیر کی صحت اور نیک حالت قائم ہوتی ہے۔ ہماری اخلاقی عمدگی کے عام اُصول کو پوری صحت حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نیک نہیں بن سکتے اور نہ ہماری زندگی کیحالت درست ہو سکتی ہے۔ جن اوضاع و اطوار کی عیسائی بے انتہا تعریف کرتے ہیں اور اُنہیں خلیق بتاتے ہیں درحقیقت اُن میں اخلاقی مرض سرتاپا پایا جاتا ہے۔ سچے فطری اُصول کی ضرورت سے جسکی وجہ سے ہم دماغی صحت اور مرض کی جانچ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حالت جانچنے میں سخت اغلاط لاحق ہوتی ہیں اور جس پہلو سے ہم دوسروں کیحالت کی جانچ کرتے ہیں۔ اُسمیں بھی ہمیں سخت ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اسمیں ذرا بھی شک نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ تمام رنج اور ناخوشیاں دماغی اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اور اس کی بیّن وجہ اخلاقی صحت کے قوانین کا انحراف ہے اور تمام جنون خیز نتایج اسی کمبخت نافرمانی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ خوشی صحت اور قوت جو دماغ کی حقیقی صفات ہیں سب رفو چکر ہو جاتی ہیں دماغ کی نیک حالت فطری مختلف اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ اسمیں اپنی دعاؤں کو دخل دینا اور اُن سے اپنے لیئے کوئی ثمرہ حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے خدا سے ایک مکان بننے کی دعا کرنا۔ اسپر بھی کتنے غضب کی بات ہے کہ خدا سے دعا مانگی جاتی ہے کہ وہ ہمیں ایک تائب دل ایک پر از محبت اور نیک روح عنایت کرے۔ یہ دُعا اصولاً اور بدیہًا کیسی لغو اور بے سروپا ہے۔ اور کیسی خطرناک ہے کیونکہ یہ یقین کہ ایک مریض کے حق میں دعا قبول ہو جائے گی اور وہ تندرست ہو جائے گا۔ کس قدر پر دہشت ہے۔

اس عقیدہ اور یقین سے کہ دعا کے ذرایع سے اس قسم کے کام ہو جاتے ہیں اور کوئی چیز دنیا میں سم قاتل کا اثر نہیں رکھتی یہ عقیدہ ہمیں اصلی اور حقیقی اسباب کا علم حاصل کرنیسے روکتا ہے۔ ہماری کوششوں کو اس عقیدہ سے فالج مار جاتا ہے کیونکہ ہمارا انحصار صرف ایک بے بنیاد خیال پر ہوتا ہے۔ جسکا کچھ بھی عملی نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ نہ کبھی پیدا ہوا۔ اور اسی خبط میں ہم اُن فطری اسباب کو فراموش کر دیتے ہیں جو ہمارے جاننے کے لیئے لازمی ہیں اور جنپر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ قدیم زمانہ میں عموماً مریض کے لیئے صرف دعائیں کیجاتی تھیں اور کچھ مذہبی رسم

لازم وملزوم ہیں۔ ان میں بھی بالخصوص ایک پوشیدہ فطرۃ خیال کیجاتی ہے۔ مثلاً ہیضہ خاص طور پر خدا ہی کا بھیجا ہوا خیال کیا گیا ہے۔ خدا سے مینہ برسنے کی خوب گڑگڑا کے دُعا مانگی جاتی ہے۔ مریض کے لیے صحت کی دعا کیجاتی ہے اور ساتھ ہی ایک مصیبت زدہ اپنے دولتمند بننے کی دعا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دعا اور اجابت دعا کے قائل ہیں ہم سوال کرتے ہیں کیا انہوں نے کبھی خدا سے اس امر کی بھی دعا کی ہے کہ ایک شہر بن کے خودبخود تیار ہوجائے یا ایک ریاضی کا مسئلہ خودبخود حل ہوجائے۔ دعا اور اجابت دعا محض لغو اور وحشی فسانہ ہے۔ جسے صدق سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے فطرۃ کے رستہ میں مافوق الفطرۃ کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مافوق الفطرۃ ہاتھ جب چاہے فطرۃ کے خوشنما کاموں کا ستیاناس کردے اور جب چاہے بنادے۔

عجب نقشہ ہے نقاش ازل کی کچھ طبیعت کا ۔۔۔ بناتا ہے مٹاتا ہے مٹاتا ہے بناتا ہے

وہ قوانین جنسے موسم متاثر ہیں وہ قوانین جو یکساں انسان اور پودہ کی صحت اور شادابی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں خدا کی دست اندازی یا دعاؤں کی تاثیر سے ایسے ہی علیحدہ ہیں جسطرح ایک شہر کی تعمیر اور ریاضی کے مسئلہ کا حل ہونا جب ہم خدا یا دعاؤں کی دست اندازی ایک امر میں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دیگر امور میں اُن کا دخیل ہونا نہ تسلیم کریں۔ ہر مذہبی شخص خواہ اُسے مذہب میں کتنا ہی غلو کیوں نہو شہر کی تعمیر کے لیئے خدا سے دعا کرنی محض بے نتیجہ اور لغو خیال کرے گا۔ اور ایسی التجا کو طفلانہ اور نامعقول سمجھے گا۔ لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ فطرۃ کی کارروائیوں مثلاً تبدیل موسم وغیرہ کے لیئے دعا کرنا بے ثمرہ اور نامعقول نہیں خیال کیا جاتا۔

جس طرح مادہ کے قوانین میں کچھ تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ اسیطرح قوانین ضمیر بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں اگر ہم بہت غور سے حادثات دماغی کو اپنے میں اور اوروں میں ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ مثل مادی حادثات کے بالکلیہ فطری اسباب پر منحصر ہیں اور کبھی کسی حالت میں ان پر دعاؤں یا مافوق الفطرۃ قوت کا سایہ بھی نہیں پڑتا دماغی اور اخلاقی علوم کو اس عظیم صداقت کی فروگزاشت نے سخت صدمہ پہنچایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علوم طبیعات نے بے انتہا ترقی کی ہے اور اُن کے مقابلہ میں دماغی اور اخلاقی علوم محض اپنی ابتدائی حالت میں بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ علم ترکیب اجسام نے اگرچہ اپنے کچھ پر پرزے نکالے ہیں پھر بھی مافوق الفطرۃ قوت کو اس شریف اور ضروری علم پر محیط خیال کیا گیا ہے۔ اور ابھی سے یہ یقین کرلیا گیا ہے کہ اس قوت کی پوری پوری حکومت بھی اجسام پر ہے حالانکہ اس قسم کی سب باتیں بعید الفہم اور لغو ہیں۔ اسی بیہودہ یقین نے آگے ترقی کرنے میں بڑی بڑی سد راہ بنا کے کھڑی کردیں اور ہر قسم کی ترقی کی گاڑی میں ایسا روڑا اٹکا دیا کہ وہ اول تو جگہ سے جنبش ہی نہیں کھاتی اور اگر کھاتی بھی ہے تو جوؤں کی چال چلنے رہجاتی ہے

ہم میں نہ کوئی خیال نہ کوئی خفیف سی خفیف حرکت ایسی ہے جس کا بالکلیہ دار ومدار اسباب فطری پر نہو اور ہمیں غور کرنیکے بعد اپنی ذات میں اُن کا کھوج نہ ملتا ہو۔ خیالات اور جوشش دل کے قوانین وہ حالتیں جن پر رنج راحت اور نیکی بدی کا دار ومدار ہے یہ علم کیمیا کے اصول کیطرح بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں۔ ضمیر کو دعا و اجابت کا

اور کیا کیا ستم نوع انسان پر اپنے عقیدہ کے بدولت روا نہیں رکھے جاتے مگر عقیدہ کے بھوت سے نجات حاصل کرنا جہنم داخل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔

ہمیشہ مصائب کے دور کرنے میں مذہب سدِّراہ ہو کے کوششوں کا ناس کر دیتا ہے۔ مفلسی خاص بُرائی کی ایک قسم سے خیال کیجاتی ہے۔ اور سمجھا جاتا ہی کہ انسان پر اُس کے غرور اور گناہ کی وجہ سے یہ آفت برپا ہوئی ہی۔ اسیطرح صدیوں تک مرض کی نسبت بھی یہی خیال کیا گیا کہ یہ بھی کسی جرم اور غرور کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اخیر طبی فنوں نے ثابت کر دیا کہ گناہ یا غرور کی وجہ سے مرض نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اسکی وجہ قوانین صحت کی خلاف ورزی ہے۔ "خدا کی یہی مرضی تھی"۔ یا "خدا کا ہاتھ ہم پر ہو"۔ یہ دو فقرے ہیں جو صدیوں سے انسان کی زبان پر جاری ہیں۔ مگر سوائے فضول وقت برباد کرنے کے کسی نے ان سے کچھ نتیجہ نہیں پیدا کیا فقط۔

یہ خیالات ہیں جو ہم نے نہایت اختصار سے اہل یوروپ کے دعا کی نسبت نقل کر دیئے ہیں۔ صدہا ضخیم ضخیم کتابیں ایسے ہی خیالات سے بھری ہوئی ہیں۔ جنکا خلاصہ بھی ایک بڑی جلد میں ہو سکتا ہی اسلیئے ہم نے اُن کل خیالات کا لب لباب بیان کر دیا ہے تاکہ ہمارے واجب التوقیر علماء خیال فرمائیں کہ موجودہ زمانہ کا علم کلام فلسفہ و طرز استدلال دوسرے قسم کی ہو گئی ہے۔ منطق کی پُرانی اور دیمک خوردہ کتابیں ان کا صحیح جواب نہیں دے سکتیں اس کے جواب دینے کے لیئے علوم جدیدہ کی ضرورت ہی اور وہی افسوس ہے کہ ہمیں حاصل نہیں ہے۔

ہم مذکورہ بالا تدبرانہ تحریر کا جواب فقرہ بفقرہ اور جملہ بجملہ دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم دعا کی اصلی حقیقت قرآن احادیث اور آثار سے بیان کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے اس بیان سے جو بسط کے ساتھ ہم کرینگے کافی جواب ہو جائیگا۔ تحریر بالا کے نقل کرنیسے ایک غرض ہماری یہ بھی ہے کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ مسلمان یا موجودہ زمانہ کا کوئی نئی روشنی والا عالم دعا اور اُس کی اجابت کی نسبت اگر کوئی اعتراض کر سکتا ہی تو اُس سے زیادہ علوم جدیدہ کے پہلو سے نہیں کر سکتا۔ اس لیئے اس قسم کے خیالات کا جواب ایسے نئی روشنی والے اشخاص کی بھی تسکین کر دیگا۔ جو دعا اور اجابت دعا میں شک رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ توحید اور دعا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دعا کو توحید سے علیحدہ کریں تو توحید بیکار ہو جاتی ہے اور اگر توحید کو دعا سے الگ کریں تو دعا باقی نہیں رہتی۔ بانیٔ اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں شرک اور بت پرستی عام طور پر پوری طرح رائج تھی۔ درخت پتھر، چاند، ستارے ارواح کھلم کھلا پرستش کیئے جاتے تھے۔ اور یہی کل قوموں کے قریب قریب معبود مطلق بن رہے تھے۔ اِن کے آگے اپنی حاجتیں پیش کیجاتی تھیں۔ اُن سے دینی اور دنیاوی آرزوں کی تکمیل کے لیئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اور انھیں اپنی دنیاوی کامیابی اور نجات اُخروی کا بہت بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہودی نصرانی۔ مجوس غرض کل قوموں پر یہ مہلک مرض چھا رہا تھا۔ اور اس سے مشکل سے کوئی فرد بشر بچا ہوا تھا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ حضور انور نبی برحق و معصوم کا پہلا کام توحید قائم کرنیکا تھا۔ چنانچہ وہ اُس ذات مطہر و معصوم نے پورا کیا۔ مگر اُسکی تکمیل کے لیئے دعا کی ضرورت تھی اور وہ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم کر دی گئی جیساکہ سورہ فاتحہ میں

ادا کیجاتی تھیں۔ شکر ہی کہ یہ خطرناک افعال موجودہ زمانہ میں ہم میں سے ناپید ہو گئے ہیں تاہم یہ غضب ابھی تک موجود ہے کہ مایوس مریض کے لیئے علاج کے ساتھ اب بھی دعا ضرور کیجاتی ہے اور اُسکی صحت اور آئیندہ قابل تضحیک مغفرت کی التجا خدا کے حضور ہوتی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ ہمارا یہ خبط اصولی ہے اور ضرور کچھ ثمرہ رکھتا ہی۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ضمیر میں یہ مافوق الفطرۃ **بکنسیاں** ہنوز اپنا دور دورہ رکھتی ہیں۔ اگر ایک شخص کا ضمیر ناخوش ہی اگر اُسکا ضمیر غصہ سے بھڑک رہا ہے یا بالفاظ دیگر اگر اُس کا ضمیر مریض ہے اگر ہم غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جو اسباب جسمانی مرض کے لاحق ہونیکے ہوتے ہیں اسیطرح ضمیری امراض کے لیئے بھی اسباب مقرر ہیں۔ جن کے باعث اِس ناخوشی کا ظہور ہوا اُن کا علاج فطری اسباب سے بخوبی ممکن ہے نہ کہ اُن کے لیئے بڑبڑایا جائے اور فرضی ذات۔ سے طلب اعانت کیجائے۔ مگر مذہبی لوگ اِن ضمیری امراض کا صرف ایک ہی سبب جانتے ہیں اور وہ سبب **گناہ** قرار دیا گیا ہے اسیوجہ سے اُس گناہ کی معافی کی دعا کیجاتی ہے۔ اور وہ وسائل اور ذرائع نہیں استعمال کیئے جاتے جو فطری ہیں اور ان ہی پر صحت لازمی ہے۔ ساتھ ہی ایک بڑے تماشہ کی بات یہ ہی کہ جب ہمارا جسم مریض ہو جاتا ہے اُسکا علاج تو فطری ذرائع سے کیا جاتا ہے اور جب ہمارا ضمیر مبتلائے مرض ہوتا ہے تو اُسکا علاج مافوق الفطرۃ ذرائع سے ہوتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حقیقت یہ ہے کہ فطرۃ مافوق الفطرۃ ذرائع سے مطلق واقفیت نہیں رکھتی۔ اُسکی لاانتہا گونا گونی میں ایک سبب اور ایک علاج مرض کا نہیں ہے۔ ضمیر کا ہر جوہر علیحدہ علیحدہ اپنے ساتھ صحت اور خوشی کے خاص قوانین رکھتا ہی ٹھیک اسیطرح جسطرح جسم کا ہر حصہ۔ اسلیئے مافوق الفطرۃ ذات کو دخل دینا تمام فطری قوانین اور اصول کو درہم برہم کر دینا ہے اور اخیر اُسکا نتیجہ پریشانی۔ آفت اور مصیبت ہوتی ہے۔

جب تک مافوق الفطرۃ ذات پر بھروسہ کرنیکا عقیدہ موجود ہے۔ نہیں امید ہو سکتی کہ اطمینان بخش نیکی یا خوشی کی حالت ہماری پیدا ہوگی۔ مصائب اور جرائم کی خطرناک کثرت کو دیکھو جو ہم پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت کے بہت سے مدارج میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ وہ وبا جسکی طرف انسان آنکھ اُٹھا کے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ اور اُسکی خاص وجہ یہ ہی کہ خوشی اور نیکی کے فطری قوانین سے بالکل بے خبر ہیں اور ہماری جہالت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ہم اہم معاملات مثلاً امراض ضمیری میں دعاؤں سے مطلب برآری چاہتے ہیں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ دعا کیا قیمت رکھتی ہے کہ اے خدا غریب پر رحم کھا۔ مفلسی کو ہمارے ملک سے کھو۔ شراب خوری کا بیج مارا ور زناکاری کو نیست و نابود کر؟۔ تمام دنیا کی مشتملہ دعائیں آسمان کے نیچے ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں اور نہ ایک خفیف سی مصیبت یا بُرائی کھو سکتی ہیں۔ یہ تمام خطرناک باتیں تو صرف فطری اسباب سے دفع ہو سکتیں ہیں اِن سے بہتر اِن کا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ کتنا وقت برباد کیا جاتا ہے۔ انسانی مصائب اور ذلتوں کو کس قدر دیر پا رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے

صاحب اختیار اور صاحب قدرت تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی اشرف اور اعلیٰ ذات کو ذلیل کرتے ہیں
سورۂ فاتحہ کا بغور پڑھنا ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیئے بہت کافی ہے۔ یوں تو ہزاروں بار سورۂ فاتحہ کو پڑھا ہوگا۔ مگر اب ہمارے کہنے سے ایک بار بغور پڑھو اور سمجھو کہ اس روشن سورت میں کن کن امور کی تعلیم کی گئی ہے صرف تین امور ہیں جن کی تعلیم ہوئی ہے۔ اول توحید۔ دوم خدا سے ہر کام میں مدد مانگنا۔ سوم دل میں یہ یقین رکھنا کہ سوائے اُس کے کوئی مشکلکشا نہیں۔ قرآن کی جب پہلی تعلیم یہ ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ اور علوم جدیدہ کے ماہروں کے اصول موضوعہ کی دھمکی میں آکے کیوں اسلام کا ایک بڑا اصول مٹایا جاتا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اسلام کے سب سے اعلیٰ سب سے عظیم اصول توحید کا دعا کرنا جزو ثانی ہے۔ یقیناً اگر دعا نہیں تو توحید نہیں۔ فرض کرو کہ ہمنے وحدہ لاشریک تو خدا کو مان لیا۔ لیکن اپنی ضرورتیں پیروں۔ شہیدوں اور اولیا کے حضور سے یا اُن کی قبور پر سے لیگئے۔ پھر توحید ہی کہاں رہ گئی۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا ایمان قائم رہا۔ ہم قوانین فطرت انسانی نئے فلسفہ کے پہلو سے دعا کی اصلی حقیقت بیان کرینگے۔ پہلے ہم قرآن احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت کرلیں کہ دعا کی حقیقت شریعت اسلامی نے کیا بیان فرمائی ہے۔ اور غلط فہمی سے اُسے کیا خیال کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقام پر دعا کا ذکر ہوا ہے اور اُن آیتوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دعا چیز کیا ہے اور خداوند تعالیٰ نے اِسکی کیا حالت اور حقیقت بیان کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے " واذا سألك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي " اور جب میرے بندے تجھ سے مجھے پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار پر جسوقت وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہیئے کہ میرا حکم مانیں " یہاں خالق ارض وسماء نے اپنا محیط ہونا اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس شخص نے خداوند تعالےٰ کو پکارا وہ اُس پکار کو سنتا بھی ہے اور پکارنیوالے کے قریب بھی پہنچ جاتا ہے۔ قریب پہنچنے سے غرض یہ ہے کہ وہ دعا کو قبول کرلیتا ہے اور بندے کو اپنی آرزو پوری کرنیکی توفیق دیتا ہے اس توفیق سے وہ بمقتضائے قانون قدرت اسباب اور ذرائع کے بہم پہنچانے میں جس سے اُسکی آرزوئیں پوری ہوں گی۔ سرگرمی اور تندہی سے کوشش کرتا ہے اور اخیر اُسکی یہ کوشش کامیاب ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کسی کی کوشش کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔ اِس کے بعد اور تصریح کے ساتھ خداوند تعالیٰ سے دعا کے مقصد کو سمجھایا ہے اور وہ یہ ہے " ادعوا ربكم تضرعا وخفية انه لا يحب المعتدين " یعنی اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے پکارو اُسے پسند نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔" یہاں دعا کی حقیقت اور بھی واضح طور پر کھولدی۔ گڑگڑانا۔ رونا۔ زاری کرنا اور اپنی تمام کمزوریوں اور مجبوریوں کا اقرار کرکے نہایت منکسرانہ طور پر اپنے معبود حقیقی کے حضور پیش ہونے کو دعا کہتے ہیں مگر حد سے بڑھنے والوں کو رب العزت نے ناپسند فرمایا ہے۔ جو لوگ اُس کے عادی ہیں کہ ادنی ادنی باتوں اور خلاف شرع امور میں بار بار خدائے برحق سے دعا کرتے ہیں۔ اور اُس دعا میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ یہ گویا حد سے بڑھنا قرار دیا گیا مثلاً ایک شخص نے ناجائز طور پر کسی کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اُس مقدمہ سے اُسکی مراد یہ ہے

لکھا ہے "ایاک نعبد و ایاک نستعین" یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسلام کا یہ پہلا اصول ہے کہ صرف خدا ہی کی پرستش کرنا چاہیئے۔ جب اُسے قادر مطلق سمجھ کے پرستش کی تو اُسی سے مدد مانگنا بھی لازم آیا۔ جو لوگ دعا اور اجابت دعا پر جرح قدح کرتے ہیں وہ بغور دیکھیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے دعا اور توحید کو لازم و ملزوم کر دیا ہے۔ پھر دعا پر کیونکر جرح قدح ہو سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے مقدم اصول توحید کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ جب ہم نے ایک ذات وحدہ لاشریک کو قادر مطلق اور خالق ارض و سما سمجھ لیا اور یقین کر لیا۔ پھر فطرتاً ہم اُسی کے حضور شب و روز کیوں نہ اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اسمیں ہمیں تامل ہی کیوں ہونے لگا۔ ہمیں منع کیا گیا ہے کہ بتوں سے اپنی حاجتیں طلب نہ کریں ہمیں منع کیا گیا کہ پانی۔ پتھر۔ لکڑی کو اپنا حاجت روا نہ بنائیں۔ ہمیں روکا گیا کہ چاند اور سیاروں کو اپنا مشکل کشا نہ تسلیم کریں۔ اور سب کو چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش کریں۔ جب ہم نے اس حکم کی تعمیل کی تو اب طبعاً ہماری یہ خواہش ضرور ہوگی کہ جو حاجتیں ہم مخلوق اشیا کے آگے پیش کرتے تھے وہی حاجتیں خدا کے حضور پیش کریں تاکہ اس بات کی شہادت ہو کہ ہم نے بت پرستی وغیرہ سے روگردانی کی اور ہم خدائے ذوالجلال کی پرستش کرنے لگے۔ دعا کا مانگنا ضمانت ہی خدا پرستی کی۔ اور جو لوگ دعا کو محض افسانہ یا اطمینان قلب کا ایک بہانہ تصور کرتے ہیں۔ اُن کی خدا پرستی مشکوک ہے اور وہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ہم خدا پرست ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دعا اور توحید لازم و ملزم ہیں۔ اگر دعا کو کوئی چیز نہ تسلیم کیا جاوے تو سمجھ لو نبی معصوم کی توحید کی تعلیم محض ناکارہ تھی سورۂ فاتحہ درحقیقت ایک دعا کی سورت ہے جس میں توحید اور دعا کو لازم و ملزوم ٹھیرا کے دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ کیا دعا کرنی چاہیئے اور اُس دعا سے اصلی مفہوم کیا ہے۔ جو لوگ ربانی غوامض اور دقائق کو سمجھتے ہیں وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ خدا کے کلام میں انسانی فطرۃ کا پاس و لحاظ بہت کیا گیا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو طبعاً کسی انسان کے خلاف ہو۔ خیال کرنیکی جگہ ہے کہ یہ اصول دعا محض ایک بہانہ ہے اطمینان قلب کا۔ یا دعا کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ فرض کرو قرآن ایک طرف تو یہ کہے کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کے صرف ایک خدا کی پرستش کرو اور دوسری طرف یہ کہے کہ اُس سے مدد نہ مانگنا۔ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک متنفس بھی اس اصول کو تسلیم کریگا اور اُسے قرآن کا یہ قول ایک دم کے لیئے بھی سچا معلوم ہوگا۔ مگر نہیں قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور اسمیں ایسا بدیہی نقص ہونا ممکن نہ تھا۔ اسیلئے اس نے ایک طرف تو لوگوں کو پرستش خدائے مطلق کے لیئے بلایا۔ اور دوسری طرف سے یہ کہا کہ تم اپنی ہر حاجت اس کے آگے پیش کر سکتے ہو۔ بلکہ مزید براں یہ کہا گیا۔ و یقین دلایا گیا کہ خود خداوند تعالیٰ تم سے ہمکلام ہوئے باصرار یہ فرماتا ہے کہ میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے طالب مدد ہو۔ یا بالفاظ دیگر جب تم میری عبادت کرو گے تو تمہیں لازم آگیا کہ مجھ ہی سے مدد بھی مانگو۔ پھر بار بار یہ فرمانا کہ ہم ہی ہر شئے پر قادر ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ تم اپنی کل حاجتیں ہمارے آگے لاؤ ہم ہر شئے پر قادر ہیں "ان اللہ علی کل شئ قدیر" ایک آواز اور تنبیہ ہے جو خدائے برحق کی طرف سے اُن لوگوں کو دی گئی جو اُسکی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو

سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کے"۔ غرض خدائے واحد و مطلق کے آگے رونا اور زاری کرنا اور اپنے کو لاشئے محض سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ تمام نماز میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اپنی عبودیت کا اقرار اور خدا کی قدرت پر بھروسہ اور اُس سے یہ التجا کرنا کہ تو ہمیں سیدھے رستہ پر چلا۔ اور تو ہی چلانے والا ہے اور جو لوگ اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہماری عقل اور انتظام عالم قائم ہے وہ سخت ذلیل ہوتے ہیں پھر اخیر میں مٹ جاتے ہیں۔ یہ تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو شخص یہ سمجھ بیٹھے کہ میں ہوں بھی بڑا عقلمند اور مجھے آ بھی گیا تمام دنیا کا علم۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جب ترقی نہیں کرنے کا تو اُسے عزت بھی حاصل نہیں ہو سکتی اور جب عزت حاصل نہیں ہوئی تو دنیا ہی اُسکے لیئے جہنم ہے۔ ذلیل آدمی کی زندگی کیا قیمت رکھتی ہے؟ کچھ بھی نہیں؟ وہ مثل چوپائے کے ہے جسکا جینا مرنا برابر ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی دعا اور توحید یعنی خدا پرستی لازم و ملزوم قرار دی گئی ہیں۔ جو لوگ خدائے حقیقی کے آگے نہیں روتے جو نفوس نہایت انکساری اور فروتنی سے اپنے معبود برحق کے حضور حاضر نہیں ہوتے اُن کی نجات ابدی معرض خطرے میں۔ ایک شہنشاہ بحر و بر کبھی اپنی رعیت پر مہربان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے کو خالق حقیقی کا ایک عاجز بندہ تسلیم نہ کرے گا۔ اور جس طرح اُسکی رعایا اور اُس کے ملازمین نہایت ادب سے اُس کے حضور جبین نیاز جھکاتے ہیں اسی طرح وہ بھی خلاق اکبر کے حضور ناصیہ فرسائی نہ کرے کبھی لائق حکمران نہیں بن سکتا۔ یورپ جو موجودہ زمانہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی کے زینہ پر پہنچ گیا ہے اُس نے بھی یہ لازمی کر دیا ہے کہ شاہ وقت مذہبی ہونا چاہیئے۔ اگر یورپ کا کوئی بادشاہ عیسوی مذہب سے انحراف کرے وہ فوراً تخت سے اُتار دیا جائے گا۔ ملکہ یا شاہ انگلستان کے لیئے تو مسیحی ہونیکے علاوہ پروٹسٹنٹ مذہب کی بھی قید ہے۔ اور سچ ہے بغیر اسکے حکمرانی ممکن نہیں۔ فرض کرو کہ ایک دہریہ بادشاہ بنا دیا جائے تو اُسکی سلطنت کو دن تک رہ سکتی ہے؟ وہ ہرگز مذہبی حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ کبھی اپنی رعایا کے مذہبی خیالات کی تحریم نہیں کر سکتا وہ قومی معابد کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اور پیشوایان دین کی توہین کرنی اُسکا عام شیوہ ہوگا۔ لاکھ کچھ وہ مہذب ہو۔ پھر یہ طبعی امر ہے کہ جن لوگوں کو گمراہ سمجھا جاتا ہے۔ اُن کے عقاید کو پہلے حقارت سے نظر کیا جائیگا۔ ان خیالات سے رعایا میں سخت بیدلی پھیلے گی۔ اور اُسکا نتیجہ اخیر خونریزی اور مخلوق خدا کی بربادی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب شاہ کا خدا پرست ہونا لازمی ہے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ خدا پرست بننا قوانین قدرت میں داخل ہے اور خدا پرستی اور دعا لازم و ملزوم ہیں اسلیئے دعا بھی قانون قدرت ہوئی جس سے انحراف کرنا اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اب ہم چند احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ نقل کرتے ہیں جو دعا کے بارے میں آئے ہیں اور جن سے دنیا کی ایک عام حالت اور حقیقت پائی جاتی ہے۔ پھر ہم اپنے دوست دہریہ کا بھی جواب دینگے اور عام طور پر اسلامی دنیا پر ایک نظر کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الدعاء ھو العبادۃ" یعنے دعا مانگنا ہی عبادت ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر

کہ حق دار کا حق غصب کیا جائے۔ اور اُس ناجائز آرزو یا اُمید کے پورا ہونیکے لیئے وہ خداوند تعالیٰ کو پکارے
تو سمجھو کہ اُس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے نفس ہی پر ظلم نہیں کیا بلکہ خدائے برحق کی نافرمانی کی۔ اور کوئی تعظیم
اُسکی اپنے دلمیں نہ رکھی ایسی دعا سے اُسپر کئی کئی جرم عائد ہو گئے۔ جنسے اُسکی گلوخلاصی ممکن نہیں۔ ادنیٰ توجہ
سے سمجھ میں آجائیگا کہ ہم کسی ایسے مجسٹریٹ سے جو درحقیقت منصف ہی اور جسے ہم بھی انصاف پسند جانتے ہیں
اور خواہ وہ ہمارا کیسا ہی گاڑھا دوست ہو گا۔ اگر ہمارے دماغ میں عقل ہے۔ ہم کبھی ایسے مقدمہ میں سفارش نہ
کرینگے جسمیں حق کا خون ہوتا ہو۔ اور ایک بیگناہ اور حقدار کی حق تلفی ہوتی ہو اور اگر ہمنے اپنی بدعقلی سے سفارش
کی تو ہماری یہ سفارش مجسٹریٹ سن تو لیگا۔ مگر اُسے ہم سے نفرت ہوجائے گی اور وہ کبھی ہمیں ایماندار نہیں سمجھنے کا
یہ اگرچہ نہایت ادنیٰ مثال ہی تاہم اس سے یہ سمجھ میں آجاتا ہی کہ خدائے مطلق و واحد پکارنے والیکی سُن تو لیتا ہی
مگر ایسی ناانصافی کی دعاؤں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ امر اس قسم کی دعائیں درحقیقت دعائیں نہیں ہیں بلکہ اپنی روسیاہی
اور بداعمالی اور تیرہ باطنی کی کیفیت خدا کے حضور دُہرانی ہے۔ اور غرض یہ ہے کہ ان بربادکن اور ارذل ترین عیوب
اور نقائص ہینہ یاد تی ہو۔ دعا کیا ہے نہایت خلوص اور قلب کی صفائی سے گڑگڑا کے اور رو کے محض پوشیدگی
اور تنہائی میں اپنی عبودیت کا پورا خیال کرکے اور رب العرش کے جلال اور محیط قدرت کو تسلیم کرکے اُسکے حضور
پیش ہو۔ اور صدق دل سے اقرار کرے کہ میں جاہل ظالم بے بس اور ناتوان ہوں میری ہستی ایک ذرہ کے برابر بھی
نہیں ہے۔ میرے تمام کاموں میں تو ہی میری مدد کرتا ہے۔ جو کامیابیاں مجھے اپنی کوششوں میں ہوتی ہیں ان میں
بھی تیرا ہی ہاتھ کام کرتا ہے۔ میں تیرا ایک بے حقیقت بندہ ہوں اگر تو رہنمائی نہ کرے تو میری عقل میری دوت
کچھ نہیں کرسکتی۔ تیری روشنی میں میں چلتا ہوں اور تیری رحمت سے میں زندہ ہوں۔ تونے ہمیشہ میری مدد کی ہے اور
جسطرح تیرے ہاتھ نے پیسے ہر کام میں مدد کی ہے ابدالآباد تک تیرا ہاتھ میرے ساتھ کام کرتا رہے۔ بس یہ دُعا ہے
اور یہ منشا ہے جو اسلام میں تسلیم کیا گیا ہے۔ عیسائیت کی دعا اور اسلام کی دعامیں بہت بڑا فرق ہی اور ہمارے
فلاسفر نے جسکا مضمون ہمنے اوپر نقل کیا ہے عام طور پر مسیحی دعا پر رد و قدح کرکے یہ خیال کیا ہے کہ دنیا میں سب
مذاہب کا دعا کی نسبت یہی عقیدہ ہی کہ ایک وقت کی روٹی خدا ہی سے مانگ لیا کرو۔ اسلام نے ان باتوں کی
بہت سختی سے تردید کردی ہے اور قرآن میں صاف حکم دیدیا ہے کہ ہم حد سے زیادہ بڑھنے والوں کو پسند نہیں
کرتے۔ اس سے زیادہ خلیق اور منکسر المزاج بننے کی تعلیم ہی نہیں ہوسکتی کہ ہر وقت اپنی کمزوریوں کا خیال رہے اور
اپنی تمام کامیابیوں کے حاصل ہونے پر یہ خیال نہ کرلیا جائے کہ یہ صرف میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس خیال سے
خود بخود ایک غرور پیدا ہوگا۔ اور یہ غرور خود ایک دن اُسکے لیے سم قاتل بن جائیگا۔
ہمارے بیان بالا کی تائید آگے آنیوالی آیت سے بخوبی ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمنے دعا کی نسبت اسلام کا
عین منشا ظاہر کیا ہے " وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم
داخرین. یعنی اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو کہ تمھاری پکار کو پہنچوں بیشک جو لوگ متکبر ہیں میری بندگی

اور وحدت کے نور سے منور ہو کے پھر دل ہی میں آپڑتا ہے۔ اُس نور کی حرارت سے فوارے میں ایک غیر معمولی تیزی آجاتی ہے۔ اور یہ تیزی بڑھتے بڑھتے آخر وحدت میں شیر و شکر ہو جاتی ہے۔ پہلے آسمان پر نزول اجلال سے غرض قرب باری تعالیٰ ہے۔ نافہم اگر نہ سمجھیں اُن کی سمجھ کا قصور ہے۔ اور جنہیں روحانی تعلقات کی ہوا بھی لگی ہے وہ اِن مدارج عبودیت کو توجہ سے سمجھ سکتا ہے۔ شب کا پچھلا حصہ جان ہے روحانی ترقیات اور روحانی مدارج میں ترقی کرنے کا۔ اِسکی قدر کچھ کچھ طلبہ کا دل جانتا ہے جو اخیر شب اُٹھکر مطالعہ کرتے ہیں۔ اور علمی غوامض اُنہیں ادنیٰ تامل سے حل ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ نفوس قدسیہ جو فطرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اُنہیں سے اس کی حقیقت دریافت کرنی چاہیئے۔

مستان صبوح از عمم کردند خروش آندم کز صبح جمال تو بنمود تباشیرے

رنجور غمت مائیم عشق تو طبیب ماست از ادویۂ رحمت بفرست تباشیرے

اِن ربانی راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جس میں سمجھنے کی استعداد ہے۔ ہمارے ہادی برحق نے جن سادہ الفاظ میں روحانی مدارج کی اعلےٰ درجہ کی باریکیاں حل کی ہیں۔ ان کی کُنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جسے حضورِ انور سے گہرا تعلق ہو اور سمجھ سکتا ہو کہ نزولِ اجلال سے کیا غرض ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کا دعا قبول کرنا کسے کہتے ہیں۔

ساتویں حدیث۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب حالتوں سے زیادہ بندہ اپنے رب سے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے پس سجدہ میں دعا کی کثرت کرو (مسلم) یہ بھی یکسوئی کی ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ سجدہ میں خیالات ایک جگہ زیادہ تر ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے خدا کا قرب بیان کیا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ خدا تو رگ شریان سے بھی زیادہ نزدیک ہے بشرطیکہ ہمیں اُسکی تلاش ہو۔ خدا کی تلاش کرو اور اپنی پوری قوت سے تلاش کرو۔ خدا ملجائے گا۔ خدا کا ملجانا اور دعا کا قبول ہونا ایک ہی بات ہے۔ کچھ بھی فرق نہیں جسکی دعا قبول ہو گئی اُس نے خدا کو پالیا اور جس نے خدا کو پالیا اُسکی دعا قبول ہو گئی۔ سجدہ میں خداوند تعالےٰ کا قریب ہونا اس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنی کمزوریوں اور فروتنی کا از خود خیال آجاتا ہے اور ایک ایسے معبود کے آگے پیشانی جُھکائے ہوئے ہوتا ہے جسے وہ اپنا خالق سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ سب اُسی کا بنایا ہُوا کھیل ہے اور ایک دن سب اُسی کیطرف جائیں گے۔ اس خیال سے ایک خوف اُس کے دل پر طاری ہو جاتا ہے۔ اور اُس خوف کے اثر سے اُس پر رقت کی حالت آجاتی ہے بس یہی سچی کیفیت ہے جو دعا کی مقبولیت کی شہادت دیتی ہے اور اسی حالت سے خدا مل جاتا ہے۔

آٹھویں حدیث۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے موقف میں تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا (نسائی بروایت اُسامہ بن زید اور مسلم میں بروایت جابر ہے مگر اُس میں دُعا کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ غروب تک کھڑے رہے) خواہ آپ یوں ہی کھڑے رہے یا دعا مانگتے رہے دونوں صورتوں سے آپ کی یہ بینظیر تعلیم کہ دعا مانگتے وقت استقلال اور توجہ درکار ہے

اس حدیث کے راوی ہیں آپ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے یہ فرماکے "ادعونی استجب لکم" کو اخیر تک پڑھا۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ دعا عین خداپرستی اور توحید پرستی ہے اور یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ توحید اور دعا لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارے اس بیان بالا کی پوری پوری شہادت اس حدیث قدسی سے مل گئی

دوسری حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الدعاء مخ العبادۃ" یعنے دعا عبادت کا مغز ہے ترمذی نے انس سے روایت کی ہے۔ مگر یہ حدیث غریب ہے۔ وہی بات ہے جو ہم اوپر ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔

تیسری حدیث۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک دعا سے بزرگ تر نہیں ہے (ترمذی و ابن ماجہ و حاکم)

چوتھی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ کو دعا سے تین باتوں میں سے ایک نہ ایک چیز حاصل ہوجاتی ہے۔ کیا تو اُسکا گناہ بخشا جاتا ہے۔ یا کوئی بہتری سردست ملجاتی ہے یا کوئی خیر اس کے لیئے ذخیرہ کردی جاتی ہے (ابو منصور در مسند فردوس باسناد ضعیف)

پانچویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالی سے اُس کے فضل کی درخواست کرو کہ اُسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے کوئی مانگے اور بہترین عبادت کشادگی کا منتظر رہنا ہے۔ (ترمذی بروایت ابن مسعود اور اُسکی اسناد میں حماد بن واقد ضعیف ہے)

چھٹی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالی ہر شب جب پچھلی رات رہتی ہے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماکے ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا مانگے اور میں قبول کروں اور کوئی ہے جو مجھسے مانگے اور میں اُسے دوں۔ اور کوئی ہے کہ مجھسے مغفرت کا خواہاں ہو پس میں اُسے بخشدوں۔ (بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ)

جو لوگ روحانی لذات سے واقف نہیں ہیں وہ خداوند تعالی کا پچھلی شب کو آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمانا نہیں سمجھنے کے۔ کیا تو اس کے ظاہری معنی لینے لگینگے یا اسکی تضحیک کریں گے۔ خدا گواہ ہے۔ قدر ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی۔ بہت ہیں جنہیں روحانی تعلقات کے صرف الفاظ ہی سُن کر لڑنے آتے ہیں۔ کم ہیں جو ان تعلقات میں سرگرداں ہیں اور بہت کم ہیں جنہوں نے اسکی چاشنی چکھی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ کم ہیں جو تعلقات اور لذائذ روحانیہ میں فنا ہوگئے ہیں۔ پچھلی شب کا وقت وہ پیارا اور برکت کا وقت ہوتا ہے جسکی لذت وہی شخص جانتا ہے جس نے ان اوقات سے برکت لی ہے۔ عالم پر سنسانی چھا جاتی ہے۔ موسم ایک عمدہ اعتدال پر ہوتا ہے دماغ تکدرات زمانہ سے ایک حدتک فارغ ہوتا ہے۔ خیالات بآسانی مجتمع ہو جاتے ہیں۔ روح انسانی اپنے خالق کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اور اُس سے اسقدر قریب آجاتی ہے کہ بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ رہجاتا ہے اور پھر روح میں ایک نطق پیدا ہوجاتی ہے اور وہ بولنے لگتی ہے کہ معبود برحق آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما چکا ہے اور ہر دعا کے قبول کرنے پر رضامند ہے۔ وحدت کا ایک فوارہ خود بخود دل سے اُبلتا ہے اور اُس فوارے کا پانی آسمان تک پہنچتا ہے

میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جو قول و عمل اُس کے قریب کردیں اُن کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے اور اُس قول و عمل سے جو اُس کے قریب کردیں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جنت سے مراد نجات ابدی ہے اور نجات ابدی سے غرض دیدار باری تعالیٰ کا نصیب ہوتا ہے اسی طرح دوزخ سے غرض نجات ابدی یا دیدار رب العرش سے بے نصیب ہونا ہے۔ یہ حکیمانہ تعلیم ہے۔ اور یہ دعا کی حقیقت ہی کہ سوائے ابدی نجات کے اور کچھ مانگنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور بات بھی ٹھکانے کی ہے کہ ایسے خلاق اکبر کے حضور پہنچے اور پھر فانی چیزوں کی درخواست کرے شان انسانیت سے بعید ہے اور اس شرف سے کوسوں جا پڑتا ہے جو خداوند حقیقی نے تمام کائنات پر انسان کو بخشا ہے۔

بارھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کچھ لوگ عنقریب ایسے آدینگے کہ دعا اور طہارت میں تجاوز کرینگے۔ دعا میں تجاوز کرنے سے یہی غرض ہے کہ دنیا کی بیہودہ چیزوں کی بار بار درخواست کرنا اور موقع بے موقع سخت گستاخی اور سوء ادبی سے اپنے خالق کو مثل ایک معمولی انسان کے پکارنا۔

تیرھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرو کہ تمھیں قبول ہونے کا یقین ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔"

اس حدیث قدسی نے توکل امور کا فیصلہ ہی کر دیا۔ حقیقت میں قوت یقین ایک عجیب جوہر ہے جس سے تمام کائنات کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں جبہ سائی کرتے کرتے مگر کبھی دعا قبول ہی نہیں ہوتی وجہ یہی ہے کہ دل گواہی نہیں دیتا کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ جو یقین کی قوت کو جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کو اس بات کا سچا یقین ہو جائے کہ میں اگر دعا کروں گا تو پہاڑ سرک جائے تو درحقیقت پہاڑ کا سرک جانا کوئی بات ہی نہیں ہے یقین ہونا شرط ہے اور وہی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ زبانی جمع خرچ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے عمدہ عمدہ الفاظ جمع کیئے جاسکتے ہیں منطق اور فلسفہ کے پہلو سے ثبوت بہم پہنچائے جاسکتے ہیں۔ مگر یقین اور صداقت کا پتہ لگنا مشکل ہے۔ اور جسنے ان دونوں چیزوں کا پتہ لگا لیا اُسکے الفاظ خود بخود با اثر ہوں گے اور وہ ہر چیز اپنے یقین اور صداقت کے بھروسہ پر حاصل کرسکتا ہے۔

چودھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے اپنے پروردگار سے کچھ سوال کرے اور معلوم ہو کہ قبول ہوگیا۔ تو یہ کہے "الحمد للہ الذی بنعمۃ تتم الصالحات" اور جس کے لیئے قبول میں کچھ دیر ہو تو کہے "الحمد للہ علی کل حال"۔

یہ سمجھنا کہ ہماری دعا قبول ہوگئی۔ یا ہماری دعا ابھی قبول نہیں ہوئی ایک اعلیٰ درجہ کی معرفت ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتی۔ دلمیں اگر یقین ہے کہ دعا قبول ہوگی تو فوراً ایک قدرتی آواز آئے گی۔ یا اطمینان دیا جائیگا کہ تیری منہ مانگی مراد تجھے ملیگی۔ اور اگر دلمیں دعا مانگتے وقت یقین نہیں ہے تو اپنا دل ہی اپنی ناکامی کی شہادت دیگا۔ ہمارے نبی برحق و معصوم نے یہ بحث اعلیٰ درجہ کے انسانی مدارج سے کی ہے جسے روحانی اطباء سمجھ سکتے ہیں، یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ

پائی جاتی ہے۔ اور یہی آپ کا اصلی منشا تھا۔ عموماً لوگ لمبی دعا مانگا کرتے ہیں ہاتھ اُٹھایا دو چار لمحہ بڑبڑائے اور منہ پر ہاتھ پھیرا یہ دعا نہیں ہے بلکہ اپنے خالق کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ مگر کم عقل نہیں سمجھتے۔

نویں حدیث۔ سلمان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ تمہارا رب حیا والا کریم ہے جب بندہ اُس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے تو وہ حیا کرتا ہے اس سے کہ وہ اُنہیں خالی پھیر دے۔ غرض یہ ہے کہ جو شخص اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے اور اُن ہی قیود سے اُٹھاتا ہے جو اوپر بیان ہوئیں تو پھر اُس کی دعا کا مقبول ہونا لازمی پڑ جاتا ہے کون انکار کر سکتا ہے کہ خالق کون ومکان صاحب حیا نہیں ہے مگر اتنا ضرور سمجھ لو کہ صاحب حیا صاحب غضب اور صاحب قہر وغیرہ الفاظ جو خداوند تعالیٰ کی نسبت بیان ہوئے ہیں اور ہم نے اپنی بساط کے موافق اُسی مبالغہ کے صیغہ سے یاد کیا ہے ان الفاظ کا مطلب صرف ہم ہی تک محدود ہے ذات باری کو ان الفاظ سے کچھ بھی علاقہ نہیں یہ محدود الفاظ جو انسانی زبان میں اُسی کے بتانے سے آئے ہیں اُس کی لاانتہا صفات کا ایک لاکھواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے ادا کرنا تو کیسا خیال بھی نہیں لا سکتے۔ ہماری فہم کے مطابق ہم نے اُس کے چند نام رکھ لئے ہیں یا جو نام اُس نے خود بتائے ہیں اُنہیں یاد کر لیا ہے اسکی ذات سے ان ناموں کو کچھ بھی تعلق نہیں۔

دسویں حدیث۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام پر گزر ہوا ایک شخص دعا مانگتا جاتا تھا اور اپنی دو انگلیوں کو جنبش دے رہا تھا آپ نے ارشاد کیا ایک ہی پر اکتفا کر (ترمذی و ابن ماجہ و حاکم) کسی دنیاوی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے آداب جب بہت مشکل سے سیکھے جاتے ہیں تو رب الافواج کے حضور حاضر ہونے کے طریقے کیونکر آسانی سے آجاتے۔ خاص طور پر یہ تعلیم کہ کیونکر حضور خداوندی میں حاضر ہوا کرتے ہیں آنحضرت نے فرمائی ہے اور سچ بات یہ ہے کہ معرفت باری تعالیٰ کی یہ تعلیم پہلی سیڑھی ہے۔ ہاتھ اُٹھانا گویا مکتب معرفت کی الف بے تے ہیں اور فارغ التحصیل ہونا وہ مقام ہے جہاں خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ سے رگ شریان سے بھی زیادہ نزدیک ہوں اور اس تعلیم کی عملی تکمیل یہ ہے کہ معرفت الٰہی میں بندہ مستغرق ہو جائے پھر نہ اُسے کسی امر کے لئے دعا مانگنے کی ضرورت رہے نہ مقبول دعا کا خیال۔ یہ وہی مدارج نہیں ہیں شریعت غرا نے یہ مدارج پیدا کئے ہیں صاف باطنی سے جو ان اصول پر عملدرآمد کرے گا یا جن نفوس قدسیہ نے عمل کیا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ظاہر بین یہیں پیچ وتاب کھاتے ہوئے رہجاتے ہیں۔

گراں جاناں برنگ گل فرو ماندند در گلشن + سبک روحاں نسیم آسا رہا کردند محملہا۔

گیارہویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دعا میں سجع نہ کیا کرو۔ دعا میں یہی کہنا کافی ہے "اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل" یعنی الٰہی

ف ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے البتہ بخاری نے حضرت ابن عباس کا قول سجع سے احتراز میں نقل کیا ہے اور حاکم نے بروایت عائشہ روایت کیا ہے کہ اے عائشہ دعا میں کامل مانگا کر اور اس میں وا سئلک الجنۃ الخ ہے۔

یہ کہ دعا کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے قانون قدرت کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تمام دنیا کی مشتملہ دعائیں ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں۔ کوئی شخص دعا سے ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں کرسکتا۔ نہ کسی مکان کی تعمیر کرسکتا ہی فلسفی کی ساری تقریر کا یہ ماحصل ہے۔

یہ کہنا کہ قانون قدرت پر کوئی اور چیز محیط نہیں ہے۔ نرا تحکم اور فرضی دعوٰی ہے۔ اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ قوت جسے خدا کہتے ہیں شب و روز قوانین قدرت کو تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اور زبردست دست اندازی کی ہر وقت مجاز ہے۔ اسلام اس عقیدہ کو نہیں مانتا بلکہ اُسکا منشاء یہ ہے کہ ایک قوت قانون قدرت پر محیط تو ضرور ہے اور اُسے اختیارات بھی اسمیں ہر طرحکے حاصل ہیں۔ مگر ابتدائے آفرینش سے اُس نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ نہ وہ اخیر تک کریگا۔ جو قاعدہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اسیطرح نظام عالم ہوتا ہے گا۔ اور اُسمیں بال برابر بھی فرق نہ آئیگا۔ اب عقل کی رو سے کسی خاص ذات کو قوانین قدرت پر محیط مان لینا کوئی اخلاقی جرم نہیں ہوگا۔ جیسا ہمارے دوست دہریئے نے لکھا ہے کہ خدا پرستی مخرب اخلاق ہے۔ اب ہی دعا اور اجابت دعا اسلام کے اصول ہی یہ نہیں ہیں جو فلسفی صاحب نے اپنی تحریر میں قائم کیئے ہیں۔ اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا کہ شہر بننے کی دعا مانگو۔ یا اقلیدس کی شکل حل ہونیکی دعا کرو۔ یا مریض کی دوائی درمن نہ کرو صرف دعا ہی مانگا کرو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیاوی جاہ و جلال اور دوسروں کی حق تلفی کے لیئے دعا کرو یا اپنے بھائیوں پر مغرورانہ حکومت کرنیکی خواہش رکھو۔ وہ ان جیسی دعاؤں کی حقارت کرتا ہے اور قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جھڑک دیا ہے جہاں فرمایا ہے۔" ان اللہ لا یحب المعتدین" یعنی خدا حد سے بڑھنے والوں کو عزیز نہیں رکھتا۔ بلکہ اسلام اور آپکے صحابائے کرام کی وہ دعائیں موجود ہیں جو آپ بعد نماز کیا کرتے تھے اُن دعاؤں میں سوائے نجات ابدی کے حاصل ہونے اور ربانی انوار کی برکت میں دائمی رہنے کی آرزو کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

دور جانیکی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی سورہ فاتحہ موجود ہے۔ جسمیں دعا مانگنے کی تعلیم ہوئی ہے۔ اُس دعا کی نوعیت کو اور اس دعا کی حقیقت کو جب مقابلہ کیا جاتا ہے جو ہمارے دہریہ دوست لکھتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کی دعا کیا ہے۔ صرف اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اظہار اور دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنے لیئے ہدایت چاہنا۔ اور بس۔ سوائے اس کے کوئی مدعا نہیں ہے۔ دعا اُن روحانی تعلقات کی تکمیل کا ذریعہ ہے جو بندہ اپنے معبود حقیقی سے رکھتا ہو روحانیت کا اثر برفستانی ممالک میں ٹھٹر جاتا ہے اور جذبات دلی کی وہ اُمنگ جو مشرقی یا گرم ممالک کے باشندوں میں ودیعت ہوئی ہے وہاں نام کو بھی نظر نہیں آتی۔ پیرس جو دنیا کی بہشت کہلاتی ہے۔ اگرچہ روحانیت وہاں نیست و نابود ہوگئی ہو۔ پھر بھی ایک تعصب مذہبی باقی ہے۔ اور اگر کچھ بھی عیسائیوں پر کہیں آفت آتی ہے۔ سب سے پہلے فرانس جو تمدن میں مشہور ہے۔ حمایت کے لیئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور بحیثیت ایک مسیحی دولت کے اُن کا حامی بن جاتا ہے۔ لندن میں اگرچہ اسقدر دہریت نہیں پھیلی ہے۔ پھر بھی بہت سی انجمنیں قائم ہیں اور وہ کوشش کرتی ہیں کہ تمام لندن ہی میں بلکہ انگلستان میں دہریت کو فروغ ہو۔ مگر یہ جوش و خروش یہ اولوالعزمیاں یہ کوششیں صرف لندن ہی تک محدود ہیں۔ جب اسلام کے خلاف اُنھیں کوئی بات کرنی پڑتی ہے تو پکے مسیحی بن جاتے ہیں اور پھر اندھے تعصب میں حق و

خدا کی حکمت کی باریکیاں بیہودہ حجتوں اور منطق کی مانند دلیلوں اور نظری فلسفہ کی خیالی بلند پروازیوں سے بہت ہی ارفع ہیں۔ اگر خدا کی برکتوں سے حصہ لینے کی خواہش ہے اور اُس برکت سے اُسکی اور اُسکے نبیؐ کے اقوال کی جانچ کرنا چاہتے ہو تو نہایت انکساری سے صداقت کے لباس میں آؤ۔ راستی کا رستہ تلاش کرو۔ اُس کے فضل کے امیدوار رہو فروتنی سے ہر ایک بات کو مان لو اور پھر نور قلب سے غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ تم نہ دھوکے میں رہے نہ ٹوٹے میں اسکے بعد کچھ آثار نقل کیئے جاتے ہیں اور پھر ہم اپنے طور پر ایک عام نظر کرینگے۔

سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کی خرابی سے واقف ہو کے دعا سے غافل نہ رہو اور یہ نہ جانو ہم بُرے ہیں ہماری دعا قبول نہو گی اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خلق میں سب سے بُرے یعنی شیطان ملعون کی بھی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ قرآن کریم میں موجود ہے "قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون قال فانک من المنظرین"۔ یعنے اے رب تو مجھے ڈھیل دے اُسدن تک کہ مُردے جیویں۔ فرمایا تو تجھکو ڈھیل دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب راہ خدا میں فوجیں دشمنوں سے گلہ بگلہ ہوتی ہیں اُس وقت اور مینہ برسنے کے وقت اور فرض نماز کے لیئے تکبیر کہنے کے وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پس ان وقتوں میں دعا مانگنا غنیمت جانو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ نمازیں بہترین ساعات میں مقرر ہوئی ہیں تو ان کے بعد لازمی طور پر دعا مانگا کرو۔

حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ ان ہاتھوں کو دعا کے لیے اُٹھاؤ۔ پہلے اس سے کہ زنجیروں میں جکڑے جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے تو اُنھیں اُسوقت تک نہ ہٹاتے جب تک اپنے چہرے مبارک پر نہ پھیر لیتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے اور اُن کا اندر کا رخ اپنے منہ کی طرف رکھتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جب مدینہ منورہ آئے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور آواز خوب بلند کی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو جس ذات کو تم پکارتے ہو نہ وہ بہرہ ہے نہ غائب ہے بلکہ وہ تمھارے اور تمھاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے "ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها" میں فرمایا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنی دعا میں جہر و اخفات مت کرو۔

اسلام نے دعا کی جو حقیقت ظاہر فرمائی ہے وہ یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مگر ہم اسپر ایک عام نظر کرنے سے پہلے اپنے دوست دہریے صاحب کی مزاج پرسی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اصول موضوعہ میں کہاں تک حق پر ہیں۔

گزشتہ مضمون میں صرف دو ہی باتیں قابل توجہ ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے اور انسان ہی اُسکا خالق ہے دوسرے

اُس سے انکار کر دیا جائے۔ اور بڑھتے بڑھتے اُسے ناممکنات سے سمجھ لیا جائے۔ چونکہ توحید اور دعا ہم نے لازم و ملزوم قرار دی ہے اس لیئے ہم نے علاوہ اس ملحدانہ تحریر کے جو گزشتہ صفحوں میں گزر چکی یہ خیالات بھی نقل کر دیئے۔ جن کا جاننا موجودہ زمانہ میں ضروریات سے ہے۔ دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت اور مشقت کے نہیں حاصل ہوتی مگر دہریوں کا اصول موضوعہ یہ ہے کہ بغیر جانفشانی کے باتوں باتوں میں روحانیات کے اسرار کا علم ہو جائے۔ تجلیات ربانی جو برسوں کے مجاہدے اور مراقبے کا نتیجہ ہے اُنھیں بیٹھے بیٹھے حاصل ہو جائے۔ دنیا میں مصیبت اور آفت کا آنا یہ اُنھیں قوانین قدرت پر موقوف ہے جو روز ازل ہیں خداوند حقیقی مقرر فرما چکا ہے۔ درجہ مساوات کا دنیا میں نہ قائم ہونا خالق برحق کے رحم اور انصاف پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے راتوں کو جاگ جاگ کے اور دود چراغ پی پی کے علم تحصیل کیا۔ اور دوسرے شخص نے بے شغلی میں اپنی زندگی بسر کی اور پھر وہ دونوں برابر نہیں ہوجا جو مصیبت ہم پر آتی ہے ہمارے اعمال سے ہم ہی اپنے لیے آسایش کے سامان مہیا کر سکتے ہیں اور ہم ہی اپنے لیئے مصیبت مول لے سکتے ہیں۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہماری مصیبتیں دعاؤں سے رفع ہو سکتی ہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم سخت پشیمانی اور شرمندگی سے اپنی غلط کاریوں اور فراموشیوں کا اقرار کرکے اُسکی معافی اپنے معبود برحق کے آگے مانگیں گے تو فطری طور پر انسان جب دل سے اپنی کسی خطا کی معافی مانگتا ہے۔ اُسے نہیں کرتا تو پھر ہمیں اُن آفتوں سے جو ہم پر چھا رہی ہیں نجات ہو جائے گی۔ اسی کو استجابت دعا کہتے ہیں۔ اور یہی گویا روحانی مدارج پر پہنچنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ خدا کا تصور ناممکن ہے انسان اُسکے اندازہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسکی قوتیں جواب دیدیتی ہیں۔ اگر انسان اُسکا تصور نہ کر سکے تو کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کی ہستی سے انکار کرنا اپنی قوت متخیلہ کی حد سے تجاوز کر جانا ہے۔ یہ بھی عجیب مہمل بات ہو کہ جب خدا جانتا تھا کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُسنے مخلوق کیوں پیدا کی۔ یہ محض غلط ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پاتا ہے مگر اُس کا تکلیف پانا جب خود اسی کے اعمال کی وجہ سے ہے پھر اسمیں خدا پر کیا الزام آسکتا ہے۔ ہاں بُرے بھلے سمجھنے کی انسان میں قوت نہوتی تو بیشک یہ اعتراض ہو سکتا تھا اور جب اسمیں حق و ناحق اور بد و نیک کے سمجھنے کا ادراک موجود ہے پھر مصیبت کی شکایت کیسی۔ یہ دہریت کوئی نئی نہیں ہے۔ ابتدائے زمانہ سے ہوتی چلی آتی ہے اور ہمیشہ اِن خیالات کو شکست ملی ہے۔ دہریے جسے فطرت کہتے ہیں اور جسے محیط کائنات اور قادر مطلق تسلیم کرتے ہیں وہ فطرت کیا چیز ہے کیونکر پیدا ہوئی اس کا گھر کہاں ہے اور وہ کیونکر زندہ ہے اُسمیں کوئی ادراک بھی ہے یا نہیں ہے تو کہاں سے پیدا ہوا اور نہیں ہے تو کیوں شک ہے یہ سوالات ہیں جو ہم نے چند دہریوں کو لنڈن بھیجے تھے۔ مگر جواب کچھ نہ ملا سوائے اسکے کہ یہ باتیں انسانی عقل میں نہیں آسکتیں۔

دعا کی کیفیت سمجھنا اُس ایمان پر منحصر ہے جو خدائے واحد پر ہو۔ زبانی ایمان نہو بلکہ دل سے ہو۔ ہم زبان سے کہتے ہیں کہ خدائے مطلق پر ہمارا ایمان ہے اور وہ قادر مطلق ہے اور سمیع و بصیر ہے۔ مگر دل قبول نہیں کرتا لاکھوں میں مشکل سے ایک ایسا نکلیگا جس کا دل بھی خدائے برحق کی اُن صفات کی شہادت دیتا ہو اور سمجھتا ہو کہ میرے ہر کام کو

حق وناحق کی شناخت بھی نہیں رہتی۔ دہریوں کی صدہا کتابیں ہیں جن میں بظاہر ایسی ایسی باتیں مرقوم ہیں کہ ایک ایسا شخص جسنے کبھی دینی کتابوں کو سمجھ کے نہ پڑھا ہو ضرور دھوکے میں آجائے گا۔ مثلاً بڑے اعتراض ملحدوں کے یہ ہیں "لو فرضاً اگر خدا نیک ہے تو جب وہ جانتا ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُس نے مخلوق کیوں پیدا کی؟ فرض کیا کہ خدا منصف ہی تو وہ لوگوں کی گنہگاری کی سزا کیونکر دے سکتا ہے۔ جبکہ اُنھوں نے گنہگارانہ مزاج پیدایش سے پایا اور جسمیں اُنکی مرضی یا ضرورت کو دخل نہ تھا۔ فرض کیا کہ خدا راستی پسند ہے تو اُس نے گناہ کی کیوں اجازت دی؟ اخیر دنیا میں مصیبت اور برائی کیوں ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نیک ہو اور پھر بھی دنیا کی مصیبت اور برائی دیکھے اور اُسکے دل پر اثر نہو۔ یہ یقین نہایت ہی ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ خالق یا تو اسقدر بیرحم ہو کہ مخلوق کی مصیبت سے بےپرواہ ہو۔ یا ایسا کمزور ہو کہ اُسے روک نہ سکے۔ اگر خدا مصیبت روک سکتا ہے۔ اور نہیں روکتا تو وہ نیک نہیں ہے۔ اور اگر روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا تو وہ قادر مطلق نہیں ہے"؟

پھر ایک محقق ملحد یہ لکھتا ہے "دہریہ مذہب میں خدا نہیں ہے۔ دہریہ مذہب یہ نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ خدا سے کیا مراد ہے۔ میں خدا کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لفظ خدا ایک آواز ہے جو میرے نزدیک صاف اور واضح مطلب نہیں رکھتی۔ میں خدا سے انکار نہیں کر سکتا جو میرے خیال میں نہ آئے اور جس کا تصور خیال کرنیوالے کے نزدیک ایسا نامکمل ہے کہ وہ اُسکی تصریح نہیں کر سکتا۔

پھر ایک اور ملحد لکھتا ہے "دہریہ نہ تو کسی ایسے ظہور کے امکان سے اقرار کرتا ہے نہ انکار جو ان ظہورات سے جدا ہو جس کو انسانی عقل نہ قبول کرے چونکہ کائنات کے بارے میں اُسکا علم محدود ہے اسلیئے وہ اُس شے کی ہستی سے نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار۔ جس کا اسے علم نہیں ہے۔ دہریہ کا مطلب صاف عیاں ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے خدا کا علم نہیں اس لیئے میں اُسکا یقین نہیں کرتا۔ پس جو کچھ تم اپنے خدا کے بارے میں کہتے ہو وہ تمھارا بیان ہے اور اس وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ میں خدا سے انکار نہیں کرتا۔ جسکو میں نہیں جانتا۔ میں تمھارے خدا سے انکار کرتا ہوں جو ناممکن ہے"۔

پھر ایک اور ملحد لکھتا ہے "میں خدا کا یقین نہیں کرتا۔ میرا دل تلاش کرتا ہے پر ایسی زمین نہیں پاتا جس پر عاقلانہ اعتقاد کی عمارت تعمیر ہو سکے۔ میرا دل اُس خدائے مطلق کی بے پروائی سے بغاوت کرتا ہے جو وہ ذی روح انسان کی تکلیف کے ساتھ کرتا ہے۔ میرا دل اس نامنصفی بے رحمی اور عدم مساوات سے بغاوت کرتا ہے جو مجھے ہر طرف گھیرے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے انسان اور اُسکی قوت کا یقین ہے۔ اور اُس کی خدمت کو انسانی فرائض کا جزو اعظم سمجھتا ہوں"۔

ایک اور ملحد لکھتا ہے "انسان ایک ایسی شے ہے جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور دنیا میں مرجاتا ہے اور اُس کے اعمال دنیا ہی میں محدود اور دنیاوی قواعد سے مربوط ہیں۔ زندگی کا مقصد انسان کی جسمانی دماغی اور اخلاقی اصلاح ہے یہ سب چیزیں مادّی ہیں"۔

یہ خیالات ہیں جنسے یورپ دن بدن تاریک ہوتا جاتا ہے۔ یہ عجیب استدلال ہے کہ جو بات خیال میں نہ آسکے

چھ آنے ملنے لگیں ایک مصنف ہمیشہ اپنی تصانیف کی مقبولیت کی دعا مانگتا ہے ایک بادشاہ ہمیشہ اپنی وسعت سلطنت کی خواہش رکھتا ہے مگر اس قسم کی تمام دعائیں اُس وقت مقبول ہوتی ہیں جب دعا مانگنے والے اپنی کامیابی میں کوشش بھی کرتے رہیں کیونکہ اگر انہوں نے کوشش نہیں کی اور یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے دعا مانگی تو سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے کفران نعمت کیا اور اُن قوتوں کو معطل کر دیا جن قوتوں کی وجہ سے وہ اشرف یعنے کائنات کا سردار بنا۔ یہ دعا نہیں بلکہ ایک قسم کی سخت سوء ادبی اور خیرہ چشمی ہے جو جاہل اور ظالم انسان اپنے معبود برحق کی کرتا ہے

دعا کے معنی مانگنے اور اجابت یا استجابت کے معنی مراد مانگنے والے کی مراد کو پورا کر دینا۔ منتہی الارب میں جو بطور ترجمہ قاموس کے ہے یہی یعنی لکھے ہیں "اجاب اللہ دعاءہ" یعنے قبول کی خدا نے اس کی دعا۔ قرآن مجید میں سورہ انبیاء میں آیا ہے ونوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا له فنجيناه واهله من الكرب العظيم "یعنی لوگوں کو نوح کا واقعہ یاد دلاؤ جب انہوں نے ہمیں پکارا اور یہ بہت پہلے کا واقعہ ہے تو ہم نے اُن کی سن لی اور ان کو اور اُن کے ساتھ کے لوگوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔ اس صریح قول خدا سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت نوح ایک برگزیدہ بندہ تھے اور وہ بندہ جن کے دل پر مطابق قانون فطرت کے تجلیات ربانی چھا رہی تھیں اول اُن کا بطور خود اُن عقلی قوی سے کام لینا جو اُن میں بحیثیت ایک انسان کے ودیعت ہوئے تھے یعنے ناؤ کا اہتمام کر کے اُس میں سوار ہونا اور پھر خدائے برحق کے حضور میں اپنی اس تدبیر اور عقل کو محض فضول سمجھ کر دست بدعا ہونا کہ گو میں نے تدبیر تو سب کر لی ہے مگر بچانے والا تو ہی ہے یہ خاص دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ پہلے اپنی عقل اور تدبیر سے کام لینا چاہئے اور پھر خدائے مطلق کے حضور اپنی التجا لیجانی چاہئے۔

مزدور جبتک مزدوری نہ کرے گا کیونکر اُس کی ترقی دعا مانگ سکتا ہے۔ ایک شخص جب تصنیف نہ کرے گا کیونکر اپنی تصنیف کی مقبولیت عامہ کی دعا کر سکتا ہے۔ پادشاہ جب پادشاہ ہے تو اپنی سلطنت کی وسعت کی دعا کرے گا اور جب اُسے سلطنت ہی حاصل نہیں ہے پھر وہ کس کی وسعت کی دعا مانگے گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی ہی نہ بناتے اور اُس پر سوار ہی نہ ہوتے کیونکر پانی سے نجات پانے کی دعا کر سکتے تھے اسی طرح اس آیت میں ہے "رب هب لی من الصالحين فبشرناه بغلام حليم" یعنے پس ہم نے صاحب علم لڑکے کی اُسے بشارت دی۔ اس آیت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی بشارت اُسی وقت دی گئی ہے جب خاوند اور بیوی موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی دعا ایسی حالت میں کی جب وہ اپنی بیوی کیساتھ رہتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کبھی دعا نہ فرماتے۔ بغیر اسباب اور محنت کے دعا نہیں ہو سکتی۔ یہ انتہا درجہ شان عبودیت ہے کہ انسان اپنے قوائے ذہنی اور جسمانی سے کام لینے کے بعد اُس کی کامیابی اور نتیجہ کو اپنے معبود برحق پر چھوڑتا ہے اپنی عقل اور محنت پر گھمنڈ نہیں کرتا اور اپنے کو اور اپنی محنت کو لاشئے محض سمجھتا ہے۔

• جو کچھ ہم نے دعا کی حقیقت بیان کی ہے وہ ایک لاثانی حقیقت ہے جسے غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم نے دعا میں وہ تحقیق کی ہے کہ اور مفسروں کے خیال میں نہیں آئی تو بھی ہم حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی نہایت

خداوند کریم دیکھتا ہے۔ ہم ناشایستہ افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ہمیں اس کا خیال بھی نہیں گزرتا کہ خلاق اکبر دیکھ رہا ہے۔ جب ہم ایک ادنیٰ شخص کے آگے اِس قسم کا کوئی فعل نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھکے وہ فعل کرینگے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کا اقرار کرنا محض زبانی جمع خرچ ہے دلمیں مطلق اُسکا اثر نہیں اور جب دلمیں اثر نہیں تو پھر ہم کس مُنہ سے اپنی حاجتیں اُسکے حضور لیجا سکتے ہیں۔ عموماً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ تمام عمر ناک رگڑ رگڑ کے مر گئے مگر ایک دن بھی دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ محض غلط ہے۔ یہ اُس ذات پاک پر الزام قایم کیا جاتا ہے اُس سے کبھی دعا نہیں کی گئی۔ وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے جو پکارتا ہے جواب دیتا ہے اور جو شخص چاہتا ہی وہ ہو جاتا ہے یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بیہودگیوں سے دعا اور اُسکے منشا کو بالکل بدل رکھا ہے۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں کہ ہم کس وحدہ لاشریک ذات پر الزام قایم کرتے ہیں اور کس کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہ شان اسلام ہرگز نہیں ہے اور خدا جانتا ہے کہ ضرور ایسے لوگ قیامت کے دن جواب دہ ہوں گے۔

انسانی فطرت میں دعا کی کیفیت ودیعت ہوئی ہے اور اس سے کوئی دہریہ اپنے اصول موضوعہ سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جب انسان صبح سے شام تک محنت کرتا ہے۔ اور اپنی آیندہ کامیابی کے لیئے خون پسینہ ایک کرتا ہے تو اس محنت کے درمیان یا اُس کے بعد جو حالت اُسکے دل کی از خود بغیر کسی تحریک کے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھے اپنی محنت کا پھل ملے۔ اور وہ محض فطری طور پر اس خواہش کا اظہار کرتا ہے اور اُس کا یہ اظہار کرنا قانون قدرت کے مطابق ہے یہ اظہار یا یہ خواہش یا یہ آرزو کیا ہے وہی دعا ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ ہم قبول کرتے ہیں کس کی محنت دنیا میں برباد جاتی ہے۔ اور کون شخص اپنی کوشش کا پھل نہیں پاتا۔ بعض اوقات ناکامی بھی ہو جاتی ہے اور یہ ناکامی بڑھتے بڑھتے محنت یا سعی میں سُستی پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہ سُستی پے ہونا بڑھتے بڑھتے خطرناک حالت میں پہنچا دیتا ہے خدائے تعالیٰ کی لازوال قوتوں کے خیال میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ کمزوری زیادہ ہوتے ہوتے خودکشی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ اور اخیر کمزور انسان خلاف مرضی باریتعالیٰ قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور اس رخصت ہونے کو عرفاً خودکشی کہتے ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچانیکے لیئے شارع اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ اگر دعا قبول نہو سمجھ لو کہ تمھارے لیئے کوئی اعلیٰ درجہ کی خیر خزانہ خداوندی میں مضمر ہے۔ اور وہ کبھی نہ کبھی ملے گی۔ یہ خیال انسان کو خودکشی سے باز رکھ لیتا ہے اور اس سے بہتر حکمت کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ اس کے مقابل میں ایک ملحد کو دیکھو۔ اُسکے اُصول موضوعہ ہر حالت میں اُسکی رہنمائی کرتے ہیں اور وہ اُصول موضوعہ بلحاظ اپنی قوت کے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں جبتک اُن میں ادراک و فہم سلیم کی قوت ہی انسان بہت خوش رہتا ہے اور جہاں اُن اُصول موضوعہ میں کمزوری آگئی بس پھر ملحد کی جان کی خیر نہیں ہے اور وہ اُسے نہایت ہی ناکام حالت میں مایوس مار ڈالتے ہیں۔

جو کچھ ہمنے دعا کی نسبت لکھا ہے اور اُسے ایک فطری کیفیت انسان کی ثابت کی ہے۔ اِسکے لیئے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہی کیونکہ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں اور ایسی بدیہی ہیں جس طرح چاند اور سورج۔ یہ کبھی اتفاق ہی نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اپنی فطرت کے خلاف کسی چیز کی خواہش کرے۔ ایک مزدور ہمیشہ اپنی مزدوری کے لیئے دعا کرتا ہے کہ چار آنہ

اسرارہ فرماتے ہیں۔

چوں بگرید یا نمی بجوشد رحمتم — آں فروشندہ نیوشد نعمتم
رحمتم موقوف آں خوش گریہ ہاست — چوں گرست از بحر رحمت موج خاست
تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

اسی طرح ابن عطاء اللہ اسکندری شادلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب حکم میں لکھا ہے "ما طلب منك شئ مثل الاضطرار ولا اسرع بالمواھب مثل الذلۃ والافتقار" یعنے مثل اضطرار کے تو نے کسی چیز کو نہیں چاہا اور مثل عاجزی اور محتاجی کے جو بخشائش کی جلد تر موجب ہے۔ ابو محمد عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "للعبودیۃ الرجوع الی اللہ تعالیٰ فی کل شئ علی حد الاضطرار وفیہ ایضاً خاصیۃ اجابۃ الدعاء قال اللہ تعالیٰ امن یجیب المضطر اذا دعاہ والاضطرار المطلوب منہ ان لا یتوھم العبد من نفسہ شیئاً من الحول والقوۃ ولا یری لنفسہ شیئاً من اسباب یعتمد علیہ و یستند الیہ یکون کالغریق فی البحر والضال فی البیداء القفر لا یری لغیاثہ الا مولاہ ولا یرجو لنجاۃ عن ھلکتہ احداً سواہ" یعنے عبودیت سے یہ منشا ہے کہ بحد اضطرار کے ساتھ ہر کام میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اضطرار میں دعا کے قبول ہونے کی بھی مناسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ کون ہے جو مضطر کی جب وہ دعا کرتا ہے قبول کرتا ہے اور اضطرار جو بندہ سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت اور قوت کا اپنے دل میں کچھ وہم بھی نہ کرے اور اپنے حق کسی اعتماد اور سبب کو نہ دیکھے کہ اس پر تکیہ کرے اور ہو مثل غریق کے سمندر میں اور مثل بھٹکے ہوئے کے جنگل میں کہ بجز اپنے مولا اپنا شانہ کے کسی فریادرس کو نہ دیکھتا ہو اور سوائے خدائے تعالے کے اپنی نجات کی ہلاکت سے کسی سے امید نہ رکھتا ہو"۔ جو ہم نے لکھا ہے سب کا یہی مدعا ہے کون ہے جو دعوے کر سکتا ہے کہ جب اس نے دعا مانگی اس کے دل اور زبان کی ایک حالت تھی۔ کون ہے جو زبان سے مشکل کشا کہتا ہے مگر اس کا دل زبان کی صداقت کی شہادت دیتا ہے۔ ہمارا جو کچھ عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چاہے جو کچھ دعا کرے بشرطیکہ وہ دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ میری دعا قبول ہوگی اور خدا قادر مطلق ہے ضرور اس کی دعا قبول ہوگی مگر نہیں یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ وہ خدا کی قدرت کا خفیف سا بھی اندازہ کر سکے وہ کیونکر ایسا یقین کر سکتا ہے اور اس قسم کی دعا مانگ سکتا ہے جو اس کی ہستی کے خلاف ہو۔ ایک آرزومند باپ ہمیشہ اپنے لڑکے کے سعادتمند ہونے کی دعا کرے گا نہ کہ اس کی نبوت کے لئے دعا مانگے گا۔ ایک بے اولادی عورت سعادتمند عمر والے بچہ ہونے کی دعا مانگے گی نہ کہ ہی اس کے یہ دعا نہ کرے گی کہ میرے ہاں بچہ بھی پیدا ہو اور ہوتے وہ بادشاہ ہو جائے۔ خدا کے خزانہ میں تو کچھ کمی نہیں ہے اس سے جو کچھ مانگو گے دیگا مگر اصل یہ ہے کہ خداوند تعالے کی حضوری ہزار دولتوں اور ہزار بادشاہوں سے برترین و اعلےٰ ہے کون ایسا نادان ہے جسے دیدار باری تعالے نصیب ہو اور وہ پھر ذلیل اور فانی چیزوں کی خواہش کرے اور جس کے دل میں ایسی چیزوں کے خواہش کرنے کا مادہ ہے وہ ہرگز حضور خداوندی میں نہیں حاضر ہو سکتا دعا جو واقعی مغز عبادات ہے عجیب و غریب بندگی ہے خدا ہی جانتا ہے اس کی لذت کیسی ہے۔

درجہ تعریف کرتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ دعا کی نسبت لکھا ہے وہ قریب قریب ہمارا سا بیان ہے اگرچہ ہمارے بیان میں علوم جدیدہ کا زیادہ رنگ ہے اور محض واقعات اور فطرت انسانی سے ہم نے بحث کی ہے اور یہ باتیں قدیم زمانہ میں نہ تھیں جو کچھ ہم نے دعا کی نسبت لکھا ہے اور جو کچھ ہمارے امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے موازنہ کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔ ثم فی الدعاء من الفائدۃ ما ذکرناہ فی الذکر فانہ یستدعی حضور القلب مع اللہ تعالیٰ وھو منتھی العبادات والعبادات والغالب علی الخلق انہ لا تنصرف قلوبھم الی ذکر اللہ تعالیٰ الا عند الماس حاجۃ وارھاق ملمۃ فان الانسان اذا مسہ الشر فذو دعاء عریض فالحاجۃ تحوج الی الدعاء والدعاء یرد القلب الی اللہ عزوجل بالتضرع والاستکانۃ فیحصل ھذا الذکر الذی ھو اشرف العبادات ولذلک صار البلاء موکلا بالانبیاء علیھم السلام ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل لانہ یرد القلب بالافتقار والتضرع الی اللہ عزوجل ویمنع من نسیانہ واما الغنی فسبب البطر فی غالب الامور قال ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی۔" **ترجمہ** یعنی دعا میں وہ فائدہ ہے جس کا ذکر ہم نے ذکر کے باب میں کیا ہے دعا بیشک حضور قلب کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ چاہتی ہے اور یہ حضوری منتہائے عبادت ہے اس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا مغز عبادت ہے اور مخلوق کا غالب احوال یہ ہے کہ اُن کے دل خدائے عزوجل کی طرف رجوع نہیں کرتے ہاں جب اُن پر سختی پڑتی ہے اور انہیں کوئی حاجت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے وہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے) پس حاجت حاجتمند کرتی ہے دعا کی طرف اور دعا دل کو اللہ عزوجل کی طرف عاجزی اور تذلل کے ساتھ رجوع کرتی ہے پس حاصل ہوتی ہے خدا کی یاد جو اشرف عبادات ہے اور اسی سبب سے بلا انبیاء پر پھر اولیاء پر پھر درجہ بدرجہ موکل ہوتی ہے اس لئے کہ وہ دل کو احتیاج اور عاجزی سے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کراتی ہے اور یاد خدا کی فراموش کرنے اور تونگری سے جو مال کی مستی کی وجہ سے ہوتی ہے مانع آتی ہے۔ بیشتر اوقات اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان جب اپنے کو غنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے فقط۔

یہ ہے دعا کی حقیقت جو ہمارے فاضل امام اور رکن شریعت غزالی نے تحریر فرمائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بندہ کے حضور پوری عبودیت کی شان سے حاضر ہونا اس سے زیادہ اشرف عبادت نہیں ہو سکتی۔ رونا اور زاری کرکے اپنی بے بضاعتی اور نالائقی کا اقرار کرنا اور اپنی ادنےٰ اور ذلیل ترین حالت پر آنکھ سے آنسو بہانا یہی عبودیت اور بندگی ہے۔ رونا جب دل سے ہوتا ہے قوت دیتا ہے دل کی ربانی قوت کو اور صاف کر دیتا ہے اُن کدورتوں کو جو دل پر جمی ہوئی ہیں جو دل سے رویا ہے وہ اس کی لذت سے پورا واقف ہے اپنے معبود حقیقی کے حضور زار زار رونا اور آہ و زاری کرنا ایک عجیب برکت ہے جو خاص انہیں بندگان خدا کا حصہ ہے جنہوں نے کوچہ معرفت اور حقیقت کی سیر کی ہے۔ ایک شب کی سچی زاری سے خود اس عاجز نے مدینہ منورہ میں حضور فخر موجودات سرور دوجہاں احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کر لی جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں کر دیا ہے رونا اور وہ بھی اپنی بدکرداریوں اور غلط کاریوں پر رونا خود حضور خداوندی میں سفارشی بن جاتا ہے مولانا قدس اللہ

اُنہیں پینے کی ضرورت نہیں رہی۔

جس بات سے واقف نہیں ہو اُس کا انکار نہ کرو جس بات کو نہیں جانتے اُسکے جاننے کی کوشش کرو نہیں کوشش کرنا چاہئے تو اُسکا بطلان نہ کرو ملحد ہو یا دہریہ جسے قانون قدرت اور فطرت پکارتا ہے ابھی اُس کا ہی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کرسکتا معمولی مثالوں اور واقعات سے پوشیدہ اسرار کا پتہ لگانا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ابھی انسان ہی میں بہت سی صفات اور جوہر ہیں جن کا پتہ لگانا بہت دور پڑا ہوا ہے جب یہ منزل ہم پوری کر چکیں گے تو پھر خدائے تعالےٰ کے اسرار ڈھونڈنے کی باری آئے گی جسے ابھی صدیاں چاہئیں۔ آسمان پر اُڑنا یا بجلی سے کام لینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ان دوچار چیزوں سے ہم کائنات کی ایک ایک چیز کا علم کیونکر حاصل کرسکتے ہیں اور اگر ہم نے اپنے خیال میں اُن کی کوئی حالت قایم کی تو پھر اُس کی کیا دلیل ہے کہ ہمارا قیاس صحیح ہوگا۔ زمین ہی کے بہت سے حصص کے حالات اثری علوم اور ایجادات میں بھی باقی ہیں اور کیا عجب ہے کہ صدیوں تک ہماری لاعلمی کی یہی کیفیت رہے۔ اُس کے راز وہی خوب جانتا ہے اور بغیر اُس کی رہنمائی کے اپنی عقل سے پتہ لگانا دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست کا حکم رکھتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا ہے کہ مجھسے دعا مانگو ہمیں اُس کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے لیکن جہاں تک ممکن ہو ناقص تعمیل نہو بلکہ اُنہی قواعد کے موافق ہو جو اُس نے ہماری فطرت میں ودیعت کئے ہیں۔ فطری اور طبعی قواعد کی خلاف ورزی کرنی قانون قدرت کی سرتابی ہے اور قانون قدرت کی سرتابی خدا کی سرتابی ہے اور خدا کی سرتابی انسان کی روحانی اور جسمانی ہلاکت کی نشانی ہے۔ ایسی ہلاکت سے جہانتک ہو بچنا چاہئے۔

آؤ اور نہایت خلوص اور سچی عقیدت سے ایک ہی بار اللہ کا نام لو پھر تجلیات ربانی کو دیکھو اور اُس وقت غور کرو کہ تمہارے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے خیالات میں صفائی اور بلند پروازی کتنی پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں میں قوت اور نور کس قدر کوٹ کوٹ کے بھر جاتا ہے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں مگر دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا قرآن پڑھتے ہیں مگر طوطے کی طرح اول تو معنی ہی نہیں سمجھتے اور سمجھتے ہی ہیں تو دل کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہزاروں قسمیں کھا جاتے ہیں مگر ذرا بھی خوف نہیں آتا کہ ہم کس ذات قادر مطلق وحدہ لاشریک کو نہایت نالایقی اور سوء ادبی سے ہر بار اپنی ضمانت میں دیتے ہیں اور افسوس ہے کہ وہ ضمانت میں دینا بھی محض زبانی ہوتا ہے دل سے کچھ تعلق نہیں۔ تمام عمر نمازیں پڑھتے گذر جاتی ہے مگر تمام زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوا جس میں سچے دل سے ایک بار بھی خدا کا نام نکالا ہو جب ہم کسی ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جو دنیا کی حیثیت سے ہم سے زیادہ ہو یا اُس کی حکومت جزوی طور پر ہم پر ہو اور ہم اُس کا نام لیں تو یکایک اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ ہم اُسکا ادب سے نام لیں مبادا کوئی لفظ خلاف شان زبان سے نکلجائے اور اس تک کوئی خبر پہنچا دے اور پھر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچائے مگر واے برحال ما کہ ہم یہ بھی کہتے جاتے اور عقیدہ رکھتے جاتے ہیں کہ خدا علیم اور بصیر ہے اور پھر وہ وہ افعال شنیعہ کرتے ہیں کہ جانوروں ہی کو سزاوار ہیں غیبت ہم کرتے ہیں شراب ہم پیتے ہیں زنا ہم کرتے ہیں سب سے زیادہ حق العباد میں ہم دست اندازی کرتے ہیں اور ایک بے یار و مددگار مظلوم معصوم کا چھری سے ہم گلا کاٹتے ہیں اور اُف تک نہیں کرتے یہ ہماری حالت ہے اور یہ ہمارے اعمال ہیں کہ شیطان بھی شرم کرتا ہے اور پھر ہماری نادانی حماقت اور سخت گستاخی دیکھو کہ ہم ان افعال شنیعہ اور افعال جنبیثہ کے مرتکب ہو کے خدائے مطلق و واحد کے حضور جاتے ہیں اور اُس سے وہ آرزو کرتے ہیں جو نہ صرف ہمارے حق میں سم قاتل ہو بلکہ اُس سے کئی بے گناہ بھی برباد ہو جائیں اور جب ہماری وہ دعا قبول نہیں ہوتی تو خالق حقیقی پر الزام رکھتے ہیں اور بطور مضحکہ دعا و استجابت دعا کی نئی نئی تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور زبان سے کبھی کبھی کفر آمیز کلمے بھی کہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ ہیں وہ بد باطن جو خدا اور اُس کے نبی کے وعدوں کا ابطال کرتے ہیں۔ آہ اے ہماری ضعیفی قلب اور بدباطنی آہ تو نے ہمیں کیسا ذلیل کر دیا اور خبر نہیں تو ہمیں کہاں تک ذلت و گمراہی کے کانٹوں میں گھسیٹے گی۔ جو کچھ دعا کی اصلی حقیقت تھی وہ ہم لکھ چکے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک پہلو بھی ہم نے اُس کا فروگذاشت کیا ہے مختصر یہ ہے کہ دعا چونکہ مغز عبادت ہے اس لئے توحید کے ساتھ اس کا لازمی ہونا ضروری ہے۔ توحید و دعا گویا تو لازم و ملزوم ہیں یا اگر ایک گہری نظر کرو تو دونوں مترادف الفاظ ہیں اگرچہ اُن کے ظاہری معنی الگ الگ ہیں مگر اُن کے باطنی مفہوم ملے ہوئے ہیں اور اُن میں کچھ بھی فرق نہیں ہے اُس کا موحد ہونا مشکل ہے جو سچا دعا مانگنے والا نہ ہو اور جو سچائی اور خلوص سے دعا کرنے والا ہے اُس کا موحد ہونا لازمی ہے۔ دعا اور توحید دو سر چشمے ہیں جن میں سے معرفت اور حقیقت کی دو نہریں نکلی ہیں خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے آب معرفت کو پیا ہے۔ زیادہ خوش قسمت وہ جنہوں نے بار بار پیا ہے۔ اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے ایک ہی بار ایسا سیراب ہو کے پیا ہے کہ پھر دوبارہ

اعمال کے نتائج کا دار و مدار ہے کیوں پس پشت ڈالی جائے اور وجہ کیا کہ اپنی فہم و فراست سے ایک حد تک کام نہ لیا جائے کوشش کرنی چاہیے خدا بھی مدد دے گا کسی مسئلہ کو لاینحل سمجھکر اُس سے دست بردار ہو جانا شان انسانیت اور علم سے بعید ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ابھی تک ہمارا ترکیب اجسام ہی کا علم نہایت ناقص اور ناکمل ہے پھر ہم کیونکر روح کی کُنہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ تو بھی ہم دن بدن اُس میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور روزمرّہ ہمیں کچھ نہ کچھ نئی بات معلوم ہوتی رہتی ہے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کے بعد ہمیں روح کی حقیقت معلوم ہو جائے اور پھر آیندہ زندگی کا مسئلہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دینے لگے اور اس کے بعد طول طویل مباحث کی ہمیں پھر کچھ ضرورت ہی نہ پڑے اس کا تو ہمیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ مسئلہ صاف ہو کے رہے گا اور پھر آیندہ زندگی کے تمام شکوک رفع ہو جائیں گے یہ ہم نہیں کہتے کہ کب اور کس صدی میں اس کے حل ہونے کی باری آنے کی یا کے ہزار برس میں جا کے انسان اس کی کُنہ تک پہنچ سکیگا۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علمائے اسلام کے اقوال نقل کرنے سے پہلے حکمائے یونان وغیرہ کی آرائے اس مشکل مسئلہ کی بابت نقل کر دیں اور اس پر کچھ رد و قدح نہ کریں صرف اپنے ناظر تفسیر کے مطالعہ کے لئے چھوڑ دیں۔ تاکہ اس سے خیال کو وسعت۔ ذہن کو جودت اور عقل میں روشنی پیدا ہو۔ اس کے بعد علمائے اسلام کے اقوال اسی طرح نقل کر کے پھر بطور خود ذرا بسط کے ساتھ اس مسئلہ میں بحث کریں گے۔

روح کی نسبت حکمائے قدیم نے چار سوال کئے ہیں (۱) روح حقیقت میں کیا چیز ہے ؟ (۲) یہ کہاں رہتی ہے (۳) اس کا منبع کیا ہے ؟ (۴) اور موت کے بعد اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے ؟۔ بعض حکما کا تو یہ خیال ہے کہ قلب خود روح ہے اور یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

(۱) امپی ڈوکلس کہتا ہے روح اس خون کا نام ہی جو دل کی رگوں میں دوڑتا ہے۔

(۲) بعض کا یہ خیال تھا ہے کہ دماغ کے ایک خاص حصّہ کو روح کہتے ہیں۔

(۳) اکثر حکما کا یہ مقولہ ہے کہ دل اور دماغ روح نہیں ہیں بلکہ یہ روح کے جائے قیام ہیں اور روح کیا تو آگ کی شکل کوئی چیز ہے یا سانس کو روح سمجھنا چاہیے۔

(۴) یہی رائے حکیم زینو کی بھی ہے جو مذہب اسٹوئک کا بانی ہے۔

(۵) ارسطوزینس نے روح کو جسم کے مختلف حصص میں شریک مانا ہے۔

(۶) زینوکریٹس نے روح کے کئی حصّے کر کے اُسے مختلف اعضا میں تقسیم کیا ہے۔

(۷) فیثاغورث کی بھی یہی رائے ہے کہ روح ایسا مادّہ ہے جس کی تفریق ہو سکتی ہے۔

(۸) افلاطون کہتا ہے کہ روح میں تین ممتاز جوہر ہیں۔ ایک جوہر فراست ہے جو دماغ میں رہتا ہے اور باقیماندہ دو جوہر خواہش اور طیش ہیں سینہ اور دل میں رہتے ہیں یعنی خواہش سینہ میں اور طیش دل میں۔

(۹) ارسطو کا بیان ہے کہ چار چیزیں یا اصول جن سے تمام اشیا کی ساخت ہوتی ہے مثلاً فکر، علم محبت۔ اور

آٹھواں باب

روح

دنیا میں کوئی مسئلہ نہیں ہے جس میں اس قدر اختلاف ہو جتنا روح انسانی میں ہے۔ اور حقیقت میں اس مسئلہ میں اختلاف کا ہونا ضروری امر ہے ایک شے جو نہ محسوس ہوتی ہو اور نہ دکھائی دیتی ہو اور جس کا راز کسی نبی نے بھی نہیں بتایا اور نہ الہامی کتب میں اس کا پتہ ہے اس میں جس قدر اختلاف ہو تھوڑا ہے۔ باینہمہ ہر زمانہ اور ہر عہد اور ہر قوم میں اس کی جستجو بہت کچھ رہی کہ روح کیا چیز ہے اس کی اصل کیا ہے اور اس کے رہنے کی خاص جگہ کونسی ہے۔ حکیم اور فلسفی نے اپنی اپنی رائے اور اپنے مذاق کے مطابق اس کا جواب دیا مگر ان سب جوابوں کو جمع کرنے کے بعد بھی کوئی بین نتیجہ نہیں نکلتا نہ ان سے کوئی عاقلانہ پہلو پیدا ہوتا ہے اور نہ سچا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے اگرچہ اس بحث اور گفتگو کو گنجائش نہیں دی پھر بھی بہت سے علما گزر گئے ہیں جنہوں نے اس کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک ان سے ہو سکا اس کی کنہ تک پہنچنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اب یہ بات کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے یا نہیں دوسری ہے اور اس کی بابت ہم ابھی کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے۔ مضمون تو نہایت ادق اور مشکل ہے پھر بھی ہم ایک حد تک اس کے حل کرنے کی کوشش کریں گے کیا عجب ہے کہ ہم کسی قدر اپنے ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکیں اور بد قسمتی سے ہم اس میں ناکام بھی ہو گئے پھر بھی اتنا تو ضرور ہو گا کہ ناظر کو حکمائے سابقین اور علمائے اسلام کے اقوال کا موازنہ ہمارے رائے سے کرنے کا موقع ملے گا اور انہیں روح کی بابت ایک ذخیرہ ہاتھ لگ جائے گا اور وہ ضرور اختلاف آراء سے کچھ نہ کچھ نتیجہ اپنے مطلب کے لئے نکال لیں گے۔

مذہبی دنیا میں قدرتی طور پر روح کو کوئی چیز ماننا لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ تمام ادیان عالم کا دارومدار صرف روح پر ہے اگر ہم روح کو لاشے محض مانیں تو پھر ہر مذہب کے کل اصول لغو اور باطل ہو جائیں گے اور پھر کسی شخص کو ضرورت نہ رہے گی کہ وہ اپنے کو مذہبی زنجیروں میں جکڑا رکھے اور بلا وجہ آئندہ زندگی کی بیم و رجا کے پھندوں میں پھنسائے رکھے وہ محض آزاد ہے چاہے جو کچھ کرے اور چاہے جس آزادی سے آزاد خیال کا پیرو ہو۔

جس طرح قدرت نے انسان کے ساتھ مذہب لازم کر دیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ یہ خاص اس بسیط جوہر کو بھی مانے جس نے اسے تمام عالم میں اشرف یا بالفاظ دیگر اسے تمام عالم کا سردار بنایا ہے ساتھ ہی اگر ہو سکے تو اس کی حقیقت کو بھی جانے اور اس کی پروا نہ کرے کہ اسے کامیاب ہونے میں کتنی صدیاں درکار ہیں کچھ نہ کچھ تفتیش اس کی ہر زمانہ اور ہر عصر میں ہونی چاہئے کیا عجب ہے کہ یہ مسئلہ چھنتے چھنتے ایک دن حل ہو جائے اور وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا جائے۔ وہ چیز جس پر انسان کے نیک و بد

نکال کے پھینک دیں گے۔ ہماری خوشی کی تکوین کیونکر ہوتی ہے جب ہم ہر قسم کی حفاظت سے آزاد ہو جاتے ہیں تو
ہم دلی شوق سے اپنے کو اُن چیزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے ہمیں لازوال خوشی حاصل ہو جب خوشی حاصل ہوگی
تو آزادی ایک بڑی حد تک حاصل ہو جانا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آزاد ہونے کے بعد ہم اپنے کو تمام اشیا کی حقیقت
دریافت کرنے میں مستغرق کر دیں گے پھر ہمیں معلوم ہوگا کہ اصل کیا ہے اور کامل حقیقت کس کا نام ہے۔ خود ہمارا یہ مقام
ہمیں آپ ہی روحانی اشیا پر خیال کرنے اور اُن کی کنہ تک پہنچنے کا رستہ دیدے گا اور وہ خیالات جو پہلے ناممکن یا محال
معلوم ہوتے تھے سہل ہو جائیں گے پھر ہم میں روحانیات کے حسن میں مستغرق ہو جانے کی آگ بھڑک جائے گی
اور ہم فطری طور پر صداقت تک پہنچ جائیں گے۔ اور اُس کی اصلی حقیقت کم و بیش ہم پر منکشف ہو جائے گی پھر ہم میں یہ
قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ ایک ہی نظر سے تمام دنیا کے حالات کا مطالعہ کر لیں گے اور ہمیں بآسانی جزو کل کا علم
ہو جاتے گا ہماری زندگی زندگی ہوگی اور ہماری موت موت۔ اُس وقت ہماری نظر کی کیا کیفیت ہوگی جب ہم ایک ہی بار
کل دنیا کے مقام شکل حدود اور تمام اس کے حصص کا ملاحظہ کر لیں گے خواہ وہ حصے آباد ہوں یا ویران سرد ہوں یا گرم
اب یہاں فلسفیانہ خیالات کی وسعت کا اندازہ کرو۔ ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم کس تاریکی اور کس مصیبت میں مبتلا تھے جب
ہماری آنکھیں ہوئیں تو ہم نے اسی تاریکی میں ایک قابل توصیف اور تسکین بخش اصول دیکھا اور وہ اصول یہ ہے کہ روح
غیر فانی ہے اور آیندہ زندگی میں ہمیں دائمی محبت میں رہنے کا مرتبہ ملے گا اور یہ وہ مقام محبت ہوگا جس کی ہمیں مدت سے
تلاش تھی اور جس کا ملنا ہر نیک اور باخبر انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔

جو فلسفی کہ روح کو غیر فانی مانتے ہیں اُنہوں نے بعد موت اسے ایک پر جلال اور شریف مرتبہ دیا ہے۔ جہاں تک
بغور ارسطو کی کتابوں کا مطالعہ کیا گیا یہ نہیں معلوم ہوا آیا حکیم بھی مذکورہ اصول کا قایل تھا یا نہیں۔ اس مسئلہ نے
فلاسفہ کی تفریق کر دی ہے۔ افلاطون کی کل تصانیف میں اور اُس کے اُستاد سقراط اور فیثاغورث کی تمام کتابوں
میں روح کو غیر فانی تسلیم کیا گیا ہے بسمر و لکھتا ہے کہ افلاطون نے اپنی تائید میں نہ صرف اور حکما کے اقوال نقل کئے
ہیں بلکہ وہ بذات خود بھی روح کو غیر فانی تسلیم کرتا ہے۔ اور اُس کا اس اصول پر کامل عقیدہ ہے۔

افلاطون۔ سقراط کے قدم بقدم چلکے بعد از موت روح کی دو حالتیں لکھتا ہے۔ ایک حالت تو روح کی مصیبت کی
اور اُن اعمال بد کے نتائج میں گرفتار دکھائی گئی ہے جو دنیا پر کئے تھے اور دوسری حالت روح کی نہایت پرشان بیان
ہوتی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ نیک انسان کی روح دیوتاؤں اور پاک و معصوم اشخاص کے پر جلال و جبروت عظیم مجمع
میں رہے گی اور ابد تک اس روح کی اسی شاہزمانی لطافت اور عمدگی سے بسر ہوگی ان حکما کی معقول اور انصاف پسند
دلیل یہ تھی کہ خدا سے برحق کو حق سمجھنے کی نشانی یہ ہے کہ آیندہ جزا و سزا پر یقین کیا جائے اور بغیر کسی شک کے تسلیم
کر لیا جائے کہ ہمارے دنیاوی نیک و بد اعمال کا معاوضہ ہمیں ضرور ملے گا۔

نفرت ان میں سے ایک بھی روح کا ماخذ نہیں ہے پانچواں جوہر اور بھی ہے جس کا نام میں نہیں بتا سکتا ہاں اُس جوہر کا نام اگر روح رکھا جاتا ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے

(۱۰) سسرو لکھتا ہے کہ ایک پر قوت غیر ممکن التبدیل اور علی التواتر جاری رہنے والی حرکت کا نام روح ہے جس کی کُنہ تک انسان نہیں پہنچ سکتا اور نہ اُس کا خیال کر سکتا ہے پھر یہی فصیح حکیم لکھتا ہے (بہت سے حکما کی رائے نقل کرنے کے بعد) ان خیالات اور آراء میں کونسا حق ہے اللہ ہی جانتا ہے ہمیں اسی رائے پر رضامند ہونا چاہیے جو ممکن الیقین اور ممکن الوقوع ہو۔

(۱۱) ڈیموکریٹس کی رائے ہے کہ روح ایک جزلایتجزی ہے جسکی حقیقت ہم نہیں پہچان سکتے۔

سسرو نے سب سے زیادہ وسعت سے اس مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کی بحث کسیقدر طول اور زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کذب عام طور پر صدق کے ساتھ ایسا ملگیا ہے اور اب صدق و کذب میں اس قدر مشابہت تامہ ہوگئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہوسکتا ہمارے پاس کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں ہے جس سے ہم پہچان سکیں کہ یہ صدق ہے اور یہ کذب ہے۔ جہاں سسرو روح کے غیرفانی ہونے کا بیان کرتا ہے اسے ایسا مشتبہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ یہی نہیں معلوم ہوتا کہ روح کی فنا اور غیر فنا ہونے میں اُس کا کیا مذہب ہے۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ جہاں خدا کا ذکر آیا اُس نے ملحد حکما کو بہت کچھ بھلا برا کہا ہے اور لکھتا ہے کہ اس سے اندھاپن اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہمیں روشنی کا سرچشمہ نہ دکھائی دے۔ ایم پاسکل لکھتا ہے۔ اس امر کا خیال کرنا ضروری ہے کہ ہمارے تمام کام اور تمام خیالات اُس اعتقاد سے جو ہم اپنے دل میں رکھتے ہیں کسیقدر مختلف ہیں پھر ہمیں کیونکر یقین آسکتا ہے کہ دائمی راحت ہمیں حاصل ہوگی۔ یہ محض ناممکن ہے کہ ہم عقل اور انصاف سے کوئی رائے قایم کرسکیں کہ روح غیرفانی ہے اور ضرور روح کو سزا اور جزا ملے گی۔ یہ محض ناانسانیت اور وحشی پن ہے کہ صرف شبہ میں ہم دائمی راحت اور دائمی مصیبت کے خیال میں پھنسے رہیں

بہت سے حکما تو روح کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں اُنہوں نے صرف اجسام سے بحث کی ہے اور اُن کا یقین ہے کہ کوئی جوہر بسیط خواہ وہ روح ہو یا اور چیز ہو مادہ سے علیحدہ نہیں ہے۔ خود حکمائے اسٹوئک جن کا اخلاقی اصول ایک حد تک صاف اور ستھرا ہوا ہے اسی شمار میں ہیں اور روح کو ایک فرضی اصطلاح اقوام قدیم کی سمجھتے ہیں۔ اُن کا یقین نہیں ہے کہ روح بالکلیہ غیرفانی ہے ہاں یہ وہ کہتے ہیں کہ روح کی عمر مثل غراب اور چیل کے بڑی ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ فنا ہوجاتی ہے۔ فرقہ اسٹوئک کے حکما کا یہی مذہب ہے کہ دنیا پہلے آگ تھی خاص خاص روحیں اُس آگ میں موجود تھیں جو بعد ازاں کائنات کی روح میں مل گئیں۔ اخیر وہ کائنات کی بلند جگہ پر آباد ہوئیں وہاں سوائے راحت، عمدہ خیال اور لطیف زندگی گزارنے کے اُنہیں کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ سسرو نے اس فلسفیانہ خیال کو بڑے جوش وخروش سے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے ہم اُس وقت اپنے اجسام سے خوشی حاصل کریں گے جب ہم تمام جوش اور بےچینی کو اپنے میں سے

طبیعی حادثات کے لیے قایم کیے تھے بابلی کی وقت کی تقسیم سے پہلے کسوف وخسوف کے دن اور ساعت اول ہی سے معلوم تھے بحسر ویقین دلاتا ہے کہ میرے زمانہ میں ساعت اور چاند وسورج کے کسوف خسوف کے انداز مدت سے پائے جاتے ہیں اور اس کا علم ہمارے ہاں قرنوں سے نہایت ترقی پر ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رومتہ الکبری میں یہ علم بالکل نادرالوجود تھا اور جس شخص کو اس علم میں درک ہوتا تھا وہ مافوق انسان خیال کیا جاتا تھا جب پرسلیس اور پالس کی جنگ ہوئی تو حکیم سلپیٹس گیلس نے پالس سے بیان کیا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے چاندگرہن چھ بجے شام کے ہوگا۔ اس قول پر خود شاہ اور تمام فوج نے سخت تعجب ظاہر کیا اور اس کی صداقت میں شک کرنے لگے۔ اخیر وقت معینہ پر چاندگرہن ہوا اور سب نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہر شخص نے اس حکیم کو ایک عجیب وغریب غیر معمولی قوت کا شخص خیال کیا۔

اس میں شک نہیں کہ یونانیوں نے اس علم میں بہت ترقی کی اگرچہ موجد کا معزز لقب انہیں نہیں دے سکتے تاہم یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ یونانیوں نے اس علم کو زندہ ہی نہیں کیا بلکہ اُسے پرورش کیا بنایا سنوارا اور اس کو نمایاں ترقی دی جب اس علم کو یونان اور رومتہ الکبری میں کامل ترقی ہوگئی تو اب مسئلہ روح کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ عام طور پر یہ ظن عقیدہ ہوگیا تھا کہ روح کیفیت حیات کا نام ہے وہ خود کچھ نہیں کرسکتی بلکہ اس پر حادثات طبعیہ کا اثر پڑتا ہے ہر انسان کی روح ایک نہ ایک سیارے یا ستارے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ سیارہ یا ستارہ اس قدر مادی ہے کہ انسان کے تمام افعال واعمال اُسی کی گردش کا نتیجہ ہیں بعض نے روح کو مادّی مانا ہے اور ساتھ ہی غیر فانی بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ اُن کے خیال میں مادّہ غیر فانی ہے۔ ان حکما میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا بیان ہے کہ چار عنصر کے مزاج کا نام روح ہے اور جب ان میں تفریق ہوتی ہے تو سب اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں آگ آگ میں پانی پانی میں خاک خاک میں اور ہوا ہوا میں۔

بعض حکما کا یہ خیال ہے کہ روح ایک علیحدہ جوہر ہے جو جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اُس سیارہ یا ستارہ میں چلا جاتا ہے جس سے اُس کا تعلق رہا ہے۔ بعض حکما تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے میں روح ہے اور وہ ایک ہی ہے اور اُسکا منبع ایک ہی ہے ایک روشنی ہے جو کائنات پر پھیلی ہوئی ہے اور اسی کی شعاعیں چاروں طرف دوڑ رہی ہیں جس طرح کہ شمع سے ایک چراغ روشن کیا جاتا ہے اور شمع کی روشنی میں چراغ جلنے پر بھی کچھ کمی نہیں ہوتی اسی طرح منبع روح ہر کہ جا سے جتنی روحیں یا روحانی کیفیات خارج ہوں اس میں کمی نہیں آتی اور جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کی مثال بالکل چراغ کے بجھنے کی ہے معلوم نہیں ہوتا کہ چراغ کی لَو کہاں گئی حالانکہ تبدیل ہیئت سے اُس کے ناپید ہونے اور اصلیت منتفی کا حکم نہیں لگا سکتے۔

رومتہ الکبری کے حکیم لکریشیس نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے فطرت کے راز پر عبور ہوگیا ہے اور میں روح انسانی کی پوری حقیقت بیان کرسکتا ہوں مگر اُس کے اقوال یا اُس کے ملفوظات میں کہیں بھی روح کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا حکمائے قدیم کا جو خیال روح اور مآل روح کی نسبت تھا ہم نے نہایت اختصار سے بیان کردیا اگرچہ انہوں نے بڑی طویل بحثیں

مآل روح

مآل روح کا بتانا روح کی حقیقت بیان کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ طبیعات قدیم اور جدید کا جاننا اس مسئلہ کا کافی جواب دینے کے لئے بہت ضرور ہے۔ ہمیں صرف مآل روح کی ایک معتدل حالت بیان کرنی ہے اور وہ ہم علم طبیعات کے پہلو سے بیان کریں گے اور ہم زیادہ تر حکمائے قدیم کے اقوال کی اس میں ضروری تلخیص کر دینگے۔ اور جہاں تک ممکن ہو گا خاص اس مسئلہ میں فی الحال اپنی رائے دینے سے احتراز کریں گے۔ اگرچہ طبیعات کے بعض بعض مقامات کی توضیح اور تشریح کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہ ہو گا۔

ایک زمانہ میں یونانیوں کو علم طبیعات میں بہت بڑا مذاق تھا بہت سے حکما ماہر علم طبیعات گزرے ہیں اگرچہ اس علم کو کچھ بہت فروغ نہ ہوا تھا پھر بھی اس کے دلدادہ بکثرت نظر آتے تھے۔ فلاسفہ کے دو مشہور مذہب تھے ایک مذہب آیونک تھا جس کا بانی تھیلیس ہوا ہے اور دوسرا مذہب اٹالک تھا جسکا بانی فیثا غورث ہے۔ طبیعات میں زیادہ تر دو حکیم نامور گزرے ہیں ایک ڈیموکریس اور دوسرا لیوسیپس۔ اگرچہ لوگوں نے اپی کیورس کی نسبت بھی بیان کیا ہے مگر ہم اسے مذکور الصدر حکما کا مقلد خیال کرتے ہیں۔

اس مذہب میں جسکا ابھی ذکر کیا گیا ہے صرف دو اصول مانے گئے ہیں اور آن ہی کو تمام کائنات پر حاوی تسلیم کیا گیا ہے وہ دو اصول یہ ہیں ایک مادّہ اور دوسرا فلک اس مذہب کی لغویت ظاہر ہے اور اخیر کے تمام حکمانے اس لغو مسئلہ سے اختلاف کیا ہے۔ اپی کیورس کے شاگردوں نے اس کی علانیہ تردید کی ہے اور اس مذہب پر قہقہہ اُڑایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جو حادثات اجسام کو پیش آتے ہیں آن کا سبب حدوث ہمیں اجسام ہی کے اندر ملسکتا ہے اور ہم اس سبب کو اس صراحت سے دیکھہ سکتے ہیں جسطرح ہم حرکت سکون اور شکل کو دیکھ سکتے ہیں ان حکمانے اگرچہ خاص اثرات اور نتایج کے بیان کرنے میں فروگذاشت کی ہے اور علت العلل کے بیان کرنے میں تو وہ سخت غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ تو بھی اُن کا مذکور خیال قابل لحاظ ہے۔

ارسطو نے اگرچہ طبیعات کی تعلیم کی ہے مگر وہ بھی سطح ہی پر رہا اور گہرائی میں پہنچنے کا خیال بھی آسے نہیں آیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مادی علل کا تعلق مطلقاً ضمیر سے ہے مثلاً ہمدردی۔ نفرت اور غضب لیکن ارسطو نے ان کے حدوث سے بحث نہیں کی ہے یعنی ان کی علت حدوث سے بیان کرنے میں اُس نے خفیف پہلو بھی نہیں اختیار کیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور سے پہلے طبیعات کا چرچہ رومتہ الکبریٰ میں شروع ہو گیا تھا۔ یہاں حکیم لکری ٹیس موجود تھا جو اس علم میں نہایت نامور گزرا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "فطرت کے راز اب مدت تک چھپے نہیں رہ سکتے اور میں فخر کرتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو فطرت کے راز ملکی زبان میں بیان کرتا ہوں۔"

حکیم سنیکا لکھتا ہے۔ (یہ حکیم حضرت مسیح سے قریب ۵۰ برس کے بعد پیدا ہوا تھا) چاند کا گھٹنا بڑھنا اور فطرت کے حادثات طبیعی کا علم رومتہ الکبریٰ میں پہلے ہی سے پہنچ تو گیا تھا مگر یہ نہیں معلوم کہ اُنہوں نے کیا کیا اسباب ان

بجائے اس کے کہ حیات یا روح کو عمل کی حالت بیان کیا جائے بہتر یہی ہے کہ خود عمل ہی بتایا جائے کیونکہ آخر الذکر تعریف اول الذکر کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

روح یا حیاتی سرعت ہمارے آگے مختلف صورتوں میں نمایاں ہوئی ہے۔ اور کل حادثات طبیعہ میں اس کا رنگ بدلتا رہتا ہے وہ تبدیلیاں جو کسی زندہ انسان میں باقاعدہ حالت میں ہمیشہ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں اُن تبدیلیوں کا صرف ایک بدیہی نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک کامل بندش یا ترکیب کے اس کی زندگی کی حفاظت کی جائے ترکیب اجسام میں کیمیائی اور مادی اثرات موجود ہیں اور یہی اثرات کم وبیش بیرونی مضر اثرات کو دفع کرتے رہتے ہیں۔

اُن قوانین کو جو کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں مشخص کرنے کے لئے یا بالفاظ دیگر اُن حالتوں کے تمام مشاہدات کو دیکھنے کے لئے جن کے ذریعہ سے تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں ہمیں مشاہدہ اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ اشکال کی کافی تعداد میں باہم گر ایک نمایاں رشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اور سب کے لئے یکساں حالتیں لازم ہوگئی ہیں۔ ملکہ نشاب روی جس کے ساتھ اس سلسلہ کی بنیاد قایم ہوئی ہے اُس کا انحصار نمایاں طور پر حادثات طبیعہ کی سادگی پر ہوگا اور ساتھ ہی اُس آمادگی پر جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کی حالت میں آجاتے ہیں۔ قوانین قدرت کی لاانتہا حالت اور حد پیدا کرنے کے لئے نیوٹن جیسے عجیب شخص کی دانائی کی ضرورت ہے لیکن جو خیال کہ قانون قدرت کا کرنیا گیا ہے اور جسے ہر وقت ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اُس کے اندر ہو کے تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور جب ہمارا یہ یقین ہو جائے گا کہ قوانین قدرت کی حد لاانتہا ہے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ ہم اور کون سے حادثات طبیعہ بنائیں گے جو ان کی لاانتہائی پر دلالت کریں۔

لیکن قانون قدرت کی فطرت کیا ہے جس کی نسبت ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور جس نے اجرام کو کشش کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ نہایت سادگی سے بیان کیا جاتا ہے کہ خالق نے مادہ کو تمام اشکال مختلفہ عطا کی ہیں اور اس کے اجرام کو کہ وہ ایک دوسرے کے قریب کھچ کے نہ آجائیں دور دور کر دیا ہے۔ یہ خیال صرف خیال ہی ہے ہم اسے کیونکر تسلیم کریں جبکہ ہر عمل کا عام سبب ہماری آنکھوں کے آگے ہر وقت ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اگر انسان ان میں سے کسی عمل کو نہ دیکھتا یا مثلاً فرض کرو کہ مادہ کا ایک ہی جرم کائنات میں ہوتا تو تو ہم مذکورۂ بالا اصول کو تسلیم کر لیتے مگر جب کثرت سے اجرام کائنات میں موجود ہیں اور ہم اُن کے قایم رہنے کے اسباب کو نہ خیال کریں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دماغ کو معطل کر دیا۔

وہ تغیرات جو روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور اُن کا وقوع ہر روز اور ہر ساعت ہماری آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے اور وہ قوانین جن سے ان پر حکومت ہوتی رہتی ہے بجائے خود نہایت کامل اور بین ہیں تاہم وہ طریقہ جن میں اُن کے عمل وابستہ ہیں ایسا خاص ہے کہ ابھی اس میں تفحص کی بہت بڑی گنجائش باقی ہے لیکن یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی نیا سبب یا جدید علت موجود نہیں۔

خاص مشکلات جو ہمیں مشابانہ عمل کے قوانین کے سمجھنے میں لاحق ہوتی ہیں اُنھوں نے ہماری عامہ واقفیت کی بہت بڑی مزاحمت کی ہے۔ حادثات طبیعہ کو ایک ہی جگہ جمع کرنے میں یہ مشکلات پیش آتی ہیں۔ تو بھی ہم نے

کی ہیں مگر ہمارا اختصار اُن کی کل طول طویل بحثوں پر حاوی ہے۔ اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علوم جدیدہ سے روح کی حقیقت بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ علوم جدیدہ روح کو کیا سمجھتے ہیں اور اُسے کن لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بحث اگرچہ زیادہ مشکل ہوگی اور نہایت غور سے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آئے گی پھر بھی اس کی دلچسپی حد سے زیادہ ہے اور اُس سے پڑھنے والے کو بصیرت ہوگی اس کی ضرورت نہیں کہ ہم علوم جدیدہ کے موضوعہ اصول یا تحقیقات کو خواہ مخواہ تسلیم کریں یا اس خیال سے اُسے نہ دیکھیں کہ وہ ہمارے عقائد اور اصول مسلمہ کے خلاف ہے نہیں ہمیں بغور پڑھنی اور سمجھنی چاہئے اور اُس سے زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور اُٹھانا چاہئے کہ علوم قدیم اور جدیدہ میں کتنا فرق ہے اور ان دونوں کے مقابلہ میں اسلام نے اپنا کیا اصول قایم کیا ہے۔

جب تک کسی چیزیں ایک ہی قسم کی برابر نہیں رکھی جائیں کسی کا حسن وقبح نہیں کھلتا۔ ہر عقیدہ ہر مذہب بجائے خود عمدہ ہے مگر دوسرے مذہب کے مقابلہ میں آنے سے اُس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کوئی تقریر یا تحریر ہو خواہ وہ کتنی ہی منافی اسلام کیوں نہ ہو ہمیں اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہمارے خیالات میں وسعت ہو اور ہم اپنے مسلمہ اصول سے اُن کا مقابلہ کرسکیں۔ ہم اُن ادق مضامین کو سلیس اور سہل اُردو میں ادا کریں گے اور ہمیں اُمید پڑتی ہے کہ ہماری خوش اسلوب طرز تحریر بہت آسانی سے اُن مشکل خیالات کو ناظر کے ذہن نشین کردیگی۔

علوم جدیدہ کی روح

علوم جدیدہ میں کہیں روح کا لفظ نہیں ہے لیکن علوم جدیدہ روح کے مفہوم کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ روح کو ایک فرضی چیز سمجھتے ہیں اور اُن کا اصول ہے کہ اہل مذاہب نے اس لفظ کی ایجاد کرلی ہے بہرحال حیات انسانی کے بارے میں جو کچھ اُنہوں نے بیان کیا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔

حیات کی بکثرت تعریفیں بیان کی گئی ہیں مگر ابھی تک کسی تعریف سے حیات کی اصلی حالت نہیں کھلی کہ اُن آراء میں علم ترکیب اجسام کو بہت کم دخل دیا گیا ہے جب تک علم مذکور کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے کوئی تعریف درست اور صحیح اصول پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم اس کی توضیح کرنے کا نیا راستہ اختیار کریں جس سے ہمیں اُمید ہے کہ ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے اور ہمیں حیات انسانی کا پتہ لگ جائے گا مختصر سی توضیح کے بعد ہم اپنا بیان شروع کریں گے۔ اس کی مسلسل تاریخ بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر عصر میں اس کی نسبت کیا کیا خیالات اور تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اُن میں کیا کیا غلطیاں تھیں۔

حیات (روح) عمل کی اُس حالت کا نام ہے جو جسم کی ترکیب کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ آغاز ہی سے یہ کیفیت شروع ہوتی ہے پھر یہ نمو اور ترقی کے حدوث طبیعہ میں نمایاں ہوجاتی ہے پھر اس کا خاتمہ جسمانی بناوٹ کی موت میں ہوجاتا ہے جبکہ اس کے اجزائے ترکیبی مادہ کے معمولی عمل سے کم و بیش ناقص ہوجاتے ہیں۔

یا دوسری تعریف حیات (روح) کی یہ ہوسکتی ہے "حیات ایک ترکیب شدہ جسم کے کاموں کے مجموعہ کو کہتے ہیں"

نتھرے ہوئے فلسفیانہ خیالات میں آمیز ہو رہے تھے اور جنہیں علیحدہ کرنے والا اُس زمانہ میں کوئی نہیں پیدا ہوا۔ حیاتی حادثہ طبعی کے خیالی سبب کا نام روح رکھا تھا بعض فلاسفہ اس روح کو مادی سمجھتے تھے اور بعض غیر مادی اُن کا خیال تھا کہ مادہ کی خاص خاص صورتوں میں یہ رہتی ہے جسم کی بناوٹ اور تمام افعال اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔ حکما کا ہر گروہ اس کی اصلیت اور اس کی فطرت کی حقیقت کے نئے نئے خیالات رکھتا تھا بعض تو اسے آگ کہتے تھے بعض اُسے ہوا یا لطیف مادہ خیال کرتے تھے بعض کا یہ یقین تھا کہ روح ایک قسم کا پانی ہے۔ اس کے علاوہ یہ خیال تو کل دنیا کا تھا کہ روح کوئی چیز ہے اور تمام افعال اُسی سے صادر ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد اُس میں حس رہتی ہے۔ ارسطو کی رائے روح کے بارے میں بہت ہی دلچسپ ہے اس رائے سے اُس کی عالیہ دماغی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیال سے ہمعصر حکما سے فوق لے گیا تھا اگرچہ اب وہ رائے کیسی ناقص کیوں نہ ہو گئی ہو مگر اُس زمانہ میں وہ قابل وقعت تھی چنانچہ وہ لکھتا ہے یہ خیال کہ کس چیز کی ریشہ دوانی سے کائنات کا انتظام ہو رہا ہے اور اس خوبی سے ہو رہا ہے کہ کبھی کسی کے خیال میں بھی اس کی خفیف سی خرابی بھی نہیں آسکتی اور جن اصول سے یہ نظام عالم وابستہ ہے ضرور اُس میں ارادہ۔ وقوف اور دانائی ہے بغیر ان تین چیزوں کے نظام کائنات قایم نہیں رہسکتا۔ اور یہ تینوں صفات ایک ہی ذات میں ہیں جو نظام کائنات چلا رہی ہے۔ اس خالق اور محافظ کے علاوہ اور بھی چند وکیل قوتیں مانی گئی ہیں جو جانوروں اور پودوں کو حیات مستعار دیتی ہیں اور بیان کیا گیا ہے کہ ہماری فانی آنکھیں ان قوتوں کو نہیں دیکھ سکتیں۔ تمام حیوانی یا نباتی بناوٹیں اور تمام نمو اور غیر نمو کی تبدیلیاں سب ان ہی قوتوں سے ہوتی ہے۔

حیات کی مطابقت کے قدیم اصول پر معہ دماغی اصول کے شٹال نے کچھ تبدیلی کے ساتھ نظر ثانی کی۔ یہ فلسفی بیان کرتا ہے کہ حیوان ناطق کی روح ترکیب اجسام کی مبدا حرکت کو کہتے ہیں اور یہی ترکیب جسمانی کی اصلی باعث ہے اور خاص قوانین کے مطابق اپنے عمل سے یہ اجسام کو ضمحلال سے بچاتی ہے اور امراض کو بھی صحت بخشتی ہے اور یہی اس فلسفی نے مزاج اور روح کے کاموں میں فرق بتایا ہے جو اس کے سابق حکما کو نہیں سوجھا تھا۔ وہ انہیں ایک ہی اصول کے عام نتائج خیال کرتا تھا اور یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی کہ وہ انہیں ایک ہی مبدا سے سمجھا تھا۔ اب ہم اگر اس اصول کو مدنظر رکھ کے گذشتہ صدی کے ماہران ترکیب اجسام کی کتابوں کو پڑھیں گے تو ہرگز ہمیں اُن کا مطلب نہیں کھلنے کا۔ مثال کے طور پر ہم وائٹ کی کتابیں پیش کرتے ہیں جن میں لکھا ہے کہ تمام افعال جسمانی کا سبب روح ہے یہ بالکل بدیہی ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کہیں بیان نہیں کیا کہ ضمیر کی ریشہ دوانی اجسام کے ایک ایک جزو میں ہنوز ہی ہے۔

اسی طرح اور اور حکما نے بیان کیا مگر وہ اصول حیات کی اصلی حقیقت کو نہیں بتا سکتے۔ اخیر ہم اس اصول کی حقیقت سے آگاہ ہونے شروع ہوئے برٹن میں سب سے پہلے ہنٹر نے اس کا کھوج لگایا تاہم ابھی وہ زمانہ بہت دور تھا جن میں اُس کے حیات (روح) کی بابت غیر فلسفیانہ خیالات کی خامی کھولی گئی اور روح کے حادثات طبعی کو جس

اُن فلسفیانہ استخراجی اصول کو بخوبی سمجھ لیا ہے جو شتابانہ حادثات طبیعہ کو ہمارے مشاہدے میں لے آتے ہیں اُن کی ظاہری نامطابقت جو ہم اپنے گرد دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں اور اُن کی اندرونی مطابقت جس پر اخیر اُن کا خاتمہ ہوتا ہے ہمیں اُن خاص ایجنسیوں تک پہنچا دیتی ہے جو اُن پر حکومت کرتی ہیں۔ اور اس صورت سے ہم زمانہ باستان کے خیالات میں صریح اور بیّن اغلاط نکال سکتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ فطرت کے رازوں کی تفحص کے طرق جو ایجاد ہوئے ہیں وہ کیسے کامل اور کیسے صحیح ہیں۔

جب ہم اُن حالتوں کو دیکھتے ہیں جن کی وجہ سے شتابانہ عمل کا وقوع ہوتا ہے ہمیں خیال ہو جاتا ہے کہ اخیر دو صورتیں اُن کے لئے لازمی ہیں پہلی صورت تو ترکیب اجسام کی ہے جس کی بناوٹ کی ایک خاص حالت ہے اور دوسری صورت محرک ہے جس کی وجہ سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا میں اور کوئی چیز ہمیں نہیں معلوم ہوتی ہر کام کی یہی دو حالتیں ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ مثلاً جب پانی بھاپ بن جاتا ہے تو اس کی محرک حرارت ہوتی ہے۔ جب ایک پتھر زمین پر گرتا ہے تو یہ اُس کشش سے گرتا ہے جو زمین کے بڑے بڑے تودے اُڈھیر اُسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ جانداروں کے ذریعہ سے کاموں کی خصوصیت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف خالی نہیں ہے اور جس کو ہم کسی مادّی یا کیمیائی عمل سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اس صورت سے ہم ایک جاندار جسم کے ایک ایک جزو کی حقیقت سے پورے واقف ہو جائیں گے اور اُن حادثات طبیعہ کا ہمیں علم ہو جائیگا جو اپنے اکیلے یا مشتملہ عمل سے اپنی متناسب قوت محرکہ کے سایہ میں اثرپذیر ہوتے ہیں لیکن ماہران علم ترکیب اجسام اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ اسکا تفحص کرتے ہیں کہ ان حالات کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان میں اختلاف ہونے کا سبب کیا ہے۔

تاریخ آرائے

دنیا کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ فلسفیانہ خیالات فرضی دائرہ سے نہ نکلے تھے اور حقیقت ترکیب اجسام پر پردہ پڑا ہوا تھا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ روح ایک خاص چیز ہے جو الگ تھلگ جسم کے کسی حصہ میں یا کل جسم میں اپنی سکونت رکھتی ہے اور جسم کے مردہ ہونے کے بعد بھی اُس میں ایک قوت رہتی ہے اسی بنا پر اجرام فلکیہ کی حرکتیں خاص ایجنسی کے سپرد کردی تھیں اور جس کے قوانین کی جستجو محال گنی گئی تھی مثلاً اُن کا یہ خیال تھا کہ جب آفتاب کی شعاعیں کسی سوراخ میں ہوکے کچھ فاصلہ پر پڑیں گی اور وہاں اُن شعاعوں سے ایک روشن شکل بنجائے گی تو وہ شکل ضرور فطری طور پر گول ہو گی یہ ارسطو کا مذہب تھا وہ یہ کہتا تھا چونکہ آفتاب گول ہے اس لئے شعاعوں نے بھی اپنی گول شکل پیدا کی حالانکہ یہ آسان بات وہ نہ سمجھا کہ روشنی کی شعاعوں کی رفتار ہمیشہ خط مستقیم میں ہوتی ہے اگر اُن کا خط مستقیم کسی حادثہ طبعی سے نہیں بگڑا تو ضرور شعاعیں اپنی گول شکل پیدا کریں گی اسی طرح اُنھوں نے جسم میں ایک روح قایم کی اور تمام اعمال کا محرک اُسی کو بنایا اور یہ نہ سمجھا کہ اس روح کا محرک کون ہے یہ مضحکہ خیز خیالات تھے جو پاکیزہ اور

حیاتی عمل کی فطرت اور اسباب

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ بیرونی عالم کے تغیرات ہیولائی مادہ کی خاصیتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں مخصوص ذرایع سے یہ اپنا عمل اس میں کرتے ہیں مگر اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ذرایع ہر ایک خاصیت کے لئے مختلف ہیں اس طرح سے کشش کی بالقوہ خاصیت کو مادہ کے تودہ میں نمودنیا جس کو ہم دوسرے تودہ کی کشش میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ مگر سنگ مقناطیس کی ترقی خاصیت کو پہچاننے کے لئے صرف لوہے کے ڈھیر کی ضرورت ہوگی علم کیمیا کے ہر عمل کی اسی اصول پر بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہر چیز میں اپنا اثر دوسرے پر ڈالنے کی قوت ودیعت ہوئی ہے اور وہ صفت اُسی کے لئے مخصوص ہے اور اُس کی اس صفت کے محرک چند خاص خارجی اسباب ہیں جو بدیہی ہیں۔ اب اس خیال سے واقف ہو کے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حیاتی حادثات طبعی کے سمجھنے میں کس قدر غلطی کی گئی ہے۔ باوجودیکہ ہم ایک طرف تو ترکیب اجسام کے عمل کو یکساں حالت میں ملاحظہ کرتے ہیں اور دوسری جانب اس محرک کو دیکھتے ہیں جو اس کی خاصیتوں کو کام میں لاتا ہے یہ دونوں حالتیں ہم مشابہ ہیں اور ان حالتوں میں اختلاف ہونا ہمیشہ مختلف نتایج پیدا کرتا ہے علم ترکیب اجسام کے ماہر ہمیشہ اس اختلاف کی دوسری ایجنسیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس قسم کے بہت سے مشاہدے ہوتے ہیں جن میں اختلاف نتایج بیّن طور پر پایا جاتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اگر کچھ بھی خفیف سا فرق انسان کے کسی عضو میں پیدا ہو جائے فوراً ہی کامل طور پر اس کی حیاتی خاصیتوں میں ایک تزلزل عظیم برپا ہو جائے گا یا یہ خاصیتیں برباد کر دی جائیں گی۔ ہمیں اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہو سکتا کہ قدیم حکماء نے اُن قابل لحاظ تغیرات کا بیان کیا ہے جن کا سرچشمہ ہمیں آج محسوس ہوا ہے اگرچہ وہ اس سے محض نابلد تھے مگر جب اندرونی راز کھل گیا اور چھپی چیزوں کے مشاہدے ہونے لگے تو آگے ترقی کرنے اور اپنی قوتوں کے بڑھانے کا ہمیں پورا ذریعہ ہاتھ آگیا۔

جب ہم حادثات طبعی کے اُس تودہ کا تجزیہ کریں جو ترکیب شدہ عالم حیاتی افعال کے ذریعہ سے پیش کرتا ہے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تخفیف میں آتے آتے متفرق ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے علیحدہ علیحدہ مدارج قایم ہو جاتے ہیں اور پھر اُن کے مطالعہ میں زیادہ تسہیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام زندہ چیزوں کی ترکیب اجسام کے اصولی مادے بیرونی سرچشمول سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس صورت سے ہمیں زندہ چیزوں کے امتیازی عمل پر پہنچنے کا رستہ مل جاتا ہے اور ان میں سے ہر جاندار حادثات طبعی کا ایک مجموعہ معلوم ہوتا ہے اور یہ دکھائی دیتا ہے کہ سب کی علت ایک ہی ہے۔

جب حادثات طبعی کے حیاتی مجموعوں کی تفریق اور تجزیہ کرلیں گے تو ہمیں کھل جائے گا کہ وہ حالتیں جن میں ان کا وقوع ہوتا ہے اُن سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جسم کے ہر عضو کے لئے جو سلسلۂ ترکیب اجسام میں مستعمل ہوتا ہے خارجی محرک چیزوں پر اُس کا بالکلیہ انحصار ہے اور اُس سے ایک لمحہ بھی وہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔

• جو لوگ روح کے قایل ہیں اُنہوں نے خارجی امدادی تحریکوں کے اصول سے مطلق چشم پوشی اختیار کی تھی اور وہ یہ

نالیاقتی سے اُس نے بیان کیا ہے اُس کا اظہار کیا گیا۔ یہ آسان نہیں ہے کہ ہم ہنٹر کی تصانیف سے اسبات کو پیدا کریں کہ خاص اس مضمون پر اُس کی انقطاعی رائے کیا تھی کیونکہ فاضل مصنف اپنے پریشان خیالات کی بھول بھلیوں میں ایسا پھنسا ہے کہ دود کا دود اور پانی کا پانی نکالنا مشکل ہو گیا ہے کبھی تو وہ کہتا ہے کہ دماغ ہی تمام افعال انسانی کا سبب ہے کبھی بیان کرتا ہے کہ دماغ ہی کی مثل ایک چیز ہے جس کا نفوذ تمام جسم میں ہو رہا ہے اور وہی چیز خون میں بھی پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری جگہ کہتا ہے کہ اصول حیات کو ترکیب اجسام سے کچھ سروکار نہیں ہے کچھ چیز ترکیب اجسام میں حلول کی ہوئی ہے مثلاً لوہے کی مقدار۔ اور بجلی مختلف صورتوں میں اس میں آمیز ہو رہی ہے۔ مسٹر اپنیتھی نے اس خیال کی بڑے جوش وخروش سے تائید کی اور ایسے جوش وخروش سے تائید کی کہ اخیر اُسے یہ لکھنا پڑا۔ "اگر ہم مسٹر ہنٹر کے اصول حیات میں بجلی کو نہ بھی تسلیم کریں پھر بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مثل بجلی کے کوئی چیز ہے جس میں برقی افعال کے نظام کی پوری طاقت ودیعت ہوئی ہے۔"

مسٹر میو نے بتایا ہے کہ لفظ اصول سے مطلب کیا ہے اور اس کا کیا مفہوم سمجھنا چاہیے وہ لکھتا ہے کہ لفظ اصول سائنس کی ایک ادنے حالت بتاتا ہے اور یہ عام طور پر اُن الف بے تے کے حروف کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جبر مقابلہ والے لایا کرتے ہیں تاکہ اُس سے نامعلوم جزر کا اظہار ہو جائے اور پھر اُس کا آسانی سے تجزیہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے ہم اصول کشش۔ اصول برقی اصول علم قوت مقناطیسی سے جو حادثات طبعی کے نامعلوم اسباب ہیں تعبیر کیا کرتے ہیں۔ جب تک ان حادثات طبعی کے قوانین پوشیدہ ہیں وہ مادہ کے سیدھے سادے اسباب سے بدلائل بیان کئے جائیں گے مثلاً قیاس ریاضیات کا ثبوت اُس کے اصول موضوعہ سے ہوتا ہے اور ان ہی اصول موضوعہ پر تمام ریاضیات کا دارومدار ہے۔ مگر لفظ اصول کی اصلاح ترکیب اجسام میں زیادہ وقیع نہیں شمار کی گئی ہے۔

ہم ابھی تک تاریکی میں ہیں اور ہمارے حال کے بعض حکما نے اور بھی ہماری عقول اور تجربہ پر پردہ ڈال دیا ہے مثلاً ڈاکٹر پراوٹ اپنے گلستونی لیکچروں میں یہ بیان کرتا ہے "کل حالتوں میں یہ ضرور خیال کرنا چاہیے کہ اخیر اصول جو ہمارے خالق نے ہمیں بخشا ہے جوہر دماغی ہے جس کا درجہ عقل سے کم ہے جس کے ذریعہ سے ہم جسم کی بناوٹ کو فطری اصول سے تعبیر کر سکتے ہیں اور فطری ایجنسیوں کی مدد سے اُن کی صفات سے مزید جلب منفعت کر سکتے ہیں اور ان کے استعمال کے لئے اُسے اپنا معاون بنا سکتے ہیں۔" یہ ساری باتیں محض لغو اور بے سود ہیں اور انہیں مشاہدہ سے کوئی سروکار نہیں ہے خیال نے ان باتوں کو تراشا ہے اور اس لئے وہ ہماری نگاہ میں وقیع نہیں ہو سکتیں ہم ان اسباب پر بسیط بحث کرتے ہیں۔

پھر کیوں کر خیال میں آسکتا ہے کہ اس انجن کی مثال کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکے گا کہ روح زندہ اجسام میں ایک علیحدہ چیز ہے جس سے تمام اعضا کا عمل ہوتا ہے اگر وہ نہیں ہے تو جسم مردہ ہے اور ہے تو جسم زندہ ہے۔ اگر اجسام میں روح تجویز کی جاتی ہے تو پھر خارجی محرک کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے تمام تر زندگی کا دارومدار خارجی محرکوں پر ہے۔

حیاتی اور جسمانی تعلق

جب ہمارے قوانین طبیعات کی تحقیق مادہ کی کائناتی صفات پر ختم ہو جاتی ہے پھر ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہم نے علل ثانیہ کے عمل کا پتہ لگا لیا ہے۔ اور ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے کہ اس صفت کا ظہور مادہ کا جز لاینفک ہے۔ اس بنا پر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے خالق کی مرضی کا یہ ایک فوری نتیجہ ہے لیکن اشکال کے عظیم اختلاف میں ہم ایسا نہیں پاتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صفات مادہ کی خاص شکل کے ساتھ مخصوص ہی ہیں اور اس کا لازمی جزو بھی ہیں اور جس کے عملی قوانین ایسے ہی بسیط ہیں جیسے سبب اول میں تھے۔ اسی بنا پر ہمارے ادراک کی مادہ کی خاص صفات میں ایک شکل پیدا ہوتی ہے۔ مگر خاص خاص اوقات کے علاوہ ان صفات کا ظہور نہیں پیدا کرتا۔ اور ان حالات کے وقوع کی کمیابی سے ہم باقیماندہ صفات سے محض نابلد رہ جاتے ہیں۔ ہم اسباب کا اعتراف کرتے ہیں کہ مادہ کی ہر ایک شکل جس سے واقف ہیں اپنی خاص خاص صفتیں علیحدہ رکھتی ہے جس کی کنہ کو ابھی تک ہم نہیں پہنچے صرف ان کے عمل سے ہم واقف ہیں کہ وہ کیا رنگ پیدا کرتی ہیں اور ان کے عمل ہی کی وجہ سے ضمیر کو ان کی ہستی سے خبرت حاصل ہوتی ہے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مادہ اور اس کی تمام اشکال کی ایک ہی ترکیب سے ان میں خاص خاص صفات موجود ہیں جن سے خود بخود افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور یہ صدور اس وقت ہوتا ہے کہ جب انہیں خاص صورتوں میں رکھا جائے۔ اگر ان میں سے ایک صفت بھی موجود نہ ہو تو تمام کام درہم برہم ہو جاتے ہیں اور پھر مادہ اور اس کی صفات میں تخلل واقع ہو جاتا ہے نے مادہ کے اصولی خیالات میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس سے حیاتی صفات کی مخالفت ہو سکے اور جس کا نشو و نما ترکیب اجسام کے فعل سے ہوا کرتا ہے لیکن ہم اس مسئلہ کی دوسرے پہلو پر جانچ کرنا چاہتے ہیں ہمیں اسکا مشاہدہ ہوا ہے کہ مادہ کی خاص اشکال میں تغیر و تبدیل کا ظہور ان کے نئے خلط یا آمیزش سے پیدا ہوتا ہے۔ مثالاً ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ نمک اور ترشی میں کتنا بڑا بل ہے۔ اسی طرح بارود اور اس کے ایک جزو یا اجزا میں کتنا بڑا فرق ہے اس میں شک نہیں کہ بارود کے تمام اجزا باہم مرکب ہیں مگر ساتھ ہی یہ بات دیکھنے کی ہی کہ ہر جزو میں کتنا کتنا بڑا فرق ہے۔ اسی طرح انسان کی ترکیب اجسام میں متضاد عناصر جمع ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں مگر سب ملکر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں اور یہی گویا تمام حیاتی افعال کے مصدر ہیں یعنی جو کچھ ہوتا ہے ان ہی کی ترکیب سے ہوتا ہے پھر یہ خیال کہ روح اپنا علیحدہ عمل کرتی ہے اور تمام افعال کا صدور اسی سے ہوتا ہے کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ ممکن ہے کہ فطری حادثات طبیعہ کی تحقیق میں نئی صفات یا خواص موجود ہوں اور بغیر ان کے اس کی حالت میں

سمجھتے تھے کہ صرف روح ہی ہے جو تمام اعضا سے کام لیتی ہے اور ہر عضو کو ایسے عمدہ نظام میں کر رکھا ہے کہ اُس سے بہتر انتظام ممکن نہیں۔ یہ ساری باتیں محض خیالی اور لغو ہیں اور اُن کی لغویت عیاں ہو چکی ہے۔

جاندار جسم میں اعضا کے ہر درجہ کے عضو کے لیے اُس کی صفات کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک مخصوص محرک کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے غذائی مادے وہ اپنے میں پہنچا سکیں اس غذائی مادہ کا پتلا ہونا بعدازاں خود محرک ہو جاتا تمام جاندار اجسام میں ہمیں یہ نظام ملتا ہے اور جب ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے تو پھر ہم بآسانی اس نظام کے قانون تک پہنچ سکتے ہیں۔

تمام حیاتی افعال میں ایک ٹھیک مقدار کی حرارت کی ضرورت ہے تاکہ اُن کے عمل کا اجرا رہے اور اس حرارت کا مقدار مختلف حالتوں میں کم زیادہ ہوتا رہتا ہے بجلی کی حقیقت کا کماحقہ علم اگرچہ ابھی تک نہیں ہوا ہے لیکن یہ ہم کہسکتے ہیں کہ یہ حیاتی قاعدہ کے لیے ایک لازمی اور ضروری ایجنٹ ہے۔ یہ دیکھکر ہم کیوں کر کہسکتے ہیں کہ خدا نے ہم میں ایک جوہر بسیط عنایت کیا ہے جسے روح کہتے ہیں اور اُسی کو ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملے گی اور تمام تبدیلیاں یا تغیرات جو دنیا میں ہوتے ہیں انکا اصل محرک خدا ہے جس نے اپنی ایک ماتحت چیز یعنی روح کو زمین پر بھیج دیا کہ جانداروں میں جا کے اپنا عمل کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بیان کو اور بھی واضح طور پر بیان کریں اور اُسے اس قدر صاف کر دیں کہ ہماری آنکھوں کے آگے سچا نقشہ کھنچ جائے۔ فرض کرو کہ ایک نوجوان شخص ہے جسے علم طبیعات پر بہت بڑا عبور ہے۔ مگر فن طب سے وہ محض نابلد ہے مگر اُسے حیاتی اصول پر ذہنی عقیدہ ہے اُس نے اول ہی اول اسٹیم انجن کو دیکھا۔ وہ دیکھے گا کہ ایک کل غیر متناسب پرزوں سے بنی ہوئی ہے اور ایک ایسی پوشیدہ ایجنسی سے چل رہی ہے جس پر برقع پڑا ہے اور وہ اُس سے آگاہ ہونا چاہتا ہے ہم دیکھیں گے کہ انجن کے کاموں پر مختلف تجربہ کرے گا مثلاً کبھی تو وہ بائلر اور نل کی آمد و رفت کا سلسلہ بند کرے گا اور کبھی نل اور کنڈنسر (وہ آلہ جس میں بھاپ رقیق صورت میں ہو جاتی ہے) کا رستہ روکے گا یا جہاں حرارت کی ضرورت ہے وہاں برودت پہنچائے گا یا ٹھنڈے پانی کے حوض کے نیچے آگ روشن کر دے گا اب یہاں سے اُسے اپنی جستجو کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ معلوم ہو جائے گا کہ جب کل کا انتظام درست ہے تمام افعال ہر پرزے سے ٹھیک ٹھیک اور یکساں صادر ہوتے ہیں اور سب کا یہی ایک مفہوم ہوتا ہے کہ اس کل کی محرک قوت کی غور و پرداخت کی جائے نیز اُسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ افعال باہم ایسے نامشابہ ہیں جیسے ہر پرزہ کے کام لیکن وہ اسے دیکھکر کم متعجب نہ ہوگا کہ متضاد عنصر حرارت اور برودت کے کتنے اس کام کے لیے مناسب ثابت ہوئے ہیں۔ اس تمام مشاہدہ سے وہ بآسانی یہ نتیجہ نکال لے گا کہ ان تمام حادثات طبعی کا سلسلہ صرف ایک ہی چیز سے چلتا ہے اور جسے اسٹیم انجن کا اصول کہتے ہیں جس کے عمل سے مادی ترکیب میں اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ مشاہدہ اُسے اس یقین کرنے میں اور بھی مدد دیگا کہ خود کل میں اُس کی ضرورتوں کے بہم پہنچانے کے ذرایع ہیں باقاعدہ طور پر آگ قایم رہنے کے لیے لکڑیاں یا کوئلے دیے جاتے ہیں اور ٹھنڈا پانی حوض میں بھر جاتا ہے اور اگر دھات کچھ فرسودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کی مرمت بھی کر دی جاتی ہے

سے جزو کہہ سکتے ہیں جس اعتبار سے کہ ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں۔ کیوں کہ تمام موجودات یا تمام اشیا جن سے انسان کا قوام ہوا ہے اعتبار کی جائیں اُن میں ایک روح ہی ہوگی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکان ہوگی یا لامکان۔ روح کا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیوں کہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے وہ منقسم ہوسکتی ہے اور جزلایتجزی (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان تو ہو مگر تجزیہ او تقسیم قبول نہ کرے) دلایل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اُن دلیلوں میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ اگر اُسے دو چیزوں کے بیچ میں رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اُسے مس کریں گی جب طرفیں اُس کی مخالف نکلیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے ایک شے کا علم ہو اور دوسری طرف سے اُس شے کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شے عالم اور جاہل ہوئی اور یہ باطل ہے۔ اور جزلایتجزی سے سطح فرض کیجائے تو اس کی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کے مخالف ہوگی جو ہماری نظر کے آگے نہیں ہے کیوں کہ کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو ایک ہی حالت میں دکھائی بھی دے اور جب سورج اُس کی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہوگی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اُس کے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزلایتجزی نہ رہی۔

روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہے اور یہ روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا پتھر نہ عالم ہے نہ جاہل کیوں کہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیے جب حیات ہی نہیں علم وجہل ہی نہیں۔

روح کسی جہت میں ہے یا نہیں

روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں روح جسم اور عرض نہیں وہ ان عوارض سے پاک ہے۔

رسول خدا کو حقیقت روح کے بیان کرنیکا کیوں حکم نہ ہوا۔

عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جلشانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کرے گا۔ اسی لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے۔ سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور خدائے تعالے کو مجسم سمجھتا ہے کیوں کہ کسی وجود کو سوائے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ ہونے کے ادراک نہیں کرتا بعضوں نے اس عامیت سے کچھ ترقی کی جسم کی تو نفی کی مگر عوارض جسمیہ کی نفی نہ کرسکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ میں سے ہے خدا تعالے کے لئے ثابت کیا۔ بعضوں نے ان میں سے ترقی کی اُنہوں نے خدا جلشانہ کو لا جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں۔

ایسے لوگوں کو روح کی حقیقت بتانا کیوں جائز نہیں۔

وہ لوگ اس صفت کو اللہ تعالے اور اُس کے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو اُن سے یہ ذکر کرے

تبدیلی واقع ہوتی ہو مگر یہ ضرور لازم ہے کہ ان خاص صفات کی تبدیلی ضروری ہمراہی اشیا سے ہوتی ہے ہمیں اس کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اُس صفت میں جو مادّہ میں ودیعت ہوتی ہے خود مادہ سے کوئی اختلاف پائیں۔ یہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زندہ جسم میں علاوہ ترکیب عناصر اور مادّی خواص کے کوئی علیحدہ چیز ہے جس سے اس کا سلسلہ حیات قایم ہے اگر اس کے سمجھنے میں کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ کس طرح سے حیاتی خواص کا تعلق ترکیب شدہ مادہ کے ساتھ ہی جس طرح اور صفت جاذبہ لوہے پر افروز کی گئی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ثابت کرنا جو جسم میں علیحدہ کام کرے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد قایم و برقرار رہے محال ہی نہیں بلکہ ناممکن محض ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ والدین کے امتزاج سے ترکیب شدہ مادہ کی ابتدا ہوتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ سے آیندہ حیاتی خواص مادہ میں ودیعت ہوتے ہیں۔ اور یہ سارے مشاہدات ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ فقط۔

یہ ان طویل ابحاث کا خلاصہ ہے جو ڈاکٹران فرنگ نے لکھی ہیں ان سے یہ مطلب صاف کھلتا ہے کہ جیسے روح علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے نہ انسان کے مرنے کے بعد وہ قایم رہتی ہے۔ ہم نے یہ تمام اقوال اس لئے نقل کردئے ہیں تاکہ ہمارے جواب دیتے وقت یہ سارے اعتراضات اور طبی مشاہدے مدنظر رہیں۔ اور پھر یہ شکایت نہ رہے کہ موجودہ زمانہ کے آریا اور ویدپرستوں اور ملاحدہ کے اعتراضوں کا جواب نہیں دیا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ اس سے زیادہ اور کسی پہلو سے اعتراض ہی نہیں ہو سکتے نہ موجودہ زمانہ کا کوئی تعلیم یافتہ آریا یا ملحد اس سے زیادہ سنگین کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔

بطور خود جواب دینے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان علمائے اسلام کے خیالات کا اعادہ کردوں جنہوں نے کم وبیش روح انسانی پر بحث کی ہے اور سب کے بعد اپنی رائے کا اظہار کروں چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کے خیالات بابت روح نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا خیال بابت

روح کے

روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور عالم کا عالم میں ہوا کرتا ہے۔ بلکہ وہ جوہر ہے کیونکہ اُس میں اپنے آپ کو اور اپنے خالق کو پہچاننے کا مادہ ہے۔ روح معقول کا بھی ادراک کرتی ہے مگر یہ صفتیں عرض میں نہیں ہوتیں۔

روح کو جسم نہیں کہہ سکتے کیونکہ جسم تقسیم ہو سکتا ہے اور روح منقسم نہیں ہے۔ اگر روح کو منقسم مانیں تو پھر لازم آتا ہے کہ ایک شے کا علم ہو اور دوسرے سے بےخبر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک غیر منقسم چیز ہے اور اسے سب عقلا نے جزلایتجزی تسلیم کر لیا ہے۔ یعنی روح وہ چیز ہے جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اسے جزو بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جزو کل کی نسبت ہوا کرتا ہے۔ جزو تو جزو یہاں تو کل ہی نہیں۔ پھر جزو کہاں رہ سکتا ہے مگر روح کو اس اعتبار

مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع پانے کی اُس کو قوت ہے اور شے جسمانی میں یہ مناسبات نہیں ہوتیں (پس ان ہی مناسبات کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور "من روحی فرمایا۔)

قل الروح من امر ربی کے کیا معنی اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے۔

جس شے کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اُس کو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنی تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں۔ جیسا کہ کہا ہے "خلق الشئ ای قدرہ" یعنی چیز کا اندازہ کیا۔ اور ایک عربی شاعر کا شعر بھی اسی مناسبت سے آیا ہے۔

ولانت تفری ما خلقت و --- بعض القوم یخلق ثم یفری

اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اُس کو امر ربی کہتے ہیں اور اُسے امر ربی کہنا اُن ہی مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جہت سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ اُن کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس۔ خیال۔ جہات۔ مکان اور حیز سے خارج ہیں اور مقدار کے نہ ہونے کی وجہ سے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔

اس سے تو روح کی قدامت کا وہم ہوتا ہے۔

یہ سچ ہے اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے مگر وہ اُن کی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہیں گے کہ اُس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزا اور ذی مکان نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اس کے مقدمات بہت ہیں۔ حق تو یہ ہے جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یہ ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اول موجود ہوتیں یا تو بکثرت ہوتیں یا ایک بدنوں سے پہلے ان کی وحدت اور کثرت تو باطل ہے تو بدنوں سے اول ان کا وجود بھی باطل ہوا۔ وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو اُن کی وحدت باقی رہے گی یا کثرت ہو جائے گی۔ وحدت کا باقی رہنا تو محال ہے۔ کیوں کہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو صراحتاً معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہے اور مقدار والی شے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم۔ کہ ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اُس کے لئے اجزا نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزا اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کرے گی۔

اور ابدان سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم شکل ہوں گی یا مختلف۔ ہم شکل اور مختلف ہونا دو محال ہے۔ تو کثرت بھی محال ہوتی۔ ہم شکل ہوتا یوں محال ہے۔

تو تجھے کافر بتایئں اور سمجھے یہ کہیں کہ جو صفت اللہ تعالےٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے اس لحاظ سے تو اپنے نفس کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

انہوں نے اس صفت کو خدا اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا

وہ لوگ جیسا کہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں اسی طرح دو شے کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسے ہی لامکان میں اگر دو چیزیں جمع ہوویں اُن میں بھی کچھ فرق نہیں رہنے کا اس بنا پر کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور دو ہم شکلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔

یہ اشکال قوی ہے اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔

اس بات میں اُنہوں نے غلطی کی جب اُنہوں نے یہ گمان کیا کہ اشیا میں تین امروں کے ساتھ فرق ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ مختلف عوارض ایک محل میں مثلاً رنگ۔ ذائقہ۔ بو۔ برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیوں کہ ان کے لئے محل بھی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے با ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور علم کا فرق قدرت اور ارادہ سے ہوگا اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جبکہ اُن میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کی رو سے ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایک مکان میں مختلف ماہیت کے عوارض کا ہونا جائز ہوا تو اشیا مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔

یہاں اور بھی مشکل پیش آتی ہے یعنی روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوتی ہے۔

یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کیوں کہ انسان کو حی۔ عالم سمیع بصیر۔ قادر مرید اور متکلم کہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں ہے کیوں کہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اسی طرح حیز۔ مکان اور جہت سے پاک ہونا بھی اُس کی اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو قیومیت کی صفت ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اس کے ماسوا سب اُسی کے صفات موجود ہیں بلکہ اشیا کے لئے تو بذات خود عدم ہے وجود تو ان کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالےٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔

نسبت کے معنی کیا ہیں اللہ تعالےٰ نے من روحی کیوں فرمایا۔

اگر آفتاب کی زبان سے یہ نکلے کہ "افضت علی الارض من نوری" یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ بہ نسبت اس کے بہت ہی ضعیف ہے۔ اور یہ تو نے معلوم کر لیا ہے کہ روح جہت اور

ہم مناسب جانتے ہیں کہ متن میں اردو حاشیہ میں اصل عربی لکھدیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ عربی عبارت کا
ترجمہ کس عمدگی سے کیا جاتا ہے اور ہرگز مصنف کے ایک حرف کی فروگذاشت نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تجسم روح کا حال بیان کرتے ہیں دفعتہ [۱] ہیولی (؟)

[۱] قال اللہ تعالی ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ وقرأ الاعمش عن روایۃ ابن مسعود
وما اوتوا من العلم الا قلیلا۔ ویعلم من ھنالک ان الخطاب للیھود السائلین عن الروح ولیست الآیۃ نصا فی انہ لا یعلم
احد من الامۃ المرحومۃ حقیقۃ الروح کما یظن ولیس کل ما سکت عنہ الشرع لا یمکن معرفتہ البتۃ بل کثیرا ما یسکت عنہ لاجل
انہ معرفتہ دقیقۃ لا یصلح لتعاطیھا جمھور الامۃ وان امکن لبعضھم۔ واعلم ان الروح اول ما یدرک من حقیقتھا انھا
مبدأ الحیاۃ فی الحیوان وانہ یکون حیا بنفخ الروح فیہ ویکون میتا بمفارقتھا منہ ثم اذا امعن فی التأمل ینجلی ان فی البدن
بخارا لطیفا متولدا فی القلب من خلاصۃ الاخلاط یحمل القوی الحساسۃ والمحرکۃ والمدبرۃ للغذاء یجری فیہ حکم الطب ویکشف
التجربۃ ان لکل من احوال ھذا البخار من رقتہ وغلظہ وصفائہ وکدورتہ اثرا خاصا فی القوی والافاعیل المنبجسۃ من تلک القوی
وان الآفۃ الطاریۃ علی کل عضو وعلی تولید البخار المناسب لہ تفسد ھذا البخار وتشوش افاعیلہ ویستلزم تکونہ الحیوۃ وتحللہ
الموت فھو الروح فی اول النظر والطبقۃ السفلی من الروح فی النظر المعمن ومثلہ فی البدن کمثل ماء الورد فی الورد وکمثل
النار فی الفحم۔ ثم اذا امعن فی النظر ایضا انجلی ان ھذا الروح مطیۃ للروح الحقیقیۃ مادۃ لتعلقھا وذلک انا نری الطفل یشب
ویشیب ویتبدل اخلاط بدنہ والروح المتولدۃ من تلک الاخلاط اکثر من الف مرۃ ویصغر تارۃ ویکبر اخری ویسود تارۃ
ویبیض اخری ویکون جاھلا مرۃ وعالما اخری الی غیر ذلک من الاوصاف المتبدلۃ والشخص ھو ھو۔
وان لوقش فی بعض ذلک فلنا ان نفرض تلک التغیرات والطفل ھو ھو ونقول لا تجزم ببقاء تلک الاوصاف بحالھا ونجزم
ببقائہ فھو غیرھا فالشیء الذی ھو بہ ھو لیس ھذا الروح ولا ھذا البدن ولا ھذہ التشخصات التی تعرف وتری بادی الرای
بل الروح فی الحقیقۃ حقیقتہ فردانیۃ ونقطۃ نورانیۃ یبجل طورھا عن طور ھذہ الاطوار متغیرۃ المتغائرۃ التی بعضھا
جواھر وبعضھا اعراض وھی مع الصغیر کما ھی مع الکبیر ومع الاسود کما ھی مع الابیض الی غیر ذلک من المتقابلات ولھا تعلق
خاصا بالروح الھوائی اولا وبالبدن ثانیا من حیث ان البدن مطیۃ النسمۃ وھی کوۃ من عالم القدس ینزل منھا علی النسمۃ کلما
استعدت لہ فالامور المتغیرۃ انما جاء تغیرھا من قبل الاستعدادات الارضیۃ بمنزلۃ حر الشمس یبیض الثوب ویسود القصار
وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحیح ان الموت انفکاک النسمۃ عن البدن لفقد استعداد البدن لتولیدھا لا انفکاک الروح القدسی
عن النسمۃ واذا تحللت النسمۃ فی الامراض المدتفۃ وجب فی حکمۃ اللہ ان یبقی الشیء من النسمۃ بقدر ما یصحح ارتباط الروح لا
بھا کما انک اذا مصصت الھواء من القارورۃ تخلخل الھواء حتی تبلغ الی حد لا تخلخل بعدہ فلا تستطیع المص او ینفلق القارورۃ
وما ذلک الا سر ناشئ من طبیعۃ الھواء فکذلک سر فی النسمۃ وحد لھا لا یجاوزھا الامر واذا مات الانسان کان للنسمۃ نشاۃ اخری
فیلتمع فیض الروح الالھی فیھا قوۃ فیما بقی من الحس المشترک تکفی کفایۃ السمع والبصر والکلام بمدد من عالم مثال اعنی القوۃ المتوسطۃ

کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اسی لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکاں میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے۔ کیوں کہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسموں میں پایا جانا ممکن ہے کیوں کہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائے گا اس لئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے لئے خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیوں کہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کر کے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید و عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم شل ہیں۔ دوات اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم شل ہیں۔

بدنوں سے اول اُن کا مختلف ہونا یوں محال ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ پانی۔ آگ سیاہی۔ سفیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہے۔ دوسرے قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں دخل نہیں ہوتے جیسا کہ سرد و گرم پانی کا اختلاف ہے۔

اب ارواح بشری ہیں بسبب ماہیت کے تو اختلاف ہونا محال ہے کیوں کہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت وحقیقت میں متفق ہیں۔ عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیوں کہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہوا اور اُن کی طرف کسی طرح منسوب ہو اُس وقت عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزا میں اختلاف ضروری ہے اگرچہ آسمان ہی کی نسبت قریب اور بعید ہونے کا اختلاف ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں ہی کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہوا سکا اختلاف محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن جو کچھ بیان ہوا ہے وہی اُس تقریر پر آگاہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

بدنوں سے علیحدہ ہونے کے بعد روحوں کا کیا حال ہوگا

روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق نہ ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل۔ صفائی اور کدورت۔ خوش خلقی اور بد خلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے اُن کی کثرت سمجھی جاتی ہے۔ بدنوں سے تعلق سے اول یہ بات نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ فقط۔

یہاں تک ہمارے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث بابت حقیقت روح ہوئی ہمنے تو اپنی طرف سے سلیس اردو میں ترجمہ کر دیا اب سمجھنے والے جانیں دیکھئے اُن کی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد ہم اپنے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی لاجواب کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں سے روح کی حقیقت نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو باہم موازنہ کرنے کا موقع ملے جب وہ تمام حکما فلاسفہ موجودہ ڈاکٹران فرنگ اور علمائے اسلام کے خیالات اور اقوال ملاحظہ کرے گا تو اُس کے بعد وہ ہماری بحث دیکھے گا۔ اور اُسے اندازہ ہوگا کہ دل میں اثر کرنے والی اور سمجھ میں آجانے والی بحث کس کی ہے۔

ہوجاتا ہے کبھی اُس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہوجاتا ہے اور ان کے علاوہ اُس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اُس کے وجود میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔

اور اگر اُن اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اُس وقت بھی لڑکا وہی رہے گا جو پہلے تھا یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اُن اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکے کا بعینہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اسلئے لڑکے کی ذات اُن اوصاف کے خلاف ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہوسکتی اور نہ بدن اور وہ چیزیں ہوسکتی ہیں جو اُس کے متشخص ہونے کی باعث ہیں اور ظاہر آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ان تمام متغیرات سے ایک نورانی نقطہ ہے جن میں سے بعض جوہر ہیں بعض عرض اُس کا ڈھنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت میں۔ جیسے کہ سیاہ رنگی کی حالت میں ایسی ہی سپیدی کی حالت میں ہے۔ ایسی ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے اُس کو ابتدار روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے تو اُس روح سماوی کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔

جن امور میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سپید کردیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہمیں وجدان صحیح سے معلوم ہوگیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جس وقت بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب مضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہوجاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضی ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہجائے کہ روح الٰہی کا اُس سے تعلق رہ سکے جیسے کہ تم شیشے سے ہوا کو جذب کرلیتے ہو تو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہوجاتا ہے پھر تم اُس کے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے یہاں تک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اُس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے۔ ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں ہوسکتا۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سر نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے اُن امور میں جو حس مشترک کے ذریعے سے اُس میں باقی رہ گئے تھے ایک جدید طاقت پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال (یعنی اُس قوت کے ذریعہ سے جو مجرد اور محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے) کی امداد سے وہ روح حیوانی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہوجاتے ہیں پھر جب صورتوں میں روح ڈالی جائے گی ویسا ہی فیضان پھر ہوگا۔ جیسا کہ ابتدائے عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی تو اُس وقت روح الٰہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا پھر پہن لے گی اور جو کچھ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوات وایمن التحیات نے خبریں بیان کی ہیں سب کا حصول ہوگا اور چونکہ روح ہوائی ایک متوسط شے ہے روح الٰہی اور آدمی کے بدن کے بیچ میں اس کا واسطہ ضرور ہے کہ اُس کا رخ اس طرف بھی ہو اور اُس طرف بھی اور جو اُس کا رخ عالم قدس کی جا

تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگوں کو (معارف الٰہیہ) میں سے بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے اعمش نے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا پڑھا ہے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کی حقیقت دریافت کی تھی۔ اس آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ اُمّت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شرع میں اکثر اس وجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اُس کے برتاؤ کے قابل نہیں ہوتے اگرچہ بعض بعض اسکو سمجھ سکتے ہوں۔

جاننا چاہئے کہ روح کی بابت اول یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جایا کرتا ہے۔

اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے حس اور حرکت کرنے کی اُس میں وہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں۔ احکام طب کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس بھاپ کے رقیق و غلیظ اور صاف و مکدر ہونے کا بدنی قوتوں پر اور اُن افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر یا اُس بھاپ کے پیدا ہونے پر جس کو عضو سے تعلق ہے کوئی آفت پہنچی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے۔ اُس کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اُس کے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے مگر نظر غائر میں یہ روح کا ادنیٰ طبقہ ہے بدن میں اس کی ایسی مثال ہے جیسا گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روحِ حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادّہ ہے اس لئے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا

بین المجرد والمحسوس لمنبثة فی الافلاك کشیء واحد فربما استعد النسمة حینئذ للباس نوری او ظلمانی بل ادعی عالم المثال ومن هنالك تتم عجائب عالم البرزخ۔ ثم اذا نفخ فی الصور ای جاء فیض عام من بارئ الصور بمنزلة الفیض الذی کان منه فی بدأ الخلق حین نفخت الارواح فی الاجساد واشبس عالم المعاد وجب فیض الروح الالهی ان یکتسی لباسا جسمانیا ولباسا بین المثال والجسم فیتحقق جمیع ما اخبر به الصادق المصدوق علیه افضل الصلوات وایمن التحیات۔ ولما کانت النسمة برزخا متوسطا بین الروح الالهی والبدن الارضی وجب ان یکون لها وجه الی هذا ووجه الی ذلك والوجه المائل الی القدس هو الملکیة والوجه المائل الی الارض هو البهیمیة ولنقتصر من حقیقة الروح علی هذه المقدمات لنسلم فی هذا العلم ونفرع علینا المقادیر قبل ان تنکشف الحجاب فی علم اعلی من هذا العلم والله اعلم۔ فقط۔

بھی یوں ہی چاہتی ہے روح صفات باری تعالےٰ میں سے ہے پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی صفات قدیم نہ ہوں۔ نہ اس روح کو جوہر سے کچھ تعلق ہے نہ عرض سے اور نہ منطق کے اُن پیچیدہ الفاظ سے جو اس کے ثابت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں ایک کامل نور کامل روشنی جو کائنات پر محیط ہوا ور غیر محدود ہو اُس کا محدود الفاظ احاطہ نہیں کر سکتے۔ خداوند تعالےٰ نے روح کو ہر جگہ مختلف الفاظ سے تعبیر کیا ہے مگر ایک مقام پر اس کی حقیقت کو کھول دیا ہے مگر اس حقیقت کو دیکھنے اور نظر کرنے کے لئے دل کی آنکھیں چاہئیں یا اُس رشتہ کی آنکھیں ہوں جو انسان اور روح القدس میں قرار پایا ہے۔ ہماری آنکھیں خداوند تعالےٰ کے فیضان سے روح کی حقیقت دیکھنے کے لئے کھل گئی ہیں اس لئے ہم بیان کرتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے آدم کی پوری حالت بیان کرکے فرمایا ہے ’’ وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملٰئکة فقال انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتم صدقین ۔ قالوا سبحنك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم ۔ قال یاٰدم انبئهم باسمائهم فلما انبأهم باسمائهم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ۔ واذ قلنا للملٰئکة اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکٰفرین ۔ اور آدم کو کل اسما تعلیم کئے پھر ان اسما کو فرشتوں کے آگے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ہمیں ان اسما کی حقیقت بتاؤ بولے تو پاک ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا مصلحت کو پہچاننے والا ہے۔ پھر خدا نے آدم کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان اسمار کی حقیقت بتا دو جب آدم نے فرشتوں کو اُن اسما کی حقیقت بتادی تو خدا نے فرمایا کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی باتیں ہمیں معلوم ہیں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم ہم سے چھپاتے تھے وہ ہم کو سب کچھ معلوم ہے اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب کے سب سجدے میں گر پڑے اُس نے نہ مانا اور شیخی میں آگیا اور نافرمان بن بیٹھا۔‘‘

اس کل عبارت خداوندی سے جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ اگرچہ ابھی تک نہیں کھلا ہے مگر کیا ضرور ہے جو ہمیشہ تک ڈھکا رہے اور کبھی اُس کے کھلنے کی باری نہ آئے۔ ہم اسمار کے معنی روح سمجھتے ہیں جب اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنانے اور اس میں جان ڈالنے کے بعد یعنی اُسے انہی موجودہ اندرونی او خارجی اعضا سے زندہ کرنے کے بعد عنایت فرمائی اور پھر اُسے وہ شرف بخشا کہ ملائک سے سجدہ کرایا اور اخیر تمام کائنات کا مسجود بنایا۔ اسلام کا پہلا اصول جب توحید قرار دیا گیا ہے اور غیر اللہ کے آگے پرستش کرنا یا جھکنا حرام مطلق بلکہ درجہ کفر میں داخل کیا گیا ہے پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ خداوند تعالےٰ خود ہی تو تمام کائنات کا انسان کو مسجود بناتا اور خود ہی یہ فرماتا کہ سجدہ صرف میرے ہی لئے ہے اور پرستش صرف میری ہی کرنی لازم ہے۔ فرشتوں میں کسی خاص فرشتہ کی تخصیص نہیں کی گئی تو اس سے یہ نتیجہ بھی بآسانی نکل آئے گا کہ ہر ادنےٰ آدمی یعنی آدمی زادہ کی ذات جبرائیل و میکائیل وغیرہ فرشتوں کی مسجود ہے اور پھر اس کے مقابلہ میں اسلام نے فرشتوں پر ایمان لانا اس طرح اسلام کی نشانی قرار دی ہے جس طرح انبیا علیہم السلام پر ایمان لانے پر قرار دی۔ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایک ارفع اور افضل ذات ایک ادنےٰ اور ارذل ترین ذات پر ایمان لانے کے لئے مجبور کی جائے اور زبردستی اُس کا گلا گھونٹا جائے کہ وہ اُس کی تعظیم کرے۔ این خیال ست و محال است و جنوں۔ بلکہ اس روشن آیت کے یہ معنی نہیں ہیں جو عام و خاص

مائل ہوتا ہے اسے ملکی حالت کہتے ہیں اور جو زمین کی جانب مائل ہے اسے بہیمیت کہتے ہیں۔

مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق ان ہی مقدمات پر اکتفا کیا جائے تاکہ اس علم میں اس کے تسلیم کے بعد تعریفات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اس کے چہرہ سے پردہ اٹھایا جائے۔ واللہ اعلم۔ فقط =

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اگرچہ زبردست دماغوں کا نتیجہ خیال اور اعلیٰ درجہ کے علمی مباحث ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قائل کا مطلب کیا ہے اور وہ اسے کس حد تک سمجھا ہے۔ روح کی حقیقت کو انسان کے اختراعی اصول منطق اور فلسفہ سے حل کرنا اور جوہر و عرض کے جال میں پھنسانا قیامت تک اصلی حالت پر مطلع نہیں کر سکتا۔ منطق کے وضعی جملے کبھی اس گوہر بے بہا کا پتہ نہیں لگا سکتے جو خداوند تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کیا ہے۔ شریعت کے راز ہمیشہ سے منطق کی حجتوں اور بے نتیجہ دلایل سے بے نیاز کئے گئے ہیں۔ منطق یا فلسفہ کی پرواز اس بلندی پر نہیں ہو سکتی جہاں شریعت کے راز متمکن ہیں ان رازوں کو وہ قابلیت پا سکتی ہے جو روح القدس کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے جس نے معرفت کی شراب نہیں پی وہ حقیقی حالت وجد کا چسکا کیا اٹھا سکتا ہے "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی"۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امام غزالیؒ یا شاہ ولی صاحب یا امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب مباحث مشرقیہ میں جو کچھ روح کی حقیقت بیان کی ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ کے منطقی اور علمی پیمانہ پر ہے مگر پڑھنے والے کا تذبذب اس سے نہیں جا سکتا اور نہیں خیال میں آ سکتا کہ روح کیا چیز ہے کیوں کر پیدا ہوئی کہاں رہتی ہے اور جسم کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور مرنے کے بعد عذاب و ثواب روح پر ہوتا ہے یا کسی اور چیز پر۔ یہ سوالات ایسے ہیں جو ادنیٰ کے دل میں اٹھتے ہیں اور جب ان کا کافی جواب نہیں ملتا تو مایوسی ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی بساط کے موافق ان سوالوں کا جواب دیں گے شاید ہماری کوئی بات ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکے۔

روح اور جان کے سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے تمام حکمائے یونان اور موجودہ حکمائے یورپ نے سخت غلطی کی ہے کہ صرف جان یا "لائف" کو انہوں نے روح انسانی خیال کیا ہے۔ علوم جدیدہ جب روح کا پتہ نہ لگا سکے تو انہوں نے اس سے بالکل انکار کر دیا اور لائف ہی کو انہوں نے مقدم ضروری اور لازمی قرار دیا۔ اس لحاظ سے لائف کی جو کچھ تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح اصول پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انسان کے جسم کو ایک کل سے صحیح مثال ہو سکتی ہے جس طرح ایک پرزہ کی خرابی تمام کل کو بے کار کر دیتی ہے اسی طرح ایک عضو کا تعطل یا بدنظمی جسم کو سالم نہیں رکھ سکتی۔ پھیپھڑا اگر اندرونی اعضائے شریفہ کو برقرار رکھتا ہے تو دل بھی اس سے کم اعضا پر حکومت نہیں کرتا۔ اگر دل یا گردہ میں چھید کر دو یا انہیں چاک کر دو تو کبھی کوئی عضو سلامت نہیں رہ سکتا بلکہ جسم ہی مردہ ہو جائے گا۔ انسان کی کھوپڑی اگر کسی صدمہ سے پھٹ جائے تو پھر پھیپھڑے کا اور دل کا عمل بجا نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر بائیلہ وغیرہ میں کچھ نقص واقع ہو جائے تو عظیم الشان کل کے تمام پرزے کام چھوڑ دیں گے یہ تو سب صحیح ہے مگر ان باتوں سے روح کو کیا تعلق ہے۔ روح ایک علیحدہ چیز ہے جس سے اس زندگی کو کچھ بھی سروکار نہیں۔ روح سے نہ انسان زندہ رہتا ہے نہ روح کی مفارقت کے معنی مرنے کے ہیں۔ روح کا نہ کوئی مکان ہے نہ کسی خاص جگہ اس کا قیام ہے روح باقی ہے فانی نہیں ہے اور روح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی قرآن مجید سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے۔ اور عقل

سمجھنا چاہیے نہ اُس کی کوئی جگہ ہے نہ کوئی مقام ہے نہ یہ انسان کے کسی خاص حصہ میں رہتی ہے اس کی مثال بالکل ہوا کی سی ہے نہ اُس کے رہنے کی کوئی خاص جگہ ہے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اور ہر ساعت ہوا ہمارے ساتھ رہتی ہے ہمارے جسم میں بھی موجود ہے اور بیرونی اعضاء پر بھی اُس کا اثر برابر ہے ہر طرف سے اُس کا بوجھ پڑتا ہے مگر معلوم نہیں ہوتا اسی طرح روح کا ایک سرچشمہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا مگر اُس کا فیضان عام طور پر جاری ہے۔ آفتاب کی روشنی سے جسطرح بقدر وسعت ہر جاندار مستفیض ہوتا ہے اسیطرح روح کا فیضان عام طور پر جاری وساری ہے اور ہر شخص اُس سے بقدر قابلیت ولیاقت اور استعداد حصہ لیتا ہے۔ روح کا نہ کوئی خاص مقام جسم میں ہے نہ کسی اور جگہ نہ وہ مادّی ہے نہ غیر مادّی نہ جوہر ہے نہ عرض بلکہ وہ باری تعالےٰ کا ایک ایسا فیضان ہے جس کی ناپ تول انسانی زبان میں نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ "قل الروح من امر ربی" یعنی کہہ کہ روح امر ربی میں سے ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ روح کی حقیقت سمجھنے کا تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے یہ ایک عجیب وغریب جواب ہے جس کی باریکی ابھی تک کسی کے خیال میں نہیں آئی ہے۔ یہودیوں نے حضور انور سے یہ سوال کیا تھا اور اُس زمانہ میں یہودیوں کی جو کچھ حالت تھی خواہ بلحاظ اخلاق خواہ بلحاظ معاشرت خواہ بلحاظ مذہب وہ ایسی ارذل اور ناپاک تھی کہ فیضان روح کا اُنہیں مطلق حصہ نہیں ملتا تھا اور جو کچھ ملا بھی تھا وہ بھی اُن کی بدکاریوں سے سلب ہوچکا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ اُنہوں نے روح کی بابت جو سوال کیا تھا اُس کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ حق کی تحقیق ہو اور کچھ نا معلوم باتیں ظاہر ہوں بلکہ اس سوال کرنے سے اُن کا خاص منشا فخر موجودات نبی کریم کی تضحیک کرنی تھی اُس کا ویسا ہی جواب دیا گیا اور بتایا گیا کہ روح امر رب ہے مگر تمہیں اُس امر رب کا بہت ہی قلیل حصہ ملا ہے اس جواب باری نے یہودیوں کی پوری حقیقت کھول دی اور بتادیا کہ وہ کس قدر حکم خدا سے نابلد ہیں اور اُنہوں نے اُن احکام خدا کو کس قدر بھلا دیا جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اُنہیں عطا ہوئے تھے۔ اور اُنہیں خداوند زمین وزمان نے جس روح القدس کا حصہ دیا تھا اُن کی بداطواری۔ نالایقی۔ احکام خدا سے روگردانی نے اُنہیں ظاہر کردیا اور ساتھ ہی اُنہیں بتادیا کہ تم اس قابل ہی نہیں رہے کہ تم سے یہ حالات بیان کئے جائیں۔ ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ ایک زانی۔ بداطوار شخص کو مضامین معرفت کی اُس وقت تعلیم کرنی کہ جب وہ اپنی ناپاک معاشرت پر اصرار ہو کتنی لایعنی اور فضول بات ہے۔ ہر شخص کی عقل کے مطابق ہمکلام ہونا چاہیے۔ ایک دہریہ جو مذہب کے نام سے نفرت کرتا ہو اگر بطور مضحکہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر دریافت کرے اور ربانی مطالب کو حل کرنے بیٹھ جائے کیا کوئی بھی عقلمند شخص اسے کلام ربانی کی باریکیاں سمجھائے گا جب کہ اُسے یہ علم ہوجائے کہ محض توہین دین اور تضحیک اسلام کرنے کی غرض سے اس نے یہ سوال کیا ہے۔ یہودی جہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہمارے ہادی برحق کو پہنچاتے تھے اور شب وروز اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اس فخر موجودات کو اُس کی کوششوں میں ناکام کیا جائے۔ عہد شکنی اُنہوں نے کی۔ دشمنان رسول کریم سے موا مل گئے دست بدست جنگ اُنہوں نے کی حتیٰ کہ ایک یہودن نے حضور انور کو زہر تک دیدیا ایسی شقی قوم کے افراد میں سے اگر چند افراد نے روح کی بابت آپ سے سوال کیا تو اُس کا سوا اس کے کیا جواب دیا جاتا بعض ناواقف یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کا کچھ بھی بیان نہیں کیا اور ایک مجمل سا جواب دے کے ٹالدیا حالانکہ یہ سخت غلطی ہے اور

مفسر سمجھ گئے ہیں اس کا اصلی منشا یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے انسان بنا کے اسے اپنی روح القدس عنایت فرمائی جسکی وجہ سے اسے کائنات کا علم ہو گیا اور جب وہ اس زیور سے مزین ہو چکا تو عالم مجردات کو حکم دیا کہ اس کے آگے جھک پڑو کس کے آگے اس روح القدس کے آگے جو رب العزت کی صفت تھی مگر اس کے آگے سجدہ کرنے پر اس سرکش قوت نے جو انسان میں ودیعت ہوئی ہے انکار کیا چنانچہ ہمیشہ وہ اس انکار کرنے پر معتوب رہی اور تا قیامت رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کا تمام علم و فضل تمام روحانی فضائل تمام اوصاف حمیدہ پر بعض اوقات یہ نافرمان قوت غالب آجاتی ہے اور اس سے ایسے ایسے افعال کا صدور ہو جاتا ہے کہ وہ ایک جانور سے بدتر بن جاتا ہے غرض قیامت تک یہ قوت انسانی فضائل پر کبھی کبھی اپنا غلبہ کرتی دکھائی دے گی اب دیکھنا چاہئے کہ روح کیا چیز ہے اور جیسا عام طور پر سمجھا گیا ہے روح فانی ہے یا باقی اور روح حادث ہے یا قدیم۔ ہمارے خیال ہی میں نہیں بلکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ روح قدیم اور باقی ہے اور روح کو ہرگز فنا نہیں ہے روح کا قیام ذات باری کے ساتھ ہے اور روح خداوند تعالےٰ کی ایک خاص صفت ہے چنانچہ قرآن مجید میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے

یعنی جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں"۔ روحی کا لفظ صاف شہادت دیتا ہے کہ خود اللہ تعالےٰ نے اپنی روح انسان میں پھونکی پھر کیوں کر خیال ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی روح کو فانی اور حادث کہیں اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے بلکہ روح کو باقی اور قدیم نہ کہنے پر کفر لازم آتا ہے۔ اگر اب تک عام مفسر اس غلطی میں سے نہیں نکلے ہیں مگر دعا ہے کہ خدا ان کی یہ غلطی معاف کرے گا اور ان سے اس امر میں مواخذہ نہیں کرے گا کہ انہوں نے غلطی سے خدا کی روح کو فانی اور باقی نہیں مانا ہے۔ روح کا فانی یا حادث ماننا خدا کا فانی یا حادث ماننا ہے حالانکہ اسلام ایسے شخص کو جس کا یہ عقیدہ ہو کافر سمجھتا ہے اب سوال یہ ہے کہ روح چیز کیا ہے؟ روح خدا کی خاص صفت ہے جس کی تشریح انسانی الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ روح ایک اکتسابی امر ہے جو بقدر محنت ہوش سنبھالنے کے بعد ہر شخص کو مل سکتی ہے وہ ایک ایسا فیضان الٰہی ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل ہی کر لیتا ہے اور اس سے نیک نتایج ہی اخذ کرتا ہے جسے روحانی قوت کا بہت بڑا زبردست حصہ ملا ہے اس کے کمالات ایک عالم میں مسلم ہو جاتے ہیں اور وہ نہ صرف ملائکہ کا مسجود بنتا ہے بلکہ خود انسان اس کی تعظیم کرنی اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کفرستان میں پیدا ہوئے اہل بت پرستوں میں پرورش پائی اور نہایت وحشی اور دنیا کے نامہذب لوگوں میں آپ کی معاشرت رہی پھر کس چیز نے آپ میں وہ قابلیت پیدا کر دی جو شائستہ سے شائستہ ملک کے رہنے والے میں نہیں ہو سکتی۔ بس سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح القدس جو آپ کی ذات میں ودیعت کی گئی تھی اس نے آپ کو دنیا کے بہت بڑے حصہ کا مالک اور قریب قریب کل دنیا کا مصلح بنا دیا۔ جب روح القدس کا زیادہ زور ہوتا ہے تو وہ شخص نبی کہلانے لگتا ہے بلکہ اپنے ربانی وجد میں خود اپنے کو نبی کہتا ہے نبوت جس کے معنی بلندی کے ہیں اس کی مرتفع اور اعلےٰ ذات کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہو جاتی ہے اور پھر نبوت اور اس کی ذات کوئی علیحدہ علیحدہ چیز نہیں رہتی۔ روح جسے فیضان باری تعالےٰ

میں تمیز نہیں رہتی اپنی انتہا درجہ کی جہالت میں یہ سمجھے جاتا کہ جو کچھ ہم نے اعتراض کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور دوسرے کا جواب نہ سننا یا مصلحت وقت اور موقع کو نہ دیکھنا بالخصوص ایک پڑھے لکھے آدمی کے لئے سخت بدقسمتی کا باعث ہے۔ مسئلہ روح کو دنیا میں کوئی بھی اس طرح حل نہیں کرسکتا کہ آنکھوں سے دکھا دے ایک نور جو نہ آنکھوں سے دکھائی دے نہ محسوس ہو سکے اُس کا بیان اس صورت سے کرنا کہ ہر شخص تسلیم کرے محال سے بھی بڑھ کے محال ہے۔ بڑے بڑے فلسفیوں اور داناؤں نے جب کوئی پہلو نہیں دیکھا تو صاف انکار کر دیا اور بعض نے اگر کوشش کر کے اُس کی کچھ حقیقت بتائی ہے تو وہ ایسی مضحکہ خیز ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ ایک عقیل اور فہیم شخص ایسی باتیں تحریر کر سکے ہم جو کچھ روح کی حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم نہیں دعویٰ کر سکتے کہ وہ ہی اصل حقیقت ہوگی اور اس سے زیادہ تفصیل سے کوئی بیان ہی نہ کر سکے گا بلکہ ہمارا یہ منشا ہے کہ ہر پڑھے لکھے سمجھدار شخص کو اس مسئلہ میں غور و خوض کرنی چاہئے شاید آئندہ صدی دو صدی چار صدی کے بعد کوئی ایسا یقینی پہلو نکل آئے کہ اُس سے ہر نفس کی تسکین ہو سکے۔

میرا منشا نہیں ہے کہ میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرح روح کے بیان کو منطقی اور فلسفی اصطلاحات کے جال میں پھنسا دوں نہ میرا یہ منشا ہے کہ میں اطبائے اسلام کی تقلید کر کے نفس ناطقہ کی ایک کیفیت بیان کروں نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ڈاکٹران یورپ کی طرح بالکل اُس سے انکار کر دوں کہ روح کوئی چیز ہی نہیں ہے اور جو کچھ ہے جان ہے بلکہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ روح کا بیان ان سادے سیدھے جملوں میں ہو کہ کم استعداد شخص بھی بخوبی سمجھ سکے اور ربانی غوامض کو اس عمدہ پیرائے میں ادا کیا جائے کہ سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہ ہو۔ اگر ہمارے اس مضمون سے ایک حصہ بھی ناظر تفسیر کی تسکین ہوگئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے کامیابی کے ساتھ ایک اہم فرض انسانی کو ادا کیا اور اگر ہمارے بیان روح نے کچھ بھی تسکین نہ دی تو بھی ہم خوش ہوں گے کہ دینی اور قومی کام کی انجام دہی تو ہوگئی کسی اور بھائی کو تحریک ہوگی کہ جس کام کو ہم نے ناتمام چھوڑا ہے اُسے پورا کریگا۔

خیال نہیں ہو سکتا کہ روح کوئی ایسی چیز ہو جو جسم کے کسی محدود حصّہ میں مقیم ہو۔ ایک ایسی چیز جو خود محدود نہ ہو کسی محدود مقام میں مقید نہیں ہو سکتی اور اگر فرض کریں کہ مقید ہو سکتی ہے تو وہ کچھ کام نہیں دے سکتی۔ مثلاً ایک کمرہ کو چاروں طرف سے ایسا بند کیا جائے کہ کسی دراز سے رتی برابر بھی ہوا کا اُس میں گذر نہ ہوا اور وہاں ایک جاندار چیز کو رکھا جائے حبس دم ہو کے وہ چند ساعت میں مرجائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہوا اُس کمرہ میں موجود تھی تو وہ جاندار کیوں مرا جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ غیر محدود چیز اگر محدود ہو تو ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ بہرحال یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح جو درحقیقت ایک نور مجرد ہے وہ کسی خاص حصہ میں مقید ہو کے رہے اور اُس سے افعال کا صدور ہو۔ اگر روح کو دماغ کی کھوپری میں قید کریں تو قلب جسے گذرگاہ جلیل اکبر کہتے ہیں بیکار رہجاتا ہے اور جب دل میں اُسے محدود سمجھتے ہیں تو دماغ کی شیخی کی روحیت کہاں سے زیادہ وقعت نہیں رکھنے کی۔ اگر روح کا مقام آنکھوں میں قرار دیں تو نابینا بے روح ہوئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ نہ ہم روح کو کیفیت اعضاے رئیسہ کہسکتے ہیں۔ نہ روح کی تقسیم ہوسکتی ہے بلکہ ہمیں مجبوراً روح اور جان کو بالکل علیحدہ علیحدہ ماننا پڑیگا اور روح کو خواہ وہ کہیں رہے ایک غیر محدود جگہ دینی ہوگی۔

ایسا سمجھنا نری جہالت ہے۔ جو مقدس نفس کہ سر تا پا روح القدس بنا ہوا ہو جو پاک نفس پیدا ہوتے ہی روح القدس کا ہمکنا
رہا ہو جس کے ساتھ روح القدس کا ہونا اول روز سے لازمی کر دیا گیا ہو اُس سے زیادہ روح کی حقیقت کون بتا سکتا ہے۔ اگر
وہ چاہتا تو اُس کی وہ حقیقت بتاتا کہ کوئی نبی نہ بتا سکتا مگر روح کی حقیقت بیان کرنے سے یہی مناسب جانا کہ انہیں ایسے
راستہ پر ڈال دیا جائے کہ وہ روح کی خود تلاش کریں اور پھر بتانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس بچہ نے کہ مکتب میں ابھی تعلیم
پانی شروع کی ہو اور جس نے ابتدائی کتاب پڑھی ہو علم کی ہرگز یہ عقلمندی نہیں ہو سکتی کہ وہ ادب کی بڑی بڑی کتابیں لے
سمجھانے بیٹھ جائے اور پھر یہ خیال کرے کہ میں نے اُسے بڑا عالم بنا دیا۔ حالانکہ وہ بیچارہ جو کچھ حاصل کر سکتا تھا اُس سے بھی
گیا گذرا ہو گیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کس قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو تمام عالم میں اپنی وحشی سخت دلی۔
بداطواری۔ بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش کرنے میں نامور اور مشہور تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ایسی جاہل۔
وحشی۔ بات بات پر بھڑکنے والی قوم کو کیوں کر ہو سکتا تھا کہ ربانی غوامض کی تعلیم کی جاتی اور وہ وہ ادق مضامین بتائے
جاتے جو وہ حشر تک بھی نہ سمجھ سکتے۔ ناممکن تھا کہ اس سے ایک نفس بھی ہدایت پاتا اور بالکل محال تھا کہ توحید خدا کی روشنی
عالم میں پھیلتی۔ اُن کی ہدایت کے لئے ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں عجیب وغریب معجزہ رکھا گیا جس طرح ایک بدوی جاہل صحرائی
وحشی شخص ہدایت پا سکے اسی طرح اُس مقدس کتاب سے ایک فاضل اور مہذب شخص روحانی تعلیم حاصل کر سکے۔ یہی ایک بہت
بڑا معجزہ ہے اور اسی معجزہ کی وجہ سے ہم اسے کتاب اللہ کہتے ہیں قرآن مجید کی ہزارہا تفاسیر موجود ہیں اور سب میں اکثر
آیات قرآنی کی نئی نئی طرح کی تفسیر کی گئی ہے کہیں فلسفیانہ اصول پر تفسیر لکھی گئی ہے اور کہیں طبیعات کے اصول پر کلام
ربانی کو چسپاں کیا گیا ہے کہیں عوام الناس کے مذاق کے مطابق حل مطالب کئے گئے ہیں غرض ایک دریا ہے جس کی کاٹ
کاٹ کے کئی کئی شاخیں نکالی ہیں اور اُن شاخوں سے کہیں کھیتوں کو سیراب بنایا ہے تو کہیں باغوں کی روشوں کو شاداب
کیا ہے اور کہیں عفونت کے مقام کو پاک کیا ہے اور کہیں پیاسوں کی پوری پیاس بجھائی ہے۔ جو شخص قرآن کے
رستہ پر پڑ گیا اُس نے اپنے مذاق کے موافق اُس سے ہدایت حاصل کر لی یہی بہت بڑی صفت ہے جس نے قرآن کو
کلام خدا کا معزز لقب دیا ہے۔ انسانی تصنیف میں یہ بات قیامت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر کتاب صرف ایک ہی مذاق
کو پورا کرتی ہے اور دوسرے مذاق کا ایک حصہ بھی اُس سے پورا نہیں ہوتا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ جو تعلیم حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی وہ لاریب نہایت حکمت بالغہ
پر مبنی تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ضرورت نہ تھی نہ عقل اس کی مقتضی تھی کہ ابتدائے اسلام میں وہ باریک
مسائل سمجھانے کی تکلیف گوارا کی جاتی جن کا انکشاف بعد میں خود ہونے والا تھا ضرورت نہیں تھی کہ ایسے پیچیدہ مسائل
کو بیان کر کے مباحث کے دروازے کھول دئے جاتے اور پھر لوگ اسی پیچ وتاب میں ہو کے رہ جاتے۔ ضرورت
نہیں تھی کہ قبل از وقت اہم مسائل پر ردوکد ہوتی اور پھر اشاعت اسلام کا ڈھانچہ توڑ مروڑ کے وہیں رکھ دیا جاتا۔ نادان
ہیں وہ جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی۔ اور سخت کم عقل ہیں وہ جو اپنے اس اعتراض
پر بغلیں بجاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کا جواب کچھ نہیں آتا تعصب جب کہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے تو اُسے حق وناحق

وہ ایک چھوٹے سے پرند کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیتا ہے اور خوش ہوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کو پیر سے کچل ڈالتا ہے اور شاد ہوتا ہے اخیر یہ بات کیوں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں روح نہیں ہوتی اور جب روح کے فیضان کا زمانہ آتا ہے تو وہ دن بدن انسانی صفات حاصل کرتا جاتا ہے اور اخیر میں اگر وہ یوں ہی بڑھتا گیا تو مدارج اعلیٰ پہ پہنچ کے فیضان باری یا روح کا ایک امتیازیہ حصہ حاصل کرلیتا ہے اسی کو کامل انسان کہتے ہیں۔

اگر انسان میں روح کی خصوصیت نہ ہوتی تو مصنوعی بہت سے آدمی تیار ہو جاتے جو چلتے پھرتے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے مگر نہ ان میں نمو کی قوت ہوتی اور نہ وہ کسی قسم کا فکر کرسکتے تھے۔ ایک کل جس کے کل پرزے درست ہیں بغیر کسی آدمی کی مدد کے چلتی پھرتی اور کام کرتی ہے۔ کپڑا عمدہ سے عمدہ بنتی ہے اور دنیا بھر کی نادر اشیا بناتی ہے اسٹیم بہت بڑا اسکا ممد و معاون ہے اور اسی کی وجہ سے یہ تمام کام ہوتے ہیں کہیں بجلی اسٹیم (یعنی بھاپ) کا کام دیتی ہے۔ ہم ایک قسم کی جان اس کل میں بھی تسلیم کرسکتے ہیں مگر انسانی اور حیوانی یا نباتی جان میں اتنا فرق ہے کہ اسمیں نمو کے بعد تنزل ہوتا ہے اور کلوں میں ابتدا سے سوائے تنزل کے ترقی نہیں ہوتی یعنی پرزوں کا گس گھسکے بے کار ہو جانا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ اخیر بے کار ہو جائے گی اور سوائے اس کے کہ ان پرزوں کو کسی دوسرے کام میں لے آئیں وہ کسی مطلب کے نہیں رہتے۔ یہی حالت ہو بہو انسان اور حیوان کی ہے اگرچہ بظاہر انسان کا کوئی جزو کام میں نہیں آتا مگر حیوان کی بہت سی چیزیں کام میں آتی ہیں اور انسانی ضروریات کے لئے اس کا گوشت پوست اور ہڈیاں کارآمد ہیں اور اکثر اوقات بغیر ان کے چارہ نہیں جسطرح ایک بڑی کل صرف اپنے پرزوں کی ترتیب پہ چلتی ہے اور انہیں خارجی چیز سے مدد ملتی رہتی ہے اسطرح انسان کی زندگی ان گوشت کے پرزوں پہ منحصر ہے جو اسے ودیعت ہوئے ہیں ایک پرزہ کی خرابی تمام نظام جسم کو درہم برہم کردیتی ہے اگر وہ خرابی بیرونی امداد سے دور ہوگئی ہو انسان زندہ ہے اور جو وہ خرابی بڑھتی گئی تو اس کا اثر دوسرے پرزوں پر پڑتا ہے اور پھر کل پرزے اخیر جواب دیدیتے ہیں اور پھر انسان کو مردہ جسم کہنے لگتے ہیں۔ روح کا وہ حصہ جو اسے عطا ہوا تھا اب بھی اسی شعور کی حالت میں رہتا ہے اور ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہوتا۔

ہم نے بھی روح کو علیحدہ نہیں کیا ہے اور ہم نے ہی اسے ایک اعلیٰ درجہ نہیں عطا کیا ہے اور ہم نے ہی اسے قدیم اور غیر فانی نہیں مانا ہے بلکہ خداوند تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اس کی اہمیت۔ جلال۔ جبروت اور عظمت کا بیان کیا ہے اور ایسا بیان فرمایا ہے جسے پڑھکے دل ہل جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو کتنی عظیم الشان بزرگی عطا ہوئی جسکا خیال بھی نہیں آسکتا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا"۔ یعنی ہمنے اپنی امانت کو آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا انہوں نے قبول نہ کیا کہ وہ اسے اٹھائیں وہ خوف کے مارے کانپ اٹھے لیکن اسے آدمی نے اٹھا لیا اور وہ ظالم اور جاہل تھا۔ اس لفظ امانت سے عام

پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روح اور جان بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جان حقیقت میں اُس کیفیت مزاج کا نام ہے جو اعمال اعضا سے تعلق رکھتی ہے جب تک پھیپھڑے میں یہ صفت باقی ہے کہ وہ ہوا کو صاف کر کے کل جسم میں پہنچائے جس سے تمام اعضا اپنا کام معطل کر دیں جب تک خون جسم میں موجود ہے جب تک اس میں اعتدال سے حرارت نہیں بڑھی ہے غرض ہر چھوٹے سے چھوٹے عضو کی حرکت اور حد اعتدال میں ہونا جان کہلاتا ہے۔ اگر معدہ میں چھید کر دیا جائے یا گردوں کو چیر دیا جائے تو کل اعضا اپنا کام چھوڑ دیں گے اُن کا بالاتفاق کام چھوڑ دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جان نکل گئی یا بالفاظ دیگر جان نکل جانے کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعضانے اپنا کام کرنا ترک کر دیا۔ اس سے روح کو کیا تعلق روح کے فنا اور غیر فنا ہونے کی متعلق بحث کرنا ایک لاحاصل امر ہے۔ روح قدیم اور باقی ہے اُسے نہ جسم کے فنا ہونے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ اُس کے باقی رہنے سے کچھ فائدہ۔ بعض نے صرف اوپری سطح پر ہاتھ پیر مارے ہیں اور یہ بحث کی ہے آیا جسم کے فنا ہونے یا بالفاظ دیگر انسان کے مرنے کے بعد روح بیکار رہجاتی ہے یا نہیں یہ بحث انتہا درجہ فضول ہے روح کی ہمیشہ ایک حالت رہتی ہے اور اُسے کبھی فنا و بیکاری کی ہوا تک بھی نہیں لگتی۔ روح درحقیقت ایک خاص نور ہے جو بقدر وسعت استعداد ہر شخص اور ہر جاندار کو عطا ہوتا ہے۔ حیوانات میں اگرچہ روح ہے مگر نباتات میں صرف جان ہی جان ہے روح نہیں ہے۔ جان حیوانات کی نمو اور مشی کا باعث ہے اور روح بقدر اُس کی استعداد کے اُسے آگاہ کرتی ہے کہ پانی پی تاکہ پیاس بجھے کسی پناہ کی جگہ میں ہو تاکہ دشمن سے محفوظ رہے غرض اسی قسم کی ہر بات کی تعلیم کرتی ہے جس نے محنت شاقہ اُٹھا کے اکتساب نور روح کیا ہے وہی معزز و محترم بنجاتا ہے۔ روح ایک لطیف نور ہے جو برے افعال سے کثیف ہو جاتا ہے اور وہ روشنی جس میں انسان کے تمام خارجی و اندرونی اعضا چلتے اور کام کرتے تھے مدہم پڑ جاتی ہے اور پھر سوائے منافی اخلاق اور مضر صحت افعال کے اُس سے کچھ سرزد نہیں ہوتا۔ روح کا عمل جسم پر ایسا ہے جیسا ہوا اور آفتاب کی روشنی کا۔ کہ نہ اُس کا قیام کسی خاص مقام پر ہے اور نہ وہ کسی خاص محدود جگہ مقید ہے یہ صحیح ہے کہ مرنے کے بعد وہ انسان سے علیحدہ ہو جاتی ہے مگر یہ خیال کہ جدا ہونے کے بعد بیکار ہو جاتی ہے محض لغو اور مہمل ہے روح ہر جانب اور صورت میں کامل شعور کامل عقل اور کامل دانائی ہے۔ روح کیا ہے تمام عقل و دانش کا منبع ہے اور تمام اسرار ربانی کا سرچشمہ ہے یہیں سے قوانین فطرت کی رو نکلی ہے اور یہیں اسرار وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ روح خدائے برتر کی ایک خاص صفت ہے جسے یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں نہ انسانی افعال اُس کی حقیقت کُنہ پر محیط ہو سکتے ہیں تمام دنیاوی انتظامات تمام عقلی اور کیمیائی مشاہدات تمام علوم متعارفہ کا ایجاد اور عروج محض روح ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر انسان میں روح نہ دی جاتی تو فکر کرنے اور سوچنے کی اُس میں ہرگز طاقت نہ ہوتی شیر خوار بچہ بالکل مثل حیوان کے ہے نہ اُسے آگ آگ معلوم ہوتی ہے نہ زہر زہر نہ گڑھا گڑھا اور نہ شیر شیر اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ میں فیضان باری سے فیضیاب ہونے کی قابلیت نہیں ہوتی اس لئے ایک حد تک وہ بالکل اس سے محروم رہتا ہے کیا وجہ ہے کہ رحم اُس کے پاس ہو کے نہیں پھٹکتا اور لحاظ و شرم کا نام بھی اُس میں نہیں ہوتا

باتوں کا اُس سے اظہار ہو سکتا ہے کہ ظاہرین ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ علاوہ بریں موجودہ زمانہ میں اگر قلب کی قوت کا انکار کریں تو اُنکا انکار مسلم نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے دماغ کی روحانی قوت کا اکتساب کیا ہے اور اُسی کو ایک بہت بڑی ترقی دی ہے وہ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ قلب کی روحانی قوت کیا ہے اور کن مراقبوں اور مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتی ہے حقیقت میں قلب کی روحانی قوت کا وجود عالم میں تھا اور اب بھی مشرقی دنیا میں کہیں کہیں موجود ہے اور اصل یہ ہے جسے اس ملکہ قلبی کا کچھ بھی چسکا لگ جاتا ہے اُس کے آگے درحقیقت ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس جگہ ایک صاحب نسبت کے اُس جواب کو جو اُس نے شاہ سنجر کو دیا تھا نقل کر دیں مختصر یہ ہے کہ شاہ سنجر نے ایک صاحب نسبت فقیر کے کمالات روحانی ان معتبر ذرائع سے سنے کہ وہ نادیدہ عاشق ہو گیا اور اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک عریضہ لکھ کے فقیر صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور اُس میں یوں ملتجی ہوا اگر حضور میرے پایۂ تخت میں تشریف لا کے اقامت گزیں ہوں تو میں اپنا نصف ملک حضور کی تحویل میں دیدیتا ہوں۔ اس کے جواب میں صاحب نسبت درویش نے یہ اشعار لکھ کے بھیجدیئے۔

تا یافتہ دلم خبر از ملک نیم شب — یک ملک نیمروز بیک جو نمے خرم
چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در فقر گر بود ہوس چتر سنجرم
سر چوں سر قلم ز وجودم بریدہ باد — گر سر بطاق عرش فرود آورد سرم

یہ بالکل صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے جنہیں اس کا مذاق نہیں ہے وہ اسے مشرقی مبالغہ سمجھیں گے مگر خدا جانتا ہے کہ ذرہ برابر بھی اس میں فرق نہیں ہے جسے قلب کی خفیف سی قوت بھی حاصل ہوجاتی ہے اُس کی کیفیت کے آگے وہ پادشاہت کو لات مارتا ہے چہ جائے کہ اُسے پورا ملکہ قلبی حاصل ہو جب اُسے اس ملکہ قلبیہ روحانی میں غلو ہو جاتا ہے تو پے درپے اُس کی زبان ہی سے نہیں بلکہ جسم کے ہر بن مو سے یہ سرزد ہوتا ہے۔

ہر چہ جز حق بسوز غارت کن — ہر چہ جز دین ازو طہارت کن

یہ سارے روح کے کرشمے ہیں جو ایک کل میں یا حیوان میں یا مصنوعی انسان میں نہیں حاصل ہو سکتے۔ ایک غریب بے یار و مددگار انسان ایک فاضل۔ حاکم۔ موجد۔ پیشوا کیوں بنجاتا ہے اور کس قابلیت سے وہ لاکھوں بنی نوع انسان پر حکومت کرتا ہے محض روحانی قوت کے طفیل سے جو لوگ جسمانی رکھ رکھاؤ میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں اور انہیں روحانی قوت کی ترقی کا کچھ خیال نہیں رہتا اس میں ہرگز شک نہیں کہ جانوروں کی اور اُن کی حالت یکساں ہے اور ذرہ برابر فرق ایسے انسان اور جانور میں نہیں ہے مگر جس نے خلاق اکبر کی نعمت عظمےٰ کی قدر کی ہے اور اُسے اپنی اپنی بساط کے موافق ایک حد تک حاصل کیا ہے وہی اس کی لذت کو بخوبی پہچان سکتا ہے۔ اُس کی وجدانی حالت اُس سے وہ وہ الفاظ منہ سے نکلوا دیتی ہے کہ لوگ اُسے مجنون سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ مجنون نہیں ہوتا۔ ایک عارف کے یہ اشعار ایسی حالت کا سچا نقشہ کھینچتے ہیں۔

ما ہیچ نہ ایم و جملہ ما ایم — گہ چوں سگ ایم و گہ ہما ایم

طور پر خلافت مراد لی گئی ہے مگر میری رائے یہ نہیں ہے بلکہ امانت سے مراد روح ہے جسکا بوجھ واقعی زمین و آسمان اور پہاڑ برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ خدائے برتر کا طرز بیان ہے کہ ہم نے پہاڑوں آسمانوں کے آگے پیش کی اس پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہم نے اپنی امانت کا اُٹھانے والا صرف انسان کو بنایا اور اسی وجہ سے ہم نے تمام کائنات پر اُسے شرف بخشا۔ ظالم اور جاہل سے یہی مراد ہے کہ وہ ہماری اس رحمت سے بالکل غافل تھا اور اس شرف کی اُسے خبر نہ تھی جو ہم اُسے عطا کرنے والے تھے ظلم کے معنی لغت عربی میں غیر کی چیز میں تصرف کرنے کے ہیں یعنی اُس کی یہ حالت تھی کہ وہ غیر کی چیز میں آسانی سے تصرف کر سکتا تھا اور جب اُسے امانت باری تعالیٰ مل گئی تو اب پس و پیش کرنا پڑتا ہے اور اگرچہ اُس امانت کے حاصل نہ ہونے کے بعد بھی وہ تصرف کرتا ہے مگر اپنے اس فعل کو ناجائز ضرور خیال کرتا ہے۔ اس سے اتنا مطلب نکلتا ہے کہ امانت کا لفظ انسان بننے کے بعد استعمال کیا گیا ہے یعنی ایک پتلا بنایا اور پھر وہ انسان بنا یعنی اُس میں رگوں اور اعضا کا وہ سلسلہ پیدا کیا گیا جس سے اُس میں جان آگئی اور پھر اُسے امانت سے سرفراز کیا۔ یہ امانت وہ روح ہے جس کی بابت ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر امانت سے مُراد خلافت لیں تو مطلب خبط ہو جاتا ہے کیوں کہ لفظ انسان نوع انسانی پر دلالت کرتا ہے اور یہ کوئی نہیں تسلیم کرتا کہ ہر انسان خلیفہ بنایا گیا اور سب ہی نبی بنا کے مبعوث کئے گئے لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک نبی یا رسول یا خلیفہ ہوتا ہے اور کل ہی نوع پر اُس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے اور اس آیت میں صرف لفظ انسان ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے ضرور ہوا کہ کوئی ایسی چیز ہو جو کل انسانوں میں ہو اور اُس سے ایک فرد بھی خالی نہ ہو۔ ہمارا جو کچھ مطلب تھا وہ حل ہو گیا یعنی ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ روح اور جان علیحدہ علیحدہ چیز ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ انسان میں وجہ شرف صرف یہ روح ہے اور اسی سے یہ اعجوبہ کام سرزد ہوتے ہیں جنہیں بعض اوقات سحر۔ خرق عادات کرامات اور معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روح کے بھی امتیازیہ مدارج ہیں اور ہر انسان میں اُسکی حالت مختلف آکے واقع ہوئی ہے۔ جس طرح رنگ صورت قد ڈیل ڈول ذہن۔ ادراک عقل۔ حافظ انسانی نوع میں ایک اختلاف عظیم پایا جاتا ہے اسی طرح روح کے مدارج میں بھی بیّن فرق مشاہدہ ہوتا ہے

روح کی ترقی بھی کسی طرح سے ہوتی ہے اگر کسی نے آنکھوں کے ذریعہ سے روح کو ترقی دی تو اُس میں اتنی قوت ہو جائے گی کہ وہ ایک تند اور غصیلے شیر کو آنکھوں کے ذریعہ سے ایک ہی مقام پر بےحس اور بےحرکت کرنا چاہے گی تو کر سکتی ہے آنکھیں ملاتے ہی کسی شخص کو بیہوش کر دینا اور بیہوش کرنے کے بعد مار ڈالنا یہ آنکھ کی روحانی قوت کا ادنیٰ نتیجہ ہے اور اگر قلب کے ذریعہ سے اکتساب قوت روح کیا جائے تو قلب وہ عجائب و غرائب اسرار کا پتہ لگاتا ہے کہ انسان ولی۔ قطب۔ ریفارمر (مصلح) اور رشی کہلانے لگتا ہے اُسے ہر مقام پر اپنے خلاق اکبر کا جلوہ نظر آتا ہے وہ سو قفلوں میں چھپی ہوئی چیز کو بآسانی دیکھ سکتا ہے وہ ادنیٰ توجہ سے ایک فاصلہ بعید کے شخص کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے وہ اپنے قلب کی توجہ سے ایک شقی ظالم اور سنگدل کو رحمدل اور نیک کر سکتا ہے وہ ایک گروہ کے گروہ کو وجدانی حالت میں لا سکتا ہے غرض اَن چھپی ہوئی اور بظاہر ناممکن الوقوع

اب دیکھنا چاہئے کہ ملاحدہ یورپ روح سے کیوں انکار کرتے ہیں اور حیات ابدان پر کل افعال خارجی واندرونی کا دارومدار رکھتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جو چیز آنکھوں سے نہ دکھائی دے اور خیال ہی خیال میں رہے وہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ بات درست ہوتی اُس وقت جب ڈاکٹران یورپ کو انسان کے قوائے عقلی اور اخلاق کا پورا علم ہو جاتا۔ ابھی تک کوئی ڈاکٹر نہیں بتا سکا کہ ایک اچھی چیز کو دیکھکر جو کچھ کیفیت اور مسرت ہوتی ہے اس کی اصلی وجہ کیا ہے اور کون سے قوی ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا قول ہے کہ ہمیں انسان کی بابت ابھی بہت کچھ تحقیق کرنا ہے اور ابھی ہم نے ۱/۱۰۰ حصہ بھی اُس کی اصلی حقیقت کا طے نہیں کیا ہے۔ انسان میں کون سی خاصیت ایسی ہے جس سے رنگ کی پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کا کام لیا جاتا ہے مثلاً چار اشخاص ہیں چار مختلف رنگوں کے پسند کرنے کا مذاق ہے اُس مذاق کے پیدا نہ ہونے کا کیا سبب ہے اور اندرونی حالت میں ان چار اشخاص کا کیا اختلاف ہے کیا کوئی ڈاکٹر ایک شخص کے تمام قوائے خارجی اور اندرونی کا امتحان لے کے بتا سکتا ہے کہ اس میں کس رنگ کے پسند کرنے کا مذاق ہے اور یہ کس رنگ سے متنفر ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی موٹی موٹی باتیں ہیں جن کی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی اور وہ راز ابھی بہت دور ہیں جنکا کچھ کچھ اشارہ ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ ابھی اسی زمانہ میں خاص یورپ اور امریکہ میں ایک بڑا گروہ ہے جو نفس روح کی تحقیق کر رہا ہے اور اُسے اسکا کسی قدر کھوج بھی ملا ہے مگر صدیوں کی تحقیق کے بعد یہ ضرور ہے کہ ایسا بین نتیجہ نکلے کہ پھر اس پر نکتہ چینوں کو شبہ نہ ہو سکے۔

جانتے ہیں۔

وقفہ صحت سے مراد تھوڑے زمانہ کے لئے بالکل جنون کا موقوف ہو جانا ہے۔ اس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجنون بالکل اپنی اصلی حالت پر ہے۔ اس وقفہ کی مدت مختلف ہے لیکن اس کے بعد ہمیشہ علامات جنون عود کرتے ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد پھر وقفہ ہو جاتا ہے۔

لفظ جنون کی ایسی تعریف جو اس کی تمام صورتوں پر حاوی ہو کسیقدر مشکل ہے کیوں کہ مشہور ہے "الجنون فنون" اور جنون کی اکثر تعریفات یا تو کثرت سے جامع ہیں یا کثرت سے مانع۔ ہم جنون کی یہ تعریف قرار دیتے ہیں۔ جنون وہ حالت ہے جس میں انسان کے قوائے دماغی یا اخلاقی یا حیوانی میں (ان میں سے ایک میں یا کل میں) خواہ پیدائشی طور پر یا عمر طبعی کے اندر فرق واقع ہو جائے" یہ ایک دماغی مرض ہے جس کی وجہ سے عقل کی مجموعی حالت میں خلل واقع ہوتا ہے اس قسم کا خلل جو کسی سم یا بخار کے سبب سے نہ ہو اور اس شخص کی خصوصیات ذاتی کا اثر اس خلل دماغی پر پڑتا ہے۔ غرض یہ ایک مرض ہے جو صحت دماغی کے مقابل میں ہے اور صحت دماغی وہ حالت ہے جو انسان میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی خواہ وہ مذہب سے متعلق ہوں خواہ ذات سے خواہ اپنے بنی نوع سے صلاحیت پیدا کرتی ہے اور جنون کی وہ حالت ہے جو اس کے برعکس ہے لیکن چونکہ جنون کی حالت میں فی الواقع تغیر پیدا ہو جاتا ہے اس واسطے جنون ایک مرض جسمانی ہے۔

جنون کی علامتیں یہ ہیں۔ حرارت مزاج۔ زود رنجی۔ زود برافروختگی اور زیادہ گوئی جنون کی ابتدائی علامات میں سے ہیں۔ بعض اوقات خیالات کو کسی چیز پر جمانا یا کسی ایک امر پر غور کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ مریض کے افعال بالکل خلاف طبیعت ہو جاتے ہیں اور مریض اپنے فرائض

سلطان حقیقتم لیکن ٭ درکسوت آب و گل گدایم

یہ تو اُن کی حقیقت ہوئی جو قلب سے اکتساب روحانی کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑا اہم کام تھا مگر وہ لوگ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں ہیں جو دماغ سے اکتساب قوت روح کرتے ہیں جس کے جلوے ہمیں اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ عالیشان عمارتیں۔ بُروج مشیدہ۔ طراوت خیز باغ۔ جہازوں کا سطح آب پر چلنا سحر انگیز آلات کی روزمرہ ایجاد تعیش خیز سامان کا پیدا ہونا مختلف کلیں۔ تار برقی کا سلسلہ یہ سب اُس روحانی قوت کا نتیجہ ہے جو دماغ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ قدرت باری کے کرشمے جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں سب اسی کا طفیل ہے جب انسان کا کوئی عضو ایسا بگڑ جاتا ہے کہ اُس میں اکتساب قوت روح کی قابلیت نہیں رہتی اور نہ اُس میں وہ استعداد رہتی ہے کہ جو حصہ روح کا اُسے عطا ہوا تھا اُسے وہ اپنے پاس رکھ سکے تو اُسے دیوانہ کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دیوانہ میں روح کا رمق برابر حصہ بھی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی طبیب ایسا پیدا ہو جو اُس کے خراب شدہ اعضا کو درست کر دے اور پھر وہ اعضا اس قابل ہو جائیں کہ اکتساب روح کر سکیں تو پھر وہ روحدار انسان ہو سکتا ہے مجنون[1] میں صرف جان ہوتی ہے اور روح نہیں ہوتی۔ اور جو شخص مجنون میں بھی روح سمجھے اُس کی سخت غلطی ہے

روح اور جان بالکل غیر غیر ہیں اور ان میں باہم کچھ بھی تعلق نہیں ہے سوا اس کے کہ جان اعضا کو اس قابل بنائے رکھتی ہے کہ وہ روح کے متحمل ہو سکیں اور اگر چاہیں تو اُسے اپنی بساط کے موافق ایک حد تک مزید طور پر حاصل کر سکیں

[1] یہ جاننا ضرور ہے کہ مجنون کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں انسان مجانین کی فہرست میں شمار ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض اصطلاحات جن کا استعمال موقع بموقع ہوگا بیان کر دی جائیں تاکہ پھر سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ اصطلاحات چار ہیں (۱) ڈی لیوژن یعنی توہمات (۲) ہلیوسی نیشن یعنی تخیلات (۳) اِلے یوژن یعنی تصورات (۴) لیوسِڈ انٹرول یعنی صحت کا وقفہ۔

توہمات اس قسم کے خلاف قیاس اعتقادات ہیں جو صرف مجنون کے واہمہ میں ہیں اور جن کا وجود فی الخارج نہیں ہے۔ ان توہمات کا بے اصل ہونا مجنون کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ ان کے متعلق اُس سے مباحثہ کیا جا سکتا ہے۔

تخیلات ایسی اشیائے خارجی کی نسبت خیالات کا جم جانا ہے جن کا فی الواقع وجود فی الخارج نہیں ہے۔ تخیلات اکثر جنون کی مزمن اور مستقل صور میں واقع ہوتے ہیں ان ہی تخیلات میں سے ہے اپنے کو کسی جانور کی صورت سمجھنا یا خیالی بو یا خیالی آواز یا اشکال کا احساس جس وقت ان کا وجود فی الخارج نہیں ہے۔

تصورات فی الواقع اور موجود فی الخارج اشیا کی نسبت غلط خیال کرنا ہے مثلاً یہ تصور کہ جو کچھ غذا سامنے آتی ہے وہ مسموم ہے یا کوئی خاص آواز جو فی الواقع کانوں میں آتی ہے کچھ اور ہی ہے یا کوئی خاص شخص جو آنکھوں کے سامنے ہے کوئی اور ہی شخص ہے۔ تخیلات اور تصورات میں فرق صرف اس مثال سے معلوم ہوگا۔ مثلاً اگر کسی آواز کی نسبت تخیل ہو تو وہ آواز بالکل خیالی ہوگی اور اس کا وجود فی الخارج نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ایسی آواز کی نسبت تصور ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آواز موجود ہے۔ لیکن اس کی نسبت غلط تصور بندھ گیا ہے۔ یہ دونوں جنون اور علی الخصوص مزمن جنون کی بہت بڑی علامات میں سے ہیں۔ اگرچہ مرض کے اوائل میں بھی یہ کبھی کبھی پائے

پروفیسر ہکسلی کا قول ہے اصلی سائنس اور اصلی مذہب دو بہنیں ہیں جن میں ایک کی علیحدگی سے دوسری کی موت لازم آتی ہے۔ اس کا فروغ اسی قدر ہوگا جس قدر اُس کا مذہب سے تعلق ہوگا اور مذہب کا فروغ اتنا ہی ہوگا کہ جتنی اُس کی بنیاد بلحاظ سائنس کے گہری اور مضبوط ہوگی۔ یہ مسلم ہوچکا ہے کہ بڑے بڑے فلسفیوں کے کام محض اُن کی عقل کے نتیجے ہیں جو مذہب پر مبنی ہے اور حقیقت کا ظہور اُن کے حلم و محبت۔ یکسوئی طبیعت اور نفس کشی کی وجہ سے بہ نسبت اُن کی تیزیٔ عقل کے زیادہ ہوتا ہے ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے کہ سائنس بجائے لامذہب کرنے کے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے اُس کی عدم واقفیت ہی سے لامذہبی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی اس دنیا کی جو ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں اصلیت نہ جاننا ہی لامذہبی ہے فرض کرو کہ کسی مصنف کی نہایت مبالغہ کیساتھ تعریف کی جائے اور اُس کی تصنیفات کی عمدگی کی صدا ہر وقت اس کے کان میں پہنچے مگر وہ لوگ جو اُس کی تعریف کریں بجائے اُس کی کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے کے صرف ان کے ورق اُلٹنے یا اُن کی صورت دیکھنے ہی پر اکتفا کریں پس ایسے آدمیوں کی تعریف پر کیا اعتبار ہوسکتا ہے۔ اور اُن کی صداقت پر کوئی کیا بھروسہ کرسکتا ہے۔ یہی حالت انسان کی بمقابلہ اُس کائنات اور اُس کے پیدا کرنے والے کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیوں کہ انسان نہ صرف اُن چیزوں کی طرف جن کو روزمرّہ وہ عجیب وغریب کہتا ہے غور ہی نہیں کرتا بلکہ اُن لوگوں پر جو قدرت خدا کی طرف آنکھ اُٹھا کے دیکھنے میں ہنستا ہے۔ پس ہم مکرر کہتے ہیں کہ سائنس سے لامذہبی نہیں آتی بلکہ سائنس کی عدم واقفیت ہی لامذہبی ہے سائنس کی پرستش اُن چیزوں کی پرستش ہے جن کو سائنس بتاتا ہے اور ایسی پرستش بمنزلہ اُن کے خالق کی پرستش کے ہے۔ یہ پرستش محض زبانی نہیں ہے بلکہ عملی ہے یہ ادب محض ظاہری ادب نہیں ہے بلکہ اصلی ادب ہے۔ جو وقت خیال محبت اور عقل کے صرف سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چوں کہ سائنس سے ادب اور ایمان اس قانون قدرت میں جو تمام کائنات کی بنا ہے پیدا ہوتا ہے اور بجائے اُس ایک مروجہ یقین نسبت سزا و جزا کے جو انسان نے مجمل طور پر بلحاظ اپنی معاشرت اور حالت کے قایم کرلیا ہے سائنس بتاتا ہے کہ یہ جزا اور سزا قانون قدرت کا اصلی نتیجہ ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کے بُرے نتایج سے ہم نہیں بچ سکتے

بالکل چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور جنون دفعتہً شروع ہوجاتا ہے ایسی صورتوں میں اگرچہ دماغی کوئی علامت نہیں ظاہر ہوتی لیکن صحت میں پہلے سے فرق آجاتا ہے اور عموماً بیداری کا مرض بھی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ علامات بھی مفقود ہوتی ہیں۔ جو شخص دیوانگی کے قریب ہو اُس کی نیند ہمیشہ بے آرام ہوتی ہے۔ خواب پریشان اُسے ستایا کرتے ہیں اور وہ چیخ مار کے نیند سے چونک پڑتا ہے۔ اکثر اوقات قبض کی شکایت ہوتی ہے درد سر غشیاں آتی ہیں۔ قریب کے عزیزوں سے اکثر اوقات نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور یہ نفرت اسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر پہلے ان سے محبت تھی۔ مثلاً متاہل اور صاحب اولاد شخص کو اپنے بی بی بچوں سے سخت نفرت ہوجاتی ہے بعض اوقات طبیعت کو میلان خودکشی یا قتل کی طرف ہوتا ہے۔ غرض اُس شخص کی عادات اور مزاج میں یا تو بتدریج یا دفعتاً ایک تغیر پیدا ہوجاتا ہے جو اُس کی اصلی طبیعت کے بالکل برخلاف ہے ایسی صورتیں بھی موجود ہیں کہ مجلس وعظ میں بیٹھے بیٹھے اشخاص کو دفعتاً جنون ہوگیا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں مرض کی ابتدا ہمیشہ ہوچکی تھی مثلاً کسی گناہ عظیم یا بدفعلیوں کے مقصودوں نے طبیعت کو بالکل مایل کردیا تھا جس کی وجہ سے کل مادۂ جنون دفعتاً ہیجان میں آگیا بعض اشخاص بیداری کی حالت میں بھی خواب دیکھا کرتے ہیں۔ اور اشیائے خارجی کا انہیں تعلق بھی نہیں ہوتا۔

روح اور خدا کے اعتقاد کو سائنس یعنی علوم جدیدہ کسی حالت میں شکست نہیں دے سکتے ۔ علوم جدیدہ کے وہ مسلم ماہرین کی دھاک یورپ میں بیٹھی ہوئی ہے صاف پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ وہ سائنس ناکارہ اور لغو ہے جو روح اور خدا کی ہستی کا قائل نہ ہو مسیحی عقائد کو چھوڑ کے اگر اسلام کو دیکھا جائے تو اس نے دنیا کی پیدائش کا زمانہ محدود نہیں کیا ہے ۔ اس روشن مذہب کا اصول ہے کہ خدا دنیا سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ ہر ہر ذرہ ذرہ میں موجود ہے علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں نے اپنے اخیر وقت خدا پر ایمان اور اس کی ذات پر بھروسہ اور سہارا ڈھونڈا ہے ۔ اب علوم جدیدہ اور مذہب کی مغائرت دور ہوتی جاتی ہے ۔ اسلام نے یہ بات پیدا کردی ہے کہ عام طور پر بڑے بڑے فلسفیوں کا یہ مقولہ ہوگیا ہے کہ نہ علوم جدیدہ مذہب کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ مذہب علوم جدیدہ کو علوم جدیدہ قدرت خدا کے ظہور کو بتاتے ہیں اور اس حد سے وہ آگے نہیں بڑھتے ہیں مگر مذہب ظہور اور حقیقت کے فاصلہ کو دور کرکے دونوں کے ملانے کا ذریعہ ہے ۔ اب وہ زمانہ آگیا کہ مذہب کو علوم جدیدہ کی اور علوم جدیدہ کو مذہب کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ جو بات عقلاً مانی جائے گی اُس پر ایمان بھی مضبوط ہوگا۔

سائنس کا اصلی کام یہ ہے کہ ہر شئے کے تعلق کو دوسرے کے ساتھ ثابت کرکے یہ دکھادے کہ کل کائنات ایک سلسلہ سے قائم ہے ۔ مذہب اس مسئلہ کو حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں پس خیالات مذہبی بھی اسی صورت میں مضبوط ہوں گے جب ظاہری اشیاء کے تعلقات کو دیکھکر اُن سے اصلی حقیقت پہچانی جائے گی اس لئے سائنس بغیر مذہب کے باعث عافیت نہیں ہوسکتا اور مذہب بغیر سائنس کے محض تعصب ہوگا ۔ انسان کی دو قوتیں ہیں یعنی دل اور دماغ اور دونوں کی ترقی ہی سے اصلی ترقی ہوسکتی ہے ۔ مشرق میں صرف روح کو دل کے ذریعہ سے کام میں لانے کا غلو رہا اور مغرب میں محض روح کو دماغ کے ذریعہ سے کام میں لایا گیا جیسا کہ ہم گذشتہ صفحوں میں بوضاحت ثابت کرچکے ہیں اسلئے دونوں مقامات پر کامل ترقی نہیں ہوئی اب وہ زمانہ آگیا کہ مشرق و مغرب میں دونوں کی ترقی کی برابر کوشش کیجارہی ہے کیا عجب ہے کہ صدی دو صدی کے بعد دنیا میں کامل ترقی کی پھر ایک بار وہ صورت نظر آئے ۔

منصبی کو بلا وجہ ترک کر دیتا ہے اور اگر کام کرتا بھی ہے تو اس کے خیالات بٹے رہتے ہیں ۔ لباس میں صاف اور صریح بے پروائی اور مزاج میں کثافت آجاتی ہے ممکن ہے کہ نیند کم ہو جائے اور مریض رات کو اٹھ کے پھرا کرے اور آرام نہ کر سکے ۔ بعض وقت غیر معمولی یاس اور ناامیدی اور بعض وقت غیر معمولی خوشی اور فرحت ہوا کرتی ہے ۔ اکثر اوقات مریض تنہائی کو پسند کرتا ہے اور یہ علامت اوائل جنون میں بہت عام ہوتی ہے ۔ مریض اپنے دوست احباب سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور ان سے بدگمان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اُسے نظر بند کر رہے ہیں ۔ اگرچہ اس وقت توہمات تخیلات اور تصورات موجود نہ ہوں لیکن اس کے بعد ہی ان کا ظہور ہونے لگتا ہے حافظ ضعیف ہو جاتا ہے اور گفتگو میں تکرار آجاتی ہے ۔ اکثر اوقات کفر کے خیالات اور پریشان خواب مریض کو ستاتے ہیں طبیعت میں بے انتہا پریشانی اور کاہلی آجاتی ہے بلکہ موت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے ۔ مریض جانتا ہے کہ طبیعت درست نہیں ہے لیکن طبیب سے رجوع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی ان ابتدائی علامات کے زمانہ قیام اور شدت میں اختلاف ہوا کرتا ہے اور بعض

روح کے کرشمے اور افعال جب ہم اپنی آنکھوں سے روزمرہ دیکھتے ہیں اور انہیں محسوس کرتے ہیں پھر ہم کیوں کر انہیں خیالی کہسکتے ہیں۔ ہر متنفس میں روح کی ایک نئی صورت دکھائی دیتی ہے اور ہر شخص نئی طرح سے روح سے جلب منفعت کرتا ہے جس طرح کہ آفتاب کی روشنی سے نباتات۔ جمادات۔ حیوانات علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایک آفتاب ایک روشنی اور ایک ہی قسم کی شعاعیں مگر ان کے اثرات ہر ذرّہ ذرّہ پر علیحدہ نمودار ہوتے ہیں۔ یہی روح کی کیفیت ہے کہ اُس کا منبع ایک اثر ایک مگر مختلف صورتوں میں جلوہ دیتا ہے۔ اور سر دست اس سے انکار کرنا محال ہے۔ خدا کی نعمت سب کے لئے عام ہے خصوصیت اس میں کسی کی بھی نہیں ہے۔ ایک پنہاری کا بچہ بہت بڑا فاضل اور امیر بن سکتا ہے۔ جبکہ اُس کے مقابلہ میں ایک فاضل کا لڑکا جاہل اور ایک پادشاہ کا لڑکا غریب ہو سکتا ہے ہمارے اسلامی فلاسفر سعدی علیہ الرحمۃ نے تو نبوت کو بھی ایک حد تک اکتسابی امر مانا ہے چنانچہ اُن کا یہ شعر زبان زد عوام و خواص ہے۔

پسر نوح بابداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

اس سے یہی مطلب نکلسکتا ہے کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بُری صحبت میں نہ بیٹھتا تو اُسے ضرور خاندانی نبوت سے حصّہ ملتا۔ سوائے اس کے اس شعر کی اور کچھ توضیح نہیں ہو سکتی۔ خیر ہم یہ نہیں کہتے کہ نبوت اکتسابی امر ہے یا نہیں ہے لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ روحانی قابلیتوں کے ایک بڑے حصہ کا دارومدار محض محنت۔ شوق اور اچھی صحبت پر موقوف ہے۔ جس طرح ریاضت نفس سے روحانی قوت بڑھتی ہے اسیطرح کثرت سے جسم کی حالت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہم روحانی قوت کا نام قوائے اخلاقی اور تمدنی رکھ لیں اور روح کہکے نہ پکاریں بلکہ روح کے نام پر ٹھٹھا اُڑائیں۔ مگر غور میں نظروں کے آگے قوائے اخلاقی اور عقلی یا تمدنی یا قوائے روحانیہ میں اتنا فرق نہیں ہے جس طرح کہ قوائے اخلاقی محسوس نہیں ہوتے اسی طرح قوائے روحانی کی حس نہیں ہو سکتی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ روحانی سزا جزا کیا ہے روح جسکا فیضان دنیا میں ہم پر ہو رہا ہے آیا آخرت میں بھی ہوگا اور آیا اسی فیضان کو آخرت میں جزا اور سزا کی راحت اور تکلیف دی جائے گی یا کچھ اور صورت پیدا ہوگی اس کا جواب دینا ایک سخت مشکل کام ہے اور اس سے زیادہ ناظر تفسیر کا اطمینان کرنا ہے۔ یہ بحث اگرچہ ہماری قدرت سے باہر ہے مگر پھر بھی ہم کچھ نہ کچھ اس کی بابت ضرور لکھتے ہیں تاکہ ہمارے اور دوستوں کو بھی لکھنے کا موقع ملے اور ان میں ایسے لطیف مضامین پر بحث کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ یہ تو ذرا بھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ روح پر کوئی تکلیف ہوگی یا اُسے کسی نئی قسم کی راحت پہنچانے کی صورت نکالی جائے گی۔ بلکہ روحانی تکلیف سے غرض یہ ہے کہ فیضان باری تعالےٰ جو دنیا میں ایک محدود مدت

جو صحت دماغ کی علامت ہے سلب ہو جاتی ہے۔ ابتدائی جنون کی علامات میں بڑی علامت مزاج اور طبیعت میں اور افعال میں ایسے تغیر کا پیدا ہونا ہے جو فوراً محسوس ہوتا ہے۔ جو کچھ تو شخص میں عجب نہیں معلوم ہوتا لیکن مجنون میں مرض کی خبر دیتا ہے۔ درست تشخیص مرض کے لئے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کی عادات اور افعال کا نہایت باریکی اور احتیاط کے ساتھ اس کی حالت مرض کی عادات اور افعال سے مقابلہ کیا جائے۔

سائنس کا جاننے والا یہ معلوم کرے گا کہ قانون قدرت جس کی پابندی ہم پر لازم ہے نہ صرف معین ہے بلکہ نیک ہے اُسی قانون قدرت کی رو سے ہر شئے زیادہ کمال اور بہبودی کی طرف رجوع ہے۔ اسی سائنس کی بدولت انسان کو اپنی اصلی حالت اور دنیا سے اسکا تعلق معلوم ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ اُس کی عقل کی حد کہاں تک ہے، اور کہاں پر اُس کی عقل کی رسائی نہیں ہے۔ پس اگر سائنس کا جاننے والا انسانی روایتوں اور رواجوں کی طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھے تو کچھ عجب نہیں ہے کیوں کہ وہ حقیقت کی طرف نہایت عجز و انکسار سے دیکھتا ہے اس لیئے وہ شخص جو سائنس کا صدق دل سے پابند ہے نہ کہ وہ جو محض ایک شئے سے دوسری شئے کی دوری کو معلوم کرے یا مرکبات کو علیحدہ کرے یا اقسام کو الگ الگ کر کے دکھائے بلکہ وہ جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے اصلی حقیقت جس کا یہ کائنات۔ زندگی اور خیال ظہور ہیں انسان کی عقل سے کس قدر دور ہے،،

ہم نے اپنے گذشتہ صفحوں میں ڈاکٹران فرنگ اور ملحدان یورپ کے جو قول نقل کیئے تھے اُن کا اس اقوال بالا سے کچھ جواب ہو گیا ہو گا مگر اصل بات یہ ہے کہ بعض سائنس نے لوگوں کی طبایع پر دو قسم کا اثر ڈالا ہے۔ جن کی روحانی قوت نے بلند پروازی کی وہ بہت ہی گہرائی میں پہنچ گئے اور وہاں سوائے سربسجود ہونے کے انہیں کچھ نہ دکھائی دیا مگر جو لوگ روحانی قابلیت نہیں رکھتے وہ سمجھ گئے کہ اتنی ہی تحقیق پر ہمیں کائنات کے اصلی راز کا پتہ لگ گیا اب آگے قدم اٹھانے کی جگہ باقی نہیں رہی ایسے لوگ ملحد بنجاتے ہیں اور اُن کا خاتمہ انتہا درجہ ناکامی اور مایوسی پر ہوتا ہے۔ قدرت کے عجیب و غریب راز یہ سچ ہے کہ کھلتے جاتے ہیں مگر اس کا تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب کوئی راز تحقیق کے لیئے نہیں رہا۔ روح جس کی اوپر سے بحث چلی آ رہی ہے کائنات اور تمام قدرت باری کا ایک بہت بڑا راز ہے جس کے حل ہونے کے لیئے زمانہ دراز کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی شئے سے جس کی کچھ کچھ اوپری صفتیں معلوم ہوتی چلی ہیں اپنی لاعلمی سے محض انکار کر دینا اپنے کو ہمیشہ کے لیئے جاہل رکھنا ہے۔ یہ اعتراض روح کی نسبت ٹھیک نہیں ہو سکتا کہ روح ایک خیالی امر ہے جس کی جستجو کرنی جہالت اور حماقت پر دال ہو۔

انہیں علامات ابتدائی کے ساتھ صدرجہ کی کاہلی بھی ہوتی ہے اور خود مریض اور اُس کے پاس رہنے والوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اکثر اوقات حرارت غریزی بڑھ جاتی ہے اور بعض صورتوں میں قوت تکلم میں فرق آجاتا ہے بعض اوقات بچوں کا سا مزاج ہو جاتا ہے اور کبھی دفعتاً طبیعت میں حزن پیدا ہو جاتا ہے یہ علامات بالکل آہستہ آہستہ نمودار ہوتے ہیں۔ اور اکثر اوقات جب تک مرض اچھی طرح شروع ہونے محسوس نہیں ہوتے۔ ایک آدھ اندرونی عضو میں بھی مرض پیدا ہو جاتا ہے اور جنون کی ابتدا میں اکثر اوقات جگر ماؤف ہو جاتا ہے۔

جنون اور کجروی طبیعت میں فرق کرنا ضرور ہے کجروی ایک طبیعی چیز ہے اور اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ اس کے کجرو شخص اپنے طبیعی خاصہ کو جانتا اور سمجھتا ہے برخلاف اس کے مجنون اپنے جنون کا معترف نہیں ہوتا۔ اکثر عدالتوں میں ان دونوں میں فرق بوجھ جاتا ہے اور یہ فرق ہرگز آسان نہیں ہے کجرو شخص اپنی پیدائش سے مجبور ہاہے اور اُس کے مزاج میں کچھ تغیر محسوس نہیں ہوتا۔ اگر وہ بگڑا ہے تو ہمیشہ سے بے پروا رہا ہے اور کوشش کرنے سے اپنے کو مثل اوروں کے بنا سکتا ہے لیکن مجنون بالکل معذور ہے اُس میں وہ قوت فاعلہ

کی بھی کافی تعداد موجود ہے اس پر بھی اگر کوئی محنت شاقہ اُٹھا کے تعلیم حاصل نہ کرے نہ تو دارالعلوم کا تصور ہے نہ مدارس کی خطا ہے اور نہ معلموں کی کوئی فروگزاشت ہے۔ اپنی ہی خطا ہے اور اپنا ہی گناہ ہے کیوں نہیں محنت کی اور کیوں نہیں تعلیم حاصل کی ہاسی طرح جب ہم نے تمام عمر بداعمالی میں بسر کی اور کبھی خدا کی برکتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے قابل اپنے کو نہ بنایا تو خود بخود ہم پر لازمی طور پر اُس کی بخششوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور اُسوقت اُسکی عام رحمتوں پر کوئی الزام نہ لگا سکیں گے۔

سقراط کہتا ہے "جن لوگوں نے حقیقت کو دریافت کرکے اپنے کو پاک کرلیا وہ ہمیشہ اس مکان سے بھی زیادہ خوش مکان میں کہ جس کو بیان کرنا ناممکن ہے رہیں گے۔ وہ شخص جو اپنی روح کی بقا چاہتا ہے دنیا کی لذتوں کو اپنی اصلی حالت کے مقابلہ میں غیر سمجھ کے اعتدال و انصاف اور استقلال و آزادی اور راستی کا زیور جو اُس کی روح کا اصلی زیور ہے پہنکر اُسوقت کے لئے تیار رہے کہ جب اُسے یہاں سے جانا پڑے گا"

افلاطوں کا قول ہے۔ کہ "یہ دنیا مثل ایک قیدخانہ کے ہے جس میں انسان ایسا قید ہے کہ نہ وہ آگے دیکھ سکتا ہے نہ پیچھے صرف جو چیز سامنے ہے اُس کو دیکھتا ہے اور اسی کو سچا سمجھتا ہے"

حکیم سینیکا کہتا ہے "خدا تمہارے پاس ہے۔ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے اندر ہے۔ ایک پاک روح تمہارے اندر موجود ہے وہ ہمارے نیک و بد کو دیکھتی ہے اور وہی ہماری محافظ ہے"

اسپکٹیٹس کہتا ہے "دنیا میں کوئی چیز ازخود تکلیف دہ یا آرام دہ نہیں ہے بلکہ ہمارا خیال جو اُسکی نسبت ہے وہی تکلیف یا آرام دیتا ہے"

مارکس ارلیس (روم کا ایک بہت بڑا بادشاہ) کہتا ہے "اگرچہ تونے اپنے کو اپنی قدرتی وحدانیت سے علیحدہ کرلیا ہے تاہم اب بھی تجھ میں اُس میں ملجانے کی طاقت ہے۔ غور کر اُس نعمت پر جو خدا نے تجھے عطا کی ہے۔ کیوں کہ اُس نے تجھے یہ اختیار دیا ہے کہ مفارقت کے بعد بھی اپنی اصلی جگہ کو عود کرکے اُس تک پہنچ سکے"

سینٹ آگسٹین کا قول ہے کہ "تمام کائنات کا وجود ہے اور نہیں بھی ہے اُس کا جو کچھ وجود ہے وہ خدا سے ہے اور اسوجہ سے کہ اُس کو مثل ذات پاک کے قیام نہیں ہے اُسکا کچھ وجود نہیں"

اسپینوزہ کہتا ہے "قانون باری کی ہدایت اخیر یہی ہے کہ خدا ہی سے محبت کریں نہ کسی تکلیف یا سزا کے خوف سے نہ کسی اور کی رغبت سے کہ اس سے ہم کو خوشی حاصل ہو بلکہ یہ جان کے کہ خدا سے محبت کرنا ہی ہمارے تمام افعال کا آخری نتیجہ ہے عقل ہی سے دل کی تاریکی دور ہوتی ہے اور حیات ابدی سے یہ مراد ہے کہ وقت اور مقام سے علیحدہ ہوکے انسان اپنے میں اور تمام کائنات میں بقا ہی دیکھے"

گیٹی (جرمن کا بہت بڑا شاعر) کہتا ہے کہ "اس خدا کو جس پر یقین ہے الفاظ سے کون ظاہر کرسکتا ہے۔ میری زبان میں اُس کے اظہار کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے"

فکٹی (جرمنی مسلّم فلسفی) کہتا ہے "ہماری تمام زندگی اُسکی زندگی ہے ہمکو بقا ہے کیونکہ اُسکو بقا ہے۔ وہی ہماری زندگی کا منبع ہے اُسے خدا تو بھی ایک ہے۔ تو وہی ہے جو میں ہوں۔ وہاں پر نہ عقل کی رسائی ہے نہ زبان کو طاقت ہے"۔

تک انسان پر نازل ہو چکا ہو اور روح القدس جو زمانہ دراز تک اُس کے ساتھ رہ چکی ہو گی قیامت کے دن وہ بداعمال انسان سے علیحدہ کر لی جائے گی اور حکم باری تعالےٰ نہیں ہو گا کہ ایسے بداعمال شخص پر پھر نزول روح ہو جس نے دنیا میں نہ اُس کی قدر کی اور نہ اُن سے برکت لی۔ ادھر گناہوں اور بداعمالیوں کی تاریکی اور اُدھر بخشش کا نور یہ دونوں ایک سکتہ کے عالم میں ہوں گے اور چونکہ ایک کو دوسرے سے مغائرت ہو گی اس لئے اُن کی دوری لازمی ہو جائے گی اور جب دوری لازمی ہو گئی تو بداعمال شخص اور نور بخشش یا روح کے لئے ضرور ایک کشش پیدا ہوئی بس اسی کشش یا سکتہ یا دوری کو عذاب روح کہتے ہیں۔ یہ دراصل شاعرانہ خیال نہیں ہے جسے معرفت آلہیہ سے کچھ بھی حصہ ملا ہے وہ ان باتوں کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ناسمجھ اور کم مذاق معذور ہے وہ چاہے جو کچھ کہے اور اپنی رائے قائم کرے۔ ہمارے اس بیان بالا کی کچھ کچھ جھلک عرفی شیرازی کے اس شعر میں معلوم ہوتی ہے۔

آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ شد گرہ
برزبان جبرائیل از شرم عصیان ہائے من

کوئی شک نہیں کہ انسان کی بداعمالی جبکہ اُسے عقل و حواس کا سالم حصہ ملا ہو اکثر اوقات خزانہ رحمت پر قفل لگا دیتی ہے۔ دنیا میں اس کی مثال پوری سمجھ میں آسکتی ہے۔ جا بجا دارالعلوم۔ مدارس اور مکتب قائم ہیں معلوم

ایک خیال یہ بھی ہے کہ جب تک مجنون بکنے اور افعال ناشائستہ اور وحشیانہ کا مرتکب ہونے لگے وہ مجنون ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جنون کی اتنی کثرت سے اقسام و مدارج ہیں کہ ابتدائی علامات کو معلوم اور تشخیص کرنا ایک ایسے طبیب کا کام ہے جس کو مجانین کے حالات کا پورا تجربہ حاصل ہے قبل اس کے کہ طبیب کسی مجنون کا امتحان شروع کرے اُسے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کے تمام واقعات سے اس کے مزاج عقل اور ذہن کی کیفیت۔ اس کی عادات اطوار اور افعال سے پوری واقفیت حاصل کر لے۔

اسباب جنون

اسباب جنون کی دو قسمیں ہیں۔ روحانی جسمانی۔ روحانی اسباب یہ ہیں۔ غم اور خانگی مصائب عزیزوں کا مرجانا (۴ء۴ فیصدی)، زمانہ کی ناموافقت علی الخصوص روپیہ کی تنگی (۳ء۷ فیصدی)، فکر و تردد۔ کام کی کثرت۔ کاروبار کی مصیبتیں (۴ء۴ فیصدی)، مذہبی جوش اور فکر۔ عشق کے معاملات میں ناکامیابی۔ عورت کی عزت کا جانا۔ خوف اور اعصابی صدمہ۔ بدچلنی اور بد افعالی۔ اسباب سیاسی کی وجہ سے روحانی تکلیفیں

اسباب جسمانی یہ ہیں الکحل اور مسکرات کا کثرت استعمال (۲ء۱۸ فیصدی) کسی وقت میں جنوں کا ہونا (۴ء۱۴ فیصدی) دیگر امراض جسمانی کی وجہ سے (۹ء۱۰ فیصدی) اتفاقی چوٹیں (۳ء۵ فیصدی) امراض شہوانی۔ امراض رحم و حملت و رضاعت اور انثی یعنی بیضہ گاہ کے متعلق امراض۔ امراض سر و نخاع۔ مرگی۔ تپ اور امراض حمادی بعض قسم کے پیدائشی نقصانات۔ امراض متعلق بلوغ و کبر سن۔ فاقہ کشی۔

۴۳ فیصدی صورتوں میں کوئی خاص سبب نہیں پایا گیا۔ بہت سی صورتوں میں سابق سے رجحان طبیعت جنون کی طرف پایا گیا اور یہ رجحان کسی محرک سبب کی وجہ سے مبتدل کر مرض ہو گیا۔ زیادہ تر صورتوں میں تو اسباب مندرجہ بالا میں سے ایک ہی سبب ہوا کرتا ہے لیکن بعض صورتوں میں دو یا زیادہ اسباب شامل ہو جاتے ہیں۔

نواں باب

مسئلہ تقدیر

قرآن مجید نے اگرچہ مسئلہ تقدیر کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیوں اختلاف عظیم پڑا اور کیوں جبریہ اور قدریہ گروہ قایم ہوئے اور کس بنا پر صدہا کتابیں اس مسئلہ کے حل کرنے میں سیاہ کی گئیں اس کی وجہ سوا اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ قدیم سے یہ مسئلہ تمام دنیا کی اقوام میں قریب قریب مسلم گنا جاتا تھا اور سب سے زیادہ اس کا زور ایران میں بہت تھا۔ آب وہوا اور خون کے اثر نے نومسلموں کا خیال اس طرف رجوع کیا کہ وہ اپنے مذاق اور طرز معاشرت اور قدیم تمدن کی تائید جسے وہ اب تک بہت عزیز رکھتے تھے قرآن مجید سے ڈھونڈیں اور جہاں تک ممکن ہو ایک حد تک وہ اپنے تمدن کو قایم رکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ تمدن کا اثر بعض اوقات مذہبی فرائض پر غالب آجاتا ہے اور اخیر رسومات قدیمہ بمنزلہ ایک قانون اور مذہب کے تسلیم کی جاتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فاتحین مجبوراً اپنے جدید قوانین کی وضع مفتوحہ ممالک کی رسوم کی بنیاد پر کرتے ہیں اور بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ یہودیوں میں تقدیر کا مسئلہ اس قدر رائج تھا کہ وہ بغیر تقدیر کے بظاہر ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہم تقدیر کی زنجیروں میں بند ہے ہیں اور اس سے ہمیں دم بھر مفر نہیں۔ روستہ الکبریٰ جس نے ایک زمانہ میں بہت کچھ عروج حاصل کیا تھا اس مہلک مرض سے بچا نہ تھا اور اس اعتقاد تقدیر میں یہاں تک غلو ہو گیا تھا کہ کسی منجم نے تقدیر کا حال بتایا اور یہ کہہ دیا کہ یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ تیرا بچنا محالات سے ہے پھر وہ کمبخت اُس آنے والی موعودہ موت کا ہی رستہ نہ دیکھتا تھا اور قبل از وقت طعمہ اجل ہو جاتا تھا۔ بہت سی جانیں اسی تقدیر کے عقیدہ کی نذر ہوئیں۔ بہت سے گھر اسی تقدیر نے برباد کئے یہاں تک کہ قوموں کی قوموں کو ذلیل کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور وہ غضب برپا کیا کہ الغطتہ للہ۔ ہندوستان میں بھی یہ آفت نازل تھی اور بغیر جوتشی کے مرتبہ جنم پترے کے کوئی شخص کسی قسم کا جدید کام کرنا اپنی ہلاکت کا باعث جانتا تھا۔ اُنہیں یقین تھا جس برہمن نے جنم پترہ بنایا ہے اُسے غیب کا حال پورا معلوم ہے اور جو جو کچھ مصائب اور راحتیں اُس نے اُن کے لئے جمع کی ہیں وہ ضرور ہو کے رہیں گی اور کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتیں۔ مثلاً اس نے بتایا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں جا کے ایک مرض لاحق ہوگا اور اُس سے جانبری مشکل ہے خیال ہو سکتا ہے کہ برہمن نے قبل از وقت اُسے مار ڈالا اور ہر وقت اُس پر یہ خوف طاری رہنے لگا کہ وقت موعود ٹلنے والا نہیں ہے اور ضرور بتایا ہوا مرض آکے گھیرے گا۔ اس خوف سے قوا ے میں پہلے ہی سے اضمحلال شروع ہونے لگا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ موعود مرض نے آدبایا اور اخیر مظلوم جان برہمن کی پیشین گوئی کی نذر ہو گئی۔ غنیم نے ملک پر حملہ کیا لیکن غیب داں برہمن رائے نہیں دیتے کہ فلاں وقت تک مہارا جہ افواج کی کمان کرنے اپنے محل سے نکلیں اور وہاں ملک ہاتھ سے نکل گیا اور مہاراجہ برہمن ہی کی پیشین گوئی پر کار بند ہوا کئے۔

سوپن ہار (ایک بڑا فلسفی) کہتا ہے "ہماری جہالت ہی ہمکو اصلیت سے دور رکھتی ہے۔ جب ہماری جہالت دور ہو جائیگی تو ہم اس دنیا کی ظاہری چیزوں کو اصلی نہ سمجھیں گے"۔

کارلائل کہتا ہے "تو اس موجودہ حالت میں قید ہے اور اس بادشاہت کے لئے روتا ہے جہاں تجھے حکومت ملیگی۔ پس یہ بات سچ جان جس کو تو تلاش کرتا ہے وہ تیرے ہی اندر ہے"۔

یہ اقوال ہمنے اس لئے نقل کئے ہیں تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکما اور فلسفی ابتدا سے خدا اور روح کے قایل ہیں اگر موجودہ زمانہ کے چند ملاحدہ نے انکار کر دیا تو انکا انکار کرنا کچھ قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ ہمیں روح کی بابت لکھنا تھا ہم لکھ چکے۔ ہم نہیں کہسکتے کہ ہماری یہ تحریر کہاں تک ہمارے ناظر تفسیر کا اطمینان کرسکے گی۔

میدان علم کے ہاتھ رہا۔ بایں ہمہ مخلوق خدا کی اس سے کچھ اصلاح نہیں ہوئی یونانیوں کی معاشرت میں نمایاں ترقی کچھ بھی نہیں ہوئی بتعدد فلسفیوں کا ہونا اور طلبہ کے ایک گروہ کو نظری فلسفہ کی تعلیم دینا ایک کثیر تعداد قوم کے لئے کچھ بھی فائدہ بخش نہ تھا۔ تقدیر کا ستانا اسی شد و مد سے جاری تھا اور بڑے بڑے حکما اُسے جزو ایمان جانتے تھے۔ تقدیر اور خدا پرستی سے جس قدر مغائرت ہے وہ دنیا کی اور کسی چیز میں نہ ہو گی لیکن اُس زمانہ میں تقدیر اور خدا پرستی کو لازم و ملزوم سمجھ لیا تھا اور جانتے تھے کہ ایک کے بغیر دوسرے کو چارہ نہیں۔

جب اسلام کی توحید کی صدائیں مکہ معظمہ سے بلند ہوئی ہیں تمام دنیا کی قوموں کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی اور جس کی مفصل کیفیت ہم نے اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں درج کر دی ہے۔ یہاں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ تقدیر پرستی کا ہی زور نہ تھا بلکہ مخلوق خدا نے اپنی تقدیر کی کنجیاں پتھر کے بتوں۔ درختوں۔ دریاؤں۔ فرضی شیطانوں۔ روحوں۔ جانوروں ستاروں۔ سیاروں کے ہاتھوں میں دیدی تھیں انہیں وہ اپنا سچا مشکل کشا جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کل افعال و اعمال و کردار کا اختیار بالکل ان ہی کو ہے روۃ الکبریٰ سلطنت مشرقی۔ یونان۔ ایران۔ ہندوستان غرض کل اسی بلائے بے درمان میں پھنسے ہوئے تھے اور درحقیقت ایسی صورت میں یہ نہایت ہی مشکل تھا کہ ایک نفس دنیا بھر کی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے اور اعلان دے کہ خدا نے مجھے عالم کی رحمت کہا ہے۔ عرب جہاں وہ پیدا ہوا جہاں اُس نے پرورش پائی جہاں وہ جوان ہوا سب سے زبون ترین حالت میں تھا اور بظاہر یہ اُمید ممکن نہ تھی کہ یہ آتش مزاج لوگ راہ راست پر آئیں گے وہ قومیں جو صدیوں سے بتوں کے پاس حاجتیں لیجانے کی عادی تھیں اور جن کے خون میں یہ فاسد خیالات اسیر ہو گئے تھے کہ ناپاک روحوں، خیالی شیطانوں اور چاند و سورج کے ہاتھ میں کائنات کی باگ ہے اُنہیں نہایت دلیری سے جتایا گیا کہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتی جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ ادھر اُنہیں توحید کا سبق پڑھایا اور ادھر اپنی قوت بازو پر زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی۔ حضور انور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح عمری بغور پڑھنے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ تقدیر کا اُس زمانہ میں مفہوم ہی اور تھا اور موجودہ زمانہ میں جو کچھ خیال کر لیا گیا ہے چھ سات صدی تک تو اسلام میں اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ادھر راحت پسند ایرانی مسلمان ہوئے اور اُنہوں نے محض اپنے مذاق کے مطابق نئے نئے مسائل نکالے اور ایسی ایسی ہیں پیدا کی جس کا وجود اس سے پہلے اسلام میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ چونکہ ایسے مسائل آرام طلب مشرقی طبائع کی جان تھے وہ آنکھیں بند کر کے اُن ہی پر پڑ گئیں اور آخر یہ اختراعی مسائل جن سے فی نفسہ اسلام کو کچھ سروکار نہ تھا مسلمانوں کی مذہبی معاشرت کے جزو اعظم بن گئے۔ تقدیر کے خیالات کو قرآن مجید نے جس قدر شد و مد سے رد کیا ہے اُس سے زیادہ اس مسئلہ تقدیر کی اشاعت مسلمانوں میں ہو گئی۔ ہندوستان میں اگرچہ وہ بطور فاتح کے داخل ہوئے تھے لیکن یہاں کی تعیش خیز آب و ہوا نے مسئلہ تقدیر پر اور بھی ملمع چڑھا کے اُنہیں مفتوح کر لیا جس کا اثر ابھی تک اُسی شد و مد سے تمام اسلامی دنیا اور بالخصوص ہندوستان میں موجود ہے اور آخر یہاں تک اس مسئلہ میں غلو ہو گیا ہے کہ اس کا منکر کافر گنا جاتا ہے۔ فوراً علمائے وقت کے فتوے جاری ہو جاتے ہیں اور پھر اُس بیچارہ کو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ چونکہ ہمیں ایسے فتووں اور علما کی مطلق پروا نہیں ہے اور

نجوم کا علم جو تمدن نوع انسانی کے لئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے خاص مسئلہ تقدیر کو جلا دینے کیلئے ایجاد کیا گیا تھا جس نے اتنی ترقی حاصل کی کہ اخیر دنیا کی کل قوموں پر مشرق و مغرب چھا گیا اور ہر شخص نے اپنے کو نجوم یا آئندہ قسمت کی بیاض میں محدود سمجھ کے اسی کو اپنی فلاح و بربادی کے کل اختیارات سپرد کر دیئے۔ نجوم کے مفروضہ مظالم کا منکر کافر گنا جاتا تھا اور ایسے شخص کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی تھی۔ یورپ جو تمدن و تہذیب کے لحاظ سے آج دنیا کی اقوام مختلفہ کا سرتاج بنا ہوا ہے ایک زمانہ میں صدیوں تک اسی مخمصہ میں گرفتار رہ چکا ہے اور اس نے بھی اس شخص کے لئے سزائے موت تجویز کر رکھی تھی جو منکر نجوم یا بالفاظ دیگر جو منکر تقدیر ہو۔

علم ہیئت کے لطیف اور ضروری علم کو مفروضہ مسائل نجوم سے پامال کیا جاتا تھا اور اپنی نو ایجادی پر بہت بڑا فخر ہوتا تھا۔ ایک شخص کارڈینل ڈیلی جسے علم ہیئت میں پورا ملکہ تھا وہ کمبخت بھی نجوم کی دستبرد سے نہیں بچا تھا۔ اس کی وفات سنہ ۱۴۲۰ء میں ہوئی اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی جنم پتری تیار کی تھی اور طوفان نوح کی تقویم کی ترتیب کر رہا تھا کہ اجل نے آدبوچا ورنہ وہ ضرور اپنا کام کر کے رہتا۔ تعجب یہ ہے کہ عوام الناس بے لکھے پڑھے ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مسلّم فاضل اس لاعلاج مرض میں مبتلا تھے چنانچہ سرتاج العلما کیپلر جو علم ہیئت میں اتنا بڑا کامل تھا جس نے بطلیموسی نظام شمسی سے انکار اور کرۂ زمین کو مثل دیگر کروں کے فضا میں ہونا اول اول نکالا ہے وہ بھی نجوم کے علم کی صحت سے انکار نہ کر سکا۔ جب علما کی یہ کیفیت تھی تو جہلا کس گنتی میں ہیں اور ان کے خیالات پر کیا رد و قدح ہو سکتی ہے۔ ایشیا کی کل قومیں اور یورپ کے کل فرقے اسی بلائے بے درماں میں مبتلا تھے اور کسی کو بھی اس سے مفر نہ تھا۔ تقدیر کی چھری ہر کس و ناکس پر بہت بیدردی اور تیزی سے صدیوں چلا کی اور چالاک پیشواؤں نے اپنے معتقدوں کو یقین دلوا دیا تھا کہ تمہاری تقدیر میں روز ازل سے یہ لکھا ہوا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو اور ہماری غلامی کے حلقہ سے ایک دم جدا نہ ہو۔ پادشاہ سے بیان کیا جاتا تھا کہ تیرا ولیعہد بیٹا تجھے قتل کرے گا اور یقین دیا جاتا تھا کہ یہ امر تقدیر ہو چکا ہے ایسا ضرور ہو کے رہے گا وہ بیچارہ کیا تو خودکشی کر لیتا تھا۔ یا اپنے بیخبر بیٹے کو مار ڈالتا تھا اور یا خود خوف کے مارے کہیں روپوش ہو جاتا تھا۔

نجوم کی ایجاد صرف اسی غرض سے ہوئی تھی کہ اول تو مسئلہ تقدیر کو جلا ہو دوسرے ہر شخص کی تقدیر پر منجمین کا پورا پورا قبضہ ہو جائے۔ یہ بیہودہ خیال کہ یہی تقدیر میں بلاشک لکھا ہوا ہے جو نجومی بتا رہا ہے کس قدر مہلک ہے۔ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا ایک مدت تک خوب دور دورہ رہا اخیر جب یونانی اپنے ملک کی محدود چار دیواری سے باہر نکلے اور سکندر اعظم کے ساتھ انہوں نے دنیا کے بہت بڑے حصہ کا گشت لگایا تو اب ان کی آنکھیں کھلیں اور اپنے تمدن میں واپس آ کے ایک جدت پیدا کرنی چاہی بس چاروں طرف ایک غضب برپا ہو گیا اور اندھا دھند لوگ مذہب باطل کی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور اب زبانی اور تحریری جنگ شروع ہوئی۔ کفر کے فتوے جاری ہونے لگے اور پھر نئی روشنی والوں کو مذہب سے دھکے دے دے کے نکالا گیا جب اس سے بھی کام نہ چلا تو تلوار کی نوبت پہنچی اور علم کے حامی بیدردی سے قتل ہونے شروع ہو گئے قتل سے بھی کچھ نہ ہوا اور اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کو کامل شکست ملی اور

اس پر نہ ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں تو اُن کے ظاہری معنی پر عمل واجب ہے بعض آیات قرآنیہ میں خداوند تعالے نے واسطوں کا ذکر فرما کے حدوث سبب کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے افرأیتم ما تحرثون ءأنتم تزرعونہ ام نحن الزارعون افرأیتم النار التی تورون ءأنتم انشأتم شجرتها ام نحن المنشئون ہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاری ہماری ہے اور درختوں کا لگانا وجود زراعت اور اشجار کا سبب قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہمارے فعل کو جو سبب ہے استفہام انکاری ابطالی کے تحت میں داخل کر کے اُس کی علت تامہ ہونے کو باطل کیا اور یہ فرمایا کہ "نحن الزارعون ونحن المنشئون" علم معانی میں یہ مسلم ہو چکا ہے کہ خبر معرف باللام قصر و تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی اسباب مذکورہ علت تامہ انشاء اشجار وغیرہ کی نہیں بلکہ ہم ہی اُگانے والے اور ہم ہی اُس درخت کے پیدا کرنے والے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وسائط اور اسباب بدون انضمام مشیت و ارادۂ الٰہی کے کچھ موثر نہیں۔ خداوند تعالیٰ کی اسی میں عظمت اور شان سمجھی گئی ہے کہ ہر شے کا موجد اسی کو سمجھا جائے چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں "ان کلا الفریقین ما طلب الا اثبات جلال اللہ وعلو کبریائه الا ان اهل السنة وقع نظرهم علی العظمة فقالوا ینبغی ان یکون هو الموجد ولا موجد سواه والمعتزلة وقع نظرهم علی الحکمة فقالوا لا ینبغی بجلال حضرته هذه القبائح" غرض یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ہر شے کا اُسی کو موجد سمجھنا اُس کا جلال اور اُسکی عظمت ظاہر کرنا ہے۔ جب ہم غور سے ان تین مذکورۂ بالا مذاہب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کا پتہ لگتا ہے کہ اپنے اپنے خیال میں یہ تینوں مذہب حق پر ہیں اور ان سے کچھ بھی تعرض نہیں ہو سکتا مگر زیادہ غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ گہرائی میں پہنچنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔ اور سب سطح آب پر تیرتے رہے۔ ہمارا ارادہ گہرائی میں جانے کا ہے اور ہم اُس وقت اپنے کو خوش قسمت اور کامیاب سمجھیں گے جب ہم تہ میں سے موتی بھی لائیں اور اگر ہم اس میں ناکام رہے تو ہمارا ناظر تفسیر ہماری بے بضاعتی کا عذر قبول کر کے ہمیں دل سے معافی دے۔

اس مسئلہ پر کوئی انقطاعی رائے دینے یا اس کا فیصلہ لکھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم اُن اعتراضوں کو نقل کر دیں جو ان تین مذکورۂ بالا مذاہب پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کا جواب ایک حد تک سخت مشکل ہے۔

پہلا تو وہ گروہ ہے جو اپنے کو مجبور مانتا ہے اور اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا چلنا پھرنا کھانا پینا بغیر خدا کے ارادہ اور حکم کے نہیں ہوتا جن اعمال کا صدور ہم سے ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد اُسی کی ذات سے ہوتا ہے یعنی ان نیک و بد افعال کا اصلی اور حقیقی خالق خداوند تعالے ہے۔ تو پھر اعمال نیک و بد کی جزا اور سزا کیسی انسان کو جب ہر حالت میں مجبور کیا جاتا ہے تو بہشت و دوزخ محض افسانہ ہیں۔ اور کوئی عقلمند شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں اُس سے کچھ مواخذہ ہو سکتا ہے اس کا جواب دینا محال ہے۔ انسان کو محض مجبور سمجھ لینا اُن گوناگون نعمتوں کا جو خدا کی طرف سے اُس کی ذات میں ودیعت ہوئی ہیں صریح انکار کرنا ہے۔ خداوند تعالے نے اُسے اپنی روح سے فیضیاب کیا جس سے اُس میں ادراک اور شعور پیدا ہوا ایسی حالت میں اُسے مجبور کر دینا اور مجبوری کی زنجیروں میں کس دینا ایک غضبناک امر ہے دوسرا وہ گروہ ہے کہ اپنے ہر فعل کا اپنے کو مختار بتاتا ہے۔ بظاہر یہ عقیدہ

ہمارا پورا بھروسہ خداوند کریم پر ہے اس لئے ہم نے بڑی دلیری سے میدان میں قدم رکھا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس مسئلہ کو ایک حد تک قرآن مجید سے حل کریں۔ ہمارا اسلام وہی اسلام ہے جس کی نسبت فرمایا گیا ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" پھر ہمیں کسی کا بھی باک نہ ہونا چاہئے اور جو کچھ قرآن مجید سے ثابت ہو اُسے بہت دلیری سے بیان کرنا چاہئے ایک فتوی ہی نہیں ہزار فتوے شائع ہوں۔ اگر ہزار ذلتوں کا سامنا ہو لاکھ کچھ مخالفت ہو اور دُنیا چاہے جو کچھ کہے مگر اس فخر کے آگے جو نبی کے غلام بننے سے حاصل ہوا ہے سب ہیچ ہیں۔

یہ فخر کم نہیں کہ نبی کا غلام ہوں ۔۔۔ مانا کہ جاہ و حشمت و دولت نہیں مجھے

مسئلہ جبر و اختیار یا بین الجبر والاختیار اگرچہ ضروریات دینی میں سے نہیں ہے پھر بھی اس بحث میں بڑی بڑی مونشگافیاں کی گئی ہیں اور اس کے سلجھانے میں بہت کچھ کوشش ہوئی ہے جس سے تین فریق ہو گئے ایک تو وہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان مجبور ہے دوسرا وہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان مختار ہے تیسرا وہ ہے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے۔ یعنی دونوں کے بین بین ہے۔ کسی فریق کی نسبت مذہب کی طرف سے سوءظنی نہیں ہو سکتی۔ تینوں فریق ہی مسلمان ہیں اور اُن کے اسلام کی طرف کسی قسم کا شبہ کرنا سخت خیرہ چشمی اور ایک عظیم الشان اسلامی گروہ کے ساتھ سوء ادبی ہے۔ ہمارے امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ نے اس کا بہت اچھا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ آپ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں " وحکی ان الامام ابا القاسم الانصاری سئل عن تکفیر المعتزلۃ فی ھذہ المسئلۃ فقال لا لانھم نزھوہ فسئل اھل السنۃ فقال لا لانھم عظموہ والمعنی ان کل الفریقین ما طلب الا اثبات جلال اللہ وعلو کبریائہ الا ان اھل السنۃ وقع نظرھم علی العظمۃ فقالوا ینبغی ان یکون ھو الموجد ولا موجد سواہ والمعتزلۃ وقع نظرھم علی الحکمۃ فقالوا لا یلیق بجلال حضرتہ ھذہ القبائح ۔ یعنی حکایت کی گئی ہے کہ امام ابوالقاسم انصاری سے سوال کیا گیا آیا معتزلہ کافر ہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ کیوں کہ معتزلہ نے اللہ تعالے کی تنزیہ کی ہے۔ پھر آپ سے اہل سنت کی تکفیر کی بابت پوچھا گیا آپ نے جواب دیا نہیں کیوں کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی۔ غرض یہ ہے کہ ہر دو فریق نے اللہ تعالے کے جلال اور بزرگی کے اثبات کے سوا اور کچھ نہیں چاہا ہے مگر اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی عظمت پر لحاظ کیا۔ پس اُن کا قول ہے کہ اُسی کو موجد ہونا سزاوار ہے اور بجز اس کے کوئی موجد نہیں ہے۔ معتزلہ نے حکمت پر خیال کیا اور کہا کہ یہ ناشائستہ امور اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق نہیں ہیں" ہمارے ائمہ دین کی یہ رائے ہے جس پر جتنا فخر کریں بجا ہے وائے برحال زمانہ کہ معتزلہ کا ہم رائے ہونا تو کجا اگر خفیف سی بھی اُن کی تائید کسی مضمون میں ہو جاتے تو فتوی کفر فوراً حاضر ہے۔

فقہائے اس مسئلہ میں خوب بحث کی ہے اور اُسے ایک حد تک جہاں کے بین الجبر والاختیار کا مذہب قرار دیا ہے۔ پھر مذہب نے قرآن مجید کی اُن آیات سے استدلال کیا ہے جو اُن کے مذہب پر ظاہر الدلالتہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ آیات مفسر نہیں کہ تاویل کی تحمل نہ ہوں فقہا کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات سے ایسے امور پر جن پر وہ ظاہر الدلالۃ ہوں بلاشک و شبہ استدلال ہو سکتا ہے اور اس قسم کے استدلال کی صحت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں اور جب تک کہ کوئی دلیل قطعی

ایک لمحے کے لئے بھی انسان سے جدا نہیں ہوتی خواہ اُس کی اچھی حالت ہو یا بُری وہ آئندہ ترقی اور موجودہ حالت سے زیادہ فارغبالی کا خواہشمند رہتا ہے اور یہ جانتا ہے اُس کے لئے ایک اعلےٰ درجہ کی حالت پیدا ہوجانا ممکن ہے چلتے چلتے ایک خزانہ ملجانا یا خلاف اُمید کسی شئے کا حاصل ہوجانا ہمیشہ اُسے زندہ رکھتا ہے۔ اپنے کو مختار کل سمجھنے کا مذہب اگرچہ عاقلانہ بنیاد پر قایم کیا گیا ہے مگر فطرت انسانی اس کی مقتضی نہیں ہے۔ یہ اگرچہ انتہا درجہ کا ادب اپنے خالق کا ہے کہ ہر قسم کا صدور فعل اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کیا جائے مگر نہیں واقعات زندگی جو روزمرہ نئی نئی صورتوں میں جلوہ پذیر ہوتے رہتے ہیں کبھی اس قسم کے عقیدہ کو قایم نہیں رہنے دیں گے بڑے بڑے ملاحدہ کو دیکھ لیا کہ اُن کی زبان اور قلم تو کچھ اور ہے اور دل کچھ اور ہے۔ آب و ہوا کا خواہ کتنا ہی اثر ہو یا انجمن احباب کا کتنا ہی زور ہو مگر یہ ساری باتیں محض ناممکن ہے کہ اصلی فطرت کو بدل سکیں اور وہ اصلی فطرت یہ ہے کہ غیب پر انسان کا عقیدہ ہو اور اکثر اوقات نہ سہی بعض اوقات ہی اُس سے مدد طلب کیجائے یا اس چھپی ہوئی قوت کا شکریہ ادا کیا جائے۔

مثلاً ایک شخص صحرائے لق و دق میں جارہا ہے۔ آسمان پر بادل چھا رہے ہیں۔ گرج اور کڑک کی آواز بلند ہو رہی ہے بجلی کوندتے کوندتے زمین پر لوٹ لوٹ جاتی ہے اور کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ خیال کرو کہ وہ شخص جو گھوڑے پر جارہا ہے ایک ملحد ہے یا ایسے عقیدہ کا شخص ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا کچھ بھی نہیں کرتا جو کچھ بھلائی بُرائی ہوتی ہے اس کے حقیقی فاعل ہم ہی ہیں اور ہمارے اختیار میں ہے خواہ ہم اپنے لئے بُرائی جمع کریں یا بھلائی۔ ایسے شخص یا شخص سابق الذکر کی کیا کیفیت ہوگی اور اُس کے خیالات کی دوڑ کس طرف جاری ہوگی یہ خیال تو لامحالہ ضرور ہی آئے گا کہ کہیں پناہ کی جگہ ملجائے یا کوئی ایسا شخص نکل آئے جو کسی بستی کا رستہ بتادے۔ اس خیال کے پیدا ہونے پر اب اس کی تعمیل کی پریشان خواہش پیدا ہوگی اور لامحالہ طبع انسانی بمقتضائے قانون قدرت پوشیدہ قوت سے طالب مدد ہوگی خواہ مدد ملے یا نملے مگر اس خواہش سے پریشانی میں گونا تسکین ہوجانی لازمی ہے۔ پھر اسی حالت میں بجلی گری اور وہ رانوں میں سے صرف گھوڑے کو نکال کے لے گئی اور جلا کے کوئلہ کردیا مگر سوار کو آنچ بھی نہیں آئی۔ اب خیال ہوسکتا ہے کہ اس شخص کے دل کی کیا حالت ہوگی آیا اب بھی وہ اپنے الحاد کے موضوعہ اصول اور اپنی خود مختاری کی مفروضہ بنیاد پر قایم رہے گا یا زیادہ دیر کے لئے نہ سہی چند ساعت ہی کے لئے ایسے خیالات سے کہ عجیب طلسم ہوا اور کس پوشیدہ ہاتھ نے اُسے بچادیا ضرور ہی متاثر ہوگا۔ اتفاق کا لفظ کہہ نہیں سکتا کیونکہ اتفاق کا لفظ ایک مہمل اور بے معنی ہے اور جسکا کچھ بھی مفہوم نہیں۔ جس طرح کہ موجودہ فلسفہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی اسی طرح مذہب اسلام کا بھی سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کسی شئے کا حادث ہونا ناممکنات سے ہے۔ جب اتفاق نہیں ہے تو بوضاحت اس بیان کرنے میں اُسے وقت ہوگی کہ بجلی کا خفیف سا شعلہ بھی اُسے کیوں نہ پہنچا اور کیا وجہ ہے کہ رتی برابر بھی صدمہ نہیں ہوا جبکہ گھوڑا رانوں کے نیچے سے نکل کے کوئلہ ہوگیا۔ ایسے واقعات ناممکن الوقوع نہیں ہیں بلکہ روزمرہ اس کرۂ زمین پر کہیں نہ کہیں ہوتے ہیں ایسی

نہایت مستحسن اور پسندیدہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں خودی کی بو آتی ہے۔ کیوں کہ زندگی میں انسان سے صدہا کام ایسے ہوتے ہیں جو عجیب وغریب ہی نہیں ہوتے بلکہ ایسے متحیر کرنے والے ہوتے ہیں کہ دوسرا انسان کی سمجھ میں نہیں آتے ایسی حالت میں جب انسان اپنے کو مختار سمجھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان کل افعال کا صدور مجھ ہی سے ہوتا ہے تو اُس کی ذات میں اس خیال سے ایک بے جا نخوت اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ نخوت وغرور آخیر اُس کی حالت کو بگاڑ کے تمدن انسانی میں سخت رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ نہ مایوسیوں کے وقت جو طبعاً اُس پر طاری ہوتی رہتی ہیں وہ اپنے دل کی تسکین کر سکتا ہے اور نہ کامیابی کے وقت وہ اپنی حالت کی ایک حد مقرر کرکے اُس بے مثال انکساری سے جو انسانی زیور ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے فیضان باری سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ اُس کے خیال سے رحمت خداوندی کا سایہ اُس پر سے نہیں ٹل سکتا پھر بھی اُسے تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالت خود بخود تبدیل ہونے والی ہے اور نہیں جانتا کہ خزانہ الٰہی میں اُس کے لئے کیا کیا نعمتیں پوشیدہ کی گئی ہیں۔ نہ وہ دُعا کا قائل ہوتا ہے جو لازمہ توحید ہے اور نہ کوئی ایسا ذریعہ رکھتا ہے جس سے ایک حد تک وہ تسکین پا سکتا ہے اُس کی زندگی کی کشتی ہمیشہ ڈانواڈول رہے گی اور موجودہ زمانہ میں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کی زندگی کچھ زیادہ خوش اسلوب نہیں ہوتی۔ اُمید پیاری اُمید اور ہر دلعزیز اُمید جو انسان کی سچی ہمدرد اور بنی نوع کی حقیقی ڈھارس بندھوانے والی ہے وہ اُس سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔ اُسے خواب بھی کبھی اُمید کا نہ آئے گا اور وہ ہمیشہ اپنے ہی ساختہ پرداختہ پر جیا کرے گا فلسفی ہو یا جاہل دونوں کی زندگی کی خوش اسلوبی صرف اُمید پر موقوف ہے اور جب اُمید ہی نہیں تو زندگی بھی نہیں۔ کامل مایوسی کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے لئے اُمید کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ یہ سمجھنا ضرور ہے کہ اُمید کِسے کہتے ہیں اُمید یہ نہیں ہے کہ اگر ہم وہ فعل کریں گے تو ہمیں یہ فلاح ہوگی اس میں شرط ہوئی اور اُمید میں درحقیقت شرط کی ضرورت نہیں ہے صرف اس خیال کو اُمید کہتے ہیں جو غائبانہ طور پر دل میں کسی غائب اور نامعلوم چیز کے پیدا ہونے کی تحریک کرے اور اُس پر وقوف نہ ہو سکے کہ یہ تحریک کس چیز کی ہے اور اس تحریک سے آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ اُمید کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ اُمید ہے کہ موجودہ مصیبت سے خلاصی پانے پر ہوا کرتی ہے مثلاً ایک شخص نامعلوم زمانہ کے لئے قید میں بھیجدیا گیا اگر اُسے یہ خیال ہو کہ یقیناً میری رہائی ممکن نہیں تو پھر اُس کا چند روز جینا بھی محال ہے نہیں اُمید اُسے زندہ رکھتی ہے اگرچہ حکومت کا حکم یہی ہو کہ وہ تمام عمر قید میں رکھا جائے گا پھر بھی اُس کے دل میں صدہا خیالات آئیں گے جن سے اُس کی تسکین ہوگی کہ میعاد قید سے پہلے بھی رہائی پانا ممکن ہے۔ شاہ وقت کے ہاں کوئی تقریب ہو۔ سالگرہ ہو غسل صحت ہو یا مرض کی حالت شدید ہو اور کچھ نہ ہو تو انقلاب سلطنت ہونا تو ہر حالت میں ممکن ہے یہ ایسے خیالات ہیں جو ایک مایوس قیدی کے دل میں گذر سکتے ہیں ان ہی خیالات کو اُمید کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کبھی تو ایک شفیق ناصح کا کام دیتے ہیں اور کبھی تسلی دینے والے کا فرض ادا کرتے ہیں اور کبھی مصیبت زدہ کے لئے رحمت کا فرشتہ بن جاتے ہیں۔

معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کی ذات پر بہت بڑا الزام قایم کرنا ہے - اگر ہم انصاف اور غور سے دیکھیں گے تو سب ہمارے اعمال کی شامت معلوم ہوگی - ہم اپنے لئے آپ ہی مصیبت مول لیتے ہیں اور آپ ہی اپنے لئے تباہی کے سامان جمع کرتے ہیں - فرض کرو ایک شخص چوری کرنے گیا اور پکڑا گیا وہ یہ کہسکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے لکھدیا تھا کہ فلاں تاریخ یہ شخص چوری کرے گا اور پھر گرفتار ہو جائے گا چونکہ خدا کا نوشتہ غلط نہیں ہوسکتا اس لئے یہ کل الزام خدا ہی پر ہوا اگر وہ اس شخص کے لئے روز ازل سے یہ تجویز نہ کرتا تو ہرگز اسے نہ چوری کی جرأت ہوتی اور نہ وہ پکڑا جاتا ایسا خیال کرنا اپنے کو ابدی جہنمی بنانا ہے خداوند تعالیٰ نے ہرگز اس شخص کی تقدیر میں یہ نہیں لکھا تھا اور اُس کی ہرگز مرضی نہیں ہے کہ اُس کی پیاری مخلوق پر مصیبت اور ہلاکت کی بلا نازل ہو بلکہ اُس شخص نے خود ایک حرکت کی اور اُس کا نتیجہ بھگتنا چاہیئے تھا پس اُس نے بھگتا -

تقدیر کے معنی کیا ہیں؟ تقدیر کے معنی وزن کرنے کے ہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے قوانین قدرت کو ٹھیک پیمانہ پر وزن کر کے ترتیب دیا ہے اور یہ ایسا ٹھیک اندازہ ہے کہ قیامت تک اس میں تغیر کی گنجائش نہیں ہے - خداوند تعالیٰ نے قرار دیدیا ہے کہ گیہوں بوگے گیہوں پاؤگے جو بوگے جو پاؤگے بس یہی انتظام تقدیر میں لکھا ہوا ہے اُس نے چند قوانین ترتیب دیدئے اور اُس کے خلاف قیامت تک ممکن نہیں - اُس نے ہمیں بالکل مختار بنا دیا ہے ہم آزادانہ سب کچھ کرسکتے ہیں مگر ہماری خیر اسی میں ہے کہ ہم قوانین قدرت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکالیں - یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ وہ قوم کبھی برباد نہ ہوگی جس میں اتفاق ہوگا - اتفاق گویا قوانین قدرت میں سے ایک قانون ہے جو قوم یا گروہ اس قانون قدرت کی مخالفت کرے گا وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا یا کم سے کم ذلیل کر دیا جائے گا - یہ ہے تقدیر الٰہی اور یہی لوح محفوظ کا لکھا ہوا اور یہ ہے قانون قدرت - ایک شخص نے آنکھ کھولتے ہی اوامر باری تعالیٰ سے روگردانی اور نواہی پر اصرار اپنا شیوہ بنالیا عقل بھی ہے ہوش بھی ہے اور ہر قسم کا ادراک حاصل ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ نہ صرف قوانین قدرت کے خلاف ہے بلکہ ملکی تہذیب اور تمدن کے بھی خلاف ہے مگر اپنے احتظاظ نفسانیہ کے آگے وہ کسی کی پروا نہیں کرتا اور علی الاعلان کہتا بھی ہے کہ ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے اور پھر اس زبوں ترین معاشرت سے اُس پر کوئی آفت آئے تو کیا خیال میں آسکتا ہے کہ ہم اس کا الزام خدا پر رکھنے بیٹھ جائیں اور معاذ اللہ اُس ذات وحدہ لاشریک کو ملزم گردانیں - تو بس یہ صورت دیکھ کے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے بندہ ہی کرتا ہے اور اُس کے کرنے میں کسیکا بھی دخل نہیں ہے - عام طور پر شاید کوئی کم سمجھ یہ سوال کرے کہ جب کوئی کام ہی خدا کے متعلق نہیں رہا تو وہ معطل ہوگیا حالانکہ یہ ایک سخت سوء ادبی ہے کہ معطل کا لفظ اُس مالک ارض و سما کی نسبت استعمال کیا جائے - یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات محض لچر پوچ ہی نہیں ہیں بلکہ سخت جاہلانہ ہیں بانکار بیکار یا معطل وغیرہ وہ ادنے الفاظ ہیں جو ہم نے تراشے ہیں اور جنکا مفہوم بے انتہا محدود ہے کیونکر یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک ان دیکھی ذات کامل دانائی کامل نور اور کامل رحمت کا احاطہ یہ ادنےٰ الفاظ کر سکتے ہیں - اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک سمندر کا پانی وزن کرنے کے لئے ہم ایک پیالہ لیجائیں اور پھر بھر بھر کے دیکھیں ہمارا یہ فعل محض ایک احمقانہ

قایم کر چکے ہیں معلوم نہیں ہوتا اور پھر ہم اُس میں سرگرداں ہوتے ہیں اور ایک زمانہ
لگتا اور اگر فرض کریں کہ کسی حادثہ کا سبب بھی دریافت کر لیا مگر اُس سبب کی علت غا
ہم نے اکثر ملاحدہ کو دیکھا ہے اُن سے باتیں بھی کی ہیں اور اُن کی کتابیں بھی پڑھی ہیں
نہیں ہو سکتا اور وہی شخص ملحد بن سکتا ہے جو علم کی سطح پر تیر رہا ہے اور آ سے چند
نہیں ہوا۔ وہ شخص جو اپنے کو مختار بتاتا ہے اگر ایسے حادثات پیش آئیں تو وہ ول
اختیاریہ صفت سے کیا کام لے سکتا ہے۔ مجبوراً اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ پوشید
ہاتھ کی مدد کے بچنا محال ہے۔

تیسرا فریق اہل سنت کا ہے جو بین بین ہے یعنی اس نے انسان کو مجبور بھی مانا ہے او
کی تسکین دینے والے ہیں اور فی الحقیقت ان سے بہتر ہونے ممکن نہیں پھر بھی انہیں
کہ ہر شخص سمجھ لے بلکہ فقہا نے ایسے پیچیدہ مسائل میں پھنسا دیا ہے کہ اس مسئلہ بین الجبر و
ہم مسئلہ تقدیر اور ان کل مذکورہ مذاہب پر ایک بسیط بحث کریں گے تاکہ یہ دلچسپ مسئ
سب سے اول ہمیں تعلیم قرآن مجید پر غور کرنا لازم ہے کیوں کہ ہم صرف بہی ایسی کت
لفظ خدا کا لفظ گنا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ قرآن مجید ہے بھی کلام خدا اس کا فیصلہ
اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ اور مذہب کا ہوگا قرآن کا نام آتے ہی سر خم کر دے
نہیں رہنے کی پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ عام طور جو یہ خیال ہے کہ رونازل سے جو کچھ لو
ہوتا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے خود فرما دیا ہے کہ ہم نے ہر ایک قسمت کا حال لوح م
ہونا ممکن نہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ہر انسان وحیوان۔ نباتات۔ جمادات حتیٰ کہ ذ
گیا ہے اور اُسی طرح اُس پر عمل ہوگا اور قیامت تک ہوتا چلا جائے گا۔ لوح محفوظ بر
بھی درست ہے مگر اُس کے سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور اُس کے اصلی مقص
بے پروائی اور غفلت کی گئی ہے۔ قلم اور لوح محفوظ کیا چیز ہے کیا واقعی قلم سے مرا
میں آتا ہے اور تقطیع سے مراد بہی تقطیع ہے جس پر بچے لکھا کرتے ہیں اور تحریر سے مراد
ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہے بلکہ قلم اور لوح محفوظ سے مراد قوانین قدرت،
علم آلہی دو مترادف الفاظ ہیں جن کے معنی ایک ہیں۔ مسلمانوں ہی کو یہ بہت بڑا فخ
قدرت میں لکھی ہوئی ہے یعنی ہو بہو مضامین قرآن قوانین قدرت کے مطابق ہیں
برابر بھی فرق نہیں۔ ایک ایک لفظ اس کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اُس
جو کچھ لکھا ہوا ہے درست ہے اور فی الحقیقت اُس میں کبھی فرق بھی نہیں ہو سکتا
آتی ہیں یا جو آفتیں کہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ہم پر نازل ہوتی ہیں یہ سب ہماری تقدیر میں

تجاویز جاری کرنی پڑتی ہیں بلکہ حکم کے معنی قانون کے ہیں جس قانون کی زنجیر میں اُس نے اپنی مخلوق کو باندھا ہے اس سے بیشک تجاوز نہیں ہو سکتا۔ جنہیں روح القدس کی تائید نہیں ہے وہ منشاء باری تعالےٰ کو نہیں سمجھ سکتے اور محض اپنی ناچیز رائے اور ادنےٰ خیال پر تکیہ کرکے ناز کرتے ہیں مگر جنہیں روح القدس کی تائید ملی ہے وہ اس کی مدد سے کچھ نہ کچھ معرفت کی اصلی حقیقت کا پتہ لگا لیتے ہیں اور پھر کوئی چیز اُن کی راہ میں خلل انداز نہیں ہوتی۔

قرآن مجید موجود ہے جس سے بآسانی ہم اپنے مسئلہ تقدیر کا فیصلہ کر سکتے ہیں یہ ضرور ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھولنی پڑے گی اور قدیم تعصب کو کچھ عرصہ کے لئے الوداع کہنا ہوگا پھر یقیناً قرآن مجید کا فیصلہ بآسانی سمجھ میں آجائے گا اور خدا علیم و دانا ہے کہ پھر شک کی ہرگز گنجائش نہ رہے گی۔ یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور ہے اور ملایان زمانہ کی تعلیم اور ہے۔ نفس پرستی میں اندھے ہو کے ان کے منہ سے حق بات نہیں نکلتی اور یہ وہی باتیں تراشتے ہیں جن سے انکی جیبیں بھریں۔ اصل یہ بھی ہے جنکی تمام عمر مفت کی روٹیاں کھا کھا کے گذر گئی ہو وہ کیونکر ربانی کلام کی باریکیاں سمجھ سکتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ایک بیدار منصف اور غیر طرفدار دل کی ضرورت ہے جو اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے اسی میں اُس کی پرورش ہوتی ہے اور اسی میں اُسے نشو و نما ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ بیان کریں گے اپنی بساط کے موافق قرآن ہی سے بیان کریں گے اور پھر ہم خدا سے دعا کریں گے کہ ہماری تحریر کو مسلمانوں میں درجہ مقبولیت حاصل ہو آمین۔

قرآن مجید میں ابتدا ہی سے انسان کی خودمختارانہ حالت کی طرف بہت زور سے اشارہ کیا گیا ہے بلکہ در اصل ایک تہدید آمیز حکم ہے اور انقطاعی فیصلہ ہے کفر و اسلام کا یہ ابتدائی فیصلہ جس قدر مختصر ہے اُسی قدر جامع ہے اور خوب غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے جامع اور انقطاعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ "ذلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون" قرآن مجید انہی کی ہدایت کے لئے ہے یا اُن ہی کو ہدایت کرتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ ان چند لفظوں میں انسان کے روحانی خصوصیات اور تمدنی محسوسات کو اس عمدگی اور جامع طور پر ادا کرکے انسان کو اُس کے روحانی اور تمدنی افعال کا مختار کل بنایا ہے اور یہ بھی جتا دیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی قوت خود مختاری کو فراموش کر دیا ہے اور آزادی کی نعمت غیر مترقبہ کو بھلا دیا ہے انہیں اس کتاب سے جسمیں ذرا بھی شک نہیں ہے یعنی جس کے فیصلے ناطق اور جس کے احکام غیر تبدیل ہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ قوت ادراک انسانی کو خداوند تعالےٰ نے ایک مضبوط بنیاد پر قائم فرماکے اور اُسے کامل آزادی اور کامل خودمختاری کی صفت سے موصوف کرکے یہ خطاب کیا ہے کہ ہماری کتاب اُن ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کا اندیکھی ذات یعنی معبود برحق پر ایمان ہو اور جو ایمان کے بعد اس کی عبادت کرتے ہوں اور پھر عبادت کے بعد جو کچھ اُس نے دیا ہے اسے خرچ کرتے ہوں غرض قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے یہ تین مذکورہ صفتیں ضرور ہونی چاہئیں بغیر ان کے معرفت اور حقیقت کا رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ یہ تین باتیں یا ہدایتیں گویا سیڑھی ہے معرفت کی بلندی پر چڑھنے کی اور جس میں یہ تین صفتیں نہیں ہیں وہ گویا سیڑھی نہیں رکھتا جس سے بلندی پر چڑھ سکے۔ آغاز کلام باری میں جب اس صفت خود مختاری کا ذکر آگیا ہے پھر کونسا انسان اس میں چون و چرا کر سکتا ہے۔ آگے جاکے یوں فرمایا گیا ہے کہ جن کے دلوں پر کانوں پر اور آنکھوں

ہوگا یا نہیں اور ہمارا یہ عمل دیکھنے والوں کو ہم پر ہنسائے گا یا نہیں بس اس سے بھی زیادہ ان ادنےٰ الفاظ کی نسبت
ہے جن سے ہم اُس کی صفات کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں ہمیں ایسے معترضوں کی عقل پر افسوس آتا ہے اور جب ہم یہ
خیال کرتے ہیں کہ یہ کرۂ زمین جسپر ہم آباد ہیں اُن لاکھوں بلکہ کروڑوں کروں کے آگے جو فضا میں گردش کرتے ہیں
کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ ہر کرے میں ایک مخلوق آباد ہے خدا کی خدائی کو ہم نے محدود سمجھ
لیا ہے اور یہ ہماری جہالت پر دال ہے۔ ہم اُس کی خدائی کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتے اگرچہ ہم نے اپنی عقل کے زور سے
سماوی کروں کے بہت کچھ حالات معلوم کر لئے ہیں لیکن اسپر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ ابھی ہمارا علم بالکل شیر خوارگی کی
حالت میں ہے اور ہمارے مشاہدے جو ہمیں دوربینوں اور اسی قسم کے آلات کے ذریعہ سے ہوئے ہیں محض ناقص ہیں
ہماری تحقیق نہایت کمزور اصول پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنی تحقیق سے چند اصول قرار دیتے ہیں اور کل انہیں
بدل دیتے ہیں۔ ایک مدت تک ہم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ چاند میں آبادی نہیں ہے اور اُس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس میں
ہوا نہیں ظاہر ہے جس کرے میں ہوا نہ ہو وہاں مخلوق نہیں آباد ہو سکتی مگر اب چند روز سے اس تحقیق پر بھی پانی پھر گیا اور
اور اب تسلیم کر لیا گیا کہ نہیں کرۂ قمر میں آبادی ضرور ہے۔ بلکہ ایک آلہ کے ذریعہ سے آبادی کا ہونا مشاہدہ بھی کر لیا
گیا ہے۔ جب ہماری بے ثباتی کی یہ کیفیت ہے تو ہم اپنی کسی تحقیق کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے اور
اب اُس میں تغیر و تبدل کی حاجت نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ادنےٰ سے کرے میں تو ہر قسم کی لبریز ہو آبادی ہو
مخلوق کی ہدایت کے لئے نبی پر نبی بھیجے جائیں اور خداوند تعالےٰ روح القدس کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں سے
ہمکلام ہو اور اس سے زیادہ عظیم الشان کرے بالکل بنجر پڑے ہیں اور اُن پر کبھی توجہ نہ کی جائے اور اُن بیچاروں
کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ خداوند تعالےٰ کی عظمت۔ شان اور ربوبیت سے یہ ساری باتیں بہت
ہی بعید ہیں جو شخص علم ہیئت سے واقف نہیں ہے اور جس نے قرآن مجید کے اس حکم پر عمل نہیں کیا ہے کہ آسمان
و زمین میں فکر کیا کرو وہ درحقیقت خداوند تعالےٰ کے جلال کو نہیں پہچان سکتا اور اُس کی عظمت اور جبروت کی ہوا
تک بھی اُسے نہیں لگی ہے وہ مثل اُن مچھلیوں کے ہے جو تالاب میں رہتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ تمام دنیا اسی تالاب
میں ہے اور جو کچھ ہے یہی تالاب ہے۔ غرض جب ہم علوم متعارفہ سے جبروت باری تعالےٰ کو دیکھیں گے تو ہمیں
اپنے ہی تراشے ہوئے معطل اور غیر معطل کے الفاظ بہت ہی پوچ دکھائی دیں گے۔ نادانی سے یہ خیال کرنا کہ خداوند
تعالےٰ کیا کرتا ہے کہاں ہے اُس کی روزمرّہ کی کارروائی کیا ہے محض لغو اور لایعنی ہے اور اپنا عزیز وقت برباد کرنا
ہے۔ جتنی مخلوق کہ اس کرۂ زمین پر آباد ہے اس سے لاکھوں درجہ زیادہ مخلوق اُن کروں پر آباد ہے جو شب کو ستارہ
کی صورت میں بہت ہی کم مقدار کے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کروں کی کل مخلوق اُس کے قوانین کی زنجیروں میں
جکڑی ہوئی ہے اور اس سے ایک لمحہ کے لئے نہیں نکل سکتی اُس کا ہاتھ ایک کرۂ عظیم سے لے کے ذرہ تک میں کام
کرتا ہے اور ہر جگہ اُس کے جلال کی عظمت نظر آتی ہے۔ سب کی قسمتیں اُس کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس میں شک نہیں
کہ بغیر اس کے حکم کے ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کھا سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آسے روزمرہ نئے نئے احکام اُسد

کہسکتا ہے کہ ہم ہی ذلیل کرتے ہیں۔ یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ ادنےٰ توجہ اور غور پر بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے اور جہانتک خیال جاتا ہے کوئی بھی اس کے تسلیم کرنے میں چون وچرا نہ کرے گا تھوڑی دیر کے لئے انصاف کو اپنا شیوہ بنالو اور یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ فلاں مجتہد یہ لکھ گیا ہے اور فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے یہ ہرگز نہ سمجھو کہ قرآن فہمی خاص کسی کا حصہ ہے یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ سوائے فلاں فلاں کے اور کوئی قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اپنی اپنی محبت اور اپنا اپنا تعلق ہے۔ یہ کلام خدا ہونے کی دلیل ہے کہ صدہا برس تک نئی نئی تفسیریں لکھی جائیں گی اور ان کا سلسلہ قیامت تک تمام نہیں ہوئیگا۔

انسان کی زندگی اور اُس کے جلد جلد بدلنے والے حالات پر اول سے اخیر تک غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت ایک سحر آمیز زندگی معلوم ہوگی۔ کبھی تو اُسے انتہا درجہ کا اولوالعزم پایا جائے گا کبھی اول درجہ کا سست اور کم ہمت کبھی بے غایت شجیع اور کبھی حد درجہ بزدل۔ کبھی وہ ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں زمین پر کھیلتا ہوا معلوم ہوگا کبھی اُسی کے آگے بڑے بڑے علماء فضلا امرا اور وزرا کو سر خم کیا ہوا دیکھیں گے جب کہ اُس کے ساتھی ابتدائی نکبت و مصیبت میں غلطاں و پیچاں معلوم ہوں گے ایک جماعت میں چند طلبہ ساتھ پڑھتے نظر آئیں گے۔ ایک اُستاذ ایک نصاب تعلیمی ایک امتحان میں کامیاب پھر چندروز کے بعد جو دیکھیں گے تو ایک حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ملے گا اور دوسرا معمولی ملازمت میں سرگرداں دکھائی دے گا تیسرا اُس سے بھی ادنےٰ درجہ میں پراگندہ معلوم ہوگا چوتھا معاش ہی کی تلاش میں اپنی عمر گذار دے گا اور ایک دن بھی اُسے آرام نصیب نہ ہوگا پانچواں بے انتہا دولتمند نظر آئے گا چھٹا ایک عظیم سیاح بن کے دنیا میں ناموری پیدا کرے گا ساتواں اپنی تصانیف سے ملک میں دھوم مچا دے گا آٹھواں ملک التجار دکھائی دیگا نواں ایسی ارذل ترین حالت میں دکھائی دے گا کہ لوگ اُس سے عبرت پکڑیں گے ان تبدیلیوں کو دیکھکر عام طور پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا وہ ہوا حالانکہ یہ بات نہیں ہے کوئی شخص اُن پوشیدہ اسباب کو نہیں دیکھتا جن کے باعث یہ مختلف حالتیں پیدا ہوئی ہیں جب کہ یہ قرار پاچکا اور مسلم ہوچکا ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوتی تو پھر لازم ہوا کہ ان حالات مختلفہ کے لئے بھی اسباب ہوں اگر وہ ظاہری اسباب نہ ہوں مگر اُن کی بنیاد حادثات طبیعہ پر ضرور ہونی لازم ہے۔ اگر اُن اسباب کا پتہ لگایا جائے جو ان حالات مختلفہ کے ساتھ لاحق ہوئے ہیں تو صاف طور پر عیاں ہو سکتا ہے کہ ہر نیکی اور بدی انسان نے اپنے لئے آپ ہی جمع کی ہے اور غیب سے ازخود کسی چیز کا ظہور نہیں ہوا۔ اسباب خارجی پر جب بہت کم نظر پڑتی تو مخفی پوشیدہ اسباب کی طرف کیوں توجہ مبذول ہونے لگی۔ ایک منصف عاقل ہوشیار شخص خود اپنے حالات کے آثار چڑھاؤ کو دیکھے اور اول سے اخیر تک کل حادثات پر منصفانہ نظر کرے تو اُسے کھل جائے گا کہ ہر حادثہ طبیعی جسکا اُس پر ظہور ہوا اُس کا اصلی محرک وہی ہے۔ اُسے بعض اُن اسباب کا بھی پتہ لگانا پڑے گا جو اُس کو آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتے مگر اُنکا حدوث ہونا ضرور ہے تو اُسے صاف کھل جائے گا اور ہر شبہ رفع ہو جائے گا جو اپنے حال کی تبدیلی کی نسبت اُسے واقع ہوا ہے۔ قوانین فطرت میں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اتفاق کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہر حادثہ کے لئے ایک سبب ہونا چاہیئے خواہ وہ سبب ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ خداوند تعالیٰ کسی کی محنت کو ضایع نہیں کرتا اور ضرور قوانین فطرت کے مطابق ہر شخص کو اُس کی جانکاہی کا صلہ دیا جاتا ہے۔ ایک کم ہمت سست آدمی کبھی عالی ہمت اور محنتی شخص کے برابر راحت

مہر لگا دی ہے اس سے عام طور پر ایک ناسمجھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خدا نے ہی جب ایک انسان کے دل کان آنکھ پر حق کی طرف سے مہر کر دی پھر اُس کا ہدایت نہ پانا تعجب انگیز نہیں ہے اور نہ اُس پر الزام قایم ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ گاہے بگاہے انسان کی خود مختاری اور آزادی میں دست اندازی بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ اُسنے اس آیت سے پہلے یہ صاف طور پر فرما دیا ہے" ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون" یعنی جو منکر ہوئے اُنہیں تو ڈرا دے یا نہ ڈرا دے وہ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں" برائیاں کرتے جن کے دل پتھر کے ہو گئے قوانین قدرت کا انحراف کرتے کرتے جو اس اطراف اور سرکشی کے عادی ہو گئے تو یہ پتھر کا سا دل ہونا اور عادی ہونا اس کا مقتضی ہے کہ گویا خداوند تعالےٰ کی مہر اُن کے دل کان اور آنکھ پر لگ گئی یعنی اُن کی ہدایت کا خیال قطعی مایوسی سے بدل دینا چاہیئے اور وہ گمراہی کی اُس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ پھر اُدھر سے پھرنے والے نہیں ہیں دوسرے ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر فعل کا فاعل حقیقی باری تعالےٰ ہے لیکن اسے سمجھنا چاہیئے کہ فاعل حقیقی ہونے کے معنی کیا ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے تمام کائنات کو پیدا کیا اُس کے لیئے قوانین منضبط فرمائے تو اب جو کچھ ہوگا ان ہی قوانین قدرت کے دایرہ میں ہوگا یعنی یہ قانون قدرت ہے کہ جو شخص محنت نہ کرے گا اُسے پڑھنا نہیں آئے گا نہ وہ کسی قسم کا ہنر سیکھ سکے گا تو اب اُسے خداوند تعالیٰ ہی نے جاہل رکھا کیوں کہ اس کا اس طرح جاہل رہنا اُسی کے قانون کے مطابق ظہور پذیر ہوا ہے اگر وہ یہ قانون بناتا کہ چاہے کوئی شخص محنت کرے یا نہ کرے اُس کا فاضل ہونا ضروری ہے تو بیشک ایک سست شخص بھی ماں کے پیٹ ہی سے عالم پیدا ہوتا جب یہ بات نظام عالم قایم نہیں رکھ سکتی تھی جبکہ عین انصاف یہ نہیں تھا جب کہ محنتی اور سست سب ایک ہی درجہ میں رکھے جاتے ہیں خداوند تعالےٰ کی حکمت بالغہ اس کی مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسے ظالمانہ اور لایعنی قوانین بنائے جائیں۔ اس لیئے اُس نے وہ قوانین ترتیب دیئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جن کا مفہوم یہ ہے جو کرے گا سو پائے گا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر فعل انسانی کا خالق خداوند تعالےٰ ہے اور اسی بنا پر وہ خود بھی ارشاد فرماتا ہے کہ ہم ہی سب کام کرتے ہیں ہم نے ہی آسمان سے مینہ برسایا اور ہم نے پھل اُگایا اور ہم نے ہی تمہیں ہدایت دی اور ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا۔ غرض اُس کے قوانین قدرت کے خلاف اس تمام کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت نہیں ہوتی اور جس دن ایسا ہوا خوب سمجھ لو کہ قیامت آگئی اور کائنات کا نظام الٹ پلٹ ہو گیا۔ یہ اُس کی انتہا درجہ معبودیت اور ترحم ہے کہ اپنے قوانین قدرت حرف بحرف سنا بھی دیئے اب بدنصیب ہے وہ جو اُس کے قوانین قدرت کے دایرہ سے باہر نکلے اور خوش قسمت ہے وہ جو قدم بقدم اُس کے احکام پر چلے۔ قانون قدرت روز ازل سے یہ ہو چکا ہے کہ بے ابر پانی نہیں برس سکتا چنانچہ کبھی نہ برسے گا۔ قانون قدرت یہ ہے کہ تم ہی اپنے لیئے راحت و مصیبت کے سامان جمع کر سکتے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی قانون ہے کہ اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جسکا فی الفور سبب نہ معلوم ہو سکے تو تمہیں صبر کرنا چاہیئے۔ صبر نہ کروگے پریشان ہوگے پریشانی کے بعد جنون موجود ہے اور جنون کے بعد موت۔ اُس کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ ہم ہی عزت دیتے ہیں اور ہم ہی ذلت دیتے ہیں اور ہم ہی ہر شے پر قادر ہیں۔ جو شخص عزت حاصل کرتا ہے اُسی کے مرتبہ قوانین پر عمل پیرا ہو کے اس لحاظ سے وہ فرما سکتا ہے کہ ہم ہی نے عزت دی اور ہر شخص ذلیل ہوتا ہے وہ بھی اُسی کے مرتبہ قوانین کے انحراف کے مطابق اس لحاظ سے وہ قادر حقیقی

کی اُمید قطعی مایوسی سے بدل جاتی ہے۔ ایک بدکار شخص جس کی تمام عمر بدکاری میں گذر جاتی ہے اور یہ بدکاری اُس کے خون
میں ملجاتی ہے پھر اُس کا جانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ جو کیفیت کہ روحانی امراض کی وہی حالت ہو بہو جسمانی امراض کی ہے جب
کسی سخت مرض کا زہر خون میں ملجاتا ہے پھر تمام جہان کے روشن دماغ اطبا کچھ بھی نہیں کر سکتے ایسی ہی قہرناک بیماریاں ہیں
جن کا زہر نسلاً بعد نسلاً برابر خون میں ملتا چلا جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اُس کا اثر رہتا ہے اسیطرح جب کوئی روحانی مرض
لگ جاتا ہو اگر اُس کے دفعیہ میں کوشش نہیں کیجاتی تو پھر اس مرض کا اثر روح میں آمیز ہوجاتا ہے جب آمیز ہوگیا تو پھر اُس کا زائل ہونا ناممکنات
سے ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مرض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس فطرت انسانی کا اظہار کردیا گیا کہ خدا بدکاروں ہی
کو گمراہ کرتا ہے بدکاروں کے گمراہ کرنے کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور ہم نہیں کہسکتے کہ کسی کو بھی اس میں کچھ شبہ ہو سکتا
ہے جب کہ ایک بات بدیہی ہے اور انسانی فطرت کے اتار چڑھاؤ کا بیان ہوا ہے۔ ایک تھوڑے سی غور اور توجہ سے یہ مسئلہ
حل ہوسکتا ہے۔ طبی قواعد کی رو سے یہ بات مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ابتدا سے اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش نہ کرے حالانکہ
اس میں سنبھل جانے کی قوت اور اپنی اصلاح کی پوری استعداد موجود ہے تو ایک زمانہ گذرنے کے بعد پھر اُس کی اصلاح کی امید
بالکل محال ہوجاتی ہے۔ اور کیسی ہی سخت سے سخت سزائیں اور نصائح کی جائیں مطلق اثر نہیں ہوتا۔ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے
ایسے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں کہ ایک شخص کئی سال کی قید سے آج ہی تو رہا ہوکے آیا اور آج ہی اُس نے پھر کہیں نقب زنی
کی یعنی ایک دن بھی کئی برس کی سخت قید کا اثر اس میں نہیں رہا پھر پکڑا گیا۔ پٹا اور قید ہوا اور پھر رہائی پاکے اُس نے وہی فعل
کیا۔ اخیر اس کی کیا وجہ ہے پس سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ بُری عادتیں اُس کے خون میں مل گئی ہیں اور جب تک اُس کی جان میں
جان باقی ہے وہ کبھی اس فعل سے باز نہیں آنے کا۔ اسی فطرت کے آدمیوں کی طرف خدا کا یہ اشارہ ہے کہ ہم کاروں کو ہی
گمراہ کرتے ہیں یعنی اُن کا مرض بدکاری لاعلاج ہوجاتا ہے اور وہ یہی لوگ ہیں جو اخیر میں نقصان اُٹھائیں گے۔ ان روشن
اقوال کے سمجھنے کے لئے جس طرح بیدار دلی۔ روشن ضمیری اور انصاف کی ضرورت ہے اسی طرح انسانی فطرت کے علم کی بھی
حاجت ہے۔ یہ کلام باری تعالےٰ ہے اور دنیا کی کل مخلوق کا زبردست قانون ہے اسے معمولی نظروں سے نہ دیکھو بلکہ حکمت
اور انصاف سے اس کی تلاوت کرو تاکہ قوانین قدرت کی باریکیاں کھلتی چلی جائیں اور غوامض الٰہیہ کا انکشاف پے در پے ہوتا چلا جائے
پھر خداوند تعالےٰ نے انسانی خود مختارانہ حالت کو بہت ہی کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے
"ولو انہم امنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون" یعنی اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار رہتے تو جو ثواب اُنہیں خدا
کی درگاہ سے ملتا وہ اُن کے حق میں اس سے کہیں بہتر تھا اے کاش یہ لوگ اپنی بات سمجھتے" کونسی بات باقی رہ گئی اور کونسا
پہلو انسان کی خود مختارانہ حالت کے بیان کرنے میں فروگذاشت کیا گیا۔ اس سے زیادہ صاف اور روشن الفاظ اور کیا ہو سکتے
ہیں نہ جن کی تفسیر کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے مطالب کے توضیح کرنے کی حاجت ہے۔ ادنےٰ بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اگر انسان
کامل خود مختار نہ بنایا جاتا تو جزا و سزا ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ دوسرے مقام پر خداوند تعالےٰ نے حکومت عادل
اور نظام مملکت کے بارے میں فرمایا ہے جیسا ارشاد ہوا ہے "ولو لا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض
ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین" یعنی وہ اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو (حکومت کی کرسی پر

نہیں پا سکتا۔ عجائبات کرۂ زمین ایسے سحر انگیز ہیں کہ یہاں ہر شخص حیرت میں ہے اور عام عقول ان عجائبات کا راز کبھی نہیں پاسکتیں۔ جنہوں نے غور بین نظروں سے دیکھا ہے اور اس راز کو اچھی طرح سمجھا ہے وہی عارف باللہ ہیں اور اُن کی معرفت میں ہرگز شبہ نہیں ہوسکتا اور جو پاک نفوس اس راز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں وہی سالک ہیں اور اُن کے سلوک میں ذرہ برابر بھی شک کو گنجائش نہیں ہوسکتی یہی حقیقی معرفت آلہیہ اور یہی یقینی سلوک طریقت ہے۔ اور ان دونوں صفات کی طرف صرف قرآن مجید ہی رہنمائی کرتا ہے۔ دوسری کتاب اس دنیا میں نہیں دکھائی دیتی۔

مسئلہ تقدیر جس کی ریشہ دوانی کائنات کے عظیم کرے سے لے کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں ہورہی ہے آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا اگرچہ ہمارا جزو جزو اور رونگٹا رونگٹا اُس کے بندھنوں سے جکڑا ہوا ہے اور ہمیں کسی حالت میں اُسے مفر نہیں۔ ایسی چیز کو افسوس ہے کہ ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں اور نہ ہماری عقل اُس کا اندازہ کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند کائنات نے انسان کو مظلوم اور جہول فرمایا ہے۔ اُس میں ہر قسم کی قوت ودیعت ہوئی ہے مگر وہ اُسے کام میں نہیں لاتا اس لئے اُس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہوسکتا ہے۔ خود ہمارے روزمرہ کے افعال مسئلہ تقدیر کا فیصلہ بخوبی کرسکتے ہیں اس میں نہ منطق کی ضرورت ہے نہ فلسفہ کی لیکن ایسی نظریں کہاں سے آئیں جو حادثات کے پوشیدہ اور ظاہری اسباب کو دیکھیں سمجھیں اور ان پر غور کریں اس لئے ہمیں ہر قسم کی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر پہلو سے مخاطب کا اطمینان کیا جاتا ہے۔ مگر ہم نہ پیچدار منطق کی ہیر پھیر کو پسند کرتے ہیں نہ یونانی فلسفہ کو ہماری طرز تحریر میں اگرچہ فلسفہ کی چاشنی دی ہوئی ہوتی ہے مگر وہ نظری فلسفہ کی نہیں۔ بلکہ جدید عملی فلسفہ کی جس سے انکار کردینا ایک عاقل کے لئے سخت دشوار ہے۔ یہ ہمارا خیال ہے اور ہم اپنے اس خیال کو ایک حد تک نبھائیں گے کہ جو دعویٰ کیا جائے اُس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ ہو کیوں کہ جس دعوے کو دلیل کی ضرورت ہوتی ہے وہ دعوے قابل تسلیم نہیں۔ ہم اس کا اشارہ پہلے بھی کر آئے ہیں اور اب پھر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم لکھیں گے ایک حد تک اُس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ ہوگی اور کہیں مجبوری نسبت کہا نہیں جاسکتا۔ خداوند تعالےٰ نے مچھر کی مثال بیان فرماکے ارشاد کرتا ہے "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا وما یضل به الا الفسقین الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک هم الخسرون" یعنی ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن بدکاروں ہی کو گمراہ کرتا بھی ہے جو پختہ قول کرنے کے بعد خدا کا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور جن تعلقات کے قایم رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو توڑتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ اخیر نقصان اُٹھائیں گے" اگر صرف معمولی نظروں سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قوانین قدرت یا اوامر باری تعالےٰ کی خلاف ورزی کرنی گویا خداوند تعالےٰ سے انحراف کرنا ہے اسلئے جو شخص اس طرح گمراہ ہوتا ہے اُس کی نسبت بھی خداوند تعالےٰ کو اپنے ہی ساتھ کرنی لازم ہے کیوں کہ قوانین فطرت اُسی کے بنائے ہوئے ہیں اور وہی ان کا اصلی اور حقیقی موجد ہے۔ یہاں ایک نئی بات اور بھی فرمائی گئی ہے اور انسانی فطرت کی انتہا درجہ کی یوں تشریح بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کے عہد توڑنے کا عادی ہو یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی کرنے بس اُس کی تمام عمر گذر گئی ہو پھر اخیر وہ اس سے نہیں سنبھل سکتا اور برابر گمراہی کے گڑھے میں گرتا جاتا ہے اور پھر اُس کے بچنے

ایک شہنشاہ نے فرض کرکے اپنی تدابیر اور جانفشانی سے ایک دوسرا ملک سر کیا اور کوشش اور اعلیٰ تدبیری پر گھمنڈ نہ کرکے اُس نے یہی سمجھا کہ میری کیا حقیقت ہے خدا ہی کو منظور تھا کہ اس ملک میں بھی میرا سکہ چلے اور میں بادشاہ کہلاؤں اور اُس وقت وہ وجد کی حالت میں یہ پڑھے تو ہی عزت دیتا ہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے ہر شئے پر تو ہی قادر ہے۔ خدا ہی کو براہ راست صرف نیکیوں کا فاعل ماننا ہماری محنتوں کا اخلاقی نتیجہ ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر قسم کی عزت اور ذلت ہمارے ہی اختیار میں ہے اور ہم ہی دیتے ہیں وہاں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ بھی دعا مانگا کرو کہ ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہر قسم کا شر اور خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بلکہ اس خیر و خوبی کے یہ معنی ہیں کہ ایک نیک بادشاہ کے ہاتھ میں دوسری سلطنت کی باگ دیدینے سے جس قدر خیر پیدا ہوئی اسی طرح ایک ظالم بادشاہ کو تخت سے خارج کرنا بڑی خیر اور خوبی کا باعث ہے۔ یہ ہے خیر و خوبی اور یہ ہے اس کا مطلب انصاف کی زنجیروں میں ذرہ ذرہ جکڑا ہوا ہے اور کوئی شخص ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا ہے جو شخص سلامت روی میں اپنی زندگی گذارتا ہے یا با الفاظ دیگر جو شخص قوانین فطرت باری تعالیٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اپنے پر آپ رحم کھاتا ہے یہ مسلم ہے جو شخص اپنے پر آپ رحم نہ کھائے دوسرا اُس پر ہرگز رحم نہیں کھانے کا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خداوند تعالےٰ رحیم اور کریم ہے مگر رحم اور کرم کے یہی معنی ہیں کہ جو قوانین قدرت اُس نے منضبط کئے ہیں وہ کائنات میں ایک عظیم کرّے سے لگا کے ذرہ تک کے لئے یکساں ہیں اور کبھی اس سے تجاوز نہیں ہوتا نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے اس سے ہرگز تجاوز ممکن نہیں قاتل کی سزا پھانسی ہے وہ قیامت تک اس سے بچ نہیں سکتا جس شخص نے کوئی اخلاقی جرم کیا ہے وہ ضرور اپنے دل ہی دل میں اُس کی سزا بھگتے گا اس لئے اُس نے نہایت ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں وہ جرم کیا ہے۔ اگر خارجی طور پر اُسے کوئی سزا نہیں دی گئی اُس کا دل اُسے ملامت کرنے کے لئے کافی ہے اور دل کے تعزیری قوانین کا اُس پر نفاذ ہوگا اور وہ ایک مدت تک اس سزا کو بھگتا کرے گا مثلاً ایک شخص نے کسی کی دل آزاری کی ہے وہ برسوں اپنے ہی دل میں خود پشیمان ہوا کرتا ہے کہ مجھ سے یہ امر کیوں سرزد ہو گیا اور میں نے کیوں ایسا کیا۔ یہی بہت بڑا رحم اور بہت بڑا انصاف ہے۔ انصاف اور رحم خود لازم و ملزوم ہیں اور ایک کا انحصار دوسرے پر ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عین انصاف کا نام رحم ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس کی تائید اس آیت کلام مجید سے ہوتی ہے "اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون"
یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم بدحواس بھاگے چلے جاتے تھے اور باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے تمہیں کھڑے تم کو بلا رہے تھے لیکن تم مڑ کے کسی کو نہیں دیکھتے تھے پس اس مخالفت سے جو تم نے رسول کو آزردہ کیا اس کے بدلے خدا نے تم کو شکست کا رنج پہنچایا تاکہ جب کبھی تم سے کوئی مطلب فوت ہو جائے یا تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو تم صبر کی عادت رکھو اور اُسکا رنج نہ کرو اور تم کچھ بھی کرو اللہ کو اُسکی خبر ہے" اس آیت شریفہ میں انصاف اور رحم کو لازم و ملزوم بنایا ہے۔ مسلمانوں کو اس امر کی سزا کہ اُنھوں نے رسول کریم کو آزردہ کیا شکست دی گئی یعنی یہ تو انصاف کیا گیا اور پھر اُن پر رحم فرما کر خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہر مصیبت پر صبر کیا کرو یعنی اُس سے شکستہ خاطر اور پریشان اس لئے نہ ہوا کرو کہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا

نہ ہٹاتا رہے تو ملک (کا انتظام) درہم برہم ہو جائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر (بڑا) مہربان ہے"۔ یہاں بھی وہی مطلب ہے جو ہم اوپر دو جگہ بیان کر آئے ہیں یعنی جو قوانین کہ ایک بادشاہ تخت سلطنت پر قایم رہنے کے بنائے گئے ہیں جب وہ اُن سے تجاوز کرتا ہے تو خلقت پر مظالم کی بلا نازل ہونے لگتی ہے لازم ہوا کہ ایسا بادشاہ تخت سے اُتارہ دیا جائے اور اُس کی جگہ دوسرا وہ حکمراں ہو جو قوانین قدرت کی پوری پابندی کرتا ہو تاکہ خلقت کو آرام ملے۔ جب سے دنیا میں تاریخ کا سلسلہ ملتا ہے اُس کے مطالعہ سے ہی پایا جاتا ہے کہ خاص خاص خرابیوں کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں غارت ہو گئیں۔ حکمراں خاندان اکثر اوقات بالکل برباد کر دیے گئے۔ سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر دیے گئے یا زہر دیدئے گئے دور کیوں جاؤ صرف مسلمانوں ہی کی حکومت پر خیال کرو وہ اسباب جن سے مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں کچھ پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ تاریخ نے اُنہیں آئینہ کر دیا ہے۔ بنو اُمیہ کی سلطنت کیوں غارت ہوئی بنو عباس دنیا سے کیوں مٹا دئے گئے بنی فاطمہ کیوں برباد کر دئے گئے خاندان اُندلس کا کیوں ستیاناس ہوا۔ خاندان مُغلیہ کیوں صفحہ دنیا سے مٹا دیا گیا۔ خاندان صفویہ کی کیوں شان و شوکت جاتی رہی۔ خاندان عثمانیہ کی تمکین ماضیہ کی سی دھاک یورپ کے جگر پر کیوں نہیں ہے۔ ان سب باتوں کے اسباب ظاہر ہیں اور ایسے ظاہر ہیں کہ اُن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خداوند تعالےٰ نے اپنی محبت اور مہربانی کا جو اُسے مخلوق اللہ سے ہے پورا ثبوت دیا ہے۔ ان سلطنتوں کو یقیناً قوانین قدرت نے برباد کر دیا یا کمزور بنا دیا اس لحاظ سے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم بعض لوگوں کو حکومت کی کرسی پر سے نہ ہٹاتے رہیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ فرض کرو کہ اگر یہ قوانین قدرت ہوتے کہ ان بے اعتدالیوں اور برباد کن اسباب جمع کرنے کے بعد بھی وہ سلامت رہتے اور اُن مظالم اور بے پروائی کے بعد بھی جنکا حال پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہی لوگ قایم رہتے اور اُن ہی کی بادشاہت رہتی تو پھر کیوں مخلوق خدا باقی رہتی اور نظام عالم کیوں نہ برباد ہوتا حق تو یہ ہے کہ جزا اور سزا کا قایم ہونا خود اسبات کا شاہد ہے کہ انسان ضرور خود مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اسے کامل اختیار ہے خواہ وہ نیک بنے یا بد کوئی چیز اسے روکنے والی نہیں ہے آنکھیں ہیں اُن سے وہ ٹھوکر اور گڑھے کو دیکھ کے چلتا ہے اگر آنکھیں ہونے پر بھی وہ قدم بقدم پر ٹھوکر کھائے تو ایسے شخص کا کیا علاج ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اُسے اُس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ایک دوسرے مقام پر خداوند زمین و زماں نے اپنے جلال اپنی جبروت اور اپنی ہیبت کا پورا نقشہ کھینچا ہے چنانچہ فرماتا ہے "قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر" یعنی اے پیغمبر تم تو یہ دعا مانگو کہ اے خدا سارے ملک کے مالک توہی جس کو چاہے سلطنت دے اور توہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور توہی جسے چاہے عزت دے اور توہی جسے چاہے ذلت دے اور ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ اپنے نبی سے خطاب باری تعالیٰ ہوا ہے کہ تمہاری ہر وقت یہ دعا ہونی چاہئے کہ اُسے تمام ممالک بلکہ کائنات کا مالک سمجھا جائے اور اپنی کامیابیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے یہی خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اور ہم اُس کے بندے ہیں۔ یہاں بھی عزت دینے اور ذلت دینے کے وہی معنی ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے۔ مگر یہاں عبادت کی تعلیم ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ شان عبودیت کیا ہے اور بندہ کو کیا کرنا چاہئے۔

اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اسی وجہ سے خداوند تعالےٰ نے اپنی محبت اپنی مخلوق کے دل میں پیدا کرنے اور اپنا سچا شیدا بنانے کے لئے یہ ارشاد کیا اگر کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے پہنچا اور کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ اگر فی الحقیقت یہ خیال دل میں پیدا ہو جائے تو اس سے زیادہ عین عبودیت اور ہو نہیں سکتی۔ یہ ایک خیال ہے جس میں معرفت الٰہیہ کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے قرآن مجید کے ہر جملے اور ہر چھوٹی سی چھوٹی آیت میں وہ وہ راز فطرت باری تعالےٰ اور تہذیب انسانی کے مضمر ہیں کہ جتنا غور کرو نئی نئی باتیں پیدا ہوتی چلی جائیں گی صرف فہم سلیم اور انصاف کی ضرورت ہے۔ قرآن کے مضامین کو نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشوں کے مطیع ہیں اور جن کی آنکھوں پر خود غرضی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اے کلام پاک تیرے لعل جوہری ہی پرکھ سکتا ہے۔ قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔ تو قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تجھ میں فطرت انسانی کا بڑی دور تک کھوج ملتا ہے۔ جو نہیں سمجھتے وہ بدنصیب ہیں جن کے لئے تو خود یہ فیصلہ کرتا ہے "انظر کیف کذبوا علیٰ انفسھم وضل عنھم ما کانوا یفترون - ومنھم من یستمع الیک وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا وان یروا کل ایۃ لا یؤمنوا بھا حتیٰ اذا جاءوک یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین وھم ینھون عنہ وینئون عنہ وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون" یعنے اے محمد دیکھو تو سہی یہ لوگ کس طرح اپنے اوپر آپ جھوٹ بولنے لگے اور اُن کی افترا پردازیاں سب اُن سے گئی گذری ہوگئیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں کہ تمہاری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں اور اُن کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں اور اگر وہ دنیا جہان کی ساری نشانیاں یعنی معجزے بھی دیکھ لیں تاہم وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں اُن کی ہٹ دھرمیاں تو یہاں تک بڑھی ہوئی ہیں کہ جب تمہارے پاس تم سے جھگڑتے ہوئے آتے ہیں تو یہ کافر قرآن کو سن کے بول اُٹھتے ہیں کہ قرآن میں اور رکھا ہی کیا ہے اس میں تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہی کہانیاں ہیں اور یہ قرآن سننے سے دوسروں کو منع کرتے ہیں اور آپ بھی بھاگتے ہیں اور ایسی شرارتوں سے بس اپنی ہی ہلاکت کے درپے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اس نقطے کو بھی نہیں سمجھتے" مضحکہ اُڑانے والوں اور متعصبوں کے حق میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کی شرارتیں خود اُن کے حق میں سم ہلاہل ہیں۔ پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "والذین کذبوا بایتنا صم وبکم فی الظلمت من یشا اللہ یضللہ ومن یشا یجعلہ علیٰ صراط مستقیم" یعنی اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں گونگے اور بہرے ہوتے ہیں خدا جسے چاہے اُسے گمراہ کردے اور جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگا دے" یہ بھی وہی بات ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جتنی آیتیں اس قسم کی آئیں سب کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں یعنی پہلے انتہا درجہ کی شقاوت قلبی اور ناممکن العلاج ضمیری مرض کا اظہار ہو کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا جسے چاہے گمراہ بنا دے اور جسے چاہے راہ راست پر لگا دے۔ خداوند تعالیٰ کا گمراہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص اُن قوانین قدرت سے انحراف کرکے گمراہ ہوا جو خداوند تعالےٰ نے ترتیب دیئے تھے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا ہی گمراہ کرنے والا اور خدا ہی ہدایت دینے والا ہے چنانچہ اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے "قد فصلنا الایات لقوم یذکرون یعنی جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں اُن کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں" پھر خداوند

دیگئی اس بات پر صبر کرنا چاہئے کہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو کیوں ہمارا مطلب فوت ہوتا اور کیوں ہم پر مصیبت آتی۔ ایسی حالت میں صبر کرنا اس بات کو سمجھنا ہے کہ فلاں غلط کاری کی سزا دیگئی ہے آئندہ اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ وہ انصاف تھا اور یہ رحم تھا اگر کسی مصیبت کی وجہ سے انسان اپنے آپے میں نہ رہے اور سخت پریشان ہو جائے تو اُسے اس خیال کرنے کا احساس نہیں رہتا کہ کس جرم میں یہ سزا دیگئی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ پریشانی کے دور ہونے کے بعد وہ پھر اُسی جرم کا ارتکاب کرے گا اور پھر اُسی موعود مصیبت میں گرفتار ہو گا۔ ہاں اگر اُس نے صبر کیا تو اس صبر میں اُسے اپنی گذشتہ غلط کاریوں پر فکر کرنے اور غور کرنے کا موقع ملے گا اور پھر یقیناً اُس سے وہ خطا جس نے اسے مصیبت میں پھنسا دیا تھا کبھی سرزد نہ ہوگی قرآن مجید کی ایک ایک آیت میں بہت بڑی حکمت مضمر ہے اور اسے وہی لوگ دیکھ سکتے ہیں جنہیں عقل اور عقل میں انصاف کی روشنی ہے۔ قرآن کیا ہے قوانین فطرت کا ایک مجموعہ ہے اور اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے فطرت باری اور فطرت انسانی کا علم ہے اندہا دہند اپنی رائے سے کوئی بات قایم کر لینی اور محض اندھی بنے سے قرآن مجید کی پاک تعلیم پر نکتہ چینی کر دینی اپنی لاعلمی کا خود اظہار کرنا ہے۔

اسکے بعد خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبودیت کے دائرہ میں رہنے کی کیا اچھی تعلیم کی ہے اور سمجھایا ہی کہ شان عبودیت کسے کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے "ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ فما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وارسلنک للناس رسولا وکفی باللہ شہیدا" یعنی اے بندے حقیقت حال تو یہ ہے کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اور اے پیغمبر ہم نے تمہیں لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا بنا کے بھیجا ہے اور تمہارے پیغمبر ہونے کے لئے خدا کی گواہی بس کرتی ہے" جو قوانین فطرت ہیں وہ تو ہیں لیکن شان عبودیت کو اس خوبصورتی سے سادے سادے الفاظ میں بیان کرنا یہ خدا ہی کا کام ہے۔ نیکی کو خدا کی طرف پھیرنا اور برائی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا عین عبودیت ہے دنیا میں اس کی نظیر خود موجود ہے آقا پرستی کی پہلی سیڑہی یہ ہے کہ اپنے آقا کی غلطی کو اپنی غلطی کہے اور اپنی آقا پرستی کا پورا ثبوت دے سادنے سے ادنے محنت میں ہی اس کی بہت سی نظیریں مشاہدہ کی گئی ہیں اس آیت شریفہ میں ایک طرف شان عبودیت دکھائی گئی ہے اور دوسری طرف معیار محبت قایم کیا گیا ہے ہمیں محمود غزنوی کی ایک حکایت یاد آئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شان بندگی اور اصلی محبت کیا چیز ہے محمود کے کان میں جب آوازیں پے درپے آنے لگیں کہ سلطان کیوں ایاز کو زیادہ عزیز رکھتا ہے تو ایک دن اُس نے اس امر کا اظہار کرنا چاہا۔ دربار میں اپنے کل غلاموں کو بلایا اور سب کو ایک ایک موتی دیا اور حکم دیا کہ اسے توڑ لاؤ چنانچہ سب غلام معہ ایاز کے جاکے اُس کا چورا چورا کرلائے جب وہ موتی کا چورا کرلائے تو محمود نے ایک ایک سے دریافت کرکے اُن پر خفگی کرنی شروع کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا وہ گھبرا گھبرا کے عرض کرنے لگے کہ حضور ہی نے حکم دیا تھا ہماری کیا مجال تھی کہ ہم اپنی رائے سے کچھ کرتے جب سب غلاموں کا سلسلہ ختم ہوچکا تو وہی ناخفگی ایاز پر بھی ہوئی اُس نے دست بستہ سرنگوں ہو کے عرض کیا خداوند نعمت یہ اسی عاجز کی خطا ہے اور یہ عاجز بندہ ہر سخت سے سخت سزا کے لئے تیار ہے جو اس کے جرم کے لئے تجویز کی جائے۔ یہ سنکے محمود خاموش ہو رہا اور تھوڑی دیر کے بعد کل غلام اور اہل دربار سمجھ گئے کہ محمود نے ہماری باتوں اور اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اس محبت اور عین آقا پرستی کی مثالیں ہم نے

ہیں یہ معاشرت اُس کے خون میں ایسی ملجانی چاہیئے کہ پھر کسی خارجی تمدن و تہذیب کا اُس پر اثر نہ پڑے مگر یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ فوراً غیر اشیاء سے متاثر ہوتا ہے اور اس کی معاشرت بہت جلد بدلجاتی ہے۔ انسان کے خیالات کا عجیب اُتار چڑھاؤ ہے دم بدم اُن میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ایک شہر ایک آب وہوا اور ایک معاشرت اور پھر اُسی میں معاشرت اور تمدن کا اتنا فرق کہ خیال میں نہیں آسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ آب وہوا ایک حد تک مجبور کرتی ہے یہ صحیح ہے کہ قوانین تمدن ملکی انسان کو ایک خاص طرف پھیرنے کے لیئے دباتے ہیں مگر دراصل وہ مجبوری نہیں ہے بلکہ اسے خلقت کہنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ خلقت بدل سکتی ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک تبدیلی آسکتی ہے۔ مگر نہیں قوانین قدرت اور خدا پرستی کو اس تمدن اور آب وہوا سے کوئی بھی تعلق نہیں یہ سارے طبعی اور فطری امور ہیں جن سے نہ نفس انسانیت میں کچھ نقصان پہنچتا ہے نہ فائدہ۔ بلکہ روحانی صفات کے لحاظ سے قوانین قدرت نے دنیا کا ایک ہی تمدن قرار دیا ہے اور اس سے جو شخص تجاوز کیے سمجھ لو کہ اس نے اپنی ہلاکت کا آپ سامان کیا۔ مثلاً خدا کو ایک جاننا۔ چوری نہ کرنا زنا نہ کرنا اور ہمسایہ کو تکلیف نہ دینا وغیرہ دنیا کے کس ملک کا تمدن ہوگا کہ جو ان باتوں میں سے کسی بات کے تسلیم کرنے میں رخنہ اندازی کریگا اور کہاں اور کس جگہ آب وہوا ان کے تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے سے مانع آئے گی۔ تقریباً تمام ہی دنیا اسے مانتی ہے اور سوائے چند نافہموں کے خدا کی ہر سوں مخلوق اس پر کاربند ہے خدا کی نسبت سب کے خیالات یکساں ہیں عیبوں کو عیب اور نیکیوں کو سب نیکی جانتے ہیں کس ملک کے تمدن نے ایک خدا کے دو کر دیئے اور کس ملک کے تمدن نے زنا چوری اور قتل کو ناجائز قرار دیدیا۔ خدا پرستی یا تزکیہ نفس میں کسی قسم کا تمدن اور کسی قسم کی معاشرت کچھ بھی رخنہ نہیں ڈال سکتی۔ ایشیا کے باشندے اپنی معاشرت میں خدا پرستی کر سکتے ہیں اور تزکیہ نفس کے مدارج بھی طے کر سکتے ہیں اور افریقی اقوام اپنی ملکی آب وہوا میں وہی کر سکتے ہیں جو ایک ہندوستانی یا عربی یا رومی یا یورپی باشندہ۔ یاد رکھو کہ اچھی چیز ہر جگہ اچھی ہے اور بری چیز ہر جگہ بری ہے مگر اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اچھی وہ چیز ہے جسے خدا نے اچھا کہا ہے انسان کی اچھی سمجھی ہوئی کوئی چیز عام مقبول نہیں ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک ملک والے کسی خاص چیز کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن دوسرے ملک میں مقبول نہیں ہندوستان میں مرچ زیادہ پسند کیجاتی ہے مگر روم وعرب اور یورپ میں کوئی مرچ کو جانتا ہی نہیں جو ترکاریاں پھول پھل اور کھانے کی ہندوستانیوں کو مرغوب ہیں وہ دوسرے ملک میں نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں انگریز جس سڑے ہوئے پنیر اور مچھلی کو مزا لے لے کے کھاتے ہیں ہندوستانیوں کا اُس سے جی متلاتا ہے۔ غرض ہر چیز میں یہ فرق ہم عیاں دیکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی طبیعت یا بمقتضائے آب وہوا اپنی معاشرت کے سامان پیدا کیئے ہیں اس لئے اُس کے فائدے محدود ہیں دوسرے ممالک پر اس تمدن کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ گرمی میں انسان برہنہ رہتا ہے آسمان کی نیلی چھت کے نیچے شب کو سوتا ہے پھر بھی اُسے آرام نہیں آتا مگر ممالک روم اور یورپ یا امریکہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ مجبوری نہیں بلکہ اپنی صحت اور زندگی کے لئے اسے فطری طور پر ہر ملک کی آب وہوا کے مطابق اپنے لئے سامان کرنے پڑتے ہیں برخلاف اس کے خداوند تعالےٰ نے جس چیز کو اچھا اور جس چیز کو برا بتایا ہے وہ ہر ملک اور ہر تمدن اور ہر قوم میں یکساں تسلیم کیا جاتا ہے اور اس میں نہ کسی نے تبدیلی کرنے کی جرأت

تعالےٰ نے اور بھی تشریح سے فرما دیا ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اباؤنا ولا حرمنا من شیٔ کذالک کذب الذین من قبلھم حتیٰ ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون" یعنی مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ آخر ہمارے عذاب کا مزا چکھا پر چکھا اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی علمی سند بھی ہے اگر ہے تو اُس کو ہمارے دکھانے کے لئے نکالو اور پیش کرو سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں نرے واہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہو۔" جو کچھ ہمارا مطلب تھا خدائے حقیقی نے صاف الفاظ میں بتا دیا۔ یہ عذر ہرگز نہیں چلنے کا کہ اگر خدا چاہتا تو یہ کر دیتا اور خدا چاہتا تو ہمیں اُس غلطی سے بچا لیتا خدا چاہتا تو ہم سے یہ گناہ نہ ہونے دیتا خدا چاہتا تو یہ کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند تعالےٰ میں ہر قسم کی قدرت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر جو قوانین کہ روز ازل سے اس نے ترتیب دیئے ہیں اُن کے خلاف ذرہ برابر بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جلال جتنا ہم اندازہ کرتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ ہے اُس کی بزرگی جو ہمارے خیال میں آسکے اُس سے کہیں برترین و اعلےٰ ہے ہم اگر اُن عظیم لاکھوں بلکہ کروڑوں کرہوں کا خیال کریں جو ہماری دنیا سے بدرجہا بڑے ہیں اور فضا میں گردش لگا رہے ہیں اور پھر اپنی دنیا اور اُس کے بعد اپنی ذات پر خیال کریں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک پشہ کے رونگٹے کی نوک کے برابر بھی ہستی نہیں رکھتے ہم کیا اور ہماری عقل کیا ہاں جو کچھ اور جتنا اس نے بتا دیا ہے وہی جانتے ہیں اور کوئی علم ہمیں نہیں ہے۔ وہ خلاق اکبر بار بار کہہ چکا کہ قانون قدرت کے خلاف کچھ نہیں ہوتا اور پھر جگہ جگہ اُس نے اُن لوگوں کی حقارت کی ہے جو ہر ایک بات خدا ہی پر سونپتے ہیں اور اپنی نجیب اولوالعزم قوتوں کو معطل کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جاتے ہیں اور کمبخت کچھ نہیں کرتے۔ وہ کن پر زور الفاظ میں اپنے اُن نافرمان اور سرکش بندوں کی تحقیر کرتا ہے جو خود تو اپنی عقل سے کچھ کرتے نہیں مگر خدا پر چھوڑا رکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو یہ ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو ہم مشرک نہ رہتے۔ اُن کی نسبت ارشاد ہوا ہے اور وہ بھی اپنے پیغمبر سے کہ ان سے دریافت کرو کہ تمہارے پاس اس کی کچھ سند ہے کہ اگر خدا چاہتا تو مشرک نہ رہنے دیتا پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ نہیں یہ کوئی سند پیش نہیں کر سکتے۔ انتہا درجہ عتاب ہے اور سخت غصہ ہے صرف اس باعث سے کہ یہ بدبخت اپنی اس بدکاری سے عذاب کا مزا چکھیں گے۔

یہ خیال بالکل لغو ہے اور سراسر غلط ہے کہ انسان اپنی فطرت میں مجبور پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ انسان دو صورتوں سے سخت مجبور کیا گیا ہے اول تو تمدن و معاشرت اور رسم و رواج قومی و ملکی کے باعث اور دوسرے اپنی خاص فطرت سے یہ ساری باتیں محض بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہیں اور جو شخص طبع انسانی اور ضمیر کے عجیب و غریب جوہروں کو جانتا ہے وہ ہرگز یہ خارجی اور فطری مجبوری قبول نہیں کرنے کا۔ فرض کرو ایک شخص ہندوستان میں مذہباً ہندو پیدا ہوا شیرخوارگی کے زمانہ سے لے کے بلوغ تک اُن والدین کی گود میں پلا جو بت پرستی کرتے ہیں بتوں کو علے الصباح لڈو کھلاتے ہیں اُن کو نہلاتے اور اُن کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ کھانے میں تفریق کرتے ہیں پکا کھانا پوری کچوری لڈو بغیر چھوے کے کھاتے اور کچا کھانا مثلاً روٹی بغیر گوبر لیپے کھانا ممنوع جانتے

امر کی مقتضی ہے کہ جس شخص کی اس صورت کی کھوپری ہو وہ زانی ہوتا ہے مگر یہ ہم حکم نہیں لگا سکتے کہ اس نے تمام عمر زنا کیا اور کبھی تمام زندگی میں ایک موقع بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنی خلقی عادت کو روک سکا ہو یہ عام حکم ہم کیوں کر لگا سکتے ہیں اور کیوں کر دعوے کر سکتے ہیں کہ وہ کسی وقت اور موقع سے چوکتا ہی نہ تھا موجودہ زمانہ میں صدہا بلکہ ہزارہا انسان اس صورت کی کھوپری کے ہوتے ہیں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی یہ خلقت بازار اور دوستوں کے جلسہ میں بھی اس جرم کے ارتکاب پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نفسانی قوت کا ان پر غلبہ ہو لیکن یہ غلبہ ہمیشہ قوائے عقلی کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ قوائے عقلی اس غلبہ نفسانیت سے اس وقت مغلوب ہو سکتے ہیں جب اس کا محل اور موقع بھی ہو۔ مثلاً تنہا مکان ہے اور وہاں اس نوعیت کی کھوپری والے شخص کا پورا قبضہ ہے بد نصیب عورت کسی صورت سے اس کے جال میں آ پھنسی ویسی حالت میں تو ممکن ہے کہ خارجی اسباب کی مدد سے وہ اپنی خلقت کو قوائے عقلی پر غالب کر لے مگر بغیر اسباب خارجی کی مدد کے ممکن نہیں۔ ایک شخص کسی عورت پر فریفتہ ہے۔ شب و روز اُسے بازار میں دیکھتا ہے جلسہ میں اُس سے ملتا ہے باتیں کرتا ہے اور اس کی وصل کا انتہا درجہ مشتاق ہے ساتھ ہی کھوپری بھی کنکیو رکھتا ہے چونکہ اسباب خارجی اُس کے معاون نہیں ہیں وہ اپنی خلقت سے اپنے قوائے عقلی پر فتحیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ظالم کی کھوپری ہمارے آگے رکھی ہوئی ہے ہم کیوں کر ایک ایک دن اور ایک ایک ساعت کے سوانح عمری اس کھوپری کے بیان کر سکتے ہیں اور کیوں کر دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنی خلقت کے خلاف کبھی بھی رحم کا کام نہیں کیا اور یہ ہمیشہ مظالم ہی میں ہاتھ رنگتا رہا۔ یہ ساری باتیں قیاسی ہیں اور ان موضوعہ اصول کے سب نکلیے غلط ہیں۔ یہ صحیح ہے اور اس سے انکار کرنا بداہت سے انکار کرنا ہے کہ ضرور اختلاف قوٰی کا ایک اثر مترتب ہوتا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں لیکن زیادہ تر یہ باتیں جسمانی حالت پر اثر کرتی ہیں ایک قوی الجثہ شخص کمزور اور نحیف کی نسبت زیادہ کھائے گا اور قوت ہاضمہ بھی اُس کی قوی ہو گی مگر یہ ضرور نہیں کہ قوائے عقلی میں بھی اُس سے بہتر ہو اور اُس کی روحانی قابلیت یا علمی لیاقت بھی زیادہ ہو ایک شخص جو حلیم الطبع پیدا ہوا ہے ظالم بن سکتا ہے اور ایک ظالم شخص اکثر اوقات حلیم الطبع ثابت ہوا ہے۔ جن بادشاہوں کے خونریز حالت سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اُن کی رحم کی کہانیاں بھی سنی گئی ہیں اور وہ ایسی کہانیاں ہیں کہ سن کے تعجب ہوتا ہے کہ ایسا ظالم رحم دل کیوں کر بن گیا۔ جس طرح انسان کے قوائے جسمانی میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں اسی طرح قوائے عقلی میں بھی تنزل و ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں جس شئے کو ہم ایک زمانہ میں پسند کرتے تھے دوسرے زمانہ میں اُس سے نفرت ہو جاتی ہے جس رائے پر ہم آج ناز کرتے ہیں کل خود ہی اس سے احتراز کریں گے جس خیال کی بلند پروازی آج ہمارے ذہن میں سما رہی ہے کل اُس کی پستی کا یقین ہو جائے گا۔ اخیر یہ بات کیوں ہے اور کیوں نہیں انسان اپنی کھوپری کی وجہ سے تمام خاص صفات کا موصوف نہیں رہتا؟ یہ صرف اسلئے ہے کہ قوائے عقلی بالکلیہ قوائے جسمانی پر غالب ہیں اور جب کبھی یہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو انسان مجنون کہلاتا ہے۔ کھوپڑیوں کا علم جس سے مزاج اور خو کا اندازہ ہو سکے اس لئے موضوع نہیں کیا گیا ہے جیسا بعض

کی نہ کرسکتا تھا تمدنی اثر خواہ وہ کسی قسم کا ہو روحانی فضائل میں کوئی فرق پیدا نہیں کرسکتا۔ ہر ملک میں نیک و بد پیدا ہوتے ہیں اور قریب قریب ہر ملک کے نیک و بد کی ایک ہی صورت اور ایک ہی صفت ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ جس صورت سے انسان کے قوی بنائے گئے ہیں اُس سے ویسے ہی افعال سرزد ہوں گے شلاً ایک رحم دل اور ظالم کی کھوپری کی بناوٹ کبھی یکساں نہیں ہوسکتی یا ایک عیاش اور متقی کی کھوپری کی بناوٹ میں بہت بڑا فرق ہوگا یہ مسئلہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ جتنی خاصیتیں ہیں سب قوائے عقلی کی محکوم کی گئی ہیں اور ہر صدور فعل پر عقل ان خصوصیات پر غالب ہوسکتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر قوانین ملکی کا عملدرآمد ان پر کیوں کیا جاتا ہے کیوں ایک ظالم کو اُس کے مظالم پر سزا دی جاتی ہے کیوں نہیں قانون کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ۔۔ کہ جو کچھ وہ چاہے کرے اس لئے وہ خود نہیں کرتا بلکہ اپنی خلقت پر مجبور ہے۔ یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں بڑے بڑے عقلا نے تسلیم کرلیا ہے کہ ہر حالت میں قوائے عقلی اس خلقت پر غالب آجاتے ہیں جو پیدائش سے اُس کی ہمقرین رہی ہے۔ اسی بنیاد پر تو انسان کو آخرت میں جزا سزا ملسکتی ہے یعنی اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرڈالے اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کا مال چھین لے اُس میں قوت ہے کہ زنا بالجبر کرے مگر نہیں کرتا اور قوانین ملکی یا اپنی دنیا دی عزت یا دوستوں کی شرم یا خدا کے خوف سے اپنی طبیعت کو روکتا ہے اور کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ دیکھ لو یہاں بھی قوائے عقلی اُس کی خلقت پر غالب آگئے انسان تو انسان شیر جس میں درندگی کی خاصیت ہے گھر میں پرورش پاکے مثل بلی کے بنجاتا ہی اور اپنے آقا کیساتھ بہت بڑا چوکڑیاں بھرتا رہتا ہے چیتا تو عام طور پر پالا جاتا ہی اور مثل کتے کے اُس سے شکار کا کام لیتے ہیں یہ ممکن ہی کہ کبھی کبھی شیر یا چیتا اپنی اصلی حالت پر عود کرکے اپنے آقا پر حملہ کرے مگر اسکی مثال ایسی ہی کہ ایک شخص جو تمام عمر نیک رہا ہو کسی قبیح فعل کا اخیر عمر میں مرتکب ہو جائے۔ ایسی باتیں یا ان غیر معمولی افعال کا صدور بعض اوقات دماغی تبدیلیوں اور خارجی محسوسات کا بے انتہا دباؤ پڑنے سے ہوجاتا ہے اور ایسی خطائیں ہمیشہ توبہ کرنے یعنی خود اپنے دل میں نادم ہونے سے معاف ہوجاتی ہیں اور پھر اُسکی وہی کیفیت ہوجاتی ہے یعنی وہ نیک بنجاتا ہے اور جو خفیف سی تاریکی اس ناگہانی خطا سے اُسکی روح پر چھاگئی تھی وہ یکلخت دور ہوجاتی ہے۔ ہماری جو غرض ہے وہ یہ ہی کہ خلقی قوی پر عقلی قوی ہمیشہ غالب آجاتے ہیں اسکی مثال اس حکایت سے معلوم ہوسکتی ہی جو ہم نیچے لکھتے ہیں "اقلیمون صاحب فراست کا یہ زعم تھا کہ میں ترکیب اعضائے انسان سے اُسکے اخلاق کو دریافت کرسکتا ہوں۔ بقراط کے تلامذہ نے اُسکا امتحان کرنا چاہا اور بقراط کی تصویر کھینچی اہل یونان تصویر کشی میں ید طولے رکھتے تھے اور چونکہ وہ لوگ تصویر پرست تھے اسلئے تصویر کشی کے فن میں خوب ہی دستگاہ رکھتے تھے اس عمدگی سے بقراط کی تصویر کھینچی گئی کہ سر مو فرق نہ رہا گویا کہ ۔۔۔ خود بقراط ہی موجود ہیں۔ پھر وہ اُس تصویر کو اقلیمون کے پاس لیگئے اور کہا جسکے اعضا کی یہ ترتیب ہو اُسکے اخلاق بیان کرو اقلیمون نے اعضائے مصوّرہ پر غور کرکے کہا کہ یہ کسی زانی کی تصویر ہے جو زنا کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔ بقراط کے تلامذہ نے اسکی تکذیب کی اور کہا یہ تصویر حکیم بقراط کی ہی اقلیمون نے جواب دیا میری فراست غلط نہیں ہے تم بقراط ہی سے جاکے دریافت کرو یہ سنکے شاگرد اُستاد بقراط کے پاس آئے اور سارا واقعہ حکیم بقراط سے بیان کیا۔ بقراط نے کہا اقلیمون سچ کہتا ہے۔ گو میرا نفس زنا پر بہت حریص ہے لیکن میں اپنے نفس پر قادر ہوں اسلئے مجھسے وہ فعل سرزد نہیں ہوتا۔ (تاریخ الحکما)" اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں اور سب سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے مگر ہم ان حکایتوں سے ہی سگذر کرتے ہیں جو وہ حالت پر بحث کرتے ہیں اسوقت ایک کھوپری ہمارے آگے میز پر رکھی ہوئی ہے اور کنکیپ ہے یعنی اس شکل کی ہے اس کھوپری کی سیکشن

گئی وہ عادت جس نے اُنہیں کسی کام کا ہی نہیں رکھا تھا۔ ایک نفس کی چند سالہ تعلیم نے ہزاروں برس کی عادت اطوار اور طرز و انداز کو بدل دیا۔ وہ نفس جو انہی میں سے پیدا ہوا جس نے اُنہی میں اور اُسی آب و ہوا میں پرورش پائی جس نے اُسی تمدن اور تہذیب میں ہوش سنبھالا جو زبون ترین حالت میں تھا جس نے وہی زبانی تعلیم پائی جو اور قوم کے بچے پاتے تھے۔ ۔ سبق اونٹوں اور بھیڑوں کا چرانا سکھایا گیا جسے دودھ دوہنے کی تعلیم دی گئی اُس نے کیونکر دنیا کا رخ ادھر سے اُدھر پھیر دیا اور صدیوں کی برائیوں کو کیوں کر آناً فاناً میں مٹا دیا۔ فوج اُس کے ساتھ نہ تھی، دولت اُس کے پاس نہ تھی مددگار اُس کے نہ تھے آخیر پھر کیا بات تھی جس نے وہ تماشا دکھایا جو نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھا تھا نہ کسی کان میں ایسی آوازیں پڑی تھیں اور نہ کبھی اس کا خطرہ بھی کسی کے دل میں آیا تھا۔

کہاں گئی وہ کھوپریوں کی خلقت اور کہاں گیا وہ اصول کہ کھوپری کی بناوٹ ہی کل افعال کی صدور کا باعث ہوتی ہے۔ نہیں یہ نہیں ہے۔ تمام اکتسابی امور ہیں اور اُن سب کا سلسلہ رب الافواج کی لوح محفوظ سے وابستہ ہے موجودہ زمانہ میں جبکہ مسلمان انتہائی ذلت کی حالت میں ہیں۔ تمام دنیا کی عادات خبیثہ ان کی خصوصیات قومی میں سے ہو گئی ہیں نہ علم ہے نہ عزت نہ محبت ہے نہ حمیت اسلام کیا موجودہ حالت سے یہ حکم لگایا جا سکتا ہے چونکہ قدرت نے انہیں اُلٹی کھوپری کا پیدا کرنا شروع کر دیا ہے اس وجہ سے وہ ترقی نہیں کرتے اور دن بدن تنزل اور بربادی کے ہمکنار ہوتے جاتے ہیں اُن کے مقابلہ میں دوسری اقوام ہند اچھی اور موزون کھوپری کی پیدا ہوتی ہیں اور اس ودیعت خداوندی سے وہ آج عروج حاصل کر رہی ہیں۔ اخیر کیوں ہندوستان ہی میں اتنا فرق ہے۔ مسلمانوں کے کیوں قومی محسوسات اور خصوصیات دوسری اقوام سے نرالے ہیں وہی زمین وہی آسمان وہی سرزمین وہی آب و ہوا وہی تمدن وہی معاشرت وہی آفتاب وہی مہتاب پھر کیوں اور کس وجہ سے مسلمان جاہل سست کاہل۔ مغرور۔ حاسد۔ نالایق پیدا ہو رہے ہیں اور دوسری قوم کے افراد عالم ہوشیار۔ محنتی۔ چالاق و چست۔ منکسر المزاج اور محبت والے پیدا ہوتے ہیں فرنیالوجی یعنی علم قیافہ یا کھوپریوں کے علم سے۔ اگر ہم اُس کا وہی مفہوم مانیں جو زبردستی ہمارے بعض جدید مفسروں نے مان لیا ہے تو کیوں یہ کلیہ غلط ٹھہرتا ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ میں آب و ہوا اور ملک کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ آٹھ کروڑ ہند اور جزائر ہند کے باشندوں میں کیا دس بیس سو پچاس بھی اس کھوپری کے پیدا نہیں ہوتے جنہیں قوم عزت کی نظر سے دیکھے اور وہ درحقیقت قوم کے مصلح ہوں۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہو گا کہ کھوپڑیوں کی بناوٹ ہرگز صدور افعال کا بالکلیہ سبب نہیں ہوا کرتی بلکہ انسان اس جوہر مجرد کی وجہ سے آزاد اور مختار پیدا کیا گیا ہے جو خداوند تعالےٰ کی طرف سے اس کی ذات میں ودیعت ہوا ہے۔ اور وہ روح ہے جنگل کے وحشی اور غیر مانوس جانور جبکہ آقا پرستی کا سبق سیکھ جاتے ہیں اور اُن کی فطرت اور طبعی حالت میں بہت تبادل ہو جاتا ہے تو پھر انسان جس میں خدائے زمین و زمان نے اپنی روح پھونکی ہے کیوں نہیں اپنی ناجائز خواہشات نفسانی کو مغلوب کر کے مدارج اعلےٰ پر پہنچ سکتا ہے۔ بکرا جسے کچھ بھی وقوف نہیں ہوتا اور کسی

نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرز بوم اور خصوصیات اقوام کی پوری تشریح ہو۔ ایک خشک کھوپڑی کو دیکھ کر اس علم کا جاننے والا یہ بتا سکتا ہے کہ یہ شخص کس ملک کا باشندہ تھا اور کس قوم میں تھا۔ اور بس اگرچہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمر میں یہ عیاش تھا یا رحم دل تھا یا ظالم تھا لیکن اُس کا یہ کہنا قطعی الدلالت نہیں ہو سکتا یہ ساری ظنی باتیں ہیں جنہیں مشاہدہ سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ مثلاً ترکمانوں کی کھوپڑی میں اور ہندوستانیوں کی کھوپڑی میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے ایک ظالم ترکمانی کی کھوپڑی ہندی ظالم سے ہرگز نہیں ملسکتی اسی طرح ایک ہندی رحمدل کی کھوپڑی کی بناوٹ ترکمانی رحمدل کی کھوپڑی سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی یہ بات اگر نامناسب نہوتی تو ہم دنیا کی کل اقوام کی کھوپریوں کی تصویریں بنا دیتے کیوں کہ صرف ایک تصویر سو صفحے کے بیان سے زیادہ اصلی حالات کی تشریح کرسکتی ہے مگر ہم کلام خدا کی تفسیر میں تصاویر کا ہونا کسی قدر نا ملایم سمجھتے ہیں اگرچہ تصاویر کی نسبت ہماری کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو اس مسئلہ کو علم قیافہ سے بہت بڑا تعلق ہے جو کسی زمانہ میں یونان میں بہت رائج تھا۔ کھوپڑی کی جو کچھ صورت ہوتی ہے یا ناک بھوں کی جو کچھ ہیئت کذائی ہوتی ہے اُس کا اثر ہمیشہ یکساں نہیں ثابت ہوا ہے یہ ممکن نہیں کہ بڑی ناک والے ہمیشہ ایک ہی خاصیت کے ہوں یہ ممکن نہیں جبکا کتابی رو چہرہ ہے اُن کی ایک ہی طبیعت ہو۔ یہ ممکن نہیں ہو سکتا جو گربہ چشم ہوں وہ بیوفا ہی ہوتے ہوں ممکن ہے کسی کسی میں اس مطابقت سے عیب و ہنر ہوں مگر کل مخلوقات پر اسکا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ کا اثر ہمیشہ یکساں رہتا ہے یا بدل بھی سکتا ہے۔ اگر نہیں بدل سکتا ہے تو انسان مجبور ہی کب ہوا۔ پہلے سوال کا جواب ہم دیتے ہیں۔

تاریخ اقوام عالم کے مطالعہ سے ہمیں یہ ثابت ہوا ہے کہ ہمیشہ دنیا کی قوموں کی حالت ایسی بدلتی رہی ہے کہ سن کے تعجب ہوتا ہے۔ آج ایک قوم کو آنکھ بند کرکے تماشہ گاہ عالم پر دیکھتے ہیں کہ وہ انتہا درجہ ذلیل حالت میں ہے۔ روٹی کھانے کو نہیں کپڑا پہننے کو نہیں تمام انسانی معائب اُس کی ذات کے ساتھ لازم ہیں تمام بداخلاقیاں اُس میں خون کی طرح آمیز ہو رہی ہیں وہ جرایم کبیرہ کی بہت مشق سے مرتکب ہو رہی ہے اور دنیا کا ہر عیب اُس کے لئے شیر مادر کا حکم رکھتا ہے۔ چاروں طرف سے اُس پر لعنت برس رہی ہے اور وہ ہر آسمانی مصیبت کے لئے فطرۃً موزون کی گئی ہے۔ اس ذلیل قوم نے تماشہ گاہ عالم پر ہماری آنکھوں کے آگے کھیل کیا اور فوراً پردہ پڑ گیا جوں ہی دوسرا پردہ اُٹھا تو ہم نے اُسی قوم کو ترقی کی اعلےٰ حالت میں ملاحظہ کیا۔ فضائل حمیدہ اُس کے ساتھ لازم ہو گئے ہیں۔ پسندیدہ خصائل اُس کا لباس بن گئے ہیں۔ دولت۔ ثروت۔ جلال۔ تمدن اور تہذیب نے قول ہار دیا ہے دنیا کی بڑی بڑی مغرور قومیں اُس سے جلب منفعت کی آرزو کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے سفیر اُس کے آگے سر بسجود ہیں۔ فوجیں فتح ممالک کی کنجیاں لا لاکے حاضر خدمت کر رہی ہیں۔ ہر فرد قوم نیکی کے لحاظ سے فرشتہ نظر آتا ہے۔ جانی دشمنی کی جگہ دلی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ خونریزی کے بدلے مظلوم کی حمایت پر سب کمربستہ ہیں۔ ایک طرف میدان کارزار گرم ہے تو دوسری جانب تعلیم کے لئے دار العلوم کھلے ہیں۔ یہ کیفیت پوری نہ ہونے پائی تھی کہ آنکھ کھل گئی سوال صرف یہ ہے کہ قوم کی قوم کا کایا پلٹ ہو جانا کیونکر ہو گیا کہاں گئی وہ کھوپری کی بناوٹ جو صدیوں سے اُنہیں ایک حالت پر رکھتی چلی آتی تھی اور کہاں گئی وہ آب و ہوا جس نے صدہا برس سے اُنہیں جاہل وحشی۔ بے شرم اور نامہذب بنا رکھا تھا کہاں

ایک غبی ذہین اور ایک ذہین غبی ایک شریر غریب اور ایک غریب شریر بن سکتا ہے یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک شخص جسے ابتدا سے ریاضی کا مذاق ہو وہ اعلیٰ درجہ کی تاریخ جان سکتا ہے اگرچہ تحصیل کرنے کے بعد وہ زیادہ اس سے کام نہ لے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شخص کی ایک ہی فن میں شہرت ہوتی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے دوسرا فن آتا ہی نہ تھا۔ یہ سمجھنا کہ ہر انسان کی خاص علم اور خاص ہنر سیکھنے کیلئے اس کے قوائے جسمانی موزون کئے گئے ہیں محض لغو اور بچوں کی سی باتیں ہیں۔ اگر اسے تسلیم کرلیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کروروں مسلمانوں میں سے دو تین ہزار بھی سائنس داں نہیں پیدا ہوئے کہ اس وقت مسلمان اس کہنے کے قابل ہوتے کہ ہم میں بھی لائق لوگ موجود ہیں۔ موجودہ زمانہ میں تو جب تک کسی علوم میں برابر کا ہیمانہ نہ ہو سند فضیلت دی ہی نہیں جاتی۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سوائے اس کلیہ کے کہ انسان مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اور کوئی کلیہ صحیح نہیں ہے اور یہ تمام اختراعی باتیں ہیں جنہیں نفس فطرت انسانی سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ کتنی رکیک اور چھوٹی سی بات ہے کہ ایک شخص کی آنکھ سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے پس وہ آنکھ دور کے دیکھنے پر مجبور ہے۔ اول تو اعتدال سے زیادہ جس شخص کو دور کی چیز دکھائی دے وہ مریض ہوگا اور علاج سے ضرور ایسے مرض کا ازالہ ہوسکتا ہے اور اگر فرض کرو کہ وہ مریض نہیں ہے بلکہ پیدائش ہی سے اس میں یہ صفت یا یہ عیب پیدا ہوا ہے تو پھر مجبوری اسے کیوں کر کہسکتے ہیں بصارت کی وہ شعاعیں جو آنکھوں سے نکل کے چیزوں کا عکس آنکھوں میں پیدا کرتی ہیں آیا ان کی یہ حرکت طبعی ہوگی یا ارادی یا قسری۔ ہاں ان کی یہ حرکت طبعی ہے جب طبعی ہوئی تو اس میں مجبوری کا لفظ نہیں آسکتا۔ مجبوری کے معنی خلاف فطرت کسی فعل کا سرزد ہونا ہے۔ اور ساتھ ہی صادر ہوتے وقت جبر و اکراہ کا بھی علم ہو یا وہ محسوس ہوا اور جب یہ بات نہیں ہے تو پھر جبر و اکرہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے مثلاً انسان جسے ہم بالطبع آزاد اور مختار مانتے ہیں اگر مقید رکھا جائے اور ایک جابر ظالم شخص اسے اکس نے بندے تو وہ حالت مجبوری اسے محسوس ہوگی اور ایک زمانہ تک اس کا محسوس ہونا معلوم ہوتا رہے گا مگر جب اس قید کی عادت پڑجائے گی تو پھر مجبوری کی حس میں کمی ہوجائے گی چوں کہ یہ مسلمہ ہے کہ عادت فطرت ثانی بنجاتی ہے اس لئے وہ مجبوری فطرت ثانی بن کے پھر زیادہ محسوس نہیں ہونے کی اور اخیر بعد ازاں مساوات ہوجائے گی۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیں کہ انسان مجبور پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس کی تمام فضیلتیں جو مذہب نے قایم کی ہیں اور وہ فضائل جو علوم جدیدہ نے اس کے تسلیم کئے ہیں سب برباد ہوجاتے ہیں۔ یہ تمام فضیلتیں محض آزادی اور خود مختاری کی وجہ سے اسے حاصل ہیں اور اصل یہ ہے کہ نفس خود مختاری اور آزادی ہی ایسی چیز ہے جس سے وہ اپنے مخلوق پر شرف رکھتا ہے۔ انسان کی فضیلت کا ابھی تک یقیناً ایک حصہ بھی نہیں معلوم ہوا وہ انسان جس کی نسبت خلاق اکبر یہ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ جب تک کہ فیضان باری تعالےٰ نہ ہو انسان کی عظمت اور جلال کا ہزارواں حصہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا۔ اسے اسی بنیاد پر عالم صغیر کہا گیا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اس میں عالم صغیر بننے کے جوہر ہی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں اور کلام خدا ہماری تائید کرتا ہے کہ انسان مجبور نہیں

قسم کا بھی ہوش نہیں ہوتا صرف انسانی تعلیم اور صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے حکم کے مطابق سجدے کرنے لگتا ہے۔ چوہے اور چیونٹیاں تماشہ کرتی ہوئی دیکھی گئی ہیں ایک طوطے کو ہم نے خود دیکھا کہ وہ رنگوں کے الفاظ سمجھتی تھی جہاں اُس کے آقا نے یہ کہا کہ سرخ کوٹ والے شخص کے پاس جاکے کھڑی ہو جا وہ گئی اور خاموشی سے کھڑی ہو گئی اسیطرح سیاہ زرد وغیرہ عرض ہر رنگ کے لباس والے کے پاس حکم ہوتے ہی جاکھڑی ہوتی تھی۔ اخیر یہ بات کیوں ہے اور کیا وجہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہوتا ہے صرف اصل یہ ہے کہ ایک قسم کا وقوف ہر جاندار میں عطا ہوا ہے اُسے جتنا جلا دو جلا ہوتا چلا جائے گا اور جہاں تک اُس میں جلا ہونے کی گنجائش ہوگی کوئی مزاحم نہیں ہونیکا انسان میں اِس قوت کا درجہ بہت اعلےٰ ہے اور اُس پر خداوند تعالےٰ نے اُس میں اپنی روح پھونکی ہے اس لحاظ سے وہ ہرگز کھوپڑیوں کی بناوٹ کا تابع نہیں ہو سکتا بلکہ تمام خواہشیں اُسی کی مطیع فطرةً بنائی گئی ہیں اور اُس میں اتنی زبردست قوت ودیعت ہوئی ہے کہ ہر وقت اُن کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔

اگر یہ بات نہ ہو تو دنیا کے تمام کام درہم برہم ہو جائیں گے اور نظام کائنات جو قدرت کی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے آناً فاناً میں مٹ جائے گا اور پھر سوائے معبود برحق کی ذات کے اور کچھ بھی نہیں دکھائی دیگا۔ دوسرا شک یہ ہے کہ فطرت نے ہر جاندار کو بلکہ ہر مخلوق کو مجبور کر دیا ہے اُس مجبوری سے کوئی مخلوق سر نہیں اُٹھا سکتی مثلاً پرندوں کو پر دئے کہ وہ ہوا ہی میں اُڑا کریں۔ مچھلیوں کو پانی ہی میں رہنے کی فطرت دی گئی۔ شیر اور اسی قسم کے اور جانوروں کو پہاڑ کی فطرت ودیعت ہوئی چوپاؤں کو اسی صورت سے پیدا کیا کہ وہ ہوا میں نہ اُڑ سکیں بلکہ زمین پر چلیں۔ غرض اسیطرح سے خلقت نے تمام مخلوق کو مجبور کر دیا ہے جس طرح شیر گھانس اور دانہ کھا کے زندہ نہیں رہ سکتا اسیطرح بکری گوشت کھا کے اور خون پی کے زندہ نہیں رہ سکتی علےٰ ہذالقیاس یہی کیفیت انسان کی بھی ہے کہ وہ بھی مجبور پیدا ہوا ہے اس سے یہ مطلب نکلتا ہے جب انسان اور حیوان مجبور ہیں پھر سزا و جزا کیسی۔ اسکی تو بالکل یہی مثال ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسا خیال کرکسی خاص قسم کے جانور کو اُس کی خلقت میں مجبور مانا سمجھ کی غلطی ہے۔ عین فطرت ہرگز مجبوری کا نام نہیں ہے یہ تو وہی بات ہوئی کہ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ اپنا دس گز کا ہاتھ نہ بڑھا سکے انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پرندوں کے ساتھ فضا میں نہ اُڑ سکے اسے مجبوری نہیں کہتے خلقت اور مجبوری میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر پرندے کے لئے یہ لازم ہی ہو جاتا کہ وہ اُڑا ہی کرے تو پنجرہ میں بند ہو کے فوراً مر جاتا حالانکہ یہ بات نہیں ہے اس کی پرواز اور چوپائے کا چلنا ارادی ہے قسری نہیں ہے جب ارادہ ہوا تو وہ اس میں مجبور نہیں ہو سکتا۔ فطرت کا نام مجبوری نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں اقسام مخلوق کے ہیں اور ہر ایک کی فطرت جداگانہ پیدا کی گئی ہے اور وہ اُسی فطرت میں آزاد ہے۔

اب صرف بحث اس میں ہے آیا ایک شخص جس کا رجحان مصوری کی طرف ہو وہ ادیب ہو سکتا ہے یا نہیں ہاں ہمارا یہ خیال ہے کہ ہو سکتا ہے اور اُس کے ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں ایک قوی الحافظ ضعیف الحافظ اور

صورت اول میں تو ہم اسے دنیا کے اور جانداروں کے گروہ میں سے ایک جاندار خیال کریں گے اگرچہ اپنے ڈیل ڈول۔ امراض اور حالات مختلفہ کے لحاظ سے وہ اُن سے ممتاز معلوم ہوگا اُس کی جسمانی بناوٹ کا امتحان کرنے کے لئے ایک علیحدہ علم درکار ہے۔ اور اُس کی قابلیت کو جانچنے کے لئے دوسرے علم کی ضرورت ہے اور اُس کی فطرت اور اُس کے جوہروں کے جاننے اور سمجھنے کے لئے تیسرے علیحدہ علم کی حاجت ہے جبکہ اُس کی فراست کی قوتیں مختلف طور پر مختلف شاخ درشاخ علوم سے جانچی جاتی ہیں یعنی ہر قوت کے جانچنے کے لئے ایک جدا علم کی شاخ ہے۔

صورت دوم میں خیال کیا گیا ہے کہ انسان اپنی صورت شکل۔ قد۔ رنگ۔ بلندی۔ وضع طرح۔ حالات۔ طرز و انداز اور تمام ان حالتوں اور گوناگونی میں جو خارجی اسباب سے اُس میں پیدا ہوتے ہیں اور جانداروں سے امتیاز کلی رکھتا ہے غرضکہ نہایت ادق اسباب کا اثر جو علی التواتر صدیوں پر صدیاں گذرنے سے اُس کی مذکورۂ بالا حالتوں پر پڑ رہا ہے اور جن پے در پے کے اثرات کو ہم ہر ملک اور ہر قوم کے آدمیوں میں ملاحظہ کر رہے ہیں فطرت کے تماشہ گاہ کا ایک بے نظیر نظارہ پیش کرتا ہے۔

صورت سوم میں انسان غیر مختار اور جوابدہ شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ اپنے خالق سے اسی قسم کا تعلق رکھتا ہے اس لحاظ سے اُس کی خواہشیں اور جذبات دلی اسیطرح اُس کے تمدنی اور مذہبی فرائض اُس کی معاشرانہ تاریخ۔ اُس کی ملکی اور سیاسی قوانین کی طرز اور وہ راز دارانہ تعلق جو اُسے اپنے معبود برحق سے ہے جو اُسکا سچا خالق ہے اور جس کی ذات پر اُس کا بالکلیہ دار و مدار ہے۔ اس خیال نے نئے نئے علوم کی شاخیں پیدا کردیں اور خیال کرنا پڑا کہ اپنے ضمیری جوہروں کو کیوں کر کام میں لائیں اور اپنے قوائے روحانی کو کس طرح اُس حد تک پہنچائیں کہ انسانی ذات اپنے خالق کو پہچان سکے۔

اخیر میں اس تعلق پر غور کیا گیا ہے جو انسان اور مخلوق سے رکھتا ہے کیوں کہ اُس کی راحت و آسایش بلکہ زندگی کا دار و مدار اسی سے، دوسرے مخلوق پر ہے۔ اور یہی مخلوق گویا خداوند تعالےٰ کی طرف سے روز ازل سے اُس کے ہر کام میں کفیل بنائی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کی عجیب شان ہے اور اُسے اب تک کوئی نہیں پہچان سکا ہے فلسفیوں اور اخلاقی کتابوں کے لکھنے والوں نے اُسے بے چون و چرا انتخاب کائنات تسلیم کرلیا ہے علم جغرافیہ کے ماہروں نے اُس کی زندگی اور اُس کے تغیرات کا حال قلمبند کیا ہے۔ مورخوں نے اُس کی سوسائٹی کی اصل اور صنعت و حرفت و تمدن میں اُس کی ترقی کا کھوج لگایا ہے اور ان تبدیلیوں کو دکھایا ہے جو خواہ اسباب طبیعات سے خواہ اُس کی نالایقی۔ بدکرداری۔ بداعمالی سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ اور اب تک ان تبدیلیوں کا برابر سلسلہ جاری ہے اور جب تک دنیا قایم ہے یہی کیفیت ہوتی چلی جائے گی۔ سوانح عمری لکھنے والوں نے اُسکی ایک طرف تو اعلےٰ درجہ کی نیکیاں اولوالعزمیاں۔ بے نظیر جوہر اور نکھرے ہوئے خیالات دکھائے ہیں اور دوسری طرف۔ ارذل ترین بُرائیاں پست ہمتی اور خباثت باطنی کو ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسانی گروہ میں ہمیشہ پہلو بہ پہلو دونوں باتیں لازم و ملزوم رہیں۔ علم طبیعات کے ماہروں نے انسان کی خارجی صورت کی تحقیق کی ہے اور اُن اختلافات کا کھوج لگایا ہے جو مختلف

پیدا کیا گیا بلکہ اُسے آزاد اور مختار پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہی اُس کے عالی مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ جو اُس کی دی ہوئی آزادی کو مجبوری کی زندگی میں جا پڑتے ہیں اور اُس سے کام نہیں لیتے اُس کا نتیجہ حسرت ناک ہوگا چنانچہ خداوند تعالےٰ نے اس بات کا نہایت زور کے الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے " ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون " یعنی اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں اُنکے دل تو ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے غرض یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گزرے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو دین سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا زبردست کلام ہے اور کس قدر جامع ہے اور انسان کی خود مختاری کو کن پرزور الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ بہتیرے جن اور انس ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں اور پھر اُس کا سبب بتاتا ہے کہ کیوں کثرت سے لوگ جہنمی ہوں گے اس لئے دل رکھتے ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے کان رکھتے ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے جب یہ بات ہے تو قطعی وہ جہنمی ہوئے اپنی معبودیت اور جلال کا سچا اظہار اور اپنے سخت قہر کی طرف اشارہ فرماکے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ہی بہتیرے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ بدبخت خود ہم سے اپنی بداعمال کی وجہ سے جہنم مول لیتے ہیں۔ انسان میں جو جلال جبروت اور عظمت خدائے برحق کی طرف سے عطا ہوئی ہے وہ ایسی لاانتہا ہے کہ اُس کا اندازہ نہ اطبا نے کیا اور نہ علوم معرفت نے۔ ہاں قرآن مجید نے جو کچھ انسان کی فضیلت بیان کی ہے وہ اُس کی حقیقی حالت ہے۔ ایسی صورت میں اُس کی نافرمانی اور سرکشی کتنی غضبناک امر ہے اور ان اعلےٰ درجہ کی صفات پر اُس کی بدکرداری کتنی قہرناک ہے۔ ہم پھر انسان کی بناوٹ پر ایک نظر کرتے ہیں تاکہ تمام شکوک جو اُسکی خلقت کی نسبت کئے گئے ہیں جاتے رہیں۔

تمام عجائب و غرائب چیزیں جو فطرت ہمارے مشاہدہ میں پیش کرتی ہے کوئی شک نہیں کہ ان میں سے سب سے زیادہ ہماری توجہ انسان کی طرف مبذول ہوتی ہے اگر ہم اس بات کو قبول کریں کہ عقل و فراست فطرت نے صرف اسی کی ذات میں ودیعت کی ہے تو پھر تمام کائنات کی کوئی مخلوق بھی ہمارے آگے ایسی نہیں لائی جا سکتی جس کا انسان سے خفیف مقابلہ بھی ہو سکے لاریب جب ہم اُس کی یکتائی کی عظمت کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں نہ صرف اُس کی شکل و صورت اور وضع طرح ہی بےمثال معلوم ہوتی ہے بلکہ اُس میں عقل کا وہ امتیاز معلوم ہوتا ہے جو اور جاندار مخلوق سے اُس میں نمایاں پایا جاتا ہے۔ اُس کی تمدنی حالت اُس کی محبت آمیز فطرت۔ اُس کا اتحاد اُس کی ممنونی۔ فیاضی۔ اور کل خارجی حادثات کے لئے موزون ہونا اور اسی طرح علم و دانائی میں علی التواتر ترقی کرتے رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سب سے دلکش اور عجیب و غریب حصہ ہے اگر ہم اُس کے قوائے عقلی اور اخلاقی۔ تمدنی اور معاشری۔ روحانی اور جسمانی کا امتحان کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم فطرت کی سب سے عجیب سب سے اہم اور سب سے عظیم الشان چیز کا امتحان کر رہے ہیں۔

اسے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی شکل و شباہت پر مرزبوم کا ضرور اثر پڑتا ہے اور یہ بھی ممکن بلکہ لازمی ہے کہ آب و ہوا کا اثر عادات۔ طرزِ معاشرت اور خصوصیات قومی پر بہت بڑا پڑتا ہے۔ قوائے جسمانی اور اخلاقی بھی اس سے کافی طور پر متاثر ہوتے ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ صدہا برس گزرنے پر بھی ایک ملک کے باشندے ایک ہی رنگ روپ اور ایک ہی قوائے جسمانی کے ہوتے ہیں نگیریا کے سیاہ اور یورپ کے گورے رنگ کے زمانۂ دراز سے برابر چلے آ رہے ہیں پیرو وتین کا رنگ تانبے کا سا اور جزائر ملایا کے آدمیوں کا بھورا رنگ ایک ہیئت سے برابر چلا آتا ہے مگر بعض جگہ یہ کلیہ بھی غلط ہو گیا ہے مثلاً حبش میں اگرچہ سیاہ رنگ کے لوگ بکثرت ہیں تو وہیں اسی ملک اور آب و ہوا میں گورے بھی موجود ہیں ونڈ ہیمین لینڈ کے باشندے بالکل سیاہ ہیں جبکہ یورپ کے اسی شمالی درجہ عرض البلد کے باشندے بالکل گورے ہیں مالابار کے رہنے والوں پر اگرچہ آفتاب ایسی تیزی سے چمکتا ہے جیسے کہ سائبیریا کے باشندوں پر تو بھی اُن کے رنگ سیاہ نہیں ہیں۔ ڈچ جنہوں نے کیپ آف گڈ ہوپ میں اپنی بستیاں آباد کر لی ہیں حالانکہ انہیں وہاں آباد ہوئے پوری دو صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی ہاٹنٹوٹس کی طرح سیاہ نہیں ہوئے ہندوستان میں پارسیوں کی گوری قوم خود اس امر کی شہادت دیتی ہے۔ کہ انسانی نسلوں میں تبدیلیاں تو ضرور ہوتی ہیں مگر صدہا برس تک محسوس نہیں ہو سکتیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حادثات طبعی کا اثر سب پر یکساں نہیں پڑتا اُس حالت میں کہ جب تک اُس اثر سے متاثر ہونے کا موقع نہ ہو ہندوستان میں مزدوری پیشہ اقوام کبھی گورے رنگ کی نہیں ہو سکتیں ایک لکڑہارا جس کی معاش یہ ہے کہ صبح سے شام تک دھوپ میں کھڑے ہو کے لکڑیاں چیرے کب اُس کا خون لطیف اور سرخ ہو سکتا ہے ابتدا میں اگر گورا بھی تھا تو اتنی سخت محنت کے بعد اُس کا کالا ہونا لازمی ہے۔ تاہم اس دھوپ اور محنت سے ایک بیّن فرق نظروں کو کبھی محسوس نہیں ہو سکتا۔ ہاں ناگہانی حادثے اور بڑے بڑے تغیرات بہت جلد قومی خصوصیات کو پلٹ دیتے ہیں اور پھر گذشتہ صورت مدت تک بھی حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ تبدیلیاں جو قوم میں اپنا ظہور کرتی رہتی ہیں نسلوں پر نسلیں گزرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں مثلاً عالمگیر کے وقت مغل گھوڑے کا گوشت کھایا کرتے تھے اور انہیں برسوں میں بھی بھیڑ کا گوشت کھانے کا اتفاق نہ ہوتا تھا اور وہ اسے سخت عیب سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مریضوں کا کھانا ہے اُن ہی مغلوں کی اولاد اب بھی ہندوستان میں موجود ہے اور اب وہ ایسی ضعیف ہو گئی ہے کہ اُس سے بھیڑ کا گوشت بھی بمشکل ہضم ہوتا ہے۔ متعدد نسلیں بدلنے کے بعد یہ عظیم تبدیلی اب جا کے محسوس ہوتی ہے نہ مغلوں کے سے ہاتھ پیر ہیں نہ رنگ روغن ہے اور نہ خوراک اور ہاضمہ ہے۔ ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرزبوم میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں اور وہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں۔

ہر ملک کے باشندوں کے خال و خط دوسرے ملک کے باشندوں سے تطابق نہیں کھاتے مگر تغیرات زمانہ پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ ان کی بھی یکساں حالت نہیں رہ سکتی۔ آج نہیں ہزار دو ہزار برس کے بعد ضرور ان میں تبدیلیاں واقع ہوں گی اور موجودہ حالت ایسی چھپ جائے گی کہ جس کا کھوج لگانا مشکل ہو جائے گا دنیا کی قوموں کی بہار بالکل ایک باغ سے مشابہ ہے۔ جس میں ایک ہی قسم کے ایک ہی کیاری میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے ہیں وہ سب طرح مختلف الالوان

اقوام میں بیّن طور پر پایا جاتا ہے اور اُن دل کش اور عجیب خصوصیات کو بتایا ہے جو انسانی ذات کے ساتھ ودیعت ہوتی ہیں انسان کی اُن عادات و اطوار کو بتایا ہے جو بلحاظ اختلاف مرزبوم اُس میں نمایاں ہیں۔ اُس ترقی اور تنزل کا اظہار کیا ہے جو حالت شیرخواری سے روز وفات تک اُس میں پیدا ہوتی ہے۔

جہاں تک غور کیا جائے گا اور جس حد تک تحقیق کی جائے گی انسان کی ذات میں عجیب عجیب جوہروں کا اظہار ہوتا چلا جائے گا اور اُن سب کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان خود مختار پیدا کیا گیا ہے مختلف آب و ہوا اور باختلاف مرزبوم کی وجہ سے بعض مصنفوں نے غلطی سے اُسے مجبور مان لیا ہے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے مرزبوم کے اختلاف سے جو معاشرت اُس کی پیدا ہوتی ہے اور جو تمدن کہ روز پیدائش سے اُسے اختیار کرنا پڑتا ہے اُس میں بالکل آزاد ہے اور ممکن نہیں کہ اُس ملک کی معاشرت اور اُس تمدن میں دخل ہونے اور اپنے قومی خصوصیات محسوسات اور معاشرت میں زندگی بسر کرنے سے کوئی چیز اُس کی مانع اور مزاحم ہو سکے۔ مثلاً وہ قومیں جو شمال کے یخ بستہ ممالک میں رہتی ہیں اُن کی زندگی کا دارومدار محض شکار اور مچھلی پر ہے نہ تو ان ممالک میں نباتات پیدا ہوتی ہے اور نہ مویشی کو چرانے کے لئے چراگاہیں ہیں۔ وہ اسی مرزبوم میں پیدا ہوئے وہیں اُنہوں نے پرورش پائی اور وہیں رہنے کے عادی ہیں اگرچہ اُن برفستانی منجمد ممالک میں اُن کی خوراک مچھلی اور شکاری گوشت ہوتا تو اُن کا جینا محال تھا۔ اس سے یہ استنباط کرنا کہ وہ مچھلی اور گوشت کے کھانے پر مجبور کر دئے گئے ہیں ایک نازیبا بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ملک کے باشندے تمدن اور صنعت میں ہرگز ترقی نہیں کر سکتے اُن کا ترقی نہ کرنا اُن کے لئے کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔ تمدن چیز کیا ہے اور صنعت کہتے کسے ہیں صرف تمدن اپنی خیالی ضروریات کو بے انتہا وسعت دیتا ہے اور صنعت اُن وسیع خیالات کا قیام پیدا کرتی ہے۔ ملک کی آب و ہوا سے جبکہ اُن کی ضرورتیں نہیں پیدا ہوتیں جبکہ یخ بستہ حصص عالم میں کسی قسم کے تمدن کی ضرورت نہیں ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان ساری باتوں پر منصفانہ نظر کرنے کے بعد ہم کیوں کر انسانوں کو مجبور خیال کریں اور یہ کیوں کر سمجھ لیں کہ ہر ملک کی آب و ہوا نے انسانی گروہ کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہیں یہ لوگ صرف جھونپڑے بناتے ہیں تاکہ اُن میں بیٹھ کر چمڑا تیار کریں اور پھر وہ چمڑا اُن کے اوڑھنے کے کام میں آئے اسی طرح سائبیریا کے شمالی اور مشرقی حصص کے باشندے اور شمالی امریکہ کے وحشی اب تک اپنی ابتدائی حالت میں دکھائی دیتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملک کی آب و ہوا اُن کی ضرورتیں نہیں بڑھاتی اور جس دن اُن کی ضرورتیں بڑھنے لگیں تو پھر وہ چند سال میں اپنی وحشیانہ حالت سے بآسانی نکل آئیں گے۔ اُن کے علاوہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جنہیں خانہ بدوش کہتے ہیں اور اس خانہ بدوشی کی وجہ اگر بغور ملاحظہ کیا جائے گا تو یہ نکلے گی کہ وہ ابتدا سے کسی کی مطیع نہیں ہوئیں اور اب تک اُن کے خون میں بھی اثر ہے کہ مطیع ہونا اپنی انسانی فطرت کو پامال کرنا ہے۔ وہ قومیں یہ ہیں شمال یورپ کے لیپ لینڈر۔ تاتار جو ایشیا کے جگر میں آباد ہیں عرب کے بدو جو عرب اور شمالی افریقہ کے ریگستانوں میں پھرا کرتے ہیں جنوبی افریقہ کے کافر اور ہوٹنٹش جن کو خانہ بدوشی کرتے کرتے صدیاں گزر گئیں کیا ہم انہیں مجبور کہہ سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ عادت جو فطرت ثانی ہوتی ہے مجبوری پر قیامت تک دلالت نہیں کر سکتی۔

ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ڈاڑھی اور سر کے بال نہ کہتے تھے اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ بالکل حبشے انگشت ڈاڑھی تھے یہی قوم امریکہ کی وحشی قوم کہلاتی ہے اور اس کا باقیماندہ حصہ میکسیکو اور پیرو میں آباد ہے۔ مگر اس براعظم کے جنوبی کنارہ پر ایک قوم آباد ہے جو لمبے قدوالی ہے اور جس کی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ حال کے سیاح بیان کرتے ہیں کہ چھ فیٹ سے کم کوئی شخص نظر نہیں پڑا۔ اس قوم کے لوگوں کو پیٹے گوٹنس کہتے ہیں جو لمبے تو بیشک ہیں مگر خوفناک نہیں ہیں فقط ہمارے اس مختصر سے لکھنے سے یہ بات تو بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ انسان ایک دنیا ایک آفتاب ایک مگر اُس کی صورت اور عادات میں کتنا بڑا اختلاف پڑا ہے اور کیا طرز و انداز نظر آتے ہیں۔ مگر ان سب اختلافات اور قومی فرق دیکھنے کے بعد بھی یہ نہیں کہسکتے کہ نیکی بدی اور خود مختاری کے محسوسات میں ذرا بھی کسی میں فرق ہے۔ ہر قوم اور اُس کا ہر فرد اپنے ملک کی آب و ہوا کے موافق ترقی کے مدارج اعلے طے کرسکتا ہے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ایک سست شخص کی سزا جو کچھ یورپ میں ملے گی وہی ہندوستان میں وہی چین میں وہی افریقہ میں اور وہی امریکہ میں۔ ایک قانون ہے جو ہر قوم میں یکساں رہتا ہے اور کبھی اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ ماں ہر جگہ ماں ہے بہن ہر جگہ بہن ہے اور بیٹی ہر جگہ بیٹی ہے اور بی بی ہر جگہ بی بی ہے۔ اگرچہ خلاف قوانین قدرت بعض اوقات سرزد ہو جاتے ہیں مگر ایسے چند افعال کا صدور کسی گنتی میں نہیں ہے۔ یہ اختلاف جو بیان ہوا دور و دراز ممالک کی اقوام کا ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک ماں باپ کے چند بچوں میں صورت شباہت اور طبیعت کا اس قدر اختلاف ہوتا ہے کہ اُس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ ایک ہی گھر ایک ہی خون ایک ہی قسم کی پرورش کا طریقہ ایک ہی معاشرت اور پھر اختلاف عظیم اس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور پھر انسان خود مختار ہے جاہے اپنے جو کچھ خیالات رکھے۔ انسانی خیالات کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر کام جو وہ کرنا چاہتا ہے اُس کا دل یا اجازت دیتا ہے یا مانع آتا ہے اور اکثر صورتوں میں تو قوائے عقلی ہی خلقت پر غالب دیکھے گئے۔ ہم نے گزشتہ صفحوں کے حاشیہ میں مجانین کا حال بیان کیا ہے اور جنون کی بھی کچھ علامتیں لکھی ہیں اس بیان سے ہماری غرض صرف یہ تھی کہ جس شخص کے قوائے عقلی ہمیشہ اُس کی خلقت سے مغلوب ہی ہوتے رہیں اور کبھی انہیں غلبہ نہوا ہو تو وہ شخص فہرست مجانین میں گنا جاتا ہے اور اطبا کبھی اُسے ہوشیار صحیح و سالم شخص نہیں کہتے۔ مجنون کی تعریف اطبائے یورپ نے اپنی طب کے لحاظ سے خواہ کچھ ہی کیوں نہ کی ہو مگر ہم اُس کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ جنون ہمیشہ خلقت سے قوائے عقلی کے مغلوب رہنے کو کہتے ہیں۔ جہاں تک غور کیا جائے گا ہماری یہ تعریف ہر حالت میں حقیقت پر مبنی نکلے گی اور اس میں شک بھی نہیں کہ ہوشیار اور مجنون کی شناخت کے لئے یہی کافی ہے۔ ہم مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں ایک شخص ناجائز خواہشات ایک غیر عورت سے نکالنا چاہتا ہے اُس نے اُسے بازار میں دیکھا جہاں ہزاروں آدمی چل رہے ہیں پولس علیحدہ موجود ہے دیکھتے ہی اس عورت کی عصمت پر حملہ کیا اب ایسے شخص کو جس نے یوں دیدہ و دانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالی ہم کیوں کر ہوشیار کہسکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جنون کی علامتیں اُس میں پہلے ہی سے موجود تھیں اور وہ ذراسی تحریک سے ابھر آئیں اور اُسے اندھا کر دیا اب ایسے شخص کا طبی امتحان کیا جائے گا تو یقیناً اُس کے حواس خمسہ میں فرق نکلے گا۔ یہ کیا بات ہوئی اور اس کا راز کیا ہے۔ راز صرف یہ ہے کہ اُس کی عیاشانہ خلقت

ہیں اُسی طرح اُن کی بو میں بہت بڑا اختلاف ہے یہی کیفیت انسانی مخلوق کی ہے رنگ و روغن اور خال و خط سے قوائے باطنی میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مثلاً یورپ کے باشندے عام طور پر سطح گورے رنگ کے ہوتے ہیں اُسی طرح اُن میں چستی۔ خداداد فراست اور نو ایجادی کا مادہ بھی ممتاز ہوتا ہے۔ تاتاری جن کی نسل سے عثمانی ترک ہیں۔ سرکشیئن اور دوسری قومیں جو کوہ قاف اور اس کی گرد و نواح میں آباد ہیں خدا کی کل مخلوق سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہوتی ہیں ایرانی۔ ہندوستان کے باشندے۔ عرب مور جو شمالی افریقہ میں بستی ہیں اور حبشی جن کی نسل عربوں ہی سی نکلی ہے یہ تمام قومیں شمال میں خوبصورت بھی ہیں اور دراز قد بھی ہیں اُن کے خوبصورت بال اور اُن کی آنکھیں نیلی ہیں مگر یہی قومیں جنوب میں سیاہ رنگ اور گندمی رنگ کی ہوتی ہیں اور ان کی آنکھیں اور بال سیاہ ہوتے ہیں۔ نہایت معتدل حصص ملک میں بھی رنگ کا یہ میل پایا جاتا ہے۔

(۱) دو بر اعظموں کے شمال میں وہ لوگ بستے ہیں جن کے رنگ سیاہ ہیں۔ چہرہ بھدا۔ سیاہ بال سیاہ آنکھیں جسم موٹا اور قد چھوٹا۔ ان بر اعظموں کے شمال کے باشندوں سے یورپ میں لیپ لینڈرس۔ ایشیا میں سموئی ڈیس۔ آس ٹی آکس چکٹی۔ امریکہ میں گرین لینڈرس اور ایسکوئی ماکس تعلق رکھتے ہیں۔ فلینڈ کے باشندے اگرچہ کل باتوں میں ان سے ملتے ہیں مگر قد میں مثل یورپیوں کے ہوتے ہیں ہنگیرین اور ایشیا کی بہت سی خانہ بدوش قوموں کی قریب قریب ہی شباہت ہوتی ہے۔ زبان بھی ایک ہی اور معاشرت بھی قریب ایک ہی۔

(۲) منگول جن سے وہ قوم تعلق رکھتی ہے جسے تار تار کہتے ہیں اور چنگیز اور کالموکس بھی ان ہی کا نام ہے اسی قوم نے اپنی فتوحات چین سے ہندوستان تک اور ہندوستان سے یورپ تک پھیلائی تھیں ان کی چپٹی پیشانی۔ چھوٹی ناک۔ رخسارن کی اُبھری ہوئی ٹوڑی۔ سیاہ بال خفیف ڈاڑھی۔ خمدار چھوٹی آنکھیں۔ موٹے ہونٹ اور رنگ کم زیادہ زرد ہوتا ہے۔ چینی جاپانی گینجز کے پرے کے رہنے والے ہندوستانی جنھیں ہم ملایائی کہتے ہیں بہت ہی قریب کی شباہت منگولیوں سے رکھتے ہیں جنوبی سمندر کے جزائر میں اور نیو ہالینڈ کے عظیم بر اعظم میں ملایاہی قوم کے اصلی لوگ آباد ہیں۔ ان میں سے جو گردہ خط استوا کے قریب آباد ہیں حبشیوں کی طرح اُن کی جلد سیاہ ہوتی ہے۔

(۳) حبشی جنوبی افریقہ کے کناروں پر آباد ہیں دریائے سینیگال سے بحر احمر تک ان ہی کی آبادی چلی گئی ہے۔ اپنی جلد کے سیاہ ہونے کے علاوہ وہ اپنی چپٹی ناک چپٹی پیشانی بڑے دہانہ رخساروں کی اُٹھی ہوئی ہڈیوں اور گھونگروالے بالوں سے بہت ممتاز ہیں۔ گائنا کے باشندوں سے بھی زیادہ وہ کالے ہیں اور ان کی ناک بے تحاشا لمبی ہوتی ہے مگر کونگو کے رہنے والے بہت ہی حسین اور شکیل ہوتے ہیں۔ کیپری کا رن کے خط جدی پر وہ بہت ہی پھیکے رنگ کے ہو گئے ہیں اور ان ہی کو کافر کہتے ہیں۔ افریقہ کے مشرقی کناروں کے باشندے مختلف صورت و شکل کے ہیں۔ ہوٹین ٹوس جو جنوبی حصہ میں مکثرت دکھائی دیتے ہیں اُن کی سب سے علیحدہ ہی قسم ہے ان کے رخساروں کی ہڈیاں اتنی اونچی ہیں کہ اُن کے چہرے کی شکل مثلثی بنگئی ہے۔ ان کا رنگ بھدا زیتونی ہوتا ہے۔

(۴) امریکہ میں تانبے کے سے رنگ کے لوگ آباد تھے۔ سیاحوں کا اُن کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی میں بہت بڑا اختلاف

فرمائی وہ اپنے انہیں قوانین قدرت کی تعلیم تھی جو روز ازل سے وہ مقرر کر چکا ہے اس لحاظ سے خدا کا ہر فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا لازمی اور حق ہے۔

ایک مقام خداوند تعالیٰ نے پیدائش عالم کے متعلق یوں فرمایا ہے "ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون" یعنی لوگو تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر جا براجا کہ وہیں سے دنیا کا انتظام کر رہا ہے اُس کی سرکار میں کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا مگر ہاں اُس کی اجازت ہوئے پیچھے یہی اللہ تو تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو کیا تم غور کو کام میں نہیں لاتے۔ خدا کے ہاں اس کے انتظام کے متعلق کسی کی سفارش نہیں چلتی مگر ہاں اگر اس کی اجازت ہو جائے اس سے اتنا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو قوانین اُس نے مقرر کئے ہیں اور جن کا انتظام خود اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کسی کی سفارش کام نہیں دے سکتی۔ ہر شخص کے اعمال اس کے خود سفارشی بن سکتے ہیں مگر یہ بھی اُس کی مرضی پر موقوف ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ قوانین باری تعالیٰ میں نیک اعمال کا نیک نتیجہ اسی کے حکم سے مقرر ہوا ہے اور یہی اُس کا سفارش کے لئے اجازت دینا ہے۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوا ہے "قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ماشاء اللہ لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" یعنی اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ میرا اپنا نقصان و نفع بھی میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اُس کے علم میں ہر ایک اُمت کے دنیا میں رہنے کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وہ وقت آپہنچتا ہے تو اس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس آیت میں حادثات عالم کا خداوند تعالیٰ کے علم میں ہونا اور وقت مقررہ پر ایک کام کا ہونا اور نفع و ضرر کا اول ہی سے علم ہونے کا بیان ہوا ہے۔ تینوں باتیں صحیح ہیں۔ خدا کو علم ہی ہے کسی شخص کو یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ کل کیا ہو گا اور یہ بھی درست ہے کہ ہر اُمت کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخیں صاف طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جس قوم نے ایک زمانہ میں ترقی کی کسی آئندہ زمانہ میں اُس کا تنزل لازمی ہے۔ مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ترقی اور تنزل دونوں قوانین قدرت کے دائرہ میں ہیں اور ان سے باہر نہیں نکل سکتے خداوند تعالیٰ نے اس کی تشریح دوسرے مقام پر فرما چکا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ جس قوم نے تنزل سے ترقی کی ضرور اُس نے اُن اسباب خارجی و داخلی سے مدد لی جو قوانین باری تعالیٰ مقرر کر چکے ہیں اور جس قوم نے ترقی سے تنزل کیا ضرور اُس نے اُن قوانین سے انحراف کیا جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں اور اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دنیا کی تاریخ موجود ہے اور اس میں ہر قوم کی ترقی اور تنزل کے اسباب بوضاحت دکھائے گئے ہیں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم یا اس کے کسی فرد کو بغیر فروگذاشت کے نقصان اٹھانا پڑا ہو یا بغیر بد اعمالی کے سزا ملی ہو۔ حضرت نوحؑ کی اُمت کیوں ڈبو دی گئی اپنی بد اعمالی کی وجہ سے۔ قوم عاد پر کیوں عذاب نازل ہوا اُس کی نافرمانی پر۔ یہودی کیوں صفحہ ہستی سے مٹا دئے گئے اپنی ناکرداری سے۔ پارسیوں سے کیوں ہمیشہ کے لئے سلطنت چھن گئی اُن کی اعمال کی زبونی سے۔ مسلمان کیوں پست کر دئے اور کیوں دن بدن پست ہو رہے ہیں صرف اس لئے کہ انہوں نے اوامر باری تعالیٰ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور آخر الزمان نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی

اُس کے قوائے عقلی پر غالب ہو گئی یہ دوسری بات ہے کہ اس غالب آنے میں خارجی اور داخلی اسباب محرک ہوئے ہوں مگر یقینی طور پر نکلے گی یہی بات جو ہم نے بیان کی ہے۔

آب و ہوا اور مرز بوم کے اثر سے مخلوق کے متاثر ہونے کو مجبور کہنا بالکل فہم کی غلطی ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حبشی فرنگی نہیں بن سکتا اور فرنگی حبشی نہیں ہو سکتا اس نہ ہونے پر یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ حبشی سیاہ رہنے پر مجبور ہے اور فرنگی سفید رہنے پر کیا اس خلقت کا نام مجبوری ہے کیا اس کے مقابلہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان پیروں سے چلنے پر مجبور ہے سر کے بل نہیں چلسکتا۔ اگر جبر کے معنی یہی ہیں جو ہمارے بعض جدید مفسروں نے بیان کئے ہیں تو زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہم انسان کی ہر بات کو مجبوری پر محمول کر لیں گے ہم یہ بھی کہیں گے کہ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پیر سے نہ کھائے ہاتھ سے کھائے انسان مجبور کیا گیا ہے کہ کان کے رستہ سے کھانا پیٹ میں نہ پہنچائے بلکہ منہ اور حلق کے رستے سے پہنچائے انسان مجبور ہے کہ اشاروں سے باتیں نہ کرے بلکہ زبان سے بولے۔ یہ باتیں اگر کسی کے آگے کہی جائیں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ سننے والا قائل کو مجنون بنائے گا یا نہیں اور اُسے ایسے شخص کو مجنون کہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اسکا فیصلہ ہم اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

چند آیتیں اور بھی کلام الٰہی کی ہم درج کرتے ہیں جس سے کچھ زیادہ ہمارے مطالب کی توضیح ہو جائے گی۔ خداوند تعالےٰ انتہا درجہ کج فہم نالائق بدکردار ضدی طبایع کی کیفیت یوں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے ،، ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون ،، یعنی اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو انہیں سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوتی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر کے اُلٹے بھاگتے" اس روشن آیت سے بھی انسان کی اعلےٰ درجہ کی خود مختاری اور اُس کا اُس کے افعال کے کرانے پر قادر ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ اور خداوند تعالےٰ کے نہ قابلیت دینے کا وہی مطلب ہے جو ہم گزشتہ صفحوں میں بیان کر آئے ہیں۔ دوسری جگہ اپنے پیغمبر آخر الزمان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے،، ھو الذی ایدک بنصرہ بالمومنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم ،، یعنے اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی اُن کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ یہاں اپنے نبی سے خطاب کیا گیا ہے اور اپنی رحمت اور امداد کا اظہار کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو الفت ہم نے مسلمانوں میں پیدا کی ہے وہ ہمارا ہی کام تھا تم روئے زمین کے خزانے جمع کرنے کے بعد بھی ایسا نہ کر سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر کلام خدا انہیں نہ سنایا جاتا یہ صحیح ہے اگر قوانین قدرت کے بیاض کی انہیں تعلیم نہ دی جاتی تو بیشک صرف خزانے صرف کرنے سے ان میں ہرگز محبت پیدا نہ ہوتی کلام خدا کے ربانی اثر نے انہیں ایک دوسرے کا عاشق زار بنا دیا ایسے موقع پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اُن کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ نبی نے جو کچھ تعلیم دی وہ خدا کی تعلیم تھی اور خدا نے جو کچھ تعلیم

ان سے کام نہ لیا تو گویا ہم نے کفران نعمت کیا اور کفران نعمت کی جو سزا تجویز ہو چکی ہے وہ ضرور ہمیں ملنی چاہئے۔

ایک عام نظر ان لوگوں پر ڈالو جو خوش قسمت مشہور ہیں یا کسی زمانہ میں مشہور تھے اُن کے خارجی اسباب پر زیادہ نظر نہ کرو کیوں کہ خارجی اسباب ہمیشہ دھوکا دیا کرتے ہیں بلکہ اندرونی اسباب کو دیکھو کہ کن ذرایع سے انہیں یہ عزت اور دولت حاصل ہوئی ہے اور وہ اُس کے قایم رکھنے کے لئے کون سے ذرایع کام میں لاتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ پادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہوگا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نالائق ہوکے بھی تخت پر قایم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں؟ ایک دولتمند کا بیٹا ضرور دولتمند ہوگا لیکن یہ دولتمندی اُس کے کچھ کام بھی نہ آئے گی اگر اُس نے اپنی ناہنجاری سے اُسے گنوا دیا اور رکھ رکھاؤ نہ کیا۔ بہت سی سلطنتیں برباد ہوکے صفحہ ہستی سے مٹ گئیں بہت سے سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر ڈالے گئے بہت سے قیدخانوں میں مر گئے بہت سے جلاوطن کر دئے گئے روزمرہ ہر شہر میں دولتمند بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں ساری بات یہ ہے کہ خوش قسمتی اور دولتمندی کسی کا حصہ نہیں ہے نہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک پنہاری کا بچہ دولتمند نہیں ہو سکتا۔ جو جاگا اُس نے پایا اور جو سویا اُس نے کھویا مختی کا خدا بھی ساتھی ہے اور کاہل کا خدا بھی دشمن ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے قسمت کا رونا نہ رو محنت کرو نیک اعمال کرو خدا اُس کا اجر دے گا اُس سے بہتر اجر دینے والا کوئی نہیں۔

ہمیں جو کچھ مسئلہ تقدیر پر لکھنا تھا لکھ چکے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا یہ بیان ہمارے ناظر تفسیر کا ایک حد تک اطمینان کر سکا بھی یا نہیں اگرچہ مسئلہ تقدیر اسلام کے اہم مسائل میں سے نہیں ہے مگر ہمیں اس لئے لکھنا پڑا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گئی ہے اور دن بدن پہنچتی جاتی ہے۔ وہ انتہا درجہ کے سست اور کاہل ہو گئے ہیں محنت کرتے نہیں اور اُس سے جو کچھ اُنہیں نقصان ہوتا ہے وہ بڑی دلیری سے تقدیر پر سونپ دیتے ہیں اور اپنے خالق پر الزام لگاتے ہیں کہ اُسنے اسی طرح ہماری تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ ایک تو وہ اپنی کاہلی سے یہاں دنیا میں نقصان اُٹھاتے ہیں اور دوسرے آخرت میں اپنے لئے عذاب مول لیتے ہیں اُنہیں سمجھنا چاہئے کہ اُن کا برحق ہادی کب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھا تھا اُس نے کیا کیا قوم کے لئے جانفشانیاں کیں اور کیا کیا مصائب اُٹھائے تب کہیں توحید پرستی کا جھنڈا گاڑا۔ اُسکے صحابہ نے کیا کیا تکلیفیں جھیلیں اور کتنی کتنی آفتوں کا اُنہیں سامنا کرنا پڑا پھر کہیں اشاعت اسلام ہوئی۔ اُس زمانہ میں سفر کی کیا کیفیت تھی کتنے سخت رستے تھے مگر پہاڑ جنگل۔ بیابان۔ ریگستان سمندروں کا سفر وہ مخملی فرش پر آرام کرنے سے زیادہ پسند کرتے تھے آج اُنہی مقدس انفاس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مشرق و مغرب جنوب شمال پانچوں وقت توحید خدا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور دنیا کی مخلوق کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتی ہے۔ اُن ہی کی جانکاہیوں کا صدقہ تھا کہ اس کفرستان ہند میں چھ کروڑ مسلمان نظر آتے ہیں۔ اُن بیش قیمت جوہروں سے کام لو جو خداوند تعالےٰ نے تمہیں عطا کئے ہیں اور جن جوہروں سے تمہیں تمام کائنات پر شرف ملا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ اور اپنے بزرگوں کے سنہری اقوال کو بغور پڑھو سمجھو اور دیکھو کہ اُنھوں نے تمہاری قسمتوں کا کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں شاید اسی قدر کافی ہو۔ ہاں ہماری آنے والی نسلیں اگر اُن کا اطمینان ہماری اس تحریر سے نہ ہو تو وہ اچھی تفصیل اور وضاحت سے تحریر کر سکیں گی خدا کے اس ارشاد کو دل میں جما لو کہ جو شخص نیک اعمال ہے اور خدا کی ہدایتوں پر

روشن ہدایتوں کو کھلا رہی ہیں۔ دوسری غیر اسلام قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے ترقی کے اسباب اُن میں موجود ہیں اور وہ ان پر کاربند ہو رہی ہیں۔ وہ اسباب کیا تھے جو نبی معصوم نے اُنہیں بتائے تھے؟ وہ اسباب یہ تھے ایک دوسرے کو بھائی سمجھو۔ قومی ہمدردی میں ڈوبے رہو۔ قانون کا برتاؤ سب کے لئے یکساں رکھو حسب اور نسب پر بیجا فخر نہ کرو بلکہ اُس کی عزت کرو جس میں جوہر ہیں اپنے بھائی کے نفع میں اپنا نفع سمجھو۔ قوم کی بھلائی میں فنا ہو جاؤ۔ یہ اسباب تھے جو آج یورپ کو حاصل ہیں جن سے وہ ترقی کر رہا ہے ان ہی اسباب سے مسلمانوں نے ترقی کی تھی اور ان ہی اسباب سے دوسری آنے والی قومیں ترقی کریں گی شریعت کا یہ گر ہے اور اسلام کا علاوہ خدا پرستی کے یہی بہت بڑا مفہوم ہے۔ ان اسباب کی جب تک کچھ رمق باقی ہے دو ایک سلطنتیں مسلمانوں کی نظر آتی ہیں اور جب یہ رمق نہ رہے گی یہودیوں کی طرح محض بے دست و پا ہو جائیں گے۔

اس کے بعد ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ ہم خداوند تعالےٰ کی مدد کے اس پر بھی قایل ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ غیب سے بھی وہ اپنی کل مخلوق کے ہر فرد کی مدد کیا کرتا ہے بیشک نیک کاموں میں اُس کا ہاتھ شرکت کرتا ہے اور اُس نے ہمیشہ اپنے خالص بندوں کی سرپرستی کی ہے۔ اُس نے ایک جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ میں رگ شریان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ جو بندہ میرے قریب ہوتا ہے میں بھی اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ مجھ سے دور ہوتا ہے میں بھی اُس کے پاس نہیں جاتا۔ یہ تعلیم ہے گہری معرفت کی جنہیں عام عقول نہیں سمجھ سکتیں۔ خدا اپنی مخلوق سے باتیں کرتا ہے خدا اپنی مخلوق کی خاطر اس کے ہر نیک فعل میں رہبری کرتا ہے۔ جس دل میں خداوند تعالےٰ کی محبت کی سچی آگ لگ رہی ہو۔ جس دل سے توحید خدا کا فوارہ اچھل رہا ہو جس پاک دل نے اپنے خالق کی کبھی نافرمانی نہ کی ہو جس مقدس دل نے تمام عمر اطاعت میں گزار دی ہو جس مبارک دل نے بھولے سے بھی اوامر باری تعالےٰ کی نافرمانی کا خیال نہ کیا ہو اُس پر ہر وقت خدا کا ہاتھ رہتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں جلال ربانی اور چہرہ پر دہ رعب برستا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ صورت دیکھ کے کانپ اُٹھیں کوئی اس کی طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا اور کوئی اُسے اذیت بھی پہنچے گی اُسمیں بھی لاکھوں مخلوق خدا کی اصلاح مضمر ہو گی اور خود جسے اذیت پہنچی ہے معرفت میں اُس کا درجہ بلند ہو گا۔ اس راز کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے کچھ بھی اس کا مزا چکھا ہے۔ مولانا روم نے بہت ہی موزون فرمایا ہے کہ کچھ کوشش کرو اگر اُس پر بھی نہ حاصل ہو تو ہمارا ذمہ۔

لب ببند و گوش بند و چشم بند گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

لب بند کرنے سے مطلب یہ نہیں ہے کہ منہ بند کر لو اور خداوند تعالےٰ کی نعمت کو کام میں نہ لاؤ بلکہ لب بند کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ناحق بات منہ سے نہ نکالو اسی طرح گوش بند کرنے سے بھی یہی غرض ہے کہ بُری باتیں نہ سنو۔ آنکھ بند کرنے سے بھی یہی غرض ہے کہ خلاف شرع باتوں پر نگاہ نہ ڈالو جب یہ تین مدارج طے ہو جائیں اور اُس وقت بھی شریعت کا راز نہ کھلے تو ہماری باتوں پر مضحکہ کرنا کہ رومی نے غلط کہا تھا یہاں بھی یہی بات لازم آتی ہے کہ جب تک ہم خود نہ کریں گے کامیابی ممکن نہیں۔ وجہ کیا کہ قوائے عقلی اور تمدنی کے معطل کرنے کے بعد ہم مورد عتاب الٰہی نہ ہوں یہ خدا کی نعمتیں ہیں جو ہمیں عطا ہوئی ہیں اگر ہم نے

TUFAI LATIONS LIBRARY

دسواں باب

ناسخ و منسوخ

منجملہ مسایل شریعہ کے مسئلہ ناسخ و منسوخ بھی بہت ہی لطیف اور قابل بحث مسئلہ ہے۔ علمائے کرام نے
مسئلہ میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور اس کو بے انتہا چھانا ہے اس میں شک نہیں کہ ابتدا سے مفسرین فرقان حمید کا
کم و بیش اس پر اتفاق رہا ہے کہ ناسخ و منسوخ قرآن مجید میں مثل اور کتب سماویہ کے موجود ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سب باہم
متفق نہیں ہیں بعض نے آیتوں کی کچھ تعداد بیان کی ہے اور بعض نے کچھ مگر ایک تعداد پر بہت کم اتفاق دیکھا گیا ہے۔
مفسروں نے جو کچھ بیان کیا اور جو کچھ انہوں نے تحقیق کی وہ محض نیک نیتی اور سچے اسلامی جوش پر مبنی تھی مگر سیاسی اثر نے
جو ان پر ہر زمانہ میں قطعی طور پر پڑتا تھا ان کی تحقیق میں بہت کچھ رخنہ اندازی کی اور ساغیر وہی رنگ اس میں بھی جلوہ دینے لگا۔
مسلمانوں کی روز افزوں ترقی اور کشور کشائی نے اس مسئلہ ناسخ و منسوخ پر بہت بڑا اثر ڈالا اور یہی وجہ تھی کہ وہ غوامض کلام
کریم کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ حقیقت میں ایک نئی بات ہے جو ہم لکھ رہے ہیں نہ کبھی کان میں پڑی نہ کبھی اس کا خیال آیا
کہ کشور کشائی سے اس مسئلہ کو کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر نہیں جنہوں نے اسلامی واقعات تاریخی کو دیکھا اور ان کی طبیعات سے
جانچ کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ دباؤ ان پر نہ پڑتا تو وہ ضرور احتراز کرتے اور ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کبھی قرار
نہ دیتے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سارے مسئلہ کی ساخت صرف اسلامی سیاسی اثر سے ہوئی ہے مگر اس تعلیم کرنے میں چارہ بھی
نہیں ہے کہ بہت حصہ ان منسوخہ آیتوں کا اسی سیاسی اثر سے مملو ہے مثلاً جہاں خداوند تعالیٰ کا خطاب اپنے پیغمبر سے ہوا ہے
کہ کافروں سے کہدو جو تمہارا معبود ہے وہ میرا معبود نہیں تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے لئے ہے اس آیت
کو بالاتفاق علما نے منسوخ لکھا ہے ان کا بیان ہے جب جہاد کی اجازت آگئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی یہ سیاسی اثر ہے مسلمانوں
کی ترقی فتوحات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہیں اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہ اس آیت کو جس میں بظاہر عاجزی اور انکسار پایا جاتا ہے
منسوخ کہیں اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جنہیں مذکور رنگ بخوبی پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بہت بڑا اختلاف ہے
اور ہم نہیں یقین کرتے کہ قرآن مجید میں جو خدا کی اخیر کتاب ہے جو صرف ایک ہی ذات پر نازل ہوئی جس کے نازل ہونے
کا ایک ہی زمانہ تھا جو نہ صرف عرب کے لئے بلکہ تمام دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھی اس میں ناسخ و منسوخ کو دخل دیا جاتا
اور اس قدرت کی بیاض کا ایک حصہ بیکار کر دیا جاتا۔ دنیا کی موجودہ اور آئندہ حالت کا اگرچہ مفسرین اندازہ نہیں کر سکتے
مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا کہ آئندہ مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی اور اسلام دنیا کے ہر ملک میں کس صورت میں
ہوگا اسی کے مطابق آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا اور کوئی نہ کوئی سورت کہیں نہ کہیں جاری و ساری ہے اور اس پر
عمل ہو رہا ہے قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو اس کا مولد کہنا چاہئے مگر پھر بھی اس سے
صرف عرب ہی کی اصلاح مقصود نہیں تھی بلکہ دنیا بھر کی اصلاح سے غرض تھی اس لئے بمقتضائے قانون قدرت لازمی ہوا

چلتا ہے اسی کے لیئے دنیا و آخرت کی فلاح۔ نہ چلوگے عذاب الٰہی نازل ہوگا اور پھر دنیا و دین میں خوار و رسوا ہوگے۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے بہت غور و تامل کے بعد لکھا ہے اسلئے ہمیں امید ہی کہ اسی غور و تامل سے ہمارے مضامین مقدمہ تفسیر القرآن پڑھے جاینگے۔ ایک ایک لفظ ہمارے خون جگر کی ایک ایک بوند ہے جو ہم نے ناظرین کے آگے پیش کئے ہیں جس طرح خداوند تعالےٰ اپنے بندوں کی ہنگامی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارا ناظر تفسیر اگر کہیں سہو اور خطا کا احتمال ہو تو دل سے معاف کرکے ہمارے حق میں دعائے خیر کرے۔ یہاں سے ہم دوسرے مضمون کی طرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ربانی غوامض کے سمجھنے کے لیے ہمیں روشن دل عطا کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

رائے ہے اور کوئی شخص مجبور نہیں ہے کہ اُس کی رائے کو ضرور ہی مانے۔ ایک مفسر یا چند مفسروں یا کل مفسروں کی رائے سے اختلاف کرنا شاید بعض معمولی طبایع کو گراں گزرے مگر سمجھدار کبھی بھی اس پر اعتراض نہیں کرنے کا درحقیقت کسی مفسر نے خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی تفسیر نہیں سنی کہ اُس کی تفسیر کو خواہ مخواہ ماننا پڑے ہر مفسر نے اپنے طور پر تحقیق کی محاورات عرب کو دیکھا لغت کی تحقیق کی حدیثوں سے اُس کی روشن آیتوں کو چسپاں کیا اور بعض مفسر مثلاً ابن کثیر وغیرہ نے تو حدیثوں ہی سے قرآن کریم کی تفسیر لکھ دی۔ مگر ہمارا خیال یہی کہ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ کوئی مفسر اس کا دعوی نہیں کرسکتا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے لکھا ہے مگر ہاں جسے نبی معصوم اور کلام مقدس سے زیادہ نسبت ہے جس نے عرب کی تمدنی حالت کا بغور مطالعہ کیا ہے جس نے دنیا کی اقوام کی گوناگونی اور خیالات کی رنگارنگی ملاحظہ کی ہے جس نے علوم متعارفہ کو ایک حد تک سبقاً سبقاً پڑھا ہے جس نے مدت تک تعلقات فطریہ انسانی کو اُس کے خالق کے ساتھ جانچا ہے۔ وہ قرآن مجید کی تفسیر ایک حد تک اچھی لکھ سکتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اُس کی تفسیر مقبول بھی زیادہ ہوگی۔ ہر نئے زمانہ میں ایک نئی تفسیر کی ضرورت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذاق اور خیالات بدلجاتے ہیں اور نئی نئی باتوں جدید اختراعات نئی تحقیقات کو دل چاہتا ہے اور اس طرح دل چاہنا خلاف قوانین فطرت نہیں ہے۔ اسی بنا پر ہم نے موجودہ مذاق کے موافق تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور ہم نے اس بات کو پہلے سے جان لیا ہے کہ اسی عرصہ میں جو دو چار تفسیریں لکھی گئیں وہ کتاب کے مطالب خداوندی پر حاوی نہیں ہیں اور نہ عام مذاق کو پورا کرتی ہیں۔

ناسخ ومنسوخ کی بحث ہر تفسیر میں بوضاحت تمام کی گئی ہے اور سب نے اپنی اپنی تحقیق کے موافق اس میں قلم فرسائی کی ہے بعض نے تفصیل سے اُس پر لکھا ہے اور بعض نے اختصار سے مگر بعض نے تو علیحدہ رسالے ہی لکھ ڈالے اور قریب قریب قرآن کریم کے ہر حصہ کو منسوخ ثابت کردیا اور کچھ دلایل بھی دی ہیں جن پر ہم آگے چلکے بحث کریں گے۔ پہلے ہم اپنے علمائے کرام کا اختلاف دکھاتے ہیں۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ نسخ کہتے کسے ہیں نسخ کے معنی لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کے ہیں مگر علمائے اسلام کے نزدیک یا اُن کی اصطلاح میں نسخ اُس امر کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے۔ عبدالرحمن بن محمد الدمشقی فرماتے ہیں۔ وہ سورتیں جن میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے یہ ہیں۔ سورۃ اولین ام الکتاب۔ یوسف۔ یٰس۔ الرحمن۔ الحدید۔ الصف۔ الجمعہ۔ التحریم۔ الملک۔ الحاقہ۔ نوح۔ جن۔ مرسلات۔ النبا۔ النازعات۔ انفطار۔ المطففین۔ الانشقاق۔ بروج۔ فجر۔ البلد۔ الشمس۔ واللیل۔ والضحیٰ۔ الم ترکیف۔ والم نشرح۔ والتین۔ والعلم۔ والقدر۔ ولم یکن۔ وزلزلت۔ والعادیات۔ والقارعہ۔ والتکاثر۔ والعصر۔ والہمزۃ۔ وارایت۔ والکوثر۔ والنصر۔ وتبت۔ والاخلاص۔ وفلق۔ والناس۔ فقط۔

• وہ سورتیں جو ناسخ ومنسوخ دونوں ہیں۔ البقر۔ آل عمران۔ والنساء۔ والمائدۃ والانفال۔ والتوبۃ۔ وابراہیم۔ والنحل۔ ومریم۔ والانبیاء۔ الحج۔ والنور۔ والفرقان۔ والشعراء۔ والذاریات۔ والطور۔ والواقعہ۔ والمجادلہ۔ والمزمل۔ والتکویر۔ فقط۔

کہ ہر ملک اور ہر قوم کی حالت اور معاشرت کا لحاظ کیا جاے اور قومی اختلاف کو مدنظر رکھ کے ہر بوم کا تطابق کیا جاے۔
اسی بنا پر مسلمان دعوے کر سکتے ہیں کہ قرآن کلام خدا ہے جبکہ انسانی کتاب ہرگز دنیا بھر پر حاوی نہیں ہو سکتی۔
خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح ایک جاہل بدوی یا وحشی افریقی کی طبیعت کا لحاظ کیا گیا ہے اسیطرح ایک مہذب ملک کے شخص کا بھی پاس طبیعت ہوا ہے اور سارے قرآن مجید میں کہیں بھی اس سے فروگذاشت نہیں ہوئی ہے۔ ایک ہی مضمون کو مختلف مقامات پر بیان کرنے کی حکمت عملی اس امر پر مبنی ہے کہ اُسے مختلف عقول کا لحاظ کر کے مختلف پیرائے میں سمجھایا ہے اور اس طرح مختلف خیالات کے ساتھ چسپاں کیا ہے کہ انسانی عقل اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو قرآن کریم کے ایک ہی مضامین کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں بہت بڑی خوبی خیال کرتے ہیں قرآن مجید کو ایک ہی حالت میں رہنے دینا چاہئے کیونکہ یہ وہ حالت ہے جس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود رکھنا پسند کیا تھا۔ مفسروں نے قرآن مجید میں جو ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے تمدن انسانی کے اختلافات کو بغور نہیں دیکھا اُنہوں نے اس پر خیال کیا کہ مسلمان دنیا کے کن دور دراز حصص میں پھیلیں گے اور وہاں اُن کی کیا کیفیت ہوگی کیا معاشرت ہوگی حاکمانہ تمدن ہوگا یا محکومانہ آب وہوائے ملک کا اُن پر کیا اثر پڑے گا اور اخیر وہ کہاں تک اپنے دوسرے بھائیوں سے جو اُن سے ہزار ہا میل پر آباد ہوں گے مشابہت رکھیں گے۔ ایک رومی ایک شامی ایک چینی ایک یورپی ایک ہندی اور ایک افریقی مسلمان کو لو اور سب کو ایک جگہ جمع کر و اُن کے خیالات اُن کے محسوسات اُن کے خصوصیات قومی اُن کی اخلاقی تمدنی حالت اُن کی ملکی نوعیت اُن کی حاکمانہ یا محکومانہ قوت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ مگر یہ سب مسلمان ہیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ملک کا باشندہ اپنے مذاق کے موافق قرآن کریم کو پڑھتا اور اُس سے دلچسپی لیتا ہے یہ تو بدیہی ہے کہ جس طرح اُن کی معاشرت اور زبان جدا ہے اسیطرح اُن کا مذاق بھی ضرور علیحدہ ہی پھر ایک ہی سا مذاق حاصل کرنا اور وجد میں آجانا اسبات کی خاص دلیل ہے کہ قرآن کریم میں ممالک مختلفہ کے مختلف مذاق کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس بدیہی مسئلہ سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا یہی قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے مگر تعجب آتا ہے کہ بہت کم مفسروں نے اس معجزہ پر توجہ کی ہے۔ ایک ہی مذاق سے اُنہوں نے ہر جگہ بحث کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں تفسیر لکھنے کی ضرورت پڑی۔

جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے اور جس حد تک ہم نے ربانی مطالب کو جانا اور اُن کی تہ تک پہنچے ہیں ہمیں ایک لفظ بھی قرآن مجید میں ایسا نہیں معلوم ہوتا جس پر ناسخ و منسوخ کا نام عاید ہو سکے ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل پیش کریں گے ہمیں اُمید ہے کہ ایک حد تک ضرور ناظر تفسیر کا اُس سے اطمینان ہو جائے گا۔ ہمارے ایمان اور خیال میں کلام خدا میں ناسخ و منسوخ ماننا درحقیقت بہت بڑی بے ادبی ہے اُس کلام پاک کی جسکو خالق زمین و زماں سے نسبت دیجاتی ہے کسی مفسر کی رائے سے اختلاف کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور یہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں کل مفسرین سے اختلاف کیا جاے۔ ہر فاضل مفسر نے جہاں اپنی رائے دی ہے وہ درحقیقت اُسی کی ذاتی

ہیں ۱۵ آیتیں رہگئیں ابن عباس کی روایت کے بموجب آیت فول وجھك شطر المسجد الحرام کو شامل کریں تو اس حساب سے بیس ۲۰ پوری ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے نثر سے نظم میں آیات منسوخہ کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد کرتے ہیں۔

قد اکثر الناس فی المنسوخ فی عدد ٭ وادخلوا فیہ ایالیس تحصر

وھاك تحریر ای لا مزید لھا ٭ عشرین حررھا الحذاق والکبر

غرضکہ علامہ سیوطی نے کل بیس ۲۰ آیتیں منسوخ ثابت کی ہیں اور اپنی تائید میں بڑے حذاق و اکابر کا مذہب بھی یہی لکھا ہے۔ مگر جب زیادہ تحقیق کیا جاتا ہے تو علامہ کے قول سے بھی سب نے اتفاق نہیں کیا ہے اور سب نے اپنی خداداد ذہانت اور اعلےٰ درجہ کی تحقیق سے کام لیا ہے۔ منسوخ آیتوں کی تعداد میں جوں جوں تحقیق گہرائی میں پہنچتی گئی تعداد میں کمی ہوتی گئی اور اخیر کمی ہوتے ہوتے صرف دو کی تعداد باقی رہگئی یعنی امام فخر الدین رازی نے فرمایا ہے کہ صرف دو آیتیں منسوخ ہیں لیکن محی الدین بن عربی نے اس تمام بحث کو بجملۃ واحدۃ لکھکے ختم کردیا۔

ہم خود قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور خود اس کلام پاک سے دریافت کرتے ہیں کہ اس میں منسوخ آیتیں کتنی ہیں اور کتنی نہیں ہیں یا ایک بھی منسوخ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند آیتیں پیش کیجاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ جیسا سمجھ رکھا ہے ان آیتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ چنانچہ ایک آیت بقر کے اخیر کی یہ ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ دونوں صورتوں میں خدا حساب لے گا پھر فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی خدا وسعت و طاقت کے موافق تکلیف دیتا ہے ہمارے علامہ سیوطی کا یہ مذہب ہے کہ وہ آخری آیت کو منسوخ مانتے ہیں مگر جو روایت انہوں نے اس کے منسوخ ہونے کی سند میں لکھی ہے ضعیف ہے۔ ابن عباس وغیرہ مفسرین اسے منسوخ نہیں تسلیم کرتے۔ یہی ہمارا مذہب ہے کہ یہ آیت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی خطرات قلبی جو آنی و فانی ہیں وہ بچند وجوہ داخل نہیں اولاً دلالت عقل و عرف قرینہ بینہ ہے کہ کوئی عاقل امور اضطراریہ پر مواخذہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے بیان کی حاجت نہیں ثانیاً دلالت نقل ایسے خطرات کے اخراج پر شاہد موجود ہے کیوں کہ آیۂ ثانیہ آیۂ اولی کی مخصص ہے اور نیز احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطرات اضطراریہ داخل نہیں ہیں۔ پس حرف ما یعنی فی کثبت یا استقر فعل مقدر کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو امر نفس میں ثابت و راسخ و مستقر ہو اس کا محاسبہ ہوگا خواہ اس کو ظاہر کرو خواہ چھپاؤ۔ ظاہر ہے کہ خطرات نفسانیہ مستقرہ قابل محاسبہ ہیں ان ہی پر ایمان و کفر موقوف ہیں۔ استقرار کے بعد اضطراری نہیں رہتے کیونکہ اگر یہ خطرات برے ہیں ان کا دفع کرنا ممکن ہے اگر وہ خطرات اچھے ہیں تو ان کے باعث سے اعمال بھی اچھے صادر ہوں گے۔ اعمال کا صدور ارادہ قلبی اور اعتقاد پر موقوف ہے بلکہ عمل و فعل ظاہری اعتقاد باطنی کا آئینہ ہے بہرحال دونوں آیتوں میں ذرا بھی تخالف نہیں معلوم ہوتا۔

جس محمود و مسعود زمانہ میں علمائے کرام تھے وہ زمانہ انتہا درجہ کے عروج کا تھا ان کے خیال میں بھی یہ کبھی نہیں گزرا ہوگا کہ ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ مسلمان پست ہو جائیں گے علوم کی ترقی ہوگی آزادی کی گھر گھر ڈونڈی پٹے گی اسلام

وہ سورتیں جو صرف ناسخ ہیں منسوخ نہیں ہیں ۔ الفتح ۔ والحشر ۔ والمنافقون ۔ والتغابن ۔ والطلاق ۔ والاعلیٰ ۔ فقط ۔

وہ سورتیں جو ناسخ نہیں ہیں بلکہ منسوخ ہیں ۔ الانعام ۔ والاعراف ۔ یونس ۔ ہود ۔ والرعد ۔ والحجر ۔ سبحان ۔ والکہف ۔ طٰہٰ ۔ والمومنون ۔ والنمل ۔ والقصص ۔ والعنکبوت ۔ والروم ۔ لقمان ۔ والسجدہ ۔ والاحزاب ۔ والملائکۃ ۔ والصافات ۔ وصٓ ۔ والزمر ۔ غافر ۔ والمصابیح ۔ وعسق ۔ والزخرف ۔ والدخان ۔ والجاثیہ ۔ والاحقاف ۔ والقتال ۔ وقٓ ۔ والنجم ۔ والقمر ۔ والممتحنہ ۔ ونٓ ۔ معارج ۔ والمدثر ۔ والقیامۃ ۔ والانسان ۔ عبس ۔ والطارق ۔ والغاشیۃ ۔ والکافرون فقط ۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب بن محمد الدمشقی کا بیان ختم ہو گیا اُنہوں نے بغیر کسی حجت اور دلیل کے انقطاعی طور پر فیصلہ کیا ہے اور سمجھتے ہیں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسا مسلم ہے کہ اس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے ۔ مگر مفسرین کلام ربانی کا باہم اتفاق نہیں ہے جو ذیل کی تحریر سے معلوم ہو گا ۔ ہمارے فاضل امام سیوطی نے اتقان کی ۴۷ ویں نوع میں تحریر فرمایا ہے " دوسری قسم کی آیتیں ہیں جن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے مگر ان کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یعنی قرآن میں موجود ہیں اور اس بیان میں لوگوں نے کتابیں تالیف کی ہیں مگر سب سے زیادہ جب ہم قاضی ابوبکر بن العربی کی تحقیق و تنقید کو دیکھتے ہیں تو ایک حد تک اُس فاضل کو تعریف کا مستحق پاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے منسوخ و غیر منسوخ میں ایک تمیز قایم کر کے دکھائی ہے مجھکو بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ لوگوں نے اکثر آیات ایسی منسوخات میں داخل کر دی ہیں جو در اصل منسوخ کیا مخصص بھی نہیں بلکہ نسخ سے اُن کو کچھ بھی علاقہ نہیں چنانچہ بطور نمونہ لکھا جاتا ہے ۔ کہ آیت مما رزقنٰھم ینفقون اور آیت وانفقوا مما رزقنٰکم" اور دیگر آیات ہیں جن میں خرچ کرنے کا حکم ہے آیت زکوٰۃ کے نزول سے منسوخ ہو گئی ہیں اور علیٰ ہٰذا القیاس وہ آیتیں جن میں عدم جہاد کا ذکر ہے اور کفار کی جور و اذیت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر و درگزر کا حکم ہے مثلاً لکم دینکم ولی دین یا مثلاً فاصبر بحکم ربک یا مثلاً الیس اللہ باحکم الحٰکمین وغیرہا کی ایک آیت جہاد یعنے وقاتلوا المشرکین سے منسوخ ہو گئی ہیں ۔ (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) یہ آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں کیوں کہ آیات انفاق اور آیات زکوٰۃ جمع ہو سکتی ہیں اس لئے کہ زکوٰۃ منافی انفاق نہیں بلکہ اسی میں داخل ہے علاوہ اس کے زکوٰۃ مانع تبرعات وصدقات نہیں ہوئی بلکہ زکوٰۃ کے ان امورات مندوبہ کا بھی حکم ہے ۔ اور اسیطرح جہاد کی ممانعت کی آیتیں اکثر موقت وموجل تھیں بس اس واسطے اُن کو منسوخ کہنا جائز نہیں ۔ اور اللہ تعالےٰ ہر وقت احکم الحاکمین ہے خواہ جہاد کی اجازت دے یا ممانعت کو دے ۔ فقط ۔

اس کے بعد ہمارے امام فاضل سیوطی نے اتقان میں ہر سورۃ کی منسوخہ آیت کو لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں " ۴۳ سورتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ اور ۶ سورتوں میں ناسخ و منسوخ دونوں موجود ہیں اور چھ سورتوں میں بعض آیات ناسخ ہیں منسوخ نہیں اور ۴۰ سورتیں ایسی ہیں جن میں ناسخ و منسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں ۔ اس کے بعد ہر سورت کی منسوخہ آیت کو لکھکر فرماتے ہیں " یہ سب اکیس آیات منسوخہ ہیں اور ان سے زیادہ ہرگز نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آیت واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا اور آیت یا یھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الخ محکم ہیں منسوخ نہیں فقط ۔ اس صورت سے گویا سارے قرآن مجید

طور پر یہ ارشاد ہوا ہے کہ اُن کے بوجھ کے ساتھ کچھ بوجھ اُٹھائیں گے اور یہ اس واسطے ہے کہ جس طرح گمراہی کا جرم ہے اسی طرح گمراہ کرنے کا جدا گانہ جرم ہے اور جب بہکانے والا اغوا کے جرم کا مرتکب ہوا تو یہ جرم اُسی کا ہوا نہ دوسرے کا ہاں چونکہ گمراہ کی معذرت کے وقت گمراہ کنندہ بھی طلب ہوگا اور دونوں کو ہمراہ سزا ہوگی لہذا لفظ "مع" فرمایا ہی لیکن ہر حال بہکانے والا اپنا ہی بوجھ اُٹھائیگا۔

سورۂ نحل کی آیت کا یہ جواب ہے کہ زبان عربی کے قاعدے کے موافق لفظ "اوزارا" قبل مِن کے محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے "لیحملوا اوزارهم كاملة يوم القيمة واوزارا من اوزار الذين يضلونهم الخ" (سیبویہ العکبری الطبرسی کا یہی مذہب ہے) اور حرف مِن یہاں تعلیلیہ اور سببیہ ہے تبعیضیہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھدیا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے افعال کے پورے بوجھ اُٹھائیں گے اور کچھ بہکنے والوں کے بوجھ کے سبب کہ اُن کو بہکایا تھا اُن سے موخذہ ہوگا۔ یہاں اس طرح نہ فرمانے میں کہ اضلال کے سبب بوجھ اُٹھائیں گے بلکہ اس ارشاد میں کہ ضالین کے بوجھ کے سبب کچھ بوجھ اُٹھائیں گے بڑا فائدہ اور عجیب بلاغت ہے اگر پہلی طرح فرمایا جاتا تو شبہ ہوتا کہ شاید صرف بہکانے والے پر عذاب ہو ضال یعنی بہکنے والا بری ہو جائے چنانچہ کفار کے بڑے بڑے سرغنہ اور عوام مومنین سے یہی کہتے تھے کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی چھوڑ کے ہمارے پیرو بنجاؤ اور جو تم ہماری پیروی میں گناہ سمجھتے ہو تو تمہارے گناہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں یہ مضمون موجود ہے۔ خدائے تعالے فرماتا ہے۔ وقال الذين كفروا للذين آمنوا اتبعوا سبيلنا ولنحمل خطاياكم وما هم بحاملين من خطاياهم من شئ انهم لكذبون بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں فرمایا ہی امرنا مترفيها ففسقوا فيها یعنی وہاں کے امیروں کو بدی کرنے کا حکم دیا پس اُنہوں نے بدی کی پہلے اعراف کی ۱۳ رکوع میں ہے ان الله لا يامر بالفحشاء یعنی خدا بُری بات کو کبھی حکم نہیں دیا کرتا۔ بعض مفسروں نے ان دونوں آیتوں میں ایک کو ناسخ اور ایک کو منسوخ مانلیا ہے مگر ہمارے خیال میں نہ کوئی ناسخ ہے نہ منسوخ۔ اس آیت کے معنی کئی طرح سے ہو سکتے ہیں اور جو معنی اوپر بیان ہوئے وہ بھی نادرست نہیں ہیں کیونکہ جس مفسر نے یہ معنی لکھے ہیں اُس نے اُس کا عذر بھی لکھ دیا ہے کہ فسق کا امر کرنا حقیقۃً نہیں مجازاً ہے بایں معنی کہ ہم نے اُن کو دولت نعمت دی اور وہ باعث فسق ہوئی پس عطائے نعمت کو امر تعبیر کیا ہے۔

اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ بعد امر کے جو کچھ واقع ہوتا ہے امر کا مامور بہ سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے امرته فقام امرته فقرأ تو یہاں بجز قیام اور قرأت کے کچھ اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی امرنا کا مامور بہ فسق ہونا چاہئے ہم کہتے ہیں یہ قاعدہ درست ہے مگر اس قاعدہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب امر کے بعد ایسا لفظ واقع ہو جو اُس کا مامور بہ نہو سکے تو وہاں وہ لفظ مامور بہ نہ ہوگا بلکہ کچھ اور ہوگا مثلاً کوئی کہے امرته فعصاني وامرته فلم يمتثل ودعوته فابى تو اس مقام پر عصیان یعنی نافرمانی کا امر کرے جس کو بالفعل کہتا ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اسے طاعت کا حکم کیا پس اس نے نافرمانی کی اور میں نے اُسے اجابت اور قبول کے لئے بلایا پس اس نے انکار کیا ایسے مقام پر ضرور لفظ "طاعت" اور "اجابت" مامور بہ ہوتے ہیں اور بوجہ مقابلہ اور بوجہ مخالفت عقلیہ مذکورہ کے عقل اس مقدمہ کو فوراً

چاروں طرف سے اعتراضوں کا مینہ برسے گا اگر یہ خیال ہوتا تو وہ ضرور سوچ سمجھ کے لکھتے اور مخالفین کو اس قدر اعتراضات کا موقع نہ دیتے۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ بہت سے علما ایسے ہوئے ہیں کہ اُن کی تحقیق و تنقید پر مخالفین کا زہرا نہیں ہے کہ ایک خفیف سا اعتراض بھی کر سکیں۔ جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ کہا گیا ہے اُن پر ہم ایک نظر کرتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ ایک مقام پر تو یہ فرماتا ہے کل من عند اللہ یعنی ہر بات خدا کی طرف سے ہے پھر فرماتا ہے وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک یعنی جو بھلائی آتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو بُرائی آتی ہے وہ تیری طرف سے ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان آیتوں میں نہ کچھ مخالفت ہے نہ ان میں ناسخ و منسوخ ہے۔ یہ دونوں آیتیں یکے بعد دیگرے متصل ہیں اور اسطرح ہیں اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ وان تصبہم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ وان تصبہم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وارسلناک للناس رسولا وکفیٰ باللہ شہیدا اب غور کرنا چاہیے کہ آیہ ثانیہ "فمن نفسک" حرف من تعلیلیہ اور علت و سبب کے واسطے آیا ہے ترجمہ یہ ہوا کہ جو تجھے بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے کہ جو تجھکو بُرائی پہنچتی ہے پس وہ تیری ذات کی وجہ سے ہے خواہ بطور انتقام خواہ بنظر تادیب و افادہ وغیرہ ہاں اگر یہاں بھی لفظ "عند" ہوتا جیسے پہلی آیت میں عند اللہ ہے تو اس وہم کو کچھ گنجائش بھی ہوتی اور حرف من تعلیلیہ و سببیہ کلام عرب میں موجود ہے۔

یغضی حیاء و یغضی من مھابتہ ۞ فلا یکلم الا حین یتبسم (حماسۃ المغنی)

پھر خداوند تعالےٰ ارشاد کرتا ہے فان جاؤک فاحکم بینہم بما انزل اللہ یعنی حکم کیا کر اُن کے درمیان جیسا خدا نے تجھ پر نازل کیا۔ علامہ طبرسی نے یہ فرمایا ہے کہ آیہ لاحقہ سابقہ کی ناسخ اور سابقہ منسوخ ہے اور اکثر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے مگر ہم ان رایوں سے اتفاق نہیں کرتے۔ حضرت امام شافعی نے ہماری رائے کی تائید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ امر وجوبی نہیں ہے بلکہ بمعنی مطلق اذن و اباحت کے آیا ہے۔ یہ قول امام صاحب کا بہت ہی درست ہے دوسرے مقامات پر بھی یوں ہی وارد ہوا ہے جیسا "کلوا واشربوا" اور "قل سیروا فی الارض" یہاں کھانے پینے اور چلنے کا حکم وجوبی یا تاکیدی نہیں اور آیت میں بھی کوئی لفظ مشعر تاکید نہیں ہے۔ پس آیہ سابقہ سے تخالف کہاں رہا یہاں بھی وہی اختیار باقی ہے اور حکم دینا ضرور نہیں مقصود یہ ہے کہ اگر تو حکم کرے انہیں تو منزل من اللہ ہی سے کر۔

پھر خداوند تعالےٰ فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھائے سب اپنا اپنا بوجھ اُٹھائیں گے۔ پھر سورہ عنکبوت میں فرماتا ہے ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم یعنی ضرور اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور اور بوجھ اپنے بوجھوں کیساتھ پھر سورہ نحل کے تیسرے رکوع میں ہے لیحملوا اوزارہم کاملۃ یوم القیامۃ ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم یعنی اُٹھاویں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن اور ان کے بوجھ جن کو بہکاتے تھے بے تحقیق بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا مضمون ہے اپنی کرنی اور اپنی بھرنی اور پھر یہ ہے کہ دوسروں کے گناہ بھی اُٹھانے پڑیں گے۔

یہ صرف فہم کی غلطی ہے کہ سورہ عنکبوت اور سورہ نحل کی آیتیں سورہ والنجم کے خلاف سمجھی جائیں گی۔ سورہ عنکبوت کی آیت تو بہت صاف ہے اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ جنہیں بہکایا ہے اُن کے بوجھ بھی کچھ اُٹھائیں گے بلکہ صاف

پھر صاحب مغنی لکھتا ہے " ویقترن خبرھا ای خبر لعل بان کثیرا حملا علی عسی "۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں لعل بمعنی کے تعلیلیہ یعنی سبب کے واسطے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں لعلی اٰتیکم فعل اُمکثوا کے واسطے تعلیل ہے اور انی اٰنست نارا جملہ معترضہ مطلب یہ ہے کہ موسے نے اپنے عیال سے کہا کہ تم ٹھیر جاؤ تاکہ میں آگ لے آؤں میں نے آگ دیکھی ہے۔ اسکی سند میں دو شعر مفصلہ ذیل ہیں۔

وقلتم لنا کفوا الحروب لعلنا + نکف ووثقتم لنا کل موثق

فلما کففنا الحرب کانت عھودکم + کلمح سراب فی الملاء المتألق

یہاں لعل بمعنی کی ہے۔ یہاں تک ایک اعتراض اور اُس کا جواب ختم ہوگیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سورہ بقر میں آیا ہے " کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ یعنی فرض کیا گیا تم پر جب موت آئے تو وصیت کر کے مرا کرو آیت توریث اس آیت کی ناسخ ہے ایک حدیث میں بھی آیا ہے لا وصیۃ للوارث یعنی کسی وارث کے لئے کچھ وصیت کی حاجت نہیں۔ اگرچہ مفسرین کی کثیر جماعت نے اس آیت کو منسوخ لکھا ہے لیکن محققین اب منسوخ نہیں سمجھتے حدیث کی طرف اگر خیال کریں تو اس حدیث کی سند غیر مسلم ہے اور اس حدیث کو معتبر سمجھنا مغالطہ ہے اور بفرض تسلیم خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی۔ بیضاوی میں اس کی تصریح پورے طور پر آگئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تین حدیثیں اس کی معارض موجود ہیں چنانچہ ما من مات بغیر وصیۃ مات میتۃ جاھلیۃ ومن لم یحسن وصیۃ عند موتہ کان نقصانا فی مروتہ وعقلہ و ما ینبغی لامرء مسلم ان یبیت الا ووصیۃ تحت راسہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ کسی حدیث سے قرآن کی کسی آیت کا منسوخ سمجھنا نہایت ناجائز ہے کیوں کہ خبر ظنی ہے اور اُس سے موضوعیت کا بھی احتمال ہے اور قرآن قطعی و یقینی ہے اور ظن یقین کا معارضہ نہیں کر سکتا اس پر طرہ یہ کہ اجماع ثابت نہیں اور اگر اجماع ہو بھی تو قرآن مجید کے مقابلہ میں اجماع کی کچھ اصل نہیں ہمارے بعض علما کا یہ بیان ہے کہ آیۂ توریث کی مخالفت آ کے واقع ہوئی ہے اور علامہ سیوطی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور آیۂ کو آیات منسوخہ کی فہرست میں شریک کر دیا ہے مگر ہم علامہ سیوطی کے قول کو حجت نہیں سمجھ سکتے ہمیں خدا نے عقل اور علم دیا ہے جس سے ہم بطور خود تحقیق و تدقیق کر سکتے ہیں۔ خود بیضاوی بھی سیوطی کے قول کو تسلیم نہیں کرتا اور علامہ زمخشری وغیرہ نے بھی منسوخیت کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیۂ توریث اور آیۂ وصیت میں منافات نہیں ہے بلکہ بیضاوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آیۂ توریث آیۂ کریمہ وصیت کی موکد ہے اور حق بھی یہی ہے کیوں کہ مخالفت اُس وقت ہوتی جب کہ دونوں حکم جمع نہ ہو سکتے حالانکہ دونوں حکم جمع ہو سکتے ہیں ہاں اگر فرق نکلے گا تو اس قدر کہ آیۂ توریث سے آیۂ وصیت کے وجوب کا نسخ ہو سکتا ہے۔ استحباب یا جواز باقی ہے اور یہ جواز منافی وجوب نہیں کیونکہ جملہ فروض و محرمات و ممنوعات و مکروہات جو خدا تعالے نے خود فرمائے ہیں ان کی نسبت عباد پر بھی تاکید ہے کہ تم بھی اپنے توابعین پر ان احکام کے واسطے حکم کرو مثلاً باپ کو حکم ہے کہ اولاد کو صوم و صلوٰۃ کا حکم کرے اور تاکید کرے اور اگر وہ اُس کی تعمیل نہ کریں تو اُن کو مارے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ہر شخص پر واجب کیا ہے حالانکہ خدا کے حکم کے بعد عباد کے حکم کی کیا اصل ہے۔ سورۂ طہٰ میں فرمایا ہے وامر اھلک بالصلوٰۃ یعنی اے رسول اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کر حالانکہ خود خداوند تعالے نے حکم کر دیا ہے غرضکہ خدا

سمجھ لیتی ہے کسی کی تعلیم کی حاجت ہی نہیں ہوتی اور یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ امر کے واسطے کچھ مامور بہ نہیں ہوتا مثلاً کہتے ہیں یأمر و ینھی یعنی فلاں شخص حکم کرتا ہے اور نہی کرتا ہے (قول علامہ زمخشری) اس بحث کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جب لفظ فسق معنی لغوی خروج از طاعت یا ترک امر ہیں تو امرنا ففسقوا مثل امرتہ فعصانی کے ہوگیا چنانچہ سید مرتضی فرماتے ہیں وانما یجری ھذا مجری قول القائل امرتہ فعصی ودعوتہ فأبی والمراد انی امرتہ بالطاعۃ ودعوتہ الی الاجابۃ والقبول اور علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں و مثلہ امرتک فعصیتنی پھر عقل کیوں کر تجویز کرسکتی ہے کہ خروج از طاعت اور ترک امر فعل امرنا کا مامور بہ ہو مگر بطور مجاز بلاشک اس وقت بوجہ مقابلہ کے لفظ طاعت مامور بہ مقدر ہے جس طرح امرتہ فعصانی میں ہم بیان کرچکے ہیں اور یہی روایت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ امرنا کا مامور بہ لفظ طاعت ہے اور دیگر نصوص قرآنیہ بلکہ ماقبل آیۃ مذکورۃ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا بھی اسیکا قرینہ ہے کہ طاعت مامور بہ ہے۔

مخالفین اسلام نے ناسخ و منسوخ سے فائدہ اُٹھا کے وہ وہ اعتراضات قرآن مجید پر کیئے ہیں کہ معمولی لیاقت کے آدمی کو تھرا دینے کے لئے کافی ہیں چنانچہ ہم تمثیلاً دو ایک اعتراض نقل کرتے ہیں ایک مخالف اسلام کہتا ہے کہ سورۂ نمل میں لکھا ہے "ساٰتیکم" میں تمہارے پاس آؤں گا یہ قطعی وعدہ ہے مگر سورۂ طہٰ میں لکھا ہے "لعلی اٰتیکم" شاید میں تمہارے پاس آؤں ضرور ایک آیت ان میں سے ناسخ اور دوسری منسوخ ہے۔ ہمارے خیال میں یہ اعتراض زیادہ وقعت نہیں رکھتا مگر پھر بھی ہم اس میں علمی بحث کرتے ہیں مگر جواب سے اُس کے اثبات کے لئے لعل کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ صحاح و صراح میں لعل کی نسبت یہ لکھا ہے۔ وھی کلمۃ شک اصلھا عل واللام زائدۃ قاموس میں ہے لعل کلمۃ طمع واشفاق نہایہ ابن اثیر میں ہے لعل وھی کلمۃ رجاء وطمع او شک وقد جاءت فی القراٰن بمعنی کی وقیل اصلھا عل واللام زائدۃ وفی حدیث حاطب وما یدریک لعل اللہ قد اطلع علی اھل بدر الخ ظن بعضھم ان معنی لعل ھنا من جھۃ الظن والحسبان ولیس کذلک و انما ھی بمعنی عسی ولعل من اللہ تحقیق انتھیٰ اس پر بھی کچھ منحصر نہیں نحو کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لعل استفہام کے واسطے بھی آتا ہے مثلاً لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا (معنی) پس یہاں لعل شک کے واسطے نہیں جس طرح معترض نے ترجمہ کیا ہے کہ شاید میں تمہارے پاس آؤں بلکہ یہاں لعل بمعنی عسیٰ یعنی عنقریب لاتا ہوں میں آگ سے چنگاری۔ اور یہی پہلی آیت کا مطلب ہے کیوں کہ حرف س اور سوف مضارع پر معنی عنقریب کا فائدہ دیتے ہیں۔ اہل لغات سے بھی قطع نظر کرکے دیکھیں تو شعراء عرب نے بھی اسے پورا حل کردیا ہے چنانچہ نافع ابن سعد الحماسی کہتا ہے۔

ولست بلوام علی الامر بعد ما ✤ یفوت ولکن عل ان تقدما

پھر شارح علی بن زکریا کہتا ہے یقول اذا فاتنی امر الارجع علی نفسی باللوم الکثیر تحسرا فی اثرہ لکننی حقیق بان اتقدم فی تحصیلہ قبل فوتہ وعل وھو حرف موضوع للطمع والاشفاق واسمہ مضمر کانہ قال ولکن لعلنی ان اتقدم ھو الحج بان و بغیر ان واذا کان معہ ان افاد فائدہ عسیٰ واذا جاء بغیر ان کان الفعل اقرب وقوعا لان ان للاستقبال لعل وان کان حرفا بمعنی مع افعال المقاربۃ وھی عسیٰ وکاد ایک شاعر کہتا ہے ؎

لعلک یوما ان تلم ملمۃ ✤ علیک من اللائی یدعنک اجدعا

نہیں ہے وہ ہمیشہ اُن احکام کی تعمیل سے بری کئے گئے ہیں۔ دنیا میں جتنے قوانین کہ اس وقت رائج ہیں خواہ وہ انسان کی طرف سے ہوں یا خدا کی طرف سے سب میں فطرۃً اس قسم کا استثنا لازمی طور پر ماننا پڑیگا۔ اور کبھی کسی حالت میں کوئی شخص اُس سے انکار نہیں کرسکتا۔

وہ روحانی سختیاں جنہیں ہم نفس کشی سے تعبیر کرسکتے ہیں وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مراقبے جو دوسرے مذاہب میں شد ومد سے جاری تھے اسلام نے یکلخت اُن کا قلع وقمع کردیا کہ خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر جہاں تک اُس کی وسعت ہو۔ وہ باتیں جو معرفت کی اعلےٰ رہبر گنی جاتی تھیں اور جن کے ذریعہ سے فنا فی اللہ ہونے میں امداد ملتی تھی اُن کی اسلام نے علے الاعلان تکذیب کی اور بتا دیا کہ نفس کشی اور مجاہدے کا نام خدا پرستی نہیں ہے۔ اسیطرح روزہ جو تمدن انسانی کا درحقیقت ایک بہت بڑا جزو ہے اور جس سے انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ تو اپنے سرکش نفس یا قوائے خلقی کو قوائے عقلی کے کیونکر تابع رکھ سکتا ہے یا اپنے ناجائز جذبات دلی کو کیوں کر محکوم بنا سکتا ہے۔ یہ تعلیم ایک اعلےٰ درجہ کی تعلیم ہے اور اس سے بہتر اور کوئی تعلیم تزکیہ نفس اور انسان بننے کی اور ہو نہیں سکتی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ جنہیں طاقت نہ ہو وہ چند مساکین کو کھلا دیا کریں۔ اس حکم میں بہت بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے اور اُس حکمت کو یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ حکم نہ دیا جاتا تو وہ لوگ جو درحقیقت روزہ کی طاقت نہیں رکھتے اور فطرۃً معذور ہیں روزہ رکھنے پر مجبور کئے جاتے اس لئے کہ رمضان المبارک سال میں ایک بار دورہ کرتے ہیں ایسی صورت میں ہر شخص کو اُن کی آؤ بھگت ضرور ہوتی ہے اور وہ طوعاً کرہاً ان کا خیر مقدم کرتے اور اس طرح سے اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے۔ یہی وجہ تھی کہ ناطاقتوں کا استثنا کردیا۔ اور ضرورت بھی بہت بڑی داعی ہوئی کہ ایسا حکم ضرور دیا جائے۔ اگر اور اوامر کی طرح کمزوروں اور کم قوتوں کا استثنا نہ بھی کیا جاتا جب بھی وہ عقلاً ہر حالت میں معذور رہتے لیکن اس استثنا میں وہی حکمت تھی جو اوپر ہم بیان کرچکے ہیں نماز جس کی تاکید سے سارا قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور جہاں کبھی کسی وقت کسی نفس کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے پھر بھی عورت ومرد کی بہت سی فطری حالتوں نے خود بخود استثنا کردیا ہے جسے ہر عاقل اور بالغ شخص خوب سمجھتا ہے۔ انسان کے حالات کی تبدیلیوں نے نماز کے اصول میں بھی بہت کچھ تراش خراش پیدا کردی ہے ایک مریض جو جنبش نہیں کھا سکتا اشاروں سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایک سپاہی جو میدان جنگ میں لڑ رہا ہو اگر اُسے گھوڑے سے اُتر کے نماز پڑھنے کا موقع نہیں ہے تو گھوڑے کی پشت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسافر کے لئے بے انتہا آسانی کردی گئی ہے وہ صرف دو رکعت ہی پر اپنی ایک وقت کی نماز محدود کرسکتا ہے۔ ایسی ایک عورت جس کا وضع حمل ہوا ہے مدت مقررہ تک نماز سے معاف کی گئی ہے۔ ایک مجنون فطری طور پر نماز وروزہ سے معذور ہوجاتا ہے اور کوئی ضعیفی یا مستی اُسے آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھ سکتا نابالغ بچے شریعت کے اوامر ونواہی سے آزاد کئے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ہر فرض اور شریعت اسلامی کے ہر اصول میں تبدیل حالات انسانی پر تبدیلی لازم آتی ہے پھر کیوں اور کس وجہ روزہ میں تبدیلی نہ کیجاسکے اور کس قاعدہ سے اُس میں استثنا نہ کیا جائے ۔ اسلام کے اصول جب کہ فطرت انسانی پر مبنی ہیں اور جن میں نفس کشی۔ جبر واکراہ وغیرہ کا نام تک نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایسا کم طاقت شخص جو واقعی روزے نہیں رکھ سکتا

کا حکم فرمانا اور پھر اس کی نسبت عباد پر حکم کرنا باہم منافی نہیں ہمیں خوب یقین ہے کہ جو شخص اس آیت کے موکدات پر غور کرے جیسا کہ فرمایا ہے حقا علی المتقین اور بعدہ فرمایا ہے فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم وہ ہرگز اس آیت کو منسوخ نہیں کہنے کا۔ علامہ زمخشری نے بھی اس کی عدم منسوخیت پر چند توجیہ لکھی ہیں جن سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو ہمارے بیان سے اخذ ہو سکتا ہے۔

پھر ایک اور آیت ہے جسے قریب قریب بالاتفاق سب نے منسوخ مانا ہے چنانچہ ایک جگہ تو بقرہ میں فرمایا گیا ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ یعنی جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلاوے بعوض اپنے روزہ کے۔ پھر فرمایا۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یعنی جب رمضان کا مہینہ آوے تم سب روزے رکھو۔ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناطاقت اور طاقتور دونوں کو حکم ہے۔ اس بنا پر پہلی آیت جس میں بسبب ضعف اور ناطاقتی کے روزہ رکھنے کے بجائے غریب کے کھانا کھلا دینے کا حکم ہے منسوخ ہے۔ افسوس ہے کہ اس پر کل مفسر یکزباں ہیں مگر ہم ہرگز اتفاق نہیں کرتے بلکہ مزید برآں ہمارا یہ خیال ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی تائید کرتی ہے اور تائید بھی نہایت پرزور الفاظ میں ہم اس پر بالتفصیل بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایسا معرکہ کا مسئلہ معرض التوا میں نہ پڑا رہے اور ایک حد تک اس عمدگی سے حل ہو جائے کہ پھر اس میں چون وچرا کی گنجائش نہ رہے پہلی آیت میں تو یہ لکھا ہے جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلائے یعنی بعوض اپنے روزے کے۔ پھر یہ فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آوے تم سب روزے رکھو یہاں بظاہر بیماروں یا مسافروں کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے علماء نے محض بلا توجہ اور غور ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں ہے ان آیتوں میں ناسخ و منسوخ کو دخل دینے سے غرض ہی کیا ہے جب پہلی آیت میں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے تو پھر دوسری آیت میں اس کی توضیح کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ کون کہسکتا ہے کہ اسلام میں اس قدر جبر ہے کہ ایک ایسا شخص جس میں واقعی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ بسبب مرض کے یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ روزہ سے اس کی ہلاکت متصور ہے کون شخص اس یقین پر بھی اُسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ اگر پہلی آیت نہ بھی بیان فرمائی جاتی اور صرف دوسری آیت پر اکتفا کیا جاتا تو بھی استثنا ہو سکتا تھا۔ کسی امر کی تعمیل اُسی شخص پر ہمیشہ واجب ہوا کرتی ہے جو اُس کے قابل بھی ہو جہاں قرآن مجید میں جہاد کے احکام آئے ہیں وہ احکام اگرچہ عام ہیں لیکن اُن میں بھی استثنا موجود ہے۔ کبھی مریض لنگڑے لولے بڈھے جو بمشکل لکڑی کے سہارے چل سکتے ہوں میدان جنگ میں آنے پر مجبور نہیں کئے گئے۔ یہ کیوں ہوا اور کیوں نہیں انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ گرز خارا شگاف سے میدان کارزار میں آ کے دشمنوں کا بھیجہ پاش پاش کریں عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے قرآن مجید کی روشن آیتیں اول سے اخیر تک اسی بلاغت بالغہ سے بھری ہوئی ہیں صرف توجہ اور فکر درکار ہے۔ ہر نکتہ اور کل غوامض خداوندی بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبکہ بارہا نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے اور کہیں بھی کوئی نفس مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مجانین پر اگر وہ نماز نہ پڑھیں کسی شیخ الاسلام یا مفتی کا فتویٰ لے جاری نہیں ہوتا نہ کسی قاضی کی طرف سے کبھی شریعت کے تعزیری احکام جاری ہوتے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ خطاب اُن ہی لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اُس کے اہل ہوں اور جن میں اُن احکام کے تعمیل کی اہلیت

بھی گوش گزار فرمائی آپ نے بہت ہی تاسف کیا اور آپ کو بے اختیار صدمہ ہوا۔ اسی اثنا میں قیس بن صرمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے شب کو اپنی زوجہ سے جماع کیا اور بھوکا سو رہا اور جب جاگا تو کھانا نہ کھا سکا اُس وقت حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ نے بھی اسی صورت سے اپنی حالت بیان کی۔ بیضاوی نے صرف حضرت فاروق اعظم ہی کا ذکر کیا ہے قیس کا کوئی بیان نہیں تحریر کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی اور فجر تک اکل وشرب اور جماع کی اجازت ہوگئی۔ اگر ہم یہ شان نزول جو یہاں ہوئی نہ بھی تسلیم کریں اور صرف آیتوں پر غور کریں تو ہمیں کھل جائے گا کہ عام حکم وہی کے اُسے چند قیود سے آزاد کر دیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ مثل اگلوں کے تم پر روزے فرض ہیں اور پھر اُن کی بابت مفصل بیان کر دیا کہ ان ان امور میں تمہیں اگلوں کی تقلید کرنی غیر ضروری ہے۔ اس میں بھی بہت بڑی حکمت ہے اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کیا کیا تمدنی جوہر اس میں پوشیدہ ہیں دکھایا گیا ہے کہ سابق میں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کا پاس ولحاظ ذرہ برابر نہیں ہوتا تھا اسلام چونکہ عین فطرت ہے اس لئے دونوں احکام بیان کر کے موازنہ کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ اسلام اور یہودیت ونصرانیت میں یہ بیّن فرق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس صورت اور کس وجہ سے ہم ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ کہہ سکتے ہیں جبکہ عام حکم دے کے چند بیہودہ قیود سے آزاد کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی دو آیتوں میں اختلاف ہے اور جسے کل مفسروں نے بالاتفاق ناسخ ومنسوخ کے دائرہ میں رکھا ہے۔ اور وہ آیتیں یہ ہیں ،، والذین یتوفّون منکم ویذرون ازواجًا یتربصّن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر،، یعنی اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں پھر جب اپنی عدت کی مدت پوری کرلیں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اُس کا تم پر کوئی الزام نہیں اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کو اُس کی خبر ہے۔ پھر اسی سورۂ بقر میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ،، والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلاجناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم،، یعنی اور جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو اپنی بی بیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان ونفقے) اور (گھر سے) نہ نکالنے کی وصیت کر مریں پھر اگر عورتیں از خود گھر سے نکل کھڑی ہوں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اُس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

ایک آیت میں چار مہینے اور دس دن کی مدت ہے اور ایک آیت میں برس دن کی مدت ہے۔ مدت کے اختلاف نے جمہور مفسرین کو دھوکے میں ڈال دیا ہے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے حکم سے کچھ بھی تعلق نہیں وہ حکم علیحدہ ہے اور دوسرا حکم علیحدہ ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد یہ راز کھلتا ہے مثلاً پہلے حکم میں بیان ہوا ہے کہ تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں اور جب اپنی عدت کے یہ دن پورے کر چکیں تو انہیں جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے اور وہ مالکل آزاد ہیں کہ جائز طور پر کسی دوسرے شخص سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ یہاں صرف عورتوں کو حکم دیا گیا ہے مگر دوسری آیت میں مردوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک وہ نان ونفقہ دیئے جائیں

مجبور کیا جا سکتا ہے کہ خواہ وہ ہلاک ہی کیوں نہو جائے مگر روزے رکھے یہ صرف فہم کی غلطی ہے ورنہ اسلام نے تو کبھی کوئی جبر نہیں کیا۔

یہ خود بخود تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں ایک یہی مذہب ہے جس کے اصول اس قدر سہل اور آسان ہیں کہ ہر ملک ہر زمانہ اور ہر کشور کا شخص بآسانی ان پر عملدرآمد کر سکتا ہے۔ پانچوں وقت کی نماز معمولی زکوٰۃ سال بھر میں ایکبار حج بشرطیکہ استطاعت بھی ہو اور سال میں ایک مہینہ روزے بشرطیکہ قوت بھی ہو اور بس یہ اسلام ہے اور یہ اُس کے اصول ہیں۔ فقہی مینگ کو علیحدہ کر کے اگر ہم ابتدائے اسلام کو دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کیا تھا اور ہم نے اسے کس قدر ہوّا بنا رکھا ہے۔ جو دو آیتیں جن میں نسخ کو دخل دیا گیا ہے حق یہ ہے کہ اس عیب سے بالکل پاک ہیں۔ یہ دونوں آیتیں درحقیقت لازم و ملزوم ہیں اور ایک آیت دوسری آیت کے بغیر کوئی معنی نہیں دیسکتی۔ علمائے کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ نیک نیتی اور سچے جوش اسلام سے تحریر کیا ہے مگر ہم مجبور نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کر کے اُن کی رائے کو مانیں ہمیں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کی ترازو میں ہر حکم کو وزن کرنا چاہئے اور جب تک وزن ٹھیک نہ ہو کبھی ایسی چیز کو قبول نہ کرنا چاہئے۔ قرآن مجید میں کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ ہے اور ہمارا یقین اور ایمان گوارا نہیں کرتا کہ کلام خدا میں خفیف سا نسخ بھی ممکن ہے۔ اس خیال سے ہمارا کلیجہ کانپتا جاتا ہے اور اس بیان سے ہمارا جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ خداوند تعالے انسان کو بقدر وسعت تکلیف دیتا ہے اور اول سے اخیر تک قرآن مجید میں اس اصول کو بے انتہا نبھایا گیا ہے یہاں تک ہوا ہے کہ اگر کوئی ایسا حکم ہوا کہ مومنین بعدازاں اُس کے تحمل نہ ثابت ہوئے تو فوراً اُس میں ترمیم کر دی۔ ترمیم کے لفظ سے یہ غرض نہیں ہے کہ حکم سابق منسوخ ہو گیا بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس طرح عمل کرو تو بھی درست ہی اور اس طرح عمل کرو تو بھی درست ہے۔ مثلاً پہلی آیت تو یہ ہے کما کتب علی الذین من قبلکم یعنی تم پر روزہ فرض ہے جسطرح تم سے اگلوں پر تھا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ شب کو ہم بستر ہونے کی اجازت اپنی بی بیوں سے نہ تھی لیکن جب مسلمانوں کے قوائے فطری کے یہ حکم کسیقدر خلاف ہوا اور انہیں سخت تکلف سے اس کی تعمیل کرنی پڑی تو یہ حکم آیا احل لکم لیلۃ الصیام الخ یعنی حلال اور جائز ہے روزہ کی شب میں اپنی بی بیوں سے ہم بستر ہونا۔ اس آیت کی شان نزول علامہ طبری۔ زمخشری اور بیضاوی نے یہ لکھی ہے۔ ابتداءً سونے کے بعد شب میں کھانا حرام اور جماع مطلقاً رمضان میں حرام تھا عبداللہ بن جبیر کو ایک گھاٹی پر منجملہ پچاس تیراندازوں کے مقرر کیا کچھ عرصہ کے بعد اکثر اشخاص متفرق ہو گئے۔ کل بارہ آدمی اُس جگہ رہگئے حضرت عبداللہ بن جبیر وہاں شہید ہو گئے۔ آپ کے بھائی مطعم بن جبیر بہت بوڑھے تھے اور اُنھوں نے روزہ بھی رکھا تھا جب شب کے کھانے میں ذرا دیر ہوئی تو آپ کو نیند آگئی۔ جب جاگے تو اپنے اہل و عیال سے کہا کہ اب کھانا حرام ہے۔ ناچار ہو کے سو رہی دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور بدستور خندق کھودنے لگے۔ ایک تو آپ ضعیف تھے دوسرے روزہ پر روزہ رکھا تھا ضعف سے غش آگیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی یہ افسوسناک حالت ملاحظہ فرمائی اور شب کی کیفیت

علمار رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کی پانچ قسمیں کی ہیں (اول) بیان تقریر یعنی کلام کی تاکید جس سے مجاز کا احتمال کچھ بھی باقی نہ رہے (دوم) بیان تفسیر مثل صلوٰۃ ۔ صیام اور زکوٰۃ کے بیان کے (سوم) بیان تغییر مثل استثنا کے جس سے یہ بات ظاہر ہو کہ منجملہ اُن چیزوں کے جن کو کلام متناول تھا بعض مراد ہیں نہ کل ۔ (چہارم) بیان ضرورت یعنی کوئی لفظ تو ایسا نہ بولا گیا ہو جو اس بیان پر دلالت کرے مگر سکوت مراد پر دلالت کرتا ہو مثلاً "وورثہ ابواہ فلامہ الثلث" چونکہ اس کلام سے یہ بات تو محقق ہوئی کہ میراث کے مستحق بجز ماں باپ کے اور کوئی نہ ہوں اور حصر میراث کا ان ہی دو تو میں ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے ماں صرف ایک ثلث کی مستحق ہے پس گو کہ دو ثلث کی نسبت سکوت ہے لیکن چوں کہ حصر میراث اُن ہی دونوں میں تھا یہ سکوت ہی بیان ہے اس امر کا کہ دو ثلث باقیماندہ کا مستحق باپ ہے یا مثلاً "و طعام الذین اوتوا الکتب حل لکم" مشرکین کے ذبایح کی حرمت کا بیان ہے اس لئے کہ اُس زمانہ میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے ذبایح سے پرہیز کرتے تھے جب اہل کتاب کے ذبایح کی حلت کی تخصیص فرمائی گئی تو بحکم ضرورت مشرکین کے ذبایح کی حرمت ثابت ہوگئی ۔

پنجم بیان تبدیل ہے جس کو اصطلاح میں نسخ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اُس کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک زمانہ کے بعد ایک شرعی دلیل کا دوسری دلیل شرعی وارد ہونا کہ مقتضی سابق کے حکم شرعی کے خلاف ہو ہمارا ایمان اور یقین یہ ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم کیا جائے تو قرآن مجید کی یہ آیت باطل ہوتی ہے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" یعنی شریعت کی جو نعمت عطا کی ہے تمام تر تکمیل اب ہو چکی اور چوں کہ اس کے بعد سلسلہ نبوت اور وحی تشریعی کا ختم ہو گیا پس اب یہ شریعت بہمہ وجوہ مکمل ہے ۔ لفظ "تکمیل" پر زیادہ غور اور توجہ کی ضرورت ہے جس کتاب میں بہت سے احکام منسوخ ہو گئے ہوں اور بعض مقامات پر احکام تو منسوخ نہ ہو گئے ہوں بلکہ اُن کا پڑھنا ناجائز قرار دیا گیا ہو یا ایسے مقامات ہوں جہاں اوامر کا پڑھنا اور بجالانا دونوں ممنوع کئے گئے ہوں وہ کتاب کیوں کر کامل ہو سکتی ہے ۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو قرآن مجید کے دو ثلث حصہ کو منسوخ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اسے کامل کتاب کا لقب دیا جاتا ہے ۔ جس کتاب کا ایک بڑا حصہ منسوخ کر دیا گیا ہو کیوں کر یقین آسکتا ہے کہ وہ کتاب کامل ہوگی ۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ انہیں صدق سے کوئی بھی تعلق نہیں ۔ زمین اپنے مرکز سے ٹل جائے ۔ آفتاب اپنا دورہ بدل دے سب ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن کے ایک لفظ میں بھی تبدیلی آکے واقع ہوا ور اس کی ایک چھوٹی سی چھوٹی آیت بھی منسوخ ہو ۔

اب ہم خاص ایک آیت کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں نسخ کا بیان ہوا ہے اور اسی پر تمام ناسخ و منسوخ کی بحث کا دار و مدار ہے چنانچہ خداوند فرماتا ہے "ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر" یعنی اے پیغمبر ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا تمہارے ذہن سے اُس کو اُتار دیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کر دیتے ہیں اے پیغمبر کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے "آیت کے لفظ سے کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن ہی کی آیت مراد ہے اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ قرآن ہی کی آیت سے مراد ہے تو پھر یہ کب لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں منسوخ آیتیں ہیں ۔ جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک سے اُتر گئی او ر اُس کی جگہ دوسری آیت ویسی ہی

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر عورتیں اپنے عدت کے دن پورے کرکے از خود گھر سے نکل کھڑی ہوں اور چار مہینے دس دن سے زیادہ نہ رہیں تو جائز طور پر اُن عورتوں کو آزادی ہے کہ جو کچھ اپنے حق میں کریں - یہ دونوں احکام باری تعالےٰ اسطرح علیحدہ علیحدہ ہیں اسیطرح لازم و ملزوم بھی ہیں عرب میں قاعدہ تھا کہ جہاں کوئی شخص مرا اور اُس کی کوئی اولاد نہ ہوئی فوراً اُس کی بی بی کو نکال دیا جاتا تھا یا عورت خود نکل کھڑی ہوتی تھی - اسی لئے ادہر تو عورتوں کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عدت کی مدت پوری کئے بغیر ہرگز نہیں نکل سکیں اور ادہر مرد کو حکم ہے کہ اگر عورتیں عدت کے بعد بھی رہنا چاہیں تو اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرنا چاہیے کہ وہ برس دن تک اُن سے مزاحمت نہ کریں اور اُنہیں گھر میں رکھیں اور نان ونفقہ دیں ہاں اگر وہ زمانہ عدت پورا کرنے کے بعد اپنی خوشی سے نکل کھڑی ہوں تو اُنہیں نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں - سمجھ میں نہیں آتا کہ جمہور مفسرین نے کیوں اور کس بنا پر ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ لکھا ہے جبکہ احکام میں سوائے تطابق کے مخالفت کا نام بھی نہیں ہے -

ایک اور آیت ہے جس کی نسبت منسوخیت کا الزام لگایا گیا ہے اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہے حالانکہ نسخ سے اُسے بھی کچھ تعلق نہیں - چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جہاں پاؤ اُنہیں قتل کرو - سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس بنا پر ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کہا جاتا ہے - یہ حکم کہ جہاں پاؤ اُنہیں قتل کرو محض عہد شکنی پر دیا گیا تھا اور اُن مظالم کا انتقام لینا تھا جو کفار مکہ نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں پر توڑے تھے یہ حکم اس لئے نہیں دیا گیا تھا کہ اُنہیں جبراً مسلمان بنایا جاتا کیونکہ بصراحت بیان ہو چکا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے - نہ قرآن مجید سے ایسا نہیں ثابت ہوتا ہے کہ دین کے لئے تلوار اُٹھائی گئی ہو نہ کسی تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے - تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے یہ آیت کیونکر منسوخ ہو سکتی ہے جبکہ ہر جگہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے - اس آیت سے نہ جہاد کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ یہ آیت جہاد کے احکام میں کسی قسم کی مزاحمت کر سکتی ہے ہر شخص کے دین کے اعمال اور اُن کا نتیجہ صرف اسی کی ذات پر محدود ہے دوسرے پر اُس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا - مثلاً فرض کرو کہ عیسائی صلیب پرستی کرتے ہیں مقدس مریم کے آگے سربسجود ہوتے ہیں ہندو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کے آگے سجدے کرتے ہیں تو اُن کے یہ اعمال اُن ہی تک محدود ہیں اس قسم کے حالات دیکھنے سے ہم پر کوئی الزام نہیں قایم ہو سکتا - وہ جانیں اور اُن کا کام جو کچھ کریں گے اس کا بھلا برا نتیجہ بھگتیں گے ایک شخص کے نیک و بد اعمال کی کسی دوسرے شخص کو جزا سزا نہیں ملتی - جب یہ آیت اس قدر صاف ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے منسوخ کیوں کیا گیا ہے اور کس بنا پر جمہور علماء نے اسے منسوخ مان لیا ہے اسیطرح جتنی آیتیں ہیں اور جنہیں منسوخ کیا گیا ہے اُنہیں فی الحقیقت نسخ سے کوئی بھی تعلق نہیں -

اب ہم ناسخ و منسوخ پر فقیہانہ بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ فقہا نے اس پر کیا بحث کی ہے - اور ان کا منشا کیا ہے - اصول فقہ کی کتابوں میں چونکہ اس بحث کو بہت شرح بسط سے بیان کیا گیا ہے اور ہمیں اُس کے پورے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے مختصر بیان کیا جاتا ہے - یہ مسلم ہے کہ نص شرعیہ بیان کے متحمل ہوتے ہیں اور ہمارے

ظفر کے راستے خود بخود اُس کے آگے کھل جاتے ہیں اور اخیر معمولی جد وجہد سے وہ اپنے دشمن پر کامل فتح پالیتا ہے۔ اور اُس کے دل کی پرزور قوت خود سب کو نیچا دکھا دیتی ہے۔ یہی گویا خدا کی آیت یا نشانی ہے جو اُس نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے پھر اس کے چند روز کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت ایک واقعہ پیش آیا اور انسان اپنی خلقت کی کمزوری کیوجہ گزشتہ فیضان باری یا تائید روح القدس یا فطرت کی بلندی کو بھول گیا اُس بھولنے کو رب العرش نے حسب عادت اپنی طرف نسبت فرما کے ارشاد کیا ہے کہ اب ایسی ہی یا اس سے بھی بہتر نشانی تجھپر نازل کریں گے کہ جسے تو کبھی نہ بھولے اور ہم ہر بات پر قادر ہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جسطرح رب الافواج ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرنے کا عادی ہے اسیطرح جب آسے اپنی مخلوق کو کوئی اہم امر کرنا اور کوئی بڑی تنبیہ کرنی ہوتی ہے تو اپنے پیغمبر سے مخاطب ہو کے بیان کرتا ہے اور اس سے مراد خلقت کی اصلاح ہے۔ یہ طریقہ زیادہ موثر اور زیادہ زبردست ہے۔ لوگ خیال کر سکتے ہیں جب خداوندتعالے کا اپنے نبی کے ساتھ یہ خطاب اور اپنے نبی کو یہ حکم ہے تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں۔ اس خیال سے طبایع انسانی کا میلان اطاعت کی طرف ہوتا ہے اور ایک دہشت طاری ہو کے فرمانبرداری کی طرف فطرت انسانی خود بخود رجوع ہوتی ہے اور یہ رجحان اخیر میں خلقی بنجاتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ سوائے بعض بعض موقعوں کے خداوندتعالے نے ہمیشہ اہم اور ضروری امور میں اپنے رسول سے بظاہر خطاب کیا ہے لیکن مراد اُس سے اُمت ہے۔ چنانچہ اس آیت میں بظاہر محمد عربی مخاطب ہیں لیکن مراد کل اُمت ہے۔ وہ نشانیاں جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اگر اُن کا اظہار طبایع انسانی سے نسیاً منسیاً ہو بھی جاتا ہو پھر بھی خداوند زمین وزماں اپنے کرم اور رحم سے ایسی نشانیاں پیدا کرتا ہے جو سابق نشانیوں کے مساوی بھی ہوتی ہیں اور اُن سے بہتر بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال اس آیت کا کچھ ہی مطلب کیوں نہ لیا جائے اس سے کسیطرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید میں اب بھی نسخ موجود ہے بلکہ پورا ثبوت اس امر کا ہے کہ قرآن مجید ناسخ ومنسوخ سے بالکل پاک ہے۔ اس کے بعد ہم اس آیت پر ایک اور صورت سے بحث کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مفسرین کی اس کی بابت کیا رائے ہے۔ ابومسلم جاحظ جو رئیس معتزلہ ہے وہ اس امر کا قایل ہے کہ یہاں توریت کی نسخ سے مراد ہے مگر اُس کا یہ قول قابل سند نہیں ہے علما نے اُس سے بہت مخالفت کی ہے اور اُن کی یہ مخالفت ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر ہم اس پر خود جرح وقدح کرتے ہیں "ما" شرطیہ الفاظ عموم سے ہے اور علم اصول میں بھی یہ امر مسلم ہو چکا ہے چنانچہ یہ تحریر ہو چکا ہے،، ما للعموم لا تحتمل الخصوص وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ اسی سبب سے جاراللہ زمخشری نے ما ننسخ کی تفسیر اس طور پر کی ہے" کل آیۃ تذہب بہا الخ" اور "من" استغراقیہ جو من آیۃ میں ہے یہ بیان ہے اسی کلمہ ما کا جو واسطے عموم کے ہے پس ایسے عام کا جس میں کچھ بھی احتمال خصوص نہیں بلا دلیل قوی کے آیات کتب مقدسہ سے مخصوص کرنا اور اسے قرآن پر مشتمل نہ سمجھنا "صریحاً مخالفت لغت ہے۔ کلمہ ما اس جگہ خصوصیت کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اگر مشرکین کا ذکر بھی آیۂ سابقہ میں نہ ہوتا اور سبب نزول آیت کا اعتراض اہل کتاب ہی کا ہوتا تو بھی سبب نزول کی وجہ سے حکم عام مخصوص نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہے کہ العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص الاسباب" ہمارے علما نے نسخ کی تقسیم تین طرح پر کی ہے (اول) آیۂ منسوخہ منسوخ التلاوۃ والحکم (دوم) صرف منسوخ التلاوۃ مع بقاء الحکم (سوم) صرف منسوخ الحکم مع بقاء التلاوۃ اول اور

یا اُس سے بہتر نازل ہو گئی پھر ہم کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ایک آیت بھی منسوخ ہے کیوں کہ منسوخہ آیتیں تو ذہن مبارک سے اُتر چکی ہیں۔ خود اس آیت شریفہ پر غور کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی کیوں کہ جو آیتیں رسول کریم کے ذہن مبارک سے فراموش ہو گئی تھیں ویسی ہی یا اُن سے بہتر خداوند تعالے نے دوسری نازل کر دیں ظاہر ہے کہ دوبارہ نازل ہوئی آیات پر لفظ نسخ نہیں عاید ہو سکتا۔ جو آیتیں بھلا دی گئیں وہ تو قرآن مجید میں درج نہیں ہو سکتیں جب وہ نبی کریم کو نہ یاد رہیں تو اور کسی کو کیوں کر یاد رہ سکتی ہیں اور اگر بفرض محال یاد بھی رہیں تو جب ان کے مساوی یا اُن سے بہتر دوسری آیات نازل ہو گئیں تو پھر قرآن مجید میں اُن کے داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر جب کہ ہم کسی گزشتہ باب میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جامع القرآن خود وہ ذات پاک تھی جسے محمد کے نام سے پکارتے ہیں پھر بھولی ہوئی آیتوں کا داخل کرنا باطل ہوا ایک شئے جو ذہن میں اُتر چکی ہو ایک شئے جس کے مساوی یا اُس سے بہتر دوسری آ چکی ہو پھر یاد آنے پر بھی اُس کا داخل کرنا غیر ضروری ہے۔ اس آیت نے ناسخ و منسوخ کے تمام شبہے مٹا دیئے اور ثابت کر دیا کہ جو آیتیں منسوخ ہونے کے قابل تھیں وہ پہلے ہی نبی کریم کے ذہن مبارک سے اُتار دی گئیں اور ان کی جگہ وہ آیتیں نازل کر دی ہیں کہ اُن میں نسخ کا لفظ استعمال ہی نہیں ہو سکتا۔ علمائے کرام نے اس عمیق راز اور گہرے نکتہ کو جو اس آیت شریفہ میں مضمر ہے غور سے نہیں دیکھا ورنہ صریح مطلب کھل جاتا اور ناسخ و منسوخ کا پیچیدہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

اس کے بعد ہم اس آیت پر دوسرے پہلو سے بحث کرتے ہیں اور وہ پہلو یہ ہے کہ آیت میں خداوند تعالے کا ایک کام سے اپنی ذات کو نسبت دینا وہی حکم رکھتا ہے جو ہم مسئلہ تقدیر میں بیان کر آئے ہیں۔ خدائے تعالے کو شایاں ہے کہ وہ ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرے اور ہر شئے کا فاعل اپنے ہی کو بنائے جبکہ اُس کے مرتبہ قوانین کے دائرہ میں ہر امر ہوتا ہے اور کبھی ایک ذرہ بھی اُس سے جنبش نہیں کھا سکتا۔ اسیطرح اُس نے یہاں بھی بھلا دینے یا ذہن سے اُتار دینے کی نسبت اپنے ساتھ کی ہے اور بتایا ہے کہ جب ہم اپنی ایک آیت یعنی ایک نشانی تیرے ذہن سے اُتار دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس کے مساوی نشانی نازل کر دیتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالے نے اپنی ایک نشانی دکھائی کہ وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ روح القدس سے کیا کیا اور کس جگہ تائید کرتا ہے اُس کی غیر معمولی تائید جو کسی خاص موقع پر ہوئی تھی وہ کسی آنے والی مصیبت سے محو ہو گئی اور اُس وقت دل پر مایوسی طاری ہونے لگی تو خداوند تعالے لے محض تسکین کے لئے یہ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر جبکہ ہم کوئی آیت تمہارے ذہن سے اُتار دیں تو اس کے برابر یا اُس سے بہتر تم پر نازل کر دیتے ہیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہو اور اپنے رفیق شکستہ خاطر ہو چکے ہوں اور تمام اُمیدیں نجات کی منقطع ہو چکی ہوں تو اُس وقت روح القدس اپنے خالق کی طرف بلند ہوتی ہے اور اللہ کا برگزیدہ بندہ بھی روح القدس کے ساتھ بلند ہوتا ہے اور آخیر وہ بلندی بوجہ کمال پہنچنے ضمیر کے گوناگوں جوہروں میں اس طرح دست و گریباں ہو جاتی ہے کہ پھر عبودیت فطرتنا روح القدس اور فیضان ربانیہ میں فرق نہیں رہتا۔ یہ ربانی حالت ایک عجیب و غریب قدرت اُس کے دل میں دیدیتی ہے اور پھر وہ باتیں اسے اپنے بچاؤ اور دشمن کے زک دینے کی سوجھ جاتی ہیں کہ جن کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا نفع اور

حد طاقت سے باہر ہے۔اس بات میں امام رازی بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اس کے بعد ہم امام فخر الدین رازی کا قول نقل کرتے ہیں جو آیت ماننسخ کی تفسیر میں اُنہوں نے لکھا ہے پھر اس پر رائے دیں گے۔چنانچہ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں "واعلم انا بعد ان قررنا هذه الجملة فی کتاب المحصول فی اصول الفقه تمسکنا فی وقوع النسخ بقوله تعالی ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها والاستدلال به ايضًا ضعيف لان ما هٰهنا يفيد الشرط والجزاء وكما ان قولك من جاءك فاكرمه لا يدل على حصول المجئ بل على انه متى جاء وجب الاكرام فكذا هذه الاية لا تدل على حصول النسخ بل على انه متى حصل النسخ وجب ان يأتى بما هو خير منه فالاقوى ان نقول فى الاثبات على قوله تعالى واذا بدلنا اية مكان اية وقوله يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتب والله اعلم"

یعنی ہم نے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہے تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں بیان کر کے ہم نے وقوع نسخ پر اسی آیت ماننسخ پر استدلال کیا ہے مگر اس آیت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ "ما" کا لفظ اس جگہ بطور شرط اور جزا کے ہے جیسے کہ تم کسی سے کہو کہ جو شخص تیرے پاس آئے تو اس کی تعظیم کر تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اتنا نکلتا ہے کہ جب کوئی آدمی آئے تو اس کی تعظیم کرنی واجب ہے اسیطرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ ہو تو اس کے بدلہ دوسری آیت جو اس سے اچھی ہو لانی واجب ہے پس ٹھیک بات یہ ہے کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آیتوں کو اختیار کریں یعنی اس آیت کو واذا بدلنا اية مكان اية اور اس آیت کو "يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب امام رازی کے اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے اولاً جو انہوں نے ما کو بمعنی "متی" کے ٹھیرایا ہے یہ صحیح نہیں ہے یہاں کلمہ ما محض شرطیہ ہے ظرفیہ نہیں ہے اور متی کو ظرفیہ لازم ہے (ثانیًا) اپنے قول کی تائید کے واسطے جو ایک مثال یعنی (من جاءك فاكرمه) پیش کی ہے وہ اس کی نظیر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس مثال سے جزاء جملہ انشائیہ ہے کیونکہ وقوع وعدم اس کا زمانہ آئندہ میں محتمل ہے اور یہاں شرط وجزا دونوں بالانفراد جملہ خبریہ ہیں پس یہ دیکھنا چاہئے کہ آیت کی بنا نزول حصول نسخ پر ہے یا نہیں چونکہ یہ آیت جواب ہے منکران نسخ کا جو وقوع نسخ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم جو شریعت موسیٰ کے بعض احکام کو تبدیل کرتے ہو اور بعض احکام جو خود دیتے ہو چند روز بعد ان کو تبدیل کر دیتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں اسی اعتراض کا یہ جواب ہے پس چونکہ اعتراض کی بنا وقوع نسخ کے متحقق ہونے پر ہے اگر نسخ کا وقوع ہی نہ ہوتا تو اعتراض کس بنا پر ہو سکتا تھا۔پس ظاہر ہوا کہ شرط وجزا کے دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں اور جب دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں تو ثبوت وقوع نسخ میں اس آیت سے کسیطرح کا شبہ نہیں یہ سچ ہے کہ نفس کلمات آیت سے حصول نسخ کا لازم نہیں آتا جیسا امام صاحب فرماتے ہیں اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے اور اُن کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے اعتراض کا جواب ہے اور ساتھ ہی مشرکین کے اعتراض کا ان کا اعتراض حصول نسخ پر مبنی ہے اور اسی بنا پر یہ جواب دیا گیا ہے اور چونکہ بقرینۂ اعتراض وجواب کے حصول نسخ میں کچھ شبہ نہیں ہے لہذا اس آیت سے حصول نسخ پر استدلال کرنا ہر طرح صحیح ہے اور اس کی نظیر متنبی کے قول میں موجود ہے جہاں وہ کہتا ہے۔

دوم قسم کے وقوع میں اختلاف ہے باہم علمانے اس میں مختلف رائیں دی ہیں۔ مگر قسم ثالث کی نسبت کل علما کا اتفاق ہے ہاں ابوسلم جاحظ معتزلی نہیں مانتے۔ اصول امام فخرالاسلام سرودی۔ توضیح صدرالشریعت بسلم الثبوت مولٰنا محب اللہ اور اُس کی شرح مولٰنا بحرالعلوم رحمتہ اللہ علیہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جاحظ کا یہ مذہب ہے کہ عموماً نسخ خواہ نسخ کتب سابقہ کا ہو یا بعض احکام قرآن کا ہو واقع نہیں ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں "اجمع المسلمون علی جوازہ ووقوعہ سمعا خلافا لابی مسلم وھو لایعد من مسلوا لاتباویلہ پھر اُن کے قول کی تاویلات کی ہیں بجملہ اُن تاویلات کے یہ تاویل ہی ہے کہ جاحظ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے خاص احکام میں نسخ نہیں احکام کتب سابقہ میں البتہ نسخ ہی۔

ابوسلم نے اس آیت پر مفصلہ ذیل رائے دی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "قال ابو مسلمان المراد من الایات المنسوخۃ ھی الشرایع التی فی الکتب القدیمۃ من التوریۃ والانجیل کالسبت والصلوۃ الی المشرق والمغرب مما وضعہ اللہ عنا وتعبدنا بغیرہ فان الیہود والنصاری کانوا یقولون لا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم فابطل اللہ ذلک بھذہ الایۃ" (از تفسیر کبیر) یعنی اُس کا بیان ہی کہ قرآن مجید میں نسخ واقع نہیں ہوا اور اس کا قول ہی کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں جو کتب متقدمہ یعنی توریت وانجیل میں تھیں جیسے کہ سبت کا ماننا اور مشرق ومغرب کی طرف نماز کا پڑھنا اور اس قسم کے حکموں کے مانند جن کے غیر کی بجا آوری کے لئے اللہ نے ہمیں مامور کیا یہود ونصارے کہتے تھے کہ بجز اس کے کہ جو ہمارے دین کے تابع ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ بس اللہ تعالٰے نے اس آیت سے اُس کو باطل کیا" علمانے ابوسلم کے اس قول کو نہیں مانا ہے اور اُن کا مقولہ یہ ہے کہ اُس کا کل قول سیاق آیت سے بالکل مختلف ہے اور ساتھ ہی قاعدہ عربیہ کے بھی خلاف ہے بلکہ ایک احتمال پر تو آیات کتب متقدمہ مراد ہی نہیں ہوسکتیں۔ اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے اب بحث صرف اس پر ہے آیا آیت قرآن مجید کی آیت مراد ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اولاً کلمہ آیت اور آیات کا اطلاق قرآن مجید میں کئی چیزوں پر آیا ہے۔ اول معجزات۔ دوم قدرتی نشانیاں جو باری تعالٰے عزاسمہ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ سوم مطلق نشانی پر جو اُس کے معنی لغوی ہیں۔ چہارم قرآن کے جملوں پر بجملہ اُن چار معنی کے اول اور دوم اور سوم تین معنی اس آیت میں بالاتفاق ہمارے اور ابوسلم کے مقصود نہیں کلام ہے تو چوتھے معنی ہیں یعنی جب یہ کلمہ کسی کتاب معہود ومعین کے جملوں میں بہ دون ارادہ واقع ہوتا ہے تو اُس سے مراد آیات قرآن ہی ہوتی ہیں یا جملہ توریت وانجیل اور دیگر کتب متقدمہ کی ہی مقصد یہ ہے کہ معہود ومعین یہی بات کہ آیات قرآن ہی مقصود ہوتی ہیں ساس دلیل کا جواب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ عام ہر دلیل پر بولا جاتا ہے اس لئے کہ ہر دلیل تو ہمارے اور ابوسلم کی بالاتفاق یہاں مراد نہیں البتہ اگر ہماری اس دلیل پر کسی کو شبہ ہو تو اُسے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ فلاں مقام پر قرآن میں یہ کلمہ مطلق بلا قرینہ کسی کتاب کے وارد ہوا ہے اور اس سے مراد توریت وانجیل کے جملے ہیں جب تک یہ بات ثابت نکرے یہ شبہ ہماری دلیل میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔

ثانیاً کلام مجید کے جملوں کو آیات سے تعبیر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے جملے فصاحت وبلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہیں اور اس سبب سے وہ اس امر کی دلائل اور نشانیاں ہیں کہ قرآن منزل من اللہ ہے اور اُس کی مثل بنانا جن وانس کی

اس کے بدلے میں اس سے بہتر ویسی ہی نازل کرتے ہیں۔ نسخ کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کر کے قوانین شریعت کے ڈھنگ پر ان کو کر دیتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن خداوند تعالے اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو حضرت رسالتمآب پر ظاہر کر دیتا ہے جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ بیان کیا جائے یا اس طرح پر کہ حضرت رسالتمآب کے اجتہاد ہی میں تبدیلی اور دوسرا اجتہاد آپکے ذہن میں ڈالا جائے پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز قرار دیدیا۔ اور فرمایا نشہ کی کوئی چیز مت پیو کیونکہ نشہ ہوا مسکرا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپنے ملاحظہ فرمایا کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اس لئے اس کی ظاہری علامت بتا دی کہ ان برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپنے خیال فرمایا کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں ہوتا ہے پھر آپکے اجتہاد میں تبدیلی ہوگئی اور نشہ آور ہونے کو آپنے حرمت کا مدار ٹھیرایا کسی چیز کا منشی ہونا جوش اور جھاگ آنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم مسکر سے ہو یا اس میں سے مسکر کی صفات پائی جائیں اسکار کا موقع اور مظنہ قرار دینا اسکا کسی امر اجنبی کے موقع کے قرار دینے سے بہتر ہے۔

تولد اشربة وتعلقت نزلت الاية ان ادار الحكم على نفس الاسكار وعلى هذا التخريج هذا مثال لاختلاف الحكم حسب اختلاف مظنات وفي هذا القسم قوله صلى الله عليه وسلم كلامي لا ينسخ كلام الله وكلام الله ينسخ كلامي وكلام الله ينسخ بعضه بعضا والثاني ان يكون شئ مظنة مصلحة او مفسدة فيحكم عليه حسب ذلك ثم ياتي زمان لا يكون فيه مظنة فيتغير الحكم مثاله لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم لمصلحة ضرورية ولما نزل القران بادارة التوارث على الاخاء وبين الله تعالى فائدته حيث قال الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير ثم لما قوى الاسلام ولحق بالمهاجرين اولوا الارحام رجع الامر الى ما كان من التوارث بالنسب او لا يكون شئ مصلحة في النبوة التي لم يضم معها الخلافة كما كان قبل النبي صلى الله عليه وسلم وكما كان في زمانه قبل الهجرة ويكون مصلحة في النبوة المضمومة بالخلافة مثاله ان الله تعالى لم يحل الغنائم لمن قبلنا واحل لنا وعلل ذلك في الحديث بوجهين احدهما ان الله راى ضعفنا فاحلها لنا وثانيهما ان ذلك من تفضيل الله نبينا صلى الله عليه وسلم على سائر الانبياء وامته على سائر الامم وتحقيق الوجهين ان الانبياء قبل النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يبعثون الى اقوامهم خاصة وهم محصورون يأتي الجهاد معهم في سنة او سنتين ونحو ذلك وكان اوسهم اقوياء يقدرون على الجمع بين الجهاد والتسبب مثل الفلاحة والتجارة فلم يكن لهم حاجة الى الغنائم فاراد الله تعالى ان لا يختلط بعملهم غرض دنيوي ليكون اتم لاجورهم وبعث نبينا صلى الله عليه وسلم الى كافة الناس وهم غير محصورين ولا كان زمان الجهاد معهم محصورا وكانوا لا يستطيعون الجمع بين الجهاد والتسبب مثل الفلاحة والتجارة فكان لهم حاجة الى اباحة الغنائم وكانت امته لعموم دعوته يشتمل ناسا ضعفاء في النية وفيهم ورد ان الله يؤيد هذا

"وما کنت ممن یدخل العشق قلبه - ولکن من یبصر جفونك یعشق"

اس میں بھی اگرچہ (یبصر جفونك یعشق) سے حصول عشق کا لازم نہیں آتا مگر مصراع اول کے قرینہ پر اُس کے حصول میں کچھ تردد باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ مفسرین ومترجمین دونوں فعلوں کو بمعنی حال ترجمہ کرتے ہیں پس ثابت ہوگیا کہ اعتراض وقوع نسخ پر جو امام رازی نے شبہ کیا ہے محض شبہ ہی شبہ ہے اور ان کے اس شبہ سے کسی طرح کا ضعف استدلال میں واقع نہیں ہوتا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب آیت سے وقوع نسخ کا ہونا ثابت ہوگیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید میں ایک بھی منسوخہ آیت داخل نہیں ہوئی کیونکہ وہ آیتیں جو منسوخ ہوئی تھیں ذہن رسول خدا سے اُنہیں فراموش کردیا گیا اور چوں کہ قرآن مجید کی ترتیب خود فخر موجودات کے دست مبارک سے ہوئی تھی یا اگر یہ بھی نہ تسلیم کریں پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جو آیتیں واقعی بھلادی گئی ہوں وہ کسیطرح پر قرآن میں خواہ اس کی ترتیب آنحضرت نے دی ہو یا نہ دی ہو نہیں ثابت ہوسکتیں ہر حالت میں قرآن مجید میں منسوخہ آیتوں کی موجودگی ثابت نہیں ہوتی اور کوئی سمجھ دار آدمی نہیں یقین کرسکتا کہ جب ایک آیت ذہن سے اُتار دی گئی پھر وہ کیسے باقی رہ سکتی ہے اور کیوں کہ اُسے قرآن میں دخل ملسکتا ہے۔

ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمیں علمائے کرام کی راے سے اتفاق نہیں ہے کہ قرآن میں نسخ کو ہم مان لیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کے کلام میں ایک حصہ کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ مانیں۔ ہم اخیر میں پھر ایک عام نظر کریں گے پہلے ہم محدث ہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں سے اُس بحث کو نقل کردیتے ہیں جو آپ نے نسخ کے باب میں کی ہے پھر خود ایک عام بحث کرکے اُسے ختم کردیں گے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں[له] "نسخ کے باب میں یہ آیت آئی ہے "ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها یعنی ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اُسے بھلاتے ہیں مگر

له اسباب النسخ والاصل فیه قوله تعالی "ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها اعلم ان النسخ قسمان احدهما ان ینظر النبی صلی الله علیه وسلم فی الارتفاقات او وجوه الطاعات فیضبطها بوجوه الضبط علی قوانین التشریع وهو اجتهاد النبی صلی الله علیه وسلم ثم لا یقره الله علیه بل یکشف علیه ما قضی الله فی المسئلة من الحکم اما بنزول القرآن حسب ذلك او تغیر اجتهاده الی ذلك وتقریره علیه مثال الاول ما امر النبی صلی الله علیه وسلم من الاستقبال قبل بیت المقدس ثم نزل القرآن بنسخه ومثال الثانی انه صلی الله علیه وسلم نهی عن الانتباذ الا فی سقاء ثم اباح لهم الانتباذ فی کل آنیة وقال لا تشربوا مسکرا وذلك انه لما رای ان الاسکار امر خفی نصب له مظنة ظاهرة وهی الانتباذ فی الاوعیة التی لا مسام لها کالماخوذ من الخزف والخشب والادباء فانه یسرع الاسکار فیما ینبذ فیها ونصب الانتباذ فی الاسقاء مظنة لعدم الاسکار الی ثلثة ایام ثم تغیر اجتهاده صلی الله علیه وسلم الی ادارة الحکم علی الاسکار لانه یعرف بالغلیان وقذف الزبد ونصب ما هو من لوازم السکر ومن صفات الشیء المسکر مظنة اولی من نصب ما هو امر خفی وعلی تخریج آخر نقول رای النبی صلی الله علیه وسلم ان القوم مولعون بالمسکر فلو نهوا عنه کان مظنة ان یشربه احدهم متعذرا بانه ظن انه لیس بمسکر والله اشتبه علیه علامات الاسکار وکان اوانیهم متلطخة بالمسکر والاسکار یسرع الی ما ینبذ فی مثل ذلك فلما قوی الاسلام واطمئنوا

بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب تھی جنکا شمار حصر و انداز سے زیادہ تھا اور زمانہ جہاد بھی اُن کے لئے متعین نہ تھا یہ ممکن نہ تھا
کہ وہ جہاد بھی کرسکیں اور سامان معیشت بھی بہم پہنچا سکیں اور کشتکاری یا تجارت کا بھی سرانجام کرسکیں اسی لئے انہیں مال
غنیمت کے جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوت اسلام عام تھی اس لئے اس میں ایسے لوگ بھی شامل
ہوتے ہیں جن کی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں ان ہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ خدا اس دین کی تائید بدکار
آدمی سے کرے گا ”ان الله يويد هذا الدين بالرجل الفاجر“ اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ دنیاوی فائدہ ہی کے
لئے جہاد پر مستعد ہوجایا کرتے ہیں۔ ان مجاہدات میں خداوند تعالےٰ کی نظر رحمت و انعام سب پر برابر تھی جیسے کہ اعدائے اسلام
پر نگاہ غضب عام تھی حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب
و عجم وہ سب سے ناخوش ہوا ”ان الله نظر الى اهل الارض فمقت عربهم وعجمهم“ اسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار
دیا گیا کہ اُن کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہوجائے اور ان کے مالوں میں تصرف کرکے خوب اُن کے دل
جلائے جائیں جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اس کی ناک میں
چاندی کی کیل پڑی تھی اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا ایسے ہی آپ نے کافروں کے نخلستان کاٹ ڈالنے اور جلا
دینے کا حکم دیا تھا تاکہ اُن کو پیچ و تاب ہو یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے لئے قرآن میں غنائم کی حلّت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ہدایت اسلام میں اس اُمت کے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی اُس وقت
نہ لشکر تھا نہ خلافت لیکن جب حضرت رسالتمآب نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنان
خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی تو خدائے تعالےٰ نے نازل کیا اب ان لوگوں کو اجازت ہی جنگ کرنے کی جنکے ساتھ جنگ کیجاتی
ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک خدا اُن کی مدد دینے پر قادر ہے“ اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله
على نصرهم لقدير۔ اسی قسم کے متعلق خدا کا قول ہے کہ ہم جب کوئی آیت اے محمد تیرے ذہن سے اُتار دیتے ہیں تو اُس سے بہتر
یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں ما ننسخ من آية او ننسها نات بخير منها او مثلها بخیر منہا سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت
شامل ہوگئی تھی اور ”مثلها“ سے وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدلدیا جاتا ہے“ فقط۔

وكان غضب ومتوجها الى اعدائهم توجها عظيما وهو قوله صلى الله عليه وسلم ان الله نظر الى اهل
الارض فمقت عربهم وعجمهم فاوجب ذلك زوال عصمة اموالهم ودمائهم على الوجه الاتم واوجب
اغاظة قلوبهم بالتصرف فى اموالهم كما اهدى الى الحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم بعير ابى جهل فى
انفه برة فضة يغيظ الكفار وكما امر بقطع النخيل واحراقها اغاظ لاهلها فلذلك نزل القران باباحة الغنائم
لهذه الامة مثال اخر تحريم لهذه الامة قتال الكفار فى اول الامر ولم يكن حينئذ هناك جند ولا خلافة
ثم لما هاجر النبى صلى الله عليه وسلم وتاب المسلمون وظهرت الخلافة وتمكنوا من مجاهدة اعداء الله انزل
الله تعالى اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير وفى هذا القسم قوله تعالى ما ننسخ من اية او
ننسها نات بخير منها او مثلها فقوله بخير منها فيما يكون النبوة مضمومة بالخلافة وقوله او مثلها فيما يختلف الحكم باختلاف

دوایک اور توجیہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت رسالت مآب نے جب ملاحظہ فرمایا کہ لوگ نشی چیزوں کے زیادہ شایق ہیں اگر صرف مسکر ہی سے ممانعت کردی جائے تو اس کا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشی چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا وہ مسکر نہیں ہے یا مجھے اسکا رکی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اُس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشی اشیا سے آلودہ رہتے تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی ہے اس میں فوراً نشہ آجاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہوگیا اور لوگوں نے اطمینان سے نشہ کی چیزوں کو ترک کردیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے پھر نشی ہونے کو حرمت کا مدار علیہ آپ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدلجایا کرتا ہے اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الٰہی کو ناسخ نہیں کرسکتا اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہی۔ "کلامی لاینسخ کلام اللہ کلام اللہ ینسخ کلامی و کلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا"

نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شئے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے اُسی کے مطابق اُس کا حکم متعین ہوجاتا ہے اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں وہ حالت اُس شئے کی نہیں رہا کرتی اس کی مثال یہ ہی کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں اور اُن کے قرابتیوں میں کوئی طریقہ باہمی مواقفت اور امداد کا نہ رہا اس وقت مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہمدردی کا ذریعہ تھی اسی بنا پر قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کردئے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کردیا گیا اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا ''الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیرا'' اور جب اسلام کو قوت ہوگئی اور مہاجرین سے اُنکے رشتہ دار آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا متعین ہوگا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیا میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی جیسے حضرت رسالتمآب کی بعثت سے پہلے یا آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور اب کہ نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہوجاتی ہے تو اُن اشیا میں مصلحت پیدا ہوجاتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی اُمتوں کے لئے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لئے جائز کردیا۔

حدیث میں اس علت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) یہ کہ خداوند تعالےٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کے مال غنیمت ہمارے لئے حلال کردیا (۲) یہ کہ اس حلت سے حضرت رسالتمآب کی فضیلت اور انبیا علیہم السلام اور اُمت محمدیہ کی اور اُمتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے۔ ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت رسول خدا سے پہلے اور انبیا کی بعثت صرف اپنی قوم کے لئے ہوا کرتی تھی جن کی تعداد محصور تھی۔ کبھی کبھی سال دو سال میں جہاد کی نوبت آجاتی تھی اور نیز اُن کی اُمتیں قوی اور زبردست تھیں اور جہاد بھی کرسکتے تھے اور کشت کاری یا تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے اُن کو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پروا نہ تھی اس واسطے خدائے تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اُن کے عمل میں کسی دنیاوی غرض کی آمیزش نہ ہوجائے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے اُنہیں پورا پورا ثواب ملے اور ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی

لا عظیما دشموا فی امر الجھاد شملھم الرحمۃ وکانت الا بغرض عاجل اولئک لا یجاھد الفاجر و بالرجل الدین

" سیقول السفهاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل للہ المشرق والمغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم " یعنی جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں ہی گے کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے (یعنی بیت المقدس) اُس سے ان کی دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی اے پیغمبر تم یہ جواب دو کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے " صاف بیان کیا گیا ہے کہ تعین قبلہ کوئی چیز نہیں ہے مشرق و مغرب ہر طرف اسی کا منہ ہے جس طرف چاہے سجدہ کرو مگر ایک ہی رخ کا مقرر ہونا یہ حکمت رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں یکجہتی قایم ہو اور اُن میں اتحاد کے ساتھ دوسری اقوام سے ایک امتیاز بھی قایم ہو جائے۔ بہت سے ممالک ایسے ہیں اور بہت سی حالتیں انسان پر سیاحت میں ایسی واقع ہو جاتی ہیں کہ وہ تعین قبلہ نہیں کر سکتا اس لئے وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا اُس کی نماز جائز قرار دی جائے گی۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ نے خود اس امر کو صاف طور پر کھول دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " و لکل وجهة هو مولیها فاستبقوا الخیرٰت این ما تکونوا یات بکم اللہ جمیعًا ان اللہ علی کل شیء قدیر " یعنی اور ہر فریق کے لئے ایک سمت مقرر ہے جدھر کو نماز میں وہ اپنا منہ کرتا ہے تو مسلمانوں تم اختلاف سمت کی چنداں پروا نہ کر کے نیکیوں کی طرف لپکو کر اوروں سے بڑھ جاؤ اللہ تم سب کو اپنے پاس کھینچ بلائے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے تعین قبلہ کی بھی ساری حقیقت کھل گئی ہر ایک کے لئے ایک سمت مقرر ہے اور مسلمانوں کو سمت کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے بلکہ نیکیوں کی طرف دوڑنا چاہئے تاکہ مقابل میں دوسری قوموں سے بڑھ جائیں اختلاف قبلہ و حقیقت کوئی باعث فضیلت نہیں ہے یہ تو محض امتیاز اور تمدن قایم کرنے کے لئے ہر قوم کے لئے علیحدہ علیحدہ سمت مقرر ہو گئی ہے تعین سمت میں ایک قوم دوسری قوم پر فضیلت نہیں رکھتی مثلاً مسلمان اگر اپنے کو یہودیوں پر اس لئے افضل سمجھیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف محض ایک لغویات ہے بلکہ خداوند تعالےٰ نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم پر فضیلت ہو سکتی ہے تو صرف نیکیوں کی وجہ سے ۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں انسانی تمدن کے مختلف مدارج کا پاس و لحاظ کیا گیا ہے اور یہی دلیل قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کی ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ اس بات کو دل سے بھلا دینا چاہئے کہ ہم نے معتزلہ کا مسلک اختیار کیا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا دعوے کیا ہے اور ہم نے اس کا کیا ثبوت دیا ہے۔ ہماری بحث کا بغور پڑھنے والا سمجھے گا کہ ہماری مراد کیا ہے اور ہم کلام خداوندی کو کس حد تک ہر خطا و نسیان سے بری سمجھتے ہیں علمائے جو کچھ لکھا ہے وہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر وہی علما اب ہوتے تو ہم سے بہت بہتر لکھتے اور ایسا لکھتے جو موجودہ زمانہ کے بھی اور آئندہ زمانہ کی بڑی حد تک کارآمد ہوتا۔ ہمیں نہایت فخر ہے کہ ہمارے فاضل محدث و مجتہد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے مذہبی امور کے بیان کرنے میں ایک جدت اختیار کی ہے اور اصل یہ ہے کہ اُنہی کا حصہ بھی ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بھی فلسفیانہ طور پر بہت سے دینی مسائل کو حل کیا ہے مگر ہمارے شاہ صاحب کا رنگ ایمان تو یہ ہے کہ بہت ہی جگہ پر ان سے بڑھا ہوا ہے۔ جو مسئلہ بیان فرماتے ہیں ایسے جدید اور عمدہ پیرائے میں کہ خود بخود دل میں گھر کرتا

ہمارے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جمہور مفسرین سے ایک نیا جادہ اختیار کیا ہے اور آپ کے مختصر مگر جامع بحث دیکھنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے مسئلہ ناسخ و منسوخ کو زیادہ اہمیت کی نظروں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ آپ کا اصلی مقصود جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ جوں جوں ضرورتیں وسیع ہوتی گئیں احکام باری تعالے بھی اسی صورت سے نازل ہونے لگے حالانکہ ایک حکم دوسرے حکم کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ضرورتیں حضرت رسالتمآب کو پے در پے تمام زمانہ زندگی لاحق ہوتی رہیں کیا اب وہی ضرورتیں آپ کی اُمت مرحومہ کو نہیں لاحق ہوتی ہیں مسلمانوں کی حالت اس کرۂ ارض پر کیا بلحاظ قوت و ثروت اور کیا بلحاظ علم و دولت اور کیا بلحاظ حکومت و عظمت بالکل مختلف ہے اور وہ اس دنیا کے مختلف ممالک میں نئی نئی صورت اور طرح سے اپنی زندگی گزار رہے ہیں جب یہ کیفیت ہے اور قرآن مجید نے انسان کی مختلف حالتوں کا کامل طور سے پاس و لحاظ کیا ہے پھر کتنے غضب کا مقام ہو گا کہ ہم ایک صورت کی آیتوں کو تو مانیں اور دوسری صورت کی آیتوں کو منسوخ کہدیں۔ وہ طول طویل نحوی اور منطقی بحثیں جو ناسخ کی تفسیر میں ہمارے علمائے مفسرین نے کی ہیں شاہ صاحب کی دو لفظی تحریر سے اُس کا فیصلہ ہو گیا کہ پہلے صرف نبوت ہی نبوت تھی اور بعد میں نبوت کے ساتھ خلافت کی آمیزش ہو گئی یہی اُس آیت کے معنی ہیں کہ اُس کے مساوی بھی ہوا اور اس سے بہتر بھی ہوا۔ شاہ صاحب اس کے قایل نہیں ہیں کہ اتنی آیتیں منسوخ التلاوۃ ہیں اور اتنی نہیں ہیں بلکہ آپ کا جو اصلی منشا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اوامر باری کا اتار چڑھاؤ تبدیل حالات اور زمانہ سے ہوا ہے اور یہی ایک کتاب ہے جو قیامت تک انسان کے تبدیل حالات پر صادق آتی رہے گی۔

اب ایک بحث یہ باقی ہے کہ پہلے حضرت رسالتمآب نے بیت المقدس یعنی یہودیوں کے کعبہ کی طرف سجدہ کیا اور پھر اسلام کا سجدہ گاہ علیحدہ قایم کیا اس میں کیا حکمت تھی اور کونسا ایسا راز تھا کہ خداوند تعالے نے کبھی یہ فرمایا۔ یہ دونوں حکم آپسمیں ضد ہیں پس ضرور ہوا کہ پہلا حکم منسوخ اور دوسرا حکم ناسخ قرار دیا جائے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ان دونوں آیتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا نام نہیں ہے اور اپنی اپنی جگہ درست اور مناسب ہیں۔ یہ قدرت باری تعالے کا ایک راز ہے جسے صاحب بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام جبکہ قوانین قدرت کی بیاض قرار دیا جاتا ہے تو لازم ہوا کہ اس کا کوئی حکم قانون قدرت کے مخالف نہ ہوا گر ابتدا ہی سے کعبہ ہی کی طرف سجدہ کیا جاتا اور اخیر زمانہ نبوت تک یہی حکم بجا رہتا تو ضرور یہ لازم آتا کہ خدا ایک ہی جگہ مقید ہے اور ایک مقررہ طرف سجدہ کرنے سے خدا کو سجدہ ہو سکتا ہے اور اگر انسان ایسی جگہ چلا جائے جہاں سمت کعبہ کی تعین نہ کر سکے تو اُس کا سجدہ کرنا ایک فضول امر ہے اس بات کو مٹانے اور اس قید کو توڑنے کے لئے خداوند تعالے نے پہلے اپنے نبی سے بیت المقدس کی طرف سجدہ کرا دیا اور پھر کعبہ کی طرف اور صاف طور پر قرآن مجید میں اس کی تشریح بھی کر دی کہ خدا کا منہ ہر طرف ہے اور وہ ذات تمام کائنات پر محیط ہے۔

دوسری وجہ جو خداوند تعالے نے اس کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ سچے اور بناوٹی مسلمانوں کی آزمایش تھی کہ آیا وہ بھی قبلہ کے بدلجانے پر نبی کا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں اس سے ایک یہ بات اور بھی مستنبط ہوتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنا اور کعبہ کی طرف سجدہ کرنا یکساں ہے صرف آزمایش کے لئے کیا گیا تھا چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

ہیں کوئی حدیث اگر وہ اس کے معارض آکے واقع ہو حقیقت نہیں رکھتی مگر ہم دوسرے حصہ کو نہیں مانتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی ثبوت تواتر سے اس کا نہیں پہنچا کہ آپ ایسا فرما سکتے تھے جبکہ توراۃ و انجیل کے ماننے والے گروہ موجود تھے اور جو اپنی کتابوں کو نہایت وثوق سے بار بار پیش کرتے تھے اور اُن کی پیش کردہ کتابوں پر خدا کی طرف سے یہ الزام رکھا جاتا تھا کہ تم بدل بدل کے پڑھتے ہو لکھا کچھ ہے اور سناتے کچھ ہو ایسی حالت میں اور ایسے سخت معرکہ میں قرآن مجید کی نسبت یہ فرمانا کہ اس کی بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں ایک مستبعد امر ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ مقابلہ کی کتاب کے لئے ایسا کہا جا سکے

ہماری اس بحث کے بعد بھی جو لوگ قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ کو دخل دیں دیا کریں ہمیں اُن سے نہ کچھ شکایت ہے نہ اُن پر ہم جبر کرتے ہیں مگر ہاں جو ہماری التجا ہے وہ یہ ہے کہ تقلید کی قدیم پٹی آنکھوں سے کھول کے ہماری اس بحث کو دیکھیں سمجھیں اور اس پر غور کریں اگر اُن کا اطمینان ہو جائے تو مانیں نہ اطمینان ہو تو ہمیشہ تک اپنی تلاش میں سرگرم رہیں شاید یہ دیرینہ شکوک اُن کی طبایع سے مٹ جائیں اور انہیں حقیقت کا راستہ معلوم ہو جائے ایک محقق کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ خاص کسی مفسر یا چند مفسروں کی رائے پر تکیہ کرے اور اپنے علم سے کچھ بھی کام نہ لے نہ اہل علم کا یہ شیوہ ہے نہ ہمارے علمائے دین نے کبھی ایسا کیا۔ عام طور پر منجملہ اور مسائل دینیہ کے مسئلہ ناسخ ومنسوخ نے عام مسلمانوں کے دل میں کچھ ایسا گھر کر رکھا ہے اور اُن کا اس مسئلہ پر ایسا واثق عقیدہ ہو گیا ہے کہ وہ سردست اُس سے انکار کر دینا علامت کفر خیال کرتے ہیں تاہم ہمیں مایوسی نہیں ہے اور امید ہے کہ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے کہ مسلمان زمانہ کی ضرورتوں کے ساتھ قرآنی معارف کو محسوس کرنے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کلام خدا کی باریکیوں تک پہنچنے کی تحقیق گزشتہ علما ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ قیامت تک وہ وہ باریکیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں گی جن کا پہلے سان وگمان بھی نہ تھا جیسا خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتب والحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون یعنی جیسا ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول بھیجے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کے سناتے اور تمہاری اصلاح کرتے اور تم کو کتاب (یعنی قرآن) اور عقل کی باتیں) سکھاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتلاتے جو پہلے سے تم کو معلوم نہ تھیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید سے ہمیشہ قیامت تک ایسے ایسے نکات حکمت کا ظہور ہوتا رہے گا جو پہلے سے معلوم نہ تھے۔ کوشش کرو اور کلام خدا کو غور سے پڑھو اور اپنی خداداد عقل سے کام لو۔ ابھی بڑے بڑے مطالب حل ہونے باقی ہیں اور ابھی وہ قومیں جو آئندہ مسلمان ہونگی اس سے اپنے تمدن اپنے خصوصیات اور اپنے محسوسات کے مطابق جلب منفعت کرینگی جنکا اس زمانہ میں سان وگمان بھی کسیکو نہیں ہے فقط

چلا جاتا ہے اور معرفت اسلامی کا عجیب لطف آتا ہے ۔ فی الحقیقت ہمارے شاہ صاحب بجائے خود مجتہد اعظم ہیں اور اُن کی واقفیت بہت سی باتوں میں معہودہ مجتہدوں سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے آپ کی ناسخ و منسوخ کی بحث کو پڑھنے والا آپ کی آزادی رائے اور جدت کا اندازہ کرلے گا آپ نے نہ کسی مفسر کا قول اپنی تائید میں پیش کیا اور نہ اُن کی بحثوں اور اختلافات پر کچھ رد و قدح کی بلکہ مختصر طور پر سادے جملوں میں اس لاینحل مسئلہ کو حل کر دیا جو صدیوں سے الجھا ہوا چلا آتا تھا ۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں آپ کی کسی بات سے اختلاف ہی نہ ہو اور ہم ہر مسئلہ کو بغیر ذاتی تحقیق کے مان لیں پھر بھی ہم پر فرض ہے کہ ہم ایسے شخص کی عزت کریں جو ہند میں اور ہند کے جگر دہلی میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی سلطنت کا نتیجہ ہے اور جب تک ہندوستان قایم اور یہاں اسلام باقی ہے شاہ ولی اللہ کو زمانہ نہیں بھلا سکتا

اسلام کا وہ زمانہ بھی ہمیں یاد ہے کہ اختلاف رائے خواہ کسی مسئلہ میں ہو سبب رحمت تھی اور اب ہم یہی زمانہ دیکھتے ہیں کہ اختلاف رائے کا نام جانی دشمنی قرار دی گئی ہے ۔ کسی کی رائے کو نہ ماننا اور اُس پر نیک نیتی سے بھی نکتہ چینی کرنا ایک غضب مول لینا ہے ۔ جن بزرگان دین کے اختلافی مسائل پر ہم اس زمانہ میں کٹے مرتے ہیں ان ہی مسایل کے اختلاف پر اُن بزرگوں میں کامل اتحاد تھا اور وہ ایک دوسرے کی عزت و وقعت اپنی عزت و وقعت پر مقدم سمجھتے تھے اختلاف ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے اور اسی اختلاف کے صدقہ میں بکثرت علوم کی مسلمانوں میں بنیاد پڑی ہائے اب ہم اُس زمانہ مسعود و محمود کو کہاں سے لائیں اُسے کدھر ڈھونڈیں اور وہ ہمیں کیوں کر مل سکتا ہے ۔ ہمارے جتنے فضائل تھے وہ دوسری قوموں نے اخذ کر لئے اور غیر اسلام کی جتنی بُرائیاں تھیں وہ ہم نے لے لیں اور پھر ہم برباد ہو گئے ۔

ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہمیں لکھنا تھا لکھ چکے اور ہمیں خیال ہے کہ ہماری یہ بحث موجودہ حالت میں ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کرے گی ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور اس لئے ہمیں موجودہ علما کے سب و شتم کی کچھ پروا نہیں ہے ہمارا ایمان ہمارا یقین ہرگز اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ ہم قرآن کریم میں نسخ کو دخل دیں جب کہ ہم مان چکے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں تبدیلی ہونی ممکن نہیں خدائے تعالیٰ کی عادت مستمرّہ یہ ہے کہ جو قوانین اُس نے روز ازل میں مقرّر کر دیئے ہیں وہ کبھی بھی نہیں بدلنے کے ۔ ہم روزمرّہ کے مشاہدوں سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں اگر ہم اُس کے حکم کے مطابق کائنات میں غور و خوض کریں کہ کب اور کس زمانہ میں اُس کا قانون بدلا اور کس نے بدلتے دیکھا ۔ دنیا میں جب سے انسانی تواریخ کا کھوج ملتا ہے کبھی بھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ بغیر ابر کے پانی برسا ہوا اور بغیر نیکی کئے کوئی شخص مدارج اعلےٰ پر پہنچ گیا ہو یا بغیر آفتاب کے دھوپ نکلی ہو جب یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں تسلیم کرنی پڑے گی پھر کیوں اور کس لئے ہم قرآن مجید میں جو درحقیقت قدرت کی ایک بیاض ہے ناسخ و منسوخ کو دخل دیتے ہیں اور خود اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں ۔ ہمارے شاہ صاحب موصوف نے جو ایک حدیث اپنی بحث نسخ میں نقل کی ہے کہ میرے اقوال کا قرآن مجید ناسخ ہے اور قرآن میں خود بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں ۔ اسے ہم افسوس ہے کہ نہیں تسلیم کرتے نہ ہمیں اس حدیث کی صحت کی کوئی سند ملی اور اگر سند بھی مل جائے پھر بھی خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی ایک حصہ تو اس حدیث کا صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ

کی جتنی کتابیں معہ ان الہامی کتب کے جو یہود و نصاریٰ اور ہنود و زردشت پیش کرتے ہیں وہ سب کسی نہ کسی ایک ہی قوم کا مذاق پورا کرتی ہیں اور دوسری قوم کے لوگ اُن سے کچھ بھی مذاق حاصل نہیں کر سکتے اب ان الہامی کتابوں کی بھی دو قسمیں ہیں ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں نہیں ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں ہیں دونوں کی حالت یکساں ہے جو اصلی زبان میں نہیں ہیں اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن میں روزمرہ نئی نئی اصلاحیں ہوتی ہیں اور نئی نئی باتیں گھٹائی بڑھائی جاتی ہیں مگر جو اپنی اصلی زبان میں ہیں اُن کی حالت اور بھی قابل رحم ہے کیوں کہ اُن کتابوں پر جن پر کروروں آدمیوں کا ایمان ہے شاید فی کرور نہ سہی فی پچاس لاکھ بمشکل ایک ایسا کوئی نکلے گا جو اُن کے مطالب پر کامل عبور رکھتا ہو اور اسیطرح فی کرور ایک بھی ایسا نہیں نکلنے کا جو حلفاً اس بات کا اقرار کرے کہ میں نے کئی بار نہ سہی ایک ہی بار اپنی کتاب کو اول سے اخیر تک سمجھ کے پڑھا۔ مثال میں ہم وید اور ژندوستا کو پیش کرتے ہیں۔ وید کی زبان کے جاننے والے دو مقامات ہند پر اب بھی پائے جاتے ہیں۔ بنارس اور دکن میں مگر دکن کے پنڈت بدرجہا بنارس کے پنڈتوں سے قابل سند ہیں اور ان کا تلفظ بھی درست ہوتا ہے مگر یہ سن کے تعجب ہوگا کہ پندرہ سولہ کرور ہندوؤں میں بمشکل پندرہ بیس پنڈت وید کے سمجھنے اور پڑھنے والے ہوں گے دس بیس اشلوک کا حفظ یاد کر لینا وید جیسی ضخیم کتاب پر حاوی ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا پنڈتوں کی یکنائی کی وجہ ہے کہ بعض اوقات مدراس وغیرہ کے دار العلوموں کی طرف سے مسلمان سنسکرت زبان کے ممتحن بنے ہیں یہ تو وید اور اُس کے معتقدوں کی صورت ہوئی اب سنئے ژندوستا اور اُس کے معتقدوں کی حالت اور بھی قابل افسوس ہے اول تو دنیا میں پارسیوں کی تعداد بہت کم دوسرے ان میں تو شاید ہی کوئی شخص اُس زبان کو سمجھتا ہو جس میں ژندوستا موجود ہے۔ وہ لوگ جو اُن کی مذہبی طور پر غم و شادی کی تقریبات میں مدد دیتے ہیں دستور کہلاتے ہیں مگر اُن کی حالت ایسی خراب ہے کیا بلحاظ وقعت کیا بلحاظ علم و عزت کیا بلحاظ اتقا و پرہیز گاری کہ اُن کی ذرہ برابر بھی وقعت اُن کے معتقدوں کے دل میں نہیں ہے بس وہ اسی لئے موزون ہوئے ہیں کہ دخمہ کی نگرانی کریں آتشکدے کی آگ نہ بجھنے دیں اور مردوں کو اُٹھا اُٹھا کے بیر کنوؤں میں رکھیں اور بس ان کی عام شکایت سنی جاتی ہے اور پارسی ان کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم نے بارہا ایسا دیکھا ہے کہ ایک پارسی نے جب اپنے مقابل کو ذلیل کرنا چاہا تو یہ کہہ دیا کہ دستور زادہ یعنی مردوں کا مال کھانے والا جب یہ کیفیت ہے تو پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ ژندوستا کہاں ہے اُسے کوئی دیکھتا بھی ہے یا صرف اُس کا نام ہی نام ہے اور بھی پارسیوں میں ایک فرقہ ہے جسے موبد کہتے ہیں مگر ان میں پڑھے لکھے نہیں دیکھے۔ پارسی بالکلیت اپنے مذہب کو بھول گئے اور سوا سے چند فقروں کے جو انہیں ابتدا میں سکھا دیئے جاتے ہیں وہ اور کچھ جانتے ہی نہیں یہ تو دنیا کے مذاہب کی الہامی یا سماوی کتب کی کیفیت ہوئی اب سنئے قرآن مجید کی حالت۔ دنیا میں جہاں جہاں اسلام موجود ہے اور شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو گا جہاں اسلام نے اپنے قدم نہ جمائے ہوں بہت سے لوگ قرآن کریم کے حافظ نکلیں گے۔ یورپ ایشیا افریقہ اور چین کے باشندے جب کہ اُن کی زبان الگ اُن کے خیالات جدا اُن کے محسوسات علیحدہ اُن کا تمدن اور معاشرت غیر پھر کیا بات ہے کہ وہ قرآن مجید سے یکساں مذاق حاصل کرتے ہیں اور کیوں اور کس وجہ سے اُن کی مادری زبان قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اُسے عربی لہجہ میں پڑھنے سے مانع نہیں آتی کیا یہ اس پاک

گیارھواں باب

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت

سوائے قرآن مجید کے دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہوں یہ شرف اسی پاک کتاب کو ملا ہے اور ملنا بھی چاہیئے تھا کیوں کہ یہ تعلیم معرفت کی مکمل کتاب ہے اور اسی پر توحید پرستی کی حجت ختم ہو گئی ہے۔ خداوند تعالےٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیا مبعوث فرمائے مگر ان قوانین قدرت کے مطابق جو وہ اول روز سے مقرر فرما چکا تھا اس نے اول ہی اول معرفت اور تمدن کے ابتدائی مدارج کی تعلیم فرمائی اور یہی زیبا بھی تھی وہی احکام بیان فرمائے جو ان کی ناپختہ فطرت اور ابتدائی حالت کے لئے زیادہ موزوں تھے مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تعلیم خداوندی میں ترقی ہوتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ محمد عربی رسول خدا فخر رسل مبعوث ہوئے اور حضور ہی کی ذات اطہر و اقدس پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا ضرور تھا کہ فخر رسل کو کتاب بھی وہ دی جاتی جو سرتاج کتب سماوی ہوتی اور نہ صرف اُس کا مفہوم ہی باری تعالےٰ سے ہوتا بلکہ اُس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوتے اور اس طرح گویا معرفت الٰہیہ اور انسان کی اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم اور ساتھ ہی تمدن انسانی کے بہترین مدارج کا خاتمہ ہو گیا ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہم ایک حد تک اسے ثابت بھی کریں گے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے اور وہ امتیازی طور پر اس کتاب پاک میں پایا جاتا ہے جس سے بعد ازاں خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ایسی صریح بات سے انکار کرنا اپنے کو تعصب اور جہالت کے تاریک گڑھے میں پھنسانا ہے

ہمیں فخر ہے کہ علاوہ اُن اعلےٰ درجہ کے معارف کے جو قرآن مجید میں مضمر ہیں معجزہ فصاحت و بلاغت بھی ایک بلند اور سب سے بلند پیمانہ پر رکھا گیا ہے اور ایسی کتاب کے لئے جس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوں اس کی بہت ضرورت تھی۔ ہم ہرگز بعض جدید مفسروں کی طرح قرآنی فصاحت و بلاغت پر ناک بھوں نہیں چڑھانے کے نہ اُسے غیر ضروری خیال کریں گے بلکہ ہمارا یقین ہمارا ایمان اور ہماری علمی قابلیت ہمیں اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم مثل اور معجزوں کے فصاحت و بلاغت کو بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ تسلیم کریں اور دکھائیں جس کتاب میں فصاحت و بلاغت نہیں وہ مثل بے جان جسم کے ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب خواہ وہ کسی زبان میں ہو اگر فصیح یا بلیغ نہیں ہے تو محض بے سود ہے کوئی شخص نہ اُسے دیکھے گا اور اگر دیکھے گا تو اُس سے متاثر نہیں ہونے کا۔ دنیا کی کل زبانوں کے مصنف کبھی کامیاب نہ ہو سکے جب تک اُن کے کلام میں روح یعنی فصاحت نہ ہوئی ہومر کیوں اتنا مشہور ہوا اور کیوں اُس نے غیر معمولی کارنمایاں کئے محض اپنے کلام کی فصاحت سے ملٹن اور شیکسپیر پر کیوں انگلستانی فخر کرتے ہیں محض اس لئے کہ مطالب کی بلند پروازی کے علاوہ اُن کے کلام میں فصاحت و بلاغت بھی تھی۔ اسی طرح ہر زبان کے جتنے مشہور شاعر یا نثار گزرے ہیں سب میں کم و بیش جوہر فصاحت کا ہونا لازمی تھا۔ مشرقی دنیا میں کالیداس (ہند میں) سعدی نظامی۔ فردوسی (ایران میں) کیوں مشہور ہوئے محض اس وجہ سے کہ اُن کا کلام ایک حد تک زیور فصاحت سے بہت ہی مزین تھا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا

بعض نے فصاحت کلام میں یہ بھی شرط کی ہے کہ ایک چیز بار بار نہ کہی جائے اور اس میں پے در پے اضافتیں بھی نہ ہوں۔ اور متکلم فصیح اُسے کہتے ہیں جسمیں ایسی طاقت ہو کہ اُس کے سبب اپنا مطلب فصیح عبارت میں بول سکے اور کلام بلیغ وہ ہے کہ کلام فصاحت کے ساتھ مقام وحال کی مطابقت سے بولا جائے اور چونکہ مقامات اور حالات مختلف ہوتے ہیں اسلئے کلام کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور متکلم بلیغ وہ ہے جس میں ایسی طاقت ہو کہ وہ کلام بلیغ بول سکے۔

اس مختصر توضیح سے یہ تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ فصاحت وبلاغت کسے کہتے ہیں اور آیا یہ دونوں صفتیں فی الحقیقت ہر کلام کی خواہ وہ نثر ہو یا نظم جان ہوتی ہیں یا نہیں۔ زمانہ نبوت کے بڑے بڑے فصحا اور کملا جو اپنے عہد کے محاورات اور مواقع بلاغت سے خوب ماہر تھے قرآن مجید کی تحدی کو تسلیم کر چکے ہیں اور اس کے اعجاز بلاغت پر اُنہوں نے سر خم کر دیا ہے علمائے اسلام نے جہاں قرآن مجید کے ہر امر میں تحقیق کی ہے وہاں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ وہ کون کون چیزیں اور کیا کیا اسباب ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو معجزہ کر دیا اور کسی سے اُس کا معارضہ نہ کیا گیا۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں جملہ الفاظ پے در پے نہایت فصیح اور شیریں ہیں اور بلا تعقید سب کے معنی بھی فوراً ذہن میں آجاتے ہیں بس یہی امر باعث اعجاز ہے۔

بعض کا بیان ہے کہ اُس کی نظم تالیف برصیف واسلوب ایک ایسے نئے انداز وطرز جدید سے ہے کہ یہ بات نہ اشعار عرب میں تھی نہ رجز اور خطب میں۔ بعض کا قول ہے کہ باوجود خوب اسلوب ہونیکے کہیں ذرا سا بھی عیب نہیں اور آدمی کی اتنی بڑی کتاب میں کہیں نہ کہیں عیب ہو جاتا ہے۔

بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ اُس میں جملہ اقسام کی فصاحت وبلاغت ہے اور اول سے اخیر تک سب عبارت یکساں چست ہے نہ کہیں سقیم ہے نہ کہیں سست اور بشر کی عبارت میں اگرچہ کہیں کچھ عیب وسقم بھی نہ ہو تاہم سب یکساں چست نہیں ہوتی

بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ الفاظ فصیحہ کے ساتھ اس خوبی سے مطلب اور مقصود کو ادا کیا ہے کہ جس میں کہیں تعقید لفظی اور معنوی نہیں اور ہر مطلب کو ایسا مقتضائے مقام کے موافق بیان فرمایا ہے کہ فوراً ذہن نشین بلکہ دل پر تاثیر کرتا ہے۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ چونکہ حضرت رسالت مآب بغیر تعلیم وتلمذ ایسی عمدہ عبارت فرماتے تھے اس واسطے اعجاز تھا۔

بعض کا یہ بیان ہے کہ قرآنی الفاظ فصیحہ اور تالیف رشیقہ کے سبب اعجاز نہیں کیونکہ یہ الفاظ ہی تھے جن کو سب عرب بولتے تھے اور اس قسم کے مرکبات بھی عرب بولتے تھے بلکہ اخبار غیب، حالات گذشتہ، قصص ماضیہ، احوال مبدا ومعاد، دلایل باہرہ، براہین قاطعہ اور حکم واضحہ کے سبب اعجاز ہے

نظام کہتا ہے کہ حق تعالےٰ نے بنظر اعجاز نمائی کفار عرب سے ملکہ فصاحت اور قدرت بلاغت کو مسلوب کر دیا تھا یعنی ایسی عبارت بولنے سے اُن کی زبان روک دی تھی اسواسطے اُن سے ایسی عبارت نہ کہی گئی نظام کے قول کی عربی عبارت یہ ہے جو اتقان میں علامہ سیوطی نے نقل کی ہے۔

کتاب کا بہت بڑا معجزہ نہیں ہے؟ کیا تھوڑی دیر کے لئے قومی تعصب سے علیحدہ ہو کے ہم اس زبردست راز پر غور نہیں کر سکتے جو روز ازل سے اس فرقان حمید میں مضمر رکھا گیا ہے۔ پیکن پایۂ تخت چین کا رہنے والا جس سے ملک عرب بعد المشرقین کے فاصلہ پر آکے واقع ہوا ہے کیوں اس بیاض قدرت کی عربی زبان پر فریفتہ ہے اور کیوں اسے یہ لوح محفوظ کا نوشتہ ازبر ہے اور وہ کیوں ایک حجازی تعلیم یافتہ عرب کے مطابق اس کے مقاصد پر عبور رکھتا ہے۔ کیوں ایک وسطی افریقہ کا وحشی باشندہ وجد سے قرآن پڑھتا اور اسے حفظ رکھتا ہے ان سوالات کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ یہ کلام خدا ہے اور اس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت جس طرح ایک یورپی مسلمان نے تسلیم کی ہے اسیطرح شامی اسیطرح ہندی اور اسیطرح چینی اور افریقی مسلمان نے کیا وجہ ہے کہ جب تک کسی قوم کا آدمی مسلمان نہیں ہوتا مہینوں کی محنت کے بعد بھی قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی آیت بھی اسے یاد نہیں ہو سکتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو وہ اسے عام مجمع میں نہیں پڑھ سکتا اور جہاں وہ مسلمان ہوا اور تمام معرفت و حقیقت کے راستے کھل گئے اور اگر اس نے برس ڈیڑھ برس توجہ کی تو سارا قرآن ہی ازبر ہو گیا۔ یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بہت بڑی توجہ اور عقل کی محتاج ہیں مدوشن ضمیری سے کام لو تھوڑی دیر کے لئے تعصب کی پٹی کو آنکھوں سے کھول کر بغور پڑھو دیکھو اور توجہ کرو سنتے ہی کسی بات کو لغو اور غلط نہ کہو بلکہ اس کی صداقت کا نہایت تن دہی سے کھوج لگاؤ اور بغیر تحقیق و جستجو کبھی کسی چیز پر غلط ہونے کا الزام لگا کے نادانوں میں نہ داخل ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کیا چیز ہے اور کلام میں ان صفات کی ضرورت کہاں تک ہے اور آیا کوئی کلام بغیر اس کے عمدہ کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فصاحت و بلاغت کی تعریف جاننے کے بعد خود بخود اس کا جواب ہو جائیگا فصاحت لفظ مفرد یعنی کلمہ اور کلام اور عبارت اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے اور بلاغت صرف کلام اور متکلم تک محدود ہے کلمہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں پس لفظ مفرد کو بھی فصیح کہتے ہیں اور کلام کو بھی فصیح کہتے ہیں اور شخص متکلم کو بھی فصیح کہتے ہیں کلمہ کیلئے بلیغ کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا ہاں کلام اور متکلم کو بلیغ کہتے ہیں۔

کلمہ فصیح اسے کہتے ہیں جس میں متنافر حروف نہ ہوں تاکہ تنافر کے باعث کلمہ بولنے میں زبان پر ثقیل اور تلفظ میں دشواری ہووے اور یہ بھی اسی کے ساتھ ہے کہ کلمہ غریب یعنی وحشی نہ ہو۔ وحشی اس کلمہ کو کہتے ہیں کہ ان خالص عربوں کے نزدیک جن کی عربی معتبر اور مستند ہے اس کے معنی ظاہر نہ ہوں اور نہ وہ ان کے استعمال اور بول چال میں ہو اور نیز قواعد مقررہ لغت کے خلاف نہ ہو۔

کلام فصیح اس کو کہتے ہیں کہ جس میں ہر ایک کلمہ فصیح ہو اور باہم کلمات متنافر اور ثقیلہ بھی نہ ہوں اور کلام مشہور نحوی قاعدہ کے خلاف بھی نہ ہو اور اس میں کسی قسم کی تعقید لفظی و معنوی بھی نہ ہو۔ تعقید کے یہ معنی ہیں کہ عبارت اپنے معنی پر کھلم کھلا دلالت نہ کرے کسی خلل کے سبب جو اس کی نظم میں واقع ہوا ہے اور نظم میں خلل اس طرح ہوتا ہے کہ لفظوں کی ترتیب کسی لفظ کے مقدم ہونے یا مؤخر ہونے یا اضمار قبل الذکر یا کسی اور سبب سے معلوں کی ترکیب پر نہ ہو اور وہ ایسی عبارت ہو جائے کہ سامع کا ذہن فوراً مرادی معنی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

اور بلیغ جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں قرآن مجید ہی کے اعجاز سے ایمان لائے تھے۔

عرب میں اُس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا دریا بہ رہا تھا۔ اور اُن کی بزرگی اور عظمت علاوہ حسب و نسب کے اسی شاعری پر بہت موقوف تھی کچھ اہل حجاز ہی پر یا قریش پر فصاحت موقوف نہ تھی بلکہ غیر قریش اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے سبعہ معلقہ والا قریشی نہ تھا۔ پچاس قبایل کے شعرا کا ڈنکا تمام عرب میں بج رہا تھا جن میں چند حسب ذیل ہیں:—

کنانی۔ تغلبی۔ بکری۔ ہذلی۔ تمیمی۔ عبسی۔ نخعی۔ کندی۔ قیسی۔ مری۔ ذبیانی۔ شیبانی۔ ثعلبی۔ طائی۔ یشکری۔ مزنی۔ خثعمی۔ مازنی۔ ان ہی پچاس قبائل کے شعرا کی دھوم تھی اور ان ہی کا بہت بڑا عروج تھا۔ ان کا کلام اس قدر مستند ہے کہ بعد از اسلام بھی مسلمانوں کے دار العلوم میں پڑھایا گیا اور ہنوز ان کی درس و تدریس جاری ہے۔ اگرچہ ان کے محاورات میں باہم بعض مقامات پر اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف عیب میں داخل نہیں ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں وحشی اور غریب کا استعمال ہوا ہے کیوں کہ جو الفاظ اور جو محاورہ ایک قبیلہ کے ہاں متروک ہے وہی الفاظ اور وہی محاورہ دوسرے قبیلہ کے ہاں رائج ہے۔ کتب فصاحت میں تو وحشی اُس لفظ کو کہتے ہیں جو شیریں نہ ہو اور ذوق سلیم اُس کی ترکیب حروفی سے تنفر کرے یا یہ کہ مستندین زبان کے نزدیک مانوس الاستعمال نہ ہو اور غریب اُس کلمہ کو کہتے ہیں جو مستندین زبان کے نزدیک مشہور الاستعمال نہ ہو یا یہ کہ مانوس الاستعمال نہ ہو اور اُس کے معنی بھی کھلے ہوئے نہ ہوں۔ بہرحال الفاظ کی وحشت و غرابت اُن اہل عرب کے استعمال پر موقوف ہے جن کی عربی موثق اور مستند ہے نہ صرف قریش کے استعمال پر اور نہ صرف اہل حجاز پر۔ پھر علمانے وحشی کی دو قسمیں کی ہیں ایک غریب حسن دوسرے غریب قبیح ہاں جو الفاظ کہ بوجہ تنافر حروفی وغیرہ کے ذوق سلیم میں متنفر ہوں وہ غیر فصیح سمجھے جائینگے گو مستندین زبان کے استعمال میں ہوں کیونکہ اثبات فصاحت کے واسطے صرف محاورہ و استعمال مستندین زبان ہی کافی نہیں بلکہ دیگر شروط بھی مقرر ہیں جن کے باعث بھی عدم فصاحت ہو جاتی ہے کتب لغت سے ظاہر ہے کہ ان قبائل کے محاورات میں بہت کم فرق تھا مثلاً بقی اور رضی مکسور العین کو قبیلہ طے والے مفتوح العین پڑھتے ہیں اور وعیت مجهول العین کو وعت اور بادیہ کو باداۃ پڑھتے ہیں اور اہل عالیہ لفظ وتر کو بمعنی فرد بالکسر اور بمعنی کینہ بالفتح بولتے ہیں اور اہل حجاز برعکس لفظ مسکن کو تمام عرب مکسور العین پڑھتے ہیں اور اہل حجاز مفتوح العین اور بنی تمیم تضعیف میں ہمیشہ ادغام کر کے پڑھتے ہیں (صحاح اتقان)

قبل از اسلام اہل مکہ اور غیر قبائل میں باہم مشاعرات و مباحثات ہوا کرتے تھے اور طرفین کے کلام میں مقابلہ ہوا کرتا تھا یہ اُن کے اچھے کلام کو پسند کرتے تھے اور یاد کرتے تھے اور وہ ان کے اچھے کلام کو پسند کر کے حفظ کر لیتے تھے ان کی زبانوں میں کوئی بیّن مغائرت یا اختلاف نہ تھا جبل عرفات کے نیچے مکہ معظمہ کے پاس برسویں دن ایک بازار لگتا تھا۔ بڑی بھاری تجارت ہوتی تھی صدہا کوس سے مال تجارت یہاں لا کر فروخت کیا جاتا تھا اور ایک عجیب چہل پہل ہو جاتی تھی اس کے علاوہ بڑا فائدہ یہ تھا کہ عرب کے ادنےٰ سے ادنےٰ قبیلہ کی برائی بھلائی آناً فاناً میں تمام عرب میں پھیل جاتی تھی اُن کی معاشرت سیدھی سادی اور صاف اور بے لوث تمدن تھا جس طرح کسی زمانہ میں یونان میں پہلوانوں کا دنگل بندھا کرتا تھا اور بڑے کشتی گیر اور شہسوار دنگل میں زور آزمائیاں اور اسپ تازیاں کیا کرتے تھے یہاں انکے مقابلہ میں شعرا کا یہ ہوا کرتا تھا اور اُن کی بلند خیالی کے گھوڑے دوڑے کرتے تھے۔ تمام بدوی دور دور کے مسافر

حیث قال ثم زعم النظام ان الاعجاز بالصرفة ای ان اللہ صرف العرب عن معارضة وسلب عقولهم وکان مقدورا لهم لکن عاقهم امر خارجی فصار کسائر المعجزات" جتنے اقوال ہم نے نقل کئے ہیں ان پر ایک عام نظر کرنے سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کا خواہ من حیث الفصاحت خواہ من حیث المعنی سب نے اعجاز مانا ہے اخیر میں نظام کے قول کی اگرچہ قرآن مجید سے تصدیق نہیں ہوتی تاہم یہ ضرور کھلتا ہے کہ اُس پر قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا اعجاز اس قدر چھا گیا اور وہ اُس کی بے نظیر ترتیب میں ایسا محو ہوا کہ اُس نے بیساختہ یہ کہدیا کہ فصحائے عرب کیا خاک قرآن مجید کے مقابل میں کچھ کہسکتے جبکہ خداوند تعالے نے اُن کی قدرت فصاحت کو سلب کر لیا تھا۔ قدرت فصاحت کے سلب کرنے کے یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ اُن پر ایسا رعب بیٹھا کہ اُن کی سٹی گم ہوگئی اور اُن کا زہرہ نہیں رہا کہ وہ ایک جملہ بھی قرآن مجید کے مقابلہ میں کہنے کی جرأت کرتے۔ ایسے واقعات جو روزمرّہ ہماری آنکھوں کے آگے ہوتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا اپنے سے بڑے عالم سے مقابلہ ہوتا ہے تو اُس کے رعب میں آکے رہی سہی قابلیت اور طلاقت لسانی بھی جاتی رہتی ہے اور وہ گم ہم آنکھیں پھاڑے ہوئے تکا کرتا ہے تو اُس وقت کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا خاموش ہوا اور خدا نے اُس کی ایسی سٹی گم کی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا بعینہ یہی مطلب نظام کے قول کا ہے اور اگر اس قول کو واقعات پر مبنی سمجھ کے اس پہلو سے دیکھو کہ فی الحقیقت خداوند تعالے نے ان کی قدرت فصاحت سلب کرلی تھی تو اس کی تکذیب جیسے خود قرآن مجید کرتا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے "قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا" اس آیت میں لفظ "اجتمعت" اور "ظهیرا" سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالے نے مشرکین سے قدرت فصاحت مسلوب نہیں کی تھی کیونکہ قدرت کے سلب ہونے کی حالت میں اُن کا اجتماع و استظہار مثل اموات و جمادات کے بیکار تھا بھلا ایسی مجبوری میں مجتمع ہو کے کیا کرلیتے اور باہم دگر کیونکر اصلاح عبارت تعلیم اور مشورہ کرتے یہ امور تو اسیوقت کار آمد تھے جبکہ اُنہیں اُنکی جبلّی اور اصلی قدرت فصاحت باقی رہتی۔

بات یہ ہے کہ قرآن الفاظ فصیحہ وعذبہ اور اسلوب جدیدہ و پسندیدہ اور نظم رشیقہ اور تالیف انیقہ اور ادائے مطالب بلا تعقید اور مطابقت مقتضائے مقام بلا عیب وخلل ہو کے سبب اعجاز ہے اور دوسرا اعجاز اخبار غیب وقصص ماضیہ اور پیشین گوئیاں ہیں جن سے کلام پاک پُر ہے۔

یہی علمائے محققین اور حذاق کا مذہب ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز بیان کرنے میں علماء کا اختلاف اسبات کی دلیل ہے کہ قرآن سرتاپا اعجاز ہی اعجاز ہے کیونکہ جس عالم کی قرآن کے جس پہلو پر نظر پڑی اُس نے اسی کو بہت بڑا اعجاز سمجھا کسی کا خیال ہے کہ الفاظ ہی شیریں ہیں کوئی کہتا ہے کہ نظم وترتیب ہی نہایت عمدہ ہے کوئی بیان کرتا ہے کہ اخبار غیب ہی باعث اعجاز ہیں۔ قرآن کے اس اعجاز نے نہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا مفتوں بنایا تھا بلکہ دشمنان اسلام کو بھی اپنا شیدا کر لیا تھا۔ وہ فصحائے عرب جو مسلمان نہیں تھے بلکہ مسلمانوں اور بانئے اسلام سے عداوت رکھتے تھے قرآن کی سحر بیانی پر سٹے ہوئے تھے اور اپنے مذاق کے مطابق اُس کو سحر کہتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا رہنے والا اخیر مسلمان ہونے پر بھی قرآن مجید کو سحر کہتا تھا۔ لبید بن ربیعہ قبل اسلام یعنی حالت کفر میں تحدی قرآن کو حق سمجھ کے مسلمان ہوگیا تھا۔ اسیطرح بہت سے فصیح

سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے اخرج ابو عبید من وجہ اخر عن ابن عباس قال نزل القراٰن بلغة الكعبين كعب قريش وكعب خزاعة قيل وكيف ذلك قال لان الدار واحدة لان خزاعة كانوا جيران قريش" یعنی ابو عبید نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قرآن دو کعب کے لغات پر نازل ہوا ہے ایک کعب قریشی دوسرا خزاعی کیوں کہ ان دونوں کی اولاد قریب قریب رہتی تھی۔ پھر آگے چلکے اتقان میں آیا ہے نزل القراٰن بلغة مضر لقول عمر نزل القراٰن بلغة مضر یعنی حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ قرآن لغت مضر میں نازل ہوا ہے اور بعض نے قبائل مضر کی یہ تفصیل کی ہے ہذیل۔ کنانہ۔ قیس۔ ضبہ۔ تیم الرباب۔ اسد بن خزیمہ۔ قریش۔

مگر ابو حاتم سجستانی کہتا ہے کہ قرآن لغت قریش۔ ہذیل۔ تمیم۔ اور ازد۔ ربیعہ۔ ہوازن اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے اور ثعلب اور ازہری۔ ابن عطیہ اور بیہقی وغیرہ ہم بہت علما اور محدثین کا قول ہے کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ یہی ابو صالح کی ابن عباس سے روایت ہے کہ قرآن کا نزول سات لغات پر ہوا ہے منجملہ ان کے پانچ قبائل عجز ہیں یعنی سعد بن بکر۔ جشم بن بکر۔ نصر بن المعاویہ اور ثقیف کہ یہ سب ہوازن ہیں۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ قرآن صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جلال الدین بن مالک کہتا ہے کہ قرآن لغات حجاز میں نازل ہوا ہے مگر قلیل الفاظ لغت تمیم کے موافق ہیں جس طرح یشاق اللہ ومن یرتد منکم عن دینہ میں ادغام ہے کیونکہ تمیم مجزوم پر ادغام پڑھتے ہیں۔ اور اسی طرح عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اہل لغت کا اول دن سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو لفظ غیر فصیح ہوتا ہے یا خاص کسی قبیلہ کا تو اس کی غیر فصاحت اور تخصیص کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً یہ لکھدیتے ہیں وتقول العامة وهذه لغة ردية وهذه لغة تميم هذه لغة هذيل لیکن قرآن مجید میں ایک لفظ بھی کسی کو غیر فصیح نہیں معلوم ہوا۔ نہ ہم کسی قسم کی بدگمانی جامعین لغت پر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بہت صفائی سے قرآن کے ان الفاظ کو جو ان کے نزدیک کسی قبیلہ سے مخصوص تھے اس کی خصوصیت کو ظاہر بھی کر دیا ہے اگر تعصب سے یہ بات نہ قبول کی جائے تو اہل لغات پر یہی الزام رکھیے کہ انہوں نے عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے کہ وہ سبعہ معلقہ۔ عقد ثمین اور حماسہ کو دیکھ لے کہ جس لفظ کو واسطی نے ایک قبیلہ کا محاورہ لکھا ہے اسی لفظ

فہم ۱۵۔ حماسہ جس کا ... ابو تمام حبیب بن اوس نے اپنی کتاب کو مفصلہ ذیل ترتیب دیا ہے۔

(۱) حماستہ ... کرمینہ ... بہادری شجاعت اور قوت رزم معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مراثی ... ب حاضر بار ... جسے عزیز اقارب کی مفارقت پر آہ و زاری ہوتی تھی۔

(۳) ... ارات سے کہیں اد ... جن میں ان کے طریق معاشرت اور ادب آداب کے مضمون تھے۔

(۴) نسیب ... من کینہ تیر و تفنگ کی طرح حرمان نصیبوں کے دلوں کو نشانہ بنانے والے اشعار جو عشق مجازی کا سچا نمونہ ہیں۔

(۵) ہجا۔ وہ ہجو جو حریف کو کاٹنے میں تیغ ہندی اور تیر خطی سے کم نہ تھیں۔

(۶) اضیاف و مدیح۔ مہمانداری اور مہمان نوازی کے متعلق برجستہ اشعار۔

(۷) صفات۔ عام صفت۔

نہایت سرگرمانہ شوق سے شعرا کے اس مجمع میں شریک ہوتے تھے اور انہیں بالطبع اس جلسہ سے مذاق حاصل تھا ان میں سے ایک شخص جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا اور جس نے اپنا حسب نسب یا اپنا نام کچھ بیان نہ کیا تھا دفعتاً اٹھ بیٹھتا تھا اور اپنے اشعار پڑھنے شروع کر دیتا تھا۔ ان خوش اسلوب اشعار کا مضمون شجاعت۔ جوش و خروش جدال و قتال فخر خاندان۔ رفاقت دوستانہ۔ سخاوت۔ مہمان نوازی۔ نیک نامی۔ دوامی فرحت مقام۔ دریاؤں کی روانی۔ جنگلوں کی ویرانی۔ کوہستانی وحشت۔ خوشنما جزیرے۔ سرسبز جنگل اور ٹیلے۔ سادات وادیاں۔ حیوانات کی وحشت۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی تعریف۔ عشق اور دل کی مایوسی۔ طبیعت کی پریشانی۔ خیالات کی بلند پروازی۔ صبر و استقلال کی شوکت۔ کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اشعار میں فطری مضامین کے سوا خیالی مضمون کا نام نشان بھی نہ ہوتا تھا جذبات دلی کی سچی کیفیت اور ان کا ابھار ہونے بہتر کسی نے نہیں بیان کیا ان کے اشعار سے مردہ دلوں میں زندگی کی نئی اور تازہ روح پیدا ہوتی تھی اور وہ نظرات انسانی کو صرف اپنے پرزور اشعار ہی کی وجہ سے قدرت کے بلند مقام پر پہنچا دیتے تھے صحرانوردی اور آزادی کی بے انتہا تعریف اور اس خداداد آزادی کے آگے سلطنت کو ہیچ سمجھنا یہ ان کے اشعار کا بڑا مفہوم ہوتا تھا۔ سادگی حسن بلکہ نفس حسن کی سچی تعریف میں بھی وہ ہرگز فروگزاشت نہ کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ ان کی شاعری تصنعات سے بالکل پاک اور بے لوث تھی۔ ان اشعار پر تحسین کی صدائیں اور آفرین کے نعرے ایک نئی جودت شاعر کے دل میں پیدا کرتے تھے۔ دلّی میں جو ہندوستان کا بہت بڑا جولان گاہ تھا اور جہاں بڑے بڑے شہسوار اسپ تازی کیا کرتے تھے ایک شہسوار کو موتیوں کی لڑیوں کے انعام دیے جاتے تھے مگر یہاں عرب میں جو قصائد مقبول ہو جاتے تھے وہ ہرن یا بکری یا اونٹ کی جھلیوں پر ریشمی کپڑوں پر سنہری نقش و نگار ہو کے کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیے جاتے تھے اور انہیں مذہبیہ یا معلقہ کہتے تھے بس یہی ایک بہت بڑا فخر تھا جو صاحب قصیدہ کو حاصل ہوتا تھا اور یہی اس کے کلام کا ایک عالی ترین صلہ تھا۔ قصائد کے آویزاں ہوتے ہی قبائل عرب کے مبارکبادی کے خطوط شاعر کے پاس آنے شروع ہو جاتے تھے غرض کعبہ کی برکت یا اس شاعری کے بہانہ سے اس وحشی صحرا میں اس معاملہ اتفاقی نے عجیب عجیب کام کئے ہمت اور شجاعت عام پسند ہو گئی نسب دانی اور معلومات خاندانی سے گزر کے تاریخ دان ہو گئے۔ ان کے یہ قصائد تاریخ جاہلیت کے لئے چراغ راہ بن گئے۔ خاص پسند باتیں عام پسند ہو گئیں۔ ان زبان آوروں کا رعب و داب عزت و وقار سب پر چھانے لگا وحشی صحرائی مل بیٹھنے سے انسانیت سیکھ گئے۔ اور باہمی گفتگو میں بھی کمی آنے لگی۔ پاکیزہ پاکیزہ الفاظ فصیح محاورے۔ بامذاق اصطلاحیں اور وقت طلب جو اس کے استعمال میں آنے لگے۔ بے تکلف اور بے مبالغہ کلام میں گرمی اور زور تاثیر پیدا کرنے کا شوق بوڑھے سے لیکے بچہ تک عام ہو گیا۔ اسی بازار کے طفیل سے اکثر اشخاص اور اشیا کے لئے وجہ تسمیہ ہو گئی اور ضرب المثل مشہور ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے قصے یہاں تک کہ ایک بدوی عورت نے جو لفظ اپنے اونٹ کے پانی پلانے میں کہا وہ بھی مشہور ہو کے گھر گھر زبان زد ہو گیا۔ اب تک ہر شخص جہاں چاہتا ہے نظم و نثر میں کہاوت کی طرح بول جاتا ہے۔ یہ شہرت آج اخباروں میں اشتہار دینے سے بھی نہیں حاصل ہوتی۔

یہ بات بھی سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں زیادہ تر کن کن قبائل کے محاوروں اور الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ علامہ

قرآن کی فصاحت کو عام طور پر زمانہ نے تسلیم کر لیا۔ ہر ملک نے اپنی مختلف آب و ہوا ہونے پر بھی اس کی فصاحت کی شہادت دی۔ در و دیوار سے اس کی صداقت پر آوازیں بلند ہوئیں شجر و حجر نے اسے ایک زبردست فصیح تسلیم کر لیا۔ بچہ سے لے کے بوڑھے تک سب نے اس پر سر خم کر دیا۔ اختلاف مرز و بوم۔ تمدن۔ زبان اور محاورہ نے بھی اس کی فصاحت پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی۔ ہر کتاب کی فصاحت اسی ملک کے لوگوں یا اہل زبان پر زیادہ اثر کرتی ہے مگر قرآن کی فصاحت نے تو غیر زبان اور غیر ملک کو بھی اپنا قائل کر دیا۔ بغیر معنی سمجھے جس طرح ایک زنگی وجد میں آجاتا ہے اسی طرح ایک چینی بھی از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کونسی کتاب ایسی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی خوش آوازی سے پڑھی جائے ایک ایسے غیر ملک کے شخص پر اثر کرے جو وہ زبان نہ جانتا ہو مگر یہ تاثیر اس کتاب پاک ہی میں ہے کہ زبردستی غیر ملک والوں کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور کھینچتی بھی کیسی کہ پھر اپنی مٹھی سے نہیں نکلنے دیتی فصاحت وہ فصاحت ہے جس کے ثبوت کے لئے نہ تو اختراعی قواعد نحویہ کی ضرورت ہو اور نہ موضوعی استدلال اور محاورات کی بلکہ ان سب باتوں سے پاک ہو اور از خود بولے بغیر کسی دلیل اور حجت کے کہ میں فصیح ہوں۔ یہ صفت تو سوائے قرآن کے آج تک کسی میں نہیں دیکھی کہ یہ خود ہی مدعی اور خود ہی شاہد اور خود ہی استدلال اور خود ہی ثبوت ہے۔ اسے خارجی امداد کی نہ کبھی ضرورت ہوئی نہ ہو گی۔ تمام قواعد اسی پاک کتاب سے نکلے اور پھر اسی میں جذب ہو گئے یعنی اس کی حقیقت کو پورا نہیں پہچان سکے۔ اس کے دو لفظوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ دنیا کی آبادی کا بہت بڑا قانون ہے۔ کب اور کس زمانہ میں اس سے روتابی کی کسی کو مجال ہوئی اور کس نے روتابی کی اور پھل پایا۔ بڑا شرف جو اس نے اور الہامی کتب پر پایا ہے۔ یہ ہے کہ اس کے رہنے کی جگہ دل ہے جو گزرگاہ جلیل اکبر ہے مگر اور الہامی کتب ہاتھوں میں یا الماریوں میں رہتی ہیں۔ کون اس پر معترض ہو سکتا ہے اور کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے چند ناسمجھ اور تاریک دل لوگوں نے اگر اس پر کچھ اعتراض کئے مگر اوندھے منہ گر پڑے اور سوائے پشیمانی کے کچھ نتیجہ نہ پایا۔ اعتراض اسوقت سبز ہوتا اور معترض کو اس وقت کامیابی ہوتی کہ جب اس کی قدر کم ہوتی مگر جب یہ بات نہ ہوئی بلکہ بڑھ کی طرح اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور دنیا کے دور و دراز حصص اس کے قبضہ تصرف میں آتے جاتے ہیں پھر معترضوں کی

فہم اور سلیس ہونے میں شک نہیں مگر اصلیت کا پتہ نہیں چلتا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سبعہ معلقہ کے شعرا کی نسبت وہ واقعات قلمبند کر دیئے ہیں کہ ہمارے مشہور مورخ ابن خلدون اور اغانی نے مضحکہ اڑایا ہے۔ صولی ابو تمامہ کے حالات کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ ابو تمامہ نے جب حاضر بارگاہ ہو کے محمد بن عبد اللہ کا قصیدہ پڑھا بادشاہ نے خوش ہو کے فرمایا تیرے اشعار کی خوبی۔ الفاظ کی جودت۔ معانی کی لطافت ان جواہرات سے کہیں زیادہ دلفریب ہے جو چودہ پندرہ برس کی حسین لڑکی کے گلے میں چمکتے ہوں۔ جو کچھ ان کا صلہ طلب کرے گا دوں گا۔ ابو تمامہ نے عرض کیا موصل کی حکومت چاہتا ہوں خلیفہ کے دربار میں ایک قیافہ شناس بیٹھا تھا اس نے حضور میں عرض کیا جو کچھ مانگتا ہے فوراً دیا جائے مجھے اس کی جدت۔ ذکاوت اور فطنت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا نفس روحانی جسم کو تیغ ہندی کی طرح کھا جائے گا اور یہ چند ہی روز کے بعد فنا ہو جائے گا۔ غرض حکومت تو مل گئی مگر قیافہ شناس کی پیشین گوئی بہت جلد پوری ہو گئی۔ یعنی قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو کے موصل کی خاک میں ہمیشہ کے لئے آرام کیا۔

کو دوسرے قبیلہ کے شاعر نے استعمال کیا ہے۔ واسطی نے جن جن الفاظ کو خاص قبیلہ کا لکھا ہے غالباً اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قدیم الایام میں یہ الفاظ اُن قبایل کے تھے نہ زمانہ نبوت میں۔ یا کچھ اور مراد ہوگی بہر حال قرآن مجید پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

(۸) الیسر و نعاس۔ سفر اور خواب کے تعریفی شعر۔

(۹) الملح۔ تمسخر۔ ظرافت اور مذاقیہ اشعار۔

(۱۰) مذمت النسا۔ مستورات کی ہجو۔

مگر ان سب میں مضمون کے لحاظ سے پہلے باب میں حجم کتاب نے اتنا حصہ لیا ہے کہ ساری کتاب کا نام حماسہ ہوگیا۔ حماسہ پر ایک عام نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب کرنے میں بہت ہی جلدی کی گئی عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابو تمام نے حماسہ میں کچھ ایسی کانٹ چھانٹ کی ہے کہ بعض اچھے اچھے شاعروں کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ اشعار جو فی الحقیقت مضامین کی روانی۔ فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے اُنہیں بالکل قلم انداز کر دیا اور اکثر کو لا اعلم وقال آخر یا وقال بعضھم کہکے خاموشی اختیار کی۔ دوسرا غضب یہ کیا کہ بعض شعرا کے اعلےٰ درجہ کے کلام کو انتخاب کرنے میں سخت بے پروائی بلکہ بیدردی کو کام میں لایا گیا مثلاً حبیب بن عوف کے ایک نادرالوجود قصیدہ کو بیکار کرکے صرف ایک ہی شعر پر قناعت کی حق یہ ہے کہ اُس کے پورے قصیدہ کا درج نہ کرنا اُس کی اعلیٰ مرتبہ شاعری کا خون کر دینا ہے۔ یہ ایک شعر ہے جو اُس کے قصیدہ سے انتخاب کیا گیا ہے۔

فتی ازاد السلطان فی الحمد رغبۃ ٭ اذا عیں السلطان کل خلیلی

اگر اسی پر قناعت کی جاتی جب بھی افسوس کے بعد صبر آجاتا مگر نہیں غضب یہ کیا ہے کہ بہت سے گمنام و نشان بھدے شعرا کے بے لذت اشعار کا بھی انتخاب کیا ہے جس سے خود جامع کی قابلیت پر بہت بڑا حرف آتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے حماسہ میں اچھے اچھے دیوان اور کلیات کے اشعار کا بمشکل پتہ لگتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انتخاب اول سے اخیر تک لغو اور مہمل ہے اچھا انتخاب ہوا ہے لیکن اکثر جگہ بھدّے انتخاب کا عیب موجود ہے۔ پھر بھی اگر عام نظر سے دیکھیں تو یہ ایک جس سے نہ صرف زمانہ جاہلیت کے محاورے معلوم ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید کے محاوروں اور نکات کے سمجھنے میں مقابلہ میں ایک اور حماسہ لکھا گیا ہے مگر اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

سب سے پہلے ۵۰۲ھ ہجری میں علامہ تبریزی ابو ذکریا یحییٰ نے حماسہ کی شرح لکھی ہے جس میں علم بیان اور خوب واضح طور پر ادا کیا ہے۔ بیروت میں ایک جدید شرح مع حواشی طبع ہوئی ہے جو ایک مجمعۂ فضلا کی جانکاہیوں کا بعض مقطعات کا ترجمہ انگریزی میں سر ولیم جونس پریزیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ چارلس لائل نے کیا ہے۔ پھر فرانس کے مشہور علمی انجمن کے میر مجلس نے بعض حصوں کا ترجمہ فرانسیسی میں کیا ہے فرانس میں دیکھا جاتا ہے۔

ابو تمام کی تالیف سے حماسہ کی طرز پر ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام کتاب الاختیارات ہے۔ اس میں بھی شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے مگر اسے چنداں شہرت نہیں ہوئی۔ فحول الشعرا میں اُس نے جاہلی۔ مخضرمی اور اسلامی شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے۔ کتاب کے عام

ہر زبان میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی "ہم کہتے ہیں یہ صحیح ہے بلکہ ہم مزید براں یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہر کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہے سوال صرف یہ ہے آیا کسی زبان کی کتاب کو بھی یہ عروج حاصل ہوا جو قرآن کو ہوا ہے اور کسی کتاب نے بھی آج تک کروروں بندگان خدا کے دلوں کو تسخیر کیا اور آیا بنی نوع انسان میں کسی کتاب نے بھی اتنا بہت بڑا تمدن قایم کیا۔ اور آیا دنیا میں کوئی کتاب بھی ایسی ہے جس کا ایک ایک لفظ قانون کا حکم رکھتا ہوا وہ اس پر جان فدا کرنا نجات کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ لامحالہ جواب بھی دیا جائیگا کہ نہیں۔ بدیہیات اور مشاہدات کا انکار قیامت تک ممکن نہیں ہزار زور مارا جائے اور لاکھ ایڑیاں رگڑی جائیں مگر مشاہدات کا منکر مجنون ہی کہلائیگا۔

وہ زمانہ جب یہ قرآن نازل ہوا ایک خطرناک شور و شغب کا تھا۔ عرب اپنے مقابل کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہمارے برابر دنیا میں کوئی فصیح اور بلیغ پیدا ہی نہیں ہوا انہیں جسطرح اپنی شجاعت پر ناز تھا اسی طرح اپنے حسب نسب پر اور اس سے بھی زیادہ اپنی زباں آوری پر۔ وہ جانتے تھے کہ تمام دنیا گونگی پیدا ہوئی ہے حقیقت میں اُن کا یہ تجبتر ایک حد تک تھا بھی درست انہیں نہایت آسان تھا کہ وہ اپنے آتشین اشعار سے دو قبیلوں میں جنگ کرادیں خون کی ندیاں بہادیں مردہ دل پر ان کا کلام جادو کی تاثیر رکھتا تھا۔ وہ صرف کہنے والے ہی نہ تھے بلکہ بولنے والے بھی تھے اُن کی آتش زبانی غضب کی تھی اور اُن کا طرز بیان پرجلال اور شاندار تھا کہ اسی گروہ میں اسی مجمع شعرا میں اسی فصاحت و بلاغت کے میدان میں اور اسی سرزمین پر اسی حلقہ میں ایک پرزور آواز گونجی اور اُس کی گونج مشرق و مغرب پہنچی۔ آواز میں گرج اور کڑک جسقدر تھی اُسیقدر بجلی کی چمک بھی تھی آواز کیا اُٹھی در و دیوار بولنے لگے تمام فصحا اور بلغا جمع ہوئے اور سخت حیرت زدہ ہوکے آواز کو سننے اور متعجب ہونے لگے وہ آواز قرآن کی تھی جو انہیں مقابلہ کے لئے طلب کرتا تھا وہ آواز خدا کی آواز تھی جس نے کہا تم اپنی فصاحت پر گھمنڈ نہ کرو وہ آواز ایک یتیم بچہ کی زبان سے نکلی تھی جس نے نہایت بے بسی کی حالت میں اُن ہی کے آگے پرورش پائی جو نہ کبھی اُن کے مجمع شعرا میں شریک ہوا جس نے کبھی ایک حرف کی بھی تعلیم نہیں پائی جس نے کبھی ایک

یہ قوم کا نصرانی تھا۔ ابتدائی تعلیم میں اسے بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ اپنے باپ کے ساتھ اس نے شام کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کی یہ زمانہ مسلمانوں کی آغاز بلکہ عروج سلطنت کا تھا دارالعلوم کھل چکے تھے مسلمان فتوحات ملکی سے فتوحات علوم کی طرف رجوع ہوچکے تھے یونانی کتب کا بڑی سرگرمی سے ترجمہ ہورہا تھا۔ تمام شہروں میں پھر پھر کے اخیر حمص میں ابوتمام نے ڈنڈے ڈیرے ڈال دیئے اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانی شروع کی۔ غرض یہاں اس نے کامل تعلیم پائی۔ ابھی تک اس کی حالت بحیثیت دنیاوی ثروت کے ردی تھی۔ مسلمانوں کی سلطنت میں چونکہ ہر قوم اور فرقہ کو بے انتہا آزادی تھی اور صرف ترقی کے لئے سوائے علمی لیاقت کے اور کوئی قومی امتیاز نہ تھا اس لحاظ سے ابوتمام نے شہنشاہی دربار کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا۔ خوش قسمتی سے خلیفہ وقت کی سالگرہ کا زمانہ آگیا۔ ابوتمام نے فوراً ایک قصیدہ موزون کیا اور چاہا کہ عین جشن کے روز دربار میں خود جاکے پڑھے۔ دقت یہ تھی کہ اول تو خلیفہ کے دربار میں پہنچنا اور دوسرے قصیدہ پیش کرنے اور پڑھنے کا حکم لینے کا مرحلہ بہت ہی دشوار گزار تھا۔ سوچتے سوچتے اسے ابوحارث نصرانی یاد آیا جو وزیر اعظم کا بڑا منہ چڑھا اور اس کے باپ کا دوست تھا۔ یہ سیدھا اُس کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ابوحارث رضامند ہوگیا اور نوجوان ابوتمام کو وزیر کے پاس لے گیا وزیر نے پوری کیفیت سن کے اجازت دیدی غرض ابوتمام پیش ہوئے اس نے بڑی دلیری سے اپنا موزون کیا ہوا قصیدہ پڑھا۔ خلیفہ اس کی خداداد ذہانت پر دنگ

پشیمانی اور ذلت بدیہی ہے۔ آفتاب کی کرنیں کب میلا ہاتھ لگانے سے میلی ہوسکتی ہیں چاند پر خاک کب پڑ سکتی ہے۔ ایک بحر بے پایاں کتے اور چند سوروں کے پانی پینے سے کب ناپاک ہوسکتا ہے اسی طرح قرآن پر اعتراضات کرنے کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے۔

انجیل و توراۃ کے الفاظ چونکہ خدا سے نہیں ہیں اس لئے ان میں زندگی نہیں اور نہ فصاحت کی روح ہے عیسائی مجبور ہو کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کلام میں فصاحت ہونی محض غیر ضروری ہے بلکہ حکمت اور ہدایت ہونی کافی ہے چنانچہ عیسائیوں کے پولوس مقدس نے بھی اس معاملہ کا کہیں اشارہ کیا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک کلام جس میں حکمت بالغہ بھی ہے ہدایت بھی ہے۔ اور فصاحت بھی ہے تو سرتاپا خوبی کونسا کلام ہوا جن الہامی کتب کو قدرت سے فصاحت کا زیور نہیں ملا ہے ان کے ماننے والے فصاحت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس کی مثال بالکل لومڑی اور انگوروں کی ہے کہ جب انگوروں کی بیل تک نہ پہنچی تو انہیں کھٹا بنا دیا۔ حسن صورت کے ساتھ اگر حسن سیرت بھی ہو تو اسے کون برا کہہ سکتا ہے قرآن مجید چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے یہ لازمۂ قانون قدرت تھا کہ وہ ہر صفت سے موصوف ہوتی۔ قرآن مجید کا ایک جملہ کسی بڑی عربی عبارت میں نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے صدہا قصائد اور ادب کی کتابیں موجود ہیں قبل از اسلام اور بعد از اسلام کی مگر قرآن کے ایک جملہ سے بھی کسی کو نسبت نہیں ہے۔ سبعہ معلقہ جسے تمام عرب نے مان لیا تھا قرآن کی فصاحت کے آگے پانی بھرتا ہے۔ قرآن مجید میں صدہا معجزے ہیں اور ہر معجزہ نے اپنا اپنا علیحدہ کرشمہ دکھایا ہے۔ کہیں اس کی فصاحت اور بلاغت نے ہزاروں کو رام بنایا اور کہیں اس کے پر از حکمت مضامین نے مخلوق خدا کو توحید کی چاشنی چکھائی اور کہیں اس کی پیشینگوئیوں نے جنھیں آیات سے تعبیر کیا گیا ہے لاکھوں کو اپنا شیدا بنا لیا۔ ایک قرآن ہے لیکن اس سے صدہا شاخیں معجزات کی پیدا ہوئی ہیں اور دن بدن دنیا پر پھیلتی جاتی ہیں ایک فرانسیسی پادری نے محض لاعلمی اور تعصب سے اپنی کتاب "محمد اور قرآن"

ابو تمامہ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ انساب و اشعار عرب اسے خوب یاد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علاوہ قصائد و قطعات کے چودہ ہزار رجزیہ اشعار نوک زبان تھے۔ حاضر جوابی میں بھی ید طولے رکھتا تھا چنانچہ جب محمد بن عبدالملک کے دربار میں اس نے قصیدہ پڑھا ہے جس کے صلہ میں اسے موصل کی حکومت ملی تھی تو اس شعر پر:

اقدام عمرو فی سماحۃ حاتم فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

وزیر نے کہا واہ کیا خوب ہمارے امیر المؤمنین کی اجلافوں سے تشبیہ دی ہے کچھ جواس بھی درست ہیں یا نہیں ابو تمامہ نے کچھ تامل کے بعد یہ جواب دیا۔

لا تنکروا ضربی لہ من دونہ مثلاً شرودًا فی الندا والباس
قل اللہ قد ضرب الاقل بنورہ مثلاً من المشکوۃ والنبراس

وزیر نے بیساختہ ابو تمامہ کو اس کی ذکاوت پر مبارکباد دی۔ ابو تمامہ کے زندگی کے حالات عجیب و دلچسپ ہیں کیا کیا حالتیں اس پر گذر گئیں اور اس نے کیوں کر ترقی کی ابو تمامہ کے سنہ پیدائش ٹھیک ابھی تک نہیں معلوم ہوئے بعض ۱۷۲ھ ہجری کہتے ہیں اور بعض ۱۹۲ھ ہجری

یہ وعدہ تھا جو روز ازل سے کیا جاچکا تھا اور ایک دن ضرور پورا ہونا تھا چنانچہ پورا ہو کے رہا۔ کس الہامی کتاب نے یہ دعویٰ کیا اور وہ بھی مدعیان فصاحت و بلاغت اور قوت کے آگے اور پھر دعویٰ سرسبز ہوا۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ الہامی کتب کی کیا گت بن رہی ہے۔ انجیل کی تو یہ کیفیت ہے کہ سوائے چند لکھے پڑھے آدمیوں کے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حضرت مسیح کی کیا زبان تھی اور جن اقوال کی نسبت اُن کی ذات سے کی گئی ہے آیا فی الحقیقت یہ اُنکے اقوال بھی تھے یا نہیں۔ پارسیوں کی الہامی کتاب عنقا صفت ہوگئی ہے اور اگر کہیں اُس کا وجود بھی ہے تو یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ اگر اسکا کوئی مصنف ہے تو کون ہے اور کونسا زردشت ہے جس کی تصنیف سے موجودہ ژند وستا ہے۔ اور اگر الہامی ہے تو کب اور کس پر نازل ہوئی یہ ساری باتیں بالکل تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں لہورا نہیں ابھی تک کوئی روشنی میں نہیں لا سکا۔ پھر وید ہے اُس کی بھی یہی کیفیت ہے کہنے والے تو لاکھوں اور کروروں ہیں مگر اس کی صورت ہی دیکھنے والے لاکھوں میں سے دو ایک ہی نکلیں گے مگر پڑھنے والا تو شاید کوئی ہو۔ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ برخلاف قرآن مجید کے جس زبان میں نازل ہوا اُسی میں موجود ہے اور اُسی زبان میں مشرق و مغرب جنوب و شمال نے پڑھا جاتا ہے نہ ہندوستانیوں سے اس کو کچھ مغائرت ہے اور نہ افریقیوں سے نہ یورپیوں سے بات تو یہ ہے کہ غیر زبان ہو پر بھی اس کے الفاظ کی شیرینی اور لطافت پر اثر ثابت ہوتی ہے اور یہی اس کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

کلام کا فصیح ہونا کلام کی اعلےٰ درجہ کی خوبی ہے۔ ہدایت اور حکمت کی باتیں اگر اعلےٰ درجہ کی فصیح ہوں تو کیا بُرائی ہے جس پر نہایت دریدہ دہنی سے اعتراض کیا جاتا ہے ہمیشہ علم ادب ہی نے فتح پائی ہے اور جس قوم میں ادب نہیں وہ مردہ قوم ہے۔ قرآن کی بزرگی لفظ قرآن ہی سے پائی جاتی ہے۔ قرآن کا نام آتے ہی فصاحت و بلاغت اور حکمت و ہدایت کا ایک نقشہ کھنچ جاتا ہے جس نے اسے آنکھیں کھول کے پڑھا ہے وہ بتا سکتا ہے کہ اس کا کیا اثر ہے اور اور اس کی حکمت بالغہ کیا جوہر رکھتی ہے جب ہم کسی آئندہ باب میں قرآنی مضامین کا اور کتب الہامیہ کے مضامین سے مقابلہ کرکے دکھائیں گے تو حقیقت کھلے گی اب تو ہم نے صرف فصاحت و بلاغت پر مختصر سی بحث کی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ شاید اسی قدر کافی ہو۔ اے کلام پاک تیری بزرگی بہت بڑی ہے تیرا جلال کون دیکھ سکتا ہے تو حقیقت میں لوح محفوظ کا نوشتہ ہے۔ تجھ میں سے از خود خدا کی آواز نکلتی ہے۔ تو بجلی کی دوڑ دوڑ رہا ہے اور تو دنیا کے دور دورانہ حصص تک پہنچ گیا ہے۔ تیرے فتوحات میں ابتدا سے اب تک کوئی کمی نہیں ہوئی۔ نہ تجھے کبھی تلوار کی ضرورت پڑی نہ روپیہ کی تو اپنی ہدایتوں۔ نشانیوں اور حکمتوں کی فوج سے کہ شرک اور کفر کے ممالک پر دھاوا کرتا ہے اور فتح پاتا ہے تیری ان فوجوں کے روکنے کا کسی کو زہرا نہیں ہے۔ تیرے نام لیوا اپنی بدکرداریوں سے اور تجھے پس پشت ڈال کے خواہ کیسے ہی ذلیل کیوں نہ ہو گئے ہوں پھر بھی تو اپنا معجزہ برابر دکھا رہا ہے تجھے نہ کسی کی حمایت کی پرواہ ہوئی نہ ہوگی تیرا خدا حافظ ہے اور تیرے لئے یہی بس ہے۔ بڑے بڑے تغیر و تبدل اور بڑی بڑی مخالفین۔ حیرتناک مد و جزر تجھ میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ کرسکے۔ کیا یہ تیرا ایک بین معجزہ نہیں؟ نہیں ہے اور قطعی ہے؟ جو نہ سمجھیں اُن کی عقل کا قصور ہے۔ بنی اُمیہ کی سلطنت میں بھی تو وہی معزز و محترم گنا جاتا تھا جو خلفائے راشدین کی خلافت میں۔ بنو عباس

مصرعہ بھی موزوں نہیں کیا۔ عبد اللہ کا بیٹا ابو طالب کا بھتیجا عبد المطلب کا پوتا جس کی صغیر سنی کا پورا حصہ اپنے چچا کی خدمت میں بسر ہو گیا ہو جس نے دنوں تک اونٹوں کا ریوڑ جنگل اور پہاڑوں میں چرایا ہو جس نے اونٹنیوں کا دودھ دھویا ہو جسکا سارا بچپن اس بے بسانہ اور قابل افسوس حالت میں گزر گیا ہو جس نے ہوش سنبھال کے اپنے بزرگ باپ کو نہ دیکھا ہو جسکی ماں صغیر سنی میں اُس سے دائمی مفارقت اختیار کر گئی ہو جس کے وقت کا بہت سا حصہ اپنے چچا کے ہمراہ شام اور تجارت میں گزر گیا ہو جس نے کبھی عربوں ہی کے قاعدہ کے بموجب بھی تعلیم نہیں پائی جسکا کوئی ممد و معاون نہ تھا جو اپنی قوم کی سرکشی اور خونریز فطرت سے بخوبی واقف تھا جو پیدا ہوا یتیم جس نے پرورش پائی یتیمی حالت میں اور جس نے دعوئی نبوت کیا محض تنہا حالت میں۔ اسی مقدس نبی نے اسی پیشوائے عالم اور عالم کی رحمت نے با آواز بلند پکارا سنلو اگر تمہیں کچھ گھمنڈ ہی تو قرآن کی سی دس سورتیں ہی بنا لو دس نہیں ایک ہی سہی مگر نہیں ہرگز نہیں تم اور جن سب بھی مل جاؤ پھر بھی ناممکن محض ہے کہ ایک سورت بھی ویسی بنا سکو یہ سنتے ہی سب کی سٹی گم ہو گئی اور سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور وہ ایسے دم بخود ہوئے کہ کچھ زبان پر نہ لا سکے سوائے اس کے کہ سحر سحر کی آوازیں چاروں طرف سے اُٹھنے لگیں۔ مخالفت بھی کی ستایا بھی سرکشی بھی کی اپنی جانوں پر ظلم بھی توڑے مگر نتیجہ کیا ہوا نتیجہ وہی ہوا جو دنیا نے دیکھا خوار و ذلیل ہوئے مارے گئے رسوا ہوئے یہانتک مقدس سرزمین عرب سے نام و نشان مٹ گیا اور مٹا تو ایسا مٹا کہ اب کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ اُن کی فصاحت و بلاغت کو چڑیاں چگ گئیں اُن کی آتش مزاجی رفو چکر ہو گئی۔ کسی کا زہرہ نہیں ہوا کہ وہ کلمہ بھی زبان سے نکالتا اور اُنکی قوت اور مجمع اور خودسری کے مقابلہ میں یہ فرمایا "وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم [margin: من بعد خوفھم امنا] یعنی تم سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کیلئے جما کر رہیگا اور جو خوف و خطر اُن کو لاحق ہے اس کے بعد عنقریب ہی ان کو اس کے بدلے میں امن دیگا"۔

بہت خوش ہوا خلیفہ کی علم دوستی نے مذہب اور قوم کا امتیاز اُڑا دیا تھا وہ لائق شخص کا عاشق تھا خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔ فوراً قصیدہ ختم کرنے پر خلیفہ نے خلعت فاخرہ اور انعامات سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی طبیعت بڑھانے کے لئے یہ حکم دیا "جب کوئی موقع ہو تم اپنی طباعی کا زور دکھا و قطعہ لکھو یا قصیدہ یہ تمہاری مرضی" یہ سنتے ہی ابو تمامہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اب کیا تھا خلیفہ کی قدردانی نے اُسے عزت کے آسمان پر چڑھا دیا آئے دن قطع اور قصیدے انعام و خلعت کا باعث ہونے لگے یہی وجہ ہے کہ اُس کے بہتسے قصائد خلفا کی تعریف میں پائے جاتے ہیں۔

سنہ ۲۱۲ ہجری کا تذکرہ ہے کہ ابو تمامہ ایک پرزور قصیدہ خراسان کے حاکم عبد الملک کی خدمت میں پیش کرکے واپس آ رہا تھا کہ رستہ میں خونی برف پڑ گئی۔ مجبوراً ابو الوفا ابن سلمہ کے ہاں ہمدان میں اسے قیام کرنا پڑا چونکہ اسے کام کرنے کی فرصت کافی تھی اور ابو الوفا کا کتبخانہ بھی بہت تھا حماسہ کی ترتیب شروع کر دی یہی وجہ ہے کہ انتخاب قصائد و اشعار میں اُسے ایک حد تک کامیابی نہیں ہوئی اور موسم کی ناموافقت نے اُس کے انتخاب پر اچھا اثر نہیں کیا فقط۔

بارہواں باب

جہاد

سب سے بڑا اعتراض اور سب سے سخت حملہ جو اسلام پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا خود پیغمبر اسلام نے اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار اُٹھائی خلفائے راشدین نے اپنے نبی کی سنت پوری کی اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو مسلمان بنالیا اور بعدازاں مذہبی خونریزی کا یہی سلسلہ جاری رہا اور اب تک جہاں کوئی ملکی لڑائی ہوئی چند روز میں اُس کا رنگ بھی مذہبی ہوجاتا ہے اور پھر مخلوق خدا پر ایک آفت نازل ہوجاتی ہے اور بڑے حصہ مخلوق سے کربِ و بلا کی صدائیں بلند ہوتی ہیں غرض خدا کی ہری بھری کھیتی نہایت بیدلی سے پامال کیجاتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے اُن دھواں دھار اعتراضوں کا جو اسلام پر کئے جاتے ہیں کئے گئے اور عجیب نہیں کہ اس کا سلسلہ آئندہ تک جاری رہے اور ختم نہ ہو اُس وقت تک جب تک تمام دنیا مذہب اسلام نہ قبول کرلے۔ یہ ہونا ہے اور ہوکے رہیگا۔ روزازل سے تقدیر ہوچکا ہے کہ ایک دن تمام عالم پر اسلام محیط ہوجائے گا اور اس بات کو تمام دنیا کی متحدہ قوت بھی نہیں روک سکتی۔

یہ غلط فہمی کہ مسلمانوں کے ہاں جہاد ہر حالت میں فرض ہے اور جب کبھی اُن میں قوت ہوتی ہے وہ اشاعت مذہب کے لئے تلوار لے کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں عام طور پر سب پر محیط ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چند متعصب اور واقعات اسلام سے ناواقف یورپیوں نے اپنی بعض تصانیف سے جہاں ہیں اس کی اشاعت کی اور عام طور پر اُن کی وہ تحریریں ایسی مقبول خلائق ہوئیں اور ان کے غیر استدلال نے ایسا لوگوں کے دلوں میں گھر کیا کہ اب کسی دوسری مخالف بات کا اُنہیں یقین نہیں آتا۔ انگریزی زبان میں بھی تک کوئی کتاب اسلام پر ایسی نہیں لکھی گئی جس کی کچھ بھی وقعت ہوسکے سب سے زیادہ قابل تصنیفہ سر ولیم میور اور اسپرنگر کی گنی جاتی ہے مگر فی الحقیقت واقعات سے ان تصانیف کو کچھ بھی تعلق نہیں جب ہم ان کتابوں سے جرمنی اور فرانسیسی کتب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو اسلام پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں تو ہماری آنکھوں سے ان انگریزی کتب کی اور بھی وقعت جاتی ہے اور ہمیں کھلتا ہے کہ انگریزی مصنف ابھی تک کنارہ دریا پر بھی نہیں پہنچے بلکہ دریا کی چمکتی ریت میں غلطاں و پیچاں ہیں اور محض اپنی کم فہمی سے اسی کو دریا سمجھ کے نئی نئی رائیں قایم کرتے ہیں یہ ہم خیالی باتیں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ہمارے پاس اس کی وجوہات ہیں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان کی کتاب "سیویلیزیشن ڈی عربس" یعنی تمدن عرب موجود ہے اور اس بیش قیمت تصنیف میں فاضل مصنف نے اسلام کے ہر پہلو پر بحث کی ہے کوئی کتاب انگریزی میں آجتک ایسی عمدہ نہیں لکھی گئی۔ اس فاضل مصنف نے یہ لکھا ہے کہ جب تک تمام اسلامی دنیا کی سیر نہ کی جائے اور موجودہ اسلامی تمدن کو نہ دیکھا جائے محض ناممکن ہے کہ اسلامی تاریخ کوئی لکھ سکے۔ اس فاضل مصنف نے اسلام کے ہر اصول اور مسئلہ کو طبیعات سے جانچا ہے اور اُس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے خاص اس معاملہ

اور بنو فاطمہ میں بہی تیرا ایک ایک لفظ پر زور قانون گنا گیا۔ وحشی ترکمانوں نے تجھے قبول کیا آنکھوں سے لگایا اور اپنا دستور العمل بنایا اس سے زیادہ اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ پشت ہا پشت کا تمدن یکلخت فراموش کر دینا اور تجھی پر اپنا دہن من تن قربان کر دینا کہاں اور کس جگہ اپنا نظیر رکھتا ہے۔ تو بیشک خدا کا کلام ہے اور بیشک تو ایسا ہی کلام ہے کہ سوائے انسان کے کوئی تیرا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ تیرا جلال ابد تک قایم رہے اور اسیطرح گروہ گروہ تیری ہدایتوں پر روز و شب فریفتہ ہو ہو کے تجھے اپنا دستور العمل بناتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

دستیاب ہو سکتی ہیں اُندلس اور بغداد یا مصر کا کتبخانہ اگرچہ متعصب اور جاہل پیشوایان غیر اسلام کے ہاتھوں تباہ ہو گیا پھر بھی جو کچھ بچی کھچی کتابیں مسلمانوں کی برباد ہونے یا جلنے سے رہگئی ہیں وہ یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہیں اور جرمنی اور فرانسیسی مصنفین نے اُن ہی سے زیادہ فائدہ اُٹھا کے اپنی تصانیف کو قابل وقعت بنایا ہے۔ برخلاف ہمارے انگریزی مصنفوں کے کہ وہ کیا تو سنی سنائی باتیں لکھدیتے ہیں اور یا اُن کتابوں سے اپنے تاریخی واقعات اخذ کرتے ہیں جو مسلمانوں ہی میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

یہ انگریزی کتابیں ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان کے دیسی عیسائیوں اور ہندوؤں کو اسلام پر اعتراض کرنے بلکہ گالیاں دینے کا رستہ سوجھ گیا ہے اور وہ ان ہی غلط نویس مصنفوں کو اپنا ذریعہ اعتراض بنا کے جو چاہتے ہیں لکھ مارتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے ان حملوں میں کامیاب نہیں ہوتے سر ولیم میور کی تصانیف کے بعد جتنی کتابیں اسلام کے خلاف عیسائیوں اور ہندوؤں میں لکھی گئیں وہ سب قریب قریب میور صاحب ہی کی کتاب کا خلاصہ ہیں اور ابھی تک کسی ہندو یا دیسی عیسائی کی کوئی کتاب ایسی نظر نہیں پڑی جو اپنی جدید تحقیقات سے پُر ہو اور زیادہ نہیں دو ایک ہی نئی باتیں دیکھنے میں آئیں بیشک ایک تجدید ضرور ہے اور ہم اس کا علانیہ اعتراف کرتے ہیں یعنی پیغمبر اسلام کو محض بازاریوں کیطرح دل کھول کر گالیاں دی گئی ہیں اور ایسے فحش الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ اسلام تو اسلام کسی مذہب کا مہذب آدمی ایسے الفاظ کو سننا گوارا نہ کرے گا زبان سے نکالنا تو کجا۔ ان ہی اور اسی قسم کی تصانیف میں منجملہ اور اعتراضات کے بڑا اعتراض مسئلہ جہاد پر کیا گیا ہے اور کچھ ایسے مہمل استدلال سے اس مسئلہ کو بانس پر چڑھایا ہے کہ عوام الناس میں غلط خیالات۔ غلط روایات اور مہمل استدلال کا اسقدر زور ہو گیا کہ العظمۃ للہ۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں ہر سال عیسائیوں کی طرف سے مختلف مدائن ہند میں تقسیم کی جاتی ہیں اور مظلوم ناواقف عیسائی ایسی لغویات کو آسمانی نوشتہ سمجھ کے اپنے مصنوعی اور کہنہ مذہب کی فتحمندی پر بغلیں بجاتے ہیں اسیطرح ہندو جو اپنے کو آریہ کہتے ہیں چندے کر کر کے کتابیں شایع کرتے ہیں اور اپنی ناواقف پود ھندو کے دماغوں کو بے بنیاد خیالات کی تاریکی سے بھر دیتے ہیں اور پھر وہ بیچارے اسی جہالت کی بھول بھلیوں میں ہمیشہ ٹھوکریں کھایا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کتابوں کے جواب دئے ہیں اور ایسے جواب ہوئے ہیں جو آخیر میں لاجواب ثابت ہوئے تاہم ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے اور ہر مسئلہ میں بہت کچھ گنجایش ہے۔ دنیا میں جب سے تاریخ کا پتہ ملتا ہے سوائے کشورکشائی اور خونریزی کے اور کوئی بات نہیں ملتی۔ دنیا کی زمین ہمیشہ سے انسانی خون سے سینچی گئی اور اسی سے انسانی تہذیب کا پودہ لگا۔ کوئی صدی بلکہ کوئی قرن بلکہ کوئی سال دنیا میں ایسا خالی نہیں گیا کہ دولت و ثروت کے لئے تلوار نہ اُٹھائی گئی ہو اور مخلوق خدا کا بہت بڑا حصہ اس کے نذر نہوا ہو۔ دنیا میں جب مذہب کی حمایت ہوئی اور کچھ نہ کچھ عقائد لوگوں کے ہونے لگے تو اب ملکی جنگوں نے مذہبی لڑائیوں کا جامہ پہن لیا کشورکشائی کا بہانہ جاتا رہا اور اب مذہب کا پہلو سب نے اختیار کر لیا۔ سکندر اعظم سے پہلے جتنی لڑائیاں ایران میں ہوئیں سب مذہبی نہیں اور نہیں فی الحقیقت جہاد کہنا چاہیے۔ ایرانی اور تورانی لڑائیاں یونانی اور ایرانی میدان کارزار محض مذہب کی اشاعت کیلئے کئے گئے تھے۔ ہندوستان پر جو گنتا سے پہلے متواتر حملے کئے وہ محض ہندو ستا کی اشاعت اور دید کو مٹانے کی غرض

میں بے انتہا تحقیق کی ہے۔ ہمارے سر ولیم میور صاحب کی کتاب کو اس فاضل کی تصنیف سے واقعی کوئی نسبت بھی نہیں ہے اور دونوں مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک نرا ابجد خواں ہے اور دوسرا فاضل۔ اسیطرح سے موسیو سدیو ہے جس نے فرانسیسی زبان میں حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح عمری لکھے ہیں جس خوش اسلوبی سے اس فاضل مورخ نے زمانہ جاہلیت کا بیان اور عربوں کی مختلف سلطنتوں کی حالت اور اُن کا تمدن بیان کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اگرچہ فاضل مصنف کا استدلال بہت جگہ سے غلط بھی ہے لیکن اُن اغلاط سے گزر کے ہم اُس کی خوبی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قصاید عرب سے اُس کی انمول واقفیت۔ اسلامی کتب پر پورا عبور۔ تاریخی سلسلہ کا ایک عمدہ پیمانہ پر قائم کرنا۔ اسلامی واقعات ملکی۔ سیاسی جنگی اور تمدنی کا باہم تطابق یہ ایسی صفتیں ہیں جن کی تعریف ہی کی جاتی ہے اور ادبدا کے زبان سے یہی نکلتا ہے کہ سر ولیم میور کی سیرت محمدیہ فی الحقیقت اس کے آگے بھی پانی ہی بھرتی ہے۔

اسلام کی روشنی دن بدن پھیلتی جاتی ہے اور خدا نے اپنی حکمت بالغہ سے مخالفین ہی میں سے ایسے فاضل اشخاص پیدا کر دیے ہیں جو برسوں تک محنت شاقہ اُٹھا کے تحصیل زبان عربی کرتے ہیں اور پھر ایک حد تک انصاف سے اس مذہب کی تحقیق کر کے اپنے ملک میں اس کی اشاعت دیتے ہیں۔ کتابیں تو سینکڑوں ہیں جو صرف فرانسیسی اور جرمنی میں لکھی گئی ہیں مگر جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں اور جن کا مطالعہ بھی ہے ہم نے کیا ہے ان ہی کا ذکر ہم مناسب سمجھتے ہیں جرمنی زبان میں ایک کتاب عربی علم ادب پر تصنیف ہوئی ہے اس کی ضخیم ضخیم آٹھ جلدیں ہیں اس میں چالیس ہزار علمائے اسلام کے سوانح عمری ہیں اور وہ بھی زمانہ مامون الرشید تک ان لاجواب کتابوں کے مقابلہ میں جو جرمنی اور فرانسیسی میں تصنیف ہوئی ہیں ہمیں یہ دیکھ کے لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی زبان ابھی تک بہت ہی بدقسمت ہے اور خدا معلوم کس زمانہ تک بدقسمت رہے گی۔ انگریزی میں خواہ غلط فہمی سے خواہ عمداً حق سے چشم پوشی کر کے شاہان اسلام یا اُس سے پہلے خلفائے راشدین یا خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات نقل کئے ہیں جو تلوار سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنہیں اس غلط استدلال کی بنیاد پر قایم کیا ہے کہ ایک ناواقف دیکھنے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسلام سے زیادہ خونریز مذہب دنیا میں نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ بڑے تماشا کی بات یہ ہے کہ انگریزی کتابوں میں جن واقعات تاریخی کا انتخاب کیا گیا ہے وہ خود مسلمانوں کے ہاں کچھ وقعت نہیں رکھتے مثلاً الواقدی کی تاریخ جس کی نسبت تمام مورخین اسلام کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ الواقدی کے بہت سے واقعات غلط ہیں اور بڑی حد تک اس مورخ کی کتاب ناقابل اعتبار ہے۔ تمام علماء متفق اللفظ اُسے کذاب کہتے ہیں اور اس کی روایتوں پر بہت کم اعتبار کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے فاضل مصنف سر ولیم میور نے بلا وجہ الواقدی کے بیان کردہ غلط واقعات سے فائدہ اُٹھا کے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہی بہت معتبر تاریخ ہے اور میں نے بہت سے واقعات کا اسی سے اخذ کیا ہے۔ یہ نری ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ جرمنی اور فرانسیسی کتب میں کہیں الواقدی کا اس شد و مد سے ذکر نہیں کیا گیا یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں اس کے واقعات پر بحث کی ہے مگر کچھ زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ فرانسیسی اور جرمنی تصانیف کی ماخذ وہ نادر الوجود کتابیں ہیں جو ہم نے کبھی نہیں سنیں اور نہ ہندوستان میں

کے لئے اور عیسائیوں کی حمایت پر تلوار اُٹھاتا ہوں گو یورپ کی بعض دول مثلاً انگلستان بوجہ اپنے اعلےٰ تمدن اور تعلیم کے کسی ملک پر مذہبی پہلو سے چڑھائی نہیں کرتا بلکہ اسے کسی مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے مگر خود یورپ ہی کے جگر میں اور یورپی تمدن میں اب بھی مذہب کے لئے تلوار پر نظر جاتی ہے مگر موجودہ زمانہ کی حالت زیادہ دیر تلوار پر نظر ٹھیرنے نہیں دیتی۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے محض تحفظ دین کے لئے تلوار اُٹھائی ہے لیکن اشاعت اسلام کے لئے اُس نے کبھی جہاد نہیں کیا جب اُس کے سفیر دوسری سلطنتوں میں مارے گئے جب اُس سے صریح طور پر عہد شکنی کی گئی جب اُس سے بلا وجہ بغاوت کی گئی جب اُس کے مذہبی فرایض کی بجاآوری کو روکا گیا تو ناچار اُس نے تلوار اُٹھائی اور اپنی قدرت کے موافق ایک حد تک اُسے بہایا۔ تاریخ موجود ہے معصر شہادتیں حاضر ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ علاوہ وجوہات بالا کے کبھی مخالف کے مقابلہ میں تلوار نہیں اُٹھائی حضور انور کی تمام خلفائے راشدین کی سلطی لڑائیاں اور پھر بنی امیہ بنو عباس اور بنی فاطمہ کی جنگیں موجود ہیں جنہیں مخالفوں نے نئے نئے انداز سے بیان کیا ہے۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اشاعت دین کی غرض سے سلمانوں نے تلوار اُٹھائی اور خون کے دریا بہائے۔

انگریزی جرمنی۔ اور فرانسیسی مورخوں میں باہم اس مسئلہ جہاد میں بہت بڑا اختلاف ہے مورخین یورپ کا ایک بڑا گروہ ہماری تائید کرتا ہے مگر جن یورپی مورخوں نے تاریخ اسلام کو صرف اوپری نظروں سے دیکھا ہے اور زیادہ تحقیق نہیں کی ہے وہ تو چاہے جو کچھ لکھیں اور اسلام اور اس کی جنگوں کو خواہ کتنا ہی ہوا بنا کے ثابت کریں مگر خود یورپ کے جگر میں ایسے محقق پیدا ہو چکے ہیں جو معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے کھلی کھلی شہادتیں دینی شروع کردی ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اسلام نے اپنے سادے اور اعلےٰ اصول توحید سے ترقی کی ہے۔ بہرحال ہمیں اس وقت نفس جہاد پر بحث کرنی ہے اور دکھانا ہے جہاد کسے کہتے ہیں اور اسلام کا جہاد کتنا قابل وقعت رکن ہے۔ اسلام نے دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت ایسی بتائی ہے کہ کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ کوئی مذہب اُس کی تہ تک پہنچا۔ بتایا گیا ہے کہ خالق کائنات کی اصلی غرض اور بڑا منشا مخلوق کے پیدا کرنے اور دنیا میں بھیجنے کا کیا ہے قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس کا ایسا لطیف فیصلہ کیا ہے کہ پھر کسی مین میکھ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہی چنانچہ خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" یعنی جن وانس کے پیدا کرنے کی غرض یہی ہے کہ وہ خدائے واحد و مطلق کی خالص عبادت کریں"

جس مذہب نے انسانی پیدایش کی غرض عبادت اور توحید پرستی ٹھیرائی ہو اور اسی کو اعلےٰ درجہ کا منشا بتایا ہو۔ اُس سے زیادہ خدا پرست مذہب اور کونسا ہو سکتا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر فرمایا ہے " وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء یقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ" یعنی ان کو بجز اُس کے کچھ حکم نہیں ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اس آیت میں خدا پرستی اور تمدن کو لازم و ملزوم کر دیا ہے عبادت کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دینا ایک زبردست حکمت بالغہ ہے جو زیادہ غور کے بعد سمجھ میں آئے گی۔ ایک دوسری کی مدد کرنے کا نام اعلےٰ

ہوئے تھے۔ ایرانیوں اور آریاؤں کی مذہبی لڑائیاں بہت ہی معروف و مشہور ہیں۔ سکندر اعظم کی ایران پر چڑھائی خواہ کسی نیت سے کیوں نہ ہوئی ہو مگر وارانے سے مذہبی جنگ سمجھی تھی اور وہ لڑا تھا محض مذہبی صورت سے۔ سکندر اعظم کے بعد یونان میں جو کچھ قتل و غارت ہوئی محض مذہب کی آڑ میں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مذہب نے یونان کی شاہراہوں پر خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ سلطنت کا مذہب پرانے خیالات پر مبنی تھا اور نئے خیالات گویا اس کے لئے سم قاتل تھے اخیر تلوار کی نوبت آئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور چاروں طرف سے غضب الٰہی ٹوٹ پڑا حضرت موسےٰ کی لڑائیاں زمین فراعنہ میں مذہبی جامہ میں ہوئیں اور اخیر جو کچھ خونریزی ہوئی وہ سب مذہب کے عنصر ہو پی گئی۔ پھر حضرت مسیح پیدا ہوئے اور کئی برس اپنے باپ یوسف نجار کی دوکان پر پرورش پاکے یوحنا کے وعظوں میں جانے لگے وعظ سنتے سنتے انہیں بھی جوش ہوا کہ میں بھی کچھ منادی کروں کیوں کہ اپنے باپ کا پیشہ نجاری اُنہیں اچھا نہ معلوم ہوا اور اُنہوں نے نہ چاہا کہ اس گمنامی سے زندگی بسر کروں چنانچہ آپ نے یوحنا کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر اُن کی اجازت سے منادی کرنے لگے مگر اس منادی نے آپ کو کچھ پھل نہ دیا مرید تو کوئی ہوا نہیں مگر مخالفت زیادہ پھیل گئی اور یہودی برافروختہ ہوکے حضرت مسیح کو کافر یا کفر بکنے والا کہنے لگے گویا مذہب نے فساد اور خرابی کی ریشہ دوانی شروع کردی یہودی حضرت مسیح سے محض مذہب کی خاطر بگڑ تھے اُن کی مخالفت سے حضرت مسیح سخت پریشان ہوئے اور ادھر اُدھر چھپتے پڑے پھرے اخیر یہودیوں نے نہ چھوڑا اور صلیب دے دی۔ قرآن مجید نے صلیب دینے سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنی موت سے مرے مگر اتنا تو ضرور کہلتا ہے کہ صلیب پر انہیں چڑھایا تو گیا۔ چونکہ دوسرے دن سبت کا روز شروع ہونے کو تھا انہیں چند ہی گھنٹے کے بعد اُتار لیا گیا اور پھر وہ قبر میں دفن ہوئے اور وہاں سے شب کو اُن کے شاگرد چرا کے لے گئے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ محض مذہبی فساد نے یہ آفت ڈھائی اگر مذہبی رنگ نہ ہوتا تو حضرت مسیح کا عنفوان جوانی کیوں سخت مایوسی کے ساتھ تمام ہو جاتا۔

فخر رسل حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور محمود و مسعود تک کوئی تاریخ داں کسی ایک ایسی لڑائی کا پتہ نہیں دے سکتا جو مذہبی پیرایہ پر نہ ہوئی ہو محض ناممکن اور بالکل ناممکن ہے کل قوموں نے سوائے اسلام کے ہمیشہ مذہب کے لئے تلوار اُٹھائی ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ عیسائیت محض تلوار کے زور سے پھیلی ہے پچاس پچاس ہزار یہودی زندہ جلا دیئے گئے یا عیسائی کرلئے گئے۔ امریکہ میں بارہ حواریوں کے نام پر لاکھوں کو صلیب پر کھینچ دیا۔ جس مذہب کی بنیاد ایسی انکساری اور رحم پر رکھی گئی ہو وہ ایسی سخت خونریزی میں مبتلا ہو جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملنے کی۔

فاضل ڈریپر کی کتاب "کانفلکٹ بیٹوین سائنس اینڈ ریلیجن" موجود ہے جس میں یہ تمام خونی واقعات مشرح لکھے ہوئے ہیں اور کوئی عیسائی ان کا بطلان نہیں کرسکتا۔ جب تک عیسائیوں کے ہاتھ میں تلوار نہ آئی تھی تو یہ ادھر اُدھر منادی کرتے پھرتے تھے اور جب ایک گروہ کثیر اُنہوں نے اپنا ہمخیال بنا لیا تو پھر تلوار اُٹھائی اور اخیر اس زمانہ تک وہ تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی ہے ۱۸۷۷ء میں روسیہ نے جب ترکوں پر حملہ کیا ہے تو یہ بیان کیا تھا کہ میں مذہب عیسویت کے تحفظ

بڑھ جانا بیان کیا گیا ہے جسے خدا کبھی دوست نہیں رکھتا دنیا میں اسلام کا ظہور تلوار چلانے یا حضرت مسیح کے حکم کی تعمیل[1] کرنے نہیں ہوا تھا بلکہ مقصود خداوندی یہ تھا کہ لوگوں کی بدترین حالت میں اصلاح ہو شرک اور کفر کی تاریکی مٹ جائے مصنوعی دیوتا جنہوں نے قومی خیالات کو سخت پست کر رکھا تھا نیست و نابود کر دیئے جائیں مظلوموں کی داد رسی کی جائے اور مستورات کو آفت سے نجات دی جائے یہ خاص منشا ظہور اسلام کا تھا اسی بنا پر خداوند تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ جو تم سے لڑتے ہیں ان سے تم بھی لڑو مگر خبردار حد سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ حد سے آگے بڑھنا مجھے پسند نہیں آتا۔ حد سے آگے بڑھنے کے یہی معنی ہیں کہ بلا وجہ تلوار اٹھائی اور ایسے شخص یا قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونا جو ہم سے نہیں لڑتی اور نہ ہم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔ بس اسی کو حد سے بڑھنا کہتے ہیں اور یہی خداوند تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

قرآن مجید میں ہر مقام پر انتہا درجہ عاجز ہونے وطن سے بے وطن ہونے برباد ہونے اور مذہبی ارکان کی بجا آوری سے روکے جانے پر تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے وہ بھی اس وقت کہ تلوار اٹھانے کی طاقت ہو چنانچہ قوم شمویل کا قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے جو انہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا

یعنی ہم خدا کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب ہم اپنے گھروں سے بے گھر اور اولاد سے محروم ہوئے ہیں جب یہ کل آفتیں گزر جائیں جب گھروں سے نکال دیئے جائیں اور جب اولاد چھین لی جائے اس وقت اس انتہا درجہ کی مجبوری میں لڑنے کا حکم دیا ہے۔ اب کون مذہب کہہ سکتا ہے کہ اس نے اس سے زیادہ خونریزی سے نفرت کی ہے دنیا میں اس سے زیادہ صلح پسند مگر طبع انسانی اور قانون قدرت کے مطابق مذہب کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا گیا ہے وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال[2] والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا" یعنی تم کو کیا ہوا تم خدا کی راہ میں اور عاجز لوگوں اور بچوں کے لئے

---

[1] حضرت مسیح فرماتے ہیں "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴-۳۵-۳۶) یہ قول ہے حضرت مسیح کا جس سے خون اور کرب و بلا کی صدائیں آتی ہیں انجیل کے مفسروں نے اس خون آلود قول کی عجیب و غریب توضیحات کی ہیں مگر وہ ثابت نہ کر سکے کہ حضرت مسیح کا یہ مقولہ تمدن اور امن کا برقرار رکھنے والا ہے قرآن مجید میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی آیت موجود نہیں ہے جس میں اس شد و مد سے فرمایا گیا ہو۔

[2] ہدایہ کے حاشیہ فتح القدیر میں منشائے جہاد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "المقصود منہ (ای الجہاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین و دفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قولہ تعالیٰ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ" (فتح القدیر صفحہ ۲۸۵ جلد ۲) یعنی جہاد سے مقصود نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ دین کو اسلام عزت دنیا اور مسلمانوں سے کفار کی تکلیف دہی کو روکنا اس سے مقصود ہے اس پر خدا تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار سے لڑو تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو اور دین کا کوئی مزاحم نہ رہے۔ غرض جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں وجوہات جہاد بھی موجود ہیں۔ ممالک روسیہ میں جہاں مذہبی آزادی کا نام بھی نہیں ہے اور جہاں مسلمان حسب دلخواہ اپنے ارکان مذہب ادا نہیں کر سکتے

کا تمدن ہے قومیت بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے اور اتفاق قومی کی بھی یہی بنیاد ہے۔ خدا کی غرض یا رب العرش کا بہت بڑا منشا مخلوق کے پیدا کرنے کا یہ ہے کہ وہ خالص ایک خدا کی پرستش کریں جو لوگ حاجتمند ہیں اُن کی مدد کریں بس یہی اُن کے لئے حکم ہے اور ان کے پیدا کرنے کا بہت بڑا منشا یہی ہے۔ ان آیتوں پر غور کرنے کے بعد کون شخص کہہ سکتا ہے کہ جہاد اسلام کے اعلےٰ اصول میں سے ہے اور کون متعصب سے متعصب شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد محض خونریزی اور کشورکشائی پر اول دن سے رکھی گئی۔ اول ہی اول نبی معصوم و برحق نے کس بات کا وعظ فرمایا تھا صرف یہی نا کہ بتوں۔ سیاروں۔ درختوں اور فرضی شیطانوں کی پرستش نہ کرو۔ اور خدائے کائنات پر ایمان لاؤ جب اس روشن ہدایت سے اُنہوں نے مخالفت کی اور محض اپنی شقاوت قلبی سے اُس مخبر صادق کو صرف حق گوئی پر ستانا اور تکلیف دینا شروع کیا۔ اور جتنے مظالم کہ وہ کر سکتے تھے اور اُن کی دست قدرت میں تھے سب ہی اس معصوم و برحق نبی پر توڑے حتےٰ کہ اسے اس کے پیارے وطن اور موروثی گھر سے نکال دیا جس گھر میں اس نے پرورش پائی شہر کی جن شاہراہوں میں وہ بچپن سے بڑا ہوا جس تنہا مقام میں اس نے برسوں عبادت خدا کی اور جہاں رہتے ہوئے اس کی کئی پشتیں گزر گئی تھیں بلا وجہ وہاں سے اسے مجبور کرنا کہ وہ اس عزیز سرزمین کو نہایت مایوسی اور خون کی بھری ہوئی نظروں سے الوداع کہے اور اخیر اسے یہ کرنا پڑا ہم کہتے ہیں کہ اس پاک نفس نے کبھی اُن کی مخالفت میں تلوار نہیں اٹھائی کبھی اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کبھی اُنہیں مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنا وطن چھوڑ دیں۔ جتنے ظلم اُنہوں نے کئے وہ بلا وجہ تھے اور اس کی سزا اُنہیں خود ہی ملنی تھی۔ وطن چھوڑانے کے بعد بھی وہ از خود کبھی اُن سے برسر پرخاش نہیں ہوا اُس نے صرف اُن سے قطع تعلق کیا بلکہ اُن کی کسی بات سے سروکار نہ رکھا۔ اس نے کبھی مسلمان واعظ مکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے نہیں بھیجے اگر مشرکان عرب کو یہ شکایت تھی کہ آپ اُن کے مذہب کے خلاف وعظ فرماتے ہیں تو وہاں سے چلے آنے کے بعد تو وہ شکایت رفع ہو جانی تھی مگر نہیں مشرکین عرب نے مدینہ منورہ میں بھی پیچھا نہیں چھوڑا ناچار حضور انور نے اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے تلوار اُٹھائی۔ اور جب تک اپنی کامل حفاظت دشمنان اسلام سے نہ کر لی تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی۔ ہم آئندہ مفصل طور پر غزوات نبی علیہ السلام پر بحث کریں گے فی الحال ہم قرآن مجید سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ جہاد کے لئے کیا حکم دیتا ہے اور اس نے جہاد کی بابت کیا فیصلہ کیا ہے۔

قرآن مجید نے یہ فیصلہ کر دیا ہے "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" جہاد عام طور پر غیر اسلام کی نظروں میں اس خوفناکی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ دہلا دینے والا لفظ نہ صرف عربی میں بلکہ کسی زبان میں بھی نہ ہوگا۔ اس آیت میں جابرانہ حملہ آوریوں کو بہت شد و مد سے روکا ہے اور وہ حملہ آوری خواہ مذہبی جامہ میں کی جائے یا کشورکشائی اور ملکی لباس میں چونکہ دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے سے مقصود خداوندی عبادت اور خدائے کائنات کی پرستش قرار پا چکی ہے اس لئے خونریزی اور کشورکشائی کی ہوس کو روکنے کے لئے صاف حکم دیدیا ہے کہ جب تک تم سے نہ لڑیں ہرگز پیشقدمی نہ کرو۔ کیونکہ آیت کے اختتامی کے الفاظ میں پیشقدمی کو حد سے

ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ۱۱

یعنی خدا مسلمانوں سے ایذا کو روکتا ہے۔ وہ ناشکر خائنوں کو پسند نہیں کرتا جن سے ظالم لوگ لڑتے ہیں اُن کو مظلوم ہونے کے سبب لڑنے کی اجازت ہے خدا اُن کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں اسی بات کے سبب کہ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ بچائے تو گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے سب ہی ڈھائی جائیں اب نہایت انصاف اور غور سے اس آیت کو پڑھنا چاہیے کیسی کیسی باتیں اس سے پیدا ہوتی ہیں اور فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے جہاد کا منشا صرف یہی بیان ہوا ہے کہ جب گھر سے بے گھر ہوں۔ بال بچے چھین لئے جائیں اور خدا کا نام لینے اور اس کی خالص عبادت کرنے سے بالجبر روک دیئے جائیں اور تمام مظالم کی انتہا ہو چکے تو اُس وقت تلوار اُٹھانی چاہیے یہ گویا وجوہات جہاد ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اگر مسجدیں۔ گرجے اور یہودیوں کی خانقاہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے ان کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو اور یہ یقین کر لیا جائے کہ مخالف نہیں چھوڑے گا تو فوراً جدال وقتال پر آمادہ ہو جاؤ اور حتی الامکان ان مقدس مقامات کی جہاں خدائے واحد و مطلق کا نام لیا جاتا ہے حفاظت کرو۔ یہاں نہ صرف مسجدوں کے ڈھانے پر ہی جہاد کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ گرجوں اور خانقاہوں پر بھی تلوار پکڑنے کا ارشاد ہوا ہے اگر کہیں مشرکوں کی حکومت ہو اور وہاں یہودی۔ عیسائی اور مسلمان مل جل کے رہتے ہوں اور کسی بیجا خود غرضی سے وہ مشرک حکمراں گرجوں کو صدمہ پہنچانا یا منہدم کرنا چاہتا ہو تو بموجب فیصلہ خداوندی کل موجودہ مسلمانوں پر فرض ہو گا کہ اگر اُن میں طاقت ہے تو وہ تحفظ گرجا کے لئے فوراً شمشیر بدست ہو جائیں اور جب تک انقطاعی فیصلہ نہ کر لیں ہرگز باز نہ آئیں یہ ہے اسلام اور یہ ہیں اُس کے احکام اُس نے معابد نصاریٰ اور یہود کو اسلام کے ساتھ ایک پیمانہ میں رکھا ہے نہ اُس نے قبلہ کو کچھ افضل ٹھیرایا ہے اور نہ مساجد وغیرہ کو مساجد گرجوں اور خانقاہوں کی ایک حالت دکھائی گئی جسطرح مسجدوں پر لڑنا فرض قرار دیا ہے اسی طرح گرجوں پر اسی طرح خانقاہوں پر۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض یورپی مصنفوں نے لفظ جہاد اور اُس کے منشائے لفظی پر کیوں اس قدر خونی رنگ چڑھایا ہے اور کیوں بلا وجہ آسے ہوا بنا دیا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے قرآن اور اُس کے قدرتی فیصلوں کو الگ رکھدیں اور ایک عام نظر دنیا کے تمدن پر کریں اور دیکھیں کہ اگر دنیا کی کوئی حکمراں قوم وہ جبر کرے جس جبر پر مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونے کا حکم ہوا ہے اور جن پر جبر کیا جائے وہ ایسے لوگ ہوں جنہوں نے قرآن کو کبھی دیکھا نہ ہو تو کیا وہ لوگ جبر سہتے رہیں گے اور شمشیر بدست نہ ہوں گے اور آیا ایسے جابر حکمراں کی حکومت کے دن باقی رہے گی۔ یہ ایسی کچی کھلی باتیں ہیں اور ایسے بدیہی مشاہدے ہیں جن کا منکر مجنون گنا جا سکتا ہے۔ پھر اگر ایسی مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونے کا حکم ہوا اور وہ اُس پر کاربند ہوئے تو کیا غضب ہوا۔

اس کے برخلاف جہاں ہو جس ملک میں وہ با آزادی اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں جہاں ضدا

جو کہتے ہیں خدایا ہم کو ان ظالموں کی بستی سے نکال نہیں لڑتے" یہاں بھی ان مظلوم بچوں اور عورتوں کی حمایت کے لئے جو اپنے گھر سے بے گھر ہوئے تھے اور جن پر بے انتہا ظلم توڑا گیا تھا لڑنے کا حکم دیا ہے۔ ایسی حالت میں مقتضائے قانون قدرت اور فطرت انسانی یہی ہے کہ ایسے بیکسوں پر جان دیدے اور اپنا خون بہا کے اُن کی جان آفت سے بچائے یہی انسانیت اور یہی ہمدردی اور یہی عین رحم ہے۔ آگے اور بھی بوضاحت ارشاد کیا ہے۔" ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً فلا تتخذوا منهم اولیاء حتی یهاجروا فی سبیل الله فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حیث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم ولیاً ولا نصیراً الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینهم میثاق او جاؤکم حصرت صدورهم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومهم ولو شاء الله لسلطهم علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل الله لکم علیهم سبیلاً"
یعنی مکہ اور اسکے اطراف کے کافر چاہتے ہیں تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے ہو رہو تم ان کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ خدا کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں۔ یہ لوگ تمہاری دوستی سے منہ پھیریں تو اُن کو پکڑو اور جہاں پاؤ مارو بجز اُن کے جو تمہارے عہد و پیمان والوں سے جا ملیں یا یہ وہ تم سے یا تمہارے دشمنوں دونوں سے لڑنے کو پسند نہ کریں خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے کنارہ گزین ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور صلح کا پیام دیتے ہیں تو خدا نے اُن پر تم کو لڑنے کا راستہ نہیں دیا۔
صلح ہو جانے اور معاہدہ ہو جانے کے بعد قطعی ممانعت کا حکم دیدیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ توضیح اس آیت میں کردی ہے

وہاں یہ بھی غضب ہے کہ ہدایہ کا باب الجہاد ہدایہ میں سے حکماً نکال ڈالا گیا ہے اور قانوناً کوئی شخص مجاز نہیں ہے کہ وہ باب الجہاد اپنے پاس رکھ سکے کوئی مسجد بطور خود نہیں بنا سکتا جبتک کم سے کم تین سو آدمیوں کی دستخطی عرضی معہ مقررہ شرائط اور ذمہ داری کے حاکم ضلع کو نہ دے کوئی شخص حج میں نہیں آسکتا جبتک ۵۰۰ سکہ روپیل بطور ضمانت گورنمنٹ کو نہ حوالہ کرے قازان کے ایک شخص نے جو ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا ہم سے یہ ساری کیفیت بیان کی تھی اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ روسیہ نے ایک بار یہ چاہا تھا کہ قرآن مجید سے آیات جہاد خارج کردی جائیں مگر اس سے کل مسلمان آبادی بھڑک اُٹھی اور فوراً آخر اُسے اپنا یہ ارادہ فسخ کرنا پڑا برخلاف انگریزی سلطنت کے کہ مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی ہے اور آزادی بھی اتنی کہ انہیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر روسیہ چونکہ ایک جابرانہ اور سخت متعصب سلطنت ہے اسلئے وہاں مسلمانوں کی مذہبی آزادی ہمیشہ معرض زوال میں رہتی ہے تاہم ابھی وہاں بھی وہ وجوہات جن سے روسیوں پر جہاد ہو سکے قایم نہیں ہوئی ہیں جن مجبوریوں پر مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کا حکم ہوا ہے کیا علاوہ مسلمانوں کے کوئی قوم جب اسے ایسی مجبوریاں لاحق ہوں تلوار نہ اُٹھائے گی۔ برہمنوں نے تو بغیر کسی وجہ کے ہندوستان بھر سے مذہبی جہاد کرکے پرامن اور صلح پسند قوم بودھ کو نکال دیا تھا اور ایسا نکالا تھا کہ ایک بودھ کا نام و نشان بھی اس وسیع خطہ میں باقی نہ رہا تھا خونریزی اس قدر ہوئی تھی جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی عیسائیوں کی صلیبی جنگیں مشہور عام ہیں جن کی جنگوں کی بنا محض تعصب اور کشور کشائی پر موقوف تھی سوائے مسلمانوں کے دنیا کی کوئی متمدن قوم یہ دعوے نہیں کرسکتی کہ اُس نے مجبور ہو کے اور وجوہات بالا پر کاربند ہو کے حریف کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام پر کوئی الزام نہیں آسکتا دوسری قومیں مذہبی لڑائیوں کے حق میں خود بہت بڑی ملزم ہیں۔ اسلام تمام الزاموں سے پاک ہے جو اُس پر محض تعصب سے قایم کئے جاتے ہیں وہ ایک صلح پسند اور پرامن مذہب ہے اور اس سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں پیدا ہوا۔

یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ کہاں ہیں یہ کھلے الفاظ کسی الہامی کتاب میں اور کہاں ہیں وہ معترض جو اپنے دل کے جلے پھپولے پھوڑا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور اسلام کا پہلا حکم اُن کو یہ ہوا کہ کیا تو اسلام قبول کرو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ ساری باتیں محض خیالی ہیں اور واقعات پکار کے کہہ رہے ہیں کہ انہیں صدق سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ آگے آنے والی آیت میں تو خداوند تعالےٰ نے ہر ایک بات کا انقطاعی فیصلہ کر دیا ہے جس میں نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ کسی توضیح کی حاجت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا ہے لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون یعنی خدا تم کو ان لوگوں سے سلوک و احسان کرنے سے مانع نہیں جو تم سے دین کے سبب نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا خدا انصاف والوں سے خوش ہے تم کو ان ہی لوگوں کے ساتھ سلوک اور دوستی سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہیں اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے مقابلہ میں مدد دے چکے ہیں جو اُن کو دوست سمجھیں گے وہ ظالم ہیں" اس سے زیادہ کھلا فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا سمجھ میں نہیں آتا کہ معترضین ان آیتوں کے دیکھنے سے کیا اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا تعصب اُنہیں ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ یہ روشن آیتیں اُنہیں نہیں سجھائی دیتیں۔ ان لوگوں پر یا اس حکومت پر جو غیر اسلام ہے اور جس نے نہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور نہ اُن سے دین کی وجہ سے لڑی ہر طرح مسلمانوں پر فرض ہے کہ اُن پر احسان کریں دین کے سبب لڑنے سے غرض یہ ہے کہ کوئی غیر اسلام حکومت مسلمانوں کے خلاف اس بنا پر تلوار اُٹھائے کہ وہ مذہب اسلام کو چھوڑ دیں اور فرائض اسلام نہ ادا کریں اس مجبوری کی حالت میں جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس روشن آیت کے اخیر حصّہ میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ اُن پر نہ احسان کرو نہ اُن کے ساتھ کوئی سلوک کرو جو تمہیں گھروں سے نکال چکے ہیں اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے خلاف مدد دے چکے ہیں یہ ساری باتیں ایسی ممکن التعمیل ہیں کہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو اس سے چارہ نہیں ہوا۔ موجودہ قوانین بین الاقوام پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو اُن کی بھی یہی بنیاد ہے۔ کون قوم ایسی ہے جو گھروں سے نکالی جاتے اور اس پر جبر کیا جائے کہ تو اپنے دینی عقاید کو چھوڑ دے اور پھر بھی قوت ہونے پر وہ برسر پرخاش نہ ہو۔ یہ تو قرآنی احکام ہیں مگر جب ہم موجودہ زمانہ میں ایک صدی کی جنگوں کی وجوہات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ معمولی بہانہ سے جنگ چھیڑ دینی اپنی عظمت اور طاقت کا بہت بڑا اصول گنا جاتا ہے۔ طاقتور دولتیں ہمیشہ کوئی نکوئی بہانہ ڈھونڈا کرتی ہیں اور بعض اوقات تو اپنی قوت کے آگے اُنہیں کسی بہانہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور وہ بہت آزادی سے خون بہانے کو موجود ہو جاتی ہیں۔ مخلوق خدا کی خونریزی ایسا خطرناک اور مکروہ امر ہے کہ شاید اس سے بدتر دنیا میں اور کوئی قبیح امر نہیں۔ اسلام چونکہ قوانین قدرت کا ایک مجموعہ ہے اس لئے اسلام نے بالطبع خونریزی کو ناپسند کیا ہے اور نہایت مجبوری کی حالت میں جب جان ہی پر آبنے تلوار پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

۵ مذکورۂ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے جو غیر اسلام شاہ کی عملداری میں رہتے ہوں۔ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسی غیر مسلمان سلطنت کے دوست بھی ہوا ور اس کے ساتھ سلوک بھی کرو

(بقیہ صفحہ ۳۵۲) پر ہرگز گاہک کی نظر نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن مجید ہے نہ اس کو روپیہ کی ضرورت ہے نہ تلوار کی نہ حکومت کی نہ واعظین کی بلکہ خدا

واحد کی عبادت کرنے کے علاوہ اُنہیں اشاعت دین کی پوری پوری آزادی ہے جہاں وہ حکومت کے مذہبی پیشواؤں سے کلہ بکلہ لڑ سکتے ہیں اور جہاں وہ کل ممکن وسائل اور جائز ذریع اشاعت اسلام کے برت سکتے ہیں تو بحیثیت اُنکے مذہبی احکام کے اُن پر فرض ہے کہ وفادارا اور اطاعت گزار ہوکے رہیں اور ہر مصیبت میں اپنی حکمران قوم کی مدد کریں یہ عین احسان پرستی اور عین انسانیت اور عین اسلام ہے۔ وہ مسلمان نہیں ہے جو رسول کے فیصلہ سے دل تنگ ہوا اور ہم اسے کافر سمجھتے ہیں جو محض اپنی تاریکی قلب اور ناجائز تعصب سے خدا کے احکام سے ناک بھوں چڑہاتا ہے۔

ہم دنیا کے کل مذاہب کو مقابلہ کے لئے طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا ہو جس میں غیر مذہب کے معابد کا تحفظ اسی طرح لازم وضروری بلکہ فرض ہو جسطرح خود اُس کے معابد کا جہاں تک ہم نے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کو جانچا دیکھا اور غور وخوض سے پڑہا ہے ہمارا خیال نہیں ہے کہ کہیں بھی ایسا اشارہ آیا ہو ہر مذہب اپنے ہی دائرہ میں محدود اور اپنی ہی ہدایت کے لئے چست اور مستعد ہے بلکہ دوسرے مذہب کو مٹانے یا مٹنے کی خواہش کرنے میں ید طولے رکھتا ہے برخلاف اسلام کے کہ وہ دوسرے مذہب کا تحفظ بمنزلہ اپنے تحفظ کے سمجھتا ہے اور اسی زبردست اصول پر اُس کی ساری بنیاد ہے۔ اسلام بہت صاف ہے اور کھلے لفظوں میں یہ بیان کرتا ہے۔

طلہ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

طلہ حضرت انس نے اس آیات کے شان نزول میں فرمایا ہے۔ رواہ ابن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قالت کانت المرأة تکون مقلاة فتجعل علی نفسہا ان عاشا لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناء نا فانزل اللہ عز وجل لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (ابوداؤد) یعنی اگر انصار میں کوئی عورت لاولد ہوتی تو یہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اُس کو یہودی بناؤں گی پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچوں کی نسبت یہودیوں اور ان کے وارثان انصار کا جھگڑا ہوا انصار نے یہ دعوی کیا کہ یہ ہماری اولاد ہیں ہم ان کو جانے نہ دینگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے پھر تفسیر معالم دالالکۃ ہے "فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد خیر اصحابکم فان اختاروکم فہم منکم وان اختاروہم فاجلوہم معہم وقال مجاہد کان الناس مسترضعین فی الیہود من الاوس فلما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باجلاء بنی النضیر قال الذین کانوا مسترضعین فیہم لنذہبن معہم ولندینن بدینہم فمنعہم" یعنی اس موقع پر حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ملگیا ہے یہ تم کو پسند کریں تو تم میں سے ہیں یہودیوں کو پسند کریں تو ان کے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہوں۔ اگر ہم اس شان نزول کو صحیح مانیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت رسالتمآب کے زمانہ محمود ومسعود کی طاقتور ہونے کے بعد بھی کس قدر آزادی ہے کہ باوجود قدرت کے بچوں کو آزاد کر دیا کہ چاہے جہاں جائیں اور رہیں جہاں میں کچھ بعد لوگ نہیں ہے زبردستی مسلمان بنایا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ہدایت سے گمراہی ممتاز ہو چکی ہے تو اب جبر واکراہ کی ضرورت نہیں ہر شخص آزاد ہے کہ جیسے کوئی سا مذہب اختیار کرے اور اگر ہم اس شان نزول کو نہ بھی تسلیم کریں تو ہمیں نفس آیت پر غور کرنے کے بعد خود اس کا بہت آسانی سے فیصلہ معلوم ہو جائے گا کہ جو مذہب اپنی ہدایت پر اس قدر ناز کرتا ہے اس کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ آزادی بھی اسیقدر دیوے جبر واکراہ ہمیشہ باطل مذاہب کا لازمہ ہوا کرتی ہے پر از ہدایت مذہب کو جبر واکراہ سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ گاہک اُسی دکاندار کے پاس دوڑ کے جائے گا جس کا سودا کھرا اور جس کی تول ٹھیک ہوگی اور جس دکاندار کا سودا بھی خراب اور تول بھی خراب ہوگی وہاں بلانے پر بھی رخ نہ کریگا اور دکاندار کی منتوں عاجزیوں پر

شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے) (اور اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہو تو اسی کی سی ایک سورت (تم بھی بنا) لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے حمایتی ہیں ان کو بلا لو۔ وہ تو یہ ہے کیا بنا سکتے ان سے بھی زیادہ ایسی اور دشمنان اسلام کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔ بعض ادنیٰ درجہ کے لوگوں نے اس بارہ میں صد ہا بے ہودہ درازیاں کی ہیں اور قرآن جیسی متمدن کتاب پر نافہمی سے ہرزہ درائی کی ہے مگر ان کے کل اعتراض منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ان میں ذرا بھی قیام کرنے کی سکت نہیں ہے۔ غرض یہی تو یہ ارشاد ہوا اور خود ہی نہایت زور سے اس کا جواب بھی دیدیا۔ پس اگر اتنی بات بھی نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کے ایندھن میں آدمی اور پتھر ہوں گے اور وہ منکروں کے لئے دھکی دھکائی تیار ہے۔ کون شک کر سکتا ہے کہ قانون قدرت کے منکر یا بالفاظ دیگر منحرف کی سزا آگ نہیں ہے۔ ایسے غافلوں کو تو دنیا ہی میں ایسی ایسی ناقابل برداشت سزائیں ملجاتی ہیں جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

جہاد جس کا نہایت ہی ضروری [illegible] کی حالت میں حکم دیا ہے اسلام کے اعلیٰ درجہ کے ارکان میں پھر بھی اس کا شمار نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وفی سنۃ ان افضل الاعمال یا ایہا الناس ان اللہ العبادۃ والذکر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوۃ لوقتہا قلت ثم ای قال بر الوالدین قلت ثم ای قال الجہاد فی سبیل اللہ [illegible] (مشکوٰۃ صفحہ [illegible])

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے (تبارک الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا) کی تفسیر میں فرمایا کہ سب کاموں سے افضل خدا کی عبادت اور ذکر ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ خدا کے نزدیک سب عملوں سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر کہا پھر کونسا عمل آپ نے فرمایا ماں باپ سے نیکی کرنا کہا اس کے بعد کونسا عمل آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم جو تمدن اور روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر مبنی ہے۔ خدا کی عبادت جو کنجی ہے عین انسانیت کی تعلیم کی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام فرائض سے مقدم فرمایا اور انحصار کردیا کہ رب الافواج کو اس سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں ہے پھر نماز سے دوسرا درجہ والدین کی خدمت رکھی اور فی الحقیقت جب تک انسان خدا کو نہ پہچانے گا والدین کی خدمت و اطاعت

(بقیہ صفحہ ۳۵۴) جس سے کبھی بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ انجیل وغیرہ الہامی کتب کی تعلیم بعض موقع پر بہت ہی دل خوش کن اور اخلاق سے پر ہے مثلاً ایک گال پر تھپڑ کھا کے دوسرا گال آگے کردینا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی کسی نے اس پر عمل کیا اور فرض کرلو کہ دنیا اس پر عمل کرے تو کیا کیفیت ہو اور تمدن انسانی کا ڈھانچہ کتنی جلدی توڑ مروڑ ڈالا جائے۔ یہ ساری باتیں محض ناممکن الوقوع ہیں اور انہیں فی الحقیقت طبع انسانی اور قوانین قدرت یا اثرات مزبوم سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے برخلاف قرآن مجید کے کہ اس کے تمام اوامر و نواہی طبع انسانی، اثرات مزبوم اور قوانین قدرت پر بالکلیہ مبنی ہیں اور نہایت غور کی جانچ کے بعد بھی ان میں کبھی فرق نہیں معلوم ہوا۔

کہ جو تمہیں نہ گھروں سے بے گھر کرے اور نہ تم سے کبھی اس نظر سے لڑے کہ تمہیں اسلام سے دست بردار ہونے پر مجبور کرے۔ اسلام کی بنیاد اول روز سے تمدن انسانی کے اعلےٰ پیمانہ پر قایم کی گئی ہے مسلمان تو مسلمان کافر کے ساتھ بھی دوستی اور سلوک کرنے کی بہت شد و مد سے اجازت ملی ہے جب تک کسی قوم میں محسن پرستی کا جوہر نہیں ہوتا وہ متمدن قوم میں فی الحقیقت وحشی گنی جاتی ہے۔ اپنے منعم اور محسن کو حتے الامکان اپنے تن من دھن سے مدد دینا اور ہر ممکن سلوک اُس کے ساتھ کرنا امن اور ملکی و قومی ترقی کا بہت بڑا ضامن ہے۔ اس آیت میں نہ کسی اہل کتاب کی قید ہے اور نہ کسی مشرک کی بلکہ ہر ایک سے احسان کرنے اور دوست رہنے کا حکم ہوا ہے جس حکومت میں ہم بآرام زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہماری جان ہمارے مال اور ہمارے حقوق۔ ہماری مذہبی آزادی انتہا درجہ محفوظ ہے ہمیں اپنے مذہبی فرایض کے ادا کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے ہم کھلے بہا دجو کچھ بھی چاہتا ہے کرتے ہیں۔ وہ تقریبات رسمیہ جنہیں واقعی مذہب اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ہم بآزادی کرتے ہیں اور اُن کی حکومت کی طرف سے کافی حفاظت ہوتی ہے نہ صرف فرائض اسلام کی انجام دہی بلکہ اشاعت اسلام کے ذرایع بھی بالکل ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں اور کسی امر میں غرض ہمارا مزاحم نہیں ہے تو ہم پر بحکم خدا نے قرآن ایسی حکومت کے ساتھ سلوک کرنا اور اُن کا دوست بننا اور اُن کے ساتھ ہر قسم کا ممکن احسان کرنا فرض ہوا۔ وہ مسلمان نہیں ہے جو ان باتوں سے دلتنگ ہو اور اُس کا ہادی اسلام ہے جو اس حکم خداوندی سے تنفر پھیرے۔

یہی خوبی ہے جسے ہم بار بار کہتے ہیں اور افسوس ہے کہ کسی دوسری الہامی کتاب میں نہیں پاتے۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے یہ دعوےٰ کیا تھا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین یعنی اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر (قرآن) اتارا ہے اگر تم کو اس میں

(بقیہ صفحہ ۳۵۵) کی حفاظت میں قدم بڑھا رہا ہے اور دن بدن اس کا قدم بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔ ہندوستان میں مذکورہ بالا مددوں میں ایک قسم کی مدد بھی اس پاک کتاب کو حاصل نہیں ہے مگر جو کچھ کرشمے اس قرآن خداوندی سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہے سب جانتے ہیں کہ مسلمان مفلس ہیں۔ وہ سب کو معلوم ہے کہ اُن کے پاس اتنا نہیں ہے کہ خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی دیں نہ اُن کی باقاعدہ انجمنیں اشاعت اسلام کی ہیں اور نہ کوئی روپیہ خرچ کرنے والا ہے پھر کونسی ایسی بات ہے کہ قرآن نسبتاً انجیل سے زیادہ مخلوق خدا کے قلوب مسخر کئے لیتا ہے اور کوئی چیز اس کی ساتھ امداد نہیں ہوتی۔ کوئی خوبی تو ہے اور کوئی معجزہ تو ہے۔ آریا اس پر اعتراض کریں نہ صرف اعتراض بلکہ بازاریوں کی طرح سخت گالیاں دیں ویسی کرسٹان اور محض ناواقف یورپی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرکے اس کی تردید میں کتابیں چھاپیں مفت تقسیم کریں اور اپنی تہذیب اور مذہبی اشیء کے مطابق ناپاک اور غلیظ الزامات اور سب و شتم سے بھی دریغ نہ کریں پھر بھی اس کی ترقی میں ذرا فرق نہیں آتا اور لاکھوں ہر سال ہندو اور عیسائی مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور ان کا مسلمان ہونا بغیر کسی لالچ کے بدیہی ہے خدا نے عقل و فہم ہر انسان کو عطا کی ہے اُسے سوچنے اور سمجھنے کی بھی طاقت ہے وہ موجودہ واقعات پر غور بھی کر سکتا ہے اور اُن سے نتیجہ بھی نکال سکتا ہے وہ تعصب سے علیحدہ ہو کے سوچ سکتا ہے کہ بغیر کسی انسانی امداد کے کسی مذہب خاص کا ترقی کرنا اور پھر اُس ترقی میں زندگی کا ہونا ضرور ایک بڑا اثر رکھتا ہے اور پھر ساتھ ہی ہر موجودہ تمدن کے مطابق اترنا یہ ایک معجزہ ہے

(۱) وعن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر الاعمال وازکاها عند ملیککم وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والفضة وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر اللہ۔ رواہ مالک واحمد والترمذی بشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰

(۱) یعنی ابودرداء نے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تم کو سب عملوں سے بہتر اور خداوند تعالےٰ کے نزدیک پاکیزہ تر اور درجات میں سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے لڑکے اس کی گردن کاٹنی اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤں لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں بتایئے آپنے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے۔

(۲) وعن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای الاعمال افضل وارفع درجة عند اللہ یوم القیمة قال الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات قیل یا رسول اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ قال لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی تنکسر ویختضب دما فان الذاکر للہ افضل منه درجة رواہ احمد والترمذی۔ مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰۔

(۲) ابوسعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضور انور سے کسی نے سب عملوں سے افضل اور درجہ میں بالاترین عمل کا سوال کیا تو حضور نے ذکر کرنے والوں کا حال بیان فرمایا سائل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ میں لڑنے والوں سے بھی بہتر ہے حضرت رسالتمآب نے ارشاد کیا ہاں اگرچہ لڑنیوالا مشرکین پر تلوار توڑ دے اور خون میں رنگا جائے تو بھی اللہ کا ذکر اس سے افضل ہے۔

(۳) وعن معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ هل تدری ما حق اللہ علی عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ ورسوله اعلم قال حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا۔ رواہ الشیخان (مشکوٰۃ

(۳) معاذ بن جبل سے حضرت رسالتمآب نے دریافت کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق خدا پر کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور رسول بہتر جانتے ہیں حضور نے ارشاد کیا کہ خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ وہ پھر ان پر عذاب نہ کرے

(۴) وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امن باللہ ورسوله واقام الصلوٰة وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخله الجنة جاهد فی سبیل اللہ او جلس فی ارضه التی ولد فیها قالوا افلا نبشر به الناس قال ان فی الجنة مائة درجة اعدها اللہ للمجاهدین انهم رواہ البخاری مشکوٰۃ صفحہ ۳۳

(۴) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر ایمان لایا اور نماز و روزہ کو اس نے ادا کیا اس کا خدا پر حق ہوچکا کہ اسے بہشت میں داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ میں لڑا ہو خواہ اسی جگہ بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ خوشخبری ہم لوگوں میں نہ سنائیں آپنے فرمایا بہشت میں سو درجے ہیں جو مجاہدین کے لئے تیار ہیں۔

(۵) عن عائشة رضی اللہ عنها انها قالت یا رسول اللہ نری الجهاد افضل العمل افلا نجاهد قال لکن افضل الجهاد حج مبرور۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے رسول خدا ہم جہاد کو اور کاموں میں سب سے بہتر سمجھتے ہیں کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں آپ نے ارشاد کیا اے عورتوں تمہارے لئے بہترین جہاد حج مبرور ہے۔ حج مبرور وہ ہے جو پورے کامل طور پر ادا ہوا اور نافرمودہ گناہ کی اس میں شرکت نہ ہو)

نہیں کر سکتا خداوند تعالےٰ خالق حقیقی اور والدین خالق مجازی ہیں پہلے خداوند تعالےٰ کی عبادت فرض ہے اور پھر والدین کی طاعت دنیا کی تمام متمدن قوموں میں والدین کی محبت اور اطاعت کو عین انسانیت یا عین تہذیب شمار کیا گیا ہے مگر اتنا سمجھنا ضرور ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کس زمانہ میں ہوا تھا اور اس وقت اولاد اور والدین کے تعلقات کس زبون ترین حالت میں پہنچ گئے تھے ۔ یہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا اور انسانی تہذیب کے لیے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا تھا ۔ والدین کو اپنی اولاد کی تو یہ محبت تھی کہ وہ زندہ لڑکیوں کو پیوند زمین کر دیتے تھے اور اولاد کو اپنے والدین کا یہاں تک پاس و ادب تھا کہ ایک نوجوان شخص کے لئے باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں حلال و جائز تھی ۔ یہ تعلق تھا اور یہ پاس و ادب تھا کچھ مشرکین عرب پر ہی موقوف نہ تھا بلکہ نصاریٰ میں بھی یہ رسم جاری تھی اور اسے عین انسانیت خیال کیا جاتا تھا ۔ ایسے پر آشوب زمانہ میں ۔ ایسے خطرناک وقت میں ۔ انسانیت کی ایسی زبون ترین حالت میں ۔ والدین اور اولاد کے ایسے شرمناک تعلقات میں انقطاعی طور پر اس کا فیصلہ کر دینا کہ خدا کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت اور اطاعت کرنا خدائے عزوجل کو بہت پسند ہے ۔ خیال کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ یہ حیرت انگیز تمدن انسانی کو قایم کرنے والی عین تہذیب عین اخلاق عین انسانیت کس کی آواز تھی اُس تنہا بے یار و مددگار مقدس نفس کی آواز تھی جو یتیم پیدا ہوا جسکے گلے میں چھ برس کی عمر میں دوہری یتیمی کا ہار پڑا جس نے نہ کسی دار العلوم میں تعلیم پائی نہ کسی پیر نے مجاہدے اور مراقبے کرا کے اُسے روحانیت کے اعلےٰ درجے طے کرائے نہ اُسے ادب آداب اور تمدن کے قواعد سکھائے گئے اور نہ کسی شفیق معلم سے اس نے تعلیم پائی جب سے اُس نے ہوش سنبھالا آب و ہوا ۔ در و دیوار کوہ و بیابان ۔ سنگلاخ پٹھان سب ہی میں وحشت کا رنگ پایا اس میں رہنا اسی میں پرورش پانا اور اسی میں اپنی زندگی بسر کرنا ۔ اپنے چچا کے اونٹوں کو چرانا اور اونٹنیوں کا دودھ دوہنا غرض بچپن کا سارا زمانہ اسی میں بسر ہو گیا جب خداوند تعالےٰ کو منظور ہوا کہ عرب کی گمنام قوم کو اُبھارے اور اُس کا دنیا میں سکہ بٹھائے تو اسی یتیم بچہ کے آگے قانون قدرت کی کتاب کھولدی اور اُس نے اُس کتاب کی تعلیم اپنی قوم کو دینی شروع کی وہ تعلیم جو قیامت تک نہیں بدل سکتی اور وہ تعلیم جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے یا جسکا ایک ایک لفظ قانون قدرت کا لفظ ہے ۔ یہ صاحب قانون قدرت ہی کی تعلیم تھی کہ عبادت خداوندی کو سب سے افضل خدمت و اطاعت والدین کو اس سے دوم درجہ پر اور جہاد کو اس سے تیسرے درجہ پر بیان فرمایا اگرچہ یہاں قیود جہاد کی طرف اشارہ نہیں کیا پھر بھی یہ ضرور ثابت ہوتا ہی کہ آپنے اسے اہم فرائض انسانی میں نہیں شمار کیا ۔ قرآن مجید میں جہاں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے کہیں بھی اُن کثیر تعداد آیتوں میں جہاد کا اشارہ بھی نہیں ہے جہاد کو انتہا درجہ حالت مجبوری میں جائز رکھا ہے اور یہ ایسا روشن قانون ہے کہ ہر قوم اور ملک میں اب تک جاری ہے ۔ خود انگریزی قانون کو دیکھو جسمیں حفاظت خود اختیاری کے لیے دوسرے کا خون کر دینا جائز قرار دیا گیا ہی مثلاً ایک شخص کہ جب اس پر قاتلانہ حملہ کیا جائے جائز ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرے اور جان کی حفاظت پر اگر قاتلانہ حملہ کرنیوالا مارا جائے تو اس پر کوئی الزام قایم نہیں ہو سکتا بس اسی بنا پر اور ان ہی جیسی وجوہات پر جہاد قایم کیا گیا ہی باقی جہاد فی سبیل اللہ نہ اشاعت اسلام کیلئے جائز ہے اور نہ ملک گیری کیلئے ۔

اب ذیل میں ہم چند وہ حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جو جہاد کے بارے میں آئی ہیں ۔ تاکہ ہر شخص جہاد کے منشا کو بخوبی سمجھ سکے ۔

فوجدنا رسول قیصر ببعض الشام فانطلق بی وباصحابی
حتی قدمنا ایلیاء فادخلنا علیه فاذا حوله عظماء الروم
فقال لترجمانه سلهم ایهم اقرب نسبًا الی هذا الرجل
الذی یزعم انه نبی قال ابوسفیان فقلت انا اقربهم
الیه نسبا قال فما قرابة ما بینك وبینه ولیس فی الرکب
یومئذ احد من بنی عبد مناف غیری فقال ادنوه و
امر باصحابی فجعلوا خلف ظهری عند کتفی ثم قال
لترجمانه قل لاصحابه انی سائل هذا الرجل عن
الذی یزعم انه نبی فان کذب فکذبوه. قال ابوسفیان
والله لولا الحیاء یومئذ من ان یاثر اصحابی عنی الکذب
لکذبته عنی حین سالنی عنه ولکن استحییت ان یاثر
والکذب عنی فصدقت. ثم قال لترجمانه قل له کیف
نسب هذا الرجل فیکم قلت هو فینا ذو نسب
قال فهل قال هذا القول احد منکم قبله قال هل
کنتم من آبائه من ملك قلت لا قال فاشراف
الناس یتبعونه ام ضعفاؤهم قلت بل ضعفاؤهم قال
فیزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال
فهل یرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه قلت
لا قال فهل یغدر قلت لا ونحن الآن منه فی مدة
نحن نخاف ان یغدر قال ابوسفیان لم یمکنی کلمة
ادخل فیها شیئا انتقصه بها لا اخاف ان یؤثر عنی
غیرها قال فهل قاتلتموه او قاتلکم قلت نعم قال
فکیف کان حربه وحربکم قلت کانت دولا وسجالا
یدال علینا المرة وندال علیه الاخری. قال فماذا
یامرکم به قلت یامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرك
به شیئا وینهانا عما کان یعبد آباؤنا ویامرنا بالصلوٰة
والصدقة والعفاف والوفاء بالعهد واداء الامانة

ابوسفیان کا بیان ہے کہ شام کے ایک شہر میں تلاش کرتے کرتے
قیصر کا قاصد مجھ تک پہنچا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے آیا اور ہم
بیت المقدس میں آکے پہنچے اور پھر قیصر کے دربار میں حاضر ہوئے۔
میں نے دیکھا کہ وہ دربار میں بیٹھا ہے اور اُس کے سر پر تاج ہے
ترجمان کو حکم ہوا کہ ان سے دریافت کرو تم میں سے قریب کا رشتہ دار
اس شخص کا جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے کون ہے! ابوسفیان
کا بیان ہے کہ میں نے اپنی نسبت کہا کہ میں اُس کا قریب ترین
رشتہ دار ہوں قیصر نے کہا تیرا اس سے کیا رشتہ ہے میں نے
کہا وہ میرا چچازاد بھائی ہے اور اس وقت میرے سوا عبد مناف
کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی مجھے آگے سرکنے کا حکم دیا میں
آگے سرکا اس نے ترجمان کے ذریعہ سے میرے ساتھیوں سے کہا
کہ میں ابوسفیان سے کچھ حال دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر یہ جھوٹ
بولے تو تم ضرور اس کی صحت کر دینا۔ ابوسفیان کا بیان ہے اگر
قیصر یہ ترکیب نہ کرتا یا مجھے اپنے دوستوں کی شرم دامنگیر نہ ہوتی تو میں
ضرور اس موقع پر جھوٹ بولتا قیصر نے ترجمان کو حکم کیا کہ اس سے
پوچھو اس شخص (یعنے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کا نسب تم میں
کیسا ہے۔ ابوسفیان نے کہا وہ ہم میں عالی نسب ہے کہا اس
سے پہلے تم میں سے کسی نے دعوےٰ نبوت کیا ہے میں نے انکار
کیا۔ کیا تم نے اس پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہے کہا نہیں۔ کہا
اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے کہا نہیں۔
قیصر۔ آیا بزرگ اور بڑے آدمی اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور
اور فقیر۔
ابوسفیان۔ نہیں بلکہ ناتوان اور خردسال۔
قیصر۔ اس کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں۔
ابوسفیان نہیں بلکہ بڑھتے جاتے ہیں۔
قیصر۔ آیا کوئی اسلام لا کے بھی پھرا ہے۔
ابوسفیان۔ نہیں ایمان لانے کے بعد پھر کسی نے جنبش نہیں کھائی۔

(۶) ان ام الربیع بنت البراء وھی ام حارثۃ بن سراقۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا نبی اللہ الا تحدثنی عن حارثۃ وکان قتل یوم بدر اصابہ سھم غرب فان کان فی الجنۃ صبرت وان کان غیر ذلک اجتھدت علیہ فی البکاء قال یا ام حارثۃ انھا جنان فی الجنۃ وان ابنک اصاب الفردوس الاعلی۔

(۶) یعنی ام الربیعہ یا ام حارثہ بن سراقہ حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے پیغمبر خدا کیا آپ حارث کی مجھے خبر نہ دیں گے کہ اس کا کیا حال ہے وہ جنگ بدر میں ایک ناگہانی تیر سے مارا گیا اگر وہ جنت میں گیا ہو تو صبر کروں اور اگر کسی دوسرے مقام پر ہے تو روؤں پیٹوں اور آہ وزاری کروں آپ نے فرمایا کہ اے ام حارث اُسے بہشت میں درجے ہیں اور تیرا بیٹا بالتحقیق فردوس اعلےٰ میں پہنچا جسکے معنی درجہ عالی کے ہیں۔

(۷) (ابی موسی روایت کرتے ہیں) قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانہ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

(۷) ابو موسے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شخص کافروں کے ساتھ اس لئے مقابلہ کرتا ہے کہ کچھ مال غنیمت ہاتھ لگے اور ایک شخص کہ مقابلہ شہرت کے لئے کرتا ہے اور ایک شخص اس لئے مقابلہ کرتا ہے کہ اس کی شجاعت کی چار دانگ عالم میں دھوم مچے پس ان میں سے کونسے شخص کی نسبت کہسکتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں لڑتا ہے ارشاد ہوا کہ جو شخص اس نظر سے قتال کرتا ہے کہ کلمۂ خدا کو پستی سے بلند کرے وہی راہ خدا میں قتال کرتا ہے۔

(حضرت ابن عباس سے روایت ہے)

(۸) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی قیصر یدعوہ الی الاسلام وبعث بکتابہ الیہ مع دحیۃ الکلبی وامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یدفعہ الی عظیم بصری لیدفعہ الی قیصر وکان قیصر لما کشف اللہ عنہ جنود فارس مشی من حمص الی ایلیاء شکرا لما ابلاہ اللہ فلما جاء قیصر کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حین قراہ التمسوا لی ھھنا احدا من قومہ لاسألہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عباس فاخبرنی ابو سفیان بن حرب انہ کان بالشام فی رجال من قریش قدموا تجارا فی المدۃ التی کانت بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین کفار قریش قال ابو سفیان

(۸) یعنی حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک خط لکھا اور اُسے اسلام کی طرف بلایا اور اپنے خط مبارک کو دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا اور آپ نے دحیہ کلبی سے ارشاد کیا کہ والی بصرہ کو یہ خط دیدینا کہ وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے کیونکہ آجکل اسے ایرانی فوج پر فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ حمص میں بیت المقدس جانے کے لئے آیا تھا تاکہ وہاں اپنی فتح پر شکر خدا کرے غرض جب خط قیصر کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا پڑھتے ہی حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ کہ جو اسی کی قوم میں سے ہو تاکہ میں کاتب خط کا اس سے کچھ حال دریافت کروں۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہاں اُس وقت ابو سفیان بن حرب پدر معاویہ موجود تھا اور وہ ان ایام میں جو مسلمان اور مشرکین کے مابین صلح حدیبیہ کے عہد وپیمان کے موافق زمانہ صلح کا تھا تجارت کرنے چلا گیا تھا

ولو ارجو ان اخلص الیہ لتجشمت لقیہ ولو کنت
عندہ لغسلت قدمیہ قال ابو سفیان ثم دعا بکتاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرئ فاذا فیہ بسم اللہ
الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم
الروم سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ

کو دھوکے میں پھنسائے نہ ایسا ہے کہ خدا پر بہتان اُٹھائے۔ پھر
میں نے تجھ سے سوال کیا آیا اُس کے آبا و اجداد میں کوئی بادشاہ
تھا تو نے انکار کیا پس میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کے باپ
دادوں میں کوئی پادشاہ ہوتا تو ضرور میں یہ سمجھتا کہ وہ اپنے باپ کا ملک
چاہتا ہے پھر میں نے تجھ سے سوال کیا کہ بڑے آدمی اس کے پیرو ہوتے
ہیں یا ناتوان اور فقیر تو نے جواب دیا کہ ناتوان اور فقیر اس کے پیرو
ہوئے ہیں پس کل پیغمبروں کے پیرو اول اول ناتوان اور فقیر ہی ہوتے
ہیں۔ پھر میں نے تجھ سے دریافت کیا آیا روز بروز اُسکے پیرو زیادہ
ہوتے جاتے ہیں یا کم تو نے کہا کہ زیادہ اور اسی طرح ایمان ہمیشہ

کیا ہیں اور حضرت رسالتمآب نے اگر ہدایت بھی کی تو کس امر کی۔ یہ وہ
ہدایتیں ہیں جن میں روحانی اور تمدنی اصلاحیں اعلےٰ درجہ کی موجود ہیں
اور جن ہدایتوں پر عمل کرنے سے انسان روح و تمدن کے اعلےٰ مدارج
پر پہنچ سکتا ہے۔ ابو سفیان جیسے دشمن اسلام سے بھی یہ بات نہ چھپ
سکی اور اُسے مجبوراً اسلام کی حقیقت کا اظہار کرنا پڑا۔ پہلے جو کچھ اُس نے
کہا وہ یہ تھا کہ خدائے واحد اور مطلق کی عبادت کی جائے اور اُسی
کے حضور اپنی کمزوریوں اور خلقی ناتوانیوں کا اقرار کرکے اور اُنہیں
پیش نظر رکھ کے جبین نیاز جھکانی چاہیے۔ اور اس عبادت میں کسیکو
شریک نہ بنانا چاہیے۔ اشرف المخلوقات کی پیشانی اگر سجدہ کرتی ہے
تو وحدہ لاشریک کو یہی ایمان یہی یقین اور یہی عقیدہ ہونا چاہیے
نجات کی یہی کنجی ہے اور اس پر چلنا عین جنت اور عین فردوس ہے
یہ روحانی ترقی کی جان ہے اور اس سے بہتر کوئی ذریعہ روحانی
اعلےٰ مدارج پر پہنچنے کا ممکن نہیں۔ پھر آگے دنیاوی تمدن کے
قایم کرنے کی ہدایت ہے یعنی حرام چیزوں سے اجتناب وہ حرام
چیزیں جن سے درحقیقت جسقدر روحانی جوہروں کو صدمہ پہنچا ہے
اسی قدر انسانی دنیاوی ترقی کے لئے زہر ہلاہل ہیں مثلاً شراب
خواری جو اسلام کی اشاعت سے پہلے اہل عرب بلکہ تمام دنیا
میں رائج تھی اُس کو ایک حد تک مٹادیا اور مسلمانوں کو اس
بلا سے بیدرمان سے ایسا محفوظ کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں
ملتی۔ جب یہ بہت بڑا جہاد ام الخبائث پر ہو چکا تو پھر دوسری تمدنی
صلاحیت پر مسلمانوں کی توجہ مبذول کی گئی یعنی زکوٰۃ جو درحقیقت کنجی ہے
اتحاد قومی اور قومیت قایم کرنے کی اس کی تعلیم بدرجہ اتم مسلمانوں کو

فرمائی۔ پھر عہد و پیمان پر قایم رہنے اور ایفائے وعدہ کی طرف ارشاد کیا اور
اس کے بعد امانت میں خیانت کرنے کے خطرناک نتایج سے آگاہ کرکے اس
مہلک برائی سے بچایا۔ یہ تھی تعلیم اسلام جس کا دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا
اور جو بیان بخاری شریف جیسی مستند کتاب رسول یا کتاب حدیث میں درج
ہے ہاں اگر کوئی قوم مسلمانوں کو ان اعلےٰ درجہ کی ہدایت پر عمل کرنے سے
باز رکھے یعنی اُنہیں خدائے واحد و مطلق کی عبادت نہ کرنے دے زکوٰۃ
نہ دینے دے ان پر جبر کرے کہ وہ حرام چیزیں زبردستی استعمال کریں اُن سے
بیشک قدرت ہونے پر قتال کرے اور ایسا ہی ہمارے نبی معصوم اور بعد ازاں
ہمارے پیشوایان دین نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد اسلام کا اصول نہیں
ہے اور نہ جہاد سے کوئی اعلےٰ درجہ کا مقصد خدا وندی پورا ہوتا ہے جہاد
کا مفہوم بس سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مظلوموں کی حمایت ہو۔
اور نام خدا تذلیل سے بچے۔ اور جب نام خدا یا کلمۃ خدا کو بلند کرنے
کے لئے ہر طرح کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہو اور وہ کل فرائض اسلامی
کو نہایت آزادی سے بے روک ٹوک ادا کرسکتے ہوں اُس حالت میں
اسلام نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ وہ نہایت پرامن حالت میں اپنی
زندگی بسر کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں پڑنے سے بچائیں۔

فقال الترجمانہ حین قلت ذلک له قل له انی سالتک عن
نسبه فیکم فزعمت انه ذو نسب وکذالک الرسل تبعث
فی نسب قومها وسالتک هل قال احد منکم هذا القول
قبله فزعمت ان لا فقلت لو کان احد منکم قال هذا القول
قبله قلت رجل یاتم بقول قد قیل قبله وسالتک و
هل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال
فزعمت ان لا فعرفت انه لم یکن لیدع الکذب علی
الناس ویکذب علی الله وسالتک هل کان
من اباءه من ملک فزعمت ان لا فقلت لو کان من اباءه
ملک قلت رجل یطلب ملک اباءه وسالتک اشرف
الناس یتبعونه ام ضعفاءهم اتبعوه وهم اتباع
الرسل وسالتک هل یزیدون ام ینقصون فزعمت
انهم یزیدون وکذالک الایمان حتی یتم وسالتک هل
یرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه فزعمت ان
لا وکذالک الایمان حین تخلط بشاشة القلوب لا یسخط
احد وسالتک یغدر فزعمت ان لا وکذالک الرسل لا یغدر
فزعمت ان لا وکذالک الرسل لا یغدر وسالتک هل
قاتلتموه وقاتلکم فزعمت ان قد فعل قال وان حربکم
وحربه تکون دولا یدال علیکم المرة وتدالون علیه
الاخری وکذالک الرسل تبتلی وتکون لها العاقبة و
سالتک بماذا یامرکم فزعمت انه یامرکم ان تعبدوا الله
ولا تشرکوا به شیئا وینهاکم عما کان یعبد اباؤکم
ویامرکم بالصلوة والصدقة والعفاف والوفاء
بالعهد واداء الامانة قال وهذه صفة نبی قد
کنت اعلم انه خارج ولکن لم اظن انه منکم وان یک ما
قلت حقا فیوشک ان یملک موضع قدمی هاتین و

۱ اس سے زیادہ بلیغ جملہ نہیں کہ عین اسلام کیا ہے اور اصل اسلام

قیصر۔ کسی نے اس سے کبھی بیوفائی کی۔
ابوسفیان۔ نہیں کبھی نہیں۔ لیکن ہمیں اس سے علیحدہ ہوئے
بہت عرصہ گزرا مگر ہمیں خوف ہے کہ کسی نے غدر کیا ہو۔ ابوسفیان
کا یہ بھی بیان ہے کہ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ اس گفتگو میں کوئی کلمہ
نقیض آنحضرت کہتا کیونکہ خوف یہ تھا کہ دوسرا شخص ابھی اس کے
خلاف کہدیگا۔
قیصر۔ اس نے تم سے جنگ کی یا تم نے اس سے جنگ کی۔
ابوسفیان۔ ہم نے اس سے جنگ کی۔
قیصر۔ پھر جنگ کا نتیجہ کس طرف بہتر نکلا۔
ابوسفیان۔ کبھی ہم اسپر فتح پاتے ہیں اور کبھی وہ ہمپر
قیصر۔ اخیر وہ تمہیں کسی بات کی ہدایت کرتا ہے۔
ابوسفیان۔ وہ حکم کرتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو اور عبادت
میں کسیکو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ہمیں اس عبادت سے روکتا ہے
جو ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے ہمیں نماز کا حکم دیتا ہے۔ راہ
خدا میں خیرات کرنے کو کہتا ہے اور حرام چیزوں سے منع کرتا ہے
اور زور دیتا ہے کہ عہد و پیمان ایفا کیا کرو اور امانت کو بے خیانت
ادا کیا کرو۔
قیصر۔ (اپنے ترجمان کی طرف خطاب کرکے) اس سے یعنی ابوسفیان
سے کہو کہ میں نے جب یہ پوچھا کہ تم میں وہ نسب میں بالاترین ہے
تو نے کہا ہاں پھر میں نے تجھ سے پوچھا کہ آیا تمہاری قوم میں سے
کسی نے پہلے پیغمبری کا دعوے کیا تو نے جواب دیا نہیں۔
ابوسفیان۔ پہلے بھی بہت سے ہوئے ہیں (اور قوموں میں جنہوں
نے دعوی نبوت کیا ہے۔
قیصر۔ پھر میں نے تجھ سے دریافت کیا آیا تم میں سے کسی نے
اسپر جھوٹ کی تہمت رکھی پیشتر اس کے کہ اس نے دعوے نبوت
کیا پس تو نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم میں سے کسی نے بھی ایسا
نہیں کیا۔ پس اس سے مجھے معلوم ہوگیا کہ نہ وہ ایسا ہے کہ لوگوں

نیک دل اور عادل ہونے کی شہادت دی جو کتب احادیث میں
بوضاحت موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
وقال ان بہا ملکاً صالحاً لا یظلم ولا یظلم عندہ احد فاخرجوا
الیہ حتی یجعل اللہ للمسلمین فرجا واراد بہ النجاشی واسمہ
اصحمہ وھو بالحبشۃ عطیۃ وانما النجاشی اسم الملک کقولھم
قیصر وکسرےٰ فخرج الیہا سرا احد عشر رجلا واربع نسوۃ وھم
عثمان بن عفان وامرأتہ رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم وزبیر بن العوام وعبداللہ بن مسعود وعبدالرحمن
بن عوف وابوحذیفہ بن عتبہ وامرأتہ سہلۃ بنت سہیل بن
عمرو ومصعب بن عمیر وابو سلمہ بن عبدالاسد وامرأتہ ام سلمۃ
بنت ابی امیہ وعثمان بن مظعون وعامر بن ربیعۃ وامرأتہ ام لیلی
بنت ابی حثمۃ وحاطب بن عمرو وسہیل بن بیضاء فخرجوا الی البحر و
اخذوا سفینۃ الی ارض الحبشۃ بنصف دینار وذلک فی رجب فی سنۃ
الخامسۃ من مبعث رسول اللہ وھذا الہجرۃ الاولی ثم خرج جعفر
بن ابی طالب وتتابع المسلمون الیہا وکان جمیع من ھاجر الی الحبشۃ
یعنی حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ اُسکے
ملک میں کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے تم وہاں چلے جاؤ تو اُمید ہے کہ
امن اور خلاصی پاؤ گے۔ اس ارشاد نبوی پر گیارہ آدمی اعیان صحابہؓ
نے جن میں حضرت عثمان اور آپ کی حرم محترم بی بی حضرت رقیہ لخت
جگر محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت زبیر اور حضرت ابن
مسعود اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور ابوحذیفہ بن عتبہ وغیرہ
شامل تھے حبشہ روانہ ہوئے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
ہوئے یہاں تک ۱۰۲ کا بر معہ بال بچوں کے شاہ نجاشی کے
ہاں جمع ہوگئے قریشیوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور وطن سے
بیوطن ہونے کے بعد بھی اُنہوں نے چاہا کہ مسلمان جہاں جائیں
کچل دیے جائیں اور ان کو کہیں پناہ نہ ملے اس تشدد اور اس خطرناک
ظلم کی بھی کوئی انتہا نہ تھی اس سفارت نے جو مشرکین قریش

ثم من المسلمین اثنین وثمانین رجلا سوی النساء والصبیان ۱۲ (تفسیر)

ہم خوب واقف تھے پس اس نے ہم کو خدا کی طرف
بلایا تاکہ ہم صرف اسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اسی کی
عبادت کریں اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں

کی طرف شاہ نجاشی کے ہاں بھیجی گئی تھی اور ان مہاجرین کا مطالبہ
کیا تھا منہ کی کھائی اور دربار نجاشی میں ناکامی کے علاوہ حضرت جعفر
بن ابی طالب کی برجستہ تقریر نے اُنہیں سخت ذلیل کیا وہ اپنا سامنہ
لے کے مکہ واپس چلے آئے اور غصہ اور ناکامی کی حالت میں اُنہوں نے
اور بھی نئے نئے ظلم حضرت رسالتمآب کی ذات اقدس و اطہر پر توڑنے
شروع کئے۔ منصف اور بے تعصب شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک گروہ
یا ایک قوم پر اتنی سختیاں کی جائیں اور ناروا جب زیادتیوں کی بیگناہوں
پر کوئی حد نہ رہے اور ایک ظالم قوم کسی کروٹ آرام نہ لینے دے تو ہکا
بکا کیوں کر اُتارے قانون قدرت اور موجودہ یورپی دولتوں کے قوانین
ایسی قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونے کا فتویٰ پکار پکار کے دے
رہے ہیں مگر واہ رے معصوم نبی تیرا بے نظیر رحم اور تیری امن پسند
طبیعت کے صدقہ کہ اس تشدد اس ظلم و ستم اس جور و ایذا پر بھی اُف
نہیں کی اور جب دیکھا کہ ہاشمیوں کی اگرچہ وہ تھوڑے سے تھے تیوری بدلتی
جاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ خون کا ایک سیلاب مقدس شہر کی شہراہوں میں
بہجائے خاموشی سے یہ مناسب سمجھا کہ اس جھگڑے ہی کو اُڑا دینا چاہئے
تاکہ خونریزی کا خیال ہی جاتا رہے چنانچہ حضور انور نے اسی نظر سے ہجرت
فرمائی۔ اور ان ہی امن پسند خیالات اور مصالح پر آپ کی ہجرت مبنی
تھی یہ تھا رحم یہ تھی امن پسندی اور یہ تھی مخلوق خدا سے محبت۔ اے
رحم اور انصاف کے پتلے تو نے رحم اور انصاف کی دنیا میں بے
نظیر قایم کردی تو مخلوق خدا کا برحق ہادی ہے اور تو ہی در اصل بے
نجات کی کنجی ہے۔

زیادہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیت ایمان ہی کی ہے کہ دلوں کو بجائے مکدر کرنے کے بشاش کرتا ہے اور یہی حال صادق القول پیغمبروں کا ہے۔ کہ بیوفائی نہیں کرتے۔ پھر تو نے یہ کہا کہ وہ قتال بھی کرتا ہے کیونکہ تو نے کہا کہ کبھی وہ اور کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور پیغمبر بھی یوں ہی جنگ و جدل میں مبتلا ہوا کرتے ہیں اور آخیر اُن ہی کی فتح ہوتی ہے۔ ہرقل نے کہا کہ یہ سب پیغمبر کی صفت تمہاری خبروں سے اور سوا اس کے جو اور خبریں مجھے پہنچی ہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ تم میں سے ہے یعنی وہ قوم قریش سے ہے۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو عنقریب وہ اس زمین تک پہنچ جائے گا۔ اگر یہ اُمید ہوتی کہ میں اُس تک پہنچ سکتا تو اُس کی صورت دیکھا کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اُسکے دونوں پاؤں دھو دھو کے پیتا اور غلاموں کی طرح اُس کی خدمت کرتا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت کا خط طلب کیا گیا او پڑھا گیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا (بسم اللہ کے بعد) از جانب محمد کہ بندہ خدا و رسول خدا ہے بطرف ہرقل کلاں ملک روم سلامتی اسکے لئے ہے جسنے ہدایت کے رستہ کی پیروی کی ہے اس کے بعد میں تجھے دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں (یعنی کلمہ توحید) اسلام لا تاکہ تو سلامت رہے" اسکے بعد ہم حضرت جعفر کی وہ تقریر نقل کرتے ہیں جو اُنہوں نے شاہ حبشہ کے مقابلہ میں کی تھی اس سے معلوم ہوگا کہ عزیز اسلام کیا ہے اور جہاد ہرگز اہم اصول اسلام سے نہیں ہے

(۵) یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے پادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی یہاں تک کہ خدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جس کی شرافت نسب راستبازی۔ ایمان داری اور پاک دامنی سے

فقال جعفر ایها الملک کنا قوما اهل جاهلیة نعبد الاصنام و ناکل المیتة ونأتی الفواحش ونسیء الجوار ویاکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث الله الینا رسولا منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الی الله لنوحده ونعبده ونخلع ما کنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرک به شیئا وامرنا بالصلوة والزکوة والصیام (فعدد علیه امور الاسلام ثم قال) وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونهانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناه وآمنا به واتبعناه علی ما جاء به من الله تعالی فعبدنا الله تعالی وحده ولا نشرک به و حرمنا ما حرم الله علینا واحللنا ما احل لنا فعدی علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادة الاوثان من عبادة الله تعالی وان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث فلما قهرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایها الملک" (التاریخ ابن ہشام)

۵ حضرت جعفر نے فی الحقیقت اسلام کی وہ سچی سچی حقیقت بیان فرمائی جو عین اسلام ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا نہ یہاں خونریزی کا ذکر ہے نہ کہیں قتل و غارت کا بیان ہے نہ ظالم کی زیادتیوں پر شمشیر بدست ہونے کا حکم ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ظالم کی جا گزر جائے اور تمام دنیا کی آفتیں ٹوٹ پڑیں تو تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنے سے اگر کسی دوسرے شہر میں جاسکو اور پناہ ملے تو چپ چپاتے چلے جاؤ اور خدا کی زمین میں فساد نہ کرو۔ یہ ہجرت جو حبشہ کو ہوئی تھی کم و بیش بیاسی تن مرد تھے جنہوں نے ہجرت کی تھی اس کی مفصل کیفیت صحیح بخاری معالم التنزیل شرح القسطلانی وغیرہ میں لکھی ہے۔ باوجودیکہ شاہ نجاشی عیسائی تھا مگر حضرت رسالتمآب نے اس کے (بقیہ صفحہ ۳۶۷)

آپ کی ابتدائی زندگی محنت کے وجہ سے سبکدوش نہ تھی آپ ابو طالب کے گلے کو جنگل میں پانی پلانے لیجایا کرتے تھے اور جتنے کام گھر سے متعلق ہوتے آپ ان کے انجام دینے میں عاری نہ تھے۔ بماہ ذیقعدہ جب عرب کی لڑائیاں بند تھیں آپ اپنے چچا کے ساتھ جو تجارت کے لئے جاتے تھے شام روانہ ہوئے۔ ابو طالب تو اپنی تجارت میں لگے اور آپ نے مخلوق خدا کی سخت زبون ترین حالت پر نظریں ڈالنی شروع کیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انسانی اشرفیت کی عزت کس طرح کچلی جارہی ہے اور تمدن انسانی کی کھیتی پائمال ہورہی ہے خدا پرستی کی جگہ بت پرستی نے لے لی ہے رحم و انصاف کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں ملتا اور تمام انسانی جوہر جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوتے ہیں محض بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ عاجزی اور خاموشی سے خیالات کا اٹم کا اٹم اپنے دماغ میں جمع کرکے اور اس خطرناک حالت انسانی سے متاثر ہوکے آپ مکہ واپس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں آپ کو تجارت میں بھی کچھ تجربہ ہو گیا تھا اور آپ ہمیشہ اپنی قوم کی حالت سے سخت پژمردہ رہا کرتے تھے۔

۲۵ برس کی عمر تھی کہ آپ کو اور بھی ایک بار شام کا سفر اختیار کرنا پڑا اب کے آپ صرف بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا مال تجارت فروخت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ نے نہایت جانفشانی اور ہوشیاری سے مال تجارت فروخت کیا اور اس میں خیال سے زیادہ نفع کثیر ہوا جو رقم ملی تھی آپ نے پوری کی پوری بی بی خدیجہ کے آگے رکھدی اور کوڑی کوڑی کا حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ کی اس وقت قریب قریب چالیس برس کے عمر تھی۔ آپ بیوہ تھیں اور مدت سے حضرت کی امانت کی صداقت اور راستبازی کی آوازیں آپ کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور اب اس کا ذاتی تجربہ ہو گیا تھا۔ وعدہ سے زیادہ جفاکشی اور خیال سے زیادہ راستبازی دیکھ کے بی بی خدیجہ آپ پر مفتون ہو گئیں اور جس صفت کے شخص کی آپ کو تلاش تھی وہ کل صفات آپ کی ذات میں ملاحظہ فرمائیں اخیر آپ کا نکاح بی بی خدیجہ سے ہو گیا اور نہایت خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے تمام عمر اپنی وفادار بیوی سے جب تک وہ زندہ رہیں اس دلی الفت سے بسر کی جس کی نظیر عرب میں نہیں ملنے کی۔ اس شادی سے آپ اس گرانبار روزانہ محنت سے سبکدوش ہو گئے جس میں آپ کے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا۔ اس آسائش اور بے فکری نے آپ کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے مشغول کیا جس سے اہم اور جس سے بزرگ ترین کام ہونا ممکن نہیں۔

نکاح کی تاریخ سے ۱۵ برس تک کے حالات کسی کو نہیں معلوم صرف اسی قدر معلوم ہے کہ آپ ایک غار میں عبادت کرنے تشریف لیجاتے تھے اور گویا دن اور رات کا بہت سا حصہ وہیں صرف ہوتا تھا۔ سنہ ۶۰۵ء میں جب آپ کی پوری ۳۵ برس کی عمر تھی کعبہ کی مرمت کا ایک نیا جھگڑا اٹھا اور قبائل عرب میں کشمکش پیدا ہونے لگی اور خوف اس قدر بڑھا کہ خونریزی تک نوبت پہنچی ہی تھی کہ آپ نے فیصلہ کر دیا اور بہت جلد اس خونریز جھگڑے کو رفع دفع کر دیا۔ اسی عرصہ میں قحط پڑا اور حضرت ابو طالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور حالت سخت ردی ہو گئی آنحضرت نے اپنے شفیق چچا کی کافی مدد کی اور چونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش نہ کرسکتے تھے حضرت علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ایک بچہ حضرت عباس نے اپنی سرپرستی میں لیا اور اس طرح ابو طالب کو گونہ اپنے کنبہ کی پرورش سے سبکدوشی ہوئی آپ نے حضرت علی کو بطور خود پرور

جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُس کے ساتھ شریک نہ کریں اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک ایک کر کے تمام ارکان اسلام اُس کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اُس کے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور یتیم بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا پس ہم نے اُس کو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اُس کو حرام اور جو حلال کر دی ہے اُس کو حلال جانتے ہیں پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کے بہت پوجنے لگیں اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُن کو جائز جانیں پس جبکہ اُنہوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ اور دق کیا اور ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کے اور تجھ کو اور بادشاہوں کی نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ اُمید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی" فقط۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ حضور انور نے کس وقت تلوار پکڑنے کا حکم دیا اور کس انتہائی مجبوری پر آ کے مسلمانوں کو جنگ مدافعت لڑنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ چنانچہ ہم آپ کے مختصر سوانح عمری غزوات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

(حضرت رسالت مآب کے مختصر حالات زمانہ نبوت سے پہلے)

آپ ۲۹ اگست سنہ ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول سال فیل میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ عرب کی رسم و رواج کے مطابق آپ پیدا ہونے کے دن سے سات دن تک ایک بدوی عورت کے پاس رہے آپکے والد ماجد حضرت عبداللہ آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ۲۵ برس کی عمر میں وفات پا چکے تھے۔ آپ کی قریب چھ سال کی عمر ہوگی کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی رحلت کی اور اس طرح گویا دوہری یتیمی کا ہار قدرت نے آپ کے گلے میں پہنایا۔ ماں کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرپرستی میں آئے۔ عبدالمطلب کی اگرچہ ۱۸ اولادیں تھیں لیکن اُنہوں نے اپنے پوتے کو بڑی محبت سے پرورش کرنا شروع کیا۔ چونکہ ابھی اور آپ کو صدمہ ہونا تھا آپ کی ۹ یا ساڑھے نو برس کی عمر ہوگی کہ عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا۔ دادا کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی میں آئے آپ نے اپنے چچا کی اس قدر خدمت اور اطاعت کی کہ ابوطالب کو آپ سے بے انتہا محبت ہوگئی۔ آپ کی سعادتمندی نے نہ صرف ابوطالب ہی کو اپنا گرویدہ بنا لیا بلکہ کنبے کے اور لوگ بھی آپ کو محبت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

دیا اے میرے بھتیجے اپنی سچی روح اور اپنے سچے دل سے کہتا ہوں کہ میں اپنے باپ داداؤں کے دین سے کبھی نہیں پھرنے کا لیکن قوی ترین خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تجھے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ابوطالب نے اپنے بیٹے علی سے خطاب کر کے کہا اے میرے بیٹے تیرا مذہب کیا ہے علی نے جواب دیا اے باپ میں خدا اور اس کے نبی پر ایمان لے آیا اور اب سے اس کے ساتھ ہوں ابوطالب نے کہا اے میرے بیٹے محمد کبھی تجھے اس سے باز نہ رکھیگا جو نیک راہ ہے اس لئے تو آزاد ہے۔ ابن ہشام اور ابن اثیر نے اس گفتگو کو تفصیل وار لکھا ہے۔ حضرت علی کے بعد زید ابن حارث ایمان لایا یہ وہی زید ہے جسے حضرت رسالتمآب نے آزاد کر دیا تھا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے۔ حضرت ابو بکر حضرت رسالتمآب سے پورے دو برس چھوٹے تھے اور قریشیوں میں اپنی ثروت۔ صداقت اولوالعزمی اور عالی ہمتی میں بڑے نامور تھے آپ کے ایمان لانے نے قریشیوں میں ہلچل ڈالدی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پانچ سردار قوم قریش سے اور بھی ایمان لائے۔ عثمان بن عفان جو خاندان بنی امیہ میں سے تھے اور جو تیسرے خلیفہ ہوئے عبدالرحمن بن عوف سعد ابن ابی وقاص جو بعد ازاں فاتح ایران ہوا۔ زبیر بن عوام یہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا بھتیجا تھا۔ صداقت اپنا رستہ خود پیدا کر لیتی ہے یہی بہت بڑا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ ایک بے سروسامان پر وہ لوگ ایمان لائے جو اپنی قوم میں سردار اور دولتمند تھے نہ کسی قسم کا دولت کا لالچ نہ حکومت کی طمع اور نہ تلوار کا خوف اور بالخصوص یہ بات دیکھنے کی ہے کہ یہ سردار قوم قریش وہی تھے جن کے آگے حضرت رسالتمآب نے پرورش پائی چھوٹے سے بڑے ہوئے اور پھر ان ہی کے آگے دعوائے نبوت کیا وجہ اگر تھی تو یہ بہت بڑی تھی کہ آپ کی راستبازی سب میں مسلم تھی اور اس کے خلاف کسی کو بھی خفیف سا خیال نہ گزرتا تھا پھر قرآن مجید کی حیرت انگیز تعلیم نے اور بھی ان کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور یہ تسخیر ایسی بے نظیر ہے جسکی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

اتنے سرداران قریش کے مسلمان ہونے سے قریشی جماعت میں ہلچل پیدا ہو گئی اور اب وہ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے ادھر آپ نے علی الاعلان وعظ فرمانا شروع کیا کہ تمہارے یہ معبود محض ناکارہ اور فضول ہیں تم ہی نے اپنے ہاتھ سے انہیں بنایا ہے اور شرم کی بات ہے کہ اشرف المخلوقات میں ہو کے تم ان پتھروں کو سجدہ کرتے ہو۔ اس توحید کے وعظ نے مبگزین میں شتابہ کا کام کیا اور اب وہ اس قدر بھڑکے کہ سوائے ستانے اور تکلیف دینے کے انہوں نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ ظلم کیا۔ ستایا۔ تکلیف دی۔ گالیاں دیں۔ عبادت کی جگہ کانٹے بچھائے۔ اونٹوں کی اوجھڑیاں پھینکیں غرض جو کچھ ان سے ہو سکا انہوں نے کسر نہیں کی۔ ادھر زیادتی کی حد ہو چکی تھی اور ادھر صبر اور استقلال کی گالیوں کے عوض دعائیں دیجاتی تھیں اور تکلیف کے بدلے برکت یہ تھی شان نبوت اور یہ تھا اسلام۔ یثرب میں آپ کی نبوت اور ساتھ ہی راستبازی کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور لوگ آپ کی نبوت پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ادھر مکہ میں طوفان بے تمیزی بڑھتا جاتا تھا اور ادھر ابوطالب جو کئے ہوتے جاتے تھے اخیر انہوں نے نہایت پریشانی سے اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا سنو میرے بھتیجے قریشیوں کا یہ غصہ ضرور میری خرابی کا باعث ہوگا اور یہانتک نوبت آجائے گی کہ میں تیری سرپرستی بھی نہ کر سکونگا خدارا اپنی ان باتوں کو روک اور نئے دین کی اس دھڑتے سے اشاعت

کرنا اور تعلیم دینا شروع کیا چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اور بھی آپ نے محبت سے حضرت علی کو پالا اس کے بدلے میں حضرت علیؓ نے بھی وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اخیر حضرت رسالتمآب نے اپنی لاڈلی بیٹی بی بی فاطمہ سے حضرت علیؓ کی شادی کردی۔ یہ ہیں مختصر حالات آپ کے زمانہ نبوت کے قبل کے۔ اس کے بعد نبوت کا سال شروع ہوتا ہے۔

(آغاز نبوت)

پوری چالیس برس کی عمر تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ نے وحی نازل ہونے کا حال سب سے پہلے اپنی بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ اپنے رشتہ دار ابن نوفل کے پاس گئیں اور وحی نازل ہونے کی مفصل کیفیت بیان کی۔ ابن نوفل ضعیف اور نابینا شخص تھا اسے انجیل اور توریت پر بہت بڑا عبور تھا اور کل ان پیشین گوئیوں کی ماہیت بخوبی جانتا تھا جو حضرت رسالتمآب کی نبوت کی بابت دونوں مذکور الصدر الہامی کتب میں درج تھیں جونہی حضرت بی بی خدیجہ نے بیان کیا وہ سنتے ہی پکار اٹھا "قدس قدس" اور اس نے بیساختہ کہا یہ ناموس اکبر تھا جو حضرت موسےؑ کے پاس بھی آیا یقیناً اسے نبوت ملی ہے تو اس سے جاکے میری طرف سے کہدے کہ اپنا دل مضبوط رکھے اور بہادروں کی طرح اپنے ارادہ میں مستقل رہے۔ یہ مژدہ خوشخبری سنکے بی بی خدیجہ تو چلی آئیں اور جو کچھ سنا تھا سب عرض کردیا مگر چند روز کے بعد ابن نوفل خود حضور میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میں اس ذات کی قسم کھا کے کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ خداوند تعالےٰ نے خلقت کی نجات دینے کے لئے تجھے نبی منتخب کیا ہے بیشک ناموس اکبر تیرے پاس خدا کی وحی لے کے آیا کاش میں اس دن تک زندہ رہ سکوں تو ضرور تیرے عوض منکروں سے لڑوں گا۔ پھر ابن نوفل نے حضرت رسالتمآب کی مصفا اور نورانی پیشانی پر بوسہ دیا اور چند اطمینان بخش کلمے عرض کئے۔ افسوس کہ ابن نوفل کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ بیچارہ چند ہی روز کے بعد فوت ہوگیا۔

گویا بی بی خدیجہ ایمان لانے والوں میں پہلی تھیں۔ ابن ہشام اور ابوالفدا کی تحریر کے مطابق پھر حضرت علی ایمان لائے ابھی تک گویا وہی بعض ایمان لائے تھے حضرت علی بہت ہی صغیر سن تھے مگر پھر بھی انہوں نے اسلام کے بعد خدائے واحد کی عبادت میں بہت ہی سرگرمی دکھائی آنحضرت اپنے بھائی علی اور اپنی بیوی حضرت بی بی خدیجہ کو لیکے ایک پوشیدہ غار میں چلے جاتے تھے تاکہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں ایک دن نبی کریمؐ۔ بی بی خدیجہؓ اور علیؓ عبادت میں مشغول تھے اور استغراق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا کہیں ابوطالب بھی ادھر سے آنکلے اور خاموشی سے اپنے بیٹے اپنے بھتیجے اور اپنی بھتیج بہو کی سیر دیکھتے رہے اخیر ذرا دیر کے بعد ابوطالب نے یہ کہا اے میرے بھتیجے جو مذہب کہ تونے اختیار کیا ہے اور جس کے ارکان تو ادا کر رہا ہے یہ کیا مذہب ہی آپ نے جواب دیا یہ دین دین خدا فرشتوں پیغمبروں اور ہمارے دادا ابراہیم کا ہے (پھر آپ یہ فرمانے لگے) خدا نے مجھے اپنی مخلوق میں اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس کے بندوں کو راستبازی اور نیکی کا رستہ دکھاؤں اے میرے چچا تو اپنی قوم میں بڑا سمجھدار اور لائق ہے یہ موقع اچھا ہے کہ میں تیری بھی دعوت اسلام کروں اور تجھے بھی اپنے سچے رستہ کی طرف بلاؤں مجھے امید ہے کہ تو میری اس راستبازی میں مدد کریگا اور اس نیکی کے پھیلانے میں میرا معاون بنے گا۔ یہ سن کے ابوطالب نے جواب

اُن کا آسانی سے بس چلسکتا تھا انہیں پکڑا۔ کانٹے دار لکڑیوں سے کھال اُڑادی گرم پتھروں پر چت لٹا کے ایک وزنی پتھر چھاتی پر رکھدیتے جلتی ریت پر لٹایا گیا اور کہا گیا کہ تم کلمہ توحید نہ پڑھو اس ظلم میں عورتیں بھی شریک تھیں چنانچہ حضرت بلال جو اسلام کے پہلے موذن مشہور ہیں سب سے زیادہ کرب و بلا میں مبتلا تھے آپ کے آقا نے بطحا میں تمام دن جلتی ریت پر برہنہ لٹائے رکھا اور جب اوپر سے دھوپ کی سخت تپش ہوئی اور بلال کی حالت دگرگوں ہونے لگی تو انکے آقا نے کہا تو اسی حالت میں رکھا جائے گا جب تک کہ تو مر نہ جائے گا یا دین اسلام سے تائب نہ ہوجائے گا بلال نے اس کے جواب میں یہ کہا خدا ایک ہے خدا ایک ہے۔ پیاس کے مارے زبان پر کانٹے پڑ گئے تھے اور تمام جسم تنور بن رہا تھا جلتی ریت چھاتی پر وزنی پتھر اوپر سے سخت اور تیز دھوپ پھر پانی کی مار اور اس پر سخت تشدد مگر واہ ری قوت ایمان ایسی ناقابل برداشت سختیوں پر بھی جنبش نہ ہوئی اور ہر وقت کلمہ توحید زبان پر رہا حضرت ابوبکر صدیق سے رہا نہ گیا آپ بلال کے بیرحم آقا کے پاس گئے اور کہا تم ناحق اس پر اتنا ظلم کرتے ہو اگر تمہارے کام کا نہیں ہے تو تم اسے فروخت کر ڈالو وہ راضی ہوگیا آپ نے بلال کو معہ اور پانچ غلاموں کے خرید کے آزاد کردیا۔ اخیر یہ کیا بات تھی اور یہ لوگ کیوں دین اسلام میں اتنے مضبوط تھے۔ نہ دولت تھی جس کا انہیں لالچ تھا اور نہ سلطنت تھی جس کا یہ حصہ بٹانا چاہتے تھے ہاں اس وقت انکا ایک مصیبت تو بہت بڑی تھی جو نومسلم کی جان پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ اور باقی سب خیر سلا تھی۔ اپنے بے بس غریب معتقدوں کا یہ نظارہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت رسالتمآب کے مبارک دل پر کیا اثر کرتا ہوگا مگر آپ صبر فرماتے تھے اور یہ صبر وہ تھا جس میں عالی ہمتی اور بے نظیر جرأت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ ایک دن آپ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُس سے کچھ ہی دور فاصلہ پر سرداران قریش کا ایک بڑا مجمع ہو رہا تھا اُس میں یہی گفتگو تھی کہ کیونکر محمد کو روکا جائے اور کیا ترکیب ایسی کی جائے کہ توحید کی منادی نہ ہونے پائے ان میں بڑی دیر کی قیل وقال کے بعد کچھ فیصلہ پایا اور اسی اثنا میں عتبہ بن ربیعہ مجمع سے اٹھ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے میرے بھائی کے بیٹے تو اپنی قابلیتوں اور خاندانی شرافت سے ممتاز ہے اب تو نے ہماری قوم میں اختلاف پیدا کردیا ہے اور ہمارے قبائل میں قضیے برپا کردیے ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں پر ناکارہ ہونے کا الزام لگاتا ہے تو ہمارے باپ دادوں پر کفر والحاد کا فتویٰ دیتا ہے۔ ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں ذرا توجہ سے ہماری بات سن غور کر اور پھر اسے قبول کر یا نہ کر یہ تجھی اختیار ہے۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اے ولید کے باپ میں سنتا ہوں عتبہ نے عرض کیا اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تو اس کام سے کچھ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم تیرے لئے اتنی دولت جمع کریں گے کہ ہم میں سے کسی کے پاس نہیں نکلنے کی۔ اگر تجھے عزت اور بڑے رتبہ کی خواہش ہے تو ہم تجھے اپنا سردار آنکھوں سے بنانا منظور کرتے ہیں اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے حکم کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کریں گے۔ اگر تیری آرزو سلطنت کی ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائیں گے اور اگر تجھے ایسا مرض لاحق ہوگیا ہے جس سے تو اس کام کرنے پر مجبور رہا ہے تو ہم تیرے علاج کے لئے حاذق طبیب لائیں گے۔ اور تجھے کامل شفا ہو جائے گی" جب عتبہ اپنی تقریر ختم کرچکا تو حضور نے ارشاد کیا اے ولید کے باپ کیا تو اپنی تقریر ختم کرچکا عرض کیا ہاں۔ ارشاد ہوا تو میری بھی بات سنے گا عرض کیا سنوں گا آپ نے ارشاد کیا رحیم کریم خدا کے نام پر جس

ایسا نہ ہو کہ ہاشم و مطلب کی اولاد بیگناہوں پر کچھ مصیبت برپا نہ کرے۔ آپ سوا اس کے کیا جواب دے سکتے تھے کہ دین خدا کی اشاعت جب تک جان میں جان باقی ہے کبھی نہیں رک سکتی۔ ابوطالب خاموش ہو رہے کرتے تو کیا کرتے یہاں مخالفت اور وہ بھی زہریلی مخالفت کی دن بدن آگ بھڑکتی جاتی تھی مرد ہی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی بڑی سرگرمی سے اس مخالفت میں حصہ لے رہی تھیں۔ چنانچہ ام جمیل ابولہب کی بیوی اور آپ کی چچی آپ کے تلخ ترین دشمنوں میں تھی یہی عورت آپ کی عبادت کی جگہ پر اندھیرے میں کانٹے بچھا آتی تھی اور اسطرح آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بلاوجہ ستاتی تھی اس کی اور اس کے خاوند کی مخالفت اس حد پر پہنچ گئی تھی کہ آخیر قرآن مجید میں اس کی نسبت یہ فیصلہ کر دیا

تبت یدا ابی لهب و تب ما اغنیٰ عنه ماله و ما کسب سیصلیٰ نارا ذات لهب وامرأته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد

ابولہب نے پیغمبر کو کوسا تھا اُسکے ابولہب ہی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ آپ ہی ہلاک ہوا نہ تو اس کا مال ہی اسکے کام آیا اور نہ اس کی کمائی نے اس کو کچھ فائدہ پہنچایا وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جا داخل ہو گا اور اسکے ساتھ اس کی جورو بھی جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے کہ اس کی گردن میں بٹی ہوئی بلدار رسی ہو گی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ابولہب جس بے بسی اور سخت کرب کی حالت میں مرا ہے وہ قریشیوں کے لئے بہت ہی عبرت کا مقام تھا۔ بات یہ ہوئی کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے سب قریشیوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی اور پھوپی سے کہا۔ کہ تم کو میری قرابت آخرت میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ قریشیوں میں ابولہب بھی تھا اور یہ بدنصیب سب سے زیادہ دشمن تھا کئی بار حضرت رسالتمآب کے شہید کرنے کی ترکیب کر چکا تھا وعظ سنتے سنتے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس کی جان پر بجلی ٹوٹ پڑی اس نے زور سے حضرت رسالتمآب کو پتھر مارا اور اپنے محاورہ کے مطابق کہا کہ تیرے ٹوٹیں دونوں ہاتھ اور تیرا جائے ستیاناس کیا تو نے یہی باتیں سنانے کے لئے ہمیں تکلیف دی اس بات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ ام جمیل کا حشر خداوند تعالےٰ کے ارشاد کے بموجب ہوا چنانچہ ایک دن وہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر لا رہی تھی کہ اُسے ٹھوکر لگی اور گر پڑی اور گٹھے کی رسی اس کی گردن میں آ گئی اور وہ وہیں مری کی مری رہ گئی۔ یہی نتیجہ حق سے لڑنے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ اسی عرصہ میں حضرت حمزہ جو آپ کے چچا تھے مسلمان ہو گئے۔ قریشیوں میں یہ بہت ہی بہادر اور شجاع مشہور تھے عام طور پر آپ کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ قریشیوں نے حضرت رسالتمآب کے پیرواں پر ظلم کا ہاتھ دراز کیا جن پر

سلہ حمالۃ الحطب کے لفظی معنی لکڑیوں کی اٹھانے والی کے ہیں مگر عربی محاورہ میں چغلخور کو کہتے ہیں۔ فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی انہی معنوں میں لیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

میان دو کس جنگ چون آتش است + سخن چین بدبخت ہیزم کش است

کیا تو چغلی کے اعتبار سے اُسے حمالۃ الحطب کہا یا اس اعتبار سے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادتگاہ پر کانٹے بچھا دیتی تھی یا اس لحاظ سے کہ وہ مارے خست کے لکڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کے لاتی تھی اور گردن میں رسی کے ہونے سے یہ مراد ہے کہ جسطرح یہاں بچے کتوں کے پٹوں کے گلے میں رسی باندھ کے گھسیٹے پھرتے ہیں اسیطرح قیامت میں اُس کی بے حرمتی کی جائے گی۔

مستحق ہے۔ میں ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہوں ہاں تم پر نبی کرکے بھیجا گیا ہوں میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے میری مٹھی میں ہیں نہ میں نے یہ دعویٰ کیا کہ میں چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں نہ میں ایک فرشتہ ہوں نہ میں خود اپنی مدد کرسکتا ہوں نہ مجھے اپنے پر کچھ بھروسہ ہوسکتا ہے لیکن اگر اللہ چاہے پھر دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد کیا۔" نادانوں کیا تم ایک نشانی چاہتے ہو جب کہ تمام مخلوق خدا کی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے تمہارے جسم کی بناوٹ کیسی تعجب انگیز باریکی اور کس خوبصورتی سے باقاعدہ ہے۔ دن اور رات کا تغیر و تبدل۔ موت۔ زندگی۔ سونا اور جاگنا ہوائیں تیار اور مستعد بادلوں کو اس طرح سے چلاتی ہیں جیسے خالق کے رحم کے پیشرو۔ بوقلمونی میں ہم آہنگی اور انتظام۔ انسانی مخلوق کی تفریق۔ اور پھر اُن کی یک جہتی۔ میوے پھول۔ جانور۔ اور خود انسان کیا خدا کی ہستی کی یہ چیزیں کافی شہادت نہیں دیتیں۔

جب قریشیوں کا جبر و تعدی اور حضور انور کا صبر اور استقلال حد سے گزر گیا تو ناچار مشرکین قریش نے صاف الفاظ میں یہ کہدیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سن کو ہم تمہاری تلقین دینی روکنے سے کبھی باز نہ آئیں گے جب تک ہم میں سے ایک نیست و نابود نہ ہو جائے۔"

جب قریشیوں نے چاہا کہ تلوار سے اس جھگڑے کا فیصلہ کرنا چاہیے تو وہ اس خیال کو پختہ کرنے اور عملی طور پر کرگزرنے کے لیے حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور بقول طبری اور ابن اثیر اور ابن ہشام انہوں نے یہ بیان کیا "سن ابو طالب ہم تیری عمر اور تیرے درجہ کی عزت کرتے ہیں لیکن ہمارا عزت کرنا تیرے ساتھ ایک محدود حد تک ہے اب ہم سے زیادہ صبر نہ ہو سکے گا۔ ہم اپنے خداؤں کی بُرائی تیرے بھتیجے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زبانی نہیں سنا چاہتے۔ ہماری ضبط کی حد ہو چکی ہے۔ ہم اپنے باپ دادوں کی بُرائی پر خاموش نہیں رہ سکتے اب تجھسے یہ کہنا ہے کہ آیا تو اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک سکتا ہے اور منع کرسکتا ہے یا تیرا ارادہ اسی کے ساتھ شرکت کرنے کا ہے ہم جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں ہم ہرگز تلوار نیام میں نہیں کرینگے جب تک کہ ایک گروہ ہم میں سے نیست و نابود نہ ہو جائے گا۔" یہ کہکے سب چلے گئے۔

حضرت ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور مشرکین قریش کے غصہ اور انقطاعی فیصلہ کے ارادہ کی پوری کیفیت بیان کی اور کہا میری تو یہی رائے ہے کہ مصلحت وقت کو بھی دیکھنا چاہیے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ تلوار پر آپہنچا ہے تو اپنا وعظ بند کردینا چاہیے۔ حضور انور نے اپنے چچا کی یہ باتیں سن کے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ میرا چچا قریشیوں کے خوف سے شاید اپنی سرپرستی کا ہاتھ میرے سر پر سے اٹھانا چاہتا ہے مگر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے میرا بھروسہ براہ راست خدا پر ہے اور اسی کی امداد بس ہے یہ خیال کرکے آپ نے بڑے زور میں ارشاد کیا۔ سن لو میرے چچا جان" اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے دہنے ہاتھ پر اور کرۂ مہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور پھر یہ زور ڈالیں کہ میں اپنی توحید پرستی کی تلقین روک دوں محض ناممکن ہے کہ میں اپنے کام سے باز آجاؤں جس کے لیے میں مبعوث کیا گیا ہوں جب تک اس کا نتیجہ نہ نکل آوے یعنی توحید پرستی کی دنیائے معلوم کے بڑے حصہ

سچ کہتا ہوں مجھپر خدائے عزوجل کی طرف سے وحی آتی ہے۔ جو کتاب مجھپر نازل ہوتی ہے وہ اُن ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو اُسے توجہ سے سنتے ہیں۔ اُس پر غور کرتے ہیں۔ اُس میں نیک کاموں کے پہلوں کی بشارت دی گئی ہے اور بُرے اعمال سے خوف دلاکے اُن کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے۔ فی الحقیقت میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں خدا کی طرف سے مجھپر وحی اُترتی ہے کہ تیرا خدا ایک خدا ہے اس لئے تو اپنا رستہ سیدھا اُس کی طرف کر اور جو کچھ تو نے کیا ہے اُس کی معافی مانگ اور بت پرستوں پر وکہ وہ خیرات نہیں کرتے اور نہ آئندہ زندگی پر اُن کا ایمان ہے لیکن جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اُن کو آخرت میں اس کا دایمی صلہ ملے گا" یہاں حضور انور نے اپنی تقریر ختم کی۔ پھر عتبہ نے اس کے جواب میں عرض کیا "جو کچھ سمجھانا تھا تجھے سمجھا چکا اب جو کوئی رستہ تجھے اچھا معلوم ہو اُس پر چل" ابن ہشام نے بوضاحت اس تقریر کو نقل کیا ہے۔

جب حضور انور کے معتقدین پر سختیاں توڑی جانے لگیں تو آخر حضور نے اپنے معتقدین کو شاہ نجاشی کے ملک میں ہجرت کر جانے کا حکم دیا فوراً تعمیل ارشاد کی گئی۔ یہ ہجرت پہلی ہجرت کہلاتی ہے جو نبوت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں وقوع میں آئی۔ اول ہی اول ۱۵ آدمی گئے تھے مگر ان کے بعد بتدریج اور بھی روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ ابن ہشام ابن اثیر اور ابوالفدا کی تحریر کے مطابق ان کی تعداد ۱۰۳ تک پہنچ گئی جن میں ۱۸ مستورات بھی تھیں۔

قریشیوں نے ایکبار اور بھی چند سرداروں کو حضور انور کی خدمت میں بھیجا اُنھوں نے قریب قریب وہی باتیں بیان کیں جو عتبہ نے کی تھیں آپ نے اس سخت زہریلی مخالفت پر جو اس زمانہ میں ہو رہی تھی بڑی دلیری سے اُن کے سبز باغ دکھانے کا یہ جواب دیا "نہ مجھے دولت کی خواہش نہ جاہ وحشم کی نہ عالی مرتبہ نہ سلطنت کی۔ خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے مبعوث کیا ہے کہ میں تمہیں اچھی اچھی باتیں سکھاؤں میں اپنے خالق کا کلام تمہیں سناتا ہوں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بُری باتیں نہ کرو اگر تم نے اس کلام خدا کو قبول کر لیا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں خدا تم پر دونوں عالم میں مہربانی کرے گا اگر تم نے اس سے انکار کیا تو میں صبر کروں گا اور اپنا اور تمہارا انصاف خدا پر چھوڑ دونگا" یہ سن کے بت پرست قریشیوں نے آپ کی ان باتوں پر ضحکہ اڑایا۔ آپ پر طعنہ زنی کی اور عیارانہ طریقہ سے آپ کی تلقین اور نبوت پر وٹ پٹانگ سوالات کئے تاکہ یہ مشہور کریں کہ ہم نبی کو ساکت کر آئے۔ انھوں نے کہا تم اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزے دکھاؤ۔ تم اسی خشک زمین پر دریا اور کوئیں پیدا کر دو۔ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا کے زمین پر گرا دو۔ آسمان پر سیڑھی لگا کے چڑھ جاؤ۔ غرض اسی قسم کی بکواس تھی جسے نبوت اور منشائے نبوت سے کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ حضرت مسیح سے بھی ایسے ہی ورماندہ سوالات کئے گئے تھے جس کا جواب آپ نے (یعنی حضرت مسیح نے) یہ دیا تھا کہ اس زمانہ کے بدکار اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت مسیح سے اُن کے معتقد یہ سوالات کرتے تھے جیسا کہ پروفیسر موییری نے لکھا ہے اور حضور انور سے دشمنان اسلام یہ سوالات کیا کرتے تھے ببیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا۔ آپ نے ان ورماندہ اور اٹکل پچو سوالات کے جواب میں یہ ارشاد کیا "اُن عجیب باتوں کے کرنیکے لئے خدا نے مجھے نہیں بھیجا اُس نے مجھے تم میں نصیحت کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے خدا ہی سب صفتوں کا

اور تمام قسم کی خورد و نوش کی چیزیں اندر آنے سے روک دیں۔ حضور انور رسول خدا ان لوگوں کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ تمام مایوسانہ حالت اپنے کنبہ کی سخت آزردہ دل اور خونی نگاہوں سے مگر صبر و استقلال کے ساتھ ملاحظہ فرما رہے تھے جب کھانا پینا بند ہو گیا تو عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری کی صدائیں بلند ہوئیں اور جب اُن کی گونجیں محاصرین کے کانوں تک پہنچیں تو مشرکین عرب کے چند سردار اپنے اس بزدلانہ حملہ سے شرمائے۔ اخیر ہاشم بن عمرو طرفین میں میل ملاپ کرانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہاشم کے ساتھ زبیر بھی اس کوشش میں تھے غرض باہم ملاپ ہو گیا اور طرفین کے وہی حقوق برقرار ہو گئے جو پہلے سے دونوں کو حاصل تھے اور ہاشمی اور مطلبی سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ہی کے مکان میں رہے اس زمانہ میں اسلام نے کوئی ترقی نہیں کی جب متبرک مہینے آئے اور تمام لڑائیوں اور جھگڑوں کا دروازہ بند ہوا تو زائرین مختلف دیار و امصار سے آنے شروع ہوئے۔ حضور انور بھی اپنی جائے قیام سے برآمد ہوئے اور پھر اُسی سرگرمی سے توحید خدا کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ابولہب کی مخالفت کل مخالفین پر فوق لے گئی تھی وہ آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا اور جہاں آپ نے وعظ فرمایا اور اُس نے بآواز بلند کہدیا کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہے اور محض جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ)

اس سال کے بعد جو سال آیا وہ اسلام کی تاریخ میں سال غم کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالب کی وفات ہو گئی۔ ان دو وفاتوں نے قریش کو مزید مخالفت کا موقع دیا اور اب وہ اور بھی کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آئے اُدھر اُن کی مخالفت کی شدت اور اِدھر آپ کو انتہا درجہ کا صدمہ ایک عجیب مہلک نقشہ ناظر تفسیر کی آنکھوں میں کھینچے گا۔ آپ کو کامل مایوسی ہو گئی کہ یہ قوم قریش ہرگز بت پرستی سے باز نہ آئے گی اور کبھی دین اسلام نہیں قبول کرنے کی۔ اس سخت مایوسی میں چور ہو کے آپ نے ارادہ فرمایا کہ دوسرے مقامات میں چلکے توحید کا وعظ کہا جائے۔ آپ اپنے وفادار ملازم کو ساتھ لے کے طائف پہنچے اور وہاں بت پرستی کی ممانعت اور توحید پرستی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی لیکن جس طرح مکہ نے محض اپنی بدقسمتی سے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح طائف نے بھی اس بدقسمتی میں مکہ کا ساتھ دیا۔ اہل طائف میں کمینے اور عوام پتھر لے کے دوڑے اور آپ کو مارنے شروع کئے اور آپ کو سخت مجروح کیا۔ آپ کے ہاتھوں سے خون شر شر بہ رہا تھا اور آپ زخموں سے چور تھے اسی خونی حالت میں آپ وہاں سے واپس پھرے اور طائف سے ذرا فاصلہ پر جہاں تھکے ماندے مسافر دم لیا کرتے تھے آپ چند خرمے کے درختوں کے نیچے بیٹھ کے اپنے اُن ہی مجروح ہاتھوں کو اُٹھا کے درگاہ رب العزت میں یہ دعا کرنے لگے۔ اللّٰھم انی اشکوا الیک ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس انت ارحم الراحمین انت رب المستضعفین انت ربی الی من تکلنی الی عدو یتجھمنی - او الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی فتنبوا وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ ان ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبیٰ حتی ترضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا بک یعنی اے رب جلیل یہ مسکین بندہ اور ذلیل عبد تیری عزت و جلال کی بارگاہ میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتوان کا مددگار اور موجود

تک ڈھونڈھی نہ پٹ جائے اور خدائے کریم کا سچا جلال نہ چمک جائے یا میں اسی منشائے عالی کے پورا کرنے میں نیست ونابود ہو جاؤں نہیں باز آسکتا نہیں باز آسکتا" یہ فرماکے آپ واپس پھرے اور آپکو یقین ہو چکا تھا کہ میرے چچا قریشیوں کے پورے ڈر میں آگئے ہیں وہ آئندہ سے میری مدد نہیں کرینگے جب آپ کئی قدم نکلگئے تو حضرت ابو طالب نے آواز دی محمد محمد آپ آواز سن کے واپس پھرے کیونکہ آپ کو اپنے چچا سے بے حد محبت تھی حضرت ابو طالب نے فرمایا۔ جو کچھ تمہارا جی چاہے کہو اور کرو میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑنے کا کبھی نہیں چھوڑنے کا۔

تیسری بار ہو رہی قریش نے حضرت ابو طالب کو جتایا کہ آپ کیا تو اپنے بھتیجے کو روکیں اور یا ہم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور ساتھ ہی یہی مشورہ دیا کہ ایک نوجوان کو خاندان قریش میں سے لیکے اپنا متبنے بنالیں تاکہ تمہیں اپنے بھتیجے کی ضرورت نہ رہے یہ درخواست کسی طرح بھی حضرت ابو طالب منظور نہ کرسکتے تھے۔ اخیر نہایت پریشان ہوکے اور چاروں طرف سے اپنے کو دشمنوں سے گھرا ہوا دیکھ کے حضرت ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب سے یہ فریاد کی کہ مخالف قبیلے تم میں سے ایک ممتاز شخص پر دست درازی کرنا چاہتے ہیں اور اس کے قتل کے درپے ہیں بڑے شرم کی بات ہے کہ تم چپکے بیٹھے دیکھا کرو اور اسے ہلاکت سے نہ بچاؤ یہ سن کے سب مدد پر آمادہ ہوگئے مگر ابولہب نے مدد دینے سے انکار کیا۔

اسی عرصہ میں اس نئے مذہب نے اپنا قیمتی اثر ایک زبردست خونخوار جری اولوالعزم شجاع پر کیا جس کا نام عمر تھا جو بعد ازاں فاروق اعظم کے لقب سے مشہور ہوا آپ نے اسلام کی جمہوری سلطنت میں وہ ناموری پیدا کی ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو قیامت تک تاریخ دنیا سے نہیں مٹ سکتیں۔ آپ کا پرجلال نام مبارک بہادران یورپ کے کانوں میں تاقیامت گونجیگا اور ہمیشہ شجاعان دہر کی نظروں میں ادب سے دیکھا جائیگا آپ عاد بن الکعب کے قبیلہ کے ایک ممتاز شخص تھے آپکے والد کا نام خطاب تھا اور آپ دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے نبی معصوم کے سخت مخالفوں میں سے تھے صرف سورۂ طٰہٰ کے سننے نے آپ میں دین اسلام کی روح پیدا کردی اور سیدھے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہوکے حلقہ غلامان نبی میں داخل ہوئے حضور انور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اس قدر خوش ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاتا منجملہ ان کے جو لوگ ایمان لائے تھے حضرت امیر حمزہؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اسلام کی پے درپے کی کامیابیوں سے مشرکین قریش کی مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی اور اخیر انہوں نے باہم مشورہ کرکے قبیلہ ہاشم اور مطلب سے شادی بیاہ اور لین دین ترک کردیا۔ نبوت کے ساتویں برس اور ۶۱۶ء کے اختتام پر اس افتراق قومی سے ہاشمیوں اور مطلبیوں میں سخت پریشانی پیدا ہوگئی اور وہ گھر بار چھوڑ ادھر ادھر تتر بتر ہوگئے۔ اور سب مرد عورتیں بچے ملکر حضرت ابو طالب کی جائے قیام میں چلے گئے۔ یہ مکان مکہ معظمہ کی مشرقی جانب ایک تنگ پہاڑی کے بیچ میں واقع تھا اور اسے چاروں طرف دیواروں نے شہر سے علیحدہ کردیا تھا صرف ایک تنگ رستہ آمد و رفت کا باقی رہگیا تھا۔ ابولہب ان لوگوں کے ساتھ نہ آیا بلکہ وہ دشمنان رسول مقبول کی جماعت میں رہا۔ قریشیوں نے بعد ازاں اس مکان کا محاصرہ کرلیا

کی تعلیم فرمائیں۔ اس درخواست کی خبر مشرکین قریش کو مطلق نہ تھی۔ یہ سب لوگ اسلام کے دلدادہ پوشیدہ طور پر ایک پہاڑی میں جمع ہوئے اور پھر حضور انور اپنے چچا عباس کے ساتھ تشریف لائے ابھی تک حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے مگر آپ اپنے بھتیجے کے کاموں سے بہت مذاق رکھتے تھے اور حتے الامکان ہر معاملہ میں مدد کرنے کو تیار تھے۔ حضور انور نے اپنے نئے معتقد یثربیوں کو صاف صاف جتا دیا کہ جو مذہب تم نے قبول کیا ہے اسمیں تمہیں دشواریاں بہت پڑیں گی۔ تمہیں سخت آفتوں کا سامنا کرنا ہوگا تمہاری جانیں بھی خطروں میں پڑ جائیں گی اُنہوں نے یکزبان ہو کے دلیری سے جواب دیا دین قبول کرنے سے پہلے ہم نے ان تمام آفتوں کو سمجھ لیا تھا اور ہم جانتے تھے کہ نئی نئی آفتیں اور تازہ تازہ بلائیں ہم پر نازل ہوں گی اے خدا کے سچے نبی تو اپنا دین اور اُس کے اصول ہمیں تلقین کر تاکہ ہم اُن پر کاربند ہوں۔ حضور نے جب اُنہیں ایسا مستقل پایا تو اپنی قدیم عادت کے مطابق پہلے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور پھر خدا پرستی کی تعلیم کی اور خدا کی برکت دی۔ اور کہا تم پیغمبر کے احکام کی متابعت جہاں تک حق ہو کرنا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ ان مصائب کے سہنے کا صلہ ہمیں کیا ملے گا آپ نے ارشاد کیا مرنے کے بعد راحت۔ پھر اُنہوں نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ آپ عروج اور سرسبزی کے زمانہ میں ہمیں چھوڑ کے اپنی قوم میں چلے جائیں۔ حضور انور نے مسکرا کے جواب دیا "تمہارا خون میرا خون ہے میں تمہارا ہوں تم میرے ہو" اس کے بعد ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ بیعت کی اور مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام میں اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک گلی کی اس تاریک شب میں آہٹ معلوم ہوئی وہ سب ڈر گئے مگر حضور انور نے نہایت استقلال سے ان کی ڈھارس بندھوائی اور وہ سب رخصت ہو گئے۔ اس گلی سے جو اوٹ میں کھڑا ہوا یہ ساری باتیں سن رہا تھا اس کامیابی کی خبر کو سارے شہر میں پھیلا دیا۔ اس خبر کی اشاعت نے قریشیوں کی غصہ کی آگ میں گویا تیل کا کام کیا علے الصباح وہ یثربی کاروان کی طرف بھاگے ہوئے آئے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اُنہیں اصلی دین کی طرف پھیرا جائے مگر وہاں ایک مسلمان یثربی بھی نہ رہا تھا وہ سب یثرب جا چکے تھے۔ اس ناکامی نے اور بھی اشتعال دلایا اور اب اُنہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ معصوم نبی کو قتل کر ڈالیں اب زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام نہیں ہے۔ اس منصوبہ کی خبر آپ کو بھی ہوگئی اور آپ کا حال دن بدن سخت خطرناک ہونے لگا آپ نے ناچار اپنے معتقدوں سے یثرب ہجرت کر جانے کو کہا۔ قریب قریب سو خاندان یکے بعد دیگرے یثرب پہنچ گئے یہاں نہایت برادرانہ جوش سے ان کا استقبال ہوا۔ مکہ سے اتنے آدمیوں کے نکل جانے پر بہت بڑا حصہ شہر کا ویران ہو گیا۔ ربیعہ کے بیٹے نے مکہ کو یوں ویران دیکھ کے یہ پرانا گیت گایا "ہر ایک مبارک مقام جو یوں بہار رہا ہو ایک دن ناخوشی اور تلخی کی زہریلی ہواؤں کا شکار بن جاتا ہے (پھر اسی غم آلود آواز میں یہ کہا) یہ سارے کرتوت ہمارے بھائی کے بیٹے کے ہیں جس نے ہمارے جلسوں کو تباہ کر دیا ہمارے معاملات اور کاروبار کو برباد کر دیا اور ہم میں پھوٹ ڈال دی" حضرت مسیح نے اپنی زبان سے خود یہ جملے فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ خون آلود اور آنحضرت کی نسبت دشمن اسلام نے یہ کہا بس اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

میرا مالک اور پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوستوں کے جو مجھے دیکھ کے ناک بھوں چڑھاتے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے لیکن اگر یہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے میں تیری قدرت ورحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کردینے والا اور دنیا وآخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارنے والا ہے تیرے غیظ وغضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں لیکن اگر خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہاں تک اختیار ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے اور بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی ہی کی طاقت وقدرت رکھتا ہوں" خیال کرنا چاہئے اور ہر سمجھدار آدمی کو سوچنا چاہئے کہ جن لوگوں نے بغیر کسی گناہ اور خطا کے پتھر برسائے زخمی کیا ان کی نسبت اپنی دعا میں ایک ادنےٰ اشارہ بھی نہیں ہے نہ انہیں برا کہا گیا ہے نہ کوسا گیا ہے حتیٰ کہ یہ بھی تو نہیں دعا مانگی کہ اے خدا انہوں نے مجھ بے گناہ کو ستایا ہے تو ان سے میرا انتقام لے جس پیشوائے دین کی تعلیم یہ طرز وانداز اور دشمنوں کے مظالم سے یہ فروگزاشت ہو اس کا مذہب بنی نوع انسان کی خونریزی کی طرف کا ہے کو ہدایت کرے گا آپ اپنے دشمنوں کے بھی خیر خواہ اور اپنے مخالفوں کے ہمدرد تھے اور آپ نے اپنے کسی دشمن کے لئے بھی برائی نہیں چاہی بس تنہا اسلام ہی نہیں ہے اور دشمنوں پر مہربانی کرنا اسلام کے سب سے اعلےٰ اصول میں داخل ہے۔

جب طائف نے بھی کلام خدا سننے سے انکار کردیا ناچار آپ پھر مکہ تشریف لے آئے اور اب آپ نے اپنا وعظ صرف پردیسیوں تک محدود کردیا۔ اور وہ بھی پوشیدہ طور پر ایک دن آپ کا گزر نہایت غمگینی اور پژمردگی میں چھ آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ پر ہوا۔ آپ نے ان سے ارشاد کیا کیا تم یہاں بیٹھ کے میری بات سنو گے انہوں نے کہا ہاں سنیں گے وہ بیٹھ گئے اور آپ بھی ان کے برابر بیٹھے۔ اور فرمایا میں تم کو خدا کا پیغام سناتا ہوں خدائے واحد کی پرستش کرو اور اپنے فرضی اور دستی خداؤں کے مکروہ ناموں پر فریفتہ نہ ہو۔ اس صاف اور بے لوث کلام نے ان کے دل پر اثر کیا وہ یہ توحید خدا کی تعلیم پاکے یثرب چلے گئے اور انہوں نے اپنے ہموطنوں سے ساری کیفیت امی نبی اور آپ کی تعلیم کی بیان کی یہ واقعہ سنہ ۶۲۰ء میں ہوا۔ دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ اپنے چھ اور دوستوں کو لے آئے اور وہ بھی مشرف باسلام ہوئے انہوں نے آپ کی نبوت کا سچے دل سے اعتراف کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرکے یہ اقرار کیا "ہم کسی چیز کو خدائے واحد کی ذات کے ساتھ شریک نہیں کرنے کے ہم بدکاری اور حرام کاری سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرتے ہیں ہم آئندہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گے ہم کسی افترا پردازی نہیں کرنے کے نہ کسی کی بدگوئی کریں گے۔ جو چیز حق ہے ہم اس میں پیغمبر کی متابعت کریں گے ہم کامیابی اور غم میں ایمانداری سے نبی کا ساتھ دیں گے" یہ اقرار مدار کرکے وہ یثرب چلے گئے اور انہوں نے دین خدا کی اشاعت یثرب میں شروع کی۔ اب اسلام تیزی سے اپنے قدم اٹھانے لگا اور بہت سے دلوں میں اسلام نے اپنا گھر کرلیا دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ ۷۵ آدمیوں کو اور بھی لے کے آئے اور انہیں بھی مشرف باسلام کیا۔ ابن ہشام کہتا ہے ان یثربیوں نے حضور انور سے درخواست کی کہ آپ یثرب تشریف لے چلیں اور وہاں توحید خدا

تاکہ قریشیوں کے حملوں سے نجات ہو آپنے انصار اور مہاجرین کو شیر و شکر کرنے کی کوشش کی اور کچھ ہی عرصہ میں آپ کو ایک نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اسوقت یثرب کا نام مدینۃ النبی سے بدل گیا۔ انصار نے اپنے واجب التوقیر نبی کی یادگار میں یثرب کا یہ نام رکھا جسے اختصاراً در کثرت استعمال کی وجہ سے مدینہ کہتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اور حضور انور نے اپنے دست مبارک سے گارا بھر بھر کے اس مسجد کی تعمیر میں دیا اور اس کے آس پاس چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر کرائے جہاں تارک الوطن آکے پناہ لے سکیں۔ یہ زمین جہاں مسجد بنی دو بھائیوں کی ملکیت تھی اگرچہ اُنہوں نے خوشی سے اس زمین کو مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن چونکہ وہ یتیم تھے اس لئے آپنے اُنہیں مسجد کی قیمت دیدی یہ عمارت نہایت سادہ تھی۔ دیواریں اینٹ اور گارے کی چھت کھجور کی چھال سے بنی ہوئی۔ مسجد کا ایک حصہ خاص مسافروں اور ننگھروں کے لئے تجویز کر دیا گیا تھا۔ یہیں حضور انور بیٹھ کے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس غریب عمارت میں جو چیز تھی وہ بہت ہی سادہ تھی بے فرش زمین پر حضور انور کھڑے ہو کے نماز پڑھتے تھے یہیں خدائے واحد کو سجدہ کرنے کی ابتدا ہوئی تھی۔ آپ یہاں اس مقدس سادے معبد میں جو آئندہ شہنشاہان عالم کی بازگشت بننے والا تھا یہ وعظ فرمایا کرتے تھے "جو شخص خدا کی مخلوق سے محبت نہیں رکھتا اور اپنے بچوں پر مہربان نہیں ہوتا وہی کہے گا کہ خدا مجھپر مہربان نہیں ہے۔ جو مسلمان کہ ننگے کو کپڑا پہنائے گا خدا اُسے بہشت کا لباس پہنائے گا۔ پھر آپنے فرمایا تمہارا خندہ پیشانی اپنے بھائی کی طرف دیکھنا سخاوت ہے۔ ایک گروہ کو نیک کام کرنے کی نصیحت کرنا ہی سخاوت کرنیکے برابر ہے بھٹکے ہوئے کو رستہ بتانا خیرات اور سخاوت ہے۔ سڑک پر سے پتھر کنکر یا ٹھوکر کی چیز کو سرکا دینا بڑی خیرات ہے پیاسے کو پانی پلانا بھی خیرات ہے وہ شخص اُس عالم میں سرخرو ہوگا جس نے اس دنیا میں نیکی کی ہے۔ مرنے کے بعد دنیا میں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنا مال چھوڑ کے مرا لیکن قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تو نیک اعمال کا توشہ کتنا اپنے ساتھ لایا۔

آپ ہمیشہ یہ ارشاد کیا کرتے تھے کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کردوں ایک دن سے قبیلہ کے قیدی آپ کی خدمت میں حاضر کئے گئے ایک لڑکی بھی اُن قیدیوں میں تھی اس نے عرض کیا اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے رہا کریں کیونکہ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں لوگ مجھپر ہنسیں گے میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا قیدی کو رہائی اور بھوکے کا پیٹ بھرتا تھا کبھی اس نے کسی حاجتمند کو محروم نہیں پھیرا اُس کا نام حاتم تھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا یہ صفت سچے ایماندار کی ہے اور پھر اُس کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ ہمیشہ حضرت انس کی روایت کے بموجب یہی فرمایا کرتے تھے اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ یعنی اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم کرتا ہے

ہمارے آخرالزمان نبی کی نبوت کا مفہوم اور اسلام کا خاص منشا یہ ہے جو آگے بیان ہوتا ہے یعنی آپنے معاذ بن جبل کو یہ نصیحت کی تھی مگر خطاب ساری اُمت سے ہے اس میں نہ جہاد کا کہیں اشارہ ہے اور نہ اس کا ذکر چنانچہ آپ فرماتے ہیں اے معاذ میں تجھے خدائے تعالےٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تو سچ بول۔ عہد پورا کر۔ امانت میں خیانت نہ کر۔ ہمسایہ کا لحاظ رکھ۔ یتیم پر رحم کر۔ نرم گفتگو کر۔ سلام کو فاش کیا کر۔ قرآن کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت اور حساب سے خائف رہا کر۔ کبھی کسیکو گالی نہ دیجو اور سچے شخص کو جھوٹا مت بنا۔ نہ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کیجیو عادل امام کی نافرمانی

اخیر قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے جہاں دیگر قبائل عرب کے بھی چند سردار مدعو ہوئے تھے۔ یہاں ہماری بحث کا لب لباب موت اور زندگی تھی۔ جلسہ طوفان خیز اور شور انگیز تھا کسی کی رائے تھی محمد اور اُن کے ساتھیوں کو دائم الحبس کردو کوئی کہتا تھا فیصلہ کیوں نہیں کر دیا جاتا ایک شخص نے بہت زور سے اس امر پر بحث کی کہ قتل کر ڈالنا سب سے بہتر ہے ان کو قید خانہ میں رکھنا اور زندہ چھوڑنا خلاف مصلحت ہے۔ اسی طوفانی گفتگو میں ابوجہل کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہر قبیلہ میں سے چند بہادر شخص منتخب کئے جائیں اور انہیں محمد کے قتل کے لئے بھیجا جائے تاکہ یہی زہر میں بجھی ہوئی برچھیوں سے وہ محمدؐ پر فتحمندی حاصل کریں اُس کے ساتھی اور رشتہ دار اتنے کمزور ہیں کہ کبھی بھی انتقام نہیں لے سکتے۔ یہ تجویز سب نے پسند کی اور سب کا اس پر اتفاق ہوگیا۔ پھر چند نوجوان دلچلے بہادر منتخب ہوئے اور شب کو حضور انور کے مکان کا گھیرا ڈال دیا۔ ایک روزن سے یہ لوگ پوری تاک جھانک کر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ابھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے بستر پر ہیں آنحضرت کو پوری کیفیت معلوم ہوگئی آپ نے اپنا سبز جبہ حضرت علیؓ پر ڈال دیا اور کہا تم چپکے یہیں پڑے رہنا اور پھر حضور انور اس طرح سے بچ گئے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کھڑکی میں سے کود کے بچ گئے تھے حضور انور سیدھے ابو بکر صدیقؓ اکبر کے مکان پر پہنچے یہاں پہلے ہی سے دو اونٹ تیار تھے دونوں اُن اونٹوں پر سوار ہوکے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن چند روز تک آپ غار ثور میں جو مکہ کی جنوب کی طرف ایک پہاڑی ہے قیام پذیر رہے۔ اب تو اور بھی مشرکین قریش کی جانوں پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اُن کی غضب کی آگ اور بھی بھڑکی۔ قاتلوں کی ناکامی نے شہر پر ایک غضب ڈھا دیا۔ تمام شہر میں ڈھنڈورا پٹ گیا جو کوئی محمدؐ کا سر لائے گا اُسے یہ انعام ملے گا۔ ابن الاثیر کی روایت کے بموجب جبتک آپ غار ثور میں رہے صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی چھپ چھپا کے کھانا اور دودھ دے آتی تھیں تیسرے دن کی شام کو پناہ گزینوں نے ثور کی پہاڑی کو چھوڑ دیا بدقت دو اونٹ بہم پہنچا کے غیر راہوں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ انعام کے لالچ سے صدہا دلچلے نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو ہو کے اُدھر اُدھر تلاش میں سرگرم تھے انہیں میں سے ایک وحشی خطرناک عرب نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا آواز دی کہ ٹھہرو یہ کہتے ہی وہ نہایت خوفناکی سے ننگی تلوار لیکے جھپٹا کہ یکایک اُسی کا گھوڑا چراغ پا ہوا اور وہ چاروں خانہ چت جا رہا۔ اس شخص نے محض بے قابو ہونے پر حضور انور سے معافی مانگی آپ نے فوراً اُس کو معاف کیا اور اُس کی جان بخشی کر دی۔ آپ تین دن کے عرصہ میں یثرب پہنچے۔ جون کا مہینہ تھا آفتاب کی تیز شعاعیں سخت گرم اور آتشیں تھیں۔ بیم و رجا اور ہبوت دونوں دست و گریبان ہو رہی تھیں آپ بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ جون ۶۲۲ء کو یثرب میں داخل ہوئے۔

ہجرت کے بعد کے واقعات

اب وہ وقت آگیا کہ ہم اس یتیم بے یار و مددگار معصوم کو سلطان شہنشاہ اور نہرا رہا مخلوق خدا کے دلوں پر حکومت کرتا ہوا دیکھیں۔ اب اُس کے فرمان آئندہ سے کروروں بندگان خدا کے لئے ناطق ہونگے اور اسکا ایک ایک لفظ بڑے بڑے سلاطین کے لئے غیر تبدیل قانون بنے گا۔ یثرب جس میں آپ داخل ہوئے مکہ کے شمال میں گیارہ دن کی راہ پر ایک آباد شہر ہے۔ اس زمانہ میں یہ شہر بالکل بے پناہ تھا آپ نے احتیاطاً اس کے گرد کھائی کھدائی

کرنا اسلام کی عین نشانی ہے۔ آپ کی ہدایت سے سب مسلمانوں کو تسکین ہوگئی اور اُنہوں نے ہمیشہ اپنے مخالفین سے اسی انسانیت کا برتاؤ کیا جو اسلام کے لئے شایاں تھی قریش اس شکست کے بعد مکہ بھاگ گئے حضرت رسالتمآب نے اُن کے تعاقب پر مسلمانوں کو روانہ کیا مگر جوں ہی ابوسفیان کو یہ خبر ہوئی کہ مسلمان تعاقب کر رہے ہیں وہ اور بھی بدحواس ہوگیا اور اسقدر پریشان ہو کے بھاگا کہ اُسے کسی طرف کی سدھ بدھ نہ رہی۔ ایک اور غضب ابوسفیان نے کیا اور وہ سخت بزدلانہ تھا یعنی دو بڑے مسلمان مدینہ آرہے تھے اُنہیں ہنوز اس جنگ کی خبر ہی نہ تھی بلا وجہ اور بغیر کسی سبب کے انہیں شہید کردیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے حضور انور کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں سخت ہزیان بکا گیا تھا اور اخیر کے فقرے یہ تھے "پھر دوبارہ تمہیں نیست و نابود کرنے کے لئے آتا ہوں" اس تلخ ترین مراسلہ کا جواب حضور انور نے یہ دیا "خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی ہمارا محافظ"

(ماہ شوال ۲ھ مطابق فروری ۶۲۴ء)

ایک نوجوان مسلمان لڑکی یہودیوں کے بازار میں دودھ خریدنے گئی یہودیوں نے اُس پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ ایک مسلمان رہگیر کو یہ نظارہ بڑا لگا اُس نے یہودیوں کو ہدایت کی کہ یہ باتیں تم خلاف معاہدہ کرتے ہو تمہیں زیبا نہیں ہے۔ لیکن یہودی باز نہ آئے اور نوجوان خاتون پر دست درازی کرکے اُسے بے عزت کرنا چاہا پھر وہ مسلمان بیچ میں آگیا اور بالتجا اُن سے کہا کہ اس نا انسانیت سے باز آؤ اُنہوں نے سخت بزدلی سے اُس بے گناہ مسلمان کو شہید کر ڈالا۔ یہ خبر آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی مسلمانوں کو یہودیوں کی اس بیجا حرکت پر سخت غصہ آیا وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے جھپٹ پڑے اور اب یہودیوں سے دو دو ہاتھ ہونے شروع ہوئے۔ اسی اثنا میں حضرت رسالتمآب کو خبر ہوئی آپ فوراً برسر موقع تشریف لائے اور طرفین میں بیچ بچاؤ کیا۔ اسکے بعد یہودیوں نے علے الاعلان کہدیا کہ ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہوتے ہیں جو آپ کا اور ہمارا ہوچکا ہے اب ہم آپ سے لڑیں گے جب یہودیوں کی طرف سے یہ جواب ملا تو آپ کو اُس انتظام کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا جو مدینہ کا فرما چکے تھے آپ حجت تمام کرنیکے لئے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے ساری کیفیت بیان کرکے کہا کہ اور قبایل یہود کے مقابلہ میں تمہیں اپنے عہد و پیمان پر قایم رہ کے مدینہ کے انتظام میں مدد کرنی چاہئے۔ اس مصلحت آمیز تقریر کا جو جواب اُنہوں نے دیا وہ یہ تھا "اے محمد تو اس فتح پر فخر نہ کر جو تو نے قریشوں پر حاصل کی ہے تجھے ابتک ایسے لوگوں سے ساتھ معاملہ پڑا ہے جو قانون جنگ سے محض نابلد ہیں جب ہمارے ساتھ تو جنگ کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا ہیں" کل یہودی قبائل بھڑک اُٹھے تھے اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ کہیں تنہا پا کے حضرت رسالتمآب کا پھنا ٹھ صاف کریں۔

(ربیع الاول ۳ھ مطابق جون و جولائی ۶۲۶ء)

اخیر یہودی مدینہ سے خارج کردیئے گئے۔ اس سال کا باقیماندہ حصہ اور آئندہ سال کا ابتدائی حصہ ان مخالف قوموں کی سرکوبی میں گذرا جو مدینہ کی حدود میں سازش کررہی تھیں اور وقتاً فوقتاً اکیلے دکیلے مسلمان کو پاکے قتل

اور اُنہیں حکم دے دیا کہ خواہ کچھ ہو تم اپنی جگہ سے نہ سرکنا۔ مشرکین قریش اپنے باقاعدہ پرے جما کے آگے بڑھے ان کے بت ان کے بیچ میں تھے جن کی حمایت میں وہ جنگ کرنے آئے تھے۔ سرداروں کی بی بیاں دف بجا رہی تھیں۔ قریشیوں کو پہلے حملہ میں سخت زک ملی حضرت امیر حمزہ نے معہ اپنے جانباز دستہ کے اُن کے حملہ کو روکا اور پھر آپ خود شمشیر برہنہ لیکے قریشی حملہ آوروں میں گھس گئے اور اُنہیں پراگندہ کر دیا۔ ہر طرف سے مخالفین کا گروہ برابر پسپا ہو رہا تھا۔ یہ عظیم اور نمایاں فتح مسلمان حاصل ہی کر چکے تھے کہ تیر اندازوں نے حضرت رسالتمآب کی ہدایت کا خیال نہ رکھا اور غنیمت کے لئے اِدھر اُدھر پراگندہ ہو گئے خالد جو ایک بڑا جرار اور مرد میدان تھا اور جو اس موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا اپنے پرے کو سمیٹ کے آگے بڑھا اور آندھی مینہ کی طرح پراگندہ بیخبر مسلمانوں پر گر پڑا دشمن کی پیادہ فوج جو پسپا ہو چکی تھی واپس پھری اور چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ پھر دوبارہ خوفناکی سے جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کے چند جانباز بہادر عین معرکہ جنگ میں شہید ہوئے۔ حضرت امیر حمزہ نے بھی اسی میدان میں شربت شہادت پیا حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ نہایت سخت مجروح ہوئے۔ بت پرست اپنی چیرہ دستی سے فائدہ اُٹھا کے حضور انور کی طرف رجوع ہوئے آپ معہ اپنے چند صحابہ کے مشرکین قریش کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ میں دعائے خیر کر رہے تھے حضرت علی قلب لشکر میں جنگ کر رہے تھے اور اُنہیں یہ خبر نہ تھی کہ مشرکین نے حضور انور کی طرف رخ کیا ہے۔ اخیر آپ لڑتے لڑتے اس گھاٹی کے کنارہ پر آئے اور یہاں آپ کو غنیم کے حملہ سے کسیقدر نجات ملی کہ اتنے میں حضور انور کے شہید ہونے کی آوازیں حضرت علی کے کانوں میں آئیں آپ سخت شکستہ خاطر ہو گئے۔ مگر آپ پھر یہ دیکھ کے کہ مسلمان برابر مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں دل مضبوط کر کے مشرکین کے مجمع میں گھس گئے اور پھر تیسری بار میدان کارزار گرم ہوا۔ یہ جنگ آور گروہ لڑتے لڑتے اس موقع پر پہنچ گیا جہاں حضور انور اپنے مٹھی بھر صحابہ کے ساتھ غنیم کے دھواں دھار حملوں کا جواب دے رہے تھے جونہی حضور انور کو صحیح و سالم دیکھا صحابہ کے دل باغ باغ ہو گئے اور جو کچھ شکستہ خاطری ہوئی تھی وہ سب جاتی رہی۔ سب مل کے احد کی بلندی سے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُنہوں نے کسی قدر دم لیا حضرت علیؓ نے چٹان کے ایک سوراخ سے حضور انور کی ڈھال میں پانی ڈالا جس سے آپ کا زخم دھویا گیا اور پھر سب نے مل کے ظہر کی نماز پڑھی۔

یہ جنگ جیسا کہ مشہور ہے مشرکین کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں اور اُنہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ اس جنگ میں سوا اس کے کہ حضرت رسالتمآب مجروح ہوئے اور کسی قسم کی نمایاں فتح کفار مکہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ سمجھنا چاہئے کہ اُنہوں نے سخت شکست کھائی اور وہ بے انتہا زچ ہو کے اخیر بزدلانہ حملہ پر اتر آئے وہ بزدلانہ حملے جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملنے کی یعنی اُنہوں نے مسلمان شہدا کے ساتھ سخت نا انسانیت کا برتاؤ کیا اور ان کے بے روح اجساد کو پارہ پارہ کر کے اپنی فتحمندی سمجھی۔ زیادہ تر حضرت امیر حمزہ کے جسم مبارک کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جس سے ایک آگ مسلمانوں کے تن بدن میں لگ گئی اور سب نے ارادہ کیا کہ آئندہ مشرکین کے مقتولین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے مگر حضور انور نے فرمایا کہ صبر کرنا اور ہر مصیبت پر خدا پر بھروسہ

سوتے ہوئے سر ہانہ کھڑا ہے حضور انور کو ہشیار پا کے اُس نے یہ درشت الفاظ کہے "اے محمد اب کون ہے جو تیری حفاظت کرے گا اور تجھے میری خون آلود تلوار سے بچائے گا حضور انور نے جواب دیا "اللہ" یہ سنتے ہی اس وحشی بدو نے تلوار کا وار کرنا چاہا حضرت رسالتمآب نے جھک کے اُس کی تلوار چھین لی اور فرمایا اب تجھے یہاں پناہ دینے والا کون ہے اور تیری کون جان بچائے گا اُس وحشی بدو نے جواب دیا افسوس کوئی نہیں۔ آپ نے اُس کے آگے تلوار ڈال دی اور ارشاد کیا مجھ سے رحم کا پیشہ سیکھ وہ بدو فوراً مسلمان ہوگیا اور حضور انور کی غلامی کا فخر حاصل کیا اور تا وفات اسلام کا جان نثار خادم بنا رہا۔

(احد کی تیسری لڑائی)

اس دوسری شکست پر بھی قریشیوں کے حوصلے پست نہ ہوئے اور اب اُنہوں نے انقطاعی جنگ کا سامان شروع کیا اور چاہا کہ بغیر فیصلہ کئے قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ تین ہزار کی ایک جرار فوج تیار ہوئی۔ ہر سپاہی اپنے جوش میں آپے کے باہر ہوا جاتا تھا۔ ان تین ہزار میں سات سو آزمودہ کار اور مرد میدان تھے۔ یہ جرار فوج اُس چھوٹے سے گروہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوئی تھی جس کے پاس نہ کافی ہتھیار تھے اور نہ گھوڑے تھے نہ کوئی قلعہ تھا۔ تعداد میں کم اور بے سروسامان۔ ہاں بڑی بات اگر تھی تو یہ تھی کہ وہ برحق نبی کے ساتھ جب اُن پر اُن کے تنگنے اور چھوگنے دشمن حملہ کرتے تھے تو تحفظ دین کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اب کے بھی ابوسفیان ہی سپہ سالار تھا یہ تین ہزار جرار فوج مدینہ کی طرف بڑھی اور مدینہ کے قریب پہنچکر ایک ایسے مقام پر قبضہ کر لیا جو جنگ کی جان تھا اُس نے یہاں خوب مورچہ بندی اور فوجی دستوں کی تقسیم کر لی اور اب مسلمانوں کی نقل و حرکت کو دیکھنے لگا۔ حضور انور نے جب یہ خبر سُنی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور مشرکوں کی اس زیادتی پر آپ آزردہ دل ہوئے۔ اپنی قوم کے بچوں عورتوں ناتوان مردوں اور سب سے زیادہ اپنے دین کے تحفظ کے لئے آپ مجبوراً آمادہ ہوئے۔ اور ایک ہزار آدمی منتخب کئے مگر ان میں منافق یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان ہوگئے تھے لیکن دل میں مسلمانوں کے سخت دشمن تھے پہلے تو انہوں نے جنگ میں جانے کی مرضی ظاہر کی اور جب میدان جنگ میں آئے تو تعداداً تین سو صفوں میں سے نکل کے بھاگ گئے۔ یہ اگرچہ لڑاکو فوج کے لئے دل شکن صدمہ ہوتا ہے مگر پھر بھی مسلمان اپنی جگہ قایم رہے اور ان منافقوں کی اس دغابازی سے ذرا بھی شکستہ خاطر نہ ہوئے۔۔۔ مسلمان گردنیں نیچی کئے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔ اور آخر حضرت رسالتمآب کے حکم کے مطابق احد کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا شب کو خاموشی سے بسر کی اور علی الصباح نماز صبح جماعت سے پڑھ کے میدان جنگ میں آئے۔ ہمیشہ مشرکین قریش نے دغابازی کی ایک ایک دو دو لڑتے لڑتے یکا یک بے خبری میں سب آ پڑتے تھے۔ اب خیال کرنا چاہئے کہ ایک قوم ایک آب و ہوا ایک خون سب شجاع مرد میدان بات بات پر لڑنے والے پھر تھی بھر ان ہی میں کے آدمیوں کا وہ بھی محض بے سروسامانی میں غالب آجانا ضرور ایک پوشیدہ قدرتی تائید اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ وہی قدرتی راز ہے جو پھر آزاں کھل گیا۔ اور دنیا نے آسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضور انور احد کی پہاڑی کے نیچے کھڑے ہوئے اور بلندی پر جنگ آور مسلمان دستہ کے پیچھے چند تیر انداز کھڑے کئے

مانگی "اے خدا تو اپنی مدد کا وعدہ نہ بھولیو اے خدا اگر یہ چھوٹا سا گروہ نیست و نابود ہو گیا تو پھر تیری خالص عبادت کرنیوالا ایک متنفس بھی نہیں رہنے کا"۔

میدان کارزار گرم ہوا اور عربوں کے قوانین جنگ کے مطابق تین عرب مشرکین میں سے میدان میں آئے گویا اس میں بھی تقدیم اُن ہی کیطرف سے ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے تین مرد میدان نکلے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عبیدہ۔ تینوں لڑے اور تینوں نے فتح پائی۔ یہ دیکھکر بت پرستوں نے قانون جنگ توڑ دیا اور اب اُنہوں نے ملکے حملہ کیا ایک ہزار مسلح قریشیوں کے تین سو مسلمانوں پر دھاوا دہار حملہ کرنے سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن جب اُنہوں نے حضور انور کی ماتحتی میں سمٹ کے حملہ کیا تو دشمن کے پروں کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہوا کے خوب ہی تیز جھکڑ چل رہے تھے مخالف اسلام نوک دم ہو کے بھاگے۔ اُن کے بہت سے سردار قتل ہوئے ابو جہل بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ بکثرت قریش گرفتار ہوئے اُس زمانہ کے قوانین جنگ کے مطابق جنگی قیدی قتل کر دیئے جاتے تھے مگر حضور انور نے اس قانون کو بدل دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کر دی کہ اُن کی خاطر مدارات کریں اُنہیں کھانا دیں اور کوئی کلمہ ایسا زبان پر نہ لائیں کہ اُن کا دل دکھے اور وہ آزردہ خاطر ہوں مسلمانوں نے اپنی خوراک میں سے اُنہیں حصہ دیا اُنہیں خرمے کھلائے۔ اُن سے نہایت خلاق اور شیریں زبانی سے پیش آئے بلکہ اُلٹا اُن کی بدقسمتی پر روتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم نے اپنے کو تو یہ دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور آپ دشمنوں کی صف کے ہم سے بہت ہی قریب ہوتے تھے جب آپ حملہ کا حکم دیتے تھے تو پہلے خود ہی بڑھکے حملہ کرتے تھے۔ بہادر وہی شخص ہوتا تھا جو جنگ میں حضور انور کے قریب رہتا تھا۔ آپ عین معرکہ جنگ میں یہ فرمایا کرتے تھے "ان النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب" یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں تو بیٹا مطلب کا ہوں۔

(دوسری لڑائی)

حضور انور نے اخیر قریشی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اُنہیں اجازت دی کہ وہ مکہ چلے جائیں جب وہ مکہ پہنچے تو قریشیوں کا جوش اور بھی بڑھا اور بجائے اس کے کہ اُن کا حوصلہ پست ہوتا اُنہوں نے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ ابو سفیان دو سو آہن پوش سوارلے کے خاموشی سے مدینہ کی طرف بڑھا ابھی مسلمانوں کو اس کی مطلق خبر نہ تھی چند تھے مسلمان مدینہ کے باہر کھجوروں کے درختوں پر کام کر رہے تھے ابو سفیان دو سو سوارلے کے آندھی اور سینہ کی طرح ان بے خبر مسلمانوں پر آپڑا اور اُنہیں نہایت ظالمانہ طور پر شہید کر دیا اُن کے درخت اُکھیڑ کے پھینک دیئے اور ہر شئے کو برباد کر دیا اس دغابازی اور قصائی پنے کی خبر مسلمانوں کو ہوئی وہ اپنے مظلوم رفقا کی مدد پر باہر نکلے اور اُنہوں نے ابو سفیان پر حملہ کیا حالانکہ ابو سفیان کے پاس دو سو آہن پوش سوار تھے پھر بھی وہ پریشان بھاگا اور سواروں نے بھاگتے وقت خرجیوں میں جتنی کھجوریں بھری تھیں وہ اس غرض سے پھینک دیں کہ گھوڑے ہلکے ہو جائیں اور اُنہیں بھاگنے میں آسانی ہو۔

اسی اثناء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا ایک دن حضور انور اپنے رفقا سے الگ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اور آپ بالکل تنہا تھے کہ یکایک ایک وحشی بدو کے شور سے آپ کی آنکھ کھلی آپ نے دیکھا کہ ایک وحشی عرب ننگی تلوار

کردیا جہاں کسی مسلمان کی صورت دیکھی اور جو یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔ یہ اسرائیلی تو مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے اور انہوں نے تو وہ ہاتھ پیر نکالے کہ العظمۃ للہ۔ حضور انور کا حکم تھا کہ ان کے جواب میں ایک حرف بھی کوئی مسلمان زبان پر نہ لائے اور سوائے صبر کے کوئی بات نہ کرے۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ پوشیدہ پوشیدہ مشرکین عرب سے خط کتابت شروع کی اور صاف لکھدیا کہ ہم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کرلیا ہے لیکن اگر تم یہاں حملہ آور ہوگے تو ہم تمہاری مدد کریں گے یہ خط دیکھتے ہی مشرکین عرب کے ہاں گھی کے چل گئے اور اب وہ خوش ہوئے کہ محمد کو یثرب میں بھی نہ رہنے دینگے۔ مشرکین قریش نے اخیر حملہ کی تیاری شروع کی۔ ادھر حضور انور کو بھی یہ خبر ہوگئی کہ معاہدہ کے برخلاف یہودی دشمنان اسلام سے مل گئے ہیں۔ آپنے یہودیوں کی حرکات کی نگرانی شروع کی اور بہت جلد چھ مخبر یہودیوں کو گرفتار کیا جو ایک مراسلہ مشرکین قریش کے نام کا یثربی یہودیوں کی طرف سے لئے جاتے تھے۔ انکی تلاشی لی گئی کئی بھری خطوط برآمد ہوئے جن میں یہ لکھا ہوا تھا جب یثرب تک آجاؤگے تو ہم یہاں جنگ شروع کردینگے۔ ہم اندر سے ماریں گے اور تم باہر سے حملہ آور ہونا بس مسلمانوں کو بیچ میں رکھکے پیس ڈالیں گے۔ ان مخبروں کو انہیں مقررہ اصول وقواعد کے مطابق سزا دی جو یہودیوں اور مسلمانوں میں مقرر ہوچکے تھے اب حضور انور کو سخت اندیشہ ہوا کہ کیونکر انتظام کیا جائے آپ کو خونریزی سے ہمیشہ نفرت تھی اور ابھی تک آپنے تلوار کا استعمال نہ کیا تھا۔ آپ کا رحیم اور رقیق قلب کبھی یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ تلوار چلانے کا موقع آئے اور مخلوق خدا درد سے غل مچائے۔ آپکے دل پر اپنے بچوں کی وفات نے پہلے ہی گہرے چرکے لگا رکھے تھے اور پھر آپ کو اپنے دشمنوں کی زیادتی اور حملہ کا خیال آیا اور مسلمانوں کی خون آلودہ صورتوں کا نقشہ آنکھوں کے آگے کھچ گیا اس درد سے آپ بے اختیار رو پڑے اور اپنے رفقا کی آئندہ تکلیف سہنے پر آپ سے ضبط نہ ہوسکا۔ آپ صرف اپنے رفقا پر زاری فرماتے تھے اور ان کی تکلیف کا آپ کو بہت درد تھا بدکیش یہودیوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) عورتوں کی طرح سے روتے ہیں حالانکہ آپ اپنے رفقا کی آئندہ مصیبت پر آنسو بہاتے تھے اور آپ کی ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ تلوار چلانی پڑے۔ آپ کو بہت بڑا درد یہ تھا کہ بیگناہ جانیں ضایع ہوں گی اور معصوموں کے گلے پر خنجر پھیرا جائے گا۔ آپ تو ہمیشہ کے رقیق القلب تھے یہ کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ آپ کے آنسو ایک روتے ہوئے کو دیکھکے نہ ٹپک پڑے ہوں آپ کی اصل غرض یہ تھی کہ خدا کی مخلوق کو آرام میں دیکھیں آپ اسی لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کی نبوت کا بڑا منشا امن کا قایم کرنا تھا۔ اخیر کل سامان جنگ کرکے مکہ سے روانہ ہوئے اور مضافات مدینہ میں پہنچے مسلمانوں کے باغوں کو جلا دیا انکے مویشیوں کو پکڑ لیا۔ اور آگے بڑھے چلے آئے۔ یہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی غرض سے بھی آئے تھے اور یہ بھی انکا منشا تھا کہ اس قافلہ کی حفاظت کریں جو سامان جنگ لئے آرہا ہے۔ ایک ہزار ان کی تعداد تھی اور سب عمدہ ہتھیاروں آراستہ تھے ابوجہل ان کا سپہ سالار تھا۔ عین وقت پر مسلمانوں کو ابوجہل کے لشکر کی خبر ہوئی اخیر حضور انور کی سرکردگی میں انہوں نے بدر پر اپنے مورچے جمائے۔ مسلمانوں کی کل تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی سب کے پاس نہ سواری کے گھوڑے تھے نہ ہتھیار تھے۔ حضور انور نے مشرکین قریش کی ایک ہزار جرار سپاہ پر نظر کی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاکے دعا

نہ کیجو۔ زمین میں فساد کرنے سے احتراز کرنا" یہ تعلیم ہے جس پر اسلام ناز کرتا ہے خونریزی سے اسلام نے ہمیشہ نفرت کی ہے اور اسے ایک ہیبتناک امر خیال کیا ہے قرآن میں جب کھلا کھلا حکم آ چکا ہے کہ فساد نہ کرو زمین پر فتنہ نہ پھیلاؤ یہاں تک قرآن میں آگیا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے پھر اس سے زیادہ امن کی تعلیم کرنے والا مذہب اور کیا ہو سکتا ہے؟ تمام عمر میں ایسے تین دن نہیں ہوئے کہ آپ نے گیہوں کی روٹی دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائی ہو۔ اللہ اکبر یہ حلیمی اور یہ انکساری تھی۔ بصرہ کا ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ آپ مجھے کسی نیک عمل کی ہدایت فرمائیں آپ نے ارشاد کیا "سب سے زیادہ نیک عمل یہی ہے کہ تو کسی کی برائی نہ کیا کر۔

حضور انور نے اگرچہ مشرکین کے جور وظلم پر اپنا مالوف وطن چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر بھی اُن کے غصہ کی وہی کیفیت تھی انہوں نے ہمارے فخر رسل کے سر مبارک کے لئے اشتہار دے رکھا تھا اور ایک بڑا بھاری انعام مقرر کر رکھا تھا۔ حضور انور بھی اس سے غافل نہ تھے ادھر یہودیوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی لامحالہ آپ کو جمہوری اصول کی بنیاد ڈالنی پڑی اور اس کے مختصر طور پر یہ اصول تھے "صلح اور جنگ کی حالت کل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی اُن میں کسی ایک یا دو اشخاص کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ خود ہی جنگ کا اعلان دے یا خود ہی صلح کرے۔ یہودی جو ہماری جمہوری سلطنت میں پناہ گزین ہوں گے ہر حالت میں ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اُن کی حفاظت کریں اور اُن کے لئے بیرونی حملوں پر سینہ سپر ہو جائیں اُن کے حقوق ایسے ہی ہوں گے جیسے مسلمانوں کے وہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو عہدوں پر ممتاز ہوں گے اور اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ یثرب میں جتنی قومیں یہودیوں کی آباد ہیں وہ سب ایک نظر سے دیکھی جائیں گی اور انہیں اُن کے مذہبی فرائض انجام دینے کی مسلمانوں کی طرح کامل آزادی ہوگی مجرم خواہ یہودی ہو یا مسلمان سزایاب ہوگا۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے گا تو یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہو کے اس کو پسپا کرنے کے لئے میدان جنگ میں آئیں گے جو شخص یثرب میں داخل ہوگا اس کے یہی حقوق ہوں گے جرم پر کسی کی رعایت نہ کیجائے گی خواہ کوئی سردار ہو یا عام شخص ہو سب ایک دوسرے کی عزت کریں گے اور محبت پیش آئیں گے۔ تمام گزشتہ جھگڑوں اور قضیوں کی انتہا سمجھی جائے گی اور اب آئندہ کوشش کی جائے گی کہ باہم مخالف اور متضاد گروہوں کا اتحاد قائم ہو اور دن بدن اس اتحاد میں ترقی ہو۔" (ابن ہشام)

(ہجرت کا دوسرا سال، مئی سنہ ۶۲۳ء سے اپریل سنہ ۶۲۴ء تک)

یہودیوں کی تین قومیں جو یثرب میں رہتی تھیں اس معاہدہ پر اول اول رضامند نہ ہوئیں لیکن اخیر میں اُنہوں نے بھی مصلحت وقت دیکھ کے اس پر دستخط کر دیئے۔ اور اپنی اندرونی مخالفت میں اسیطرح سرگرم رہیں۔ سب سے زیادہ اِن یہودیوں نے مسلمانوں کو چڑانا اور اُن کے مذہب کی نسبت بدتہذیب الفاظ کہنے شروع کئے اور بھی یہ غضب ہوا کہ قرآن مجید کی روشن آیتوں میں تحریف کر کے عام مجمع میں پڑھنی شروع کیں اور پھر اُن پر خود ہی قہقہہ اڑایا۔ اسی پر قناعت نہ کی بلکہ یہودی سرداروں نے اپنے شعرا کے انعام مقرر کئے کہ جو شاعر مسلمانوں کی بہتر ہجو کرے گا اسے یہ انعام دیا جائے گا اب کیا تھا انعام کے لالچ میں چاروں طرف سے ہجو کی بوچھاڑ ہو گئی۔ عورتیں بچے جوان بوڑھے سب مسلمانوں کو دق کرنے اور سر بازار انہیں گالیاں دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا نکلنا مشکل

طریقہ سے ٹیکس نہ لیا جائے کوئی بشپ ہرگز اپنی بشپی کے عہدہ سے علیحدہ نہ کیا جائے۔ کوئی عیسائی کبھی اس بات پر مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنے دین کو ترک کرے۔ کوئی بطریق اپنے عہدہ سے برطرف نہ کیا جائے۔ کوئی عیسائی زائر اپنے معبد کی زیارت سے کبھی نہ روکا جائے نہ عیسائیوں کے گرجے کبھی اس خیال سے کہ ان کی جگہ مسجدیں بنائی جائیں منہدم کئے جائیں نہ انکی تعمیری صورت کو بصورت مسجد بنایا جائے۔ جب مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کریں تو ان کا فرض ہے کہ انہیں ان کے دین کے ارکان ادا کرنے یا ان کی مذہبی عبادت کرنے کی بالکل آزادی دے دیں جس طرح ان کا جی چاہے وہ عبادت کریں ہرگز ان کو نہ روکا جائے اور اس میں انہیں نہ کوئی تکلیف دی جائے جس سے وہ اپنی مذہبی عبادت نہ کر سکیں نہ انہیں ایسا مجبور کیا جائے جس سے ان کے ارکان دینی میں خلل پڑ جائے۔ اگر عیسائی اپنے گرجوں یا خانقاہوں کی مرمت کے لئے یا اور مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لئے روپیہ وغیرہ کے حاجتمند ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے ان کی مدد کریں۔ مگر یہ مدد کرنا وہ اپنا مذہبی اصول نہ سمجھ لیں بلکہ ان کی مدد کرنی ضروری امور میں سے خیال کریں اور جہاں تک ہو ہر ضرورت میں انکی مدد کریں اور ان کی مصیبت میں شریک ہوں۔ ان قواعد و احکام کی پیروی کل مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ خدا اور اس کے نبی کی طرف سے سمجھ کے ان احکام پر عمل کریں اگر مسلمان باہر عیسائیوں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوں تو انہیں لازم ہے کہ وہ ان عیسائیوں سے جو ان میں زندگی بسر کرتے ہیں کبھی حقارت سے پیش نہ آئیں اگر کوئی مسلمان برے طور سے ایسے وقت میں عیسائی سے پیش آیا تو گویا اس نے نبی کے احکام کی مخالفت کی۔ فقط۔

یہ تھی آزادی اور یہ تھی مساوات حقوق۔ دنیا نے اپنی آنکھ سے کبھی ایسی مذہبی آزادی کو نہیں دیکھا جو ایک قوم نے دوسری غیر مذہب قوم کو بخشی۔ ایک طرف تو صحرائی عرب آئے دن کے حملوں سے تنگ آگئے اور مدینہ پر یورش کر کر کے تھک گئے۔ ادہر مشرکین قریش کی حالت رستہ بند ہونے کی وجہ سے دگرگوں ہونے لگی تو انہوں نے ایک عریضہ حضور انور کی خدمت میں ارسال کیا اور لکھا جو کچھ ہم نے کیا اس کا خوب مزا چکھا ہے ہماری تجارت کا ستیاناس ہو گیا اور ہم برباد ہو گئے ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم آزادی سے جہاں چاہے جائیں اور اپنے دہندوں سے لگیں آپنے فوراً اجازت دیدی اور اس اجازت دینے میں کچھ بھی قیل و قال نہیں ہوئی دو واقعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن سے یہ پتہ چلیگا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بھی کیسے مہربان تھے۔ آپ کی صاحبزادی معاہدہ حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ تشریف لا رہی تھیں آپ کا اونٹ کسی وجہ سے قافلہ سے کچھ آگے بڑھ آیا تھا کہ ایک قریش جس کا نام ضرار تھا رستہ میں ملا اس قریش کو نبی اور آپ کی اولاد سے سخت دشمنی تھی اس نے بغیر کسی وجہ کے صاحبزادی صاحبہ پر اپنے زہر کے بجھے ہوئے نیزہ سے حملہ کیا اور آپ کے جگر میں ایسا کاری زخم لگا یا کہ آپ وہیں شہید ہو گئیں جب مکہ فتح ہوا ہے تو اس بے رحم قاتل کی تلاش کے لئے ڈھنڈورہ پٹوایا گیا کچھ عرصہ تک تو وہ روپوش رہا لیکن بعد ازاں خود حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے کو حضور انور کے رحم پر چھوڑ دیا اگرچہ اس کا یہ جرم ناقابل معافی اور سخت تھا مگر چونکہ اس

کرڈالتی تھیں۔ ان یہودیوں کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے انہیں عورتوں پر رحم آتا تھا اور نہ معصوم بچوں پر نہ بوڑھوں پر کبھی بے گناہ عورتیں اور بچے ان ظالموں کے ظلم کی نذر ہوتے اور انہیں اس بے رحمی سے شہید کیا جس سے اُن کی دشمنی اور سخت بزدلے پن کا نقشہ کھنچتا ہے۔ سازشوں کے دروازے چاروں طرف سے مسلمانوں کے خلاف کھل گئے تھے اور فی الحقیقت یہ زمانہ مسلمانوں کے سخت امتحان کا تھا حضرت رسالتمآب کی علی التواتر کامیابیوں نے مخالف قبائل میں اور بھی سخت آگ مشتعل کردی تھی اور وہ مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے میں جان کھپارہے تھے۔ کوئی بات مخالفت کی جو اُن کے خیال میں آتی وہ فوراً کر گذرتے اور اصل یہ ہے کہ اُنہیں کسی ناجائز سے ناجائز فعل کرنے میں نہ عار تھی اور نہ خوف خدا تھا۔

(۵ھ مطابق ۳ مئی ۶۲۶-۶۲۷ء)

مشرکین عرب نے مختلف قبایل عرب کے پاس قاصد بھیجے اور کہلا بھیجا کہ یہی وقت ہے کہ ہم سب جمع ہوکے اسلام کو نیست نابود کردیں جب تک ہم اتفاق کرکے مسلمانوں پر حملہ نہ کریں گے ان کی ترقی نہیں رک سکتی اور نہ یہ شکست پاکے مدینہ کو خالی کرسکتے ہیں۔ ادھر خیبر میں ابھی تک یہودی قبایل موجود تھے اور روزمرہ نئے نئے گروہ جمع ہوتے جاتے تھے تاکہ مسلمانوں سے کافی انتقام لے سکیں۔ ان یہودیوں سے مشرکین عرب کے برابر نامہ و پیام ہورہے تھے آخر یہ امر طے پاگیا اور ابوسفیان ایک لشکر کثیر کے ساتھ جس میں دس ہزار چیدہ مرد میدان عرب تھے آندھی اور مینہ کی طرح حملہ آور ہوا۔ راستہ میں اُس کی کہیں بھی مزاحمت نہیں ہوئی وہ آنکھیں بند کئے ہوئے سیدھا چڑھا چلا آیا اور مدینہ کے قرب و جوار میں اُحد کے پاس آکے دم لیا۔

(شوال ۵ھ مطابق ۲۔فروری ۶۲۷ء)

اب کے دور دور فوج کے دل بادل چھاگئے دس ہزار فوج مع سامان حرب اور باربرداری کے کوسوں پھیلی ہوئی نظر آئی جب آفت سر ہی پر آگئی تو ناچار مسلمانوں نے بھی اپنی حفاظت کا بندوبست کیا اور بمشکل تین ہزار مسلمان حضرت رسالتمآب کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ عورتوں بچوں بوڑھوں کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد ایک کھائی کھودلی گئی اور آخیر دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے بھی مورچہ بندی کرلی۔ قریشیوں نے اول اُن یہودی قبایل پر حملہ کیا جو ہنوز معاہدہ پر قایم تھے اور انہوں نے علانیہ مسلمانوں سے عہد شکنی نہ کی تھی جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ قریشیوں کی اتنی تعداد کثیر فوج اُن کی مدد پر آگئی وہ فوراً کھلم کھلا عہد شکنی کرکے قریشیوں سے مل گئے جب حضرت رسالتمآب نے یہ خبر سنی تو آپ نے سعد بن عبیدہ اور سعد بن معاذ کو اُن کے پاس بھیجا اور کہا تمہیں لازم نہ تھا کہ تم اس طرح عہد شکنی کرتے اور ہمیں ایسے نازک وقت میں یوں دھوکا دیتے انہوں نے بجائے کسی عذر کے بہ تلخ ترین اور نامعقول جواب دیا "محمد کون ہے خدا کا نبی کس کو کہتے ہیں تم میں اور ہم میں کوئی معاہدہ نہیں ہے" مسلمانوں کو ان یہودیوں کی مخالفت سے بہت ہی صدمہ ہوا کیونکہ یہ شہر کے اندرونی حالات سے بالکل واقف تھے اور انہیں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور کمزوری کا پورا علم تھا وہ عورتیں اور بچے شہر میں محفوظ چھوڑے گئے تھے انہیں اپنی بے گناہ جانوں کے لالے پڑ گئے

وقت یہ ساری باتیں نظرانداز کر دی جاتی ہیں اور ان کی طرف خیال کرکے اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا جو مہم بنی مصطلق پر بھیجی گئی تھی اُس کی وجہ یہ تھی کہ اس گروہ نے اپنے سردار حارث کے اغوا سے عہد شکنی کرکے بلا وجہ مدینہ پر تاخت کرنی شروع کر دی تھی جب وہ سمجھانے کے بعد بھی نہ سمجھے تو ان پر حملہ کیا گیا اور اس حملہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

حج کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور اب حضور انور نے حج میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ کل مسلمانوں نے اس ارادہ نبی کی تائید کی اور اب تیاری ہونے لگی۔ سات سو آدمی انصار اور مہاجرین میں سے تیار ہوئے۔ مشرکین عرب آپ کے ارادہ کی خبر سن کے شہر کے باہر آ پڑے کہ نبی کے سدّراہ ہوں مگر جب اُنہوں نے یہ سنا کہ آپ معہ اپنے ساتھیوں کے نہتے تشریف لائے ہیں اور آپ کی غرض محض زیارت کعبہ سے ہے تو وہ شہر میں چلے آئے اور اُنہوں نے کل راستے زیارت کے روک دیئے اور مستقل ارادہ کر لیا کہ ہم کبھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے پیروان کو زیارت کے مقامات میں نہ آنے دیں گے۔ آپ مکہ کے باہر مقیم ہوئے قریش اس تاک میں لگے کہ اگر کوئی اکیلا دکیلا مسلمان ملے تو اُسے چٹنی کر جائیں۔ حضور انور نے ایک مسلمان کو قریشیوں کے پاس اجازت طلب کرنے کے لئے بھیجا اس قاصد سے مشرکین نے سخت بدسلوکی کی خود آپ پر بھی بعض اوقات پتھر مارے۔ اخیر حضور انور نے اُنہیں دوبارہ کہلا بھیجا کہ میں صرف زیارت کرنے آیا ہوں جو شرطیں تم کرو مجھے قبول ہیں صرف مجھے زیارت کر لینے دو۔ حضور انور کے ساتھی سب کے سب نہتے تھے۔ اور قانون ملکی کے موافق جنگ بھی نہ ہو سکتی تھی۔ آپ صرف حج کرنا چاہتے تھے اور اسی لئے آپ نے اُن ہی کی مرضی پر فیصلہ چھوڑا بڑی وقت اور مشکل کے بعد یہ عہد نامہ ہوا۔ (۱) تمام لڑائی جھگڑے دس برس تک بند ہیں (۲) جو شخص نبی کے پاس قریش میں سے اپنے محافظ یا آقا کی بے اجازت آئے اُسے فوراً قریش کے حوالہ کر دیا جائے (۳) وہ شخص واپس نہ کیا جائے گا جو مسلمانوں میں سے مکیوں کے پاس چلا جائے (۴) اگر کوئی قوم مسلمانوں یا قریشیوں سے میل جول کرنا چاہے گی تو وہ محض آزاد ہے اُسے کوئی مانع نہ آئے گا (۵) مسلمان صرف حج کر کے ہی واپس چلے جائیں (۶) وہ اس سال میں ہمیشہ مکہ آ سکتے ہیں لیکن سوائے سفری اسلاح مثلاً نیام دی ہوئی تلوار کے اُن کے پاس اور کچھ نہ ہو (ابن ہشام صفحہ ۷۴۷ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)

اس معاہدہ سے بعض صحابہ نے اتفاق نہیں کیا کیوں کہ اُن کے دل دکھے ہوئے تھے اور مکیوں کے بیجا مظالم سے اُن کا کلیجہ چھلنی ہو رہا تھا پھر بھی اُنہیں اپنے نبی معصوم کی اطاعت کرنی پڑی مگر اُس وقت اُن کی حالت سخت دگرگوں ہو گئی جب حضرت رسالتمآب نے مکیوں کے مطالبہ پر چند مسلمانوں کو عہد نامہ کے مطابق دیدیا فطری محبت کی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو صدمہ ہوا لیکن نبی کے فیصلہ اور حکم کے آگے وہ دم نہ مار سکے۔ حج کے بعد حضرت رسالتمآب مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ چونکہ پے درپے کی مخالفتوں سے کسی قدر آرام ملا تھا آپ نے اردگرد کے حکمرانوں کے پاس قاصد روانہ کئے۔ کہ وہ دین اسلام کی برکتوں کو دیکھیں اور اُسے قبول کریں بعض دعوت اسلام تھی اور خوشی کا سودا تھا۔ نہ کسی قسم کا جبر نہ اکراہ نہ زبردستی بلکہ صرف اسی قدر کہا جاتا تھا۔ کہ اگر اسلام کو قبول کر لو

میں معاملات ذاتی کا رنگ پایا جاتا تھا یعنی حضور انور کی لخت جگر کا قتل تھا آپ نے اُسے معافی بخشدی وہ یہودن جس نے حضور انور کو گوشت میں زہر ملا کے دیا تھا گرفتار ہو کے رہا کر دی گئی۔ عکرمہ ابوجہل کا بیٹا جو حضور انور کے تلخترین دشمنوں میں سے تھا گرفتار ہو کے رہا کر دیا گیا۔ جب اشد ضرورت مجبور ہو کے آپ کوئی مہم روانہ فرماتے تھے تو فوجی افسر کو یہ ہدایت فرما دیا کرتے تھے۔

اُن مظالم، تکالیف اور مصائب کا انتقام لینے کے لئے جو ہمارے دشمن ہم پر توڑیں یہ باتیں دیکھنی فرض ہیں اور ان پر عملدرآمد کرنا ہر فوجی افسر کو لازم ہے بالخصوص اُس فوج کے سردار کو آپ نے یہ ہدایت کی تھی جو اہل قسطنطنیہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا بیگناہوں کو نہ ستانا نہ گوشہ گزیں لوگوں کو کچھ تکلیف دینا عورتوں پر ہمیشہ رحم کرنا اُس بچہ کو جو ماں کی چھاتی سے لگا ہو کبھی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھنا۔ اُن لوگوں کو کبھی نہ ستانا جو مریض ہوں یا بستر پر پڑے ہوئے ہوں۔ لوگوں کے بنے ہوئے گھروں کو مت ڈھانا نہ اُن کی معاش کے ذرایع کو تباہ کرنا نہ اُنکے میوہ دار درختوں کو ہاتھ لگانا نہ خرمے کے درختوں پر نظر اُٹھانا۔

جس جہاد کو ہوا بنا رکھا ہے اور اسلام پر حملے کئے جاتے ہیں اُس جہاد کا یہ مفہوم ہے جو گذشتہ صفحوں میں بیان ہوا حضور انور نے جو کچھ تعلیم کی تھی اُس کا اثر اب تک موجود ہے اور اُس نے مدت تک دنیا میں سلطنت کی خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر نے بھی اپنے سپہ سالار کو یہ ہدایت کی تھی جو نیچے لکھی جاتی ہے "اے یزید خبردار اپنے آدمیوں میں سے ہرگز کسی کو تکلیف نہ دینا لیکن اپنے تمام مردوں میں آنہیں اپنا جلیس اور انیس بنانا اُن سے ہر کام میں مشورہ لینا اور وہی کام کرنا جو انصاف اور راستبازی پر مبنی ہو جو لوگ ایسا نہ کریں گے وہ کبھی نجات نہ پائیں گے جب تم اپنے دشمنوں سے ملو اپنے کو آدمیوں کی طرح بناؤ اور اُن سے اپنی پشتیں نہ پھیرو اگر تمہیں فتح حاصل ہو چھوٹے بچوں کو نہ قتل کرنا نہ بوڑھے آدمیوں کو نہ عورتوں کو۔ خرمے کے درختوں کو برباد نہ کرنا نہ کھیتوں کو جلانا میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ مویشیوں کو کچھ نقصان پہنچانا ہاں وہاں تک کہ وہ تمہاری خوراک کے لئے کافی ہوں یعنی صرف اپنی خوراک کے لئے ذبح کرنا۔ جب کبھی تم کوئی عہد و پیمان اور معاہدہ کرو تو اُس پر برقرار رہو اور ہرگز اُس سے نہ پھرو جب آگے جاؤ گے تمہیں ایسے مذہبی لوگ ملیں گے جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے خانقاہوں میں اپنی بود و باش اختیار کی ہے اور اپنے کو خدا کا بندہ کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں جس راہ پر ہم چل رہے ہیں وہی خدا کا رستہ ہے اُنہیں ہرگز قتل نہ کرنا اُونہیں اُن ہی کی جگہ چھوڑ دینا" یہ تھا جہاد اور یہ تھا اُس کا منشا اس کے مقابل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معتقدوں نے کیا کیا غضب ڈھائے اور مخلوق خدا کا کس قدر ستیاناس کیا۔ کیتھولک پروٹسٹنٹ اور یونانیوں نے سینٹ لیکٹین تیس کے زمانہ سے کوئی تین برس کے زمانہ تک وہ وہ ہولناک قتل عام کیا جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کشت و خون محض مذہب کے لئے کیا گیا تھا اور کوئی دوسری وجہ نہ تھی۔ اس طویل قتل و غارت میں نہ عورتیں بچی تھیں نہ یتیم بچے اور نہ بوڑھے۔ زندہ جلایا گیا تین تین دن تک سولی پر لٹکائے رکھا حاملہ عورتوں کے پیٹ نیزوں سے چاک کئے گئے غرض کیا کیا کچھ نہیں ہوا سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھا مگر اسلام کے جہاد پر اعتراض کرنے

بہت بڑا معجزہ تھا۔ کہ بڑے بڑے زبردست قریشیوں کے دل ہل گئے تھے اور اس ثابت قدمی اور جانبازی کو دیکھ کے ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوگئے یہ وہ لوگ تھے جو حضور انور کے تلخ ترین دشمنوں میں تھے اور اسلام کے مٹانے کے بارے میں انہوں نے مشرکین قریش کو بہت ہی مدد دی تھی۔ اخیر وہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے مسلمان جن کی نظیر قیامت تک ملنی ممکن نہیں۔ مثلاً خالد بن ولید جو جنگ احد میں حضور انور کے مقابلہ میں لشکر قریش کی کمان کر رہا تھا۔ اور عمرو بن العاص جو آئندہ فاتح مصر بنا یہ دونوں بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔

(مسلمان ایلچی کا مارا جانا اور جنگ بلقا)

غسانی شاہزادہ کے پاس دعوت اسلام کے لئے ایک قاصد بھیجا گیا تھا۔ اس شہزادہ نے نہایت ناانسانیت سے اس قاصد کو قتل کروا ڈالا تھا جسطرح سفیر یا ایلچی کا مارا جانا موجودہ زمانہ میں اعلان جنگ کا باعث ہوتا ہے اسیطرح اس زمانہ کی بھی یہی کیفیت تھی مسلمانوں کو سخت غصہ تھا اور وہ اپنے بیگناہ بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لئے شمشیر بدست ہو رہے تھے۔ بکثرت صحابہ کی تحریک پر اخیر ایک مہم تین ہزار آدمیوں کی روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس نقل و حرکت نے عیسائی سرزمین میں ہلچل ڈالدی بجائے اس کے کہ وہ ایلچی کے خون کا تاوان حسب قواعد دیتے انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ بمقام بلقا کے قریب جو شام میں ایک سرسبز شہر ہے عیسائیوں کی فوجیں جمع ہوئیں ان کی تعداد رفتہ رفتہ ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ کچھ بھی برابر کا مقابلہ نہ تھا مسلمان صرف تین ہزار تھے اور یونانی ایک لاکھ۔ مسلمانوں نے پہلے پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ایلچی کا خون بہا لینے کے لئے آئے ہیں ہمیں جنگ سے کچھ سروکار نہیں مگر اس کا جواب سخت درشتی سے دیا گیا۔ اخیر تلوار پر نوبت پہنچی جسطرح حضور انور نے ہدایت فرمادی تھی مسلمانوں نے اسی طرح صف بندی کی۔ اور بازار قتل و خونریزی گرم ہوا۔ مسلمانوں کو اپنے کثیر التعداد دشمن اور جدید آلات حرب کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ ان کے آگے بہشت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنے نبی کے ارشاد پر اپنی نجات سمجھتے تھے۔ عیسائیوں نے بڑی شجاعت اور جمعیت سے پہلے دھواں دھار حملہ کیا اور انہیں مسلمانوں پر کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں کے تین سردار شہید ہوئے۔ زید ابن حارث جعفر حضور انور کے چچا زاد بھائی اور عبداللہ سعد اور چند سرداروں کے شہید ہوئے زید کی جنگ بھی یادگار زمانہ رہے گی۔ پہلے خوب تیراندازی ہوئی پھر نیزوں پر نوبت پہنچ گئی۔ عیسائی صلیب کے مقدس نشان کے نیچے فوجی وردیوں سے آراستہ اپنے اولوالعزم سرداروں کی ماتحتی میں نہایت ثابت قدمی اور شجاعت سے جنگ کر رہے تھے ان کے چمکتے ہوئے خود فولادی ان کی مرصع زرہ بکتریں ان کے جواہرنگار ہتھیار ان کی دولتمندی اور بہادری کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ بہادر زید عیسائیوں کے اس جاہ و حشم کو اپنے سادہ سوتی عربی لباس اور دودھاری تلوار میں نہایت جوش سے ملاحظہ کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ بہادر غنیم کے مقابلہ میں اپنی عربی تلوار کے جوہر دکھاؤں۔ اخیر زیادہ صبر نہ کر سکا اور جس عربی دستہ کی کمان کر رہا تھا اسے حرکت کا حکم دیا۔ اپنے فیل پیکر گھوڑے کو مہمیزیں ماریں۔ بہادر زید کے پہلے حملہ میں دشمن کے پیر اکھڑ گئے حالانکہ دشمن تعداد میں کئی درجہ زیادہ تھا لیکن بہادر زید کے دھواں دھار حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ بڑی شان سے یہ موقعہ زید نے

خدا دنیا اور آخرت میں برکت دے گا۔ جن بادشاہوں کی دعوت اسلام کی گئی تھی ان میں دو سب سے زیادہ نامور اور قوی ترین تھے۔ ایک ہرقل یونانیوں کا بادشاہ دوسرا خسرو پرویز ایران کا کسریٰ۔ خسرو پرویز نے جوں ہی یہ رقعہ دیکھا جس میں سوائے کسریٰ عظیم کے اور کچھ نہ لکھا تھا بہت ہی برافروختہ ہوا اور ہمسری کی یہ تحریر دیکھ کے آپے کے باہر ہو گیا اس بدبخت نے رسول خدا کے مبارک رقعہ کو غصہ میں آ کے چاک کر ڈالا۔ اور قاصد کو نہایت ناانسانیت سے دربار کے باہر نکال دیا۔ قاصد نے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کے ساری کیفیت سنا دی۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ جس طرح اس نے میرے رقعہ کو پھاڑا ہے خدا اس کی سلطنت کو بھی یوں ہی پارہ پارہ کر دے گا۔ برخلاف اس کے ہرقل نے ناانسانیت کا برتاؤ نہیں کیا اور بڑی خاطرداری سے ایلچی کو رخصت کیا تھا۔ حضور انور کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی دنیا نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔ اور ہمیشہ یاد رکھے گی۔

دوبارہ حج بیت اللہ

ہجرت کے ساتویں سال کے اختتام پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر حج بیت اللہ کرنا چاہا۔ کیوں کہ صرف ان ہی دنوں میں تمام فتنہ و فساد بند ہو جاتے ہیں اور صدیوں کی دشمنی پر پانی پھر جاتا ہے۔ حضور انور نے ... ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کے مکہ کا رخ کیا۔ جوں ہی مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تمام قریش اپنے اپنے مکان خالی کر شہر کے باہر نکل گئے۔ یہ نظارہ بھی بہت ہی عبرت انگیز تھا۔ سرولیم میور بھی اس واقعہ سے بہت ہی متاثر ہوئے ہیں چنانچہ ان کا بیان ہے " یقیناً یہ ایک عجیب منظر تھا۔ ایک نامعلوم تحریک تمام مکہ پر چھا گئی تھی دنیا کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال نظارہ تھا یہ پرانا شہر تین دن کے لئے اس کے باشندوں سے خالی ہو گیا تھا۔ سارے آدمی نشیب و فراز کے رہنے والے اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کے مکہ کے باہر چلے گئے تھے ہر مکان خالی ہو گیا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ مہاجرین جنہیں شہر سے خارج کر دیا گیا تھا داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنے ان گھروں کو جن میں ان کا بچپن گزرا تھا حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس تھوڑی سی فرصت میں انہوں نے اپنے ارکان حج کو پورا کیا۔ قریش مکہ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے بہت سے خیموں میں مقیم تھے بہت سے پہاڑوں کے دروں میں پڑے ہوئے تھے۔ کہیں تو سامنے کے بلند ابوقبیس پر جمگھٹا معلوم ہو رہا تھا اور کہیں قریب کی بلندیوں پر گروہ گروہ نظر آ رہے تھے سب کی آنکھیں مسلمانوں کی طرف لگی ہوئی تھیں جو اپنے ہادئ برحق کے ساتھ طواف کعبہ میں سرگرم تھے کئی برس ہجرت کو ہو گئے تھے۔ ان قریشوں کو مسلمانوں کے اس گروہ میں ان کے قریب کے رشتہ دار اور دوست نظر آ رہے تھے جنہیں وہ حسرت بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ قریش کے لئے یہ ایک دردناک نظارہ تھا اور اخیر اسی نظارہ نے اسلام میں جان ڈال دی"۔

غرض معاہدہ کی شروط کے مطابق تین دن حج کر کے مسلمانوں نے مکہ کو چھوڑ دیا۔ اس زبردست پابندی اور اپنے عہد و پیمان پر قایم رہنے نے قریشوں پر بہت بڑا اثر کیا اور وہ مسلمانوں کی اس صلح کل حالت اور اپنے قول و قرار پر برقرار رہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ انہیں یہ یقین ہو چلا کہ مسلمان بڑے ایماندار اور خدا پرست ہیں اسلام کا بھی

مکہ کی فتح

اسی اثنا میں قریشیوں نے عہد شکنی کی اور بنو بکر کو ملا کے حدیبیہ میں داخل ہوئے اور بلا وجہ بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے حملہ کیا۔ بنو خزاعہ بہت سے مارے گئے اور امن کا شیرازہ اس طرح سے درہم برہم ہوا۔ بنو خزاعہ روتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مشرکین عرب نے ہماری یہ گت بنائی خلاف معاہدہ ہمیں لوٹا مارا اور چونکہ ہم آپ کی حفاظت میں تھے آپ ہمارا انصاف کریں۔ اب لازم تھا کہ حضور انور شرک و بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے خدا کے گھر کو پاک کریں آپ دس ہزار مسلمان لے کے مکہ کی طرف بڑھے اور آپ نے حکم دیدیا کہ حتی الامکان تلوار کا استعمال نہ ہو۔ عکرمہ نے ایک گھاٹی میں چھپ کے مسلمانوں کی اس دستہ فوج پر حملہ کیا جو خالد کی زیر کمان تھی جب کئی مسلمان شہید ہوئے تو ناچار خالد نے حملہ کی اجازت دی چند منٹ میں فیصلہ ہو گیا اور دو چار مشرکین کے مارے جانے پر عکرمہ بھاگ گیا یہ فی الحقیقت ایک بہت ہی خفیف مقابلہ تھا اور اسے جنگ سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتے۔ غرض حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فاتح ہو کے مکہ میں داخل ہوئے یہی وہ مقام تھا جو آپ کا مالوف وطن تھا اور آپ اسی جگہ بے انتہا ستائے گئے تھے کیا کیا ظلم آپ کی اقدس واطہر ذات پر نہیں کئے اور کیسی کیسی ناقابل برداشت تکلیفیں آپ کو نہیں دیں۔ اب کل اہل مکہ آپ کے رحم پر تھے اور ایک خفیف اشارہ سے کافی انتقام لیا جا سکتا تھا۔ تمام شہر جس نے بے گناہ آپ کو جلا وطن کر دیا تھا آپ کے اور آپ کے صحابہ کے قدموں کے نیچے تھا۔ آپ نے ان تکلیفوں اور شدید شدید مصائب کو دل سے بھلا دیا۔ آپ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ ہر قاتل کا گناہ اور ہر ظالم کا جرم بخشا گیا۔ صرف چار آدمیوں کو سزائے موت دی گئی۔ حضور کی فوج نے جس صلح پسندی اور امن سے مکہ میں قدم رکھا وہ بھی یادگار زمانہ رہے گا۔ نہ کسی گھر کو لوٹا نہ کسی کو ستایا نہ کسی خاتون کی بے عزتی کی اور نہ کسی طرف آوازے پھینکے۔ آپ نے اہل مکہ سے مخاطب ہو کے کہا "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرٰحمین" یعنی آج میں نے اپنے قصور تم کو معاف کئے خدا جو سب سے زیادہ رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے۔ اس کے بعد فرمایا "اذھبوا فانتم الطلقاء" یعنی جاؤ تمہیں سب کو میں نے آزاد کیا۔

مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا شہر فتح نہیں ہو سکتا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت جو ہم نے بنا رکھے ہیں بڑی قدرت والے ہیں اور ہر حملہ آور کو زک دینے کے لئے کافی ہیں۔ ابرہہ کی ناکامیابی نے ان کے خیال کو اور بھی مستحکم کر دیا تھا۔ ان کا گمان حضور انور کی نسبت بھی یہی تھا کہ آپ کعبہ کو کبھی فتح نہ کر سکیں گے اب اس کے خلاف ظہور ہوا۔ ہبل جسے احد کی لڑائی میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور بڑے بڑے بت توڑ ڈالے گئے۔ اب ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اخیر حق ہی کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ جوق جوق آ کے مسلمان ہونے لگے اور انہیں یقین ہو گیا فی الحقیقت بت محض بیکار ہیں۔ آپ نے مکیوں سے اس اقرار پر بیعت لی یعنی شروع کی "خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت نہ استعانت میں آئندہ سے چوری نہ کریں گے۔ حرام کاری کے مرتکب نہ ہوں گے۔ خون ناحق نہ کریں گے بیٹیوں کو نہ ماریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے۔ تمام امور میں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔" عورتوں سے بھی اسی مضمون پر بیعت لی مگر اتنا اور زیادہ کیا کہ کسی کے

فتح کرلیا۔ اور اسی جوش سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر قلب لشکر میں جا گھسا۔ یہاں صلیب کا نشان اُٹھ رہا تھا اور مسیحی بہادروں کا جمگھٹ اس کو گھیرے ہوئے کھڑا تھا۔ زید نے چاہا کہ نشان دار کو مار کے اس سے صلیبی نشان چھین لوں لیکن یہ صلیبی نشان شیر دل زید کی اولوالعزمی کے تو بہت قریب تھا لیکن آنکھوں سے بہت دور تھا۔ زید نے جب اپنے سے نشان کا فاصلہ بہت دور پایا تو اُسے سخت مایوسی کے ساتھ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہنا پڑا آخر نوبت یہ آگئی کہ نصرانی شجاعوں نے اُسے گھیر لیا۔ کھچاکھچ تلوار چلنی شروع ہوئی بہادر نصرانی شیر دل زید کی دھاری تلوار کے نذر ہوئے۔ کہاں تک لڑتا اور ہزاروں سواروں پر کیوں کر غالب آتا شجاعت کی پوری داد دے کے عین معرکہ جنگ میں شہید ہوا۔ نصرانیوں نے اُسے زندہ پکڑنا چاہا تھا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ بپھرے ہوئے مجروح شیر کو گرفتار کر سکتے۔ جب حضرت جعفر حضرت علی ابن ابی طالب کے بھائی نے دیکھا کہ صلیبی نشان آگے بڑھ رہا ہے اور شیر دل زید شہید ہو چکا ہے تو نصرانیوں کی طرف جھپٹے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں جھنڈا۔ بڑی دیر تک لڑائی ہوتی رہی کہ نصرانی کے ایک وار سے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا آپ نے فوراً جھنڈے کو دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ جب دوسرا ہاتھ بھی اُڑ گیا تو وہ جھنڈا دانتوں میں پکڑ لیا۔ پورے پچاس زخم کھا کے آپ نے بھی شہادت کا شربت پیا۔ آپ کی اس بے نظیر شجاعت نے عیسائیوں کو دہلا دیا اور اُن پر مسلمانوں کی جنگی قوت کا بہت ہی رعب غالب ہوا عبد اللہ اس تمام خونی نقشہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اس نے للکار کے مسلمانوں سے کہا۔ "بڑھے چلو غنیم کی کثیر التعداد کا خیال نہ کرو میدان ہمارا ہو چکا ہے"۔ یہ آواز سن کے مسلمانوں کو اور بھی جوش آیا اور وہ تازہ دم سپاہیوں کی طرح قدم بڑھا کے جھپٹے۔ عبد اللہ برابر بڑھا چلا جاتا تھا اور نصرانیوں کے پیروں کے پرے چیر ڈالے تھے کہ یکایک ایک یونانی کے نیزے نے آپ کا کام تمام کر دیا۔ خالد کی تیز تیز نظریں شہدا کی ان جان بازیوں پر بہت دیر سے پڑ رہی تھیں۔ اُس کے شجاعانہ جوش میں ان پے در پے کی شہادتوں نے اور بھی آگ لگا دی بجائے اس کے کہ وہ تین اولوالعزم شجاعوں کی شہادت سے شکستہ خاطر ہوتا مثل شیر کے بپھر پڑا اور گھوڑے کو مہمیز لگا کے صلیبی نشان کی طرف جھپٹا۔ نصرانی بھی کٹ کٹ کے لڑ رہے تھے اور تین مسلمان سرداروں کی پے در پے کی شہادت نے اور بھی اُن کے حوصلے بڑھا دیئے تھے۔ مگر ابھی خالد کی خون آلود تلوار کی بانگی انہیں اور دیکھنی باقی تھی جوں ہی اُن کی نظر خالد پر پڑی وہ ایک جگہ سمٹ کے ہو گئے اور نصرانیوں کے سردار نے اپنی فوج کو یہ کہہ کے آگے بڑھایا "میدان ہمارے ہاتھ لگ چکا ہے صرف یہ ایک کانٹا رہ گیا ہے اسے بھی نکال کے پھینک دو۔ یہ سنتے ہی عیسائی بہادر جھپٹے خوب ہی دست بدست جنگ ہوئی جس دستہ فوج کو خالد لڑا رہا تھا تعداد میں غنیم کی فوج سے اسے کچھ بھی نسبت نہ تھی مگر خالد جیسے خطرناک دلیر کی ماتحتی میں ایک ایک دس دس پر بھاری تھا خوب ہی تلوار چلی اور تلوار کا خوب ہی کھیت پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور نصرانی آخر بدحواس ہو کے بھاگے یہ عظیم فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ مفتوحین کا بے انتہا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ میں مسلمان شہید بھی بہت ہوئے کامل فتح کے بعد خالد مدینہ واپس چلے آئے حضور انور نے اس بے نظیر شجاعت کے صلہ میں خالد کو سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔

جنرل کی ماتحتی میں انہیں زمانہ سابق میں حاصل ہو چکی تھیں دو عربوں کو لاشئے محض سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جب چاہیں گے آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔

ہرقل ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر کے اپنے پایۂ تخت کو واپس ہو چکا تھا اور عربوں کی حال کی فتح نے اسے چوکنا بنا دیا تھا۔ پایۂ تخت میں پہنچتے ہی اس نے ماتحت رئیسوں اور جاگیرداروں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ فی الفور لشکر کثیر جمع کیا جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو اس نو پیدا اسلامی قوت کو برباد کر دیا جائے۔ ادھر فوجوں کا جمع ہونا اور ادھر سلطنت مشرقی کی عظمت اور دولت کی افواہوں نے مسلمانوں کو اندیشہ میں ڈال دیا۔ سوائے اسکے کہ رومی اتنی لاتعداد فوج رکھتے ہیں اور ایسے دولتمند ہیں اور اتنے قوی ہیں دوسری باتیں مسلمانوں کے کانوں میں پڑی ہوئی تھیں جب حضور انور نے سنا کہ حدود عرب پر رومی افواج کا اجتماع ہو رہا ہے اور وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو حفظ ماتقدم کے لئے حضور انور تھوڑی سے مسلمانوں کو ساتھ لیکے روانہ ہوئے رجب کا مہینہ تھا۔ شدت سے گرمی پڑ رہی تھی اور آفتاب کا پورا شباب تھا اسی قیامت خیز موسم میں بڑی سخت مسافت طے کر کے حضور انور تبوک میں داخل ہوئے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے بیچ میں ایک سرحدی مقام تھا یہاں آپ نے رومی فوجوں کا مطلق اجتماع نہیں دیکھا بیس دن تک آپ نے قیام فرمایا اور یہ بات محض ناجائز سمجھی کہ بطور خود جنگ کا اعلان دیں۔ حضور انور نے کبھی کسی قوم سے جنگ نہیں کی جب تک اس نے عہد شکنی نہ کی ہو یا خود آمادہ جنگ ہو کے حملہ نہ کیا ہو۔ آپ بیس دن قیام فرما کے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور گرمی کی شدت میں اور بھی رنگ چڑھ گیا تھا۔ سنگلاخ چٹانوں کی تپش اور گرم لوئیں آفتاب کے شباب کی شہادت دے رہی تھیں مدینہ میں پہنچنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ ایک سفارت مشرکین طائف کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے نہایت ظالمانہ طور پر نبی معصوم کو پتھر مارے تھے اور ایک تنہا بے یار و مددگار کی سطرح گویا مہمان داری کی تھی۔ سفارت آنے کی یہ وجہ تھی کہ ایک طائفی سردار مسلمان ہو کے اپنے بھائیوں کو دین حق کی تلقین کرنے کے لئے پھر طائف ہی چلا گیا تھا۔ وہاں اس کے اسلامی وعظ سے قوم میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور اخیر اہل طائف نے نہایت بیدردی سے اسے تیر مار کے شہید کر ڈالا تھا۔ زخموں سے اس کا جسم چور چور ہو گیا تھا اور سیروں خون بہ گیا تھا جب زمین پر گر پڑا ہے تو اس نے مرتے وقت یہ کہا تھا۔

"میں نے خدا کے نام پر مخلوق کی بہتری کے لئے جان دی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے شہادت کی عزت مجھے بخشی۔"

اے میرے دوستوں اور بھائیوں میری التجا یہ ہی کہ مجھے ان مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو دفن کرنا جو غزوہ حنین میں شہید ہوئے ہیں۔"

ان الفاظ کے بعد اس کی وفات ہو گئی۔ اس کے ان آخری الفاظ نے سننے والوں پر جادو کا اثر کیا۔ ان کے کلیجے ہل گئے۔ اس کا خون آلود چہرہ اور اس پر شہادت کی سرخی نے تمام معائنہ کرنے والوں کو ان کے قدیم عقائد سے جنبش دیدیا تھا۔ ایک سچے خادم نبی کے خون کی بوندیں بڑی قیمت رکھتی ہیں۔ اس فدائی اسلام کے سرزمین طائف میں خون

سوگ میں منہ نہ نوچیں گے نہ پہنیں گے نہ چھاتی کوٹیں گے نہ سر کے بال کھسوٹیں گے نہ گریبان چاک کریں گے نہ سیاہ کپڑے پہنیں گے۔ نہ غل مچا کے روئیں گے نہ قبروں پر سوگواری میں بیٹھیں گے" غرض اسطرح خدا کا وعدہ نصرت پورا ہوا۔ جو خدا نے فرمایا تھا اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا یعنی جب خدا کا وعدہ نصرت پورا یعنی مکہ فتح ہو جائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا ہوا دیکھے تو اپنے پروردگار کی حمد بجالا اور اس سے طلب آمرزش کر (گنہگاروں کے لئے) کیونکہ بے شک خدا معاف کر دینے والا ہے۔

حضور انور نے بلال کو حکم دیا کہ اسی کعبہ پر چڑھ کے جس میں لات ومنات۔ عزیٰ وہبل کی مدح وثنا کے شب وروز غلغلے ہوتے تھے اور ان کی مدح میں قصیدے پڑھے جاتے تھے بلند آواز سے یہ کہے" اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد ارسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ جوں ہی یہ مقدس آواز گونجی خدا کے جلال سے تمام کوہ ودشت اور بیابان بھر گئے۔ حضور انور نے اپنے دست مبارک سے تمام بتوں کو توڑا۔ آپ جس وقت بتوں کو توڑتے تھے یہ فرماتے جاتے تھے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا جب آپ سب بت توڑ چکے اور جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچتا تھا سب کا صفایا کر دیا تو آپ نے ان بتوں کی طرف توجہ فرمائی جو ذرا بلندی پر نصب تھے اور وہاں آپ کا دست مبارک نہیں پہنچ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ میرے کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جایئے اور ان بتوں کو توڑ ڈالئے آپ نے ارشاد کیا نہیں بلکہ تم میرے دونوں کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جاؤ ظاہر اس سے غرض یہ تھی کہ نبوت کا بوجھ تم نہیں سنبھال سکتے غرض حضرت علی فرمودہ رسول کے مطابق کھڑے ہوئے اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ کعبہ میں فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویریں کے مٹانے کے لئے حضرت عمر کو حکم ہوا آپ نے کل تصویروں کو مٹا دیا پیغمبروں کی تصویریں باقی رہی تھیں کہ انہیں خود رسالتمآب نے ملیا میٹ کر دیا۔

(سنہ ۹ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۶۳ء/ ۱۳ اپریل سنہ ۶۳۱ء تک)

حضور انور فتح مکہ کے بعد مدینہ واپس چلے آئے۔ اور پھر چاروں طرف سے مختلف قبایل کی سفارتیں آنی شروع ہوئیں بغاوت اور خونریزی کی گھٹا صاف ہو چکی تھی اور توحید خدا کی ڈونڈی پٹ گئی تھی۔ مختلف قبائل کے ایلچیوں کا مدینہ میں ورود ہونے لگا۔ حضور انور کے ارشاد کے بموجب صحابہ ان سفرا کو اپنے ہاں مہمان رکھتے تھے اور عربی قاعدہ کے بموجب ان کی پوری آؤ بھگت کی جاتی تھی ہزاروں مسلمان ہونے لگے۔ اور بڑے بڑے شیوخ قبائل نے حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت رسالتمآب نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ جب کوئی نیا قافلہ آئے ایک اسلامی واعظ خاص طور پر ان کے لئے مقرر ہو۔ اور انہیں اسلام کے روشن اصول کی تعلیم دے۔ حضور کے ارشاد کی بڑی سرگرمی سے تعمیل ہوئی اور صحابہ نے بڑی مستعدی سے وحشی عربوں کو اسلامی اصول کی تلقین کرنی شروع کی۔

رومی ابھی تک عربوں کی طرف سے غافل تھے ان کے دماغوں میں پہلی فتوحات عرب بس رہی تھی جو گشتی

خدا کا ہاتھ اُس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اُس کی مخالفت کبھی سرسبز نہیں ہونے کی جس نے اُس کی مخالفت کی اُسی نے نیچا دیکھا۔ تو کیوں اپنے حق میں کانٹے بوتا ہے اور کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتا کہ خدائے مطلق کی پرستش کی جائے۔ اُس کے معتقد اُس پر فریفتہ ہیں اور جان فدا کرتے ہیں اُن کے قلوب تسخیر ہو چکے ہیں اور اُنہوں نے اُسی کی جائز اطاعت میں نجات دیکھی ہے۔ تو چل کے دیکھ تو تجھے معلوم ہو کہ کسی بادشاہ کا بھی ایسا دربار نہ ہوتا ہوگا۔ سب اُس کے آگے باادب بیٹھتے ہیں اور بہت توجہ سے اُس کی باتیں سنتے ہیں اُس کا فدائیانہ عشق ایک ایک کے دل پر نقش ہو گیا ہے۔ جب تو وہاں جائے گا تو عجیب منظر دیکھے گا ایک کمل پوش شخص کے آگے بڑے بڑے سرداران قریش کو جھکتا ہوا پائے گا۔ قول کی صداقت معاملات کی صفائی گفتگو میں غمخوار داری ملاحظہ کرے گا جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اُن کا قول و فعل یکساں ہے۔ اس برجستہ تقریر نے کعب کے دل پر اُمید سے زیادہ اثر کیا بُت پرستی کی تاریکی اُس کے دل و دماغ سے دور ہونے لگی اور وہ نادیدہ عاشق ہو گیا۔ اب اُس نے بیتابانہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن اُسے یہ خوف تھا مبادا میں ہلاک کیا جاؤں کیونکہ میں نے نبی اور آپ کے پیرواں کو بہت ہی ستایا ہے۔ اُس کے بھائی نے کہا تو نبی کے رحم پر بھروسہ کر اور اطمینان رکھ کہ تیری طرف کوئی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھے گا۔ تیری خاطر داری ہو گی اور تجھ پر خود حضور انور نوازش فرمائیں گے۔ بھروسہ اور اطمینان سے پُر منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ میں داخل ہو کے سیدھا اُس مسجد میں آیا جہاں حضور انور تشریف رکھتے تھے یہاں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک شخص کو بہت سے لوگ گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور نہایت ادب اور عزت سے مستغرق ہو کے بہت خاموشی سے اُسکی باتیں سن رہے ہیں۔ بغیر کسی سے دریافت کئے کعب پہچان گیا کہ یہی نبی معصوم ہیں کیونکہ خدا کا جلال آپ کے روشن چہرہ سے نمایاں ہو رہا تھا۔ کعب نے حضور انور کے آگے کھڑے ہو کے یہ عرض کیا یا نبی اللہ اگر اس وقت کعب بن زہیر حضور کی خدمت میں حاضر ہو تو حضور اُس کی خطا معاف فرما دیں گے ارشاد ہوا ہاں اُس کے جرائم معاف کئے جائیں گے پھر عرض کیا کہ وہ کعب میں ہی ہوں یہ سنتے ہی صحابہ کے تیور بدلے اور اُنہیں بہت ہی جوش آیا اور چاہا کہ گزشتہ بدکرداریوں کا اُس سے انتقام لیا جائے۔ صحابہ کا یہ جوش حق بجانب تھا کیونکہ کعب سے اُنہیں تکلیفیں بہت ہی پہنچ چکی تھیں مگر حضور انور نے ارشاد کیا میں اُس کی خطائیں معاف کر چکا ہوں یہ سنتے ہی سب دم بخود ہو گئے اور محبت آمیز نظروں سے کعب کو دیکھنے لگے۔ پھر کعب نے اجازت چاہی کہ میں اپنا ایک قصیدہ پڑھنا چاہتا ہوں ارشاد ہوا پڑھو کعب نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا لیکن جوں ہی اُس نے یہ شعر پڑھا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ ٭ وصارم من سیوف اللہ مسلول

یعنی پیغمبر وہ مشعل ہے جس نے دنیا کو روشن کر دیا ہے اور وہ ایک تلوار ہے جو بیدینی کا ستیاناس کرتی ہے یہ سنتے ہی حضور انور نے اپنا خرقہ[۱] مبارک اُتار کے کعب کو مرحمت فرمایا۔ یہ تھا رحم اور یہ تھی مجرمانہ خطاؤں سے درگزر بخت

---

[۱] اس خرقہ شریف کو کعب کے خاندان نے امیر معاویہ کے چالیس ہزار درہم کو بیچ دیا جب خاندان بنو اُمیہ صفحہ ہستی سے مٹ گیا تو بنو عباس کے قبضہ

گرنے کی تاریخ سے اسلام نے نہایت مضبوطی سے قدم جما لئے ۔ اہل طائف کے دل نرم ہو گئے ۔ اور وہ مسلمان ہونے کے لئے بیتاب ہوئے ۔ آخیر انہوں نے ایک سفارت روانہ کی جس نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ ہماری خطا بخشی جائے اور ہمیں اجازت دیجائے کہ ہم سچے دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ہماری یہ بھی التجا ہے کہ ہمارے دیوتاؤں کو کچھ مدت تک اسی طرح برقرار رکھا جائے ۔ پہلے دو برس کی مہلت مانگی پھر برس دن کی پھر چھ مہینے کی مگر آخیر یہ ساری باتیں فضول ثابت ہوئیں خدائے واحد کی پرستش اور بتوں کا قایم رہنا محض ناممکن تھا ۔ وہ خود ہی راہ پر آ گئے اور ایک ہی مہینے کے بعد انہوں نے اجازت دے دی کہ بتوں کو توڑ ڈالا جائے ۔ پھر انہوں نے یہ عرض کیا کہ پنج وقتہ نماز ہم پر معاف کر دیجائے حضور انور نے ارشاد کیا کہ اگر نماز نہیں تو اسلام نہیں یہ بات اُن کی قبول نہیں ہوئی ۔ طائف کے بتوں کو توڑنے کے لئے مظلوم شہید کا بھتیجا مقرر کیا گیا چچا کے مقدس خون کی بوندوں نے یہ کرامت دکھائی کہ چند روز کے بعد اُس کا بھتیجا بت شکن کے معزز لقب سے ممتاز ہوا جس وقت بت توڑے جا رہے تھے عورتیں بہت ہی رو رہی تھیں اور انہیں سخت صدمہ تھا ۔ ایک شور برپا ہو گیا تھا ۔ اور عورتیں غل مچا مچا کے کہہ رہی تھیں ہمارے معبودوں کو نہ توڑو ۔

طائف کے اسلام قبول کرنے کے بعد قبیلہ طے کے لوگ آمادۂ فساد ہوئے اور انہوں نے مدینہ کی حدود پر حملہ کی تیاری کی حضور انور نے تھوڑے سے مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ماتحتی میں روانہ کئے اور حکم دیا کہ اگر بغیر تلوار چلے وہ مان جائیں تو سب سے بہتر ہے ۔ پہلے انہیں اصول اسلام کی تلقین کی جائے اور توحید کا سیدھا راستہ دکھایا جائے ۔ قبیلہ طے کا سردار مشہور حاتم کا بیٹا عادی تھا جوں ہی اُس نے حضرت علی کے آنے کی خبر سنی وہ بھاگ کے شام چلا گیا اور ایک خفیف مقابلہ کے بعد حاتم کی بیٹی معہ چند اور لوگوں کے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی ۔

جب یہ قبیلہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضور انور نے ان لوگوں کی بڑی عزت کی اور آپ بے انتہا خاطر داری سے پیش آئے حاتم کی بیٹی پر گوناگون نوازشیں کر کے رہائی دیدی ۔ وہ رہائی پاتے ہی سیدھی شام اپنے بھائی کے پاس آئی اور حضرت رسالتمآب کے اخلاق و رحم کا حال مفصل بیان کیا یہ سنتے ہی حاتم کا بیٹا مدینہ منورہ میں حاضر ہوا حضور انور کے قدموں پر گر پڑا اور سچے دل سے مسلمان ہو گیا ۔ پھر وہ اپنی قوم میں چلا گیا اور اس نے دین اسلام کی فضیلت بیان کی غرض چند روز میں ساری قوم کی قوم کو مسلمان کر لیا ۔

(کعب بن زہیر شاعر)

یہ شخص جیسا بے نظیر شاعر تھا اُسی قدر اسلام کا دشمن تھا ۔ شب و روز اُسے یہی کام رہتا تھا کہ مسلمانوں کے ہجو یہ اشعار موزون کرے ۔ اور اپنی برجستہ نظم سے قبائل عرب میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکائے ۔ اس کے اشعار نے مسلمانوں کو ایک حد تک بہت ہی صدمہ پہنچایا تھا اور بہت سے بے گناہ مسلمانوں کی شہادت کے باعث اسی کے اشعار ہوئے تھے ۔ اسی اثنا میں کعب کا سگا بھائی مسلمان ہو چکا تھا ایک دن اُس نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو کیوں مسلمانوں کے خلاف اتنا سرگرم ہے ۔ تجھے نبی عربی کے حالات کا ذاتی علم نہیں ہے اُس کی کامیابی خود اُس کی صداقت کی شہادت دے رہی ہے ۔ وہ رحم کا پتلا ہے اپنے دشمنوں پر بھی رحم ہی فرماتا ہے اُس کی برکتیں عالم پر

بت پرستوں کو کعبہ میں آنے کی ممانعت

کعبہ فتح ہو چکا تھا بت توڑ ڈالے گئے تھے مگر ابھی بت پرست برابر جمع ہوتے تھے اور اپنے ارکان مذہبی اپنے اصول بت پرستی کے موافق ادا کرتے تھے اصل میں یہ ایک نہایت نازیبا بات تھی جبکہ خانہ خدا بتوں سے صاف ہو چکا ہو اور پھر بھی اُس میں بت پرستی کی رسمیں جاری رہیں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بت پرستی کی رسم کعبہ سے بالکل مٹا دیجائے اور سوائے خدائے واحد کی پرستش کے اور کوئی پرستش خدا کے گھر میں نہ ادا کی جائے حضور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا کہ آپ جا کے نبی معصوم کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان خاص یوم النحر میں پڑھکے سنا دیں۔ (وہ اعلان یہ ہے) "اس سال کے بعد کوئی مشرک یا بت پرست زیارت کعبہ کرنے نہ پائے گا کوئی شخص برہنہ ہوکے طواف کعبہ نکرنے پائے گا جس نے نبی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہو وہ ہمیشہ اسکا پابند رہیگا۔ باقیماندہ لوگوں کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے نکل جائیں اس مدت گزرنے کے بعد کسی کا عذر نہ سنا جائے گا۔ سوائے اُن کے جن سے عہد و پیمان ہو چکا ہے" (ابن ہشام صفحات ۹۲۱-۹۲۲ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ ابو الفدا صفحہ ۸۴) یہ اعلان بڑی حکمت بالغہ پر مبنی تھا کیونکہ جن مشرکین کو کعبہ میں آنے سے روکا گیا تھا اُن میں انسانی قربانی کی ہولناک رسم ابھی تک موجود تھی اور وہ علے الاعلان اپنے بتوں کے قدموں پر بیگناہ انسانوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور اپنی عبادت کی ساری شرمناک رسمیں آزادی سے ادا کرتے تھے اس اعلان نے اُن میں ہلچل پیدا کر دی۔ آپ نے حکم دیدیا کہ آئندہ سے انسانی قربانی نہ ہونے پائے اور ایسے گروہ یا شخص کے لئے سخت سخت سزائیں مقرر کیں۔ اخیر عرب کی سرزمین سے یہ غضبناک رسم ہمیشہ کے لئے جاتی رہی۔

تکمیل نبوت

سنہ ۱۰ ہجری مطابق ۱۰- اپریل سنہ ۶۳۱ عیسوی سے ۲۹ مارچ سنہ ۶۳۲ع تک

یمن اور حجاز کے رئیسوں کی جتنی سفارتیں باقی رہ گئی تھیں وہ اس سال چلی آئیں اور انھوں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے فدویت نامے پیش کئے اور سب کی شرف باسلام ہونے کی خوشخبری سنائی۔ حضور انجمن و واعظوں کو تلقین اسلام کے لئے مختلف حصص عرب میں روانہ فرماتے تھے انہیں یہ ہدایت فرما دیا کرتے تھے "لوگوں سے بہت شرافت اور نرم مزاجی سے پیش آنا۔ ہرگز تند خوئی کو کام میں نہ لانا۔ اُن پر آفرین بھیجنا۔ نفرین نہ کرنا۔ تم اُن لوگوں سے ملوگے جو اہل کتاب ہیں وہ تم سے سوال کریں گے اور دریافت کریں گے کہ نجات کی کنجی کیا ہے انہیں یہ جواب دینا کہ نجات کی کنجی یہ ہے کہ خدا کو ایک جانے اور نیک کام کرے"۔

اب حضور انور کی نبوت کا ماحصل نکل آیا تھا اور جو برکتیں کہ اُس سے حاصل ہونی تھیں سب ہو چکی تھیں یعنی وحشیوں میں تمدن اسلامی نے اپنا گھر کر لیا تھا۔ شرمناک رسمیں اور ناکارہ عقاید برباد کر دیئے گئے تھے۔ خدا کی مخلوق کا بڑا حصہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی سمجھنے لگا تھا اور خدا کی سچی مرضی مخلوق خدا کو پوری پوری معلوم ہو گئی تھی۔ اپنی وفات سے پہلے

بقیہ صفحہ ۳۹۶- کی بڑی عزت کیجاتی ہے اور اسے بطور وظیفہ کے پڑھا جاتا ہے اکثر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر سخت سے سخت آفت اسکے پڑھنے سے ٹلجاتی ہے اور مشکل حل ہو جاتی ہے۔ بقیہ صفحہ پر دیکھو

ہیں وہ جو اس رحم مجسم پر خونریزی کے الزام لگاتے ہیں اور اندھے ہیں وہ جنہیں یہ صریح رحم نہیں نظر آتا جس نے اپنے لخت جگر کے قاتل کو معاف کر دیا ہو وہ کب گوارا کرے گا کہ بے گناہ مارے جائیں اور ان پر خواہ مخواہ جہاد کیا جائے۔ اس نے ہمیشہ اپنی حفاظت میں تلوار اٹھائی ہے مگر پھر بھی مختلف غزووں سے کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی کی تلوار سے کوئی مقتول و مجروح ہوا۔ ہمیشہ آپ نے بڑے بڑے سنگین معرکوں میں کمان کی ہے لیکن کبھی دشمن کے مقابلہ میں تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ غزوۂ احد میں جب خالد نے پتھر مارا ہی اور نیزہ کا وار کیا ہے آپ نے اس وقت بھی تلوار نہیں نکالی آپ کا یہ رحم تھا جس سے دشمن بھی دوست بنجاتا تھا یہی ایک نبی ہوا ہے جس نے اپنے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کی ہے۔ جب بے وطن حضور ہی کے ہاں مہمان ہوتے تھے اور آپ کا چھوٹا سا گھر پردیسیوں اور بے گھروں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ تاریخی واقعات کے مٹانے کی کوشش نہ کرو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو اور واقعات کی تطبیق کر کے اس سے نتیجہ نکالو۔ تعصب کی عمر پائیدار نہیں ہوتی۔ جہاد جو در اصل خطرناک ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنے کا نام ہے اسے ہوا نہ بناؤ اور خواہ مخواہ اسے خونریزی کا جامہ نہ پہناؤ۔ خود اپنی حالت پر آپ رحم کرو اور عمداً اپنے کو گمراہ نہ بناؤ۔ آہ اے تعصب! آہ تو نے تحقیق اور صداقت پر ہمیشہ تاریکی پیدا کی ہے اور تو کبھی حق تک نہیں پہنچنے دیتا

میں آیا اور ایک زمانہ کے الٹ پھیر کے بعد خاندان آل عثمان کے پاس پہنچا۔ کئی بار سخت نازک موقعوں پر جنگی پھریرے کے طور پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ یہ خرقہ قسطنطنیہ میں خاص سلطان وقت کی حفاظت میں رہتا ہے۔ سلطان وقت مقررہ پر اپنے ہاتھ سے کھولتا ہے اور عطریات وغیرہ مل کے پھر اسی طرح رکھدیتا ہے۔ یہ مبارک خرقہ کبھی اور کسی وقت باہر نہیں نکالا جاتا۔ ہاں ایک ایسے خطرناک موقع پر نکالا جاتا ہے۔ جب تخت پر آبنتی ہے۔ کئی بار یہ خرقہ جنگ کے پھریرے کی صورت میں نکل چکا ہے۔ جاں نثاریوں کی بغاوت میں بھی نکالا گیا تھا اور اس کے نکلتے ہی ترکوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور سب نے مل کے جاں نثاریوں کے ہاتھ سے تخت سلطنت کو نجات دی۔ ویانا کے محاصرہ کے وقت بھی یہ نکالا گیا تھا جس سے مسلمانوں کو امید سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی ۱۸۷۷ء کی روم و روس کی جنگ میں بھی موجودہ حکمران دولت ترکی نے نکالنا چاہا تھا اور یورپ کو اس خبر سے سخت انتشار ہوا تھا مگر اخیر صلح ہو گئی اور اس خرقہ شریف کے نکلنے کی نوبت نہ آئی۔

جس قصیدہ کے صلہ میں کعب کو یہ خرقہ شریف عطا ہوا تھا اسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ مگر اور بھی چند قصائد ہیں جو قصائد بردہ کے نام سے مشہور ہیں اور جنکا مصنف ابو عبداللہ محمد بن سعد ہے جس نے ملک ظاہر کی عروج سلطنت میں یہ قصائد تصنیف کئے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی ایک قصیدہ بردہ ہی جو شرف الدین بوصیری نے تصنیف کیا تھا۔ اور یہ بھی نعت ہی میں تھا۔ جب قصیدہ کہہ چکا تو شرف الدین نے خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنا قصیدہ سنایا۔ حضور انور نے خوش ہو کے اپنا خرقہ شریف شرف الدین کو اڑھا دیا۔ صبح کو جب اسکی آنکھ کھلی تو دیکھا اس برص کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور بالکل تندرست ہے۔ برص کی اس قدر شدت ہوئی تھی کہ اطبا جواب دے چکے تھے اور کوئی امید شرف الدین کو تندرست ہونے کی نہ رہی تھی حضور انور کے معجزے سے خدائے حقیقی نے اسے بھی شفا بخشی۔

مگر موجودہ زمانہ میں بھی اور گزشتہ عصر میں بھی کعب بن زہیر ہی کا قصیدہ مقبول رہا۔ اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی کہ حضور انور نے خود گوش گزار فرمایا اور اپنا خرقہ شریف صحابہ کے مجمع اور مسجد نبوی میں بیٹھ کے اپنے دست مبارک سے پہنایا۔ عام طور پر تمام اسلامی ممالک میں اس قصیدے

انتظام مقرر فرمایا۔ گو ابھی تک شام اور عراق عرب کے حصوں میں عیسائی موجود تھے لیکن اور تمام عرب مسلمان ہوگیا تھا۔ اسلامی واعظین بڑی بڑی قوموں میں روانہ کردیئے گئے تھے تاکہ اُن لوگوں کو اسلام کی تعلیم دین اور مساوات کا قانون سکھائیں۔ آپ نے یمن میں جب معاذ بن جبل سردار کو بھیجا ہے تو یہ ہدایت فرمادی تھی اگر ایسے معاملات آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے تو اپنی رائے سے فیصلہ کرنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ جب یمامہ بھیجے گئے تھے تو انہیں بھی یہ ہدایت کردی تھی "اے علی جب دو گروہ تیرے پاس انصاف کے خواہاں آویں تو جب تک دونوں کی نہ سُنلے فیصلہ نہ کیجو"۔

ابھی تک مسلمانوں میں رومیوں سے انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ خلاف قاعدہ نصرانیوں نے اسلامی سفیر کو مار ڈالا تھا۔ حضور انور نے اخیر اُسامہ بن زید کو جو بعد ازاں میدان شام میں شہید ہوا ایک مہم کا سرگروہ بنا کے روانہ کرنے کی تجویز فرمائی۔ مگر اُس زہر کا ہنوز اثر باقی تھا جو ایک یہودن نے خیبر میں حضور انور کو دیا تھا روز بروز حالت نازک ہونے لگی اور یہ یقین ہونے لگا کہ حضور انور کی وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ یہ زبوں خبر کہ رسول خدا کی ایسی نازک حالت ہے خوفناک آگ کی طرح سارے عرب میں پھیل گئی اور اس مہم میں تو سب سے پہلے پہنچی جو اُسامہ بن زید کی ماتحتی میں روانہ کی جاتی تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ رسول خدا کی وفات سے کہیں صوبوں میں بدنظمی نہ پھیل جائے یہ اندیشہ بہت ہی ٹھیک تھا تین کذاب نبوت کا دعوے کر بیٹھے اور اپنی نبوت کا اعلان دیا۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ایک حبشی یمن کا سردار تھا جو علاوہ ہوشیار ہونے کے دولتمند بھی بہت بڑا تھا۔ اُس نے ہر ایک کو دولت سے مالا مال کرنا شروع کیا چند بندۂ شکم اُس کے مرید ہوگئے اور اُس کی نبوت کا اقرار کیا۔ اخیر یہ ایک شرمناک حالت میں مارا گیا۔ دوسرا نبوت کا دعوے کرنے والا طلیحہ بن خویلد الفقعسی تھا جس نے بہت کچھ شورش پیدا کردی تھی تیسرا مسیلمہ کذاب تھا جس نے شرارت سے حضور انور کی خدمت میں یہ لکھا تھا "مسیلمہ پیغمبر کی طرف سے محمد نبی اللہ کو معلوم ہو میں تمہارا شریک ہوں قوت میں دونوں کی تقسیم ہوجانی چاہئے نصف دنیا میری ہے اور نصف تمہارے قریش بھائیوں کے لئے موجود ہے لیکن قریش حریص قوم ہے وہ نصف پر قناعت کرتی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کا جواب حضرت رسالتمآب نے یہ دیا۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو سلامتی اُن ہی کے لئے ہے جو ہدایت کی راہ پر ہیں زمین خدا کی ہے وہ اُسی کو بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ خوف کھانے والے ہی اس سے ہوتے پھلتے ہیں"۔

آپ کے آخری دن نہایت خاموشی سے گزرے۔ آپ اخیر میں سخت کمزور اور ضعیف ہوگئے تھے لیکن پھر بھی آپ مسجد میں تشریف لاکے نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن آدھی رات کو حضور انور قبرستان میں جہاں آپ کے جاں نثار فدائی ہمیشہ کی نیند میں آرام کررہے تھے تشریف لے گئے۔ آپ اُن کی قبور کے پاس بیٹھ کے خوب روئے اور اُن کی مغفرت کی رب الافواج کی عالی درگاہ میں دعا مانگی۔ آپ نے اپنے آخری دن گزارنے کے لئے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ پسند فرمایا جو مسجد کے پہلو ہی میں تھا۔ مرض کی شدت اس عرصہ میں برابر ہورہی تھی اور آپ روز بروز مضمحل ہوتے جاتے تھے۔ اخیر وقت جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو آپ سے خود نہیں چلا جاتا تھا

حضورِ انور نے اور بھی ایک بار حج بیت اللہ کرنا چاہا۔ چنانچہ آپ ۲۵ ذیقعد ۲۳۔ فروری سنہ ۶۳۲ء کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ہمرکاب نوّے ہزار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان تھے۔ آپ بخیر و عافیت مکہ پہنچے اور ارکان حج ادا کرنے سے پہلے آپ نے جبل عرفات پر کھڑے ہو کے دیر تک ایک پر اثر وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے "یا ایھا الناس اسمعوا قولی" (یعنی اے مسلمانوں میری بات سنو) میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس موقع میں تم سے مل سکوں۔ تمہاری زندگی اور مال غیر ممکن الفتح اور پاک و مستحکم تم میں اُس دن تک ہے جب تم خدا کے آگے حاضر ہو گے جو تمہارے کاموں کا تم سے مطالبہ کرے گا۔ اے لوگو تمہارے حقوق تمہاری بی بیوں پر ہیں اور اُن کے تم پر ہیں۔ اپنی بی بیوں سے مہربانی سے پیش آنا۔ یقیناً خدا کی کفالت اور ضمانت سے ہم نے اُن پر قبضہ کیا ہے۔ خدا تم میں اور اُن میں کفیل ہے تاکہ تم اُن سے بانصاف پیش آؤ۔ دیکھو تم اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جو تم آپ پہنتے ہو۔ اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرو تو انہیں آزاد کر دو اس لئے کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اور وہ اس لئے نہیں ہیں کہ اُن سے سنگدلی اور ناانسانیت سے پیش آؤ۔ اے لوگوں میری بات سنو اور اُس کو سمجھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جو چیز کہ ایک شخص کی ہے وہ اُسی کی ہے ہاں جب تک کہ اپنی خوشی سے کسی کو نہ دے قانوناً کوئی اور اُس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ دیکھو اس بات سے اپنی حفاظت کرتے رہو کہ تم سے ناانصافی نہ ہو جائے۔ جو شخص میری یہ باتیں سن رہے ہیں وہ اُن لوگوں سے کہیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں وہ شخص جو کسی سے کہیگا اُس شخص کی نسبت جس نے سنا ہے اچھا یاد رکھے گا" نبی معصوم نے ان الفاظ پر اپنا وعظ ختم فرمایا۔" اے میرے حقیقی مالک جو کچھ مجھے تیرا پیغام پہنچانا تھا پہنچا چکا اور اپنا فرض پورا کر چکا (مسلمانوں کے جم غفیر سے یہ آواز آئی اے نبی اللہ یقیناً تو اپنے اہم فرائض کی تکمیل کر چکا) اے میرے مالک تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو اس امر کا گواہ رہیو۔"

ان الفاظ پر رسول خدا نے اپنا وعظ ختم فرمایا وہ وعظ جو روایات کے بموجب نہایت سرگرمی اور فصاحت سے بڑی دیر تک کہا گیا۔ ارکان حج ختم کرنے کے بعد آپ مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

سنہ ۱۱ ہجری مطابق ۲۹۔ مارچ سنہ ۶۳۲ع سے ۱۸۔ مارچ سنہ ۶۳۳ع تک

آپ کی مبارک زندگی کا آخری سال مدینہ منورہ ہی میں ختم ہوا۔ آپ نے اُن صوبوں میں جہاں اسلام پھیل گیا تھا باقاعدہ

سے مشکل کام اسکے ورد سے حل ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ پڑھا کرتے ہیں اور اُن کا بیان ہے کہ ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ اس قصیدے کے مضامین فی الحقیقت نہایت دلکش ہیں اور واقعات کا سچا نقشہ کھینچا ہے۔ حضور انور کی بیجا تعریف ایک مصرعہ میں بھی نہیں ہے آپکے عادات و اطوار خلق و رحم اور ہدایت کا کھلا کھلا بیان ہے ہر شعر کی دلچسپی پڑھنے والے سے دریافت کیجائے۔ ایک ایک لفظ میں شیرینی بھری ہوئی ہے۔ مبارک ہیں وہ اشعار جو خود نبی معصوم نے گوش گزار فرمائے اور نہیں پسند کیا۔ یہی اس قصیدہ کی مقبولیت کی بڑی بھاری وجہ ہے اور اسی لئے مسلمان اُسے آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی برکتیں علم میں جس پر رحمت کی نظر ہو ہمارے امی کا بڑا اعجاز ہے۔ کعب اگر حالت کفر میں مر جاتا تو دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی مگر فخر اسلام میں داخل ہو کے اُسے حاصل ہوا ہے کہ تیرہ سو برس گزشتہ کے بعد بھی کروڑوں آدمیوں کی زبان پر اُسکا نام اور کلام باقی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا اسلام کا معجزہ ہو سکتا ہے ۱۲۔

فرماتا ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر۔ یعنی اُترتے دن کی قسم ہر انسان ٹوٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور آپس میں سچے دین کی وصیت کی اور صبر کی وصیت کی۔ سب معاملات خدائے تعالےٰ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کسی امر کی تاخیر کے باعث تم اس میں جلدی ہونے کی درخواست کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی کی جلدی کے باعث جلدی نہیں کرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ پر غالب ہونا چاہے گا اللہ تعالےٰ اُسے مغلوب کرے گا اور جو خدائے تعالیٰ سے داؤں کرے گا خود دھوکا کھائے گا۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت حاصل ہو تو ملک میں خرابی نہ ڈالنا نہ اپنے ناتے توڑنا۔ اور میں تم کو انصار کے باب میں خیر کی نصیحت کرتا ہوں اس لئے کہ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ میں اقامت اور ایمان کا خلوص حاصل کیا۔ تم ان کے ساتھ احسان کرنا دیکھو انہوں نے اپنے پھل آدھے تم کو دیئے۔ تمہیں اپنے گھروں میں اُتارا۔ اپنی ضرورتوں پر تمہاری حاجتوں کو ترجیح دی یاد رکھو کہ اگر تم میں سے کوئی دو آدمیوں پر بھی حکومت پائے تو چاہئے کہ اُن کے محسن کی طرف سے جو کچھ وہ دے قبول کرے اور اگر ان میں سے کچھ بُرائی کرے تو اُس سے درگزر کرے اور آگاہ ہو کہ ان پر اپنے کو ترجیح نہ دینا اور سمجھ لو کہ میں تمہارا گواہ ہوں اور تم مجھے ملنے والے ہو اور خبردار رہو کہ ایک دن سب کو یہی راہ فنا اختیار کرنی پڑے گی پھر حضرت عباس نے عرض کیا اے نبی اللہ کچھ قریش کے لئے بھی ارشاد کیجیے۔ آپ نے فرمایا "امر یعنی خلافت کی وصیت میں قریش کو کرتا ہوں اور لوگ قریش کے تابع ہیں نیکوں کے نیک اور بدوں کے بد پس اے اہل قریش لوگوں کو راستبازی کی وصیت کرتے رہنا۔ اے لوگوں گناہ نعمتوں کو بدل ڈالتے اور اخلاق کو متغیر کر دیتے ہیں پس جب لوگ نیکی کریں گے تو اُن کے امام بھی اُن کے ساتھ نیکی کریں گے اور جب بدکار ہوں گے تو حاکم بھی اُن پر رحم نہ کریں گے"

اخیر ۱۲ ویں ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ ویں جون ۶۳۲ء جس وقت آپ لبوں ہی لبوں میں خدا کی عبادت کر رہے تھے پاک روح نے آپ کے تن مبارک سے مفارقت کی یہ ہیں مختصر سوانح عمری اُس رسول مقبول کے جس کی نسبت معاذاللہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے خود بھی خونریزی کی اور اپنے صحابہ کو بھی خونریزی کا حکم دیا جو کچھ گزشتہ صفحوں میں ہم نے قرآن مجید اور صحیح احادیث سے جہاد کی بحث کی ہے اور جس طرز سے ہم نے معصوم نبی کے واقعات زندگی کو دکھایا ہے غور سے پڑھنے والا یہ اندازہ کر لے گا کہ اسلام میں جہاد کسے کہتے ہیں اور اس پر کیونکر عمل کیا گیا اور غیر اسلام اسے کیا سمجھتے ہیں۔ کوئی مخالف سا مخالف شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی عربی اور آپ کے صحابہ نے کبھی مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بغیر کسی قوی حجت کے بھی تلوار اُٹھائی اور ناحق کسی کے خون کی ایک بوند بھی گرائی یا ملکی لڑائیوں کا سلسلہ یا فتوحات ملکی کا جوش یہ دنیا میں کس قوم میں نہیں ہوا اور اب دنیا کی کس قوم میں نہیں ہے۔ ملک گیری کے آگے پھر ساری تہذیب اور شائستگی بالائے طاق رکھدی جاتی ہے اور آنکھیں بند کرکے دوسرے کے ملک پر گرا جاتا ہے بڑی حیرت سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے تو بلا وجہ آجتک کسی ملک پر بھی محض ملکی فتوحات پوری کرنے کے لئے چڑھائی نہیں کی۔ اسپین میں خود عیسائیوں نے اُنہیں بلایا تھا ہندوستان میں بغیر چھیڑے وہ کبھی نہ آئے تھے۔

ایک طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور دوسری طرف سے حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حضرت عباسؓ کے صاحبزادے سہارا دیئے ہوئے تھے اسی حالت میں ایک خوشنما تبسم آپ کے مبارک لبوں پر معلوم ہوا جس نے حاضرین کے دل پر بہت ہی اثر کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں وفات تک برابر حاضر ہوتے رہے ہم ایک بار جو حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے "خوب ہوا تم آئے خدا تم کو زندہ رکھے اور پناہ دے اور مدد فرمائے میں تم کو خدائے تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ بلا وجہ شہروں اور بندوں پر چڑھائی نہ کرنا۔ موت کا وقت آلگا ہے اور رجوع جام وصال کی طرف ہی تو تم میری طرف سے اپنے آپ کو اور جو شخص میرے بعد تمہارے دین میں داخل ہوا سے سلام اور خدا کی رحمت کہیو۔ پھر آپنے یہ ارشاد کیا اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور فکر مٹا۔

جانم فدائے تو کہ تراہست بے گماں ٭ از مہد تا لحد ہمیں فکر امتان

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور انور نے وفات کے وقت مہاجرین سے ارشاد کیا اے گروہ مہاجرین تم بڑھتے جاتے ہو اور انصار کی یہ صورت ہے کہ جس حالت پر وہ آج ہیں اُس سے زیادہ نہیں ہوں گے وہ لوگ میرے خاص ہیں جن میں میں نے رہنا پسند کیا بس ان کے محسن کی تعظیم کیجو اور برائی کرنے والے کی خطا سے درگزر کریو۔ اور بھی آخری الفاظ جو اپنی وفات کی نسبت فرمائے وہ یہ تھے "ایک بندہ کو دنیا میں اور خدا کی پاس کی چیزمیں اختیار دیا گیا اُس نے خدا کی چیز پسند کی" جوں ہی حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سنا آپ زار زار رونے لگے اور آپ سمجھ گئے کہ حضور انور اپنی وفات کی خبر دیتے ہیں آپنے ارشاد کیا " اے ابو بکر استقلال رکھ گھبرا نہیں یہ دروازے جو مسجد میں کھلتے ہیں سب بند کر دینا مگر ابو بکر کا دروازہ بند نہ ہو کیوں کہ اپنے نزدیک میں ابو بکر سے زیادہ کسی کو دوست نہیں سمجھتا"

سعد بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انصار نے سنا کہ حضور انور کی مبارک طبیعت بہت ہی ناساز ہے اور مرض خطرناکی کی حد تک پہنچ گیا ہے وہ سب در دولت پر حاضر ہوئے سب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور ان کی عورتیں زار زار رو رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت فضیل آپ کے چچازاد بھائی حاضر ہوئے اور انصار کے اجتماع کی کیفیت بیان کی پھر حضرت علی آئے اُنھوں نے بھی یہی عرض کیا۔ یہ سنکر حضور انور اُٹھے اور حضرت علی اور فضیل پر سہارا دے کے باہر تشریف لائے حضرت عباس آگے آگے تھے۔ سر مبارک پٹی سے بندھا ہوا تھا اور قدم شریف گھسیٹ کے رکھتے تھے یہاں تک کہ منبر کے سب سے نیچے کے درجہ پر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے خدا کی حمد کے بعد فرمایا " لوگوں میں نے سنا ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو گویا موت سے نفرت کرتے ہو۔ اور تم جو میری موت کا انکار کرتے ہو کیا میں نے تمہیں اپنی موت کی خبر نہیں دی یا تمہاری اپنی خبر مرگ نہیں پہنچی۔ جو انبیا مجھ سے پہلے تم میں بھیجے گئے ان میں سے کوئی بچا؟ اور تم میں ہمیشہ کون رہا ہے سنو کہ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اُس سے ملوگے اور میں تم سے وصیت کرتا ہوں کہ جو لوگ پہلے ہجرت کر کے آئے اُن کے ساتھ بھلائی کرنا اور مہاجرین کو آپس میں سلوک سے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ

کرنے کا خیال جسے دیکھا خودی میں ڈوبا ہوا اور تعصب میں اندھا ہوا کون ہے جس نے حق کی تلاش کی اور اسے
نہ ملا۔ راستبازی سے حق کی تلاش کرو تمہیں حق ملجائیگا۔ بیجا گھمنڈ۔ لفاظی اور منطق کی مین میگ حق کی تلاش میں
کچھ بھی کام نہیں آتی کسی کو برا بھلا کہنا ذلیل اور ادنے درجہ کے آدمیوں کا کام ہے۔ کسی کو گالیاں دینا یا کسی پر
اعتراضات کر دینا نہایت آسان ہے مگر سچے دل اور سچی روح سے حق کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ فرانسیسی اور جرمنی کتابیں بھی
موجود ہیں انگریزی کتابیں بھی حاضر ہیں اور دیسی عیسائیوں کی کتابیں بھی گم نہیں ہو گئی ہیں ان کل کتابوں میں
انصاف سے نظر کرنے والا پائیگا کہ اختلاف خیال کے ساتھ نکتہ چینیاں کن کتابوں میں ہوئی ہیں اور کن
کتابوں کے اعتراضات سے دشمنی اور وہ بھی ناپاک دشمنی کی بو آتی ہے۔ موسیو سدیو نے حضرت رسالتمآب کے سوانح
عمری تحریر کئے ہیں اور جس بے نظیر تحقیق سے لکھے ہیں وہ دیسی عیسائی تو کجا ولایتی مصنف بھی نہیں لکھ سکے۔ فاضل
فرانسیسی مصنف نے اپنی اس کتاب میں حسد اور دشمنی سے مطلق کام نہیں لیا ہے یہ ضرور ہے کہ اختلاف کا رنگ
کہیں کہیں پایا جاتا ہے اور اس طرح اختلاف کرنا لازمہ قوانین قدرت ہے۔ اسلام کے بہت سے مسائل سے جہاں
اس نے اتفاق کیا ہے وہاں بعض مسائل سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن اس کا یہ اختلاف عالمانہ اور شریفانہ
ہے۔ جہاد پر بھی اس نے بحث کی ہے لیکن اسے خوفناک پیرایہ میں نہیں ادا کیا ہے جیسا کہ بعض متعصب مصنفین نے
دکھایا ہے۔ جھوٹے الزامات نے صدیوں تک یورپ کے مطلع کو بالکل غبار آلود کر رکھا تھا مگر اب وہ تاریکی دور ہوتی
جاتی ہے اور حق و ناحق میں تمیز قایم ہو گئی ہے۔ جہاد جس نے متمدن دنیا کو ابھی تک سہار کھا ہے در اصل کچھ بھی نہیں
ہے محض ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ وہ مذہب جس نے دنیا میں تہذیب بھلائی اور عدل کی
اشاعت کی اس کی نسبت ایسے ناملایم الزامات عاید کرنے سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے حضرت رسالتمآب نے
اپنی مبارک زندگی کے اخیر دنوں میں بھی یہی ہدایت فرمائی کہ کسی ملک پر چڑھائی نہ کی جائے نہ خدا کے بندوں پر خونریزی
کی آفت نازل کی جائے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے کنبہ سے محبت کرنا خدا سے محبت
کرنا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے جس نبی نے اپنی لخت جگر صاحبزادی کے قاتل کو چھوڑ دیا جس نبی نے اپنے جانی دشمنوں
کی خطا معاف کر دی اور اف تک نہیں کی اس پر خونریزی کا کیونکر الزام قایم ہو سکتا ہے۔ آپ کے اخلاق اور حیا
فطرت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یہودی نے آپ کی چادر پکڑ کے گھسیٹ لی اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ بھی آیا
لیکن آپ نے کچھ نہ کہا آپ محض بے سر و سامانی اور کمل پوش حالت سے سلطان وقت بنگئے تھے پھر بھی آپکے مزاج
کی حلیمی اور طبیعت کی انکساری کی وہی کیفیت تھی۔ آپ کا اسیروں سے بخلق و تواضع پیش آنا۔ آپ کی غربا کے ساتھ
ملنساری اور مروت آپ کا عاجزوں کو تسلی دینا یتیموں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا مظلومین کی حالت پر آنسو
بہانا۔ غربا پر ہمیشہ ترس کھانا اور بے گھروں کو اپنے گھر میں پناہ دینے نے آپ کو مخلوق کا سرتاج بنا دیا تھا حضرت انس
آپ کے خادم فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر رہا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسولخدا
نے مجھے اف تک کی ہو اگر میں حساب لگاؤں تو مجھے معلوم ہو گا کہ میں نے اتنی خدمت رسولخدا کی نہیں کی جتنی آپنے میری کی

بلا وجہ اور بے سبب سبکتگین پر حملہ کرتا نہ سلمانی سفارت کو محض دہوکے اور دغا بازی سے قید کیا جاتا نہ سلمان ہندوستان کا رخ کرتے۔ ہندمیں تو اس قدر نہیں مگر یورپ میں سب سے زیادہ جہاد کو ہوا بنا رکھا ہے اور بلا وجہ یہ غلط خیال تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سلمانوں کے دین میں درست ہے کہ کافروں کو اُن کے کفر کی سزا دیجائے یہ محض ایک مضحکہ خیز بات ہے اور ایسے خیالات ظاہر کرتے ہیں کہ اس روشن زمانہ میں بھی لوگ کس قدر اسلام اور اُس کے اصول سے ناہلد ہیں۔ سلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ بہت ہی مجبوری کی حالت میں اُنہیں لڑنے کا حکم ہوا ہے یعنی جب وہ بیگناہ گھروں سے بے گھر کر دیئے جائیں نہایت ظالمانہ طریقہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور ہوں۔ اُن کے ارکان مذہب جبراً روک دیئے جائیں اُن کے معابد منہدم کر دیئے جائیں اور اُن کی بربادی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے تو اُس وقت سلمانوں کا فرض ہے کہ قوت ہونے پر تلوار پکڑیں اور جان و مال کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کریں۔ اور اگر اُس پر بھی قوت نہیں ہے تو اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالیں عیسائیوں کے مجنونانہ جوش اور صلیبی لڑائیاں جب ہمیں یاد آتی ہیں تو ہنسی آتی ہے کیا خدا کی شان ہے کہ جو عیب اُن میں ہے وہ ہمارے سر تھوپتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔ مگر اُنہیں خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ تحقیق کا راستہ جبتک بند نہیں ہوا ہے اُن کے ہوائی اعتراضات کچھ بھی نہیں چلنے کے۔ قرآن مجید موجود ہے صحیح حدیثوں کی کتابیں حاضر ہیں معتبر تواریخ کا کہیں کال نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے متعصب بزرگوں کی تقلید کی پٹی کو آنکھوں سے نہیں کھولتے اور کیوں نہیں خود تحقیق کر کر اُس بیہودہ قید سے آزاد ہوتے۔ یاد رکھو کہ صداقت اپنا راستہ آپ پیدا کر لیتی ہے۔ صدہا مذہب ہوئے اور مٹ گئے اُن کا نام بھی دنیا میں نہیں رہا اسلام کی ترقی خود اس کی صداقت کی شہادت دے رہی ہے اور ہمارے خیال میں صرف یہی شاہد اس کے لئے بس ہے۔

مسئلہ جہاد پر جو کچھ مجھے لکھنا تھا لکھ چکا میرے خیال میں اسی قدر بحث کافی ہوگی۔ اگرچہ اس مسئلہ پر بڑی وسعت کے ساتھ بحث ہو سکتی ہے اور اس کی ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر اس مقدسہ تفسیر میں شاید اسی قدر کافی ہو میں نہیں کہتا کہ میری اس مختصر بحث سے ناظر تفسیر کی پوری تشفی ہو جائے گی لیکن ہاں اتنا مجھے خیال ہے اور خدا کی ذات سے اُمید پڑتی ہے کہ کچھ نہ کچھ تسلی ضرور ہو جائے گی۔

اسی جہاد کے معاملہ میں جس ناجائز طور پر حضور انور کی ذات اقدس اطہر پر دریدہ دہنی سے نکتہ چینیاں ہوئی ہیں بس خدا ہی جانتا ہے کہ اُنہیں دیکھ کے کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہمارے ہادی برحق کی شان میں گستاخی کی گئی ہے بلکہ اس لئے کہ خدا کی مخلوق کا ایک معزز رکن یعنی انسان کس کور باطنی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے اور اُس نے اپنی اشرفیت کو کتنا سٹایا ہے۔ اُس کی حالت قابل رحم ہے اور اُسے بجائے ملامت کرنے کے دعا دینی چاہیئے۔ یوروپیوں کے بھی اعتراضات دیکھے۔ دیسی عیسائیوں کی بھی دریدہ دہنی نظر سے گزری اور دہریوں وغیرہ کے الزامات پر بھی غور کی مگر افسوس یہ ہے کہ کسی میں بھی راستبازی کا پتہ نہ پایا نہ کسی میں حق کی تلاش دیکھی۔ کاش ان میں حق کی تلاش ہوتی تو یہ اتنا برباد نہ ہوتے۔ حق کی تلاش میں نہ تعصب کا پتہ ہوتا ہے اور نہ زک دینے اور اپنی بات بر رکھ

تیرھواں باب

معجزہ اور نبوت

معجزہ اور نبوت کی حقیقت سے کم لوگ واقف ہیں اور جن لوگوں نے جانا ہے اُس کے اظہار میں اُنہیں ایسی دقتیں پڑی ہیں کہ اخیر وہ کہیں کے کہیں بھٹک نکل گئے اور منزل مقصود پر پہنچنا اُنہیں محالات سے ہو گیا۔ ہر شخص کا خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو معجزہ اور نبوت کی حقیقت کا سمجھنا فرض ہے اور جب یہ دو اہم امور سمجھ میں آگئے تو پھر آسانی سے مذاہب کی اصلیت سمجھ میں آجائے گی میں کوشش کروں گا کہ اس ضروری اور مشکل مسئلہ کو ایک حد تک وضاحت سے بیان کروں اور اس عمدگی سے سمجھا دوں کہ بڑی حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان ہو جائے۔ خدا میری مدد کرے اور مجھے توفیق دے اُسی کا سہارا بس ہے۔

علمائے اسلام نے جن امور کو معجزہ قرار دیا ہے اور معجزہ سے جو مفہوم لیا ہے وہ انتہا درجہ مبہم ہے اور اسلامی کتب میں کہیں بھی اس کی زیادہ توضیح نہیں کی ہے۔ صرف اسی قدر اس کا مفہوم سمجھا گیا ہے کہ انسان کی طاقت سے باہر اگر کوئی کام صادر ہو اور انسانی عقول ایسے صدور پر قادر نہ ہوں اُس فعل کو معجزہ کہتے ہیں گو ہر مفسر اور عالم کا طرز بیان جدا جدا ہے مگر قریب قریب سب کا مفہوم ایک ہی ہے پھر مدارج انسانی کے لحاظ سے اس کی تقسیم کر دی ہے کسی کو خرق عادت کہا ہے اور کسی کو کرامت اور کسی کو شعبدہ مگر جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو سب ہی کا ایک مفہوم ہے اور ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ خاص الفاظ اور بھی ہیں۔ جو ہمارے علماء نے معجزہ کے ہم معنی پیدا کئے ہیں مثلاً معونت ارہاص اور استدراج۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو چیز خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت کے کسی شخص سے سرزد ہو تو اُسے خارق عادت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جو سحر یا طلسم کے ذریعہ سے سرزد ہوں تو اُسے خارق عادت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر خارق عادت مدعی نبوت سے سرزد ہوں تو اُسے معجزہ کہتے ہیں اور اگر یہی خارق عادت نبی کے پیرو سے سرزد ہو تو اُس کو کرامت بولتے ہیں اور اگر غیر مومن صالح سے صادر ہو تو اُس کو معونت کہتے ہیں اور یہی خارق عادت نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اُس کو ارہاص کہتے ہیں اور جو کسی بدکار آدمی سے سرزد ہو تو اُس کو استدراج کہتے ہیں۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں بھی کچھ فرق آسکتا ہے یا نہیں؟ مختلف بولیوں میں ایک چیز کا نام علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے کیا الفاظ کی تبدیلی نے اُس چیز کی اصلیت میں کچھ خلل پیدا کر دیا؟ مثلاً اُردو میں گھوڑا کہتے ہیں فارسی میں اسپ کہتے ہیں انگریزی میں ہارس کہتے ہیں اسیطرح ہر زبان میں اس جانور کا نام علیحدہ علیحدہ ہے کیا اس کی اصلیت اور حقیقت میں الفاظ کی تبدیلی سے کچھ فرق آگیا؟ اسیطرح معجزہ۔ کرامت۔ معونت ارہاص اور استدراج سب چیزیں ایک ہی ہیں اور ان میں الفاظ کی تبدیلی کچھ بھی فرق نہیں پیدا کر سکتی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ خشک درخت میں میوہ پیدا ہو جائے۔ ریت میں پانی کے چشمے

آپ اپنے سادہ حجرہ میں اپنے دست مبارک سے جھاڑو دے لیا کرتے تھے اور اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگایا کرتے تھے کبھی آپ نے کسی بات پر یہ نہیں فرمایا کہ "انس اگر تو یہ نہ کرتا تو بہتر ہوتا" آپ کو اپنے کنبہ کی بہت ہی محبت تھی آپکا ایک صاحبزادہ اناکی دہواں دہار کوٹھری میں آپ کے سینہ پر وفات پاگیا۔ اس وقت جو کچھ آپ کو صدمہ ہوا ایک شفیق باپ کا دل بخوبی اندازہ کرسکتا ہے آپ کو اولاد ہونے کی بہت آرزو تھی اس لئے آپ کو معصوم بچوں سے دلی محبت تھی آپ رستہ میں چلتے چلتے ننھے ننھے بچوں کو ٹھیرا لیتے تھے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ جب آپ کی وفات ہونے لگی تو آپ نے مجمع کو مخاطب کرکے یہ فرمایا تھا۔ "اگر میں نے کسی کو تکلیف دی ہے یا کسی کا دل دکھایا ہے میں اس کا عوض دینے کو موجود ہوں اور اگر کسی کا مجھپر آتا ہے تو جو کچھ میرا ہے وہ سب تم لوگوں کا ہے یہ سن کے ایک شخص اس مجمع میں سے اٹھا اور عرض کیا اے رسول اللہ فلاں روز جو حضور نے ایک مفلس کو تین درہم دلوائے تھے وہ میرے آپ پر آتے ہیں آپ نے فوراً ان الفاظ کے ساتھ اس کے درہم ادا کردیئے "اس دنیا کی خجالت اس عالم کی خفت سے بہتر ہے"۔ جب آپ کو بہت ہی غصہ آتا تھا اور آپ انتہا درجہ ستائے جاتے تھے تو صرف یہ فرما دیا کرتے تھے "اس کا کیا ہونا ہے خدا کرے اس کی پیشانی تاریکی کی کیچڑ سے لت پت ہو جائے"۔ آپ ہر مریض کی عیادت کے لئے اس کے مکان پر تشریف لیجاتے تھے۔ جو جنازہ راستہ میں ملتا تھا آپ اس کے ہمراہ ہو جاتے تھے اگر کسی ادنےٰ غلام نے بھی آپکی دعوت کی تو آپ نے انکار نہیں کیا۔ آپ نے بکریوں کا دود اپنے ہاتھ سے دوہا ہے۔ آپ کا ہاتھ انتہا درجہ کا فیاض آپ کا دل اول درجہ کا بہادر آپ کی زبان انتہا درجہ کی پُر از صداقت یہ صفتیں تھیں جنہوں نے عالم میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا اور ہنوز تیرہ سو برس گزرنے پر بھی اسلام میں زندہ روح باقی ہے اور اب بھی یہی نبی معصوم و برحق کروروں بندگان خدا کو اسی سرگرمی سے اپنے روضۂ مبارک کے اندر سے کلمہ اسلام پر قایم کئے ہوئے ہے۔ اے آخر الزمان نبی تیری شان بہت بڑی ہے صدیوں پر صدیاں گزرتی جاتی ہیں ہزاروں انقلاب ہوئے اور ہوں گے مگر تیرا جلال اے خدائے واحد کے آخر الزمان نبی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ تو انبیائے سابقین کا سچا محسن ہے اور صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس نے ان الزامات سے انبیا کو بری کیا جو ناہنجار مخلوق نے ان پر لگائے۔ جو کچھ تو نے کیا اس کا سچا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ تیرا ایک ایک لفظ قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تیرا ایک ایک فعل دنیا کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ تیری ہی برکت سے یونانی فلسفہ کی تیرے مصفا دین کے آگے کچھ نہ چل سکی اور تیری ہی بزرگی سے علوم جدیدہ اسلامی اصول سے پے درپے مات کھا رہے ہیں۔ تیرا بزرگ نام روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے۔ بدقسمت ہیں وہ جو تیری معصوم پاک اور عالم کی رحمت ذات پر خونریزی کا الزام لگاتے ہیں۔ اے اپنے جانی دشمنوں کے سچے خیر خواہ تیرا جلال ابد تک قایم رہے اور دنیا روز بروز تیری روشنی سے منور ہوتی رہے۔ آمین۔

سالہا غوطہ بخوناب جگر باید خورد ✤ تا زدل یک نفس معتدل آید بروں

اگر خدائے عزوجل نے میری مدد کی اور اس کے ہاتھ نے میرے ساتھ کام کیا اور یہ مسئلہ کسیقدر حل ہو گیا تو تمام معارف اور شریعت کے دقایق آئینہ ہو جائیں گے اور حقیقت کے رازوں کے چہرہ پر سے پردہ اٹھ جائے گا اور ہر شخص کو نجات کا رستہ آنکھوں سے دکھائی دینے لگے گا اور اگر بدقسمتی سے کامیابی نہیں ہوئی تو ناظر تفسیر سے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے تاکہ میری اس غلطی سے چشم پوشی کی جائے اور میرا خاتمہ بخیر ہو۔ آمین۔

ایسے سخت اور اہم مسائل پر بحث کرنے سے پہلے ہی دل ہچکچاتا تھا اور اندام میں ایک لرزہ پیدا ہوتا تھا مگر خدا کے بھروسہ پر اپنی تمام کمزوریوں اور بے بضاعتی کا اقرار کرکے قدم اٹھایا ہے شاید کچھ کامیابی نصیب ہو اور ناظر تفسیر کو ایک حد تک فائدہ ہو۔ دقت اگر ہے تو یہ ہے کہ ادہر تو اصول اسلام کا خیال ہے کہ وہ ہاتھ سے نہ جاتے رہیں ادہر علوم جدیدہ آنکھیں دکھا رہے ہیں کہ شاہدات کے خلاف نہ ہو ورنہ دقیانوسی خیال کا فتویٰ موجود ہے ادہر ایمانداری عقیدہ اور یقین آنکھیں بدل رہا ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور ہم سے ذرا بھی مخالفت نہ کی جائے۔ تینوں باتوں ہی کو نبھانا اور تینوں اصول کو برقرار رکھ کے کچھ بیان کرنا چاہئیے ورنہ ایک طرف بھی قدم ڈگمگایا اور مصیبت آئی۔ اور اصل یہ ہے کہ تینوں پہلوؤں کو نبھانا بڑا کٹھن کام ہے۔ آزادانہ تمام دنیا سے علیحدہ کسی رائے کا قایم کردینا کچھ مشکل نہیں ہے مگر تمام امور پر نظر کرکے ایک نئی بات پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے۔ بہرحال اب تو ایک کام کے کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور اسے بھلا برا کیا جاتا ہے آگے خدا مالک ہے۔

موجودہ زمانہ میں کچھ خیالات نے ایسا رنگ بدلا ہے کہ بہت سی مافوق الفطرت باتیں مشتبہ نظروں سے دیکھی جانے لگی ہیں۔ اور مشاہدات کے علم نے ایسا زور پکڑا ہے کہ غیب کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ قدرت اور فطرت انسانی کے وہ راز جن کا ایک زمانہ میں ابھار ہوا تھا اور جو فی الحقیقت بناہیں تمام دنیا کے مذاہب کی ایسے فراموش ہوئے ہیں کہ ان کی طرف توجہ کرنی ہی عقل کے خلاف خیال کی گئی ہے۔ قوانین قدرت کو عام طور پر محدود سمجھ لیا ہے اور اس کے گہرے رازوں کو تقویم پارینہ سمجھ کے کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ روحانی قوتیں معطل اور ضمیری جذبات بیکار کردیئے گئے ہیں اور علوم جدیدہ نے بظاہر سب خیالات پر ایک نمایاں فتح حاصل کرلی ہے۔ ہر مذہب کا عالم یہ کوشش کرتا ہے کہ جدید مسلمہ اصول کے مطابق اپنے خیالات کو بنائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو ان باتوں کو مذہب سے اڑا دے یا ان کا انکار کردے جو مشاہدہ میں نہیں آتیں نہ موجودہ عقل ان کی شہادت دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں جدید خیالات کے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں اور وہ کوشش کررہے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قوانین قدرت تسلیم کئے گئے ہیں اپنے مذہبی اصول کھینچ تان کے ان ہی کے ساتھ چسپاں کئے جائیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ علوم جدیدہ کی عمر کتنی بڑی ہے اور ان کی حکومت کا دور کب تک رہے گا۔ سب بیوقوف بھیڑوں کی طرح ایک ہی ٹھیا پر پڑ لئے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو راہ انہوں نے اختیار کی ہے اس سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

بہنے لگیں۔ پہاڑ میں سے پانی کی چادریں گرنے لگیں جنم کے اندھوں کی آنکھیں ہو جائیں بانجھ عورتوں کے ہاں بچّہ ہو جائے۔ سنگلاخ چٹان پر ایک تروتازہ باغ لہلہانے لگے جملہ آدرفوج اندھی ہو جائے انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلیں۔ بکری کے خشک تھنوں میں دودھ پیدا ہو جائے تلوار اپنا کاٹ نہ کرے آگ جلا نہ سکے لق ودق صحرا شہر بن جائیں آسمان سے خون برسنے لگے انسان ایک ہاتھ سے ایک عظیم پہاڑ کو اٹھا لے غرض اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو معجزہ بیان کی جاتی ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ باتیں قانون قدرت سے جس طرح مستبعد ہیں اسی طرح انسانی قوت ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی قدرت کا اندازہ کیونکر کر لیا گیا اور اس انیسویں[19] صدی میں جبکہ دینی اور دنیاوی علوم کی ہر شاخ کی بے انتہا جانچ اور چھان بین ہوتی ہے انسانی قوت کا اندازہ کہاں تک کیا گیا ہے اور اُن جوہروں کا جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئے ہیں کہاں تک اور کس درجہ تک پتہ لگایا گیا ہے۔ مذاہب نے انسان کو کیا فرض کیا ہے اور اس کی عظمت کا کہاں تک کھوج لگایا ہے۔ اور مذاہب کے مقابلہ میں قرآن مجید نے انسان کے حق میں کیا فیصلہ دیا ہے اور آیا اُس کا یہ فیصلہ ناطق بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ سوالات ہیں جنکا جواب دینا اور یہ کٹھن راستہ ہے جسے طے کرنے کے بعد منزل مقصود آجاتی ہے۔

جسطرح معجزہ کی حقیقت کو تاریکی میں ڈال رکھا ہے اسیطرح نبوت اور منشائے نبوت کو بہت ہی کم سمجھا گیا ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہاں تو سب کو ہی سکوت ہے اور اگر معجزہ کی طرح سے کسی نے اٹکل پچو نبوت کی حقیقت بھی بیان کر دی تو اس سے ایک سچے طالب کی پیاس نہیں بجھ سکتی اور نہ خدا کی عام مخلوق کا اُس سے کچھ اطمینان ہو سکتا ہے تمام اعتراضات اور تمام قسم کی نکتہ چینیاں اور تمام شکوک اسی مسئلہ کی تحقیق سے رفع ہو جائیں گے بشرطیکہ پوری تحقیق ہو جائے اور اس کے چہرہ سے صدیوں کا گرا ہوا پردہ اُٹھ جائے۔ یہ ایسا جامع مضمون ہے کہ اس کا تعلق دنیا کے ہر مذہب والے سے ہے مگر چونکہ بالخصوص یہ مسلمانوں کے لئے لکھا گیا ہے اس لئے اُمید ہے کہ وہ اسے غور سے پڑھیں گے نبوت اور معجزہ کی حقیقت نہ سمجھنے نے فی الحقیقت اسلام میں بڑے بڑے اختلافات پیدا کر دیئے اور اسی سے بیسیوں فرق قایم ہو گئے بعض تو اس قدر بڑھ گئے کہ اُنہوں نے نبی معصوم کی ذات کو خدا سے ملا دیا اور بعض اتنے گھٹ گئے کہ اُنہوں نے نبوت کو کچھ مال ہی نہ سمجھا بعض اس کے بین بین رہے لیکن طرفین کے مسلمہ مسائل سے اپنا پہلو بچا نہ سکے اور کامل یکسوئی اُنہیں حاصل نہیں ہوئی۔ ایک پڑھا لکھا قابل مسلمان سوائے اسکے اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ نبی پر خدا کی طرف سے فرشتہ وحی لاتا ہے اور وہ معجزے دکھاتا ہے اور بس یہی نبی کی تعریف عام طور پر سمجھ لی گئی ہے اور اسی کو منشا نبوت کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ نبوت و معجزہ لازم و ملزوم ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے یعنی نبی کے لئے ضرور نہیں ہے کہ معجزہ بھی دکھائے۔ یہ بڑے ہی اہم مسائل ہیں نہ تو یہ سرسری اور معمولی طور پر قلمبند ہو سکتے ہیں اور نہ ان کو معمولی توجہ سے دیکھا جا سکتا ہے بہت کچھ غور و خوض کے بعد کچھ لکھا جاتا ہے اور اُسیقدر دقت کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔

بھی ہے یا نہیں اور کیا ضرور ہے کہ نبی کوئی خاص ہی شخص ہو ہر شخص اپنے فن کا نبی ہو سکتا ہے۔ نبوت اور نبی کے لفظی معنی لے کے خوش فہمی سے اسی پر قناعت کر لی ہے حالانکہ نبوت اور نبی کی اصلی حقیقت پہچاننے کے لئے لفظی معنی کوئی چیز نہیں ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس اصول کو انصاف سے جانچیں کہ آیا یہ الحادی اصول کوئی عاقلانہ بنیاد رکھتا ہے اور کائنات میں اس اصول کو کہاں تک دخل ہے۔

اس کی تحقیق اور جانچ کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہم موجودہ مفروضہ اصول کی اصلیت کو دیکھیں اگر ہمیں اس کی اصل کا پتہ لگ گیا تو پھر ہمیں اختلاف خیالات کا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ قدیم فلسفہ کی تاریخ پر گہری نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ینگ چاؤ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چار صدی پہلے ہوا ہے اس الحادی مذہب کا بانی ہے۔ اور تمام چین میں اسی نے اس الحادی مذہب کی اشاعت نصف صدی میں کامل طور پر کر دی تھی۔ یہ شخص اپنے خیالات میں نہایت دلیر اور مستقل تھا اور اس نے خدا کی مخلوق کو ہر بری سے بری خواہش کی تکمیل پر آزاد کر دیا تھا۔ اس کا اصول تھا کہ جہاں تک انسان کی قدرت میں ہو راحت میں زندگی بسر کرے اور جس صورت سے وہ راحت میں رہ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے وہ ہر کام کے لئے آزاد ہے اور دنیا کا کوئی کام اس کے لئے ممنوع نہیں ہے۔ خوش رہنا چاہئے اور وہ خوشی خواہ کسی طریقہ سے حاصل ہو جائز ہے۔ اس کا مقولہ ہے "جب تک ہم زندہ ہیں تو ہمیں عقل۔ نادانی اور عزت اور ذلت کا امتیاز ہے اور جب ہم مر جاتے ہیں پھر ہمیں ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا اور یہ ساری باتیں رفو چکر ہو جاتی ہیں۔ عاقل اور نادان عزیز اور ذلیل جو پیدا ہوئے ہیں مرینگے بھی ضرور۔ بعض نوعمری ہی میں مر جاتے ہیں۔ نیک اور حکیم بھی مریں گے شریر اور بے وقوف بھی موت کی چاشنی چکھینگے مگر موت کے بعد سب کی حالت یکساں ہو جائے گی نادان ہیں وہ جو اس سے ڈرتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی کا امتیاز قایم رہے گا۔ ایک شخص پیدا ہوا اور جوان ہوا اسے چاہئے ہر ممکن ذریعہ سے اپنے کو خوش رکھے اور جب موت آئے تو مر جائے۔ جب مرنے لگو تو بے پروائی سے کل چیزوں کو دیکھو اور موت کی تکلیفوں کو جوانمردی سے برداشت کرو اور سمجھ لو کہ تم اپنا سفر پورا کر چکے اور اب اپنے کو فنا سمجھ لو۔" پھر یہی فلسفی ینگ چاؤ لکھتا ہے کہ نیکی اور تعریف کوئی چیز نہیں ہے جس کے ثبوت میں اس نے چار حکما کو پیش کیا ہے اور کہتا ہے کہ انہوں نے کس مصیبت سے تکلیفیں اٹھا کے عمر گزاری مگر اخیر نہایت غمگینی سے قبروں میں چلے گئے وہ لکھتا ہے موت تک ان کی بہت ہی شہرت تھی اور ایسی شہرت جو صدیوں تک قایم رہے گی لیکن اس شہرت سے خود ان کی ذات کو مرنے کے بعد کچھ بھی نتیجہ نہیں ملا انہیں چاہے جس قدر مشہور کرو اور چاہے جتنی ان کی تعریف کرو مگر انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے ان کے نام پر جان بھی دیدو گے جب بھی انہیں مطلق خبر نہیں ہونے کی ان کی شہرت ان کی ذات کے لئے ایک درخت کے تنے اور مٹی کے ڈھیلے کی نسبت زیادہ فائدہ نہیں دیسکتی۔ اچھا ان کے مقابلہ میں چار جاہل شریر اور شیطان سیرت آدمیوں کو لو جو کبھی اپنی زندگی میں سیدھے رستے نہیں چلے جنہوں نے کبھی نیکی نہیں کی اور اخیر انہیں اسی حالت میں موت آگئی۔ اپنی موت کے زمانہ تک تو ان کی شہرت بدکاری اور جور و ستم میں تھی لیکن فی الحقیقت کسی قسم کی شہرت سے اصلی خوشی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر انہیں لعنت ملامت کرو گے تو انہیں خبر نہ ہوگی ان کی تعریف کرو گے

فطرت کے راز جن کی تلاش اور تحقیق نے دنیا کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا ہے معرض زوال میں آگئے ہیں اور روز بروز اُن پر تاریکی چھائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ علوم جدیدہ کی بڑی سرگرمی سے حمایت کر رہا ہے اسی طرح ہندوؤں میں ایک جدید مذہب کی اشاعت نے اپنا بالکلیہ دارومدار علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر سمجھ لیا ہے۔ بانیان مذہب کے اصلی خیالات کو مٹایا جا رہا ہے اور اُن کے نئے عقاید کی خلق اللہ میں اشاعت دی جا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کی توجہ اس بات کو ثابت کر دے گی کہ جن خیالات کی اُن بزرگوں سے نسبت دی جاتی ہے ان کی ہوا تک اُنہیں نہیں لگی تھی اور وہ اس سے مطلق واقف نہ تھے کہ آئندہ وہ اس بھیانک صورت میں پیش کئے جائیں گے۔ کلوں کی ترقی اور جدید صنعت کی روز افزوں اشاعت نے سب کی توجہ فطرت کے رازوں پر غور کرنے سے پھیر لی ہے اور اب یہ تعلیم یافتہ گروہ کے لئے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے کہ قدیم خیالات کی حمایت کریں اور اُن کی اشاعت اسی سرگرمی سے کریں جو اُن کے اب و جد نے کی تھی۔ اگر علوم جدیدہ نے بجلی سے کام لیا یا پانی اور ہوا کو جو فطرت کی زبردست قوتیں ہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس سے یہ کیوں کر لازم آتا ہے کہ ان ظاہری قوتوں میں کوئی راز ہی کی بات نہیں ہے اور جو کچھ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں بس یہی ان کی کائنات ہے۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے جو عالمگیر ہو رہی ہے اور جس نے قوانین قدرت کے راز میں جستجو کرنے والوں کو شکستہ خاطر بنا رکھا ہے۔

علوم جدیدہ انکار کرتے ہیں کہ روح اور قوت روح اور فطرت کے راز کوئی چیز نہیں ہیں جو کچھ مشاہدہ میں نہیں آتا وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔ یہ خیالات کچھ علوم جدیدہ ہی نے پیدا نہیں کئے ہیں بلکہ ان خیالات کا ظہور حضرت مسیح سے کئی صدی پہلے دنیا کی غیر متمدن اقوام میں ہو چکا تھا اور ہر زمانہ میں ان خیالات کا کچھ نہ کچھ اثر رہا۔ خود حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں ایسے لوگ موجود تھے جن کا عقیدہ خدا اور اُس کی لازوال قوتوں اور فطرت کے رازوں پر مطلق نہ تھا اور جس طرح علوم جدیدہ کے ماہران خیالات پر اب مضحکہ اُڑاتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی جو صحرائی وحشی تھے اور جنہیں تمدن کی مطلق ہوا تک نہ لگی تھی مضحکہ اُڑایا کرتے تھے وہ موت کو زندگی کا اختتام خیال کیا کرتے تھے اور ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا ایمان ان دیکھے خدا اور اس کی فطرت کے رازوں پر ہو۔ علوم جدیدہ نے کوئی بھی نئی بات پیش نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی تقلید کی ہے جو انسانی فضیلت سے معرا اور انسانی اشرفیت کے دامن پر مثل داغ کے نمایاں ہیں۔ بہرحال ہم علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اُن کے خیالات کی گہرائی کتنی ہے اور وہ کتنے پانی میں ہیں۔ صرف ایک مادہ مانا جاتا ہے اور اسی کی ریشہ دوانی تمام کائنات میں تسلیم کی جاتی ہے خیالات اور انسانی جذبات اسی مادہ کی ترقی یافتہ صفات ہیں۔ خدا اور بقا خواب و خیال ہیں۔ سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارا خدا کہاں ہے؟ وہ کیا کرتا ہے اور کب سے زندہ ہے؟ ان خیالات نے اگرچہ اہل ہند پر پورا اثر نہیں کیا ہے پھر بھی اُن کے خیالات میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور اس انتشار سے پریشان ہو کے انہوں نے نبوت اور معجزہ سے انکار کر دیا اور اس انکار ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ انہیں اس میں شک ہونے لگا آیا نبوت کوئی چیز

اور کہا ہر چیز آگ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اخیر ڈیموکریٹس پیدا ہوا اور اُس نے اس الحادی اصول کی بنیاد ڈالی جس کی یورپ بڑی سرگرمی سے تقلید کر رہا ہے۔ اس حکیم کا بیان ہے کہ مادہ قدیم ہے اور اس میں اسی صفت کے اجزائے لایتجزیٰ ملے ہوئے ہیں جن کی کبھی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ اُن اجزا کی شکل وصورت باہم بہت ہی مختلف ہے۔ ان اجزائے لایتجزیٰ میں اُس نے عرصہ قایم کیا اور اُن کی تقسیم ناممکن قرار دی اور پھر اُس نے یہ کلیہ بنایا کہ کائنات اجزائے لایتجزیٰ اور عرصہ سے بنی ہوتی ہے اُس میں خلا بھی ہے اور نہیں بھی ہے اشیا کی اشکال کا اختلاف محض ان اجزائے لایتجزیٰ پر موقوف ہے جو اُن میں موجود ہیں مثلاً پانی کے اجزائے لایتجزیٰ چکنے اور گول ہیں اور بہت ہی ڈھیلے بنے ہوئے ملے ہوئے ہیں مگر لوہے کے اجزا نہایت ناہموار اور غیر مسطح ہیں۔ انسانی روح انسانی جسم میں اپنا علیحدہ ایک جسم رکھتی ہے جو لطیف اجزائے لایتجزیٰ سے بنا ہوا ہے۔ اجزا کی حرکت اور شکل اختیار کرنے کی اس طرح توضیح کرتا ہے کہ ان کی تمام حرکت اور مختلف اشکال اختیار کرنا محض فطرت اور قانون کی ضرورت سے ہوتا ہے۔ جس وقت ضرورت پیدا ہوتی ہے وہ چیزیں خود بخود بنکے تیار ہو جاتی ہیں یہ اجزا ایک بے پایاں عرصہ میں گرنے شروع ہوتے ہیں اور اسی میں نئی نئی اشکال اور قبضہ اختیار کرتے جاتے ہیں گرنے میں ایک کو دوسرے سے ہچکولا لگتا ہے اور اس سے کل اجزا ادہر اُدہر پریشان ہو جاتے ہیں اور پھر وہ گھومنا شروع کرتے ہیں پس اسی صورت سے ہزاروں عالم قایم ہوگئے سمندر بن گئے زمینیں پیدا ہوگئیں اور پودے جانور اور آدمیوں کا ظہور ہوگیا۔

یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ جب ڈیموکریٹس یہ خیالات پھیلا رہا تھا اُسی زمانہ میں انکزیگورس پیدا ہوا جس نے ان تمام اصول کو مہمل اور ان سارے خیالات کو بے بنیاد ثابت کیا اور صدیوں تک ان کا باہم جھگڑا ہوتا رہا آخر اس حکیم نے بیان کیا کہ قدرت کا ایسا باقاعدہ انتظام اور انسان کی اس خوشنما شکل وصورت کی بنانے والی ضرور ایک ہستی ہے جس میں ادراک اور ضمیر دونوں ہی ہیں۔ اسی حکیم نے گویا یہ اصول پیدا کیا اور اسی زمانہ سے گویا کائنات کے موجد کا خیال پیدا ہونے لگا عقل کا یہ سلسلہ ایسا صاف اور سیدھا ہے کہ انسان اول ہی خیال میں اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے ایک تفحص کناں ضمیر کے لئے اگرچہ بہت کچھ کذب اور فاسد خیالات اُسے رستہ سے بھٹکاتے ہیں پھر بھی فطرت خود بخود صداقت کا رستہ کھول دیتی ہے ابھی نفس اور ادراک محض اپنی طفلانہ حالت میں تھا کہ تھیلس نے خیالات سے مافوق الفطرت مادہ کو نکالنا چاہا مگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ پسندیدہ رایوں کے نکتہ چینوں کے قضیہ سالیہ نے انسانی ضمیر اور مذہبی یقین کی ہمیشہ نیک خدمت انجام دی ہے۔ تھیلس کی کوشش یہ تھی کہ یونانیوں کے مذہب پر بالکل جھاڑو پھیر دوں اگرچہ اس خیال میں اُمید کے موافق کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی یہ تو ہوا کہ کوہ اولمپس پر سے یونانیوں کے فاسد خیالات کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کے لیگیا انکزیگورس گیا اور اس نے ایک بے پایاں دانائی کو خدا خیال کیا اور سمجھا کہ عین دانائی کے معنی خدا ہیں۔ سقراط۔ افلاطون اور ارسطو نے اس خیال پر کافی التفات کیا اور یہ عقیدہ نسلاً بعد نسلاً نشو ونما پاتا رہا یہاں تک کہ موجودہ زمانہ میں تجے ایس مل نے بڑی زبردست دلیلوں سے خدا کی اُس ہستی پر بحث کی جسے انسان کی عقل تراش سکتی ہے ارسطو کا مذہب خدا کی ہستی کی بابت یہ ہے حیوانات اور فطرت میں

تو انہیں معلوم نہ ہو گا۔ اُن کی بدنامی اُن کے آگے ایک درخت کے تنے اور مٹی کے ڈھیلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی"۔

ینگ چاؤ کا یہ اصول کچھ انوکھا نہیں ہے صدہا لوگوں کے ایسے خیالات اُس زمانہ میں تھے اور اب بھی ہیں جن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ کی اشاعت سے پہلے بھی ان خیالات سے ہمارے دماغ اور ان مانندہ آوازوں سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ ینگ چاؤ کے ملحدانہ خیالات جن کی بنا انسانی ذلیل حالت پر رکھی گئی ہے انسانی زندگی کے مفہوم سے سخت متغایر ہیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ ان ذلیل اور ادنے خیالات کی مقبولیت کا مادہ لوگوں میں بہت پایا جاتا ہے اور عام طور پر ان کی تائید اگر زبان سے نہیں کی جاتی تو سر تو ضرور ہی ہلا دیے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندو فلسفہ کا اصول یہی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں خواہ یہ اصول ہو یا نہ ہو لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ ہندو فلسفہ جیسا وسیع ہے اسیقدر غیر مشخص ہے اور آجتک کسی نے اُس کے خاص اصول نہیں بتائے۔ کہتے ہیں کہ دہریے بھی ہندو ہیں۔ بت پرست بھی ہندو ہیں۔ ستارہ پرست بھی ہندو ہیں اور پانی کی پرستش کرنے والے بھی ہندو ہیں۔ ہر مذہب میں فروعات میں اختلاف ہوا کرتا ہے مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندو مذہب میں اصول میں بڑا اختلاف ہے اور اب تک کوئی مستقل صورت ہندو مذہب کی قایم نہیں ہوئی۔ آریا تو کل سے پیدا ہوئے ہیں لیکن قدیم سے جتنے گروہ ہندوؤں کے ہندوستان میں ہیں سب کا نیا مذہب اور نئے اصول ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ سب کے اصول جدا سب کے خیالات الگ اور سب کے معبود علیحدہ ہر شخص نے اپنی پسند کے موافق ایک رستہ اختیار کر لیا ہے اور اُسی پر آنکھیں بند کر کے چلتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے معبودوں کی تعداد خود اُن کے شمار سے بھی زیادہ ہے۔

مگر یورپ کی موجودہ الحادی خیالات کا ذریعہ یونان کو سمجھنا چاہیے حضرت مسیح علیہ السلام سے سات صدی پہلے یونان میں تھیلس فلسفہ کا قبلہ و کعبہ سمجھا جاتا تھا اُس نے علت و معلول کی تحقیق میں بڑی جانفشانی کر کے اس کے ابتدائی اصول مرتب کیے۔ اُس نے اور لوگوں کی طرح ہومر اور ہیسی آد کے وحشی فسانوں پر تکیہ نہیں کیا نہ اس نے ان سوالات کے جواب دینے میں تامل کیا جو اشیا کی اصلیت کی بابت خود اس کے دماغ سے پیدا ہوئے۔ اس کے مرتبہ اصول اور علی التواتر علمی تحقیق کا اخیر یہ نتیجہ نکلا کہ کائنات میں ایک مستقل اور اصلی چیز پانی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ غالباً اس حکیم نے اسلئے پانی کو کائنات کا لب لباب قرار دیا ہے کہ تمام اشیا کے بیجوں میں رطوبت موجود ہے تمام نشوونما صرف رطوبت ہی سے ہوتی ہے۔ حرارت خود رطوبت سے پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے زندگی"۔ یہ اصول موجودہ زمانہ میں کس قدر طفلانہ سمجھا جائے گا۔ لیکن اس زمانہ میں انسانی دماغی ترقی کا ایک اعلے درجہ کا نمونہ تھا اور تمام علمی مشاہدات کا حقیقی اصول تھا تھیلس کے بعد اینکزی ماندر پیدا ہوا جس نے یہ اصول قرار دیا کہ مادہ تمام اشیا کی ابتدا اور انتہا ہے لیکن مادہ خود ایک غیر معین چیز ہے پھر حکیم اینی زمینس ہوا جس نے قرار دیا کہ ہوا ہی ہے جو کچھ ہے اور اس میں دانائی اور شعور دونوں ہیں لیکن ہیر قلیتس ان تمام اصول سے مخالف تھا بلکہ اس نے آگ کو اپنا معبود بنایا

اُس کا اصول یہ ہے کہ رسائی ذریعہ سے کوئی چیز نہیں پہنچی صرف فطرت چیز کو اس کی خاص حالت میں کر دیتی ہے اور کوئی چیز کبھی فنا نہیں ہوتی یہ اجسام جن میں عرصہ پایا جاتا ہے ہر گز پارہ پارہ نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی ان کی صورت میں فرق آئے گا۔ یہ قدیم میں اور قدیم ہی رہیں گے وہاں ایک عرصہ ہے جس میں خلا ہے۔ اگر خلا نہ ہوتا تو بغیر ذرائع اور وسائل کے بھی چیزیں حرکت کرتیں کیونکہ اجسام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے سد راہ ہوتے رہیں اور تمام اجسام کی مخالفت کرتے رہیں اس عرصہ کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا ہے۔ سوائے خالی عرصہ کے اور کسی تیسری فطرت کی ہستی نہیں ہے۔ کوئی تیسری چیز نہیں ہے جس کا کبھی بھی ادراک ہو سکے یا جسے کوئی شخص اپنی عقل سے پہچان سکے۔ اور جو چیزیں کہ دیکھتے ہیں وہ سب یا تو ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور یا ان ہی کا سایہ ہیں۔

غرض جہاں تک ان قدیم الحادی اصول کو جانا جائے گا یہ معلوم ہو جائے گا کہ علوم جدیدہ نے الحاد کے جو جو اصول قایم کئے ہیں اُن میں ایک بھی نئی بات نہیں ہے۔ پروفیسر ٹنڈل نے اپنی کتاب میں یہ فقرہ لکریٹیس کا نقل کیا ہے "بغیر معبودوں کی امداد کے فطرت اپنا کام کرتی ہے" یہ خیال لکریٹیس کا تھا اور اس خیال کی اشاعت آج ترقی یافتہ بر اعظم یوروپ میں ہو رہی ہے۔ لکریٹیس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اجزائے لایتجزی کیوں کر ایک جگہ مجتمع ہو گئے اور فطرت کی ساخت کب ہوئی حکیم مذکور یہ تو جانتا ہی تھا کہ حرکت ایک جسم کو دوسرے جسم پر لگنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس نے اس سوال کا کہ جسم کو کون شے حرکت دیتی ہے "نہیں دیا۔ عرصہ تو حرکت دے ہی نہیں سکتا اور ساتھ ہی وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے کہ سوائے عرصہ اور خلا کے اور بھی کوئی چیز ہے اور اسی بنا پر وہ دلیری سے کہتا ہے کہ اجزا میں خاصیت حرکت کرنے کی ہے میل مرکزی کے تھوڑے بہت علم سے بھی وہ واقف تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ تمام اجسام اپنے وزن سے گر پڑتے ہیں جب تک کہ اُن کو کوئی تھامنے والا نہ ہو۔ اسی بنا پر مثل ڈیموکریٹس کے اس نے اشیا کی ابتدائی حالت کی تصویر کھینچی ہے جس میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے پایاں عرصہ میں اجزائے لایتجزی کی آبشار گر رہی ہے۔ اب خیال ہو سکتا ہے کہ زمانہ حال کی تحقیق کے آگے یہ خیال کیسا لغو اور بیہودہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ عرصہ میں نشیب و فراز کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ فراز کے معنی ہیں کہ ہم میل کشش کے زمینی مرکز سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے نشیب و فراز کے خطوط جن سے ہم واقف ہیں متوازیہ نہیں ہیں جیسا کہ لکریٹیس کا خیال ہے بلکہ عرصہ میں ہر ممکن سمت سے دائرہ کا محیط فراز کی طرف جاتا ہے۔ لکریٹس کو اگرچہ ناکامی نصیب ہوئی پھر بھی اسنے مفروضہ اجزا کے حرکت دینے کے لئے بڑے ہی عقلی جوڑ توڑ لگائے ہیں۔ ڈیموکریٹس کا قول ہے کہ جب اجزا خلا میں سے ہو کے ایک خط مستقیم میں گرتے ہیں تو بڑا جزو بہ نسبت چھوٹے جزو کے تیز چلتا ہے اور پھر وہ چاروں طرف پریشان ہو کے باہم ملجاتے ہیں اور اُن کے ملنے سے دنیائیں قایم ہو جاتی ہیں۔ مگر ارسطو نے اگرچہ طبیعات میں اس سے صریح غلطیاں ہوئی ہیں اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک کامل خلا میں جس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو چھوٹے اور بڑے اجزا ایک ہی حالت میں گریں گے اور کبھی باہم مس نہ کریں گے۔ مگر یہ اجزا خط مستقیم میں نہیں گرتے۔ تم خود ہی خیال کرو (ارسطو کہتا ہے) کہ وزنی اجسام کو بغیر حرکت دیئے کبھی
کون ہے جو اجزا کو دیکھ سکتا ہی کہ اجزا اپنے سیدھے رستہ کے دور سے ذرا بھی کسی طرف

صرف ایک ضمیر ہے جو دنیا کے سلسلہ کی علت غائی ہے جو بالکل اس کے ساتھ ہم آہنگی کرتی ہے اور اسی کا ظہور انسان میں حواس خمسہ بن کے ہوتا ہے جس کا خیال ابتدا میں کسی کو بھی نہ آیا تھا۔"

ڈیموکریٹس کے بعد صوفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جس کا یہ اصول تھا کہ صدق اور کذب نیکی اور بدی کی ہستی بغیر جماعت کے قایم نہیں رہ سکتی ان کا عقیدہ تھا کہ انسان میں سوائے اپنے خیالات کے دوسری اشیا کے جاننے کی طاقت ہی نہیں ہے۔

پھر سقراط پیدا ہوا جس نے اپنے ضمیری جوہروں سے بہت کچھ نئے اصول قایم کئے۔ اس خیال میں اس نے انکر یگورس کی تائید کی کہ انسانی خیال ہی میں فہم و ادراک مدفون ہے اور روح جسم سے زیادہ قوی ہے اور یہ جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ وہ زور دیکے بیان کرتا ہے کہ انسان ایک خلاقی فطرت اور یقین کا نام ہی انصاف اور قدیم وغیر فانی ضمیر کا نام خدا ہے جو سب پر حاکم ہے انہیں راستبازی اور نیکی انسان کیلئے چھپی ہوئی ہے جو جستجو کرنے سے مل سکتی ہے۔ اُسکے شاگرد افلاطون اور پھر ارسطو نے بھی اسی کی تقلید کی اور سب نے اپنے نئے نئے خیالات قائم کیے لیکن یہ ضرور ہوا کہ ان دونوں اُستاد شاگردوں نے الحاد کے اصول سے سخت مخالفت کی اور اُن کے خیالات نے انسانی نسلوں کو بہت ہی فائدہ پہنچایا۔ باینہمہ ان کے خیالات زیادہ مقبول نہیں ہوئے اور کامل طور پر حضرت مسیح سے پہلے الحادی اصول عام مقبول رہے۔ اپی کیورس اور لکریٹس نے ان خیالات میں اور بھی جان ڈال دی اور اخیر یہ مقولہ زبان زد ہوگیا کہ "راستبازی چیز ہی کیا ہے"۔ اپی کیورس نے یہ تعلیم کی کہ شادمانی زندگی کا ایک عظیم اختتام ہے دانائی صرف اسلئے ہی تا کہ خوشی حاصل کرنیکے رستے بتائے اور تدابیر پیدا کرے۔ راستبازی کی جستجو انسانی اولوالعزمی کو برباد کردینے والی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ معبودوں کے خوف کو دل سے اُڑا کے خوشی کی طرف اپنا خیال رجوع کرے۔

الحادی مذہب کا سب سے بڑا امام لکریٹس رومی ہوا ہے۔ اس میں قوت بیانیہ کی ایک عجیب طاقت تھی اور اس کی نظم جو اشیا کی فطرت پر تصنیف کی ہے ایک غیر معمولی ولفریبی اپنے ساتھ رکھتی ہے اور اس کا علمی دنیا میں بہت ہی چرچا ہے۔ اس کا خیال کسی علمی بنیاد پر نہ تھا اور نہ اس کے اصول سے کوئی معتدبہ فائدہ اس کی ذات کو پہنچ سکتا تھا اس کا منشا صرف یہ تھا کہ انسان اُس مصیبت سے بچ جائے جو آئندہ عذابوں سے اُسپر آتی ہے اور وہ عذابوں کے فرضی خیالات سے پیدا جاتا ہے اُس نے دیکھا کہ اس کے اہل ملک کے مذہبی خیالات میں سوائے بزدلی اور ناتراشیدگی کے ہمت اور شائستگی کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ یونان اور روستہ الکبریٰ کے معبود اپنے پرستش کرنے والوں کو جرائم سے نہیں بچا سکتے بلکہ اُن کے خیالات میں آئندہ تکالیف کی تاریکی کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے۔ اس کا یقین تھا کہ اس قسم کا یقین مشتبہ ہے اس نے اپنی نظم میں ان معبودوں کی ہجو لکھی ہے اگرچہ مذہبی خیال لوگوں نے اس کی اس نظم کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے خواہ کوئی مافوق الفطرۃ انسان ہو یا نہ ہو لیکن اُس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ سلسلہ قدرت کو بدل سکے یا برباد کرسکے۔ اور مرنے کے بعد صرف یہی ہوتا ہے کہ جن اجزا کا انسان بنا ہوا ہے وہ علیحدہ علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ موت اُنہی کو تکلیف دیتی ہے جو آئندہ عذاب و ثواب کے قائل ہیں اور جنکے یہ بے بنیاد خیالات ہی نہیں ہیں وہ موت کی پرواہی نہیں کرتے۔

کی تکمیل نہیں ہے۔ اور اگر قوانین قدرت کا سبق پڑھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تکمیل ہو چکی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ جدید تحقیقات میں صدہا جانیں اور کروروں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے اور تمام عالم کو چھان ڈالا ہے۔ کائنات کے علم کی تکمیل تو ایک طرف رہی ابھی اس زمین کی پوری تحقیق نہیں ہوئی جس پر ہم رہتے ہیں۔ ہمارے جغرافیہ کے علم کا بہت حصہ محض فرضی اور ناقابل تسلیم ہے۔ ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ جغرافیہ کی تحقیق میں خامی نکلتی ہے اور اس کی بعد ازاں اصلاح کی جاتی ہے۔ نہ ہمیں ابھی تک افریقیہ کا حال معلوم ہوا ہے نہ چین کا نہ بحر منجمد کے پار ہم جا سکے ہیں نہ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ پر چڑھ سکے ہیں ہماری مجبوری اسی سے عیاں ہے اور ہماری کمزوری کے لیے یہی کافی شہادت ہے۔

تو کار زمیں رانکو ساختی ❊ کہ با آسماں نیز پرداختی

بہر حال جو کچھ ترقی ہوئی وہ غنیمت ہے اور جو کچھ فطرت کی ظاہری قوتیں قبضہ میں آئی قابل تعریف ہیں مگر ہنسی تو اُس وقت آتی ہے کہ جب ایک شخص کی سمجھ میں فطرت کا راز یا قوانین قدرت کی کوئی باریکی نہ آئے یا اور کوئی نازک مسئلہ خیال میں نہ آئے اور وہ بہت جلد بول اُٹھے کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ جن باتوں کو آج قانون قدرت کا مخالف بیان کیا جاتا ہے کل بھی اُن کی یہی کیفیت رہے گی اور کون یقین کر سکتا ہے کہ جن اصول کی علوم جدیدہ آج حمایت کر رہے ہیں کل بھی اسیطرح اُن کی حمایت کرتے رہیں گے۔

دنیا فی الحقیقت ایک باغ ہے جس میں صدہا قسم کے پھول لگے ہوئے ہیں اور سب کی خوشبو الگ الگ ہے ہزاروں گروہ ہیں اور سب کے عقاید محسوسات۔ معاشرت۔ خصوصیات علیحدہ علیحدہ ہیں ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے علوم جدیدہ والے قدیم خیالات کے لوگوں پر مضحکہ اُڑاتے ہیں اور قدیم خیالات والے اُنہیں مجنون سمجھتے ہیں ثالث بالخیر ہونا چاہیے اور اسی کا ملنا کٹھن ہے۔ دنیا میں ایک بہت بڑا گروہ موجود ہے جو کئی ہزار برس سے چلا آتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خدا ہے۔ یا کل کائنات خدا ہی ہے ہم بے شمار اشیا کی گوناگونی اور اُن کی تبدیلیاں دیکھتے ہیں اور جو علے التواتر حرکت اور تبدیلی کے ساتھ دست و گریبان رہتی ہیں۔ ان کے تمام اختلافات اور تبدیلیاں ضمیری نقص کی عجیب یگانگت سے صاف معلوم ہو جاتی ہیں۔ ملحدوں کا تو یہ مذہب ہے کہ ان تمام حادثات کا ظہور اس خاص چیز سے ہوتا ہے جسے مادہ کہتے ہیں۔ اور توحید کی تلاش کرنا گویا کائنات کو گھٹا کے اجزائے لایتجزیٰ کی انتہائی تعداد تک پہنچا دیتا ہے "عالم کو خدا ماننے والے کہتے ہیں "تمام یہ حادثات طبیعہ منظر یا سایہ ہیں صرف ایک چیز کے جسے خدا کہتے ہیں خدا کی کوئی حد پایاں نہیں اندر باہر خارج داخل سوائے اُس کے کچھ بھی نہیں ہے اسلئے جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے" اس عقاید کے بعض علما کا یہ قول ہے کہ مادہ در اصل کوئی چیز ہی نہیں ہے صرف ہمارے ضمائر کا ایک خیال ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ مادی دنیا خدا کا جسم ہے۔ بے پایاں روح اسطرح سے سلسلۂ فطرت میں عیاں رہتی ہے جیسے کہ انسانی جسم میں۔ مگر سب سے زیادہ دلفریب خیال یہ ہے جس سے زیادہ دلچسپ اس عقیدہ کی کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا مثلاً اُن کا خیال ہے کہ وقوف کا نام خدا ہی وہ فکر ہی ہے اور باخبر روح بھی ہے۔ سب چیزوں سے بڑا ہے۔ اور اُن کی اپنی قوت سے رہنمائی کرتا ہے۔ مگر جو اُن کا اصلی اور حقیقی اصول ہے وہ یہ ہے۔ سوائے سلسلۂ فطرت کے خدا میں زندگی نہیں

کہ جن حکما پر اب نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اور اُن کی رایوں پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے وہ اپنے زمانہ میں بہت بڑے نامور تھے
اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان سے زیادہ عقلمند کوئی پیدا ہی نہیں ہوا جو ان کے اصول ہیں وہ کبھی نہیں بدلے جا سکتے مگر
موجودہ زمانہ میں اُن کے اصول کو محض طفلانہ شیریں کلامی سے زیادہ وقعت نہیں دیجاتی یہی کیفیت آئندہ زمانہ میں
ہمارے موجودہ مفروضہ اصول کی ہوگی اور ہماری اولاد ہمارے خیالات پر ہنسیگی ہمیشہ سے یہ چلا آتا ہے اور ہمیشہ تک
یہی ہوتا چلا آئے گا۔ مگر دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جن اصولی عقائد کے ساتھ خدا کی مرضی بھی شامل رہی ان کی صدیوں سے
ایک حالت ہے وہ نہ کبھی بدلتے ہیں نہ بدلیں گے اور اُن میں نہ کوئی تبدیلی پیدا کر سکا نہ کسی کو آئندہ تبدیلی پیدا کرنے
کی جرأت ہوگی۔ دنیا کیوں کر بنی اور کب بنی یہ سب بے نتیجہ خیالات ہیں نہ اسے کوئی ثابت کر سکتا ہے نہ آئندہ کر سکے گا۔
ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ رائے ہے اور باہم فلسفیوں میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ عظیم اختلاف خود اسباب کی شہادت دیتا
ہے کہ یہ اصول ہی سرے سے لغو ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ صحیح ہے کہ طبیعات کے اصول میں قدیم فلسفیوں کی اغلاط
کی اصلاح کی ہے مگر علوم جدیدہ کیا اُمید رکھ سکتے ہیں کہ آئندہ نسلیں اسی طرح اُن کے مفروضہ اصول کی اصلاح نہ کرینگی۔
مِل اور ڈارون کے موضوعہ اصول فی زماننا ایک حد تک یورپ نے تسلیم کر لئے ہیں مگر حقیقت کا ابھی تک پتہ نہیں لگا
ہے اور مذہبی گروہ جو اسی آب و ہوا میں رہنے والا وہی دماغ رکھنے والا اور وہی خون اُس کی رگوں میں ہے بہت شد و
مد سے تردید کر رہا ہے کسی ایک خیال کا پابند ہونا یا کسی کی آنکھیں بند کر کے تقلید کرنا سخت نادانی ہے ہم نے مل کی
کل تصنیفات بغور دیکھی ہے ہم نے ڈارون کے موضوعہ اصول پر بخوبی توجہ کی ہے ہم نے یونانی حکما کے خیالات
پر مدتوں غور کی ہے مگر اخیر میں جو سوال ہمارے دل سے پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیں کہ
تمام دنیا کے یہی خیالات ہو جائیں تو انتظام کی کیا کیفیت ہو اور اخلاقی اثر کس قدر معدوم ہو جائے۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے
کہ جن چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ایک توان کا جسم ہے جو ہمیں معلوم ہوتا ہے اور ایک ان کی خاصیت ہے
جو ہمیں تجربہ سے معلوم ہو جاتی ہے اور ایک راز ہے جو نہ ان ظاہری آنکھوں سے معلوم ہو سکتا ہے نہ تجربہ سے
بلکہ روشن ضمیری اور فیضان الٰہی سے۔ اگر ڈارون نے فرض کرو کہ یہ ثابت کر دیا کہ پودہ اور آدمی کی زندگی کی بہت سی
حالتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور آدمی ترقی یافتہ بندر ہے پھر بھی وہ کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکا جس سے اُس کا
آخر الذکر اصول تسلیم کر لیا جاتا۔ علوم جدیدہ نے ہمیں تعلیم کی ہے کہ جو چیز مشاہدہ میں نہ آئے وہ ہرگز تسلیم کرنے کے
قابل نہیں ہے۔ جب تک ڈارون ایک بندر کو انسان بنا کے نہ دکھا سکے ہرگز اُس کے مفروضہ اصول پر یقین
نہیں ہو سکتا۔ بہرحال انسان کی ساخت خواہ کسی صورت سے ہوئی مگر علوم جدیدہ ابھی تک اُن جوہروں کا پتہ نہ
لگا سکے جو اس کی ذات میں مضمر ہیں۔ قوانین قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود کرنے کا نام عقلمندی نہیں ہے
فوراسحق نے نہایت انصافانہ طور پر لکھا ہے کہ باایں جد و جہد اور ترقی مجھے قوانین قدرت کی ابجد خوانی بھی ابھی نہیں
آئی بعد و رہیں مثل اُس شخص کے ہوں جو سمندر کے کنارہ پر پڑا ہوا چمکتی ریت میں ہاتھ پیر پٹیتا ہے ان معمولی مشاہدات
سے بلاواسطہ یا بواسطہ بغیر ابر کے پانی نہیں برستا اور بغیر بوئے غلہ پیدا نہیں ہوتا اور بغیر پانی پیئے پیاس نہیں بجھتی قوانین قدرت

پیدا ہوا کہ اگر کوئی بے پایاں ذات موجود ہے تو پھر اور چیزوں کی ہستی کیسی۔ اگر کہو کہ کچھ ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ کچھ زیادہ بھی ہوسکتی ہے لیکن جو کچھ بے پایان ہے وہاں اس سے بھی زیادہ ہونا چاہئے بس اس کا جواب یہ ہے کہ جو بے پایاں سے زیادہ چیز ہے وہ ایک ہی ذات ہے۔ اگر ضمیر کو اس میں کچھ پریشانی ہو تو تعجب نہ کرنا چاہئے واقعات اگرچہ بدیہی ہیں مگر ان کا عقلی طور پر سمجھنا بعض اوقات پریشانی میں ڈالدیتا ہے پریشانی فی الحقیقت کلامی ہے۔ مثلاً ہم یہ کہیں کہ بہت سی اشیا مختلف قسم کی بے پایاں ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کو جگہ سے نہیں ہٹاسکتیں۔ بے پایاں قوت بے پایاں عرصہ کے ساتھ مجتمع ہوسکتا ہے ضمیر جیسا کہ بہت سے عاقل یورپیوں کا خیال ہے مادہ کو عرصہ سے جگہ سے بے جگہ نہیں کرسکتا۔ بے پایاں محبت بے پایاں دانائی کو خارج نہیں کرسکتی اور نہ قوت نیکی کو نکال سکتی ہے پھر دوسری صورت سے خیال کرو بے پایاں اشیا میں بہت سی بے پایاں خاصیتیں ہیں اور اُن پر بلاحد بدارج اُن کا قبضہ ہے۔ یہی خاصیتیں اپنے ساتھ دنیا میں پیدا کرنے کی قوت شامل رکھتی ہیں جو پیدا ہوا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خود ہی ظہور میں آیا ہو۔ جو کچھ ہے گزر جائے گا اس کا صانع اسی طرح برقرار رہے گا۔ ان ہی خاصیتوں میں ایسے با وقوف نفوس کے پیدا کرنے کی قوت ہے جو اس قابل ہیں کہ تعلیم پائیں اور شائستگی سیکھیں۔ حاصل کلام یہ کہنا پڑے گا کہ ایک ذات ہے ہاں اگر اسکی قوتوں سے انکار کیا جائے تو یہ ایک بے معنی سی بات ہوجائے گی کیوں کہ انکار کرنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ بے پایاں کیا ہے اور اسے کیوں بے پایاں کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے جو کچھ خدا کی ہستی پر بحث کی ہے وہ ایک ایسی عاقلانہ توضیح ہے کہ اُس سے بہتر ممکن نہیں نہ تو عیسائیوں کی طرح یہ کہا ہے کہ خدا محبت ہے اور نہ دانایان ہنود کی طرح صرف یہ کہدیا ہے کہ بس ایک ذات کا نام خدا ہے اور اُسے برہما کہتے ہیں بلکہ اس طرح سمجھایا ہے کہ ایک جاہل سے لے کے حکیم تک اپنے حقیقی خالق کی عظمت دلپر جم جائے اور اُس کی جبروت خداوندی کا ایک سچا نقشہ اُس کی آنکھوں کے آگے کھچ جائے۔ اس سے بہتر نہ کوئی سمجھا سکتا ہے اور نہ کسی نے سمجھایا۔ ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ کل انسانی صفات خدا پر اُڑہا دی ہیں اور اس لئے مسلمانوں کا خدا مثل ایک انسان کے ہے مگر یہ بات نہیں ہے معترض اتنی سی موٹی بات کو نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ رحیم کریم وغیرہ کے الفاظ محض مجاز کے طور پر آتے ہیں حقیقت سے ان الفاظ کو جب وہ انسان کے لئے مستعمل ہوں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر جب ان کا استعمال برحق خالق کے لئے ہوتا ہے تو ان الفاظ کے حقیقی معنی لیتے ہیں۔ اگر مسلمان عیسائیوں سے یہ سوال کریں کہ خدا محبت ہے اس کے کیا معنی ہوئے؟ اور آیا خالق کائنات انسان کی طبیعت کا ایک ادنے جذبہ بن سکتا ہے کیونکہ محبت طبع انسانی کا ایک خیال یا جذبہ کا نام ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندو جسے برہما اور پان کہتے ہیں اگر اسے ذات واحد مان لیں تو اور معبودوں کی نسبت کیا خیال کریں۔ بہت سے ہندو فلسفی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے خارجی عالم کو محض اپنی ذات کا ایک خیال تصور کیا ہے اور کہتے ہیں جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں اُن میں سے ایک بڑے فاضل کا یہ قول ہے "میں خیال کرتا ہوں اس لئے کہ میں ہوں" لیکن یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا عقیدہ ایک عاقل اور بالغ شخص کو مطمئن نہیں کرسکتا۔ اگر تنہا ایک

ہے۔ اس لئے کہ وہ صاحب وقوف نہیں ہے اور جتنے لوگ صاحب وقوف ہیں وہ گویا خدا کے ہی حصے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں اور اُن میں سے ہر شخص کا یہ قول ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی شے میرے سوا نہیں۔"

اب ہندوؤں کی حالت اور اُن کے مذہب پر خیال کیا جائے عام طور پر لوگ اُنہیں ناسمجھ بت پرست سمجھتے ہیں مگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اس بت پرستی کا سلسلہ ایک قدیم فلسفہ سے نکلا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہندو علم ادب کا علم ہمیں براہ راست نہیں ہے انگریزی علما کے طفیل سے ہمیں وید سے واقفیت ہوگئی ہے اگرچہ ہم اسبات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وید کا ترجمہ صحیح صحیح کیا گیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آجتک کسی ہندو کو اس پر نکتہ چینی کرنے کا موقع نہیں ملا اس لحاظ سے ویدوں کا ترجمہ بہت صحت کے ساتھ کیا گیا ہے جرمنیوں نے اور بھی زیادہ تحقیق کی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یورپ میں جس قدر سنسکرت جاننے والے ہیں ہندوستان میں ایسے کم نکلیں گے۔ پھر بھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بت پرستی کے فلسفہ کا علم بہت ہی ناکامل ہے۔ خیالات اور موجودہ مذہبی معاشرت اور کتابی مذہب میں اسقدر اختلاف ہے کہ محقق سخت پریشان ہو جاتا ہے۔

یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ توحید ہندوستان کا ابتدائی اصول ہے۔ اور یہاں خالص توحید عام طور پر پہلی ہوئی تھی۔ اس کے ثبوت میں رام چندر جی کی وہ قسم موجود ہے جو اُنہوں نے بشِشٹ جی کے آگے کھائی تھی کہ اگر میں ایسا کروں تو خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کے دیبی دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگوں یعنی غیر خدا کی پرستش کرنی ایسی بُری ہے۔

اب ہم وید پر اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں کہ اُس کے مذہبی عقائد کیا ہیں اور ویدوں نے پرستش کس کی قرار دی ہے۔ سب سے پہلے وید کی مناجاتوں پر غور کرنا چاہیے۔ اس میں فطرت کی اشیا کی بہت سادہ طریقہ سے پرستش کی گئی ہے مثلاً روشن آسمان کی چمکتے سورج اور ستاروں کی۔ صبح کے طلوع ہونے کی بادلوں۔ دریاؤں اور درختوں کی اور ساتھ ہی خارجی فطرت کی تمام اشیا کی۔ پھر یہ پرستش کی اشیا بتدریج نظم میں لائی گئیں اور ان نظموں نے لوگوں کے دلوں کو اس قدر مسخر کیا کہ وہ مذہبی عبادت کا ایک جزو اعظم بن گئیں۔ بعینہ یہی کیفیت یونانیوں اور عبرانیوں کی تھی کہ وہ بھی اپنی اپنی مذہبی نظموں کے ساتھ اپنے معبودوں کی عبادت میں سرمست دکھائی دیتے ہیں۔ اس تعظیم و تکریم نے بُت پرستی کی طرف رہنمائی کی چونکہ انسان کے دل میں خوشی غم اور خوف و دلیری کا مادہ ہے اس لئے ان نظموں نے وقتاً فوقتاً ان قوتوں کو اُبھارا اور مذہب اور عقیدہ کی نئی صورت قایم کر دی۔ اور نئے نئے رواج اور رنگ برنگ کی رسمیں اس میں سے پیدا ہونے لگیں بُت پرستی نہ گزشتہ زمانہ میں نہ اب تفحص کناں دماغوں کی تسکین کر سکی۔ کیوں کہ ایک عاقل شخص کے دل سے بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے" اتنے بے تعداد معبود عالم ہستی میں کیوں کر آئے؟ انکا باہم کیا تعلق ہے اور اُن کا دُنیا، زمانہ گزشتہ۔ آئندہ اور موجودہ سے کیا تعلق ہے!"

مگر جب روشنضمیری نے آگے اپنا رستہ پیدا کیا اور دل و دماغ نے آگے کا کھوج لگایا تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ان بے تعداد معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد بھی ہے جو سب کی مالک اور سب کی خالق ہے اور نہایت دانائی سے اُنھوں نے خیال کیا کہ یہ اکیلی ذات ضرور سب چیزوں کی مالک ہے اور جو کچھ ہے وہی ہے۔ پھر یہ مابعد الطبیعت عقیدہ

اس ۱۹ صدی میں بھی ایسے ہندو نظر آتے ہیں جو برہما کی ذات میں جذب ہوجانے کی کوشش کرتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی کوشش نہایت ہی خطرناک ہوتی ہے مثلاً ایک ہاتھ یا ٹانگ کو خشک کرلینا اور الٹا درخت میں لٹکتا رہنا یا اپنے کو سکھا سکھا کے مار ڈالنا۔ یہ بیچارے بہت ہی قابل رحم ہیں کیوں کہ یہ تمام ناقابل برداشت تکالیف محض اس اوہام اور بے بنیاد صلہ پر برداشت کرتے ہیں جس سے فی الحقیقت انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ ہم اس کے بعد ایک اور گہری نظر ویدوں پر کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ ویدوں کا نفس مطلب ناظر تفسیر کے آگے بیان کردیں ہم نہایت منصفانہ طور پر ویدوں کی ہر بات کو جانچیں گے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک حد تک ہماری جانچ غلط نہ ہوگی۔ جو کچھ لکھا جائے گا راستبازی اور انصاف سے لکھا جائے گا اور کوئی فاضل برہمن اس میں ایک حرف کی بھی غلطی نہ نکال سکیگا۔

وید مقدس اور ویدک زمانہ کا تمدن

(ویدوں کی کمیابی)

ہر چند ہندو اپنے مقدس وید کی نہایت تکریم و عزت کرتے ہیں لیکن اکثر ایسے ہیں جنہیں ویدوں کی ماہیت اور حقیقت کا بہت ہی کم علم ہے۔ جب تک یورپ کے ممالک میں طبع نہیں ہوئے ان کی صورت عام طور پر کسی کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی ہندوستان میں اس سے پہلے بہت کم نسخے باقی تھے چنانچہ ڈاکٹر برنیر صاحب اپنے مشہور وقایع سیر و سیاحت ہند میں لکھتے ہیں کہ "اورنگ زیب کے زمانہ میں جب نواب دانشمند خاں کو جو امراء دربار عالمگیر میں ایک بڑا منصبدار اور معزز و مکرم اور اپنے علمی کمال کے سبب ملا شفیعائے یزدی مشہور تھا ویدوں کی خریداری کا شوق ہوا تو بہت بڑی تلاش اور جستجو پر بھی ایک کتاب نہ ملی لیکن یہ کتابیں بنارس میں مجھے دکھائی گئی تھیں اور اگر وہ مقدس وید ہی تھے تو فی الواقع ان کی ضخامت بہت بڑی تھی۔ ہندو ان کو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مخالفین کے ہاتھ لگ جائیں اور وہ ان کو جلا دیں" یہ بیان ڈاکٹر برنیر صاحب کا ہے جو انتہا درجہ کا متعصب اور غلط وقایع نویس ہے اور تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ اس نے آج تک کوئی بھی صحیح واقعہ عالمگیری دربار کا اپنے سیاحت نامہ میں درج نہیں کیا۔ اکبر کا زمانہ جب ہندوؤں کے لیے خیر و برکت کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے وجہ کیا کہ اس طویل زمانہ میں ویدوں کی اشاعت نہیں ہوئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں بھی ہندوؤں پر مذہبی پہلو سے کوئی نکتہ چینی نہیں ہوئی نہ شاہجہاں کے عہد میں انہیں ستایا گیا پھر شہنشاہ کے وزیر کا وید کی تلاش میں ناکام رہنا محض اس وجہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہندو اپنی مقدس کتاب کی ان لوگوں کو ہوا بھی نہ دیتے تھے جو ان کے خیال میں ملچھ یعنی ناپاک تھے اور نہ عام طور پر مسلمان تو درکنار ہندوؤں کی دوسری ادنے ذاتوں کو اس کی تعلیم دی جاتی تھی جلانے کا خوف محض لغو اور بے بنیاد ہے۔ کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ عالمگیر نے یا کسی اور بادشاہ نے فلاں دن وید کی کوئی جلد جلادی بہرحال صحیح جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی ہی سے وید عنقا کی صفت رکھتا ہے اور ایک مقدس کتاب کے لئے جسے الہامی آسمانی کہا جاتا ہو یہ ایک نہایت ہی ناواجب امر ہے۔

شخص کھڑے ہو کے یہ کہے کہ جو کچھ ہوں میں ہوں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض خیال ہی خیال ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے میرے خیال کا سایہ ہے ایسا شخص ضرور برہما ہونا چاہیئے یا اُس سے بھی کچھ زیادہ۔ ہر شخص کی کائنات پر نظر ہے اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے میں اور میں نہیں یہ کچھ نادانی اور بے وقوفی نہیں ہے جس نے دو غیر مساوی حصوں میں اشیا کی تقسیم کر دی ہے بلکہ اسے خیال کی ضرورت کہتے ہیں۔ خیال کرنے والا اپنے کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کا خیال کرتا ہے اور تمام چیزوں پر نظر کرتا ہے اور اُنہیں خارجی اشیا میں شمار کرتا ہے۔ اخیر ان بے تعداد ذاتوں کی لاینحل مشکلات کے ساتھ کیا کیا جائے ہر ایک با وقوف بھی ہے اور علیحدہ علیحدہ بھی زندگی رکھتی ہے۔ ہندو اسے نہایت موٹا اور پرزور طریقہ پر بیان کرتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ یہ سب مایا یعنی دھوکے کی ٹٹی ہے خبرت خود ایک دھوکے کی ٹٹی ہے اور اسی بنا پر دنیا کو محض دھوکا ہی کہا جاتا ہے۔ برہما اپنی ذات سے خود بیخبر تھا اور جس طرح ہم اپنی حالت جانتے ہیں اُسے اتنا بھی وقوف نہ تھا۔ نہ اس نے خارجی اشیا کو کبھی جانا کیوں کہ خارج میں سوائے دھوکے کی ٹٹی کے اور کچھ نہیں ہے۔ نہ اُن میں صفات ہیں نہ خواص ہیں کچھ بھی نہیں ہے مگر پھر برہما ہے۔ اس لئے ہندو دانائی کی پختگی یہ تھی اور ہر کہ کوئی بھی چیز نہیں ہے اگر ہے بھی تو کچھ نہیں۔ سب خواب و خیال ہے اور اس کی کچھ ہستی نہیں ہے اخیر یہ دھوکے کی ٹٹی بھی اُٹھے گی اور ہم پھر برہما کی ذات میں غرق ہو جائیں گے جس کی ذات لاشئے محض کا دائمی امن ہے اور پھر بہت جلد ہمیں خطرناک قید یعنی زندگی سے نجات ملجائیگی۔

اب ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟ کیوں کہ اس سے وہ بات حاصل ہو جائے گی جس کے حاصل کرنے کا اُنہیں بہت ہی تردد ہے۔ ایک فلسفی دماغ ہندو کے لئے خود بخود فنا ہو جانا جنم حاصل نہیں کرتا بلکہ اس خیال کے موافق اُسے مکتی نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر قدیم داناؤں نے خودکشی کو نہایت عقلمندی سے ایک گل کام تصور کیا تھا۔ یہ فی الحقیقت ایک آسان بات تھی کہ جب تمام عالم اور تمام اشیا محض خیال ہی خیال ہے تو وہ ایک خیالی چھری اپنے گلے پر پھیر لیتا مگر خیال کی اس گاڑی میں ایک روڑا اور بھی اٹکا دیا گیا ہے کہ اس طرح سے مرنے والا سانپ یا شیر یا کتے کی جون میں پیدا ہو گا یہ گویا تناسخ کی ایک فلسفیانہ نظر تھی اُنہوں نے یقین کیا کہ انسان بے شمار دورے خیالی زندگی کے پورے کرتا رہتا ہے اور موت اُسے ہولناک حالتوں میں نئی نئی صورت سے گرفتار کرتی رہتی ہے۔ اچھا وہ ذات جو برہما کی ذات میں ملجانے کی قابلیت رکھتی ہے اُسے خارجی اشیا کے مذاق سے اپنی توجہ بالکلیہ پھیر لینی چاہیے تمام معمولی خواہشوں کو مٹا دینا اور تمام ظاہری دلفریبیوں کو محض لغو اور بے بنیاد سمجھنا چاہیے اور خیال کو بالکل برہما کی ذات میں ملا دینا چاہیے جب یہ صورت ہو جائے گی تو ہزارہا برس کے دورہ کے بعد اپنی خبرت اور خودی کا خیال جاتا رہے گا اور ایک ذات کے کامل امن میں محو ہو کے پھر کسی چیز کی خبر نہ رہے گی یعنی وہ انسان لاشئے محض کے درجہ پر پہنچ جائے گا یعنی کامل فنا صدہا ہزارہا برس کے دوروں اور تکالیف سہنے کے بعد حاصل ہو گی اور ہندوؤں کے عقیدہ میں کامل فنا ہو جانے کا نام مکتی یا نجات ہے ان کے مذہب کی یہی کائنات ہے اور یہی ان کے فلسفہ کا لب لباب ہے۔ ہزارہا سال کے مجاہدوں مراقبوں اور عبادتوں کا اخیر یہ صلہ دیا گیا ہے کہ کامل فنا ہو جائیگی

ویدوں میں علی العموم موسیقیانہ نظم ہے اس میں وہ زمزمے یا گیت ہیں جن میں ہندوؤں کے قدیم دینی بزرگوں نے اس وقت جب ہند میں ایک علیحدہ قوم کی صورت میں اُن کی ابتدا ہوئی یا یوں کہئے کہ ابھی اُنہوں نے اس عظیم ملک کے دروازہ ہی پر قدم رکھا تھا جس کو انہوں نے بعد میں اپنی شائستگی تہذیب اور علوم وفنون سے مالا مال کر دیا ہے آسمانی دیوتاؤں کی تحمید اور تمجید کی ہے اور ان کے اختیارات واقتدارات بیان کئے ہیں۔ اور وہ راگ گائے ہیں جن سے اُن کی شاعرانہ حرارت اور شوق کو اشتعال پیدا ہوا ہے ویدوں کی زبان نہایت قدیم ہے اور ان کی تقسیم یہ ہے۔

دعاؤں کا نام منتر یا سوکت ہے اور ان ہی منتروں سے سنگھتا (سنتھا) یعنی مجموعہ کی تدوین ہوئی ہے۔ اُن کی ترتیب دو طریق پر ہے ایک میں تو آٹھ کھنڈ یعنی حصے یا اشٹک ہیں اور ہر کھنڈ میں آٹھ آٹھ ادھیا یا لیکچر ہیں دوسرے میں سوکتوں کی تقسیم منڈلوں پر ہوتی ہے جو شمار میں دس ہیں اور پھر یہ سو سے زاید انواک یعنی تموں پر منقسم ہیں سوکتوں کی ایک اور تقسیم ہے جو ورگوں یا جملوں میں ہے اور یہ مذکورہ بالا دونوں تقسیموں میں عام وتام ہے۔

رگ وید۔ اس نام سے وہ وید مراد ہے جس میں دیوتاؤں کے ستائشی منتر یعنی محامد ومناقب ہیں رچ کا لفظ جو وید کے قبل ہے رگ کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہے جو سنسکرت میں ایک ایسے مخرج سے نکلا ہے جس کے معنی حمد اور ستائش ہیں جب رچ کا لفظ علیحدہ آتا ہے تو اس کا تلفظ رگ ہو جاتا ہے۔ رگِ وید میں دس منڈل (منڈلا) یا مقالے ہیں۔ اس کا ہر فقرہ ہر لفظ ہر حرف اوائل ہی میں شمار کر لیا گیا ہے چنانچہ اشکولوں کی تعداد ۱۰۴۰۲ سے ۱۰۶۲۲ تک ہے اور پد یا لفظ ۱۵۳۸۲۶ ہیں اور حروف یا اکشر ۴۳۲۰۰۰ ہیں اس وید کے دس منڈل بجائے خود ایک ایک مجموعہ ہیں اور ان میں ہر مقالہ ہندوستان کے کسی نہ کسی خانوادے سے متعلق ہے اُن کے سات مقالے ترتیب اور تہذیب میں باہم مشابہ ہیں اُن میں سب سے پہلے اگنی کے منتر ہیں اور یہ منتر باستثنائے دسویں منڈل کے بلا تغیر اُن منتروں کے ذیل میں آتے ہیں جس میں اندر کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ان منتروں کے بعد پھر بسو دیو کے منتر آتے ہیں جو خدا کی اُن آٹھ صفتوں میں ہیں جن سے گن یعنی اجتماع نفوس قدسیہ مراد ہے آٹھویں منڈل میں ۹۲ منتر ہیں اور نویں میں ۱۱۴ جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا ہے۔

رگ وید میں نہایت قدیم زمزمے ہیں جن کو آریا اپنے ساتھ لائے تھے اور ویدوں میں کچھ تو اسی رگ وید کا اقتباس وانتخاب ہے اور کچھ جگ کے قواعد اور منتر ہیں اس کے اشکولوں کو خصوصیت کے ساتھ جو برہمن پڑھتے تھے اُن کا لقب ہوتری ہوتا تھا۔

یجر وید یجر کا لفظ یج سے مشتق ہے جس کے معنی ہوم جگ ہے اُن میں وہ مسائل وقواعد ہیں جن کو وہ علمائے دین یا اُن کے پیرو پڑھتے تھے جن کا کام یہ تھا کہ جگ کے سامان اور لوازم جمع کریں قربان گاہیں بنائیں اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کریں اور سوم لتا کا عرق چڑھائیں۔ اصل میں یجر وید کے دو حصے ہیں جن کا نام علی الترتیب سفید اور سیاہ اور جینیپی یا تیتریا سنگھتا ہے اور یہ اسود اور ابیض یجر اپنی خاص ترتیب کے سبب سے متمیز ہوئے ہیں حصہ اول میں

پروفیسر میکس ملر صاحب لکھتے ہیں کہ جب راجہ رام موہن رائے لنڈن میں تھے تو انہوں نے ایک روز انگریزی عجائب خانہ میں دیکھا کہ جرمنی کے مشہور عالم سنسکرت فریڈرک روسن صاحب رگ وید کی نقل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ راجہ کو سخت استعجاب ہوا انہوں نے روسن صاحب سے کہا کہ آپ منتروں کے اوراق مطالب میں تضیع اوقات نہ کریں اس میں اقوال اپنشد زیادہ تر مطالعہ کے قابل ہیں۔ یورپ کے علما کو مدت تک وید کے اکتساب میں عوائق اور مشکلات لاحق رہیں اگرچہ انگریزوں کو سنسکرت کی نادرالوجود اور نایاب کتابیں دستیاب ہوئیں لیکن وید کی کوئی قلمی پوتھی نہ ملتی تھی اور اگر کہیں کوئی نسخہ ہاتھ آگیا تو پنڈت صاحبان ملچھوں کے لئے اُس کے ترجمہ کرنے سے محض انکار کر دیتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کولبروک صاحب ہی ان تمام دشواریوں اور دقتوں پر غالب آئے انہوں نے ویدوں یا ہندو کتب مقدسہ پر مضامین لکھے جو سنہ ۱۸۰۵ء میں شایع ہوئے تھے اور اب تک اُن کی قدر و منزلت کی جاتی ہے۔

سنہ ۱۸۳۰ء میں روسن صاحب نے رگ وید کے منتروں کا ایک نمونہ چھاپا اس کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُنہوں نے رگ وید کا پہلا مقالہ لاطینی میں ترجمہ کیا تھا جو اُن کی زندگی ہی میں ختم ہو گیا تھا مگر سنہ ۱۸۳۸ء میں اُن کی وفات کے بعد شایع ہوا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں پروفیسر میکس ملر صاحب نے اصل رگ وید اور مجتہد سایانا کی تفسیر کی نقل لکھی اور ایک یا دو سال بعد آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے انہیں اپنے مصارف سے اُن کے چھاپنے کی اجازت دی چنانچہ سنہ ۱۸۴۹ء میں اس کی پہلی جلد شایع ہوئی اور جلدوں کے اہتمام میں بیس سال صرف ہوئے اور پھر ایک نئے ایڈیشن کے مصارف مہاراجہ وزیانگرم نے ادا کئے۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں بمقام برلن اصل رگ وید رومن حروف میں چھاپا گیا۔ پروفیسر ولسن صاحب نے رگ وید کا انگریزی ترجمہ مجتہد سایانا کی تفسیر کے مطابق مرتب کیا تھا۔ پادری میکڈانلڈ صاحب شنکر پنڈت کے وید اتھ تنیا کا ذکر کرتے ہیں جو ایک انگریزی اور مرہٹی ترجمہ ہے جس میں حل معنی اور شرح بھی شامل ہے۔ چار مجلدات جس کی ہر جلد میں نو سو صفحے سے زیادہ ہیں جس میں ۵، ۷ منتر مندرج ہیں شایع ہو چکی ہیں اور ایک بنگالی ترجمہ ابھی حال میں ختم ہوا ہے۔ ڈاکٹر جان میور کے سنسکرت اقوال ہیں جن کی پانچ مجلدات ہیں بہت سے اقتباس و انتخاب ہیں جو مختلف سرخیوں میں منقسم ہیں یہ ایک نہایت قیمتی مجموعہ ہے۔ باقی وید یورپ یا ہندوستان میں شایع ہوئے ہیں۔

ویدوں کے نام اور اُن کی تقسیم

وید سنسکرت لفظ وِد سے نکلا ہے جس کے معنی الحکمت یا شریعت الٰہی ہیں یہ لفظ لاطینی وِڈا اور انگریزی وٹ سے بالکل ملتا ہے۔ ہندو حاملان شریعت اس لفظ کے عام مفہوم کو کبھی کبھی اپنے نہایت قدیم اور مقدس علم ادب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن اس سے صحیح طور پر دعاؤں کے دو چار مجموعے مراد ہیں جو علی الترتیب رگ وید۔ یجر وید۔ سام وید اور اتھر وید کے ناموں سے مشہور اور ان تمام علوم و فنون کو حاوی ہیں۔ جو ہندو دنیا میں سب سے افضل اور قابل تلقین و تعلیم خیال کئے جاتے ہیں۔

ہو کے جنگل اور بیابانوں میں توطن اختیار کر لیتے تھے اس میں تصوف روحانیت اور مسئلہ وحدت وجود کی تشریح اور بحث ہے
انکی تعداد چار ہے (۱) برید (۲) تیرتا (۳) پیرتا (۴) کوشیتکی۔
ارنیک آپ نشدوں میں شامل ہیں اور انکے نام کبھی کبھی تبدیل بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ برہد بلاتخصیص برہدیا یا برہد
ارنیک آپ نشد کہا جاتا ہے یہ شت پتھ برہمن میں ملحق ہے اتیریا اب اتیریا برہمن کا ایک جزو ہے۔

سوتر

سوتر کے معنی رشتہ ہیں اور اس خاص طرز میں جو کچھ تالیف یا قلمبند ہوا ہے اس کے جملے نہایت مختصر اور مسلسل ہیں جو پر معنی اور متین ہونے کے علاوہ باہم مربوط بھی ہیں اس طرز بیان کی علت غائی محض ایجاز و اجمال ہے۔ سوتر عموماً ان حصوں سے مراد ہے جن کا تعلق ویدوں سے ہے چنانچہ کلپ سوتر میں آئین و رسوم مذہبی ہیں اور گریہ سوتر میں خانہ داری کے فرائض اور سماچار کا سوتر میں رسم و رواج کا ذکر ہے۔

ویدوں کی اصلیت

علی العموم ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وید ازلی اور ابدی ہیں وہ تخلیق عالم سے پہلے خدائے تعالیٰ کی ضمیر میں پنہاں تھے ہر کلپ یعنی دنیا کی پیدائش کے شروع میں خدا برہما پر انہیں منکشف یا نازل کرتا ہے اور وہ ان الہامات کو اپنے چار منہ سے بیان فرماتے ہیں اور پھر رشیوں کو ان کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں ہندوؤں کی سماوی کتب میں ویدوں کے ازلی اور ابدی ہونے کی نسبت اقوال ذیل سے استشہاد کیا گیا ہے۔

(۱) وید انفاس الٰہی ہیں۔
(۲) وید انسان کی روحانی قربانی سے نکلے ہیں۔
(۳) وید اسکمبھ (اصول قائمہ) سے تراشے گئے ہیں۔
(۴) اندر سے ویدوں کا ظہور ہوا ہے اور وید وں سے اندر پیدا ہوئے ہیں۔
(۵) وید کال یعنی زمانہ سے نمودار ہوئے ہیں۔
(۶) وید جگ کے آتش سے نکلے ہیں۔
(۷) وید اگنی یعنی آتش وایو یعنی ہوا اور سوریہ یعنی آفتاب سے پیدا ہوتے ہیں۔
(۸) ویدوں کو دیوتاؤں نے قعر دریا سے نکالا ہے۔
(۹) واچ یعنی کلمہ ویدوں کی ماں ہے۔
(۱۰) وید برہما کے منہ سے نکلے ہیں۔
(۱۱) وید گائیتری سے پیدا ہوئے ہیں۔
(۱۲) وید ہی وشنو (بشن) ہیں

وید اپنے نزول سے کسی صدی تک قلمبند نہیں ہوئے صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔ استاد ایک

جگ کے قاعدے ہیں اور اس میں اُن کی توضیح و تشریح مندرج ہے۔ لیکن دوسرے حصہ میں اُن کا طریقہ عمل بیان کیا گیا ہے اور وہ دونوں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں یجروید کا ایک بہت بڑا حصہ رگ وید سے مستنبط اور ماخوذ ہوا ہی لیکن اس کے چھند اور دعائے بالکل نئے ہیں اور چونکہ یہ پرستش اور عبادت کا ایک دستور العمل ہے اسلئے علمائے دین پر اس کا مطالعہ فرض تہا جو پنڈت اس وید کو پڑہتے تھے وہ ادہواریو یعنی نیاز و نذر کرنے والے کہلائے جاتے تھے۔ یہ دونوں حصے ہندوستان اور یورپ میں چھپ گئے ہیں۔

سام وید۔ یہ وید تمام و کمال منظوم ہی۔ اس میں ۱۵۴۹ چھند ہیں جن میں فقط ۷۸ کا سراغ رگ وید میں نہیں ملا۔ ان کے چھند اُن جگوں میں گائے جانے کے لئے جن میں سوم لتا نشئی عرق ایک جزو اعظم ہوتا تہا منتخب اور مرتب ہوئے تھے۔ اس میں سوم لتا کی بہت سی دعائیں ہیں باقی کچھ اگنی اور کچھ اندر کی ہیں اس میں خاص خاص گیت گانے کے رسالے ہیں جن سے اُن کے سروں کی کیفیت معلوم ہوتی ہی سام وید کے پڑہنے والوں کا نام اوگاتری یعنی مغنی تہا۔ یہ وید طبع ہو گیا ہی اور اس کا ایک انگریزی ترجمہ بہی ہی۔

اتھرب وید۔ یہ وید سب ویدوں کے بعد کا ہی۔ اس مجموعہ کا چھٹا حصہ نثر ہی اس میں تقریبًا ایک سدس ایسے منتر ہیں جو رگ وید میں پائے جاتے ہیں منتروں کی تعداد تقریبًا ۷۶۰ اور چھندوں کی ۶۰۰۰ ہی

برہمن (برہمنا)

برہمن یا برہمنا وید کے وہ حصے ہیں جن میں برہمنوں کے لئے منتروں کے استعمال کی ہدایتیں ہیں اُن میں ویدوں کے مسائل کی جن کا شعائر اور رسوم دین سے تعلق ہی تشریح و توضیح ہی اور اُن کی اصلیت اور معنی بیان کئے گئے ہیں اور یہ بہی ہدایت کی گئی ہی کہ کونسے چھند یا دعائیں کس موقع کیلئے منضبط یا مختص ہیں۔

اگرچہ اُن کا مقصود اعمال جگ کی تعلیم و تلقین ہی لیکن اس میں رسوم اور دستورات مذہبی کی نسبت فلسفہ اور تصوف اور اسرار توحید اور خداشناسی کے خیالات زیادہ بہرے ہوئے ہیں۔

سنگھتا (مجموعہ) کے ساتھ اُس کا برہمن ہے اور یہ اُس وید کے اصولی مسائل کے جس سے وہ متعلق ہیں تائید و تشریح کرتے ہیں چنانچہ رگ کے برہمن میں علی الخصوص ہوتری کے فرائض ہیں اور یجر کے برہمن میں ہوم جگ کی ہدایتیں اور احکام ہیں۔ سام کا برہمن اوگاتریوں کو گانے کا طریقہ بتاتا ہی۔ رگ وید کا ایتریا برہمن نہایت قدیم ہے اس میں اور برہمن بہی ہے جس کا نام کوشیتکی ہے سیاہ یجروید کا برہمن تیتریا ہے اور سفید کا ستھپتھ ہی جو عام برہمنوں میں نہایت اکمل اور ضروری ہے۔ سام وید میں آٹھ برہمن ہیں جس میں ایک نہایت مشہور و معروف ٹانڈیا ہے اتھرب میں صرف ایک برہمن ہے جس کا نام گوپتھ ہے۔ ان برہمنوں سے ہندوستان کی قدیم دماغی اور تمدنی ترقی معلوم ہوتی ہے اُنکی سنسکرت اور اُن کا طرز بیان بہی نہایت صحیح اور پاکیزہ ہی۔

ارنیک اُپنشد

ارنیک کے معنی صحرا یا متعلق بصحرا ہیں۔ یہ ارنیک برہمنوں میں شامل ہیں اُن کا وہ برہمن مطالعہ کرتے تھے جو تارک دنیا

مستعمل ہوا اور اوائل میں جس فرقہ میں آریوں کی اطاعت قبول کی اسکا نام سودر رکھا گیا اور اخیر اس کا استعمال تمام مفتوح قوموں کے لئے ہونے لگا۔

یہ خونریزی اور حملہ آوری کئی صدی تک رہی لیکن یہاں کے تمام وکمال باشندے کسی زمانہ میں مفتوح و مغلوب نہیں ہوئے۔ آریہ رفتہ رفتہ مشرقی جانب پھیلے اور سرستی کے کنارے پہنچے جو ویدک ایام میں ملک کی حد تھی۔ ویدوں میں اس زمانہ کے تمدن کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں انکا اقتباس یہ ہے

گاؤں اور قصبے

یہ حملہ آور پہلے پنجاب میں آباد ہوئے اور ان مقامات پر گاؤں بسائے جہاں ندی نالے اور دریا تھے اور جو چرائی اور زراعت کے لئے موزوں سمجھے گئے تھے یہی چھوٹے چھوٹے گاؤں اخیر بڑے بڑے شہر اور قصبے ہو گئے اس وقت آریوں کے مکانات مٹی کے بنے تھے بعض مکان ایسے بودے اور ناپائیدار تھے جو ہوا کی جھکڑ وں اور آندھیوں میں ہل جایا کرتے تھے مگر جہاں پہاڑوں کی قربت کی وجہ سے پتھر بکثرت ملتا تھا بعض اوقات سنگی محل بھی بنائے گئے تھے بیان ہوا ہے کہ اندر نے پتھر کے ایک سو شہر ڈھائے تھے۔ آہنی شہروں اور گڑھیوں کا بھی ذکر ہے۔ ایوان شاہی میں ہزاروں ستون اور ہزاروں ہی دروازے ہوتے تھے۔

راجہ اور سردار

آریوں نے جن ملکوں یا علاقوں پر تسلط کیا تھا ان میں مختلف قومیں آباد تھیں اور وہ بہت سی راجدہانیوں یعنی والی ریاستوں میں منقسم تھے۔ رگ وید میں بہت سے راجاؤں کے نام مندرج ہیں ان کی دوستانہ اور مخاصمانہ صحبتوں اور جلسوں کا بھی ذکر ہے۔ راجہ یا سردار کسی بڑے مہاراجہ یا شہنشاہ کے باج گزار نہ تھے اسلئے کبھی کبھی آپا سردار بھی آپس میں لڑ بھڑ تے تھے۔ پورپتی یعنی امرائے شہر اور گرامنی یعنی مقدمان دیہ بھی ہوتے تھے۔

قرابت

ویدک زمانہ میں کثیر الازدواجی ہی نہیں بلکہ ایک عورت کو بھی ایک ہی حالت میں کئی کئی شوہروں کے کرنے کی اجازت تھی۔ چار سگے بھائی ایک ہی بی بی پر بس کرتے تھے پہلی اولاد بڑے بھائی کی کہلاتی تھی اور دوسری اس سے چھوٹے کی اسی طرح اخیر تک یہ رسم اب بھی جاری ہے اور پہاڑی قومیں اس پر کاربند ہوتی ہیں کہتے ہیں رگ وید میں متعہ بھی جائز تھا۔ اور بیوہ کا نکاح ثانی بھی۔

لباس

عورتیں کپڑوں اور گہنے پاتے سے خوب زرق برق رہا کرتی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں تزئین کا بہت خیال تھا سوتی اور اونی کپڑے استعمال کئے جاتے تھے ویدوں میں جابجا پگڑی کا ذکر ہے اور سینے پرونے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکب کپڑے غیر مشہور نہ تھے۔

غذا

حصہ پڑھتا تھا اور شاگرد اُس کو دوہرا لیتے تھے۔ صدہا برس تک یہ آسمانی کتابیں صرف ازبر تلاوت کی جاتی تھیں۔ کوئی ایک وید یاد کر لیتا تھا اور کوئی دو چنانچہ تمام ویدی منتر نسلاً بعد نسلاً زبانی ہی محفوظ چلے آتے ہیں۔

کسی زمانہ میں آریا قوم کے بزرگ وسط ایشیا کے بالائی حصّوں میں سکونت پذیر تھے جو ہندوستان سے کہیں زیادہ سرد ملک تھا کیوں کہ یہ لوگ اپنے برسوں کا شمار جاڑے سے کرتے تھے ویدوں کی دعاؤں میں جہاں اُن لوگوں نے درازی عمر کی خواہش ظاہر کی ہے وہاں سو جاڑوں (سمم) کا مذکور ہے۔ یہ لوگ شمالی اقوام کی طرح آشومیدھ یعنی گھوڑوں کی قربانی پر زیادہ زور دیتے تھے اور اپنی ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں سُرخ و سفید اور گورے چٹّے ہوتے تھے۔ جب آریوں کی نسل اس قدر بڑھی کہ اُن کا مالوفہ وطن گزران کے قابل نہ رہا تو اُنہوں نے جوق جوق جلاوطنی اختیار کی۔ کچھ لوگ مغرب کی طرف گئے اور یورپی ممالک کو بسایا اور کچھ مشرق کو وادیئے سندھ کی طرف سے آئے۔ اُن کا بڑا گروہ اہل و عیال غلام اور مویشی لیکے آگے بڑھا غالباً یہ لوگ سب سے پہلے کوہی دروں میں ہو کے پشاور میں داخل ہوئے۔

اس وقت ہندوستان کا ایک بڑا حصہ جنگل ہی جنگل تھا جس میں اصلی اقوام کے گاؤں اور قصبے آباد تھے ان لوگوں کی رنگتیں کالی تھیں اور اجنبی زبان بولتے تھے۔ آریوں کو اپنی قومیت کا بڑا ناز اور غرّہ تھا یہ اُن قوموں کو جن سے اُن کا سابقہ پڑا تھا بہت ہی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ یہ لوگ اُنہیں کالا یا سیاہ فام کہتے تھے اور چونکہ آریوں کی طرح اُن کی ناکیں لمبی نہ تھیں اس لئے اُن کو بکریٔ ناکٹے کا لقب ملا تھا۔ یہ لوگ اصلی باشندوں کو دسو بھی کہا کرتے تھے جس کے مجازی معنی مخالف یا منافق کے ہیں لیکن یہ لوگ اس کثرت سے غلام بنائے گئے کہ انجام کار عموماً داس کا لفظ خادم کے لئے استعمال ہونے لگا۔

بس دسو قومیں ہو بہو ویسی ہی تھیں جیسے اب بھیل اور بعض صحرائی اور خانہ بدوش لوگ ہیں لیکن اور فرقے کسیقدر مہذب اور شائستہ بھی تھے۔ ویدمنتروں میں جابجا دسوں کی دولت اور ثروت کا ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "ہم اندر کی مدد سے دسوں کو مغلوب کر کے اُن کی ساری دولت تقسیم کریں گے"۔ "اُن کے پاس قلعے اور شہر ہیں"۔ "اے اندر اور اگنی تم دونوں نے مِلکے دسوں کے نوے قلعے توڑے ہیں"۔ "اے سنور اندر تو نے اپنے جلال سے یوردہ کے لئے ننانوے شہر فتح کئے ہیں"۔

جوں جوں آریا بڑھتے گئے جنگلوں کھیتوں اور اصلی باشندوں کے گاؤں پر قبضہ کرتے گئے۔ اصلی باشندوں نے بھی حتے الوسع اپنے حملہ آوروں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا چوں کہ اُن کا رنگ سیاہ اُن کی عادات وحشیانہ اور بات چیت نامہذب اور آواز بھاری اور مہیب تھی اور یہ لوگ شبخون مارنے کے عادی تھے اسلئے انہیں دیت یا عفریت کہا کرتے تھے۔

آریا نہایت قوی اور زبردست تھے اُنہوں نے دسوں کو مار کے نکال دیا اور بقیۃ السیف کو اپنا غلام بنا لیا اسوقت ہندوستان میں آریوں اور دسوں قوموں کے مابین فاتح اور مفتوح یا آزاد و غلام یا گورے اور کالے کا لفظ امتیازاً

حرفت و تجارت

ڈاکٹر ولسن صاحب اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان تین ہزار برس قبل" میں آریوں کی حسن معاشرت اور تمدن کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ ایام وید میں آریا اکثر مویشی پالتے تھے اُن میں ایک حد تک کاشتکار بھی تھے یہ لوگ گاؤں اور قصبوں میں متوطن تھے اُن کو کپڑے بننے کی ترکیب معلوم تھی یہ لوہے کا استعمال بھی جانتے تھے آلات حرب و ضرب میں تلوار تیر اور برچھی کا رواج تھا۔ پیالے گھڑے چمچے خانگی استعمال میں تھے۔ اُن کے ہاں پیشہ ور حجام بھی تھے قیمتی دھاتوں یا سکوں کا چلن تھا۔ زیورات بھی پہنے جاتے تھے جنگی رتھوں کی کثرت تھی گاڑیوں میں گھوڑے جوتے جاتے تھے امیروں کے ہاں خواجہ سرا اور محل ہوتے اُن کو جہازوں اور کشتیوں کا بھی بنانا آتا تھا۔ سمندر اور بحری فنون کا بھی ذکر ہے جو غیر ممالک کے لیے وقوع میں آتے تھے۔ ویدوں میں بحر قلزم کے عبور کرنے کی ممانعت نہیں پائی جاتی غالباً یہ امتناع بعد کو جاری ہوا ہے۔

جنگ

رگ وید میں اکثر جنگوں کا بیان ہے جو گایوں یا گھوڑوں کے لیے لڑی گئی ہیں چنانچہ اندر سے یہ دعا مانگی گئی ہے "اے قادر اندر تو ہماری مدد کر ہم گایوں اور گھوڑوں کے لیے لڑنے جاتے ہیں" آریوں کے مختلف قبائل اپنے اپنے افسروں کے زیر کمان کوچ کرتے تھے ہر قبیلہ کا نشان علیحدہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آبا و اجداد کی بہادری کے رجز پڑھتے تھے اور اندر دیوتا کے محامد و مناقب گاتے اور ناقوس بجاتے تھے رئیس لشکر جنگی رتھوں پر سوار ہوتے تھے بعض لوگ تیر و کمان کا استعمال کرتے تھے اور باقی نیزوں کا۔ فوج میں پیدل اور سوار دونوں ہوتے تھے اکثر اوقات سالار فوج کسی قصبہ پر حملہ کرتا تھا اور اس کے باشندوں کو تہ تیغ کر کے متصرف ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی صرف مال غنیمت ہی پر قانع ہو جاتے تھے چنانچہ اکثر آریا سرداروں نے داس اور دسو قوموں سے جنگ کی اور اُن کو مغلوب کیا ہے۔

جنگ کا امتناع

وید کے زمانہ کے بعد ہندوؤں کے مذہبی عقائد میں بہت کچھ انقلاب ہوا ہے اور اُن کے اعمال و افعال میں بھی تغیر آیا ہے کہا جاتا ہے کہ ان ساری تبدیلیوں کا باعث گوتم بودھ کا اصلاحی مذہب ہے جو دو ہزار پانسو برس قبل مسیح علیہ السلام جاری ہوا تھا اس اصلاح کو راجہ اشوک نے بڑی تقویت دی جس کی سلطنت بنگال سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی گوتم کا پہلا حکم یہ تھا "کسی کی جان نہ مارو" یہ حکم ہر جاندار کے لیے تھا بودھ مذہب کے ہر سالک کو نباتات کے بھی توڑنے کی ممانعت تھی جو اُن کے نزدیک ذی روح خیالات کیے جاتے تھے بودھ قربانی کے خلاف یہ حجت پیش کرتے تھے "وید میں مذکور ہوا ہے کہ جس جانور کی قربانی کی جاتی ہے وہ سیدھا بیکنٹھ پہنچتا ہے پس انسان کو چاہیے کہ اپنے باپ دادا کو بھینٹ چڑھائے تاکہ اُس کو بہشت ملے" گوتم بودھ کا دوسرا حکم یہ تھا کہ کوئی نشی چیز نہ چھوئی جائے۔ بودھ کے یہ دونوں مسائل بہت زور سے ہندوؤں میں جاری و ساری ہو گئے تھے چنانچہ اب تک ان تبدیلیوں کا بعض مذہبی کتب

کھانے میں دودھ اور گھی لازمی اور ضروری غذا تھی بنا ہوا غلہ جس میں دودھ بھی ڈالا جاتا تھا جو اور گیہوں پیس کے روٹیاں پکائی جاتی تھیں گوشت نہایت لطیف اور اعلےٰ درجہ کی غذا تھی۔ (شت پتھ برہمن میں لکھا ہے)

اندیو ہاواسے پرآمم انا دیم بن ماسم

ویدمنتروں میں منشی عرقیات کا ذکر ہے۔ رگ وید کا تقریبًا ایک منڈل یعنی مقالہ سوم لتا کے عرق کی توصیف کی نذر ہوا ہے سوم ایک قسم کی بیل ہے جس کا چھوٹا اور سفید پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے اس بیل سے شیردار عرق نکلتا ہے جو خمیر دینے کی حالت میں منشی اور مکیف ہو جاتا ہے۔ جن منتروں میں سوم کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ اُس وقت گائے یا پڑھے جاتے تھے جب اُس کا عرق نچوڑا اور چھانا جاتا تھا جسطرح یہ بیل حاصل کی جاتی تھی اس کی نسبت مختلف بیانات ہیں بعض اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو پہاڑوں سے لاتے تھے چنانچہ بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شاہ سوم کا مسکن قندہار ہے۔ سرا یعنی شراب بھی لنڈھائی جاتی تھی اور سوم لتا کا عرق تو دیوتاؤں کو نہایت ہی مرغوب و محبوب تھا شراب عام طور پر دکانوں میں بھی بکتی تھی رگ وید سنگتا میں ایک منتر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شراب مشکیزوں میں رکھی جاتی تھی اور سر بازار کھلم کھلا بکتی تھی یہ سرا چانول کی بنائی جاتی تھی راماین میں لکھا ہے کہ بششٹ جی نے بسوامتر کی سرا سے تواضع کی تھی مہابھارت میں لکھا ہے کہ جادو بہت شراب پیتے تھے ہر چند بودھ مذہب نے شراب اور گوشت کا قطعی امتناع کیا ہے لیکن کسی زمانہ میں اس کا تمام و کمال انسداد نہیں ہوا۔

سوسائٹی کے درجے

وید کے زمانہ میں بڑی دو تفریقیں تھیں ایک آریا اور دوسرے قدیم باشندے جو بعد ازاں سودر کے نام سے مشہور ہوئے آریوں کا اعلےٰ اور شریف پیشہ لڑنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا جو آریہ لڑائی پر جاتے تھے انہوں نے رفتہ رفتہ اقتدار اور اعتبار حاصل کیا اور ان کے سرغنہ راجہ بن گئے مگر جو لوگ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اُن کا نام دیس ویسیا یعنی خانہ دار ہو گیا۔

پہلے ہر شخص کسی رسم یا جگ کے وقت مقتدا نہیں بن سکتا تھا ویدوں میں اکثر راجاؤں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے خود مذہبی کاموں میں امامت کی ہے۔ راج رشیوں میں جن کو دینی اور دنیوی دونوں اقتدار حاصل تھے وسوامتر سولف گائتری چھتری تھے۔ اوائل میں برہمن جگوں میں محض ایک مددگار ہوتے تھے جو بعد ازاں پروہت یعنی پیشوائے دین ہو گئے اور اس طرح وقار اور غلبہ حاصل کیا۔

کبھی کبھی جنگ اور زراعت متحد کر دی جاتی تھی مسٹر کنٹی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے رشی اور منی اور اُن کے بیٹے اور پوتے کھیتی باڑی میں لگے رہتے تھے لیکن جب ضرورت ہوتی تھی تلوار لے کے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور غنیم کے مقابلہ پر جا پڑتے تھے اس وقت تک برہمنوں کو تلوار پکڑنے کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ چھتری ہی ہل چلانے میں کچھ شرم و حجاب کرتے تھے اخیر زمانہ تک قومی تفریق کے قاعدہ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔

نے اپنی کتاب لائٹ آف ایشیا (یعنی ایشیا کی روشنی) میں اُن روایتوں کا جو چین و جاپان کے مختلف ممالک میں مروج ہیں انگریزی میں ترجمہ کیا ہے تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ گوتما کی زندگی کے واقعات حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں کہتے ہیں کہ گوتما کا باپ بڑا ہی عیاش تھا جب یہ جوان ہوا اس نے اس کے لئے اس قدر سامان عشرت جمع کیا جتنا کہ مشرقی ملک اور مشرقی آب وہوا مہیا کر سکتی تھی اور اس کے باپ نے اس بات کی کوشش کی کہ گوتما سے زندگی کے مصائب کو پوشیدہ رکھا جائے مگر جب گوتما کے آگے اس کے ہموطنوں کی تکالیف کھل گئیں اور تمام انسانی مصائب کے چہرہ سے پردہ اٹھ گیا تو اس پر بہت ہی اثر ہوا اس کا دل بیٹھ گیا اور وہ غم میں دوہرا ہو گیا اور ایسا ایک ہچکولا لگا کہ تمام عیش خیز سامان خاک ہو گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ حسن پر آخیر موت کا سایہ پڑ جاتا ہے بی بی اور بچوں کی محبت بھی اسے انسانی جانکندنیوں سے کم محسوس نہیں ہوئی۔ ان مہیب نظاروں نے اس کا دل اپنی مٹھی میں دبوچ لیا اور آخیر اس نے تمام عیش و عشرت پر لات مار کے عزلت گزینی اختیار کی جس طرح کہ حضرت مسیح کے پندرہ برس کے حالات جب وہ اپنے باپ یوسف نجار کے ہاں کام کرتے تھے چھپے ہوئے ہیں اسی طرح گوتما کی گوشہ نشینی کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ گوشہ میں بیٹھ کے اس نے ضرور دنیا میں امن کی اشاعت کی تدبیر سوچی ہو گی اور بنی آدم کی فلاح کا سامان کیا ہو گا۔ اس کے تجربہ اور فکر نے اُسے تعلیم دی کہ انسان کے لئے حقیقی راحت کیا ہے یعنی نروانا یا غفلت خیز آرام کیوں کر میسر ہو۔ اس دائمی راحت کے حاصل ہونے کے اس نے چار طریقے بتائے ہیں اور اس کا بیان ہے کہ ان چار راستوں سے منزل مقصود آجاتی ہے۔

ہوتے ہوئے گوتما کو اپنی نبوت کا یقین ہوا کیوں کہ بودھ یا بودھا کے معنی نبی کے ہیں جب اسے پورا پورا یقین ہو گیا تو وہ تنہائی سے نکل کے لوگوں کے گروہ میں آیا اور انہیں تعلیم کرنی شروع کی۔ معلوم نہیں کہ نروانا کے کیا معنی ہیں بعض علما کا یہ بیان ہے کہ برہما کو گوتما نے نروانا سے تعبیر کیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ نہیں نروانا سے غرض غیر فانی حیات ہے۔ آخر الذکر خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ گوتما کے منشا اور مفہوم کے خلاف پڑتا ہے سابق الذکر رائے بہت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اس رائے کے بیان کرنے والے بھی وہ علما ہیں جو نہایت مستند اور مسلم ہیں۔ اُن میں ایک مسٹر ایڈون آرنیلڈ ہیں جن کی تحقیق بالخصوص بودھ مذہب میں تمام انگلستان میں نہایت قدر سے دیکھی جاتی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ نروانا کی توضیح فلسفیانہ اصول پر مبنی نہیں ہے بلکہ خیالی باتوں کی آمیزش اس میں سراپا پائی جاتی ہے۔

پروفیسر ایکانی کا بیان ہے کہ نروانا فی الحقیقت ایک خیال ہے جس کی کوئی بھی عاقلانہ بنیاد نہیں ہے چنانچہ وہ بہت زور دے کے لکھتا ہے کہ ہماری دائمی زندگی فنا کے برقع میں چھپی ہوئی ہے یہ گویا بودھ کے نروانا کا مفہوم ہے اس کے بعد پروفیسر موصوف نے بودھ کی اصولی کتابوں سے چند فقرے نقل کئے ہیں میں بسبب طول کے ان کو یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ان کل فقروں میں ایک جگہ بھی نروانا کا لفظ نہیں ہے بودھ کا خیال ہے کہ چند خاص منزلیں ہیں جہاں سے گذر کے روح نروانا میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ درمیانی منازل

سراغ ملتا ہے۔

ان تمام اقتباسات پر جو ہم نے ویدوں کے کئے ہیں منصفانہ اور عاقلانہ نظر کرنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے علم ادب کے یہ اعلےٰ نمونے ہیں۔ اور ان کے مختلف مصنف ہیں اور ان کے زمانہ تصنیف میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ ایک وید کا خلاصہ دوسرے وید میں ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ مصنف بالکل الگ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ وید فی الحقیقت خاکا ہیں اس زمانہ کی معاشرت کا اور نقشہ ہیں ابتدائی زمانہ کے عقائد کا کہ اول ہی اول انسان نے فطرت کی خارجی اشیا کو کس طرح معبود بنالیا تھا۔ ویدوں میں اگرچہ کہیں توحید کی جھلک ضرور پائی جاتی ہے لیکن یہ جھلک کچھ ایسی مبہم ہے کہ صاف عیاں نہیں دکھائی دیتی۔ ویدوں کے مصنفین نے یہ ضرور خیال کیا ہے کہ ہزاروں معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد اور بھی ہے جو ان سب پر حکمران ہے مگر اس کی حقیقت تک ان کا دماغ نہیں پہنچا اور انہوں نے اسے نہ صرف معطل خیال کیا بلکہ لاشئے محض ہی سمجھا۔ اس کے اختیارات سلب ہی نہیں کرلئے۔ اس کو کالعدم فنا ہی مانا ویدوں کے مصنفین کے ایسے خیالات کچھ تعجب انگیز اور قابل اعتراض نہیں ہیں کیونکہ ابتدا میں آج تک کسی خاص امر کی آغاز ہی میں تکمیل نہیں ہوگئی ہے خواہ معرفت الٰہیہ سے تعلق ہو یا دنیاوی علوم و فنون سے ہر چیز نے بتدریج ترقی کی ہے اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ وید الہامی ہیں تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے روحانی تعلیم اپنے اسی قانون قدرت کے مطابق دی جو وہ روز ازل سے مقرر کرچکا ہے اور جس حصہ قانون قدرت کا ہمیں بخوبی علم ہے جس طرح بچہ بتدریج بڑھتا ہے اور اسے ابتدائی غذائیں دی جاتی ہیں اسیطرح خداوند تعالیٰ کی طرف سے روحانی تعلیم ملتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کے صحائف موجود ہیں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان میں اصلاح ہوتی گئی۔ اور اخیر قرآن مجید نے انسانی روحانی فضائل کی تکمیل کردی۔ وید مجموعہ ہیں ہندوں کی سادہ معاشرت کے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ منشی عرق کی یوں کشید ہوتی تھی اور دودھ کا دلیا یوں پکایا جاتا تھا اور جگ اس صورت سے ہوتا تھا اور گایوں اور گھوڑوں کے لئے یوں خونریزی ہوتی تھی اور ذاتوں کی یہ تقسیم تھی۔ آگ پانی اور آفتاب سے یہ دعائیں کی جاتی تھیں جب تک انسان ان سادہ احکام کے موزون رہا ویدوں کے مضامین کی اشاعت ہوتی رہی مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اشاعت میں کمی ہوتی گئی اور اخیر ان کی اشاعت بالکل بند ہوتے ہوتے خیالی رہ گئی۔ شہزادہ گوتما نے ویدوں کے اصول کو اور بھی صدمہ پہنچایا اور تمام مسلمہ اصول کو غلط اور ناکارہ بتایا۔

گوتما کی ذاتی تاریخ پر اب تک ایک تاریکی چھائی ہوئی ہے اور جو کچھ اس کی زندگی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ وحشی فسانوں پر زیادہ مبنی ہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کب پیدا ہوا کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور حضرت مسیح سے ۵۴۰ سال قبل اس نے وفات پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی حیات و ممات کے اس مشتبہ زمانہ میں اس نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے۔ بودھوں کا اس وقت یہ عقیدہ ہے کہ گوتما ایک عظیم معبود تھا اور صرف خدا کی مخلوق میں امن کی اشاعت کی غرض سے اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ بڑی بڑی روایتیں اس کی پیدائش اور چال چلن کی نسبت مختلف ممالک میں جاری ہیں اور ہر ملک میں نئے انداز سے بیان کی جاتی ہیں سٹرائیٹن

مسیح کے خلاف ہو۔ عیسائی مذہب کی بھی اسیطرح شہرت ہی شہرت رہ گئی ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ خود حضرت مسیح کے کیا عقائد تھے اور اُن کی خالص تعلیم کیا تھی۔ بودھ مندر میں جا کے دیکھو گوتم بت کی صورت میں تشریف رکھتے ہیں اور اُن کی پرستش کی جاتی ہے۔

یونان میں خدائے واحد کی پرستش کی منادی کرنے والا سب سے اول حکیم زینوفن ہوا ہے۔ اس کا پہلا منشا یہ تھا کہ ہومر اور ہیسیڈ نے لوگوں کے دلوں میں خیالی معبودوں کا جو نقش کر رکھا ہے اُسے چھیل ڈالوں وہ بیان کرتا ہے "کہ آدمیوں اور دیوتاؤں میں صرف ایک ہی قوت والا خدا ہے۔ وہ نہ جسم رکھتا ہے نہ ضمیر۔ انسان اپنے طور پر خیال کر سکتا ہے کہ دیوتا پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارا سا لباس پہنتے ہیں اور ہماری شکل و صورت رکھتے ہیں اگر اسیطرح بیلوں اور شیروں کے بھی ہاتھ ہوں اور وہ مثل انسان کے نقش و نگار کر سکیں تو وہ بھی دیوتاؤں کی سی صورت بنا سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں گھوڑے گھوڑوں کی سی ہیئت اختیار کرتے ہیں اور بیل بیلوں کی سی۔

اس اصول میں زینوفن سے ایک چوک رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ اُس نے یہ نہیں سمجھا کہ بہ نسبت جانوروں کے آدمی اپنے دیوتاؤں کا زیادہ ہمشکل ہوتا ہے اور اگر یہ بھی ہم فرض کریں کہ شیر اور بیل کے ہاتھ ہوں اور وہ نقش و نگار کرنا اور اپنے کو آراستہ کرنا جانتے ہوں پھر بھی انہیں اخیر کسی نہ کسی کی اقتدا کرنی پڑے گی کیونکہ انسان بھی تو ہمشکل ہونے پر اقتدا ہی کرتا ہے۔ تو بھی یہ حکیم تعریف کے قابل ہے کیوں کہ بت پرستی کا بہت سخت مخالف ہے اور توحید کا مذہب رکھتا ہے اور خدائے قادر مطلق کی ہستی پر اُس نے بہت کچھ دلائل دی ہیں مثل ارسطو کے وہ بھی اسبات کا قائل ہے کہ ضرور وحدہ لاشریک کوئی ذات ہے اگرچہ اس کی ماہیت پہچاننے میں اُس نے غلطی کی ہے۔ اُس نے اخیر میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل کائنات ایک ہی ذات سے وابستہ ہے اور یہی ایک ذات ہے جو قدیم بھی ہے اور غیر تبدیل کمال اس میں پایا جاتا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ یہ عالم جو ہمیں دکھائی دیتا ہے محض بے اصل ہے اسکی کچھ بھی ہستی نہیں یہ سب کچھ ہمارے ضمیر کا پرتو ہے۔

حکیم زینو نے اس خیال پر اور بھی رنگ چڑھا دیا اور مثل ہندو فلسفیوں کے اس نے تو یہاں تک کہا کہ نہ محسوس دنیا کی کچھ ہستی ہے اور نہ اُس خیال کی کچھ ہستی ہے جو ہمارے دل میں موجود ہے جس ذات کی نسبت وہ بحث کرتا ہے اُس کی صفات ہندوؤں کے برہما سے ملتی ہیں اور جس غیر ذات کی نسبت اس نے استدلال کیا ہے اُس کے معنی بالکل مایا یعنی خیال باطل کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ضرور ایک روح یا ادراک ہے جو مادہ کے اندر باہر کام کرتا ہے لیکن مادہ سے علیحدہ ہونے پر اُس کی زندگی قایم نہیں رہتی۔ معہ انسان کے تمام چیزیں خدا کے حصے ہیں خاص ضرورتوں سے اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں مگر پھر اُسی میں جا کے ملجائیں گے۔ اس لئے نہ کوئی خود مختار ہے نہ زندگی ہے اور نہ کوئی آزاد مرضی ہے۔ مثل گوتم بودھ کے اُس نے تعلیم دی ہے کہ عاقل وہ شخص ہے جو تمام خوشیوں سے اپنے کو علیحدہ رکھے اور اپنے کو موت کی مصیبتوں اور بلاؤں سے بچنے کے لئے ہر وقت آمادہ رکھے۔ اس حکیم نے خودکشی کی بھی بڑی زبردست تعریف کی ہے اور وہ بودھ سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ خودکشی سے تناسخ کا خوف اُسے متعلق نہیں

فی الحقیقت خواہش کے اخیر مفہوم ہیں اور بس اسی بنیاد پر کل بودھ مذہب کی عمارت بنی ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بودھ مذہب والے روح کو اس حیثیت سے نہیں مانتے جس حیثیت سے کہ اور مذاہب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ انسانی حصص او طاقتوں سے علیحدہ کوئی چیز ہے اور جو موت کے بعد بھی صاحب ادراک رہتی ہے۔ بودھ مذہب کی نروانا تو صرف ایک فنا کا نام ہے اور گویا اس مذہب میں انسان کے کامل فنا ہو جانے کو مکتی کہتے ہیں۔

گوتما نے اپنی عملی تعلیمات کے لحاظ سے ایک علیحدہ رستہ اپنے سابق کے پیشوایان مذہب ہنود سے اختیار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گوتما کی بہت سی ہدایتیں مثل انجیل کے زیادہ دلفریب ہیں مگر ان میں طبع انسانی کی فطرت کا بہت کم پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ خاص معاملات میں جب اُس کے اصول پر گہری نظر کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسیحی مذہب سے ان میں بہت بڑا اختلاف ہے اس کا بہت بڑا منشا یہ ہے کہ دائمی لاشئے محض ہونے کا نام اصلی نجات ہے۔ گوتما کہتا ہے۔ اپنے آپ جہاد کرو وہ کام کرو جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہو دوسروں کی خدمت ہمہ تن اطاعت ہو کے کرو مگر صلہ کی خواہش نہ رکھو پھر تمہیں انسانی معارف معلوم ہو جائیں گے۔ یہ اصول اگرچہ دیکھنے میں نہایت پیارا اور خوشنما ہے مگر انسانی فطرت سے بہت ہی متغائر آکے واقع ہوا ہے۔ کون شخص ہے جو اپنی محنت کا صلہ نہیں چاہتا اور کس کا دل چاہتا ہے کہ بے انتہا مجاہدوں اور مراقبوں کی شاقہ محنت کے بعد اُسے دائمی فنا کے سمندر میں غرق ہونا پڑے انسان تو انسان جانور بھی اپنی محنت کا صلہ چاہتا ہے اور معمولی تعریف کرنے یا اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے وہ اور زیادہ کام میں مستعدی دکھاتا ہے عیسوی اور بودھ مذہب کے اصول قریب قریب بہت سی باتوں میں مشابہ ہیں اور بظاہر ایسے لطیف اور پیارے معلوم ہوتے ہیں کہ بادی النظر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر مذہب اور نہیں ہو سکتا مگر جب گہری نظر کر کے انسانی فطرت سے اُن کا تطابق کیا جاتا ہے تو اول درجہ کا تضاد پایا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنا فرض پورا کر لیتے ہیں تو والدین یا اُستاد کی شاباش سننے کے امیدوار رہتے ہیں جب سے دنیا میں انسان کا کھوج ملتا ہے اور جب سے اس کائنات کے لب لباب یعنی انسان کی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ اپنے کاموں سے صلہ لینے کی خواہش اختلاف مرز و بوم پر بھی ہر متنفس میں پائی گئی ہے اور کبھی کسی صدی میں کوئی قوم اس سے خالی نہیں ہوئی کسی وجہ سے اپنی آرزو کا پورا کرنا یہ بھی گویا اپنی کوشش کا صلہ چاہتا ہے مثلاً ایک شخص کی یہ آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کی خدمت کروں اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہ چاہوں گویا صلہ نہ چاہنا اُسکی آرزو کو پورا کرنا جب وہ آرزو پوری ہو گئی تو اُسے اپنی محنت کا کامل صلہ مل گیا۔

گوتما بت پرستی کا بہت ہی مخالف تھا اور اس نے اپنے مذہب میں کسی قسم کی پرستش جائز نہیں رکھی مگر لنکا اور چین کا موجودہ مذہب ہرگز وہ مذہب نہیں ہے جس کی بنا گوتما نے ڈالی تھی۔ اب اس میں باطلہ اوہام اور بت پرستی کی پوری آمیزش ہو گئی ہے اور ہونی بھی چاہیے تھی کیونکہ وہ مذہب کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا جو انسانی

مضبوط بنانے کا ادر نہیں ہے۔ بودھ نے خودکشی کو بُرا کہا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس کا مقولہ ہے کہ اپنی ہستی کو بھول جانا اور خودی کو نکال ڈالنا ہی خودکشی کرنا ہے مگر ہمارا جرمنی فلاسفر یونانی حکما کی تقلید پر خودکشی کو اعلےٰ درجہ کی راحت خیال کرتا ہے مگر تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ اس نے اپنی ذات کے لئے خودکشی روا نہیں رکھی ہے۔ اس خیال کے لوگ روز بروز ہوتے جاتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ بتدریج دنیا سخت زبون ترین حالت کو پہنچے گی اور تمام انسانی نسل میں توالد و تناسل بالکل بند ہو جائے گا اور سب انسان سخت اور مہیب آفتوں سے بچنے کے لئے خودکشی کر لیں گے۔ یہاں تک کہ کامل فنا یعنی نروانا حاصل ہو جائے گی ساتھ ہی ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دنیا کے فنا ہونے پر قوت یقین زندہ رہے گی اور پھر اس سے نئی دنیا پیدا ہونے کا سلسلہ شروع ہوگا۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ اس غمناک مذہب اور عالم کو خدا ماننے والے مذہب میں کوئی بھی تعلق نہیں ہے اور دونوں مذاہب کے اصول محض شاعرانہ ہیں۔ واقعات سے کسی کو بھی کوئی سروکار نہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جسے ہم مادّہ یا روح یا خدا کہتے ہیں اگر وہ ایسی ذات ہے کہ اس میں اپنی مرضی سے حکمرانی کی قوت نہیں ہے اور نہ وہ کوئی انتظامی قانون بنا سکتی ہے تو سمجھ لو کہ کسی اخلاقی ذمہ داری کا نام کائنات میں نہیں ہے۔ اگر ہم خدا ہی کے اجزا ہیں تو پھر کسی امر میں وہ ہم میں گناہ نہیں پا سکتا نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہونے والے ہیں۔ ہماری ذاتی پسندیدگی اور ذاتی ارادہ کا ادراک کرنا محض ایک غلطی ہے۔ ہم اپنے ارادہ سے زندہ نہیں ہیں ہم خدا کی رہنمائی پر چلتے ہیں۔ جب ایک شخص جو عالم کو خدا مانتا ہے کسی ذات کی عبادت کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک ایسی غیر ادراک ذات کی عبادت کر رہا ہوں جس کا میں ایک جزو ہوں۔ یہاں عابد و معبود کی گویا ایک ہی حالت ہے پرستش کرنے والا اور وہ چیز جس کی پرستش کی گئی ہے ایک حالت رکھتی ہیں۔ اپنے قصور کا اعتراف کرنا لغو ہے۔ توبہ ایک باطل خیال ہے۔ تقدیس ایک بے وقوفانہ کام ہے۔ یہ ساری ایسی بے بنیاد باتیں ہیں جن کی لغویت عیاں ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جب قدیم فلسفیوں نے عبد اور معبود کے تعلقات کے پہچاننے میں ایسی صریح غلطیاں کی ہیں تو کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ خدا اور اس کے رازوں کا انہیں خفیف سا بھی علم ہوگا۔

نبوت اور نبی کے باریک راز اور پھر معجزوں کا اُن کی ذات کے ساتھ تعلق ہونے کو جاننا ایک مستبعد امر ہے فی الحقیقت فلسفہ کی جد و جہد نے انسانی خیال کو بہت ہی وسعت دیدی اور تخیلات کے نئے نئے عالم بنا کے کھڑے کر دیئے مگر فی الحقیقت حقیقت کو ان سے کچھ بھی واسطہ نہ تھا اور معرفت کے خم پر اس وقت تک مہر لگی رہی جب تک کائنات کا برگزیدہ اور فطرت کا لب لباب نہ پیدا ہوا اور اس نے کائنات کے سر پر قدم رکھ کے اس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولا۔

جتنے حکما کے اقوال کہ اوپر نقل ہو چکے ہیں وہ اصل میں ایک سایہ ہیں انسانی اوسط اور اعلےٰ مگر ابتدائی خیالات کے خدا اور اس کی لازوال قوتوں کو ان خیالات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے کائنات کا انتظام ابتدا

رہا ہے۔ گرم حمام میں بیٹھ کے کسی رگ کے منہ کھول دینے سے یا ایک زہر کا پیالہ پینے سے یا ایک انچ لوہے کی صیقل کئے ہوئے ٹکڑے سے تمام خواہشوں کی بآسانی تکمیل ہوسکتی ہے اور ایک دانا شخص گویا اس طرح جس لمحہ چاہے دائمی آرام حاصل کرسکتا ہے۔

عالم کو خدا ماننے کے موجودہ عقیدہ کا بانی اسپینوزا سمجھا گیا ہے اور اس نے اپنی کتابوں میں بہت کچھ برونو کی تصنیفات کی نقل کی ہے۔ آخر الذکر عالم ۱۶۰۰ء میں روما الکبریٰ کی شاہراہوں میں جلا دیا گیا تھا اور پادریوں نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ حکیم اسپینوزا کو بھی وہی غلطی ہوئی جو زنوفن کو ہوئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ فطرت اور انسانی ضمیر کے نظام سے اپنی بحث شروع کرتا اور پھر اس سلسلہ سے توحید خدا تک پہنچتا پہلے ہی سے اس نے خدا کی بابت بحث شروع کردی اور خدا کی تعریف بیان کرنے لگا۔ اس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ سوائے اپنے کسی چیز کی ہستی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے جو چیز پیدا کی گئی ہو اس میں ذاتی زندگی نہیں ہوسکتی۔ کوئی شے پیدا ہی نہیں ہوسکتی یہ خیال ایک باطل وہم کا نام ہے۔ جو چیز موجود ہے خدا کا حصہ ہے جو ایک بسیط ذات ہے اور اس میں لاانتہا صفات موجود ہیں۔ جتنی چیزیں ہم دیکھتے ہیں سب اس کی صفات ہیں اور اس کی ہستی کی شہادت دیتی ہیں اسلئے انسان میں کوئی خودمختارانہ زندگی نہیں ہے نہ اخلاق کوئی چیز ہے نہ صدق و کذب کوئی شے ہے یہ سب فی الحقیقت خدا کے مختلف کام ہیں۔ ذاتی ذمہ داری اور کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ہمارے کل خیالات محض لغو اور بے بنیاد ہیں۔ اس کے بعد ہیگل پیدا ہوا اور اس نے سابق الذکر حکیم کی کسی بات میں تردید اور کسی میں تائید کی مگر کوئی اصولی بات کہ جو طبع انسانی کے ماننے کے قابل ہو پیدا نہ کرسکا۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ مذہبی خیالات کی اس وسعت اور ترقی نے موجودہ یورپ پر کیا اثر ڈالا اور وہاں ان خیالات نے کیا رنگ اختیار کیا ہے۔ اہل جرمنی نے عالم کو خدا ماننے کے عقیدہ سے ایک نیا عقیدہ پیدا کیا اور وہ مذہب بودھ مذہب سے بالکل ملتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بودھ کے مذہبی اصول کو انہوں نے یورپی زبان کا لباس پہنا دیا ہے۔ اس نئے مذہب کا جو تمام یورپ میں پھیلتا جاتا ہے آرتھر شوپن ہربانی ہوا ہے اور اسے پیسی ازم کہتے ہیں۔ فاضل مذکور نے اپنے مذہبی اصول کو کسی قدر عاقلانہ بنیادوں پر قائم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ تیقن تمام چیزوں کا اصل الاصول ہے اور یہی تمام کائنات میں ایک چیز ہے۔ مگر اس تیقن میں ادراک نہیں ہے لیکن یہ اپنی ہی فطرت سے ایک مدت میں ادراک پیدا کرلیتا ہے اور صرف زندگی تک اس میں یہ قوت باقی رہتی ہے جب تک ایک بار اور یہ بے ادراک نہیں ہوجاتا اسے کامل آسائش یا کامل امن میسر نہیں آتا۔ یہ دنیا مجسم تضحیک ہے اور یہ اتنی بری ہے کہ اس سے زیادہ بری خیال میں نہیں آسکتی کیوں کہ اس میں بغیر گناہ کے بھی تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں تھوڑی سی برائی ہوتی پھر بھی یہ بہتر ہوتی کیوں کہ پھر انسان زیادہ زندہ رہنے کی خواہش نہ کرتا اور جب اس کی زندہ رہنے کی خواہش تمام ہوجاتی اس کی زندگی اسی کے ساتھ معاً ختم ہوجاتی۔ میں ضرور خودکشی کی سفارش کرتا ہوں اور دعوے کرتا ہوں کہ اس سے بہتر رستہ تیقن کو ادراک کی قوت سے

تھی اور اس حالت میں جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ بھی تعریف کے قابل ہے۔ کسی نے فطرت کی خارجی اشیا کی پرستش کی اور ان ہی کو اپنا معبود بنایا کوئی اس سے بھی آگے گزر گیا اور اس نے کائنات کے خالق کا پتہ لگایا مگر پھر کیا ہے سب نیم پختہ خیالات اور محض ابتدائی حالت میں کسی حکیم نے تفصیل سے عبد اور معبود کے تعلقات پر بحث نہیں کی اور کسی کا خیال یہاں تک نہیں پہنچا۔ خدا کی مخلوق کے بڑے حصے نے ان حکما سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ مصائب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اور ان کے پیچیدہ فلسفیانہ مقولے امرا و حکمرانوں کا ہاتھ ظلم سے نہیں روک سکے۔

افلاطون کے زمانہ میں ہر نوپیدا بچہ جو کمزور خیال کیا جاتا تھا فوراً ماں کی گود ہی سے چھین کے دفن کر دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی آنکھوں کے سامنے یہ ظالمانہ کارروائی ہوتی تھی اور وہ بے پروائی سے دیکھتا تھا مگر افسوس سے یہ سنا گیا ہے کہ اس نے ایسا کرنے کا خود فتویٰ دیدیا تھا۔ ارسطو کی حکمت سکندر اعظم کو مظالم اور وہ بھی مہیب مظالم سے کب باز رکھ سکی۔ زینوفن نے کیا کیا اور لوسٹن نے کیا فائدہ پہنچایا اور سقراط نے بیلوں اور بکریوں کے کانوں میں باتیں کر کر کے خدا کی مخلوق کی کیا اصلاح کی۔ اب اُن کی حکمت کہاں ہے اور ان کے معتقدوں کی تعداد کتنی ہے۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ فطرت کے رازوں اور معرفت الٰہیہ کو فلسفہ اور منطق کی باریکیوں سے بیر ہے جتنی عقل آرائی کرو گے معاملہ اور بھی پیچیدہ ہوتا جائے گا۔ انسان بغیر خدا کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی فعل جب تک خدا کا ہاتھ اُس میں شریک نہ ہو کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا۔ یوں تو سب کے خیالات الگ الگ ہیں اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی ذاتی رائے چاہے جو کچھ قایم کرے مگر انصاف سے یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ کذب کی حکومت دیرپا نہیں ہوتی پر نہیں ہوتی۔ ہزارہا حکیم ہوئے اور صدہا آدمیوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ وہ جال پھیلائے جن کا حد و پایان نہیں پھر وہ کیوں کر مٹ گئے اور کیوں اُن کے نام و نشان دنیا کے صفحہ سے اُڑ گئے؟ اگر یہ کہیں کہ دنیا میں ابتدا سے جاہل زیادہ پیدا ہوئے ہیں اور اُن میں مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کا مادہ بہت ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ کاذب نبیوں کے وقت میں بھی تو ایسی مخلوق موجود تھی اُن کی کیوں نہیں عالمگیر سلطنت ہوئی اور کیوں نہیں دنیا کے ایک بڑے حصہ نے اُنہیں تسلیم کیا؟ لامحالہ جواب یہی دیا جائیگا کہ او رہی ایک قوت ہے جو رازدارانہ کام کر رہی ہے اور وہ کبھی جھوٹے کو رستہ نہیں دیتی نہ اُسے دیرپا رکھتی ہے۔

علوم جدیدہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ جس خاص معاملہ میں مختلف رائیں ہوں یا جس خاص بات میں ایک گروہ کا اختلاف ہو وہ مسئلہ ہی سرے سے لغو اور بے بنیاد ہے ہم اس فیصلہ کو مانتے ہیں اور بہت زور سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ ہم نے جتنے حکما کے اقوال نقل کئے ہیں وہ خاص ایک مسئلہ میں بالکل مختلف ہیں اس لئے وہ مسئلہ ہی ہم غلط سمجھتے ہیں جس پر صدیوں سے بحثیں ہوتی چلی آتی ہیں برخلاف انبیا علیہم السلام کے کہ وہ سب ایک

سے جس کینڈے پر چل رہا ہے اُس کی کُنہ کو کسی کا دماغ نہیں پہنچا۔ ان حکمائے ظاہری اسباب پر طبع آزمائیاں کی ہیں مگر گہرائی تک پہنچنے کا انہیں خیال ہی نہیں ہوا۔ پیدا ہوئے تعلیم پائی اور اپنے چند ہمخیال بنا لئے اور چل بسے نہ تمدن میں اُن سے کچھ اصلاح ہوئی اور نہ خدا کی مخلوق کے مصائب کو کھو سکے۔ افلاطون آلہی نے اپنے اُستاد سقراط سے تناسخ میں بہت بڑا اختلاف کیا ہے اور خدا کی ہستی کی ایک حد تک شہادت دی ہے اسیطرح ارسطو نے کم و بیش خدا کو مانا ہے اُسے سوائے فلسفیوں کے اور لوگ نہیں سمجھے ہیں۔ نہ اُنہیں علم الاقوام کی خبر تھی اور نہ علم ہیئت پورے طور پر آتا تھا نہ وہ کائنات کے نظام کی باریکی کو پہچان سکے۔ اُنہیں اس کا خیال ہی نہ پیدا ہوا کہ خدا کا ہاتھ بھی ہر چیز میں کام کرتا ہے اور نہ صرف اس دنیا میں بلکہ ہزاروں عالموں میں بغیر اُسکی مرضی کے ذرّہ بھی نہیں ہلتا۔ دنیا میں ہزاروں قومیں اور لاکھوں خاندان ہوئے نشو و نما پائی پھلے پھولے ترقی کی اور برباد ہو گئے اور اخیر ایسے صفحۂ ہستی سے مٹے کہ کسی نے بھی نہیں جانا کہ وہ یہاں پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں۔ یہ کیا قوت ہے جو نئے نئے رنگ بدل رہی ہے اور یہ کیا انتظام ہے جو اس طرح چل رہا ہے۔ یہی دنیا یہی سرزمین یہی ممالک پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے اور کسے معلوم ہے کہ آئندہ کیا ہوں گے۔ مادہ اگر کل چیزوں کی جڑ ہے تو اُس میں یہ ادراک کیوں کر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کس صنعت سے کائنات کے تماشہ گاہ پر نئے نئے روپ میں جلوہ کر رہا ہے اور اس کے تماشوں کی جدت میں کبھی فرق نہیں آتا۔ مثلاً ایک بار بنی اسرائیل تماشہ گاہ پر نمودار ہوئے اور وہ وہ تماشے دکھائے کہ عالم سکتہ میں رہ گیا اُن کی قومی ترقی ان کی حکومت کی وسعت اُن کی بلند خیالی انکے شاہوں کے جاہ و جلال اُن کے سپاہیوں کی شجاعت اُن کے انبیا کی تعلیمیں جب یہ سب اپنا دورہ پورا کر چکیں یکایک فنا کا پردہ پڑ گیا اور وہ سب آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے۔ نہ بادشاہ رہے نہ سپاہی رہے نہ انبیا رہے پھر بنیاد نئی پانی شروع ہوا اور دوسری قوم تماشہ گاہ پر نمودار ہوئی اس نے وہ زور پکڑا وہ زور پکڑا کہ تمام دنیا کو ہلا دیا اور پھر وہ بھی اپنی عمر پوری کر کے چلتی بنی۔ روم الکبریٰ کی شوکت کا تیغ والوں کا اتفاق قوی اور دبدبہ یاد ہے اخیر وہ ترقی یافتہ قومیں کہاں گئیں اور ان کا کہاں کھوج ملے گا۔ کروروں مخلوق اور سب کے خیالات جدا جدا سب کی صورتیں الگ سب کی ضرورتیں علیحدہ علیحدہ اخیر یہ کیوں ایک ہی مادہ ہے جو سب میں موجود ہے پھر یہ اختلاف عظیم کیوں؟۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اور کوئی بڑا زبردست ہاتھ ہے جو ان تغیرات میں اپنا کام کر رہا ہے انسانی تاریخ کو بغور دیکھنے والا خدائے مطلق و واحد کا کھوج اچھی طرح لگا سکتا ہے بشرطیکہ بیدار دل اور روشن ضمیر سے اُس کا مطالعہ کرے۔ کیوں بڑے بڑے عقلا کے منصوبے بگڑ جاتے ہیں اور کیوں دلو العزم ارادوں پر خاک پڑ جاتی ہے۔ کیوں ہزارہا سال سے کائنات کا ایک ہی سلسلہ چلا آتا ہے اور کیوں نہیں اُس میں فرق پڑ جاتا۔ وجہ کیا کہ بڑے بڑے حکما تو ایڑیاں رگڑ کے مر جائیں اور ان کے معتقدوں کی تعداد انگلیوں پر ہو اور کیوں ایک یتیم بے یار و مددگار بچہ عالم کا سرتاج بن جائے۔ یہ خاص راز ہیں جو ابھی تک نہیں کھلے ہیں اور یہ خاص مابلش ہیں جو عقل کو چکر میں ڈالتی ہیں اور فہم کو پریشان کرتی ہیں۔ یونانی یا مصری یا ہندی حکما کی محض ابتدائی حالت

ہم پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ خاص اس اہم معاملہ میں جو کچھ موجودہ فلسفی بِل نے لکھا ہے اُس کو نقل کر دیں تاکہ پھر ہم کو اپنے طور پر لکھنے کا موقع ملے۔ بِل لکھتا ہے میرے مضمون الہام کو اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ میں عیسائیت یا کسی دوسرے مذہب کے علوم متعارفہ کو وحی یا الہام کے بارے میں بطور شہادت پیش کروں ان کل مذاہب کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں لیکن اس قسم کا عام خیال کوئی خاص سلسلہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا ہاں عام طور پر الہام مانا جاتا ہے جو ان تمام خیالات کا اصل الاصول ہے۔ الہام اور معجزہ کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے مثلاً قانون قدرت کی سلطنت میں ربانی مرضی کی براہ راست مداخلت کرنا اور ہم اپنے اسبات میں اس اصول پر بحث کرینگے۔ مفروضہ خدا جس نے دنیا بنائی اور اپنی مخلوق کی خوشی کے سامان مہیا کئے تو اس بنا پر معجزہ پیدا ہوا ہے کہ جو ذات وحدت الوجود کائنات پیدا کر سکتی ہے اُس میں یہ بھی قدرت ہونی چاہیے کہ وہ اس کی تراش خراش یا اس میں قطع برید بھی کر سکے۔ یہ ساری باتیں محض خیالی اور بے بنیاد ہیں۔ اس قسم کا کوئی آسمانی تعلق کسی انسان کو نہیں ہو سکتا وہ فرضی ذات نہ انسان کو کچھ دے سکتی ہے اور نہ کسی علم کی طرف اُس کی رہنمائی کر سکتی ہے نہ انسانی زندگی کی مشکلات کو وہ حل کر سکتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے۔ کیا کوئی شہادت ایسی مل سکتی ہے جس سے ربانی الہام کی صداقت ہو جائے تو پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس شہادت کی فطرت کیا ہوگی اور وہ شہادت اپنے ساتھ کیا وزن رکھی گی۔

یہاں تک مل کا بیان ہوا۔ اُس کے سوالات کا جواب دینا مشکل نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ وہ سرے سے خدا ہی کا قایل نہیں سب سے پہلے اُسے خدا کی ہستی سمجھائی جائی اور پھر اُن تعلقات پر بحث کی جائے جو عبد اور معبود میں ہیں ہم اگر خدا کی ذات پر بحث کرینگے تو ہمارا مقصود ساقط ہو جائے گا ہمیں صرف معجزہ اور نبوت پر بحث کرنی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اسی بحث سے تمام شبہات رفع ہو جائیں گے۔

ہمارے علمائے معجزہ کے جو معنی لیتے ہیں اور جس صورت سے وہ معجزہ کو سمجھے ہیں فی الحقیقت اُنہوں نے فطرت کے بڑے راز کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور اُسے بازاری آدمیوں کے ہاتھوں میں دے کے اُس کی سخت توہین کی ہے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ معجزہ اگر اس کا نام ہے کہ ایک فعل کو دیکھ کے عقل عاجز ہو جائے اور اُس کی کُنہ تک نہ پہنچ سکے تو یہ بہت ہی معمولی بات ہے ہزاروں کام ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتے اور ہزاروں فن ہیں جن کے سمجھنے کا ہم خیال بھی نہیں کر سکتے کیا ہم اُن انسانی افعال کا نام معجزہ رکھیں گے؟ نہ یہ معجزہ ہے کہ خشک درخت میں میوہ لگ جائے چٹانوں سے شیریں پانی کا چشمہ بہنے لگے اور جنم کے اندھے بینا ہو جائیں کوڑیوں کو آرام ہو جائے گھوڑا آسمان پر اُڑنے لگے خلاف ہوا پانی برسنے لگے یہ باتیں نہ صرف مجنونانہ خیالات ہیں بلکہ اُس کی بھی سخت توہین کی باعث ہیں جس کی ذات سے ان واقعات کی نسبت دی جاتی ہے۔ خدائے تعالےٰ نبی کو اس لئے مبعوث نہیں کرتا کہ وہ اس کے قانون قدرت کو ہمیشہ بدلا کرے اور اُس کے کروروں برس کے قواعد کو ہوش سنبھالتے ہی ستیاناس کرنے لگے۔ یہ قانون قدرت ہو چکا ہے کہ جب درخت کے ریشوں میں زمین سے عرق چوسنے کی طاقت سلب ہو جائے اور وہ اپنی کل رطوبت سے بے بہرہ ہو جائیں ہرگز پھل نہیں دے سکتے اور نہ اُن میں دوبارہ سرسبز

مسئلہ پر متفق ہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے کے بعد بھی کسی نبی نے اس پر اختلاف نہیں کیا۔ حضرت آدم سے لے کے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک سب نے ایک ہی خدا ہونے کی شہادت دی اور ایک نبی نے دوسرے نبی کی بہت زور سے تصدیق کی اسلئے یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے اور اس کی صحت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو یہی کہتے آئے خدا ایک ہے اسی کی عبادت کرو داؤد علیہ السلام آئے تو یہی کہتے آئے یعقوب علیہ السلام نے کی تو یہی تلقین کی غرض کسی نے بھی خفیف سی تبدیلی نہیں کی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اب بھی اس مسئلہ کی صداقت میں کچھ فرق رہا اور کون شبہ کر سکتا ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق اس عقیدہ میں پایا جاسے۔ یہ ہے صداقت اور یہ ہے راستبازی اور یہ ہے فطرت کا راز جس کی ہوا تک کسی فلسفی کو نہیں لگی اور کل حکما کا خاتمہ زندگی کے محض ابتدائی اصول پر ہوا۔

یہ اس اہم اور عظیم مسئلہ نبوت اور معجزہ کی تمہید ہے جو ہم نے بیان کی ہے اور ہم آگے اسے اور بھی توضیح کے ساتھ بیان کریں گے تاکہ اس مسئلہ کا ہر پہلو ایک حد تک حل ہو جائے اور فطرت کا راز صاف طور پر معلوم ہو جائے اس کے بعد ہم نبوت اور معجزہ کی حقیقت کو بیان کرینگے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری یہ تحریر ناظر تفسیر کو بہت کچھ فائدہ پہنچائے گی۔ اور اسے اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور فائدہ ہو جائے گا کہ وہ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے الحادی خیالات اور ان حکما کی منتشر رایوں کا مطالعہ کر کے ان کی اصلی حالت کو پہچان جائے گا اور بخوبی سمجھ لے گا کہ صدق کی ہوا بھی ان خیالات کو نہیں لگی ہے۔ التجا ہے تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کو بہت غور سے پڑھنا اور سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ مشکل اور مضمونوں کے زیادہ سہل اور ممکن الفہم نہیں ہے۔

جو کچھ اوپر لکھا جا چکا اس سے یہ ناممکن ہے کہ ہم فطرت میں کسی الہام یا وحی یا اس طریقہ کا پتہ لگا سکیں جو خداوند تعالے اپنے خاص بندوں سے باتیں کرنے کا رکھتا ہے نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا کی پیدائش اور نظام کائنات میں خدائے تعالے کا کیا مقصود ہے اور اس کی علت غائی کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس کارنگ یوں ہی بنتا بگڑتا رہا ہے اور کچھ اس سے سروکار نہ ہو تو فی الحقیقت یہ محض بے بنیاد ہے۔ اتنا عظیم سلسلہ جو خیال میں بھی نہ آسکے اور اس کا یہ باقاعدہ انتظام ضرور کسی ایسے مقصد کو پورا کر رہا ہے جس تک ابھی ہمارا خیال نہیں پہنچا ہے اور نہ امید ہوتی ہے کہ ہم اسے پا سکیں۔ ہم اپنی بساط کے باہر کبھی کوئی کام نہیں کر سکتے ہماری ناچیز عقل کبھی ان باتوں کا کھوج نہیں لگا سکتی جو اس کی رسائی سے باہر ہیں۔ الہام اور ملہم کے تعلقات کو سمجھنا بعض ایک کٹھن کام ہے اور اس کو پا لینا ایک مشکل امر ہے جبکہ ہم انسانی خیالات کی گہرائی کو نہیں پا سکتے اور خود اپنے تصورات کی ڈور کے ساتھ نہیں چل سکتے تو کیونکر ممکن ہے کہ ہم فطرت کے سب سے اہم اور اعلےٰ راز کو پا لیں گے قرآن مجید نے اگرچہ معجزہ و نبوت۔ الہام اور وحی کو صاف طور پر بیان کیا ہے لیکن سوائے الفاظ کے ظاہری مطالب کے اور کیا خاک سمجھ میں آسکتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نبوت۔ معجزہ یا الہام و وحی کی توضیح کوئی اعلےٰ درجہ کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے یا یہ کل امور محض خیالی ہی خیالی ہیں اور نہیں انسانی خیال کا صرف ایک ہمارا ہی پھیر

ایسی نہیں ملتی کہ وحشی خطہ سے جہلاء کے گروہ سے بت پرستوں کے مجمع سے صحرائی قوم سے ایک ایسا شخص پیدا ہو جو نہ صرف قدیم ادیان ہی پر غالب آجائے بلکہ قدیم پرشوکت سلطنتوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادے جتنے حکما پیدا ہوئے علم و حکمت کی معدن سے بودھ پیدا ہوا تو ہندوستان جیسے ترقی کناں خطہ سے زرتشت پیدا ہوا تو ایرانی سرزمین سے جس کی سلطنت حکمت اور صناعی کی دھوم مچ رہی تھی اسی طرح جتنے حکیم او مصلح پیدا ہوئے سب متمدن ممالک سے مگر کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص وحوش و بہایم میں پیدا ہو ان ہی میں پرورش پائے نہ اسے تعلیم ملی ہو اور نہ تمدن کے قواعد سکھائے گئے ہوں پھر وہ ایک جدید تمدن کی بنیاد ڈالے اور اسکے تمدن کا اثر نہ صرف عرب پر بلکہ او متمدن ممالک پر بھی پڑے۔ اس کی وفات کے بعد کیوں نہیں اور لوگ بوتے کے دعوے میں کامیاب ہوئے اور کیوں وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ کس غیر معمولی عقل سے اس نے کام لیا جو وہ نہ لے سکتے تھے اور کیا ایسی اعلےٰ تدبیری کی جو اور دعویداران نبوت نہ کر سکتے تھے۔ نہ کسی بڑی عقل سے کام لیا گیا نہ کوئی ایسی اعلےٰ تدبیری کی گئی جو سمجھ میں نہ آئے وہی سادہ معاشرت وہی معمولی تدبیر وہی کارروائی جو عام طور پر کی جا سکتی ہے زمانہ نبوت تک کی۔ زندگی بسر کرنے کا بھی وہی طریقہ رکھا جو اور لوگ رکھتے تھے۔ جب کوئی غیر معمولی بات نہ تھی تو پھر رہ کے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پاک نفس نے کیا افسوں پڑھا جس کا تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی اثر زائل نہیں ہوا ہے اور جو حرارت کہ ابتدائی سنین اسلام میں تھی جوں کی توں باقی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سلطنت مذہب کی زندگی کی باعث ہے تو پھر اسلام ایسے دور دراز ملک میں کیوں ترقی کر رہا ہے جہاں ایک دن بھی مسلمانوں کی سلطنت نہیں ہوئی اور نہ وہاں کی زمین کا ایک چپہ ان کے قبضہ میں آیا اسلام کیوں انسانی فطرت کے مطابق ثابت ہوتا جاتا ہے اور کیوں کر ایک ناخواندہ نفس نے فطرت کا اس گہرائی سے مطالعہ کیا کہ اپنے تمام اصول اسی کی بنیاد پر قائم کئے۔ کس حکیم یا مصلح نے اپنے نئے معتقد بنانے کی کوشش نہیں کی اور آج ہزاروں حکما اور مصلحان قوم میں کس کسکے نام لیوا نظر آتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کہاں گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی امت کیا ہوگئی حضرت لوط۔ حضرت نوح حضرت یعقوب حضرت یوسف حضرت موسےٰ کی امتیں کہاں گئیں اور اب ان کا کوئی کھوج نکال سکتا ہے حضرت مسیح یا حضرت موسےٰ کے نام لیوا اگرچہ باقی ہیں مگر ان کے اعتقادات کا خدا ہی حافظ ہے۔ ان کی اصلی تعلیم کہاں ہے اور وہ کونسی کتابیں ہیں جو ان پر نازل ہوئی تھیں۔ ہزارہا اختلافات قومی تفریق، سلطنتوں کے الٹ پھیر اور نئے نئے عقیدے کے سرگروہوں نے قرآن میں کیوں نہیں تبدیلی پیدا کردی جبکہ دنیا کی ہر چیز میں فطرتاً تبدیلی لازمی کردی گئی ہے یہ مسلمہ مسئلہ کہ عالم متغیر اور جو چیز متغیر ہے حادث ہے پس عالم حادث ہے ہر مقام پر صحیح ہوتے ہوئے قرآن کے مقابلہ میں کیوں کر غلط ہو گیا دنیا میں کونسی کتاب ہے جو بلا تبدیل و تحریف تیرہ سو برس سے یکساں چلی آتی ہو اور لاکھوں خاندانی تغیرات اس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے اخیر یہ کیا بات ہے اور کیوں نہ ہمیں اس راز کا پتہ لگانا چاہیے اور اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے ممکن ہے کہ ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور اگر نو فرضناً یہ تہی

ہونے کی قوت باقی رہتی ہے اب ایک شخص اسی کو سرسبز کردے اور خلاف معمول اس میں میوے لگا دے یہ تو گویا اس نے آتے ہی قوانین قدرت پر ہاتھ صاف کیا اور اگر یہ بات نہیں ہے اور اس نے دوسرا پہلو اختیار کیا ہے یعنی چیزوں کی اصلی فطرت کو نہیں بدلا ہے بلکہ لوگوں کو نئی صورت یا خلاف فطرت ہیئت میں دکھا دیا ہے تو اس نے خدا کی مخلوق کو بہت ہی بڑا دھوکا دیا کہ چیز تھی کچھ اور دکھائی کسی صورت میں گئی۔ آج دنیا میں کسی نبی کے ایسے معجزہ کا پتہ نہیں لگتا جو خلاف فطرت باری تعالےٰ کسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوا ہو اور کچھ نہ کچھ اس کا اثر باقی ہو۔ مثلاً کسی نبی نے کسی پہاڑ سے چشمہ بہا دیا مگر آج جا کے دیکھو تو وہاں نہ چشمہ ہے نہ تری ہے نہ سبزہ ہے۔ اور اگر ان باتوں کو فرض کرلیں کہ یہ صحیح ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ معجزہ کے دکھانے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اگر ایک شخص نے سوکھے درخت میں میوے لگا دیئے اور وہ کھلا بھی دیئے تو اخلاقی اثر ان پھلوں کا کھانے والے پر کیا ہوا۔ انسانی تمدن میں اس سے کیا ترقی ہوئی۔ کوئی شخص کسی ایسے درخت کا پتہ دے سکتا ہے کہ اب بھی اس میں پھل لگتے ہیں یا کسی ایسے شہر کا نشان بتا سکتا ہے جو معجزہ سے بسایا گیا ہو اور وہ اب تک آباد ہو جب یہ بات نہیں ہے تو نبیوں کے معجزے اور ولیوں کی کرامتیں محض ہنگامی ہوئیں اور ایسی ہنگامی باتوں کی جسقدر قدر و منزلت ہو سکتی ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے قرآن مجید نے جہاں اور ما فوق الفطرت باتوں سے انکار کیا ہے وہاں اس قسم کے معجزوں سے بھی پہلو بچایا ہے اور جب کبھی معجزہ کے طلبگاروں کے آگے کوئی بات پیش بھی کی ہے وہ فطرت اور اس کے گہرے رازوں کی ہے۔

ہماری اس تحریر سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمیں نفس معجزہ سے انکار ہے بلکہ ہم معجزہ کو مانتے تو ضرور ہیں لیکن اُسکے ایسے محدود معنی نہیں لیتے جو عام طور سمجھ لئے گئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ معجزہ فطرت کا بہت بڑا راز ہے کہ جب تک فطرت قایم ہے وہ بھی باقی ہے۔ در اصل معجزہ نبوت اور فطرت لازم و ملزوم ہیں اور ایک چیز دوسری چیز کے بغیر کبھی قایم نہیں رہ سکتی۔ ہم اسبات کے قائل ہیں کہ ہمارے نبی معصوم سے قبل انبیا نے معجزے دکھائے لیکن آپکے وہ معجزے دیرپا اور غیر فانی ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ہے کبھی ان کی بزرگی میں فرق نہیں آسکتا۔ ہماری نظریں ان تعلقات کی طرف ہیں جو آپ کو اپنے خالق کے ساتھ تھے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس تعلق کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کونسی بات تھی جس نے آپ کے بزرگوں کو آپ کا مطیع بنا دیا تھا اور اس وقت کہ آپ بے سروسامان تھے کیوں آپکے چچا آپ پر ایمان لائے اور انسانی فطرت کے خلاف کیوں انہوں نے ایسا کیا۔ کیوں ان بوڑھے سرداروں نے جن میں صحرائی آزادی خون کی طرح سے ملی ہوئی تھی اور جن کے سامنے آپ پیدا ہوئے پرورش پائی بڑے ہوئے اور پھر نبوت کا دعویٰ کیا وہ کیوں اور کس صورت سے معتقد ہو گئے اور معتقد بھی ایسے کہ آپکی اطاعت مثل غلاموں کے کی۔ ایک بے سروسامان شخص میں جس نے نہ کبھی تعلیم پائی نہ حکما کی صحبت میں بیٹھا کہاں سے یہ قدرت پیدا ہو گئی کہ اس نے زمانہ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ زمانہ کو اپنا کر کے دکھا دیا۔ یہ باتیں کچھ معمولی نہیں ہیں ان پر سخت غور و فکر کی حاجت ہے اور بغیر ایک کافی توجہ کے ان کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ کوئی بھی نظیر دنیا کی تاریخ میں

مزاج محسوسات، معاشرت، خیالات میں فرق ہوگا اسی طرح ایک شیر کے بچوں میں بھی اختلاف ہوگا۔ ایک ہی خون کے سب بنے ہوئے ایک ہی ماں کے دودھ پیے ہوئے ایک ہی آب و ہوا میں پرورش پائی ہوئی پھر بھی اُن میں کیوں اختلاف رہتا ہے اور اُن کے مزاجوں میں خواہ جانور ہوں یا انسان کیوں عظیم فرق پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان اپنی کھوپریوں کی بناوٹ سے مجبور کیا گیا ہے کہ جیسی اُس کی کھوپری کی بناوٹ ہو ویسا ہی اُس کا مزاج ہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی والدین کے بچوں کی کھوپری کی بناوٹ یکساں کیوں نہیں ہوئی اور ان میں کیوں اختلاف رہا۔ اس اختلاف سے اتنا پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ مادہ سب با تو کلی جبر ہے مگر اس میں ادراک نہیں ہے اور یہ ادراک جو اس میں ودیعت ہوا ہے ضرور ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے ہے اور جس قدر تبدیلیاں ہوتی ہیں سب اسی قوت سے پیدا ہوتی ہیں اور جہاں تک غور کیا جاتا ہے اِن ہی تبدیلیوں سے کائنات کا انتظام چلتا ہے۔ اگر ابتدا سے انسان اور حیوان کی ایک ہی رفتار ہوتی اگر آغاز پیدائش سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوتا تو یہ اس وقت ضرور خیال آ سکتا تھا کہ منتظم کوئی ذات نہیں ہے زمانہ اپنے گینڈے پر چل رہا ہے اور یوں ہی ہوتا چلا جائے گا۔ فی الحقیقت اگر خدائے تعالیٰ کی ذات کا پتہ لگ سکتا ہے تو صرف اس اختلاف سے اور اسی تغیر و تبدل میں ہم خدائے کو پا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو بھی خداشناسی کا ہے اور وہ انسان کے مختلف مدارج ہیں۔ اول دن سے انسان کی فطرت میں یہ ودیعت ہوا ہے کہ اُن کا ایک سرگروہ ہو کچھ انسان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جانوروں میں بھی ایسا دیکھا گیا ہے، مثلاً ہرنوں کے جھنڈ میں ایک رہنما ضرور ہوتا ہے اور شکاری اسے اچھی طرح جانتے ہیں بھیڑوں کی مثل تو عوام کے بھی زبان زد ہے کہ اگر آگے والی بھیڑ ایک ٹبیا پر ہوئے تو سب بھیڑیں اس کے پیچھے ہو لیتی ہیں ہواؤں میں قازیں جب پرا باندھ کے اُڑتی ہیں تو ضرور ایک قاز سب کے آگے ہوتی ہے اور جس سیدھ میں وہ جاتی ہے سب اُس کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی کیفیت تو عام طور پر سب کو معلوم ہے کہ ایک بادشاہ ان میں ہوتا ہے اور سب مکھیاں اُس کی متابعت کرتی ہیں غرض اسی طرح سے کم و بیش یہی انتظام فطرت کی طرف سے قائم ہے اور اس انتظام پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا اسی طرح سے انسان بالطبع ایک دوسرے کا محتاج پیدا ہوا ہے اور اول روز سے ہوش سنبھالتے ہی اُسے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے پہلے وہ والدین کی سرپرستی میں رہتا ہے اور جب تک اپنا دایاں بایاں نہ پہچاننے لگے اُن ہی کی اطاعت کرتا ہے اور جب بالغ ہوتا ہے اور اس پر اپنی زندگی بسر کرنے کا بوجھ پڑتا ہے تو وہ پہلے رہنما کی تلاش کرتا ہے جو اُسے زندگی بسر کرنے کے قاعدے بتائے اور اپنے تجربہ سے اُسے نئی باتیں سکھائے۔ ہر حالت میں اُسے ایک معلم کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ کوئی فن سیکھے خواہ کوئی علم خواہ سپاہی بنے خواہ فقیر خواہ چور بنے خواہ نیک بخت بغیر معلم کے وہ کچھ نہیں کر سکتا جب یہ ساری باتیں ثابت ہو گئیں تو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ فطرت نے خود اُس کی طبیعت میں دوسرے شخص کی اطاعت کرنے کی ضرورت پیدا کر دی ہے اور یہ ضرورت اخیر میں اُس کی زندگی کا جزو اعظم بن گئی ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں [illegible]

سے نہیں کامیاب ہوئے جب بھی کچھ نہ کچھ ہمیں حاصل ہی ہو جائے گا اور بہت سی نامعلوم باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

ہمیں کچھ دیر کے لئے ذرا پیچھے ہٹ کے دنیا کے نظام پر غور کرنا چاہئے اور سب سے پہلے یہ دیکھنا ضرور ہے کہ دنیا میں بتدریج اور مسلسل طریقہ ہزاروں برس سے یکساں کیوں کر چلا آتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اس ترتیب اور تسلسل میں کبھی صدی کسی قرن کسی سال کسی ماہ اور کسی دن میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا۔ ابتدائی زمانہ میں انسان کی کیا کیفیت تھی اور اس کے تمدن کی کیا حالت تھی وہ کیا لباس پہنتا تھا اور اسکے کیا خیالات تھے کیوں وہ ایک ہی حالت میں نہیں رہا اور نسلاً بعد نسلاً اسے اپنے خیالات محسوسات، معاشرت اور تمدن میں کیوں نئی نئی اصلاحوں کی ضرورت پڑی اور کس چیز نے اسے رستہ دیا کہ وہ تمام کائنات میں ایک حد تک اپنے کو اشرف المخلوقات ثابت کردے۔ انسان کی جواب حالت ہے یہی کئی صدی بلکہ کئی ہزار برس پہلے تھی یہی دماغ یہی ہاتھ پیر یہی قد اور یہی آنکھیں ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرزبوم وجہ کیا کہ زمانہ گزرتے گزرتے انسان انسان بن گیا اور کیوں نہیں اس نے ایک ہی بار ترقی کرلی اور کیوں نہیں وہ ایک ہی حالت پر قایم رہا یہی مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں تھا یہی اجزائے لاتیجزی بھی موجود تھے یہی خلا یا غیر خلا یہی تھا مادہ نے کیوں نہیں وہ ترقی کی جو آج ہو رہی ہے۔ اگر مادہ میں فی الحقیقت ادراک ہوتا تو ضرور وہ اسی زمانہ میں کچھ ہاتھ پیر مارتا اور اس کی حالت ہمیشہ یکساں رہتی مگر یہ نہیں ہوا مادہ اگر قدیم ہے تو ہو یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اس میں ادراک اور شعور بھی ہے۔ مادہ کی قدامت غیر قدامت میں بحث کرنا عبث ہے جبکہ یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مادہ میں کسی قسم کا بھی ادراک ہے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ایک ہستی ہے کہ جو مادہ میں غیر معلوم ادراک پیدا کرتی ہے اور خاص اسی مادہ سے انسان بنتا ہے۔ جو اجزا کہ انسان میں ہیں وہی ایک درخت میں ہیں اور وہی ایک حیوان میں پھر کس چیز نے اسے بیوقوف دیا اور ایسی کونسی پوشیدہ قوت ہے جس نے اسے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ ایک بندر یا ایک کتے میں جبکہ وہ ایک ہی مادہ سے بنا ہوا ہے یہ عقل کیوں نہیں پیدا ہو گئی مادہ کیوں نہیں ایک بیل کو انسان بنا دیتا اور مادہ کی جب خاص خاص صفات مشخص ہو گئی ہیں ان کی تبدیلیاں مختلف اجسام میں کیوں جا کے نیا نیا رنگ اختیار کرتی ہیں۔ بکری اور شیر کے مزاج میں کیوں بہت بڑا بل ہے۔ شیر کیوں گوشت کھانے پر مجبور ہے اور بکری کیوں نہیں گوشت کھاتی۔ وجہ کیا کہ شیر میں اتنی غیر معمولی قوت ہے اور گھوڑے میں جو اس سے زیادہ جسیم اور چالاک ہے یہ قوت نہیں ہوتی۔ مادہ میں کیوں اتنا فرق پیدا ہو گیا اور مادہ نے کیوں ان جانوروں کو یکساں حالت پر نہیں رکھا۔ اجسام کے معمولی اختلاف کے سوا کوئی بھی فرق ایک کتے اور بھیڑیئے یا شیر میں نہیں ہے وہی گوشت وہی پوست وہی خوراک وہی انتڑیاں وہی گردے وہی خون پھر کیا وجہ ہے کہ قوت اور خونخواری میں اتنا اختلاف ہے۔ یہ باتیں ہیں جو زیادہ توجہ کی محتاج ہیں اور یہ اہم امور ہیں جن میں فطرت کے رازوں کا کچھ پتہ لگتا ہے۔ پھر یہ دیکھنے کی بات ہے کہ ایک ہی جنس کی اشیا میں بھی باہم ایک اختلاف عظیم ہے جس طرح ایک ماں باپ کے بچوں کی صورت

یہ صحیح ہے کہ مثل انسان کے حیوان کو خوشی اور رنج زیادہ محسوس نہیں ہوتا پھر بھی اُس میں تکلیف اور راحت محسوس کرنے کی حس موجود ہے اور وہ ضرور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ آقا کا معمولی طور پر اُس کی ایال اور سر پر ہاتھ پھیرنا اُس کی بے انتہا شادمانی کا باعث ہوتا ہے۔ اسیطرح ہر جانور کا درجہ ہے۔ جانور تو اپنی حالت آپ بدل ہی نہیں سکتا پھر کونسی پوشیدہ قوت ہی کہ ایک جانور کو میدان جنگ میں گولیوں اور گولوں کی بارش میں لے جاتی ہے اور ایک جانور کو امیرانہ اصطبل میں رکھتی ہے۔ کس چیز نے جانوروں میں امتیاز پیدا کیا ہے اور کونسی قوت ہے جو اُنہیں اعلے اور ادنے درجہ پر پہنچاتی ہے؟ اسی طرح فطرت نے انسان میں بھی ابتدا ہی سے مدارج قایم کئے ہیں اور انسان کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں بلکہ اُس کے خون میں امتیاز کرنا ملا ہوا ہے اور یہ امر اس کا طبعی ہے کسبی نہیں ہے ایک بادشاہ ہے ایک فقیر ہے ایک مریض ہے ایک صحیح ہے ایک عالم ہے ایک جاہل ہے۔ بغرض مدارج میں امتیاز ہونے ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ اسی انسانی فطرت کے مطابق خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اس صریح بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا تو فطرتاً انسان کا فرض ہے کہ سب سے بزرگ کی تعظیم کرے اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ بزرگی اُسے کسی پوشیدہ قوت سے پہنچی ہے یا اس کی کسبی ہے۔ اگر فطرت کا ہاتھ اُس کے سر پر ہے اور وہ اسی بنا پر بزرگ بنا ہے تو تو اس کی یہ بزرگی فطرت کے قیام تک رہے گی اور اُسے کسی حالت میں بھی زوال نہیں آسکتا اور اگر اس کی بزرگی میں فطرت کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ قیامت تک دیرپا نہیں رہ سکتی اور بہت جلد فانی ہو جائے گی۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کیوں کر تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کے معنی کیا ہیں۔ اس بات کو سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ انسان کائنات کا لب لباب ہے۔ اور سب میں اشرف ہے اب یہ شرف اور بزرگی اس کی پیدا کی ہوئی تو ہرگز نہیں ہوسکتی کیوں کہ اگر ہر شے میں خود کچھ ہونے یا بننے کی قدرت ہوتی تو فطرت کی ہر شے میں ہونی چاہیے تھی جب کوئی منتظم ہی نہیں ہے پھر کس نے انسان کو اشرف بنا دیا۔ اگر یہ آپ ہی آپ بنا ہے تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کیوں کہ جن اجزا سے اس کی ساخت ہوئی ہے اُن ہی اجزا سے ایک حیوان کی اور اُن ہی اجزا سے ایک درخت کی۔ اُن میں بھی یہ طاقت ہونی چاہیے تھی کہ بتدریج ترقی کرتے کرتے یا زمانہ گزرتے گزرتے وہ بھی اشرفیت کے دائرہ میں آجاتے مگر جب یہ بات نہیں ہوئی تو ہم سمجھتے ہیں کہ علاوہ ان اجزا کے جو کل حیوانات نباتات جمادات میں شامل ہیں ضرور ایک علیحدہ جوہر بھی ہے جو کائنات کی کسی چیز میں نہیں ہے اور اسی جوہر کی وجہ سے اسے تمام کائنات کی اشیا پر شرف ملا ہے وہ جوہر اُس نے نہ از خود پیدا کیا ہے نہ آپ سے آپ اس طبیعت میں پیدا ہوا ہے کیوں کہ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات ہوتی تو ضرور اس جوہر کا خود انسان ہی پتہ لگا لیتا اور جب کہ علوم جدیدہ صاف صاف اعتراف کر رہے ہیں کہ ابھی تک انسانی بزرگی کا ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں پہچانا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوہر کسی ایسی پوشیدہ قوت کا عطا کیا ہوا ہے جو ہر جگہ ہے مگر دکھائی نہیں دیتی جس کی ریشہ دوانی ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے مگر ان آنکھوں سے نہیں سوجھتی اس بنا پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ میں تمہاری رگ شریان سے

اور بغیر دوسری کی مدد کے زندہ رہے بڑے بڑے رشیوں اور ولیوں کی داستانیں سُنی ہیں اور تارک الدنیا صفات
کو بھی دیکھا ہے مگر اُن کا دنیا کے ترک کرنے کا ادعا محض غلط اور مہمل معلوم ہوا ہے۔ کیا تماشہ کی بات ہے کہ دنیا
ہی میں رہتے ہیں۔ اسی آب و ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں لباس تپی پر گزارا کرتے ہیں اور پھر یہ دعوی ہوتا ہے کہ ہم نے
دنیا کو چھوڑ دیا۔ آبادی سے کنارہ کرنے کا نام ترک دنیا رکھا ہے کسی غار میں گوشہ گزین ہونا اور کسی سے سروکار
نہ رکھنا اس فطرت کو نہیں بدل سکتا جو باری تعالٰے نے انسان میں ودیعت کی ہے۔ وہاں بھی ان لوگوں کو وہی
احتیاج رہتی ہے جو زندگی کے لئے لازمی ہے اگر ہوا نہ ہو تو وہ ایک لمحہ میں مر جائیں۔ اور اکثر تو ایسا دیکھا گیا ہے
کہ ان لوگوں کے معتقد تر مال جنگل ہی میں انہیں پہنچاتے ہیں اور ان کی زندگی کا دارومدار مریدوں کی مدد پر بہت بڑا
ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اور اس کی زندگی کا دارومدار دوسروں کی مدد پر رکھا گیا
ہے ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ایک کو دوسرے سے احتیاج ہے۔ جب احتیاج ہوئی تو اُسے اطاعت
بھی لازمی ہوگئی اور اس کا فرض ہوگیا کہ وہ اپنے ہی جنس کے کسی شخص کی اطاعت کرے۔ اب یہ لیاقت اور
قابلیت پر موقوف ہے کہ کسی شخص نے اپنے دس مرید بنا لئے اور کسی نے سو اور کسی نے ہزار اور کسی نے دس ہزار۔
اب اس مطیع یا مرید بنانے کا دوسرا پہلو ہے۔ مرید بنانا تو آسان ہے لیکن اُن مریدوں کو ہمیشہ اپنا مطیع بنائے
رکھنا یہ دوسرا امر ہے۔ مثلاً چند آدمی ایک شخص کو اپنا مرشد مانتے ہیں اور اُن کی کوئی خاص غرض ہے جس سے وہ
ایسے معتقد دکھائی دیتے ہیں اگر وہ غرض اُن کی نکل گئی تو پھر اُن کے اعتقاد کی وہ کیفیت نہیں رہنے کی جو ابتدا میں
تھی اور اگر وہ غرض اُن کی نہیں نکلی اور اُسے ایک زمانہ گزر گیا پھر بھی وہ اعتقاد میں کچے ہو جائیں گے۔ اور اگر غرض
کرو نہ بھی ہوئے پیر کے مرنے کے بعد تو ضرور اعتقادات میں سستی آجائے گی اور چند سال کے بعد کوئی جاننے
کا بھی نہیں کہ کوئی پیر صاحب یہاں بستے تھے اور اُن پر لوگوں کے یہ اعتقادات تھے۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ
دنیا کے ہر ملک میں ہزاروں پیر ہوئے مگر اب اُن کا معتقد بمشکل کوئی نکلے گا کہیں ان لوگوں کو پیر کہتے ہیں
کہیں ریفارمر یعنی مصلح کہیں رشی اور کہیں اوتار کہیں سینٹ کہتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ
ہر ملک میں زبان اور محسوسات کے اختلاف کی وجہ سے نئے نئے ناموں میں پکارے جاتے ہیں۔ ہزاروں
ہوئے اور فنا ہو گئے مگر آج اُن کا نام لینے والا ایک بھی نہیں نکلنے کا اور اگر ان میں سے بعض کے نام بھی مشہور
ہیں تو اُن کے اعتقادات ایسے سرد ہو گئے ہیں کہ جتنا ہونا چاہئے وہ احترام اُن کا نہیں ہوتا۔

اسکے علاوہ ایک اور بات بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قدرت نے کائنات کی ہر چیز میں ایک امتیاز
پیدا کیا ہے اور اس امتیاز کا سلسلہ ذرہ سے لیکے آفتاب اور تمام بڑے سے بڑے کروں میں پایا جاتا ہے
ایک گھوڑا ہے کہ وہ کرایہ کی گاڑیوں میں یا یکوں میں جوتا جاتا ہے اور بیچارہ سارا دن چکر لگاتے لگاتے مر جاتا ہے
کبھی نہ اُسے اچھی طرح کھانے کو ملتا ہے اور نہ اُس کی خدمت ہوتی ہے ایک گھوڑا ہے جو شاہ کے اصطبل میں
بندھا رہتا ہے دو دو جلیبیاں کھاتا ہے او گھڑی آدھ گھڑی کی سواری کے بعد پھر آرام اپنی زندگی بسر کرتا ہے

طبائع فطرت کے مشاہدات کے قابل بن چکی تھیں اور اُن میں یہ قابلیت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کائنات کی چیزوں کی اصلیت سمجھنے لگیں نہ اُن کے آگے یہ ضرورت رہی تھی کہ حضرت ابراہیم کے قصے بیان کئے جائیں کہ آگ اُنکے لئے کس طرح باغ بن گئی تھی اور نہ یہ حاجت تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سے مٹی کے جانوروں میں جان ڈالی جاتی نہ انہیں یہ ضرورت تھی کہ حضرت موسےٰ کے صبر اور ضبط کا قصہ بیان کیا جاتا۔ قرآن مجید کو بغور دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے طبائع انسانی کی بتدریج ترقی کا حال بیان کیا ہے اور دکھایا ہے کہ پہلے ہم نے انہیں کیوں کر تعلیم دی اور اب اُن کو کیوں کر تعلیم دیتے ہیں۔ ہمارا پہلا طریقہ تعلیم کیا تھا اور بعد ازاں ترقی ہوتے ہوتے اس میں کیا کیا تغیر پیدا ہوا۔

سب کے بعد حضور انور رسول خدا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا اور نبوت کے لحاظ سے یہ زمانہ اخیر تھا یا بالفاظ دیگر خدا کی تعلیم کا سلسلہ یہیں ختم ہوتا تھا یعنی ربانی تعلیم کی تکمیل ہو چکی تھی اس لئے جو تعلیم آپ کو دی گئی وہ وہی تعلیم ہے جو ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی زمانہ کے ساتھ برابر تطابق کھاتی چلی جائے گی۔ ہماری ان باتوں کو وہی اشخاص بہتر سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے قرآنی مضامین کو غور سے پڑھا ہے۔ غرض اس سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہے کہ اس تعلق کا نام جو خالق حقیقی کو اپنے کسی خاص بندے سے ہوتا ہے اور اس بندے کو وہ مخلوق پر اپنی مرضی پوری کرانے کے لئے چن لیتا ہے نبوت کہتے ہیں اور اس نبوت سے جو کام سرزد ہوتے ہیں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ یہ اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ معجزہ کی نہ تو کئی قسمیں ہیں اور نہ معجزہ کو کرامت یا استدراج کہتے ہیں نہ معجزے سے یہ مطلب ہے کہ بھان متی کے سانگ دکھائے جائیں بلکہ معجزہ سے جو غرض ہے وہ یہ ہے کہ نبی ایسے قوانین بنا جائے جو قیامت تک بلا تبدیل رہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی اُن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہ آئے۔ اُن قوانین کا چاہے تسلیم کرانے والا ہو یا نہ ہو مگر وہ خود مخلوق کے دلوں میں گھر کرتے جائیں اور ہر متنفس اُن قوانین کی پابندی سے اپنی دنیاوی اور دینی بہبودی سمجھے۔ مثلاً آج ہندوستان میں کسی شہر میں کوئی ایسا حاکم مسلمانوں کا نہیں ہے جو انہیں دینی ارکان کے ادا کرنے کی تاکید کرے اور اگر وہ شریعت کے احکام کی بجا آوری نہ کریں تو اُن کے لئے سزائیں تجویز کی جائیں جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس آزادی پر بھی اپنے مذہبی ارکان ادا کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں اور حج کرنے جاتے ہیں ایسی کونسی قوت ہے جس نے انہیں ان فرائض کی تکمیل پر جن کو قایم ہوئے تیرہ صدیاں گزریں ایسا سرگرم بنا رکھا ہے نہ اُن کا کوئی کہنے والا ہے نہ انہیں ترغیب دینے والا ہے۔ بس اسی کا نام معجزہ ہے اور ایسی ہی تعلیم کو جو ہزاروں سال کے بعد بھی یکساں حالت میں رہے خاص نبی سے تعلق ہوتا ہے اور غیر نبی کی قیامت تک ایسی دیرپا تعلیم نہیں ہو سکتی۔

اب اس سے ایک بات اور پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبوت اور معجزہ لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض قدیم اور جدید علما نے یہ لکھا ہے کہ نبوت

بھی زیادہ قریب ہوں جتنا تم میرے پاس آتے ہو میں تمہارے قریب آتا ہوں جتنا تم مجھ سے دور ہوتے ہو میں
تم سے اور بعید ہو جاتا ہوں۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی خاص جوہر انسان میں ضرور ہے اور وہ ایک پوشیدہ
قوت کا عطا کیا ہوا ہے وہی پوشیدہ قوت امتیاز یہ مدارج قایم کرتی ہے اور اسی پوشیدہ قوت نے انسان
میں یہ تفریق پیدا کر رکھی ہے جو ہم روزمرہ اپنی آنکھوں کے آگے دیکھتے ہیں۔ اور اخیر اسی پوشیدہ قوت کا نام
ہم نے حقیقی خالق رکھا ہے۔ اب یہاں سے دونوں باتیں ثابت ہو گئیں ایک تو باری تعالےٰ اور دوسرے
کائنات میں اس کا دخل۔ جب دخل ہوا تو اب اس کے اختیار میں ہے خواہ کسی کو اپنے خاص کام کے لئے
چن لے اور اس سے اپنی مخلوق کی بہتری کے نئے نئے سامان پیدا کرے اس جوہر میں جو خاص اس خالق نے
ہر انسان کو عطا فرمایا ہے اپنی مرضی شامل کر دے اور اس سے وہ وہ کام لے جو وہ محض ایک معمولی انسان کی
صورت میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا اور ان کاموں کو کبھی آیات بیّنات کے نام سے پکارے اور کبھی معجزے سے تعبیر
کرے وہ ایسے پاک نفس سے جسے اس نے اپنی مرضی کے پورا کرنے کے لئے چن لیا ہے باتیں ہی کرے
اور اس کی باتیں کرنا ہماری سی باتیں کرنا تو بیشک نہیں ہونے کا بلکہ وہ رازدارانہ طریقے ہوں گے جنکے بیان
کرنے کی نہ ہمیں طاقت ہی اور نہ ہماری زبان میں الفاظ پیدا ہوتے ہیں۔

یہیں سے عبد اور معبود کے تعلقات کا حال کھلتا ہے اور یہیں سے مخلوق اور خالق کے ارتباط کا راز معلوم
ہوتا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے اُن قوانین کے مطابق تعلیم دی جو وہ روز ازل میں بنا چکا ہے اور ان قوانین
کو چونکہ اس کی ذات سے ایک خاص نسبت ہے اسلئے کوئی شخص ان کا کھوج نہیں لگا سکتا اور جسطرح اس کی ذات
کی کنہہ کے سمجھنے میں عاجز ہے اسی طرح ان قوانین کی باریکی اس کے خیال میں حشر تک نہیں آ سکتی۔ اس نے اپنے انہی
قوانین قدرت کی بنا پر پہلے انسانی مخلوق میں حضرت آدم کو چن لیا اور انسانی زبان میں ان کے کچھ حالات بیان فرما دیئے
اور وہ حالات ایسے ہی ہیں جو حضرت آدم کے زمانہ کی معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً انہیں منع کرنا کہ جس درخت
کے پاس جانے کے لئے ہم نے منع کیا ہے وہاں نہ جانا اگر جاؤ گے تو نافرمانوں میں سے ہو گے۔ قرآن کا اس
بیان سے اصلی مقصود یہ ہے تاکہ ابتدائی دنیا کی معاشرت محسوسات اور خیالات معلوم ہوں اور یہ سمجھ میں آ جائے
کہ خالق حقیقی نے اول ہی اول انسانی تعلیم کا طریقہ کیا رکھا تھا۔ اسی طرح جتنے قرآنی قصص ہیں سب میں یہی بالفعل حکمت
مضمر ہے۔ ناسمجھ نہیں سمجھتے اور محض اپنی لاعلمی سے اعتراض کرتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ کہ وہ مٹی کے پرند
بناتے تھے اور ان میں جان ڈال دیتے تھے محض اس بنا پر بیان کیا گیا ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کے یہ عقائد و
خیالات تھے۔ مگر اخیر یہ ساری باتیں جاتی رہی تھیں اسلئے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جن امور کی نسبت
وحی ہے ان میں یہ مافوق الفطرت باتیں مطلق نہیں ہیں جب آپ سے معجزے کی خواہش کی گئی تو آپ نے صاف
فرمایا اے نادانو کیا معجزہ چاہتے ہو جبکہ عالم خدا کے معجزوں سے بھرا ہوا ہے۔ دن اور رات کا تغیر و تبدل ہوتا
مستقد اور بیتر۔ فطرت کے کاموں میں ہم آہنگی کیا ان فطرت کی اشیا کے آگے بھی کسی معجزہ کی ضرورت ہے انسانی

ہمارے اس بیان سے معجزہ اور نبوت کا کچھ نہ کچھ مفہوم ناظر کی سمجھ میں آگیا ہوگا اور اس نے جان لیا ہوگا کہ نبوت وہ نبوت نہیں ہے جسے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے نہ معجزہ کا وہ مقصود ہے جو عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ تاہم ابھی بہت کچھ باقی ہے اور اس بحث میں ابھی اور کچھ بھی ہمیں لکھنا ہے ہم اسے ایک حد تک تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے اور تمام حکمائے قدیم وجدید کے خیالات پر ایک نظر کرینگے اور دکھائیں گے کہ انہوں نے قدم قدم پر کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اخیر کس ناکامی میں انہوں نے دنیا سے کوچ کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مضمون ہے بھی بہت کٹھن اور اسے کوئی حکیم ہو یا فاضل یا عالم کبھی نہیں سمجھ سکتا جب تک خدا کی مرضی اس کے ساتھ نہو۔ خدا اور فطرت کے رازوں کا پتہ لگانے میں محض انسانی عقل کی جستجو ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اپنی بساط سے باہر کام نہیں کرسکتی جب تک اسے دوسری مدد نہ ہو۔ بڑے بڑے وزنی جگادری پتھر صرف جر ثقیل کے ذریعہ سے بآسانی ایک مقام سے دوسرے مقام پر اٹھا کے رکھ دیئے جاتے ہیں غرض اسی طرح جتنے کام ہیں بغیر امداد دوسری چیز کے حل نہیں ہوتے اسی طرح روحانی نکات اور شریعت کے غوامض ہیں جن کو انسان بغیر ربانی تائید کے محض اپنی عقل کے زور سے نہیں سمجھ سکتا۔

جن حکمانے صرف اپنی عقل کے بھروسہ پر فطرت کے رازوں کا پتہ لگانا چاہا ہے انہوں نے بجائے صاف کرنے اور مشکلات کے حل کرنے کے اور بھی پیچیدگی ڈال دی ہے اور یہ پیچیدگی ایسی پڑتی چلی گئی کہ صدیوں پر صدیاں گزرنے پر ان میں اور بھی گرہیں زیادہ پڑتی گئیں اور اخیر یہ مسئلہ یونان کی دیواروں میں الجھ کے رہ گیا۔ اور اگر اسے باہر بھی اتر ڈالا تو اسی پیچیدگی کا جس میں اب تک یورپ کا بڑا حصہ غلطاں وپیچاں دکھائی دے رہا ہے۔

سائنس یا علوم جدیدہ معجزہ اور نبوت تو در کنار ابھی تک اسی کا پتہ نہ لگا سکے کہ صداقت کیا چیز ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ جب تک صداقت کی پوری توضیح نہ ہو جائے ہرگز معجزہ اور نبوت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ صداقت سے خود معجزہ اور نبوت پیدا ہوتا ہے اور گویا صداقت اس عظیم شرفیت اور فضیلت کا سرچشمہ ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر کے لئے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔

مسئلہ اوّل

سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے کہ اس کے حل ہونے پر معجزہ اور نبوت کی حقیقت کھل جائے گی علوم جدیدہ کے تمام مسائل میں بھی یہ مسئلہ بے انتہا ضروری اور لحاظ کرنے کے قابل ہے۔ سائنس فی الحقیقت ضمیر سے صداقت کی شناخت کا نام ہے۔ اور جب تک کہ اس کی پورے طور پر شناخت نہ ہو جائے اس کا راز ہرگز نہیں کھلتا جب راز کھل گیا تو گویا صداقت کا معیار معلوم ہوگیا۔ سائنس کی تو وہی تعریف موزون ہوسکتی ہے جو ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں مگر اس وقت نہایت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ سائنس کا تمام علم ادب شرمناک الحاد سے پر ہو رہا ہے اور کہیں بھی صداقت کا پتہ لگانے کی مطلق

کے لئے معجزہ لازمی نہیں ہے ہمارے امام صاحب تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر معجزوں کا نہ بھی ذکر کیا جائے پھر بھی ہمارے آخرالزمان نبی کی صفات اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ نبوت کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں مگر ہم اُن کے قول کو نہیں مانتے اور ہمیں خیال ہے کہ اُنھوں نے نبوت اور معجزہ کی جڑوں کو نہیں دیکھا کہ کائنات کی کن انتہائی حدود تک پہنچی ہوئی ہیں اور خالق کائنات سے اُن کا کیا تعلق ہے۔ الحمدللہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معرفت اور حقیقت کے دروازے ہماری آنکھوں کے آگے کھول دیئے اور ہمیں سمجھا دیا کہ خالق کائنات کا یہ تعلق ہے اور قدیم حکما اور فلسفی معرفت کے نکات سمجھنے میں کیسے ناکام رہے۔ اُس کا قاعدہ ہے کہ ہر صدی میں وہ اپنی مخلوق میں سے ایک عبد کو اس لئے چن لیتا ہے کہ جو غلط خیالات بعض خارجی محسوسات اور باطلہ اوہام کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں اُن کی اصلاح اپنے اُن ہی قوانین قدرت کے مطابق کرائے جو ہزاروں برس سے رائج ہیں اور کائنات کا انتظام اُن ہی پر چل رہا ہے۔ اس صدی میں اُس نے خاص اس عاجز کو چنا ہے اور وہ خود مدد کرتا ہے۔ چوں کہ اس عاجز عبد کے کام میں برابر اُس کی مرضی شامل ہے اور عاجز کے ساتھ اُس کا ہاتھ کام کر رہا ہے اسلئے خود بخود وہ معارف اور شریعت کے وہ دقائق جو ابھی تک سربمہر رکھے ہوئے تھے کھلنے شروع ہو گئے ہیں ورنہ اس عاجز عبد کی تو لیاقت سے فی الحقیقت یہ عظیم اور اہم کام بہت ہی مستبعد ہے۔ نہ جس نے کبھی باقاعدہ تعلیم پائی نہ جسکے سر کبھی فضیلت کی پگڑی بندھی نہ جس نے کبھی مولوی کے آگے زانوئے شاگردی طے کیا نہ جسے صرف و نحو کا علم ہو نہ اُس نے فلسفہ اور منطق پڑھی ہو نہ صدرہ اور شمس بازغہ کی ورق گردانی کی ہو اور پھر جب وہ آنکھ بند کر کے بیٹھے ظاہری علوم اور باطنی معارف کے کل عقدے حل ہوتے چلے جائیں اور وہ قلم برداشتہ لکھتا چلا جائے اور اجزا کے اجزا با تکلف لکھ ڈالے۔ ان باتوں سے شاید وہ لوگ چونکیں گے جنھوں نے مدت سے اُن تعلقات پر غور کرنا ترک کر دیا ہے جو عبد اور معبود میں برقرار چلے آتے ہیں اور جن کے دماغوں میں موجودہ فلسفہ کے مفروضہ اصول نے بجائے روشنی کے تاریکی پیدا کر دی ہے اور جو آنکھیں بند کر کے بے وقوف بھیڑوں کی طرح اسی شاہراہ پر پڑ لئے ہیں جس پر یورپ کے ملحد جا رہے ہیں۔ مگر جن کے قلوب تجلیات ربانی سے کسی قدر بھی منور ہیں اور جن کے سابق تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے وہ ہماری باتوں کو کان لگا کے سنینگے اُن کو یقین کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اُن کے تعلقات بھی بڑھیں خالق کی مرضی کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے آگے کھچ جائے اور وہ ان ہی آنکھوں سے خدائے تعالیٰ کا جلال دیکھ لیں۔ اس عاجز عبد کو خواب میں خاص مدینہ منورہ میں حضور انور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی بابرکت زیارت کا اُس وقت شرف حاصل ہوا ہے جب حضور ایک کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اُس عالم کی رحمت نے اس عاجز عبد کی صورت دیکھتے ہی اپنے پاس بٹھا لیا سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت دی جب آنکھ کھلی تو طبیعت کی عجیب کیفیت پائی بڑے غامض اور گہرے سے گہرے نکات خود بخود حل ہونے لگے اور شریعت محمدی کا راز صاف عیاں ہو گیا خالق حقیقی کی یہ رحمت سمجھنی چاہیے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

علم اُن کے لئے حقیقی بن سکتا ہے جو اُس سے خبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں احتیاط اور روشنضمیری کی ضرورت ہے۔ اور اگر روشنضمیری اور احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو حقیقت بھی مجاز کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور پھر اس سے بھی گر جاتی ہے۔

علم کا سرچشمہ اور علم کی محک دو مختلف چیزیں ہیں۔ سابق الذکر سے تم علم کو حاصل کر سکتے ہو اور آخر الذکر سے اُس کو پرکھ سکتے ہو۔ یہ یقین کہ تمہارا سرچشمہ علم حقیقی ہے محض ایک قیاس ہی قیاس ہے اور اس خیال کا سفسطہ بدیہی ہے اسلئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسان خطا اور نسیان سے بنا ہوا ہے۔ سرچشمہ علم میں خود ایک حقیقت موجود ہے ہاں جو علم اس سے پیدا کیا جاتا ہے زیادہ تر اُس کا انحصار روشنضمیری پر ہوتا ہے جس درجہ کی روشنضمیری ہوگی اسی قدر اس سے خبرت حاصل ہوگی۔ الہام بجائے خود حق ہو سکتا ہے مگر وہ علم جو تم اس سے حاصل کرتے ہو محض تعصب ہو سکتا ہے۔ خالص مذہب حق ہو سکتا ہے پھر بھی تمہارا مذہب محض تعصب بن سکتا ہے۔ وہی استدلال بجائے خود حق ہے اور پھر بھی ہمارا استدلال خیال باطل بن سکتا ہے۔ ایسا رہنما کہاں ہے کہ سائنس دانوں کی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔ وہ محک کہاں ہے جو صداقت کو تمام خیالی نار استیوں سے علیحدہ کرکے نکال لے۔ وہ بنیاد کہاں ہے جہاں مختلف خیالات کے لوگ دوستانہ طور پر اپنی عمارتیں بنائیں ایک دوسرے کے ممد و معاون نہیں اپنی اغلاط کی اصلاح کریں۔

کیا یہ واقعی بات نہیں ہے کہ مغربی علم طبیعی کے ماہروں نے سائنس کے اس پہلے مسئلہ کی طرف مطلق توجہ نہیں کی ہے جبکہ وہ شیخی مارتے ہیں کہ ہم نے سائنس کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا ہے موجودہ ماہران علم طبیعی فلاسفہ اور مذہبی سرگروہوں نے سائنس کے اس وسطی پہلو سے بالکل اپنا پہلو بچایا ہے اور آخیر شل شریروں کے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے ہیں غالباً پہلے یہ بات ہرگز نہ تھی۔ روحانی حکمائے جہاں طبیعیات اور فلسفہ کو دیکھا ہے وہاں مذہب کی بھی پہلو بہ پہلو رکھ کے جانچ کی ہے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے اسی اہم ضروری مسئلہ کی چھان بین کی اور اس کی کامل تحقیقات کے بعد مخلوق کے لئے حقیقت اور معرفت کے رستے کھول دیئے۔ ان روحانی حکما کی تعلیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ انہیں روحانیات ہی کا علم نہیں تھا بلکہ وہ فلسفہ اور طبیعیات کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ فلسفہ علم کی اُس شاخ کو کہتے ہیں جو اُن مشروط صداقتوں اور انسکال کی تعلیم کرتی ہے جو غیر مشروط صداقت یا حقیقت میں پنہاں ہیں۔ غیر مشروط صداقتوں کو عام طور پر حیثیت مشروط صداقتوں کے جانا گیا ہے۔ ہم یہاں صداقت کا لفظ اسکے عام معنی میں استعمال کرینگے تاکہ طرفین کی غلط فہمی دور ہو سکے اور غیر مشروط صداقت کا بطور روح صداقت امتیاز ہو سکے فلسفہ کی اب یہ تعریف ہوگی فلسفہ علم کی وہ شاخ ہے جو روح صداقت کی تعلیم کرتا ہے اور تمام صداقتوں کی اُسی کی ذات سے دستگیری ہوتی ہے اگر آپ روح صداقت کو جاننا چاہیں تو آپ کو لازم ہے کہ آپ اس صداقت کو جانیں جو روح صداقت کے لقب سے ملقب ہوتی ہے۔

کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بجائے اسکے کہ صداقت کے معیار کی تحقیق میں تکلیف گوارا کی جاتی سائنس کے طلبہ نے اپنی خودرائی اور تحکم سے اس پر ایسی تاریکی ڈالی ہے کہ نفسِ مطلب کو خبط کر دیا ہے۔ ایک ہی مسئلہ ہے اور اُس میں اختلاف ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے اصول کو مطلق تسلیم نہیں کرتا۔ سائنس کے ماہروں میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ ادراک ہی سب چیزوں کا اصل الاصول ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ استدلال ہی کل باتوں کی جڑ ہے۔ تیسرا گروہ اسبات کا قائل ہے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے بلکہ عقیدہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہر گروہ اپنا ایک اصول رکھتا ہے اور ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے مگر منزلِ مقصود ان سب سے بہت دور ہے۔ یہ جھگڑا بہت ہی طولانی ہے اور یہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اصل میں صداقت کے معیار کا پتہ نہ لگانے نے سائنس کے دامن پر شرمناکی کا بدنما دھبہ لگا رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص سائنس کی اصلیت دیکھنا چاہتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ خودرائی کے عیب سے اپنے کو پاک کر لے بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔ سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔ اُسے کہاں پا سکتے ہیں بس یہی ایک کٹھن کام ہے۔ یہ محض ناممکن ہے کہ خودرائے صاحب میں بطور ثالث کے کوئی فیصلہ کیا جا سکے کیوں کہ اُن کا جھگڑا کسی بنیاد پر نہیں ہے۔ وہ سب خیالی تکے لڑاتے ہیں اور ہر گروہ کو اپنے مفروضہ اصول پر بہت بڑا ناز ہے۔ ہر ایک اپنے ہی دائرہ میں غلطاں پیچاں ہے جہاں سے وہ کبھی آپس میں نہیں مل سکتے۔ نہ تو ہم اُن میں ثالث بن سکتے ہیں اور نہ ہم اُن میں سے کسی ایک گروہ کی تقلید کر سکتے ہیں جب تک ہم بطور خود اپنا ایک اصول نہ قایم کر لیں۔ ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹھیک اصول پر چل رہا ہے اور اُس کے مقابلہ میں سب کے اصول غلط ہیں اور اپنے اُسی مفروضہ اصول پر قایم رکھے وہ اپنا پہلو بہت ہی مضبوط خیال کرتا ہے۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ بغیر شہادت کے کیوں کر ہم ایک اصول کو تسلیم کر لیں۔ ایک بار اور بھی ہم اپنے قدیم دشمن خودرائی سے مقابل ہوتے ہیں اور اُس کی شہادت کو جانچتے ہیں کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ ایک غلطی ہے جس نے سب کو گھیر رکھا ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے علم کے سرچشمہ کو صداقت کے معیار کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ اُنہوں نے معیار صداقت کے مسئلہ ہی کو چھوڑ دیا ہے اور اُنہیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ علم کا سرچشمہ جس پر اُنہوں نے تکیہ کیا ہے اور اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ معیار صداقت ہے۔ اور اپنے مخالفین کا مُنہ بند کرنے کے لئے اُنہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ تمہارا سرچشمہ علم کوئی سرچشمہ علم ہی نہیں ہے۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ الہام یا وحی سرچشمہ علم ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مذہب سرچشمہ علم نہیں بن سکتا۔ اور چند خندہ آور خودرائے یقین رکھتے ہیں کہ استدلال بھی سرچشمہ علم نہیں ہو سکتا۔ خودرائی کا یہ اصول بڑا ہی مضحکہ خیز ہے۔ دنیا کی تو ہر شے سرچشمہ علم ہی ہے اور اس مشاہدہ سے کون انکار کر سکتا ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی خودرائی سے اس روشن مسئلہ پر تاریکی ڈال رکھی ہے۔ سمجھ لو کہ ایسے صریح مشاہدہ کا منکر دیوانہ ہونا چاہیے۔ ایک خودرائے شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب میں سرچشمہ علم کہوں تو اُس سے حقیقی سرچشمہ علم مراد سمجھو لیکن تھوڑی دیر کی توجہ اسبات کو بتا دے گی کہ ہر سرچشمہ

میں نہ ہو خواہ وہ حادثہ طبیعہ خیالی ہو یا اُن حالتوں کی توضیح کرتا ہو جن میں اُس کا وقوع ہوا ہے وہ کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اگر چند عالم ایک ہی اصول سے مختلف نتائج پیدا کریں اُن کی منطق غیر قابل یقین اور اُن میں سے ایک بھی راہ حق پر نہیں ہے جب تک اُن میں سے ایک عالم یہ ثابت نہ کر دے کہ باقیماندہ علما نے منطق میں یہ غلطی کی ہے۔

اگر ایک ہی پہلو پر مختلف لوگوں کے مختلف عقائد ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب عقاید باطل ہیں۔ ایک شخص کو جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میرا عقیدہ حق ہے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان ان وجوہات سے اوروں کے عقائد باطل ہیں بعض کا یہ خیال ہے کہ صداقت جماعت سے پیدا ہوتی ہے یعنی ایک کثیر گروہ کی کسی خاص مسئلہ پر کوئی رائے ہونا ہرگز اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ مسئلہ حق ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ چند آدمیوں کا خیال بمقابلہ گروہ کثیر کے ہمیشہ ہی غلط ہو۔ ہمیں روشن ضمیری سے ہر ایک کی اغلاط کو جانچنا چاہئے اور ہر ایک کے عقاید کی ماہیت پہچانی چاہئے یہ فی الحقیقت ایک دشوار گزار مرحلہ ہے اور اس کا طے کرنا ایک کٹھن کام ہے۔

مسئلہ دوم

ایک عالم کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ معیار صداقت کی ماہیت پہچانے جس کا ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جو اس کے لئے بہت ہی ضروری ہے وہ ایسا طریقہ تحقیق ہے جو عام فہم اور عام پسند ہو جب تک وہ اپنے طریقہ تفحص میں صراط مستقیم نہ پیدا کرے گا کبھی مخلوق کی طبایع اُسے قبول نہیں کریں گی پھر ایسا کونسا طریقہ پسند کرنا چاہئے یا بالفاظ دیگر علمی تحقیقات کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟ یہ سوال ہے جو اس وقت پیش نظر ہے

بعض علما کا بیان ہے کہ قاعدہ استقرائی کو قاعدہ علمی کہتے ہیں اسکے علاوہ اور تمام قاعدے لغو اور بے بنیاد ہیں۔ علما کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ علم استقرائی سے صرف صداقتوں کی ماہیت جان سکتے ہیں جن سے حیات اور ضمیر کے ضروری مسائل کا بہت تعلق ہے۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علم استقرائی کے معترفوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اور اسلئے علوم جدید کے ماہروں سے صراط مستقیم بہت دور ہوگئی ہے۔ ان کا یقین ہے کہ علوم جدیدہ خالص استقرائی ہیں۔ ایسے یقین کی بنیاد کسی عمدہ اصول پر نہیں معلوم ہوتی تفحص کے ضروری قواعد کی بنا پر علوم جدیدہ نے کامیاب ترقی کی ہے لیکن وہ قواعد جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں استقرائی نہیں ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ قاعدہ ہے جس کی استقرائی اشکال مبہم ہیں۔ اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ علوم جدیدہ کا قاعدہ خالص استقرائی ہے پھر بھی اس سے یہ تو ہرگز لازم نہیں آسکتا کہ اور قاعدے جو اس کے علاوہ ہوں لغو ہیں۔ علم کی روح کو تفحص کے دوسرے طرق کے ساتھ کچھ مباینت نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق

روح صداقت کسے کہتے ہیں۔ یا جسطرح ایک فلسفی تعبیر کرتا ہے۔ حقیقت اور ماہیت جو تمام اشکال و حادثات طبیعات میں پنہاں ہے کیا چیز ہے؟ مغربی فلاسفہ نے نہایت تندہی سے اس مسئلہ کو چھانا ہے اور بڑی دشواریوں کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نہ مادہ ہے نہ ضمیر ہے۔ اس نتیجہ پر بہت بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور خوب رد و قدح ہوا آخیر اس زمانہ کے مسلم فلاسفہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ اگر ہم ان کی رایوں کی بطور خود جانچ پڑتال کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اختلاف رائے بہت بڑا ہے۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ روح صداقت کا کوئی پتہ ہی نہیں لگ سکتا کیونکہ یہ نہ مادہ ہے کہ اسے کوئی جان سکے اور نہ ضمیر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر روح صداقت علم میں آنے کے قابل ہوتی تو کیا تو یہ ضمیر ہوتی یا مادہ ہوتی مگر ایسا خیال کرنا ہماری کم فہمی ہے۔ یہ کیوں کر قید لگائی جا سکتی ہے کہ جو چیز مادہ اور ضمیر دونوں ہی نہ ہو کبھی اس کا علم نہیں ہو سکتا صرف ایک قیاس پر ہم اپنے تفحص کو کیوں مقید کر دیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ جو اس خط سے پھیلانگ کے آگے پہنچے ہیں اس کی نسبت ان کی کیا رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روح صداقت مثل مطلق قانون کے جانی جا سکتی ہے۔ یہ نہ مادہ ہے نہ ضمیر ہے بلکہ کبھی تو یہ بحیثیت مادہ کے حیات کی خارجی سطح پر اپنے کو نمایاں کرتی ہے اور کبھی بحیثیت ضمیر کے زندگی کی داخلی سطح پر نمایاں ہوتی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا ضمیر کس قسم کا ہو جو اس قانون کا علم حاصل کرے جس قانون کو ضمیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جس چیز کی کہ انسان جانچ کر سکتا ہے یہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا تعلق ضمیر سے ہو یا جو ضمیر کا ایک جزو ہو۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ قانون کی جانچ ضمیر کر سکتا ہے تو پھر قانون کے مطلق ہونے کی صفت زائل ہوتی ہے اور مطلق کے لفظ میں تباین کلی پیدا ہو جاتا ہے سوال صرف یہ ہے کہ ضمیر قانون کا کیوں کر ادراک کرے جبکہ قانون اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے اور قریب قریب یہ مسئلہ لاحل سا معلوم ہوتا ہے تاہم اس پر بحث کی جاتی ہے شاید۔ ایک حد تک سلجھ جائے اور کسی درجہ تک سمجھ میں آ جائے۔ وجہ کیا کہ ہم مطلق قانون کو غیر مشروط صداقت نہ کہیں جبکہ گزشتہ زمانہ میں اس کی ہستی تھی موجودہ زمانہ میں یہ موجود ہے اور اسیطرح آئندہ زمانہ میں بھی یہ قایم رہے گا یہ کلیہ بھی ہے اور غیر تبدیل بھی ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قانون ہی روح صداقت ہے اور ہم مذکورہ بالا استدلال سے اسے معیار صداقت کہہ سکتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں صداقت کی معیار کو استعمال کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کی ہم یوں توضیح کرینگے ہم نے ادراک سے ایک حادثہ طبیعی کو وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا اگر ہم ہمیشہ اسے یوں ہی ظہور پذیر ہوتا ہوا دیکھیں تو ہمارا یہ ادراک بجائے خود ایک صداقت ہے۔ کسی خاص امر میں ہمیں استدلال سے ایک نتیجہ معلوم ہو گیا تو یہ استدلال ہمارا اس وقت تک صحیح ہے کہ جب تک اس سے ایسے ہی نتائج پیدا ہوتے رہیں ایک عقیدہ پر جو اصول قایم کیا گیا ہے وہ حق ہے بشرطیکہ وہ عقیدہ اس اصول میں قضیہ مطلق ہو۔ ایک مصنف کی رائے حق ہے بشرطیکہ دیگر مصنفین بھی اس کی رائے سے اتفاق کریں۔

اگر ایک حادثہ طبیعیہ کا وقوع خاص حالتوں میں بیان کیا جائے مگر پھر دوبارہ اس کا وقوع ان ہی حالتو

اپنے تلامذہ کو تعلیم دیتا ہے جو اس تعلیم سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خاص وہ پودے زہردار ہوتے ہیں جو اس جنس سے تعلق رکھتیں۔ یہاں اُستاد نے تو قاعدہ استقرائی اختیار کیا ہے اور تلامذہ نے قاعدہ قیاسی یا بالفاظ دیگر سابق الذکر عام سے خاص کی طرف گیا ہے اور آخر الذکر خاص سے عام کی طرف۔ دونوں ہی سچے ہیں اور دونوں ہی کا طریقہ تفحص حقیقت کی بنیادوں پر قایم ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کا قاعدہ علمی بنیاد پر ہے یا نہیں اور آیا ایسا قاعدہ علمی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ ساری باتیں بدیہی ہیں اور کون شخص ہے جو ایک کو علمی اور دوسرے کو غیر علمی کہے گا۔

ہم کہتے ہیں قاعدہ استقرائی حق ہے۔ ہر شے کا نتیجہ اس کے مقدمہ صغریٰ کبریٰ سے برآمد ہوتا ہے۔ بلکہ اسکے نتیجے سے خود مقدمات صغریٰ و کبریٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ حق ہیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ نتیجہ کیوں کر حق نہ نکلے گا۔ اور اگر مقدمات صغریٰ و کبریٰ غلط ہو جائیں ہو اکریں قاعدہ یا طریقہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ قاعدہ استقرائی اسلئے حق ہے کہ عام میں وہی خاص کی صفت ہوتی ہے اگر خاص صحیح ہے تو عام یقیناً صحیح ہوا پھر قاعدہ کو ہم غیر علمی کیوں کہنے لگے یہی صورت قاعدہ قیاسی کے صحیح ہونے کی ہے غرض دونوں ہی قائم بذات ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں ہی کارآمد بھی ہیں۔ قوانین قدرت عام طور پر کشادہ ہیں اب یہاں سے صرف خالص استقرا کرکے ایک قانون کو سیکھ لینا جس کا عمل ہر جگہ ہو رہا ہے بالکل ہی ناممکن ہے ہم اس بستہ میں ایک چھوٹے پیمانہ پر تو حکم لگا سکتے ہیں مگر بڑی وسعت کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ جب ماہر جدیدہ کے ماہروں کو یہ مشکلات لاحق ہوئیں تو انہوں نے ایک اور قسم کا جدید استقرائی قاعدہ نکالا کہ جس سے چند اشیا کو دیکھ کے باقیماندہ کل اشیا کا اندازہ ہو سکے خواہ وہ ایک ہی جنس کی ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً خالص قاعدہ استقرائی اور بنائے ہوئے قاعدہ استقرائی میں یہ فرق ہے کہ سابق الذکر تو ان خاص اشیا کا مشاہدہ کرتا جاتا ہے جو عام صداقت میں پھیلی ہوئی ہیں اور آخر الذکر قاعدہ پہاڑ ناک کے آگے بڑھتا ہے اور فطرت کی چند چیزیں دیکھ کے سب کو ہی ایک ساں سمجھنے لگتا ہے۔

بات یہ ہے کہ قانون قدرت جس کا سبق بلا سمجھے بوجھے پڑھا جاتا ہے کیوں ہر جگہ جا کے بدل گیا ہے فرض کرو ایک قانون ہے اور خاص ایک مقام پر اس کی ایک حالت ہے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور مقامات پر بھی اس کی یکساں حالت رہے مگر یہ نہیں ہوتا۔ وجہ کیا کہ ایک ہی فطرت ایک ہی قانون اور اسکے نئے نئے مشاہدے۔ لنڈن کی انجمن ما بعد الطبیعات میں ایک بار یہ سوال کیا گیا تھا کہ ہم کیوں کر جانیں کہ قوانین قدرت کوئی خاص شکل رکھتے ہیں یا بالفاظ دیگر ان کا کوئی خاص لباس ہوتا ہے۔ پروفیسر ہکسلے نے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ قوانین قدرت کی ہم شکل کے یہ معنی ہیں کہ جو مفروضہ صورتیں ان کے عمل کی خیال کر لی گئی ہیں وہ کبھی غلط نہ ثابت ہوں۔ ان قوانین کو کبھی کسی شخص کے معجزے نہیں بدل سکتے۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ فطرت کے سلسلوں میں معجزوں کو دخل ہو جو شخص معجزے دکھانے کا دعوے کرتا ہے اس کا بہت بڑا منشا یہی ہوتا

کی ہر شاخ میں علم واقعات کے سلسل انکشاف کا نام ہے۔ جو قاعدہ تحقیق کی خواہ کسی شاخ میں واقعات کی سلسل توضیح انکشاف کی طرف رہنمائی کرے وہ بھی علمی قاعدہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شخص نے اپنی تحقیق میں دوسرے قواعد سے کام لیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک قاعدہ غلط قرار دیدیا جائے اور صرف ایک ہی قاعدہ یا طریقہ پر صداقت کی مُہر لگ جائے۔ قدیم حکما کی تو یہ نادانی تھی کہ انہوں نے استقرائی قاعدہ کو لغو ٹھیرایا تھا اور موجودہ حکما کی یہ حماقت ہے کہ انہوں نے قیاسی کو لچر اور پوچ سمجھ رکھا ہے۔ ہم سے بیان کیا جاتا ہے کہ قیاسی قواعد اس لئے لغو ہیں کہ یہ کسی علمی بنا پر نہیں ہیں۔ یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ اگر قیاسی قواعد علمی بنیاد پر نہ ہوں تو انہیں ضرور لغو ہونا چاہئے۔ کیوں کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ قاعدہ علمی بنیاد پر نہیں ہے تو وہ آپ سے آپ لغو ہوا۔ اس کی لغویت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

اب ہم علم کے قواعد کی جانچ کرتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کے تعصب یا خودرائی کو دخل نہیں دینگے بلکہ علم کے ہر طریقہ کی انصاف سے جانچ کریں گے۔ یہ عالمگیر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام قیاسی علوم غیر مستحق نتائج سے پیدا ہوئے ہیں تحقیق کی وہ شاخ جو محض قیاس کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے کبھی علمی نہیں ہوسکتی۔ ایسی تحقیق کے نتائج لغو ہوں گے تاہم اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ تفحص کا قیاسی طریقہ لاطائل بنیاد پر مبنی ہے۔ ہر تحقیق میں دو ضروری امور غور طلب ہیں اول تو وہ طریقہ اور پھر وہ مواد جس پر اس کی بنا ہے اس صورت میں اگر مواد وہ نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا تو یہ محض ایک قیاس ہی قیاس ہے خواہ کتنا ہی عمدہ طور پر اسے ثابت کیا جائے۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے تحقیق کے نتائج غلط ثابت ہوں گے لیکن اس سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ طریقہ تفحص خود اس کے جوہروں اور خصوصیات سے جانچا جاتا ہے۔ طریقہ استقرائی اور طریقہ قیاسی میں یہ فرق ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ سابق الذکر طریقہ تو خاص سے عام سچائی کی طرف رہبری کرتا ہے اور آخر الذکر طریقہ عام سے خاص کی طرف یعنی ایک عمومیت پیدا کرتا ہے اور دوسرا خصوصیت کی طرف لیجاتا ہے مثلاً پچاس آدمیوں کی ایک جماعت لو اگر ہم اس جماعت میں سے ایک ایک شخص کو پورے طور پر جانچیں اور دیکھیں کہ ہر شخص پر عرب ہونے کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پوری جماعت کی جماعت عربوں ہی کی ہے اسی کو قاعدہ استقرائی کہتے ہیں جو خاص سے عام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اب دوسری شکل بھی دیکھنی چاہئے اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ اس کل جماعت میں عرب ہی عرب ہیں تو ہم کہسکتے ہیں کہ اس جماعت کا ہر خاص شخص عرب ہے۔ جو قاعدہ ہم نے یہاں استعمال کیا وہ قیاسی ہے۔

یہ خاص صداقت سے اس عام سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس کی ذات میں موجود ہے۔ ہم ایک اور بھی مثال دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ اور بھی آئینہ ہوجائے گا۔ علم نباتات کا ماہر تمام اقسام کے ان پودھوں کی خاصیتوں کا مطالعہ کرتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہیں۔ اور دیکھتا ہے کہ ان میں سے ہر پودہ زہریلا ہے اور ان خاصیتوں سے وہ یہ حکم لگاتا ہے کہ اس قسم کے تمام پودے زہر دار ہوتے ہیں۔ وہ اس عام صداقت کی

دیر کے لئے صحیح بھی تسلیم کر لئے جائیں پھر بھی ان سے اشاعت اسلام میں کبھی آپ نے کام نہیں لیا۔ نہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں سے کام لیا اور نہ کبھی سخت سے سخت اوقات میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں کو استعمال کیا۔ جب اسی بے نظیر پاک حالت میں آپ کی وفات ہو گئی تو صحابہ کا دور دورہ ہوا۔ سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت خاص اس معاملہ میں بہت ہی ناسور ہے رسول کریم نے تو وہ خیالات دبا دیئے تھے جو صدہا ہزارہا سال سے لوگوں کے چلے آتے تھے مگر اب وہ کچھ پھر ابھرنے لگے تھے کیوں کہ صدہا سال کا خونی اثر چند سال میں نہیں جا سکتا تھا۔ مافوق الفطرت خیالات ان لوگوں کو بطور ورثہ پہنچے تھے مسلمانوں میں ہزاروں تو وہ لوگ تھے جو پہلے نصرانی تھے ہزاروں وہ لوگ تھے جو پہلے یہودی تھے اور لاکھوں وہ لوگ تھے جو پہلے بت پرست تھے حضرت عمر نے یہ پر خوف نظارہ دیکھا اور آپ کو اندیشہ ہوا مبادا مسلمانوں کے خیالات پھر مافوق الفطرت باتوں کی طرف عود نہ کر آئیں۔ یہ اندیشہ آپ کا درست تھا کیوں کہ خود مدینہ منورہ میں آپ نے اپنی آنکھوں کے آگے ان خیالات کا کچھ ابھار دیکھا تھا یعنی آپ نے دیکھا کہ خاص اس درخت کے نیچے اکثر مسلمان آ کے بیٹھتے ہیں جہاں کبھی کبھی رسول کریم وعظ فرمایا کرتے تھے اور چند ہی روز کے بعد آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ مسلمان غیر معمولی طور پر اس کی تعظیم زیادہ کرتے ہیں اور مجمع روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے آپ نے فوراً اس درخت کو جڑ سے اکھڑوا کے پھینکوا دیا اور گویا رسول کریم کے منشا کو اس طرح پورا کیا۔ اگر وہ درخت نہ اکھڑوایا جاتا تو ضرور شجر پرستی کی بنیاد پڑ جاتی اور مسلمان پھر اپنے ان ہی خیالات پر اتر آتے جو انہیں بطور ورثہ ملے تھے حضرت عمر کی یہ حکمت بہت ہی غائر نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ دوسری حکمت حضرت عمر نے بہت بڑی یہ کی کہ صحابہ کو بکثرت حدیثیں روایت کرنے سے روک دیا اور سخت حکم دیدیا کہ نو مسلموں میں زیادہ حدیثوں کا وعظ نہ کہنا۔ جب آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مفتوحہ صوبہ کا عامل بنا کے بھیجا تو سخت تاکید کر دی تھی کہ حدیثیں نہ بیان کرنا اور چلتے وقت یہ فرما دیا تھا اے ابوہریرہ مسلمان تیرے پاس جوق جوق آئیں گے اور یہ کہیں گے رسول کریم کے صحابی آئے ہیں ہم سے حدیثیں بیان کریں گے تو سوائے قرآن کے ہرگز حدیثوں کا درس نہ دیجو۔ حضرت عمر کی اس حکمت بالغہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں میں قطعی اختلاف واقع ہوگا اور جب حدیثوں کی اشاعت یوں علی الاعلان ہونے لگے گی تو بہت سی حدیثیں جدید بن جائیں گی اور پھر لوگوں کے اس سادہ عقیدہ میں جو رسول کریم نے پیدا کر دیا تھا سخت انتشار پیدا ہوگا اور پھر وہی مافوق الفطرت مادہ زور کرے گا اور چوں کہ انہیں اپنے نبی کریم کا زیادہ ادب اور پاس ہے خبر نہیں اسلام کے سادہ اصول میں کن کن باتوں کی آمیزش ہو جائے اور پھر توحید خدا کا صاف مسئلہ خراب نہ ہو جائے جب تک آپ تخت خلافت پر قائم رہے آپ نے نہایت تندہی سے اس امر میں کوشش کی اور مصنوعی حدیثوں کی اشاعت کا دروازہ بند رکھا لیکن آپ کی شہادت کے بعد اس انتظام میں کچھ خلل سا پڑ گیا چوں کہ آپ کے جانشین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس عاقلانہ حکمت عملی کو پورے

ہے کہ اس میں مافوق الفطرت قوت تسلیم کی جائے۔ کوئی بین شہادت کبھی کسی معجزے کے ثبوت میں نہیں پیش کی گئی کبھی کسی ہمعصر مورخ نے ایسے کسی معجزے کی شہادت نہیں دی جو صدہا برس گزرنے پر مشہور ہو گئے۔ یہ ساری قیاسی باتیں ہیں جنہیں مشاہدات سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ اعتراضات ہیں جو عام طور پر کئے جاتے ہیں ہم علوم جدیدہ کے ماہروں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ہم صرف اسلامی معجزات پر بحث کرینگے۔

سوال صرف یہ ہے کہ مفروضہ اشکال قدرت کے قوانین اور عمل کی تسلیم کر لی گئی ہے کیا غیبی شہادت اس امر کی پیش ہو سکتی ہے کہ ان مفروضہ اشکال کے علاوہ قوانین قدرت کی اور اشکال نہیں ہیں اور کیا ثبوت ہے کہ یہ مفروضہ اشکال ویسی ہی صحیح ہیں جیسا انہیں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ یورپ کے علما اور فلاسفہ نے مسیحی معجزات دیکھ کے تمام مذاہب کے معجزات کی ایک ہی نوعیت سمجھتے ہیں۔ مگر نفس اسلام کو ایسے معجزات سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا مسیحی مذہب پیش کرتا ہے۔ اسلام کی بنیاد مثل عیسائیت کے معجزوں پر ہرگز قائم نہیں کی گئی ہے مثلاً عیسائیت کی بنا صرف تین اصول پر رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہیں حضرت مسیح کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ مر کر زندہ ہو جانا اور پھر مجسم آسمان پر چلا جانا۔ نصرانیت نے فتویٰ دیدیا ہے کہ ان میں سے ایک معجزہ کا منکر بھی کافر گنا جائے گا یہ ایسی مافوق الفطرت باتیں ہیں کہ جو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتیں اور علوم جدیدہ کا ماہر انہیں محض لغو اور وحشی فسانہ خیال کرتا ہے۔ مگر اسلام اسکے مقابل میں یہ دعوے نہیں کرتا اس کا بہت بڑا اور سب سے بڑا اصول توحید ہے اور بس اور باقی اس کے جتنے اصول ہیں وہ سب شاخیں ہیں تزکیۂ نفس اور تمدن کی مثلاً نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ روزے رکھنا وغیرہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ نفس معجزہ کی توضیح کرنے سے پہلے معجزہ کی کچھ تاریخ بیان کر دیں اور بتا دیں کہ اسلام میں معجزہ کسے کہتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کے خیال کے معجزے اسلام میں کب اور کس وقت پیدا ہوئے اور انکی اشاعت عام طور پر کیوں کر ہو گئی اور اصلی معجزہ کو جو سپر اسلام کی بنیاد ہے مسلمانوں نے کیوں فراموش کر دیا جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ نے نبوت کا اعلان دیا تو دنیا کی عجیب کیفیت تھی۔ سب کے خیالات بت پرستی۔ ستارہ پرستی۔ آتش پرستی۔ آفتاب پرستی اور دریا پرستی سے مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کے عادی تھے اور قدم قدم پر ان کے یہی خیالات تھے۔ قدرت کے کرشموں پر بالکل تاریکی پڑ گئی تھی اور فطرت کی قوتیں معبود بن گئی تھیں جب حضور انور نے علانیہ طور پر ان بدیہی غلط ناکارہ باتوں کی تردید کی اور ان کے معبودوں کو لاشے محض بتایا تو وہ لوگ پہلے تو چونکے لیکن بعدازاں انہوں نے آپ کی بے لوث اور کھلی کھلی باتوں پر کان لگایا اور آخیر بہت جلد اپنی غلطی سے آگاہ ہو کے اپنی اس حرکات سے باز آئے اور سچے دل سے توبہ کی اور خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے حضور انور کی زندگی بہت ہی سادہ طور پر بسر ہوتی تھی نہ کسی قسم کا شاہانہ سامان نہ اسیرانہ جاہ و جلال نہ واقعات زندگی میں کسی قسم کا تصنع کچھ بھی نہ تھا۔ سادہ لباس سادہ کھانا معاملات کی صفائی۔ سادی گفتگو تلقین اسلام کے سادے قاعدے اور معمولی الفاظ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جو معجزے رسول خدا کے بیان کئے جاتے ہیں اگر وہ تھوڑی

کریم کے بھی آگے بڑھا دیا۔ شیعی گروہ نے اپنا دار و مدار بالکل اہلبیت پر کرلیا اور اُن کے فضائل میں ایسی ایسی مافوق الفطرت باتیں تراشیں کہ اُن بزرگوں نے اپنی زندگی میں کبھی اُن کا وہم بھی نہ کیا ہوگا۔ اسی طرح سنیوں نے اپنے اماموں کو مختلف کرامتوں سے لاد دیا اور جتنی مافوق الفطرت باتیں کہ ایک تعلیم یافتہ دماغ ایجاد کرسکتا ہے وہ سب ایجاد کی گئیں اور اُن کی نسبت اُن بزرگ النفاس سے دی گئی جو فی الحقیقت بے گناہ تھے اور اُنہیں اُن امور سے کوئی بھی سروکار نہ تھا۔ پانسو برس کی رتھ کا دریا میں سے نکلنا اور عزرائیل کے کلّہ پر تھپڑ مار کے روحوں کی تھیلی اُس سے چھین لینا یہ کم درجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ ایک شاعر کا بے لگام خیال اور ایک مصور کا خود قلم بھی ایسی بزرگیوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ بس ان اعتقادات نے مسلمانوں کے عقاید میں کامیابی سے خلل اندازی کی گور پرستی۔ پیر پرستی۔ گوسالہ پرستی کی زبون ترین رسمیں اسی کمبخت کرامتوں کے عقیدے سے جاری ہوئیں اور اُنہوں نے اتنا زور باندھا کہ اصلی معجزہ کا خیال دلوں سے کبھی کا محو ہوگیا۔ بس یہی معجزے رہگئے کہ آفتاب کو ایک گھنٹہ یا تین گھنٹہ تک اسلئے ٹھہرائے رکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی عصر کی نماز قضا ہوئی تھی حضرت جبرئیل آسمان سے ایک نوشتہ لے کے اُترے تھے اور اُس پر حضور انور کی مُہریں کرائی تھیں اسکے یہ معنی تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہوں مجھے منظور ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک کوئیں میں اُتر کے سو یا کئی ہزار یا کئی لاکھ جنوں کو قتل کیا تھا۔ میدان کربلا میں شہنشاہ جنات کئی لاکھ لشکر کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی امداد کے لئے حاضر ہوا تھا مگر آپ نے امداد منظور نہیں فرمائی درۂ خیبر کو حضرت علی نے اپنے ایک ہاتھ سے اُٹھا لیا تھا۔ آسمان سے روزمرہ کھانے کے خوان بھر بھر کے اُترتے تھے۔ یا فلاں پیر دریا پر چلتے ہیں اور اُن کے پیر نہیں بھیگتے۔ یا مرنے کے بعد بھی فلاں پیر نے یہ یہ کرامتیں دکھائیں کوئی زندہ ہوگیا اور کوئی بیٹا ہوگیا فلاں پیر نے ایک مُردہ سے کہا اُٹھ میرے حکم سے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ یہ اور اس قسم کی کل باتیں انسانی شرافت اور فضیلت سے بہت دور ہیں۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ انسان کو دنیا میں پیدا کرنے کی غایت خداوند تعالےٰ کی یہ نہیں ہے کہ وہ پانسو برس کی ڈوبی ہوئی معہ سواریوں کے رتھ نکال دے اور عزرائیل کو تھپڑ مار کے روحوں کی تھیلی چھین لے اور پھر تھیلی کھول دے اور وہ روحیں اُڑ کے اپنے اپنے جسم میں چلی جائیں اور پھر ایک مدید زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہیں۔ یا ایک مقتول کو زندہ کردے۔ فرض کرلو کہ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور ایک وقت اُن کا ضرور ظہور ہوا تو اب سوال یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کی بہبودی کے ان افعال سے کیا عاقبت درست ہوئی۔ یاد رکھو خدا کے معاملات یا قانون قدرت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور جب تک کسی کام میں خدا کا ہاتھ نہ ہو وہ ہرگز مفید بھی ثابت نہیں ہوتا ہم اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب چلتے چلتے زمین میں سے ایک گھوڑا پیدا کرلیتے تھے اور پھر اُس پر بیٹھ کے اُڑ جایا کرتے تھے اور آسمان کی سیر سے کئی کئی دن میں آتا کرتے تھے سوال صرف یہ ہے کہ اُنہوں نے خود تو آسماں کی سیر کی اور مزے آپ اُڑائے اب یہ بتاؤ اُنہوں نے ہمیں کیا دیا۔

طور پر سمجھ لیا تھا اور جس امر کا خوف تھا وہ آنکھوں کے آگے آنے لگا تھا آپ نے اس بنا پر فوراً ایک اعلان جاری کردیا کہ جن حدیثوں کی روایت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر نے کی تھی یا جو حدیثیں ان دونوں جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں رائج ہوگئی تھیں اُنکے علاوہ نہ کوئی حدیث بیان کی جائے نہ کسی حدیث کی اشاعت دی جائے۔ اس اعلان نے جیسا کہ اُمید تھی زیادہ اثر نہیں کیا کیوں کہ خلافت کے چند ہی روز بعد سے مخالفت شروع ہوگئی تھی اور مروان آپکے معتمد خاص کی بعض بے عنوانیوں سے اُس بروست انتظام میں جو حضرت عمر قایم کر گئے تھے خلل آنا شروع ہوگیا تھا۔ تاہم بہت کچھ روک تھی اور ایک حد تک لاکھوں مسلمان اسبات کا خوف کرتے تھے کہ رسول کریم کے نام سے کبھی ایسا قول نہ بیان کیا جائے جس میں ایک لفظ کا بھی شبہ ہو۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ حالت مدت تک قایم نہیں رہی حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت نے اس روک ٹوک کا خاتمہ کردیا اور اب دو متضاد گروہ اسلام میں پیدا ہوگئے۔ اور ان دونوں گروہوں کو ضرور ہوا کہ اپنی تائید میں وہ رسول کریم کے پاک اقوال بیان کریں جھگڑا صرف ملکی تھا مگر اُسے مذہبی رنگ پہنایا گیا اور اب طرفین کی روز بروز کشش بڑھنے لگی یہاں تک کہ باتوں سے تلوار پر نوبت پہنچ گئی اور بڑے بڑے خونریز میدان ہوئے مگر نتیجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں نکلا کہ دشمنی خون میں مل گئی اور آگے چلکے یہی دشمنی زندگی ہی نہیں بلکہ ایمان اور یقین کا جزو اعظم بن گئی یہی صورت گویا جھوٹی حدیثوں کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ بنی اور ہم خیال کرتے ہیں کہ نئی نئی حدیثیں وضع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق اُسوقت تک قایم رہا جب تک حدیثوں کے پرکھنے کی کسوٹی نہ نکلی خیال کرنے کی بات ہے کہ جب امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو الگ کرنا چاہا تو کئی لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو ۲۷۶۲ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ موضوع حدیثوں کا چاروں طرف سے دریا اُمڈنے لگا تھا اور اسلامی دنیا میں اس آفت نے ایک قہر برپا کردیا تھا جنہیں صحیح حدیثیں یاد تھیں وہ بھی زبان ہلاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ صدق کے ساتھ کذب خوب گھی شکر ہوگیا تھا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ صرف ایک فرقہ زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کی ہیں (فتح المغیث صفحہ ۱۰۸) وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں میں نے وضع کی ہیں بہت سے اُسی زمانہ میں ایسے بھی ثقات ہوئے ہیں جنہوں نے محض نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں موضوع کیں۔ زین الدین عراقی کا بیان ہے کہ ان حدیثوں سے اسلامی دنیا کو بہت سخت نقصان پہنچا کیونکہ ان واضعین زہد و تقویٰ کی وجہ سے اُن کی موضوع حدیثیں عام مقبول ہوگئیں بعض نے محض انتہا درجہ تعظیم و تکریم کی وجہ سے نئی نئی باتیں اپنے نبی کریم سے نسبت دینی شروع کیں اور جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے راہبوں اور بطریقوں کے فرضی معجزات اور کرامتیں بیان کرتے تھے مسلمانوں نے بھی انکے مقابل میں وہ وہ خارق الفطرت باتیں بیان کیں جنکا وہم و گمان بھی رسول کریم کے زمانہ مسعود و محمود میں مطلق نہ تھا وضع کے بعد مسابلات غلط فہمیوں اور بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول

ہندوستانی طبائع میں چوں کہ اول روز سے تقلید کی صفت ودیعت ہوئی ہے خواہ وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہو جائیں پھر بھی اُن سے یہ صفت نہیں جاتی بلکہ زیادہ تعلیم سے تقلید ہی مادہ کو اور بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کی بالکل اُس ہرن کی سی مثال ہے جو بھیڑیوں کے غول سے تو بچ گیا مگر شکاری کے تیر کا نشانہ ہو گیا۔ اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے نئی تعلیم پا کے مشرقی علما کی تقلید سے اپنے کو آزاد تو کرلیا مگر وہ مغربی علما کے پھندوں میں پھنس گئے۔ تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص بھی ایسا نہیں دکھائی دیا جو آزاد رائے رکھتا ہو اور اپنی اُس خداداد عقل سے کام لیتا ہو جو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات ہونے کے فطرت کی طرف سے اُسے ودیعت ہوئی ہے۔

اس وقت ہندوستان ایک افسوسناک کرب وبلا میں پھنسا ہوا ہے یورپ کے الحاد اور ہندوستان کی بت پرستی نے ایک حد تک ہندی مسلمانوں پر نمایاں فتح حاصل کی ہے موجودہ ہندی اسلام وہ اسلام نہیں رہا جو خلاصہ ادیان اور سرتاج ادیان تھا بلکہ اُس میں الحاد اور بت پرستی کی کچھ ایسی آمیزش ہوگئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنا مشکل پڑگیا۔ گور پرستی۔ پیر پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ گوسالہ پرستی۔ تقلید پرستی۔ نے تو ایک طرف آفت برپا کر رکھی ہے اور دوسری جانب الحاد پرستی۔ طبیعیات پرستی۔ مادہ پرستی نے غضب ڈھا رکھا ہے۔ علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر اگرچہ وہ بہت جلد جلد بدل رہتے ہیں مسلمان نوجوانوں کے نئے تعلیم یافتہ گروہ نے تکیہ کر لیا ہے اور لاکھوں بلکہ کروروں مسلمانوں نے ہندوؤں کی بت پرستی سے اپنا ایک نیا اسلام بنایا ہے اور پابندی اس قدر اختیار کی ہے کہ کسی عالم کی کسی رائے پر نکتہ چینی کرنا کفر خیال کیا گیا ہے۔ اسلام کی وہ آزادی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی جو ابتدائی سنین اسلام میں تھی کہ ادنے ادنے بڑھیا خلیفہ وقت سے جھگڑتی تھی اور چلتے چلتے رستہ روک کے کھڑی ہو جاتی تھی اور خلفا کو کیا قایل ہونا پڑتا تھا یا اُس کی غلطی پر مطلع کیا جاتا تھا مگر ہائے جب یہ زبوں ترین حالت ہے تو معجزہ اور نبوت کا باریک مسئلہ کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے اور کون شخص ہے جو اُسے سمجھا سکتا ہے جب تک خدا کا ہاتھ اُس کے ساتھ کام نہ کرے اور خدا کی مرضی اُس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ مسلمانوں کی اسی خرابی اسی زبونی اور اسی انتہائی نکبت کی حالت میں ہی نبوت اور اُس کے نتیجہ معجزہ کی جھلکی پائی جاتی ہے اور اُس کی جھلکی کو وہی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں جو تجلیات ربانی سے منور ہو چکی ہیں اور جن میں خدا کے جلال کی روشنی کوٹ کوٹ کے بھر چکی ہے۔ خدا نے ہماری آنکھوں میں وہ قوت اور جوہر دے دیا ہے اور ہم خوش ہیں کہ ہم نے اس صفت الٰہی کا مسلمانوں کے خراب اور ناپاک عقاید میں نظارہ کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے بت پرست سے بت پرست ملحد سے ملحد مسلمان کے دل میں ایک حرارت پائی جاتی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی اُس کی ایک ہی حالت رہتی ہے یہ حرارت کیا ہے اور اس حرارت کا معیار کیا ہے اور آیا اس حرارت کا بھی کسی نے کھوج لگایا ہے۔ ظاہری قوانین قدرت تو یہ فتوے دے چکے ہیں کہ جہاں چیز قدیم ہوئی پھر اس کی وہ صفات زائل ہو جاتی ہیں جو دیکھی جاتی ہیں اور ہم بھی روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ اس انتہائی خرابی پر

اسی قسم کے باطل اوہام نے معجزہ کی اصلی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے لکھے پڑھے جاہل سب یہی سمجھنے لگے کہ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ گویا تو خداوند تعالےٰ کے اُن قوانین میں تبدیلیاں پیدا کریں جو وہ روز ازل سے پیدا کر چکا ہے یا لوگوں کو دھوکا دیں معجزہ اور نبوت یہ لازم ملزوم ہیں نہ منشائے نبوت کو ان شعبدے بازیوں سے کچھ سروکار ہے اور نہ معجزے کو معجزہ کسے کہتے ہیں؟ یہ سوال ہے جو مدت سے ہوتا چلا آتا ہے اور اس کا کافی جواب کسی نے بھی آج تک نہیں دیا۔ معجزہ اُن عظیم صلاحوں کے نتیجہ کو کہتے ہیں جن میں خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے اور وہ اصلاحیں ایسی پرزور اور بدیہی ہوتی ہیں کہ انسان کو مجبوراً تسلیم کرنی پڑتی ہیں اور اُن اصلاحوں کا قیام جسکہ خداوند تعالیٰ اپنا ہاتھ دے چکا ہے دیرپا بلکہ دائمی ہوتا ہے نبوت خاص اس راز کا نام ہے جو کسی خاص بندہ کو عطا ہوتی ہے اور یہ صفت اس کے کلام میں وفات کے بعد بھی رہتی ہے۔ فی الحقیقت اس راز کا پانا محال ہے اور یہ بات منہ سے یہی نکلتا ہے "قدر این بادہ ندانی بخدا تا نچشی"

سخت غلط فہمی ہے کہ نبی یا نبوت کے لفظی معنی لیکے چلیں نبا کے معنی خبر ہی ہے اور یہ آسانی ہی بتی ہے اور نبار بھی بنی ہے۔ ان مبارک الفاظ کی ایسی بے توقیری نہیں کرنی چاہئے اگرچہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہوتے کیونکہ محدود ہیں مگر نکلتا تو ان سے بڑا عالی منشا ان کی ایسی گستاخی نہیں کرنی چاہئے جب ہماری کمزوری اور زبان کی بضاعتی کی یہ کیفیت ہے کہ ہم دودھ کی مٹھاس کی کیفیت لفظوں میں نہیں بیان کرسکتے پھر یوں کر خیال میں آسکتا ہے کہ خدا اور اس کے زبردست راز یعنی نبوت اور اس کے نتیجہ یعنی معجزہ کی حقیقت سمجھ سکیں گے اور پھر یہی نہایت محدود زبان سے اسے ادا کرسکیں گے۔ قدرت ہی کی طرف سے وہ زبان عطا نہیں ہوئی پھر کیونکر سمجھا جاسکتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ تھوڑا سا ہی اگر بہت نہیں ہوسکتا خدائے مطلق سے اپنی تمام کمزوریوں کا اقرار کرکے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور چند ہی روز راستبازی سے اُسے یاد کرکے تو دیکھو معرفت اور حقیقت کے دروازے کس طرح کھلتے ہیں دیکھ سب کچھ لوگے مگر یاد رکھو زبان سے کچھ نہ کہہ سکوگے تیرہواں میری بات سنو حق یہ ہے کہ تم نے کبھی راستبازی سے خدا کو یاد نہیں کیا۔ اگر چند ہی لمحہ کرلو تو تمہیں معلوم ہو کہ بادشاہت کیا چیز ہے حقیقی شادمانی کس کا نام ہے اور تاب مطمئنہ کسے کہتے ہیں کچھ دین ہی کا فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے تو دنیا بھی سنورتی ہے۔ تعلق تم کرتے نہیں مگر ان لوگوں پر ہنستے ہو جنکا تعلق ہوچکا ہے یا جو تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں پھر تم کیوں کر سمجھ سکتے ہو کہ بغیر شاقہ محنت کے تمہیں آجائے گا۔ کیا تماشہ کی بات ہے ریاضی میں تو جان توڑ کے محنت کرو جب وہ کہیں آئے اسی طرح دنیا کا ادنےٰ اور اعلےٰ ہنر کبھی بغیر محنت کے نہ حاصل کرسکو مگر روحانیات اور روحانی اسرار کا علم ایک منٹ کی محنت سے حاصل کرنا چاہو بلکہ اپنی غلط فہمی سے اُس کے عالم ہونے کا دعوےٰ کرو اور بغیر ایک لمحہ کی محنت کے یہ خیال کرنے لگو کہ اول تو روحانی اسرار کوئی چیز نہیں ہیں اور اگر ہیں تو ہم سمجھے بیٹھے ہیں ایسے لوگوں کی حالت افسوس کے قابل ہے جنکی زندگی مشتبہ جن کی موت سخت ناکامی پر ہوگی اور جنکی روحانی نجات مخدوش ہوجائے گی۔

صاف دل سے اپنی عاجزی اور فروتنی کا اقرار کرکے خضوع اور خشوع کے ساتھ رب الافواج کی اعلٰے بارگاہ پر نیاز کی پیشانی جھکا اور التجا کرو کہ ہمارے دل میں وہ قوت دے جو ہم تیری بزرگی کا ادراک کر سکیں۔ اور ہماری آنکھوں میں وہ نور عطا کر جس سے ہم تیرا اجلال جو ہر ذرہ ذرہ میں چمک رہا ہے نظر کر سکیں۔ تمہاری دعا قبول ہوگی کیوں کہ وہ ضرور اُس کی سنتا ہے جو اُسے پکارتا ہے اور وہ اس کی سوالوں کا جواب دیتا ہے جو اس سے خطاب کرتا ہے۔ کن بیہودہ خیالات میں پڑے ہو اور کیا سوچ رہے ہو اپنی عمروں کا بڑا حصہ بیکاری میں صرف کر چکے اور خدا کا وہ خزانہ جو تمہیں عطا ہوا تھا ابھی یوں کا یوں ہی سربمہر رکھا ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اُس خزانہ میں کیا کیا ہے اور معلوم تو کرو کہ شاید یہی خزانہ نہ ہو جس کی وجہ سے تم کو انسانیت کا شرف ملا ہے جو کچھ تم نظر کر رہے ہو اور سحر انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ کیا ہے کہ اسی نے تمہیں فریب دے رکھا ہے اور یہی طلسمی سامان تمہیں خالق ارض و سما کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر ایسا ہے تو بڑی ہی بدقسمتی کی بات ہے۔ اس تمام طلسمی سامان کے تو تم ہی موجد ہو۔ تمہاری ہی ایجاد کی ہوئی غیر ذی روح چیز تمہیں بے خبر بنا دے اور کہیں کا بھی نہ رکھے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ تمام سحر انگیز اشیا تمہارے خیالات کا نتیجہ ہیں اور چوں کہ تمہارے دل و دماغ کا یہ جزو اعظم ہیں اسلئے تمہیں مناسبت ضرور ہونی چاہئے۔ مگر مناسبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم ان ہی چیزوں کے ہو کے رہ جاؤ اور اپنے خالق کو بھول جاؤ۔ یہ کل سامان یہ تمام طلسمی اشیا کیا ہیں تمہارے خیالات کا ادنے اور سب سے ادنے نتیجہ ہیں۔ تمہاری ذات کے صدقہ سے ان کا ظہور ہوا ہے اور تمہیں ان کے موجد ہو عقل تو یہ چاہتی ہے کہ تم ان سے چوں کہ ہر طرح اشرف ہو اسلئے کسی طرح بھی مغلوب نہ ہو اور اگر تم مغلوب ہوئے تو تمہاری قسمت اُن بت پرستوں کی سی ہوگی جو خود ہی پتھر کی مورتیں بناتے ہیں اور خود ہی ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمہیں ان چیزوں سے جو تمہارے اردگرد ہیں فریب نہ کھانا چاہئے کیوں یہ تمہاری ہی بنائی ہوئی اور تمہاری ہی ایجاد ہیں تمہیں اپنے خالق کی مرضی پر پابند ہونا چاہئے اور یہ پابندی تمہاری دینی اور دنیا کی حقیقی بہبودی ہے اسی سے دنیا کے معاملات میں اصلاح ہوتی ہے اور اسی پابندی سے روحانی فضائل ملتے ہیں۔

اگر کوشش کرو گے تو روحانی فضائل کا تمہیں اچھی طرح کھوج لگ جائے گا اور تم سمجھ جاؤ گے کہ معجزہ اور نبوت کیا ہے اور اُن کا تعلق خدا اور اُس کی مخلوق سے کیا ہے۔ قرآن مجید فی الحقیقت فطرت کی ایک مکمل بیاض ہے مگر جب تک اُس سے مذاق نہ پیدا کرو گے وہ ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تم اسے مثل معمولی کتابوں کے پڑھتے ہو اور اُسکے ظاہری معنی لے کے یہ سمجھتے ہو کہ ہم قرآن مجید کے مطالب پر حاوی ہو گئے حالانکہ حقیقت کی راہ اُس سے بہت دور ہوتی ہے پہلے روحانی مضامین کے سمجھنے کا مذاق پیدا کرو پھر قرآن کے سمجھنے کا نام لو اور ذرا خیال کرکے سمجھ سکتے ہو کہ جب تک مصنف سے تمہارا تعلق نہ ہوگا ہرگز اُس کی کتاب کے سمجھنے کا مذاق نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ تم جب قرآن پڑھتے ہو تو صرف اُسکی عبارت سے اگرچہ معنی نہ بھی سمجھو وجد میں آجاتے ہو مگر دوسرے مذہب کے شخص کی جو ایک ہی شہر میں رہتا ہو ایک ہی خوراک کھاتا ہو ایک ہی معاشرت رکھتا ہو یہ کیفیت نہیں ہوتی اس کی وجہ عیاں ہے اور اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ تمہیں کچھ نہ کچھ اس سے دلی تعلق ہے۔ اسلئے اُس کا نام سنتے ہی یا اُسکے الفاظ کان میں پڑتے ہی تمہاری

سوح باقی ہے اور وہ زندہ روح برابر اپنا اثر دکھارہی ہے اور قدم قدم پر اُس کے اثرات نمایاں ہیں اُسکو سوح صداقت کہتے ہیں اور اسیکو معجزہ کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے آیات بینات سے اُسیکو تعبیر کیا ہے۔

سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے کہ کسی ملحد فلسفی کی تقلید پر بڑہئی سنار لوہار اور درزی کو نبی بنا دیں اور نبوت کا اعلےٰ درجہ کا جوہر جو خاص باری تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے ان ادنے پیشہ وروں کو دیدیں اور پھر بغلیں بجائیں کہ ہم نے خوب ہی نبوت کی حقیقت سمجھی اور اس راز کی تہ تک ہم خوب ہی پہنچے۔ سخت شرم کی بات ہے کہ ایک سمجھدار شخص کسی ہندو ملحد کی آنکھیں بند کرکے تقلید کرے اور اپنی خداداد ذہانت کو تقلید کے آگے بیکار کردے ضمیر کی جوہرو کی حقیقت یاد رکھو الفاظ سے نہیں پائی جاتی ظاہری الفاظ میں ہرگز ان معنی کا ایک ہزارواں حصہ بھی شامل نہیں ہے جو فطرت نے اُس میں ودیعت کئے ہیں تم جبکہ مجسم اور ظاہری اشیا کی ماہیت الفاظ سے مطلق نہیں بتا سکتے پھر کیونکر خیال کرسکتے ہو کہ غایت اشیا کی ماہیت بتادوگے۔ مثلاً آم تمہارے سامنے رکھا ہے ابھی تم نہیں جانتے کہ یہ کس مزے کا ہے مگر جب تم نے کھایا اُسکا اصلی مزا اگرچہ تم پر کھل گیا مگر تم چاہو کہ اُس مزے کو الفاظ میں بیان کردو محال سے بھی بڑھکے محال ہے ہاں اُسکے مزے کو تشبیہوں سے بیان کروگے کبھی مٹھاس میں گڑ اور شکر کی تشبیہ دوگے اور کبھی کھٹاس میں کھٹا کہوگے مگر جو اُس کا اصلی مزا ہے اور جو تمہارے دل کو آیا ہے اور تمہاری طبیعت نے اُس سے کیفیت حاصل کی ہے ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتے۔ اسیطرح انسانی طبیعت کے پوشیدہ جوہر ہیں جنکا کھوج علوم جدیدہ بھی نہیں لگا سکے۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ ادراک کیا چیز ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اعضا سے ان چیزوں کا کیا تعلق ہے۔ انسان کے باطنی جوہروں کا ادنے درجہ خواب ہے ابھی اُسی کی حقیقت میں اختلاف ہے اور خاص ایک فیصلہ خواب ہی کی نسبت علوم جدیدہ نہیں کرسکے ہیں۔ خواب چیز کیا ہے اسکی ہستی کیا ہے کیوں کر پیدا ہوتا ہے اور کن اعضا سے بالخصوص اس کو تعلق ہے کن کن اعضا کی حرکت سے یہ کیفیت بیداری پیدا ہوتی ہے کہ انسان لیٹا ہوا ہے مگر اپنے کو پھرتا ہوا دیکھتا ہے اگرچہ ان سوالوں کے جوابات ہزاروں دیئے گئے اور روز دیئے جاتے ہیں مگر ابھی تک اتفاق نہیں ہوا جتنے جوابات ہیں سب خیالی ہیں اور مشاہدہ سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ پھر سوال کیا جاتا ہے کہ دل اور دماغ کی خواب دیکھنے کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور ان اعضا کی وہ کیا خاص حرکتیں ہیں جن سے غم اور خوشی کے خواب نظر آتے ہیں کیا کوئی دوائی ایسی پلائی جاسکتی ہے کہ دل و دماغ کی ایسی حالت ہوجائے کہ خوشی۔ غم۔ خوف اور بے باکی کا سماں آنکھوں کے آگے نظر آئے اور طبیب اپنی دوائی کے زور پر جیسا خواب چاہے خوابیدہ شخص کو دکھا سکے۔ یہ ساری باتیں ہیں جو ابھی حل ہونی باقی ہیں اور یہ سارے عقدے جو ابھی کھلنے کو موجود ہیں جب تک کامل طور پر انسانی ذات کا کھوج نہ لگ جائے گا اور اس کی ظاہری اور باطنی حالتیں کما ینبغی نہ معلوم ہوجائیں گی کبھی اُن جوہروں کا خیال بھی نہ آئے گا جو رب الارواح اپنی مخلوق کے کسی خاص بندہ کو اپنی مستمرہ عادت کے مطابق بخشش کرتا ہے مغالطہ طور پر انسانی جوہروں کا پتہ لگانے میں فطرت کی باطنی قوتوں کا مضحکہ نہ اُڑاؤ اور انسانی الفاظ کے ظاہری معنی پر قناعت نہ کرلو بلکہ پاک اور

میں سے ہیں اور وہی عطا کرتا ہے تو اس خیال کے پختہ ہونے سے معًا ایسے خالق کی عبادت کا خیال آتا ہے اور وہ فوراً اپنی بے بضاعتی کا اقرار کرکے سربسجود ہو جاتا ہے بس پھر یہیں سے معرفت اور حقیقت کے دروازے اس پر کھلجاتے ہیں اور وہ عالم روحانیات میں ترقی کرتے کرتے کامل انسان بنجاتا ہے جب انسانیت میں اُسے کمال ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے حقیقی خالق کی مخلوق کی اصلاح کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اُسے عنایت کیا ہے وہ اپنے بھائیوں کو دینے میں دریغ نہیں کرتا خواہ روپیہ سے خواہ نصائح سے خواہ نیکی سے خواہ کسی اور طرح سے پہلا درجہ روحانی فضائل کا کمال ہے کیونکہ بغیر اسکے آدمی نہیں بن سکتا اور پھر دوسرا درجہ تمدن کا قایم کرنا ہے۔ اس سے ایک یہ بھی بات ثابت ہوئی کہ مخلوق کو وہی شخص فائدہ پہنچا سکتا ہے جسکا تعلق خداوند تعالےٰ سے ہوگا اور جسے اپنے خالق سے کوئی واسطہ نہیں ہے جس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے معبود کو یاد نہیں کیا وہ اُسکی مخلوق پر کیا مہربانی کرسکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلیں کہ ملحدوں کے مفروضہ اصول صحیح ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آجتک ان ملحدوں نے بنی نوع کی کچھ اصلاح کی اور آجتک دنیا میں ان کی ذات سے کونسے تمدن قایم ہوئے۔ انہوں نے خدا کی مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اور ان کی ذاتی حالت زندگی بھر کیا رہی۔ بہت سے یورپی ملحدوں کی حکایتیں سنی ہیں کہ مرتے وقت ان پر کیا مایوسی کی حالت طاری ہوئی اور اخیر اُنہیں اپنے مذہبی پیشوا کے آگے خداوند مسیح کا اقرار ہی کرنا پڑا کاش زندگی میں ہی اُن کے دل پر عیسائیوں کے خداوند مسیح کا کچھ اثر ہوتا تو ضرور وہ اُن کے دہنے بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت نوشجان کرتے مگر آخری توبہ سے کیا ہوتا ہے اب تو انہیں کچلچانا اور دانت پیسنا پڑیگا

الحمدللہ مسلمانوں میں ملحد بہت کم پیدا ہوئے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام نہ تو یہ کہتا ہے کہ مذہب کی بنیاد کسی فوق الفطرت بات کے ایمان لانے پر منحصر ہے نہ اسلام کوئی عقل کے خلاف عقیدہ پیش کرتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ خدا کو ایک مانو اور کسی کو اُسکا شریک بناؤ اور بس جب خدا پر کامل ایمان ہوگا تو نبوت اور معجزہ کا راز بآسانی سمجھ میں آجائے گا اور پھر کوئی دشواری نہ ہوگی خدائے تعالےٰ کے یہ راز ہیں جنکا پتہ اُس سے تعلق پیدا کرنے پر موقوف ہے محض عقل کے تکے لڑانے سے یہ باتیں نہیں حاصل ہوتیں۔ جو کچھ مجھے معجزہ اور نبوت کے بارے میں لکھنا تھا لکھ چکا اور خیال ہے کہ فی الحال شاید اسی قدر کافی ہو اگر یہ مضمون غور سے پڑھا گیا تو اُمید پڑتی ہے کہ بہت سے شکوک حل ہو جائیں گے اور نبوت اور معجزہ کا مفہوم آنکھوں نے نظر آجائیگا محض اپنی عقل اور علم کے زور سے ہرگز خدا کا راز نہ تلاش کرو منطق اور فلسفہ کو ہرگز ایسی باتوں میں دخل نہ دو۔ بلکہ نہایت روشنضمیری اور پاکبازی سے خدائے تعالیٰ کے اس راز کی جستجو کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

حالت بدل جاتی ہے مگر دوسرا شخص اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر تم اپنے تعلقات خالق ارض وسما سے زیادہ پیدا کرو گے تمہارا قرآن سمجھنے کا مذاق بڑھتا جائے گا اور پھر تم ترقی کرتے کرتے قرآن مجید کے ان اصلی معنی کو سمجھنے لگو جو الفاظ کی تہ میں مضمر ہیں۔

نبوت کا بہت بڑا نتیجہ قرآن مجید ہے اور اس پاک کتاب کو ہم دوسرے لفظوں میں آیات بینات یا معجزہ سے تعبیر کریں گے اس مقدس کتاب کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں روحانی فضائل حاصل کرنے کے مدارج مقرر کئے ہیں اور جب تک کوئی شخص درجہ بدرجہ طے نہ کرے گا سب سے اعلےٰ مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں شروع ہوتے ہی صرف ایک جملہ نکلتا ہے اور وہی جملہ گویا آگے آنے والی روحانی تعلیمات کا بہت بڑا سرچشمہ ہے یعنی وہ جملہ یہ ہے ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ۝ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون۔ یہ ایک جملہ ہی جس کی تفسیر سارا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی خواہ کسی چھوٹی سی چھوٹی آیت کو پڑھو اسی آیت یا جملہ کی شرح پاؤ گے۔ اور جب تک اس آیت کا اصلی مفہوم دل میں نہ جما لو گے اس کی شرح کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ اس سے کچھ مذاق حاصل کر سکتے ہو بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے لیکن ان ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور غیب کی چیزوں پر ان کا ایمان ہے اور پھر آگے ان لوگوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یعنی عبادت الٰہی کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں غیب پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ ان پوشیدہ قوتوں یا جوہروں کا یقین کیا جائے جو دنیا کی ہر شئے میں مضمر ہیں اور اس سے کائنات کا بڑا سا بڑا کرہ اور چھوٹے سے چھوٹا ذرہ خالی نہیں ہے اگرچہ بقدر مراتب ان جوہروں یا قوتوں کا حصہ ان میں ودیعت ہوا ہے۔ ان ہی پوشیدہ جوہروں سے خالق کا کھوج ملتا ہے اور ان ہی قوتوں نے ہر شئے میں ایک امتیاز پیدا کر رکھا ہے۔ انسان ان ہی سے انسان بنا ہے اور حیوان ان ہی سے حیوان کہلایا ہے۔ ان پوشیدہ باتوں پر جنکا ایمان نہیں ہے انہیں ان کی تلاش ہی نہیں ہونے کی اور جب تلاش نہ ہوئی تو پھر خدا کا ملنا بہت ہی مستبعد ہو جائے گا۔ ان پر ایمان رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انہیں جانو ان کی حقیقت سے آگاہ ہو اور سان میں پیوست ہو جانے کی کوشش کرو۔ یہ قوتیں اگرچہ چھپی ہوئی ہیں مگر ان کے نام ہر زبان میں موجود ہیں اور سب نے انہیں تسلیم کر لیا ہے اگرچہ انکی حقیقت کے سمجھنے میں سب نے ہی دھوکا کھایا ہے۔ اور علم میں جو ان کی تہ تک پہنچے ہوں۔ ان ہی قوتوں کے نام ہر زبان پر جاری ہیں اگرچہ وہ نام کافی احاطہ ان کے مفہوم کا نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایمان۔ یقین۔ اعتقاد۔ ادراک۔ فہم۔ حس وغیرہ۔ یہ الفاظ تو بیشک ہمیں یاد ہیں لیکن چونکہ ہماری زبانیں محدود ہیں اور جنہیں ہم بار ہا ثابت کر چکے ہیں اسلئے ان جوہروں میں سے ایک جوہر کی ایک صفت کے اظہار میں حصہ کا مفہوم بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ان جوہروں کی شناخت کرنی اور یہ سمجھنا کہ صرف مادہ ہی ان صفتوں کو پیدا نہیں کر سکتا بلکہ ارض وسما کے خالق کے ہاتھ میں ہی امر وہی ان عناصر میں جن سے انسان بنا ہوا ہے یہ صفتیں ودیعت کرتا ہے اور بغیر اس کی مرضی کے انہیں کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ضرور ایسے جوہر جو انسان کی بزرگی اور کل مخلوقات پر افضلیت کا باعث ہیں خدا کی خاص نعمتوں

حضرت مسیح علیہ السلام جیسا عیسائیوں کا خیال ہے بے باپ کے پیدا ہوئے اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو معجزہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کا تھا نہ کہ حضرت مسیح کا مگر قوم نے اپنی اسی موروثی عادت کے بموجب اور اپنی جہلی عادت کی بنا پر حضرت مریم کو تو پوچھا بھی نہیں اور حضرت مسیح کو لے اُڑے اور آخیر اُنہیں تیسرے آسمان پر چڑھا دیا زیادہ حمیت کا جوش آیا تو حضرت مسیح سے اُن کی ماں کو جھڑکیاں دلوادیں اور گھٹنے تک نہ گھسنے دیا۔ یہ تعظیم ہے جو گزشتہ دنیا نے عورتوں کی کی اور یہ توقیر ہے جو اس کائنات کی ماں کی کی گئی۔ موجودہ زمانہ میں عورتیں خواہ کتنی ہی ترقی کر جائیں لیکن رہیں گی مرد ہی کی دست نگر اور اس درجہ سے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

عورتوں کی ایک دردانگیز کہانی ہے اور ان کی بپتی ایسی خون آلودہ ہے کہ سخت سے سخت دل بھی چار لفظ نہ سن سکے گا۔ دنیا کی پیدائش سے اب تک (سوائے زمانۂ اسلام کے) عورتوں کا ہمیشہ زوال رہا ہے اور اُنہوں نے کبھی قوم کے ساتھ ترقی نہیں کی اور نہ انہیں کبھی کچھ عروج ہوا۔ وہ ہمیشہ مطیع رکھی گئیں اور وہ بھی اس بُری طرح سے کہ خدا نہ دکھائے۔ رومتہ الکبریٰ جو مغربی عیسائیت کا پائے تخت تھا عورتوں کے لحاظ سے سخت زبون تر حالت میں تھا۔ پادریوں کے ادنےٰ سے اشارہ میں شاہراہوں پر ذبح کروا ڈالی جاتی تھیں اور بے درد اُف تک نہ کرتے تھے۔ اُنہیں نہ مثل لونڈیوں کے بنا رکھا تھا بلکہ سنگدلی سے اُن پر جابرانہ حکومت کرتے تھے۔ نہ اُن کی آسائش سے غرض تھی اور نہ خوشی سے وہ چاہے دکھ میں رہیں یا خوشی میں رکھیں مرد کو خوش۔ اُن کے خلاف پادریوں کے جلتے فتوے جاری ہوتے تھے اُن کی بہت آسانی سے بے چون وچرا تعمیل ہو جاتی تھی اور ان کی جان سب سے زیادہ ضیق میں پھنسائی جاتی تھی۔

جادو کے الزام میں بھی خدا کی اسی مظلوم مخلوق پر دنیا میں کیا کیا آفتیں برپا ہو گئیں اور کیا کیا ستم ٹوٹ گئے کس طرح ایشیا اور یورپ میں زندہ جلا دی گئیں اور کس بے دردی سے اُنہیں تھو تھے تیروں اڑوا دیا گیا حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کرکے بچے نکالے گئے اور اُف ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا۔ جتنے خراب نام کہ انسان اپنی زبان میں تراش سکتا تھا سب ان ہی بدبختوں کے لئے موزوں کئے گئے اور پھر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اُنہیں شیرخوارگی کی حالت میں زندہ گور کیا گیا اور نامردوں نے اپنی اُس بزدلی پر بغلیں بجائیں۔ اُف سنگدلی تو کیسی بے رحم ہے کہ تجھے کبھی ان معصوم بچوں پر ذرا رحم نہ آیا جن مظالم کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ دیدہ دانستہ بے گناہ دُلہن عورتوں پر توڑے گئے اور ذرا بھی درد نہ آیا۔ وحشی اقوام کے وحشی معبودوں کے قدم مدت تک بیگناہ عورتوں کے خون سے تر رہے ہیں۔ خانقاہوں اور گرجوں کے تہ خانے اور مندروں کی کوٹھریاں اُن بے گناہوں کی لاشوں سے مدتوں سڑا کی ہیں۔ ایک صاحب یا پادری کا معمولی اشارہ صدہا عورتوں کے لئے عزرائیل کا حکم رکھتا تھا۔ انہیں صدیوں نہایت شرمناک حالت میں رکھا گیا ہے وہ شرمناک حالت جو نہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے نہ شیطانی ادہام اُن کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ رومتہ الکبریٰ میں کیا ہوا مشرقی سلطنت یعنی قسطنطنیہ میں کیا بیتی ہندوستان میں اُن سے کیا سلوک کیا گیا ایران میں ان پر کیا کیا آفتیں نازل ہوئیں اور سب سے زیادہ یورپ میں ان پر کیا کیا ستم توڑے

چودھواں باب

کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کا مسئلہ چونکہ معاشرت اور تمدن سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اسلئے بہت ہی دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور عام طور پر خیال رجوع کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضروری مضمون شاید اور نہ نکلے۔ عورت جو انسانی معاشرت کی ایک جزو اعظم ہے ہمیشہ سے نئی نئی صورتوں میں دنیا کی تماشہ گاہ پر اُس نے جلوہ کیا ہے۔ کہیں وہ ماتا کی صورت میں آئی ہے اور کہیں بی بی اور کہیں بہن اور کہیں بیٹی کی۔ تعلقات کے اختلاف کی وجہ سے اُس کے مدارج میں بھی فرق ہوگیا اور یہ فرق اگرچہ کل قوموں میں بیّن طور پر پایا جاتا ہے مگر اس کا رنگ بھی ہر ملک میں جاکے بدل گیا ہے اور قدرت کبھی اسے ایک حالت پر قایم نہیں رکھ سکی۔ عورت جس کی تعظیم اخلاقی طور پر بہت ضروری تھی اور وہ بحیثیت اسکے کہ دنیا کی ماں ہے بہت ہی محترم گنی جاتی ہے مگر انسانی غرور نے اول روز سے اُسکا مناسب احترام نہیں کرنے دیا اور اُسے ایسی شرمناک حالت میں رکھا جس سے زیادہ شرمناک ملنی ممکن نہیں۔

اگر نفس تمدن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واجب الاحترام چیز دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتی کیونکہ ایک طرف تو یہ انبیا کی ماں ہے اور دوسری طرف شہنشاہوں کی اور پھر علما اور فقرا کی اسی سبب سے پیدا ہوئے اور اسی کا خون کھا کھا کے رحم میں پرورش پائی مگر بڑے ہو کے سب نے اُس کے واجب اعزاز سے پہلوتہی کی اور نہایت ناانصافی سے اسکے ساتھ برتاؤ کیا۔ یہ کمال اس عورت میں ہے کہ پیٹ میں یہ رکھے پیدا ہونے کے بعد پرورش یہ کرے دودھ یہ پلائے اور نہایت بے بسی حالت میں انسان کی خبر گیراں ہو مگر جب وہ بڑا ہو جائے اور اُس میں قوت آجائے تو پھر ایسی اتنی بڑی محسنہ کی طرف توجہ بھی نہ کرے بلکہ حاکمانہ طور پر اُس پر نظر کرے اور یہ سمجھے کہ جسطرح دنیا کی اور چیزیں نباتات جمادات کی قسم سے میرے فائدہ کے لئے بنائی ہیں اسی طرح ان عورتوں کو بھی میری اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میں جس طرح ان سے چاہے پیش آؤں مجھے زیبا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالے نے انسان کو ناسپاس فرمایا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اُس میں ناسپاسی کی صفت موجود ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جبلی ناسپاس ہے۔

جب سے دنیا میں تاریخ کا کھوج لگتا ہے کبھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی قوم نے بھی عورت کی عزت کرنا تو کجا اُسپر رحم کھایا ہو اور اُس کے حقوق اُسے پورے دیئے ہوں ہمیشہ عورتوں پر ظلم ہوا اور ہمیشہ اُن کے حقوق غصب کئے گئے اور بلا وجہ اُن پر تاخت کی گئی۔ اسلام اگر اُن کی حمایت نہ کرتا تو وہ خبر نہیں بربادی کی کس حد تک پہنچ جاتیں اور اُس سے مخلوق پر کس درجہ تباہی آتی۔ عورت کیسی ہی پارسا ہو اور کیسی ہی عاقل اور ہوشمند ہو مگر مرد کے آگے نادان سمجھی جاتی ہے اور کبھی اُس سے اہم معاملات میں مشورہ نہیں لیا جاتا اور نہ اُس کی کسی بات پر عمل کیا جاتا ہے

دونوں ہی آگئے اب یہاں سے گویا عورت و مرد کی مساوات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس نے مہیب مظالم کی تقویم پارینہ کو بالکل پارہ پارہ کردیا۔ یہ ایک عجیب اصول تھا جو اسلام نے تمام دنیا کے خلاف قایم کیا اور یہ ایک اعجوبہ قانون تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ اگرچہ اب یہ محض معمولی نظروں سے دیکھا جائے گا مگر جب یہ خیال جائے گا کہ یہ حکم کسوقت دیا گیا تھا تو اس کی وقعت پوری اُسوقت دل میں جمے گی۔ دنیا ایک ہی طریقہ پر چلرہی ہو اور تمام عالم کا ایک ہی خیال ہو اور پھر ایک شخص دنیا کے بدترین خطہ میں پیدا ہو کے مخالفت کرے اور دنیا سے لڑنے کھڑا ہو جائے اور پھر اپنے اس دشوار کام میں تمام اقوام سے بازی لیجائے فی الحقیقت ایک نادر الوجود بات ہے بظاہر فطرت نے عورت و مرد میں فرق رکھا ہے اور دونوں کی جسمانی بناوٹ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ چھپا ہوا نہیں ہے مگر اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہیں ہوسکتا کہ عورت مرد کی اطاعت کرے اور اطاعت بھی کیسی کہ مثل جمادات۔ نباتات کے اس کے مقابلہ میں سمجھی جائے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو عورتیں نہ کرسکیں وہ کسی حالت میں معذور نہیں ہیں۔ میدان جنگ میں انہوں نے کام کیا ہے اور جہانداری میں یہ حصہ دار اور ناموربنی ہیں۔ ان کے کارنامے عالم میں مشہور ہیں اور ان کی ذہانت۔ طباعی اور عقل کی زمانہ نے ہمیشہ داد دی ہے۔ باینہمہ ہر قوم نے ان پر ظلم کیا اور دنیا کے ہر ملک میں انہیں انسانی اشرفیت کا ایک بدنما داغ خیال کیا گیا۔ رحم اور صبر فطری طور پر ان میں زیادہ ودیعت ہوا ہے اور یہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ جفاکش اور محسن پرست ہوتی ہیں۔ ان بیچاریوں پر طرح طرح کے حملے کئے گئے کبھی انہیں انتہا درجہ بزدل ثابت کیا گیا کہیں ان کی عصمت پر منہ آیا گیا اور کہیں انہیں شیطان سیرت بتایا گیا ہمیشہ ان کے عیب تل کے پہاڑ بنا کے دکھائے گئے اور مردوں کے مقابلہ میں بہر صورت انہیں ناچیز ٹھہرایا گیا۔ وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک ہی جرم ہے اور دو عورت و مرد اس کے مرتکب ہیں مرد سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر عورت کی گردن ماردی جائے۔ مرد نے زبردستی خلاف فطرت عورت کو اپنا محکوم بنالیا ہے اور وہ اس پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ عورتوں کے فریب اور دغا بازیاں ہر قوم میں مشہور ہیں اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عورت سے زیادہ فریبی دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہ یکطرفہ فیصلہ ہے خود ہی مدعی خود ہی مجوز بنکے جا ہے جو کچھ کردیا فیصلہ ہمیشہ ثالث شخص کیا کرتا ہے اور چونکہ ثالث کوئی ہے نہیں اسلئے اُس فیصلہ کی کوئی وقعت نہیں جو مدعی نے خود ہی کرلیا ہو۔ عورتوں کے سر جسقدر فریب چپکے جاتے ہیں اگر وہ سب تسلیم کرلئے جائیں پھر بھی اُن دغا بازیوں اور جعلسازیوں سے جو شب و روز مرد کرتے رہتے ہیں عورتوں کا درجہ بہت ہی گھٹا رہے گا اگر مرد نے لاکھ خون کئے ہیں تو عورت نے بمشکل ایک کیا ہوگا اگر مرد نے ہزار بار فریب کیا ہے تو عورت نے ایک بار کیا ہوگا۔ یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں کہ ان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر محض ذاتی اغراض کو مد نظر رکھ کے اپنے معائب سے چشم پوشی کی گئی ہے اور عورت کے ہر ادنے سے ادنے عیب کو بانس پر چڑھایا ہے۔ عورت کی بدکاری سخت پُر خوف نظروں سے دیکھی جاتی ہے جبکہ مرد کی بدکاری پر اتنا خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ انتہا درجہ کی خود غرضی نہیں تو اور کیا ہے۔ عورت ایک دفعہ عیب کرنے کے بعد پھر تمام عمر کسی کام کی نہیں رہتی مگر مرد تمام عمر بھی عیب کرے اُس کے

گئے. عیسائیوں کی خانقاہوں اور گرجوں نے ہندؤں کے مندروں اور شوالوں نے آتش پرستوں کے آتشکدوں نے یہ کل شرمناک اور خونی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور وہ کل قیامت کے دن رب الافواج کی بارگاہ میں عورتوں کے مظالم کی عینی شہادت دیں گے۔

جہاں ان پر یہ ظلم کئے جاتے تھے وہاں ان کی اخلاقی حالت کو بھی بالکل مٹایا جا رہا تھا۔ ایران میں تو بیٹی اور بہن کی تمیز ہی اٹھ گئی تھی مشرقی نصاریٰ ماں کو ماں ہی نہ سمجھتے تھے اور ہندؤں نے تو انہیں یہاں تک برباد کیا تھا کہ ایک ہی عورت کئی بھائیوں سے تعلق پیدا کرے۔ جسمانی سزاؤں کے علاوہ یہ اخلاقی آفتیں تھیں جو ان پر توڑی جاتی تھیں اور کائنات کی ماؤں کی علانیہ یہ درگت بنائی جا رہی تھی پیغمبر اوتار اور مصلح پیدا ہوئے اور اپنی ہی جنس کے بہبودی کے قواعد بنا کے چلدیئے مگر کسی نے بھی سوائے خاتم النبین کے ان کی دردناک حالت پر توجہ نہیں کی حضرت موسےٰ حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہم السلام نے عورتوں کے ساتھ کیا کیا اور کون سے احکام نافذ فرمائے حضرت مسیح نے عورتوں کے کون سے حقوق برقرار رکھے ہندوستان میں ویدوں کے مصنفوں نے کیا کیا اور بودھ نے اپنے اصلاحی اور فنافی اللہ مذہب سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ کچھ بھی نہیں بس اگر کیا تو یہ کیا کہ انہیں اور بھی آفت میں پھنسا دیا اور ان کی کچھ بھی چارہ جوئی نہیں کی۔

دنیا میں اگرچہ کل قوموں کے مرز بوم کے اختلاف کی وجہ سے خیالات. محسوسات. معاشرت اور تمدن بالکل الگ الگ ہیں مگر عورتوں کے معاملہ میں یہ عجیب بات ہے کہ سب کی ایک ہی رائے اور ایک ہی خیالات ہیں اور جہاں تک ممکن ہوا ہے ہر شخص نے دوسرے شخص کی تائید ہی کی ہے ظلم کی ایک حالت ہے جو جنوب و شمال اور مشرق و مغرب یکساں پائی گئی ہے اور اس میں نہ یورپ میں جا کے کچھ فرق آیا ہے اور نہ ایشیا میں جا کے سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز سے دنیا دنیا بنی وہ کتنی احترام کے قابل ہونی چاہئے مگر نہیں اُسے حتی الامکان قدموں کے نیچے کچلا گیا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کی گئی۔ نہ مذہبی قوانین نے عورتوں کی رعایت کی نہ ملکی قوانین نے ان پر کچھ ترس کھایا۔ ان کے حق میں تو سب ہی عزرائیل ثابت ہوئے اور ان کے گلے پر تو ہمیشہ سب کی چھری تیز رہی۔

جتنی قومیں دنیا میں ہوئیں اور برباد ہو گئیں اور جتنی قومیں کہ آج دنیا میں موجود ہیں سوائے ایک قوم کے (بشرطیکہ اسے اس کے دینی پہلو سے دیکھا جائے) کوئی قوم نہ ایسی ہوئی نہ اب موجود ہے جس نے عورتوں کا پاس و لحاظ کیا ہو انہیں مردوں کے پہلو بہ پہلو حقوق دیئے ہوں اور ان کی ایسی تعظیم کی ہو کہ ان کے قدموں کے نیچے جنت رکھدی ہو یعنی ان کی طاعت کو نجات کی کنجی بنایا ہو. کس نے عورتوں کو ام المومنین کا محترم لقب دیا ہے اور کس نے عورتوں کو مردوں کا سرتاج بنایا ہے۔ قرآن نے جہاں روحانی فضائل کی بنیاد دنیا میں قائم کی ہے وہاں انسانی تمدن کو بھی آسمان پر چڑھا دیا ہے اور کائنات کی ماں یعنی عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی پیمانہ میں رکھا ہے مثلاً جہاں اولاد کو حکم ہوا ہے کہ تم اول کس پر احسان کرو تو وہاں "والدین" کا لفظ فرمایا ہے۔ اس میں ماں باپ

کے اجزا میں کیوں کر قایم رہ سکتی ہے اور جب دنیا سے تمدن اُٹھ گیا تو پھر آبادی اور سرسبزی۔ ہر ایک کام میں باقاعدگی انتظام کیوں کر قایم رہ سکتا ہے۔ یہ تعلقات اگر براہ راست خدا کی طرف کے قایم کئے گئے ہیں تو الحمدللہ پھر تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر انسان نے قایم کئے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ جس عقل نے یہ قوانین تراشے وہ فطری عقل تھی اور اس میں ایزدی تائید ضرور تھی۔

سلطنت مشرقی یعنی قسطنطنیہ کی اور ہی کیفیت تھی یہاں کثرت ازدواجی نے بہت ہی دقتیں پیدا کر دی تھیں۔ پادری اگرچہ شادی نہیں کرتے تھے مگر شادی والوں پر رہتے تھے اچھی طرح خانقاہوں میں جہاں خدا و مسیح کی مجسم تصویر کی پرستش ہوتی تھی اور جہاں روح القدس روزمرہ تیسرے آسمان سے پادریوں پر نازل ہوتی تھی زنا کاری کی انتہا ہو چکی تھی۔ پادریوں کا لوہا چونکہ سب پر تیز تھا اس لئے اُن کے فیصلہ سے کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں اُن کیلئے جائز اور حلال تھیں اور مظلوم عورتیں بھی اپنی جان اور اپنے رشتہ داروں کی بربادی کے خوف سے اپنی عصمت کا تاج فروخت کرنے میں کچھ بھی پس و پیش نہ کرتی تھیں۔ بایں ہمہ پادری اپنے تقدس کی وجہ سے اس تعلق کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اسلئے حاملہ عورتیں اُن تہ خانوں میں رہتی تھیں جو ہر خانقاہ اور ہر گرجے میں بنے ہوئے تھے۔ وہیں اُن بیگناہ لڑکیوں کا وضع حمل ہوتا تھا اور وہیں رحم دل پادری کے حکم سے نوپیدا بچہ مار دیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح روح القدس کی برکت کی پوری تکمیل ہو جاتی تھی۔

جب تک سلطنت مشرقی میں شخصی حکومت رہی عام طور پر زیادہ عورتوں کے کرنے کی روک ٹوک رہی مگر جب سے پادریوں کی جمہوری حکومت کا رنگ سلطنت نے اختیار کیا یہ قید بھی جاتی رہی اور عام طور پر ہر شخص کو اجازت ہو گئی کہ وہ جتنی چاہے جتنی عورتیں رکھے۔ ساتھ اس حکم کے عورتوں کے حقوق میں کچھ بھی رعایت نہیں کی گئی اور نہ نہیں کوئی ایسا قانون دیا گیا کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کر سکیں۔ انہیں مثل اثاث البیت کے خیال کیا جاتا تھا۔ عدالتیں تھیں۔ مجوز اور منصف تھے مگر عورتوں کے لئے اُن کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ خاوند کو حق حاصل تھا کہ وہ جس طرح چاہے اپنی بیبیوں کو رکھے اُن کی جانوں کا بھی اُسے اختیار حاصل تھا اور اُن کے مال کا بھی وہی مالک ہوتا تھا۔ چونکہ حضرت مسیح نے کوئی صاف یا مبہم حکم عورتوں کے حقوق کا نہیں دیا تھا اور نہ کثرت ازدواجی کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا اسلئے ہر شخص سلطنت کی طرف سے عورتوں کو رکھنے اور اُن سے ہر قسم کا برتاؤ کرنے کا مجاز کر دیا گیا تھا۔

ان سلطنتوں کی تو یہ کیفیت تھی مگر جہاں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا وہاں عورتوں کی اور بھی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ سوتیلی ماں کو بی بی بنا لینے کا قانون نصرانیوں میں عام طور پر جاری تھا۔ نوپیدا بچیوں کو زندہ درگور کر دینے کی ہولناک رسم بہت شدت سے کی جاتی تھی۔ یہودی۔ نصرانی۔ بت پرست اور ستارہ پرست قومیں سب کئی کئی بیبیاں رکھتی تھیں مگر اُنہیں مثل معمولی جانوروں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اور خاندان میں اُن کی کوئی بھی وقعت نہ تھی اس زمانہ میں حضور انور کا ظہور ہوا اور آپ نے بہت غور اور درد سے عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھا اور آپ نے ان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ قدم قدم پر خدائے تعالےٰ کی تائید شامل تھی اور آپ کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے سرزد

عیب عیب ہی نہیں گنے جائیں گے۔

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا ہے دو سلطنتیں ہمسایہ بھی تھیں اور قوی ترین بھی تھیں ایک زرتشتی مذہب کا پایۂ تخت تھا اور دوسرا مشرقی عیسویت کا دارالامارۃ تھا یعنی ایران اور قسطنطنیہ رومتہ الکبریٰ کا کبھی کا چراغ گل ہو چکا تھا اور وحشی قومیں کبھی کی اس کی اینٹ سے اینٹ بجا چکی تھیں۔ ایران میں تو عورتوں کے لئے کوئی بھی قانون نہ تھا نہ ان کے کچھ حقوق سلطنت کی طرف سے انہیں عطا ہوئے تھے اور نہ شوہر کے گھر جانے سے وہ کسی قسم کے حقوق حاصل کر سکتی تھیں۔ بلکہ ان پر تمام دنیا کے حق تھے اور ذلیل سے ذلیل کام لینا جائز قرار دیا گیا تھا۔ ایسی آزادی نے قدیم سے کئی کئی شادیوں کی رسم کی دنیا میں بنیاد قایم کی اور لوگ محض اس وجہ سے کہ یہ مثل ایک بازار کی چیزوں کے ہیں جتنی چاہئے گھروں میں بھر لیتے۔ بس ان کی خبرگیری اسی قدر کی جاتی تھی کہ بہت معمولی کھانا دیدیا موٹا جھوٹا کپڑا پہنا دیا اور اسکے صلہ میں ان سے تمام دنیا کے کام لیلئے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی خبرگیری سے کام نہ تھا اور مثل بیکار جانوروں کے انہیں سمجھا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ دنیا میں عورتیں صرف اولاد کے لئے پیدا کی گئی ہیں ورنہ ایسی بیکار چیز کے پیدا کرنے کی اور کوئی غرض نہیں ہو سکتی تماشہ کی بات ہے کہ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ تو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور کل وارث وہی قرار دی جاتی تھی مگر اس کمبخت کے لئے وہی ڈھاک کے تین پات موجود تھے۔ مثلاً ہندوؤں کے ملکی قانون میں موجود ہے کہ بی بی خاوند کی جائداد میں سے سوائے گزرا وقات کے اور ایک پیسہ لینے کی مستحق نہیں ہے اور قانوناً اُسے کچھ بھی اختیار نہیں ہے کہ بیٹے کے مقابلہ میں جو اسی کے بطن سے ہے ایک پیسہ بھی لے سکے اسیطرح بھائیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ کے ورثہ کی بھی مالک نہیں بن سکتی اور اس حسرتناک حالت میں وہ اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔ وہ مظالم جو قدیم زمانہ میں عورتوں پر ہو چکے ہیں اُن کا بقیہ چلا جاتا ہے اور شاید جب تک یہ کل قومیں مسلمان نہ ہو جائیں عورتوں کی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ایران کی بھی یہی کیفیت تھی بلکہ ایرانی معاشرت تو ہندوستان سے بھی کئی درجے آگے بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف اسی قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے اور بعض اوقات عورت جبراً راضی کی جاتی تھی کیا کرتی ظلم ظالم۔ مارے اور رونے نہ دے۔ مگر ایران میں صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی سگی بہن بیٹی اور بعض اوقات ماں بھی بی بی بنالی جاتی تھی اور ایک شخص کے لئے اس کی بیٹی اسلئے جائز کر دی گئی تھی کہ باغبان جس طرح درخت بو کے اس کا پھل کھانے کا قدرتاً حقدار بنایا گیا ہے اس بنا پر باپ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بیٹی کو اپنے استعمال میں لائے۔ اگرچہ ایران میں اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہیں گنا جاتا تھا اور چونکہ عام طور پر رائج تھی اس نظر سے یہ کچھ عیب بھی نہ رہی تھی۔ تو بھی عورتوں کی انتہائی نکبت کا اس سے پتہ چلتا ہے۔ جب ان ناپاک تعلقات کا سلسلہ قایم تھا پھر ادب آداب اور عورتوں کی تعظیم و تکریم انسان کے حقوق کیوں کر قایم ہوتے۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ رشتے دنیا میں انسان کے قایم کئے ہوئے ہیں۔ اور خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں تو یہ سوال کرتے ہیں کہ یہی قاعدہ دنیا میں جاری ہو جائے تو پھر معاملات تغیر و تبدل۔ انتقال جائداد۔ پاس و ادب۔ حقوق کی نگہداشت جو کہ

یا اسے مغربی تمدن کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر انسانی اخلاق کی رو سے ایسی کاروائی
سخت ناجائز اور خلاف شان ہے۔ پیرس کی جو کچھ حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسی طرح یورپ کے
کل پایہ تختوں کی بھی کیفیت ہے۔ ایک کتاب میں جس پر مصنف کا نام نہیں لکھا ہے (اور جو یورپ میں انتہا درجہ مقبول
ہے اور جو یورپ کی ہر زبان میں کئی کئی بار طبع ہو چکی ہے اور جس کا نام ایلیمنٹس اف سوشیل سائنس ہے) یورپ
کی کثرت ازدواجی کی بحث ہے اس نے دکھایا ہے کہ پیرس میں بالخصوص کیا خرابی پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں حرام کاری
کے لئے کیسے اڈے بنے ہوئے ہیں اور کس طرح غریب دیہاتیوں کی ناواقف دوشیزہ لڑکیاں محض فریب دیکے
امرا کے لئے لائی جاتی ہیں اور امرا کی حالت کیسی خراب ہے اور فرقہ اناث کی کیا کیفیت ہے اور وہ عام طور
پر ایک شراب کے پیالہ پر کس طرح اپنی عصمت علانیہ فروخت کر ڈالتی ہیں اور ایک ایک دولتمند شخص کتنی کتنی لڑکیوں
سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر یہ ناپاک رسم سارے بر اعظم یورپ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس
جم غفیر میں پارسا عورت و مرد بھی ضرور ہوں گے مگر ایسوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا
کہ ان کی ہمیشہ یہی کیفیت رہے گی۔ ڈاکٹر موسیو لیبان مصنف تمدن عرب نے بھی اسبات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں
کا جائز کثرت ازدواج یورپیوں کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ اسلام پر جس دریدہ دہنی سے نکتہ چینی
کی جاتی ہے اور جس بری صورت میں اُسے پیش کیا جاتا ہے وہ مہیب صورت بھی یورپ کی موجودہ معاشرت کی آگے
کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ فی الحقیقت عصمت عنقا بنگئی ہے اور یورپی ممالک میں اس کا بمشکل کھوج ملسکتا ہے۔ فرضکرو
کہ اسلام میں اگر دو دو چار بیبیوں کے کرنے کی رسم رائج بھی ہو پھر بھی ایک منصف مزاج شخص کے آگے ان کا یہ فعل
بدرجہ مستحسن گنا جائیگا۔ اور یورپ کی ناجائز کثرت ازدواجی سخت مکروہ معلوم ہوگی۔ جب سے دنیا کا ظہور ہوا ہے کثرت
ازدواجی کی رسم ہر قوم میں برابر چلی آتی ہے اور اس وقت بھی تمام دنیا پر بڑے زور شور سے جاری ہے۔ ایسے
شخصوں پر ہنسی آتی ہے جو مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہنود یا عیسائی ہیں جب کبھی کثرت ازدواجی کا ذکر آتا ہے تو بہت ہی
آنکھ بھوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ مسلمان کئی کئی بیبیاں کر لیتے ہیں یہ قوم نفسانی خواہشوں میں کیسی گرفتار ہے مگر جب
وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور باقرار صالح شہادت دیں کہ سوائے دو ایک صابر اور زاہد نفوس کے کون شخص ہے
جو صرف اپنی بیبی پر قانع رہا اور اس نے کسی دوسری طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے رئیسوں۔ رشیوں
سادوں کی کیفیت ہمیں معلوم ہے غربا اور متوسط درجے کے لوگ بھی اس میں گرفتار ہیں پھر بھی شرمناک معاشرت
میں مبتلا ہو کے مسلمانوں کی جائز معاشرت پر اعتراض کرنا یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے

دوسرا پہلو ہماری بحث کا یہ ہے کہ جس ہیبت ناک طریقہ سے اسلام کی کثرت ازدواجی دکھائی گئی ہے اس
میں حق سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی حق بات قلم سے نہ نکل جائے ہم اس مسئلہ
پر بھی ایک بسیط بحث کریں گے اور خدا کی امداد کی امید پر ہم کہسکتے ہیں کہ ہماری کثرت ازدواج کی بحث ایک حد تک کامل
ہوگی یہ مطلب بھی صاف عیاں ہو جائیگا اور معترضوں کے کل اعتراض بھی رفع ہو جائیں گے سخت افسوس سے

ہونا تھا آپ نے عورتوں کی معاشرت کو جیسا بلندی پر پہنچایا قیامت تک فرقہ اناث آپ کا ممنون رہے گا۔ آپ نے سب سے پہلے عورت و مرد کے اُس امتیاز کو دور کیا جس سے عورتیں بے حقیقت لونڈیاں اور مرد اُن پر حاکم بن گئے تھے۔ آپ نے دونوں کے جرم کو ہموزن قرار دیا۔ اور زانی اور زانیہ کی ایک سزا رکھی۔ ساتھ ہی آپ نے دونوں کے حقوق کی مساوات کی اور ایک قدیم فرق کو بیچ میں سے اڑا دیا۔ آپ نے اُن کے مدارج مقرر کئے اور سب کے ساتھ احسان کرنا فرض قرار دیا۔ آپ نے اگر مرد کو طلاق دینے کی قوت دی تو عورت کو اُس کے مقابلہ میں خلا کی قوت عنایت کی۔ آپ نے لڑکی کا ورثہ باپ کی جائداد میں سے بھائیوں کے مقابلہ ایک حصہ مقرر فرمایا اس وجہ سے کہ لڑکی کو اپنے خاوند کا بھی حصہ ملے گا اور ساتھ ہی مہر کا بھی وہ حق رکھتی ہے اور لڑکے کو دوہرا حصہ اسلئے دیا کہ وہ کسی غیر شخص کے ورثہ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ قاضی مقرر فرمائے اور عورتوں کو بالکل آزادی دے دی کہ اگر اُن کا خاوند کوئی تکلیف دے یا ظلم کرے تو فوراً قاضی سے دادرسی کی جائے۔ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے اور خاوند کسی صورت سے بغیر اُسکی مرضی کے اُس کے مال کا مالک نہیں بن سکتا ہمیشہ اُسے اپنے خاوند سے مہر لینے کا حق حاصل ہے اور وہ بغیر خاوند کی اجازت کے اپنے قرضدار پر عدالت میں دعویٰ کر سکتی ہے۔ اور ان سب باتوں پر مافوق یہ بات ہے کہ اگر عورت نصرانی ہے اور خاوند مسلمان وہ ہرگز اپنی بی بی کو گرجے میں جانے اور مذہبی ارکان ادا کرنے سے نہیں روک سکتا اس سے زیادہ آزادی دنیا کے کس مذہب اور کس ملحد گروہ نے عورت کو دی عورت کو کائنات کی سچی ماں بنا دیا اور اسکا احترام اسی شدومد سے کیا گیا جتنا کہ ہونا لازمی تھا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام میں کثرت ازدواجی کا مسئلہ کس حد تک رائج ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے آیا یہ ایجاد مسلمانوں کی ہے یا پہلے بھی یہ مسئلہ اُن میں جاری تھا۔ اسلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا رائے ظاہر کی ہے اور اسے کس حد تک سلجھایا ہے اور کتنی اس میں اصلاح کی ہے۔ اور اسلام کے کثرت ازدواجی کے کیا معنی ہیں غور کرنے کا مقام ہے کہ اب بھی یعنی اس تمدن اور تہذیب کے زمانہ میں بھی دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں کثرت ازدواجی جاری ہے۔ خواہ جائز طریقہ پر اور خواہ ناجائز صورت سے اور کبھی دنیا اس سے خالی نہیں ہوئی نہ آئندہ کوئی امید کی جاتی ہے کہ یہ مہیب رسم انسان میں سے مٹی گی۔ اگر یہی قبول کر لیا جائے کہ مسلمانوں میں کئی کئی نکاح کرنے جائز ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُن کے ہاں جائز طریقہ سے کثرت ازدواجی جاری ہے برخلاف متمدن اقوام یورپ کے کہ اُن کے ہاں کثرت ازدواجی جاری تو ہے مگر ناجائز اور مہیب طریقہ سے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ناجائز طریقہ قوم اور ملک کے لئے کیسا خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ پیرس۔ لنڈن۔ برلن۔ اور وائنا کے سیاح جنہوں نے مدتوں رہکے ان مغربی ممالک کی معاشرت دیکھی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کثرت ازدواجی کس مہیب طریقہ پر جاری ہے اور تمدن پر اس کا کیسا خطرناک اثر پڑ رہا ہے منصف مزاج یعنی حق گو شخص کہسکتا ہے کہ فی ہزار مشکل سے ایک شخص ایسا نکلیگا جو ناجائز کثرت ازدواجی سے بچا ہوا ہو ورنہ سب اس بلا تے بے درماں میں گرفتار ہیں۔ اگر اس ناجائز کثرت ازدواجی کے کوئی نئے معنی پیدا کرلئے

کی بآسانی توضیح ہو جائی۔

چوں کہ ہم یہاں سب سے پہلے آپ کی ازواج پاک سے بحث کریں گے اسلئے ہمیں اول سے چلنا چاہئے اور درجہ بدرجہ ہر نکاح کی حقیقت اور فطرت کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے اور اُس کا کیا مفہوم ہے اور اُس میں صداقت کا مادہ کتنا ہے۔ حضور انور کے بچپن کا زمانہ جس راست بازی سے گزرا اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ۲۵۔ برس کی عمر تک آپ بن بیاہے رہے اور یہ پرشباب زمانہ جس اتقا اور پرہیزگاری سے بسر ہوا اُسے وہ بزرگ قوم اچھی طرح سمجھتے تھے جو بعد ازاں آپ پر ایمان لائے تھے۔ اگرچہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے پاس رہتے تھے مگر وہ آپ کا ہاتھ تنگ نہ رکھتے تھے۔ تجارت کا تمام کاروبار آپ ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور آپ جس دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے تھے وہ ایسی مصدقہ ہے کہ اس میں کسی مخالف کو بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ ۲۵۔ برس کی عمر میں جوانی کا پورا ابھار ہوتا ہے اور عرب کی ناپاک معاشرت اور نصرانیوں کی غلیظ رسم و رواج سے اگر ایسی عمر میں کوئی حصہ لیا جاتا تو وہ اُس خطہ میں نہ دشوار تھا نہ زیادہ نکتہ چینی کے قابل تھا۔ مگر نہیں روح القدس جو پیدا ہوتے ہی آپ کی ہمقرین رہی تھی ایسی ناجائز اور انسانی فضیلت پر داغ لگانے والی معاشرت کا آپ کی طبیعت میں کبھی خیال ہی نہ آنے دیتی تھی۔ جب آپ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا تجارتی سامان لے کے فروخت کرنے تشریف لے گئے ہیں تو آپنے نصرانیوں اور یہودیوں کی شرمناک معاشرت کو دیکھ کے بہت ہی افسوس کیا تھا اور آپ انسان کی ارذل ترین حالت سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے۔ آپنے ملاحظہ فرمایا تھا کہ عصمت۔ حیا۔ راستبازی یہ تین صفتیں کس بیدردی سے کچلی جا رہی ہیں اور پرہیزگاری کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا ہے۔ یہ نظارہ آپ کے لئے بہت دردناک تھا آپ کو چوں کہ خدا کی مخلوق سے دلی اُنس تھا اسلئے ایسے نظارے جو اخلاق تمدن اور معاشرت کے حق میں زہر ہوں آپ کو سخت صدمہ پہنچاتے تھے۔ غرض جب آپ انسان کی ارذل ترین حالت کا یہ نقشہ دیکھ کے واپس پھرے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ اُن ہی کی خواہش کے بموجب آپ کا نکاح ہو گیا تو آپنے عزلت گزینی اختیار کی اور یہ عزلت گزینی اگر ظاہری معنی سے لیجائے تو یہ تھی کہ آپ خلق اللہ کی نکبت اور مصیبت کو کھونے کے لئے فکر فرمانے لگے اور آپ نے وہ صورتیں سوچیں جو آئندہ مخلوق کی بہبودی کے لئے نیک فال ہوں اور بنی نوع انسان کی اُن سے پوری اصلاح متصور ہو۔ اور اگر اس عزلت گزینی کے رازدارانہ معنی لئے جائیں تو اس سے یہ غرض تھی کہ آپ اپنی لوح قلب کو اُن ربانی نقوش کے لئے مصفا کر رہے تھے جو خدائے کائنات کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے اس پر ہونے والے تھے اور ایسے گرامی مہمان کے لئے آپ اپنا حجرہ قلب آراستہ کر رہے تھے۔ کسی مضمون پر فکر و غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اُن کے حواس خمسہ کس حالت میں ہو جاتے ہیں نہ اُنہیں کسی کا خیال رہتا ہے اور نہ فکر اور نہ وہ سوائے اس مدعا کے جو اُن کے پیش نظر ہے کسی دوسری شے کا تصور ذہن میں لاسکتے ہیں ہمہ تن ایک شے کی طرف مصروفیت ہو جاتی ہے اور یہ مصروفیت ایسی ہوتی ہے کہ اسے اُن ہی کا دل جانتا ہے جنہوں نے غایت توجہ سے کسی مضمون کا کبھی خیال کیا ہو۔ انسان

لکھا جاتا ہے کہ پچھلے سال ایک ایسی کتاب کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی ہے جو نہ صرف نہایت بدتہذیبی سے لکھی گئی ہے بلکہ پانی پی پی کے کوسا گیا ہے اور جی بھر بھر کے خدا کی کرورہا توحید پرست مخلوق کے ہادی برحق کو ناپاک سے ناپاک گالیاں دی گئی ہیں۔ وہ کتاب ہم نے بھی دیکھی تھی اور ہمیں اس نظر سے سخت افسوس ہوا تھا کہ تعلیم یافتہ انسان ہو کے ایسا ناشائستہ بنے اور ایک ایسے معصوم نبی کی شان میں جسے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہوں یوں دریدہ دہنی سے حملہ کرے۔ اس ناپاک کتاب کے کئی جواب بھی لائق مسلمانوں نے دیئے اگرچہ وہ جوابات بہت ہی اچھے اور کامل ہیں مگر پھر بھی ہر شخص کو اس وسیع اور عمیق مضمون پر بحث کرنے کی بہت ہی گنجایش ہے اور امید پڑتی ہے شاید پے درپے کی بحثوں سے کوئی نئی بات اور پیدا ہو۔

تمام اعتراضات جو امہات المومنین یعنی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر کئے جاتے ہیں اُن کی اگرچہ کوئی بنیاد نہیں ہے مگر اُنہیں جھوٹی منطق اور فرضی وخیالی فلسفہ کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ناواقف غیر اسلام اُن سخت نکتہ چینیوں کو دیکھ کے سر دُھننے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں یہ یہ خرابی بھری ہوئی ہے اور اس سبب سے اسلام کا یہ دعویٰ کہ مجھے دوسرے ادیان پر شرف حاصل ہے کرکرا ہو جاتا ہے۔ ناواقف کچھ ہی کیوں نہ خیال کریں ہمیں اُس سے بحث نہیں اگر وہ تاریکی میں رہنا چاہتے ہیں رہیں اُنہیں اختیار ہے ہمیں تو اپنا سیدھا مسلک اختیار کرنا چاہیئے شاید ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور ناظر تفسیر کا ایک حد تک اطمینان کرسکیں۔

ہمیں سب سے پہلے حضور انور کی اصلی منشا کو بغور دیکھنا چاہیئے اور اُن نکاحوں کی فطرت پر غور کرنا چاہیئے جو آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کیے۔ اگر اُن کی فطرت کا ہمیں پتہ لگ گیا تو ہم سمجھینگے کہ ہم نے اسلام کا ایک اہم فرض انجام دیا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بہت صاف ہے مگر بعض اختلافی روایتوں نے اُسے ایسا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ ایک محقق کو بعض اوقات اس کے سلجھانے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض علما کی مختلف رایوں نے اس مسئلہ کو گونا دشوار بنا دیا ہے اور اس کا سمجھنا ایک حد تک مشکل ہو گیا ہے اور حق بہت ہی گہرائی میں چلا گیا ہے مگر پھر بھی ایک محقق کے لیئے تحقیق کا بڑا اسباب موجود ہے اور وہ ان ہی متضاد روایتوں سے سخت دقتیں اُٹھانے کے بعد حق کے دریافت کرلینے میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیئے دنیا میں اگر کوئی کتاب ہوسکتی ہے اور اُن کے تمام قضیوں اور اختلافات کا فیصلہ کرسکتی ہے تو وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اس میں کھلی کھلی باتیں بھی ہیں اور فطرت کے راز بھی چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کے کل اعتراضات کے جو آجکل چاروں طرف سے ہو رہے ہیں شافی اور کافی جوابات بھی ہیں اسی میں عورتوں کا بھی بیان ہے اور کہیں کہیں برسبیل تذکرہ آپ کی بعض ازواج کا بھی حال ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اُسی سمجھنے میں اب تک بہت غلطی کی گئی ہے اور یہ اُسی غلط فہمی کی وجہ ہے کہ مسلمان خمیازہ اُٹھا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہو رہے ہیں۔ اگر اُن آیتوں کا مطلب بخوبی سمجھ لیا جاتا اگر اُس راز سے جو خداوند تعالیٰ نے اُس میں مضمر رکھا ہے خبرت حاصل کرلیجاتی تو پھر اُس کے مقابلہ میں بناوٹی روایتوں کو کبھی نہ دیکھا جاتا اور صحیح حدیثوں

مشی ہیں لینا تھا۔ ان زبردست مذاہب سے مقابلہ کرنا تھا جن کی قوی سلطنتیں بھی موجود نہیں اور اپنے ہی ہموطنوں کی آتشیں طبیعت کا بھی پورا لحاظ تھا اپنی بے سروسامانی کا بھی خیال آتا تھا اور اپنی بے بسی کا افسردہ نظارہ آنکھوں کے آگے گردش کھا رہا تھا۔ یہ سارے ایسے زبردست خیالات تھے جو پے در پے طبیعت میں آ رہے تھے اور کامل پندرہ سال تک ان ہی کی اُدھیڑبن میں گزر گئی تھی۔

اس کشمکش نے اخیر چالیسویں سال اطمینان کا رنگ بدلا اور طبیعت نے خاص ایک صورت اختیار کر لی اور فیصلہ کر دیا کہ ہر سخت سے سخت مخالفت کے برداشت کرنے کے لئے بالکل آمادہ ہوں بسم اللہ کر اور قدم اُٹھا۔ گویا پندرہ سال کے بعد طبیعت نے جو آخری زبردست رنگ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تو عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا ہے اور تو ہی دنیا کو موجودہ کرب و بلا سے نجات دے گا اور تو ہی توحید خدا کی منادی کر کے کروڑوں نفوس کو موحد بنائے گا تو اس قابل ہے کہ خدا کا پیغام تیرے پاس آئے اور روح القدس تجھ سے باتیں کرے۔ جب تمام خیالات مضبوط ہو گئے اور طبیعت نے فیصلہ سنا دیا تو فوراً اس کا ظہور ہوا اور روح القدس مجسم بن کے اس معصوم نبی کے سامنے آ گئی اور اس نے فطرت کی پوری کتاب اس کے آگے کھول کے کہا کہ پڑھ یعنی اس پر عمل کر۔ اور دیکھ کہ ہم نے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے بنایا ہے اگرچہ اس کی کچھ ہستی نہیں ہے لیکن ہم محض اپنے فضل سے اُسی برکت دیتے ہیں اور ہم ہی نے اُسے قلم کا استعمال سکھایا ہے اور وہ اس پر بھی ناسپاس بنتا اور سرکشی کرتا ہے۔ اس ارشاد میں بہت بڑا فطرت کا راز مضمر ہے اور اُسے ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جب تک روح القدس کی تائید نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں اور جہاں تک ہم نے تفسیریں دیکھی ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ کم مفسر اس گہرائی میں پہنچے ہیں۔ حضور انور نے جب تمام دنیا کی اصلاح کا ارادہ کیا ہو گا اور پھر اپنی بے بسی کا بحیثیت انسان ہونے کے خیال فرمایا ہو گا تو ضرور اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کو پیش نظر رکھ کے اتنے عظیم فرض کی کامل طور پر انجام دہی سے دل ہچکچایا ہو گا کہ مجھ جیسے ناچیز عبد سے یہ کیوں کر ہو سکے گا۔ ایسا خیال بمقتضائے قانون قدرت آپکے دل پر ضرور آنا چاہئے تھا اور پھر یہ خیال آیا اُدھر خدائے کائنات نے روح القدس کے ذریعہ سے باتیں کیں اور سمجھایا کہ تو فطرت کی کتاب کو جو ہم نے تیری آنکھوں کے آگے کھول دی ہے پڑھ اور دیکھ کہ اگرچہ ہم نے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے پیدا کیا ہے لیکن ہم ہی نے اُسے برکت دی ہے اور ہم ہی نے اسے قلم کا استعمال سکھایا ہے چوں کہ یہ ساری باتیں ہمارے ہی دست قدرت میں ہیں کہ اپنی ناچیز مخلوق کو اگر چاہیں تو آسمان پر پہنچا دیں تو مایوس نہ ہو اور ہمارے نام سے اس فطرت کی کتاب کو پڑھ یعنی جو تو کام کرنا چاہتا ہے ہمارا نام لے کے کر پھر انسانی فطرت کی وہ کمزوری جو بحیثیت گوشت کے ٹکڑے ہونے کے اُس میں ودیعت ہوئی ہے تیرے اہم فرائض کی انجام دہی میں مانع نہیں آئے گی اور تو اپنی مرادوں میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنے رب کا نام لے کے پڑھ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تو اپنے رب پر نظر رکھ وہ تجھے ہر کام میں مدد دے گا اور اس کی تائید تیری شامل حال رہے گی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ فرمان آ گیا اور طبیعت نے قبول کر لیا تو وہ جھجک جو پہلے

طبیعت کا یہ خاصہ رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی توجہ چاروں طرف سے علیحدہ کر کے کسی خاص طرف پھیر لیتا ہے اور اُس میں ایک زمانہ گزر جاتا ہے پھر اُس کی طبیعت ایسی عادی ہو جاتی ہے کہ دوسری طرف اُس کا خیال ہی نہیں رہتا اور وہ تمام عمر اسی کا ہو کے رہجاتا ہے اور اپنے اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ سے کام لیتا ہے اور جہاں تک اُس سے خود ممکن ہوتا ہے اور جس حد تک اُس کی تائید ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے ہوتی ہے وہ اپنی کوششوں کی کامیابی کی دھن میں لگا رہتا ہے اور جب تک اُسے تکمیل پر نہیں پہنچا لیتا اُسے ایک حد تک صبر نہیں آتا۔ اور اخیر یہ مدعا اُس کا جزو زندگی ہو جاتا ہے اور اُسے دوسرے خیال کی طرف جانے کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر وہ چاہے بھی تو دوسری طرف اپنی طبیعت رجوع نہیں کر سکتا۔

ہر شخص اس رجحان قلبی کا خود اپنی ذات پر تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے اگر ابتدا سے ایک شخص اپنے کو خاصہ صحیح وتندرست ہوتے ہوئے بر دیوانے پنے میں ڈال دے اور مجنونانہ حرکتیں کرنے لگے تو ابتدا یہ حرکتیں ارادی ہونگی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا جائیگا ان میں فطرت انسانی کی آمیزش ہو جائے گی اور اخیر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچے گی کہ وہ مجنونانہ حرکتیں طبعی ہو جائیں گی اور پھر وہ اپنی پوری قوت سے بھی اُن کا دفعیہ نہ کر سکے گا۔ یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن کے لئے کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہیں ہے یہ شب و روز مشاہدہ میں آتی ہیں اور جنہوں نے انسانی طبیعت کے آثار چڑھاؤ پر غور کیا ہے وہ اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی عاقل بالغ شخص ایسے صریح مشاہدوں اور بدیہات سے انکار کر سکے۔ یہ طبیعت کی قوت کا ایک ادنےٰ نمونہ ہی مگر جن مبارک انفاس نے اپنے قلب کو ربانی غوامض اور فطرت کے رازوں کی طرف رجوع کیا ہو اور ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے لئے متوجہ ہو گئے ہوں وہ قیامت تک اپنی طبیعت کو اگر ارادہ بھی کریں انسانی ارذل ترین حالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اب خیال کرنے اور انصاف سے غور کرنے کی بات ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ۲۵ برس کی عمر سے کہ اس وقت تمام جسمانی قوتیں بہت ہی اُبھار پر ہوتی ہیں ایک غار میں اسطرح عزلت گزین ہوئے کہ کسی کو یہ خبر نہ ہوئی کہ آپ وہاں کیا کرتے ہیں اور کامل ۱۵ سال آپ نے کیوں کر گزارے تو پھر کب خیال ہو سکتا ہے کہ ایک کام کے فکر میں پندرہ سال گزر گئے ہوں پھر دوسری طرف طبیعت کا رجحان کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ سینکڑوں شب کو نہیں سوئے ہیں اور وحی نازل ہونے سے پہلے کسی نے بھی آپکے ان پندرہ سال کے حالات سے شمہ برابر بھی علم نہیں حاصل کیا آپ اُس غار میں بیٹھکے ضرور فطرت کی کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوں گے اور آپ اپنی روحانی قوت کو ایسا قوی بناتے ہوں گے کہ تمام دنیا کی متسلمہ قوت آپ کے ارادوں میں خامی نہ پیدا کر سکے۔ آپ ابتدا ہی سے روشن ضمیر پیدا ہوئے تھے اور چونکہ روح القدس گہوارہ ہی سے آپ کی ہمقرین رہی تھی اسلئے آپ کو اپنے عالی فرض کی انجام دہی میں جن جن مصائب کا پیش آنا ضرور تھا پہلے ہی سامنے آگیا ہو گا اور آپ بخوبی جانتے ہوں گے کہ زمانہ کے رنگ کو بدل دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دنیا میں عام مقولہ یہ چلا آتا ہے کہ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز لیکن یہاں بالکل اُس کے خلاف کرنا تھا اور لاکھوں کروروں آدمیوں کے دلوں کو نئی

امر تھا اور فطرت ہرگز ایسے فعل کو جائز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ محض تہمتیں اور الزام ہیں کہ آپ نے اپنی بی بی سے عہد و پیمان کر لیا تھا اور چونکہ اپنی بی بی کی وجہ سے آپ فارغ البال ہو گئے تھے اور آپ کو گونا ثروت حاصل ہو گئی تھی اسلئے آپ دوسرا نکاح کرتے ہوئے رکتے تھے۔ ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ ابتدا سے ایسی معاملات کی طرف توجہ کرنے کا خیال ہی آپ کو نہ تھا اور اصل یہ ہے کہ آپ ایسے خیال کرنے کے عادی بھی نہ تھے۔

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضور انور کے نکاح کی اور ذرا تفصیل کے ساتھ کیفیت بیان کی جائے تاکہ اصلی واقعہ سمجھ میں آجائے کیوں کہ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر اُم المومنین کا مختصر سا تذکرہ کروں اور بتاؤں کہ نکاح کی اصلیت کیا تھی اور کیوں کر آپ نے نکاح کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ خویلد کی صاحبزادی تھیں۔ اور قریشی خواتین میں اپنی دولت۔ ثروت۔ جمال اور علم و فضل میں بڑی نامور تھیں۔ یہ اکثر تجارت کیا کرتی تھیں اور اسی تجارت کی وجہ سے آپ کو ترقی بھی ہوئی تھی۔ دستور یہ تھا کہ عربوں کو مال دے کے مختلف بلاد میں بھیجا کرتی تھیں اور ان سے نصف پر معاملہ ٹھیر جاتا تھا کہ جو کچھ نفع ہو نصف محنت کرنے والے کا اور نصف بی بی خدیجہ کا۔ اتفاق سے حضرت ابو طالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور کثیر الاولادی کی وجہ سے اپنے کنبہ کی پرورش کے متحمل نہ ہو سکے اسلئے حضور انور سے بلا کے کہا کہ میری تو یہ کیفیت ہے جو تم دیکھ رہے ہو میں تمہیں صلاح دیتا ہوں کہ تم بی بی خدیجہ کے پاس جاؤ اور ان سے مال کی درخواست کرو وہ تمہاری دیانت۔ راستبازی اور ہوشیاری سے قطعی تمہیں مال دیدیں گی تم اسی قاعدہ شرکت مضاربہ پر مال لے لینا اور نصف نفع بی بی موصوف کو دیدینا اور نصف تمہارے ہاتھ لگ جائے گا۔ اس صورت سے کچھ فلاح ہو جائیگی۔ اور مجھ پر سے بھی کنبہ کا بار ہلکا ہوگا۔ حضور انور نے جواب دیا کہ میں پیشقدمی نہیں کرنا چاہتا نہ جا کے درخواست کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت ابو طالب نے کہا اگر تم اس میں کچھ قیل و قال کرو گے اور تساہل کرو گے تو اور لوگ لے اڑیں گے آپ نے سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ دیا اتفاق سے یہ خبر بی بی خدیجہ کو پہنچ گئی بی بی موصوف نے اپنی ایک خاص خادم کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا میں نے سنا ہے تجھے تجارت کی رغبت ہے اگر تو راضی ہو اور میرا مال تجارت لے جائے تو میں تجھے دوسروں سے دُگنا حصہ دوں گی کیوں کہ تیری راستبازی اور دیانت داری کی میں نے بہت شہرت سنی ہے۔ یہ سن کے حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب سے بی بی خدیجہ کے پیغام کی کیفیت بیان کی۔ ابو طالب سنتے ہی خوش ہو گئے اور بیساختہ کہہ اُٹھے ھٰذا الرزق ساقہ اللہ الیک یعنی یہ وہ رزق ہے جو خدائے تعالیٰ نے تجھے مرحمت فرمایا ہے۔ آخر حضرت ابو طالب کی مرضی کے مطابق آپ نے اپنی رضامندی بی بی خدیجہ سے کہلا بھیجی اور سفر کا تہیہ کیا۔ بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کی خدمت میں دیا یا بعض دوسری روایت کے بموجب اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ بن

بحیثیت کمزور انسان ہونے کے دل میں آئی تھی بالکل جاتی رہی اور حضور انور نے اپنے خالق کا ہاتھ اپنے ساتھ کام کرتا ہوا ملاحظہ فرما کے زمانہ کے مقابلہ میں بہت آزادی، جرأت اور اولوالعزمی سے توحید کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اس لکھنے سے اور فطرت انسانی کے آثار چڑھاؤ دکھانے سے ہماری یہ غرض ہے کہ جس پاک نفس کا جزو زندگی خلق اللہ کی تعلیم اور اصلاح بن گیا ہو جس نے ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے لئے اپنے کو مصروف کر دیا ہو جس نے پندرہ سال مجاہدوں اور مراقبوں کے بعد اپنے کو ایک نئی زندگی میں پایا ہو جس کے جوش کی انتہا ہوگئی ہو یعنی سخت سے سخت مخالفتوں کے بعد بھی وہ اپنے کام سے باز نہ آیا ہو اس کی نسبت کیوں کر یہ وہم صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے پچاس سال کی عمر تک تو ایک حالت میں گزاری اور پھر اپنی طبیعت کو بدل دیا اور لذائذ نفسانیہ کی طرف (معاذ اللہ) اس نے اپنا خیال رجوع کیا۔ یہ تو طبع انسانی کے بھی خلاف ہے اور حاذق اطبا اس کی پوری تصدیق کریں گے کہ انسانی فطرت سے ایسا امر کس درجہ مستبعد ہے جب تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور فی الحقیقت کسی دوسرے نکاح کرنے کی ضرورت بھی داعی نہیں ہوئی تھی۔ اگر آپ کو ضرورت ہوتی اور آپ کوئی دوسرا نکاح کرتے تو قومی تمدن کے بموجب آپ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ معترض ہوتیں۔ کیوں کہ اس ملک کی یہی رسم تھی کہ کئی کئی شادیاں کرتے تھے اور بی بیاں بغیر کسی حسد اور دشمنی کے ساتھ ساتھ ملکے رہتیں اور باہم کسی قسم کی کوئی بات مخالفت کی نہ ہوئی تھی۔ ہم اپنے خیال میں چاہے یہ سمجھ جائیں کہ ایسی چند عورتیں جو ایک ہی شخص کی بی بیاں ہوں کبھی باتفاق نہیں رہ سکتیں لیکن یہ ہمارا خیال ہی خیال ہے واقعات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے جس امر کی طبیعت اول روز سے عادی ہو جاتی ہے وہ خواہ مخواہ مستحسن ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ غیر لوگ اس پر کچھ ہی نکتہ چینی کیوں نہ کریں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اپنے چشم دید حالات عربوں اور ان کی بیبیوں کے درج کئے ہیں اور وہ اسبات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایک عرب کی کئی کئی بیبیاں دیکھیں جو باہم سگی بہنوں سے زیادہ محبت رکھتی نہیں اور ایک دوسری پر جان فدا کرتی نہیں وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی مثال عرب میں ایسی بیبیوں کی نہیں دیکھی جو باہم دشمن ہوں یا ایک دوسری سے حسد کرتی ہوں ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب عورت دو تین بچے ہونے سے کمزور ہو جاتی ہے اور گھر بار کا کام اس سے نہیں سنبھل سکتا تو وہ خود اپنے خاوند سے درخواست کرکے دوسرا نکاح کراتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے خاوند کے دوسرے نکاح کی سربراہی وہ بہت شوق سے خود کرتی ہے۔ موسیو لیبان کی اس تحریر سے عرب عورتوں کی فطرت اور معاشرت خیالات اور محسوسات کا پورا علم ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فطرت ابتدا ہی سے اس امر کی عادی چلی آئی ہے کہ وہ کئی کئی مل کے ایک شخص کی بیبیاں بنیں اور خوش ہوں۔ اسی طرح اگر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی حیات ہی میں دوسرا نکاح کر لیتے تو نہ احسان فراموشی ہوتی اور نہ خدیجۃ الکبریٰ برا مانتیں مگر نہیں آپ اپنے جس عظیم فرض کی انجام دہی فرما رہے تھے اس میں دنیا کی باتوں کا خیال آنا ایک مستبعد

صورت سے گویا آپ کا نکاح ہو گیا اب یہاں کسیقدر روایتوں میں اختلاف ہے حضرت ابوطالب کے خطبہ سے تو بیس مایہ شتر پائے جاتے ہیں اور ورقہ ابن نوفل کے خطبہ سے چار سو مثقال طلائی کا ثبوت ہوتا ہے بہر حال کچھ ہو اسی کے بین بین مہر بندھا۔ اس وقت بی بی خدیجہ کے والد زندہ نہ تھے اس لئے چچا نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔

یہ ہیں مختصر حالات حضور انور کے پہلے نکاح کے جب نکاح ہوا ہے تو آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی ۴۰ سال کی۔ اس نکاح کی فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نکاح کی بابت اشارہ بھی نہ کیا تھا مگر جب اُدھر سے درخواست ہوئی تو آپ نے منظور کر لیا اور اس منظور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایک بڑے فرض کی انجام دہی کرنی تھی اور وہ بغیر فارغ بالی اور معاش سے بے نیاز ہوئے پورا نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ آپ نے نکاح کر لیا اور اب آپ کو گھنٹوں بلکہ مہینوں گزر گئے صرف اُس کام کی انجام دہی کے فکر میں جسکے پورا کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور آپ کو خاص جس غرض سے عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اس نکاح کی اصلی غائت زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے یعنی آپ نے نکاح تو کر لیا مگر کیوں کیا اور اس کی غایت کیا تھی اسلئے کیا کہ جو کام آپ کرنا چاہتے تھے وہ اطمینان سے ہوگا اور چونکہ اُسوقت کوئی بہتر ذریعہ اطمینان قلب کے ساتھ خدائے کائنات کے آگے گھنٹوں بلکہ دنوں سر بسجود ہونے کا نہیں ملسکتا تھا اسلئے آپ اس نکاح پر راضی ہوئے دیکھو اس نکاح میں بھی وہی دُھن لگی رہی اور کسی دوسری طرف مطلق خیال نہیں گیا کیوں کہ نکاح ہوتے ہی آپ نے عزلت گزینی اختیار کی اور کامل پندرہ سال اسی تنہائی میں گزار دیئے۔ اے سرور کائنات یہ تیری ہی بزرگی ہے کہ تو ظاہر تمام دنیاوی امور میں بحیثیت انسان ہونے کے مشغول دکھائی دیتا ہے مگر سب سے الگ ہے اور تو اپنے مبعوث ہونے کی غایت دنیاوی اسباب کے ذریعہ سے پوری کرتا ہے عالم کی رحمت ہونا تجھی کو شایاں ہے۔

اے گہر تاج فرستادگاں ✤ تاج دہ گوہر آزادگاں

مہر شد ایں نامہ بہ عنوان تو ✤ ختم شد ایں خطبہ بدوران تو

آپ کے ساتھ غار میں کبھی کبھی حضرت بی بی خدیجہ بھی جا کے بیٹھا کرتیں اور خدائے واحد کی عبادت کیا کرتیں۔ آپ نے باوجود ان عظیم مشاغل کے اپنی بی بی کے ساتھ جس الفت اور محبت کا برتاؤ کیا وہ مشہور زمانہ ہے۔ روحانی فضائل کی تکمیل کے ساتھ آپ دنیاوی فرائض کی نگہداشت کرتے جاتے تھے آپکی چند اولادیں ان بی بی سے ہوئیں اور اُن کے نام یہ ہیں زینب۔ رقیہ۔ اُم کلثوم۔ اور فاطمہ زہرا۔ اور تین لڑکے بھی ہوئے لیکن ان سب نے صغیر سنی میں وفات پائی۔

حکیم کو آپ کے ساتھ کیا اور آپ مال تجارت لے کے حدود مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ایک کاروان
کے ہمراہ نسطور یا قسطور راہب کے صومعہ کے پاس فروکش ہوئے بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہودیوں سے آپ نے کیوں کر گفتگو کی اور بتوں سے کس قدر اپنی حقارت ظاہر فرمائی مگر ان روایتوں
کا یہاں بیان کرنا ضروری نہیں ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ آپ نے بڑی تندہی سے بی بی خدیجہ کے مال کو
فروخت کیا اور کثیر نفع حاصل کر کے آپ واپس مکہ تشریف لائے اور کوڑی کوڑی کا حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ
حضور انور کی یہ ہوشیاری اور دیانت داری دیکھ کے دنگ رہ گئیں اور آپ کی اس بے نظیر کامیابی اور ساتھ ہی
عجیب و غریب راستبازی کا اثر آپ کے دل پر بہت ہوا۔ ادھر اپنے غلام یا رشتہ دار سے آپ کی نیکبختی محنت
اور روشنضمیری کا حال سُنکے بیخود ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر کوئی دیانت دار سرپرست ملسکتا ہے تو محمد ہی سے
سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے عرب رئیس بی بی خدیجہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے مگر آپ اپنی شوہر
میں کسی کو منظور نہ کرتی تھیں۔ اخیر آپ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر نکاح کروں گی تو محمد ہی سے کروں گی۔
اس مستقل ارادہ کے بعد آپ نے اپنی ایک رازدار خاتون سے جسکا نام نفیسہ تھا اپنا دلی منشا ظاہر کیا نفیسہ
جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر عقلمند بھی تھی اُس نے بی بی خدیجہ کے اس انتخاب کو پسند کیا اور کہا کہ میں محمد کے
پاس جا کے اُس کا دل لیتی ہوں اور اُس کی مرضی تلاش کرتی ہوں چنانچہ وہ عورت خدمت اقدس میں حاضر
ہوئی اور معقول تمہید کے بعد اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی اور بی بی خدیجہ کی خواہش کا اظہار کیا آپ راضی
ہو گئے۔ اس نے بی بی خدیجہ کو یہ خوشخبری سنادی کہ محمد تجھ سے نکاح کرنے پر راضی ہیں۔ بی بی خدیجہ یہ سُن کے بہت
خوش ہوئیں اور ایک دن مقرر کر کے حضور انور کو ایک مکان میں بلایا آپ کے ساتھ حضرت ابو طالب اور
چند اور لوگ تھے اور بی بی خدیجہ کی طرف سے اُن کے چچا عمرو بن اسد اور ایک رشتہ دار ورقہ ابن نوفل اُس
مکان میں آئے۔ حضرت ابو طالب نے پہلے خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابراہیم اور اسمٰعیل
کا فرزند بنایا اور ہمیں اپنے گھر اور حرم کا محافظ کیا اور اُس گھر کو جو مطاف اور خلق اللہ کا قبلہ ہے ہمیں سونپ دیا۔
اما بعد میرا بھتیجہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب جو ایسا نوجوان صالح ہے کہ کوئی قریش نوجوان اُسے نہیں پہنچتا اگرچہ
اُس کے پاس مال کم ہے مگر اس کا خیال نہ کرنا چاہیے کیوں کہ مال شرافت کے آگے کوئی چیز نہیں ہے
اور وہ اشرف بزرگان قریش میں سے ہے اور محمد کون ہے جسکا رشتہ میرے ساتھ ہے اور اب وہ خدیجہ کی خواستگاری
بنیں مایہ بیستر مہر جو میرے ملک ہے کرتا ہے) اور اُس سے مہر معجل اور موجل دونوں کی تصدیق ہوتی ہے
کرتا ہے۔ خدا کی قسم محمد کو ایک امر عظیم اور بزرگ مرتبہ درپیش ہے یہ کہکے حضرت ابو طالب خاموش ہوئے
اور پھر ورقہ نے اپنا خطبہ شروع کیا اور خدا کی حمد و ستائش کے بعد وہ یہ کہنے لگا کہ اب میں خدیجہ کو چارسو مثقال
طلائی کے مہر پر محمد کی زوجیت میں دیتا ہوں حضرت ابو طالب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کا چچا عمرو بن
اسد بھی تیرے ساتھ خطبہ میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ ورقہ نے عمرو بن اسد کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور اس

میں بھی ہیں اُسے اپنا ہاتھ مندوں تو نبوت کے عالی منشار کے خلاف ہے۔ یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفیں اٹھائیں جلاوطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اُس کا قدم نہیں ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ تو ملتا ہی لیکن زندگی میں بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہو تا کہ اُس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنی وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور اُم المومنین کا معزز لقب پاتی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے کیوں کہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب و غریب بھی ہے اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے آسے عطا ہوا۔

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو تو اُن کی عمر اور بے سروسامانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اسلئے اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے در پے حملے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے۔ ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمایش کا تھا اور اسی وجہ سے خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی مگر اس حالت میں بھی اور اس رستخیز زمانہ میں بھی آپنے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مجروح القلب۔ بیکس اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اُس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے۔ آپ نے بی بی سودا سے نکاح کر کے نفس نکاح کی ایک غائت بتا دی اور ظاہر فرما دیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو اس نکاح سے پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح پھیل جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشئے محض نہ سمجھیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام نے کبھی عورتوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی اور نہ اُن کی خدمات کا کبھی اُن کو صلہ دیا گیا انسانی تمدن میں اُن کی کوئی وقعت نہیں تھی اور اُن سے مثل چوپاؤں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گزر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا نہ تو امیرزادی تھیں نہ کچھ ایسی عالیخاندان تھیں اس پر بھی انہیں وہ مرتبہ

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمر سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا حضرت سودہ اور ان کا لڑکا عبدالرحمٰن دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا اور آخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ حبش چلی گئیں آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا جب بی بی سودہ حبش سے واپس آئیں تو ان کی حالت بہت ہی خراب تھی ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے اور اب انہیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اسبات کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کی عمر کتنی تھی لیکن اندازہ اور شہادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں۔ حضور انور کی عمر جب بی بی سودہ سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرورِ کائنات ۲۳ھ ہجری میں بی بی سودہ کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کریں گے۔ اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودہ سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلےٰ درجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی اور بی بی سودہ کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے دو ایک برس کچھ بڑی تھیں۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذائذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت دیکھ کے یہ نکاح کیا تھا کیوں کہ بی بی سودہ آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوگی۔ اور کوشش کرنے سے اس کا پتہ لگ جائیگا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا حضرت انس کی روایت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ دس برس میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غربا و مساکین کی حتے الامکان سرپرستی کرنا آپ نے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودہ پر نظر کی اور خیال فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے صرف میرے لئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی اُس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت

جو قرآن پیش کرتا ہے یا اسلام کی بے نظیر کامیابی جس کی شہادت دیتی ہے - ایک عیسائی مصنف اپنی دعوے میں روضتہ الاحباب کو پیش کرتا ہے دوسرا الواقدی کو تیسرا ابوالفدا کو اور چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے انہیں کوئی سند صداقت کی ملگئی ہے نہ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہی کیونکہ یہ کتابیں اشاعت اسلام کی بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو - جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اسی سے کیوں نہ تحقیق کریں اور وجہ کیا کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کرلیں اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں غلط اور صحیح روایات کا سلسلہ نہ ہو اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا تکیہ اس کے معتقد مصنفوں کی رائے پر ہو - سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں وہاں آپ یہ بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہچکے ہیں صحیح مانا جائے اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں - خیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور اُنہیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لئے کچھ حجت ہو سکتے ہیں -

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اس کی حقیقت کیوں کر ہے - مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دینے کا خیال آنا اور اس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی کی ضعیفی پر دال ہوسکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودا اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں پھر بھی آپ میں اُس موروثی خون کا اثر موجود تھا جو نسلاً بعد نسلاً آپ میں چلا آتا تھا اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا - چونکہ آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوچکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کرچکی تھیں اسلئے آپ کے دل میں یکایک یہ خوف گزرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جاتی رہے - اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کردیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے - انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنے درجہ سے یکایک اسے کوئی عزت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے مائگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کرلیتا ہے تو اسے معمولی طور پر خیال ضرور آیا کرتے ہیں کہیں پھر وہی کیفیت نہ ہوجائے اور ایسی صورت میں کہ اس عزت پر پہنچنے کی اسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اُسے عالی مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے - حضرت بی بی سودہ

حاصل ہوگیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور اخیر میں بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی اور آج تک کسی ملک میں بھی عورتوں کو بقدر آسمان پر چڑھایا گیا؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا جواب صاف دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور آ سے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روائتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی انہیں تسلیم نہیں کر سکتی پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُن کے پہلے خاوند مریض ہوئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نے میری گردن پر پیر رکھ دیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ خواب بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی یہ خواب اور اس کی تعبیر عجیب و غریب ہے۔ عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم و رواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اسلئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔ بی بی سودا کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جب کہ اسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی تعبیر نکاح ثانی کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اس کی تعبیر اور بی بی سودا کے خاوند کا مریض ہو کے مرجانا ہی غلط ہے جب کہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہو گئیں تو آنحضرت نے انہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور انہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں اے نبی اللہ تم مجھے طلاق نہ دو چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور انہیں طلاق نہ دی بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودا کے دل میں یہ خیال گزرا تھا مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرما کے آپ کو اُس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پھر کب سمجھ میں آ سکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں اور ایسی بے پناہ بی بی کو طلاق دیکے نکالنے کا ارادہ کیا ہو جس شخص کی ایسی طبیعت ہو پھر اس کی نصائح کا اثر نہیں ہو سکتا اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اُس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں۔ اس قسم کی روائتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر انہیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور اُن ہی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنا تحقیق اور انصاف کے خلاف ہے۔ اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روائتیں موجود ہیں اگر ان کا انتخاب کیا جائے اور صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اُس اسلام کا مفہوم نہیں ہو

اور جوان بیبیاں موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق نہیں دینی چاہئے اور باہم اس کا معاملہ طے ہو جانا لازم ہے جیسا خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "وان امراۃ خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (سورۃ نساء) یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کیلئے نازل ہوئی تھی جب اُن کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جایز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہونا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اسکی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھ سے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے ایسی حالت میں خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہئے اور یہی حکم خدائے تعالیٰ کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بھی لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے کہہ نہ سکتا ہو مگر کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مفارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکلجائے۔

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلا وجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اُن کے دل میں از خود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا مجھے طلاق دیدیں اور اُنھوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کر کے رفع کرلیا۔ بس بات اتنی ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے۔ بی بی سودہ اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی بھی شان پائی جاتی تھی اور آن ربانی صفات سے مملو تھیں جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونے کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے اُنہیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپکے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپ کے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کر کے اسنات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اُس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا اور یہی بیان مثل جوتی کے نہیں کہ پرانی ہوئی اور اوتار کے پھینکدی یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپان نہیں ہوتی یہ روایت

ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں، مگر آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں
اٹھائی تھیں ادھر ان مہیب رسوم کا اثر آپ کے دل اور دماغ میں موجود تھا جو صدہا برس سے آپ کی قوم میں چلی آتی تھیں
اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھیں اور اُس ضعیفی کا اثر آپ کے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا آپ نے یکایک یہ تصور
کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا اور آپ نے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے
کہ کسی صحیح روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودہ کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپ نے اُن کی اس
پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودا کے پاس گئے یا نہیں۔ یا اخیر وقت تک
اُن کی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلتا۔
باری سونپنے اور پھر اُس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنی ہیں کہ آپ نے اُن سے زن و شوئی کا تعلق
قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپ نے بی بی سودہ کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر
بہت ہی بعید ہے جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروروں بندگان خدا صرف آپ کے
مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُن کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے اُس کی
نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے۔ یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت
کو بہمہ وجوہ ہی صحیح مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں عاید ہوتا کیوں کہ درخواست کی بی بی سودا
نے اپنے موروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزور دل ہونے کی وجہ سے ازخود بی بی سودا کے
دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کر کے کر دیا اور ساتھ ہی باری
سے دست بردار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح
نہیں کیا تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آجاؤں اور بس باری دینے کے معنی یہی ہیں کیوں کہ
بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو تو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا
اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ صحیحین
میں ہوں یا قرآن مجید میں تواریخ میں ہوں یا تفسیروں میں سب کے ایک ہی معنی لیتے ہیں اور کل روایتوں کا ایک
ہی پہلو سے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے اصل میں اس
خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ
گیا تھا اسلئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے جب
نبی سے خطاب کیا جائے گا تو مسلمانوں پر اُس کا بہت اثر پڑے گا اور وہ نہایت کوشش سے اُس پر عمل
کریں گے۔ اسیطرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں اُن میں بھی دور اندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص
عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سوداہی کے معاملہ
سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمہاری

عمر سے بہت کم کی لڑکی سے ہوا تو اسکے یعنی ہرگز نہیں ہوسکتے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا جب جائز طریقہ نکاح کا برتا گیا پھر اس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چوں کہ گرم ملک ہے اسلئے وہاں چھوٹی عمروں میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمروں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عمریں پچاس ساٹھ سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں مگر اُن کی بی بیوں کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہیے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر ستر اسّی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور عجیب استدلال ہے جس کا سرنہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے اُنھوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالہ مارا۔

اور اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور اُنہیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی ہجرت کے وقت بھی اُنھوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار ابھی تک مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے حضرت ابو بکر کے خیال میں اس سے بہتر حکمت کوئی نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تا کہ رشتہ داروں کے غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازان علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابو بکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے اس خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہیتی بیٹی آپکے نکاح میں دینا چاہتا ہوں رسول کریم نے قبول فرما لیا۔ یہ ممکن ہی کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم نبی کو سمجھا دئیے ہوں گے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہوگی غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

اس جدید تعلق نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بی بیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہی۔ ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے محبت کر کے اسبات کی نظیر قایم کر دی

منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہی جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے پر تراشی ہوا ورکسی اعلے درجہ کے مورخ یا محدث کو واقعات یا احادیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو اسلئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہسکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا جب اسمار الرجال بنا ہی اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہی کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس میں پچاس ایسی ہی انتخاب ہوگئی ہوں جنہیں سچا سمجھہ لیا ہوا اور وہ آخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا اسلئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی معصومیت کے قایل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم آئندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو یہ لکھہ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اسکے لئے کافی ہی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتون اعظم کی نسبت بہت کچھہ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسایوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھہ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کرینگے اور دیکھینگے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور اُن کی اصلیت کیا ہی۔

مختلف روائیوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈہا دیا ہے اور جب ایک محقق شخص اُس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اُسے سخت دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی مُنہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پہاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھہ جاتا ہے۔ بڑی کوشش اور دقت کے بعد ہم نے کچھہ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کردے گا حضرت صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تہیں۔ اور آپ کی سات سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تہا اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی تہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بُری زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ اُن الفاظ کو نقل کریں گے اور نہ اُن کا ترکی بترکی جواب دینگے بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہی اُس سے ہم تجاوز نہیں کرینگے اور انہیں مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھہ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اسلئے ملکی رسوم کے موافق ان پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی

عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اُس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا میں سمجھتا ہوں عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھنا ایک زبردست دلیری اور اعلےٰ درجہ کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور اُن کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیوں کہ انہیں اپنے آبا و اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ کیسی ہی باتیں بنائیں لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اُس نفرت کو مٹا دیں جو اُن کے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جسکے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو۔ حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر بیّن طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے حضور انور کی کل ازواج پاک اُمہات المومنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اُن کا وہی احترام کیا ہے جو اُن کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہو سکتا تھا حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں یہاں تک آپ کا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اُخروی نجات کا دار و مدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کر دیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دار و مدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قایم ہے وہ آپ کا ممنون رہیگا۔

حضرت بی بی عائشہ کے مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپ کا سیاسی دماغ اور آپ کی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہو جائے گا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور اُن کی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس سوائے اس کے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ اُنہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اُس محبت کو بتایا جو حضور انور اُن سے رکھتے تھے چنانچہ ہم اُن روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور انہیں کو اُن کا قایل بنایا جاتا ہے۔ وہ روایتیں یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری

کہ بی بیاں اسلئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے حقارت پیش آیا جائے اور انہیں مثل لداؤ جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کی جائے اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے۔ یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پُرانا پھینکدیا۔ آپنے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کر کے اپنی اُمت کو بتا دیں کہ کس طرح بی بیوں سے محبت رکھتے ہیں اُن کے فرائض کیا ہیں اور انہیں کیوں کر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بی بیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہی اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی قدیم معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کر کے دکھا دیں۔ جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشیوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی اس طرح نگہداشت اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب سماں تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی یہ معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیوں کر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہئے اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنے کا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام کہتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت ہی محبت تھی یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہی کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس اُنیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورتوں سے نفرت کرنے کی موروثی عادت جائے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان نہیں بن سکتا اُس صفت پر دریدہ دہن معترض حملے کرتے ہیں اور اُس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب نماید ہنرش در نظر کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہی مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلےٰ مدارج کا پورا خاکا کھینچ دیا اور بتا دیا ہے کہ عورتوں کے کیا درجے ہیں اور اُن کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے۔ دنیا بھر کی اُس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا اور تمام قدیمی خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کر سکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی اور کون دعویٰ کر سکتا ہی کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپنے

صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زایل ہوتے ہوئے دیکھتی ہی یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اُس وقت اور بدا کے اُسے اُن تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریری آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اُس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہی اور لغویت کتنی۔ اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زائل ہونے کا اندیشہ ہی ہو نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلا وجہ بولنے لگے کہ مجھے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہی دوسرا پہلو ان روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہی یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے رازدارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علے الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادّہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی۔ یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوہرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا بھی ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی صحیح کتب میں بھی ملتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ان روایتوں کا وہ مفہوم سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جسطرح ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تکریم کا خیال تھا اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی چوں کہ یہ ترمیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی اسلیے علمائے اسلام کو خیال تھا کہ مبادا قوم پھر اپنی موروثی عادت پر اُتر آئیں اور عورتوں کو اسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُن کے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہی۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادی معاشرت تھیں جو ان کے دل میں تھا وہ اُن کی زبان پر تھا اور وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اس طرح نکتہ چینیاں ہوں گی اور یہ طوفان بے تمیزی اُٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور اُنہیں اسلام نے اول ہی روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے۔ ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہو گا کہ کسی طور سے بھی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور ممکن نہیں کہ اُنھوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنے زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور

ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں اول آپ کی ساری بی بیوں میں میں ہی بن بیاہی آئی۔ دوم میرے ماں باپ
مہاجر تھے سوم جب زناکاری کا بہتان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بیگناہ ہونے پر آیت آئی تھی چہارم جب میں
بن بیاہی تھی جبرائیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کرو پنجم میں اور پیغمبر خدا دونوں ایک برتن
میں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کیساتھ ایسا نہیں ہوا ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی
رہتی تھی ہفتم کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی نہیں آئی مگر میرے ہاں سوتے وقت کبھی کبھی وحی بھی
آئی تھی ہشتم آپ نے اُس وقت وفات پائی جب میرے زانو پر سر مبارک رکھا ہوا تھا نہم جس شب آپ نے
وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرہ میں آپ مدفون ہوئے۔ اسکے علاوہ
اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنی آپ
فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی میری عمر نو برس کی تھی میرا
مہر پانسو درہم کا بندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کردی ہیں اور ہمارا
خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بی بیوں سے زیادہ خصوصیت تھی اب
ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا مادہ کتنا ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ
جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز
یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلاوجہ حضرت عائشہ نے اُن رازدارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے
متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت
نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی اُمہات المومنین کی
تکریم اور عزت کرنے اور اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قایم کیا ہو مثلاً حضرت
ابوبکر صدیق کی خلافت میں حضرت عائشہ کی اس وجہ سے زیادہ چلگئی ہو کہ آپ خلیفہ وقت کی بیٹی تھیں اور حضرت
فاروق اعظم کی خلافت میں حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کا طوطی بولنے لگا ہو کیوں کہ آپکے والد خلیفہ ہوئے
تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی نہ اسکا خفیف سا اشارہ بھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں پایا جاتا ہے۔ حضرت
ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تکریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی
تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر بھی فرق کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ
تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ اُنہیں کوئی جاگیر بخشدی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت
فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ قایم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر
کسی بی بی نے حضور انور کیساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا
راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بہت بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی

دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں نہ ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی بُرائی عاید ہوسکتی ہے حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ اُن کے والدین مہاجرین یعنی اُنہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ شاید ہجرت کرنا عیسائیوں کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیتا تھا اور جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کے مال اُڑاتے تھے اُنہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے سچی رفاقت اور اس پر فخر کرنے کو آئندہ سے جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اُس کا اظہار کرے اسلئے وہ اس فخر پر جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونا کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ یہ اُن کے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم ہے اسلئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھپر اُٹھایا گیا تھا خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید کرکے آسمان سے آیت اُتار دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہوسکتی ہے کہ آسمان سے کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اُس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑگئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو اُن ہی معمولی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہجانے پر شبہ ہوا تو حضور انور کو بحیثیت اس کے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی۔ اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر اُنہوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیوں کہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ اُن بدگمانیوں یا شبہات کی جو لوگوں کو اُن کی طرف ہوگئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں چونکہ وہ حق پر تھیں اسلئے وہ تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے اُن کی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اُن کیلئے آیت نازل کرکے اُن کی تقدیس کی شہادت دی ہو کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے نہ حضرت مسیح کا پیدا

اگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہوسکتیں بیشک جتنے اقوال کہ مشہور کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم ان روایات کو صحیح سمجھکے ہر ایک کی توضیح کرینگے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ ایک روایت سے بھی کوئی نقص حضور انور یا ام المومنین کی ذات میں نہیں آسکتا۔ جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ سب تحقیقی ہوں گے ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ نقائص ہیں۔ جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کسی بات کی گنجائش ہی نہیں ہے اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہوجاتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہوتا مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی منشا اس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی ہیں اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں نے بات کا بتنگڑ بنا کے ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوسیوں کی بھی اس قدر جرأت ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور انہیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ ان کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہوچکا ہے اور ان کے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے۔ بایں ہمہ ہم ان پر کچھ سب و شتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں راہ ہدایت دکھائے۔

(اول) حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا برائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ ان بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں تھی چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسری پر فضیلت ہوگئی تو اس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوارپنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے نہ کوئی افترا ہے صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپنے میں کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے۔ اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور تہذیب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی جاتی ہیں مگر انکا کذب تو اسقدر عیاں ہیں کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں دیدہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

کی ادنے ادنے مہربانیوں کا انہیں کس قدر فخر تہا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور استیاز کی نشانی سمجھتی تہیں
اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین ناانسانیت ہے۔ اس قسم
کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہی۔ کیا تماشہ کی بات
ہے کہ اس اُنیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی نبوت سمجھا گیا ہی
اگر یہ امور صحیح بہی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اس مغائرت کو کہونے کی تدبیر کیگئی
تہی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی تہی اور کسی طرح بہی نہیں نکل سکتی تہی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو
اس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر: پیغمبر خدا نماز پڑہتے تہے اور میں آگے بیٹھی رہتی تہی۔ یہ بہی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے یہ بات
تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بہی آکے خدا کی عبادت میں مشغول ہو
ہوتے تہے اور اگر بفرض محال یہ بہی صحیح ہو کہ نماز پڑہتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تہیں تو یہ بہی اپنی
اُمت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اُس وقت جب اُس کی جوان
بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی عبادت کر سکتا ہے یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات
پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہی جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر یہ بات کو حق سمجھکے غور
کیا جائے گا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہو گا اگر ہیئے کے پہوٹے اُس حکمت کو نہ
دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہی۔ بلکہ دلی بصارت کا نقص ہی۔ سعدی نے بہت ہی درست کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تہا آپ کا اُٹھنا بیٹھنا سونا
جاگنا کھانا پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تہی اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ
بہی اعلےٰ درجہ کی تعلیم تہی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہسکتا ہی متعدد نکاح کئے ان میں
بہی بہت بڑی تعلیم تہی کہ انسان کئی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قایم رکہے۔ اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے
ایک اعلےٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنی ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یہ کوئی
معمولی بات نہیں ہی۔ اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو اُن کے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایت
بہی درج نہیں ہیں۔ کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تہی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تہیں۔ ایک
قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو سب کو مُساوی۔ فاقہ ہی تو سب پر یکساں
اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندہیرا ہی۔ یہ مساوات تہی اور یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم
تہی جو نہ کبھی زمانہ نے دیکہی اور نہ کبھی کسی قوم میں پہیلی۔ آنحضرت کی ادہ بی بیاں بڑی عمر کی تہیں بعض جوانی سے
ڈہلی ہوئی بعض ادہیڑ اور بعض بوڑہی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تہیں اسپر بہی آپ نے یکساں برتاؤ کر کے

کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اُس الزام کی تردید ہوتی ہو جو یہودی اُسپر قایم کرتے ہین۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھہ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت بی بی عائشہ کی پاکدامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ مگر مشکل یہی کہ حضرت بی بی مریم کی پاکدامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی وہ لفظی شہادت ہزارہا روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے جب قرآن مجید نے شہادت دیدی پھر اُنہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کرسکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر قابل اعتراض نہیں ہی بلکہ اُنہیں جتنا فخر کریں زیبا تھا۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبرئیل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کرو۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کرسکتے کہ اس میں کیا قباحت ہی اور کیوں حضرت جبرئیل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے۔ تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص خاص مصلحتیں و حکمت عملیاں تہیں جنکا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنی کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہی۔ چلو یہ بھی نہ سہی اس روایت کے وہی معنی لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے پائے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی جب کہ انجیلوں اور توراۃ میں ہزاروں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں ہم کس بنا پر اُنہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت بجا و درست تھا۔

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنی ہیں۔ اگر یورپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اسی میں صابون گھلتا ہی اور ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہی اور پھر اُسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہی اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہوسکتا ہی کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اُسی کو وہ استعمال کرے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا۔ اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ایک ہی برتن میں نہانے کا فخر کیا تو اُن کی یہ اعلےٰ درجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم

حدیثیں منقول ہیں مگر اُن حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علما نے کُل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کرلیا ہے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون اُم المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور اُنہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت سے ہوں جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر واقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دی جاتی۔ ہر راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اُس کی نسبت دے تاکہ سننے والے اُسپر اعتبار کریں اور اُنہیں اُس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اسلئے آپ کی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہوگئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر نئے نئے الزام قایم کئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھلایا گیا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں اُن اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپ کے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب میں اُن میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا اقوال آپ کے نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے جب سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے روایتوں۔ الزاموں۔ اتہاموں۔ اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے۔ اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے۔ عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئی اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہ گیا تھا اور پھر آپ کی تطہیر کی نسبت وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہ گئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی یہ ساری باتیں بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور اُنہیں نفس صداقت کی محک پر رکھکے پھر کھینچینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور یہ ساری شرمناک باتیں صرف اُس مخالف فریق کے معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہوگیا تھا اور اُسی نے ان مصنوعی روایات کی اس قدر شہرت دی کہ وہ درجہ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی واہیوں

بتا دیا کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیویوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہئے اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنواریوں کے تذکرے کرتے رہتے اور دولہ دولہنوں سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ نہ انہیں حقوق ملتے نہ ان کی عزت کی جاتی نہ ان پر رحم کیا جاتا وہ اسی طرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور زن کا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اس وقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔

ساتواں فخر بغیر جذا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھ کے وفات پائی یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان کئے ہیں۔ حضرت جبرئیل یا روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپکی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم وتلقین سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بی بی کے حجرہ میں جا کے بجائے اس کے کہ آپ آرام کرتے نگر نہیں وہاں بھی لو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یا دخدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں ہی ایک عجیب بات پائی جاتی ہی اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہی کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا ابھار اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اچھلنا کسی خاص تنہائی کے وقت مقرر نہ تھا بلکہ دنیا کے گہرے تعلق کے وقت بھی آپ کے مبارک قلب کی وہی کیفیت تھی جو تنہائی میں ہو سکتی تھی خاص حجرہ ہی پر کیا مقرر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے۔ اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس ولحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی۔ بیشک جس طرح حضرت بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہی اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کر کے تعلقات زن وشو کی کیسی سچی تصویر کھینچدی ہی

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً جب عبد اللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبد اللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں۔ اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں۔ حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی

ہوگا۔ تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کرکے ان واقعات کو تسلیم کرلیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس کا تطابق بھی اُس زمانہ کی معاشرت سے ہوسکتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اُس پر پھبتا بھی ہے یا نہیں اور اُس کی معاشرت اُس کی شان اور اسکی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشمدید بیان کرتا ہے اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اس نے کس شخص سے سُنا اور آیا جس شخص نے اُس سے بیان کیا ہے اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے۔ اور اگر لکھنے والا چشمدید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالنے میں تو اُس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جب تک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کرلیا جائے گا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہوسکتا۔ کون ہے جو یہ عرقریزی کرکے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے کبھی ایسی جاں کاہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کاربند ہونے کی کوشش کریں گے اور حتے الامکان اُنہیں نباہیں گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شرمناک واقعہ کو اپنے اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کاروان سے پیچھے رہ گئی تھیں، اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہ ہوا تھا۔ اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے بھی تو وہ اُس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا۔ اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو معتزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے یہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قلمبند کیا اور اُن کی نیک نیتی اسی سے عیاں ہے کہ اُنہوں نے ساتھ ہی آیۂ تطہیر کو بھی قلمبند کردیا جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے اُنہیں لازمی تھی اور اُس سے بچنا کسیطرح بھی ممکن نہ تھا۔ یعنی اُنہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے اور بہ نسبت ہمارے اُنہیں صدہا درجہ زیادہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ اُنہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا۔ اُنہیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ اُنہیں عامۂ خلائق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنہیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح

کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کھوج مل سکتا۔ حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ تھی کہ اُن کے حالات قلمبند نہ ہوتے۔ اور بہت سی جھوٹی باتیں اُنکے نام سے نہ مشہور ہوتیں۔ جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں اُن کے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہوگئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کرلی گئیں جنہیں صداقت سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پاگئیں اگرچہ بعدازاں اُن کی تحقیق وتدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہ گئیں جنکا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہوسکتا۔ ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا۔ نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور اُن میں کشمکش ہونی روایتوں کے موضوع ہونیکی کافی شہادت ہوسکتی ہے۔ ہزاروں اقوال جو حضرت ابوبکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی الحقیقت اُن کے نہیں ہیں اسیطرح سے نئے نئے اقوال کی ہر خلیفہ اور امیر المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جتنے اُنہیں واقعی کچھ بھی سروکار نہیں تھا مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اُس جال میں سے نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے محال تو ضرور ہی ہے۔

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جنکا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا۔ اگرچہ زمانہ نے ان لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہوسکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں۔ اور صدیونکا غبار اُن کے خون میں ایسا آمیز ہوگیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی۔ اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمہ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر بڑا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا۔ یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں۔ ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنی پر بھی اثر ڈالا اور مجبوراً اُس کی آیتوں کو ان ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا نہ کبھی ظہور ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اور نہ اُنکی کچھ اصل ہے۔ بھلا کجا شام کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اُس کی شاخوں کا چین جاکے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت

آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تاریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گزرے اور اُنہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا اس کی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کی شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ ہونے وغیرہ کی گزریں ان سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہو سکتا تھا مگر چونکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹکے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشمکش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری پر اگر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور اُن الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قایم کئے گئے ہیں پھر بھی آپ کی غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کی طفیل سے ہزاروں ایسے مسائل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسایل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسیطرح عورتوں کو بھی اس کی ازحد حاجت تھی اور بغیر اس کے پاکی کے مسائل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسائل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپ نے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین شہید کربلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دو بدو امیر معاویہ سے حسنین کے بارے میں لڑی ہیں، چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ اودھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے اس انکار پر بھڑک اُٹھے اور اُنہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھ کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا حضرت امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں حضرت امام حسین نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہؓ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا۔ وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی بہت ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسے

روایت کے جانچنے کی اُن کے پاس نہ تھی پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تابقائے اسلام یعنی تا قیامت داد دے گا چوں کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اس لئے ممکن ہے کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگزاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگزاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر اُم المومنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہرا طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذ اللہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیوں کہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہ جانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی برا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کس وجہ سے ایسا ہوا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دنوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو پس معلوم ہو گیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور اُنہیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اسی واقعہ کا ایک اور پہلو بھی غور کرنے کا ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اُس پر شبہ کیا جائے۔ عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں، بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے درپے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں۔ عربوں کی اس معاشرت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کو انجام دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ معمولی لین دین اور آمدورفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنیکا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں جانا اور رسی میں پھنسکے مرجانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں۔ اسیطرح اگر حضرت عائشہ پیچھے رہگئیں اور بسبب بھٹک جانے کے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیوں کر سمجھ میں

مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے پہلو پر لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگذاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں مُنہ تو نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دی جائیں ۔

ہمارا شیوہ نہیں ہے کہ ہم نا ملایم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہئے اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہو گئی ہے گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب کچھ خوبی کی بات نہیں ہیں انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہو اور خوب یقین کرے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں ۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اس میں مُنہ ڈال دیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جانے کا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن اُمہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں اُن کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے اُن پر سر جھکانے والے کروروں موجود ہیں اور اُن کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان گالیوں سے اُنکے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آ سکتا جب کہ تیرہ سو برس سے برابر گالیاں دیجا رہی ہیں اُن کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائے گا اور بس ۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریق میں پڑ گئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں ۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسری کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اس نے ظاہر کر دی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو اُن کی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہلبیت سے کچھ عداوت ہو۔ ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر اُن کے اختلاف سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائینگے

اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دونگی یہ سن کر معاویہ نے باادب عرض کیا اے ام المومنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ میں کر سکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اڑی ہے حالانکہ میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپ کے پرجلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہو چکا ہی تو حضرت علی نے آپکے بھائی کو آپ کے پاس سمجھانے کیلئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آ کے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھی نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے میں تلوار سے اڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹا لے یہ سن کے آپ کے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علی کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے پاس بلا کے وہ پیغام سنا۔ اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو۔ اس کی نسبت شبہ کرنا اور بلاوجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپ کے آگے آنے والی مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قائم کر دینی جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہوتا۔ جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پید اعیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں انہیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے۔ ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا ہو اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اترتا ہو۔ اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پیدا گروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور انہوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ العنۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے انہیں کا ہے کی دشمنی تھی اور انہوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں مثل لوندے کے مہینے کے بیچ میں آ کودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں گستاخی کی جاتی اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندوؤں کی دیبیوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کتا چینی ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی

کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے صحیح اقوال درج کیے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم کی وجہ سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جب کہ ہزارہا انقلاب ہو چکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گزر گئی ہوں پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے ملگئے اور انہوں نے اُن کی صحت کی کیوں کر تصدیق کرلی۔ پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں نہیں مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا

جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ اُبھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا۔ چوں کہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف گروہ خلیفہ ثالث کے وقت ہی سے پیدا ہوگیا تھا اسلیئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر منضبط ہوگیا ہے تو اُس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کر کے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اُسے مرتب کیا۔ کیوں کہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے اقوال یا اُن کی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر اُن کی اس بری طرح ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اُس سے آنحضرت کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا اور آپ نے ۲۹ روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کا افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسروں نے اس راز والی آیت کے عجیب غریب معنی بیان کیئے ہیں جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ماریہ قبطیہ حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک حکایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو موقع ہاتھ لگا اُنھوں نے فوراً اُسے رنگا میزی کر کے شائع کر دیا اور دور از کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملایم الفاظ کہدیئے اور اپنی اس بزدلانہ فتحمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں۔ مسلمان فی الحقیقت اس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ انہوں نے اس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدائے تعالےٰ کی مرضی کی اس میں جستجو کی کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز تین ہجری سے مشہور چلا آتا تھا سب نے اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھہرا کے وہ نئے نئے معنی اسے پہنائے ہیں کہ جو کا

جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ کی سات سال کی عمر تھی جب آپ کا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال گے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کے زندگی کے واقعات کچھ عجیب وغریب ہیں جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ ان سے کسیطرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اس کا نتیجہ بعد ازاں امت نے دیکھا آپ کی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی ہی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کی متعلق پڑگئی تھیں بچالیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنےٰ شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسیکو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کرلیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن وتشنیع ہیں لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔ واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد در اصل کچھ بھی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر ان غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ ان کو دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر محال ضرور ہے۔ ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہ سے آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جب کہ اس کا خاوند اس پر فدا ہو بلا وجہ اور سبب دشمنی کرے گی۔ اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ ایسی مہمل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ آخر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا ایسے شرمناک امور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں۔

ڈہائی پونے تین صدی تک تو یہ باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کیجانے لگی تھی کہ اسکے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے بتحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس برس کا عرصہ گزر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بننی شروع ہوئیں اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا۔ مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صریح غلط باتیں شایع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اس لئے ان میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد ازاں ان صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العظمۃ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور کہیں مجبوری

پس گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دی گئی اور اصل یہ ہے کہ رازداری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہوگئی تھی اور اُن کے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنے کا عیب اگرچہ مردوں میں بھی زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہارا نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی ہمجولیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اُس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا کہ اس کی بابت تاکید کیجاتی اور جس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر اُمہات المومنین کو فہمایش نہ کیجاتی تو اس کا زیادہ اثر مومنوں کی مستورات پر نہ پڑتا ہر خاتون اسلام سمجھ لیگی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اُس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور انہیں ضبط نہ ہوسکتا تھا۔ ظاہر نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں اور ہو نہیں سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھولدے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے۔ دنیا کے تمام کاموں کا دارومدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں سے لے کے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ رکھنے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلجائے تو اُس کی بنیادیں ہلجائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردہ میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے۔ اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضایع کریں۔ اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہم نے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی۔

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اُتاری گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے۔ اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لئے اُن روایتوں کی جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی۔ سمجھنے کی بات ہے جب رسول کریم نے مرد ہو کے زن و شوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو اُمہات المومنین عورتیں ہو کے کیوں کر بیان کرتیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم و بیش کل محدثوں مفسروں اور مورخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جب کہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اُسے سنی کیوں نہیں مانتے اور جو کچھ

سرتاپیر اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھہ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھہ۔ جب خاص ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیوں کر سمجھہ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا۔ جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ یعنی اُس وقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا رازدارانہ کہی پس اُس عورت نے وہ راز افشا کردیا اور آپ کو خدائے تعالےٰ نے اُس کی خبر دیدی اور آپ نے ان میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی اُس نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔ اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جسکا سرنہ پیر خیر ہم اُس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کردی اور بس سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کردیا گیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھہ میں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب بعض مردوں کی ناقدردانی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں۔ آپ نے ہزاروں صورتیں اُن کی اصلاح کی نکالی تھیں اور خداوند تعالےٰ کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو جن بی بیوں سے آپنے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاحوں سے آپ کی غرض کہ ان ہی کے ذریعہ سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بی بیاں اُسی آب و ہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر جا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اُس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی ان جیسی عورتوں تو آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اُس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتی تھی جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے اُنہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا اُنہیں بتایا کہ رازداری کیسی اعلےٰ درجہ کی چیز ہے اور رازداری سے کس قدر فوائد ہیں شوہر و زوجہ میں اتحاد قایم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں سے ہونے کی پہلی سیڑہی رازداری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی معمولی بات فرمائی ہو اور تاکید کردی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کردیا ہو اور پھر اس کے راز کے افشا کرنے پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا۔

قد ارضاہا اللہ منہا واخبرت عائشۃ بما رأت وکانتا متصافیتین متظاہرتین علی سائر ازواجہ فنزلت یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک فاعتزل نساءہ تسعۃ وعشرین یوما وقعد فی مشربۃ ام ابراہیم ماریہ حتی نزلت آیۃ التخییر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا یوما لعائشۃ مع جاریۃ القبطیۃ فوقفت حفصۃ علی ذلک فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعلمی عائشۃ بذلک وحرم ماریۃ علی نفسہ فاعلمت حفصۃ عائشۃ واستکتمتہا ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علی ذلک وہو قولہ تعالی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصۃ ولما حرم ماریۃ القبطیۃ اخبر حفصۃ انہ یملک من بعدہ ابو بکر وعمر فعرفہا بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذلک ان کل واحد منہما حدثت اباہا بذلک فعاتبہما فی امر ماریۃ وما افشتا علیہ من ذلک واعرض ان یعاتبہما فی الامر الآخر انتہی یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں۔ آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا۔ وہ آئی اور آپ نے اُس سے مقاربت کی پھر حفصہ آگئیں تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں۔ پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدائے تعالےٰ نے یہ کنیز میرے لئے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آئندہ سے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بی بیوں سے اس کی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے۔ جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کرکے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کرلیا ہے خدا نے ہمیں اُس کے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اُس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کردی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کردی۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بی بیوں سے صحبت ترک کردی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے لیکن

شیعوں نے قلمبند کیا ہے اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتے اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں قبول کرتے۔ اس کا جواب غالباً یہی دیا جائے گا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ اُن روایات کا اُس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے۔ ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا مثلاً شیعہ اسبات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور انہوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کرکے کئی بار رسول کریم کو زہر دینے کا مقصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُن کی آرزو دل کی دل ہی میں رہگئی سنّی اس واقع سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی اور آپ اُن پر کس قدر مہربان تھے یہانتک جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرہ میں آپکو وصال باری تعالےٰ ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالیگا اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اُسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے۔ یہی اس وقت ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیوں کر تسلیم کریں۔ ہر فریق نے اپنا دعوےٰ مضبوط کرنے کے لئے خود اُن ہی کے زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والیکو ہر گز شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون وچرا یقین کرلے۔ مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہوگئے ہیں ورنہ انکے منضبط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ یہی روایتوں کا دفتر دریا بُرد کر دینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا استنشار ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں۔ جسے عقل کبھی گوارا نہیں کرتی اور ہر گز نہیں خیال آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کجے جو محض معمولی آدمی کی وضع کے بھی خلاف ہو مثلاً اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اُس کی نسبت مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے

لو قیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصة قالت یا رسول اللہ ان لی الی ابی حاجة فاذن لی ان ازوره فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم الی جاریته ماریة القبطیة ام ابراهیم وقد کان اهداها المقوقس فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم ووجهه یقطر عرقا فقالت حفصة انما اذنت لی من اجل هذا ادخلت امتك بیتی ثم وقعت علیها فی یومی وعلی فراشی ما رایت فی حقی وحقا فقال صلی اللہ علیه وآله وسلم الیس هی جاریتی قد احل اللہ ذلك لی اسکتی وهی حرام علی التمس بذلك رضاك ولا تخبری بذلك امراة منهن وهو عندك امانة فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قرعت حفصة الجدار الذی بینها وبین عایشة فقالت الا ابشرك ان رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم قد حرم علیه امة ماریة و

حرام کرلیا یا دوسرے الفاظ میں اسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کر دیا ہے تو اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اترنے سے آپ ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا ان دو بی بیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے۔ یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر پیر پہلے تو آپ کو اس قدر خوفزدہ بنایا کہ جس کی انتہا نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے او پر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے اور کسی دوسری بی بی سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے نکالتی اور ذرا بھی زبان ہلاتی۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پروا نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ مہینہ بھر گزارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ نے راز کھول دیا۔ ہاں اس اختلافی روایت میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ تو اپنے حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں ان کے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ ان کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف کھانے کے کیا معنی تھے۔ دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا ان کے حجرہ میں چلا جانا بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ ہو گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آ گیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئی تھیں تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں جا سکتی ہیں جس دن جا سکتی تھیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز ان کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ برا اور رہنے کے قابل نہ تھا اس لئے آپ وہاں

بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کردی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدائے تعالیٰ نے رسول کریم کو اس پر مطلع کردیا پھر یہ آیت نازل ہوئی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصہ اور جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے جو عیاشی نے بالاسناد عبداللہ بن عطار المکی اور ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چوں کہ انھوں نے رسول کریم کا راز افشا کردیا تھا اس سے آپ نے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکا گیا ہے۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیوں کہ اس دن اُن کی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہوسکتا کہ خاص اُسی دن اُنہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُن کی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن اُنہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا ہو تاکہ یہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا۔ اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جاسکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا۔ اور اگر یہی فرض کرلیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اُس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اسقدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ اُن کے حجرہ میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ اس قدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا اور خیال ہوسکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کس قدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا۔ اور اگر یہ بھی ہم تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرما دیا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کے جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اوپر

طوفان بے تمیزی کے آگے اُس کی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور آخر اس دفتر بے پایاں سے اُس نے اپنا پہلو بچا لیا اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہلبیت کی روایتوں سے گریز کی ہے اس نے اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے لینا قبول کیا مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اُس نے خاندان بنی اُمیہ کی روایتوں کو نہیں لیا اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنو اُمیہ میں بھی وہی کشش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی، اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دی گئی ہے بنو اُمیہ کا خاندان برباد بھی ہو چکا تھا اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنو اُمیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اس کے پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ جتنی روایتیں کی ان یا ان جیسی اور کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ اُن میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہوں گی مگر کوئی محک اُن کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے اسی طرح سنیوں کی کتابوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر روایت کو پرکھا جا سکتا ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد سہی کامیابی ضرور ہو سکتی ہے اسمار الرجال کا علم اس قدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما بنے اور اُن دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آ کے حائل ہو جاتی ہیں۔ اور اگر صرف اسمار الرجال پر تکیہ کریں گے تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہوگا اور پھر ہمیں اسمار الرجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑے گا مثلاً اسمار الرجال نے ایک راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی شہادت دی مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اُس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں نہ اُس کے کارنمایاں کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کماینبغی واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ میں تھا معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور کشف الظنون نے علما کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسمار الرجال کے مرتب ہونے کے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اُٹھائی ہے اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا سب جھگڑا قطعی اُٹھ جاتا اور یہ فروعی اختلاف جس نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی اب بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔

تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے۔
ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اُس نے مذکورۂ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا مکی۔ شامی ہوں یا مدنی جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی کیوں کہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدا سے سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اوّل مخالفت ملکی تھی مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی اور اس سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اٹھانا اور نہ صرف انہیں بہ صورت ملزم بنانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص لوگوں کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا۔

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے۔ اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے کیوں کہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں۔ عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور انہیں ذرا بھی حجاب نہ آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص الجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہلبیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا اُس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں یہی وجہ ہے کہ بخاری نے جب کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اُس اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ لحاظ نہیں کی اس کی وجہ یہی ہے کہ اُسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہلبیت کی تو نہ تھیں مگر ان کے نام سے رواج پا گئی تھیں اگرچہ اسوقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں لیکن ان کی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہو گئی تھی۔ اُس نے کوشش تو ضرور کی ہو گی کہ اُن صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی اُن کی ہو سکتی ہیں مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے

حالات بلا سبب صحابہ کے آگے فرماتے۔ نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا خدا کو ایک مانو اور محمد کو اس کا برحق نبی جانو روز آخرت پر ایمان رکھو نماز پڑھو زکوٰۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ روزے رکھلو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایک بار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مین میگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہوگئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات ہی تھی۔ راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہم نے اوپر مختصر اً کچھ بیان کی فقہا کی سن لیجئے انہوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور ان ہی بعض وضعی پر گفتگو کی۔ اور جہاں تک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے انہیں طول دیا اور وہ وہ باریک مسائل نکالے کہ جو کبھی خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چوں کہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف ہوا اور اختلاف بھی اس قدر کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ وہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اس قدر پڑتا تھا کہ وہ معمولی باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے آنحضرت نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے۔ اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے پڑھنے لگتے تھے۔ حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسی طرح اعمال حج ادا کئے کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا اور رکن و مستحب کی بابت دریافت کرتا۔ نہ خود آنحضرت کو ان مسائل کے سمجھانے کی کوئی ضرورت تھی، یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں اور نفس مذہب سے انہیں کچھ بھی تعلق نہ تھا اگرچہ فقہا نے انہیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے مگر ٹھیٹھ اسلام اس سے بالکل مبرا ہے اور اس نے ایسی باریکیوں اور بے مزا بھیدگیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر سوالات کے وضو کرلے اور اس وقت وضو رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے۔ الا ماشاء اللہ۔ صحابہ اس قسم کے فضول امور کو کبھی دریافت ہی نہ کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ انہوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ ہیں کہ تجھسے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہدے اس مہینہ میں لڑنا برا ہے و یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير۔ اور تجھسے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں۔ و یسئلونك عن المحيض

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اُس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اُس نے ابو القاسم (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی اور اُس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے بطور نص کے ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ بیشک یہ اُس صحابی کا قول ہے جس کے نام سے روایت کیا گیا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی روایت میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی فقاہت. حفظ. کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں۔

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ الفاظ کا سب نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اُس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُن ہی معنی میں لیا ہو جو معنی قایل کے ذہن میں تھے۔ عام طور پر راویوں نے کبھی زوائد اور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ راوی سنی ہوں یا شیعہ۔ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور زوائد سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں کی جب یہ مسلمہ امر ہو گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں سے جو راوی ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقع سے خوب واقف ہوگا اُسی کو اختیار کریں اور اگر ثقہ راوی کے قول میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے۔ قام کا اور" افاض علی جولاء الماء" آیا ہے نہ اغتسل تو اُسے بھی اختیار کریں گے اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہوگا اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو وہ تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کر سکتا ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزور یا خیالی بات نہیں ہونے کی جن روایتوں میں صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا۔ سب باادب حاضر رہتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کس کی مجال تھی کہ رسول اللہ سے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اُس کا جواب دیتے نہ آپ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی

وہاں تو غضب یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گزر رہی ہے۔

اگرچہ میں اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کس قدر ہے اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں اُنکا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو میرا گزر ایک وادی میں ہوا میں نے دور کی ایک پہاڑی میں دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکا کی آوازیں سنیں جب میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ عمر اور ابوبکر پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور یہ آگ اُن ہی کے لئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے انہیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتا ہوا دیکھا اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھسے طلب آمرزش کی میں نے یہ کہا تمہاری سزا یہی ہے تم اسی طرح رہو۔ یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنہیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرائیل کا ہزار ہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریق میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور ان کا منکر یا ان میں شبہ کرنیوالا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا۔ اس تلخ ترین عداوت پر کب ممکن ہوسکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں اُن میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے بستم ہے کہ ازواج پاک اپنے اُن تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا کیوں کہ ہر فقیہ اُس وقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اُسے کوئی حدیث ملگئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی پرکھ بالکل اُس کی ذاتی تحقیق اور اُس کے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو باہم فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنی ایک فقیہ اُن حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک کی نرالی ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنے کی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آکے واقع ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے علما محض نیک نیت تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلام کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ اُن کا ممنون رہے گا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگزاشت کی عادت سے بھی وہ مبرا نہ تھے اور مسلمانوں کا کوئی فریق

سے سنا ہے کہ خدا اُس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہ دریافت کرتے تھے اور ہم نے ایسے امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم انہیں جانتے تو اُن کا چھپانا کسی طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحٰق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اُن کی تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے اُن سے اُس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اُس کا کوئی ولی نہ تھا۔ اُنہوں نے بیان کیا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کیا کرتے نہ تمہارے ان مسائل کو وہ دریافت کرتے تھے (یہ تمام آثار دارمی نے روایت کئے ہیں

دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ نہ آئے ہوں اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جن کی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہوگی جب تک صحابہ زندہ رہے اُنہوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی بُرائی کی جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسائل میں رد و کد ہوتی تھی۔ اور جب صحابہ کی وفات ہو گئی اور کوئی صحابی زندہ نہیں رہا تو غلط روایات کا طوفان چاروں طرف سے اُٹھا اور وہ مفسد طبایع جو صحابہ کے دباؤ سے رُکی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اُنہوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا۔ پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی اُن میں آمیزش دیدی گئی۔ خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جن کا سر نہ پیر اور وہ وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمۃ للہ۔ یہاں تک کہ آپ کی شان اقدس اطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں اصحاب ثلاثہ پر وہ وہ نا ملایم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھادیا جو باتیں عقل اور نقل کے بالکل خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی سمجھ میں بھی نہ آئیں وہ اُن کے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہاں تک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد اُن کی کیفیت بیان کردی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنہیں کوئی نہیں کھول سکتا ہے اپنی فسانہ پسند طبایع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا۔ اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ اُن کی زندگی ہی کے واقعات بیان کئے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُن کی نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی

اور انہیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کریگا کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسیطرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسائل کا دارو مدار ہے اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم وبیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اس سے ہزار ہا معنی پیدا ہوسکتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفا راشدین کے زمانہ تک قرآن کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اس کے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں اور حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہوگیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہوگئے اور ان میں کشیدگی یہانتک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس میں یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ۔ یہ صحیح ہے کہ باہم مسائل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہوجاتا تھا مگر خاتمہ کلام پر پھر باہم وہی شیر وشکر ہوجاتے تھے اور ذرا بھی اس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب وغریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلےٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ اُن روایات کا پایا جاتا ہے جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہوگئیں تھیں۔ مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتے الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے۔ اس میں کسیطرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلےٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لے کے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں۔ اسی طرح تفسیر اہلبیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ائمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ آیا ائمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں اُن کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے۔

ناظر تفسیر بخوبی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ قرآن مجید کا نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے۔ کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اسکی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایت کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی

اپنے علما کو معصوم نہیں تسلیم کرتا ضرور اُن پر ان لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں اور اگرچہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اُنہیں انقطاعی یقین اپنی جمع کردہ احادیث پر نہ تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دیدیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اُس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانیٔ اسلام سے رکھتے تھے یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ اور لوگوں کے پاس اس سے صحیح زیادہ احادیث پہنچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں مبادا اس کتاب کی اشاعت سے اُنہیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں۔

یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جس کی نظیر اور کسی قوم کے علما میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیوں کہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا تھا کہ اُس پر یقین ہوتا بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا اسلئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اُس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسائل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اُس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتیں حضرت بی بی عایشہ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے کہیں باہر چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اُس کے پاک ہونے کی نسبت فیصلہ کیا۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کے پردہ کرنے کا صاف حکم آگیا تھا اور منع کر دیا گیا تھا کہ نہ کوئی صحابی درآنا اندر چلا آئے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے بلکہ کوئی چیز لینی دینی ہوا کرے تو دروازہ کے باہر کھڑے ہوکے دریافت کرلیا کرے جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عملدرآمد ہونا بھی لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابی نے یہ ناپاک مسائل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اُس کا ایسا صاف جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فقہا کو ایسے مسائل کی تنقیح کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی لیکن اُنہوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی بنانے کے لئے اُن غلط مشہور شدہ روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کر دی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا

کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنا لئے ہیں. کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بھی محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جبتک وہ حیات رہیں غایت درجہ اُلفت تھی. آپ کو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپ کے لڑکے صغیر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام کے دو بچے حسنین موجود تھے اسلئے آپ اُن ہی کو اپنا بچہ سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے. اولاد کے شوق میں آپ نے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا. اور آپ اُس کو بچوں کی طرح سمجھتے تھے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض بھی کی یا رسول اللہ آپ اس قدر کیوں زاری فرماتے ہیں جب کہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب غریب ہیں میں نہیں رو رہا میرا دل رو رہا ہے. یا اسی قسم کے دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپ کی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے. آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں برکت دیتے تھے. جب آپ کی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُن کے بچوں سے آپ کس درجہ محبت کرتے ہوں گے آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے آپ چڈی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اُٹھاتے تھے. اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج پر کم توجہ تھی. حضرت بی بی عائشہ کا حسد اُس وقت تو ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ توجہ فرماتے اور انہیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی سہی جلتیں اور قدرتی دشمن بنجاتیں. جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہلبیت میں بیان کی جاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا. نہ حضرت بی بی فاطمہ کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطے انہوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو.

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے تو حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کر لیں. اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت بی بی عائشہ میں دشمنی تھی مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی آپ نے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے. اور بنی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں اور اگر فرض کریں کہ حضرت علی نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رنجش سے حضرت بی بی عائشہ ناراض ہوئیں اور انہوں نے اس کے جواب میں بدلا لیا کہ جب ان میں سے

شکل امر ہے ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں سنیوں۔ خوارج۔ اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے فریق کی تفسیروں کو نہیں مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اس کی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علمائے اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے کاش حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفا میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور بیشک اس وقت ہر مفسر جو ان کے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو رسول خدا سے سنی تھیں اور نہیں اور روایات درج کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔ اور ایسی حالت میں ان کی تفسیر پر جرح قدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا۔ مگر جب کہ یہ بات نہیں ہے اور ان میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ کیوں اور کس لئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اس پر وحی اترتی ہے زبردستی تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بد دین کہیں جو ان کی مخالفت کرے۔ جبکہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لیکے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا۔

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقایق اور نکات کے سمجھانے میں عجیب کمال کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگزاشت ضرور ہوگئی ہے اور کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اس نے قرآن کے اصل منشا کے خلاف لکھ دیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیونکہ مفسر بھی آخر انسان تھے اور انسان کے ساتھ جو کمزوری اور فروگزاشت لگی ہوئی ہے وہ اس کی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے۔ ہر انسان کے ساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے اصل مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہم نے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اس پر بالتفصیل بحث کریں گے اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اہلبیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت سخت عداوت تھی۔ اور اس عداوت

نہ تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا نہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے اگر آپ کے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہ خود بہت بڑی سیر چشم خاتون تھیں اگر بو فرضاً کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انہیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں انہیں ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے صاف فاقے گزر گئے ہیں اور چوتھے وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سائل نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اس سائل کو دیدیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت زدہ نہ دیکھ سکتی تھیں۔ دنیا آپ کی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی آپ کو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے کبھی حضرت صدیق اکبر سے یہ نہیں کہا کہ ابو بکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے۔ آپ صدر درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپ کی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی۔ اس کے علاوہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائدادیں خلفا نے تصرف کیا جب کہ خود اُن کی حکومت وسیع حصہ زمین پر پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو یا کوئی باغ ہو اور خیبر میں آپ نے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لئے اسلئے مخصوص کر لیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے۔ مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زرعی کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا اس میں آپ بھی شریک تھے اور بس اور اس کے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی یا آپ کو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ کھجور اور دودھ جب کبھی میسر آگیا تو گویا آپ نے بڑا ہی پر تکلف کھانا کھایا۔ آپ نے بارہا کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپ کے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اُس آمدنی کو خاص اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ کیسا باغ فدک اور کس کی خیبر کی زمین اگر قیصر و کسریٰ کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں وہ بھی تو اخیر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں اُن کی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول خدا کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر میں چھپکے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے حضرت علی کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اسطرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابو بکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئیں بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہو گئیں اور اُس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف ان کو اسلئے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے اگر حضرت علی کی جھوٹی اور دور از قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو۔

ایک بات بھی نہیں ہوتی بھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔
اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قایم کئے گئے ہیں یہ روایات کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا سراسر غلط ہے اور ہم اس کی تغویت بدلایل اوپر بیان کر چکے ہیں۔
غور سے دیکھنا چاہیے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعثت کے صرف دو مدعا تھے ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قایم کرنا شرم کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نہ اول مدعا میں کامیاب ہوئے نہ دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں مسلمان منافق بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ ایسا غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا اور یہ ایسا ہی دروغ ہے جس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپ نے اتحاد کی رسی میں ہی سب مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علی ہوں یا حضرت فاروق اعظم حضرت بی بی فاطمہ ہوں یا حضرت عائشہ سب آپس میں متحد تھے اور ایک کو دوسرے سے ذرا بھی مخالفت نہ تھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے رب سے پہلے حضرت ابو بکر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا حضرت علی نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جب تک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی آپ بیعت کرنے پر رضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قایم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کے ساتھ تھا ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اسامہ کی ماتحتی میں شام مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی جب بدوؤں نے حملہ کیا تھا حضرت علی نے اس حملہ کو پس پا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور اخیر کل صحابہ نے ملکے اس سخت مہم کو سر کیا تھا جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ کی پشت پناہی پر اپنی خلافت کے لئے موقع ڈھونڈا ہو آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمر ہی انجام دیتے تھے مگر حضرت علی کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ خلافت میں باغ فدک کا کوئی جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ حضرت صدیق سے لڑی ہوں۔ باغ فدک دراصل کوئی چیز ہی نہ تھا۔ یہ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر سنی شیعوں نے بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کئے ہیں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جائداد نہ تھی نہ خیبر میں نہ فدک میں اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ یا بکتر یا تلوار تھی بھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن

انہیں خلیفہ نہیں ماننا چاہتے۔ سعید ابن العاص والئے کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوفی حضرت عثمان کے خلاف
چرچا کر رہے ہیں اُس نے فوراً حضرت عثمان کو اس امر کی اطلاع دی۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں
کو امیر معاویہ کے پاس بھیجدو تاکہ امیر معاویہ ان کے شکوک رفع کر دیں۔ چنانچہ والئے کوفہ نے فوراً اُن لوگوں کو
معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ معاویہ نے اُن کی بڑی خاطر داری کی اور سمجھایا کہ تم ایسی باتیں نہ کرو ان سے فساد پھیلنے
کا اندیشہ ہے تمہیں کچھ تو اسلام کا بھی پاس و لحاظ کرنا چاہیئے یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے اور اُن میں سے ایک
شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈاڑھی پکڑلی واہ رے تحمل اور بُردباری کہ امیر معاویہ
نے اُف تک نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو اُن کی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے لکھا کہ انپر
ہرگز سب و شتم نہ کیا جائے بلکہ انہیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیجدیا جائے۔ سعید ابن العاص نے انہیں
بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور انہیں بتایا کہ اگر تمہاری ان باتوں سے کوئی فساد ہو گیا تو اسلام میں خونریزی
کے تم ذمہ وار ہو گے۔ یہ لوگ بظاہر تو کچھ دھیمے ہو گئے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی۔ ۳۴ ویں سال
ہجری سعید خود حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ پھر
وہ لوگ چاہتے کیا ہیں سعید نے عرض کیا کہ وہ ابو موسے اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابو موسے اشعری کو
کوفہ کا والی بنا دیا۔ اس سے زیادہ اور آپ کیا کر سکتے تھے آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض
نہ تھی۔ یوں تو اپنے رشتہ داروں سے فطرتاً سب ہی کو محبت ہوتی ہے مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رو
رعایت نہ فرماتے تھے۔ کوفیوں کے کہنے سے ابو موسے اشعری بھی حاکم ہو گئے پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ
بند نہ ہوا اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ صحابہ میں سے چند صحابی آپ کے کھلم کھلا مخالف بنگئے۔ ان میں زید بن ثابت
ابو سعید السعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت تھے۔ یہ صحابہ اس قدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتوے
دینے پر راضی ہو گئے۔ ہم ان صحابہ کی شان میں جو حضرت عثمان غنی سے مخالف ہو گئے تھے کوئی سوء ظنی نہیں کہتے
بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں سے اُن کے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلاتحقیق بغاوت پر آمادہ
ہو گئے۔ اور جو الزام اُنھوں نے حضرت عثمان پر لگائے وہ یہ تھے۔ اول حضرت عثمان نے حکم ابن العاص کو
جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر نے اسے گھسنے نہ دیا تھا
مدینہ میں واپس بلا لیا۔ دوم آپ نے مروان بن الحکم کو پانچواں حصہ افریقیہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ
کی آمدنی تھی دیدیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا چھین کے مروان کو دیدیا اور عمر بن عبدالعزیز
کے زمانہ تک مروان کی اولاد اس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اُسی زمانہ میں قایم ہوئے تھے اور
ان الزاموں کا یہاں تک چرچا ہوا تھا کہ عبدالرحمن کندی نے چند اشعار بھی موزون کر دیئے تھے جن کا خلاصہ
یہ ہے "قسم ہے خدا کی کوئی امر خدائے تعالےٰ نے لغو اور بے قاعدہ نہیں بنایا مگر تو نے (حضرت عثمان غنی کی
طرف خطاب) ہمارے واسطے فتنہ پیدا کیا ہے تاکہ اس میں ہماری اور تیری آزمائش کیجائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گزرے

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکتا۔ آپ جیسے بہادر بھی اسی قدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گلے میں رسی بھی ڈلوائیں پھر مدت تک نائب مینشی کا کام بھی انجام دیتے جائیں اور شیر و شکر ہو جائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفائے راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہلبیت کے جانی دشمن تھے دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں ان کا اتنا زور ہو گیا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم کر لیا۔ اور پھر یہ روایتیں رواج پاگئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسیطرح حضرت عمر کو بھی مدد دی اور آپ ان کے مدار المہام بن گئے کیونکہ جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرائض انجام دینے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے۔ جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت علی روکتے تھے اور نہ جانے دیتے تھے مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور حضرت علی نے آپ کے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اس وقت بھی ویسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ (جس سے تنگ آکے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اٹھاتا) نہ سنبھل سکی اور آپ مروان کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سا رنگ دیکھا تو پہلو تہی کی اس وقت نہیں کی جب تک کئی کئی بار حضرت عثمان کو نہ سمجھا لیا مگر وہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کی حالت میں امور سلطنت کا چلانا سخت وقت تھا۔ بیشک انہیں بہت دھوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دھوکے میں آ گئے۔ آپ کی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپ نے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی سے کیا۔ آپ نے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور اس لئے مجبوراً آپ نے ضعفی کی حالت میں خلافت کا بوجھ اٹھایا یہ صحیح ہے کہ جو آپ کو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا۔ جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہو گئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی ایسی شہادت جس پر سنگدل سے سنگدل بھی افسوس کرے گا اور اس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپ نے فی الحقیقت امت محمدی کا تو بھلا ہی کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقیہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ مگر آپ کو کیا معلوم تھا کہ آپ ہی کے قریبی رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہونگے۔

اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے تو آپ ضرور اس کا انتظام فرماتے۔ آپ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کی وجہ سے اسلام میں فساد پھیلے۔ ہمیشہ جو کچھ فساد اٹھا کوفہ سے اٹھا۔ ابھی اطمینان سے خلافت ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں کو عامل بنا کے بھیجتے ہیں اسلئے

کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو انہوں نے ایک سانڈنی سوار آتا ہوا دیکھا اُس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے اُس نے کہا کہ میں مصر کے حاکم کے پاس جاتا ہوں محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عامل تو یہ ہو گئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا ہے یہ سنتے ہی محمد نے اُسے گرفتار کر لیا جب اُس کی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس حضرت عثمان کا مہری ایک خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے پاس پہنچے تم اسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد معہ اپنے ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کر کے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور و غوغا مچ گیا۔ سب ملکے حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا آپ نے فرمایا کہ مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے مگر مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ غرض آپ نے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کر دی صحابہ کو یقین آگیا اور اب چوں کہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان سے مانگا مگر آپ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی بھڑک اٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب حضرت عثمان کی جان کے لینے کے دینے پڑ گئے اور حضرت علی نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کر دیا اور حکم دیدیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے۔ اسیطرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پہ پہرا پر مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا۔ تینوں صاحبزادوں نے روکا یہاں تک کہ حضرت امام حسن تو اس قدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسی کو اندر نہیں گھسنے دیا۔ اخیر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان کے مکان میں آگئے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے بھی تھے جوں ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمان کی طرف بڑھے آپ کے غلاموں نے مقابلہ کیا طرفین کے کچھ لوگ مقتول و مجروح ہوئے اخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انہوں نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی بڑی توقیر کیا کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے پر اثر جملے تھے جنہوں نے جادو کا سا اثر کیا محمد ڈاڑھی چھوڑ کے پچھلے قدموں ہٹ گئے پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا اُن کی اُنگلیاں اور آدھا ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا۔ جس وقت شہید ہوئے ہیں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸۔ ذی حجہ سنہ ۳۵ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال تک خلافت کی آپ کی عمر شہادت کے وقت نوے سال کی تھی۔ تین روز تک آپ مدفون نہیں کئے گئے۔ اخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ آپ کے بارے میں کس قدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں ہم پہلے مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر نمبر

وہ ہدایت کا ایک مینار بنا گئے تھے اور کبھی انہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا۔ نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گزشتہ سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا لوگوں کے گلوں پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا۔ غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بو آتی تھی چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تہلکۂ عظیم برپا ہوگیا۔ اگرچہ مذکورۂ بالا اعتراض محض لغو اور بےمعنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہوگیا۔

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ۔ بصرہ اور مصر سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے۔ مصری تو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بنیں اور کوفی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے جب پہلا جمعہ ان لوگوں کے داخل ہونے پر آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولا ہوگئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی اُن کے ساتھ شریک ہوگئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بےتمیزی میں بمشکل چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپ کے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو کے ممبر پر گر پڑے تھے۔ مدینہ کے لوگوں میں سے جنہوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عثمان جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے واپس چلے جانے کی بابت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں آپ سیدھے حضرت عثمان غنی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے چنانچہ آپ نے کہا کہ اول تو مروان کو میر منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معذول کر دیجئے حضرت عثمان نے کہا مجھے بدل منظور ہے یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ تمہارے حسب منشا کام ہوگیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہوگئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت علی کے جاتے ہی مروان آیا اس نے کہا دیکھئے ایسا غضب نہ کیجئے گا آپ کے لئے بہتر نہ ہوگا۔ حضرت عثمان نے جواب دیا میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا اور علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سر ٹپکا لیکن حضرت عثمان نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو موقوف کر دیا۔ اور محمد حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ انصار اور مہاجرین

اور اس سے اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا۔ حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہرگز فساد نہ ہو سکتا تھا مگر ڈر یہ تھا مبادا زیادہ خونریزی ہو جائے اور مدینہ پر نئے سرے سے مصیبت آپڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گھر ہی میں یہ فساد نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلوں سے انتقام لیتے مگر سردست قاتلوں کو گرفتار کرنا اور انہیں سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپ کے خیال میں کسی طرح بھی خامی نہ تھی صد ہا آدمیوں کا خون ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ادھر صحابہ کا جوش بڑھ رہا تھا اور یہ جوش بھی بیجا نہ تھا کیوں کہ ضعیف اور مقدس خلیفہ واقعی بے گناہ بہت ہی بیدردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مروان کا ہے پھر مروان ہی کو پکڑا ہوتا بھلا حضرت عثمان نے کیا بگاڑا تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کر دیا ان سے زیادہ بزدل اور کون ہو گا جن کا ہاتھ نوّے برس کے بڈھے پر اٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے درپے کے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دیدیا کہ جب تک میں کافی طور پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کر لوں ہرگز عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو صد ہا صحابہ ناامید ہو گئے اور انہوں نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر انہوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کروا ڈالیں گے جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ سے ساری کیفیت بیان کی تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے کہا علی کا پہلا فرض یہی تھا کہ عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا ابھی طلحہ اور زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبداللہ بن عامر بصرہ سے آگیا اور یعلی بن امیہ یمن سے اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ لے لیتے آئے اور پھر باہم مشورے ہونے لگے۔ حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آگئیں اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ بتقاضائے فطرت انہیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اس قدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ وہ صرف حضرت عثمان کے لئے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے اور یہ جوش ان کا اسلامی تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورے ہونے لگے۔ آخیر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں۔ بصرہ تک جانے میں متعدد روایتیں ہیں اور مورخین میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے ایک روایت تو یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ورغلانا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت کثرت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہوگی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ بصرہ کا بصرہ میرا معتقد ہے اگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بآسانی خون عثمان لے سکتے ہیں کہتے ہیں جب حضرت عائشہ کا ارادہ ہو گیا تو مکہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کمربستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے چنانچہ دو ہزار مسلمان اور مدینہ کے ہمراہ ہو گئے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ ام المومنین ام سلمہ کے پاس

رائے دیں گے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو ایک حد تک مسلم ہیں اور انہیں کم وبیش سب نے تسلیم کیا ہے مؤرخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے محصور ہونے کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کرنے گئی ہوئی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ جس شخص نے آپ سے یہ روایت بیان کی اس سے آپ نے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا اس نے جواب دیا علی مرتضےٰ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا" انا للہ وانا الیہ راجعون" اس واقعہ کا حال مکہ کے رستہ میں سنا تھا آپ نے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں مدینہ اب میرے رہنے کے قابل جگہ نہیں رہی۔ اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان مظلوم شہید ہوئے اور میں ضرور ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ اس پر عبید سلمان نے کہا تعجب ہے اے عائشہ پہلے تو تم یہ کہا کرتی تھیں" اقتلو النعثلا فانہ قد کفر" یہ ہے روایت جو بیان کی گئی ہے جس کا سر نہ پیر۔ اول تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے ہی حضرت بی بی عائشہ نے یہ کہا ہو دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو یہ خبر لگی۔ آپ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے۔ آپ کو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے یہ خبر دی تھی اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی ان کی بھی خواہش تھی اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آپ کے بھی ساتھ تھا جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن بھی ہو چکے تو یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنئے۔ حضرت علی نے خلیفہ بننے سے انکار کیا کیوں کہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی کشش کو دیکھ چکے تھے آپ نے فرمایا مجھے ہرگز منظور نہیں ہے تم چاہے جس کو خلیفہ بنا دو جب کوئی خلیفہ ہو جائے گا میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل نہیں ہے آپ انکار نہ کیجیے اور بسم اللہ کیجیے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی بڑی گفت و شنید کے بعد راضی ہو گئے اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں ٹنڈا ہو گیا تھا جوں ہی حبیب ابن ذویب نے یہ سنا کہ ٹنڈے طلحہ نے بیعت کی تو انہوں بے ساختہ کہا" انا للہ وانا الیہ راجعون" کیوں کہ اول جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ سے ٹنڈا ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا نہیں معلوم ہوتا یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ حضرت علی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور آپ خلیفہ بن گئے مگر بڑی غلطی جو آپ نے کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبد اللہ کو سزائے موت دینی چاہی کیوں کہ انہوں نے ایرانی شاہزادہ کو قتل کر دیا تھا حضرت عثمان کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا چوں کہ سوائے علی کرم اللہ وجہہ کے یہ سب کی رائے تھی کہ اسے ضرور سزائے موت دینی چاہئے اور کل صحابہ معہ حضرت عثمان اسکے خلاف تھے اس لئے عبد اللہ چھوڑ دیئے گئے تھے اس میں شک نہیں کہ حضرت علی حق پر تھے اور وہ اس لیے رو رعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام نے قایم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی سننا ضرور چاہئے تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنا چاہئے تھا۔ بہرحال کچھ ہو امخالفت کی بنیاد اول تو اس سے قایم ہوئی

جب حضرت علی کرم وجہہ نے سنا آپ ایک فوج کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ حضرت علی کی فوج کا علمدار محمد ابن حنیفہ تھا۔ لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین رسالہ پر عمار بن یاسر اور پیادہ فوج پر محمد بن ابی بکر الصدیق یعنی حضرت بی بی عائشہ کے بھائی تھے۔ کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپ کے ہمرکاب تھا۔ مقام خریبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھ سے آ کے ملجاؤ۔ چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تمہیں یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں روز رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھ سے لڑتے ہو۔ حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادہ جنگ ملتوی کر دیا۔ مگر جب وہ اپنے لشکرگاہ میں واپس آئے آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اس کا کفارہ دیدو چنانچہ آپ نے عہد شکنی کے کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کر دیا۔ آخیر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی۔ جس اونٹ پر آپ سوار تھیں اُس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے۔ شکست ہونے کے بعد حضرت علی نے محمد بی بی عائشہ کے بھائی کو آپ کے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبداللہ بن خلف کے مکان میں اُتارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کو ساتھ کر کے مدینہ پہنچا دیا۔ اس جنگ میں طلحہ اور زبیر بھی کام آئے۔ جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بیساختہ رونے لگے اور اُن کے جنازہ کی خود نماز پڑھا کے اُنہیں دفن کر دیا۔ یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل کی اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی۔ طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس نے یہاں تک طول کھینچا۔ حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہ کرتے تھے اور جو لوگ اس تساہل کو ناواجب سمجھتے تھے وہ آمادہ پرخاش ہو گئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزاروں صحابہ بلاوجہ شہید ہوئے اور اسلام کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلمانوں نے دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں کو ہوئی وہ صرف حضرت عمر ہی کی صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت تھی جسے مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے اور اب بھی موجود ہے۔ مخالفت کی اس میں کوئی بات بھی تو نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت علی خود اس امر کو خوب جانتے تھے اور آپ نے کبھی ان کو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرمائی ہیں دشمن کے جنازہ کی نماز پڑھا کے آپ نے اس کا ثبوت دیدیا کہ یہ مذہبی لڑائی نہ تھی ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مرچکا ہو اس کے لئے دعائے خیر ہی کرنی چاہئے۔ خوب سمجھ لینا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں اول روز سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اس سے غیر معمولی رعایتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور اُسے دینے میں تامل ہوتا ہے اسلئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں کامیاب ہو گئے وہ حقوق لے لئے ناکام ہوئے

آئیں اور اُن سے مشورہ لیا کہ میں امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں حضرت بی بی اُم سلمہ نے سمجھایا یہ تم کیا غضب کرتی ہو حضرت علی کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار ہوتی ہو۔ تمہیں وہ حدیث یاد ہے کہ جب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں ایک بی بی باغی ہوگی اور ایک تیز اونٹ پر سوار ہو کے جدال و قتال کرے گی تو میں یہ سن کے خوف کے مارے گر پڑی تھی اور میرے اس خوفزدہ ہو کے گرنے پر رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا کہ تم کیوں ڈرتی ہو فلاں بی بی ایسا کرے گی اشارہ تمہاری طرف تھا۔ دیکھو بچو اور اس آفت میں نہ پڑو علی کا مقابلہ کرنی ہو یہ بات ٹھیک نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب تم ہی اسے امیرالمومنین کہتی ہو۔ یہ سن کے عائشہ ڈر گئیں اور کہا کہ میں اپنا ارادہ عراق عرب جانے کا ترک کرتی ہوں اب کبھی نہ جاؤں گی اُم سلمہ تم سچ کہتی ہو۔ جب حضرت عائشہ اپنے جائے قیام پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلو گی تو میں دیوانہ وار جنگلوں میں نکل جاؤں گا اور پھر کبھی مُنہ نہ دکھاؤں گا۔ اور ساتھ ہی میں خودکشی کرلوں گا۔ زبیر حضرت بی بی عائشہ کے بھانجے تھے اور آپ اپنے بھانجہ سے محبت بھی بہت کرتی تھیں ناچار راضی ہوگئیں اور اُم سلمہ کی نصیحت کا کچھ بھی خیال نہ رہا یہ روایتیں ہیں جو اٹکل پچو بیان کی جاتی ہیں کجا حضرت رسول کریم کی حدیث اور کجا اُم سلمہ کا اُس حدیث کو دہرانا یہ سب بے بنیاد اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جنہیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ حضرت جانتے بھی تھے کہ عائشہ باغی ہوگی اور پھر موانست بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ نہ اس وقت اُم سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے نہ حضرت بی بی عائشہ کا ان سے مشورہ لینے کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم مدینہ میں گئیں تو علی اچھا سلوک نہیں کرنے کے۔ ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے۔ آپ چوں کہ خاتون تھیں یقین آگیا اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپ نے کبھی حضرت عثمان کو کافر کہا نہ آپ کو امور سلطنت میں دخل دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آپ نے حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر وقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کو ایک دن بھی خلافت کیوں نصیب ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی بھی قیہ حضرت عثمان میں دیکھتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اُس کا اثر پڑتا اور سب برسر پرخاش اُٹھ کھڑے ہوتے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی پروانہ کی تو حضرت عثمان سے برسرپیکار ہونا بہت بڑی بات نہ تھی۔ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ایک اُم المومنین مدینہ ہی میں رہے اور خلیفہ وقت کی نسبت کفر کا فتویٰ دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے۔ نہ حضرت عثمان اپنی بریت کریں اور نہ مسلمان کچھ چون وچرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیرالقرون اور عقل کے خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی ان واقعات پر غور کی ہے ہرگز ان کی صداقت کی شہادت نہیں دینے کا۔

یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ آپ بصرہ تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت علی سے جنگ ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ بصرہ میں پہنچیں تو پہلا حملہ عثمان بن حنیف پر ہوا جس نے خفیف مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور قید کرلیا گیا اُس کی ڈاڑھی منڈنے اور مونچھیں اُکھڑنے کا قصہ گھڑا ہوا ہے

معلوم ہاں ناراض تو میں بیشک ہو گیا تھا۔حضرت ابو بکر نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہی وجہ میرے انکار کی تھی اور اس وقت میں نے نبی کا بھید کھولنا نہ چاہا تھا۔ اس روایت کو بعض عیسائیوں نے بہت ہی رنگ آمیزی کرکے بیان کیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرض کرلیں کہ آنحضرت نے بی بی حفصہ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو یہ نہ کوئی بھید تھا اور نہ کوئی عیب تھا اس کا چھپانا نہیں سمجھ میں آتا اور پھر حضرت ابو بکر سے اس کے ذکر کرنے کے کیا معنی تھے اگر رسول اللہ فرماتے تو حضرت عمر سے فرماتے اور وہ بہت خوشی سے قبول کر لیتے کیوں کہ اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا کہ رسول کریم کے خسر بنیں۔ یہ اور ان جیسی ساری روایتیں محض بے بنیاد ہیں جنہیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت نے بی بی حفصہ کو طلاق دیدی مگر جب حضرت عمر ناراض ہوئے تو خدا کی طرف سے دوبارہ نکاح کرنے کی وحی اُتر آئی اور اس کے بعد آپ نے بی بی حفصہ کو اپنے گھر بلا لیا۔ یہ باتیں مہمل اور خلاف قیاس ہیں۔حدیث کی کسی مستند کتاب میں طلاق دینے کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ ہاں ابن ماجہ میں ضرور طلاق کا ذکر ہوا ہے اور اس حدیث کا راوی سلمہ بن کہیل ایک شیعی مذہب کا شخص ہے جس کی روایت پر جو حضرت بی بی حفصہ کی نسبت ہو ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا نہ کوئی وحی اُتری جس نے طلاق کے بعد دوسرا نکاح جائز کر دیا ہو۔ آپ کے بعض نامور واقعات کا بیان چونکہ حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی میں آگیا ہے اسلئے دوبارہ مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ سے بھی چند احادیث کا پتہ چلتا ہے کہتے ہیں آپ کی روایت سے صرف ۶۰ حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت زینب اُم المساکین رضی اللہ عنہا

آپ زمانہ جاہلیت میں اپنی فیاضی اور غربا پروری میں اُم المساکین مشہور تھیں آپ قبیلہ بنو ہلال میں سے ہیں آپکے والد کا نام خزیمہ بن حرث اور والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا پہلے آپ کی شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی تھی۔ جنکے انتقال کے بعد ۳ھ ہجری کو آپ نے رسول مقبول سے نکاح کر لیا۔نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال کی تھی اور حضور خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۶ سال کی۔صرف آٹھ مہینے آپ رسول کریم کے گھر میں رہیں اور ۴ھ ہجری میں وفات پاگئیں۔آپ کی عمر بوقت وفات ۳۰ سال کی تھی اور آپ کی پیدائش ۲۶ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۲۸ھ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔آپ کا اصلی نام ہند تھا اور آپ کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔آپ قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں یہ وہ عاتکہ نہیں ہیں جو عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت کی پھوپھی ہوں۔آپ کے والد کا نام ابو اُمیہ تھا اور انہیں حذیفہ بھی کہا کرتے تھے آپ عرب کے مشہور سواروں میں مشہور تھے۔

پھر اپنی اسی حالت پر آگئے اور بس۔ اور بی بی عایشہ کی بھی یہی مثال ہے اگرچہ ہم انہیں ہرگز باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہو جاتیں لے لیتیں ناکام رہیں اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا۔

یہ ہیں حضرت بی بی عایشہ رضی اللہ عنہا کے سوانح عمری جو نہایت اختصار کے طور پر بیان کئے گئے۔ آپ کے واقعات زندگی میں کوئی ایسی نئی بات نہیں ہے کہ جو عجیب ہوا اور ساتھ ہی آپ کے شایاں بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی پڑگئی تھی کہ حضرت علی قدرت ہونے پر بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑتے اور حضرت علی نے ان کے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی کوئی مصلحت سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے۔ حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک برابر خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور اخیر آپ کی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضایع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد اور قتل و غارت سے مسلمان عاجز آگئے تھے اخیر امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص اور حضرت علی کو قتل کر ڈالنا چاہا تاکہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے دونوں تو بچ گئے اور حضرت علی شہید کر دیئے گئے حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ زیادہ اور حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں پہلے آپ کا نکاح خنیس ابن حذافہ سے ہوا تھا جنہوں نے آپکی ساتھ ہجرت کی تھی اور جن کی وفات غزوہ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ آپ کی ولادت ۱۸۔ قبل ہجری میں ہوئی تھی جب آپ کا نکاح حضور انور کے ساتھ ہوا ہے آپ کی عمر ۲۱ سال تھی اور آنحضرت کی عمر اس وقت پورے ۵۶ سال کی تھی ۴۵ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ آپ کے نکاح کی نسبت بھی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ہم مختصر بیان کرتے ہیں۔ جب آپ کے خاوند کا انتقال ہو چکا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمدن عرب کے موجب پہلے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں کیا آپ منظور کرتے ہیں انہوں نے انکار کیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر حضرت ابو بکر سے یہی درخواست کی گئی انہوں نے بھی انکار کیا۔ اخیر حضور انور کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کر دی۔ حضور انور نے حضرت عمر کو شکستہ خاطر دیکھ کر تسلی فرمائی اور خود اپنی رضامندی درخواست کرنے پر ظاہر فرمائی یہ دیکھ کے حضرت عمر بہت ہی خوش ہوئے اور اس طرح نکاح ہو گیا۔ یہاں تک تو واقعات قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں مگر آگے چلکے روایتوں میں عجیب رنگ آمیزی ہو گئی ہے جو نہ صرف عقل ہی کے خلاف ہے بلکہ ان روایتوں کی سند کہیں سے نہیں ملتی منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر نے انکار کیا تو حضرت عمر بہت ہی ناراض ہوئے اور خاموش چلے آئے مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا تو آپ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس گئے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا عمر تم جانتے ہو میں نے کیوں انکار کر دیا تھا اور میرے انکار سے تم ناراض بھی ہو گئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا وجہ انکار مجھے معلوم نہیں

فطرت اور تمدن ہے۔ ہر جگہ دستور ہے کہ جب تک دولہا دلہن کے رشتہ دار یا والدین نہیں بیٹھتے نکاح نہیں ہوتا اسی بنا پر بی بی اُم سلمہ نے اپنے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا۔ غرض اسی قسم کے لچر اور پوچ اعتراض کچھ وقعت نہیں رکھتے اسلئے ہم ان پر زیادہ بحث ہی نہیں کرنا چاہتے اور دوسری اُم المومنین کا ذکر لکھتے ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۳۳ قبل ہجری میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام جحش تھا اور آپ کی والدہ کا نام امیمہ تھا اور امیمہ عبد المطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلے اللہ کی پھوپھی تھیں۔ پہلی دفعہ اُن کا نکاح ۴ھ ہجری کے شروع میں زید بن حارث سے ہوا۔ ۵ھ ہجری میں زید نے اُنہیں طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونے کے بعد آنحضرت نے اُن سے نکاح کر لیا۔ اس وقت بی بی زینب کی عمر ۳۸ سال کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۸ سال کی تھی چھ سال یعنی وصال کے وقت تک آپ پیغمبر خدا کی زوجیت میں رہیں اور حضور انور کے وصال کے بعد انتقال کیا۔

بی بی زینب کے خسر کا نام شراحیل اور ساس کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جو قبیلہ بنی معن قبیلہ بنی طے میں سے تھیں ایام جاہلیت میں جب سعدیٰ اپنے بیٹے زید کو لے کے جس کی عمر ۸ سال کی تھی کہیں سفر کر رہی تھیں تو رستہ میں بنو قین نے ان پر حملہ کیا اور زید کو پکڑ کے عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے۔ حکیم بن حزام نے چار سو درہم کو خرید کے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کو دیدیا۔ حضرت بی بی خدیجہ نے زید کو حضور انور کی خدمت میں پیش کیا آپ نے فوراً اُسے آزاد کر دیا۔ اتفاقاً زید کے باپ اور چچا مکہ میں آئے اور زید کو پہچان لیا اور چاہا کہ فدیہ دے کے زید کو اپنے ساتھ لیجلیں مگر زید نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور حضور انور ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا اس وقت رسول خدا نے عرب کی رسم کے مطابق زید کو اپنا متبنےٰ بنا لیا۔

حضور انور نے پہلے زید کا نکاح اُم ایمن سے کر دیا جس سے زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام اُسامہ رکھا گیا پھر اُم ایمن کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینب بنت جحش سے کر دیا۔ زینب ایک عالی خاندان بی بی تھیں اور آپ اپنی قدیم رسم و رواج اور خاندانی تکبر و نخوت کی بنا پر ہرگز ایک غلام سے خواہ وہ حضور انور کا متبنےٰ ہی کیوں نہ ہو نکاح کرنا نہ چاہتی تھیں مگر آنحضرت کو اس پر اصرار تھا اور اصرار کی یہ حکمت تھی کہ عرب میں سے وہ مغایرت اُٹھ جائے جو آزاد اور غلام میں پائی جاتی ہے کیوں کہ غلام ہونا درحقیقت کوئی قدرتی عیب نہیں ہے بڑے بڑے آزاد شاہ اور ایک وسیع سلطنت کے مطلق العنان حکمراں چرخ نیلوفری کی ایک ہی گردش سے غلام بنا لیے گئے ہیں اور سوائے اس کے اُنہیں چارہ نہیں ہوا ہے کسی شخص کو جو حسب اور نسب میں نجیب ہے زبردستی پکڑ کے دوسری جگہ فروخت کر دینے کا نام غلامی ہے۔ عرب ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ رومۃ الکبریٰ اور سلطنت مشرقی میں بھی غلاموں کی بہت ہی بری کیفیت تھی۔ ہندوستان میں اس سے زیادہ خوفناک مظالم غلاموں کی بے گناہ جان پر توڑے جاتے تھے اُن سے شادی بیاہ کرنا تو کجا مثل جانوروں کے برتاؤ کرتے تھے اُن کی جانیں ایک جانور کی جان سے زیادہ

حضرت اُم سلمہ کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھا آپ اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہو کے حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ وہاں آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اُس کا نام زینب رکھا اس کے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام دُرّہ رکھا۔ ان کے علاوہ دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی پیدا ہوئے۔ ابو سلمہ نے جب سنہ ۴ ہجری میں وفات پائی تو حضرت اُم سلمہ کا نکاح حضرت رسول خدا سے ہو گیا۔ آپ کی عمر ۲۶ سال کی اور آنحضرت کی عمر ۵۷ سال کی تھی آپ نے ۸۴ سال کی عمر میں سنہ ۶۲ ہجری میں وفات پائی۔ آپ پر بہت نکتہ چینیاں کی گئی ہیں وہ اگرچہ سب بیہودہ اور بیکارہ ہیں پھر بھی ہم اُن میں سے ایک بڑی نکتہ چینی نقل کرتے ہیں جس پر معترض بہت ہی اُچھلتے کودتے ہیں اور وہ نکتہ چینی یہ ہے کہ جب حضرت اُم سلمہ کے خاوند کا انتقال ہو گیا تو آپ رسول اللہ کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے کہ میں شب و روز پڑھا کروں آپ نے انہیں یہ دعا بتائی " اللھم اغفرلی ولہ واعطنی منہ عقبا حسنۃ " یعنے اے رب مجھے اور میرے شوہر کو بخشدے اور اُس کے بعد مجھے اچھا خاوند ملا" جب عدت کے دن پورے ہو گئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے باری باری سے درخواست کی مگر اُم سلمہ نے منظور نہ کی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درخواست کی تو آپ نے کہا واہ رسول خدا آپ نے خوب درخواست کی میں بڑی عمر کی ہوں اور میرے یتیم بچے ہیں اور مجھے نکاح کرنے سے بھی شرم آتی ہے اس کے سوا تیرے پاس تو بہت سی عورتیں موجود ہیں نہ میرے رشتہ داروں میں کوئی موجود ہے جو میرا نکاح تیرے ساتھ کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری عمر تجھ سے زیادہ ہے تو یتیموں کا کیوں فکر کرتی ہے خدا اور رسول اُن کی پرورش کریں گے اور شرم کی بابت جو تو نے کہی سو میں دعا کروں گا اور خدا تیری شرم کو کھو دے گا اور تو جو اپنے کسی رشتہ دار ہونے کی بابت کہتی ہے تو یہ سمجھ لے کہ اگر تیرا کوئی رشتہ دار بھی ہو گا جب بھی میرے ساتھ نکاح ہونے پر ناراض نہ ہو گا" یہ ہے روایت جسے عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس سے آنحضرت کی نفس پرستی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی سرتاپا غلط ہے۔ حضرت بی بی اُم سلمہ کا قول خود اپنے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ پہلے جملوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نکاح کی درخواست سخت ناگوار معلوم ہوئی پھر آپ نے نامنظوری ظاہر کی اور بعد ازاں راضی ہو گئیں۔ عجیب متضاد بیان ہے جو مطلق نہیں سمجھ میں آتا۔ دوسرے یہ روایت کہ وہ رسول مقبول کے پاس گئیں کہ مجھے کچھ پڑھنے کی تعلیم کریں تو آپ نے قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بتائی حالانکہ آپ کا شیوہ یہی تھا کہ آپ ہر شخص کو قرآن مجید کی تعلیم کیا کرتے تھے کبھی آپ نے غیر قرآن مجید کسی وظیفہ کے پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا۔ وہاں جھاڑ اپھو کی نہ تھی بلکہ توحید کی تعلیم تھی اور بس۔ اور اگر فرض کر لیں کہ حضرت بی بی سلمہ عدت ختم ہونے سے پہلے ہی دریافت کرنے چلی گئیں اور آنحضرت نے یہ دعا بتا دی بھی ہو تو خبر نہیں کیا قباحت لازم آتی ہے۔ لڑکیوں اور جوان عورتوں کو ہمیشہ نیک خاوند ملنے کی دعا مانگتی چاہیئے عورت کے لئے اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ خاوند نیک ہو۔ خاوند اگر نیک ہے تو اُسے جنت ہی نہیں بلکہ سلطنت ہے اور اگر بد ہے تو اُس کے لئے دنیا ہی میں دوزخ ہے۔ فی الحقیقت جس چیز پر عورت کی زندگی کا دار و مدار ہو اُس کے نیک ہونے کی ضرور دعا مانگے۔ رہا اپنی شرم اور رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بابت کہنا تقاضائے

اگر کسی شخص کے ہاں متبنے لینے کے بعد بیٹا پیدا ہو تو وہ بھی ضرور باپ کی جائداد کا حصہ دار بنے گا۔ مگر اسلام نے ان رشتوں کو زیادہ وقعت سے کبھی نہیں دیکھا سمجھ میں آسکتا ہے جب زینب سے زید کا تعلق قطع ہو چکا ہو پھر وہ حضور انور کی بہو کیوں کر رہی۔ یہ ایک عجیب بے معنی اعتراض ہے جو کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول خدا کی خواہش یہ تھی کہ زید کسی طرح سے طلاق دیدے تو میں اس سے نکاح کر لوں اسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اور بعض مفسروں نے اس کو خوب رنگا میزی کر کے اور فرضی روایتوں کی بنا پر اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے اور اسی لئے عیسائیوں کو نبی معصوم کی ذات پر حملے کرنے کا موقع ملا ہے حالانکہ جو فرضی روایتیں کہ بعض مفسروں نے تراشی ہیں اُن کو قرآن مجید کے سیاق کلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے آنحضرت کا آسمان پر جبرئیل فرشتہ کی گواہی پر نکاح ہونا اور آپ کا زینب کو برہنہ دیکھ لینا اور اس پر عاشق ہو جانا یہ سب چڑے چڑیا کی کہانیاں ہیں جنہیں واقعات سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ عورت خواہ کیسی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو کبھی برہنگی کی حالت میں وہ خوشنما ہو سکتی ہے۔ عورت کی خوبصورتی لباس پر موقوف ہے اور لباس ہی اُس میں صدہا خوبیاں پیدا کر کے اُس کے اصلی عیبوں کو بھی ایک حد تک چھپا دیتا ہے۔ پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زینب میں برہنگی کی حالت میں کیوں کر اتنا حسن پیدا ہو گیا اور نبی معصوم جنہوں نے اسے پرورش کیا تھا اور آپ ہی کی آنکھوں کے سامنے وہ سن بلوغت کو پہنچی تھی فریفتہ ہو گئے۔ ناممکن نہیں تو محال عقل ضرور ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے اور قرآن مجید کی آیت کے بعض الفاظ سے مفسروں نے عجیب عجیب معنی تراشے ہیں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی پوری آیت یہ ہے " وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا " یعنی اے پیغمبر تم اس بات کو یاد کرو کہ تم اُس شخص کو (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا کہ اس کو اسلام کی توفیق دی اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اس کو چھوڑنے کا نام نہ لے) اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو آخر اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زید اُس عورت سے تعلق قطع کر چکا (یعنی طلاق دیدی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی) کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا کہ اب مسلمانوں کے لئے منہ بولے بالک اپنی بیبیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے۔ اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے اللہ نے پیغمبر کے لئے جو بات ٹھہرا دی ہو اس کے کرنے کیلئے کچھ مضائقہ نہیں ہے جو پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں اُن میں بھی یہی عادت الٰہی رہی ہے کہ اُن پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی اور جتنے کام ہیں ایک امر تقدیری ہیں جو روز ازل سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

نہ آیت ہے قرآن مجید کی نہ جس سے برہنہ دیکھنے اور عاشق ہو جانے کا واقعہ ثابت ہوتا ہے۔

قیمتی نہ تہیں۔ غرض انسان کی اس شرمناک حالت کو کہونے کے لئے آپ نے پہلے تو اسے اپنا متبنے بنایا اور پہر ایک اعلےٰ درجہ کی شریف زادی سے اُس کا نکاح کر دیا اگرچہ زینب اپنی عالی خاندانی کیوجہ سے اور اُس قدیمی نخوت کی حیثیت سے جو اس کے خاندان میں ملی ہوئی تہی زید سے نکاح کرنا نہ چاہتی تہیں مگر جب کہ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا تہا کہ رسول کے فیصلہ سے جو دلتنگ ہو وہ مسلمان نہیں ہے اور بی بی زینب چونکہ بطیب خاطر مسلمان ہوگئی تہیں اسلئے مجبوراً اُنہوں نے رضامندی ظاہر کی اور زید سے اُن کا نکاح ہوگیا۔

تعمیل حکم کے بعد پہر اُسی قدیمی خون کے اثر نے اپنا رنگ دکہایا اور آپ اپنے خاوند کو بُری نظروں سے دیکہنے لگیں خاوند بی بی کی نا اتفاقی طرفین کے لئے دنیا ہی میں دوزخ بنجاتی ہے زید اپنی مغرور بی بی کی آکہیڑ پچہاڑ سے تنگ ہو ہوکے حضور انور سے شکایتیں کیا کرتا تہا کہ میری جان ضیق میں ہے میں تنگ آگیا ہوں اور دم ناک میں ہے آپ ہمیشہ ارشاد کرتے کہ تو آشتی کرلے اور کبہی طلاق دینے کا نام نہ لیجو ساتھ ہی آپ زینب کو بہی ملکے رہنے کو فرماتے اور دونوں کو صلح کی طرف مائل کرتے۔ مگر ممکن نہ تہا کہ آپ زینب کے اس اثر کو کہو سکتے جو بطور ورثہ پشت با پشت سے اُسے پہنچا تہا اور ایسا اثر بغیر کئی پشتیں گزر جانے کے بعد بہی کسی طرح سے زائل نہیں ہو سکتا تہا۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور زید کی زندگی محال ہوگئی تو ناچار زید نے طلاق دیدی اور عدت کے ختم ہونے کے بعد رسول کریم نے اُس سے نکاح کر لیا۔

یہی کیفیت تو زینب کے نکاح کی ہے جو ہم نے بیان کی۔ قرآن سے اس کا ثبوت ہے۔ حدیثیں اس کی شاہد ہیں اور تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے۔ مگر بعض مفسروں کی غلط فہمی سے حضور انور کی اطہر و اقدس ذات پر جو جو نکتہ چینیاں ہوتی ہیں وہ واقعات ہی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ سخت شرمناک ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ معترض کیوں ایسا اندہا ہو کے اعتراض کرتا ہے اور نکتہ چینی کرتے وقت کیوں شائستگی اور تہذیب کو ہاتھ سے چہوڑ دیتا ہے۔ ہم اس نکاح کی فطرت پر ایک بسیط بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ نکاح جو محض قانون قدرت اور اعلےٰ درجہ کے تمدن کی بنیاد پر ہوا کسی طرح بہی نکتہ چینی کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پہلا اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ حضور انور نے اپنی بہو یعنی اپنے متبنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کیا اور ایسا فعل ایک نبی کی شان سے کس قدر مستبعد ہے۔ معمولی توجہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ بہو کی حالت یا بیٹے کی بی بی ہونے کی حالت اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک بیٹے کا تعلق ہو اور انقطاع ہو چکا ہو اور طلاق کی قینچی نے مناکحت کے رشتہ کو کاٹ دیا ہو تو پہر اُس عورت پر بہو کا اطلاق کسی طرح بہی نہیں ہو سکتا۔ اب وہ بالکل آزاد عورت ہے اور ہر شخص سے باستثنائے بعض رشتہ داروں کے نکاح کر سکتی ہے اور یہ نکاح اُس کا ہر طرح جائز ہوگا۔ عرب میں اگرچہ یہ دستور تہا کہ منہ بولے بیٹے اور منہ بولی بہن صلبی بیٹوں اور سگی بہنوں کے برابر خیال کی جاتی تہیں مگر یہ اُن کی سخت حماقت اور غلطی تہی کوئی غیر عورت کبہی زبانی بہن بننے سے کسی قانون میں بہی اس وقت تک بہن نہیں ہو سکتی یا کوئی متبنے بیٹا قیامت تک صلبی بیٹے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے متبنے بیٹے کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے اور کچہ اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بہی صلبی بیٹوں کے مقابلہ میں متبنے کوئی حقیقت نہیں رکہتا۔ ہنود کے قانون

کے ذریعہ سے جتا دیا کہ کچھ خوف اور اندیشہ کی بات نہیں تجھے لوگوں سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرنا چاہئے تھا پھر فرمایا ہے کہ ہمنے تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ہی کو منظور ہے کہ لے پالک بیٹوں کی بیبیوں سے نکاح جائز ہے ہم مسئلہ تقدیر میں بوضاحت ثابت کر آئے ہیں کہ خداوند تعالے ہر شے کے ہونے یا نہ ہونے کی نسبت اپنے ساتھ کیا کرتا ہے اور اُسے یہ شایاں بھی ہے۔ اس نسبت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ خداوند تعالیٰ ہر فعل کا حقیقی فاعل ہے بلکہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کا تصرف سب جگہ ہے۔ اب یہاں جو فرمایا کہ ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم نے بالکل ہماری مرضی کے مطابق کیا ہے اسلئے لوگوں سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس کام میں ہماری مرضی شامل نہیں ہے اس میں ہر شخص سے خوف کھانا چاہئے اور جب ہماری مرضی شامل ہو گئی پھر خوف کھانے کی کیا بات ہے۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں جس پر بعض مفسروں اور مخالفوں نے ایک طوفان بے تمیزی مچا رکھا ہے اور وہ وہ حاشیے چڑھائے گئے ہیں کہ العظمۃ للہ بعض مفسروں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ خداوند تعالے خود بیٹھا۔ جبرئیل و میکائیل گواہ بنے اور خداوند تعالے نے اپنی زبان مبارک سے دولہا دُلہن سے ایجاب و قبول کی رسم ادا کرائی۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں نہ قرآن سے ثابت نہ صحیح حدیث سے نہ عقل اس کی شاہد۔ اسی زینب کے معاملہ کو جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں اس قدر طول دیا گیا ہے اور مخالفین اسلام نے وہ وہ کتابیں شایع کی ہیں کہ خدا یاد آتا ہے۔ معاملہ کچھ بھی نہیں ہے صرف منشائے باری یہ تھا کہ یہ شنیع رسم عرب ہی سے نہیں بلکہ دنیا سے اُکھڑ کے پھک جائے اس کام کے لئے اُس نے اپنے معصوم نبی کو چن لیا اور عملی صورت میں کرا کے دکھا دیا تاکہ پھر چون و چرا کی گنجایش ہی نہ رہے۔ بہتیرا سوچا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ زینب کے نکاح پر جس کا اسقدر شور و غوغا مچا ہوا ہے کیا اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام نے غیر معتبر کتابوں کے حوالہ سے بڑے ہی بازاری اور خلاف تہذیب اعتراض اس پہلو سے کئے ہیں اور اپنے خیالات میں گویا انہوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ کوئی معترض کسی تفسیر کا حوالہ دیتا ہے اور کوئی کسی غیر معتبر فارسی کی کتاب کا مثلاً ایک عیسائی نے روضۃ الاحباب میں سے یہ عبارت نقل کی ہے "چوں از خدائے تعالے معلوم کردہ بود کہ زینب داخل زوجات وے خواہد بود خاطر مبارکش میخواست کہ زید وے را طلاق دہد و لیکن شرم میداشت کہ او را امر کند بطلاق زینب و نیز از اں مے اندیشید کہ مردم گویند کہ زن پسر خواندہ خود را بخواہد حال آنکہ در جاہلیت زن کسی کہ منسوب بہ پسرے میکردند حرام مے دانستند ہمچو زن پسرے صلبی خود" اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو نری بکواس ہیں اور جنہیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ روضۃ الاحباب ہو یا روضۃ الصفا۔ ابو الفدا ہو یا ابن خلدون۔ طبری ہو یا واقدی۔ ابن ہشام ہو یا ابن اسحٰق غرض کسی مورخ کی رائے یا اُس کی روایت کسی پر حجت نہیں ہو سکتی چہ جا کہ نبی کریم پر اُس سے کوئی الزام قایم ہو سکے۔

بعض معترضوں نے نئی نئی باتیں گھڑی ہیں اور وہ اور بھی مضحکہ خیز ہیں چنانچہ لکھا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے زینب حضور انور پہ عاشق تھی مگر آگے اس کا ثبوت نہیں دیا کہ یہ رعایت کیوں کر معلوم ہوئی اور اگر کسی کتاب میں ایسی روایت موجود بھی ہے تو یہ تاریخ کیوں نہ معلوم ہوئی کہ زینب سے یہ یہ افعال سرزد ہوئے تھے اسلئے اُسے عشق تھا۔ رہا عشق کی یہ وجہ بتانا کہ زینب

دل میں چھپانے کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے ایسے سادے بیان کو فرضی روایات کی بنا پر محض دور از کار نتائج پیدا کرنا صریح نادانی اور جہالت ہے۔ ایک مفسر نہیں اگر لاکھ مفسر کچھ ہی کیوں نہ لکھیں وہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور اُن کی اس ذاتی رائے سے رسول مقبول کی ذات اقدس و اعلیٰ پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہوسکتی نہ کوئی الزام آسکتا ہے۔ اس آیت میں صرف دو جملے ہیں جن پر بعض مفسرین کو بہت کچھ فرضی باتوں کے بنانے کا موقع ملا ہے اول تو تخفی فی نفسك ما الله مبدیه، یعنی جس بات کو دل میں چھپاتا تھا خدا اُسکو ظاہر کرنے والا تھا اور پھر فرمایا کہ تخشی الناس والله احق ان تخشاه، یعنی تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے تھا دوسرا جملہ یہ ہے فلما قضی زید منه وطرا وکان امر الله مفعولا، یعنی جب زید نے اُس سے اپنی حاجت پوری کرلی یا جب زید اسے طلاق دے چکا اور عدت کے دن پورے ہوگئے تو ہم نے اُس کو تیری زوجیت میں دیا یا تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک بیٹوں کی جوروں کے ساتھ نکاح کرنے میں تردد نہ ہو جبکہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کرلیں خدا کا حکم تو شدنی ہے۔ دل میں کیا بات چھپی ہوئی تھی وہ ظاہر ہوگئی یعنی متبنے بیٹے کی بیبی سے آنحضرت نے نکاح کرلیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ کو بحیثیت انسان اور مصلح ہونے کے ضرور اس بات کا اندیشہ تھا کہ عرب میں جبکہ مضبوطی سے یہ رسم جاری ہے کہ لے پالک کی بی بی کو بمنزلہ لڑکی کے سمجھا جاتا ہو تو ضرور لوگ اعتراض کرینگے اور کہیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو یہ فعل کرتا ہے جسے وہ اپنی دینت میں سخت معیوب خیال کرتے تھے۔ ایسی بدگمانیوں کا آپ نے ہمیشہ خیال کیا ہے اور آپ نے اپنا پہلو اس قسم کی بے بنیاد بدگمانیوں سے ہمیشہ بچایا ہے مثلاً صحیح حدیث ہے کہ کعبہ کی عمارت کو دوسری صورت میں کرنا چاہتے تھے اور آپ نے حضرت بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ کعبہ اس صورت سے تعمیر ہو مگر مجھے مسلمانوں کا خیال ہے مبادا وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ نبی ہو کے کعبہ کو ڈھاتا ہے اس وجہ سے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کعبہ کی تعمیر سرے سے شروع کروں اسی طرح زینب کے معاملہ میں آپ کو خیال تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور انہیں اپنی صدہا سال کی رسم کے خلاف یہ بات کیسی کھٹکیگی۔ آپ دل میں یہ خیال کرتے تھے اور خوف کہاتے تھے جس طرح ایک مصلح مخلوق میں کوئی نئی بات ظاہر کرنے سے خوفزدہ ہوا کرتا ہی مگر خداوند تعالے نے صاف الفاظ میں نبوت اولوالعزمی اور سچے مصلح ہونے کی شان بتادی کہ لوگوں سے خوف کہانا ہیچ ہے خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ جس چیز کا بعد ازاں اظہار ہونیوالا تھا وہ ہوگیا یعنی آپکا نکاح ہوگیا۔

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کیوں خوف محسوس ہوا اس کی وجہ کیا تھی ظاہر ہے کہ آپ نے نکاح کرنے کا ارادہ پہلے ہی سے کرلیا تھا جب ہی تو خوف بھی محسوس ہوا کہ لوگ کیا کہیں گے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ آپ اصل میں اس زبون ترین رسم کو توڑنا چاہتے تھے جو عربوں میں خون کی طرح ملی ہوئی تھی اور جب تک آپ کوئی عملی کارروائی کرکے نہ دکہاتے ہرگز اس کا اثر نہ پڑتا اور لوگ ایسی قدیم رسم کو جس کو وہ انتہا درجہ اعلےٰ درجہ کی تہذیب سمجھے ہوئے تھے کبھی نہ چھوڑتے۔ خیال تو آپ کے دل میں یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور کرنا چاہیئے یہ خیال روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا اخیر وہ موقع خوش قسمتی سے آگیا اب آپ کو ایسا کرنے میں تردد ہوا اور آپ نے اس ارادہ کو اپنے دل میں صرف اسی بنا پر چھپالیا مبادا لوگ چونکیں اور بجائے اصلاح کے اُن میں پریشانی پیدا ہوجائے بس اس بات کو چھپا رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے بہ عہدِ

اسلام کو دنیا کے اور ادیان پر اسی لئے شرف حاصل ہے کہ اس میں ہر متنفس آزاد کیا گیا ہے کسی ماتمی یا شادی کی تقریب ادا کرنے کیلئے نہ کسی پیشوا کی ضرورت ہے نہ قاضی کی محض رسم کے طور پر کسی قاضی کا نکاح کے لئے بلا لینا دوسری بات ہے مگر مذہباً کوئی مسلمان اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ قاضی ہو تو نکاح ہو ورنہ ہو ہی نہ سکے۔ اگر بدقسمتی سے یہ حکمتیں کوئی نہ دیکھ سکے تو اس کی بینائی کا قصور ہے ورنہ حکمت میں سر مو تفاوت نہیں ہے۔

نکاح کے بعد آپ نے بہت بڑا ولیمہ کیا اور مسلمانوں کی دعوت کی۔ اس دعوت پر عجیب عجیب الزام رسول کریم کی اقدس و اطہر ذات پر قایم کئے گئے ہیں جن کا سر نہ پیر اور یہ الزام ایسے بے بنیاد اور ہوائی ہیں کہ ادنےٰ توجہ کے بعد ان کا بے معنی ہونا سمجھ میں آسکتا ہے۔ بعض نامہذب اور اخلاق انسانی سے بے بہرہ کرسٹانوں نے یہ لکھا ہے کہ ولیمہ کے دن مسلمان کھانا کھا کے جم گئے اور انہوں نے باتیں کرنی شروع کر دیں رسول اللہ بیتاب ہوئے جاتے ہیں کہ یہ کسی طرح سے اُٹھ کے جائیں مگر وہ جنبش نہیں کھاتے۔ رسول اللہ بار بار اپنی ازواج کے پاس جاتے ہیں اور ان کا آ آکے سلام کہتے ہیں مگر وہ ایک نہیں سنتے اور جمے بیٹھے ہیں اخیر خدا خدا کر کے اُٹھے اور رسول اللہ زینب کے حجرہ میں داخل ہوئے اور جلدی سے کواڑ بند کر لئے پیچھے سے ابو ہریرہ اور طلحہ دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے رسول اللہ کو مشغول پا کے افسوس کیا اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے واپس پھر کے چل دیئے۔ اس پر فوراً بعد ازاں آیت نازل ہوئی جسکا مطلب یہ ہے "اے مسلمانوں نبی کے گھر میں نہ آیا کرو جب تک تمہیں حکم نہ ملا کرے کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھے رہا کرو جب تک تمہیں بلایا نہ جائے نہ آیا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو ادھر ادھر چلے جایا کرو باتوں میں دل لگا کے نہ بیٹھا کرو ان باتوں سے نبی کو ایذا ہوتی ہے اور اُسے شرم آتی ہے مگر خدا سچ بات سے شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بیبیوں سے کوئی بات کرنی ہو یا کچھ چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر کھڑے ہو کے مانگ لیا کرو"۔ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ولیمہ کی تقریب ہرگز اس کی شان نزول نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں اول ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ بغیر اجازت کے نبی کے گھر نہ آیا کرو حالانکہ ولیمہ کے دن سب کو دعوت کے لئے مدعو کیا گیا تھا نہ بلانا سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر یہ فرمایا گیا کہ کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھا کرو۔ حالانکہ خاص مسلمانوں کی دعوت کے لئے کھانا پکایا گیا تھا پھر اس کی انتظاری میں بیٹھنا کیسا۔ یہ ساری باتیں محض تعصب اور حسد سے بنائی گئی ہیں ورنہ اعتراض کی ان میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

آپ کا گھر چونکہ سب گھروں کے لیئے کھلا ہوا تھا اور اکثر نگھرے ادھر ہو کے آپ کے ہاں آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور چونکہ وہ لوگ جنگلی اور وحشی ہوتے تھے انہیں نبی کریم کے گھر میں بیٹھ جانا اور کھانا کھانے کے بعد باتیں کرنا کوئی نازیبا بات نہ معلوم ہوتی تھی اسلئے محض از راہ نصیحت انہیں تہذیب سکھانے کے لئے یہ باتیں کی گئی ہیں تاکہ وہ نبی اور اُمہات المومنین کا ادب اور آداب ملحوظ رکھیں اور دنیا میں ایک شائستہ قوم بنجائیں۔ اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اپنے سچے پیشوا کی کیونکر تکریم اور عزت کیا کرتے ہیں۔ آپ کی تعلیم اور قوم کی حالت کا پورا نقشہ قرآن مجید میں کھینچ دیا گیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ہم نے "بے پڑھے لکھوں یا جاہلوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کا تزکیہ کرتا ہے جو انہیں شائستگی اور تہذیب کے قواعد سکھاتا ہے" جب وہ لوگ محض اُمی تھے جن کے اُمی ہونے کی شہادت خداوند تعالےٰ بھی دیتا ہے تو ان سے خلاف تہذیب امور سرزد

زید کے ساتھ نکاح کرنے میں راضی نہ تھی ایک زبردستی کا استدلال ہے۔ اور اگر یہ فرض کر لیں کہ زینب عاشق تھی تو پھر عشق کا الزام رسول اللہ پر غلط ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایسی متضاد باتیں ہیں جن کا سر نہ پیر۔ پھر ایک عیسائی نے یہ لکھا ہے کہ طرفین سے محبت کی سلسلہ جنبانی تھی اور وہ اخیر میں یوں پوری ہوئی۔ یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات لایعنی ہیں نکتہ چینی کرنے کے لئے نئے نئے الزام بنا کے رسول کریم پر قایم کرنے انسانیت اور شرافت سے بعید ہیں۔ ہم ایکبار اور زینب کے نکاح پر ایک دقیق نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور کیا سمجھا ہے مسلمانوں نے خاص زینب نے معاملہ میں مخالفین اسلام کے خوب دنداں شکن جواب دیئے ہیں مگر خدا کے فضل و کرم سے چوں کہ میں بھی مسلمان ہونے کا فخر رکھتا ہوں اسلئے مجھے بھی جواب دینا لازمی ہے خواہ وہ جواب اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کیسے ہی پایہ کا کیوں نہ ہو۔

جب حضور انور نے ملاحظہ فرمایا کہ ماں بہن یا بیٹے بیٹی کے خالی الفاظ کا اثر بہت ہی کچھ خیال کیا جاتا ہے اور اس سے تمدن اسلامی میں اگر یہ بات قایم رہی تو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اس قبیح رسم کو نیست و نابود کرنے کیلئے فکر کرنا شروع کیا۔ اس قبیح رسم نے نئی نئی صورتیں پیدا کر لی تھیں اور فی الحقیقت وہ صورتیں قایم رہتیں تو مسلمانوں میں سخت تباہی آتی اور شدید آفت نازل ہوتی۔ رسم یہ تھی کہ اگر کسی شخص نے بھولے یا غصے یا مذاق میں اپنی بی بی کو یہ کہدیا کہ تو تو میری اماں یا بیٹی کے برابر ہے تو فوراً بی بی نکاح سے خارج ہو جاتی اور پھر کبھی مناکحت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کسی جوان لڑکی کو بیٹی کہلیا تو پھر اس سے مناکحت کسی طرح بھی جائز نہ ہو سکتی تھی۔ انصاف سے خود ہی دل میں فیصلہ کر لو کہ جس خاندان یا قوم میں یہ کیفیت ہو وہ سلامت ہی کب رہ سکتی ہے اس میں شب و روز فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اور بلاشبہ اس کی زندگی میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ حضور انور نے اس پر خطر حالت کو بخوبی محسوس کر لیا تھا اور جو باہمی نا اتفاقیاں پڑ رہی تھیں وہ ملاحظہ فرمالیں تو آپ اپنی ناواقف قوم پر رحم فرما کے اس امر کے درپے ہوئے کہ کسی طرح اس رسم کو دنیا سے مٹا دیا جائے۔ یہ کام فی الحقیقت آسان نہ تھا اور یہ اسیقدر مشکل تھا جتنا کعبہ میں سے بتوں کا نکالنا۔ بظاہر یہ رسم بہت ہی خوشنما اور مہذب معلوم ہوتی تھی کہ ایک شخص کو جب زبان سے بیٹا کہلیا تو وہ بیٹا ہو گیا یا بیٹی کہلایا تو وہ بیٹی ہو گئی مگر جو خرابیاں اس میں چھپی ہوتی تھیں اُن کو سوائے اس آنکھ کے جس میں روح القدس کی روشنی ہو اور انوار الٰہی کی چمک ہو اور کون دیکھ سکتا ہے آپ نے اس خرابی کو غرض پورے طور پر محسوس کر لیا اور اب اس کی بیخ کنی کے درپے ہوئے۔ آپ اس امر کی تلاش میں تھے کہ کوئی موقع عملی کارروائی کرنے کا ملے کیوں کہ بغیر عملی کارروائی کئے ممکن نہ تھا کہ دوسروں پر اس کا اثر پڑتا۔ چوں کہ روح القدس بعد پیدایش سے آپ کے ہمقرین رہتی چلی آئی تھی وہ بار بار آپ کو امید دلاتی تھی کہ یہ موقع ہوگا چوں کہ اتفاق سے زید نے زینب کو طلاق دی اور اس وقت آپ کو اپنے قدیم خیال میں کامیاب ہونے کا موقع ملا اور آپ نے فوراً نکاح کر کے بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیبی جب اسے طلاق ملجائے نکاح میں آسکتی ہے۔ اب یہ اعتراض کہ نکاح کیوقت کوئی وکیل نہ تھا محض لچر اور پوچ ہے بلکہ اس وکیل نہ ہونے میں بھی بہت بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے۔ آپ نے اپنی اُمت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اگر کہیں ایسا اتفاق ہو کہ گواہ یا وکیل میسر نہ آسکتے ہوں تو ایجاب و قبول کافی ہے اور خداوند تعالیٰ کی گواہی بس ہے

عجیب و غریب نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ بنی مصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے جب بلا وجہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کی اور تاخت و تاراج شروع کی تو ناچار رسول کریم نے بھی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خوب لڑائی ہوئی اخیر بنی مصطلق مغلوب ہوئے اور قانون جنگ کے موافق عورت و مرد سب گرفتار کر لئے گئے اور آن کی باہم مسلمانوں میں تقسیم ہو گئی اور بہت سے سرکش ایسے بھی تھے جنہیں سزائے موت دی جاتی۔ آپ چاہتے تھے جس طرح ہو باہمی اتحاد قایم ہو اور غیر قومیں شیر و شکر ہو جائیں آپ اسی فکر میں تھے کہ حضرت جویریہ بنت حارث آئیں اور اپنی شکستہ حالی عرض کی اور بیان کیا کہ میرا خاوند اس جنگ میں مارا گیا میں حارث قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں حضور سے فریاد کرتی ہوں کہ مجھے حارث کے پاس سے علیحدہ کر کے اپنی سرپرستی میں لیا جائے اور میری رہائی کے عوض ثابت کو میرے خرمے کے چند درخت جو مدینہ میں ہیں دیدیئے جائیں آپ نے اُس کی غریبی پر رحم فرما کے اُس کے معروضہ پر توجہ فرمائی اور ثابت کو بلا کے کہا کہ یہ عورت اپنی آزادی بجائے ان خرمول کے درختوں کے بدلہ خریدتی ہے کیا تو قبول کرتا ہے اُس نے بخوشی منظور کر لیا اور جویریہ کو آزاد کر دیا۔ حضور انور نے رحم فرما کے اُس سے نکاح کر لیا اس نکاح کرنے کا قوم پر یہ اثر ہوا کہ جتنے قیدی بنی مصطلق تھے سب رہا کر دیئے گئے اور کل مال غنیمت واپس دیدیا گیا۔ اور دونوں قوموں میں انتہا درجہ اتحاد پیدا ہو گیا۔ اس نکاح میں یہ بہت بڑی حکمت تھی۔ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ نکاح کیسا مبارک نکاح ہے جس کے باعث دو دشمن قوموں میں بھائی چارہ قایم ہوا اور صدہا آدمیوں کی جان بچ جاتے۔ آپ کے نکاح کی نسبت بھی بہت سے فضول اور لایعنی اقوال بیان کئے جاتے ہیں اور بہت سی الٹی سیدھی روایتیں مشہور ہیں لیکن وہ سب بیہودہ اور غلط ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ روایت مشہور ہے کہ بنی مصطلق پر فتح پانے کے بعد آنحضرت بی بی عائشہ کے ساتھ ایک خیمہ میں بیٹھے تھے کہ سامنے سے جویریہ آئیں چونکہ یہ ایک خوبصورت بی بی تھیں حضرت عائشہ نے دیکھتے ہی کہا کہ حضرت ضرور اسے اپنے نکاح میں لائیں گے چنانچہ آنحضرت نے فوراً نکاح کی غرض ظاہر کر ہی دی۔ یہ بھی عجیب و غریب تاریخ ہے کہ جس کا سرنہ پیر کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق میں رسول کریم کے ہمراہ گئی ہوں کوئی شخص اسے ثابت نہیں کر سکتا کہ فتح کے بعد آپ رسول کریم کے ساتھ ایک خیمہ پر بیٹھی ہوں اور جویریہ کی صورت دیکھتے ہی آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ رسول کریم اس سے ضرور نکاح کریں گے یہ بہت بڑا بہتان ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر اُٹھایا گیا اس قسم کا خیال کبھی کسی بی بی کے دل میں نہیں گذر سکتا تھا ہر بی بی نکاح کی کو بخوبی سمجھتی تھی اور جانتی تھی ہر نکاح میں کتنی بڑی حکمت مضمر ہے۔ صحیح حدیث ہے جب کسی شخص نے بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو قرآن مجید نہیں پڑھتا یعنی قرآن مجید میں آخر الزمان نبی کے اخلاق موجود ہیں کسی سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے جب یہ پاکیزہ خیالات تھے اور یہ صاف باتیں تھیں پھر اُن کی نسبت رکیک باتوں کا خیال کرنا اور زبردستی کے الزام آن کے سر چیپکنا خلاف انسانیت ہے۔

اور ایک حملہ بی بی جویریہ کے معاملہ میں رسول مقبول پر کیا گیا ہے اور وہ نامہذب اور بازاری ہے کہ دیکھکر شرم آتی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آنحضرت بی بی جویریہ کے پاس آئے اور اُن سے مقاربت کرنی چاہی آپ روزہ سے تھیں نے روزہ تڑوا دیا۔ یہ عجیب نالائق حملہ ہے جس کا سر نہ پیر نہ کسی روایت میں موجود اور نہ کسی صحیح اور معتبر تاریخ میں اس کا پتہ۔

ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی۔ بغیر اجازت کسی کے گھر میں چلے آنا اور کھانے کی انتظاری میں جمے رہنا اور جانے کا نام نہ لینا یہ ایسے افعال ہیں جو دنیا کی کسی قوم میں بھی مستحسن نہیں سمجھے جاتے اگر رسول خدا نے ان قبیح امور کے ترک کرنے کی تنبیہ فرمائی تو اس میں اعتراض کے قابل کونسی بات ہوئی۔

قصہ مختصر یہ کہ زینب سے نکاح کرنے میں جو حکمتیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں (اول) یہ ثابت کر دیا کہ اسلام غلام کو ہرگز حقارت سے نہیں دیکھتا (دوم) لے پالک بیٹے کی بیبی سے طلاق اور عدت ختم ہونے کے بعد مثل معمولی عورتوں کے نکاح ہو سکتا ہے (سوم) صرف زبان سے کسی کو بیٹا کہلینا کوئی وقعت نہیں رکھتا (چہارم) بغیر قاضی اور گواہوں کے بھی نکاح ہو سکتا ہے (پنجم) اعلےٰ درجہ کی بات کرنے میں اگر قوم بھی مخالف ہو جب بھی جوانمردی سے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے (ششم) حق بات کہنے میں کسی سے خوف نہ کرنا چاہیئے (ہفتم) نکاح کرنے میں کوئی امتیاز قومی نہیں ہے۔ غرض اسطرح سے صدہا حکمت کی باتیں مضمر ہیں اور سمجھنے والا خوب سمجھ سکتا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ سخت سے سخت نا ملایم الفاظ ہرگز حق پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ کسی زبان پر قفل نہیں لگا ہوا ہے نہ مہر ہو رہی ہے ہر شخص بہت آزادی سے جو چاہے جو کچھ کہہ سکتا ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اپنی اس خداداد آزادی سے کہاں تک کام لے سکتا ہے اور اسے کس حد تک تہذیب کے دائرہ میں پابند رہنا چاہیئے۔ اور اس کا قول کس حد تک قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک ادنےٰ درجہ کے تیلی تنبولی نے ایک شہنشاہ اسلام کی شان میں جس کا کلمہ کروروں مخلوق خدا پڑھتی ہے نا ملایم الفاظ کہدیئے کیا اس سے اس کی اقدس و اطہر ذات پر کچھ الزام آسکتا ہے؟ استغفر اللہ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسی گندی باتوں سے لکھنے والے اور کہنے والے کی تہذیب اور شائستگی کا نمونہ معلوم ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ قائل انسانی اطوار ذالت کا ایک اعلےٰ ترین نمونہ ہے بلکہ عین انسانیت کے دامن پر ایسا داغ ہے کہ کبھی نہیں مٹ سکتا اور جس کی سیاہی روز بروز عیاں ہوتی جائے گی۔ زینب کے نکاح میں کوئی بھی معمولی بات نہیں ہے۔ جسے عیسائیوں نے محض اپنی کور باطنی سے ہوا بنا رکھا ہے صرف اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے لے پالک بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا۔ مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ جب طلاق ہو چکی ہو اور عدت کے دن گزر گئے ہوں پھر وہ لے پالک کی بی بی رہی کہاں۔ وہ بالکل ایک آزاد عورت ہے اور سوائے باپ بھائی چچا وغیرہ کے اس سے ہر شخص نکاح کر سکتا ہے۔ زینب کا قصہ بس اسی قدر لکھنا تھا جو ہم لکھ چکے۔ ہمارے خیال میں فہم کے لئے یہی کافی ہوگا۔ زیادہ طول دینا غیر ضروری سمجھکر ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی بیٹی تھیں۔ آپ کے پہلے خاوند کا نام ذوالشفرین تھا۔ یہ شخص غزوۂ بنی المصطلق میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مارا گیا تھا۔ آپ نے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلمان ہوگئیں آپ بڑی عبادت گزار اور خاموش بی بی تھیں ہمیشہ روزے رکھتیں اور نماز و قرآن پڑھتی رہتی تھیں آپ کا نکاح بہت بڑی سیاسی بنا پر مبنی تھا اور اس نکاح کا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی بیوہ تھیں۔ آپ کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم تھا مگر اس نے طلاق دیدی تھی پھر کنانہ بن ربیع سے نکاح ہوا۔ یہ شخص غزوہ خیبر میں مارا گیا۔ جب قانون جنگ کے مطابق سب لوگ گرفتار ہوئے تو آپ نے صفیہ کو دیکھکر فرمایا تو آزاد کیگئی خواہ یہاں رہ یا اپنے رشتہ داروں میں چلی جا انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہوگئی تو پھر یہودیوں میں جا کے کیا کرونگی وہاں میری گزر کیوں کر ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ میرے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب اختلاف مذہب ہے تو مجھے اُن سے سخت نفرت ہے میں تو حضور کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ نے اُسے زوجیت میں قبول کر لیا اور مدینہ لے آئے۔ ان بی بی کی نسبت بھی بہت سی جھوٹی روایتیں بنائی گئی ہیں جن کا سر نہ پیر۔ وہ روایتیں ہرگز قابل توجہ نہیں ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ ایک یہ الزام ہے کہ نکاح کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ تجھے محمد پسند آئے تو اُس نے کہا میں نے اُنہیں بہت خوب پایا۔ پھر پہلی منزل میں بی بی صفیہ کا انکار پھر دوسری منزل میں ام سلیمہ والدہ حضرت انس کو بھیجنا کہ تو جا کے صفیہ کو سنگھار کرا اور پھر اُس کا صفیہ کو سمجھانا کہ دیکھیو تو انکار نہ کیجو پھر وقت مقاربت ابوایوب انصاری کا پہرہ پر برہنہ شمشیر لئے کھڑا ہونا پھر بعد فراغت آنحضرت کا دریافت فرمانا کہ تو یہاں کیوں کھڑا تھا اُن کا جواب دینا کہ یہ عورت یہودن تھی اور اس کے باپ بھائی جنگ میں مقتول ہوئے تھے مبادا یہ دست درازی کر بیٹھے تو میں فوراً مدد کو پہنچ سکوں پھر آنحضرت کا اسے دعا دینا کہ جس طرح تو نے نبی کی حفاظت کی ہے اسیطرح خدا بھی تیری حفاظت کرے گا۔ پھر صفیہ کا مدینہ آنا اور تمام مدینہ میں غل مچنا اور حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کا بھیس بدل بدل کے صفیہ کو دیکھنے آنا اور آنحضرت کا گھونگٹ میں حضرت بی بی عائشہ کو پہچان لینا پھر بی بی صفیہ کا شکایت کرنا کہ مجھے عائشہ اور حفصہ ستاتی ہیں اور یہ طعنہ دیتی ہیں کہ تو یہودن ہے تیری حقیقت ہی کیا ہے پھر آنحضرت کا بی بی صفیہ کو یہ جواب بتانا کہ جس وقت وہ تجھے یہودن کہا کریں تو یہ کہدیا کر کہ ہارون میرا باپ موسے میرا چچا اور محمد میرا خاوند ہے پھر آنحضرت کا بی بی عائشہ کو سمجھانا کہ تم اُسے تکلیف نہ دیا کرو وغیرہ وغیرہ یہ بے بنیاد روایتیں اور نالایق الزام ہیں جو حضور انور اور آپ کی ازواج پر لگائے گئے ہیں اگر ہم فرض کریں کہ کسی اسلامی تواریخ میں بھی اس کا کھوج لگتا ہے پھر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ کسی مورخ کا لکھنا یا کسی مفسر کا اپنی تفسیر میں درج کرنا یا کسی راوی کا روایت کرنا ایک خفیف سا الزام بھی رسول مقبول اور ازواج پاک پر نہیں قایم کرسکتا۔ یہ سب چڑے چڑیا کی مہمل کہانیاں ہیں اور صدق سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے اگر خود ان واقعات کو ٹٹولا جائے گا تو ان میں شمہ برابر بھی صدق کا پتہ نہ لگے گا۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ جب پہلی منزل میں رسول کریم بی بی صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ یہودیوں کا خوف تھا کہیں آ نہ پڑیں اور رسول اللہ کو صدمہ پہنچائیں یہ بھید دوسری منزل میں کھولا گیا۔ یہودیوں کا تو اس وقت حملہ آور ہونا تھا کہ جب بی بی صفیہ اونٹ پر بیٹھ کے آنحضرت کے ساتھ خیبر سے چلی آئی تھیں جب ساتھ آنے پر کسی نے نہیں روکا تو دوسری منزل پر مقاربت کرنے میں کون مانع آسکتا تھا۔ پھر یہ روایت کہ دوسری منزل میں حضرت انس کی والدہ کو صفیہ کے بناؤ سنگھار کا حکم ہوا تھا کیسی بیہودہ بات ہے بناؤ سنگھار کی اگر ضرورت تھی تو پہلی دفعہ ہونی چاہیے تھی نہ کہ دوسری بار آنحضرت کو اس کا خیال آیا۔ پھر ابوایوب انصاری کا پہرہ دینا بھی عجیب مہمل حکایت ہے جس کا

ساری باتیں جو مخالفوں نے ایجاد کی ہیں اُن کا کہیں بھی پتہ نہیں لگتا۔ سوائے اس کے کہ ان باتوں کو معترضین کے خیالات کا ایک پرتو کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی بیوہ تہیں جب حضور انور سے نکاح ہوا ہے آپ کے پہلے خاوند کا نام عبداللہ بن جحش تہا۔ آپ کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تہی۔ آغاز اسلام میں اُم حبیبہ معہ اپنے شوہر کے مسلمان ہوگئی تہیں۔ جب مکیوں کے جور وظلم سے سلمانو نے حبشہ ہجرت کی ہے تو یہ بھی ان مہاجرین میں تہیں۔ نہایت باخدا بی بی تہیں۔ اور اسلام کے سچے نقوش اُن کے دل پر ہوگئے تھے۔ ایک تو آفت رسیدہ ہوکے حبشہ گئی تہیں دوسری آفت ان پر یہ آئی کہ پردیس میں پہنچکر ان کا شوہر عبداللہ بن جحش متزلزل ہوگیا اور اُس نے مذہب اسلام سے نفرت ظاہر کی۔ اگرچہ بی بی اُم حبیبہ کو اپنے خاوند سے بہت ہی محبت تھی اور سوائے شوہر کے پردیس میں اُن کا کوئی سرپرست بھی نہ تھا پھر بھی اُنہوں نے بڑی دلیری سے روکا اور کہا کیا غضب کرتا ہے نصرانی نہ ہو اور ایسے حق دین سے پہاد تہی نہ کر مگر وقت یہ تہی کہ اسلام نے شراب خواری وغیرہ کو ناجائز قرار دیدیا تہا اور حرام حلال میں امتیاز پیدا کردیا تہا اور ایسی پاک زندگی میں رہنا خاص ایسے شخص کے لئے محال تہا جسکے خون میں بدکاری اور افعال قبیحہ کا زہر ملا ہوا ہو وہ مسلمان رہ کے کبھی ایسے شنیع افعال نہیں کرسکتا تہا بی بی اُم حبیبہ کے کہنے کی اُس نے مطلق پرواہ نہ کی اور اپنے سابق نصرانیت کیطرف بالآخر رجوع کی۔ پھر اُس نے اُم حبیبہ کو سمجہایا کہ اس پردیس میں اور کوئی تیرا سرپرست نہیں ہے تو بھی نصرانی ہوجا۔ یہ صحیح تہا کہ بی بی اُم حبیبہ پر مصیبت کا پہاڑ آپڑا تہا اور جہان آپ کی آنکھوں میں تاریک ہوگیا تہا اور اب آپ ایک اجنبی زمین میں بالکل بے یار و مددگار تہیں پھر بھی آپ نے بڑی دلیری سے اپنی ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور صاف کہدیا کہ اگر تو نہیں مانتا اور نصرانی ہوتا ہے تو میں تیری زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔ عبداللہ بن جحش نے نہ مانا اور آخر نصرانی ہوگیا۔ نصرانی ہوتے ہی تمام معاصی جن سے وہ تائب ہوگیا تہا پھر اُس میں عود کرآئے اور وہ خرابات میں پڑگیا اس کی موت سخت ذلت سے ہوئی شراب میں سرمست ہوکے آخر سخت رسوائی کے ساتھ اُس کی جان نکل گئی۔

خیال ہوسکتا ہے کہ حضرت اُم حبیبہ کی اُس وقت کیا کیفیت ہوگی۔ مکہ معظمہ میں آن پر کم مظالم نہیں ہوئے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہیں جلا وطن ہونا پڑا تہا پھر حبشہ میں وہ اپنے بدکار شوہر کی شومی طالع سے بے پناہ رہگئیں پھر بھی اسلام کی دلدادہ بی بی بہت مضبوطی سے اسلام پر قایم رہی اور اس کے ایمان و یقین میں کسی قسم کا بھی تزلزل نہیں آیا مٹ جانا اور برباد ہوکے مرجانا بہتر سمجہا لیکن دین خدا سے منہ نہ پہیرا۔ آپ نے اپنے بدنصیب شوہر سے علیحدہ ہونے کے بعد کچھ روز سخت مصیبت میں گذارے پہر آپ قافلہ کے ساتھ مدینہ منورہ آئیں اور اپنی تمام دردناک کہانی رسول مقبول کی خدمت میں عرض کی اور کہا کہ میں بالکل بے پناہ ہوں اور صرف دین اسلام کے لئے مجھپر یہ آفتیں ٹوٹی ہیں۔ آپ میری ڈہارس بندہئیے اور میری سرپرستی کیجئے۔ یہ حال سنکے آپ آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور فوراً اُم حبیبہ کو اپنی زوجیت میں قبول کیا اسوقت بی بی رضی اللہ عنہا کی ۳۰ برس کی عمر تہی آپ کی وفات ۴۴ھ ہجری میں ہوئی ۷۰ یا ۶۵ حدیثیں بھی آپ کی روایت سے منقول ہیں۔

کسی بی بی سے یہ باتیں کی تھیں تین صدی کے بعد قیاس تک نہیں معلوم ہوسکتیں۔ یہ سادی گھڑت ہے جسے واقعات سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت کی لونڈیاں یا حرمین

بعض ضعیف روایتوں میں آنحضرت کی حرموں کا بھی بیان ہے مگر سب غلط اور مہمل ایک روایت بھی کوئی صحیح نہیں ثابت کرسکتا۔ نام گنانے کو تو ہزار کے نام گنا دیئے جائیں مگر صدق سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض مستند کتب احادیث میں بھی دو ایک حرموں کا تذکرہ ہے مگر اتفاق نہیں ہے اور اس قسم کی کوئی روایت متفق علیہ آجتک نہیں ثابت ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی ران پر برص کا داغ تھا آپ نے اُس سے علیحدگی اختیار کی اگرچہ اصول طب اور تمدن سے اس روایت کو مغائرت تو نہیں ہے مگر ایسی باتیں رسول کریم کے زمانہ میں مشہور نہیں ہوسکتی تھیں یہ تو صدیوں کے بعد تراشی گئی ہیں اور ہر روایت چوں کہ عربی جامہ میں ہے اس لئے اُس کے پڑھنے والیکو دھوکا ہوتا ہے۔ ہمارے پاس کوئی معیار ایسی نہیں ہے جس سے جھوٹی سچی روایت پرکھی جائے اور معیار اسمار الرجال کی پیش کی جاتی ہے وہ بہت ہی ناممکل ہے بہرحال ہم درایت سے جانچتے ہیں اور جب تک کوئی روایت درایت کی معیار پر کھری نہ اُترے گی ہمیں تو اُس کے ماننے میں تامل ہی ہوگا۔ مثلاً بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت ضحاک آپ کی حرم تھیں انہیں خرچ کی تنگی ہوئی تو انہوں نے طلاق مانگی آپ نے طلاق دیدی اور پھر بیچاری فاطمہ فاقہ کشی کرکر کے مرگئی۔ پھر اسمائے بنت صلت کا بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت نے اُس سے ہم بستر ہونے کی درخواست کی تو وہ شادی مرگ ہوگئی۔ پھر قبیلہ بنی سلیم کی ایک عورت کا بیان ہے کہ اُسکے باپ نے آنحضرت کے آگے اپنی بیٹی کے حسن وجمال کی تعریف کی آپ نکاح کرنے پر راضی ہوگئے مگر جب اُس نے منجملہ اور صفتوں کے ایک یہ بھی صفت بیان کی کہ وہ کبھی مریض نہیں ہوتی تو آپ متنفر ہوگئے اور فرمایا ایسی عورت بہت ہی منحوس ہوتی ہے پھر ملیکہ بنت کعب ہے جس کی ران پر برص کا دھبہ بیان کیا گیا اور جو دیکھتے ہی رسول کریم اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اسمار بنت نعمان ہے جس کا ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کا مہر تجویز کیا گیا تھا جب آنحضرت نے ابوسعید ساعدی سے اُس عورت کو بلوایا تو حضرت بی بی عائشہ اور بی حفصہ نے اُسے یہ سکھا دیا کہ جس وقت رسول اللہ تیرے پاس سونے لگیں تو اُس وقت یہ پڑھ دیجیو اعوذ باللہ منک یعنی تجھ سے خدا کی پناہ جب ایسا موقع ہوا اس نے یہ کہدیا آپ یہ سنتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا تو نے بڑی ذات کی پناہ ڈھونڈی ہے۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کی یہ چالاکی تھی غرض پھر دوبارہ آسے بلایا اور اسے اپنے پاس رکھا۔ پھر لیلیٰ بنت غطیم کا بیان ہے کہ اُس نے آپ کی پیٹھ پر دو تھپڑ مارا اور اُس وقت آپ دھوپ کی طرف سے پیٹھ کئے بیٹھے تھے یہ دھپڑ گویا محض دل لگی کے طور پر تھا پھر اُس نے کہا کہ میں اپنا نفس آپ کو سونپتی ہوں آپ راضی ہوگئے وہ یہ قول وقرار کرکے جب گھر واپس آئی اور اپنے رشتہ داروں سے بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا آپ کے پاس بہت سی عورتیں ہیں تو اُس سے ہرگز نکاح نہ کیجیو تجھے اور عورتیں دیکھ کے رشک ہوگا وہ تیرے حق میں بددعا کرے گا تو برباد ہوجائے گی جا اور اپنا عہد توڑ ڈال۔ چنانچہ وہ دوبارہ حاضر ہوئی اور اپنا عہد توڑ کے چلتی

سرنہ پھیر۔ رسول خدا ایسے کمزور بچہ تھے کہ ایک نہتی عورت آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکتی اور اسی لئے ابو ایوب کو خوف ہوا تھا۔ پھر ازواج پاک کا دیکھنے کو بھیس بدل کے آنا کیسا لغو استدلال ہے جبکہ وہ آزادی سے بھی آسکتی تھیں۔ اور دیکھنے آنا کیا معنی وہ سب ایک مختصر جگہ علیحدہ علیحدہ حجروں میں ملے رہتی تھیں کوئی بڑا محل تو تھا نہیں کہ انہیں ایک دوسرے کے پاس وقت سے آنا پڑے۔

شرم نہیں آتی کہ ایسی بے معنی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن کا سفسطہ بدیہی ہے۔ ہم ایسے مفسروں یا مورخوں یا راویوں کو کیا کہیں جو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آیا رسول مقبول کے زمانہ میں ایسے واقعات ہو بھی سکتے ہیں اور اگر فرض کرو ہوئے تو تین صدی کے بعد ایک ایک منٹ کا حال اور بلفظہ گفتگو کی کیفیت انہیں کون کہنے آیا الہام اور وحی کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زن و شوئی کے رازدارانہ تعلقات اور باہم گفت و شنید کا انہیں پورے تین صدی کے بعد پتہ لگ گیا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نکتہ چینیوں نے ان روایتوں کو اگر وہ اسلامی کتب ہی میں سہی کس دلیل اور حجت سے صحیح تسلیم کرکے اسلام اور بانیئے اسلام پر اپنے جلے پھپولے پھوڑے۔ ہم نے اس قسم کی باتیں چھٹ بیٹے عیسائیوں کی کتابوں میں دیکھی ہیں مگر جو یورپ کے اعلےٰ درجہ کے محقق ہیں وہ کبھی ان چڑتے چڑیا کی کہانیوں پر خیال ہی نہیں کرتے اور نہ ایسی باتیں اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ حراث کی صاحبزادی تھیں آپ کا نکاح پہلے ابن عمر سے ہوا تھا مگر اس نے طلاق دیدی پھر آپ کی شادی بورہم سے ہوئی اس کے بعد ۷ھ ہجری میں آنحضرت سے نکاح ہوا معترضین کا یہ اعتراض کہ نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ بمقام سرف پر بی بی میمونہ نے اپنا نفس آنحضرت کو ہبا کر دیا تھا۔ ہبا کرنے یا نکاح کرنے میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ نکاح میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہبا میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حالانکہ نکاح میں بھی عورت اپنا نفس دو گواہوں کے آگے ایک شخص کو ہبا کرتی ہے۔ یہ کوئی بڑے اعتراض کی بات نہیں ہے جس پر دریدہ دہنوں نے بہت کچھ ہرزہ گوئی سے کام لیا ہے۔ اور پھر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بی بی میمونہ اونٹ پر جا رہی تھیں رسول اللہ نے دیکھکر فرمایا کہ اونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ میرا ہے۔ یہ روایت محض لغو اور مہمل ہے۔ اور اس کا کسی معتبر کتاب میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو اپنے قبضہ میں لائے یعنی بغیر گواہوں کی موجودگی کے کسی عورت سے دائمی تعلق پیدا کرے کیوں کہ گواہ ہر مقام پر بکثرت مل سکتے ہیں مگر نبی کے لئے یہ کوئی قید نہیں ہے۔ اگر عام طور پر ہبا کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہو جاتی تو انتظام عالم اور تمدن اسلامی میں سخت تزلزل واقع ہوتا اسلئے منع کر دیا گیا ہے کہ خاص رسول کریم کیساتھ یہ خصوصیت ہے اور کوئی مسلمان ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ رہا مجبوری کی حالت میں اور ایسی مجبوری کی حالت میں کہ وہاں گواہ ملنا ناممکن ہو تو فقہائے اس کے لئے بہت کچھ احکام بیان فرمائے ہیں جنہیں ہم تفسیر میں بالتفصیل بتائیں گے۔

اس کے بعد میمونہ کے غسل کا تذکرہ ہے اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت میمونہ کے بچے ہوئے پانی سے نہا لئے یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں جنہیں نفس مطلب سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے نہاتے وقت آنحضرت نے اپنی

چاروں خلفا کی یہی کیفیت تھی حضرت عثمان غنی نے تو اعلان جاری کر دیا تھا کہ جو حدیثیں ابوبکر صدیق او عمر فاروق نے روایت کی ہیں اگر اُن کے سوا ایک حدیث بھی کسی نے روایت کی تو سخت سزا دی جائے گی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لشکرگاہ میں سے ایک شخص کو پٹواکے نکلوا دیا تھا صرف اس جرم میں کہ وہ اپنی طرف سے بنا بنا کے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ کاش یہی انتظام رہتا تو آج کو اس قدر اختلاف نہ ہوتا اور مسلمان یوں برباد نہ ہوتے۔

صحابہ راشدین کی روایت سے جتنی حدیثیں ہیں اُن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے مگر تیسری صدی کے مسلمانوں کی روایت سے حدیثوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور یہ امر بڑا ہی عجیب ترین ہے۔ سب سے بڑا یہ بعض متاخرین مورخوں نے ستم توڑا ہے وہ وہ ناپاک باتیں بیان کر گئے ہیں جن کے بیان کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مثلاً کسی بی بی نے رسول اللہ کا پیشاب بھولے سے پی لیا اور اُس کی بیماری فوراً جاتی رہی یا کسی نے فضلہ کھا لیا اور اس کا جسم تمام امراض سے پاک ہو گیا آپ کا فضلہ زمین کھا جاتی تھی۔ ان حضرات سے دریافت کیا جائے کہ ایسی رکیک اور غیر ضروری باتوں کے بیان کرنے کا منشا کیا ہے اور کونسی دینی بات اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اور شریعت کے کون سے اصول کی تعلیم ہوتی ہے۔ خواہ مدارج النبوۃ میں لکھا ہو یا روضۃ الاحباب میں خواہ الواقدی میں لکھا ہو یا ابوالفدا میں کسی کتاب میں کیوں نہ لکھا ہو کہلائے گا غیر ضروری جن حدیثوں میں اس قسم کی لغویات نہیں ہیں وہی حدیثیں صحیح ہیں یا جو حدیثیں بشرطیکہ یہ ثابت ہو بھی سکے کہ یہ صحابہ راشدین کی ہیں تو سب سے زیادہ وہی معتبر ہیں اور ان کے علاوہ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہیں اُن میں برابر شک کی گنجایش ہو سکتی ہے۔

ہمیں خاص ازواج پاک کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے شاید ہماری یہ تحریر پسند آئے اور ایک حد تک کافی ہو ہم اس سے بھی کہیں زیادہ بحث کر سکتے تھے مگر ہم نے عمداً طول نہیں دیا ہمارے خیال میں بس اسی قدر کافی ہے۔ اگرچہ اس میں بہت کچھ لکھنے کی ابھی گنجایش باقی ہے لیکن ہماری بساط کے قابل اسیقدر بس ہے۔

بنی اور کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ پھر اُم ہانی فاختہ بنت ابی طالب ہے جو بیوہ بن کے رسول کریم کے گھر میں آئی۔ پھر خولہ بنت حکیم ہے اس سے نکاح نہیں ہوا مگر اس کے گھر میں سوئے ضرور۔ پھر ضمرہ ہے جسے اُس کے باپ سے طلب کیا تھا مگر اُس نے دینے سے انکار کر دیا اور مرض کا بہانہ کر کے اپنے انکار میں کامیاب ہوا۔ پھر اُم رافع۔ رضوی رُقیمہ۔ اُم ضمیر ماریہ۔ شیریں۔ اُم ایمن ہیں جن میں سے بعض سے مقاربت بھی کی اور بعض سے نہیں کی۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی ہے جنہوں نے اتنے نام عورتوں کے ایجاد کر لئے۔ ان ہی روایتوں میں بہت سی باتیں ایسی بھی مضحکہ خیز ہیں کہ ایک ناسمجھ بھی تسلیم کرنے سے سر ہلا دے گا۔ بھلا صرف اس خوشی میں کہ رسول خدا اُس سے مقاربت کرنا چاہتے ہیں اُس کی جان نکل گئی کتنی لغو اور مہمل بات ہے یا ایک عورت کا پیٹھ پر ہتھ مارنا اور دل لگی کرنا اور نکاح کا وعدہ کر کے پھر اپنا وعدہ واپس پھیر لینا کتنا مہمل ایجاد ہے۔ ایسی روایتیں اگر غلطی سے کسی مسلمان مورخ نے درج کر دیں تو یہ کسی طرح بھی لازم نہیں ہے کہ ہم اس پر تکیہ کر کے ہو بیٹھیں بلکہ ہر روایت کو رسول کریم کے رعب جلال۔ اخلاق اور ادب کے مقابلہ میں کھینچنی چاہئے اور پھر دیکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات سے اس یا اس جیسی اور روایتوں کا تطابق ہوتا ہے یا نہیں۔ جس آخر الزماں نبی کے حضور میں کوئی ہوں تک نہ کر سکتا ہو جس سے ۲۳ برس میں سوائے تیرہ مسائل کے اور سوال نہ کیا ہو اُس کے سامنے کس کا زہرہ تھا کہ وہ باتیں دریافت کرتا جو گھر اور بی بیوں سے تعلق رکھتی نہیں۔ وضو نماز اور حج کے مسائل تو کسی نے پوچھے نہیں جیسا کرتا دیکھتے تھے ویسا ہی کرنے لگتے تھے۔ کیا مجال تھی جو کوئی ایک لفظ بھی زبان پر لاتا۔ بی بی کے ساتھ ننگے ہوئے پانی میں نہانا اور پھر اُس کا ذکر باہر صحابہ میں کر دینا اور پھر ان میں سے بعض صحابہ کا بطور وصیت کے خاص ان ہی باتوں کو اپنی اولاد سے کہہ جانا اور اُن کا اپنی اولاد سے وصیت کر جانا اس طرح جب نسلاً بعد نسلاً چلی آئیں پھر تو کہیں تیسری صدی کے آغاز میں اُنکا انضباط ہوا اگر یہ بات نہ ہوتی تو کاہے کو وہ کتابوں میں درج ہوتیں اور لوگوں کے کانوں میں پڑتیں۔

بڑے تماشہ کی بات یہ ہے کہ صحابہ راشدین میں سے ایک نے بھی یہ روایتیں بیان نہیں کیں فرض کرو اگر اس قسم کے زن و شو کے تعلقات کا بیان کرنا کچھ ضروری ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ راشدین ان روایتوں کو بیان فرماتے۔ حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا مگر وا رے تیسری صدی ہجری تجھ میں ایسے ایسے راوی پیدا ہو گئے کہ کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور وہ وہ باتیں نئے نئے رنگ میں بیان کیں گویا کوئی لمحہ رسول کریم سے علیحدہ ہی نہ ہوئے تھے۔ حدیثوں کی مستند کتابوں اور معتبر تواریخوں سے اس کا پتہ لگتا ہے کہ چار خلفا کے وقت میں تو ایسی روایتوں کا نام نشان بھی نہ تھا کیسے کان میں ایسی بھنک بھی نہ پڑی تھی پہلی صدی میں ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا ذکر نہیں آیا دوسری صدی بھی خاموش گزر گئی مگر تیسری صدی اپنے ساتھ حدیثوں کا انبار لائی اور اُس نے آتے ہی حدیثوں کے صدہا دفتر مرتب کر دیئے سنی شیعہ دونوں کی روایتوں اور حدیثوں کا اسی صدی میں نزول ہوا۔ اور اس قسم کے قصے کہانیوں نے اسی زمانہ میں آ کے جنم لیا۔ حضرت فاروق اعظم نہایت دور اندیش خلیفہ تھے جنہوں نے اپنی خلافت میں سختی کے ساتھ حدیثوں کی روایت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ فی الحقیقت یہ بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اگر مسلمانوں میں باہمی فساد اور خونریزی نہ ہوتی تو پھر گر حدیثوں کی اشاعت اس کثرت سے کبھی نہ ہوتی خواہ تمدن کا دائرہ کیسا ہی وسیع ہوتا اور فتوحات کتنی ہی ترقی پذیر ہوتیں

نظر کی جائے اور پھر اس عام نظر کا ایک نتیجہ نکال کے بتایا جائے کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسے کیا سمجھ رکھا ہے۔ اگر ہم سے یہ کام بن آیا تو اُمید پڑتی ہے کہ شاید ہمارے ناظر تفسیر کی ایک حد تک تسلی ہو اور وہ سمجھ جائے کہ نفس اسلام کیا چیز ہے اور اُسے کیا سمجھ رکھا ہے۔

صحابہ راشدین کے زمانہ میں تو عجیب و غریب اسلام تھا۔ سادے مسائل سادے فرائض نہ اُن میں علل کو دخل نہ چون و چرا کا ذکر نہ منطق کی پیچیدگی اور نہ استنباط مسائل کا مشغلہ۔ کچھ بھی نہ تھا۔ صرف نماز پڑھ لینا اور رمضان المبارک میں روزے رکھ لینا اور سال بھر میں ایک بار بشرط استطاعت حج کر آنا اور صاحب ثروت ہونے پر زکوٰۃ دے دینا خدا کو ایک جاننا اور محمد عربی کو برحق نبی ماننا اور بس۔ نہ فقہ کی تراش خراش ایجاد ہوئی تھی اور فرائض کی تنقیح کی گئی تھی نہ واجب وغیر واجب کے الفاظ سنے گئے تھے کچھ بھی نہ تھا۔ خلفا کا اسلام ان غیر ضروری اور دور از کار باتوں سے بالکل صاف تھا۔ باہم نہ اس بات میں جھگڑا ہوتا تھا کہ آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ کھول لینا چاہیئے یا مطلع پر جب تک سیاہی نہ آئے روزہ افطار نہ کیا جائے نہ یہ بات تھی کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے تو نماز ہی ناجائز ہو گئی اور اگر پڑھ لی تو اسلام کے دائرہ سے نکل گئے۔ نہ وضو کے فرائض اور سوالات بیان کئے جاتے تھے اور نہ رفع یدین وغیرہ کے مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف یہ کہ جس طرح مسلمانوں نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اسی طرح فرائض نماز ادا کرتے تھے نہ کوئی ایسے بیہودہ سوالات کرتا تھا جو آج ہوتے ہیں اور نہ ان صاف اور سادے مسائل میں کوئی مین میگ نکلتی تھی سب کو ایک ساتھ ہی اشاعت اسلام کا خیال تھا اور باہمی خانہ جنگیوں میں بھی اُنہیں اشاعت اسلام کا خیال نہیں بھولا تھا۔ کوئی تاریخ اور کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث اس کی شہادت نہیں دیتی کہ جن مسائل کو آجکل عین اسلام سمجھ لیا ہے اُن کا کبھی بھی صحابہ کے وقت میں تذکرہ آیا اور باہم رد و قدح ہوئی۔ کاش وہی اسلام رہتا جو صحابہ کا تھا تو آج تمام عالم میں دوسرے مذہب کا ایک شخص بھی نہ دکھائی دیتا۔

نماز جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود سے ابتک معاشرت اسلامی کا ایک جزو اعظم ہے اور جو کبھی مسلمانوں سے علیحدہ نہیں ہوئی ہے اس میں فقہا کی مین میگ نے وہ خلل اندازی کی ہے کہ اس وقت کوئی فرد بشر ثابت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ نے اس طرح نماز پڑھی تھی۔ شیعہ سنیوں میں ہی نماز کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ خود سنیوں میں مالکی حنبلی شافعی اور حنفی بالکل علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں اور طریقہ نماز میں ان چاروں فریق کے بہت ہی اختلاف ہے۔ کیا اسلام کے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ اس کے سب سے بڑے اصول میں یہ اختلاف ہو۔ ان مختلف روایتوں کے غور کرنے کے بعد بھی یہ نہیں کھلتا کہ نبی کریم اور صحابہ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجتہدین نے اس اختلاف پر اگرچہ بے انتہا رد و قدح کی ہے مگر ایک دوسرے کے طریقہ نماز پر کوئی فتویٰ کفر نہیں دیا ہے۔ موجودہ علما نے خدا اُنہیں ہدایت کرے ان اختلافات سے فائدہ اُٹھا کے غضب ہی برپا کیا ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کے طریقہ نماز کو ناجائز ہی نہیں سمجھتا بلکہ خارج از اسلام سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنی دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ آمین بالجہر کا مسئلہ جسے خود فقہا نے بھی زیادہ وقعت سے نہیں دیکھا آجکل کے اصول اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی شخص ایسے

پندرھواں باب

اسلام

موجودہ زمانہ میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے اسلام کے اصلی مفہوم کو بہت ہی صدمہ پہنچا ہے۔ اور اب علما کی باہمی خلفشار سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا مذہب تھا صحابہ کا کیا طریقہ تھا اہل حدیث اور مجتہدوں کے اسلام کی نسبت کیا عقائد تھے اور بالآخر کیا سمجھیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ یہ نہایت پریشان سوال ہیں جو بالخصوص ہندی مسلمانوں میں گروش کھا رہے ہیں اور جن کا اطمینان بخش جواب کسی طرف سے بھی نہیں ملتا۔ ایک عجیب آبادھاپی ہے جو مذہب میں مچا رکھی ہے اور ایک تکلیف دہ پریشانی ہے جس نے کل مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس تمام فساد کے بانی ہمارے وہ علما ہیں جو دین کے پردہ میں ذاتی اغراض نکالنا چاہتے ہیں اور فی الحقیقت انہیں اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ایسے شخص سے کیا اُمید ہوسکتی ہے جو دین کا لباس پہنکر دنیا طلبی کرے۔ ممکن نہیں کہ اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی حق نکلے عوام مسلمانوں میں چونکہ عام جہالت پھیلی ہوئی ہے وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ خود غرض اور غیر خود غرض عالم کون ہے وہ آنکھیں بند کرکے کسی نہ کسی کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور اخیر میں نہ صرف اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی بلکہ دین و ایمان کی پونجی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

اسلام جس کے سادہ اور آسان اصول کو ایک وحشی بدوی سے لیکے بڑے بڑے حکما نے تسلیم کیا اور جس کی مقبولیت عام ہوگئی آج اس تیرھویں صدی میں اُسے ایسا مشکل اور پیچیدہ کر دیا ہے کہ دور سے دیکھ کے خوف معلوم ہوتا ہے۔ اسلام جو چند روز میں تمام ادیان عالم پر غالب آگیا آج خود مسلمان ہی اُسے مغلوب کر رہے ہیں اور اُس کے سچے شیدائی اُس کی اصلی صورت کو ترس گئے ہیں۔ اس خرابی اور پریشانی میں بھی دین خدا اپنا معجزہ دکھا رہا ہے اور اس کی ترقی کی رو تیزی کے ساتھ دوڑ رہی ہے مگر ایک عام پریشانی جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے اس کا کچھ بھی تدارک نہیں ہوتا۔ وہ اسلام کہاں ہے جو رسول کریم کے وقت میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو صحابہ راشدین کے زمانہ میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو محدثوں اور مجتہدوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ڈھونڈتے ہیں پر نہیں پاتے جستجو کرتے ہیں پر اُس کا کھوج نہیں ملتا۔ قرآن بھی وہی قرآن ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تلقین کیا صحابہ نے پڑھا اور علما نے اُس کی تفسیر کی اور مسائل کا استنباط کیا۔ حدیثیں بھی وہی حدیثیں ہیں جو صدیوں پہلے مسلمانوں میں رائج تھیں تفسیریں بھی وہی تفسیریں ہیں جو صدہا سال پہلے پڑھی جاتی تھیں اور فقہ بھی وہی فقہ ہے جس کا رواج صدیوں سے چلا آتا ہے مگر یہ اختلاف یہ دشمنی اور نفسانفسی جو آجکل ہے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ کوئی راز ہے جو ابھی تک نہیں کھلا ہے اور کوئی پوشیدہ بات ہے جو عام مسلمانوں کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے۔

موجودہ زمانہ کے علما (الا ماشاء اللہ) فی الحقیقت اسلام اور اس کے آسان اصول کو سمجھے ہی نہیں وہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے وہ آثار کا عالم حاصل کرتے ہیں مگر سوائے زبانی جمع خرچ کے اُن پر کاربند نہیں ہوتے جب رہنما ہی غلط رستہ بتائیں تو بیچارے مقتدی کہاں کے رہے۔ دل چاہتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے اس وقت تک کل اصول اسلام پر ایک

ڈھیلا ہو جائے تو کائنات کا انتظام آناً فاناً میں درہم برہم ہو جائے اور پھر ڈھونڈے سے بھی پتہ نہ لگے کہ فلاں کرہ کہاں تھا۔ تمام کائنات کے انتظام میں یہی سلسلہ موجود ہے اور اس سے کوئی جزء لایتجزیٰ بھی علیحدہ نہیں ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اگرچہ آپ انتہا درجہ کے رقیق القلب اور نرم مزاج تھے مگر حکومت کی باگیں حضرت عمر جیسے مدبر سلطنت اور شجاع کے ہاتھوں میں تھیں اس لئے خلافت کا انتظام عمدگی سے ہوتا چلا گیا پھر عمر خلیفہ ہوئے اور فتوحات میں نئے سرے سے جان ڈال دی بہت سے معاملات آپ کی خلافت میں ایسے ہوئے کہ اگر کچھ بھی کمزوری ہوتی تو ضرور بغاوت ہو جاتی مگر جن زبردست قوی ہاتھوں سے آپ سلطنت کی باگ پکڑے ہوئے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ انتظام میں ذرا بھی سلطنت کو جنبش کھانے دیتے۔ مگر جب آپ کی شہادت ہوگئی تو حکومت اُن لوگوں میں آئی جو کمزور تھے اور سلطنت کا بوجھ ہرگز نہ سنبھال سکتے تھے جس کا ذکر ہم بوضاحت اوپر کر آتے ہیں۔

یہاں ہمیں صرف یہ لکھنا ہے کہ صحابہ کے وقت اگرچہ ملکی لڑائیاں ہوئیں اور بے انتہا خونریزی ہوئی مگر معاملات دین میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوئی اور ارکان اسلام وہی سیدھے سادھے رہے جو حضور انور کے زمانہ محمود و مسعود میں تھے۔ کیونکہ ان ملکی لڑائیوں کو مذہب سے کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ آج تک مسلمانوں کا کوئی فریق اسے مذہبی ثابت کر سکتا ہے اگرچہ بعد ازاں انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا مگر ثابت نہیں ہو سکا کہ ایک لڑائی بھی اس وقت مذہبی لڑی گئی تھی۔ جب صحابہ کا زمانہ گزر گیا تو تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین کا ظہور ہوا انہوں نے مصلحتوں کو احکام کا علل بیان کرنا شروع کیا۔ اور یہ فی الحقیقت اس وقت تھے بھی مجبور۔ اسلام کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا اور جدید خیالات اور محسوسات کے لوگ اس میں داخل ہو رہے تھے اس وقت ضرورت ہوئی کہ شریعت کے احکام کی مصلحتیں بیان کی جائیں اور بتایا جائے کہ فلاں حکم کی علت غائی کیا ہے اور یہ کن مصلحتوں پر دیا گیا ہے نئی طبائع بغیر وجوہات اور دلیل کے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتی تھیں اور ہمیشہ نئی نئی الجھنیں کھڑی کر دیتی تھیں۔ اس لئے مجتہدین نصوص احکام کے اسباب بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ پھر علما کا دوسرا طبقہ پیدا ہوا جس نے مذہب میں فلسفہ کی چاشنی بھی دی مثلاً امام غزالی۔ علامہ خطابی۔ امام عزالدین ابن عبدالسلام وغیرہ (شکر اللہ مساعیہم) وہ وہ لطیف نکتے بیان کئے کہ مذہب میں فلسفہ کی تابانی آنے لگی شریعت نے اگرچہ دوسرا رنگ اختیار کر لیا مگر اب بھی اسلام میں وہ مشکلات پیدا نہ ہوئی تھیں جو بعد ازاں ظاہر ہوئیں اور جنہیں اب بہت ہی خطرناک بنا دیا ہے۔ حضور انور کی تعلیم تو عجیب و غریب تھی ایسی تعلیم جو دنیا نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔ آپ نے سخت ممانعت فرمائی تھی کہ حرام و حلال کے متعلق غیر ضروری ہرگز سوال نہ کئے جائیں اور جو باتیں معلوم ہو گئی ہیں انہی پر بس تکیہ کیا جائے آپ نے ارشاد کیا ہے بڑا گنہگار وہ مسلمان ہے جو ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں لیکن اس کے سوال کرتے ہی حرام کر دی گئیں۔ اور بھی کئی حدیثیں اسی مضمون کی ہیں یہ گویا تنبیہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو مذہب میں نئی نئی تراش خراش پیدا کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل دریافت کرتے رہتے ہیں مسایل کی چھان بین کرنے سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ انسان کو بہت سی باتوں کا یقین آ جاتا ہے اور بہت سی باتوں کی طرف سے شک میں پڑ جاتا ہے مذہب اسی وقت تک سہل اور صاف رہتا ہے کہ جب تک اس میں میخ میگ نہ نکالی جائے اور جب بال کی کھال نکلنے لگی تو پھر اس کی سادگی کبھی قائم نہیں رہتی۔ اسلام کی سادگی اور صفائی کی یہ کیفیت ہرگز بیان نہیں

فریق کی مسجد میں جو آمین بالجہر کو نہ مانتا ہو پکار کے آمین کہہ دے اور پھر وہاں سے سلامت آسکے۔ استغفر اللہ اُس پر حملہ کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اُس کی وہ گت بنائی جائے گی کہ پھر وہ کئی مہینے تک چارپائی سے اُٹھ بھی نہ سکے۔ یہ ہی موجودہ اسلام جو مسلمانوں کے آگے موجودہ مولوی پیش کر رہے ہیں یہ خفیف بات نہیں ہے اس سے نفس اسلام کو بہت ہی ضرر پہنچ رہا ہے اور یگانگت کا شیرازہ درہم برہم ہوا چلا جاتا ہے۔ اور بھی اسی طرح سے صدہا اختلافی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اخیر میں اُنہیں خونی رنگ دیا جاتا ہے۔ کیا کیا کچھ ان اختلافی مسائل نے غضب نہیں ڈھایا اور کیا کیا آفت مسلمانوں پر نہیں توڑی۔ سر پھٹول ہوئی۔ عدالتوں میں مقدمہ بازی ہوئی اور لنڈن تک اس مقدمہ نے طول کھینچا۔ کیا کوئی شخص بھی بتا سکتا ہے کہ خیر القرون میں بھی یہ آفت نازل ہوتی تھی اور ان غیر ضروری مسائل کو اس قدر خوفناک رنگ دیا جاتا تھا۔ اسلام اسلام نہیں رہا اور کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں ہے جو اسلام کو اسلام بنا کے دکھا دے۔

کیا ہمارے ان جھگڑوں اور لڑائیوں سے رسول کریم کی پاک روح خوش ہوتی ہوگی۔ اُمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تو اتحاد کی بنیاد ڈالی اور ہم نے اسے کس بے دردی سے اُکھیڑ کے پھینک دیا۔ وائے برما۔ ہم قیامت کے روز اپنے آخر الزمان نبی کو کیا جواب دیں گے اور ہمارا وہاں کیا حال ہوگا۔ ہمارے جہالت سے دنیا کے نفس پرستوں نے فائدہ اُٹھا کے بہت کچھ مسلمانوں کو لوٹا ہے اور اُن کے روشن دین پر خود غرضی کی ایسی تاریکی پیدا کی ہے کہ اب تو اس کے نورانی پرتو کے دیکھنے کے لئے بھی آنکھیں ترس گئی ہیں۔ یہ خود غرض اور جاہل گروہ جو عام لوگوں کا پیشوا بن بیٹھا ہے بڑا ہی غضب ڈھا رہا ہے۔ اس کے مظالم کی انتہا ہو چکی ہے اور اس کی ہاتھا پائی حد سے بھی گزر گئی ہے۔ اسلئے ہم نے ضروری خیال کیا کہ اسلام پر بحث کر کے اس کی اصلیت کو بتا دیں شاید عام مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو اور اُن کی مذہبی حالت کی اصلاح ہو۔ جب تک مذہب درست نہیں ہوگا دنیاوی حالت کبھی اصلاح پذیر نہیں ہوسکتی۔ خیالات پریشان۔ عقل ڈانواڈول۔ دماغ خراب۔ دل پراگندہ پھر کیوں کر اُمید ہو سکتی ہے کہ ہماری حالت درست ہوگی اور ہم کچھ ترقی کر سکیں گے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو بلحاظ دین کے ایک عجیب و غریب زمانہ تھا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے ایسی خوشگوار آوازیں سنیں۔ جب دین کی تکمیل ہو چکی آپ کو وصال باری ہو گیا۔ اب صحابہ کا زمانہ شروع ہوا۔ اگرچہ اس زمانہ میں خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں لیکن دین کے لحاظ سے اُن میں کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ جہانداری کے متعلق یہ لڑائیاں تھیں جو فطرتاً ہمیشہ ہوتی آئی ہیں اور اس سے کوئی قوم خالی نہیں رہی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم ان ملکی لڑائیوں کو جن میں ذرا بھی مذہب کی آمیزش نہ تھی مذہبی رنگ دیدیں ورنہ غور سے دیکھنے اور توجہ سے سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ مذہب کی جھلک بھی ان لڑائیوں میں نہ تھی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیشہ قوت امن کی ضامن ہوتی ہے اگر کوئی حکمران ضعیف ہے ہرگز اس کی سلطنت میں امن قایم نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی غیر بادشاہ حملہ نہ کرے گا تو گھر ہی میں فساد پھیل جائے گا اور جب تک پوری قوت سے حکمرانی نہ کی جائے گی امن ہونا محال ہے۔ زمانہ کی یہی عادت ہے ابتدا سے ہے اور اخیر تک رہے گی۔ یہی فطرت ایک ذرہ سے لے کے کائنات کے بڑے سے بڑے کرہ میں ہے۔ مثلاً کرہ ہوا کا ایک دوسرے کے مقابل میں قائم رہنا صرف اسلئے ہے کہ کشش کی مضبوط زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں اور اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھا سکتے اگر آج ایک منٹ بھی اس فطری زنجیر کا

اور اُن کی خدمات جو انھوں نے اسلام کی کیں خدا نے مقبول فرمائیں جن کی مقبولیت کا ظہور دنیا میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اُن کی وفات کو صدیاں گزر گئیں لیکن لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان اُن کے نام پر جان دیتے ہیں اور اُنکا مذہب ہے کہ اسلام کا جو کچھ ظہور دنیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اُن کی ہی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسرار دین کی تدوین بے فائدہ ہے اگرچہ نتیجہ نکالنے والے نے اُس سے غلط نتیجہ کیوں نہ نکالا ہو۔ حضور انور جب خود موجود تھے تو کلام باری کا معجزہ آپ کے پاس ایسا موجود تھا جس کے آگے کل معجزے گرد ہوئے تھے مگر جب حضور پرنور کا وصال ہو گیا اور زمانہ گزرنے لگا اور معجزہ نما وجہیں لوگوں پر مخفی ہونے لگیں تو علمائے اُمت نے بڑی عرقریزی کے بعد اُن وجوہات کو ظاہر کر دیا تاکہ جو لوگ اُن کے ہم مرتبہ نہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں۔ فقہا میں اکثر فقہ کے فروعی مسائل میں اس بنا پر کہ احکام کی علتیں کونسی مناسب اور کونسی نامناسب ہیں بڑا اختلاف ہے اس اختلاف سے صدہا پیچیدگیاں حل ہو گئیں اور ہزارہا اُلجھنیں سلجھ گئیں۔ ناواقف اس اختلاف کی زنجیروں میں پھنس کے اگرچہ اپنے ایمان کی رہی سہی طاقت کھو دیں لیکن مسلمانوں کے دلوں کو یہ اختلاف قوی بناتا ہے اور بات یہ ہے کہ اسلام کو اس اختلاف سے بہت کچھ فائدہ پہنچا ہے۔ جن ناموں سے کہ مسلمان اس وقت پکارے جاتے ہیں وہ نام بہت ہی بعد کے رکھے گئے ہیں خیر القرون کو ان ناموں سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور صرف باہمی اختلاف کی وجہ سے یہ نام پیدا ہو گئے مثلاً اہل سنت اُس گروہ کا نام ہے جس نے اُن امور کو اختیار کیا جو صاف قرآن و حدیث سے ثابت تھے اُنھوں نے سلف کے عقیدہ و ہم اپنے کو مضبوطی سے قایم کر لیا۔ اس کی پروا نہیں کی کہ اُن کے اصول عقلی قواعد کے مخالف ہیں یا موافق اگر انھوں نے فن معقول کی کوئی بات بھی کبھی بیان کی تو صرف مخالفین کو الزام دینے کے لئے اُنھوں نے کبھی رایوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ بس یہ صفت ہے اہل سنت کی اور یہ پوری تعریف ہوئی سُنی گروہ کی۔ اسلام میں سُنی معتزلی شیعی کے الفاظ کچھ وقعت نہیں رکھتے سب مسلمان ہیں اور اُن کے خیالات اور عقاید سے اُن ہی خیالات اور عقاید کے مطابق اُن کے نام مشہور ہو گئے ایک گروہ مسلمانوں میں ایسا پیدا ہوا کہ اُس نے عقل کو نقل پر ترجیح دی جہاں اُنھوں نے اسلام کی کوئی بات اپنے مفروضہ عقلی اصول کے خلاف دیکھی انہیں برملا بالائے طاق رکھدیا یا تاویل کر کے اپنے خیالات کے موافق چسپاں کر لیا مثلاً سوال قبر۔ وزن اعمال اور اولیا کی کرامتیں وغیرہ اُن کے بہت بہت کچھ جوابات دیئے گئے لیکن اُنکا کبھی اطمینان نہیں ہوا اور اُنھوں نے تاویلیں کر کے خود ہی اپنا اطمینان کر لیا۔

امور دینی میں ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں کہیں اُسکا ذکر نہیں ہے نہ احادیث میں اُن کی شہرت ہوئی نہ صحابہ نے اُن کے متعلق کچھ بیان کیا اس لئے اس حصہ پر مدتوں پردہ پڑا رہا اور اخیر مدت کے بعد جا کے اُس کا چرچہ ہوا اور پھر وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے۔ علمانے اس حصہ پر دو طرح سے خوض کیا یا تو اُن مسائل کو محض نقلی دلائل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیا کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام پر فضیلت یا علما نے اُن امور کو سرے سے جزو دین ہی نہیں قرار دیا بلکہ اُن پر امور دین کا سمجھنا موقوف رکھا چنانچہ امور عامہ کے مسئلے جوہر و عرض کے مباحث پھر عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولی باطل اور جزو لایتجزی ثابت کر دیا جائے

ہو سکتی فرایض میں جب کہ تحمل اور طبیعت کے برداشت کرنے کا لحاظ رکھا گیا ہے بھلا یہ کیوں کر خیال آسکتا ہے کہ اُس سے بھی زیادہ آسان دنیا میں کوئی مذہب ہوگا۔ ایسے شخص کے لئے جو سختی سے زندگی بسر کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہے الغرض انسانی طبایع کی مجبوری کا کس قدر پاس کیا گیا ہے یہ حکم کہیں نہیں ہے کہ اگر جان بھی جاتی رہے جب بھی روزہ رکھو اسی طرح سفر میں ایک خوشحال شخص روزہ افطار کر سکتا ہے۔ ان ہی باتوں کو حدود شرعی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ آسان مذہب کا دنیا کی کسی تاریخ میں بھی پتہ نہیں لگ سکتا۔

جو فن کہ بعد ازاں مدون ہوا اُس کی حضور انور کے زمانہ محمود میں کچھ ضرورت نہ تھی۔ اُن کے عقاید صاف اور نتھرے ہوئے۔ زمانہ نبوت سے بہت ہی قریب۔ اختلافات کی قلت۔ دل مطمئن۔ اُن امور کی تفتیش کی جو حضور انور سے ثابت ہو چکے تھے انہیں کچھ ضرورت نہ تھی منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا انہیں کبھی خیال ہی نہ آتا تھا۔ چوں کہ اُن کا زمانہ قرن اول کے متصل تھا رجال حدیث اُن کے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے اُن کی باتیں سنتے تھے اور ہر ایک بات کو علمائے ثقات سے دریافت کرتے تھے صو ر حدیث کی اُنہیں کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔ غریب حدیثوں کی شرح اسماء رجال کی تحقیقات اُن کے عدالت کے مدارج بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی اسی طرح مشکل احادیث کی شرح۔ احادیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان۔ احادیث کے راز ضعیف اور صحیح میں تمیز قایم کرنا ضوع کو مردود سے الگ کرنا یہ ساری باتیں فضول اور غیر ضروری تھیں۔ ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ خیالات میں سادگی محسوسات۔ معاشرت اور تمدن میں سہولت یہ اُن کا روزمرہ تھا۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا فنون بالا کی تدوین کی ضرورت پڑی۔ تدوین کا ہونا تھا کہ اختلاف کا دروازہ کھل گیا اگرچہ وہ اختلاف سبب رحمت بیان کیا جاتا ہے اور تھا بھی اُس زمانہ میں سبب رحمت ہی لیکن اب تو اُس اختلاف نے مسلمانوں میں وہ آفت برپا کی ہے کہ العظمۃ للہ۔

فی الحقیقت اُن کا اختلاف فطری بنیاد پر تھا اور وہ اس اختلاف سے مسلمانوں میں آزادی رائے کی صفت پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن اُن کے منشا کے بالکل خلاف ہوا بجائے آزادی رائے کے اُن میں تقلید کا زہر سرایت کر گیا اور اُس نے اخیر ترقی کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ کاش تقلید کی پٹی آنکھوں پر نہ بندھ جاتی تو مسلمان برابر ترقی کرتے چلے جاتے اور کبھی تالاب کے مینڈک بن کے نہ بیٹھتے۔ فقہا کا اختلاف بھی عجیب لطیف اور علمی بنیاد پر قایم تھا اور واقعی ایسے اختلاف سے ایک تفتیش کنندہ دماغ بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے مثلاً سب سے پہلے اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا کیا علتیں ہیں اور اُن سے مطلوبہ مصلحتیں کیوں کر حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں بھی معتبر ہوں۔ یہ اختلاف گویا سیڑھی تھی مذہب تک پہنچنے کی اور یہاں سے مذہب میں دخل دیا جانا شروع ہو گیا۔ اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک پیدا ہونے لگا تھا کہ نقلی نصوص پر عقلی دلائل چسپاں ہونے لگیں اور منقول کو معقول سے مطابقت دی جانے لگی اور اُسے دین کے لئے نہایت ہی کارآمد خیال کیا گیا اور سمجھا گیا کہ مسلمانوں کی پریشانی اسی صورت سے دور ہوگی اور یہی طریقہ ہے جس سے اُن کے شکوک مٹیں گے۔

اس میں تو شبہ نہیں کہ علمائے اُمت نے وہ کام کیا کہ اسلام کی زندگی تک یادگار رہے گا اُن کی کوششیں قیمتی تھیں

بدقسمتی ہے اگر ہم ایسا کریں ہمیں ان صحیح حواس سے خود بھی کچھ کام لینا چاہئے جو فطرت باری نے ہمیں عطا کئے ہیں ہم اگر دوسروں کی رائے پر تکیہ کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے گویا ہم نے خداوند تعالےٰ کے بے نظیر عطیہ کی کچھ قدر نہ کی اور اسے ایک بیکار چیز سمجھ کے پھینک دیا۔ کسی امر میں کسی کے پیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ اوروں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا وہ سراپا راست ہو یا اپنی دانست میں انہوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف کیا ہو اور اُن کا توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو یا جس امر کو انہوں نے قابل الرد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو۔ اُن کی رائے اور تفسیر کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اور مسلمان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوں اور بغیر اس کے انہیں چارہ ہی نہ ہو۔ اس لئے ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن میں علما نے اختلاف کیا ہے اور کسی عالم نے دوسرے عالم کی ذاتی رائے کو اگر وہ اپنے منافی مطلب ہیں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

شریعت کے اسرار کا ایک فن علیحدہ ہے اور قدرت نے اس خاص فن کو فی الحقیقت کسی کا حصہ نہیں کیا ہے جس شخص کو اسلام اور بانئے اسلام سے گہرا تعلق ہے جس نے مدتوں تک شریعت کے سربستہ رازوں کی طرف توجہ کی ہو جس نے اپنے تعلق کو رب الافواج سے زیادہ کیا ہو جس نے راتوں کو مجاہدے اور مراقبے کئے ہوں جس نے اپنے قلب کو اس قابل بنایا ہو کہ اُس پر شریعت کے اسرار کا پرتو پڑ سکے اور جس پر خاص خداوند تعالےٰ کا ہاتھ ہو اور جس کے ساتھ وحدہ لاشریک کی خاص رحمت ہو وہ سمجھ سکتا ہی کہ اسرار شریعت کیا چیز ہیں۔ رسول کریم کی کیا بزرگی ہے اور حضور کے الفاظ کیا وزن رکھتے ہیں جب تک خداوند تعالےٰ سے کوئی خاص تعلق پیدا نہ ہو جائے گا شریعت کے اسرار تو کبھی نہیں کھل سکتے۔ رہا ظاہری الفاظ کو سمجھنا اور اُن سے اپنے مطلب کے موافق کام لینا یہ دوسری بات ہے اور استخوان سے مغز تک پہنچ جانا اور بات ہے۔ ہم پر خداوند تعالےٰ نے شریعت کے اسرار کھول دیئے ہیں اور تمام احکامات باری کا راز ہمیں آنکھوں سے معلوم ہونے لگا ہے۔ بہت احادیث ایسی ہیں جو عوام الناس کے ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتیں اور اُن حدیثوں کو دیکھکے ایک ملحد یا غیر مذہب کا شخص تو مضحکہ ہی اُڑا دے گا مگر جنہیں کچھ بھی شریعت کے راز اور اسرار الٰہی کا علم ہے وہ اُن احادیث کا ایک لفظ بھی خلاف فطرت باری نہیں سمجھنے کا۔ مثلاً حضور انور نے ارشاد کیا ہے کہ میں نے ایک دن شب کو اُٹھ کے نماز پڑہی اور نماز پڑھتے پڑھتے مجھے نیند آگئی جب غلبہ غفلت کی نیند ہوگئی تو میں نے اپنے خداوند تعالےٰ کو ایک جمیل صورت میں پایا اُس نے فرمایا ای محمد میں نے جواب دیا لبیک میرے پروردگار ارشاد ہوا ملاء اعلےٰ میں کس بات پر نزع ہوتا ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں اسیطرح تین بار ارشاد ہوا اور تینوں بار میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر خداوند تعالےٰ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتےٰ کہ میں نے اُس کی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے سینہ پر پایا۔ اُس وقت سب چیزیں مجھپر ظاہر ہوگئیں اور مجھے اُس کا جواب بھی معلوم ہوگیا۔ پھر ارشاد ہوا محمد میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزع ہوتا ہے میں نے عرض کیا کفارات پر فرمایا کفارات کیا ہیں میں نے عرض کیا پیادہ پا نماز کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھا رہنا ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا پھر ارشاد ہوا اور کس چیز میں میں نے عرض کیا درجات میں فرمایا درجات کیا عرض کیا کھانا کھلانا۔ نرم کلامی۔ شب کی نماز اس وقت پڑھنا کہ جب سب لوگ سو رہے ہوں۔ یہ وہ راز ہیں جنکا پتہ ہر معمولی انسان کو

اور یہ امر کہ خدائے تعالیٰ نے عالم کو بغیر کسی دوسرے کی وساطت کے پیدا کیا ہے اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے کہ اس مشہور اور مسلم قول کی تردید ہو جائے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور جب تک کہ اسباب اور ان کے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جائے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی طے ہو سکتا ہے کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ واپس آجانا ممکن ہو و علیٰ ہذا القیاس۔

تیسری صورت اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی توضیح اور تفسیر کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ میں سمع اور بصر کی دو صفتیں ہیں اب اس میں اختلاف ہے کہ اس کے سمیع اور بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں۔ ایک گروہ تو مسلمانوں کا یہ کہتا ہے کہ خدا ان چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لائق ہیں۔ اور بعض کا یہ مقولہ ہے کہ وہ دونوں علیحدہ صفتیں ہیں۔ بعض کا یہ قول ہے کہ خداوند تعالیٰ حی ہے اور علیم ہے ارادہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے کلام بھی کرتا ہے لیکن بعض کا یہ مقولہ ہے کہ ان صفتوں سے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں اور اسی لحاظ سے صفات مذکور اور صفت رحمت۔ غضب اور جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے ان میں کچھ فرق ثابت کیا ہے بعض کا قول ہے کہ نہیں خدا کی ذات واجب ہی میں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علیٰ ہذا سب متفق ہیں کہ خدا میں استوار اور ضحک کی صفت موجود ہے لیکن بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو ان کے مناسب ہوں مثلاً عرش پر ٹھیرنے سے اس پر غالب آنا مراد ہے اور وجہ سے ذات مراد ہے ایک اور فریق ہے جس نے ان امور کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور صاف کہدیا کہ ان الفاظ کی مراد کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان امور میں کوئی حکمت شریعت اور منصوص نہیں ہے اس لئے ایک فریق کو دوسرے پر کچھ فوقیت حاصل نہیں ہے۔ بظاہر یہ امور ایسے اہم ہیں کہ اگر ان کی مخالفانہ رایوں کا وزن کیا جائے تو وہ بہت دور تک پہنچتے ہیں اور عوام الناس ایسے امور اور ان کی توجیہات کو سمجھ کے ششدر و حیران رہ جاتے ہیں اگر فی زمانا یہ امور پیش کئے جائیں تو ایک فریق دوسرے فریق کو کافر اور ملحد کہنے لگے مگر چونکہ ان توجیہات کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کسی کی ذاتی رائے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔ جس طرح موجودہ زمانہ میں معمولی مخالفت سبب کفر بنجاتی ہے گزشتہ عصر میں اسلام کی ترقی کی وجہ تھی یہی سبب ہے کہ علمائے امت کا اختلاف سبب رحمت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام فی نفسہ ان جھگڑوں اور قضیوں سے پاک ہے اور اسلام نے ان مختلف فیہ مسائل کو ذرا بھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا ہے مثلاً خداوند تعالیٰ کا عرش پر استوا بیان ہوا ہے اس استوا کے معنی ہر شخص نے اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق خواہ کچھ ہی سمجھ لئے دوسرے فریق کو جس نے اور کچھ معنی سمجھے ہیں ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اختلاف رائے پر کچھ سوء ظنی کرے قرآن مجید کا بہت بڑا معجزہ یہی ہے کہ وہ ہر شخص کی فہم کے مطابق نازل کیا گیا ہے اور ایک جاہل بدوی سے لیکے ایک فاضل فلسفی تک اس سے اپنے اپنے خیال کے مطابق اطمینان کرسکتا ہے۔ اسلام نے ہر فرد بشر کو بالکل آزادی دی ہے وہ ہرگز نہیں کہتا کہ اپنی عقل کو بیکار کرکے دوسروں پر تکیہ کرکے ہو بیٹھو اور ذرا بھی اپنی خداداد فراست سے کام نہ لو یہ ہماری

حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ فرشتہ کی صورت میں مع دو پروں کے اَور فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں اور وہیں ملاءِ اعلےٰ میں احکام آلٰہی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ اس حدیث کا بھید یہ ہے کہ جن نفوسِ قدسیہ کو فرشتوں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے وہ بزرگان قوم کی روحیں ہیں جن کے بہشت میں اُڑنے سے یہ مطلب ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اُنہیں اعلےٰ مراتب حاصل ہوئے۔ انسان ہی میں فرشتہ ہونے کی صفت ہے اور انسان ہی میں شیطان بننے کی خاصیت ہے۔ اسے اختیار دیا گیا ہے کہ یہ جو چاہے جو کچھ بنے۔ اسلام نے تو ان باتوں کو ایسا صاف کر دیا ہے کہ زیادہ حیل و حجت کی گنجایش ہی نہیں۔ جو نہیں سمجھتے اُن کی فہم کا قصور ہے ورنہ اسلام نے تو انسانی مدارج کے کل راستے بہت ہی صاف کر دیئے ہیں۔

علوم جدیدہ نے اسبات کو آج دریافت کیا ہے کہ فطرت کے کاموں میں کسی قسم کی کرامت یا استدراج یا معجزہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا مگر اسلام تیرہ سو برس سے اسبات کا فیصلہ کر چکا ہے جہاں اس کی کتاب میں بہت زور شور سے یہ بیان ہوا ہے یعنی خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "ولن تجد لسنة الله تبديلا" یعنی خدا کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پائے گا قوانین قدرت میں کبھی تبدیلیاں نہیں ہوا کرتیں جو قوانین روز ازل سے مرتب ہو چکے ہیں اُن میں تبدیلی ہونا ناممکن محض ہے۔ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے قوانین قدرت کی غیر تبدیلی کی خبر دی ورنہ کل مذاہب نے قوانین باری تعالیٰ میں تصرف کیا ہے اور ان کا یہ تصرف ما فوق الفطرت حد سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے "انا عرضنا الامانة على السموٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ليعذب الله المنافقين والمنافقات والمشركين والمشركٰت" یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اُس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے خوفزدہ ہو گئے اور آدمی نے اس امانت کو اُٹھا لیا بیشک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تا کہ خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے خدا بخشنے والا اور مہربان ہے" بیضاوی لکھتا ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونے کی ذمہ داری ہے اور آسمان و زمین پر اُن کے پیش کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی استعداد کا اندازہ کیا گیا کہ ان کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا مادہ ان میں ہے یا نہیں اور ان کے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ اُن کی طبیعت میں اس کام کے کرنے کی لیاقت اور استعداد نہ تھی۔ اس آیت پر غور کرنے سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو انسان کا اقرار کہ وہ خدا کی امانت اُٹھائے گا اور پھر اُس کو ظالم اور نادان کہنا۔ سرسری نظر کرنے سے تو اس آیت کے معنی میں پیچیدگی پیدا ہو جائے گی مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ خداوند تعالیٰ نے جب انسان کی ذات میں وہ جوہر ودیعت کئے جو اور مخلوق میں نہیں ہیں اور جن جوہروں سے وہ معبود اور غیر معبود میں تمیز کر سکتا ہے پھر یہ کتنا بڑا ظلم اور کیسی نادانی ہو گی کہ وہ معبود حقیقی کو چھوڑ کے اپنی سے ادنےٰ مخلوق کو معبود بنا لے اور تمام اعلےٰ صفات کو جو روز ازل سے انسانی ذات میں مخصوص کئے گئے ہیں ان کو بالکل مٹا دے اور ذرا بھی اپنی اشرفیت اور بزرگی کا خیال نہ کرے۔ اس سے زیادہ عمدہ پیرائے میں کوئی مذہب توحید کا سبق نہیں دے سکتا۔ پہلے انسان کی فضیلت کو بیان کیا اور پھر اسے شرمایا کہ تو کیسا ظالم اور نادان ہے

ويتوب الله على المؤمنين والمؤمنات وكان الله غفورا رحيما

نہیں لگ سکتا۔ اس حدیث میں دو باتیں ہیں ایک بات تو روحانی بزرگی اور علو مرتبت سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری جسمانی تمدن اور بزرگی سے متعلق ہے۔ رسول کریم نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا اُس سے باتیں کیں اور باتوں میں عبد و معبود کے درمیان جن امور پر گفتگو ہوئی وہ روحانی ترقیات اور تمدن کے لحاظ سے یکتا ہیں خدا کو مجسم پاکیزہ صورت میں دیکھنا اور اُس سے باتیں کرنا کچھ بھی محال عقل نہیں ہے۔ آپ تو آخرالزمان نبی تھے اور بنی نوع میں آپ سب سے زیادہ افضل تھے مگر وہ نفوس جنہیں درجۂ نبوت حاصل نہیں ہے اگر اُن کا استغراق حد سے زیادہ ربانی انوار میں بڑھ جائے تو وہ اپنے معبود کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیتے اور اُس سے باتیں کرتے ہیں اور اُن کی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے پریشان ہوتے ہیں اُن کی تسلی کیجاتی ہے اور اُن پر رحمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے مگر آپ نے ایسے خدا رسیدہ لوگوں کی اس حدیث میں صفات بیان فرما دیں اور وہ یہ ہیں کہ عبادات آلہی میں ہی مصروف رہا جائے جسمانی صفائی کا بھی خیال رکھا جائے اور تمدن کو اعلےٰ درجہ پر پہنچانے کے لئے لوگوں سے بھی پیش آیا جائے۔ رسول کریم کا کوئی فعل خواب و بیداری کا مخلوق خدا کی اصلاح سے خالی نہیں ہوتا اس حدیث کو جتنا غور کیا جائے گا نئے نئے اسرار اور ربانی غوامض کا انکشاف ہوتا چلا جائے گا۔ یہ ہیں شریعت کے راز جن کا سمجھنا ہر معمولی شخص کا کام نہیں ہے۔ آپ نے تو اپنے خواب کی ایک ہی بار کی حالت بیان فرمائی مگر فی الحقیقت آپ کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت خداوند تعالیٰ رہتا تھا اور اُس کا ہاتھ آپ کے دو شانوں کے بیچ میں تھا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام جب تک خدا کا ہاتھ اُس میں شریک نہ ہو سر سبز نہیں ہو سکتا ہی حضور انور نے فیصلہ کیا ہے کہ خدا کا ہاتھ جب میرے شانوں کے بیچ میں آیا اُس وقت مجھے ملاء اعلےٰ کے نزع یا انسانی فضیلت کا راز معلوم ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ کا ہاتھ کبھی اس شخص کا ساتھ نہیں دیتا جس کے کاموں میں ذاتی اغراض چھپے ہوئے ہوں اور جس نے مخلوق خدا کی اصلاح یا اُن سے بنرم زبانی پیش آنے کی طرف توجہ نہ کی ہو یہ ہے عین اسلام جسے آج ہولناک کہا ہے اور اُس پر مفتریان زمانہ نے نئے نئے الزام قایم کر کے اپنی انسانی شرافت کو دھبہ لگایا ہے۔ حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ خدا کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہ خداوندی میں مقرب ہیں۔ جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اُسے مہذب بنا لیتا ہے پھر لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اُس کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں جس کے اثر سے ان لوگوں پر برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ ہے سچی انسانیت اور یہ ہے سچی ولایت پہلے اپنے نفس کی اصلاح ہو اور پھر خدا کی مخلوق کی اصلاح کی جائے۔ اس کا نام ہرگز ولایت نہیں ہے کہ خدا کے کنبہ سے بھاگ کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں چھپ رہے اور انسان کی صورت سے نفرت ظاہر کرے۔ دنیا میں پیدا ہو کے جب تک اُن جوہروں سے کام نہیں لیا جو خداوند تعالےٰ نے انسان کی ذات میں ودیعت کئے ہیں تو پھر خلق کی غایت ہی کاہے کو پوری ہوئی۔ اس قسم کی تنہائی میں بسر کرنے کی زندگی اگرچہ عوام الناس کے خیال میں کچھ وقعت رکھتی ہو مگر خدا اور دین خدا ایسی زندگی کو سخت نفرت سے دیکھتے ہیں۔ فرشتے کیا ہیں یہ اُن بزرگوں کی روحیں ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر خدا کی مخلوق کی اصلاح میں گزار دی اور انسان کی خلق کی غایت پوری کر کے ہمیشہ کی نیند میں زمینی حجروں میں آرام سے جا سوئے۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "اے مطمئن روح تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی واپس آ اور میرے بندوں میں داخل ہو کے میری جنت میں آ جا" بس یہی بزرگ روحیں ہیں جو پہلے آ چکی ہیں اور جنہیں ملائک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں خاص ہندوستان میں جس صورت سے کہ اسلام پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام نہیں ہے جو قرآن پیش کرتا ہے یا جو اسلام کہ آغاز سنین ہجری میں صحابہ کا تھا۔ اللہ اکبر صحابہ شرک سے اسقدر خوف کھاتے تھے کہ ایک اشارہ بھی مخلوق کے کسی کام میں نہ آنے دیتے تھے مثلاً حضور انور کے وصال کے بعد جب مسلمان اس درخت کے نیچے آ کے جمع ہونے لگے جہاں آنحضرت کبھی کبھی بیٹھ کے وعظ فرمایا کرتے تھے اور حضرت فاروق اعظم نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے جمع ہونیکا شوق عالمگیر ہوتا جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ خلافت کے ضعیف ہونے کے زمانہ میں اس درخت کی پرستش ہونے لگے آپ نے فوراً اُس درخت کو جڑ سے اکھڑوا کے پھکوا دیا۔ یہ تھا اسلام اور یہ تھی توحید پرستی۔ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسی بات کی جائے تو اُس شخص کا بچنا محال ہے۔ جو لوگ اپنے کو علمائے دین کہتے ہیں اُن کی عجیب کیفیت ہے وہ خود اول درجہ کی شرک میں مبتلا ہیں اور اُن کا درجہ اُن مشرکوں سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر بار بار قرآن کریم میں آیا ہے۔ جو کچھ مسلمانوں کی حالت ہی اگر اس سے بھی بدتر ہو جائے تو اُن کی سزا ہے اُن کے اعمال نے اسلام پر دھبہ لگایا ہے اور اُن کی خبیث عادات نے دین خدا کو بدنام کر دیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی قسمت قبر کے مُردوں، زندہ پیروں فقیروں مجذوبوں اور مجنونوں کی مٹھی میں دے رکھی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر آفت آئے گی یا فلاح نصیب ہوگی بغیر اُن کے مشورے کے ممکن نہیں۔ غیر قومیں جب مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھتی ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یہی تسلیم کرتا ہوگا اور توحید کا سبق جو مسلمانوں میں دیا جاتا ہے یہ سب زبانی ہے۔ خدائے قادر مطلق کے آگے اُن سے زیادہ مقہور اور ذلیل کون ہوگا جن کے اعمال کی وجہ سے اُس کا دین بدنام و رسوا ہو۔ فرضی پتھروں کو قدم شریف کہنا اور پھر اُس پتھر کے ٹکڑے کو سجدہ کرنا اور محض مہمل اور غلط روایات سے اس کی تائید کرنا۔ قبروں کی خشک مٹی اور کہنہ ہڈیوں سے حاجت طلب کرنا اور وہ پیشانی اور زانو جو خدائے حقیقی کے آگے جھکنے کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں سخت بے ادبی سے سوکھی اور بے حقیقت ہڈیوں کے آگے جھکانا۔ مختلف طاقوں پر سہرا باندھنا اور مٹھائی چڑھانا۔ یہ ساری باتیں منافی توحید ہیں اور اسلام کی سچی تعلیم سے انہیں کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلام حکم نہیں کرتا کہ کسی شخص کی قبر پختہ بنائی جائے یا مقبرے پر کثیر تعداد روپیہ کی صرف کیجائے حضرت علی جب تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے ہیں اور آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ پڑھا ہے تو سب سے پہلے یہ ارشاد کیا تھا کہ میں اپنا پہلا فرض سمجھتا ہوں کہ اُن قبروں کو جو حد سے زیادہ تجاوز کر گئی ہیں اور اُن قبروں کو جو پختہ بنائی گئی ہیں مسمار کر دوں۔ ہر مسلمان خیال کر سکتا ہے جب حضرت علی کا یہ حکم ہو اور آپ نے اول ہی روز اپنے خطبہ میں یہ فرمایا ہو پھر ان عظیم الشان مقبروں کا قایم رکھنا اور ان کی پرستش کرنا کس قدر منافی اسلام ہوگا۔ اگر تمام مزار منہدم کر دیئے جائیں اور شریعت غرّا کے حکم کے مطابق انہیں زمین کے برابر کر دیا جائے اور اُن کے مصالح کی قیمت سے حدیث و قرآن کے مدارس کھولے جائیں تو مسلمانوں کو بہت فائدہ ہو شرک کی بنیاد اُکھڑ کے پھٹ جائے اور پھر توحید میں جو اس وقت مردہ ہو رہی ہے جان آجائے۔ اگر حضرت عمر یا حضرت علی جیسا خلیفہ پیدا ہو تو ابھی اس پر عملدرآمد ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے ایک ایک شہر میں پھر کے دیکھو تو ایک دردناک حالت مسلمانوں کی معلوم ہوگی۔ اسلام انکے قدموں کے نیچے کچلا جا رہا ہے اور وہ بہت شوق اور مستعدی سے اُسے پامال کر رہے ہیں۔ خاص پنجاب میں کئی ہزار

کہ ان جوہروں کے ہونے پر بھی اپنے حقیقی خالق کو نہیں پہچانا۔ ایسے لوگوں کے لئے عذاب تجویز کیا گیا ہے اور ان کی توبہ قبول کرنے سے بھی انکار کیا ہے ہاں مسلمان عورت و مرد کی توبہ قبول کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے کچھ تو ان جوہروں کی قدر کی اور ایمان لاتے وقت ایک حد تک تو انہیں جانچا۔ پھر خداوند تعالےٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے " فاما من اعطےٰ واتقےٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ یعنی جو کوئی کچھ دیگا اور پرہیزگار ہے گا اور نیکی کی تصدیق کرے گا تو ہم سہولت کو اسکے لئے آسان کردیں گے اور جو کوئی بخیلی کرے گا اور بے پروا ہو جائے گا اور نیکی کی تکذیب کرے گا ہم دشواری کو اس کے لئے آسان کردیں گے"۔ یہ وعدے وعید ہیں جن سے بخیل اور بے پروا کے لئے سختی اور پرہیزگار کے لئے عمدگی ہے۔ نیکی کی تکذیب کرنے کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مطلق و احد کی گوناگوں بخششوں کی پروا نہ کرے اور توحید پرستی اپنی شیوہ نہ کرے اُس کا انجام دین اور دنیا دونوں میں خراب ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَلَم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموٰت و من فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب"۔ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لئے وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پہاڑ درخت۔ چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا۔ یہاں بھی توحید کا سبق ایک اعلےٰ درجہ کے پیرائے میں دیا گیا ہے کہ جب کائنات کے کل کُرے ہے اور کل مخلوق سجدہ کرتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ انسان اشرف ہو کے خدائے واحد کی پرستش نہ کرے ایسے نافرمانوں کو سزا دیجائے گی۔ ایسی لطیف اور پُر از حکمت تعلیم توحید کے متعلق سوائے فرقان حمید کے اور کسی مذہبی کتاب میں دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ اسلام نے صاف گواہی دی ہے کہ کل گناہ معاف ہوسکتے ہیں لیکن شرک کا جرم ناقابل معافی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ذات کی نسبت یہ گستاخی کیجاتی ہے کہ اُس کی ایک ادنےٰ اور ذلیل ترین مخلوق کو اُس کا شریک ٹھیرایا جاتا ہے وہ ذات قدیم ہے اسلئے اُس جرم کی سزا بھی قدیم ملنی چاہیے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے شرک کے جرم کو ناقابل معافی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ شرک کی کبھی بخشش ہی نہیں ہے۔ کوئی مذہب توحید پرستی میں اتنا غلو نہیں رکھتا جو اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام انسانی جرائم کو خواہ وہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں قابل معافی قرار دیتا ہے مگر شرک کو معافی کے قابل ہی نہیں سمجھتا۔

اسلام میں جہاں شرک کی بحث ہوئی ہے وہ بحث بھی عجیب لطیف ہے اور اس تمام بحث کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ہر فرد بشر کو یا بالفاظ دیگر انسان کو کتنا بلند مرتبہ خیال کیا ہے اور اُسے ہدایت کی ہے کہ سوائے خدا کے نہ کسی کی تعظیم روا ہے نہ پرستش۔ تعظیم کی مراد کسی شخص کی ذات میں ایسی عظمت سمجھنی کہ وہ غیب کی باتوں پر بھی قادر ہے اور کائنات کے اکثر امور بغیر اُس کی رائے کے انجام نہیں پاتے پیر ہو یا ولی صوفی ہو یا قطب اور ابدال یہ سارے خیالات انسانی شرافت اور توحید پرستی کے لئے زہر ہلاہل ہیں اور فی الحقیقت صداقت کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے کوئی شخص خواہ کسی قدر پہنچا ہوا کیوں نہ ہو اور ولایت کے سارے مدارج اُس نے کیوں نہ طے کرلئے ہوں اور جنت میں اُس کا درجہ مقرب ملائک سے کیوں نہ بڑھ گیا ہو اُس میں ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ زمین پر کسی جز لا یتجزیٰ کو بھی جنبش دے سکے

کی عبادت کرنی ہزار نیکیوں کی ایک نیکی ہے۔ شریعت نے اس معلوم کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے لوگونکو تین مقدمات کی وجہ سے قدرت دی ہے۔ یہ تینوں اصول سب کے آگے مسلم ہیں اور بہت ہی بدیہی اور مشہور ہیں ان پر سب نے اتفاق کیا ہے اور وہ تین مقدمے یہ ہیں۔

(۱) خدائے تعالےٰ منعم حقیقی ہے اور منعم کا شکریہ واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکریہ ہے۔

(۲) خداوند تعالےٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کے ترک کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

(۳) خدائے تعالیٰ اخیر میں نافرمانی کی سزا اور اطاعت کی جزا دے گا۔ ان مقدمات سے اور تین قسم کے علوم پیدا ہوتے ہیں (۱) انعامات الٰہی کا یاد دلانا (۲) انتقامات خداوندی کا یاد دلانا (۳) معاد کے حالات کا یاد دلانا۔ قرآن کریم نے ان ہی علوم کی تشریح کی ہے۔ ہر جگہ اسی کا بیان ہے اور ہر مقام پر اسی سے بحث کی گئی ہے۔ خدائے تعالےٰ نے اپنی نشانیوں اور شعائر کی تعظیم کی نسبت بھی اشارہ کیا ہے مثلاً فرماتا ہے ”ومن یعظم من شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب“ یعنی دلی تقویٰ میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے۔ اب سمجھنا چاہیے کہ خدا کے شعائر کیا ہیں۔ خدا کے شعائر یہ ہیں (۱) قرآن (۲) کعبہ (۳) رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم (۴) نماز۔ قرآن گویا ایک فرمان خدا ہے جب تک اس کی تعظیم نہ ہوگی خدا کی تعظیم نہیں ہو سکتی جس طرح ایک سلطان کے فرمان کی تعظیم فرض ہو جاتی ہے اور فرمان ہی کی تعظیم سے سلطان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اسی طرح قرآن کی تعظیم گویا سیدھی سے خدا کی تعظیم کی۔ اور قرآن کی تعظیم یہی ہے کہ اس کے احکامات کو مانا جائے اوامر پر کاربند ہونا اور نواہی سے بچنا عین تعظیم اسی کو کہتے ہیں۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے نہایت خاموشی سے سنا جائے اور اس کے احکام کی تعمیل کیجائے۔ سجدہ تلاوت کیا جائے اور جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کیجائے۔ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کعبہ کی تعظیم یہ ہے کہ بغیر طہارت کے اس کا طواف نہ کریں نماز میں اسکے سامنے کھڑے ہوں حضور انور کی تعظیم یہ ہی کہ انہیں اپنا ہادی سمجھے اور جتنے حکم آپنے دیئے بے چون وچرا تسلیم کرکے اس پر عمل کرے۔ نماز کی تعظیم یہ ہے کہ سچے دل اور صفائی سے پڑھے اور ریا کا ہرگز اسمیں خیال بھی نہو پس یہ ہیں شعائر الٰہیہ اور یہی ہیں خدا کی نشانیاں۔ اس سے زیادہ سادہ اور آسان مذہب اور کون ہو سکتا ہے۔ سبب یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم اسے ہوا بنالیں اور ایسا خراب کریں کہ دیکھنے والا نفرت کھائے۔

(نماز)

نماز ایک عجیب چیز ہے جس نے تمام عمر میں ایک بار بھی پڑھ لی اسے اسلام کا مزا آگیا۔ برسوں تک ٹکریں لگانا اور محض بوجھ سمجھ کے اسے ٹالنا یا لوگوں کے دکھلانے کے لئے سجدے کرنے لگنا یہ نماز نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ استہزا کرنا ہے۔ نماز ایک روحانی معراج ہے جو ہر وقت خدائے تعالےٰ کے پاس پہنچاتی ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب دل کے ساتھ تمام اعضا حرکت کرتے ہیں اور سب کا رجحان اپنے معبود حقیقی کی طرف ہوتا ہے اسوقت انسان کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ پیر ہیں وہ حرکت نہیں کر سکتے ہاتھ ہیں وہ بندھے ہوئے ہیں گردن ہے وہ نیچی ہے اور آنکھیں ہیں وہ خاموشی سے جائے سجدہ کو دیکھ رہی ہیں خیالات ہیں وہ سب ایک جگہ جمع ہیں۔ جس وقت یہ حالت ہو جاتی ہو کہ عضو عضو اپنے معبود برحق کے آگے

ایسے مزار ہیں جو بالکل فرضی ہیں اور اُن میں کبھی کوئی دفن ہی نہیں ہوا محض دنیا طلبی کے لئے دُکانیں کھول رکھی ہیں اور شب و روز اسلام کی روشن تعلیم کو مٹایا جاتا ہے کیسی تعلیم اور کس کی تہذیب اور کہاں کی جدید ترقیاں اور مصلحان قوم کی دھواں دھار تحریریں ان لوگوں کے کانوں تک بھی نہیں پہنچیں اور فی الحقیقت کروروں مسلمان ایسے ہیں کہ جنہوں نے کتابیں دیکھنا تو کجا ان مصلحان قوم کا نام تک نہیں سنا۔ انہیں کچھ خبر نہیں کہ مسلمانوں کی کیا کیفیت ہے اخیر اُن کا انجام کیا ہوگا وہ کس طرح برباد ہوئے جاتے ہیں اور ایک دن مٹ جائیں گے یہ سن کے تعجب ہوگا کہ جب ترکوں اور یونانیوں کی جنگ ختم ہوگئی ہے اور مجھے بعض حصص ہند میں جانے کا اتفاق ہوا اور کسی موقع پر یونان و روم کی جنگ کا ذکر آیا تو کئی مسلمان سخت تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ ہائیں لڑائی کیسی یونان کا طبقہ تو اُلٹ چکا پھر روم کیوں کر لڑا۔ یہ سنتے ہی سناٹا سا آگیا اور مسلمانوں کی عام جہالت سے سخت صدمہ ہوا۔ حالانکہ یہ مسلمان عربی فارسی خاصی پڑھے ہوئے تھے۔ اگر کل اردو اخباروں کی اشاعت کا اندازہ کیا جائے تو شاید پچاس ہزار سے زیادہ نہو اگر یہ تعداد کم معلوم ہو تو ایک لاکھ کر لو تو گویا چھ کرور ہندوستان کے مسلمانوں میں صرف ایک لاکھ مسلمان دیکھتے ہیں ان میں ایک دو ہزار ان مسلمانوں کی تعداد بھی شریک کر لی جائے جو انگریزی اخبار دیکھتے ہیں چلو بس فراغت ہوئی پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ اس عام تعلیم ہونے کے زمانہ میں جب یہ کیفیت ہوئی تو پھر کیونکر تعلیم یافتہ جماعت تہذیب و شائستگی کا اُن پر اثر ڈال سکتی ہے۔ مسلمانوں سے بالکل مایوسی ہوگئی ہے اور کبھی اُمید نہیں ہوسکتی کہ وہ حالت درست کریں گے۔ مسلمانوں میں بت پرستی کی صدہا رسمیں مروج ہیں اور وہ ایسی رسمیں ہیں جن سے اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اسلام ایسی شرک اور بت پرستی کی باتوں سے بالکل پاک ہے اور مسلمانوں کی خرابی پھر گز اُس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ تمام ہندوستان میں پھر کے اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حالت ایسی خراب ہے کہ کبھی نہ ہوئی تھی اُن کے پیشوا اُنہیں دن دیوے لوٹ رہے ہیں اور صرف اُن کے گاڑھے پسینہ کی کمائی پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں بلکہ اُن کے مذہب کی بچی کھچی پونجی پر بھی دست شفقت پھیرنا شروع کر دیا ہے۔ ہزارہا جعلی مزار بن گئے اور ہزاروں فرضی اشخاص کے عرس ہونے لگے قصبات میں اور بھی غضب نازل ہے فرضی قبروں پر زبردستی سجدے کرائے جاتے ہیں ایک غضب نازل ہو رہا ہے اور کوئی نہیں پوچھتا کہ اخیر یہ کیا آفت ہے اسلام نے تو ان باتوں کی کبھی تعلیم ہی نہیں کی تھی پھر یہ باتیں مسلمانوں میں کیوں کر پیدا ہوگئیں صرف اس لئے ہی کہ ہمارے پیشوا عبدالدرہم اور عبدالدینار بن گئے۔ دینی دکانیں ہزاروں کھل گئی ہیں اور مریدوں نے خدائے مطلق و واحد کے اختیار اپنے پیروں اور مولویوں کو سونپ دیئے ہیں۔ پس مشکل کشا ہیں تو وہ ہیں اور حاجت روا ہیں تو وہ ہیں اُن کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں عرش اُن کا کرسی اُن کی فرشتے اُن کے کائنات اُن کی اور خدا اُن کا۔ بعینہ وہی کیفیت ہے جو یہودیوں کی قبل از اسلام اور عیسائیوں کی بارھویں تیرھویں اور چودھویں صدی میں تھی۔ اسلام میں ان باتوں کا پتہ نہیں ہے اور نہ اسلام نے کبھی ایسے امور کو جائز ٹھیرایا ہے۔ اسلام قضا و قدر پر ایمان لانے کا حکم کرتا ہے اُس نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ازلی اور ذاتی علم تمام اُن چیزوں پر محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہوں گی۔ یہ محال ہے کہ اس وقت کسی ایسی چیز کا وجود ہو جو اُس کے علم میں نہ تھی وہ سب پر محیط ہے اور اُسکے علم میں سب کچھ ہے ایسی ہی ذات وحدہ لاشریک

تقدس کی شہادت دے کے اپنے کو بزرگ اسلام تسلیم کرتا ہو۔ اگرچہ اس قسم کی وضع کسی زمانہ میں بزرگان دین اور اولیائے کرام کی ہوتی ہوگی مگر اب تو ایسے شخص کی نسبت کبھی بھی بزرگی کا خیال نہیں ہو سکتا الاماشاءاللہ۔

ایک خونی ڈاکو کا سچا واقعہ یاد آیا کہ اس نے ہاتھ سے صدہا بیگناہ مسافروں کو قتل کر ڈالا تھا اور اس کی تلوار نہ کبھی رانڈ عورت کے گلے پر چلنے سے رکی اور نہ یتیم و معصوم بچہ کی گردن پر مگر یہ شخص نماز کا اس قدر پابند تھا کہ ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوتی تھی ایک دفعہ اس نے بہت بڑی برات لوٹی اور اس نے چند عورتوں اور کچھ معصوم بچوں کو گرفتار کیا چونکہ اس کا بیٹا کسی قدر کم عمر تھا اسلئے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بڑھیا عورتوں کو اس سے قتل کرواتا تھا جب اس نے ایک نو سالہ بچہ کی طرف اپنے بیٹے کو جانے کیلئے کہا تو اس کی روح کانپ گئی کیونکہ وہ بچہ خوف کھا کے اپنی ماں سے لپٹ گیا تھا اس کے جھجکنے میں اس بیرحم ڈاکو نے اپنے لڑکے کو نامرد کہکے تھپڑ مارا اور اس معصوم بچہ کو اس کی ماں سے زبردستی چھڑا کے وہیں زمین پر لٹایا اور گلے پر گھر چھری پھیر دی اور کہا دیکھا اس طرح ذبح کیا کرتے ہیں۔ غرض ہی قصائی پنے سے سب کو قتل کرکے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا کیا ایسے شخص کی نماز واقعی کوئی وزن رکھتی ہے اور کیا ایسا شخص فی الواقع خدا سے استہزا نہیں کرتا۔

خداوند تعالے نے قرآن کریم میں صاف فرمایا ہے کہ نماز برائیوں سے باز رکھتی ہے مگر جن نمازوں نے برائیوں سے باز ہی نہیں رکھا وہ نماز ہی کیا ہوئی۔ نماز میں بہت بڑے بڑے اسرار الٰہی ہیں اور انہیں ایک عارف کی آنکھ اچھی طرح دیکھ سکتی ہے۔ نماز بچوں کا کھیل نہیں ہے جتنا پاک اور صاف دل سے غور کرو گے نماز میں وہ وہ دقایق اور شریعت کی باریکیاں حل ہوتی چلی جائیں گی کہ معمولی طور پر ان کا خیال ہی کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں یہ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے جو خداوند تعالے نے تمہیں دی ہے اس کو لو اور اپنے معبود حقیقی کا شکریہ ادا کرو اور سمجھو کہ تقرب باری تعالے کا یہی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے سچی نماز سے نہ دل کے آئینہ کا صیقل اور روحانی ترقی ہوتی ہے بلکہ دنیاوی بہبودی عزت۔ ثروت اور کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے ایک سچا نمازی یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ پانچ وقت رب الافواج کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑتا ہے جو تمام منصفوں کا ایک منصف اور تمام حاکموں کا ایک حاکم ہے اور جس سے کائنات کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں وہ دلوں کا حال بھی بخوبی جانتا ہے۔ اس خیال کے آنے کے بعد ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولے یا کسی کا حق غصب کرے یا کسی پر رحم نہ کھائے اور کوئی بات بھی خلاف مرضی باری تعالے کرے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایسا راست باز اور رحیم شخص دنیا میں کتنا عزیز ہوگا اور اسے ایک حد تک کسقدر کامیابی ہوگی۔ جو سچی نماز نہیں پڑھتے وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ مضحکہ کرتے ہیں۔ تمام عمر سجدے کرتے ہوئے گزر جاتی ہے لیکن لعنت کا طوق ان کی گردن سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتا۔

(زکوٰۃ)

خداوند تعالے فرماتا ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم الخ یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے راہ خدا میں نہیں خرچ کرتے انہیں عذاب کی سخت خبر دے قیامت کے دن ان کی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کے داغ دیئے جائیں گے یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو روپیہ جمع کرکے

سربسجود ہو وہ وقت فی الحقیقت ہر مومن کی روحانی معراج کا ہے خداوند تعالے سے مخاطب اس کے حضور میں کھڑا ہوا بصد خضوع وخشوع یہ التجا کرتا ہوا کہ تو ہی معبود ہے تو ہی سب کا رب ہے تو مجھے سیدھے راستہ چلا تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور تیری عبادت کرتا ہوں کتنا پر عظمت وجلال وہ وقت ہوگا اس کی بزرگی کسی مومن کے قلب سے پوچھی جائے بارگاہ خداوندی سے اس شخص کو کمال اتصال ہو جاتا ہے پھر وہاں سے مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں یہی حالت مشاہدہ کرتا ہی جسے بیان نہیں کہہ سکتا۔ اسی حالت کی طرف خواجہ حافظ شیرازی نے بھی اشارہ کیا ہے۔

سرّ خدا کہ عارف سالک بکس نگفت ❊ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

پاک دل مسلمان نماز پڑھتے وقت اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر آ جائے۔ یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال اور اقوال کے ذریعہ سے جو خدا کی بارگاہ میں مناجات کرنے کے لئے مقرر ہیں ہو جاتی ہے نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا کی بزرگی اور جلال دیکھ کے دلی عاجزی۔ (۲) خدا کی بزرگی اور اپنی خاکساری کو سچے دل سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے مطابق اعضا میں آداب کا استعمال۔ مثلاً ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ ❊ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو۔ نماز کی تاکید قرآن مجید میں ہر ہر مقام پر آئی ہے اور نماز ایک ایسی چیز ہے جس نے ایک لمحہ بھی دل لگا کے پڑھی ہے اسی کا دل خوب جانتا ہے اس میں شک نہیں کہ مومن اور غیر مومن کی شناخت صرف نماز ہی ہے اور یہی رسول کریم نے ارشاد کیا ہے مگر نماز ایسی نماز نہ ہونی چاہئے کہ جو بیگار معلوم ہو اور زبردستی ٹکریں ماری جائیں۔ نمازی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کوئی برائی کسی نہیں کر سکتا۔ فریب نہیں دے سکتا اور نہ یتیم کا مال غصب کر سکتا ہے جسے پانچ وقت خدا کے آگے حاضر ہونا پڑے اور اس کی مناجات پڑھنی پڑے وہ کس طرح کوئی گناہ کی بات کر سکتا ہے۔ مگر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور دنیا کے تمام عیب کرتے ہیں اور عادتاً پانچ وقت کھڑے ہو کے ٹکریں مار لیتے ہیں ان کی واقعی نماز نہیں ہوتی ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا یکساں ہے۔ رسول کریم نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ نمازیوں سے مسجدیں بھر جائیں گی لیکن نمازی کوئی نظر نہ آئے گا فی الحقیقت یہ سچی پیشین گوئی تھی جو اس زمانہ میں پوری ہوئی اور ہم اپنی آنکھوں سے اس پیشین گوئی کو پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور بت پرستی کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور زناکاری کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور چوری کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں غرض اس وقت تو نماز کو ایک ٹٹی بنا رکھا ہے اور اسی کی آڑ میں بہت آزادی سے جی بھر کے شکار کھیلا جاتا ہے۔ ایسی نماز کو کبھی نماز نہیں کہتے بلکہ یہ ایک قسم کا جرم عظیم ہے اور بہت بڑی توہین ہے جو اسلام کے سب سے بڑے رکن کی کی جاتی ہے ہاتھ میں پانسو دانوں کی تسبیح۔ ماتھے میں گٹا پڑا ہوا۔ لمبی ڈاڑھی۔ نیچا کرتا۔ ٹخنوں سے اونچا پائجامہ یہ خاص صورت ہے اس شخص کی جس نے دنیا طلبی کی دھن میں خدا کی طرف سے پیٹ پھیر رکھی ہو اور اپنی بزرگی اور

کے لئے بند کر دیئے جائیں اور کل روپیہ جمع کر لیا جائے تو اُس سے قوم کے بڑے حصہ کو بہت ہی فائدہ پہنچے۔ کئی دار العلوم مثل بغداد کے وہ ایک ہی سال میں قایم کر سکتے ہیں اور عربی علوم اور عربی زبان جو اس وقت دم توڑ رہی ہے پھر دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے۔ تمام ہندوستان میں مشکل سے چند مسلمان ایسے نکل سکتے ہیں جن کا روپیہ بے ضرورت صرف نہیں ہوتا ہوگا بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے روپیہ پر پانی پھر رہا ہے اور اُس کا کچھ بھی معاوضہ انہیں نہیں ملتا۔ مسجدوں کی تعمیر چند سال کے لئے ملتوی کر دی جائے پیروں، مولویوں، فقیروں اور بہروپیوں کو دینا بند کر دیا جائے تو آج قوم کی حالت درست ہو سکتی ہے ایک شخص کہاں تک کما سکتا ہے اور اُس کی دولت کیوں کر بچا رہ سکتی ہے۔ ایک مسلمان ہے اور اُس کے پیچھے ہزاروں خرچ لگے ہوئے ہیں وہ بیچارہ کیوں کر سلامت رہ سکتا ہے۔ اپنا خرچ۔ بال بچوں کا خرچ۔ اپنے مفلس رشتہ داروں کا خرچ۔ فقرا کا خرچ۔ مولویوں کا خرچ۔ مزاروں پر نیاز نذر چڑھانے کا خرچ۔ مسجدوں کا خرچ۔ آخر وہ مظلوم کیا کیا کرے اور کیوں کر ان فضول اخراجات سے روپیہ بچا کے اپنی زندگی کی آئندہ ضرورتوں کے لئے رکھا کرے۔ اسلام نہیں حکم کرتا کہ مولویوں کی پرورش کی جائے اسلام نہیں حکم کرتا کہ بلا ضرورت جدید جدید مسجدیں تعمیر کی جائیں جبکہ ہزارہا شاہی مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں اور اُن کی آبادی کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ اسلام نہیں کہتا کہ پیروں کو اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی کا حصہ دار بنایا جائے جبکہ اپنے رشتہ دار اور قوم کے یتیم بچے برباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام ہرگز حکم نہیں کرتا کہ شکم پرور اور عبد الدرہم مولویوں کو دھکیل اور قومی ضروریات ہاتھ پھیلا پھیلا کے مدد مانگ رہی ہیں۔ اسلام جو کچھ حکم کرتا ہے وہ یہ ہے اور نص صریح ہے اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ والدین کے ساتھ سلوک کرو پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اور پھر یتیموں کے اور پھر مساکین کے ساتھ خود مسلمانوں کی قوم میں ہر شہر اور ہر قریہ میں ایسے محتاج موجود ہیں جو بھیک نہیں مانگ سکتے اور نہ کسی کے آگے اپنا درد دکھ کہتے ہیں فاقہ کشی کر کے مر جاتے ہیں مگر اُف نہیں کرتے مارے کوئی مخیر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس کی خیرات کا ہاتھ ان ستم رسیدہ اشخاص تک بھی پہنچتا ہے۔ یہ ہرگز خیرات نہیں ہے کہ ہم اپنا روپیہ فقیر پیشہ اشخاص کو دیتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے فرمودہ خدا کی تعمیل کر لی قیامت کے دن ضرور اُن سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے حقداروں کا حق کیوں نہیں پہنچایا اور کیوں اپنا روپیہ غیر مستحقوں کو دے کے برباد کیا۔ اسلام کے تو وہ حکیمانہ اصول خیرات کے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے اس کے علاوہ جتنی خیرات کی جاتی ہے وہ خدا و رسول کے فرمودہ کے خلاف ہے۔

اسلام کی آسانیاں

دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں پیش کیا جا سکتا جو اسلام سے زیادہ آسان ہو اگرچہ موجودہ زمانہ میں اُسے ہوا بنا رکھا ہے لیکن اسلام جس کا نام ہے وہ ہوا نہیں ہے اور نہ اُس میں ان مشکلات کا پرتو بھی ہے جو آجکل علانیہ پیش کی جاتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك" یعنی خدا کی رحمت کیساتھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دلی سے پیش آؤ گے لوگ تمہارے پاس نہ پھٹکینگے پھر فرمایا ہے "يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر" یعنی خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا جب حضور انور نے ابو موسے اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر

راہ خدا میں نہیں خرچ کرتے۔ راہ خدا قوم کی اُن ضرورتوں کو کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اُسے لاحق ہوتی رہتی ہیں اگر امرائے قوم نے قوم کی ایسی ضرورتوں پر خیال رجوع نہیں کیا اور اپنا سونا چاندی مقفل رہنے دیا تو ایسے لوگوں کی سزا قطعی وہ ہوگی جو خداوند تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ ایک شخص نے محنت کر کے روپیہ جمع کیا کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ اُس سے روپیہ کے لینے میں زبردستی کرے اُس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ روپیہ دے اور قوم کی اُس سے کچھ مدد کرے۔ بات یہ ہے کہ یہ روپیہ جو کسی دولتمند نے جمع کیا ہے فی الحقیقت اُس کی ذاتی محنت کا نہیں ہے بلکہ اُس نے اپنے ہم قوموں کی مدد اور محنت سے یہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ دنیا میں ایک دولتمند بھی ایسا نہیں ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ صرف اُس کی محنت سے کل روپیہ پیدا ہوا ہے ہر دولتمند کے روپیہ کے ساتھ مسکین مزدوروں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی کا حصہ شامل ہے۔ اگر یہ بے زبان مزدور اپنا خون پسینہ ایک کرتے تو محض ناممکن تھا کہ کوئی شخص روپیہ جمع کر سکتا چونکہ ہر دولتمند کی کمائی میں ان محتاجوں کا حصّہ ضرور ہوتا ہے اس لئے ہر روپیہ والے کا فرض ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو قوم کی مدد کرے اور جہاں تک اُس سے ممکن ہو اس میں کوئی کسر نہ رکھے۔

یہ ایک بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اور قومی ترقی کی اس سے زیادہ کوئی سبیل ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس خداوندی حکم سے مسلمانوں میں طریقہ خیرات بہت ہی شدومد سے جاری ہے اور یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ دینے والی دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے ان کے خیرات کرنے کی ادنےٰ دلیل یہ ہے کہ اس ناداری اور مفلسی میں بھی مسلمان فقرا کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ صرف اُن کے دینے کی وجہ ہے کہ اس قدر فقیر دکھائی دیتے ہیں اگر وہ آج ہاتھ روک لیں تو ایک شخص بھی بھیک مانگتا ہوا نظر نہ آئے۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ ان بازاری فقیروں کا دینا کچھ ثواب ہے اور آیا ان کی اُس حالت میں مدد کرنا کہ جب وہ موٹے تازے اور قوی ہیں قیامت کے دن خداوند تعالےٰ کے آگے سرخرو کریگا۔

جہاں مسلمانوں کی بربادی کے اور اسباب ہیں وہاں بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کا کروڑہا روپیہ سالانہ ایسی جگہ خرچ ہوتا ہے کہ سوائے بربادی کے اُنہیں کوئی اجر اُس کا نہیں ملنے کا۔ وہ روپیہ جو ان کا جزو زندگی ہے برباد ہو رہا ہے مگر کوئی آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتا جس روپیہ سے وہ قوم کی ایک حد تک اصلاح کر سکتے تھے اُسے اندھے کوئیں میں ڈال رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ اُن سے قیامت کے دن باز پرس کیجائے گی اور انہیں اس کی کافی سزا ملے گی کہ تم نے جزو زندگی کو کیوں لٹایا۔ مسلمان ہزاروں روپیہ اپنے پیروں کو دیتے ہیں جنہوں نے نجات دلوانے کا اُن سے وعدہ کرلیا ہے۔ مسلمان غیر ضروری مساجد بنوانے میں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جنت میں ہمارے لئے موتی کا محل تیار ہو رہا ہے۔ مسلمان ہزارہا روپیہ مزاروں کی تعمیر میں خرچ کرتے ہیں جو فرمودۂ رسول کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان ان دنیا پرست مولویوں کا گھر بھرتے ہیں جنہوں نے اسلامی دنیا میں ایک اودھم مچا رکھی ہے۔ مسلمان اُن موٹے تازے فقیروں کو دیتے ہیں جنہیں ایک پیسہ بھی دینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ مسلمان مذہبی و رسمی تقریبات میں روزمرہ اپنی کمائی لٹاتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے جنت کے ایک حصّہ پر قبضہ کر لیا یہ تو وہ رستے ہیں جنہیں مذہبی خیال کر کے روپیہ لٹاتے ہیں اور ان کے علاوہ وہ رستے ہیں جنہیں وہ خود شیطانی سمجھتے ہیں لیکن روپیہ برباد کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے کاش ہندوستان کے مسلمانوں کے اخراجات ایک سال

لوگوں کی طبایع کے موافق ہوں یا اُن امور کے ترک کرنے سے اُن کی دلتنگی معلوم ہوتی ہو جیسے سب سے زیادہ امانت کا مستحق سلطان وقت یا مالک خانہ قرار دیا گیا ہے (۶) اسبات کا معمول کر لیا جائے کہ لوگوں کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر ان امور کا نقش ہو جائے اور بلا وقت وہ نواہی کے مطیع رہیں (۷) حضور انور جن امور کا لوگوں کو حکم کرتے تھے پہلے خود اُن پر عمل فرماتے تھے تاکہ ہر ایک بات کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو چون و چرا کی گنجایش نہ رہے۔ کیوں کہ قول سے زیادہ فعل کا اثر بہت پڑتا ہے۔ (۸) ہمیشہ رب الافواج کی عالی بارگاہ میں یہ التجا رہے کہ لوگوں میں تہذیب اور راستبازی آجائے اور وہ کامل بنجائیں۔ (۹) جو شخص بعد فہمائش کے بھی حق سے سرتابی کرتے اُس کو ذلیل اور محروم کر دینا چاہیے جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق کا نفاذ نہیں ہوتا ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنے والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر اور اکراہ کرنے سے باز رہیں گے (۱۰) جن امور میں محنت اور مشقت ہو اُن کو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیے۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے "کہ قرآن کریم میں اول اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں فقط جنت و دوزخ کا ذکر تھا اور جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام کی طرف لوگوں کو میلان قلبی ہونے لگا تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اگر اول ہی لا تشربوا الخمر (شراب مت پیو) نازل ہوتا تو لوگ ٹھہر جاتے اور کبھی اس پر عمل نہ کرتے اسی طرح اگر لا تزنوا (زنا نہ کرو) نازل ہوتا تو وہ طبائع پشت ہا پشت سے اس کی عادی چلی آتی تھیں کبھی نہ مانتیں اور سخت انتشار پیدا ہو جاتا۔ (۱۱) خود حضور انور کو وہ فعل ترک کر دینا چاہیے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو۔ اس سے لازم آیا کہ فتنہ کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کر دینے چاہییں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "لولا حداثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة وبنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام" یعنی اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔

(۱۲) شارع نے مختلف نیکیوں۔ وضو غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج وغیرہ کا حکم دیا ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں کیا اور سب کے لئے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا بلکہ اُنکی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے اُن لفظوں کے معنی اپنی عادت کے موافق خود سمجھ لیں۔ مثلاً یہ تو بیان کر دیا "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" (بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی جن پر سورۃ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے۔ اس سورۃ کی تشدیدیں اور حرکات و سکنات نہیں بیان کئے۔ اور نیز شارع نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہیں لیکن اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو انہیں امور میں سے جواب دیدیا جو ان کے خیال میں تھے۔ غرض حضور انور نے مصلحت یہی سمجھی کہ انضباط کے بعد اور امور کو اُمت کی رائے پر چھوڑ دیں مثلاً شارع نے استقبال قبلہ اور نماز عیدین کے اوقات معلوم کرنے کیلئے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول "القبلة ما بين المشرق والمغرب اذا استقبل الكعبة" یعنی قبلہ وہی ہے جو مشرق و مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جائے) میں شوال کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا "الحج يوم تحجون والفطر يوم تفطرون" یعنی جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز

روانہ کیا تو یہ ارشاد کیا "یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا وتطاوعا ولا تختلفا" یعنی آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کو خوش کرنا نہ متنفر بنانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا پھر حضور انور ارشاد کرتے ہیں

یعنی تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو حضور انور نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ مذہب میں آسانی پیدا ہو اور آپ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوئے آپ کی کامیابی کا ادنےٰ نمونہ یہ تھا کہ ایک وحشی بدو پانچ منٹ میں کل ارکان اسلام سمجھ کے چلا جاتا تھا اور پھر دوبارہ اسے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ اس سے زیادہ اور آسان مذہب کیا ہو سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کا وہ اسلام ہے کہ اگر فہمیدہ شخص بھی سمجھنا چاہے گا جب بھی برسوں میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔ چاہئے کہ ایک بے لکھا پڑھا سمجھ سکے کیا آسان اصول ہیں خدا کو ایک جانو محمد عربی کو اس کا برحق نبی مانو فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھو روزے رکھو اور استطاعت ہو تو عمر میں ایک بار حج کر لو۔ بس یہی اسلام ہے اور یہی دین خدا ہے۔ نہ کسی مجتہد کا یہاں کام ہے اور نہ ہدایت کے لئے کسی پیشوا کی ضرورت ہے۔ پیر پرستی گور پرستی یا گوسالہ پرستی کے یہ معنی ہیں کہ اصول اسلام کی ہوا تک نہیں لگی۔ نہ اسلام کو مجتہدوں کے اختلافی مسائل سے غرض اور نہ ملکی لڑائیوں سے سروکار حضرت عثمان شہید ہوئے تو اس سے اسلام سے کیا تعلق تھا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لڑائی ہو تو اسلام سے کیا تعلق امیر معاویہ حضرت علی سے لڑے تو اسلام سے کیا واسطہ علماء کے لاکھوں اختلاف سے نفس اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے یہ اُن کی موشگافیاں تھیں اور جن کی انہیں ضرورت آپڑی تھی اُن کی کوئی بات قرآن مجید کے آگے کچھ وزن نہیں رکھتی جو کچھ انہوں نے لکھا اُن کی ذاتی رائے تھی جس کے ماننے کے لئے کوئی مسلمان مجبور نہیں کیا گیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنے کو اُن کا حلقہ بگوش بنا لیں اور آنکھیں بند کر کے اُن کے ساتھ ہو لیں ورنہ اسلام تو اُنکی تقلید کا دینی معاملات میں کہیں بھی حکم نہیں کرتا۔

اسلام میں آسانی کی چند صورتیں ہیں (۱) اطاعت کے لئے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط نہ قرار دی جائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو اس کی نسبت حضور انور ارشاد کرتے ہیں "لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل صلوٰة" یعنی اگر میں اپنی امت کے لوگوں کے لئے دشوار نہ سمجھتا تو ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا (۲) بعض امور طاعت منجملہ امور رسوم کے قرار دیئے جاتے ہیں جن پر فخر و مباہات کی جاتی ہے ان امور کو ان امور میں داخل کرنا چاہئے جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں مثلاً عیدین۔ جمعہ۔ حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ یہودی جان لیں ہمارے مذہب میں کتنی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے کو زینت دینا اور عز و مباہات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا۔ (۳) اطاعت میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اُس کی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کے ایک دوسرے کی معاون بنی رہیں اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا رکھنا جمعہ کو غسل کرنا۔ خوشبو لگانا مسنون ہے۔ قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھنا۔ اذان کا خوش آوازی سے دینا مستحب قرار دیا گیا ہے (۴) جن باتوں سے لوگ بالطبع متنفر ہوں اُن پر سے گرانی دور کی جائے۔ اسی لئے اعرابی غلام کی امامت مکروہ خیال کی گئی ہے بالطبع لوگوں کی عادت ہے کہ اس قسم کی امامت سے دل گرفتہ ہوتے ہیں (۵) وہ امور بحال خود ۔ لیے جائیں جو اکثر

اُس کے تغیر وتبدیل کی اصلاح کروں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے" اپنے باپ ابراہیم کا مذہب اختیار کر ملۃ ابیکم ابراھیم بنی اسمٰعیل کی نسلوں میں اُن کے جدِ اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسلاً چلا آتا تھا تمام بنی اسمٰعیل اسی شریعت پر ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اس شخص نے ملت اسمٰعیل میں بہت کچھ بیہودہ تصرفات کئے اور نئی نئی باتیں داخل کر دیں۔ بت پرستی کی نئی نئی شاخیں نکلتی چلی گئیں اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ بنی اسمٰعیل میں سوائے کفر اور بت پرستی کے کچھ نظر آتا تھا جب حضور انور مبعوث ہوئے تو آپ نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اس میں جو جو طریقے اسمٰعیل کے ملک کیموافق منجملہ شعائر الٰہیہ کے تھے اُن کو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہوگئی تھی یا جن میں خرابیاں آگئی تھیں یا جو امور کفر وشرک کی حد تک پہنچے تھے انہیں نیست ونابود کر دیا۔ اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے اُن کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں جس سے لوگ رسمی لوثوں اور غوائل سے احتراز کر سکیں۔ خراب رسموں کی آپ نے ممانعت فرمادی اور اچھی رسموں کی ترغیب دلائی اور جو مسائل اصلی یا عملی پہلے سے متروک تھے اُن کو اُن کی اصلی حالت پر کر دیا۔ گویا اس طرح خدا کا انعام مکمل اور خدا کا دین مستقیم ہو گیا۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل جاہلیت بعثت انبیا کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی سزا جزا کے قائل تھے تمام نیکی کے تمام اصول پر اُن کا اعتقاد تھا جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ اُن کے استعمال میں تھے۔ اُن میں مختلف فرقے تھے اور اُن کے عقاید علیحدہ علیحدہ تھے مثلاً ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا۔ فاسق چوپایوں اور درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملت اسمٰعیل کے خلاف تھے۔ نفسانی حالتیں اُن پر غالب تھیں مذہبی امور کا پاس کم تھا۔ یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے۔ فسق وفجور میں مبتلا تھے۔ زنادقہ گروہ کے لوگ اپنے کو ہر مذہب سے آزاد سمجھتے تھے اور اُن کا یقین تھا کہ دنیا میں انسان مذہب میں پابند رہنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ اور تھا جو مذہب کو انسان کے لئے ضروری تو تسلیم کرتا تھا مگر اُس کی طرف توجہ نہ کرتا تھا اور اپنے مفروضہ مذہبی اصول سے بھی اُس نے غفلت اور بے پروائی اختیار کر رکھی۔ اس فرقہ میں قریش بھی تھے جنہوں نے اپنی توجہ بالکل مذہب کی طرف سے پھیر لی۔ اہل جاہلیت کے اصول میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ آسمان وزمین اور جو جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں اُن کا خالق خدا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں ہے۔ خداے تعالیٰ فرماتا ہے بیشک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہدیں گے خدا نے پیدا کیا ہے "ولئن سألتھم من خلق السموٰت والارض لیقولن اللہ" اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا کی ذات اُس سے منزہ ہے جو اُسکی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اُس کے ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ بات زندقہ کی زیادہ کر دی تھی کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں فرشتوں کو خدا نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اُسے معلوم نہ ہو وہ اُن کے ذریعہ سے معلوم کرے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

اُن کے اعتقادات میں یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر خدائے تعالیٰ نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے شرع نے اور اس کو موکد کر دیا ہے

اُن کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے وہاں بتدریج حوادث متحقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی دعائیں کسی نہ کسی طرح سے اپنا اثر کرتی رہتی ہیں لیکن اس کی صورت اُن کے خیال میں ایسی تھی جیسے کہ

افطار کھاتے ہو وہی یوم الفطر ہے۔

ان تمام دقایق اور باریکیوں پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیاد نہایت آسانی پر رکھی گئی ہے اور ہر ہر قدم پر مصلحت سے کام لیا گیا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے مصلحت وقت کو دیکھا رسول کریم نے مصلحت وقت کی پابندی کی اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ مصلحت پر ہمیشہ کاربند ہونا۔ اس سے زیادہ آسان اور انسانی فطرت کے مطابق اور کونسا مذہب ہو سکتا ہے سورہ فاتحہ جس پر مسلمانوں میں خون خرابہ ہوا شارع اسلام نے اس کی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا ہے۔ کتنا آزادانہ اور پیارا قول ہے کہ جس روز حج کر لیا وہی حج کا دن ہے اور جس روز روزہ افطار کر لیا وہی یوم الفطر ہے کہاں ہے وہ اسلام جس کی رسول کریم نے تعلیم فرمائی تھی اور کہاں ہے وہ سہولت جو خداوند تعالےٰ نے اس میں رکھی تھی۔ ہماری ذاتیات نے اسلام کی خوبصورتی کو مٹا دیا ہے اور ہماری نفسانی خواہشوں نے اس کے نورانی چہرہ پر وہ خاک ڈالی ہے کہ سوائے گرد و غبار کے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم آمین بالجہر۔ رفع یدین۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے نہ پڑھنے پر کٹے مرتے ہیں اور وہاں ان بیہودہ باتوں کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔ اصول سے بحث ہوتی تھی ان بیہودہ فروعات کا ذکر ہی نہ تھا۔ آمین اگر کوئی پکار کے کہتا ہے تو کہنے دو نہیں کہتا تو اس سے جبر نہ کرو۔ رفع یدین کرتا ہے تو اسے خون کی نظروں سے نہ دیکھو نہیں کرتا تو اسے بدعتی اور مشرک نہ کہو۔ خوب سمجھ رکھو کہ اسلام کو ان باتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین خدا ان باتوں سے بالکل پاک ہے۔ یہ ہمارے ذاتی جھگڑے اور فساد ہیں اسلام کا فاصلہ ان بیہودہ فسادوں سے ہزاروں کوس ہے۔ وہ باتیں نہ کرو جن سے لوگ بالطبع متنفر ہوں۔ شارع صلے اللہ علیہ وسلم کی پُر از حکمت ہدایتوں پر غور کرو اور سمجھو کہ تم راہ راست سے بہت دور بھٹک کے نکل گئے ہو۔ شب و روز اپنا یہ ورد رکھا کرو۔ لاالٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ اسی کا ورد رکھو اور اسے دل لگا کر پڑھو اور اپنا پہلو تمام ان جھگڑوں ٹنٹوں سے بچاؤ جو اصل میں ذاتی اور دنیا طلبی کے لئے ہیں مگر نفس پرستوں نے انہیں مذہب کا جامہ پہنا دیا ہے۔

جب یہ خیال آتا ہے کہ اسلام نے جہان کے گمراہوں کی کیسی اصلاح کی اور وہ اخیر تک اپنی اصلاح میں کامیاب رہا اور پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم باوجود پشت ہا پشت سے مسلمان ہیں لیکن ہماری عادتیں مشرکوں اور کفار سے بھی بڑھی ہوئی ہیں تو غیرت شرم آتی ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسلام کو کس صورت میں پیش کر رکھا ہے اور اس محسن کشی کی سزا ہمیں کیا ملیگی ہم زمانہ جاہلیت کا حال پڑھتے ہیں اور پھر اپنی حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہم ان سے بدرجہا بعض برائیوں میں بڑھے ہوئے ہیں ہمیں جتنی سزا دیجائے کم ہے اور ہم جتنے برباد ہوں ہمارے لئے سزاوار ہے۔ غرض جو کچھ ہم کرتے ہیں ہمارا ذاتی فعل ہے اسلام کو ہماری ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت

زمانۂ جاہلیت کا اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام نے دنیا میں آکے کیا کیا اور اسلام کی دنیا کو کتنی ضرورت تھی۔ حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری بعثت صرف اسلئے ہوئی ہے کہ میں ملت حنیفیہ سمعلیہ کی کجی کو دور کروں اور

تھے زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے برجستہ شعر میں کہا ہے۔

وانت رب ملیک الناس طرا یکفیک المنایا والحتوم

یعنی تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں۔ اسی فاضل شاعر کے اور دو اشعار بھی حسب ذیل ہیں:-

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور

ترکت اللات والعزی جمیعا کذلک یفعل الرجل البصیر

یعنی میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو میں نے تو لات وعزیٰ سب کو چھوڑ دیا ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمیہ بن صلت کے حق میں فرمایا اُس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اُس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔"

یہ سب اعتقادات وہ تھے جو وراثتہً اُن میں چلے آتے تھے بعض عقاید اہل کتاب سے بھی اخذ کرکے اپنے ہاں داخل کرلئے تھے اُنہیں بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت کشش اور کوشش سے خدائے مطلق وواحد کی پرستش کی جائے۔ عبادت کے ابواب میں سے اُن کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی طریقہ تھا ختنہ اور تمام اور صاف وخصائل فطرت کا بھی اُن کے ہاں بخوبی اہتمام تھا۔ وضو کا طریقہ بھی اُن کے ہاں جاری تھا۔ وہ نماز بھی پڑھا کرتے تھے چنانچہ قس ابن ساعدہ آبادی کی کبھی نماز بھی قضا نہ ہوئی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے سے دو سال پہلے سے نماز پڑھتے تھے۔ عرب میں مثل مجوسی اور یہودیوں کے نماز میں تعظیمی افعال کی پابندی تھی۔ خاص سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا وذکر الٰہی کے متعلق بعض مقولے بھی تھے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی۔ اہل وعیال کا نفقہ۔ مساکین کو خیرات دینی بصلہ رحم۔ اُن حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے اور ان امور کو بہت ہی قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان ہی امور سے انسان کامل ہوتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور سے عرض کیا تھا کہ اللہ خدا آپ کو پس ماندہ نہ کرے گا آپ صلہ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل وعیال کے متکفل ہیں۔ آسمانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں" فواللہ لا یخزیک اللہ انک تصل الرحم وتقوی الضیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق اسی طرح ابن دغنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ فجر سے غروب آفتاب تک اُن میں روزہ بھی معمول بہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورے کا روزہ رکھتے تھے مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمر ایک پوری شب اعتکاف میں بیٹھے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اُس میں استفتا کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی میری طرف سے اتنے غلام آزاد کئے جائیں بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الٰہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وظیفے وظائف بھی پڑھتے تھے اور تعویذ گنڈوں کی رسم بھی ان کے ہاں جاری تھی ہاں ان رسموں میں شرک کی باتیں داخل ہو گئی تھیں۔ ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا اُن کا روزمرہ تھا۔ وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے۔

ندیوں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام اعمال کی جزا دیتا ہے۔ اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے۔ برے اعمال ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے

خدائے تعالیٰ کے پاک فرشتے ہیں جو اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی بادشاہت میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ خدا کے حکم سے وہ اس دنیا کی تدابیر میں مستغرق رہتے ہیں اور احکام آلہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم انہیں ملتا ہے اس کی تعمیل بہت سرگرمی سے کرتے ہیں لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون "وہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ انہیں کسی اور قسم کی احتیاج ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کبھی خدا اپنی مہربانی او فضل سے کسی نہ کسی آدمی کو مخلوق کے لئے مبعوث کیا کرتا ہے اس پر خدا وحی نازل کرتا ہے فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے اس کی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے بغیر اس کی تعمیل اور فرماں پذیری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔

ملاء اعلےٰ اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کی دو شعروں میں تصدیق فرمائی ہے اسکا قول ہے۔

رجل و ثور تحت رجل یمینہ والنسر للاخری ولیث مرصد

یعنی آدمی بیل۔ کرگس اور شیر غراں سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ حضور انور نے یہ شعر گوش گزار فرما کے ارشاد کیا امیہ نے سچ کہا ہے اسکے بعد امیہ کے یہ شعر پڑھے ہے۔

والشمس تطلع کل اخر لیلۃ حمراء یصبح لونھا یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلھا الا معذبۃ و الا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اس پر عذاب کیا جاتا ہے اور اسے تازیانے پڑتے ہیں (یعنی اپنے پروردگار کی قوت سے مغلوب رہتا ہے) حضور انور نے اس شعر کو سنکے فرمایا کہ سچ کہا۔ اہل جاہلیت کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ خدا کے حضور میں آدمیوں کی شفاعت کرتا رہتا ہے اور دوسرے فرشتہ کی صورت بیل کی ہے اور یہ چارپایوں کا شفیع ہے تیسرا کرگس کی ہمشکل ہے یہ پرندوں کا شفیع بنا ہوا ہے چوتھا شیر کی ہمشکل ہے اور اس کے متعلق درندوں کی شفاعت ہے۔ اسکے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے ان فرشتوں کا نام بزرگوہی رکھا ہے (دعول) عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ساری باتیں اہل جاہلیت میں مروج تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے اور علمی اور یقینی امور کو اپنے مالوف خیالات سے خلط ملط کر دیتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمر بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے ان میں حکما اور کامل لوگ عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے۔ وہ توحید کو ٹھیک طریقہ سے مانتے

وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے ،، ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ،، یعنی پیغمبر جو تمہیں بتائے اُس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آؤ۔ ان امور میں ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجیب غریب حالات کا ہے۔ یہ سب امور بواسطہ وحی ہوا کرتے ہیں آنحضرت کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ اُن حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں اُن کا کوئی وقت معیّن نہیں کیا گیا نہ اُسکی حدیں بیان کی گئیں جیسے اچھے بُرے اخلاق کا بیان ہے یہ حصہ غالبًا اجتہادی ہے۔ دوم۔ وہ امور ہیں جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کی نسبت حضور انور کا ارشاد ہے ،، انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر ،، ترجمہ یعنی میں ایک انسان ہوں جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اُس کو اختیار کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درخت خرما کے پیوند لگانے کے بارے میں فرمایا تھا۔ ،، انما ظننت ظنا ولا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئًا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ ،، یعنی میں نے صرف گمان کیا تھا مجھے اس بات کا مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اُسے اختیار کرو اسلئے کہ میں نے خدا پر جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اسی میں طب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق حضور انور کا ارشاد ہے "گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی میں ہلکی سی سفیدی ہو اسے پاس رکھا کرو۔ ان میں وہ امور بھی شامل ہیں جو آپ اتفاقیہ کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اُن پر عمل نہیں فرماتے تھے۔ ان ہی میں وہ امور بھی ہیں جو آپ نے بسبیل تذکرہ بیان فرمائے تھے مثلًا لوگ کچھ بات چیت کرتے ہیں اور آپ بھی کچھ فرمانے لگے حدیث اُم زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں اور اس کو ہی زید ابن ثابت نے بیان کیا ہے۔ چند آدمی اُن کے پاس آئے اور کہا رسول مقبول کی کچھ حدیثیں بیان کیجئے حضرت زید نے کہا میں حضور انور کے ہمسایہ میں تھا جب وحی نازل ہوتی تھی تو مجھے آپ بلا بھیجتے تھے میں اُس وحی کو لکھ دیا کرتا تھا۔ حضور انور کی یہ کیفیت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر کرنے لگتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے آپ بھی وہی ذکر کرنے لگتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے آپ بھی ہمارے ساتھ ہمزبان ہو جاتے۔ پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کا تم سے ذکر کروں۔ ان میں وہ امور بھی شامل ہیں جن میں حضور انور کے زمانہ محمود ومسعود میں ایک جزوی مصلحت تھی لیکن وہ امور اُمت کے لئے حتمی نہ تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ہمیں رمل (طواف میں سینہ تان کے چلنا) سے کیا علاقہ ہم اپنی یہ حالت اُنہیں دکھایا کرتے تھے جنہیں خدا نے آپ ہلاک کر دیا ہے آپ کا قول یہ ہے " ما لنا وللرمل کنا نترایا بہ قد اھلکھم اللہ ان ہی امور میں آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا ثابت ہوتا تھا ویسا ہی آپ فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علی سے حضور انور نے فرمایا تھا " الشاھد یری ما لا یراہ الغائب ،، یعنی جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا اُن کو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو۔

شریعت کا طریقۂ اخذ

حضور انور سے شریعت دو طریقے پر اخذ کی گئی ہے اول ظاہر قول سے اُس کو حاصل کیا اس میں ضرور ہے کہ اقوال نبوی نقل کئے جائیں خواہ بتواتر یا بلا تواتر۔ متواتر کی نقل کبھی لفظًا ہوا کرتی ہے جیسے قرآن کریم۔ چند احادیث مثلًا " انکم سترون ربکم الخ"

پیش بینی کے لئے اُن کے ہاں خواب اور گزشتہ انبیا کی بشارتیں تھیں۔ مدت سے کہانت اور قمار کے تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ کرنا اُن کے ہاں رائج تھا۔ حضور انور نے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انھوں نے قمار کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں کیا لقد علموا انھما لم یستقسما قط۔ بنی اسرائیل برابر اپنے جد حضرت اسمٰعیل کے طریقہ پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ ان میں عمرو ابن الحی کا ظہور ہوا۔ اس کی پیدائش کا زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تین سو برس قبل ہوا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں کھانے و پینے۔ لباس دعوتوں میں۔ میلوں میں۔ مردوں کے دفن کرنے۔ نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ ماتم خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے جو اُن کی پابندی نہ کرتا تھا قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔ محارم مثلاً بیٹیاں مائیں۔ بہنیں وغیرہ سب اُن کے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لئے اُن کے ہاں تعزیرات معین تھیں۔ قصاص دیت اور قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے اسی طرح زنا اور چوری کی سزائیں بھی مقرر تھیں ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہو گئی تھیں۔ ساتھ ہی فسق و فجور کی کثرت نے انہیں ارذل ترین حالت میں پہنچا دیا تھا۔ غارتگری۔ لوٹ مار سے بڑے بڑے مظالم توڑے جاتے تھے۔ زنا فاسد نکاح اور ربو بہت عام ہو گئے تھے۔ نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کر دیا تھا اور ان روحانی فضائل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی۔ جب تمام برائیوں کی انتہا ہو گئی تو حضور انور کا ظہور ہوا آپ نے تمام اُن علمی اور عملی امور میں خوض کیا جو اُن میں موجود تھے ان میں سے جو حصہ ملت ابراہیمی کا تھا اُس کو آپ نے بحال رکھا اور اُس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا پھر عبادات کے طریقے معین فرمائے۔ اسباب و اوقات۔ شروط و ارکان مستحبات و مفسدات۔ رخصت۔ عزیمت۔ ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیئے۔ گناہوں کو منضبط فرما کے اُن کے ارکان و شروط معین فرما دیئے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروع کئے۔ ملت حنیفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اُس کو غالب کرنے کی نہایت کوشش کی اُن کی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو مٹا دیا۔ امور نافع کی ہدایت فرمائی۔ تمام فاسدہ رسوم کا ستیاناس کر دیا خلافت کبریٰ کو ان میں قائم کیا حدیثوں میں اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم نے فرمایا ہے "میں آسان حنیفی روش کا مذہب لایا ہوں"۔ بعثت بالملۃ السمحۃ الحنیفۃ البیضاء "سمحہ سے یہ مراد ہے کہ اُس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑ لی تھیں بلکہ اُس میں ہر ایک عذر کے لئے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز۔ باکار اور بیکار سب اُس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ابراہیمی ہے جس میں شعائر الٰہیہ قائم کئے جاتے ہیں اور شعائر شرک مٹائے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں بالکل باطل کیجاتی ہیں اور بیضا سے یہ مراد ہے کہ اُس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اُس مذہب کی بنیاد قائم کی ہے نہایت صاف ہیں جو شخص تامل اور سچے دل سے ان میں نظر کرے گا اُسے کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل اُس سے روگردانی نہیں کرسکیگا۔

احکام شرعی

جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب احادیث میں مدون کیا گیا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں (اول)

کتب احادیث کے طبقے

مسلمانون کے پاس حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سوا کوئی ذریعہ شریعت اور احکام شریعت کا نہین ہے بمصلحتون کو تو غور کال۔ تجربہ اور حدس وغیرہ سے بھی دریافت کر سکتے ہین اور احادیث کا علم اسیوقت حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ روایتین بہم پہنچائی جائین جن کی سند حضرت رسالت مآب تک پہنچتی ہے خواہ وہ حدیثین آپ کے بیان سے حاصل ہون یا موقوف احادیث ہون کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اُن کی روایت کی ہو اُن سے یہ امر مستبعد ہے کہ بغیر نص اور اشارہ شارع کے اُن احادیث کے قطعی ہونے پر اقدام کرین اس قسم کی روایت بھی حضرت رسالتمآب سے ضمناً ماخوذ ہوا کرتی ہے۔ ہمارے زمانہ مین اس قسم کی روایتون کے حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے نہین ہے کہ جو کتابین علم حدیث مین مدون کی گئی ہین اُن پر غور کی نظر کی جائے اور دیکھا جائے کہ کون کونسی روایتین صحیح ہین اور کن کن روایتون کی سند رسول کریم تک پہنچتی ہے۔

صحت اور شہرت کے لحاظ سے کتب احادیث کے چار طبقے ہین۔ پہلے طبقہ مین وہ کتابین ہین کہ جو حدیثین اُن مین مندرج ہین وہ کتابون کے مدون ہونے سے پہلے اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہون مؤلف سے پہلے ہی ائمہ حدیث نے مختلف طریقون سے اُن کی روایت کی ہو اور اپنے مسندون اور مجموعون مین اُن کو بیان کیا ہو مؤلف کے بعد اُس کی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو۔ اُس کا اشکال دور کر دیا ہو یا غریب حدیث کی شرح کی ہو اُس کا اعراب بیان کیا ہو اُس کے طریقے بتائے ہون۔ مسائل فقہی کا اس سے استنباط کیا ہو ہر درجہ اور مرتبہ مین ہمارے زمانہ تک اُس کے راویون کے حالات کا سُراغ لگایا گیا ہو یہان تک کہ کوئی چیز جو حدیث سے تعلق رکھتی ہے ایسی باقی نہ رہے جس مین پوری غور نہ کر لی ہو الا ماشاء اللہ۔ نقادان حدیث مصنف سے پیشتر اور اُس کے بعد اُس کے اقوال سے موافقت کرتے رہے ہون اُن کی صحت کو ثابت کیا ہو مصنف کی رائے کی تصدیق کی ہو اور اُس کی کتاب کی ثناخوانی کی ہو۔ ائمہ فقہ نے اُن اقوال سے مسایل کو مستنبط کیا ہو اُن پر اعتماد کیا ہو۔ عام لوگون کو اُن اقوال سے عقیدہ ہو اُن کے دلون مین اُن کی عظمت ہو۔ جو کتاب طبقہ اولے مین اعلےٰ درجہ کی ہوگی وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے ادنےٰ درجہ مستفیض کا ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو اور قطعی ہونے سے مقصود وہ حد ہے جو علم حدیث مین معتبر ہے کہ مفید عمل ہو جائے۔ اور جو احادیث دوسرے طبقہ کی ہوتی ہین ان مین سب سے اعلےٰ درجہ مستفیض کے قریب ہے اور اس کے بعد جو قطعی صحت کے قریب ہو اور اس کے بعد جو مفید ظن ہو۔

استقرار اور تلاش سے طبقۂ اولی کی صرف تین کتابین ہین (۱) مؤطا (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم۔ امام شافعی کا قول ہے کہ بعد کتاب اللہ کے سب کتابون مین زیادہ صحیح امام مالک کی مؤطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ امام مالک اور اُن کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام حدیثین صحیح ہین اور دوسرے محدثین کی رائے مین اُس مین کوئی حدیث مرسل اور منقطع ایسی نہین ہے دوسرے طریقون سے اُس کی سند متصل نہ ہوئی ہو یہی وجہ ہے جس سے کہا جاتا ہے

یقیناً تم اپنے رب کو دیکھوگے اور کبھی تواتر معنی ہوتا ہے مثلاً طہارت نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیوع، نکاح کے اکثر احکام ہیں مسلمانوں کے کسی فریق نے اختلاف نہیں کیا۔ غیر متواتر میں سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو تین صحابہ یا زیادہ نے روایت کیا ہو اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہے ہوں اس قسم کی حدیثیں اکثر ہیں اور مسائل فقہ کی اُن ہی پر بنیاد ہے۔ مستفیض کے بعد اُس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت اور حُسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہوگیا ہو، پھر ان حدیثوں کے بعد اُن حدیثوں کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے اختلاف کیا ہو کسی نے قبول کیا اور کسی نے رد۔ طریقہ صرف یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کئے جائیں اُنکی صورت یہ ہے کہ اصحاب پاک نے حضور انور کو کوئی امر فرماتے ہوئے سُنا اور اس سے کوئی حکم کسی شے واجب وغیرہ ہونے کا مستنبط کرلیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کردی اور کہدیا فلاں شے واجب ہے فلاں جائز ہے۔ پھر تابعین نے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتوؤں اور فیصلوں کو اسی کے مطابق مدون کرکے خوب استحکام کرلیا۔ اس طریقہ میں حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بڑے پایہ کے مانے جاتے ہیں لیکن حضرت عمر ہر مقدمہ میں صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ دیا کرتے تھے اور پھر آپ کا فیصلہ ناطق ہوتا تھا اور وہ ایسا فیصلہ ہوتا تھا کہ شرق و مغرب ہر شخص کو اس فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمر کی وفات سے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہوگئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے جو راستہ اختیار کیا ہم نے اُسے بہت ہی آسان پایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی مقدمہ کے فیصلہ میں مشورہ کرنے کی عادت نہ تھی اسلئے آپ کے فیصلے صرف کوفہ ہی میں محدود رہے اور عام طور پر اُن کی مقبولیت نہیں ہوئی۔ بہت چند لوگ تھے جو آپ کے فیصلوں سے احکام اخذ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قیام اکثر کوفہ میں رہتا تھا اس لئے اُن کا بھی اثر اسی اطراف کے لوگوں پر رہا۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس کا زمانہ آیا اُنھوں نے خود اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں اگلوں کی مخالفت کی۔ مکہ معظمہ میں آپ کے پیرو بہت سے پیدا ہوگئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنے مسلک سے اس بات کا ثبوت دیدیا کہ استنباطی مسائل میں دوسروں کے احکام کی تقلید کرنی کچھ ضرور نہیں ہے۔ آپ نے جو مسلک اختیار کیا وہ جمہور اسلام کے بالکل برخلاف تھا ان چاروں صحابہ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے لیکن رکن، شرط، مستحب اور مسنون میں اُنہیں امتیاز نہ تھا۔ اور ایسے تو بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلالت کی حالت میں اُن کا کوئی خاص قول ہوتا۔ عبداللہ ابن عمر، حضرت عائشہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس درجہ کے قابل تھے اور تابعین کے اکابر میں اسی قسم کے لوگ مدینہ میں فقہائے سبعہ تھے مثلاً مکہ میں عطا بن رباح کوفہ میں ابراہیم شریح اور امام شعبی بصرہ میں حسن بصری رحمہم اللہ مانے جاتے تھے۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ اجتہادی مسائل میں کوئی شخص کسی کی تقلید پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ اجتہادی حالت میں بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں صحابہ اور تابعین کے قیاسوں کا مجموعہ شامل ہوا کرتا ہے اُس میں وہ امور مندرج ہوتے ہیں جو اُنھوں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور یہ ضرور نہیں کہ اجتہاد ہمیشہ درست ہی ہوا کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کرنے والے کو حدیث نہیں ملا کرتی یا ایسی حدیث ملتی ہے جو حجت کے قابل نہیں ہوتی اسلئے اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔

کی زبان پر ہین انکا ماخذ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات ہے ۔

بات صرف یہ ہے کہ اسلام کسے کہتے ہین اور آیا اس قیامت خیز وقت مین جبکہ مسلمانون کا ایک گروہ دوسرے مسلمان گروہ کو کافر بتا رہا ہے میار اسلام کوئی قایم بھی ہوسکتا ہے یا نہین ۔ صرف سوال یہ ہے اور ہمارا اصلی مقصود بھی یہی ہے کہ ہم یہ بتا دین کہ مسلمان کی نشانی کیا ہے اور اسلام کے کتنے مختصر اور سیدھے اصول ہین حضور انور فرماتے ہین "من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ "۔ یعنی جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ہی قبلہ اس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہی ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اور خدا اور رسول اس کا ذمہ وار ہے پس تم لوگ خدائے تعالے کے معاہدہ مین دخل نہ دینا ۔ تمام باہمی مناقشون اور جھگڑون کا فیصلہ اس صحیح حدیث نے کر دیا تین علامتین حضور انور نے مسلمان ہونے کی قرار دی ہین ۔ نماز ۔ قبلہ کا ایک ہونا اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جس مین یہ تینون باتین پائی جاتی ہون وہ مسلمان ہی ہے اور اس کا ذمہ وار خدا اور رسول بھی ہے ۔

ایسے شخص کو اگر کوئی مسلمان نہ کہے وہ خداوند تعالی کا بہت بڑا گنہگار ہے گویا اس نے خدائے تعالی کے معاہدہ مین دخل دیا ۔ اس سے زیادہ آسان مذہب دنیا مین اور نہین ہوسکتا ۔ تمام طول طویل مباحثے تمام لمبی چوڑی تراش خراش جو اسلامی اصول مین پیدا ہوتی جاتی ہے اور عقائد مختلفہ کی پیچیدگیان اور صدہا گروہ جو اس وقت موجود ہین اور گذشتہ زمانہ مین ان کا بہت زور رہ چکا ہے تمام باتین محض اوقات گزاری یا علمی دنیا مین اپنی ناموری پیدا کرنے کے لئے کی جاتی تھین اسلام علمائے کرام کی تحقیق کا محتاج ہے نہ فقہائے عظیم اور لاانتہا دفاتر کا اور نہ لاکھون جوڑ اور بے جوڑ روایتون کا نفس اسلام کو ان باتون سے کچھ بھی تعلق نہین ہے ۔ یہ جتنی باتین ہین محض اعلٰے تمدن حاصل ہونے کا ذریعہ ہین ۔ اسلام سے انہین کچھ سروکار نہین ہے ۔ کاش اگر یہی آسان اصول تلقین کئے جائین تو بہت آسانی سے تمام دنیا مسلمان ہوسکتی ہے حقیقت کے منہ پر اخیر کب تک پردہ پڑا رہے گا ایک دن یہ ہونا ہے اور ہوکے رہے گا کہ اسلام کے سچے اور آسان اصول عامہ خلایق کے آگے پیش ہون گے اور کل مسلمان سگے بھائیون کی طرح باہم مل جائین گے اور یہ جزوی مخالفت جس نے دشمنی کا رنگ تدریج اختیار کر لیا ہے بالکل مٹ جائے گی اور پھر ڈھونڈے سے بھی مخالفت کا نام ونشان نہین رہے گا ۔

حضور انور نے اسلام کا معیار ایسے الفاظ مین بیان فرمایا ہے کہ اس مین کچھ بھی چون وچرا کی گنجایش نہین ہے نہ اس مین کوئی مین میکھ نکالی جاسکتی ہے اور نہ اس فیصلہ ہی کی توضیح اور تشریح کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ حضور انور کا ارشاد ہوا ہے "ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام "۔ یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس سے کچھ مداخلت نہ کر اکسی گناہ سے اسے کافر مت بتانا اور کیسا ہی کچھ کرے اسے اسلام سے خارج مت جاننا اس سے زیادہ صریح الفاظ جن سے تمام بحثون اور طویل حجتون کا فیصلہ ہوتا ہے اور اسلام کے خاص اصول کی توضیح ہوتی ہے دنیا کی کل حکمتون کا لب لباب ہین ۔ صوفی ہو یا غیر صوفی ۔ وہابی ہو یا بدعتی معتزلی ہو یا خارجی شیعہ ہو یا رافضی جو کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے جب مسلمان ہوا تو بھائی ہوا ۔ جب یہ سمجھ لیا جائے کہ سب مسلمان بھائی ہین تو اس سے زیادہ اتحاد کی بنیاد اور کسی صورت سے قایم نہین ہوسکتی ۔ خدا جانتا ہے اسلام تمام خیالی مباحثون اور عقلی حجتون سے پاک ہے ۔

کہ اس کی تمام حدیثین صحیح ہین۔ امام مالک کے زمانہ مین اکثر موطائین تصنیف کی گئین جن مین موطائے مالک کے احادیث کی تخریج ہوئی ہے اور اُن کی منقطع احادیث کا متصل ہونا ثابت کیا گیا ہے مثلاً ابن ابی ذیب۔ ابن عیینہ ثوری معمر وغیرہ کی کتابین جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے۔ موطا کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگون نے دور دور دراز سے سفر کرکے موطا کو امام مالک سے اخذ کیا۔ امام مالک کے بہت بڑے بڑے شاگرد تھے جن کی فقاہت مشہور اور اعلےٰ درجہ کی تھی۔ مثلاً امام شافعی۔ محمد بن حسن۔ ابن وہب اور ابن قاسم۔ ان مین بعض بڑے او منجرا ور محدثین تھے جیسے یحیٰ ابن سعید قطان عبدالرحمٰن بن مہدی۔ اور عبدالرزاق۔ آپکے بعض شاگرد سلاطین اور امرا بھی تھے۔ مثلاً رشید اور اُن کے دونون بیٹے۔ موطا کی شہرت امام مالک ہی کے زمانہ مین خوب ہوگئی تھی اور جو جو زمانہ گزرتا گیا اُس کی شہرت مین جان آتی گئی۔ مختلف شہرون کے فقہائے اپنے مذہب کی بنیاد اسی پر قایم کی بعض مسائل مین اہل عراق نے بھی اسی ہینے قرار دیا اور علما برابر اُس کی حدیثون کی تخریج کرتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ موطا کے آگے امام محمد کی کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کی کتاب امالی کی کوئی ہستی نہین ہے۔

صحیحین پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ صحیحین مین جتنی حدیثین مرفوع متصل ہین وہ سب صحیح ہین ان دونون کتابون کا ثبوت مصنفین تک بالتواتر ہے۔ یہ بھی عقیدہ ہے کہ جس شخص کی نظر مین ان کتابون کی عظمت نہ ہو وہ مبتدع ہے صحیحین کے مقابلہ مین ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابون اور خوارزمی وغیرہ کی سندون سے کوئی بھی تعلق نہین ہے۔ دوسرے طبقہ کی کتابین موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہین پہنچی ہین لیکن اُن کے قریب قریب اُن کا درجہ قرار دیا گیا ہے ان کے مصنف ثقاہت۔ عدالت اور حفظ مین مشہور و معروف تھے۔ فنون حدیث مین بھی اُنھین متبحر تسلیم کیا گیا ہے تیسرے طبقہ مین وہ مسندین۔ جوامع اور تصنیفات داخل ہین جو بخاری و مسلم سے پہلے یا اُن کے زمانہ مین یا اُن کے بعد تصنیف کی گئی ہین۔ اور ان مین صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ معروف۔ غریب۔ شاذ۔ منکر۔ خطا صواب اور ثابت وغیرہ سب قسم کی حدیثین موجود ہین۔ اس طبقہ مین مسند ابوعلی۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔ طیالسی۔ بیہقی۔ طحاوی اور طبرانی کی کتابین ہین۔ ان لوگون نے بغیر تحقیقات کے جو پایا جمع کیا۔ اور کبھی اُنھین صحیح غلط کے انتخاب کرنے کا خیال نہین آیا۔

چوتھے طبقہ مین وہ کتابین ہین جن مین وہ احادیث جمع کی گئی ہین کہ جو احادیث طبقہ اولے اور طبقہ دوم مین جمع نہین ہوئی تھین یہ حدیثین جو ان کتابون مین مندرج کی گئی ہین وہ حدیثین تھین جو اکثر واعظ نہایت مبالغہ آمیزی سے بیان کیا کرتے تھے یا وہ حدیثین تھین جو خودغرضون اور ضعیف راویون سے مروی تھین یا صحابہ اور تابعین کے آثار تھے یا سہو دیون کے اور شعرا یا حکمائے وقت کے اقوال تھے جو راویون نے غلطی سے حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک حدیثون مین خلط ملط کر دیے تھے۔

پانچوین طبقہ مین وہ کتابین ہین کہ فقہا۔ صوفیہ اور مورخین کی مایۂ بساط ہین اور ان ہی مین ان کتابون کی بہت شہرت ہے اور مذکورہ بالا چارون طبقون مین اُن کی کچھہ اصل نہین معلوم ہوتی۔ جتنی خلاف قیاس باتین صوفیون اور غلو

ایسا نہین ہوا کہ اُس کی اُمت مین سے کچھ لوگ اُس کے حواری اور دوست اُس کی سنت پر عمل کرنے والے اور اُس کے حکم کے فرمانبردار نہ پیدا کئے ہون پھر اُن کے بعد نااہل لوگ پیدا ہوجاتے ہین جو کہتے ہین کرتے نہین اور جن باتون کا حکم اُن کو نہین ہوتا وہ کرتے ہین جو ہاتھ سے اُن کے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو اُن سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو قلب سے کرے وہ بھی ایماندار ہے اور اُس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہین ہے" حضور انور نے ان لوگون پر عتاب فرمایا ہے جو کہتے ہین کرتے نہین اور ان پر تین قسم کے جہاد فرض کئے ہین۔ اللہ اکبر اسلام کی کتنی بڑی شان ہے کہ اس مین ایسا شخص گردن زدنی قرار دیا گیا ہے جو کہتا ہے وہ کرتا نہین۔ کوئی مذہب بھی ایسا کوئی حکم اپنی کتابون مین پیش نہین کرسکتا اسی سے اسلام کا سچا جلال اور تمام عالم کے لئے اُس کا موزون ہونا پایا جاتا ہے دنیا مین اگر کوئی چیز اعلے تمدن اور اعلے شائستگی کی بنیاد ہے تو وہ یہی ہے جو کچھ زبان سے کہا جائے وہ ضرور کیا جائے اور جس نے ایسا نہین کیا اُس نے گویا اسلام کے سب سے بڑے رُکن سے روتابی کی اور اسی لئے حضور انور نے اُس پر جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر فی الواقع عین تمدن اور عین اخلاق سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ جرم ہو نہین سکتا کہ جو کچھ زبان سے کہا جائے وہ کیا نہ جائے۔ یہ اعلے درجہ کے اصول تھے جنھون نے لوگون کے دلون مین گھر کیا اور روشنی کی رفتار مین اسلام کو مشرق مغرب جنوب شمال پہنچا دیا اور اخیر یہ ہوا کہ زمانہ نے بہت سے گران بہا تاج اسلام کے قدمون پر نثار کردیئے۔ اور اسے نصف پرانی دنیا کی کنجیان سونپ دین۔

سب سے زیادہ اس وقت قرآن ہے جو ہمارے مذہب کی پوری عظمت ظاہر کرتا ہے ہم اسی کو پیش کرتے ہین اور وہی تمام قضیون اور جھگڑون کا اچھا فیصلہ کرسکتا ہے۔ قوم ہرگز پست نہ ہوتی اگر قرآنی احکام پر پورا عمل کرتی۔ اور اب بھی جبکہ اسلام کی اکثر سلطنتین صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہین قرآنی احکام نہایت شد و مد سے تسلیم کئے جاتے ہین جب کوئی قوم قرآنی دائرہ مین آجاتی ہے وہ اول درجہ کی پاکباز بن جاتی ہے۔ ان احکام مین ایک زندہ روح موجود ہے جو اور کسی مذہبی کتاب مین نہین پائی جاتی۔ رسول اکرم نے اپنی اُمت کو خواہ شہنشاہ ہو یا عام رعیت قرآنی احکام کی پابندی کا سختی سے حکم دیا ہے اسلئے یہ عین قانون قدرت ہے اور ان پر عمل کرنا دین و دنیا کی سرسبزی کا باعث ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہوتا ہے۔ "لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ" یعنی تم مین سے کسی شخص کو تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت مین نہ پاؤن کہ جس بات کا مین نے حکم دیا ہے یا اُس سے نہی کی ہے وہ امر ہو یا نہی اُسے معلوم ہوا اور وہ کہے مین ان باتون کو نہین جانتا جو قرآن مین موجود ہین ہم لوگ تو اُس کا اتباع کرتے ہین۔

اسلام مین غیر ضروری تشدد عبادت مین کرنا منع ہے

رہبانیت جس نے کسی زمانہ مین تمدن انسانی کو سخت صدمہ پہنچایا تھا اسلام نے اُس کی بہت دھوم دھام سے تردید کی ہے۔ دنیا کی جتنی قومین قبل ازاسلام تھین اُن مین تشدد عبادت حد سے زیادہ تھا وہ ترک دنیا کو اپنی عبادت اور

یہ الفاظ خواہ وہ کچھ ہی کرے اُسے اسلام سے خارج نہ کرو ایک عجیب وغریب معنی رکھتے ہین اور ساتھ ہی اسلام کی وسعت اور آزادی معلوم ہوتی ہے۔ ایک بد اعمال شخص کے لئے بس اسی قدر کافی ہے کہ دنیا مین وہ ذلیل ہو اور آخرت مین خدائے زمین وزمان اُس سے بازپرس کرے اور بس۔ وہ اپنے اعمال کی خود سزا پائیگا مگر بد اعمالی کے ساتھ جب وہ اسلام کی نشانی بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے یعنی کلمہ پڑہتا ہے۔ قبلہ کی طرف مُنہ کرکے نماز ادا کرتا ہی پھر کسے حق حاصل ہی کہ اسلام سے خارج کرے اسلام کسی مولوی یا مجتہد کا ذاتی مذہب نہین ہے بلکہ اسلام دین خدا ہے۔ جو شخص کلمہ پڑہتا ہے خدا ورسول اُس کا ضامن ہوتا ہے۔ جب خدا ورسول کی ضمانت ہوگئی پھر اُسے کوئی شخص بھی خارج از اسلام نہین کرسکتا۔

اگر مسلمان آنکھین کھول کر حضور انور کی ان صحیح حدیثون کو دیکھ لین تو اُن کی حالت بہت درست ہوجائے اور پھر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے لفظ کفر استعمال کرنے کا کبھی زہرہ نہ ہو۔ ایک مرتبہ حضور انور سے ایک شخص نے عرض کیا قیل یارسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسأل عنہ احداً بعدک وفی روایۃ غیرک۔ قال آمنت باللہ ثم استقم یعنی اسلام کی کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیجے کہ پھر مجھے آپ کے بعد کسی دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ مین خدا پر ایمان لایا اور پھر اُس پر جمار ہو۔ اس حدیث کی تشریح یہ ہوسکتی ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے بعد اسلام مین پھر کسی چیز کی ضرورت نہین ہے۔ مسلمان کے لئے بس یہی کافی ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے باقی جتنے معاملات ہین اسلام سے اُن کا کوئی تعلق نہین ہے سب اُس کی ذات سے وابستہ ہین وہ جانے اور اُس کا کام۔ اگر تمام ادیان عالم مین کوئی آسان مذہب ہے اور جس کے اصول محض دو تین الفاظ مین ادا ہوسکتے ہین تو وہ اسلام ہے۔ یہی اسلام تھا جس نے تمام دنیا کو اپنا رام بنالیا تھا اور یہی دو لفظی اصول تھے جنہین چند لمحے مین ایک وحشی بدو دلنشین کرکے چلا جاتا تھا۔ اگر آج بھی یہی اسلام رواج دیدیا جائے تو بڑی کامیابی کی اُمید ہوسکتی ہے۔ ہم اسلام کے روشن اور صاف چہرہ کو کتنا ہی مکدر کرین لیکن اسلام تو اُس کدورت مین بھی اپنی تابانی دکھاتا ہے جوق جوق بوق بوق سے اسلام مین ہرگز رخنہ نہین پڑسکتا اور خدا گواہ ہے کہ مولویون کی پیچیدگی سے اسلام کو کچھ بھی تعلق نہین ہے۔ پھر حضور انور کا ارشاد ہوا ہے "ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار" یعنی کوئی ایسا شخص نہین ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑہے مگر خدائے تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اُس پر حرام کردے گا۔ اسلام کی حیرت انگیز ترقی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اسلام یہودیت اور نصرانیت کے مقابلہ مین بہت ہی آسان تھا۔ ورنہ سمجھ مین نہین آتا کہ جن مذاہب کی بڑی سلطنتین قائم ہون اور جو صدیون سے چلے آتے ہون اور اُن کا اثر مخلوق خدا کے خون مین ہوچکا ہو جو غریبی سے پیدا ہوا ہو نہ جسکے پاس سلطنت ہو نہ شوکت وعظمت ہو تا فاتاً مین غالب آجائے اور غالب بھی ایسا کہ قدیم سلطنتون کو دبا بیٹھے اور پھر اُسکے آگے کسی کو دم مارنے کا یارا نہ ہو۔ حضور انور کی منجملہ صدہا پیشین گوئیون کے جو وقتاً فوقتاً پوری ہوئین ایک یہ پیشین گوئی بھی ہے "ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل" یعنی مجھسے پہلے خدائے تعالےٰ نے کوئی نبی اپنی اُمت مین

کبھی مسلمان نہین ہو سکتا۔ اُس مقدس ذات نے بنی نوع کی امداد کو انسانی زندگی اور اُس کی ابدی نجات کا جزو اعظم تصوّر
فرمایا ہے اور جب آپ نے حاتم کی بیٹی کو معہ بنی طے کے اور قیدیون کے صرف اس بنا پر چھوڑ دیا ہے کہ اس گروہ کا اُس نیک مرد
سے تعلق تھا جو بھوکون کو کھانا کھلاتا تھا قرضداروں کا قرض ادا کرتا تھا اور قیدیون کو روپیہ دیکے چھڑوا دیتا تھا۔ جب حاتم
کی بیٹی کی زبانی یہ ساری باتین گوش گزار فرمائین تو حضور ممدوح نے نہ صرف اُس خاتون کو معہ اُس کے کُل گروہ کے چھوڑ دیا
بلکہ حاتم جیسے غیر مسلمان شخص کے لئے دعائے خیر کی اور نجات اُخروی کے آرزومند ہوئے۔ اب خیال کرنے کی جگہ ہے
کہ آپ نے مذکورۂ بالا صفات کے کیسی اعلیٰ درجہ کی نیکی تصور فرمایا کہ ایک دشمن گروہ کو محض اس بنا پر کہ اُس کا حاتم جیسے نیک
دل شخص سے تعلق ہے صاف چھوڑ دیا اور کسی قسم کا فدیہ تک نہین لیا۔ اگر اُس وقت حاتم خود ہوتا تو آپ اُس کی بہت
خاطر کرتے۔ بس یہ ہے نفس اسلام جس شخص مین باوجود مسلمان ہونے کے یہ صفتین نہین ہین اُس کا اسلام دو کوڑی کا
نماز اور روزہ یا حج اور زکوٰۃ۔ اگر ذاتی اغراض کے لئے کی جاتی ہین تو اُن کا کرنا فضول ہے اور اگر عبادت آلہی سے غرض
بنی نوع کی اصلاح مقصود ہے تو وہ ضرور مقبول درگاہ احدیت ہے۔ عبادت آلہی کا مقصود ہے تزکیہ نفس اور تزکیہ نفس کے
معنی ہین اپنے بھائیون کے لئے مفید ثابت ہونا اور جب یہ مدعا حاصل نہین ہے تو سمجھو کہ عبادت ہی فضول ہے اور
ایسی عبادت کی خدائے افواج پروا نہین کرتا۔

یہ بات مسلم ہے کہ خدائے عزوجل کی ذات لاپروا ہے اور آسے نہ کسی کی عبادت سے غرض ہے اور نہ اطاعت سے
اُس نے ہمین اپنی اطاعت کے حکم دیئے ہین صرف اس لئے تاکہ ہم دنیا مین نیک زندگی گزارین اور ہمارا وجود اُسکے
اور بندون کے حق مین فائدہ مند ثابت ہو اگر ہم نے اس مدعا کو مدنظر نہ رکھا تو ہماری پنج وقتہ نماز یا حج و زکوٰۃ کا کیا
حاصل ہوا۔ ہماری نمازون کی خدائے وحدہ لاشریک کو ضرورت نہین ادھر ہماری نمازون سے اُس کی مخلوق کو فائدہ
نہین پھر ایسی غیر مفید چیز کا عدم وجود برابر ہے۔ بدنصیب ہین جو لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہین اور اُنہون نے کبھی اپنے
دونون ہاتھ مظلومون کو اپنی آغوش مین لینے کے لئے نہین بڑھائے۔ ایسے لوگ خواہ کتنے ہی عبادت گزار ہون ابدی
جہنمی ہین اور اُن کی یہ ظاہری عبادت گزاری آن کی بخشش کی اُس قہار جبار کی بارگاہ مین سفارش نہین کر سکتی۔

جس طرح اسلام کو اپنی اور باتون پر فخر ہے اسی طرح اپنی عبادات پر بھی وہ اور مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے اور جو باریکیان
اُس نے اپنی عبادات مین رکھی ہین اُنہین ایک روشن ضمیر کی آنکھ اچھی طرح دیکھ سکتی ہے۔ اجمالی طور پر نماز کی بہت
بڑا مفہوم یہ ہے کہ اپنی تمام کمزوریون کا ہر وقت خیال رہے اور اپنی تمام قوتون سے کام لے کے اپنا بھروسہ اپنے
خالق حقیقی پر کرلے کبھی اپنی کسی قوت پر فخر نہ کرے اور اپنی کسی بات پر مغرور نہ ہو ہر بات کو خدا کی ذات پر رکھ کے اور ہمیشہ
اس عمل کے بعد اپنے قوت بازو پر اعتماد کرکے جہان تک ممکن ہو دوسرون کا دست نگر نہ ہو نماز سکھاتی ہے کہ اپنی وقعت
انسان کیونکر قایم کر سکتا ہے اور باوجود انتہا درجہ انکساری کے بھی وہ کیونکر اپنے کو معزز و ممتاز بنا سکتا ہے۔
"اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" صرف اس دو لفظی جملے کے الفاظ معارف انسانی کے دفاتر اپنے مین پوشیدہ رکھتے ہین۔
ان مین انکساری اور اپنی آپ عزت کرنے کی پوری تعلیم کی گئی ہے انکساری تو یہ ہے کہ تیری ہی عبادت کرتے ہین اور

خدا پرستی کا جزو اعظم خیال کرتی تہین اور جب کہ ایک شخص دنیا سے پہلوتہی کرکے کسی گوشہ مین بیٹھ جاتا تھا اور اپنے شبانہ روز مین سوائے غیر معمولی مراقبون اور سخت سے سخت مجاہدون کے اور کچہہ نہ کرتا تھا رہبانیت کا زہر خدا کی مخلوق مین سرایت کرتا جاتا تھا اور اس مہلک مرض نے انسانی فرائض کو شامتو کے خاک سیاہ کردیا تھا اسلام نے دنیا مین پیدا ہوتے ہی یہ شہادت دی "لا رھبانیۃ فی الاسلام" اسلام مین رہبانیت نہین ہے۔ اسلام چون کہ قوانین قدرت کے مطابق ہے اس لئے اس کے کل احکام عین فطرت انسانی کے مطابق ہین۔ خود انسان کی ذات پر خیال کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے کے لئے انسان نہین پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا مین کامل استغراق کا نام عین خدا پرستی ہے جس شخص کو دنیا سے محبت نہین ہے خدا سے محبت نہین یعنی دنیا اور خدا کی محبت لازم و ملزوم ہے اور جنھون نے اس کے خلاف سمجھا ہے سخت غلطی کی ہے۔ دنیا مین دین اور دین مین دنیا ہے۔ شارع اسلام نے ان دونون کو ملا دیا ہے اور بغیر دونون سے تعلق پیدا کئے نجات ممکن نہین۔

دنیا کی محبت کے یہ معنی نہین ہین کہ نفس پرستی کی جائے۔ دوسرون کا مال غصب کیا جائے اور تمام عمر مین حق العباد کی ایک پوٹ باندھ کے دنیا سے رخصت ہون بلکہ دنیا پرستی کے معنی ہین بنی نوع کی اصلاح کرنا۔ اخلاق و تمدن پہیلانا۔ لوگون کو نیک اعمال سکھانا۔ اپنی نیک اعمالی سے ایک اچھی نظیر دنیا مین قایم کرنا۔ خدائے قادر مطلق کی ہری بھری کھیتی کی آبیاری کرنا۔ مظلومون کی مدد کرنا اور شکستہ دلون کی ڈھارس بندھوانا اپنے بھائیون سے بخندہ پیشانی ملنا اور ہر وقت اپنی بے ثبات زندگی کو مدنظر رکھنا اپنی ان شریف قوتون کو جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی ہین کام مین لانا یہ ہے دنیا پرستی اور دنیا داری اسی دنیا پرستی مین دین پرستی چھپی ہوئی ہے اگر کوئی شخص اس قسم کا دنیا پرست نہین ہے گویا اسے دین سے کچہہ علاقہ نہین ہے جو لوگ بدقسمتی سے دنیا سے کنارہ کرنے کو دین کا جزو اعظم جانتے ہین وہ گویا نفس انسانیت کے دامن پر ایک داغ ہین اور ان کا دین دنیا دونون خراب ہین۔

فرض کرو کہ کسی شخص نے دنیا سے کنارہ کرکے کسی پہاڑ کے گوشہ مین سکونت اختیار کر لی ہے اور وہان اس کا تمام وقت مجاہدون اور مراقبون مین صرف ہوتا ہے یا اس نے اپنا کوئی عضو خشک کر لیا ہے یا پے در پے کے فاقون سے اپنے کو ایسا مضمحل اور ضعیف کر لیا ہے کہ اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہین کھا سکتا ایسا شخص فی الحقیقت گردن زدنی ہے اور خدائے ذوالجلال کی عالی بارگاہ مین ضرور اس سے اس بات کی بازپرس ہو گی کہ جو شریف قوتین ہم نے تجھ مین ودیعت کی تہین ان سے تو نے کیا کام لیا اور تو نے سوائے ذاتی اغراض مین محو رہنے کے میری مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اگر ہم ایسے گوشہ نشین شخص کو ولی کامل بھی تصور کر لین پھر بھی ہم اسے بڑا خود غرض کہین گے کیون کہ اس نے تمام عمر سوائے اپنی ترقی مدارج کے اور کوئی کام نہین کیا۔ ایسے شخص کا دنیا مین پیدا ہونا نہ ہونا یکسان ہے۔ فرض کرو کہ تمام دنیا ایسی ہی خود غرض اور نفس پرست بنجائے اس وقت خدائے عزوجل کی غریب مخلوق کی کیا کیفیت ہو یتیم کیون کر جئین مظلوم ظالمون کے پنجون سے کیون کر محفوظ رہین بیوہ عورتون کی کون سرپرستی کرے اور اپاہج لنگڑے لولون کو کون مدد دے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی ہمارے لئے ایک نمونہ ہین اور ہمارا ایمان ہے کہ رسول کا صریح مخالف

اور اُس کی نماز جب بھی اُسی وقعت سے دیکھی جائے گی جیسے وہ مسجد مین پڑھتا۔ یہ ضرور نہین کہ وہ بیٹھ کے یا کھڑے ہو کے نماز پڑھے بلکہ لیٹ کے بھی اگر اس سے اُٹھا نہ جا سکے تو نماز پڑھ سکتا ہے محض آنکھ کے اشارہ سے بھی نماز ادا ہو سکتی ہے اگر حاجت غسل ہوا در نہا نہ سکے تو صرف تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے پانچ وقت کی نماز علیحدہ علیحدہ ہر وقت پر پڑھنے کا حکم ہوا ہے لیکن بوقت ضرورت وہ ظہر اور عصر، مغرب اور عشا کی نمازین ملا کے پڑھ سکتا ہے۔ اگر وہ کسی بیماری کی وجہ سے وضو نہ کر سکے تو معمولی تیمم سے اپنا مذہبی فرض ادا کر سکتا ہے۔ جاڑے مین آسے اونی جرابین آنار کے وضو مین پیر دھونے کی ضرورت نہین ہے صرف اوپر سے ہاتھ ہی پھیرنا کافی ہے۔ یہ ہے بے نظیر آسانی جو اسلام کے سب سے بڑے فرض مین کردی گئی ہے۔ اور ہر پہلو سے جسمانی صحت کا بہت بڑا پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ شارع اسلام نے تمام مذہبی فرائض کو اتنا آسان کر دیا ہے کہ بغیر کسی تکلف اور سختی جھیلنے کے ہر فرض کی ادائگی بآسانی ہوتی چلی جائے اور انسان کو عبادت الٰہی کا کوئی پہلو گران نہ معلوم ہو۔

اسلام اور دنیا پرستی

عام طور پر یہ خیال دو تین صدی سے پھیلا ہوا ہے کہ دنیا مین دل لگانا اور اس کی طرف توجہ کرنا حرام مطلق ہے اور اسی لحاظ سے دولت سے بھی سخت نفرت کی جاتی ہے اور اس کو شل ہونے کے سمجھا جاتا ہے دنیا سے نفرت پیدا کرنے کا خیال سب سے پہلے صوفیون نے ایجاد کیا۔ چون کہ اکثر صوفی کم استطاعت ہوئے ہین اس لئے امیرون اور شاہون کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لئے اُنہون نے دنیا کو گالیان دینی شروع کین اور مال و دولت سے نفرت کی تاکہ عوام اُن کی طرف رجوع ہون اور اُنہین مفلس سمجھ کے اُن سے نفرت نہ کرین اسی طرح شاہ اور امرا بھی اُن کی وقعت کرین اور اُنہین مستغنی سمجھ کے اُن کی پرستش کرنے لگین۔ خیر القرون مین دنیا اور اس کی دولت سے کبھی نفرت نہین ظاہر کی گئی بلکہ دولت کو ذریعہ اشاعت اسلام اور جزو زندگی خیال کیا گیا یہانتک حضور انور نے تو دولت کی اتنی وقعت کی ہے کہ آپ نے اُس شخص کو جو روپیہ کے لئے مارا جائے شہید فرمایا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے چاہیتے صحابی تھے کسی صوبہ کا عامل بنا کے بھیجا جب اُن کی مدت ختم ہو گئی تو وہ واپس آئے اور اُن کے ساتھ کئی چھکڑے قیمتی سامان کے بھرے ہوئے تھے اور نقد روپیہ بھی بہت تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوہریرہ یہ مال کہان سے آیا حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا عمرؓ یہ مال میرا ہے جو مین نے تجارت سے حاصل کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ روپیہ اور کل سامان تمہین بیت المال مین داخل کرنا ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ یہ سُن کے چین بجبین ہوئے اور کہا یہ مال میرے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہے مین ہرگز بیت المال مین داخل نہین کرنے کا حضرت عمرؓ نے فرمایا سُن ابوہریرہ جب مین نے تجھے عامل بنا کے بھیجا ہے تو تیرا سارا وقت خرید لیا تھا ان اوقات مین جو کچھ تو نے کیا اور جو کمایا وہ میرا ہے یعنی عام مسلمانون کا ہے تو اس روپیہ اور سامان کا ہرگز مالک نہین ہے۔ حضرت ابوہریرہ اس معقول توضیح پر بھی اپنی جگہ پر قایم رہے اور کہا کہ یہ مال مین ہرگز نہ دون گا مین نے اپنے فرائض

تجھ ہی سے مدد چاہتے ہین یعنی ہم خالص تیرے بندے ہین اس لئے تجھ سے امداد چاہنی ہمارا فرض ہے۔ ایک تو یہ مفہوم ہوا جس سے سچی عبدیت پائی جاتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم سوائے تیرے کسی سے مدد نہین مانگتے اور نہین تیرے آگے کسی کی بھی پروا نہین ہے۔ تو ہی ہمارا معبود برحق ہے تیرے جلال کے آگے ہم دنیا کو ہیچ جانتے ہین دنیا مین تجھ سے زیادہ کوئی عبادت کے قابل نہین ہے۔ نفس عبدیت کا یہی مفہوم ہے کہ اپنے معبود حقیقی کے علاوہ تمام کائنات کو ہیچ سمجھے۔ اس سے زیادہ وقعت اور کسی بات مین انسان کی نہین ہوسکتی۔ تمام عبادتین جو اور مذاہب غیر خدا کی کرتے تھے یا کرتے ہین اس کے آگے کالعدم ثابت ہوگئین۔ خواہ کوئی پیغمبر ہو یا ولی یا کوئی قوت سماوی ہرگز اس کی عبادت جائز نہین ہے۔ یہ عظمت ہے جو قرآن کریم نے انسان کی رکھی ہے کہ وہ سوائے اپنے معبود حقیقی کے کسی کے آگے سر نہ جھکائے۔ پھر آگے دعا مانگی گئی ہے کہ ہمین ہدایت کا سیدھا رستہ دکھا۔ بہت بڑا مفہوم اس دعا مانگنے سے یہ ہے کہ انسان بالکل آزاد ہے اور اسے ضرور نہین ہے کہ کسی انسان کے آگے وہ صرف اس غرض سے سرخم کرے کہ ہمین ہدایت کا رستہ دکھائے گا۔ دوسری بہت بڑی بات اس آیت شریف مین یہ ہے کہ تمام انسانون کو ایک ہی درجہ مین رکھا ہے اور دکھایا ہے کہ کوئی پیغمبر ہو یا ولی، شہید ہو یا پیر سب اسی کے محتاج ہین اور ہر انسان کو واجب ہے کہ وہ بارگاہ صمدی مین نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ یہ دعا مانگا کرے۔ ہر فہمیدہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک زبردست ولی بھی یہ التجا کیا کرتا ہے کہ مجھے ہدایت کا رستہ دکھا پھر وہ بجائے خود کیا خاک کسی کی ہدایت کرسکتا ہے۔

اس آزادی پر جو مذہب اسلام نے ہر انسان کو بخشی ہے اسلام بہت بڑا فخر کرتا ہے۔ دنیا مین کوئی مذہب ایسا نہین ہے جس نے انسان کو اتنا باعظمت بنا کے آزاد کیا۔ اسلام اُس طرز عبادت کا بالکل مخالف ہے جو اور مذاہب مین ہوتی ہے۔ اُس نے جسم اور روح کو لازم گردانا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جسم کے کسی حصہ پر اگر کوئی تشدد ہو یا کوئی صدمہ پہنچے تو روحانی صحت ہرگز قایم نہین رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صفائی یا طہارت کے احکام بہت وضاحت سے بیان کئے گئے ہین اور جسمانی صفائی کو اس درجہ افضل کیا گیا ہے کہ اخیر مین محض جسمانی طہارت کو جزو ایمان قرار دیدیا ہے قرآن کریم حکم کرتا ہے کہ اپنے نفوس کو اتنی تکلیف نہ دو کہ برداشت نہ ہوسکے۔ خاص فرایض مین محض آسانی کی وجہ سے بہت کچھ تغیر و تبدل کردی گئی ہے۔ سفر مین فرایض نماز کا بہت اختصار کردیا ہے روزہ مین مرض، ضعف اور بڑی عمر کا لحاظ کیا گیا ہے۔ حج مین کافی روپیہ کی شرط لگادی گئی ہے۔ انصاف سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ آسان مذہب اور کیا ہوگا۔ نماز جو فی الحقیقت اسلام کا رکن اعظم ہے اور جس کی تائید کثرت سے قرآن مجید مین آئی ہے اور جو گویا اسلام اور غیر اسلام مین تمیز کرتی ہے۔ صرف آسانی پیدا کرنے کے لئے اس مین عظیم تغیر پیدا ہوگیا ہے شارع اسلام نے قدم قدم پر اس کو سہل بنانے کی کوشش کی ہے اور اتنا آسان کردیا ہے کہ کسی وقت بھی گرانی کا خیال نہین ہوسکتا نمازی کے لئے کوئی جبر نہین ہے کہ وہ مسجد ہی مین جاکے دوگانہ نماز کا ادا کرے۔ وہ بآزادی اپنے گھر مین بھی پڑھ سکتا ہے۔ ہر مسلمان بغیر امام کے نماز ادا کرسکتا ہے کسی حالت مین بھی اسے کسی امام کے تلاش کرنے کی ضرورت نہین پڑے گی۔ وہ بازار مین رستہ چلتے چلتے سڑک کے ایک خشک کونہ پر محض ایک رومال بچھا کے نماز پڑھ سکتا ہے

بغیر روپیہ کے اسلام کی ترقی ممکن نہ تھی۔ اسلاح خریدنے اور فوج کے سامان باربرداری اور خورد ونوش کے بہم پہنچانے کے لئے بغیر روپیہ کے کیونکر انتظام ممکن ہے۔ ہمارے ہان جتنے مجتہد گزرے ہین وہ بہت بڑے دولتمند تھے اور انکی دولت سے خدا و رسول کے بڑے بڑے کام نکلتے تھے۔ اسلام نے کہین بھی ایسی دولت اور اس دنیا پرستی کی برائی نہین کی ہے بلکہ اُسے جزو اسلام مانا ہے محض نادانی ہے کہ دنیا اور اُس کی دولت کو بلاوجہ برا کہا جاتا ہے۔ فی الحقیقت اسلام کی زندگی اور اسلام دولت ہی سے قایم ہے اگر دولت نہین تو کچھ نہین۔ دولت ہی سے مساجد بنتی ہین اور دولت ہی سے کل ارکان مذاہب ادا ہوتے ہین۔ عام طور پر اگرچہ دولت دنیا کو بری صورت سے پیش کیا جاتا ہے مگر کسی صوفی یا ولی کا قول قرآن مجید یا احادیث صحیحہ کے مقابل مین کوئی وقعت نہین رکھتا۔ ہزارون اشعار اردو و فارسی کے دولت اور دنیا کی برائی مین تصنیف ہو گئے مگر دیکھنا صرف یہ ہے آیا ان اشعار کے مصنف مفلس تھے یا دولتمند جہانتک واقعات رستہ دیتے ہین یہی معلوم ہوتا ہے کہ کل مفلس اور قلانچ تھے اور انہین دولت دنیا کی کبھی ہوا بھی نہین لگی تھی مولنا روم صاحب کی مثنوی کے بہت سے اشعار پیش کئے جاتے ہین جن مین ترک دنیا کی تحریص و ترغیب دلائی گئی ہے اگر یہ اشعار فرضی اور خیالی نہین ہین اگر یہ اشعار واقعی ایک ولی کامل کے فکر کا نتیجہ ہین تو ان کا وہ مفہوم نہین ہے جو بعض صوفی مشرب سمجھ بیٹھے ہین مثلاً ایک شعر یہ ہے جس مین اہل دنیا کے ساتھ بہت ہی سختی برتی گئی ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند — روز و شب در بق بق و در زق زق اند

مولنا روم نے ان اہل دنیا کو کافر مطلق کہا ہے جو سوائے بق بق اور زق زق اور کچھ کرتے ہی نہین۔ کافر کے معنی ہین منکر کے گویا بق بق اور زق زق کرنے والا شخص خدائے تعالےٰ کے احکام کا منکر ہوا تو اُس کا کافر ہونا لازمی ہے

ہم ان شعرا کو ان ہی کے حال پر چھوڑ کے قرآن و حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہین اور دیکھتے ہین کہ کلام خدا اور کلام رسول مین دنیا اور اُس کی دولت کی مذمت کس صورت سے آئی ہے قرآن مجید کی آیتون کو چھوڑ کے اگر دیکھا جائے تو صدہا حدیثین دنیا کی مذمت مین موجود ہین مگر ان مین اکثر حدیثین تو موضوع و مردود ہین اور بعض حدیثین اگر صحیح بھی ہین تو ان کا وہ مفہوم نہین ہے جو عام طور پر مولویون نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مین ہرگز کلام نہین کہ ایک ایسا شخص جس کا ایک نفس بھی خدا کی یاد مین نہ گزرا ہو وہ ہرگز اپنی نفس پرستی کے سبب خدا و رسول کے احکام کا مطلب نہین سمجھ سکتا۔ قرآن مجید مین جابجا یہ بیان ہے کہ کفار نے طمع دولت سے کس طرح احکام خدا سے روگردانی کی قرآن مجید نے ایسی دولت کی بیشک حقارت کی ہے مگر اس سے یہ نہین پایا جاتا کہ وہ دولت بھی ویسی ہی نفرت کے قابل ہو جو خدا پرستی سکھائے۔ اور جس سے غریب مسلمانون کے کام نکلین۔

ہم وہ حدیثین نقل کرتے ہین جن مین دنیا کی برائی کی گئی ہے اور اسے مردار جانور کے برابر بتایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ

(۱) الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر (دنیا مومن کا قیدخانہ ہے اور کافر کی جنت) مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیہا الا ما کان للہ منہا (دنیا ملعون ہے اور جو اُس مین چیزین ہین وہ بھی ملعون ہین بجز ان اشیا کے جو خدا کے واسطے ہون۔ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

منصبی کو پورا سرانجام دیا اور فرصت کے وقت مین تجارت بھی کرتا رہا۔ حضرت عمرؓ کی عادت زیادہ قیل و قال کرنے کی نہ تھی آپ نے صاف کہدیا تو یکھ ابوہریرہ یہ کُل سامان تجھے بیت المال مین داخل کرنا ہوگا ورنہ تیرے لئے بہتر نہ ہوگا جب حجت تمام ہوگئی اور حضرت ابوہریرہ نے نہ مانا تو حضرت عمرؓ نے جبراً وہ سارا سامان چھین لیا اور حضرت ابوہریرہؓ کے دو چار زور سے دُرّے اُڑائے اخیر بچارے سیدھے اپنے گھر چلے گئے مال بیت المال مین داخل ہوگیا۔ ایک روز مسجد نبوی مین حضرت ابوہریرہؓ نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے حضرت عمرؓ بھی پیچھے جا کھڑے ہوئے پاس جاکے سنا تو یہ دُعا تھی "اے خدائے ذوالجلال اگر عمر نے مجھے حق پر مارا ہے تو پھر اُس کے لئے دُعا کرنے کی حاجت نہین اور جو ناحق پر مارا ہے تو مین نے دل سے معاف کیا اور تو بھی معاف کیجو کیونکہ وہ مسلمانون کا نیک خواہ اور اُن کی پشت پناہ ہے۔ یہ سُنکے حضرت عمرؓ سامنے آئے اور کہا ابوہریرہ تیار ہو جاؤ مین نے تمہارے لئے ایک اور صوبہ کی حاکمی تجویز کی ہے۔ (آپ نے مُسکرا کے فرمایا تھا) اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے یہ جواب دیا بس عمرؓ معاف کرو اب تمہارے دُرّے کھانے کا دم نہین ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ صحابہ دولت کو کتنا عزیز جانتے تھے اور کس قدر جزو زندگی خیال کرتے تھے۔ تم ایک بھوکے کا جو کئی فاقون کے بعد نیم جان ہو اگر مفلس ہو تو کیا خاک پیٹ بھر سکتے ہو۔ تم ایک بے وارثی رانڈ اور اُس کے یتیم بچون کی جب وہ بھوک کے مارے اپنی شکستہ دل مان کی گود مین ماہی نیم جان کی طرح تڑپ رہے ہون محض مفلسی پر کیا ڈھارس بندھا سکتے ہو۔ اگر مفلس ہو تو اپنے والدین کی تم سے کیا خاک خدمت ہو سکتی ہے۔ بی بی اور بچون کی کیا دستگیری کر سکتے ہو۔ روپیہ نہین ہے تو مکہ معظمہ اور روضۂ اقدس و اطہر کی زیارت کیونکر کر سکتے ہو۔ اسلام نے ہرگز دولت اور اُس کے کمانے کو منع نہین فرمایا بلکہ ایسی دولت کی حقارت کی ہے جو جانب کفر مایل کرے اور جس سے خدا و رسول کے احکام کی تکمیل کا خیال ہی نہ رہے۔ جس سے مسکینون پر ظلم کیا جائے اور رانڈون یتیمون کو ستایا جائے۔

حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا شام مین جاکے مال فروخت کیا تھا صرف یہی غرض سے آپ وہان تشریف لے گئے تھے کہ کچھ روپیہ پیدا ہو اور چچازاد بھائیون کی پوری سرپرستی کر سکین کیونکہ حضرت ابوطالب کا دیوالہ نکل چکا تھا اور وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ آنحضرت کی تو درکنار اپنی ہی اولاد کی پرورش کر سکتے پھر حضرت بی بی خدیجہ سے نکاح ہوا اور آپ کو روزمرّہ کی محنت سے سبکدوشی ملی یہ ساری باتین اس امر کی کافی شہادت ہین کہ روپیہ نے کیا کیا کام دیا۔ اگر حضرت ابوبکر دولتمند نہ ہوتے تو کثرت سے روپیہ دیکے حضرت بلال کو ان کے بیرحم آقا سے کیونکر آزاد کراتے۔ سب جانتے ہین کہ حضرت عثمان کی دولت نے اسلام کا کتنا کام دیا۔ اسی دولت کی وجہ سے حضرت عثمان کو غنی کا خطاب ملا تھا۔ خلفائے راشدین اگرچہ خود دولتمند نہ تھے لیکن خزانہ بھرا ہوا تھا اور کروڑہا روپیہ اُن کے اشارہ پر خرچ ہوتا تھا۔ اُنہون نے اپنی ذات کے لئے کبھی ایک پیسہ بھی صرف نہین کیا اور جو کچھ اُنکے پاس تھا مسلمانون کی بہتری کے لئے خرچ کردیا۔ اور اپنی ذات کے لئے اُس روپیہ مین سے اُسی قدر لیا جس سے وہ زندہ رہ سکین اور اُن کا تن ڈھک سکے۔

(مومن دو خوفون کے بیچ مین ہے ایک تو مدت کے بیچ مین جو گزر گئی وہ نہین جانتا کہ اللہ اُس کے ساتھ کیا کرے گا اور دوسری مدت کے بیچ مین جو باقی ہے نہین معلوم خدائے تعالےٰ اُس مین کیا حکم جاری کرے گا پس بندہ کو چاہیئے کہ اپنے نفس کے لئے اپنے نفس سے توشہ لے اور دنیا سے آخرت کے لئے اور زندگی سے موت کے لئے اور جوانی سے بڑھاپے کے لئے سامان کرے کیون کہ دنیا تمہارے لئے پیدا ہوئی ہے اور تم آخرت کے لئے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ مین میری جان ہے کہ موت کے بعد کوئی طلب عفو کی جگہ نہین اور دنیا کے بعد سوائے جنت و دوزخ کے کوئی گھر نہین) بیہقی در شعب بروایت حسن بن رجل من الاصحاب اور اُس کی سند مین انقطاع ہے۔

(۱۱) احذروا الدنیا فانها اسحر من هاروت وماروت" (دنیا سے ڈرو کہ وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے) بیہقی در شعب بروایت ابو داؤد۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثین ہین جن مین دنیا کی شدومد سے مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً حدیث مین آیا ہے کہ آپ کا گزر ایک مردار بکری پر ہوا حضور انور نے اپنے اصحاب سے ارشاد کیا کہ یہ بکری اپنے مالک کی نگاہ مین ذلیل ہے یا نہین صحابہ نے عرض کیا کہ اگر ذلیل نہوتی تو یہان کیون ڈالدی جاتی آنحضرت نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کی مٹھی مین میری جان ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس بکری سے بھی زیادہ ذلیل ہے اور اگر دنیا خدا کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اُس مین سے ایک گھونٹ بھی نہ ملتا ابن ماجہ و حاکم بروایت سہیل ابن سعد و مسلم نحوہ۔

پہر زید بن ارقم فرماتے ہین کہ ایک دن ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ نے پانی مانگا لوگ پانی شہد مین ملا ہوا لے آئے۔ جب آپنے منہ سے لگایا تو خوب روئے یہان تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی۔ آپ کی یہ رقت دیکھ کے اور صحابہ بھی زار و زار رونے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد اور صحابہ کو سکوت ہو گیا مگر حضرت صدیق اکبر اب بھی زاری کر رہے تھے اور صحابہ اگرچہ خاموش ہو گئے تھے لیکن اُن کی دلی رقت کی وہی کیفیت تھی وہ سمجھے کہ ہم سبب گریہ بھی نہ دریافت کر سکین گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صدیق اکبر نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا اے نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ کس سبب سے روئے تھے۔ آپنے فرمایا کہ مین ایک دفعہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا مین نے دیکھا کہ آپ کسی سے فرماتے ہین کہ میرے سامنے سے دور ہو حالانکہ وہان کوئی نہ تھا مین نے عرض کیا کہ آپ کس کو دفعہ کرتے ہین آپ نے فرمایا کہ اس وقت دنیا مجسم ہو کے میرے سامنے آئی مین نے اُس سے کہا کہ مجھ سے علیحدہ رہ وہ پہر آئی اور کہنے لگی اگر آپ مجھ سے بچے رہین گے تو آپکے اُمتی تو نہین بچین گے ایک اور روایت مین ہے کہ ایک دن حضور انور گھوڑے پر سوار کھڑے تھے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ آؤ دنیا دیکھو اور آپنے اُس گھوڑے پر سے پھٹا ہوا کپڑا اور خشک ہڈیان لے کے فرمایا "ہٰذہ الدنیا" اس مین یہ اشارہ ہے کہ زینت دنیا بھی ان کپڑون کی طرح جلد کہنہ ہو جائے گی اور جو جسم دنیا مین پرورش پاتے ہین وہ ان ہڈیون کی طرح سڑ کے گل جائین گے۔

ایک اور روایت مین آیا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام ایک بنی اسرائیل کے عابد کے پاس تشریف لے گئے لشکر آپ کے ہمرکاب تھا دہنے بائین جن اور آدمی پرے باندھے ہوئے تھے اور جانور اوپر سے سایہ کئے تھے

(۳) الدنیا راس کل خطیئۃ (دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے) ابی الدنیا و بیہقی در شعب بروایت مرسلاً۔

(۴) من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب اخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (جو دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرر پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دنیا کا ضرر کرتا ہے پس باقی چیز کو فانی پر اختیار کرو) احمد و بزار و طبرانی و حاکم۔

(۵) یا عجبا کل العجب للمصدق بدار الخلود وھو یسعی لدار الغرور (بڑا تعجب دار پائیدار کے سچ کہنے والے پر حالانکہ وہ دنیا کے لئے سعی کرتا ہے) ابن ابی الدنیا بروایت ابن جعفر مرسلاً۔

(۶) ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون ان بنی اسرائیل لما بسطت لھم الدنیا ومھدت تاھوا فی الحلیۃ والنساء والطیب والثیاب (دنیا میٹھی اور سبز ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرو گے بنی اسرائیل کے لئے جب دنیا زیادہ ہوئی اور اس کی خوب کشادگی ہوئی تو زیور اور عورتوں اور خوشبو اور کپڑوں میں حیران ہو گئے) ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو صرف لفظ تعملون تک نقل کیا ہے۔

(۷) ان اللہ جل ثناءہ لم یخلق خلقا ابغض الیہ من الدنیا وانہ منذ خلقھا ینظر الیھا (خداوند تعالیٰ نے اپنے نزدیک دنیا سے زیادہ بری کوئی مخلوق نہیں پیدا کی اور جب سے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نہیں دیکھا) ابن ابی الدنیا و بیہقی در شعب مرسلاً۔

(۸) الدنیا دار من لا دار لہ ومال من لا مال لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ وعلیھا یعادی من لا علم لہ وعلیھا یحسد من لا فقہ لہ ولھا یسعی من لا یقین لہ (دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ شخص اس کو جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور اس پر عداوت کرتا ہے جس کو علم نہ ہو اور اس پر وہ حسد کرتا ہے جسے سمجھ نہ ہو۔ اور اس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو یقین نہ ہو) اس حدیث کو احمد نے بروایت حضرت عایشہ صدیقہ لا عقل لہ تک روایت کیا ہے۔

(۹) من اصبح الدنیا اکبر ھمہ فلیس من اللہ فی شیء والزم اللہ قلبہ اربع خصال ھما لا ینقطع عنہ ابدا وشغلا لا یتفرغ منہ ابدا وفقرا لا یبلغ غناہ ابدا واملا لا یبلغ منتھاہ ابدا (جس شخص کا یہ حال ہو جائے کہ دنیا ہی اس کا زیادہ تر مقصود ہو تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں بھی نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اس کے دل میں چار عادتیں ڈال دیتا ہے۔ رنج کہ اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا۔ شغل کہ اس سے کبھی چھٹی نہیں ملتی۔ فقر کہ کبھی تونگری میسر نہیں ہوتی یعنی دنیا دار ہمیشہ ایک نہ ایک حاجت ضرور رکھتا ہے۔ آرزو کہ کبھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچتا) طبرانی در اوسط بروایت ابو ذرؓ فی شیء تک نقل کیا ہے۔

(۱۰) المومن بین مخافتین بین اجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ وبین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض بہ فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن دنیاہ لاخرتہ ومن حیاتہ للموت ومن شبابہ لھرمہ فان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للاخرۃ والذی نفسی بیدہ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دار الا الجنۃ او النار"

ولی کے لئے مجھ میں سے حصہ عطا فرمایا ہے ارشاد ہوگا او ناچیز چپ رہ دنیا میں تو میں نے تجھ کو ان کے لئے تو پسند ہی نہیں کیا پھر کیوں کر آج پسند کروں کہ تو ان کے پاس ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں مشہور ہے کہ جب انہوں نے اس درخت میں سے کھایا جس کے پاس جانے سے وہ منع کئے گئے تھے تو ان کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور یہ بات جنت کی دوسری غذاؤں میں نہ تھی کہ کھانے کے بعد حاجت ہو صرف اسی درخت میں یہ تاثیر رکھی گئی تھی اور اسی وجہ سے ممانعت بھی ہوئی تھی غرض قضاء حاجت کے لئے چکر لگانا شروع کیا ایک فرشتہ کو حکم خداوندی ہوا کہ آدم سے پوچھو کیا چاہتے ہو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بلا کو جو میرے پیٹ میں ہے کہیں ڈالنا چاہتا ہوں۔ فرشتہ نے رب العرش کے ایماء سے کہا یہاں ایسی کونسی جگہ اس قابل ہے فرش تخت۔ نہریں اور درختوں کے سائے ہیں۔ ان میں سے تو کوئی جگہ اس قابل نہیں اس کے لئے دنیا میں جاؤ۔

ابو نعیم نے حلیہ میں سالم مولی خذیفہ ابو المنصور سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ انکے عمل وادی تہامہ کے پہاڑوں کے مانند ہوں گے ان کے لئے حکم ہوگا دوزخ میں لے جاؤ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ لوگ نمازی ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے اور شب بیداری بھی کرتے ہوں گے الا ان میں یہ بات ہوگی کہ جب دنیا کی ادنے چیز ان کے سامنے ہوتی تھی تو اس پر کود پڑتے تھے یعنی بے انتہا خوشی ظاہر کرتے تھے۔

بخاری و مسلم نے بروایت عمرو بن عوف بدری نقل کیا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بحرین میں بھیجا تھا وہاں سے جب آپ واپس آئے تو کچھ مال لائے۔ انصار نے جو ان کی تشریف آوری کا حال سنا سب نے نماز صبح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شریک ہوئے جب آپ نماز پڑھ چکے اور تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو سب روک کے کھڑے ہو گئے آپ نے انہیں دیکھ کے تبسم فرمایا اور کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ سنا ہوگا کہ ابو عبیدہ کچھ لائے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ مژدہ ہو تم کو خدا نے تم سے تکلیف دفع کی بخدا میں اس بات سے نہیں خوف کرتا کہ تم مفلس ہو جاؤ گے البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر دنیا کی چاہت ایسی غالب ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور ان ہی کی سی رغبت تم میں بھی ہو جائے اور پھر دنیا تم کو بھی ان ہی کی طرح تباہ کردے۔

حدیثوں کے علاوہ ترک دنیا کے بہت سے آثار بھی ہیں ان سے بھی قریب قریب وہی اوپر والا مطلب نکلتا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں جس شخص میں چھ باتیں جمع ہوں اس نے گویا جنت حاصل کرنے کے لئے کوئی بات نہیں اٹھا رکھی۔ اور دوزخ سے بچنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا (۱) خدا کو پہچان کے اس کی اطاعت کی (۲) شیطان کو پہچان کے اس کی نافرمانی کی (۳) حق کو پہچان کے اس کا اتباع کیا (۴) باطل کو جانکے اس سے بچا (۵) دنیا کو سمجھ کے ترک کیا (۶) آخرت کو جان کے اس کی طلب کی۔

عابد نے عرض کیا اے ابن داؤد خداوند تعالےٰ نے بہت بڑی سلطنت آپ کو عنایت فرمائی آپ نے ارشاد کیا کہ مومن کے نامۂ اعمال میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا اس تمام کروفر سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ تم دیکھتے ہو اور مجھے ملا ہے سب فانی چیز ہے اور اللہ کا ذکر ساتھ رہنے والا ہے۔

مسلم عبداللہ بن شخیر کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند جل وعلا ارشاد کرتا ہے "الهٰكم التكاثر" لوگو کثرت مال اور اولاد کی حرص تم پر ساری عمر پردۂ غفلت ڈالے رہتی ہے اس سے یہ غرض ہے کہ آدمی کہا کرتا ہے کہ یہ ہمارا ہے حالانکہ اُس کا اُسی قدر ہے جو کھانے میں کھو دیا یا پہنکر اُڑا دیا یا خیرات دے کے جمع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے دنیا ومافیہا دکھاؤں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مدینہ منورہ کے ایک جنگل میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جگہ کھوپریاں، میلا، ہڈیاں اور چھیچھڑے پڑے تھے آپ نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہ کھوپریاں ایسی ہی خواہش کیا کرتی تھیں جیسی تم کرتے ہو اور ایسی ہی عمل کیا کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو آج ان کی یہ حالت ہے کہ ان پر چمڑا بھی باقی نہیں اب چند روز میں مٹی ہو جائیں گی اور میلا جو دیکھتے ہو یہ اُن کی غذا تھی نہ معلوم کہاں کہاں سے کما کے کھایا کرتے تھے۔ آج ایسا ہو گیا کہ تمہیں اُس سے نفرت ہے اور یہ چھیچھڑے اُن کی پوشاک کے ہیں کہ ہوا سے مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ نلیاں اُن کے چوپاؤں کی ہیں جن پر سوار ہو کے شہر بشہر پھرا کرتے تھے پس جب یہ انجام اس دار ناپائیدار کا ہے تو مقام عبرت وگریہ ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب تک خوب نہ رو لئے وہاں سے نہ ٹلے۔

گزر ناگاہ جب میرا ہوا شہر خموشاں میں ✤ عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہان عالم کا
کہیں آئینہ زانو سکندر کا شکستہ تھا ✤ کہیں لوٹا پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

حضرت داؤد بن ہلال فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ اے دنیا تو صلحا کے آگے بڑی ذلیل ہے جن کے لئے تو بن سنور کے سامنے آتی ہے میں نے اُن کے دلوں میں تیرا بغض ڈالدیا ہے وہ تجھ سے اعراض کرتے ہیں کوئی خلقت میں نے تجھ سے ذلیل نہیں بنائی تیری ہر ایک حالت ذلیل ہے اور آخر کو فنا ہوگی اور جس روز میں نے تجھ کو پیدا کیا اُسی روز حکم کر چکا ہوں کہ تو کبھی کسی کے پاس نہ رہے گی نہ کوئی تیرے پاس رہے گا گو کیسا ہی بخل وامساک کرے خوشحال اُن نیک لوگوں کا جن کے دل میں میری رضا اور ضمیر میں راستی اور استقامت ہو ان کا عوض اور ثواب میرے پاس یہ ہوگا کہ جب قبروں سے اُٹھ کے میری طرف چلیں گے تو آگے نور ہوگا اور فرشتے گرد ہونگے جس قدر رحمت کی وہ مجھ سے توقع کرتے ہوں گے اُسی قدر انہیں عطا کروں گا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اُسی وقت سے اوپر میں نہیں دیکھا قیامت کے روز عرض کرے گی کہ الٰہی آج اپنے کسی ادنے بزرگی سے کبھی نگاہ فرما کے

ناراض ہونے لگا اُس کی نظر کا اگر ایک گوشہ بھی پھر جائے تو اور وہ بھی ایک لمحہ کے لئے تو دنیا تو کیا چیز ہے اوعظیم عظیم کرے ہے
پارہ پارہ ہو جائیں اور آناً فاناً میں اُن کا نام ونشان مٹ جائے۔ اور جس حدیث میں یہہ بیان ہے کہ جب سے دنیا کو پیدا کیا
ہے ایک بار بھی نہیں دیکھا خدائے عزوجل کی انتہا درجہ بے پروائی کا ثبوت دیتا ہے اس سے یہہ مطلب نہیں کہلتا کہ واقعی
خالق حقیقی نے اپنی سب سے ادنےٰ مخلوق سے مُنہ پھیر لیا ہے بلکہ اس کا اصلی مفہوم یہہ ہے کہ یہہ دنیا اُس کی عظمت کے آگے
انتہا درجہ ذلیل ہے۔

خداوند تعالیٰ کو دنیا سے کیوں نفرت ہونے لگی بلکہ اسی دنیا میں اُس نے اپنے برگزیدہ انبیا بھیجے ہیں حضرت رسالت مآب کو
پیدا کیا جس کی ذات اقدس واطہر پر تمام کائنات کو فخر ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا پر اس کی خاص نظر رحمت ہے
کہ جہاں اُس نے ایسے ایسے برگزیدہ بندے بھیجے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں آکے نئی نئی تکلیفیں
اٹھائیں اور اخیر اپنی نبوت کے پورے فرائض کی تکمیل کر کے آپ کا وصل باری تعالیٰ سے ہو گیا حضور انور کی زندگی پر
ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وقت کا بہت بڑا حصہ دنیا کے کاموں میں گزرتا تھا اور جو ساعتیں عبادت
الٰہی کی مقرر تہیں وہ بہت ہی مختصر تہیں یا خالی اوقات میں ہوا کرتی تہیں۔ آپ مبعوث ہوئے تہے صرف اس لئے کہ اس ضلالت
او رگمراہی سے خدا کی مخلوق کو بچائیں جس میں وہ صدیوں سے پہنسی ہوئی تہی اور ایک پاک مذہب کی اشاعت ہو جائے جہوٹے
دستی اور خیالی خداوں کی پرستش کا سلسلہ بالکل مٹا دیا جائے اور خدائے واحد کی پرستش کی ڈونڈی تمام عالم میں پہر جائے
یہہ منشاء عظیم گوشہ نشینی سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ ہم جو کچھ اور خواہ کتنی دیر عبادت کریں گے
محض ذاتی اغراض کے لئے اگر فرض کرو کہ رات رات بھر ہم جاگے۔ تمام شب ہم سجدہ میں پڑے رہے۔ دن کو بھی ہمارے آگے
سے مصلے جدا نہیں ہوا ہم صائم الدہر ہیں بارہ مہینے کے روزے رکھتے ہیں اور فی الواقع ہم بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں اور ہماری
عبادت میں ذرا بھی ریا کا نام نہیں ہے مگر سوائے عبادت الٰہی کے ہمیں مخلوق کی کچھ خبر نہیں۔ نہ اُن کی ہم سے تمام عمر کچھ
مدد ہوئی۔ ہم نے یتیم بچوں کو بہوکا اور پیاسا تڑپتا ہوا دیکھا لیکن اس پر اس خیال سے نظر نہیں کی کہ ہماری عبادت میں فرق
پڑے گا ہم نے رانڈوں پر ظلم ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا لیکن اس پر ذرا بھی خیال رجوع نہیں کیا اس لئے کہ ہماری
عبادت میں فرق آجاتا۔ ہم نے اپنے بال بچوں کو بہوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا کیونکہ اگر ہم کچھ کام کرتے تو ہماری شب بیداری
میں فرق آجاتا۔ ہمارے خیال اور مذہب کے مطابق ایسا شخص خواہ وہ کیسا ہی زبردست عابد وزاہد ہو گردن زدنی ہے
اور یقیناً خداوند ارض وسما ایسے خود غرض شخص کو جہنم میں ڈالیگا۔ دنیا سے پہلوتہی کر کے کسی گوشہ میں بیٹھ جانا اور خدا کی
مخلوق کی معاونت نہ کرنا خود غرضی اور احسان فراموشی کا اتنا سخت جرم ہے جو کبھی ہی معاف نہیں ہو سکتا۔ اسلام اس
راہبانہ زندگی کا جانی دشمن ہے اور اُس نے ایسی شرمناک زندگی کی بڑے جوش وخروش سے تردید کی ہے۔

عام طور پر یہہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ولی دنیا کے کتوں سے بچکے فلاں جنگل یا فلاں کہوہ میں گوشہ نشین ہوا ہے اور آدمیوں
کی صحبت سے بھاگتا ہے۔ اور تمام روز وشب کسی آدمی کی صورت نہیں دیکھتا یا فلاں بزرگ حجرہ سے باہر برآمد نہیں
ہوتے اور انسان کی صورت سے بھاگتے ہیں سخت تعجب ہے کہ ایسے خود غرض اور احسان فراموش شخصوں کی تعریف ہوتی ہے

حضرت حسن علیہ السلام فرماتے ہین کہ خدا رحم کرے اُن لوگون پر جن کے پاس دنیا امانت رہے اور اُس کے مستحقون کو سونپ کے خود ہلکے پھلکے چلدین -

گران جانان بزنگ گل فرو مانند در گلشن ٭ سبک روحان نسیم آسا رہا کردند محملہا

پھر آپ فرماتے ہین کہ جو شخص دین کے باب مین تم سے منافست یعنی تمہاری حرص کرے تو اُس کی حرص کرنی چاہئے اور جو دنیا کے باب مین حرص کرے تو حرص دنیا کی اسی کے سینہ مین چھوڑ دو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اے بیٹے دنیا ایک گہرا سمندر ہے اُس مین بہت سے لوگ ڈوب گئے تم اپنی کشتی دنیا مین تقوے کو بناؤ اور ایمان کو اُس مین رکھو اور اُس پر توکل کا بادبان چڑھاؤ تاکہ اس وجہ سے نجات پاؤ گو مجھے معلوم نہین ہوتا کہ نجات ملے-

یہ تمام حدیثین اگر انہین بے کم وکاست صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ان سے صرف دو باتین پیدا ہوتی ہین اول تو یہ کہ دنیا کا اہتمام سخت خطرناک اور مایوسانہ ہے دوسرے یہ کہ دنیا مین آکے صرف دنیا ہی کا ہو رہنا اور اپنے خالق ومنعم حقیقی کو بھول جانا بہت بُرا ہے۔ سوائے ان دو باتون کے اور کوئی بات بھی ثابت نہین ہوتی۔ ہان بعض مذکورۂ بالا حدیثون سے خدائے بلند و بزرگ کی غیر متناہی عظمت اور بے پایان جلال کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً جس حدیث مین دنیا کو مری ہوئی بکری سے تشبیہ دی گئی ہے یا اُس سے بھی ذلیل بیان کیا گیا ہے اور جس حدیث مین یہ لکھا گیا ہے کہ جب سے خدائے توانا و بزرگ نے اس کو پیدا کیا ہے اُس کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہین دیکھا اس سے یہ مطلب نہین ہے کہ خداوند تعالے اُسے فی الواقع ذلیل اور ناپاک سمجھتا ہے اور عیسائیون کے مذہب کی طرح کہ خدا دنیا کو پیدا کرکے پچھتاتا بلکہ یہ حدیث خدائے عزوجل کی بے غایت بزرگی کا پتہ دیتی ہے جو اُس کی ذات مین ملی ہوئی ہے یہ کہنا کہ فلان شخص کسی چیز کو کچھہ مال نہین سمجھتا بلکہ اُس کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہین دیکھتا اُس کے یہ معنی ہین کہ اس سے بہتر بہتر چیزین جب اُن کے پاس ہین پھر وہ معمولی چیزون کو کیون آنکھ بھر کے دیکھنے لگا۔ اسیطرح خداوند تعالے نے لاکھون بلکہ کرورون کرے پیدا کئے ہین جو ہزار ہا بلکہ لاکھون درجے زمین یعنی ہماری اس دنیا سے بڑے ہین۔ مثلاً ایک کرہ آفتاب ہی ہے جو دنیا سے ہزارون درجہ بڑا ہے اور ایسے لاکھون ستارے موجود ہین جن کے آگے آفتاب کی کوئی بھی ہستی نہین اگرچہ وہ ہمین بہت ہی چھوٹے دکھائی دیتے ہین مثلاً روشنی کی رفتار قریب قریب دو لاکھ میل فی لحہ ہے۔ اور آفتاب کی روشنی زمین پر پورے آٹھ منٹ مین آکے پہنچتی ہے اس حساب سے نوکرور ساٹھ لاکھ میل آفتاب کی دوری زمین سے ہوئی مگر یہ تو کچھ بھی نہین بہت سے ستارے ایسے موجود ہین جن کی روشنی زمین پر سون - قرنون بلکہ تین تین سو سال کے بعد پہنچتی ہے اور یہ سن کے اور بھی تعجب ہوگا کہ اکثر ستارے ایسے بھی ہین جن کی روشنی زمین پر تین ہزار برس مین آتی ہے یعنی اُسی رفتار سے فی لحہ دو لاکھ میل طے کرتی ہوئی پورے تین ہزار سال مین زمین پر آکے پہنچتی ہے-

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ستارے ہماری دنیا سے کئی پدم مرتبہ بڑے ہوئے۔ بس اُس حدیث کا یہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا۔ دنیا کو خدائے توانا و بزرگ کا ذلیل سمجھنا یہی معنی رکھتا ہے۔ خداوند تعالی کو حق ہے کہ وہ دنیا کو ذلیل سمجھے مگر یہ کہنا اور سمجھنا کہ خدا دنیا سے ناراض ہے عقل کے خلاف ہے۔ وہ صانع حقیقی اپنی مخلوق سے کیون

مدد کرے گا والدین کے ساتھ سلوک کرے گا اس نظر سے اگر دولت کمائی جائے اور تمام عمر اُس میں گزار دی جائے تو وہ شخص اپنے معبود برحق کے آگے بہت ہی پیارا ہے۔

جتنی حدیثیں ہم نے اوپر نقل کیں اور جو حدیثیں ابھی ہم نے نقل نہیں کی ہیں اور وہ بکثرت ہیں اُن میں صحیح حدیثیں بہت ہی کم ہیں۔ ایسی حدیثوں میں ضعف بکثرت پایا جاتا ہے اور جو بعض صحیح بھی ہیں تو اُن کا وہ مفہوم نہیں سمجھ میں آتا جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ کھوپری اور پھٹے ہوئے کپڑوں اور خشک ہڈیوں کو دکھانا اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ہریرہ کو جتانا کہ انسان کی زندگی کا اخیر نتیجہ یہہ ہے۔ یہہ فی الحقیقت سخت عبرت کا مقام ہے کہ زندہ انسان مردہ انسان کی خشک کھوپری کو دیکھے اور ڈرے کہ اُس کا بھی ایک دن یہی نتیجہ ہونے والا ہے اس قسم کے دردناک نظاروں سے انسان کی غفلت اور بدمستی کو ایک تازیانہ لگتا ہے اور وہ اُس غفلت سے بیدار ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے اُس پر پڑی ہوئی ہے۔
مگر نیک اعمال بندے پہلے ہی سے فنا میں غرق رہتے ہیں، ورنہ انہیں ایسے نظاروں سے وہ عبرت ہوتی ہے جو ہونی چاہیے
اسلام نے تعلیم کی ہے کہ دنیا میں کیوں کر زندگی بسر کرنی چاہیئے اور اپنے روپیہ کا خرچ کس طریقہ سے کرنا زیبا ہے۔
روپیہ کا ایک بہت مشکل مسئلہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوا۔ روپیہ یا اشرفیاں فی الحقیقت کوئی قیمت نہیں رکھتیں یہہ مثل اُن کنکر پتھروں کے ہیں جو سڑکوں پر پڑے رہتے ہیں۔ اور جن کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ وہ کنکر پتھر تو کام میں بھی آجاتے ہیں۔ لیکن چاندی سونے سے سوا اس کے کہ زندگی کے تکلفات بڑھائے جائیں اور کچھ کام نہیں نکل سکتا۔ انسان نے روپیہ کو صرف اس لئے ایجاد کیا ہے تاکہ تبادلہ اشیا میں آسانی ہو اور دنیا کی تمام چیزیں اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو جائیں۔ فی نفسہ اس کی کچھ بھی قیمت نہیں ہے جو کام اس سے نکل رہا ہے وہ ایک پتھر کے ٹکڑے سے بھی نکل سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم جنگل میں جا رہے ہیں اور ہمیں بھوک لگی ہے ہمارے پاس روپیہ اشرفی سب کچھ ہے لیکن کھانے کو کچھ نہیں ہے اُس وقت روپیہ ہماری کچھ مدد نہ کر سکے گا اور بھوک کے مارے تڑپ کے جان دیدیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ روپیہ کو محض بے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہے بھی یوں ہی مگر اس لحاظ سے کہ روپیہ ضامن ہے زندگی کے تمام آسائش کے سامان مہیا کرنے کا اور گزشتہ و موجودہ دنیا میں اس سے بہتر ضامن ہوا نہیں اس لئے اسے عزیز کہا جاتا ہے۔
اور بات بھی یہہ ہے کہ جو چیز ایسا سرچشمہ ہو کہ دینی اور دنیوی مقاصد اُس سے بر آئیں اور انسان مافوق الفطرت باتیں کرنے لگے وہ کیوں کر عزیز نہ کہی جائے گی۔

تمام بڑے بڑے معبد۔ محلات۔ اسلامی یادگاریں۔ مقابر۔ مدارس اور دار العلوم محض روپیہ کے طفیل سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا وجود روپیہ سے پڑا اور اب یہہ روپیہ سے قایم ہیں اگر وقتاً فوقتاً روپیہ کی امداد نہ دی جائے تو اس میں شک نہیں کہ ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ ہر مذہب کی شوکت دنیا میں صرف روپیہ سے ہے اور اسی نے مذہب کو مذہب بنایا ہے۔ تمام مساجد کی بنیاد اسی روپیہ سے پڑی ہے اور کل مذہبی تقریبات اسی سے ادا ہوتی ہیں یہاں تک کہ اسلام کے کل بڑے سے بڑے اصول کا دار و مدار صرف روپیہ پر ہے اگر یہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً روزہ۔ حج۔ زکوۃ یہہ تین چیزیں جو بغیر روپیہ کے ممکن نہیں۔ اگر گرہ میں پیسہ نہیں

اور دینی طور پر اُن کی تعظیم کی جاتی ہے اور انہیں پہنچا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔ اگر ان ازلی بدنصیبوں میں کچھ بھی ایمان کی بو ہوتی تو وہ اس نازک اور خراب حالت میں جس میں خدا کی مخلوق پھنس رہی ہے اور جس خراب حالت کو سب سے پہلے اُنہوں نے محسوس کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اُن پر مدد کرنی فرض تھی چاہے وہ تمام عمر محنت کرتے کرتے مٹ جاتے اور مطلق کامیاب نہ ہوتے پھر بھی اُن کا فرض تھا کہ اپنی جان اسی پر تصدق کر دیتے مٹ جاتے نیست و نابود ہو جاتے بلا سے لیکن مرتے قومی ہمدردی میں اور مٹتے قومی الفت میں۔

نفس اسلام میں ایسے شریر النفاس کی کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ یہہ لوگ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کی ہوا تک بھی انہیں نہیں لگتی۔ حضور انور نے کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے شب و روز جو جو تکلیفیں اٹھائیں اور کس کس طرح کفار عرب نے ستایا پھر بھی حضور انور نے اپنی تلقین نہیں چھوڑی اور اُسے اخیر تک پہنچا کے رہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی راہبانہ زندگی کو پسند نہیں کیا اور اپنی خلافت کے فرائض کی جس عمدہ طور سے تکمیل کی وہ یادگار زمانہ ہے۔ سمجھنے کا مقام ہے باوجودیکہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا ایک گہرا صدمہ آپ کو ہوا تھا۔ ایک زبردست چرکا آپ کے دل پر لگا تھا اور آپ اکثر اوقات زاری فرمایا کرتے تھے اور جب حضور انور کا مقدس نام آپ کی زبان پر آتا تو اکثر اوقات روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی بایں ہمہ مخلوق کی اصلاح میں اُسی طرح سرگرم تھے جہانداری کے کل امور توجہ سے طے کرتے تھے اور کبھی مشکل سے مشکل کام کو بغیر فیصلہ کئے دوسرے دن پر نہیں چھوڑا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔ آپ کے زمانہ خلافت میں جو کچھ اسلام کو ترقی ہوئی اور عظیم فتوحات ہوئیں انہیں کون نہیں جانتا۔ پھر حضرت عثمان غنی کا زمانہ آیا۔ اگرچہ آپ انتہا درجہ ضعیف تھے اور ہرگز خلافت کے بوجھ کے اٹھانے کے قابل نہ تھے لیکن اس بے نظیر بوڑھے شیر نے بارہ سال تک اچھی طرح خلافت کی اور اخیر محنت کا اس ضعیفی میں یہہ اثر ہوا کہ معاملات سلطنت درہم برہم ہو گئے اور اُسی ضعیفی میں نہایت سخت بیرحمی سے باغیوں نے شہید کر ڈالا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت ہوئی جن کا قلیل زمانہ خلافت بعض باغی صوبوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا اگر اسلام تھا تو اُن کے سوا اور کس میں ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح اُن بزرگان دین نے اسلام کو سمجھا واقعی اگر اتنا مفہوم دوسرا شخص سمجھنے کا دعوے کرے تو بالکل جھوٹا ہے۔ پھر صوفیوں کے مجاہدوں اور مراقبوں کی کیا وقعت رہ سکتی ہے اور گوشہ نشینی کہاں تک دلیل ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلام معزز اور محترم اسلام نے ایسی زندگی پر لعنت کی ہے جس میں انسان اپنے کو بھول جائے اپنے خالق حقیقی کا خیال نہ رکھے اور ذاتی اغراض میں اپنی تمام عمر ضائع کر دے نفس پرستی اُس کا اوڑھنا بچھونا بنی رہی اور اُس کی بالکل یہی کیفیت ہو چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔ اپنی دولت کا خرچ اُس رستہ میں کرے جو خدا اور رسول کے خلاف ہو یا اپنی دولت سے مسکینوں اور غریبوں کو تکلیف دے۔ بیشک ایسی دولت پھونک دینے کے قابل ہے اور ایسی دنیا پرستی پر ہزار لعنت ہے" مگر جو دولتمند شخص ایسا نہیں ہے اور جس شخص کو دولت کمانے کی دھن محض اس غرض سے لگی رہتی ہے کہ اس دولت سے وہ خدا اور رسول کے احکام کی متابعت کرے گا یعنے بیوہ کی پرورش کرے گا رانڈوں کی سرپرستی کرے گا قوم کی حتی الامکان

ہر مقام پر یہہ ذکر ہے کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں مدد کرو اگر خدا پرستی نکروگے اور نیک نہیں بنتے کے تو تمہاری تجارت اور روپیہ تمہارے حق میں مفید ثابت نہیں ہونے کا۔ مثلاً خدائے بزرگ و توانا اپنی کتاب یعنی فرقان حمید میں فرماتا ہے۔،، ولا علی الذین اذا ما اتوك لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزناً الا یجدوا ما ینفقون۔ انما السبیل علی الذین یستاذنونك وھم اغنیاء رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون" یعنی اور نہ ان لوگوں پر کسی طرح کا الزام ہے کہ جس وقت وہ تمہارے پاس درخواست لیکے آئے کہ تم اُن کے لئے سواری بہم پہنچا دو تو تم نے اُن کو جواب دیا کہ میرے پاس تو کوئی سواری موجود نہیں کہ تمکو اُس پر سوار کردوں یہہ سنکے اور خرچ میسر نہ آنے کے غم کے مارے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ الزام تو حقیقت میں اُن ہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ساتے تم سے پیچھے رہجانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ان کو عورتوں کے ساتھ جو عموماً پیچھے گھروں میں بیٹھی رہا کرتی ہیں پیچھے بیٹھہ رہنا پسند ہوا اور اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے تو یہہ لوگ جہاد کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔،،

قرآن مجید کی اس آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ قرآن بجائے خود دولت یا صاحبِ دولت کو بُرا نہیں کہتا بلکہ وہ ایسے دولتمندوں کا مخالف ہے جو خدا کی راہ میں روپیہ خرچ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اُنہیں لیس و پیش ہوتا ہے۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ امیر کے غریب سے زیادہ فرائض ہیں۔ امیروں سے اُن کی دولت کے بابت ہمیشہ باز پرس ہوگی کیونکہ باوجود مالدار ہونے کے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جب چیز کے خرچ کرنے سے خدا اور رسول دونوں خوش ہوں وہ چیز بنفسہٖ کیوں کر بُری ہو سکتی ہے۔ ایسی دولت جس سے خدا و رسول سے روگردانی کی جائے برباد ہونے کے قابل ہے اور یہی دولت ہے جو بطور خود دولتمندوں کے لئے مجسم عذاب ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،، ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فسقون۔ ولا تعجبك اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون،، یعنی اور اے پیغمبر ان میں سے اگر کوئی مرجائے تو ہرگز اُس کے جنازے پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جاکے کھڑے ہونا کیونکہ اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ سرکشی کی حالت میں مرگئے اور اُن کے مال اور اُن کی اولاد تمہارے لئے موجب تعجب ہوں کہ پھر یہہ دنیاوی برکت اُن کے ہاں کیوں ہے ہاں یہہ دنیاوی برکت اسلئے ہے کہ بس خدا چاہتا ہے کہ مال اور اولاد کی وجہ سے اُن کو دنیا میں مبتلائے عذاب رکھے اور اُن کی جان نکلے اور یہہ اس وقت بھی کافر ہی ہوں،،

ایسا شخص جسے اُس کی دولت نے گمراہ بنا دیا ہو اور وہ محض اپنے دو پیسوں کے لئے قوانین باری تعالیٰ کو سنگدلی سے توڑتا ہو وہ فی الواقع جہنمی ہے اور اُس کے جہنمی ہونے میں شک کرنا کفر جلی ہے بات یہہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بُری نہیں ہے مگر اُس کا استعمال خود اُسے بُرا بھلا بنا دیتا ہے۔ دولت فی نفسہ کوئی بُری چیز نہیں ہے لیکن اگر اس کا استعمال خدا اور رسول کے فرمانے کے مخالف یعنی قوانین قدرت کے خلاف کیا جائے تو وہ مجسم عذاب بن جاتی ہے

تو آپ کیا خاک روزہ رکھ سکتے ہیں اگر روپیہ نہیں ہے تو حج بیت اللہ اور زیارت روضہ اقدس واطہر کسی طرح نصیب نہیں۔ زکوٰۃ دے ہی کیا سکتے ہو جب پاس پیسہ نہیں۔ رہی نماز اُس کا دارومدار بھی اطمینان قلب پر ہے۔ یہہ کیونکر ممکن ہے کہ پیٹ خالی ہے اور ہم ایک لحہ بھی خدائے توانا و بزرگ کے حضور اپنی عاجز پیشانی ذرا بھی توجہ سے جھکا سکیں گے۔

شب چو عقد نماز بر بندم	چہ خورد بامداد فرزندم

یا دو رکعت ادا کیں وہ بھی بہزار دقت و پریشانی۔ یہہ ایسی بدیہی باتیں ہیں کہ ان سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ روزمرہ کی انسانی معاشرت ہے جس پر ہر وقت عمل کیا جاتا ہے۔ اب صرف سوال یہہ ہے کہ حدیثوں میں خواہ وہ صحیح ہوں یا نہوں دنیا کی بُرائی اور روپیہ پر کیوں اس قدر تبرّا کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہہ ہے کہ امم سابقہ کی حالت روپیہ سے بگڑ گئی تھی فسق وفجور کی اُن میں کثرت ہوگئی تھی۔ تمدنی اور مذہبی ارکان اُنہوں نے اپنی سرمستی میں توڑ ڈالے تھے جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے نیست ونابود کر دی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہُ بالا حدیثوں میں دنیا یا بالفاظ دیگر روپیہ کی اس شدومد سے بُرائی کی گئی ہے۔ اسلام نے روپیہ پیدا کرنے کو منع نہیں کیا ہے بلکہ روپیہ کو ذاتی آسایش میں صرف کرنے کو منع فرمایا ہے۔ کاش ایسا روپیہ ہو جس سے اسلام کی اشاعت ہو قوم کے یتیم بچّوں کی تعلیم وتربیت کی کوئی صورت نکلے والدین کی خدمت کی جائے اور تمام مذہبی باتیں نہایت صداقت سے ادا کی جائیں تو ایسے روپیہ کے کیا کہنے خدا و رسول دونوں خوش۔ اسلام بیشک ایسے شخص کا مخالف ہے جو اپنا روپیہ نفسانی خواہشوں کی تکمیل کرنے اور ذاتی اغراض کو نکالنے کے لئے صرف کرتا ہے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ روپیہ کو کس وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپکے صحابہ نے اس روپیہ سے کیا کیا کام نکلے ہیں۔ حضور انور نے ایک غیر شخص کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی اُسوقت جب وہ حالت کفر میں مر چکا تھا صرف اس لئے کہ وہ دولتمند تھا اور اپنی دولت کا استعمال غربا کو امداد دینے میں کیا کرتا تھا یعنے حاتم کے لئے حضرت رسالت مآب نے صرف اس وجہ سے دعائے خیر فرمائی اور ساتھہ ہی بنی طے کے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا محض اس بنا پر کہ ان کا متوفی سردار بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا قیدیوں کو فدیہ دیکر قید سے رہائی دلوا تا تھا۔ ایسے دولتمند سردار کی خاطر آپ کو اتنی منظور ہوئی۔ اسلام روپیہ یعنی تمدنی ذریعہ کی اتنی قدر کرتا ہے اور یہہ فخر محض اسلام ہی کو نصیب ہوا ہے کسی دوسرے مذہب کو اس کی ہوا تک بھی نہیں لگی۔

اور مذاہب میں جہاں خواہ مخواہ دولت کو بُرا کہا گیا ہے یا بعض مذاہب میں دولت کی پرستش کی گئی ہے اور دولت کو ایک خدا بنا کے پوجا گیا ہے اسلام نے ان دونوں باتوں سے سخت نفرت کی ہے نہ اُس نے بلا وجہ دولت کو بُرا کہا ہے نہ اُس کو خدا مانا ہے۔ نہ اُس کی پرستش کی ہے۔ بلکہ اُس نے دولت کو ایسے پیمانہ پر رکھا ہے جو عقلاً اور تمدناً ہونا چاہیئے۔ وہ ایسی دولت کی تعریف کرتا ہے جو قومیت اور تمدن قایم کرنے کے لئے خرچ کی جائے اور ایسی دولت سے بیر ہے جو محض ذاتی مقاصد واغراض کے لئے صرف کی جائے۔ قرآن مجید میں

اُسی کو حیاتِ جاوید کہتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے سچ کہا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

شارع اسلام نے دنیا کی مذمت ہی نہیں کی ہے بلکہ اُس کی تعریف بھی فرمائی ہے جس سے یہہ پایا جاتا ہے کہ آپ کس دنیا اور دولت کے مخالف تھے اور آپ کو کونسی دنیا اور دولت پسند تھی۔ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں۔ "حبب الیّ من دنیاکم ثلثۃ النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوۃ" تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھہ کی ٹھنڈک نماز میں ہے (نسائی وحاکم روایت انس) ہم اس حدیث شریف کی توضیح کثرت ازدواج میں لکھہ چکے ہیں۔ حضور انور نے تین چیزوں کو پسند فرمایا۔ عورتیں خوشبو اور نماز۔ نماز کو گو اخیر میں فرمایا لیکن سب چیزوں سے زیادہ بڑہا دیا۔ بڑی بات جو اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہہ ہے کہ نماز کو دنیا کی چیزیں میں سے فرمایا۔ اس سے یہہ ثابت ہوگیا کہ دین و دنیا لازم ملزوم ہیں اگر دنیا نہیں تو دین نہیں دنیا ہے تو دین ہے۔ آسانی سے سمجھہ میں آسکتا ہے کہ جو شخص دنیا میں پیدا نہیں ہوا اُسے آخرت کے عذاب ثواب سے بحث ہی کیوں ہونے لگی دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جنت و دوزخ کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جب اتنا بڑا تعلق ہے تو پھر دنیا کو بلاکسی قید اور وجہ کے من کل الوجوہ بُرا کہنا نفس اسلام اور منشاء باری تعالیٰ کے بالکل خلاف ہے۔

جو حدیثیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں اُن میں نہایت سختی سے دنیا کی بُرائی کی گئی ہے اگرچہ اُن حدیثوں کے معنی عام طور پر صحیح صحیح نہیں سمجھے جاتے تو بھی یہہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہیں سب دنیا ہی کی مذمت میں خواہ اُس دنیا کا مفہوم کچھہ ہی کیوں نہو۔ مگر آگے آنے والی حدیثوں نے دولت اور دنیا کی تفریق کر دی ہے اور قطعی طور پر ساری دنیا کو بُرا نہیں کہا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں "من طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفاخراً لقی اللہ وھو علیہ غضبان ومن طلبہا استعفافا عن المسئلۃ وصیانۃ لنفسہ جاء یوم القیٰمۃ ووجہہ کالقمر لیلۃ البدر" یعنی جو شخص دنیا بطریق حلال حاجت سے زیادہ محض افتخار پیدا کرنے کے لئے پیدا کرے خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اُس پر ناراض ہوگا اور جو شخص دنیا اپنی حاجت کے موافق اور مفلسی سے بچنے کو طلب کرے وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیگا کہ مُنہ اُس کا چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں نظر آئے گا۔

اس حدیث شریف سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر فخر و غرور و تکبر کے لئے دولت پیدا کی جائے تو خدائے بزرگ و دانا کی ناراضگی کا باعث ہوگا بلکہ بقدر احتیاج دولت کو پیدا کرو اور اُسی حد تک پیدا کرو کہ دولت تمہیں مغرور نہ بنادے یا اُس حد تک کہ تم مفلسی سے بچ جاؤ۔

بڑی بات یہہ ہے کہ فرقان حمید میں خود خداوند تعالیٰ نے دولت دنیا کی تعریف فرمائی ہے اور دولت کو لفظ "خیر" سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے "ان ترک خیراً" اگر چھوڑے خیر یعنی مال" الخ۔ اس آیت شریف میں مال و دولت کو لفظ "خیر" سے تعبیر کرنا بڑے بڑے معنی اپنے ساتھہ رکھتا ہے۔ اسلام فی الحقیقت

علمائے زمانہ نے اور صوفیوں کے ایک بڑے گروہ نے جو دولت کے خلاف جہاد کا جھنڈا اٹھایا ہے ایسے جہاد سے اسلام کو کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نفس دولت کو برا نہیں بتاتا بلکہ اُس کی تعریف کرتا ہے اور اسلام نے دولت کو انسان کی اعلیٰ درجہ کی زندگی کا جزو اعظم تسلیم کرلیا ہے کیونکہ جس کے خرچ سے نجات ہو اور جس کے نہ خرچ کرنے سے جہنم ملے وہ چیز بری نہیں ہو سکتی۔

جتنی کتابیں دولت کی برائی میں تصنیف کی گئی ہیں اور جتنے اقوال دولت کی مذمت میں کہے گئے ہیں اُن کو نفس اسلام کی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس قسم کے اقوال اُن ہی لوگوں کے ہیں جو محنت کرنا نہیں چاہتے اور اپنی تمام قوتوں کو بیکار کرکے دوسروں کا مال اینٹھنا چاہتے ہیں وہی دولت اور دولتمندوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں شیخ سعدیؒ علیہ الرحمۃ نے گلستاں کے ساتویں باب میں ایک دلچسپ حکایت دولت اور اُس کی عظمت کی لکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہمارا مشرقی فلاسفر دولت کی بزرگی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ سعدی کا ایک مجلس میں ایسے ایک فقیر سے سابقہ پڑا جو فقیر تو نہیں تھا بلکہ فقیروں کی سی صورت بنائے ہوئے تھا اور خدا واسطے امیروں کو گالیاں دے رہا تھا یہہ سنکر شیخ سعدی سے رہا نہ گیا وہ آگ بگولا ہوگئے اور اُنہوں نے للکارا کہ یہہ تو کیا بکتا ہے۔ دولتمند کے ہاں غریب اور مساکین پرورش پاتے ہیں مسافروں کی دستگیری کی جاتی ہے اور دولتمند دوسروں کو راحت دینے کے لئے بار گراں کے متحمل ہوتے ہیں مفلس کبھی دولتمند کی برابری نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس کا پیٹ خالی ہے اور اُس کے بال بچے بھوکے ہیں وہ کبھی بھی نماز کی دو رکعت اطمینان سے نہیں پڑھ سکتا۔ غرض باہم جھگڑا ہوا اور خوب لپا ڈگی ہوئی اور مقدمہ قاضی تک پہنچا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں بھی کاہل اور دوسروں کے مال پر نگاہ کرنے والے امیروں کو بلا وجہ گالیاں دیا کرتے تھے اور خدا واسطے دولت کو برا کہا کرتے تھے اُن کے لئے یہہ حکایت سعدی نے لکھی ہے۔ یہہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں دولت جو جزو زندگی ہے کبھی بری نہیں ہو سکتی ہاں ایسی دولت جو کفر کی طرف رہنمائی کرے اور ایسی مفلسی جو مائل بکفر ہو پناہ مانگنے کے قابل ہے فی الواقع مفلسی بہت بڑا جرم ہے اور جرم اس لئے ہے کہ خیالات مائل بکفر کر دیتی ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی مفلسی سے پناہ مانگی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بے ثبات اور فانی ہے اور اس کی کسی چیز کا اعتبار نہیں آدمی اپنی دو روزہ زندگی پر کبھی نہ بھولے اور جو کام آج کرنے کا ہے اُسے کل پر نہ اٹھا رکھے دنیا کو بے ثبات کہنے کے یہی معنی ہیں۔ اسلام یہہ نہیں کہتا چونکہ دنیا بے ثبات ہے اس لئے تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو اور ہرگز اپنی جگہہ سے جنبش نکرو۔ اسلام ایسے پاک نفوس کی دائمی زندگی کی بشارت دیتا ہے جنہوں نے قوم و ملک اور خدا کی راہ میں اپنی جان سے بھی دریغ نہیں کی۔ ایسے ہی لوگ شہید ہوتے ہیں اور ان ہی کی نسبت یہہ بشارت ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ جس نے اپنی جان قوم و ملک پر فدا کی ہو وہ کبھی نہیں مر سکتا اگرچہ اس کی صورت چند نگاہوں کے آگے سے غائب ہو جاتی ہے مگر ہر وقت اُس کا ذکر زبان پر رہتا ہے اور اُس کی خدمتوں پر جو وہ قوم و ملک کی کر گیا ہے شب و روز آفریں کی جاتی ہے۔ زندہ رہنے کے یہی معنی ہیں اور

ان ازلی بدنصیبوں کا یہہ مدعا ہے کہ مسلمان جتنی روٹی کہا رہے ہیں اس سے بھی محتاج ہوجائیں اور کل دولت ان کے گھر میں آکے بھر جائے۔ خدا و رسول جس چیز کی تعریف کرے اُسے زمانہ کے مولوی ان کی تحقیر کریں مگر اپنے گھروں میں بھر لینا ثواب دارین خیال کریں۔

روزی کی خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلبیت کے لئے خدائے تعالیٰ سے حضور دعا کی ہے اور وہ دعا یہہ ہے "اللھم اجعل قوت ال محمد کفافاً" الٰہی تو محمد کی اولاد کی روزی بقدر بسر اوقات کر اور فی الواقع اتنی ہی روزی کی بھی ضرورت ہے کہ حیثیت کے موافق بسر اوقات ہوسکے۔ بسر اوقات کے معنی یہہ نہیں ہیں کہ وہ وقت جو کی روٹی مل گئی اور زندگی گزار دی بلکہ اوقات زندگی اچھے طور سے گزریں۔ اور کل احکامات باری تعالیٰ کی حج زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق تعمیل بھی ہوتی ہے۔ غرض اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو طبع انسانی اور تمدن انسانی کے خلاف ہو اور جس تنفر سے جیسا ابتدائے زمانہ یورپ میں اسلام تلوار اور جاہلی بیوں کی صورت میں پہنچا تھا اور عام ناواقفوں کے آگے پادری اور مسیحی مذہب کے فاضل ان ہی دو صورتوں میں اسلام کو پیش کرتے تھے مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اسکی صورت میں فرق آتا گیا اور اب جس خوشنما صورت میں یورپ کے آگے پیش کیا گیا ہے اسمیں کوئی نقص نہیں ہے اور اگر کچھہ نقص باقی بھی ہے وہ آیندہ زمانہ میں بالکل جاتا رہے گا۔

ہمارے اعمال اور حالت سے اسلام کی سچائی کا اندازہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید کے اصول کو دیکھنا چاہیے جنہوں نے وہ کار نمایاں کئے جو اختتام دنیا تک دنیا کے ہر گوشہ میں یادگار رہیں گے۔ جو کچھہ ہم نے بطور خود اسلام کے بارے میں لکھا اگرچہ اور بھی زیادہ لکھا جاسکتا تھا مگر اسی کو فی الحال کافی سمجھہ کے یہ مناسب سمجھا کہ چند محقق یورپیوں کی تحریروں کا بھی خلاصہ کردیں کہ وہ اسلام اور بانئے اسلام اور قرآن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں اور انہوں نے متمدن زمانہ میں اسلام کی نسبت کیا رائے قایم کی ہے۔ سب سے پہلے ہم ڈاکٹر موسیو لیبان فرانسیسی محقق کی رائے نقل کرتے ہیں جسکی تحقیق اور انصاف کا وزن اور یورپی مورخوں سے نسبتہً زیادہ ہے جس نے اسلامی ممالک کو بغور دیکھ کے یہ رائے قایم کی ہے۔ اور اس کے کل مضامین طبیعات اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انگریز محققوں پادریوں اور سیاحوں کی تحریریں نقل کی گئی ہیں جنہوں نے اسبات کو ثابت کردیا کہ اسلام میں ایک زندہ قوت موجود ہے اور یہ وہ زندہ قوت ہے کہ اور مذاہب میں مطلق دیکھنے میں نہیں آتی۔ ہمیں اسلام کے فضائل غیر ملک والوں کی زبان سے بہت اچھے لگتے ہیں اور یہ اسلام کا ادنیٰ معجزہ ہے کہ مشرقی مذہب ہونے پر اس نے مغربیوں کو اپنا فریفتہ بنالیا سوال یہ ہے اخیر یورپ کی قسمت پلٹا کھا کے کونسا مذہب قبول کرے گی؟ یہ سوال بڑے بڑے علما میں گردش کھا رہا ہے لیکن عام جواب جو فاضل موسیو لیبان نے اس سوال کا دیا ہے وہ یہ ہے کہ عنقریب مسیحی یورپ کی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ ہوجائیگی اور وہ زمانہ قریب آنیوالا ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھہ لیں گے۔

موجودہ یورپ کا مذہب فلسفیانہ ہے اور اسلام میں فلسفہ کو بہت کم دخل دیا گیا لیکن قانون قدرت یہ ہے کہ خیالات کا رنگ بدلتا رہتا ہے جو ملک ایک زمانہ میں وحشی رہچکا ہے وہ دوسرے زمانہ میں اسی خیال کا نہیں رہسکتا جس ملک میں ایکدفعہ مذہبی تعصب ہو وہاں دوسرے زمانہ میں شائستگی اور تمدن دیکھا گیا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ تمام ممالک موجود ہیں اور اُن میں خیالات کی تبدیلی کا مشاہدہ اچھی طرح ہوسکتا ہے اسی قانون قدرت کی بنا پر یہ امید کیجاتی کہ یورپ کے خیالات میں بھی تبدیلی پیدا ہوگی اور یہ تبدیلی ضرور اسلام کے ساتھ ہوگی اور اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ فاضل یورپیوں کی تحریر حسب ذیل ہیں۔

مجسّم خیر ہے جب تک دولت نہ ہو اسلام اسلام نہیں بن سکتا۔ہم پہلے لکھہ آئے ہیں کہ اسلام کا کوئی رکن بغیر دولت کے ادا نہیں ہو سکتا۔اگر تمام مسلمانوں کے لنگوٹی بندھ جائے اور نان شبینہ کو محتاج ہو جائیں تو دوسری قوموں کے آگے ایسی کنگال جماعت کی کیا خاک توقیر ہو سکتی ہے۔توقیر تو ایک طرف گئی اس ناداری میں مسلمان زندہ کیوں کر رہ سکتے ہیں اور پھر ایسی بے بضاعتی میں اسلام کی عظمت کو کیوں کر محفوظ کر سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دولت کو مجسم خیر فرمایا گیا ہے اب وہ مسلمان نہیں رہا جو مال کو مجسّم خیر نہ سمجھے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہہ ارشاد کیا ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح"یعنی کیا اچھی نیک کمائی نیک مرد کے واسطے،،۔دولت کی تعریف قرآن وحدیث دونوں میں موجود ہے۔دولت پیاری دولت خدا تیری تعریف فرماتا ہے اور خود رسول کریم نے تیری تعریف کی ہے۔

صدقہ اور حج کے ثواب میں جو کچھ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں آیا ہے اس سے بھی دولت ہی کی تعریف نکلتی ہے خیرات کرنے کے اجر میں جب دائمی جنت کی بشارت دی گئی ہے پھر اس سے زیادہ خیر مجسّم اور کونسی چیز ہو سکتی ہے جو جنت میں ہاتھ پکڑ کے داخل کر دے۔قرآن کریم میں ایک جگہہ نہیں بلکہ مختلف مقامات پر دولت کی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔اور ساتھ ہی اُس کی تعریف بھی بے انتہا ہوئی ہے۔مثلاً ایک جگہہ خدائے عرش وکرسی فرماتا ہے" ونستخرج کنزھا رحمۃ من ربک" تیرے رب کی مہربانی سے اپنا گڑا ہوا مال نکالیں۔دوسری جگہہ بندوں پر احسان کے طور پر ارشاد ہوا ہے" ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انھاراً"،مال اور اولاد سے تمہیں ترقی ہو اور تم باغ اور نہریں بناؤ۔

ایک صحیح حدیث میں رسول کریم نے بالکل ہی فیصلہ کر دیا ہے جہاں حضور انور نے مفلسی کو ایک جرم عظیم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہوتا ہے،،قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔دنیا کی جتنی متمدن قومیں ہیں وہ مفلسی کو ایک جرم عظیم سمجھتی آئی ہیں مگر نصاریٰ میں یہہ بات نہ تھی اور راہبوں نے بالکل خدا کی مخلوق کو بیکار کر دیا تھا۔ایسے موقع پر فقر کی اس شد ومد سے بُرائی کرنے کے یہہ معنی ہیں کہ دنیا بغیر دین کے اور دین بغیر دنیا کے قایم نہیں رہ سکتا۔

انجیل میں بیشک دولت کی بے انتہا بُرائی کی گئی ہے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بُرائی کرنے پر خود مجبور تھے کیونکہ اُنہیں چند مفلس مچھلی والوں سے پالا پڑا تھا جو دولتمند یہودیوں کو دیکھ دیکھ کے چھپتے تھے اس لئے حضرت مسیح نے فرمایا کہ سبھوں سے بھی پانسو برس پیچھے دولتمند جنت میں جائیں گے۔کوئی امتیاز دولتمندوں میں حضرت مسیح نے قایم نہیں کیا۔جہاں دیکھو بلا وجہ دولتمندوں پر تبرّے بازی کی گئی ہے مگر قرآن نے ایسا نہیں کیا۔اُس نے دولت کی تعریف ہی کی ہے۔اور اُسے مجسّم خیر بتایا ہے۔آسانی سے خیال میں آ سکتا ہے کہ قانون قدرت کے مطابق کونسی کتاب ہے اور سچے تمدن کو قایم کرنے والی کیا انجیل بن سکتی ہے؟۔

بڑے تماشہ کی بات ہے کہ مسلمانوں کی عادات وصفات عیسائیوں نے لے لیں اور مسلمانوں میں ذلیل رہبانیت کوٹ کوٹ کے بھر گئی۔یا بالفاظ دیگر عیسائی قرآن مجید پر عمل کرتے ہیں اور مسلمان انجیل پر۔بڑے غضب کا یہہ مقام ہے کہ جس مولوی کے وعظ کو سنا دنیا پرستی یا دولت کو گالیاں ہی دیتے سُنا۔

اس قسم کا زندہ اور پُر زور جوشِ ایمان پیدا کردیتا ہے کہ پھر اُس میں مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجایش نہیں رہتی۔
اسلام کا ملکی اور تمدنی اثر فی الواقع بے حد و بے پایاں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربستان کا ملک چھوٹے چھوٹے خود مختار صوبوں اور قبیلوں میں منقسم تھا جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے۔ ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا تھا اور اُن تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبیعی کے ساتھ پورا توافق ہے اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں۔ اس میں شک نہیں کہ فلسفیانہ خیال سے مذہب بدھ کے اعتقادات کو تمام سیماطیقی مذاہب کے اعتقادات پر ترجیح ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی جب مذہب بدھ کو عوام الناس کی سمجھ کے مطابق بنانے کی ضرورت پڑی تو اس میں ایک انقلاب کلی کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ترمیم شدہ مذہب اسلام سے بہت گھٹ گیا۔

جس تمدن کو خلفاء اسلام نے قایم کیا اُس کی وہی سرگذشت ہے جو تمام اُن تمدنوں کی جو وقتاً فوقتاً دنیا میں آتے ہیں ہوا کرتی ہے یعنی وہ پیدا ہوا بلوغ کو پہنچا اُسمیں انحطاط آیا اور وہ مرگیا۔ وہ بھی اُس گورِ زنگار میں جاملا جس میں پُرانے تمدن پڑے ہوئے ہیں لیکن مذہب اسلام کے اعتقادات کو زمانہ نہ مٹا سکا اور آج بھی ان کا ویسا ہی زور ہے جیسا پہلے تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں جب کہ اسلام سے کہیں پُرانے مذاہب کی حکومتیں قلوب پر سے کم ہوتی جاتی ہیں قانون اسلام کی وہی پہلی حکومت اس وقت تک قایم ہے۔

دنیا میں اسوقت مسلمانوں کی تعداد دس کرور نفوس سے زیادہ ہے۔ عربستان۔ مصر۔ شام فلسطین۔ ایشیائے کوچک ان سب ملکوں میں تقریباً یہی مذہب ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں روس میں چین میں اور افریقہ کے اُس کل حصہ میں جو خط استوا کے شمال واقع ہوا ہے مسلمان موجود ہیں

ان مختلف اقوام عالم میں جو اسلامی قانون کی پابند ہیں دو چیزوں نے باہم اتفاق پیدا کر رکھا ہے۔ اوّلاً زبان عربی اور ثانیاً حج بیت اللہ جہاں تمام عالم کے مسلمانوں کو یک جا ہونا پڑتا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو وہ کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو ضرور ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ سکے اور اسی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ زبان عربی تمام عالم میں مروج ہے۔ اگرچہ پیروان اسلام اِس وقت بہت ہی مختلف اقوام اور خیال کے اشخاص ہیں لیکن ان سب میں ایک قسم کا اندرونی تعلق ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو یہ سب بہت آسانی کے ساتھ ایک پرچم کے نیچے جمع ہوسکتے ہیں۔

• اشاعت قرآن اور دین اسلام کی حیرت انگیز سرعت نے مورخین مخالف کو نہایت تعجب میں ڈالا ہے اور بجز اس کے کوئی توجیہ اُن سے بن نہ پڑی کہ اس مذہب میں شہوات نفسانی کی باگ ڈھیلی کردی گئی ہے جس کی وجہ سے عوام کی رغبت اس کی طرف ہوئی اور علاوہ اِس کے مذہب بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ لیکن یہ امر نہایت آسانی کے ساتھ ثابت ہوسکتا ہے کہ اُنکا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔

اگر اسلام کے اصلی اعتقادات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام گویا ایک قسم کا مذہب عیسائی ہے جس میں سے مشکلات اور پیچیدگیاں نکال ڈالی گئی ہیں۔ البتہ اسلام میں اور عیسائی مذہب میں فروعات کے فرق بہت سے ہیں اور ایک بہت بڑا فرق اصولی بھی ہے یعنی اسلام میں خالص اور پاک وحدانیت باری تعالیٰ ہے۔ یہ خدائے واحد مطلق سب چیزوں سے برتر ہے اور اسکے ارد گرد نہ ملائکہ ہیں نہ اولیا اور نہ ایسے اشخاص جو واجب التعظیم ہوں اور فی الواقع تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے پہلے پہل وحدانیت خالص ومحض کی اشاعت دنیا میں کی۔

اسی خالص وحدانیت کی وجہ سے اسلام کی ساری سادگی اور ساری شان ہے اور یہی سادگی باعث ہوئی ہے اسلام کی قوت اور اسلام کی مضبوطی کی۔ یہ وحدانیت محض ایسی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی بھید یا معما نہیں ہے اور نہ اسمیں اُن متضاد چیزوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذاہب میں واقع ہوتی ہے اور جنہیں عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ ایک خدائے واحد مطلق معبود۔ تمام بندے اُسکی نظروں میں برابر۔ بہت تھوڑے سے ارکان دین جن کا بجالانا واجب ہے اور اُن کے بجالانے کی جزا بہشت ہے اور اُن کے نہ بجالانے کی سزا جہنم۔ اس سے زیادہ صاف وسادہ اور غیر مبہم کونسا مذہب ہوسکتا ہے۔ ایک ادنیٰ نو مسلم بھی وہ کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو بخوبی اپنے اعتقادات مذہبی سے واقف ہے اور اُن کو چند لفظوں میں صراحت کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔ برخلاف اِس کے اگر کسی عیسائی سے مسئلہ تثلیث یا مسئلہ تبدیل جنس یا مثل ذلک اعتقادی مضمون کے بابت پوچھا جائے تو جب تک وہ علم کلام کا ماہر نہ ہو اور منطق کی تمام باریکیوں پر عبور نہ رکھتا ہو ہرگز جواب دے سکیگا اسلام کی وضاحت اعتقادات اور اُس کے ساتھ دوسروں کے مقابل میں نیکی اور انصاف جس کی مُہر اس مذہب پر کی گئی ہے اس کی عالمگیر اشاعت کا بہت بڑا باعث ہوا۔ یہی خاصیت اسلام کی تھی جس نے اُن تمام قوموں کو جو مصریوں کی طرح شاہنشاہان قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی چلی آتی تھیں دعوتِ نبوی ہونے کے ساتھ ہی مسلمان ہوجانے پر آمادہ کردیا حالانکہ ایسی کوئی مثال کسی قوم مسلم کی خواہ وہ فاتح ہو یا مفتوح موجود نہیں ہے جس نے کبھی دین عیسوی کو قبول کیا ہو۔

کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اُس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اُس کتاب میں کی گئی ہے اُنہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا اور جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے اُن مذاہب میں جنہوں نے قلوب پر حکومت کی ہے یہ بھی ایک نہایت عالیشان مذہب ہے البتہ اسمیں بھی نیکی۔ انصاف۔ عبادت وغیرہ وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسے کل اور ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آتی ہے۔ اسلام قلوب میں

چین میں بھی اشاعت اسلام کچھہ کم نہیں ہوئی۔ ہماری کتاب کے ایک دوسرے حصہ میں معلوم ہوگا کہ اُس ملک میں بھی اسلام کس قدر جلد پھیلا۔ اگرچہ عربوں نے چین میں گز بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اسوقت چینی مسلمانوں کی تعداد دو کرور نفوس سے زیادہ ہے۔

تقدیر کے اعتقاد کا الزام جو اسلام پر لگایا گیا ہے یہ بھی اور الزامات کی طرح جنکا جواب دیا جاچکا ہے بہت ہی خفیف الزام ہے ہم نے قضا و قدر کے متعلق جو آیات قرآنی جمع کی ہیں اُن میں ہرگز اُس سے زیادہ نہیں ہے جتنا کتاب مقدس میں موجود ہے۔ کیا فقیہ اور کیا فلسفی (علی الخصوص لوتھر) اس امر کے قائل ہیں کہ دنیا میں سلسلۂ واقعات معین ہے اور اُس میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا۔ خود لوتھر جو بانی ہے اصلاح مذہب عیسوی کا لکھتا ہے

"کتاب مقدس کی ساری شہادتیں مسئلہ اختیار کے بالکل خلاف میں واقع ہوئی ہیں ایسی شہادتیں بے انتہا مقامات پر موجود ہیں بلکہ ساری کتاب اُن سے مملو ہے"

تمام اقوام عالم کی مذہبی کتابوں میں تقدیر کا مسئلہ موجود ہے۔ قدمائے روم و یونان نے اُس کا نام قسمت رکھا تھا اور اُسے ایک ایسی قوت فرض کرلیا تھا جو تمام چیزوں کی سرتاج تھی اور جس کی اطاعت انسانوں اور دیوتاؤں دونوں پر لازم تھی جن واقعات کو قسمت مقرر کردیتی تھی وہ ہمیشہ وقوع میں آتے تھے۔ اڈیپس کو جس وقت صدائے غیبی نے یہ سنادیا کہ وہ خود اپنے باپ کو قتل کریگا اور اپنی ماں سے شادی کریگا تو پھر اُس کا نالہ و فریاد کرنا لاحاصل تھا۔ بے رحم قسمت نے جو کچھہ ٹھیرا دیا تھا اُس سے کبھی مفر نہ تھا

تقدیر کو مذہب اسلام میں کچھہ اُس سے زیادہ وقعت نہیں دی گئی ہے جو اس نے اور مذاہب میں پائی ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اسی اسلام نے اتنی بھی وقعت نہیں دی جتنی آجکل کے اُن علما نے دی ہے جنکا قول بہ تبعیت لاپلاس ولایب نظر یہ ہے اگر کوئی ایسا عاقلمند شخص فرض کرلیا جائے جو کسی آن واحد میں کل اُن قوتوں کا علم حاصل کرسکے جو کائنات میں موجود ہیں اور نیز کل اُن اجسام کے مواقع سے واقف ہو جن پر یہ قوتیں عمل کررہی ہیں اور اسکے ساتھہ اُس میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ ان کل قوتوں اور اجسام کو ایک دوسرے سے علحدہ کرکے دیکھ سکے تو ایسا شخص عاقل اس قسم کا ایک ہی قاعدہ بنا سکتا ہے جو بڑے سے بڑے اجرام سماوی اور نیز باریک سے باریک ذرہ کی حرکت پر حاوی ہو سکے۔ ایسے شخص کے سامنے کوئی چیز مشکوک حالت میں نہیں رہ سکتی اور ماضی و مستقبل دونوں اُسکی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔

مشرق کا مسئلہ جو فلسفہ عرب اور نیز بہت سے اُن فلسفوں کی بنیاد ہے جن کے مصنفین نے حقایق اشیاء پر غور کی ہے فی الواقع ایک قسم کی تسلیم و رضا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر بے جا شور و غل نہ مچائے۔ فی الواقع یہ ایک مسئلہ اخلاقی ہے نہ اعتقادی۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عرب تقدیر کے قائل تھے اور اس مسئلہ کا اثر نہ تو عربوں کی ترقی پر تھا اور نہ اُن کے تنزل پر ہونا چاہیئے۔ پھر فاضل مورخ قدیم عربوں کی تاریخ سے بوضاحت بحث کرتا ہے۔

یہ امر عموماً مسلم ہے کہ اعراب جاہلیت نے کوئی تاریخ نہیں چھوڑی۔ وہ مختلف قبایل میں منقسم تھے اور ہمیشہ سفر کی حالت میں رہتے تھے۔ نہ اُن کی بود و باش کا کوئی خاص مقام تھا اور نہ اُن میں کسی قسم کی روایات تھیں۔ تعرن اے

محض قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس کی اخلاقی تعلیم ہرگز اور کتب دینیہ کی تعلیم سے سختی میں کسی طرح کم نہیں۔ البتہ قرآن نے تعدد ازدواج کو قبول کر لیا ہے لیکن یہ وہ رسم ہے جو قبل از اسلام کل مشرقی اقوام میں موجود تھی اور قرآن کا اُسے جائز رکھنا کوئی جدید فایدہ کی بات نہ تھی۔ اخلاقی آزادی کی بابت جو کچھ اعتراض اسلام پر ہوا ہے اُسکا جواب ایک مدت ہوئی دیا جا چکا ہے۔ علی الخصوص اُس مشہور فلسفی اور عالم بیل نے اس پر ایک عمدہ بحث کی ہے۔ اس امر کو ثابت کرنے کے بعد کہ اسلام میں روزہ ترک مسکرات اور دیگر افعال اخلاقی کے متعلق احکام بمقابل دوسرے مذاہب کے بہت زیادہ سخت ہیں بیل لکھتا ہے۔

"فی زمانا یہ خیال کرنا کہ اسلام نے جس سرعت اور جس وسعت کے ساتھ ترقی کی وہ محض اس وجہ سے تھی کہ اس مذہب نے انسان کو مطلق العنان کر دیا اور افعال نیک و بد کی پابندی اُٹھا دی اور اپنے پیرووں کو بُرے کام کرنے کے لئے آزاد کر دیا اپنے کو بالکل دھوکے میں ڈالنا ہے۔ ہاٹنگر نے ہمیں ایک لمبی چوڑی فہرست اُن اخلاقی احکام کی دی ہے جو مسلمانوں میں بطور مقولوں کے رائج ہیں اور بلا خوشامد مذہب اسلام کہا جا سکتا ہے کہ ان مقولات سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کی طرف راغب اور بدی سے محترز کرنے کے لئے نہیں ہو سکتا"

اسی سلسلہ میں میں یہ کہوں گا کہ وہ نعمتیں جن کا وعدہ پیغمبر اسلام نے اپنے پیرووں کے لئے جنت میں کیا ہے ہرگز اُن سے کم نہیں جن کا وعدہ انجیل میں عیسویوں کے لئے کیا گیا ہے وہ (یعنی جنتی) ایک ایسی حالت میں ہوں گے جس کی لذتیں کل اُن چیزوں سے مافوق ہیں جن کا مشاہدہ انسان کی آنکھوں نے کیا ہے"

جسوقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور اُنکی کامیابی کے اسباب کو اُبھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر اُنکی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اِس وجہ سے تھا کہ اُنہوں نے اپنے جدید حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں وہ اُس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا اور نیز اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسویوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اُس وقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا

فی الواقع دین اسلام بعوض اسکے نہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہو محض ترغیب اور بزور تقریر شایع کیا گیا ہے اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و مغل کو بھی جنہوں نے آگے چلکر عربوں کو مغلوب کیا دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ ہندوستان میں جہاں عربوں کا محض گذر ہی ہوا تھا اسلام نے اسقدر ترقی کی ہے کہ اس وقت پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمان اُس ملک میں موجود ہیں اور اُنکی تعداد ہر روز بڑھتی جاتی ہے۔ اگرچہ انگریز اسوقت ملک پر حکومت کر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ پادریوں کی ایک فوج موجود ہے جس کا کام مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے تاہم اس کی کوئی سچی مثال نہیں پائی جاتی کہ پادری اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئے ہوں۔

بھی عربستان میں ایک اعلیٰ درجے کی زبان اور اُس زبان میں تصنیفات موجود تھیں اور اعراب جاہلیت نے دو ہزار سال سے دنیا کی مہذب ترین اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات قایم کر لیئے تھے اور اقلاً سو برس سے تو اُنھوں نے ایسی ترقی کی تھی جسے منجملہ اُن اعلیٰ ترقیوں کے شمار کرنا چاہیئے جنکی یادگار اسوقت تک دنیا میں موجود ہے۔

ایک اعلیٰ زبان اور اُسمیں تصنیفات دفعتہً پیدا نہیں ہوسکتیں اور اُن کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ قوم نے ایک زمانہ دراز طے کیا ہی۔ کسی قوم کا دوسری اقوام مہذب کے ساتھ روابط قایم رکھنا ہمیشہ خود قوم کی ترقی کا باعث ہوتا ہی بشرطیکہ اُس قوم میں ترقی کی صلاحیت موجود ہو اور عربوں نے ثابت کر دیا کہ اُن میں یہ صلاحیت موجود تھی۔ علاوہ بریں اقلاً سو برس تک ایک اعلیٰ درجے کی ترقی کا حاصل کر لینا اور ایک وسیع حکومت کا قایم کر دینا اس امر کو ثابت کرتا ہی کہ عربوں میں اس قسم کی مصدوقی خصائص اور ترقی کی قابلیت موجود تھی جو سال ہائے دراز میں حاصل ہوئی ہوگی۔ وہ کچھ امریکائے شمالی کی سرخ رنگ اقوام یا اسٹریلیا کے وحشی نہ تھے جن کے ذریعے سے خلفائے اسلام نے ایسے ایسے عالیشان شہروں کی بنا ڈالی جو آٹھ سو برس تک یورپ اور ایشیا میں علوم و فنون و صنعت و حرفت اور کمالات انسانی کے ماویٰ و ملجا رہے۔ عربوں کے سوا اور بھی اقوام نے پرانی حکومتوں کو زیر و زبر کر دیا ہی لیکن باستثنا اُن اقوام کے جن میں پہلے سے ترقی موجود تھی کسی نے کوئی نئی حکومت کوئی نیا تمدن نہیں قایم کر دیا اور قوم مفتوح کے تمدن سے فایدہ بھی اُٹھایا تو بہت دیر میں۔ وہ اقوام وحشی جنھوں نے رومیوں کی قدیم حکومت کو تہ و بالا کر دیا ایک زمانہ دراز میں اُس حکومت کے ریزوں کو جوڑ کر نئی حکومت قایم کر سکیں اور اپنے کو ازمنہ متوسطہ کی تاریکی سے نکال سکیں۔

قبل اسکے کہ ہم اُن ناکامل اسناد کی بنا پر جو ہم تک پہنچی ہیں اعراب جاہلیت کی ترقی کا خاکہ دکھا سکیں ہم چاہتے ہیں کہ اجمالاً اُن کی تاریخ کا بیان کر دیا جائے۔

مثل اور اقوام عالم کے عربوں کا بھی ایک زمانہ قبل تاریخ گذرا ہے۔ ہمارے قدیم آبا و اجداد کے چھوڑے ہوئے ہتھیار آلات اور مکانات کے بقایا جو ہمیں زمین کے مختلف طبقات مختلف اقطار عالم میں ملے ہیں اُن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان زمانہ تاریخی سے (جس کی مدت بہت ہی تھوڑی ہی) لاکھوں برس قبل فلزات اور زراعت اور پالو جانوروں کے استعمال سے ناواقف اور اُس کے ہتھیار سنگ چقماق کے ہوا کرتے تھے۔ اِس زمانہ قدیم کا نام زمانہ حجریہ رکھا گیا ہی اور تمام عالم میں جہاں کہیں آثار قدیمہ کی تحقیقات کی گئی ہی کیا عربستان میں اور کیا یورپ اور امریکا میں اس زمانہ قدیم کے آثار پائے گئے ہیں اِن ہتھیاروں اور آثار قدیمہ کے باہم مقابلہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں مختلف اقوام عالم کی طرز معیشت میں بہت مشابہت تھی۔ اِن آثار قدیمہ کی بنا پر ہم نہایت آسانی سے اُس زمانے کے انسانوں کی فہم و ادراک اور اُن کے طریقۂ زندگانی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی سابق کی تصنیف میں یہ خاص بحث لکھی ہے اور اَب اُس کا یہاں اعادہ کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہی۔

عربوں کی قدیم سے قدیم روایات حضرت ابراہیمؑ سے آگے نہیں بڑھتیں لیکن علم السنہ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہی کہ نہایت قدیم زمانہ میں کل اُس خطے میں جو قفقاز اور عربستان جنوبی کے بیچ میں واقع ہوا ہی اگر ایک ہی قوم نہیں بستی تھی تو اقلاً چند اقوام متحد اللسان ضرور بستی تھیں۔ السنہ سیماطیقی کے باہمی مقابلے سے ثابت ہوگیا ہی کہ عبرانی فینیقی۔ سریانی۔ اسیری۔ کلدی اور عربی کسی زمانۂ قدیم میں متحد الاصل اور ایک ہی زبان سے نکلی تھیں۔

درازسے وہ نیم وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اُن کی کوئی یادگار باقی نہیں ہے۔

آج کے دن بھی نہایت ممتاز مورخین کی یہی رائے ہے چنانچہ موسیو رینان سا سر برآوردہ شخص اپنی تاریخ السنہ سیاطیقی میں لکھتا ہے "اس عجیب واقعہ تک (یعنی اسلام) جس نے دفعۃً قوم عرب کو ملک گیروں اور خلاق مضامین کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا عربستان کا کوئی حصہ نہ دنیا کی تاریخ تمدنی کا جز تھا نہ تاریخ علمی میں اور نہ تاریخ مذہبی میں۔ عربستان کوئی بہت قدیم ملک نہیں ہے۔ فی الواقع تاریخ عالم کے لحاظ سے وہ اس قدر جدید ملک ہے کہ ہماری چھٹی صدی اُس ملک کے پہلوانوں کا زمانہ ہے اور سنہ عیسوی کی پہلی صدیاں تو اُس ملک کے ازمنہ مظلمہ میں شامل ہیں"

اگر بالفرض ہمیں عربستان کی پچھلی تاریخ سے مطلق اطلاع نہ ہوتی تب بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ جو رائے اوپر بیان کی گئی وہ غلط ہے۔ کسی قوم کے تمدن کی وہی حالت ہے جو اُس کی زبان کی۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں دفعۃً ہمارے سامنے آئیں لیکن اسمیں شک نہیں کہ اُن کے اصول بہت قدیم ہیں اور وہ اصول بتدریج ایک زمانہ دراز میں قایم ہوئے ہیں۔ افراد انسانی۔ ملل انسانی اور نظامات و مذاہب انسانی کی ترقی ہمیشہ بتدریج ہوا کرتی ہے۔ سلسلہ ترقی میں جب تک کل مدارج یکے بعد دیگرے طے نہ ہو لیئے ہوں اعلیٰ درجہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

جب کوئی قوم اعلیٰ درجہ کی ترقی کے ساتھ ہمارے سامنے آئے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ترقی سال ہائے دراز کی پچھلی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ پچھلے مدارج ترقی اکثر مفقود ہو جاتے ہیں لیکن اُن کا وجود ہمیشہ مسلم ہے اور اکثر اوقات علمی تحقیقات اُنکا کھوج لگا کر اُنھیں ہمارے سامنے کر دیتی ہیں۔

اعراب جاہلیت کے تمدن کی یہی حالت ہے۔ اس امر کا ٹھیک ٹھیک قرار دینا کہ وہ تمدن کیا تھا دشوار ہے لیکن ہمارے پاس ایسی اسناد موجود ہیں جن سے اُس تمدن کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاید وہ اسیریا اور بابل کے قدیم تمدن سے جسے ایک زمانہ دراز کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات نے قایم کر دکھایا ہے کم نہ تھا۔

اعراب جاہلیت کے نیم وحشی ہونے کی بابت جو خیال پیدا ہوا ہے یہ نہ فقط تاریخوں کے سکوت کی وجہ سے ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ عموماً بدویوں اور مستوطنین میں فرق نہیں کیا گیا اور نہ خانہ بدوش قبائل عرب کو اُن قبائل کے ساتھ جو شہروں اور قصبات میں بسے ہوئے ہیں ملا دیا گیا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ بدویان عرب خواہ وہ زمانہ جاہلیت کے ہوں یا زمانہ اسلام کے البتہ اس وقت تک بھی نیم وحشی حالت میں ہیں اور مثل نیم وحشیوں کے نہ اُن میں تمدن ہے اور نہ تاریخ۔ لیکن یہ بدوی قوم عرب کی صرف ایک شاخ ہیں اور ان کے ساتھ ہی ایک گروہ قوم کا ہے جو شہروں اور قصبات میں سکونت پذیر اور زراعت اور تجارت میں مصروف ہے۔ اعراب مستوطن کے بارے میں نہایت آسانی سے ثابت ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک اعلیٰ درجہ کا تمدن تھا جس کی تفصیل سے تو ہم نہیں واقف لیکن اُسکی عظمت کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔

عربوں کے قدیم تمدن کی بابت تاریخ عالم اس درجے ساکت نہیں جیسی وہ اُن قدیم تمدنوں کی نسبت ساکت ہے جنھیں حال کی تحقیقات نے آثار قدیمہ کے گرد و غبار میں سے کھود کر نکالا ہے۔ اگر بالفرض تاریخ کو پورا سکوت بھی ہوتا تو بھی ہم ثابت کر سکتے تھے کہ یہ تمدن زمانہ حضرت رسالت مآب صلعم سے بہت پہلے تھا۔ ہمیں اس قدر یاد دلانا کافی تھا کہ آنحضرت کے وقت میں

اس قدر پیچیدگیاں اور مبالغہ ہے کہ اُن سے انسان بآسانی مستفید نہیں ہو سکتا۔ وہ اس نظر سے البتہ مفید ہیں کہ اُن سے مورخین یونانی اور رومی کے بیانات کی تصدیق یمن کی عظمت اور قوت کے بارے میں ہو سکتی ہے۔ ان عرب مورخین کے بموجب یمن تمام ملک میں سب سے بڑی حکومت کا مستقر تھا اور وہاں شاہوں نے تین ہزار سال سلطنت کی تھی اور ہندوستان و چین اور اُن ممالک تک جو آج کے دن مراکش میں شامل ہیں لشکر کشی کی تھی

مورخین یونان نے جو کچھ عربستان بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عربستان کے بعض حصّوں کی مختصر تاریخ لکھی ہے وہ اسکندر کے زمانے سے آگے نہیں بڑھتی اور محض چند سطروں میں اس کا بیان ہو سکتا ہے۔

مسیح سے بھی پہلے عربستان سے واقف تھے اور اس ملک کی دولت نے اسکندر کو اس ملک کے فتح کرنے پر آمادہ کیا۔ نیارکس نے جزیرہ نمائے عرب کے گرد جو بحری فوج کشی کی اُس کا نتیجہ عنقریب ظاہر ہونے والا تھا لیکن اسکندر کی وفات نے اسے روک دیا۔ جس وقت اسکندر کے ملک کی تقسیم ہوئی تو ملک کے وہ حصّے جو مصر اور فلسطین کے ہم سرحد تھے اور جہاں عرب بود و باش رکھتے تھے بطلیموس کے حصّے میں آئے۔ قبطیوں نے انیگنوں کے مقابل میں بطلیموس کی مدد کی۔ لیکن جس وقت انیگنوں شام اور فنیقیہ پر قابض ہو گیا اُس نے اپنے ایک سربرآوردہ سپہ سالار کو نبطیون کے مقابلہ میں بھیجا۔ یہ سپہ سالار حملہ ناگہانی کر کے پٹرا پر قابض ہو گیا لیکن اُسکی ساری فوج جس کی تعداد چار ہزار پچہ سوتھی بالکل برباد ہو گئی۔ اس کے بعد انیگنون نے اپنے بیٹے دمٹریس کو اُن کے مقابل بھیجا۔ ہرودوط لکھتا ہے کہ جس وقت ڈمٹریس پٹرا میں پہنچا تو عربوں نے اُس سے یہ کہا "اے شاہ ڈمٹریس تو ہم سے کیوں لڑتا ہے ہم ایک ایسے بیابان کے رہنے والے ہیں جہاں شہر والوں کو مایحتاج مطلق نہیں مل سکتیں۔ ہم نے ایک قسم کے بے پیداوار ملک میں رہنا اسی وجہ سے اختیار کیا کہ ہم ہرگز غلام بننا نہیں چاہتے۔ پس جو تحایف ہم تیرے سامنے پیش کرتے ہیں اُنہیں قبول کر اور اپنی فوج اُٹھا لے اور یاد رکھ کہ اب نبطی تیرے سچے دوست رہیں گے۔ اگر تو محاصرہ کو طول دینا چاہتا ہے تو بہت جلد تجھے ہر قسم کی تکالیف کا سامنا پڑے گا اور تو ہمیں ہرگز مجبور نہ کر سکے گا کہ جس قسم کی طرز معیشت کے ہم بچپن سے عادی ہیں اُس میں کوئی فرق کریں اگر بالفرض تو ہم میں سے کچھ اشخاص قید کر کے لے بھی جا سکے تو وہ بالکل بددل غلام ہوں گے اور وہ ہرگز ہماری طرز کے سوا کسی اور طرز پر زندگی نہ کر سکیں گے،، ڈمیٹریس نے اس صلح کے پیغام کو غنیمت سمجھا اور خوشی خوشی تحایف لے کر ایک ایسی لڑائی کو ختم کر دیا جس میں اُسے سخت مشکلات معلوم ہو رہی تھیں۔

ابتدائے سنہ عیسوی تک اقوام بدوی اُن متعدد لڑائیوں میں جو مصر اور شام کے ملک میں ہوا کیں کبھی مصریوں کا ساتھ دیتے رہے اور کبھی شامیوں کا۔ اُن کی لوٹ مار اور اُن کی چڑھائیوں پر روم کے شاہنشاہوں کو جن کا ملک دریائے فرات تک پہنچ گیا تھا سخت غصّہ آیا اور اُنہوں نے اُن کی گوشمالی کے لئے عربستان کوہستانی پر کئی لشکر کشیاں کیں لیکن اُن کا نتیجہ اسی قدر ہوا کہ یا تو چند روزہ خراج وصول ہوا یا چند روز کے لئے جنگ و جدل موقوف ہو گئی۔ یہ بدوی اقوام اُس وقت بھی اُسی طرح سے جنگ کرتی تھیں جیسے اب کرتی ہیں یعنی ناگہانی حملوں سے دشمن کو تنگ کرنا اور جب کبھی تعاقب ہوا تو ریگستان میں بھاگ جانا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون سے اسباب تھے یا کیا مرزبوم کا اثر تھا جس نے اِن اقوام متحد الاصل کو ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا اور اسی وجہ سے اِن کی اور عربوں کی قرابت کو ہم زیادہ تفصیل سے نہیں بیان کرسکتے۔

اعراب جاہلیت کی تاریخ ہمیں کچھہ تو کتب تورات میں ملتی ہی اور کچھہ خود عربوں کی پُرانی روایات میں اور کسی قدر اُن شاذ و نادر تصنیفات میں جو ہمیں مورخین یونان و روم سے پہنچی ہیں یا چند معدود کتبوں میں مثلاً اسیری کتبے یا وہ کتبے جو دما اور صفا کے قریب نکلے ہیں۔

کتب تورات میں عربوں اور عبرانیوں کا متحد الاصل ہونا دکھایا گیا ہی اور عرب قدامت میں عبرانیوں سے زیادہ سمجھے گئے ہیں۔ اُن کی خانہ جنگیاں ایک زمانہ دراز تک قایم ہیں اور توریت میں برابر جزیرہ نمائے سینا کی اقوام عمالقہ اور مدیانیہ اور سابین عربستان کا ذکر ہے۔

عرب کی قدیم روایتون کے مطابق جو دراصل یہود کی کتابوں سے لی گئی ہیں جزیرۃ العرب میں پہلے دو نسلیں قایم ہوئیں ایک یقطان اولاد سام کی اور دوسری اسمٰعیل بن ابراہیم اور اُنکی مصری لونڈی ہاجرہ کی اِن میں شمال کی طرف رہتے تھے اور جنوب کی طرف مستوطنین۔ یمن میں یقطان کی اولاد نے ایک طرف سبا کی سلطنت قایم کی اور دوسری طرف حمیر کی۔ اسمٰعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لے کر حجاز تک بسی اور یہی پہلے مکہ معظمہ کے حاکم ہوئے اور ایک مدت دراز تک مکہ اور سبا ئے یمن میں مقابلہ رہا کہ اِن میں سے کون شہر عربستان کا دارالسلطنت کہلاوے۔

نبطیہ۔ بنو ادوم۔ بنو مآب۔ عمالقہ۔ بنو عمون اور مدیانیہ بڑے بڑے قبائل اسمٰعیل کی اولاد سے تھے اور ان کے نام تورات میں آتے ہیں۔ وہ شاید عمالقہ ہی تھے جنہون نے دو ہزار سال قبل مسیح شام کے بدویوں کے ساتھ مل کر مصر پر چڑھائی کی اور وہاں پر چرواہوں کا خاندان شاہی قایم کیا جس نے کئی صدی تک حکومت کی۔

بالآخر عمالقہ۔ بنو ادوم۔ بنو مآب اور بنو عمون نے عربستان کوہستانی اور عربستان صحرائی میں بود و باش اختیار کی یہ قبائل ہمیشہ عبرانیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے اور ایک مدت اُنھیں ارض کنعان میں پہنچنے سے باز رکھا۔ صرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے وقت میں اِن پر حکومت حاصل ہوئی اور وہ بھی چند روز کے لئے۔

تورات میں جو کچھہ ذکر ہے وہ سرحد فلسطین کی بدوی اقوام کا ہی اور یمن کی مستوطن عربون کے متعلق اسی قدر لکھا گیا ہی کہ سبا کی شاہزادی حضرت سلیمان کی ملاقات کو آئی تھی۔

اسیری کتبوں میں اکثر عربوں کا ذکر ہے لیکن یہ شمالی عرب ہیں یعنی شام اور نواحی شام کے رہنے والے۔ سلمانصر ثانی کی جس کا زمانہ نو سال قبل مسیح سے بھی پہلے کا ہی ایک تحریر میں عربوں کا نام آیا ہے اور تقریباً آٹھ سال قبل مسیح میں تغلات فلسر ثانی کے دربار میں دو عرب بادشاہزادیوں کا آنا معلوم ہوتا ہے۔ حصر حدن نے ایک عرب شاہزادی کو جس کی تربیت نینوی میں ہوئی تھی اُس کے تخت پر بٹھایا اور اُس کے بیٹے اسر بنی پال کے وقت میں جب اُس کے ایک بھائی نے بغاوت کی تو عرب فوجوں نے باغی کا ساتھ دیا۔

عربستان کے حصہ جنوبی کے متعلق عرب ہی مورخ ہیں جنھوں نے کچھہ تفصیلی حالات لکھے ہیں لیکن اُنکی تحریریں

لیکن اس چند روزہ حکومت سے بھی نجد اور حجاز کا سارا خطہ بالکل محفوظ رہا اور کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے تمام مہذب ملکوں میں عربستان ہی کا ملک ہے جس کا بہت بڑا حصّہ غیر اقوام کی حکومت سے بچا رہا ہے۔

تورات کے مختلف ابواب میں عربستان کی تجارت اور شہروں کا علی الخصوص سبائے یمن کا ذکر موجود ہے۔ ان بیانات سے ہمیں اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قدیم الایام میں بڑے بڑے شہر تھے لیکن اُن کے متعلق کسی قسم کے اخبار نہیں ملتے۔

تقریبًا چار ہزار سال قبل مسیح ہیرودوطس نے یمن کے ملک کو تمام دنیا کے ملکوں سے زیادہ زرخیز لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ مارب میں جو زمانۂ قدیم میں سبائے تورات کا قایم مقام تھا بڑے بڑے عالی شان قصر تھے جن کی محرابیں سنہری تھیں اور اُن کے اندر طلائی اور نقرئی ظروف اور بیش بہا پلنگ سونے اور چاندی کے موجود تھے۔

اسٹرابو بھی اسی قسم کے اخبار لکھتا ہے ارتمیدورس کے قول کی نقل کرکے وہ کہتا ہے کہ مارب ایک عجیب و غریب شہر تھا شاہی قصروں کی چھتیں سونے اور ہاتھی دانت اور بیش بہا موتیوں سے مرصع تھیں۔ اور حجروں کا اسباب نہایت باریک ترشا ہوا اور پاکیزہ تھا۔ اراتسطین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکانات مصریوں کے مکانات سے مشابہ تھے اور ان میں لکڑی کا کام مصری مکانوں کا سا تھا۔

عربوں کی قدیم روایات سے بھی ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے اور کل مورخین عرب یمن کی تعریف میں یک زبان ہیں حوالی مارب کے بیان میں مسعودی لکھتا ہے "ہر طرف خوب صورت عمارتیں سایہ دار درخت بڑی بڑی نہریں اور آب رواں کی آبشاریں نظر آتی تھیں۔ اس ملک کی وسعت اس قدر تھی کہ اس کے طول و عرض کو ایک اچھا سوار ایک مہینے کی مدت میں قطع کرتا تھا۔ مسافر خواہ پیدل ہو یا سوار بلا دھوپ میں چلے ہوئے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا تھا کیونکہ اس مملکت میں درخت اس کثرت سے راستوں کے دورویہ لگائے گئے تھے کہ اُن کا سایہ کبھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ رعایا سے ملک کو ہر قسم کا لطفِ زندگانی حاصل تھا۔ مایحتاج زندگی بکثرت موجود تھیں۔ زمین سیر حاصل۔ ہوا صاف۔ آسمان شفاف۔ پانی کے چشمے بکثرت حکومت عالی شان۔ سلطنت مستقیم اور قوی۔ ملک نہایت ترقی اور سرسبزی کی حالت میں یہ وہ نعمتیں تھیں جن سے یمن کا چین و آرام ضرب المثل ہو گیا تھا۔ یہاں کے باشندوں کی عالی حوصلگی اور اُن کا فطرتی اخلاق اور ہر ایک وارد و صادر کیساتھ اُن کی مہماں نوازی مشہور زمانہ تھی۔ ملک کی یہ اقبال مندی اُسوقت تک قائم رہی جب تک مرضی اللہ جل شانہٗ تھی۔ جس بادشاہ نے مقابلہ کیا وہ زیر ہوا جس ظالم نے فوج کشی کی اُس نے شکست پائی۔ کل اقطار اُن کے زیر حکومت تھی اور کل اقوام اُنکی تابع فرمان۔ غرض یمن کا ملک سرتاج عالم تھا"

یمن کے اس خطہ کی آبادی کا باعث عرم مارب معلوم ہوتا ہے۔ مورخین عرب لکھتے ہیں کہ اس بند کو بلقیس نے تعمیر کیا تھا جو حضرت سلیمانؑ سے ملنے کو آئی تھی۔ یہ بند ایک بہت لمبی گھاٹی کے منفذ پر بنایا گیا تھا۔ چاروں طرف سے پہاڑوں کا پانی آکر اس گھاٹی میں سے ندی کی طرح بہتا تھا اور بند نے اس پانی کو روک کر ایک بڑا سا تالاب بنا دیا تھا جس سے تمام ملک میں آب پاشی ہوتی تھی۔ یہ بند سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے سے وہ تمام خطہ ویراں ہو گیا۔

جن اسناد کا اوپر ذکر ہوا اُن میں باہمی اس قدر تطابق ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یمن میں اس قدر آباد اور آراستہ شہر موجود

شاہنشاہ اگسٹس نے اُس دولت کے لالچ میں جو سال ہائے سال سے یونانی اور رومی مورخین کے متخیلوں میں بھری ہوئی تھی ایک چڑھائی یمن پر کی لیکن یہ مطلق سرسبز نہوئی۔ اور شاہنشاہ ٹائی بیریس کے زمانہ میں البتہ اتنا ہوا کہ عربستان کا ایک چھوٹا سا گوشہ یعنی جزیرہ نمائے سینا جہاں اکثر بدوی اقوام رہتی تھیں چند روز کے لئے فتح ہو گیا۔ اس زمانے میں پٹرا کا قدیم قصبہ ایک عالیشان رومی شہر بن گیا جس کے آثار قدیمہ آج تک نمایاں ہیں۔

رومیوں اور ایرانیوں کی لڑائیوں میں عرب اکثر ملے جلے رہے یہاں تک کہ ۲۴۴ء میں فلپ نامی ایک عرب روم کا شاہنشاہ بن گیا۔ عربوں نے ایشیائے کوچک پر حملے کا ارادہ کیا لیکن اریلین کا پلمیرہ کو تباہ کر دینا اُن کے پس پا ہو جانے کا باعث ہوا اور شام ایک رومی صوبہ بن گیا جس کے ایک حصہ میں غسان عربی خاندان رومیوں کی حمایت میں حکومت کرتا رہا جس وقت رومیوں کا دار السلطنت قسطنطنیہ میں آیا اس وقت عربوں نے دریائے فرات کی حکومت کے لئے ایرانیوں اور یونانیوں کا مقابلہ کیا یمن سے جو قبایل آئے تھے اُنھوں نے بہت زمانے سے اُس ملک پر چڑھائی کی تھی اور ۱۹۵ء میں بابل کے جنوب میں دریائے فرات کے کنارے پر کوفہ کے قریب حیرہ کا مشہور شہر بنایا تھا اور یہاں کے بادشاہ تزک احتشام میں شاہانِ ایران و قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان سلاطین حیرہ کے قصروں میں زیادہ سے زیادہ قیمتی اسباب سجا ہوا تھا اور اُن کے باغات میں نادر سے نادر پھول اور پھل تھے۔ دریائے فرات میں بے انتہا خوب صورت کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ راتوں کو ان کشتیوں کے ہزار ہا چراغ دریا کی لہروں میں جگمگاتے تھے اور ان پر متمول امیر اور باکمال گانے بجانے والے سوار ہوتے تھے۔ موخین عرب نے اپنے متخیلہ کی پوری قوت کو ان قصروں کے عجائبات بیان کرنے میں صرف کیا ہے اور یہ اُس وقت تمام مشرق زمین میں سب سے پُر تکلف اور خوش آب و ہوا مکانات تصور کیئے جاتے تھے

حیرہ کی سلطنت چار سو برس تک قایم رہی جو ایک سلطنت کے قیام کے لئے معتد بہ مدت ہے۔ لیکن اس سلطنت کی تاریخ سے ہم زیادہ واقف نہیں ہیں۔ اتنا البتہ ہمیں معلوم ہے کہ ۶۰۵ء میں یہ ملک ساسانیوں کے قبضے میں آ کر سلطنتِ ایران کا ایک صوبہ بن گیا تھا لیکن اُن کی یہ حالت بہت کم عرصے تک قائم رہی کیونکہ اُسی زمانے میں پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا اور ایران کا تمام ملک اُن کے خلفا کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

اس مختصر کیفیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باستثنائے سرحدات شمالی عربستان بالکل غیر اقوام کی فتوحات سے محفوظ رہا۔ وہ بڑے بڑے مصری یونانی رومی اور ایرانی وغیرہ ملک گیر جنہوں نے تمام دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا عربستان کا کچھ بھی نہ کر سکے اور اس عظیم الشان جزیرہ نما کا دروازہ مطلقاً بند رہا۔

البتہ عین اُس وقت جب کہ حضرت رسالت مآب صلعم کا ظہور ہوا بیرونی حملے کا سخت خوف تھا ۵۲۵ء میں یمن پر جہاں اُس وقت تک بجز عرب بادشاہوں کے کسی نے حکومت نہیں کی تھی حبشیوں نے چڑھائی کی اور اُنھوں نے دین عیسائی کو شایع کرنے کی کوشش کی بلکہ بہت سے قبائل کو عیسائی بنا بھی لیا ۵۹۰ء میں یعنی زمانہ رسول اللہ صلعم سے بہت ہی تھوڑے دنوں پہلے ایرانیوں نے ان حبشیوں کو نکال باہر کیا اور اپنے حاکم مقرر کیئے ایرانیوں کی حکومت یمن اور حضرموت اور عمان میں زمانہ آنحضرت تک قائم رہی

عظیم الشان اور سبائی کتبوں سے لسی ہوئی ہیں۔ ان عمارات کی طرز تعمیر رومیوں کی طرز سے بالکل علیحدہ ہے۔ اسی نواحی میں ایک سلسلہ نہروں کا نکلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے باشندوں میں بڑے بڑے کاموں کو انجام دینے کی صلاحیت موجود تھی۔

یہ بھی لحاظ کے لایق ہے کہ حیرہ اور غسان میں عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے سابقہ تھا اور اُن کے تمدن پر بلاشک ان اقوام کا اثر پڑا ہوگا۔ برخلاف اس کے یمن کی ترقی بالکل رومیوں سے علیحدہ تھی اور یہاں خالصاً عربی تمدن تھا اور اسی وجہ سے عربوں کے پرانے تمدن کا پتہ زیادہ تر یمن میں مل سکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ تحقیقات آثار قدیمہ ابھی یمن تک نہیں پہنچی ہیں اور آج بھی یمن کے قدیم شہروں کی حالت سے ہم اُسی قدر ناواقف ہیں جیسا کہ ہم چند سال قبل اسیریا کے اُن شہروں کی حالت سے ناواقف تھے جو اسوقت ریتی میں دبے ہوئے تھے۔ جہاں تک ظاہری علامات سے استنباط ہو سکتا ہے یقین ہے کہ یمن میں آثار قدیمہ کی تلاش ضرور سرسبز ہوگی۔ موسیو ہاویلی جو چند سال قبل یمن کے ملک سے گذرے لیکن کسی مقام کو کھود نہ سکے لکھتے ہیں کہ اسوقت بھی اکثر عرب سونے اور چاندی کی اشیا ویرانوں میں پاتے ہیں اور خود اس سیاح کو حرم سے قریب صنعار کے پاس ہی پتھر کے ستون ملے ہیں جن پر قدیم کتبے کندہ تھے۔ اور نیز ایک سبائی عبادت گاہ کا دروازہ مسطح پتھر کا بنا ہوا ہے جس پر حیوانات اور نباتات کی صورتیں کندہ ہیں۔ موسیو شلمبرگر نے قسطنطنیہ میں ایک مجموعہ دو سو سکوں کا خریدا جو قدیم بادشاہان یمن کے سکے کچھ دنوں قبل مسیح کے ہیں۔ یہ سکے ایک عرب نے صنعار میں پائے تھے اور اس واقعہ سے پہلے یہ نہایت درجہ کم یاب تھے کیوں کہ کل یورپ کے عجائب خانوں میں دو یا تین سے زائد نہ تھے یہ سکے نہایت عجیب صورت کے ہیں۔ ایک طرف کسی بادشاہ کا چہرہ یک رخی بنا ہوا ہے سر پر تاج ہے اور بالوں کی لڑیں بالکل ویسی ہیں جیسے خاندان ہکساس کے مصری سلاطین راعیوں کی جو حقیقت میں عربستان سے مصر گئے تھے اور مدتوں بادشاہ رہے تھے۔ موسیو میاریٹ کو اس خاندان کے بادشاہوں کی مورتیں ملی ہیں جو اس وقت بولاق کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ سکے کے دوسری طرف ایک الّو کی تصویر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سکوں کا ماخذ وہ یونانی سکے ہیں جو اس وقت بحر متوسط کے اُن کل اقوام میں بکثرت پائے جاتے ہیں جن کے تجارتی تعلقات عربوں کے ساتھ تھے۔

یہ آثار قدیمہ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اگر ناکافی ہیں لیکن اُن سے مورخین قدیم کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں عربستان میں ایک نمایاں تمدن تھا جو اب مفقود ہو گیا ہے لیکن منتظر وقت و موقع ہے۔ جو کچھ مختصر حالات ہمیں معلوم ہوئے اُن سے ہم اتنا نتیجہ بالیقین نکال سکتے ہیں کہ جس قوم نے کئی صدی رومیوں کے ظہور سے پہلے بڑے بڑے شہروں کی بنا ڈالی اور دنیا کی بڑی اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کئے اُس قوم کو ہم ہرگز وحشی اور غیر مہذب نہیں کہہ سکتے۔

زمانہ جاہلیت میں مختلف اقوام عرب کے مذاہب میں بہت کچھ اختلاف تھا لیکن ستاروں کی پرستش زیادہ تر رائج تھی جن اقوام کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قایم ہو گئے تھے اُنھیں کے دیوتاؤں کو بھی اُنہوں نے اختیار کر لیا تھا اور اُن کی تعداد کسی طرح یونان و روم کے دیوتاؤں سے کم نہ تھی۔

اسیریا کے اُن کتبوں سے جو سات آٹھ سو سال قبل مسیح کے ہیں اور نیز اُن کتبوں سے جو صنعا میں نکلے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام میں عرب متعدد خداؤں کو مانتے تھے اور اُن کے نام کی مورتیں بھی بنایا کرتے تھے۔ مثلاً اُس اسیری کتبہ کی جس میں اسارہڈن کا عربستان پر چڑھائی کر کے واپس آنا لکھا ہے یہ عبارت ہے۔

تھے جیسے مصر قدیم میں تھے اور اُن کا تمدن اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اُن کی عمارات وابنیہ اس وقت گرد روزگار کے نیچے پڑی سُو رہی ہیں اور جیسا کہ بابل اور نینوی کے ویرانوں نے برسوں انتظار کیا یہ بھی کسی آثار قدیمہ کے محقق اور متجسس کا انتظار کر رہی ہیں۔ یمن کے بڑے شہروں کا پُر تکلف اور اسباب عیش و عشرت سے مملو ہونا اس ملک کی قدامت اور تجارت کی وسعت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثال بمشکل ملے گی کہ کسی قوم نے بڑے بڑے تجارتی تعلقات پیدا کئے ہوں اور اُس میں اعلیٰ درجہ کی ترقی نہ ہو۔ فی الواقع عربوں کی تجارت اقصائے ربع مسکوں تک پہنچ گئی تھی اور یہ تجارت اُنکی اس قدر قدیم ہے کہ خود توارت میں اُس کا ذکر موجود ہے۔ دو ہزار سال تک عرب تمام عالم کے مرکز تجارت بنے رہے اور زمانۂ قدیم میں اُنھوں نے وہی کام دیا جو یورپ میں وِنس نے اپنی ترقی کے زمانہ میں دیا تھا۔

زمانۂ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصائے ممالک ایشیا کے ساتھ قایم رہے۔ عربوں کی تجارت محض عربستان کی پیداوار تک محدود نہ تھی بلکہ وہ اُن اجناس کی تجارت کرتے تھے جو افریقیہ اور ہندوستان سے آتی تھیں۔ اُن کی تجارت اکثر اُن اشیا کی تھی جو سامانِ عیش و عشرت میں شامل ہیں۔ مثلاً ہاتی دانت۔ مصالحات خوشبو۔ عطریات۔ جواہرات۔ سونے کا سفوف۔ لونڈی غلام وغیرہ وغیرہ۔ بہت دنوں تک یہ تجارت فینیقیین کے ذریعہ سے جن کی زبان عربی سے بہت مشابہ تھی ہوا کی۔ یہ لوگ سامان تجارت کو لاکر اپنے بڑے شہروں میں جن میں سے ایک شک تھا جمع کرتے تھے اور پھر وہاں سے اُسے تمام عالم میں پھیلاتے تھے۔

ہندوستان کی تجارت میں عربوں کے رقیب اہل بابل تھے۔ اِن کا تعلق ہند سے خشکی کی راہ یا خلیج فارس کی طرف سے تھا۔ تجارت کا مال بابل سے شام کو آتا اور وہاں سے تمام عالم میں تقسیم ہوتا۔ جو کارواں اس دور دراز سے آتے تھے اُن کے راستے میں ہیلیوپولس (قدیم بعلبک) اور پلمیرہ کی تجارت گاہیں جن کے آثار قدیمہ اس وقت بھی تعجب انگیز ہیں اور نیز دِمِا کا مشہور شہر پڑا کرتا تھا۔

جب کہ عربوں کے تجارتی تعلقات اس قدر وسیع تھے اور اس زمانۂ دراز تک قایم رہے تھے تو ہم خیال کر سکتے ہیں کہ عربستان اور علی الخصوص یمن کے بڑے بڑے شہر اُس زمانہ میں کیسے ہوں گے۔ اس وسیع تجارت کی بدولت وہ عیش و عشرت کی تمام ضرورتوں سے بخوبی واقف ہوگئے تھے اور مورخین یونانی و رومی و عرب کا اُن کے عظیم الشان شہروں کے عجائبات بیان کرنے میں یک زبان ہونا بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن اعراب جاہلیت کے تمدن کا جلوہ فقط یمن ہی میں نہیں تھا اور سلطنت حیرہ و غسان کے جو کچھ حالات مورخین قدیم نے لکھے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن اعراب جاہلیت میں جو بہت جلد دایرہ اسلام میں آنے والے تھے کس قدر ترقی کا مادہ جمع تھا۔ حیرہ کا ذکر تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایسا مشہور شہر تھا کہ آراستگی اور خوبی میں دار السلطنت ایران اور قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ غسان کی سلطنت بھی ویسی ہی باوقعت تھی جیسی حیرہ کی۔ اسکی بنا ڈالنے وہ عرب تھے جو یمن سے آئے تھے اور یہ سلطنت اوائل سنہ مسیحی میں قایم ہوئی تھی اور پانسو برس تک رہی تھی۔ آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات نے اُن کی ترقی کی عظمت کو ثابت کر دیا ہے اور جو عمارات و ابنیہ اس وقت کی حدود شام میں بصرہ کے قریب (جو اُن کا قدیم دار السلطنت تھا) نکلی ہیں وہ نہایت

لفظ شریعت جس کے سیدھی معنے راستہ کے ہیں ان ہی معنوں میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہی۔ اسلامی علم الٰہی کی کتابوں کو بھی شریعت کہتے ہیں اور کتاب کے معنوں میں لفظ شریعت کا استعمال کلام اللہ میں بھی ہوا ہی جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،،

ہر ایک کو ہمنے شریعت دی ہے۔

احادیث اور علم الٰہی کی کتابوں میں لفظ الشرع عام طور پر قانون محمدی کے اظہار کے لئے مستعمل ہوتا ہے قرآن مجید میں اسی لفظ کے ہم معنی تورات کا عبرانی لفظ آیا ہی جس کے معنے قانون موسوی کے ہیں یا جو قانون حضرت موسے کے لئے استعمال ہوتا ہی علمائے اسلام کے مطابق الشرع یا قانون کے پانچ حصے ہیں (۱) اعتقاد۔ (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔

(۱) اعتقادات میں وہ چھہ باتیں شامل ہیں جن پر دین اسلام قایم ہی یعنے (ا) خدا میں یقین (ب) اُسکے فرشتوں میں یقین (ت) اُسکی کتابوں میں (ث) اُسکے انبیا علیہم السلام پر (ج) قیامت کے دن پر (ح) تقدیر خدا پر اسلامی قانون میں اسے علم العقائد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسمیں تمام تفسیری علم الٰہی کی شاخیں شامل ہیں خاص اس مضمون موجودہ زمانے میں جو کتابیں زیادہ مشہور اور مروج ہیں یہ ہیں۔ شرح المواقف مصنفہ سید شرف الدین جرجانی۔ شرح العقائد۔ مصنفہ مسعود سعید الدین تفتازانی۔

(۲) آداب میں تمام وہ تمدنی اور اخلاقی عمدگیاں شامل ہیں جنکا شاہد خود قرآن مجید اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ اخلاص۔ توکل۔ تواضع۔ تفویض۔ قصر الاعمال۔ زہد فی الدنیا۔ نصیحۃ۔ قناعت۔ حب۔ صبر۔ دیکھو مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۴

(۳) عبادات اسمیں تمام وہ عبادتیں اور دعائیں شامل ہیں جو باریتعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور جسکے پانچ ارکان ہیں (ا) تلقین مذہب (ب) نماز (ت) زکوۃ (ث) صوم (ج) حج۔

(۴) معاملات میں وہ فرائض شامل ہیں جو باہمی ایک آدمی پر دوسرے آدمی کے ہیں اور انکی تین قسمیں ہیں۔ مخاصمات امانات ان ہی تین حصوں میں کل معاملات دنیوی بھگتائے جاتے ہیں مثلاً تبادلہ۔ خرید فروخت۔ ایجنسی۔ اشتراک سرقہ۔ شادی طلاق۔ مہر۔ دعوی وغیرہ۔

(۵) عقوبات میں وہ سزائیں شامل ہیں جو قرآن وحدیث کے موافق مجرموں کو دی جاتی ہیں۔ مثلاً قتل۔ حد السرقۃ حد الزنا۔ حد القذف۔ حد الشرب۔ ان دو موخر الذکر حدوں میں اسی درّوں کی سزا دیجاتی ہی۔

اسلامی شریعت کے دو عام حصے یہ ہیں۔ علم الکلام اور علم الفقہ۔

اسلامی شریعت اور بھی دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہی ایک مشروع اور دوسرا غیر المشروع جسے فارسی میں روا اور ناروا سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

مشروع کی بھی پھر پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض جو احکام قرآن وحدیث میں ہے انھیں بلا استکراہ اور بلا اشتباہ قبول کرنے اور انپر عمل کرنے کا نام فرض ہی اگر انمیں خفیف سا شبہ بھی ہو تو انسان دائرہ کفر میں آجا ہی (۲) واجب

"عربستان کا بادشاہ بہت سے تحایف لے کر میرے دارالسلطنت نینوئی میں حاضر ہوا۔ اُس نے میرے پیر چومے اور التجا کی کہ میں اُس کے دیوتاؤں کو واپس کردوں۔ مجھے اُس کے حال پر افسوس آیا اور میں نے مورتوں کو مرمت کروایا اور اُن پر اپنے خدا اسور کی تعریف کندہ کرا کے دستخط کے بعد واپس کیا۔ تبوعہ کو جو عرب کی شہزادی تھی اور میرے محل میں پلی تھی میں نے ملکہ بنا کر مع اُس کے دیوتاؤں کے اُس کے ملک کو واپس کیا۔"

اگرچہ پرستش متعدد دیوتاؤں کی تھی لیکن ایک معبود کا خیال بھی موجود تھا اور اسی خیال کو ترقی دینے کی بدولت حضرت رسالت مآب صلعم نے وہ اتحاد قومی پیدا کر دیا جس کا اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا۔ عربستان میں ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام کعبہ تھا اور جس کی تعمیر ازروئے روایات حضرت ابراہیم نے کی تھی۔ یہ کعبہ کل اقوام جزیرۃ العرب کی نظروں میں ایک متبرک مقام تھا اور بہت زمانے سے حج ہوا کرتا تھا۔ حقیقت میں کعبہ عربستان کے دیوتاؤں کا مندر تھا اور حضرت رسالت مآب صلعم کے وقت میں اس کے اندر تین سو ساٹھ بت موجود تھے اور بقول اکثر مورخین عرب اور علی الخصوص حرم کی ان مورتوں میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کی مورتیں بھی تھیں۔ کل اقوام عرب کعبہ کی آرایش کو اپنا فخر سمجھتی تھیں اور یہودیوں کے نزدیک بھی یہ مقام نہایت متبرک تھا۔ کعبہ کی حفاظت قبیلۂ قریش کے سپرد تھی اور اسی وجہ سے اس قبیلہ کا مذہبی وقار تمام ملک میں مانا جاتا تھا۔

بہت سے عرب جن میں سے ایک متعدبہ گروہ حضرت رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں مذہب نصاریٰ یا یہود کا پابند تھا ایک ہی خدا کی پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے کو حنیف کہا کرتے تھے اور قرآن میں پیغمبر نے خود اپنے کو اس نام سے تعبیر کیا ہے۔ یہ فرقہ نہ فقط ایک ہی خدا کا قایل تھا جو اسلام کا رکن عظیم ہے بلکہ یہ ایک دوسرے رکن اسلام کو بھی اسی طرح مانتا تھا۔ یعنی یہ کہ انسان کو تسلیم و رضاے باری پر اُسی طرح عمل کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرتے وقت کیا تھا۔ اسی لیے آنحضرت قرآن میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے ہی مسلمان آچکے ہیں۔

عربستان کے کل دیوتاؤں کے خانۂ کعبہ میں جمع ہو جانے نے اتحاد مذہبی کو ممکن کر دیا تھا اور زبان کے اتحاد نے اسے اور بھی آسان کر دیا۔ عربستان کے لیے وہ وقت آگیا تھا جب کہ تمام ملک کے اعتقادات ایک ہو جائیں اور یہی وہ چیز تھی جسے حضرت پیغمبر نے سمجھ لیا تھا اور اسی کا سمجھ جانا اُن کی کامیابی کا باعث ہوا بعوض ایک نئے مذہب قایم کرنے کے جیسا بعض وقت کہا جاتا ہے آنحضرت نے اس کہنے پر اکتفا کی کہ جس خدا کو وہ پوج رہے ہیں وہ خود حضرت ابراہیم بانی خانۂ کعبہ کا خدا ہے جسے تمام عرب مانتا ہے۔ جس وقت حضرت رسالت مآب صلعم مبعوث ہوئے ہیں ایک عام رجحان ملکی اور مذہبی اتحاد کی طرف پیدا ہو چکا تھا اور اُسکی علامتیں موجود تھیں۔ جس طرح سے رومی شاہنشاہوں کے وقت میں قدیم دیوتاؤں سے نفرت پیدا ہو چلی تھی اسی طرح عربستان میں بھی اسی قسم کی نفرت ظاہر ہو چلی تھی۔ پرانے اعتقادات کی حکومت اور پرانے بتوں کی عزت جا چکی تھی۔ یہ اعتقادات بہت پرانے ہو چکے تھے اور دیوتاؤں میں کچھ دم نہیں رہا تھا۔ فاضل موسیو لیبان کی رائے ختم ہوگئی۔ اب میں پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف آتا ہوں اور محقق انگریزوں کی رائے نقل کرنے سے پہلے خود شریعت اور اسکی حقیقت پر بحث کرتا ہوں جو خلاصہ ہے تمام شریعت اور کتب اسلامی کا اور جس سے بہتر خاکہ شریعت اسلامی کا نہیں اُتر سکتا۔

شریعت کی ماہیت اور حقیقت

اس بحث کو غور کے بعد پڑھنے سے کل مذہبی علوم اور تحقیقات کا پردہ اُٹھ جائیگا اور نفس اسلامی کی پوری کیفیت معلوم ہو جائیگی۔ وہ لطیف بحث یہ ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

اگر ہم اسلامی دنیا کی تاریخ علما دیکھینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایمہ موصوف سے کہیں زیادہ فاضل اور عالم امام ہر صدی میں ہوئے اور کسی نہ کسی اسلامی دار العلوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں انکی کیفیت ہماری کتاب المحمد کی دوسری جلد میں ملسکتی ہے۔ اہل حدیث کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر تنویر سے اپنی آنکھیں منور نہیں کیں وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ اجماع کی مسند پر جلوہ فرما ہو۔

اجماع کی تین بنیادیں ہیں (۱) اتفاق القولی (۲) اتفاق الفعلی (۳) اتفاق السکوتی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جنکا تعلق کچھ بھی مذہب سے ہے صحابائے راشدین ہی کا اجماع قابل تسلیم ہوسکتا ہے اور تمام استنباطی دینی یا تمدنی مسائل میں ہر پڑھا لکھا شخص مجتہد وقت ہے چنانچہ میں مولوی اسمعیل کو مجتہد وقت لکھتا ہوں جسکا ثبوت کسی آیندہ باب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے کہ مجتہدوں میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے اور اختلافات کچھ تو قیاسات کی وجہ سے ہوا اور کچھ حدیثوں کا اختلاف سے پہنچا اس کا سبب ہوا ہے۔ دو چار دس پانچ میں نہیں بلکہ صدہا مجتہدوں میں باہم اختلاف ہے ایسی حالت میں ہر شخص یہ حکم لگاسکتا ہے کہ ایک صحیح اور دوسرا خطاپر ہوگا پھر میں حیران ہوں کہ ان بدیہی اور روشن باتوں اور شہادتوں پر بھی ایک ہی مجتہد پر قناعت کرنی یا چار مجتہدوں کے علاوہ اور مجتہدوں کا قول قابل تسلیم نہ سمجھنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔

وہ خاص خاص قیمتی کتابیں جن پر مقلدین کا دارومدار ہے مفصلہ ذیل ہیں۔ جامع المذاہب۔ مجمع اختلافیات۔ ینابیع الاحکام عیون۔ زبدۃ الاحکام۔ کنز الدقایق۔ جو ایک بڑی مشہور و معروف کتاب ہے خصوصیت سے اس کے بہت سے مسائل دافعی سے استنباط کئے گئے ہیں اس میں امام اعظم ابو حنیفہ ابو یوسف۔ امام محمد۔ شافعی مالک وغیرہ کے اصول مذہب کے مطابق سوالات اور فیصلے کئے گئے ہیں بہت سی شرحیں موخر الذکر کتاب پر لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں بحر الرائق مصنفہ زین العابدین بن نجیم المصری (۹۷۰ھ) دوسری ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد اطلبی جسکی وفات ۹۵۶ھ ہجری میں ہوئی یہ اسلامی قانون کا عالمگیر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر چاروں بڑے مجتہدوں کے اختلافات مسائل بیان ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ جھگڑے ان تمدنی معاملات میں جن پر پڑھا لکھا آدمی بحث کرسکتا ہے اور ردوقدح کرنیکا مجاز ہے۔ بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے سلطنت ترکی میں یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اسلئے کہ اسکے احکام زیادہ تر وہاں کی آب و ہوا کے مطابق ہوں گے فقہ کی بیشمار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کا نام ہندوستان کے علما کے کان تک نہ پہنچا ہوگا وہ کتابیں جو چار مجتہدوں کے مذہبی اصول پر لکھی گئی ہیں بیشمار ہیں اگرچہ ان میں سے چند کتابیں جن میں مالکی شافعی حنبلی اصول کی توضیح اور بیان ہے ہندوستان میں رائج ہیں۔ وہ کتابیں جو امام مالک نے لکھی ہیں ہندوستان میں ڈھونڈے سے بھی انکا پتہ نہیں لگتا۔

امام مالک کے فقہ کی دو کتابیں بہت دن ہوئے فرانس میں ملی تھیں ایک کتاب بڑی عرق ریزی سے ایم ونسنٹ

جو ضروری باتیں ہیں اگرچہ مشتبہ امر ہے آیا قرآن و حدیث کی تاکید کی گئی ہے یا نہیں (۳) سنۃ وہ اعمال ہیں جنکی مزاولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی (۴) مستحب اعمال ہیں جو نبی ہاشمی اور آپکے صحابہ نے کبھی کیئے اور کبھی نہیں کیئے (۵) مباح جن پر عمل کرنا سزاوار ہے اگر نہ عمل کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے وہ باتیں جو غیر المشروع ہیں انکی بھی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مفسد جو اعمال نہایت زبوں زہریلے اور رقاتل ہیں (۲) حرام وہ اعمال جنہیں شدومد سے روکا گیا ہے (۳) مکروہ وہ اعمال ہیں جو عام طور ناپاک سمجھے گئے ہیں۔

مشروع اور غیر المشروع کے فرق مع اُن کے تمام حصوں کے اسلامی شریعت کے ساتھ چسپان ہوتے ہیں چاہے انہیں انسانی معمولی بندگی کے فرائض کا ذکر ہو چکا ہے خدا کی عبادت کا بیان ہو۔

اخلاقی اور تمدنی قوانین میں دلچسپی سے دیکھا جائیگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مقولوں اور اعمال کی تین قسمیں ہیں جو زیادہ توجہ مبذول کرنے کے قابل ہیں۔

(۱) سنت الفعلی - وہ کام جنہیں نبی اکرم نے خود کیئے۔

(۲) دوسرے سنت القولی - وہ باتیں جنکی تاکید نبی اکرم نے اپنی امت سے کی کہ اُنپر عمل کرنا۔

(۳) سنت التقریری - جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کیا گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کی پروانگی آپنے دیدی میرے خیال میں ان تمام باتوں اور ہدایتوں کا تعلق ترقی و تمدن اور اخلاق کے لئے ہے کیونکہ قرآن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ہمنے آج تیرے (محمد) دین کی تکمیل کر دی اور تجھپر اپنی نعمتوں کو تمام کر چکے۔ اصل دین جس سے غرض ہے وہ صرف قرآن سے حاصل ہو سکتا ہے جو باتیں اسمیں بیان کی ہیں سب عام فہم اور ہر متنفس کے سمجھنے کے لایق ہیں ہاں صرف یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ کیسا ہی فاضل اجل قرآن پڑھیگا اُسے نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی جائینگی اور وہ وہ ربانی نکات حل کریگا کہ جو دوسرے کے کبھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ غرض قرآن مجید پڑھکے جو لذت کہ ایک جاہل کو حاصل ہو سکتی ہے وہی ایک بہت بڑے فاضل کو ملسکتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے جس نے احادیث نبویہ کو زیادہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھا گویا نبی اکرم کی جناب میں بے ادبی کی۔ خدا اور نبی کے اقوال کے آگے تمام جہان کے فضلا کے قول اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے جتنی کوہ ہمالیہ کے آگے اپنی جسامت کے لحاظ سے ایک چیونٹی رکھتی ہے اسی لئے فرض اور سنت کا ترک کرنے والا گنہگاری سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع بھی شریک کیا جاتا ہے اس میں مسلمان باہم مختلف ہیں مقلدین کا تو یہ مذہب ہے کہ چار مجتہدوں (مثلاً امام ابوحنیفہ - امام مالک - شافعی - حنبل) سے اجماع شروع ہوا اور ان ہی پر ختم ہو چکا اس کے مقابل میں اہل حدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کبھی نہیں ہو سکتا۔

میرا خیال ہے کہ باہمی غلط فہمی صرف تاریخ سے لاعلمی کی وجہ ہے۔ یہ سخت خیرہ چشمی اور اسلام کے ساتھ ناروا سوء ادبی ہے کہ ہم اسکا علمی جلال جس نے یورپ کی سترہ صدی تک آنکھیں منور کیں صرف چار نفوس میں محدود کریں۔

اور بہت شد و مد سے انکی تائید کی مگر جہاں اجتہاد میں خطا دیکھی ہے کھلم کھلا اپنے رائے دینے میں دلیری کی ہے اور کہیں یہ نقشہ نہیں دیکھا کہ تقلید کی ہیبت ناک رسی اپنے گلے میں ڈال کے خاموش ہو رہے ہوں اور ایسے مسائل پر جن میں صحیح طور پر خطا کا احتمال ہو سکتا ہے یا غلطی پائی جاتی ہے دیدہ و دانستہ وہاں سکوت اختیار کر کے حق سے چشم پوشی کی ہو۔ جیسا کہ ان لقسمتہ ہمارے معزز احناف کا قاعدہ ہے کہ وہ ضرور ہی حق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہی پولیسی ان کی مایہ افتخار ہے۔

مختصر القدوری مصنفہ ابوالحسن احمد بن محمد القدوری ([illegible] ہجری) ایک اور بھی حنیفی فقہ کی لاجواب اور قیمتی کتاب ہے جس کی اب اعلیٰ درجہ کی عزت کیجاتی ہے۔ اس کتاب پر ایک بہت قیمتی شرح بھی لکھی ہے جسے الجواہر المنیرہ کہتے ہیں۔ ایک اور مشہور کتاب مبسوط ہے جسے شمس الائمہ ابوبکر محمد نے قیدخانہ میں تالیف کیا ہے۔ حنفیہ مذہب میں یہ کتاب بھی مستند مانی جاتی ہے۔ مصنف موصوف اور بھی ایک مشہور کتاب کا مصنف تھا جو۔ المحیط۔ کے نام سے مشہور ہے اس قیمتی کتاب میں بہت سے مضامین۔ مبسوط۔ زیادات اور امام محمد کی نوادر سے لئے گئے ہیں اسی نام کی ایک کتاب برہان الدین بن احمد نے لکھی ہے مگر وہ مقدم الذکر محیط سے زیادہ وقعت اور تعظیم کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی۔ القدوری۔ مختصر کا خلاصہ جس کا نام تحفۃ الفقہا ہے ایک عجیب کتاب ہے جس کا مصنف شیخ علاؤالدین محمد سمرقندی ہے اور پھر بعد ازاں اسی کتاب کی علاؤالدین کے شاگرد ابوبکر بن مسعود نے شرح لکھی ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو حکیمانہ اور علم الٰہی کے مضامین پر تحریر ہوئی ہیں جن کا نام۔ ھدایہ

ھدایہ فی الفروع یا امام ابوحنیفہ اور آپکے شاگرد ابویوسف اور امام محمد کے اصول فقہی کی طرف رہنمائی کرنیوالا اس کتاب کا مصنف شیخ برہان الدین علی ہے (۵۹۳ھ) جس کی شہرت اور علمی ناموری نے اس کے ہمعصروں نے اسی ممتاز بنا دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہ مشہور تھا۔ ھدایہ دراصل بدایۃ المبتدی کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی جان ہے ہدایہ کی نسبت حاجی خلیفہ یہ لکھتا ہے " ھدایہ نے اپنی سابق کی فقہی کتابوں کو اس طرح منسوخ کر دیا جس طرح قرآن نے نازل ہو کے گذشتہ انبیا کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کے فقہی قواعد کو یاد کرے کیونکہ زندگی میں یہی قواعد اس کی رہنمائی کریں گے"

عنایہ۔ ھدایہ کی دو شرحوں کا نام رکھا گیا ہے ایک شرح کا مصنف شیخ کمال الدین محمد بن محمود ہوا ہے جسکی وفات ۷۸۶ ہجری میں ہوئی یہ شرح نہایت فائدہ مند اور قابل مدح ہے۔ اس شرح میں ان کتابوں اور ان اشاروں کی تشریح کی ہے جو ھدایہ میں آئے ہیں اور ان اسرار کو کھولا ہے جنہیں ہدایہ والا مضمر رکھ گیا ہے ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی سے توضیح ہے کہ شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اصل میں عنایہ بجائے خود ایک کتاب ہے جس میں اکثر ہدایہ کے مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

شرح نہایہ حسام الدین حسین بن علی کی تصنیف سے ہے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ برہان الدین کا شاگرد تھا۔ یہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی ہے اس میں قانون وراثت بھی شامل ہے جو صرف فقہ سکھاتی ہے۔ شرح کفایہ امام الدین امیر کاتب ابن امیر عمر کی تصنیف سے ہے جو اس شرح سے پہلے ایک اور کتاب غایۃ البیان لکھ چکا تھا ان دونوں کتابوں سے مصنف کی شان معلوم ہوتی ہے ۷۴۷ھ میں کفایہ کی تکمیل ہوئی فتح الکبیر للعاجز الفقیر مصنفہ کمال الدین محمد جسے عام طور پر ابن ہمام کہتے ہیں اور جسکی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ایک بے نظیر شرح ہدایہ کی ہے اور جسے کل شرحوں میں دلہن کہنا زیبا ہے اس میں ایک مجموعہ فیصلجات کا بھی شامل ہے جس [illegible] ثابت کیا ہے

نے ۸۴۲ء میں حاصل کی تھی اور دوسری کتاب ایم پیرن کے ۱۸۴۳ء میں ہاتھ لگی تھی۔

مذہب شافعی کی پہلی کتاب **اصول** نامی جس میں اسلامی عقائد اور ملکی آئین کے متعلقہ قوانین ہیں ایک مستند کتاب سمجھی جاسکتی ہے۔ اور **منصور۔ مختصر۔ رسائل المعتبرہ۔ کتاب الوثائق**۔ یہ کل کتابیں شافعی فقہ میں ہیں انکا فاضل مصنف ابو ابراہیم بن یحیی باشندہ مصر تھا (۲۶۴ھ) اور ابن حنبل اور آپکے مقلدوں کی مصنفہ کتابیں بہت کم تعداد کی ہیں اور نادر الوجود ہیں۔

امام ابو حنیفہ صاحب کے مقلد جنکی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ ہے دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منضبط قوانین کو دو حصوں یا دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنے فقہ اور فرائض میں۔

وہ کتابیں جو فقہ حنفی پر تحریر ہوئی ہیں اور جو حنفی مذہب میں زیادہ مستند مانی جاتی ہیں مفصلہ ذیل ہیں پہلی کتاب امام ابو حنیفہ کی خود تصنیف سے بیان کیجاتی ہے جسکا نام فقہ الاکبر ہے اس کتاب پر متعدد شرحیں لکھی گئیں اور مختلف مصنفوں نے اسپر اپنا زور قلم دکھایا ہے جن میں سے اکثر مصنفوں کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے اس عظیم الشان مقنن قوانین کے اصول اسکے مشہور و معروف شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے ذریعہ سے بھی بہت کچھ معلوم ہوتے ہیں۔ آداب القاضی نامی کتاب جس میں مجسٹریٹ کے فرائض سے بحث کی گئی ہے مشہور ہے کہ ابو یوسف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ سوائے اس کتاب کے ابو یوسف کی اور کسی کتاب کا پتہ نہیں لگتا غالباً اُنھوں نے اسکے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں تصنیف کی۔ ہاں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ امام محمد نے چھ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں پانچ عام طور پر اشاعت پذیر ہیں اور جنہیں **ظاہر الروایات** کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جامع الکبیر (۲) جامع الصغیر (۳) مبسوط الحنفیۃ (۴) زیادات فی فروض الحنفیۃ (۵) سیر الکبیر والصغیر نوادر امام محمد کی چھٹی کتاب اگرچہ اس وقعت کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی جیسے اور پانچ مذکور الصدر کتابیں پھر بھی دیکھا گیا ہے کہ اسے بڑے بڑے علمانے مستند تسلیم کرلیا ہے اور نفس کتاب کی عمدگی میں بھی کوئی شک نہیں۔

جب مذہب حنفیہ کی بنیاد پڑیں تو حضرت امام اعظم کے دو واجب الاحترام شاگردوں کے بعد اور بھی دو فضلا کا ظہور ہوا جنہیں اپنے وقت کا مجتہد کہا جاتا ہے۔ اول امام زفر جو بصرہ کے قاضی القضاہ تھے اور جن کی وفات ۱۵۸ ہجری میں اسی شہر میں ہوگئی اور دوم حسن بن زیاد تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونو فضلا امام اعظم صاحب کے ہمعصر تھے انکی قیمتی تصانیف کی ان مسائل میں جن میں صاحبین خاموش ہیں سند دیکھی جاتی ہے اور ان کے مسئلے بطور اعتبار کے کوٹ کئے جاتے ہیں۔

ان مشہور کتابوں میں سے جو آداب القاضی کے نام سے لکھی گئی ہیں اور سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ابو بکر احمد بن عمر (۲۶۱ھ) کی کتاب آداب القاضی ہے۔ حنفیہ کے اصول کا اختصار جس کتاب میں نہایت عمدہ طور سے ہوا ہے اس کا نام مختصر الطحاوی ہے ۳۲۱ھ میں اس کتاب کو ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے لکھا تھا اور اسی فاضل امام نے امام محمد کی کتاب جامع الصغیر پر بھی ایک نفیس شرح لکھی ہے۔

جس سے ان تصانیف کو دیکھا ہے وہ بیان کرسکتا ہے کہ گو ان مذکور الصدر مصنفوں نے امام اعظم صاحب کے اصول کو نبھایا ہے

میں اس کتاب کو لکھا تھا گویوں یہ ایک شرح ہے ولیکن بجائے خود یہ ایک مستقل کتاب ہی اور جسپر خود کئی شرحیں تحریر ہو چکی ہیں۔ درالمختار میں نہ صرف فقہ ہی کا بیان ہی بلکہ اس میں فرائض سے بھی بحث کی ہی جہاں ابو حنیفہ صاحب کے مقلدین آباد ہیں اس کتاب کی اشاعت ہو رہی اور عرب میں تو کچھہ کہنا ہی نہیں جہاں اس کی حد سے زیادہ عزت کیجاتی ہے اور بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے اکثر موقع پر اسی کے حوالے دیے جاتے ہیں جتنی کتابیں ہمنے اوپر بیان کیں انکا رواج زیادہ تر ہندوستان میں ہی گو اور ممالک مثل عراق عرب اور عراق عجم میں بھی درس تدریس میں پائی جاتی ہیں۔ سلطنت ترکی میں ان کے علاوہ فقہ حنفی کی جو کتابیں رائج ہیں اور جن سے کم وبیش ہمارے ہندوستانی علما عموماً اور ہمارے واجب الاحترام احناف خصوصاً ناواقف ہوں گے ان کو میں مفصل بیان کرتا ہوں تاکہ فقہ حنفی پر آزادانہ اور منصفانہ ریمارک کرنے کا مجھے موقع ملے۔ اور ہمارے بھائی مسلمان بھی (صرف اُن سے مطلب ہی جو نہیں جانتے) اِن سے پوری واقفیت حاصل کرلیں سب سے زیادہ مشہور کتابیں فقہ حنفی کی جو سلطنت ترکی میں بطور ایک سند کے مانی جاتی ہیں یہ ہیں۔

ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی۔ دوم درالحکام مصنفہ ملا خسرو۔ سوم قانون نامہ جزا یہ تین کتابیں جنکا عملدرآمد ترکی سلطنت میں ہوتا ہے ناظر کو تعجب ہوگا امام اعظم کا ایک مذہب ہی قریب قریب اصول فقہی ایک۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اور کتاب رائج ہو اور ترکی ایشیا میں دوسری کتاب اور ترکی یورپ میں تیسری نوعیت کی کتاب مگر جب وہ بغور دیکھیگا اسے معلوم ہوجائیگا کہ فقہ دراصل دیوانی فوجداری اور زیادہ تر تمدنی امور کے قواعد منضبط کو کہتے ہیں جو بمقتضائے آب وہوا اور طبایع کی تدوین کیے جاتے ہیں اور جب انکا زمانہ ختم ہوجاتا ہے پھر انکی جگہ دوسرے قواعد منضبط کرنے یا نئے فقہ کی تدوین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہی کہ مختلف ممالک میں فقہ حنفی کی مختلف کتابیں رائج ہیں اور ان میں اور کتابوں سے جو ہندوستان میں پڑھی جاتی ہیں بہت سے مسائل میں اختلاف ہی۔

وہ کتابیں جو وراثت کے معاملہ میں اصول حنفی کے موافق لکھی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ہندوستان میں سب سے زیادہ رائج سراجیہ ہے جسے **فرائض سجاوندی** بھی کہتے ہیں اس کا فاضل مصنف سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی ہوا ہی۔ مختلف مصنفوں نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے چالیس نام تو کشف الظنون والے نے بھی گنوائے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ کارآمد شرحوں میں شرح شریفی ہی جسے سید شریف علی بن محمد جرجانی نے تصنیف کیا تھا جسکی وفات سنہ ۸۱۴ ہجری میں ہوئی۔

دوسری نوعیت کی بھی کتابیں ہیں جن میں علم الفتاوی سے بحث کی گئی ہے اس علم کی کتابیں بھی بیشمار ہیں اور انکا بہت سا حصہ فتاوی ہی کے نام سے مشہور ہی گو فتاوی کے نام کے ساتھ اُنہیں خصوصیت ہی پھر بھی فقہی قواعد فیصلجات کے ساتھ انہیں خوب شرح وبسط سے منضبط کئے گئے ہیں ان سے بعض صرف فقہ ہی کی تعلیم کرتے ہیں اور بعض فرائض۔ وراثت۔ کے قواعد سکھاتے ہیں بعض میں خاص خاص فقیہوں کے خاص خاص فتوی درج پائے جاتے ہیں بعض میں مختلف مذہب کے اصول پر خوب شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے اور بعض میں خاص خاص فقیہوں کی رائے کے سوا اور کچھہ نہیں ہی۔

حنفی فتاوے جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

ہدایہ کی بہت چھوٹی شرح فوائد نامی حمید الدین علی بخاری کی تصنیف سے ہی جسکی وفات ۶۶۷ھ میں ہوئی بیان کیا جاتا ہے وہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی گئی ہے۔

شرح وافی مصنفہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد جسے عام طور پر حافظ الدین نسفی کہتے ہیں ایک مستند کتاب اور کافی جو وافی کی شرح ہے وہ بھی ایک قابل دید کتاب ہی نسفی کا ۷۱۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔

الوقایہ جو ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہی ایک اصولی کتاب ہی جو طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ ہدایہ کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرے اسکا فاضل مصنف برہان الشریعۃ محمود ہی جسکی لاثانی قابلیت از خود ناظر کی نگاہ میں اس کی اعلیٰ درجہ کی وقعت قایم کرتی ہے۔ وقایہ کی بہت کثرت سے اسکی شرح شرح الوقایہ کے ساتھ تعلیم ہوتی ہے اور عام طور پر پڑھایا جاتا ہے شرح الوقایہ کا مصنف عبید اللہ بن مسعود تھا جس کا ۷۴۵ھ میں انتقال ہوا شرح وقایہ میں وقایہ کا متن ایک بھڑکیلی توضیح اور تفصیلی بیان کے ساتھ شامل ہے اس درجہ پر اسکی عمدگی مانی گئی ہی کہ فقہی مدارس میں شرح وقایہ کے وہ باب جنمیں نکاح مہر طلاق کا بیان ہی خود ھدایہ سے بھی افضل شمار کر کے پڑھائی جاتی ہیں۔ وقایہ کی اور بھی بہت سی شرحیں ہیں مگر وہ ایسی مفید نہیں ہیں جیسے مذکور الصدر شرح شرح وقایہ پر بھی ایک شرح لکھی ہوئی ہے جسے چلپی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ ایک عمدہ اور فائدہ مند شرح ہے اس کا مصنف ابی یوسف بن جنید ہوا ہے جو قسطنطنیہ کے آٹھ پروفیسروں میں سے تھا۔ یہ کتاب ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے بعد پھر اس کے خلاصے مختلف مطابع میں شائع ہو گئے۔

شرح الوقایہ کے مصنف کی دوسری کتاب نقایہ ہی۔ یہ بھی ایک اصولی کتاب ہی بعض وقت اسی مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں اصل میں یہ نام اس کتاب کے لئے موزوں بھی ہے کیونکہ اس میں صرف شرح وقایہ کا خلاصہ درج کیا ہی نقایہ پر تین شرحین بہت نایاب اور اعلیٰ درجہ کی لکھی گئی ہیں گو اور بہت سی ہیں مگر یہی تین زیادہ مشہور ہیں جن کے فاضل مصنف مفصلہ ذیل ہیں ایک ابو المکارم بن عبد اللہ (۹۰۷ھ ہجری) دوسرے ابو علی بن عبد البرجندی (۹۳۵ھ) تیسرے شمس الدین محمد الخراسانی الکوہستانی آخری شرح کا نام جامع الرموز ہے جو بالکل کامل اوصاف ہی اور جسے ہم فقہ کی فائدہ مند کتاب کہہ سکتے ہیں الاشباہ والنظائر ایک مشہور و معروف اصولی کتاب ہی۔ اسکی تدوین زین الدین مصنف بحر الرائق نے جس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کی تھی حاجی خلیفہ اس کتاب کی بہت ہی تعریف کرتا ہی اور کتنے ہی ضمیموں کا نام گنا تا ہی جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اسمیں شامل ہوتے گئے وہ شرحیں جو اس کتاب پر لکھی گئی ہیں ذیل میں درج ہیں۔

نور الانوار فی الشرح المنار مصنفہ شیخ جیون ابن ابو سعید مکی ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی اور عام طور پر مستند مانی جاتی ہی۔ دوسری شرح اصول الشاشی ہی جسے ایک تفصیلی یا توضیحی شرح کہنا چاہیے ۱۸۴۷ء دہلی میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی تنویر الابصار مصنفہ شیخ شمس الدین محمد بن عبد اللہ الغازی (۹۹۵ھ ہجری) ایک مفید اور مشہور کتاب فقہ حنفی کی ہے اس نایاب کتاب کی بھی بیشمار شرحیں ہیں جن میں سے ایک شرح کا نام منح الغفار ہے جو خود مصنف کتاب کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کتاب ہی۔

در المختار جو دوسری شرح تنویر الابصار کی ہی نہایت ہی مشہور کتاب ہی محمد علاؤ الدین بن شیخ علی نے ۱۰۷۱ھ ہجری

فتاویٰ حمیدیہ گویہ کتاب موجودہ زمانہ کی مصنفہ ہے پھر بھی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔
فتاویٰ المحمدیہ یہ ان فتووں کا مجموعہ ہے جو سلطان ٹیپو کے حکم سے میسور کے علما نے فارسی میں جمع کئے تھے اس کتاب میں تین سو تیرہ باب ہیں۔
مسٹر ہرنگٹن اپنے تجزیہ جلد ا میں اور بھی چند فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں۔
(۱) فتاویٰ البزازیہ (۲) فتاویٰ نقشبندیہ (۳) مختار الفتاویٰ (۴) فتاویٰ کرخانی
آخر الذکر کی فارسی زبان میں تدوین ہوئی جس کا مصنف صدر الدین بن یعقوب ہے اس کی وفات کے چند سال کے بعد کراخان نے اس کی ترتیب سلطان علاؤ الدین کی سلطنت میں دی تھی۔
اب ان فتوے کا ذکر کیا جاتا ہے جو حنفی اصول زمانہ حال کے مطابق قسطنطنیہ میں رائج ہیں اور خصوصیت سے ان ہی پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ وھو ہذا۔
کتاب فی الفقہ القدوسی مصنفہ حافظ محمد احمد قدوسی (۱۲۲۶ھ ہجری میں۔
فتاویٰ عبد الرحیم آفندی یہ ایک نایاب مجموعہ جمیٹ کا ہے جو مختلف اوقات میں سلطنت ترکی میں اشاعت ہو چکا ہے اس کی ترتیب مفتی عبد الرحیم نے دی تھی ۱۲۴۳ھ میں طبع ہوا تھا۔
جامع الاجارات ایک مجموعہ فتاویٰ کا ہے جسمیں صرف زراعت کے قواعد سے بحث ہوئی ہے اور اس معاوضہ وغیرہ کا بیان ہے جو اسامی زمیندار کو دیتا ہے۔ محمد عارف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور ۱۲۴۶ء میں یہ طبع ہوئی۔
ایک مجموعہ فتاویٰ کا پٹہ داری کے متعلق ۱۲۳۰ء میں قسطنطنیہ میں ایم ڈی ایڈلبرگ نے شایع کیا تھا اس میں کتاب ملتقی کے مطابق فقہ کے اصول قایم کئے گئے ہیں۔
وہ فتاوی جن میں فقہ اور فرائض دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں صرف وہی زیادہ ہندوستان میں مشہور ہیں فتاوی سراجیہ اور فتاویٰ عالمگیری ہیں۔
فتاویٰ سراجیہ میں صرف ایک بات نئی ہے کہ اس میں جو خاص فتووں کا مجموعہ ہے وہ اور دوسری کتابوں میں نہیں پایا جاتا فتاویٰ عالمگیری میں بیشمار قانونی مقدمات کا بیان ہے۔ یہ کتاب اپنی کثیر المعنی اور قلیل اللفظ فطرۃ میں قریب قریب ہر مقدمہ کے ساتھ جسکی بنا حنفی اصول پر رکھی گئی ہے چسپاں ہوتی ہے اگرچہ مؤخرین فقہا کی آراے کی قیمت متقدمین فقیہوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی تاہم بھی اپنی لاثانی نوعیت سے اس نے ہندوستان میں اپنے کو محترم بنا دیا ہے جس کے نام سے یہ پکاری جاتی ہے وہ شہنشاہ اورنگ زیب ہے جس کا علم و فضل میں ثانی مغلیہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔
اس نوعیت کی جتنی کتابیں ہندوستان میں رائج ہیں سب میں یہی کتاب عام طور پر زیادہ پسندیدہ ہے ہندوستان کی طولانی سلطنت اسلامیہ میں صرف زیب النسا نے فتاوی عالمگیری کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا یہ وہ زیب النسا ہے جو اپنے باپ اورنگ زیب کی بہت پیاری تھی اور علم ادب میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی جب حکومت مغلیہ کا دورہ ختم ہوا اور شیر انگلستان کا پھریرہ ہند کے جگر میں فرانٹے بھرنے لگا تو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی کونسل کے حکم سے فتاوی عالمگیری سے دو کتابوں جنایہ در حدود

خلاصۃ الفتاوی مصنف امام افتخار الدین طاہر بن احمد البخاری جس کی وفات ۵۴۲ھ ہجری میں ہوئی یہ مستند فتاووں کا خلاصہ ہے۔

ذخیرۃ الفتاوی اسی کو بعض اوقات ذخیرۃ البرہانیہ کہتے ہیں مصنف برہان الدین بخاری مصنف محیط البرہانی یہ بھی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے اگرچہ اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر بھی اس میں اعلیٰ درجہ کے فتووں کا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور اس کا بہت سا حصہ محیط سے لیا گیا ہے۔

فتاوی قاضی خان مصنفہ امام فخر الدین حسن بن منصور فرغانی جسے عام طور پر قاضی خاں کہتے ہیں جس کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی یہ کتاب نہایت مستند اور بڑے پایہ کی گنی جاتی ہے۔ یہ عام واقعات کے مقدمات سے لبریز ہے اور اسی لیے یہ بڑی علمی سودمندی کی صفت رکھتی ہے۔ جو بات اس میں خاص ہے وہ یہ ہے کہ جس بنا پر فتوی دیے گئے ہیں انہیں بدلائل ثابت کیا ہے اور خوب زور وشور سے اس پر بحث کی ہے۔

جامع الفصولین اس میں دو کتابیں شامل ہیں اس کا مصنف بدر الدین محمد ہے جس کی شہرت ابن القاضی کے نام سے ہے (۸۲۳ھ ہجری) یہ کتاب کچھ بہت شہرت کی نہیں ہے گو عام طور پر لوگ دیکھتے ہوں۔

فتاوی الظاہریہ جس کا بہت سا حصہ خزانۃ الواقعیہ سے اخذ کیا گیا ہے ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد بخاری کی تصنیف سے ہے (۶۱۹ھ ہجری)

قنیۃ المنیہ مصنفہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الملقب بہ نجم الدین جس کی وفات ۶۵۸ھ ہجری میں ہوئی یہ کتاب جسقدر مشہور ہے اسی قدر زیادہ مسلم ہے۔

نوروی مصنف بیاگرافیکل ڈکشنری (لغات سوانح عمری) یا تہذیب الاسماء نے جس کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب اسی مضمون فتاوی میں تصنیف کی ہے جس کا نام عیون المسائل المہمہ ہے سوال وجواب کے طور پر اس کی ترتیب دی ہے۔

خزانۃ المفتان مصنفہ امام حسین بن محمد جس نے ۷۴۰ھ ہجری میں اپنی اس بیش بہا کتاب کی تکمیل کی اس میں فتاووں کا بڑا مجموعہ شامل ہے ہندوستان میں یہ کتاب بہت مستند نہیں تسلیم کیجاتی۔

خزانۃ الفتاوی مصنفہ احمد بن محمد ابوبکر حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر تیار ہوئی اس میں نادر الوجود فتاوی ہیں۔

تاتارخانیہ مصنفہ امام عالم یہ کتاب کئی جلدوں میں تمام ہوئی اور اسمیں فتووں کا ایک عظیم الشان مجموعہ پایا جاتا ہے۔ اس نایاب کتاب کا بہت سا حصہ محیط البرہانی اور ذخیرہ اخذ کیا گیا ہے۔

فتاوی اہل سمرقندی اس کتاب میں علمائے سمرقند کے فتاوی جمع کئے گئے ہیں یہ وہ عالم ہے جس کا ذکر فتاوی تارتارخانیہ اور جامع الفصولین میں ہر جگہ مع ان فتووں کے آیا ہے۔

فتاوی زینیہ مصنفہ زین الدین ابراہیم بن نجیم المصری مصنفہ بحر الرائق والاشباہ والنظائر ۹۷۰ھ ہجری میں اسکے بیٹے احمد نے ان کتابوں کی ترتیب دی۔

[illegible]

رکھتی ہیں ایسے شخص کے لئے جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہی یہ افسوس کی بات ہی کہ وہ کسی امام کے اقوال کو ہمیشہ کے لئے صدیوں تک ناطق ہی خیال کئے جائے اور کبھی ان میں ترمیم و تنسیخ کرنیکا خیال بھی نہ لائے امام اعظم صاحبؒ کی تصنیف سے جو کتابیں بیان کیجاتی ہیں وہ ایسی مختصر ہیں کہ انکے مسائل جبتک انہیں وسعت نہ دی جائے کبھی سود مند نہیں ہوسکتیں جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اک اک حرف امام اعظمؒ کا ہی بلکہ یہ غرض ہوتی ہی یہ ایک ایسی مجتہد کی کتاب ہی جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہی کہ آجتک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر مسئلہ کو نہیں تسلیم کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انھوں نے اپنا کوئی مذہب نہیں قایم کیا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ہر شخص آزاد ہی چاہے وہ کسی امام کی ان مسائل میں جو ملک کی آب و ہوا اور طبایع کے لئے موزوں ہیں پیروی کرے مگر اسکی پیروی اُس حالت میں سود مند ہوسکتی ہے جب گورنمنٹ کی طرف سے بھی ان ہی قوانین کا عملدرآمد ہو اور نہیں محض فضول ہے۔

اِن تمام بحثوں کے دیکھنے کے بعد جو اسلام کی نسبت ہم نے ہمارے علما نے اور غیر مذاہب کے فاضلوں نے کی ہیں اُن سے کم سے کم یہ نتیجہ تو ضرور نکل سکتا ہی کہ دنیا میں یہ مذہب ایک عجیب حالت رکھتا ہی اور اس نے دنیا میں آکے جو ناموری حاصل کی ہی وہ کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں ہوئی اس کی سادگی جس قدر غضب کی ایسی ہی اس کی قوت بلا کی ہی۔ اس نے مثل اور مذاہب کے دلوں کو مسخر کیا ہی لیکن اس کا مسخر کرنا دائمی اور تاثیر بخش ہی۔ ہماری بداعمالی اس میں کوئی خرابی نہیں پیدا کرسکتی اور نکتہ چینوں کے اعتراضات اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتے۔

دنیا میں آکے اسلام نے جو نمایاں کام کئے وہ اسی کا حصہ تھے۔ یہ بارہا آزمایا گیا اور ایسا سخت آزمایا گیا کہ اس کے بچنے کی مطلق امید نہ تھی اس کی جتنی آزمایشیں دنیا میں ہوچکی ہیں وہ ایسی لاثانی ہیں جن کا نظیر نہیں ملتا۔ پیدا ہوتے ہی اسکی آزمایش شروع ہوگئی اور یہ ایسی خطرناک آزمایش تھی جس کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں

خلیفہ ثالث کی شہادت پھر اسی قیامت خیز زمانہ میں خلیفہ رابع کا تخت نشین ہونا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محترم بی بی سے جنگیں اس کے بعد گورنر دمشق کی بغاوت اور لڑائیاں اور مسلمانوں کی خونریزی۔ پھر خلیفہ رابع کے جانشین کا سلطنت سے استعفا دیدینا اور انکے بھائی کی کربلا میں شہادت۔ مخالف گروہوں کا پیدا ہوجانا اور باہم قتل و غارت یہ ایسے مہیب واقعے ہیں جن سے یہ امید کبھی نہیں ہوسکتی تھی کہ اسلام بچے گا جب گھر میں ہی یہ خونریزی ہونے لگی تو پھر گھر والوں کا اللہ بیلی ہی۔ مگر نہیں اسلام کا یہ پہلا معجزہ تھا جو دنیا کو دکھایا گیا کہ اس سخت آزمایش کے بعد بھی ہم اسلام کو دنیا میں عزت کیساتھ قایم رکھیں گے۔ اسی قسم کی چھوٹی موٹی بہت سی آزمایشیں ہوتی رہیں سب سے زبردست آزمایش وہ تھی جو ہولا کو خاں کے وقت میں آکے پڑی تھی اور جس کا مختصر خاکہ سعدی علیہ الرحمۃ نے نظم میں اُتارا ہے۔ جو حسب ذیل ہی۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ۔۔۔ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

اے محمد گر قیامت می برآری سر زخاک ۔۔۔ سر برآور ویں قیامت در میان خلق بیں

نازنینان حرم را خون خلق عاز میں ۔۔۔ ناستاں بلند شست و مارا خون دل آستیں

کا ترجمہ فارسی میں قاضی القضاۃ محمد نجم الدین خان نے کیا اور ۱۸۱۳ء میں شایع ہوا۔
اسی سال مسٹر ہرنگٹن چیف جج صدر دیوانی عدالت کے حکم سے مولوی محمد خلیل الدین نے درۃ المختار میں سے تعزیرات کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے چھپوا کے شایع کیا پھر ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں چار بڑے علما نے کیا مگر بدقسمتی سے اس ترجمہ سے ہدایہ کی اصلی قیمت میں فرق آگیا بجائے اس کے کہ وہ اکثر مسائل کی توضیح جو ترجمہ کی حالت میں کی تھی بطور حاشیہ تحت میں جدا قائم کرتے فاضل مترجموں نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ متن ہدایہ میں اپنی آرا ے کو خلط ملت کر دیا اب نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایہ والا کیا کہتا ہے اور مترجموں نے اس کے قول کی کیا توضیح کی ہے کسی مقام سے ترجمہ اصلی عبارت عربی سے بھی نہیں ملتا یہ ہم کہہ سکتے ہیں اور اس میں اصلا شک نہیں کہ فارسی کا ہدایہ اصلی ہدایہ کی بالکل ہم صورت نہیں ہو سکتا میکناٹن محمرن لا کے پروفیسر نے دہلی میں ہدایہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا اور بہت سال گذرے کہ دہلی میں طبع ہوا تھا دوسرا ترجمہ ہدایہ کا کلکتہ میں اردو زبان میں کیا گیا اور چند سال ہوئے کہ وہ طبع بھی کر دیا گیا۔
پھر سر ولیم جالس نے سراجیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور جب اسے ختم کر چکے تو اُسی کی شرح شریفیہ کا ترجمہ بھی اختصار کے طور پر پورا کیا اور ساتھ ہی اکثر مسائل پر اپنی طرف سے کچھ حواشی بھی دیے ہیں جس سے فاضل مترجم کی لیاقت معلوم ہوتی ہے اسکے بعد فتاوی عالمگیری کے انتخابی حصہ کا ترجمہ انگریزی میں مسٹر نیل بیلی نے کیا۔ یہ حصہ بیع کے معاملہ میں تھا۔
ہدایہ فارسی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے وارن ہیسٹنگ کے حکم سے مسٹر جیمس اینڈرسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا ابھی ترجمہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ دول خارجہ میں کسی ملکی کام پر بھیج دیے گئے اور اسکی جگہ چارلس ہملٹن نے باقیماندہ ترجمہ کر کے نظر ثانی کی۔ یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اصلی ہدایہ عربی کو ترجمہ کرتے وقت کھول کے بھی نہ دیکھا گیا بلکہ اس فارسی کے ہدایہ سے ترجمہ کر لیا گیا جس کی بابت ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ کتابیں جو فقہ حنفی کی تائید میں لکھی گئی میں ایک بے نظیر مجموعہ ان قوانین کا ہے جو ملکی اور کسیقدر جنگی اور زیادہ تر حسن معاشرت یا پولیٹکل ایکانمی سے تعلق رکھتے ہیں گو انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے مگر بعض حالتوں میں وہ جامہ ناموزوں ثابت ہوا ہے
اس وقت ہمارے آگے مذکورہ بالا کتابیں رکھی ہوئی ہیں جنہیں ہم بار بار دیکھ چکے ہیں اور اُن کے اختلافات پر بار ہا غور کیا ہے ایک عمیق نظر جب اخلاقی تمدنی معاملات پر ڈالی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلاف ایک لازمی امر تھا جو مقتضائے آب وہوا مسائل میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں آب وہوا اور طبایع خلائق جن فقہی قوانین کی متحمل ہو سکتی تھی ان ہی قوانین کی سمرقند کے آدمی اور وہاں کا موسم برداشت نہیں کر سکتا یہ تو علم سیاست مدن کے بارے میں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ مذہبی حصہ فقہ میں بھی یہی بات ہے مثلاً ہندوستان میں ہندوستانی آفتاب کی رفتار کے بموجب نماز کے اوقات متعین کئے گئے ہیں اور تمام مجتہدوں کی فقہ میں ہندی آفتاب کی تقلید کی گئی ہے اب ہندوستان سے ہمیں واشنگٹن کے اس حصہ میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں تین گھنٹے سے زیادہ آفتاب غروب نہیں ہوتا اس ملک میں ناچار مذہبی حصہ کی فقہ میں ترمیم کرنی پڑیگی نہ صرف نماز میں بلکہ وضو وغیرہ کے قواعد میں بھی تو پھر یہ بات بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گئی کہ فقہی مسائل جیسی ملکی آب وہوا کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسی طرح ہر زمانے کے ساتھ مناسبت

مدت العمر کے لئے اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔

دنیا میں آکے اسلام نے دو صورتیں اختیار کیں پہلی حاکمی اور دوسری محکومی کی اور یہ دونوں صورتیں ابھی تک دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں موجود ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہو کہ جس شان سے حاکمی صورت میں ہو اسی شان سے محکومیت میں اپنا جلال اور جبروت دکھا رہا ہو۔ برخلاف مسیحی مذہب کے دونوں صورتوں میں ذلیل و خوار ہو جہاں اُسکو حکومت حاصل ہو وہاں بھی اُسکی کوئی وقعت نہیں اور جہاں محکوم بنا ہوا ہو وہاں اُسکی ذلت و خواری حد سے گزر گئی ہو مثلاً یورپ کے مسیحی مذہب کے بارے میں ایک فاضل مسیحی عالم یہ لکھتا ہو۔

"یہ ایک بہت بڑی وقعت کی بات ہو کہ دہریت جہاں تک ممکن ہوگا بہت شد و مد سے پھیلے گی نہ صرف اس ملک میں بلکہ تمام یورپ میں۔ اس سے زیادہ قوی تر اثر کسی چیز کا نہیں ہو کہ جس سے ہم گھل مل جائیں اور ایک دوسرے کے بہت ہی قریب پہنچ جائیں اور اپنے دلوں کو عام مخلوق کی ہمدردی کے لئے بیدار کریں۔ جبتک کہ ہم مذہب دہریت کی ایک شکل نہ پیدا کریں فی الحال قوم کی یکجہتی کو مافوق الفطرت ایمان نے پارہ پارہ کردیا ہو۔ سوا اس کے کوئی علاج نہیں ہو کہ ہم ان سب بے بنیاد عقاید کو بالائے طاق رکھکے نیچرل مذہب اختیار کریں۔

گو ابھی نیچرل مذہب اپنی شیرخوارگی کی حالت میں ہو پھر بھی اسکا اثر بہت کشادگی سے پھیلتا جاتا ہو تاہم جو غلبہ مافوق الفطرت ایمان کو دنیا میں حاصل ہو وہ ابھی تک نہیں ہوا ہو

فرانس اور جرمن میں مسیحی مذہب عام طور پر مقبول خلائق نہیں ہو ان ممالک میں یہ ایک نادر الوجود بات ہوگی کہ ہم ایک تعلیم یافتہ شخص کو مسیحی عقائد کا پابند دیکھینگے حتی کہ کار پیشہ لوگ بھی بہت کم اسطرف رجوع ہیں اور اس میں یقین رکھتے ہیں تمام بر اعظم میں یہ کہا جا سکتا ہو کہ مسیحی مذہب کے عقاید صرف بہت کم تعلیم یافتہ اشخاص میں محدود ہیں جن میں یہ بلا ہو کہ مسیحی عقاید اوہام باطلہ کی بھول بھلیوں میں ٹپے لو ٹیا مار رہے ہیں خود ہمارے ملک میں (یعنی لندن میں) ان لوگوں کی تعداد جو مسیحی مذہب پر عقیدہ نہیں رکھتے بیشمار ہو اور علی التواتر بڑھتی جاتی ہو ایک بڑا گروہ کل والوں اور کار پیشہ لوگوں یا تاجروں کا بھی غیر مسیحی ہو۔ ایک عظیم الشان حصہ ان لوگوں کا جو تعلیم یافتہ ہیں اور خصوصاً اس نسل کا جو بڑھ رہی ہو عیسائی مذہب کو خیر باد کہہ چکا ہو۔ بہت سے ہمارے بڑے بڑے مصنف و حیات ہیں بہت دھوم دھام سے مسیحی مذہب کی اصولی زندگی لغو اور بیہودہ سمجھتے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ دو چند ہیں جنہیں راسخ الاعتقاد مسیحی کہہ سکتے ہیں۔ (از ایلیمنٹ اف سوشل سائنس مطبوعہ لندن صفحہ ۳۴۴) فاضل مسیحی کا بیان ختم ہوگیا ناظر خود اندازہ کریگا کہ اسلام اور عیسویت میں کیا فرق ہو۔

اسلام کے اس باب کو چونکہ بہت طول ہوگیا ہو اسلئے میں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں مگر ساتھ ہی بعض یورپین اور عیسائی مصنفوں کی رائے نفس اسلام اور اشاعت اسلام اور اثرات اسلام کے بارے میں نقل کر دیتا ہوں جس سے

زینهار از دور گیتی و انقلاب روزگار　　در خیال کس نگشتی کان چنان گردد چنین
دیده بردار ایکه دیدے شوکت بیت الحرام　　قیصران روم سر بر خاک و خاقان بر زمین
خون فرزندان عم مصطفی شد ریخته　　هم بر آن خاکی که سلطانان نهادندے جبین
وه که گر بر خون آن پاکان فرود آید مگس　　تا قیامت تلخ گردد بردهانش انگبین
بعد ازیں آسایش از دنیا بچشم داشت　　قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگین
دجله خونابست زیں پس گر نهد سر بر نشیب　　خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجین
روے دریا در هم آمد زیں حدیث هولناک　　میتوان دانست بر رنگش که موج افتاده چین
گریه بیهوده ست و بیحاصل بود شستن بآب　　آدمی را حسرت از دل اسپ را داغ از جبین
نوحه لایق نیست بر خاک شهیدان زانکه هست　　کمترین دولت مر ایشان را بهشت برترین
لیکن از روی مسلمانی و راه مرحمت　　مهربان را دل بسوزد در فراق نازنین
باش تا فردا که بینی روز داد و رستخیز　　کز لحد با روی خون آلوده برخیزد دفین
در زمین خاک قدمشان توتیاے چشم بود　　روز محشر خونفشان گلگونه رخسار عین
قالب مجروح اگر در خاک و خون غلطد چه باک　　روح پاک اندر جوار لطف رب العالمین
تکیه بر دنیا نشاید کرد و دل بر دے نگاه　　کاسمان گاهی بمهر است اے برادر گه بکین
چرخ گردوں بازمیں گوئی دو سنگ آسیاست　　در میان هر دو روز و شب دل مردم طحین
زور بازی و شجاعت بر نیاید با اجل　　چون قضا آید نماند قوت راے رزین
تیغ هندی بر نیاید روز هیجا از نیام　　شیر مردے را که باشد مرگ پنهان در کمین
تجربت بیفائده ست آنجا که برگردید بخت　　حمله آوردن چه سود آنرا که برگردید زین
گر کسانند از پی مردار دنیا جنگجوے　　اے برادر گر خردمندی چو سیمرغ عزلت نشین
ملک دنیا را چه قیمت حاجت انیست از خداے　　کو نگهدارد بما بر ملک ایمان و یقین
یارب این رکن مسلمانی بما آباد دار　　در پناه شاه عادل پیشواے ملک و دین
خسرو صاحبقران غوث زمان بوبکر سعد　　آنکه اخلاقش پسندیدست و اوصافش گزین
مصلحت بود اختیار راے روشن بین او　　زیر دستان را سخن گفتن نشاید جز چنین
ما جرم در بحر و برش داعیان دولتند　　کاے هزاران آفرین بر جانت از جان آفرین
روزگارت با سعادت باد و سعدی مدح گوے　　رایت منصور و بخت باز و اقبالت قرین

بت پرستوں نے بغداد اور اسلام بغداد کے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی لیکن اسلام ان بربادیوں اور بت پرستوں کی چیرہ دستی پر ہنس رہا تھا۔ اخیر اس نے بظاہر مغلوب ہوکے ان پر غلبہ حاصل کیا اور غلبہ بھی ایسا کہ نہیں

بلکہ فی الحقیقت ایسی پرانی جیسے کہ خود ابراہیم۔ بار بار محمدؐ نے نہایت سنجیدگی سے جتلایا ہے کہ "میں عربوں کے لیے کوئی نئی بات لیکر مبعوث نہیں ہوا بلکہ صرف شریعت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے آیا ہوں جو ہمیشہ یہاں موجود تھی مگر اُس کو سب لوگ بھول گئے یا اُس سے غافل ہو گئے ہیں" قوم سے علیحدہ اور غمگین و ناخوش یہودیوں اور آپس میں لڑنے والے تین خدا کے قایل عیسائیوں۔ اور ہر طرح کے مخلوق پرستوں میں ایک اونٹ ہانکنے والا آیا نہ اسلیئے کہ اُن کو کوئی نئی بات سکھائے بلکہ اسلیئے کہ جو پرانی کتابوں نے وہ بھول گئے تھے اُن کو یاد دلائے۔ عرب کی زمین پر دو ہزار برس پہلے ایک ایسے شخص (موسیٰ) کو جنگل میں اپنے باپ کی بکریاں چرا رہا تھا یہ سادہ مگر چونکا دینے والا پیغام آیا تھا۔ میں وہ ہوں جو میں ہوں۔ سن اے اسرائیل ہمارا مالک خدا ایک خدا ہے۔ پس جا اور میں تیری زبان کے ساتھ ہوں گا اور سکھاؤں گا تجھے جو تجھکو کہنا چاہیئے" اِن الفاظ کو سنکر یہ برگزیدہ قوم (بنی اسرائیل) افریقہ سے ایشیا میں چلی گئی۔ غلام آزاد ہو گئے اور ایک خاندان ایک قوم بنگیا۔ اُسی عرب کی زمین پر اب پھر وہی آواز ایک دوسرے بکریاں چرانے والے کو آئی۔ اور ایسے اثر کے ساتھ آئی جو پہلی آواز سے کچھ کم عجیب یا عام طور پر دنیا کو فائدہ پہنچانے میں اُس سے ہرگز کچھ کم نہ تھی یعنی "اللہ اکبر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" یہ رسالت قبول کی گئی۔ اور خدا کے پیغام کا اعلان کیا گیا اور ایک ہی صدی کے اندر اِس آواز کی گونج عدن سے انطاکیہ تک اور سے ویل سے سمرقند تک پھیل گئی۔ اور اِس تمام ملک نے اسکی حقیقت کو مان لیا" انتہیٰ قولہ

آنریبل سر ولیم میور صاحب جو اپنے فضل اور تائید مذہب عیسوی کے لیے مشہور ہیں اپنی کتاب لائف آف محمد کی جلد دویم کے صفحہ ۲۶۹-۲۷۱ مطبوعہ ۱۸۶۱ء میں ارقام فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمدؐ کے اوامر و احکام اسوقت تک تھوڑے سے اور سادہ طور کے تھے جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہوتا ہے مگر اُنہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان کام کیا جب کہ دین مسیحی نے دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا اور شرک بت پرستی سے جہاد عظیم کیا تھا اُسوقت سے حیات روحانی کبھی ویسی برانگیختہ نہ ہوئی۔ نہ ایسا غلو کسی مذہب میں ہوا تھا جیسا کہ دین اسلام میں ہوا۔ اِس دین کے پیروان خوش اعتقاد نے کیسے کیسے نقصانات صرف اپنے ایمان کی خاطر اُٹھائے اور اُن نقصانات کی تلافی میں مال غنیمت کس خوشی سے لے لیا۔ ایک زمانہ معلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی حالت بالکل بے حس و حرکت ہو گئی تھی اور اگرچہ شریعت موسوی اور دین مسیحی اور فلسفہ یونان کا کچھ اثر عرب پر ہوا تھا مگر وہ ایسا ناپایدار اور خفیف تھا جیسے کسی جھیل کے پانی کی سطح پر کبھی کبھی کوئی لہر آجاتی ہے۔ مگر پانی کے نیچے کہیں ذرا سی بھی حرکت نہیں معلوم ہوتی۔ الغرض عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی و بداعمالی کے دریا میں غرق تھے چنانچہ یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا تھا۔ اُنکے غرور اور افلاس سے دختر کشی کی رسم بھی اُن میں اُسیطرح جاری ہو گئی تھی جسطرح فی زماننا ہندوؤں میں جاری ہے اُن کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا۔ اور اُن کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا۔ بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی ہیبت کا۔ اُن کا ایمان تھا۔ اُنہیں کی رضامندی ہمائے

معلوم ہوگا کہ اسلام میں خاص ایک معجزہ ہی جسکا راز سوائے اُس دل کے جو اُن دیکھے خدا اور اُسکے رسول برحق پر دل سے ایمان رکھتا ہی اور کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا مختلف فاضلوں کی رائے حسب ذیل ہی۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے۔ سلمہ اللہ تعالیٰ (صاحب موصوف) اپنی کتاب محمدؐ اینڈ محمڈن ازم میں لکھتے ہیں کہ محمدؐ کا بیان درباب وحدانیت خدا اور اِس امر کے کہ وہ انسان کے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل پر مختار ہی صرف کسی پہلے مذہب سے چرایا ہوا نہ تھا۔ یہودی علی العموم اپنے بہترین زمانہ میں بھی خدا کے سوا اور دیوتاؤں کی پرستش میں وحشت کے ساتھ مصروف ہوگئے تھے اور آخر کار قید کا لوہا اُن کی روحوں میں داخل ہوگیا تھا۔ اُنھوں اپنے مشرقی ملکوں کے قیام کے زمانہ میں بہت کچھ سیکھ لیا مگر اُس سے زیادہ بھول گئے۔ وہاں آکر وہ بت پرستی ہمیشہ کے لئے بھول گئے لیکن گو اُنھوں نے اُس وقت کے بعد پھر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ مگر اپنے انبیا کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے وہ پھر بھی بہت غافل تھے اور جو وقت کہ اُنکے انتہا درجہ کے عروج کا ہوا ہوتا اور اُس سب سے بڑے کشت وخون کیساتھ ختم ہوگیا جو اُن کے زوال سے تھوڑے ہی دنوں پہلے وقوع میں آیا تھا۔ عصا رسلطنت یہود اکے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن جلاوطن یہودی ابتک مُلک عرب میں نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت پر قایم تھے۔ حالانکہ جس بات نے اُن کو یہ استحقاق دیا تھا اب اُسکا نام ونشان بھی نہ رہا تھا عیسائی بھی۔ (میری مراد ایسے عیسائیوں سے ہی جنسے ملنے کا محمدؐ کو اتفاق ہوا) یہودیوں کا مذہب اور وہ اعلیٰ درجہ کے الہامات خدا جو حضرت عیسے اسلئے اُنھیں پہنچائے تھے اور جنکو یہودیوں نے قبول نہ کیا تھا بھول چکے تھے۔ یہ موشی ہیں۔ مانوتھی لائیٹس۔ مانوتی سٹس جیکوبیٹس فرقوں کے عیسائی نہایت سختی کے ساتھ ایسی باتوں میں مذہبی قاعدے بنا رہے تھے جن میں ہمارے متبرک پیشواؤں نے کوئی بھی قاعدہ یا اُصول نہیں بنایا وہ نہایت شدت کے ساتھ ایسے مباحثوں میں مصروف تھے مثلاً یہ کہ جو بات علم ریاضی کی رو سے غلط ہی وہ علم مابعد الطبعیت کی رو سے صحیح ہوسکتی ہے اور عجیب طور سے ایسی باتوں میں سچ یا جھوٹ کا لگاؤ نکالتے تھے جو اُن کو اِس غرض سے بتائی گئی تھیں کہ آپس کی پھوٹ کے متفرق کردینے والی گہری جھیل اُن میں نہ رہے وہ جھوٹ کو حقیقت۔ فصاحت وبلاغت کو منطق۔ اور نظم کو نثر بتاتے تھے زبان سے تو خدا خدا نہایت چلا چلا کر کہتے تھے۔ مگر دل میں وحدانیت خدا کو بھلا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت وہ تمام معاملات میں سوائے کسی ایسی بات کے جو اُن کی طرح کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرے بحث کرتے تھے پس محمدؐ اسلئے آئے کہ ان تمام باطل باتوں پر جھاڑو پھیر دیں۔ بت وہ کیا؟ زیتون کی لکڑی کے ٹکڑے جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! فلسفیانہ خیالات اور مذہب مکڑی کا تنا ہوا جالا! اِن سب کو دُور کرو۔ اللہ سب سے بڑا ہی۔ اور اُسکے سوا اور کوئی شے بڑی نہیں ہی۔ یہی مسلمانوں کا مذہب ہی اسلام یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدا کی مرضی پر توکل کرے۔ اور ایسا کرنے میں نہایت خوش ہو یہی مسلمانوں کا طرز زندگی

ایک معترض یہ سوال کرسکتا ہی کہ اِن دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں کونسی بات ایسی ہی جسکو یہ کہا جائے کہ وہ نئی تھی یا محمدؐ ہی کو سوجھی تھی بیشک کچھ نیا نہ تھا۔ بلکہ یہ باتیں ایسی پرانی تھیں جیسا کہ خود کا نام

میں لکھتے ہیں کہ "باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جنمیں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسیٰ کے اول بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ و کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمدؐ کے اول خیرقرن کے کہ بجز اُسکے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوے تو اُس زمانہ میں جو کچھ اُنھوں نے کام کئے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے عیسیٰ کے اول مریدوں کی کم رتبگی میں بوشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں مجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجھکو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ ایک ہی شے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہے" پھر فقرہ (۲۱۸) میں لکھتے ہیں کہ "گبن نے بیان کیا ہے کہ پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے اُن کی سرگرمی دلی ہے اور اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت اور اختیار پاکر بھی اُنھوں نے اپنی عمریں ادائے فرایض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں"۔ پس یہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے۔ جو پیشتر اس سے کہ اُس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی اُسکے جانب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہر طرف آزاد ہوا اور جان بچاکر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اُن کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے اُن کی سچائی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے اُن کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے" پھر فقرہ (۲۱۹) میں لکھتے ہیں کہ "اس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوئے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اُس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لیے ہوں جو اُن کی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُن کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ یہ یقین نہیں ہوسکتا اور خارج از احیطۂ امکان ہے" پھر ایک دوسرے موقع پر فقرہ (۲۲۳) میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی اہل ثبات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دینی اُسکے پیرووں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور اس کا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا جب عیسیٰ کو سولی پر لٹکانے لگے تو اُسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چلدیئے۔ اگر بالفرض اُس کی حفاظت کرنے کی اُن کو ممانعت تھی تو اُس کی تشفی کے لیے تو موجود رہتے اور صبر دیتے اُسکے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے برعکس اُسکے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اُس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالکر دشمنوں پر اُس کو غالب کر دیا" (انتہیٰ قولہ)

دس برس اور گزر گئے اور محمدؐ کے اصول مذہب باوجودیکہ چاروں طرف سے نہایت سخت اندیشوں اور مزاحمتوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی صرف اپنے اخلاقی ذریعوں اور اپنی ذاتی قوت سے اپنا رستہ صاف کرتے جاتے

تھے۔ اور اُنہیں کی ناراضی سے احتراز کرتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُسکی اُنہیں خبر ہی نہ تھی ہجرت سے تیرہ برس پہلے تو مکہ ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر اُن تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب اُنہیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہمارے ادنےٰ حوائج کا بھی خبر گیراں ہے ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں۔ ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں۔ اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں۔ اُسی کی یہ قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھکر اس نئی روحانی حالت کو جسمیں خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمد کو جو اُن کی ساری اُمیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور اُن کی اپنی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو اُنکے رتبہ عالی کے لایق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ملالت تھے مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی۔ مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ لیکن ایمان عزیز سے مُنہ نہ موڑا۔ اور جبتک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوئے حبش کو ہجرت کر گئے۔ پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ اُن میں نبی بھی شامل تھے۔ اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اُسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے طیار کر دی"۔

دوسرے شاہد ریورینڈ جی۔ ایم راڈویل صاحب جنھوں نے بڑی سرگرمی اور سعی موفور سے قرآن مجید کا ترجمہ بہ ترتیب نزول سُور کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کی تاثیر کی نسبت جو قوم عرب پر ہوئی فرماتے ہیں کہ "عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو"۔ پھر تھوڑا سا آگے چلکر فرماتے ہیں "بت پرستی کے مٹانے جنات اور مادیات کے شرک کی عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے اور بہت سے توہمات کو دور کرنے۔ اور ازواج کی تعداد کو گھٹا کر اُس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لیے برکت اور قدوم حق تھا۔ گو عیسائی نقطہ نظر سے برحق نہ ہو" (انتہیٰ قول)

فاضل محقق گاڈفری ہگنیس صاحب مرحوم اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فرام محمد کے اٹھارہویں فقرہ

تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک ایک کر کے تمام احکام اسلام اُسکے سامنے بیان کیئے اور کہا کہ اُس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اُسکے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت اور مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابے سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے۔ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہم نے اُس کو سچا جانا۔ اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اُس کو حرام۔ اور جو حلال کر دی ہے اُس کو حلال جانتے ہیں۔ پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور طرح طرح سے ہم کو دکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا۔ کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں۔ اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُنکو جائز جانیں۔ پس جبکہ اُنہوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا۔ اور طرح طرح کے ظلم کیئے۔ اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھکو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ اُمید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی“

پھر مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اِس صدی کے نہایت مشہور و معروف فضلا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ”میرے نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اُسکے تمام معنی میں موجود ہے جس کو اُس نے وحشی نظروں میں بہا کر دیا تھا۔ سب سے اخیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ در اصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اسی سے ہو سکتی ہے“

مسٹر گاڈفرے ہگنس جو وہ بھی علم و فضل اور بے تعصبی و انصاف پسندی میں بڑے عالی رتبہ شخص ہیں لکھتے ہیں کہ ”مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے۔ بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا۔ یہ امر اُسکے مصنف کی (خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمد ہوں خواہ اُنکے خلیفہ عثمان) لازوال نیکنامی کا باعث ہے کہ اُس میں ایک ایسا بھی حکم نہیں تبلایا جا سکتا ہے کہ جس کا پولیٹکل خوشامد و دلداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو جیسا کہ ویسٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دی گئی ہے کہ اگر خود مختار و جابر ایشیائی فرماں رواؤں کو اُن کے ارادہ سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالباً قرآن کی ایک بے تکلف آیت یعنی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہو گی“

مسٹر جان ڈیون پورٹ (جو ایک بڑے عالم اور غیر متعصب شخص ہیں) فرماتے ہیں کہ منجملہ اُن بہت سی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو قرآن کے لیئے واجب طور پر باعث فخر و ناز ہو سکتی ہیں دو خوبیاں نہایت مبین ہیں۔

تھے۔ مگر جس قدر کہ اُسکے پیرووں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اُسی قدر مخالفین کا تشدد اور ایذا رسانی بھی جو اُسکے معتقدین کو برداشت کرنی پڑتی تھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور آخر کار محمدؐ نے یہ پسند نکر کے کہ اُسکے پیرو اپنے نئے مذہب میں داخل ہوتے ہی ایسے پر ملال امتحان میں مبتلا ہو جائیں اُنہیں یہ صلاح دی کہ ملک حبش میں جا کر پناہ گزیں ہوں چنانچہ پندرہ آدمیوں نے اُس کی صلاح مانی اور محمدؐ بدستور وہیں رہے۔ اِن لوگوں کا محمدؐ کی صلاح کو مان لینا کچھ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اگر کسی ثبوت کی ضرورت ہو تو یہ ایک یقینی ثبوت اِس امر کا ہے کہ اِس تمام زمانہ میں محمدؐ کی اصل قوت اُس شے میں تھی جس کو دنیا اُس کی کمزوری کہے گی (یعنی آپکا بے یار و مددگار ہونا) دوئم یہ کہ اِس واقعہ کے سبب سے جو ہجرت کہلاتا ہے ہمیں نبی عربی کی ابتدائی تعلیم کا ایک اعلےٰ درجہ کا خلاصہ ہاتھ آیا ہے جو ابتک ہمارے پاس موجود ہے۔ قوم قریش نے نجاشی بادشاہ حبش کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اِن فراریوں کو ہمارے حوالہ کر دو تاکہ ہم انہیں قتل کر ڈالیں۔ لیکن اِس گروہ میں سے جعفر نامی ایک شخص نے آگے بڑھکر بادشاہ اور اُن پادریوں کے سامنے جو اِسی غرض سے بلائے گئے تھے اور انجیلیں ساتھ لیکر آئے تھے اپنے تبدیل مذہب کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا۔ صاحب موصوف نے آگے ترجمہ حضرت جعفر کی تقریر کا لکھا ہے۔ مگر ہم تاریخ ابن ہشام سے اُسکو بلفظہٖ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے فقال جعفر۔ ایہا الملک کنا قوما اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام و ناکل المیتۃ و نأتی الفواحش و نسیء الجوار و یاکل القوی الضعیف فکنا علیٰ ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ و صدقہ و امانتہ و عفافہ فدعی الی اللہ لنوحدہ و نعبدہ و نخلع ما کنا نعبد نحن و اٰباءُنا من دونہ من الحجارۃ و الاوثان و امرنا ان نعبد اللہ وحدہٗ و لا نشرک بہ شیئا و امرنا بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ و الصیام (فعدد علیہ امور الاسلام ثم قال) و امرنا بصدق الحدیث و اداء الامانۃ و صلۃ الرحم و حسن الجوار و الکف عن المحارم و الدماء و نھٰنا عن الفواحش و قول الزور و اکل مال الیتیم و قذف المحصنات و صدقناہ و اٰمنا بہ و اتبعناہ علی ما جاء بہٖ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ و لا نشرک بہ و حرمنا ما حرم اللہ علینا و احللنا ما حل لنا فعدی علینا قومنا فعذبونا و فتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ و ان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث لما قھرونا و ضیقوا علینا و حالوا بیننا و بین دیننا خرجنا الی بلادک و اخترناک من سواک و رغبنا فی جوارک و رجونا ان لا نظلم عندک یا ایہا الملک" یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی یہانتک کہ خدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت نسب۔ راستبازی۔ ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے پس اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور دولتہ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی اور جس قدر زمانہ کہ سلطنت روم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اُس کا دسواں حصہ بھی اُن کو نہ لگا۔ ایسی کتاب جسکی اعانت سے جملہ بنی سام میں یہی لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے۔ جہاں کہ اہل فنیشیا (شام و فلسطین) تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ معہ ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے کے لیے آئے تھے۔ یہی لوگ جبکہ تاریکی چھا رہی تھی۔ یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب و اہل مشرق کو فلسفہ طب ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم جدیدہ کی بنا ڈالنے اور ہم لوگوں کو غرناطہ (گرنیڈا) کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کے لئے رُلانے کو آئے تھے"

ریورینڈ راڈویل صاحب اگرچہ قرآن مجید کی نسبت چند بے اصل اور غلط الزامات قایم کرتے ہیں مگر اسپر بھی خلاف توقع اُن کے قلم سے ایسا کچھ نکل گیا ہی جس کو آنحضرت اور قرآن مجید کا گویا معجزہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ محمد کی زندگانی کا مدعا توحید الٰہی کا اعلان کرنا تھا اور وہ بیشک اُس میں کامیاب ہو گیا جس قدر کہ نہایت صحیح تاریخی واقعات پر نظر کرنے سے ہم کو محمد کی سیرت سے اصلی واقفیت حاصل ہوتی ہی اُسی قدر مراکشی پریڈو اور دیگر مصنفین کی سخت کلامی اور بدزبانی ہم پر غلط ثابت ہوتی ہی۔ اور یہ کہنا حقیقت الامر کے زیادہ تر قریب ہوگا کہ وہ بیشک ایک اعلیٰ درجہ کا شخص تھا۔ اگرچہ نقص بھی رکھتا تھا۔ اور ایک سچا واعظ تھا۔ اگرچہ غلطی میں پڑا ہوا تھا۔ مگر اُس کی بہت سی غلطیوں اور نقصوں کی وجہ اُسکے زمانہ کی حالت تھی۔ اور ضرور ہے کہ جس مذہب کا وہ اصل بانی تھا اُس میں سچائی اور نکوئی کے اصول بھی ہوں ورنہ یہ معما حل ہونا مشکل ہی کہ اُس کی تعلیم کا اثر جسکو بے شبہ اُسکے پیروؤں کے فتحمند ہتھیاروں نے بہت تیز کر دیا اسوقت تک کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں ہمارے زمانہ کے پندرہ کروڑ آدمیوں میں جو کل دنیا کے چھٹے حصہ سے زیادہ ہیں کس طرح قایم رہا۔ یہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن نے جس طور پر خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اُسکی وحدانیت اور تمام جہان کا پروردگار اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونے کے بیان کی ہی اُسکے لئے وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہی اور یہ بھی مان لینا واجب ہے کہ قرآن کو صرف خدائے واحد پر نہایت پُرجوش اور گہرا یقین ہی اور گو کہ اُس میں متوہمانہ تخیلات اور کہانیاں بھی ہیں اور طفلانہ آداب و رسوم مذہبی کی بھی تعلیم کرتا ہی۔ اور ظلم و جور اور غلامی و تعدد ازواج کی بھی اجازت دیتا ہی مگر باوجود ان باتوں کے اُس میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی ہی جو باوجود اختصار کے قوی اور کثیر الدلالۃ اور ملہمانہ حکمت سے بھرے ہوئے ہیں اور اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ اُس میں ایسے اصول موجود ہیں جن پر ملک فتح کرنے والی سلطنتیں ضرور قایم ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ اسلام بہت سی باتوں کے لحاظ سے ایک ناکامیابی ہی لیکن یہ زیادہ تر قرآن ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک بے آب و علف جزیرہ نما کے باشندے جنکے افلاس کی برابری صرف اُن کی جہالت ہی کر سکتی تھی نہ صرف ایک نئے مذہب کے پُرجوش

یعنی اول تو اُس کا وہ سودبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا طرز بیان جو ہر ایک مقام پر جہاں خداتعالیٰ کا ذکر یا اُس کی ذات کی طرف اشارہ ہی اختیار کیا گیا ہی۔ اور جسمیں خداوند عالم کو اُن جذبوں اور اخلاقی نقصوں سے منسوب نہیں کیا جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اُس کا اُن تمام خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور نامہذب ہوں حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہی کہ یہ عیوب توریت وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت قرآن ان سخت عیوب سے مبرا ہی کہ اُس میں خفیف سی ترمیم کی بھی ضرورت نہیں اور اول سے آخر تک پڑھ جاؤ تو اُس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم وحیا کے آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہی اور جو مذہب اُس نے اپنی اِن خوبیوں کے ساتھ قایم کیا ہی وہ وحدانیت الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہی اور بجائے اِس کے کہ اللہ تعالیٰ کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبب الاسباب مان لیا جائے جو اِس عالم کو مقررہ قوانین پر چلا کر خود ایسی شان وعظمت کے ساتھ الگ ہی کہ اُس تک کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ قرآن کے رو سے وہ ہر وقت حاضر وناظر ہی۔ اور اُسکی قدرت کاملہ ہمیشہ اِس عالم میں عامل اور متصرف ہی۔ علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہی جسکے اصول میں کوئی امر متنازع فیہ نہیں اور چونکہ اُس میں کوئی ایسا معما نہیں ہی جو سمجھ میں نہ آئے اور نہ زبردستی قبول کرنا پڑے اسلیئے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش پر قایم رکھتا ہی جو تغیر پذیر نہیں ہی حالانکہ تیز و تند و اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کر دیا ہی۔ اور سب سے اخیر بات یہ ہی کہ مذہب اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں۔ شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابل فہم باتیں او حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید و تعذیب نفس بالکل خارج کر دی گئی ہی۔ چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کے بانی نے ماہیت اشیا اور اُس زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اِس امر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق ہو سکتے ہیں ایک دیرینہ اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہی اور اِسی وجہ سے یہ کچھ محل تعجب نہیں ہی کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ کی بت بندگی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی"

قرآن مجید کے تبدل مضامین وتفنن بیان کی نسبت کہ جو سر ولیم میور کی مخالفانہ ومتعصبانہ نگاہ میں "گونجنے والی۔ اور سامعہ خراش۔ ابتر۔ خام بے سری۔ مکرر بیانی۔ طول کلام۔ الجھاوٹ۔ نہایت خام ومہمل" معلوم ہوتی ہی۔ مسٹر ڈوش لکھتے ہیں کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز وطرار ہیں اِس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہی۔ اور گوئٹھے (ایک مشہور ترین جرمن فاضل ہی) کا یہ قول بجا ہی کہ جس قدر ہم اُسکے قریب پہنچتے ہیں یعنی اُس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ بدور کھنچتی جاتی ہی یعنی زیادہ اعلےٰ معلوم ہوتی ہی۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہی پھر متعجب کرتی ہی اور آخر کار فرحت آمیز تحیر میں ڈالدیتی ہی"

اور یہی مورخ اپنے آرٹیکل کے ایک اور مقام پر لکھتا ہی کہ "ہم دفعتاً از راہ ترجیح اِس عجیب کتاب کی ماہیت

بیانات کو ملاحظہ کرو جبکہ اسکو یعنی اسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول کیا ہی۔ بت پرستی۔ جنات پرستی۔ مخلوق پرستی۔ یعنی جاندار اور غیر جاندار چیزوں کی پرستش۔ مردم خواری۔ انسانی قربانی۔ اطفال کشی۔ جادوگری فوراً دور ہوجاتی ہیں باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔ نجاست کی جگہ صفائی ہوجاتی ہی۔ اور وہ ذاتی شرف اور سلف ریسپکٹ حاصل کرلیتے ہیں۔ مہمان نوازی ایک مذہبی فرض ہوجاتا ہی۔ اور شراب خواری بہت کم رہ جاتی ہی۔ اور جوا متروک ہوجاتا ہی بیحیائی کے ناچ اور عورت مرد کے ناجائز میل جول بند ہوجاتے ہیں۔ عورتوں کی پاکدامنی نیک خصلت خیال کی جاتی ہی۔ محنت کاہلی کی جگہ حاصل کرلیتی ہی۔ ذاتی اختیار کی جگہ قانون دخل کرلیتا ہی اور انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے خاندانی خصومتیں اور جانوروں اور غلاموں پر بیرحمی کا امتناع ہوتا ہی۔ انسانیت اور مہربانی اور یگانگی کا خیال سکھلایا جاتا ہی۔ کثرت ازدواج اور بندہ گری ٹھیک طور سے ترتیب دیجاتی ہی۔ اور اُن کی برائیاں کم کیجاتی ہیں۔

کل دنیا میں اسلام سب سے زیادہ قوی گروہ شراب نہ پینے والوں کا ہی۔ اور بمقابلہ اسکے یورپ کی ترقی سے گویا شراب خواری اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس جگہ کی قوم کا تنزل مراد ہی۔ حالانکہ اسلام کسی کم درجہ کی تہذیب نہیں پھیلاتا جس میں پڑھنے اور لکھنے کا علم عمدہ لباس پہننا۔ ذاتی صفائی۔ راست گوئی۔ اور سلف ریسپکٹ (شرف ذاتی) شامل ہیں اُسکے برائی سے روکنے اور تہذیب پھیلانے کے اثر بیحد عجیب ہیں۔" انتہی قول۔

کپتان ٹیلر اگرچہ بالطبع عیسائی مذہب کو سب سے زیادہ سچا اور عمدہ مذہب خیال کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے اسلام کی نسبت جو نہایت عجیب و غریب اعترافات کیئے ہیں ہم اُن کے لیئے اُن کے نہایت دلی شکرگزار ہیں۔

کپتان ٹیلر نے اپنے اِس مضمون کے مشتہر ہونے کے بعد لنڈن ٹائمس کے اڈیٹر کو جو ایک چٹھی لکھی تھی اُسمیں یہ لکھا تھا کہ "میرا وہ پہلا فقرہ جسپر بہت اعتراض ہوئے ہیں یہ ہی کہ "ایشیا اور افریقہ میں مذہب اسلام بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت عیسائی مذہب کے زیادہ کامیاب ہی۔ اور ہماری کوششیں مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ میں اولاً اپنی بحث ہندوستان سے شروع کروں گا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع ہمارے سامنے موجود ہی اٹھارہ سو اکہتر و اکاسی کے درمیان یعنی دس برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے لاکھ چالیس ہزار کے ہی یعنی قریب پچیس فیصدی کے حساب سے اُس قدرتی زیادتی کو جو معمولاً پیدایش کی زیادتی اور موت کی کمی سے ہوئی ہی۔ اگر ہم محسوب نہ کریں تو وہ نومسلم جو ہندو اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں اُن کی تعداد قریب چھ لاکھ سالانہ کے ہی۔ مسلمانوں کے ہاں تنخواہ دار واعظ نہیں ہیں اور نہ کوئی اُن میں بڑی جماعت اِس قسم کی ہی جو اپنے مذہب کے پھیلانے میں کمربستہ ہو۔ پس یہ بڑی تعداد نومسلموں کی کچھ تو پرجوش مسلمانوں کی بالانفراد کوششوں اور کچھ مذہب اسلام کی حقیقی کششوں کا نتیجہ ہی۔ برخلاف اسکے عیسائیوں کو باوجود اُس تمام رعب و داب کے جو اُن کو ایک اہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہی۔ اور باوجود اُس رقم کثیر اخراجات کے جو مشنری سوسائٹیوں پر صرف ہوتی ہی کل تعداد ان نئے عیسائیوں کی بڑی کھینچا تانی سے دسواں حصہ نومسلموں کی تعداد کا ہے۔"

اور سچے پیرو بنگئے۔ بلکہ عمر اودہیت سے اور لوگوں کی طرح اُس کے بزور شمشیر پھیلانے والے ہوگئے۔ وہ لوگ ملکتوں کے بانی اور شہروں کے آباد کنندہ اور (جتنے کتبخانے اُنہوں نے خراب کیے تھے اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہوگئے۔ اور قسطاط۔ بغداد۔ قرطبہ (کارڈووا) اور دہلی کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور اِس طرح سے قرآن جس میں یہ وسیع قوت پائی جاتی ہو اور جسمیں ایسے اصول ہیں کہ جو اِس قوت کے ظہور کا منبع ہیں۔ اِس خیال ہو کہ اُس کی قدر ہمیشہ بلحاظ ایک مجموعہ قوانین اور سلسلہ تعلیم مذہبی کے اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیے جو اُس نے اُن لوگوں کی عادات و اعتقادات میں کیں جنہوں نے اُس کو طوعاً خواہ کرہاً قبول کیا۔

کینن ٹیلر نے اپنے آغاز کلام میں یہ بیان کیا کہ ہم کو یہ اقرار کرنا چاہیے کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصّہ میں بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت مذہب عیسوی کے زیادہ تر کامیاب ہی۔ نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لانے والوں کے زیادہ تر ہیں بلکہ مذہب عیسائی بعض ملکوں میں درحقیقت اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہی۔ اور مسلمان قوموں کو معتقد بنانے کی کوششیں ظاہرا بالکل ناکامیاب ہوئی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا وہاں قدم نہیں جما سکتے ہیں بلکہ ہم اپنے آپ کو بچانے میں بھی ناکامیاب ہوتے ہیں۔ مذہب اسلام اسوقت مراکو سے جاوا تک اور زنگبار سے چین تک پھیلا ہوا ہی اور وسط افریقہ میں بیحد تیزی سے پھیلتا جاتا ہی۔ وہ سلسلہ وار بحر روم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہی۔ اور بڑی تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جاتا ہی۔ ہندوستان میں یورپین شائستگی جو ہندو مذہب کو دور کر رہی ہی۔ ساڑھے چھبیس کرور میں سے پانچ کرور آدمی ہندوستان میں اسوقت مسلمان ہیں۔ اور افریقہ میں آدھے سے زیادہ۔ مذہب عیسوی اپنی گرفت میں خوب مضبوط نہیں ہی۔ اور ہندوستان اور افریقہ میں اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہی۔ اور جیسکا میں حبشی جو کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اوبی ایزم کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ کہا جا سکتا ہی کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایک دفعہ اسلام قبول کر لیتی ہی پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتی۔ اور نہ عیسائی مذہب کو قبول کرتی ہی"۔

کینن ٹیلر نے آگے اِس امر کی آزمایش کے طور پر کہ اسلام کے اصولوں میں ایسی کیا بات ہی کہ جو اُس کو نئے معتقد بنانے اور اُن کو اُسپر قایم رکھنے کی عجیب طاقت دیتی ہی یہ بیان کیا کہ یہ اقرار کرنا چاہیے کہ اگرچہ اسلام اعلےٰ درجہ کی مہذب قوموں کے بالکل ناموافق ہی مگر وہ وحشی قوموں کے مہذب بنانے اور ترقی دینے کی بہت زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ وہ ترقی کی جانب ایک قدم ہی۔ لیکن بہت زیادہ اونچا قدم نہیں ہی جیسے مذہب عیسائی بہت ہی زیادہ عالیشان ہی۔ اسلام نے تہذیب پھیلانے میں مذہب عیسائی سے بہت زیادہ کوشش کی ہی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں مشنریوں کے بیانات سے کسی قدر بدگمان ہوں۔ لیکن انگریزی عہدہ داروں یا اور سیاحوں کے جو پادری نہیں ہیں مثل ڈن پوپ ہینسی۔ گیلٹن۔ پال گریو۔ طامسن۔ سیڈ کے عملی نتایج کی

لگے ہیں اِسلیئے اِسبات کا دیکھنا باقی ہے کہ یہ حالت کبتک قایم رہے گی۔ اب مغربی افریقہ اور وسط سوڈان کیطرف
جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم وہاں بالکل اِسکے برخلاف حالت دیکھتے ہیں یعنی یہاں اسلام بطور ایک زندہ جاندار قوت
کے جاری ہے۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ کے جوش اور مستعدی سے بھرا ہوا ہے اور نیز وہ اُس قسم کی عجیب کامیابی کے ساتھ
جو اُسکے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی تھی اور شخصوں کو اپنا معتقد بناتا ہے۔ یہاں اُسکا وعظ برابر صحرائیوں کے بازاروں
میں اور وادی نائیگر کی ذلیل مردم خوار قوموں میں کیا جاتا ہے جبکہ جب طریقہ میں مذہب عیسوی کے حامی بردہ فروشی
کی برائیوں کو مذہب اسلام کے ذمہ لگانے کے واسطے کوشش کرتے ہیں اُسی کے ساتھ وہ بذریعہ قوت اور زور کے
اُس کامیابی کی نسبت جو اسلام کو مغربی وسط افریقہ میں حاصل ہوئی ہے اصلی واقعات کو چھپاتے ہیں!!! چونکہ وہ کسی
خوبی کو بجز اِسکے جو اُن کو مذہبی ذریعوں سے معلوم ہو اور کسی خوبی کو نہیں پہچان سکتے ہیں اِسلیئے وہ افریقہ کے باشندوں
کے حق میں اُسکی ترقی کو بطور ایک ہولناک مصیبت اور آفت کے قرار دینا چاہتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں (جیساکہ
بچپن سے اُنہیں سکھلایا گیا ہے) کہ مذہب اسلام صرف آگ اور تلوار کے ذریعوں سے شایع ہو سکتا ہے۔ وہ نہایت
خوشی سے اُس غریب خوف زدہ حبشی کی تصویر کھینچتے ہیں جو سر بزانو کھڑا ہوتا ہے اور اُسکے پیچھے اُسکے جھونپڑے میں
آگ لگی ہوتی ہے۔ اور اُس کی عورتوں اور بچوں کو جنگلی گردنوں میں پھانسی لگی ہوتی ہے جو خونخوار آدمی غلام بنانے کے
لیئے کھینچے پھرتے ہیں۔ اور ایک شیطان صورت مسلمان برہنہ شمشیر لیئے ہوئے اُس کے سر پر کھڑا ہوتا ہے اور یہ
بات کہتا ہے کہ وہ موت قبول کرے یا قرآن" یہ ایک پرانا خیال اِسبات کا ہے کہ مذہب اسلام کس طرح پر جاری کیا جاتا
ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک ایسا خیال ہے جو پچھلی نسلوں سے چلا آتا ہے۔ خوش قسمتی سے مجھکو بطور خود
اور مختلف طریقہ میں حالات کے مشاہدہ کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا ہے۔ متوسط سوڈان اور مغربی سوڈان
میں مذہب اسلام کی سب سے بڑی فتوحات صلح جو اور سادہ ذریعوں سے حاصل ہوئی ہے یعنی زمانہ گزشتہ میں فیلانی
گلہ بانوں کے ذریعہ سے۔ اور زمانہ حال میں مستعد اور اولو العزم حشا یا نیوب کے تاجر کے ذریعہ سے بارھویں صدی
کے قریب سے گلہ بان اپنے مذہب کو جھیل چنہ سے بحر انطلانطک پھیلانے مین معروف رہے اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا
ہے کہ پچھلی صدی کے خاتمہ پر تمام ملک میں چھوٹی چھوٹی مسلمانی جماعتیں قایم ہو گئیں۔ وہ بت پرستی کی اطاعت ترک
کرنے اور خدا کی وحدانیت کا اعلان کرنے کے واسطے صرف ایک رہنما کے محتاج تھے چنانچہ اِس صدی کے شروع
میں فرد یو رہنما پیدا ہوا۔ اور ایک نہایت قلیل عرصہ میں مذہب اسلام ملک کے ایک وسیع حصہ میں بطور حکمران مذہب
کے جاری ہو گیا اور اُس نے وحشی قوموں میں ایسا جوش پیدا کیا جس نے نہایت حیرت انگیز نتیجے پیدا کیئے ہیں۔
پچھلے برسوں میں مذہب اسلام کی اشاعت کا خاص ذریعہ جیساکہ میں سابق میں بیان کر چکا ہوں قوم حشا یا نیوب
کا تاجر رہا ہے۔ یہ حبشی تاجر اپنے کام کے تقدس کی بدولت ہر ایک قوم میں اپنے خاص گھر سے سیکڑوں میل
کے فاصلہ کے اندر گھس جاتا ہے اور وہ وحشی بت پرست کے ساتھ اُسی طرح ملتا ہے جیسے کہ خاص اپنی نسل کے آدمی
کے ساتھ اور وہ اُسی مکان میں سوتا ہے اور وہیں کھانا کھاتا ہے۔ وہ ہر ایک مقام پر اپنا مذہب ساتھ لیجاتا ہے۔

اِس سے آگے کپتان ٹیلر نے اپنے اِس بیان کی تفصیل کی ہی جو غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دی گئی ہی۔
مسٹر جوزف طامسن لکھتے ہیں "چونکہ میں نے مشرقی اور متوسط اور مغربی افریقہ میں مختلف طور کے حالات دیکھے بھالے ہیں جہاں کہ میں نے مذہب عیسوی اور مذہب اسلام کو حبشیوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھا ہی اِسلئے میں اپنے خیالات کے سنے جانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ آپ کے بعض کارسپانڈنٹوں نے یہ بیان کیا ہی کہ مشرقی افریقہ اور وادی نیل میں تم مذہب اسلام کو اُس کی سچی رنگتوں میں بردہ فروشی اور ذلت اور جبر کے تمام طریقوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہو" اِس سے زیادہ بے بنیاد بیان خیال میں نہیں آسکتا میں بلا تامل یہ بات کہتا ہوں (اور میں مشرقی اور وسط افریقہ کے حالات کے ایک زیادہ تر وسیع تجربہ کی رو سے بہ نسبت اُسکے جیسا کہ آپ کے کسی کارسپانڈنٹ کو حاصل ہی گفتگو کرتا ہوں) کہ اگر بردہ فروشی ترقی پر ہی تو اُسکا سبب یہ ہی کہ مذہب اسلام اِن ملکوں میں جاری نہیں کیا گیا ہی۔ اور اِسکی سب سے زیادہ قوی وجہ یہ ہی کہ مذہب اسلام کے شایع ہونے سے یہ مراد ہوتی کہ بردہ فروشی کا انسداد لازم آتا حبشیوں کو مذہب اسلام کا وعظ اِس وجہ سے نہیں کیا جاتا ہی کہ مسقط کے عرب اپنے غلاموں کے پکڑنے کے مقامات کو قایم رکھنا چاہتے ہیں اِسکے برخلاف عمل کرنے سے وہاں کے باشندوں کو مثل مسلمان بھائیوں کے سمجھنا پڑتا جہاں کہ اُن کو غلاموں کے پکڑنے کی اُمید تھی۔ اِسی طریقہ میں آپ یقین کریں کہ ہمارے بہت سے عیسائی تاجر اپنی تجارت کے مقامات میں اپنے مذہب کے مشنریوں کے داخل ہونے کی نسبت نہایت سخت مزاحمت کرتے اگر یہ بات ثابت ہوتی کہ دیسی باشندوں میں مذہب عیسوی کا اعتقاد "جین" شراب کے صرف کثیر کے ساتھ کچھ تناقض نہیں رکھتا ہی لیکن بعض اوقات کسی قوم کے مذہب کی نسبت مغالطہ کا ہونا جبکہ وہ بخوبی سمجھ میں نہ آئے آسان ہی۔ علاوہ اِسکے بڑے فخر کے ساتھ یہ اشارہ کیا گیا ہی کہ "محمد کا مذہب بر اعظم افریقہ کے مشرقی حصہ میں نہیں پھیلتا ہی" یہ بالکل صحیح ہی میں نے ابھی ایک قوی وجہ بیان کی ہی اور ایک دوسری اہم وجہ بھی موجود ہی۔ اسلام مثل مذہب عیسوی کے ایک غیر قوم کے ذریعہ سے دیسی باشندوں میں پھیلایا جاتا ہی۔ اور یہ ایک ایسی قوم ہی جو ہر طرح پر اُن سے برتر ہی اور جو اُن کو وحشی آدمی قرار دیتی ہیں مسقط کے عرب اور حبشی کے درمیان ایک وسیع کھاڑی ہی اور وہ اُسکے عبور کرنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہی اور حبشی اُس قوم سے اِس طرح پر علیحدہ ہونے کی وجہ سے اُسکے مذہب یا اُسکے طریقوں کے سیکھنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہی لیکن جس حالت میں کہ میں بلا تامل اِس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی وسط افریقہ میں بردہ فروشی اِسوجہ سے ترقی پر ہی کہ وہاں مذہب اسلام جاری نہیں ہی تو میں اِسیطرح دعوے کیساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ اِس مذہب نے جسکو لوگ اِسقدر برا بھلا کہتے ہیں وہاں ایک بڑا فائدہ پہنچایا ہی یعنی اُس نے شراب کی تجارت کو پھیلنے نہیں دیا ہی۔ زنجبار میں سلطان اِس تجارت کو نہیں روک سکتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی قوموں نے تجارت کے باب میں کسی قید کے قایم کرنے کی نسبت اعتراض کیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے سلطان ممدوح کو اپنے خاص ملک میں ابتک اپنے مذہب کے قواعد کے جاری کرنے میں زیادہ تر اختیار رہا ہی۔ اور اِسطرح پر اُنھوں نے اُن کالے آدمیوں کی بداخلاقی کے روکنے میں جو بہ آسانی بہک جاتے ہیں بڑی مدد دی ہی۔ مگر چونکہ اب جرمنی کی "شائستگی کے رہنما" اِس ملک میں وارد ہونے

اُن کی شہوات نفسانی کی اجازت دینے سے فریب دیا" فی الحقیقت میرے نزدیک فرنگستان کی کیا ہی خوش قسمتی ہوتی اگر بموجب حکم الٰہی دین عیسوی میں بھی اِن کی ممانعت ہوجاتی" پھر تھوڑا سا آگے چلکر لکھتے ہیں کہ "میری رائے ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قماربازی وغیرہ کی ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہ ہوجاتی اور اگر حضرت عیسےٰ اپنے علم غیب سے جو بزعم لوگوں کے اُن کو حاصل تھا اور جس کا محمد کو دعویٰ نہ تھا منشی چیزوں کی ممانعت کردیتے بجز اُن صورتوں کے کہ جن میں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اُس سے کچھ برائی زیادہ نہ ہوجاتی۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں ——— اگرچہ بالطبع عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم جو کچھ انہوں نے اسلام کی تائید میں لکھا ہے وہ ہماری نہایت شکرگزاری کا مستحق ہے" وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کی نسبت جو بات نہایت بار بار کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کے اِس قدر کامیاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اِس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہے جسکے معنی گویا یہ ہیں کہ ایک مذہب اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے بھی دائمی کامیابی حاصل کرسکتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی اخلاقی حالت میں کامل عیسائیت کے برابر ہے۔ کیونکہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عربوں کے لئے نئے خصائل وعادات تجویز نہیں کئے اور یہ اُن کی دانائی تھی کیونکہ عربوں کے خصائل وعادات کو یکایک بدل دینا یا محو کرڈالنا ممکن نہ تھا۔ سولن (ایک مشہورترین یونانی مقنن اور حکیم تھا) نے اپنے قوانین کی نسبت کہا ہے کہ "گو میرے قوانین ایسے نہیں ہیں جو بہترین کہے جاسکیں۔ مگر البتہ وہ اتھینز کے لوگوں کی حالت کے لحاظ سے اُن کے لئے بہترین قوانین ہیں"۔ اور اُسکا یہ جواب عموماً صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

موسےٰ نے عادات و رسوم ملکی مثل اختیارات سردار قوم۔ قتل عام۔ خونی دشمنیاں۔ تعدد ازدواج اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا اور بجائے بالکل موقوف کرنے کے صرف اُن کی نہایت شدید برائیوں کی اصلاح کردی اور اِسطرح پر بلاارادہ کسی رسم کو تو پہلے سے زیادہ مستقل اور کسیکو ایسا کردیا جو آخرکار مٹ جائے۔

اسیطرح مذہب عیسوی نے اپنے زمانہ کے کل قومی یا پولیٹکل رسوم و دستورات کو ملیامیٹ نہیں کیا مسیح نے صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیرووں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بودے تاکہ جب وقت آئے وہ قبیح رسوم و دستور خود بخود مٹ جائیں۔ اُس نے یہ ارادہ کرکے کہ میں بیج بوؤں اور لوگ اُس کا پھل کھائیں۔ اور میں محنت کروں اور لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔ زمین میں۔ رائی کا بیج ڈالدیا جو کسی دن ایسا عظیم الشان درخت ہوجائے جس کی شاخیں دنیا پر چھاجائیں اور پتے قوموں کے لئے برکت ہوں۔ ایک نہایت عالیشان ضبط اور نفس کشی کے ساتھ یہ خیال کرکے کہ یہ سلسلہ مذہب آئندہ زمانہ میں نہایت ترقی پاجائے گا مسیح نے اُس وقت خاص کا خیال چھوڑدیا اور سلطنت روم کی سخت برائیوں مثل فتوحات ممالک غیر ظلم امفی تھیٹر اور غلامی کو جو اُس کی روح پر صدمہ پہنچاتی ہونگی بُرا بھلا نہ کہا۔ بلکہ ایسے الفاظ کہے جنکے معنی غلطی سے یہ لگائے گئے کہ ہر حالت میں دوسروں کی اطاعت واجب ہے۔ اور یہ کہ لوگوں کو قوانین ملک سے اطاعت کے سوا اور کچھ سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ محمد بانی مذہب نے بھی

اور اُس کی خاص خوبیاں خارج از قیاس اور بہ فضیلت مسایل کے باعث سے تاریک نہیں ہوتیں۔ وہ اُسی قدر مسائل جانتا ہے جن کو اسکاٹ پرست بھائی سمجھ سکتا ہے یا اُن کی پیروی کرسکتا ہے۔ یہ تاجر ایک مہینہ یا چھ مہینے یا سال بھر وہاں رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں لوگ اُسکے عمدہ کپڑوں کی نہایت تعریف کرتے ہیں۔ اور اُس کی تقلید کرنا شروع کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں دیکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کی اُن کو توقع نہ ہو سکے۔ اور اُسکے مذہب میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی ہے جسکو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں۔ اس طریقہ میں شائستگی اور اسلام کے بیج جابجا ان وحشی قوموں میں پڑ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ملک میں سیکڑوں کارخانوں کی آواز برابر گونجتی ہے۔ اور صبح اور دوپہر اور شام کو کلمہ اسلام بلند ہوتا ہے۔ اور جو زانو سابق میں پتھروں کے روبرو جھکتے تھے۔ وہ اب خدا کے روبرو جھکتے ہیں اور وہ ہونٹ جو ایک بھائی کے گوشت کے مزہ سے خوش ہوتے تھے اب اُس کی عظمت اور رحم کے تسلیم کرنے میں مصروف ہیں۔

اگر اسلام ہمیشہ اس قسم کے پرامن ذریعوں سے جاری نہیں کیا گیا ہو تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے کیا ہم کو قریب اٹھارہ صدی کے اسباب نئے دیکھنے کے واسطے درکار نہیں ہوئے ہیں کہ ہمیں اور شخصوں کو زبردستی اپنا مذہب قبول کرانے کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے پس کیا تعجب ہے اگر سرگرم حبشی مذہب کے جاری کرنے والے بعض اوقات اپنے غیر معتقد اور بر ضد بھائیوں میں اپنے مذہب کی برکتیں زبردستی جاری کرنا چاہیں؛ انتہی قولہ

پھر ایڈ گہارٹ صاحب مورخ لکھتے ہیں کہ اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف و فضیلت کو قیامت تک کافی ہے۔ اور اُن سب اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا انتظام سیاست قایم ہو گیا ہے۔ جس کی قوت و متانت کے سامنے اور سب انتظامات سیاست ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی عین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل۔ وحشی تنگ مایہ و کم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع اُن ممالک میں شایع ہو گئی جو سلطنت قاہرہ روم کبیر سے کہیں عظیم و وسیع تھیں جبتک اس شرع میں اس کی اصل کیفیت باقی رہی اُس وقت تک کوئی چیز اُسکا مقابلہ نہ کر سکی؛

مسٹر گاڈفری ہیگنس لکھتے ہیں کہ "مورخوں نے بیان کیا ہے کہ محمد کے زمانہ کے پیشتر اہل عرب میخواری اور قماربازی کے نہایت عادی تھے۔ مگر اُن کے دو حکموں کی وجہ سے شراب و قماربازی کا رواج قطعاً موقوف ہو گیا۔ گو اُنکو ذریعہ شہوت رانی اپنے رفقا کا الزام لگایا گیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قماربازی ایسے کبیرہ جرم قرار دیئے گئے ہیں جو معافی کے لائق نہیں۔ اور جنگی بیخ کنی ایکدم سے کر دی گئی۔ اُن کے پیرووں کی کل شہوات نفسانی اور تعصب اور عادات کی بندش کر دی گئی ہے ضرور ہے کہ سب کو ترک کریں ورنہ اُنکے تابع نہیں ہو سکتے" وہ لکھتے ہیں کہ گبن درست کہتا ہے کہ جس عیش و عشرت سے لیلی للہائے اُس کی تکلیف دہندہ قیدوں کو بلاشبہ رندوں اور منافقوں نے اُٹھا دیا ہے۔ مگر اس واضع قانون پر جس نے کہ اُس کو بنایا یقیناً انصاف کی رُو سے اسبات کی تہمت نہیں ہو سکتی کہ اُس نے اپنے مریدوں کو

حقایق سے بحث ہی اور یہ امر محقق ہی کہ غلامی بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہی بلکہ اُس نے عیسائیت کی رو سے جائز ہونیکا دعوےٰ اِس اُنیسویں صدی تک بھی کیا ہی۔

بحیثیت ایک اخلاقی اور قانونی مجموعہ کے اسلام کا مقابلہ بہ نسبت عیسائیت کے جیسا کہ میں نے اسوقت کیا ہی یہودیت کے ساتھ کیا جانا زیادہ ترقرین انصاف ہی کیونکہ تہذیب و شائستگی۔ خصایل و عادات اور روحانیت کے لحاظ سے محمدؐ کے زمانہ کے عرب بہ نسبت اُن قوموں کے جنپر عیسائیت اپنا اصل قبضہ کرنے والی تھی بنی اسرائیل سے زیادہ ترمشابہ تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے تعدد ازواج کو روکنا تو کیا اُسپر کوئی حد بھی نہیں لگائی۔ ائمہ دین اور جج اور بادشاہ تمام اِس رسم کے پابند تھے اور جو لوگ اُن میں زیادہ عالی رتبہ اور زیادہ تر روحانی خیالات رکھتے تھے وہ بھی اِس رسم کے باب میں اُن لوگوں سے کچھ کم نہ تھے۔ وہ شخص جس کا خدا کا سا دل (حضرت داؤد کی طرف اشارہ ہی) اور وہ بادشاہ جس کی دانائی اور شان و شکوہ کے گیت اب تک بہت سے مشرقی ملکوں میں گائے جاتے ہیں (یعنی حضرت سلیمانؑ) اِس رسم کے ایسے پیرو تھے کہ اُن سے وہ مسلمان سردار بھی جنہوں نے قرآن کے قوانین کو توڑ ڈالا اور اپنی وحشیانہ خواہشیں پوری کرنے اور شان و شکوہ ظاہر کرنے کی ہوس میں روایات کے معنوں میں یہانتک تاویلیں اور کھینچ تان کی کہ وہ اپنی حد سے باہر ہوگئیں بمشکل سبقت لیجا سکتے ہیں۔ محمدؐ مشرقی سوسائٹی کی کل رسموں کو نہیں بدل سکتے تھے۔ البتہ جو کچھ اُن سے ہوسکا وہ اُنہوں نے کیا۔ کم سے کم اُنہوں نے اتنا تو ضرور کیا کہ اس غیر محدود رسم کو محدود بنا دیا اور نیز طلاق کے باب میں جو سخت بے پروائی تھی اُسکی بھی اصلاح کی"۔ (انتہیٰ قولہ)

ایزک ٹیلر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت بحث کرتے ہوئے قصبہ وولور ہیمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو اپنی رائے حسب ذیل بیان کی کہ "وہ بڑی عملی مشکلیں افریقہ کو اعتقاد پر لانے کے لئے ہیں یعنی تعدد ازواج اور خانگی غلامی۔ محمدؐ نے اِن کی ممانعت نہیں کی جیسا کہ موسیٰؑ نے بھی نہیں کی تھی۔ یہ ناممکن ہوتا لیکن اُس نے (محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اُن کی برائیوں کو ہلکا کر دینے کی کوشش کی۔ غلامی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں ہی۔ وہ بطور ایک اضطراری بُرائی کے محمدؐ نے جائز رکھی تھی جیسا کہ موسیٰ اور سینٹ پال نے کیا تھا۔ تعدد ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہی۔ موسیٰ نے اُس کو نہیں روکا اور داؤد جس کا خدا کا دل تھا اُسکو عمل میں لایا۔ اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہی اگرچہ اُسکے اصلی منشا کے برخلاف ہی۔ محمدؐ نے تعدد ازواج کی بیحد اجازت کو محدود کر دیا۔ صرف ایک عورت سے شادی کرنا شاذ و نادر نہیں ہی۔ بلکہ سب سے زیادہ تہذیب یافتہ مسلمان ملکوں میں یہ ایک عام قاعدہ ہی۔ ہم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ رسم تعدد ازواج معہ اپنی تمام برائیوں کے اُسی کے ہموزن فوائد بھی رکھتی ہی۔ اُس نے دختر کشی کی رسم کو بالکل موقوف کر دیا ہے۔ اور ہر ایک عورت کا ایک قانونی ولی اُسی کے سبب سے ہوتا ہی۔ تعدد ازواج کے سبب مسلمانوں کے ملک پیشہ ور عورتوں سے جو کہ مذہب سے خارج کر دی گئی ہیں بالکل بری ہیں۔ اور یہ تمام عیسائی ملکوں کی زیادہ تر رسوائی

علاوہ ایک مقنن اور مدبر بھی تھے۔ پس کیا وجہ ہی کہ جو عذرات ہم سہوتن کے لیئے جائز قرار دیتے ہیں اور جو تعریف کہ ہم شریعت موسوی کے محدود احکام کی کرتے ہیں اسلام کے لئے اُن سے انکار کیا جائے۔ ذاتوں کی تفریق کے بعد تعدد ازدواج فی الواقع سب سے زیادہ خرابی پیدا کرنے والی رسم ہے جو ایک ایسی قوم میں جاری رہ سکتی ہی جو اپنی ترقی کے ابتدائی درجوں کو طے کر چکی ہو۔ اس سے محبت شہوات نفسانی کی ذلیل صفت میں منتقل ہو جاتی ہی اور اس طرح سے مرد و عورت میں تمام روحانی تعلق منقطع ہو جاتا ہی۔ یہ سوسائٹی کی بنیاد کو خراب کر دیتی ہے۔ کیوں کہ خاندان ہی تمام پولٹیکل اور سوشیل نیکویوں کی اصل ہی اگر محمد اس بد رسم پر جھاڑو پھیر دیتے تو وہ اُس بار احسان کو جو اُن کی طرف سے تمام ایشیائی دنیا پر ہے دوگنے سے بھی زیادہ کر دیتے۔ لیکن میں نہیں خیال کر سکتا کہ اگر بالفرض اُن کو اسکی پوری پوری بُرائیاں معلوم بھی ہو جاتیں تب بھی وہ ایسا کر سکتے۔ تعدد ازدواج ایک ایسی رسم ہی جو ایسے ایسے عمیق اسباب سے پیدا ہوتی ہی کہ کوئی مصلح قوم خواہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو اُس کو اپنی زبان کے الفاظ یا قلم کی حرکت سے دور نہیں کر سکتا۔ بت پرستی کے دور کرنے میں جیسا کہ میں نے پچھلے لکچر میں کہا ہی محمد خاص عربستان میں ایک تاریخی نظیر وحدانیت آلہی کے اعتقاد کی رکھتے تھے اور ایک موجودہ مذہبی خیال بھی اُن کی تائید کے لئے موجود تھا جسکی امداد سے فائدہ اُٹھانے میں اُنہوں نے کوتاہی نہیں کی لیکن رسم تعدد ازدواج کے منع کرنے میں اِس قسم کی کوئی بیرونی امداد وہ نہیں پا سکتے تھے۔ کیوں کہ عرب کے عالی خیال لوگوں میں بھی مطلق کوئی خیال ایک عورت سے شادی کرنے کی تائید میں نہ تھا۔ نہ خود عورتیں اپنی اس حالت پر ایسی ہی قانع تھیں جیسے کہ خداوند۔ پس مثل ایک ٹھیٹ عرب کے محمد نے تعدد ازدواج کی رسم کو بطور ملک کی ایک موجودہ رسم کے قایم رکھا مگر مصلح اور مقنن ہونے کی حیثیت سے بہت سے قاعدے اُس کی برائیوں کے گھٹانے کے لئے بنا دیئے۔ لیکن اس بنا پر یہ کہنا کہ اسلام رسم تعدد ازدواج کا جواب وہ ہی اُسی قدر خلاف انصاف ہی جس قدر یہ کہنا کہ مذہب عیسوی غلامی کا جواب وہ ہی۔ انجیل میں بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی کی نہیں ہی بلکہ اِس کے برخلاف اُس میں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے قبول کیا گیا ہی۔ اور پولوس نے ملکوں کے ساتھ نوکروں کے فرایض (جنکو اُس نے غلاموں کے سخت نام سے مخاطب کیا ہی) ایسی ہی صراحت سے بیان کیا گیا ہی جیسا کہ مالکوں کے فرائض کو اُن کے ساتھ۔ مگر اِس بنا پر کوئی عیسائی یہ قبول نہیں کرنے کا کہ اُسکے مذہب نے غلامی کو جائز رکھا ہی یا اُسکے لئے ذمہ دار ہی کیوں کہ اُسکو یہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ جس درجہ کی انسانیت کی تعلیم انجیل میں ہر مقام پر دی گئی ہی وہ غلامی کو ایک عرصہ دراز تک قایم رکھنے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور بذاتہ اول تو فرداً فرداً عیسائیوں اور پھر عیسائی قوموں کی حالت کی نظیر اُسے اُس امر کے لیئے کافی ہے کہ غلامی کی موقوفی کو جیسا کہ آخر کار اُس نے اب کیا ہی حاصل کرے۔

پس غلامی عیسائیت کے صرف ساتھ ساتھ چلی آئی ہی۔ مگر اُس میں مل نہیں گئی جیسے دریائے آرو کا گدلا پانی دریائے رہون کے صاف و شفاف پانی سے دونوں دریاؤں کے باہم ملجانے کے بعد بھی دور تک ممیز چلا جاتا ہے شاید یہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہی کہ عیسائیت اور غلامی ایک عرصہ کے لیئے بھی کسطرح اکٹھی رہیں لیکن ہم کو تو

کے عرب جنکو یہ یقین تھا کہ مرنے کے بعد کسی نہ کسی قسم کی آئندہ زندگی ہوگی عورت کو اُس سے بالکل خارج سمجھتے تھے اور بہت سے لوگوں (عیسائیوں) نے یہ خیال کیا ہی کہ محمدؐ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن قرآن کہتا ہی کہ جو شخص نیک عمل کرے اور سچا ایماندار ہو خواہ مرد ہو یا عورت بہشت میں داخل ہوگا۔ ایک بڑھیا عورت ایک دفعہ نبی عربیؐ کے پاس آئی اور اُن سے درخواست کی کہ دعا کرو کہ میں بھی بہشت میں داخل کیجاؤں۔ محمدؐ نے جواب دیا کہ کوئی بڑھیا عورت بہشت میں داخل نہ ہوگی۔ یہ سنکر جب وہ رونے لگی تو محمدؐ مسکرائے اور اُس مہربانانہ ہنسی کے طور پر جو اُن کی عادت تھی فرمایا "کوئی بڑھیا عورت بہشت میں نہ جائے گی کیونکہ وہاں سب دوبارہ جوان ہوجائینگی"۔

یہ کہا جاتا ہی کہ خاوندوں کو چاہیے کہ اپنی جوروؤں سے محبت کریں انجیل کا حکم ہی نہ کہ قرآن کا۔ مگر سنو! وہ الوداعی خطبہ محمدؐ کا جو اُنہوں نے کوہ عرفات پر جو حاجی جمع ہوئے تھے اُن سے مخاطب ہوکر اپنی وفات سے ایک سال پہلے فرمایا تھا "یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حقوق تم پر ہیں۔ اپنی بیویوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ فی الحقیقت تم نے اُن کو اپنی زوجیت میں خدا کی کفالت کے ساتھ لیا ہی۔ اور خدا کی حکم سے وہ تمہارے لیئے جائز ہوئیں۔ نبی عربیؐ کا ذاتی خیال طلاق کے مروجہ دستور کی نسبت نہایت خوبی کیساتھ اُس مقولہ میں مندرج ہی جو روایات میں اُن سے منسوب کیا گیا ہی یعنی "مخلوقات الٰہی میں کوئی چیز غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ مجھکو پسند اور طلاق دینے سے زیادہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی قبول کرنا چاہیئے کہ اِس معاملہ میں اُن کا نمونہ ایسا ہی عمدہ ہی جیسا کہ اُن کا حکم۔ جو کچھ کہ محمدؐ نے عورتوں کی بہتری کے لیئے کیا وہ صرف یہی رعایتیں نہیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں۔ بلکہ تعدد ازواج کی نسبت سخت قوانین کی قید لگانے اور اُس قوی اخلاقی خیال کے پیدا کرنے کے علاوہ جو اِن قوانین سے بعد میں پیدا ہوا وہ اِس زمانہ تک کے مسلمانوں کے ملکونکو اُن پیشہ ور عورتوں سے (جو اپنی ذلیل حالت میں رہتی اور اپنے وجود سے اُس سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کے لیئے دائمی ملامت کا باعث ہوتی ہیں جس میں وہ ہوں) ایک ایسے بڑے درجہ تک پاک کرنے میں کامیاب ہوا جیسا اور کسی ملک میں کبھی نہیں ہوا۔ میں اِس امر کو فراموش نہیں کرتا کہ محمدؐ نے نہایت بے درجہ کی حالت میں خاوندونکو اپنی عورتوں کو بدنی سزا دینے کی اجازت دی ہی بشرطیکہ وہ اعتدال کے ساتھ دیجائے۔ اور یہ کہ اُس نے عورتوں کے لیئے پردہ کا حکم یا اجازت دی ہی۔ اور یہ کہ اپنے لیئے اُس نے تعدد ازواج کی اُس حد کو توڑ ڈالا جو اُس نے اوروں کے لیئے لگائی تھی۔ اور یہ کہ اُس نے جنگ سے قید میں آئی ہوئی عورتوں کو حرم بنانا جائز قرار دیا۔ اور میں بخوبی قبول کرتا ہوں کہ اُس کے پیروؤں نے بہ نسبت اُس کی تعلیم کے اعلےٰ حصوں کی پیروی کی اِن ناقص حصوں کی پیروی اور اطاعت کرنے میں بہت زیادہ مستعدی ظاہر کی۔ مگر تاہم میں بھروسہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ بمقابلہ بت پرست مذاہب کے بلکہ یہودیت کے بھی محمدؐ نے عورتوں کو اُن کی پہلی حالت سے بہت زیادہ ترقی دی اور اِس طرح پر اُن کے شکریہ کے مستحق ہوے۔ (انتہی قولہ)

مسٹر باسورتھ اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ محمدن ازم" میں لکھتے ہیں کہ "اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت اسلام نے

کا باعث ہیں بہ نسبت تعدد ازواج کے جو کہ اسلام کے لیئے ہی۔ اور ٹھیک طور سے باقاعدہ بنائی ہوئی رسم تعدد ازواج مسلمانوں کے ملکوں کی عورتوں کو بہت کم ذلیل کرنے والی اور مردوں کے لیئے بہت کم نقصان پہنچانے والی ہی۔ بہ نسبت اُس ناجائز رسم تعدد شوہروں کے جو عیسائیوں کے تمام شہروں کا وبال ہے اور جو اسلام میں بالکل نہیں پائی جاتی۔ ہم کو خبردار ہونا چاہیے کہ شاید ایک برائی کو بوقت دور کرنے میں ہم اُسکی جگہ ایک اُس سے زیادہ بڑی برائی کو قایم کر دیں۔ انگریز جن کو ایک عورت کے لیئے کئی خصم ہونے پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں پر جو کہ جوروؤں کے تعدد کو پسند کرتے ہیں طعن کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمکو قبل اسکے کہ کسیکی آنکھ کے تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہیئے (ماخوذ از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ ۸ اکتوبر ۱۸۷۷ء)

اگر کسی مذہب کی سچائی رکھنے کے لیئے اس امر کو معیار قرار دیا جائے کہ اُس نے اُس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں سے کیا رعایت کی اگر غربا و مساکین اور مظلوم لوگوں کے لئے کیا کیا تو محمدؐ کا مذہب بیشک اس آزمایش کی برداشت کرسکتا ہی۔ نبیؐ عربی نے ان دو باتوں کے لیئے جو قانون بنائے وہ مشرکین بلکہ بعض حالتوں میں یہودیوں کے طریقہ سے بہت زیادہ عمدہ تھے۔ زیادہ جاہلیت کے عرب جتنی جوروئیں چاہتے تھے کر لیتے تھے مگر قرآن نے شرعی طور پر اُن کی تعداد کو صرف چار پر محدود کر دیا۔ اُن میں طلاق خاوند کی صرف طبیعت کی ایک ترنگ پر منحصر تھا۔ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے مہر اور نیز تمام حقوق زوجیت سے محروم ہو جاتی تھی مگر قرآن حکم دیتا ہی کہ مہر ہر حالت میں واپس دیا جائے۔ اور اس امر کا یقین حاصل کرنے کے لیئے کہ طلاق کے عمل میں لانے یا طلاق دیکر دوبارہ زوجیت میں لے لینے کے باب میں (جسکو کہ نبیؐ عربی بخلاف اپنے ہموطنوں کے بہت اہم اور قابل اعتراض حرکت خیال کرتے تھے) صرف تلون مزاجی نہیں ہوئی بلکہ کامل غور اور خوض کی گئی ہی اُس نے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو اپنی عورت کو ایک بار طلاق دے چکا ہو اُس کو دوبارہ زوجیت میں نہیں لے سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی اس غافلانہ بیرحمی کا کچھ کفارہ ایک غلام آزاد کرکے نہ دے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب خاوند یا باپ کی ملکیت میں عورت کو کوئی حق نہیں دیتے تھے۔ اس بنیاد پر کہ جو شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا وہ ملکیت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ مگر قرآن حکم دیتا ہی کہ عورتوں کو حق وراثت حاصل ہی مثلاً بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ پہنچتا ہی زمانہ جاہلیت کے عرب متوفی خاوند کی جورو کو اُسکے وارث کا حق سمجھتے تھے جو اکثر عورتوں کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا محمد عربی نے اس قسم کی تمام شادیوں کو برا کہا جو اُن سے پہلے عام طور پر کی جاتی تھیں۔ اُس زمانہ کے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دبا دیا کرتے تھے جیسا کہ عرب کی اس مثل سے ظاہر ہی کہ عورتوں کو پہلے سے دوسری دنیا میں بھیجدینا فائدہ مند ہی اور سب سے بہتر داماد۔ قبر ہے" اور جو دو شخصوں کی نئی شادی ہوتی تو اُن کو یہ مبارکباد دیجاتی کہ "تم سدا اتفاق سے رہو اور تمہارے بیٹے ہوں مگر بیٹی نہو" اسی قسم کے خیالات کا ظاہر کرنا تھا۔ محمد عربی نے نہایت سختی کے ساتھ اس بیرحمانہ طریقہ کو منع فرمایا اور کہا کہ وہ لڑکی جو زندہ زمین میں دبائی گئی ہی قیامت کے روز یہ سوال کرے گی کہ میں کس گناہ میں قتل کی گئی۔ زمانہ جاہلیت

اگر کوئی یہودی اپنے غلام کو یہاں تک ستائے کہ اُس کو جان سے مار ڈالے تو اُسکے لیے صرف ایک سزا کا حکم تھا لیکن اگر وہ اِس سزا کی حالت میں ایک یا دو دن تک زندہ رہی تو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ انجیل کے انگریزی ترجمہ میں خوفناک سخت الفاظ میں اِسی مطلب کو یوں بیان کیا گیا ہی کہ "غلام اپنے مالک کا روپیہ ہے" یعنی جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے۔ امریکہ کی اُن سلطنتوں میں جن میں غلامی جائز تھی۔ غلام کو کوئی حق قانونی حاصل نہ تھا۔ اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں سے نیک برتاؤ کرتا تھا تو یہ صرف اُسکی انسانیت سمجھی جاتی تھی نہ کہ اسلام کی طرح کہ اُسکے (یعنی مالک کے) نہایت عروج کی حالت میں بھی عدالت کو اجازت تھی کہ اُس کو غلام پر مہربانی کرنے کے لئے مجبور کر سکے تمام انسانوں کا خدا کی نظر میں برابر ہونا ایک ایسا اصول تھا جس پر محمدؐ نے ہر ایک مقام پر زور دیا ہی اور اِس طرح پر چونکہ یہ اصول غلامی کی نسبت ذات وغیرہ کے خیال کو بالکل مٹا دیتا تھا اسلئے غلامی کی ذلت کو بھی رفع کر دیا۔ محمدؐ کے نزدیک محنت کرنا ذلت کا موجب نہ تھا۔ اور ملک عرب کی رسم غلامی (جس میں محمدؐ کی مہربانی سے والدین اور بچوں اور عزیزوں کا ایک دوسرے سے جدا کیا جانا بالکل موقوف تھا) اگرچہ اصولاً ہمیشہ بُرا کہنے کے لائق ہی لیکن اُسکی وجہ سے غلامی ایک زیادہ تر مستحکم اور زیادہ تر مستقل تعلق ہو گیا جو گھر میں دوسرے لوگوں سے خدمت لینے کے اُس طریقہ سے جو اور ملکوں میں جاری تھا کچھ زیادہ بُرا نہیں کہا جا سکتا"۔

چنانچہ سر جان مالکم صاحب آنجہانی سابق سفیر ایران و گورنر بمبئی باوجود اُس تشدد و تعصب کے جو اُنہیں اپنے مذہب میں ہی اپنی بے نظیر تاریخ ایران کے بائیسویں باب میں لکھتے ہیں کہ "بالجملہ محمدؐ را خلقی نیکو و فصاحتے حاضر و شجاعتے باہر و حکمتے وافر بود۔ دراں وضع کہ ملک خود را دید و اسبابے کہ جہت انتشار شریعت و استقرار حکومت خود فراہم آورد اگر کما ینبغی ملاحظہ شود ہم اعدائے او را لازم ہست کہ اقرار کنند کہ حقوق احسان او بر اعراب ثابت است۔ در اول اظہار نبوت او بیشتر اعراب جہال و بت پرست بودند و رسوم فواحش در میان ایشاں شیوع داشت۔ از انجملہ کشتن اطفال اناث بود۔ در ملک بعداوت و اختلاف و در خارج بہ اہانت و استخفاف مے زیستند۔ چوں بشریعت او گردن نہادند و بہ بندگی یک خدا گرویدند۔ اتفاق مذہب منشائے اتفاق ملت شدہ در اندک وقتے بر بہترین بلاد روئے زمین استیلا یافتند"

مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار دی محمد اینڈ قرآن" میں لکھتے ہیں کہ "جب ان معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کیجائے تو بجز اِسکے کچھ چارہ نہیں ہے کہ اُس پر نہایت دل سے توجہ کی جائے۔ اِس امر میں بھی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہی۔ اور بنظر غور کی ہی۔ اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو اِس تحقیقات میں اکثر اوقات متردد اور صرف اثبات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں بلکہ اثبات کا اعتقاد کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا"۔

اِس عالی حوصلہ مصنف نے یہ بھی لکھا ہی کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہی کہ جن شخصوں

گیا کیا۔ چنانچہ اِس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اُسکے باب میں بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا گیا۔ بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون بنایا گیا اُس کی بہ نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی کی گئی۔ بیشک محمد نے غلامی کو بالکل ہٹا نہیں دیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ایسا کرنا نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ ممکن ہی تھا۔ لیکن اُنہوں نے لوگوں کو غلاموں کے آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے وہ آزاد سمجھا جائے۔ اور اِس سے بھی زیادہ تر اہم بات یہ کی کہ اُنہوں نے حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اِس سبب سے کہ اُس نے محبت و مشقت سے ایک دیانتداری اور عزت کی زندگی بسر کی ہو ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اور اُن کی نسبت جو حالت غلامی میں ہوں یہ حکم دیا کہ اُن کے ساتھ مہربانی اور ملائمت سے برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے اخیر اپنے الوداعی خطبہ میں جو اپنی وفات سے ایک سال پہلے بمقام منا پڑھا تھا کہا کہ "اے مسلمانو تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا پہناؤ جیسا کہ خود پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اُن کو ستانا نہیں چاہیئے۔ پس ایک غلام جو قانون اور نیز اعلےٰ درجہ کے احکام مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ اُن معنوں کے لحاظ سے جو لفظ غلام کے اِس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ غلام ہے قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ جو جملہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے وہ یہ ہے "وہ تمہارے دائیں ہاتھ کے قبضہ میں ہیں" جسکے معنی صرف یہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہو کر آئے ہوں اور اِس طرح پر اپنی آزادی سے محروم ہو گئے ہوں۔ ایسے قیدی اگر مسلمان ہو جاتے تھے تو اُن کی نسبت یہ حکم تھا کہ آزاد کر دیئے جائیں لیکن اگر اپنے مذہب پر قایم رہتے تھے تو آپ کا حکم اپنے معتقدوں کے لیئے یہ تھا کہ پھر بھی تم اُنہیں اپنا بھائی سمجھو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ "جو مالک اپنے غلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خدا ہوگا۔ اور جو اپنے اختیار کو بُرے طور پر استعمال میں لائے یعنی غلام کو ستائے وہ داخل بہشت نہ ہوگا۔ ایک مسلمان نے اُن سے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے اُسے کتنی بار مجھے معاف کر دینا چاہیئے نبی عربی نے جواب دیا۔ "ایک روز میں ستر دفعہ" محمد نے ایک نیم شائستہ ریاست کے سردار کی طرح قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جسکے اِس طرح پر اولاد ہو جائے اُس کی نسبت یہ حکم دیا کہ وہ اولاد سے جدا نہ کی جائے۔ اور نہ وہ پھر بیچی جائے۔ بلکہ مالک کے مرجانے کی حالت میں آزاد سمجھی جائے۔ یہ رحیمانہ قوانین جیسے کہ اُمید کی جا سکتی ہے قوانین شریعت موسوی کے موافق ہیں لیکن بہت سی باتوں کے لحاظ سے اُن سے بہتر ہیں۔ بلکہ ایسے ہیں کہ کسی یورپین یا امریکن بردہ فروش سلطنت نے اپنے مجموعہ قوانین میں اُس وقت تک درج نہیں کئے تھے جب کہ عیسائیت کی موج نے (انسانیت و شائستگی کی موج لکھتے تو معقول ہوتا) غلامی کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہو جاتا تھا اُسکی نسبت (شریعت موسوی کا) یہ حکم تھا کہ "جب وہ اپنی غلامی کا زمانہ پورا کرلے تو آزاد سمجھا جائے" لیکن وہ عورت جس سے اُسکے مالک نے اُسکی شادی کر دی ہو مع بال بچوں کے اُس سے جدا کر لیجائے اور غلامی میں رہیں۔ جو مسلمان مالک اپنے غلام پر بے وجہ خفا ہو اُس پر واجب ہے کہ اُسکو فوراً آزاد کر دے۔ مگر بخلاف اُسکے

کسی شخص کو اُس کا کچھ بھی خیال نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی۔ اُس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈال دینے والا ہے جس وقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُس کے خیالات بار آور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ہیں۔ یہی عرب اور یہی محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے میں کس مپرس ریگستان تھا۔ مگر دیکھو کہ اُس ریگستان نے زور شور سے اُڑ جانیوالی باروت کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کر دیا۔"

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے"۔ اسلام کی نسبت اپنی رائے لکھی ہے کہ اسلام نے اطفال کُشی کا انسداد کر دیا جو اُس زمانہ میں قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی۔ گو عیسائی مذہب نے بھی اُس کو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اُس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا جو اُس ملک کی پرانی جاہلیت کی رسم تھی۔ اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف انہیں لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو اُس کے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا۔ اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا۔ اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا۔ اسلام نے مذہب کے معتقدوں کو اِس بات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو یا مذہبی کام کے لیے جبراً روپیہ دیں اور تمام لوگوں کو اِس بات سے کہ غالب مذہب (اسلام) کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا۔ اسلام نے فرقہ فتحمند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دے دیئے جو اُس کے یعنی مفتوحہ مذہب کے پابند تھے اور اُن کو ہر ایک قسم کی پناہ دی۔ اسلام نے مال کی حفاظت کی۔ سود لینے اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی اور اِن باتوں کو صرف ہدایت ہی نہیں کی بلکہ اُن کو پیدا کیا۔ اور قایم کر دیا۔ حرامکاری کو موقوف کر دیا غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی۔

یہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ "جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اِس قدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ اُن کی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اُس کی نسبت اِس طرح پر دلیلیں کی جائیں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کی فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں گنجائی ہیں یا تو اُن کی نسبت یہ کہا جائے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بمجبوری ربانی

نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے مابین بطور ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مُور یعنی اہل بربر تھے جو خلفائے عباسیہ اور بنی اُمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم ادب ابتداءً ایشیا سے یورپ میں آیا تھا۔ اُس کا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہ بات معروف و مشہور ہی کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا۔ اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اسکے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیئے کہ تمام علوم طبیعات ہیئت۔ فلسفہ۔ ریاضی جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداً عرب کے علما سے حاصل ہوئے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں"۔

اسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہی کہ یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہی کیوں کہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جس کو فریقین جہاد کہتے تھے قطع نظر کی جائے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈال انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہوگئی جسکے باقیماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادی کی نہایت بڑی اور عالیشان عمارت کی بنیاد قایم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیئے کہ وہ محمد کے پیرووں کے (جو قدیم اور زمانۂ حال کے علم ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں فنون اور علوم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی اُنہیں کی کوششوں سے شایع ہوئیں"۔

"فاضل محقق مسٹر جیمبر اپنے انسائکلوپیڈیا میں لکھتا ہی کہ "ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لیئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اُسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علے العموم نویں صدی سے تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لیئے روشنضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں خاندان عباسیہ کے خلفا کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہی۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُس کو پناہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تاریخ۔ جغرافیہ۔ تاریخ عام۔ صرف نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی (جسکی تعلیم پرانے اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہوگئیں جن میں سے اکثر اُس وقت تک جاری رہیں گی، و تعلیم دیجائیں گی جبتک نسلیں تعلیم پانیکے واسطے پیدا ہوتی رہینگی"۔

مسٹر طامس کارلایل متوفی اپنی کتاب "لکچرز آن ہیروز" میں اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اُسکے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور

سولھواں باب

آیۂ۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

دنیا میں جب تمدن کی بنیاد پڑی تو سب سے پہلے ایسے اصول معاشرت انسانی کے لئے بنائے گئے جن سے باہمی نفرت دور ہو اور میل جول کا رابطہ بڑھے بغیر ربط و اتحاد کے کبھی تمدن نہیں قایم ہو سکتا۔ اسلام سے پہلے جتنی متمدن اقوام دنیا میں گزری ہیں اور اپنے زمانہ عروج میں اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اُن کے تمدنی اصول ایک دوسرے سے بہت سی صورتوں میں مطابقت کھاتے ہیں۔ جھوٹ بولنا چوری کرنا۔ زنا کرنا چغلی کھانا قتل کرنا ہر عصر میں یکساں بُرا ہوتا چلا آیا اور دنیا کی کسی ذلیل سے ذلیل قوم نے بھی اسکی تعریف نہیں کی۔

مرز و بوم اور آب و ہوا کے اختلاف پر بھی ان عیبوں میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوتی۔ مشرق نے چور کے لئے جو سزا تجویز کی ہے وہی مغرب میں تجویز ہو چکی ہے چغل خور سے جیسی نفرت مشرق کرتا ہے اسی طرح مغرب بھی بالکلیہ اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اگرچہ مشرق اور مغرب میں بعد المشرقین ہے پھر بھی اصول تمدن میں ایک دوسرے کی ہم آہنگی کرتے ہیں اور اُن میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔

توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے دنیا میں آکے کس طرح بتدریج تمدن میں ترقی کی اور رفتہ رفتہ کن مدارج اعلےٰ پر پہنچ گیا۔ پہلے اُس کی وحشیانہ حالت میں تنزل ہوتا گیا اور اخیر ہوتے ہوتے وہ کامل انسان بن گیا۔ اگر ہم اسلام سے کئی صدی اُدھر کا کھوج لگائیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آغاز اسلام سے صدہا قرن پہلے تمدن کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اگرچہ اُس تمدن میں بعد ازاں انحطاط شروع ہو گیا تھا اور انحطاط سے قومی تنزل کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے تو بھی وہ جبتک قایم رہا اچھی حالت میں رہا اور اُس کا ڈنکا چاروانگ عالم میں بجتا رہا۔ دنیا کا یہی نقشہ ہوتا رہا ہے ایک قوم پیدا ہوتی ہے۔ بڑی ہوتی ہے عروج کو پہنچتی ہے اور پھر مر جاتی ہے اور پھر اُس کی جگہ دوسری اقوام لے لیتی ہیں۔ چونکہ یہی فطرت عالم ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے نہیں واقع ہوتی اسی طرح ان قومی تنزلوں اور بربادی کے بھی اسباب ہیں اگرچہ اُن میں خفیف سا اختلاف ضرور ہے لیکن اخیر میں مل سب جاتے ہیں غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جو اسباب ایک قوم کے تنزل کے ہیں وہی اسباب دوسری قوم کی بربادی کے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ظاہر طور پر اختلاف مرز و بوم کی وجہ سے ان اسباب میں بین اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ان کی اندرونی حالت یکساں ہے اور سب کی بنا ایک ہی صورت پر روز ازل سے رکھی گئی ہے۔ خداوند تعالےٰ نے تمدن انسانی کے لئے جو اصول ایجاد کئے ہیں اُن سے انحراف کرنے والے کی سزا سزائے قتل ہے۔ قضا و قدر کے دفتر سے فوراً ایسی قوم خارج کر دی جاتی ہے جو قدرتی اصول تمدن سے انحراف کرے اور اس معاملہ میں نہ کسی ملک کی رعایت ہے اور نہ کسی قوم کی اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک بلند دیوار بحر ناپیداکنار میں کھڑی

مرضی کی طرف منسوب کیا جائے۔ باایں ہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونکدی۔ اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُس نے بنا دیا جو اعلےٰ درجہ کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنے ترین لوگوں سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم کو جس نے اُس کو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فایق کر دیا جنسے اُس کا میل ہوا۔"

اے خاتم النبیین تو برحق ہے اور تیری بزرگی کل کائنات سے زیادہ ہے۔ یہ تیرا معجزہ ہے کہ دشمن بھی تیری مدح سرائی کرتے ہیں۔ تیری ہدایت کا نور اگرچہ مشرق میں طلوع ہوا لیکن اُسکی روشنی مغرب میں بھی پہنچی۔ تیری بے انتہا بزرگی کو تیرے مخالفین نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔

نام لیوا تیرے گو سب ہو گئے ہیں خوار و زار ۔۔۔ شان اگلی سی نہیں اب اُن میں باقی زینہار
ہے ندیم اُنکی مصیبت اور غم اُن کا جلیس ۔۔۔ بنگئی ہے بس پریشانی گلے کا اُن کے ہار
خانماں برباد و ناکام و دل حرماں نصیب ۔۔۔ شور بخت و شوم طالع بس پریشاں روزگار
سلطنت کیسا کھو بیٹھے وہ کل اوصاف بھی ۔۔۔ ہائے بدبختی کہ تو روتا ہے اُنپر زار و زار ؎

تو پھولیگا پھلے گا اور ترقی کرے گا۔ تیرے ماننے والوں کی بداعمالی۔ تجھ میں کوئی نقص نہیں پیدا کر سکتی۔ تیرا جلال اور جبروت اے اسلام ابد تک قایم ہو۔ آمین ثم آمین ؎

پھر چند روز میں اُس کا نام و نشان مٹ جاتا ہے اور کل خاندان کیا تو صفحہ ہستی سے مٹجاتا ہے یا اگر زندہ رہتا ہے تو اُسکی حالت گداگری تک پہنچ جاتی ہے۔ پہلی شریعتوں میں صرف سودخواروں کی بُرائی کی گئی ہے لیکن شریعت اسلامی چونکہ کامل ہے اِسلیئے اِس نے دونوں پہلو تاریک دکھائے ہیں اور دونوں پہلوؤں سے نفرت کی ہے یعنی اُس نے سود دینا اور لینا حرام کردیا ہے۔

ہزارہا سال سے سود کو خوفناک نظروں سے دیکھا گیا ہے مثلاً پندرہ زبور میں یہ لکھا ہے "اے خداوند تیرے خیمہ میں کون رہیگا تیرے کوہ مقدس پر کون سکونت کریگا وہ جو سیدھی چال چلتا ہے اور صداقت کے کام کرتا ہے اور اپنے دل سے سچ بولتا ہے وہ جو اپنی زبان سے چغلی نہیں کھاتا اور اپنے ہمسائے سے بدی نہیں کرتا اور اپنے پڑوسی پر عیب نہیں لگاتا وہ جس کی نظر میں نکما آدمی خوار ہے وہ اُنہیں جو خداوند سے ڈرتے ہیں عزت دیتا ہے وہ جو اپنے ضرر پر قسم کھاتا ہے اور بدلتا نہیں وہ جو سود کیلئے قرض نہیں دیتا اور بیگناہ کے ستانے کیلئے رشوت نہیں لیتا وہ جو کرتا ہے کبھی نہیں ٹلیگا"۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے منجملہ اور عیبوں اور گناہوں کے سودخواری کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ دنیا میں نہ صرف یہ اور گناہوں کا مساوی ہے بلکہ اُن سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کے ہے۔ ہر گناہ اور ہر جرم ایک حد تک گناہ کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے اور سودخواری کا اثر عام طور پر خاندان اور شہر پر پڑتا ہے اور اِس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ صرف گھر ہی نہیں گاؤں اور قصبے بلکہ شہر بھی اِس سے برباد ہوگئے۔ دہلی میں غدر کے بعد سے شہزادوں کے قلیل وظیفے مقرر ہوگئے تھے۔ اور یہ وظیفے ایسے تھے اگر زیادہ احتیاط کیجاتی تو دو وقت نہ سہی ایک وقت تو روٹی پیٹ بھر اُن مدت العمر مل سکتی تھی لیکن سودخواری نے اِن تنخواہوں کو غصب کرلیا اور آج یہ صورت نظر آتی ہے کہ تنخواہیں بجائے شہزادوں کے مہاجنوں کی تھیلی میں چلی جاتی ہیں کیسی خطرناک چیز ہے جس کا کھانا اور کھلانا دونوں زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے کھلانے والوں کا تو ستیاناس ہو ہی جاتا ہے لیکن کھانے والے بھی جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں سُکھ سے نہیں رہے۔ کل حمیدہ خصائل کا اُن میں بیج مارا جاتا ہے اور شرافت انسانی کی ہوا تک نہیں لگتی معصوموں پر کبھی رحم نہیں آتا اور نہ رانڈوں کی آہ و زاری پر ترس کھایا جاتا ہے طبیعت میں حرص اِس قدر بڑھجاتی ہے کہ کمبخت تمام عمر تڑپتا رہتا ہے اور اُس کی زندگی کا کوئی زمانہ آسائش اور آرام سے نہیں بسر ہوتا۔ اپنی اولاد کا بدخواہ اپنے ہمسایوں کا دشمن اور مظلوں کا بُرا تکنے والا یہ اُس کی ادنےٰ صفتیں ہوتی ہیں اُس کی زندگی حریص جانور سے بھی بدتر ہے اُس کا مرنا جینا یکساں ہے۔ اُسکی پیدایش ایسی منحوس ہے کہ تمام عمر اُسکی روح اُسکے جسم میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی ہے اور کمبخت قبل از وقت نہایت ناکام حالت میں دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔

سودخواری کا اثر تمام تمدن اقوام پر یکساں پڑتا ہے اور قدرت نے متمدن اور وحشی اقوام کے لیئے اِس کا یکساں اثر رکھا ہے۔ اسلام میں بہت سی ایسی حکایتوں کا پتہ ملتا ہے جو سود خوروں کی برائی میں بیان کیگئی ہیں اُن حکایتوں

ہوئی ہے اور کل قومیں اُس پر دوڑ رہی ہیں۔ دیوار کی چوڑائی اوپر سے صرف اسی قدر ہے کہ آدمی نہایت ہوشیاری سے دوڑ سکے۔ ہوشیار شخص برابر چلا جاتا ہے اور دونوں پہلوؤں کی پانی کی موجیں اسکے دل میں کوئی خوف و ہراس نہیں پیدا کرسکتیں مگر جو چوکا اور پانی میں آرہا اتنے بڑے سمندر میں گرنے کے بعد پھر اُس کا بچنا محال ہے۔ ابتدائے زمانہ سے دنیا کی یہی کیفیت رہی۔ صدہا قومیں آئیں ابتدا میں اُن کی رفتار ہوشیاری کی رہی وہ برابر دوڑتی گئیں مگر جہاں اعضا میں سستی اور خیالات میں انتشار پیدا ہوا اور فوراً قدم بہکا اور دریائے فنا میں غرق ہو گئیں۔ بہت غور کے بعد معلوم ہوا کہ جو اصول تمدن الہامی کتابوں میں ملتے ہیں وہ ہرگز انسان کے قائم کئے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ انسان اگر اُنہیں بناتا تو وہ دیرپا کبھی نہ ہو سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ وہ خود فانی ہے جب فانی چیز کسی کو بنائیگی تو اُس میں بھی فنا کا مادہ ضرور ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی اصول سے انحراف کرنے پر سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔ یہ دو ایسی زبردست وجہیں ہیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ معاشرت و تمدن انسانی کے جتنے اصول مدون ہوئے ہیں ان کی تدوین کرنے والا رب العرش کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ مثلاً جھوٹ بولنا۔ چوری کرنا۔ چغلی کھانا۔ قتل کرنا۔ ان باتوں کو آغاز دنیا ہی سے ناجائز افعال سے تعبیر کیا اور اب تک کئی ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی یہ باتیں اُسی بُری نظر سے دیکھی جاتی ہیں جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے دیکھی جاتی تھیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ان باتوں کو اتنی بقا ہوئی اور کیوں ان میں یہ رنگ پایا جاتا ہے کہ یہ فنا ہی ہونے والی نہیں ہیں؟ اس کا جواب صرف یہی دیا جاسکتا ہے کہ ان باتوں کی موجد وہ ذات ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے اسی نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسکے ہمیشہ کام آنے والی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ فنائے دنیا کے بعد بھی ان باتوں کی پرسش قیامت کے دن رب العرش کی عالی بارگاہ کے آگے ہوگی۔ اس سے زیادہ مداومت اور قدامت اور کیا ہو سکتی ہے۔

اُن ہی اصول تمدن میں جو خداوند تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں ایک اصول ربوٰا بھی ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے کل اصول کا سرتاج اور اصلی تمدن اور اتحاد و سرسبزی انسانی کا بانی ہے۔ دنیا کی ابتدائی قوموں میں اسے بُرا سمجھا گیا ہے اور مثل دیگر عیبوں کے جو اتحاد قومی اور امن کے مخالف ہیں ربوٰا بھی شمار ہوا ہے جس ربوٰ کی برائی کی گئی ہے اور جس کو تمدن اور امن کے لیئے زہر ہلاہل بیان کیا گیا ہے اب بھی اس کی وہی کیفیت ہے۔ ربوٰا خوار انتہا درجہ سنگدل اور کنجوس ہوتا ہے اور اکثر ربوٰا خواروں کی زندگی نہایت ذلیل اور قابل شرم حالت میں بسر ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں اگر حساب لگایا جائے کہ ربوٰا خوار ہر سال کتنے مارے جاتے ہیں تو اُن کی تعداد اور مقتولوں سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ ربوٰ نہ صرف لینے والے کے حق میں زہر ہے بلکہ شریعت اسلامی کے فیصلہ کے مطابق سود دینے والے کے حق میں بھی سم قاتل ہے۔ سود دینے والے ہمیشہ برباد ہوتے ہیں اور اخیر سود خوار کو مار کے خود بھی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ آج ایک خاندان اپنی دولتمندی کے لحاظ سے ممتاز گنا جاتا ہے اور اہل شہر اس خاندان کے ہر ممبر کی تعظیم کرتے ہیں مگر جہاں سود دینے کا مرض اسمیں پھیلا

آگے اِس سود نے وہ خوفناک رنگ اختیار کیا ہے کہ سخت تعجب ہوتا ہے۔

اِس کی وجہ سوا اِس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ سود خوار کے مظالم اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور جس قصائی پنے سے یہ ظالم سود خوار نوع انسانی کے محتاج یا ضرورتمند افراد کو ذبح کرتا ہے اور اُف نہیں کرتا اُسکی مثال ملنی ممکن نہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائدادوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے ہری ہری کھیتیاں اُس کے ناپاک قدموں کے نیچے پائمال ہو جاتی ہیں اور صدہا خاندان برباد اور صدہا رانڈیں اور یتیم بے پناہ ہو جاتے ہیں۔ یہ مظالم دیکھ دیکھ کے سود خوار کی برائیوں کا مبالغہ مسلمانوں میں بڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ شافع روز محشر کی شفاعت سے محروم کر دیا گیا۔

اب شریعت پر نظر کرتے ہیں تو اور ہی نقشہ نظر آتا ہے یعنی بانئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود خوار اور سود کھلانے والے کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور ایک ہی قسم کی سزا کا مستحق بنایا ہے۔ اگر سود خوار کی قبر میں کیڑے پڑینگے تو سود دینے والے کی قبر بھی کیڑوں سے نہیں بچ سکتی اگر سود خوار کو سانپ اور بچھو لپٹیں گے اور شیر ہیں اُس کی گوشت پوست نوچ نوچ کے کھائیں گے تو سود دینے والے کا بھی یہی درجہ ہوگا اگر قیامت میں سود خوار ذلیل کیا جائے گا تو سود دینے والے کی بھی یہی کیفیت ہوگی غرض دونوں کو ایک ہی ترازو میں رکھا ہے اور کہیں بھی سخت وعید سے ایک کے مقابلہ میں دوسرے کو نہیں بچایا ہے شریعت نے کسی قسم کی مجبوری سود دینے والے کی تسلیم نہیں کی اور نہ اُسے کسی حالت میں معذور رکھا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سود دینے والا عام طور پر کیوں بے گناہ اور مظلوم گنا جاتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اُسے اُن جرائم سے بری کر دیا جو شریعت غرا نے اُس پر قائم کئے ہیں۔ بانئ شریعت اسلامی کے آگے کسی کی مجال نہیں جو نئی بات پیدا کر کے ایک کو عزیز اور ایک کو ذلیل قرار دے۔ شریعت جب ایک بات کا فیصلہ کر چکی پھر کس کی طاقت ہے جو اُس فیصلہ کو توڑے اور نئی شریعت قائم کرے مگر نہیں یہ دلیری اور ہمارے پیشواؤں نے شریعت غرا کے خلاف یہ فیصلہ دیدیا کہ سود کھانا حرام ہے لیکن سود دینا حرام نہیں ہے اگرچہ اس امر کا کوئی تحریری فتوےٰ ابتک شایع نہیں ہوا لیکن طرز عمل اس بات کو بتا رہا ہے کہ سود دینا کوئی ناجائز امر نہیں ہے بڑے بڑے مولوی۔ مشائخ۔ اولیا۔ حافظ۔ حاجی متقی اور پرہیزگار شریعت کے اِس جرم میں گرفتار ہیں لیکن اپنے خیال میں اپنے کو بیگناہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُن کی بڑی غلطی ہے وہ شریعت کے فیصلہ کو کسی صورت سے بھی نہیں توڑ سکتے اور اُن کی مجال نہیں ہے کہ حدود اللہ سے باہر قدم نکالیں۔ یہ وہ عالی بارگاہ ہے کہ کوئی شخص تیز نظروں سے اِسکی طرف نہیں دیکھ سکتا اگر ذرا بھی بے ادبی کی نظریں اُٹھائے فوراً آنکھیں نکال لیجائیں یہاں بڑے بڑے قہار شہنشاہوں کے سر نیچے ہیں اور بڑے بڑے سرکش پا بزنجیر اِسکی دہلیز پر پڑے ہوئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ حدود اللہ کو عام مسلمانوں نے کیوں توڑ ڈالا اور کیوں آزادی سے باہر پھرنے لگے۔ کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے حکم رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت اور انقطاعی حکم کو پس پشت ڈالدیا اور کیوں اُنہوں نے دیدہ و دانستہ شریعت کے حکم کی یہ توہین کی۔ توہین کرنے کے یہی معنی ہیں کہ انہوں نے اِس حکم پر توجہ نہیں کی اور سب پڑی

کی صحت اور غیر صحت کی بحث مطلق نہیں ہو صرف دیکھنا یہ ہو کہ اسلامی تمدنی حالت کس اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی ہو کہ سودخواری نہ صرف دائمی جہنم کی وارث بنا دیتی ہو بلکہ دنیا میں بھی سودخوار کی زندگی کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو۔ ان متعدد حکایتوں میں کہیں سودخوار کو ناپاک اور غلیظ بیان کیا گیا ہو اور کہیں اسے دشمن نوع انسانی سمجھ کے اُس سے احتراز کیا گیا ہو اُسکے مال کو لحم خنزیر سے تعبیر کیا گیا ہو اور اُسکی برائی میں یہانتک مبالغہ کیا گیا ہو کہ سودخوار کا ہمسایہ بھی بخشا جائے گا۔ اُس کی قبر میں سانپ اور بچھوڑے گئے ہیں اور اسے حشر میں سب سے ذلیل درجہ دیا گیا ہو۔ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اُسے محروم کر دیا ہے یہانتک کہ اسلام کے دائرہ سے اسے مطلقاً خارج کر دیا گیا ہو۔ ہم نے ایک بزرگ کی کتاب میں دیکھا کہ ایک سود خوار نے کسی ولی اللہ کی دعوت کی ولی اللہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص سودخوار ہو لیکن جب اُن کے آگے کھانا رکھا گیا اور وہ نوالہ بنا کے منہ میں رکھنے کو تھے کہ فوراً اُنہیں سود کی بدبو کھانے میں سے آئی ولی اللہ نے فوراً نوالہ رکابی میں رکھدیا اور اپنے میزبان سے کہا کمبخت تونے مجھے بڑا دھوکا دیا یہ تو سود کے روپیہ کا کھانا تھا جو تونے مجھے کھلایا میں ہرگز یہ لحم خنزیر نہ کھاؤں گا یہ کہکے بزرگ ولی اللہ نے کھانے سے دست کشی کر لی ان کے ساتھ جتنے اُن کے مرید تھے سب نے دست کشی کی۔ یہ صورت دیکھ کے سودخوار کے ہوش اُڑ گئے وہ ان بزرگ کا دلی معتقد تھا قدموں پر گر پڑا اور کہا اللہ کوئی ایسی بات کیجئے کہ میرا کھانا پاک ہو جائے کیوں کہ آئندہ سے میں توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ ایسا کبھی نہ ہوگا اور میں مدت العمر سود نہیں کھانے کا۔ اپنے مرید یا معتقد کی یہ حالت دیکھ کے بزرگ کو بھی رحم آ گیا اُنھوں نے معہ اپنے اور مریدوں کے قاضی الحاجات کی درگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے دعا مانگ نہ چکے تھے کہ وہ قبول بھی ہو گئی اور ولی اللہ نے علی الاعلان کہدیا کہ تیرا سارا کھانا اور کل روپیہ جو تونے سودخواری سے کمایا ہو پاک ہو گیا اور پھر ولی اللہ نے معہ اپنے مریدوں کے بطیب خاطر کھانا کھایا اور آئندہ سے سودخوار نے سود لینے سے احتراز کیا۔ مسلمانوں میں عام طور پر تشدد اس بلا کا ہو کہ سودخوار کے گھر کا پانی مثل شراب کے حرام سمجھا گیا ہو ایک حکایت اسی قسم کی بعض کتابوں میں دیکھی گئی ہو کہ ایک غریب مسلمان مسافر پیاس سے تڑپ تڑپ کے مر گیا لیکن سودخوار کے ہاتھ سے اُس نے پانی نہ پیا کیونکہ کسی شخص کے ذریعہ سے اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص سود کھاتا ہو۔

یہ حکایتیں خواہ صحیح ہوں یا غلط ان سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہو کہ مذہبی نظر میں سودخواری کس قدر ناقابل معافی جرم خیال کیا گیا ہو۔ اور عام نگاہوں میں شریعت کے کل ممنوعات سے اس کا درجہ بہت ہی بڑھا دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اسلام کا تمدنی اور اخلاقی اصول کس اعلےٰ پایہ پر پہنچا ہوا ہو اور اگر اس دستور العمل پر عام طور مسلمان کاربند ہوں تو اُن کا اخلاقی پایہ کسی سے نیچا نہ رہے۔ سود کی خوفناک صورت جس طرح ان حکایتوں میں بیان ہوئی ہے اگرچہ شریعت نے اسکو اتنے مبالغہ سے بیان نہیں کیا ہو وہاں صرف حرام کا لفظ آیا ہو جس کے لئے معافی کے وعدے بھی ہیں اور حرام چیز ہرگز نہ دائرہ اسلام سے خارج کر سکتی ہو اور نہ دائمی جہنم کا وارث بنا سکتی ہو تو بھی مسلمانوں میں

انصاف سے دیکھا جائے تو فی الواقع سود خواری بہت بڑا عیب ہے، عیب ہی نہیں بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ ایک غریب شخص کو کچھ روپے کی ضرورت ہو جیسا اکثر اوقات سب کو ہوتی رہتی ہے اور اس نے کسی دوست سے مانگے۔ اخلاق اور شائستگی یا تقاضائے تمدن اور انسانیت یہ تھا کہ وہ روپیہ اُسے قرض دیدیا جاتا اور زیادہ سے زیادہ یہ ممکن تھا کہ محض اطمینان کے لئے خواہ اُس سے کوئی دستاویز لیلی جاتی یا کوئی چیز رکھ لیجاتی تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر نہیں ایک آنہ اور دو آنے فی روپیہ سود لیا جاتا ہے اور چند ماہ میں یہ نوبت ہوتی ہے کہ کمبخت مفلس رہا سہا کھو دیتا ہے اور پھر اپنی جان کے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ مظلوم سسک سسک کے جان دیدیتا ہے۔ تمدن کے معنی ساتھ ملکے رہنے کے ہیں اور سود خواری قیامت تک ساتھ ملکے نہیں رہنے دیتی۔ جہانتک خیال کیا جاتا ہے اسی قسم کا سود ہے جسکو حرام مطلق کہا گیا ہے اور جس کی اتنی برائی کی گئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی کل اقوام اس لین دین کو روا رکھتیں۔ ایسا سود جس سے طرفین کا کوئی نقصان نہ ہو اور تمدن میں بھی کچھ فرق نہ پڑے کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر اس کا تسلیم کرانا آسان نہیں ہے چونکہ مسلمانوں کے دلوں میں سالہا سال سے ایک نفرت سود کی طرف سے پیدا ہو گئی ہے اور وہ لفظ سود کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اسلئے ممکن ہے کہ اسے قبول کرنے میں چون و چرا کریں اگرچہ ان میں سود کا لین دین بکثرت رائج ہے تو بھی وہ زبان سے سود خواری کو جائز اور اپنے کو سود خوار کہلوانا کبھی پسند نہ کرینگے۔

غور اور انصاف سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ربوٰا کی کئی قسمیں ہیں اور ایک قسم سے دوسری قسم میں ایسا اختلاف ہے کہ بعض اوقات دوسری اقسام پر ربوٰا کا لفظ پسپاں نہیں ہوتا اسی وجہ سے فقہائے اسلام نے اس کو منافع سے تعبیر کیا ہے اور اس کثرت سے یہ پہلو پر بحث کی ہے کہ عام طور پر بعض معاملات سمجھ میں بھی مشکل سے آتے ہیں۔ بنکوں میں روپیہ جمع کرکے اُسکا منافع یا سود لینا کسی کو تجارت میں روپیہ دیکے اُس کا منافع علاوہ اصل رقم کے حاصل کرنا اور نقصان و نفع سے کوئی سروکار نہ رکھنا یعنی ایک شخص نے دس ہزار روپے کسی تاجر کو دیئے اور اس سے ٹھیرا لیا کہ فی صدی سینکڑہ منافع لیا پائے گا اگر تمہیں دس روپے سینکڑہ منافع ہو تو ۱۲ ہی لئے جائیں گے اور اگر آٹھ آنے سینکڑہ منافع ہو تو بارہ آنے ہی لئے جائیں گے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ روپے دینے والے نے محض تجارت میں لگانے کے لئے دیے ہیں اور قرض لینے والا شخص بھی اُنہیں تجارت ہی میں لگاتا ہے تو آیا اُس کا محدود منافع لینا جائز ہوگا یا غیر محدود۔ اگر محدود جائز ہوا تو غیر محدود کیوں نہیں جائز ہوا۔ یہ سوال ہے جو ایک فہمیدہ شخص کر سکتا ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے کہیں بھی ربوٰا کی تعریف نہیں کی اور نہ اُس کی اصلی حقیقت بیان کی ہے اسلئے فقہا کو اس کی شرح کرنے میں سخت سخت مشکلات پیش آئی ہیں اور یہ صاف معاملہ ایسا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ عام عقول تو کیا خاص عقلیں بھی اسکے سمجھنے میں قاصر ہیں اور ابھی تک دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کسی نے

سے دوسرا راستہ خود ہی تجویز کرکے اُس پر چلنے لگے اور کہا یہ ہم مجبور ہیں اسلئے ہم حق پر ہیں حالانکہ شریعت نے اُنہیں کبھی خاص اِس معاملہ میں مجبور نہیں تسلیم کیا۔ یہ ایک بہت بڑا راز ہی جس کو کسی نے تلاش نہیں کیا نہ اِس کے پانے کی کوشش کی۔ بار بار یہی سوال پیدا ہوتا ہی کہ کیوں ایسا کیا گیا اور کیا وجہ ہی کہ شریعت کا ایک فعل حرام جائز اور ناجائز بنالیا گیا۔ یہ بات کچھ موجودہ زمانہ ہی میں نہیں ہی بلکہ قدیم سے ایسا چلا آتا ہی خود حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گرو رکھی تھی جسکو حضرت عثمان غنی نے روپیہ دیکے چھٹا دیا تھا۔ اِس کا بینیک پتہ لگانا مشکل ہی کہ آیا یہ زرہ اِس وقت گروی رکھی گئی جب شریعت نے سود دینے اور لینے والوں کیلئے ایک ہی حکم نافذ نہیں فرمایا تھا یا اُسکے بعد بہر حال زرہ گرو ضرور رکھی گئی اور اُس کا سود ضرور دیا گیا۔ اِسی طرح بہت سے دیگر صحابہ نے اپنی چیزوں کو گرو رکھکے سود ادا کیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سود خور سے نفرت کرنا آغاز اسلام سے صدہا سال پہلے رائج تھا۔ یہودی زیادہ سود کھاتے تھے اور سود کا لین دین زیادہ تر یہودیوں تک محدود تھا۔ نصاریٰ میں سود خواری کی رسم کیا تو مطلقاً نہ تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم اور یہی وجہ ہی کہ تمام ممالک مشرقی اور مغربی میں یہودیوں سے نفرت کی گئی ہی۔ کئی صدی پہلے کی پُرانی حکایتیں جو انگریزی کتب میں ملتی ہیں ہمیں یہودیوں سے نفرت اور حقارت کا ثبوت دیتی ہیں۔ شیلاک یہودی کا قصہ جس نے ایک پونڈ گوشت پر ایک انگریز کو قرض دیا تھا انگریزی کتب میں موجود ہی اور اُس حکایت میں بہت سے کریہ الفاظ شیلاک یہودی کی نسبت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہودیوں کو سنگدل اور بے رحم کل اقوام نے تسلیم کرلیا ہی اور یہ سنگدلی محض سود خواری کی وجہ سے اُن میں پیدا ہوگئی ہی مغربی ممالک میں جہاں تمدن اور تہذیب نے قول ہار دیا ہے۔ اب بھی یہودیوں سے نفرت کی جاتی ہی۔ روسیہ جیسی مدعی تمدن سلطنت نے کل یہودیوں کو اپنی مملکت سے خارج کردیا۔ فرانس میں یہودیوں کے خلاف کئی بار غدر ہوچکا ہی۔ انگلستان میں بھی ابتک یہودیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مشرقی ممالک اسلامیہ میں یہودیوں کی اور بھی دُرگت بنتی ہی مراکو اور ایران میں خاص ایک لباس قانوناً اُن کے لئے علیحدہ ہے اور حکم ہی وہ اگر گھوڑے یا گدھے پر سوار ہوں تو مسلمان کو دیکھتے فوراً نیچے اُتر آئیں ورنہ اُن کا سلامت رہنا محال ہی یہ تشدد اقوام عالم کا اِس دنیا میں نہیں ہی بلکہ قضا و قدر بھی اُن سے ناراض معلوم ہوتی ہی کیوں کہ آج قوم یہود ہی ایک قوم ہی جو صاحب کتاب تسلیم کی گئی ہی اور اِسکے پاس تمام مشرق و مغرب میں ایک انچہ کے برابر زمین نہیں ہی۔ اِس میں شک نہیں کہ یہودی دولتمند قوم ہی لیکن یہ دولتمندی اُن کی حقارت کو نہیں مٹا سکتی جو قضا و قدر نے اُن کے مقسوم میں لکھدی ہی از ابتدا سے یہودی سود کھاتے تھے اور یہ سود خواری خود اِس شریعت کے خلاف اُن میں رائج تھی جو خداوند تعالےٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُنہیں عطا فرمائی تھی۔ عجیب بات یہ ہی کہ بت پرست اقوام کے ہاں بھی سود خواری ایک جرم عظیم گنا گیا ہی اگرچہ یہ قانون ٹوٹ گیا اور اب آزادی سے کل بت پرست قومیں سود کھاتی ہیں لیکن اپنے سابق کے قوانین کو نہیں مٹا سکتیں۔

میں تمدن الوقت کا زیادہ لحاظ و پاس کیا اور اس قسم کے جتنے اُن کے مسایل ہیں وہ سب ہنگامی ہیں اگر ہنگامی نہ ہوتے تو اُن کے جانشین ان مسائل سے علانیہ اختلاف نہ کرتے فقہ ایک دستور العمل ہے اُن ملکی قوانین کا جو اُس زمانہ میں مسلمانوں کے ہاں رائج تھے فقہ کے بہت سے مسائل خواہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے استنباط کیوں نہ کئے گئے ہوں لیکن ہیں سب ہنگامی اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان ایک فقیہ کے استنباطی مسایل کو ہر زمانہ اور ہر عصر میں دستور العمل بنا سکتے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے بہت سے استنباطی مسایل سے اُن کے دو شاگرد امام یوسف اور امام محمد نے مخالفت کی اور اس مخالفت سے اس گروہ کثیر نے جس کا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر عقیدہ تھا کچھ بھی مخالفت نہ کی اس کی وجہ یہ تھی کہ خیر القرون کا قریب تھا مسلمانوں کی خوش قسمتی اور اقبال کا ستارا بلند تھا اس سبب سے اُن کی عقلیں بھی روشن تھیں اُن میں روشن ضمیری بھی تھی اور وہ اسلام و قرآن کے مفہوم و اقتضائے زمانہ کو سمجھ سکتے تھے۔ اب بدقسمتی سے یہ کیفیت نہیں ہے ہم ابتدا ہی سے اُلٹی کھوپری لے کے پیدا ہوتے ہیں اور ہمیں کلام الٰہی سمجھنے کا مادہ موجودہ زمانہ میں فطرتاً ملا ہی نہیں۔ دار الحرب اور دار الاسلام کی بحث ہی لغو ہے ہندوستان نہ دار الحرب ہوا نہ ہو سکتا ہے یہ ہمیشہ سے دار الاسلام رہا اور اب بھی دار الاسلام ہے کل مسلمان گروہ اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی میں بالکل آزاد ہیں مساجد کھلی ہوئی ہیں۔ قرآنی وعظ ہوتے ہیں اور تلقین دین اسلام کو کوئی نہیں روکتا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ہندوستان کو دار الحرب کہہ سکیں تنزل قومی کی ادنے نشانی یہ ہے کہ اُس کی اخلاقی جرأت سلب ہو جائے علماء زمانہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس قسم کی سود خواری جو بنک اور تجارت سے متعلق ہو جائز ہے لیکن اخلاقی جرأت کے مفقود ہو جانے سے وہ ایک پچر دار الحرب ہونے کی اور اڑاتے ہیں اور شریعت کی اس آڑ سے عام مسلمانوں کے طعن و تشنیع سے بچنا چاہتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے ہر بات جو ہمارے دل میں ہے زبان پر ہو اور جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں اُسکے اظہار میں ہمیں کبھی باک نہ ہونا چاہیئے۔

موجودہ ہندی اسلامی تمدن کو دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں میں سود کا لین دین ہو رہا ہے اور کبھی کسی واعظ یا مولوی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا ممکن ہے کہ فی لاکھ ایک مسلمان سود کی اس داد و ستد سے مستثنےٰ کر دیا جائے مگر ایسا استثنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ دیکھئے کیا یہ سوال ہو گا کہ یہ چھ کروڑ مسلمان ابدی جہنمی ہیں اور ان کا کھانا لحم خنزیر کے برابر ہے اور انہیں شفاعت شافع محشر نصیب نہ ہو گی نہیں ایسا خیال کرنا اُمت محمدی کے اس کثیر تعداد گروہ کے ساتھ سوء ادبی کرنی ہے اور کروڑہا مسلمانوں کو ایسا سمجھنا خود جہنمی ہونا ہے۔

یہ تو مسلمانوں کی طرز عمل ہے جس سے بلاشبہ کوئی انکار نہیں کر سکتا دوسری زبانی اور تحریری ہے جس میں ہر قسم کے ربو خوار کو ہزاروں گالیاں دی گئی ہیں۔ ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس تحریری وقعت عملی زندگی کے آگے کیا ہو سکتی ہے۔ اب دوسری بحث یہ ہے کہ اگر ہم بفرض محال ہندوستان کو دار الحرب تسلیم کر کے یہاں سود کا جائز ہونا مان لیں تو اور اسلامی ممالک میں کیا کرینگے۔ ٹرکی۔ ایران۔ مراکو مصر اور افغانستان تو دار الاسلام ہیں وہاں بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو سود کی لین دین نہ کرتا ہو۔ امیر عبدالرحمن خان ممکن ہے سود لیتے نہ ہوں لیکن سود دیتے ضرور ہیں کیونکہ یورپ سے لاکھوں روپیہ کا سامان حرب وغیرہ خریدنا بغیر سود دیئے اور بنکوں سے معاملہ کرنے کے نہیں ہو سکتا۔ امیر کا روپیہ لنڈن کے بنکوں

کو کے نہیں دکھایا۔ یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں بیع کے ساتھ ربوٰ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی بیع حلال ہے اور ربوٰ حرام ہے بظاہر مطلق سمجھ میں نہیں آتا کہ بیع کو ربوٰ کے ساتھ کیا نسبت ہے اور کیوں قرآن مجید نے دونوں کو ملا کے فرمایا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کا اس میں بہت بڑا راز ہے اور اس راز کو وہی عقول سمجھ سکتی ہیں جو روح القدس کے فیضان سے فیضیاب ہو چکی ہیں۔ اس رمز کی تہ تک پہنچنے کے لئے بہت کچھ کوششیں کی گئیں لیکن اس کا حل ابھی تک نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ شریعت کا ایک مسئلہ مسلم اور دوسرا غیر مسلم ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے اور آئندہ قوم پر اسکا کیا اثر پڑے گا۔

ربوٰ خواری کے متعلق ہمیں اپنی عملی زندگی دیکھنی چاہئے ہم اس اہم مسئلہ کے متعلق عملی بحث تو پیچھے کرینگے لیکن پہلے اپنی عملی زندگی پر بحث کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں عرفاً کس قسم کی سود خواری کو بری نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور کس قسم کی ربوٰ خواری کی پروا نہیں کی جاتی۔ ایسا مسلمان جو غربا یا متوسط درجہ کے لوگوں میں اپنا روپیہ سودی چلاتا ہے یا جو گروی گانٹھا کرتا رہتا ہے اُسے عام مسلمان اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور جو حکایتیں ہم نے اوپر سود خوار کی برائی میں لکھی ہیں وہ ایسے ایسے ہی سود خواروں پر چسپاں ہوتی ہیں۔ مگر تاجروں کو جنہیں یورپی تجارت کی وجہ سے سود کا لین دین کرنا پڑتا ہے کوئی آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھتا بڑے بڑے مسلم الثبوت متقی اور صوفی اُن کی دعوتیں کھاتے ہیں اُن سے تنخواہیں لیتے ہیں لیکن کیا مجال ہے کہ وعظ میں یا اثنائے گفتگو میں سود خواری کے متعلق ہوں تک بھی کریں یا ایک حرف بھی زبان سے نکالیں یا تنخواہ لینے یا کھانا کھانے میں ناک بھوؤں چڑھائیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زبان سے نہ سہی بلکہ عمداً اس قسم کی سود خواری کو ناجائز قرار دے چکے ہیں اور سمجھ چکے ہیں کہ بغیر اُسکے چارہ نہیں اور شریعت اسلامی ایسے سود پر اعتراض نہیں کرتی دوسری صورت یہ ہے کہ جس شخص کا روپیہ بنک میں جمع ہے وہ بھی بری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ علمائے زمانہ ایسے دولتمند کی بے انتہا عزت کرتے ہیں اور کبھی اس قسم کا اعتراض نہیں کرتے جس سے بنک کے سود کے ناجائز ہونے کا خفیف سا بھی شبہ ہو۔ اخیر یہ کیوں ہے اور کیوں ایسے لوگ علما کی نگاہ میں عزیز ہیں اور کیوں علما اُن کی تعریف کرتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ اُن کو اِن ناجائز حرکات پر تنبیہہ اور چشم نمائی نہیں کی جاتی۔ وجہ سوا اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ جس طرح ہمارے علما اور عام مسلمانوں کی زندگی نے سود دینے کو جائز اور حلال قرار دیدیا اسی طرح اس قسم کی سود خواری کو جسکے ساتھ تجارت وابستہ ہو اور جس سے تمدن اسلامی میں سوائے ترقی و بہبودی کے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو طیب اور حلال کہدیا۔ اور وہ قیامت تک اپنی اس طرز عمل کو نہیں بدل سکتے۔

جب بعض علما پر اس قسم کا دباؤ ڈالا گیا کہ تم بنک کے سود اور تجارت میں سود کے لین دین پر کیوں نہیں معترض ہوتے تو اِن سے اور کچھ تو بن نہیں آئی یہ کہدیا کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے اس لئے یہ سود خواری یہاں جائز ہے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ ایک مضحکہ خیز استدلال ہے اور اس ضعیف اور بے بنیاد استدلال سے شریعت غرا کا منشا ہزاروں کوس دور ہے قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم نہیں آیا جس میں ربوٰ خواری کے متعلق ہنگامی احکام ہوں اِس قسم کی جتنی باتیں ایجاد ہوئیں وہ فقہا کی ایجاد کی ہوئی ہیں نفس قرآن مجید کے مفہوم کو اِن ایجادی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہا نے استنباط مسائل

تو کیا اُنکا ذکر بھی سننے میں نہیں آتا۔ مگر یہ شرف کلام الٰہی کو حاصل ہے کہ اُس کی حکومت اب بھی اُسی طرح پر زور ہے اور اُس کی جدت میں جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور رونق ہوتی جاتی ہے یعنی جس ربٰوخواری کو قرآن کریم نے حرام کہا ہے وہ اب بھی حرام ہے اور ہمیشہ حرام رہے گی کسی قسم کا جدید تمدن اور جدید سائنس نہ اُسے بدل سکتا ہے نہ آئندہ بدل سکے گا یہ دو قسم کے ربٰوا ہمارے لیئے پیش کیئے جاتے ہیں ایک قرآنی ربٰو ہے اور ایک فقہی ربٰو۔ اول الذکر کو ہم حرام مطلق سمجھتے ہیں اور ہم بعد تحقیق بسیار اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآنی ربٰو کو مسلمان اب بھی عملاً حرام سمجھتے ہیں۔ گو ایسے بدنصیب سنگدل مسلمان ہونگے جو غریب غربا کو دو آنے چار آنے روپیہ سود پر قرض دیکے بیچاروں کے خاندان کو برباد کرتے ہونگے اور اُنہیں ذرہ برابر رحم نہ آتا ہوگا ایسے سنگدل خبیث مسلمانوں کا شمار انگلیوں پر ہے۔ رہا فقہی ربٰوا۔ اُسے ہم حرام نہیں سمجھتے لیکن یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں وہ قطعی حرام تھا اور اُس وقت اُسکے حرام ہونے کی ضرورت بھی تھی مگر وہ زمانہ گزر گیا اب اُس کی حرمت بھی زمانہ کے ساتھ چل بسی ہر انسانی ایجاد یا تصنیف یا قول کی ایک عمر ہوتی ہے اور جب اُس کی عمر پوری ہونے کو ہوتی ہے اُسکے اعتقادات میں ضعف طاری ہو جاتا ہے اور یہ ضعف اخیر دلوں سے اُس کی حکومت مٹا دیتا ہے۔ ہزار ہا تصنیفات ہوئیں اور مٹ گئیں اور اُنہیں پرانا کہکے پھینک دیا مگر قرآن مجید میں وہی زندہ قوت باقی ہے اور اُسکی حکومت تیرہ صدی گزرنے پر بھی اُسی طرح تازہ ہے۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میں تمام فقہی بحثوں کا خلاصہ کرکے پھر ایک بسیط رائے بطور فیصلہ اس پر لکھ دوں اُمید تو پڑتی ہے کہ موجودہ غلط فہمی رفع ہو جائے گی اور میری تفسیر کا ناظر سمجھ سکے گا کہ ربٰوا خواری چیز کیا ہے قرآن نے اُس کی بابت کیا فیصلہ دیا ہے اور فقہا کیا کہتے ہیں اور موجودہ طرز عمل کیا شہادت دیتی ہے۔ یہ بحث بہت ہی دلچسپ ہوگی اور میں کوشش کروں گا کہ اس لاینحل اور مشکل بحث کو اس آسان پیرایہ میں لکھوں کہ ہر شخص معمولی لیاقت کا بھی بآسانی سمجھ لے اور اُسے تطبیق مضامین میں زیادہ پریشانی نہ اُٹھانی پڑے۔ جتنی حدیثیں اور اقوال فقہا بیان ہونگے اُن سب پر مختصر سی رائے ضرور دیجائے گی تاکہ پڑھنے والا حدیث یا قول فقہ کا اصل مفہوم سمجھ لے۔ میں نے سود کی بحث میں عمداً مفسروں کی رائے سے زیادہ مدد نہیں لی ہے کیونکہ میری رائے عموماً ایک نئے انداز اور نئے پیرائے کی ہوگی اور میں مجتہدانہ طور پر بحث کروں گا۔ کسی مفسر کی رائے کو قرآن مجید سے کوئی بحث نہیں ہے اور شریعت ہمیں مجبور نہیں کرتی کہ ہم کسی مفسر کی رائے کو تسلیم کریں۔ کلام خدا کل مسلمانوں کے لئے ہے اور اُس کے سمجھنے کی بقدر عقول ہر مسلمان کو قابلیت دی ہے یہ سخت کفران نعمت ہے کہ ہم اپنے قوائے عقلیہ کو بیکار کرکے دوسروں کے ہو کے رہ جائیں اور خود ابھی اپنی روشن ضمیری سے کام نہ لیں۔ ابھی بہت سے مطالب ہیں جو حل ہونے باقی ہیں اور ابھی ہزاروں نکات ہیں جو آئندہ زمانہ میں حل ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن خدائے بزرگ و توانا کے رازوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ ہر صدی بلکہ ہر قرن میں نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی اور قیمتی رازوں کا ایسا اظہار ہوگا کہ ہر جدید عہد کے لوگ دنگ رہجائیں گے۔

خدا اس میں میری مدد فرمائے اور جس طرح روح القدس میری مدد کرتی چلی آئی ہے اس مسئلہ میں بھی میری معاون بنے

میں جمع ہی اور امیر جیسا روشن ضمیر حکمران ایسا نہیں ہی کہ اِس روپیہ کا منافع نہ لیتا ہو سلطان ٹرکی کا بکثرت روپیہ یورپی بنکوں میں جمع ہی جس کا وہ علانیہ منافع لیتے ہیں خود عثمانی بنک قسطنطنیہ میں دولت علیہ عثمانیہ سود کا لین دین کرتی ہی اور اِس پر آجتک شیخ الاسلام نے کبھی ناجوازی کا فتویٰ نہیں دیا مصر میں علے الاعلان ربوخواری ہوتی ہے اور اکثر عمایدہ کا روپیہ مصر انگلستان اور فرانس کے بنکوں میں جمع ہی غرض ہر متمدن ملک میں بنکوں کا ہونا لازمی ہے .... اور بنکوں کے ساتھ سود یا منافع ہونا ضروری امر ہی ایران کے پایۂ تخت طہران میں انگلش بنک قایم ہی۔ دولت ایران کے بھی اِس بنک میں بہت سے حصّے ہیں وہاں کے مجتہدوں نے بھی جو اوّل درجہ کے متعصب ہیں کبھی سود کے لین دین پر اعتراض نہیں کیا۔ اخیر یہ کیوں ہی اور کیا وجہ ہی کہ ہماری تحریر یا زبانی اقوال ہماری عملی زندگی کے بالکل خلاف ہیں صرف وجہ یہ ہی کہ فقہا کی مین میکھ اور خیالات آفرینی کا خوف ہمارے دلوں میں بیٹھا ہوا ہی۔ کرتے سب کچھ ہیں۔ مگر ڈر کے مارے زبان نہیں ہلاتے یہی ایک اخلاقی بزدلی ہی جس نے انجان مسلمانوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہی اور جس سے جاہل مسلمان پسے جاتے ہیں۔ دولتمند عام طور پر سب کچھ کرتے ہیں کیا مجال ہی جو علمائے زمانہ آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکیں غریب کمبخت اگر کچھ کرتا ہی تو اُس پر کفر کا فتویٰ موجود ہی۔

بعض مسائل فی زماننا ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ اُن کی چھان بین کرنی ایک کٹھن کام ہو گیا ہی مثلاً بعض علمائے کرام کا یہ فتویٰ ہی کہ کسبی اور وکیل کی روزی یکساں ہی اور ساتھ ہی اُن انگریزی ملازموں کی روزی جو انگریزی قانون سے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں مثل سود خواروں کے ہے اور اُن کا روپیہ مثل وکیلوں اور کسبیوں کے روپیہ کے ہی ہم دریافت کرتے ہیں کہ اِس فتویٰ کی کس نے پروا کی اور مسلمانوں کا موجودہ طرز عمل کیا کہہ رہا ہی۔ اِس زمانہ کا تو کچھ ذکر نہیں غدر سے پہلے بڑے بڑے علما انگریزی ملازمت میں داخل ہو چکے تھے مثلاً مولانا مولوی مفتی صدر الدین صدر الصدور تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی سر رشتہ داری کا کام کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں بڑے بڑے علمائے نیچے تحصیلدار مجسٹریٹ اور وکیل ہیں مگر کوئی نہیں پوچھتا کہ اخیر اِن لوگوں پر فتویٰ کفر کیوں جاری نہیں ہوتا اور مسلمانوں کا یہ گروہ کثیر کیوں اِس طعن و تشنیع سے بچا ہوا ہی۔ اِس کی وجہ صرف یہ ہی کہ قانون اسلام کو اِن باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہی صرف ہمارے فقہا کے ہنگامی مسائل کو ہم نے دوامی سمجھ کے اپنی موجودہ معاشرت کے چسپاں کیا اور اِس میں ہم ناکام رہے اور ہمارا ناکام رہنا قدرتی امر تھا۔ اسلام کے چند ارکان جن کا شمار انگلیوں پر ہے۔ ایک شخص کو پکا مسلمان بنانے کیلئے کافی ہیں جتنے جھگڑے اسوقت ہو رہے ہیں یہ اُس فقہی باریکیوں کا سایہ ہی جو ایک زمانہ میں ہم پر حکومت کرتے تھے اور اب اُن کی حکومت زوال پذیر ہی فقہا کے ماننے والے گروہ اب بھی موجود ہیں لیکن اُن کا ماننا صرف اخلاقی ہی اور اِس سے نفس الامر کو کوئی تعلق نہیں ہی۔

سود خواری بھی منجملہ اُنہی مسایل کے ہی جن کا اوپر ذکر ہوا پہلے اِس کا زور ہوا اور حسب اقتضائے زمانہ مسلمانوں نے اِس کو تسلیم کیا مگر جب جدید تمدن کا دور دورہ ہوا تو اُسکے عقاید میں انحطاط شروع ہوا اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ یہ بھی اُس گرد روزگار میں جا ملا جہاں صدہا مسائل پڑے ہوئے ہیں اور جنہیں کوئی آنکھ بھر کے نہیں دیکھتا اُن پر عمل کرنا

لیا گیا ہے۔ ربٰو کے معنی بالکل نہیں سمجھائے گئے اور نہ اُس کی کچھ تشریح کی گئی۔ کہ آیا اس کے لغوی معنوں سے ربٰو مراد ہے یا شریعت میں اس کا مفہوم کچھ اور ہے۔ ربٰو کے معنی تو صرف زیادہ لینے کے ہیں زیادہ لینے کا اطلاق مال تجارت پر بھی ہو سکتا ہے ایک شخص اپنے روپیہ کے مال کے دو روپے لیتا ہے کیا یہ زیادہ لینا بھی ربٰو میں داخل ہے یا روپیہ دے کے دو روپے لے لینا ربٰو ہے فقہا نے آخر الذکر کو ربٰو اور اول الذکر کو بیع قرار دیا ہے لیکن اس قسم کا کوئی فیصلہ قرآن مجید نے انقطاعی طور پر نہیں کیا اور نہ کسی صحیح مرفوع متصل حدیث میں ایسا فیصلہ مرقوم ہے۔ حالانکہ آگے آنے والی حدیث سے کسی چیز کا دُگنی تگنی قیمت پر پیشہ کما کے فروخت کرنا بھی حرام بتایا گیا ہے۔

پھر اس شخص کی کیفیت جو سود دیتا ہے شریعت نے یہ لکھی ہے (خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے) یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین یعنی اے مسلمانوں خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو اُس چیز کو جو باقی رہے سود سے اگر تم بالیقین مسلمان ہو۔ اس کا مطلب محدثوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جب سود کی داد و ستد کی ممانعت کر دی گئی تو اب سود کا جتنا لینا دینا ہے اس کو چھوڑ دو یعنی وہ روپیہ جو حد العوضین سے زیادہ ہو اس میں دینے اور لینے والے کے لئے ایک حکم ہے قرآن مجید کی یہ آیت اخیر تک ہمارے منشا کی تائید کرے گی اس پر ہم ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں امید ہے ربٰو کے اصلی معنی اب سمجھ میں آجائیں گے۔ حضور انور جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو سود کے لین دین کی ایک آفت برپا تھی اور تمام اہل مدینہ بڑے پریشان تھے جب کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے تو ان میں بھی وہی لین دین جو زمانہ کفر میں تھا جاری رہا یہ کمبخت سود خواری ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو آپس میں متحد کر لیتی یہاں حضور انور کی بعثت محض اتفاق قایم کرنے اور توحید باری تعالیٰ منوانے کے لئے ہوئی تھی اور وہاں سود خواری سے یہ منشا پورا نہیں ہو سکتا تھا فوراً آیت نازل ہوئی کہ ربٰو حرام ہے۔ خدا کا حکم مسلمانوں میں پڑھ کے سنایا گیا مگر جھگڑا یہ رہا کہ اس پہلے کے سود کا جو واجب الدین تھا مطالبہ شروع ہوا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اصل رقم کے علاوہ جو کچھ زاید بطور سود کے قرار دیا گیا ہے چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا سب چھوڑ دیا گیا اور اس سے منشائے باری پورا ہو گیا ما بقی من الربوا کے یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ سود کا جو روپیہ اصل رقم پر زیادہ ہو گیا ہے وہ معاف کر دیا جائے تاکہ اس لین دین سے وہ قدیمی عداوت جو دلوں میں پیدا ہو گئی ہے جاتی رہے۔ مگر اس میں بہت بڑا نکتہ ہے اور اسی کی طرف اپنے ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ آیت شریف میں یہ حکم دیا گیا ہے ان کنتم مؤمنین اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صرف مسلمانوں کو آپس میں سود کا لین دین کرنے کے لئے روکا گیا ہے کیوں کہ اس آیت شریف کے نزول کے بعد بعض مسلمانوں نے یہودیوں سے سود کا لین دین کیا ہے مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی اور اُس کا سود بھی آپ ادا کرتے تھے جس کا اشارہ ہم اوپر کر آئے ہیں اور اس سود دینے پر حضور انور نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا مسلمانوں کو ہر جگہ مخاطب بنایا گیا ہے۔ ایسی کوئی صریح آیت نہیں ملتی جس میں غیر مذاہب سے سود کا لین دین منع کیا ہو۔ اس آیت میں جو ہم نے نقل کی ہے یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ ربٰو کا ما بقی چھوڑ دیا جائے یہ الفاظ خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ نقد کا لین دین جو تھا

آمین ثم آمین وہ دلچسپ بحث جسکا میں اشارہ کر رہا ہوں حسب ذیل ہے:-

ربٰو کے متعلق محدثانہ اور فقیہانہ بحث

حدیث صحیح میں سودخوار، شاہد اور کاتب تمسک ایک نگاہ سے دیکھے گئے ہیں اور تینوں پر لعنت کی گئی ہے بلکہ ایک حدیث یہ ہے کہ سود لینے والا۔ دینے والا۔ کاتب تمسک اور دونوں شاہد ملعون ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الذین یاکلون الربو لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس" یعنی وہ لوگ جو سود لیتے ہیں نہیں اُٹھینگے قیامت کے دن مگر اس طرح جیسے شیطان نے مس کر کے انہیں مخبط اور دیوانہ بنا دیا ہے الی قوله هم فیها خلدون اخیر آیت تک کا مضمون یہ ہے کہ ان لوگوں کی حالت اسلئے زبون ہوگی کہ وہ کہیں گے ربٰو اور بیع ایک ہی چیز تو ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربٰو کو حرام کہا ہے جن لوگوں نے فرمودہ خدا در مطلق پر عمل کیا وہی نیک بندے ہیں اور جنہوں نے اسکے خلاف کیا انہیں اصحاب دوزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سود خواری کی برائی میں ایک اور حدیث آئی ہے "حدثنا موسی بن اسمعیل قال حدثنا جریر بن حازم قال حدثنا ابو رجاء عن سمرة بن جندب قال قال النبی صلی الله علیه واله وسلم رایت اللیلة رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسة فانطلقنا حتی اتینا علی نهر من دم فیه رجل قایم علی وسط النهر ورجل بین یدیه حجارة فاقبل الرجل الذی فی النهر فاذا اراد الرجل ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیه فرده حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیه بحجر فیرجع کما کان فقلت من هذا فقال الذی رایته فی آکل الربوا"

یعنی (حضور انور فرماتے ہیں) میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس (زمین بیت المقدس) پر لے گئے اور ان دونوں میں ایک جبرائیل اور ایک میکائیل تھا ہم تینوں چلتے خون کے دریا پر پہنچے دیکھا کہ ایک شخص دریائے خون کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے اور دوسرا اُس دریا میں ہے اور جب یہ شخص جو خون کے دریا میں ہے باہر آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارہ پر کھڑا ہوا شخص اُسے پتھر مارتا ہے اور باہر نہیں نکلنے دیتا پھر وہ ہٹ جاتا ہے۔ اسکی یہی کیفیت ہے جہاں اس نے نکلنا چاہا اور فوراً دوسرے شخص نے پتھر مارے حضور انور ارشاد کرتے ہیں جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو دو شخصوں سے دریافت کیا جو میرے ساتھ تھے کہ یہ شخص کون ہے جو دریائے خون سے نکلنا چاہتا ہے اور باہر نہیں نکل سکتا ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا کہ یا حضرت یہ سودخوار شخص ہے جسے حضور ایسی حالت میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے اور اس کی صحت میں ہمیں مطلق تامل نہیں ہے اس میں شبہ نہیں سودخوار کی یہی سزا ہونی چاہیئے ایک ظالم ناخداترس۔ تمدن انسانی کے لئے زہر ہلاہل شخص کی اس سے بھی زیادہ سزا ہونی چاہیئے جس نے حدود اللہ سے باہر قدم رکھا اور خدا کی مخلوق کو برباد کیا اسکی یہ سزا بہت ہی موزوں قرار دیگئی ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں لفظ ربٰو کیلئے خاموشی اختیار کی گئی ہے اسیطرح اس حدیث میں بھی خاموشی سے کام

کو زمیندار قتل کر گئے اسباب قتل سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوئے کہ مہاجن یا بنیا سود خوار تھا اس نے صدہا گھروں کو سود خواری میں برباد کر دیا تھا۔ جو روپیہ اُس کمبخت نے کمایا وہی اُس کی جان کا دشمن ہو گیا قبل از وقت بے بسی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ بہ نسبت اور مقدموں کے ایسے مقدمات کی تعداد بہت ہے۔ خون کے حادثے اکثر گاؤں ہی میں زیادہ پیش آتے رہتے ہیں شہروں میں نسبتہً خونوں کی تعداد بہت گھٹی ہوئی ہے۔ یہ ضروری اور یہی قانون قدرت ہے کہ ظالمانہ فعل کی عمر بہت چھوٹی ہو۔ جس طرح ظلم تمدن کا دشمن ہے اسی طرح تمدن ظلم کا دشمن ہے۔ تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کسی طرح بھی نادرست نہیں ہے کہ سود خوار کا روپیہ ۴۰ سال کے عرصہ میں گھٹ جاتا ہے۔ رہا برکت ہونا خرچ کرنے پر یہ بھی کسی طرح غلط نہیں ہے۔ ایسے شخص کو جو ہر دلعزیز ہو اور اعلےٰ درجہ کا مخیر ہو اپنی زندگی میں کامیابی ہونی لازمہ تمدن ہے اور کبھی اسکے خلاف نہیں ہو سکتا۔ برکت ایک مذہبی لفظ ہے جو تمام مذاہب عالم میں استعمال ہوا ہے۔ نیک مرد کے نیک کام کے انجام کا نام برکت ہے۔ برکت کی سوا اسکے اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی کہ افعال حسنہ جو بانی ہیں تمدن و شرافت انسانی کے بخوبی انجام پائیں اور اُن کا فاعل اچھی نظروں سے دیکھا جائے ایسے شخص کے سر پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا رہتا ہے۔

شریعت غرّا نے جہاں سود خوار کی برائی کی ہے وہاں جھوٹ بولکے نفع لینے کو بھی شامل ربوا خواری کے شمار کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے غور کرنے سے شریعت کا راز کھلتا جاتا ہے یہ حدیث جو ہم آگے نقل کرینگے اس سے ربوٰ کے خفیف سے معنی سمجھ میں آتے ہیں یعنی ربوٰ زیادتی کو کہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ زیادتی کس قسم کی اور کس چیز میں رہا یہ کہ فقہا نے اس زیادتی کی تشریح کر دی ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اول تو آپس میں اختلاف ہے اور اگر اختلاف بھی نہ ہو تو بھی ہم انہیں معصوم نہیں تسلیم کرتے اور نہ قرآن مجید کے آگے اُن کے خیالی اور طبعی فیصلہ کو حجت مانتے ہیں۔ ہاں اس آنے والی حدیث میں ربوا کے متعلق کچھ نہ کچھ توضیح سمجھ میں آتی ہے وہ حدیث یہ ہے حدثنا عمرو بن محمد قال حدثنا هشیم (یعنی ابن بشیر) قال اخبرنا العوام عن ابراهیم بن عبد الرحمن عن عبد الله بن ابی اوفی اسلے ان رجلا اقام سلعة وهو فی السوق فحلف بالله لقد اعطے بها مالم یعطه لیوقع فیها رجلا من المسلمین فنزلت ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمنا قلیلا۔ یعنی ایک شخص نے بازار میں اپنے مال کی قیمت کرنے میں قسم کھائی خدا گواہ ہے کہ میں جتنی قیمت پر تمہیں دیتا ہوں اتنی قیمت پر پہلے کبھی فروخت نہیں کیا یعنی اس نے یہ جھوٹ بولا اور یہ قسم اس لئے کھائی تھی تاکہ گاہک کو مال کے خریدنے کی ترغیب دے پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی وہ لوگ جو اپنی قسمیں اور پیمان الٰہی تھوڑے سے معاوضہ پر خرید کرتے ہیں یعنی وہ عہد جو انہوں نے ایمان اور امانت کا عہد خدا کے ساتھ کیا ہے اور قسموں کا احترام نہیں کرتے صرف تھوڑی سی متاع کے لئے باطل کی طرف رجوع رکھتے ہیں آخرت میں ایسے لوگ بدنصیب رہیں گے اور خداوند تعالیٰ ان سے ہمکلام نہیں ہوگا۔ محدثانہ عام مسلمہ مسئلہ یہ ہے کہ مال کے فروخت کرنے میں اگر سچی قسم بھی کھائی جائے وہ تنزیہ کراہت ہے اور اگر جھوٹی قسم کھائی جائے تو وہ کراہیت تحریمیہ ہو جائے گی۔ اس حدیث سے ربوٰ کے معنی کسی قدر سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ لین دین میں حد اعتدال سے زیادتی نہ ہو مثلاً ایک شخص تجارت کرتا ہے اور اپنی چیز جو ایک روپیہ کی ہے اٹھارہ آنے کو فروخت کرتا ہے اس طرز عمل پر

تھا اور یہ لین دین مثل اِس داد و ستد کے ہی جو ہندوستان کے بنئیے کرتے ہیں۔ جائداد کے گرو رکھنے کا کوئی دستور مدینہ میں نہ تھا نہ اِس کا اشارہ قرآن مجید میں کہیں دیکھا گیا اور نہ کسی صحیح حدیث میں صرف نقد روپیہ کی داد و ستد تھی اور بس مگر عجیب بات یہ ہی کہ نقد روپیہ کی داد و ستد بھی مسلمانوں ہی میں رو کی یہ نہیں حکم دیا گیا کہ یہودیوں اور نصاریٰ سے بھی لین دین چھوڑ دو اور جو اُن کا ہی اسے مت دو اور جو تمہارا اُن پر آتا ہی اُس کو نہ مانگو خاص مسلمانوں کے لئے اِس آیت اور اِس حکم کو مخصوص کرنے کے یہ معنی ہیں کہ غیر اسلام سے اس قسم کا لین دین بھی جائز ہی مثلاً ایک مسلمان کو روپیہ کی ضرورت ہی وہ کسی ہندو سے روپیہ لیکے اپنی ضرورت رفع کر سکتا ہی یا ایک مسلمان اپنا روپیہ ہندو کے ہاں رکھواتا ہی وجہ کیا کہ اس سے سود نہ لیا جائے۔ اِس آیت سے یہ استدلال خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن کم سے کم یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہی کہ تخصیص مسلمانوں کی کی گئی ہی اور ان ہی کو حکم دیا گیا ہی کہ تم آپس میں نقد کا لین دین ترک کرو اور جو تمہارا کسی پر لینا ہی اُسے بھی چھوڑ دو۔

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرماتا ہی۔ یمحق اللہ الربوا یعنی گھٹاتا ہی اور ربوٰ کو ناچیز کرتا ہی۔ مرفوعاً یہ مروی ہی کہ ربوٰ سے اگر دولت زیادہ جمع ہو جائے لیکن اخیر میں کم ہو جاتی ہی ایک اور روایت میں آیا ہی کہ ربوٰ خوار کو ۴۰ سال نہیں گزرنے پاتے کہ اس کے روپیہ میں کمی آجاتی ہی اسکے مقابلہ میں فرماتا ہی کہ یربی الصدقات یعنی زیادہ کرتا ہی خداوند تعالیٰ صدقات کو۔ یعنی صدقہ دینے والے کے مال میں برکت دیتا ہی اور آخرت میں اُس کا ثواب عطا فرماتا ہی۔ یہاں دو لفظ ایک دوسرے کی ضد بیان ہوئے ہیں ایک ربوٰ اور ایک صدقہ۔ صدقہ کسی جائداد یا زیور کا نہیں دیا جاتا اگرچہ اِس زمانہ میں اکثر مخیر لوگ جائدادیں وقف کر دیتے ہیں لیکن عرب کی معاشرت میں زمین یا جائداد کا صدقہ میں دینا کہیں بھی مذکور نہیں ہی۔ صدقہ دو قسم کا ہوتا تھا نقد اور کھانا اس خیرات کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہی یہ بھی ممکن ہے کہ لباس پر بھی صدقہ کا لفظ حاوی ہوا ہو اگرچہ فقہانے صدقہ کی لمبی چوڑی تعریفیں کی ہیں لیکن ان کل تعریفوں میں موجودہ زمانہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا غرض صدقہ اور ربوٰ کو ضد قرار دیکے ایک کو جائز اور ایک کو ناجائز بنایا گیا ہی نہ روپیہ جو ربوا سے جمع ہوا بے برکت بیان کیا گیا ہی اور اس کی نسبت یہ فیصلہ ہوا ہی کہ ۴۰ سال کے عرصہ میں ربوا کا روپیہ گھٹ جاتا ہی مگر جو لوگ صدقہ دیتے ہیں اُن کے روپیہ میں برکت ہوتی ہی اور روز بروز اِس میں ترقی ہوتی جاتی ہی۔ قدرت نے جو اسباب ہمارے لئے پیدا کئے ہیں اُن سے بظاہر اِس قول پاک کا کوئی ثبوت نہیں معلوم ہوتا کہ آمدنی پر روپیہ میں کمی آجائے اور خرچ کرنے پر روپیہ بڑھ جائے کوئی چیز جب خرچ کی جائے کبھی نہیں بڑھ سکتی اور کوئی چیز جس کو خرچ نہ کیا جائے کبھی نہیں گھٹ سکتی۔ تو بھی شریعت کا یہ فیصلہ ناطق ہی اور اِس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہی۔ یہ سود جو غریب و غربا سے نہایت ظالمانہ طور سے لیا جاتا ہی ۴۰ سال تو کجا چند ہی سال میں اس روپے کا فیصلہ ہو جاتا ہی اور فیصلہ ہونے کی یہ صورت ہے کہ کثرت سودی روپیہ مع اصل کے ڈوب جاتا ہی اور سالہا سال کی محنت اور مشقت کے بعد جو کچھ حاصل ہوتا ہی وہ بھی آناً فاناً میں نکل جاتا ہی۔ روپیہ کا نقصان تو ایک طرف ہم نے تو ایسے سود خواروں کی جان ہلاکت میں دیکھی ہی جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ روزمرہ اسی قسم کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں کہ آج فلاں مہاجن مارا گیا فلاں بنئیے

کی بحث ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہماری غرض یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا بالکل صحیح ہے لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علی حالہا رکھنے سے کیا غرض ہے اور حضور نے زیادتی کو کس حد تک قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ آنحضرت نے وفات پائی اور ہمارے لیئے اس آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فعل و ترک غیر مشتبہ اور امر معلوم پر ہوا کرتا ہے یعنی اگر ربٰو کا مفہوم غیر مشتبہ حضرت عمرؓ کی نظروں میں نہ ہوتا تو آپ شک کے ترک کرنے کے لیئے مسلمانوں کو کیوں حکم دیتے ہیں اس تاویل کرنے پر بھی ہمارے مدعا میں کوئی خرابی نہیں آتی حضرت عمرؓ کو شک ضرور تھا لیکن جب وہ اپنا شک رفع نہ کر سکتے تھے (کیونکہ حضور انور کی وفات ہو چکی تھی) تو آپ کا فرض تھا کہ مسلمانوں کے انتشار دور کرنے کے لیئے آپ ربٰوا یا آیت ربٰوا کو امر معلوم اور امر غیر مشتبہ سے تعبیر کرتے کیونکہ اپنی حالت میں شک کرنا جب شک رفع نہ ہو سکتا ہو مسلمانوں کی پریشانی بڑھاتا ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں ضرورت کیا تھی کہ حضرت عمرؓ آیت ربٰوا کی تفسیر کی بابت شکیہ جملہ فرماتے کیوں ایسا کیوں کیا گیا اور اس کرنے میں راز کیا تھا۔ اور کیا یہ حضرت عمر کر سکتے تھے کہ بغیر ایک زبردست وجہ کے شریعت کے ایسے مہتم بالشان اور اہم معاملہ میں ایسے مشتبہ الفاظ فرماتے۔ اس کی بابت ہم اپنے فیصلہ میں بحث کریں گے۔ آیت ربٰو کی بابت علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے "ای اٰیۃ الربٰوا ثابتۃ غیر منسوخۃ صحیحۃ غیر مشتبہۃ فلذلک لم یفسرہا النبی صلعم فاجروہا علی ما ہی علیہ فلا ترتابوا فیہا واترکوا الحیلۃ فی حلہا وہو المراد من قولہ فدعوا الربٰوا والریبۃ" یعنی ربٰو کی آیت ثابت ہے منسوخ نہیں ہے صریح ہے کچھ مشتبہ نہیں اسلیئے پیغمبر صلعم نے کچھ اسکی تفسیر نہیں کی پس جاری رکھو اُس کو جس طرح پر وہ ہے کچھ شک نہ کرو اس میں اور چھوڑو اسباب کو کہ کسی شک و حیلہ سے ربٰو کو حلال کرو اور یہی مراد اُن کی اس قول سے ہے دعوا الربٰوا والریبۃ" علامہ طیبی کا بیان ختم ہوگیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے علامہ طیبی کا قول کہاں تک مطابقت کھاتا ہے۔ ہمارے فاضل طیبی یہ لکھتے ہیں کہ آیت ربٰو میں جب ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا اسلیئے حضور انور کو اسکی تفسیر کرنے کی ضرورت نہ ہوئی حالانکہ حضرت عمر کا یہ منشا نہیں ہے جسکی تفسیر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کو آیت ربٰو میں قطعی شک تھا اور اُس شک کی بنا پر آپنے یہ ارشاد کیا تھا جب حضرت رسالتمآب نے آیت کی تفسیر نہیں فرمائی تو تم بھی اُسے اسیطرح مانو جس طرح اس کی ظاہری صورت ہے۔ ہم کیونکر علامہ طیبی کے قول کو حضرت عمر کے قول پر فضیلت دے سکتے ہیں۔ جو کچھ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے وہ ایسا پُرمغز اور عاقلانہ قول ہے جس کی قیمت اندازہ سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ اصل میں حضرت عمر کے مختصر الفاظ ایک زبردست فیصلہ ہے مبہم اور مشتبہ آیت ربٰو کا جس سے بہتر فیصلہ ہونا محال ہے آپنے محض اس وجہ سے اس آیت کو علی حالہ رہنے دیا اور ہر قسم کے شک کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ جب صاف آیت تھی تو مسلمانوں کو شک کیوں ہوا اور مسلمان بھی وہ مسلمان جو جلیل القدر صحابہ ہونے کا فخر رکھتے ہوں اور خود رسول کریم کی زبان مبارک سے اُنھوں نے قرآن مجید سنا ہو۔ وجہ کیا کہ علامہ طیبی نے اس آیت کو ایسا غیر مشتبہ بیان کیا کہ اس کی تفسیر کی ضرورت نہیں پڑی یہ علامہ موصوف کی ذاتی رائے ہے جس کی وقعت واجب الاحترام صحابہ کے آگے کچھ بھی نہیں جیسا کہ حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ چھوڑ دو شک کو اسباب پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ شک میں پڑ گئے تھے اگر آیت غیر مشتبہ اور امر معلوم

کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن جب اُس نے روپیہ کی چیز پانچ روپیہ میں فروخت کرنی ٹھان لی اور گاہک کے آگے قسمیں کھا کھا کے یہ بیان کیا کہ خرید بھی پانچ ہی روپیہ کی ہے لیکن میں تمہاری خاطر سے بے نفع فروخت کرتا ہوں بس اسی کا نام ربٰوخواری ہے کیونکہ اس قسم کی زیادتی قیمت کو ہی ربٰو شمار کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ربٰوا اور بیع کو ہم پہلو بیان کرنا اور ایک ہی جگہ رکھنا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ مناسب نفع سے جو چیز دیجائے وہ تو بیع ہے اور جو چیز دھوکا دیکے زیادہ نفع پر فروخت کی جائے وہ ربٰوا ہے۔ اگرچہ ہمارے یہ معنی عام طور پر تسلیم نہیں کیئے جائیں گے لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ لوگ ربٰوا اور بیع کے فرق پر خیال رجوع کریں گے اور سمجھیں گے کہ بیع اور ربٰو کو ایک ہی جگہ بیان کرنا ان الفاظ میں کوئی نہ کوئی مناسبت رکھتا ہے۔

اور بھی بہت سی حدیثیں اور علمار کرام کے اقوال ہیں جو ہم آگے نقل کریں گے اُمید تو ہوتی ہے کہ ہماری اس بحث سے ربٰو کے متعلق ایک حد تک معاملہ آئنہ ہو جائے گا۔ یہ بیان کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ربٰو سے منشار باری تعالیٰ کیا ہے اور بعض فقہا اُسے کیا سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید کا کوئی حکم ناممکن التعمیل نہیں ہے اور یہی قرآن مجید کا بہت بڑا معجزہ ہے جو اور کتابوں میں نہیں ملتا۔ ربٰو کے ایسے معنی پیدا کرنے جو ناممکن التعمیل ہو جائیں ہماری بلند خیالی اور نکات آفرینی پر دلالت کرتا ہے ربٰو کا مفہوم ضرور زیادتی کے لفظ کے ساتھ تعبیر ہو سکتا ہے مگر زیادتی کسے کہتے ہیں یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا نہ محدثوں اور مجتہدوں نے اسے کھولا۔ بہرحال جو کچھ دینی کتابوں میں ملتا ہے اختصار کے طور پر درج کر دیا جاتا ہے اسکے بعد ہم ایک بسیط بحث کرینگے۔

"صحیح حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ربٰو کے معنی نہیں سمجھے تھے جب جلیل القدر صحابی کی یہ کیفیت ہو تو پھر فقہا یا مجتہد کیوں کر سمجھ سکتے ہیں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لاعلمی بیان فرما کے یہ تاکید کر دی ہے کہ ربٰو کو حرام کہے جانا لیکن کس ربٰو کو یہ آپ نے بھی نہیں فرمایا اسلیئے کہ آپ نے اپنی لاعلمی کا خود اقرار فرمایا تھا حضرت عمر رضی اللہ کی وہ حدیث یہ ہے "ان اخر نزلت اٰیۃ الربوا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربوٰا والریبۃ" یعنی سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ہے وہ آیت ربٰو کی ہے۔ انتقال فرمایا حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہمارے لیئے اس آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی پس چھوڑ دو ربٰو کو اور شک کو۔ اس حدیث پر بسیط بحث ہو سکتی ہے اگرچہ بعض علما نے اس سے اور طرح کا استدلال کیا ہے لیکن صاف معنی جو اس حدیث کے سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آیت ربٰو کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی گئی کہ ربٰو کا کیا مفہوم سمجھا جائے چونکہ حضور انور کی وفات ہو چکی ہے اسلیئے جو ظاہرا معنی زیادہ لینے کے ہیں اُن ہی پر عمل کرو اور اس حیثیت سے ربٰو کو حرام جانو اور آئندہ اس میں کچھ شک نہ کرو۔ بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ فعل و ترک مطلق امر معلوم غیر مشتبہ کے ہوتا ہے نہ مبہم و مشتبہ کے اسلیئے آیت ربٰو خود حرمت ربٰوا میں ظاہر ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے علی حالہا چھوڑ دیا تم لوگ اپنی طرف سے اس میں تاویل و توضیح نکرو اور چھوڑ دو ربٰو کو اور شک کو یعنی ربٰو جسکے معنی زیادتی کے ہیں اور جن معنوں میں حضور پُرنور نے اسے قایم رکھا ہے تم بھی اُن ہی معنوں میں قایم رکھو اور اس میں شک اور تاویل کو رستہ نہ دو۔ یہ ہمارے علمار کرام

کوئی متنفس اُس تمدن سے روگردانی کر سکے۔ موجودہ زمانہ میں ایک پاکباز اور سچا متقی مولوی کیوں اور کس لئے معاملات تجارت میں سود کا لین دین کرتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے مذہبی مسلمانوں نے عملی طور پر اس کو جائز قرار دے لیا ہے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے کیوں اور علما کے ساتھ اسکے جواز کا فتویٰ دیدیا ہے اور سلطان نے بحیثیت ایک خلیفۃ المسلمین ہونے کے کیوں اس قسم کا سود لینا جائز قرار دیا ہے اور کیوں شیخ الاسلام نے یہ فتویٰ دیدیا کہ حجاز ریلوے کا روپیہ بنک میں جمع رہے اور اصل رقم کے ساتھ منافع بھی خرچ ہوتا رہے۔ کوئی وجہ اس کی ضرور ہے اور یہ بات ایسی نہیں ہے کہ معمولی طور پر اس کا تصفیہ کرلیا جائے۔ جو کچھ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد کیا ہے کہ جب حضور انور نے ایسا کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا کہ سوائے اشیاء منصوصہ کے اور اشیا کی نسبت بھی اس ضابطہ کی رو سے حکم دیا جائے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو تمام علمائے زمانہ نے ایسے منافع کو جو بنکوں وغیرہ سے حاصل ہو جائز قرار دیا ہے اور ایسا جائز قرار دینا کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ممالک اسلامیہ میں ایسے منافع کو ضرور اور جائز قرار دیا ہے۔ اور اُن کا اس طرح جائز قرار دینا احق ترہے۔

ایک اور متفق علیہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان ہوئی ہے اور اس روایت سے بعض فقہا نے اپنے خیال کی تائید لی ہے وہ قول یہ ہے قال قال رسول اللہ صلعم الذھب بالذھب ربوا الاھاء وھاء والورق بالورق ربوا الاھاء وھاء والبر بالبر ربوا الاھاء وھاء والشعیر بالشعیر ربوا الاھاء وھاء والتمر بالتمر ربوا الاھاء وھاء" یعنی حضرت عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا بیع کرنا سونے کا سونے کیساتھ ربوا ہے مگر دست بدست اور خرمے کا خرمے کے ساتھ ربوا ہے مگر دست بدست اور چاندی کا چاندی کیساتھ ربوا ہے۔ مگر دست بدست اور گیہوں کا گیہوں کے ساتھ ربوا ہے مگر دست بدست اور جو کا جو کے ساتھ ربوا ہے مگر دست بدست" اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد بھی ہمارے مدعا میں فرق نہیں پیدا ہوتا اس حدیث میں لفظ بیع موجود ہے یعنی سونے کی خرید و فروخت سونے سے کرنی سود خواری ہے اسی طرح گیہوں کی گیہوں سے کرنی سود خواری ہے۔ شریعت کی یہ بڑی حکمت عملی ہے کہ اس نے اس قسم کی خرید و فروخت کو منع کر دیا اگر یہ خرید و فروخت اُس زمانہ میں جاری ہو جاتی تو اسلامی تمدن کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس قسم کی خرید و فروخت جو بطور مبادلہ کے ہو ضرور اس قسم کی تحریک کرتی ہے کوئی جعل بنایا جائے کھرے سونے کے عوض کھوٹا سونا دیدیا جائے یا اچھے خرموں کے بدلے دھوکا دیکے بُرے خرمے دیدیئے جائیں۔ اس قسم کے لین دین میں جسکو مذکورہ بالا حدیث نے ربوٰ سے تعبیر کیا ہے تمدن کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا اور بالخصوص اس زمانہ میں کہ سوائے سادے دو چار تعزیری قواعد کے کوئی سیاسی دستور العمل منضبط ہوا تھا ایسے لین دین کی ممانعت لازمی تھی بنک سے نفع لینے کی ممانعت خفیف طور پر بھی اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی۔ بنک کے روپیہ کی خرید و فروخت نہیں ہوتی بلکہ بنک کو روپیہ صرف دو غرضوں سے دیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ بحفاظت رہے گا جب جی چاہے واپس کر سکتے ہیں دوسرے یہ کہ بنک ہمارے روپیہ کو چونکہ اپنے تجارتی کام میں بھی صرف کریگا اس لئے ہمیں مقررہ منافع دیتا رہے گا اور بس۔ تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا کہ اس لین دین کو مذکورہ بالا حدیث ناجائز نہیں ٹھیراتی اس نے اس مبادلہ

ہوتی تو صحابہ کا شک کرنا کیوں ہوتا۔ اس بنا پر میں علامہ طیبی کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا اور مجھے معلوم ہے کہ آیت ربوٰ بیشک مبہم اور مشتبہ تھی اور اسی لیئے صحابہ نے اِس کی تفسیر کی نسبت سرگوشی کی تھی۔

فاضل اجل مولٰنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور کی اِس طرح تشریح فرمائی ہے کہ "جناب رسالتمآب نے کوئی ضابطہ کلّیہ ایسا بیان نہیں فرمایا کہ سوائے اشیائے منصوصہ کے اور اشیا کی نسبت بھی اِس ضابطہ کے بموجب حکم دیا جائے" فاضل محقق اور محدث دہلوی کا یہ قول ہے معاملات دینی میں اِس فاضل کے قول کی سند بیجا ہے اور یہ فاضل مسلم امام ہے۔ علامہ طیبی کے قول کی فاضل نے تردید کر دی۔ فی الحقیقت نفس کلام خدا یا قول رسول یا آثار صحابہ کو فاضل محقق دہلوی نے خوب سمجھا ہے۔ اِس قول یا شرح حدیث سے جو ہمارے مولانا نے فرمائی ہے تمام فقہی مسائل کا فیصلہ ہوتا ہے یہ آپ کا فرمانا صحیح ہے کہ اشیا منصوصہ کے سوا اور اشیا کی نسبت کبھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اشیائے منصوصہ میں پرامیسری نوٹ اور بنک کا منافع نہیں داخل کیا گیا ہے۔ جب اِسکے لیئے کوئی نص نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بطور خود اُسکے لیئے کوئی ضابطہ بنائیں اور پھر مسلمانوں کو مجبور کریں کہ وہ اُس ضابطہ پر عملدرآمد کریں۔ یہ شریعت کی بڑی سوءِ ادبی ہے اور نفس قرآن مجید کی حقارت کرنی ہے جب قرآن کسی معاملہ میں شہادت نہیں دیتا اور بالکل ساکت ہے پھر کیوں اور کس لیئے ہم اپنی طرف سے چند قواعد کی ایجاد کر کے کلام الٰہی پر اُس کا برقع ڈالیں اور عام مسلمانوں کو اِس خود ایجاد کردہ ضابطہ پر عمل کرنے کے لیئے مجبور کریں۔

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ سود کی کئی اقسام ہیں ایک قسم سود کی وہ ہے جو قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے اور باقی اقسام وہ ہیں جو ہمارے فقہا کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ قرآنی سود تو لاریب حرام مطلق اور لحم خنزیر ہے اور فقہا کا سود حلال و طیب ہے۔ مجھے اپنے فقہا کی نیک نیتی پر مطلق شک نہیں ہے حاشا و کلا یہ ممکن ہے کہ اِس زمانہ کے تمدن نے اُنہیں اِس قسم کے ضابطے تدوین کرنے پر مجبور کیا ہو اور جب یہ ضابطے خواہ آلٰہی یا الہامی ہوں مسلمانوں کے لیئے مفید پڑے ہوں مگر اب نہ وہ مسلمان ہیں نہ وہ تمدن ہے کچھ بھی نہیں لہٰذا وہ فقہی ضابطے اب کام نہیں دیسکتے۔ جو کچھ نص ہے وہی مسلمانوں کیلیئے حجت ہے باقی کسی کا قول علاوہ قول رسول کے (بشرطیکہ کافی طور پر اُسکی صحت ہو جائے) اور کسی کی رائے اور کسی کا قول حجت نہیں ہو سکتا خواہ اِس میں اجماع اُمت ہی کیوں نہو۔ اجماع اُمت ایک موقر اور مہتم بالشان امر ہے اور ایک عجیب قوت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی لیکن ہر زمانہ کا اجماع اُمت علیحدہ علیحدہ ہے اور ابتدا سے دیکھا گیا ہے کہ یہ اجماع اُمت ہر صدی کے بعد بدلجاتا ہے مثلاً پہلے اِس پر اجماع اُمت ہوا ہو کہ ہر قسم کی سودخواری خواہ قرآنی ہو یا نہ ہو ناجائز اور حرام ہے لیکن اب یہ اجماع اُمت ہے کہ سوائے قرآنی سودخواری کے کل سودخواریاں جائز ہیں۔ خواہ مسلمان زبان سے نہ کہیں لیکن اُن کا طرزِ عمل اِس قسم کے اجماع کی شہادت دے رہا ہے تمام روئے زمین کے مسلمانوں میں ایک مسلمان بھی جو دولتمند ہے یا اُسکے تجارتی تعلقات یورپ سے ہیں حتّٰی کہ ایک مفلس مسلمان بھی عملی طور پر اِس اجماع سے خارج نہیں ہے اور اگر وہ خارج ہونا چاہے بھی تو بھی نہیں ہو سکتا ہر زمانہ کا تمدن بڑا پرزور ہوتا ہے اور محال امر ہے کہ

خدا کو اکیلا خدا ماننا جتنے مصلح گزرگئے ہیں اور جنہیں زبان شریعت میں پیغمبر اور رسول کہتے ہیں اچھا سمجھنا فطرت کی لازوال قوتوں پر جو محاورہ شریعت میں جبرائیل اور میکائیل یا اسرافیل کہلاتی ہیں صدق دل سے ایمان لانا اپنے خالق کا پانچ وقت شکر ادا کرنا اور اُس کی حمد پڑھنا تاکہ محسن پرستی کی صفت ہماری ذات میں سے جانے نہ پائے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صدق دل سے ایمان رکھنا بس یہ اصول ہیں اگر ان پر ایک شخص کاربند ہو گیا اُس کی دنیا اور آخرت دونوں پاک ہو گئیں۔ کس کا ربوا اور کس کی ربوخواری ہاں ایسا فعل جو ہماری حمیدہ خصائل کو رذائل بنا دے بیشک قابل احتراز ہے مثلاً وہ ربو جس کی ممانعت قرآن مجید اور بعض صحیح احادیث میں آئی ہے انسانیت اور نفس تمدن کے لئے زہر ہے شریعت غرا نے اتنا تشدد کیا ہے کہ کاتب شاہد اور دینے والے کو بھی ماخوذ کر لیا یہ اس سبب سے اُس زبون ترین اور زہر ہلاہل فعل کی رسم دنیائے اسلام سے مٹ جائے الحمد للہ ایسا ہوا اور تمام اسلامی دنیا میں قرآنی ربو کا بیج مار دیا گیا یعنی کروروں میں شاید ہی چند مسلمان ایسے ہوں گے جو غربا یا ہمسایوں میں اپنا روپیہ سود پر چلاتے اور کسی ضرورتمند شخص سے ایک روپیہ دیکے دو روپے کے طلبگار ہوتے ہوں اور اس طرح مسکین یتیم اور رانڈوں کو ظلم کی کند چھری سے ذبح کرتے ہوں ورنہ اس قسم کی سودخواری جس کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہے سخت حرام اور زہر ہے اسکا کھانے والا اور کھلانے والا دونوں مقہور بارگاہ صمدی ہیں اور اُنہیں کبھی خالق ارض و سما کا دیدار قیامت کے دن نصیب نہیں ہونیکا۔

ابوسعید الخدری کی روایت سے مسلم میں ایک اور حدیث کا پتہ چلتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے مساوی ہے الفاظ وہی ہیں مگر اخیر میں چند الفاظ کا تغیر و تبدیل ہو گیا ہے باقی الفاظ اُسی مطلب کے ہیں مثلاً وہ حدیث یہ ہے «عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم الذھب بالذھب الفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد واستزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء» یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی بیع سونے سے اور چاندی کی چاندی سے گیہوں کی گیہوں سے جو کی جو سے خرمے کی خرمے سے۔ نمک کی نمک سے مثل بمثل اور دست بدست ہے پس جس شخص نے زیادہ کیا یا زیادہ مانگا تحقیق ربوا کیا یعنی لینے والا اور دینے والا اس میں برابر ہیں۔

یہ حدیث بھی مثل اور حدیثوں کے بالکل مجمل ہے ممکن ہے کہ ابوسعید الخدری نے یہ روایت کی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں بعض الفاظ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلم کو اس کی صحت پہنچ گئی ہو لیکن اس میں بہت سی باتیں دریافت طلب ہیں۔ اس حدیث کا عام مفہوم یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا تبادلہ کرو تو برابر کا کرو زیادہ کیا اور ربو ہو گیا۔ اس زیادتی اور برابری کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مثلاً ایک شخص کے پاس اعلے درجہ کے گیہوں ہیں اور وہ دوسرے شخص کے ایسے گیہوں سے بدلہ کرتا ہے جو اس سے خراب ہیں اور اسلئے بجائے سیر کے دو سیر گیہوں مانگتا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ زیادتی ربو کیوں قرار دیجائے۔ تبادلہ ہمیشہ مخالف اشیا کا ہوا کرتا ہے یکساں چیز کے تبادلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے مثلاً دو شخص ہیں اور اُن کے پاس ایک ہی درخت کے خرمے ہیں وہ پھر آپس میں تبادلہ کیوں کرنے لگے اور اگر خرمے کا تبادلہ جو کے ساتھ ہو تو اُس میں نہ مساوات معلوم ہو سکتی ہے اور نہ بیشی کی حدیث

کو منع کیا ہی جو اُن چیزوں میں کیا جائے۔ جو اعتراضات بنک کے منافع پر کیئے جاتے ہیں وہ نہ نص سے ثابت ہیں اور نہ کسی صحیح حدیث اور نہ کسی فقہ کے صاف الفاظ سے جن کو سنتے ہی حرف گیری کی ضرورت نہ پڑے۔

دنیا میں ہزاروں قسم کے لین دین جاری ہیں اور اُن کی نئی نئی صورتیں ہر زمانہ میں پیدا ہوتی جاتی ہیں جو مدودلین دین فقہا کے زمانہ میں رائج تھا اُس میں ایک بہت تبدیلی پیدا ہوگئی ہی اُس زمانہ میں تجارت کے یہ قواعد نہ تھے جن کی اسوقت تدوین ہوئی ہی اور نہ بنکوں کی ایجاد ہوئی تھی اور نہ دنیا کے کل ملکوں کی تجارت اِس طرح وابستہ ہوگئی تھی جیسی اسوقت ہی اِسکے علاوہ اور ہزارہا صورتیں جو تجارت اور لین دین میں ایجاد ہوئی ہیں اِن کا نام بھی جب نہ تھا اگر یہی کیفیت فقہا کے زمانہ میں ہوتی تو ضرور ربوا کی نسبت معتدل احکام دیئے جاتے اور لین دین کی بہت سی صورتوں کو مستثنےٰ کرنا پڑتا۔ کیا وجہ ہی کہ ہم کئی صدی پہلے کے استنباطی مسایل کو بے کم وکاست مانیں جبکہ ہم اُن کے تسلیم کرنے پر مکلف نہیں کیئے گئے۔ یہ عجیب بات ہی کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ منسوخ ہزاروں احادیث موضوع اور مردود یا اقل درجہ ضعیف مگر فقہا کا کوئی قول جو اُن کا ذاتی قول ہو نہ ضعیف نہ منسوخ اور نہ مردود ہی کوئی قول جو کسی کتاب میں ایک فقہی کا نقل ہی وہ وحی آسمانی سے زیادہ سمجھا جاتا ہی اور اِس قول میں بحث کرنے والا کافر مطلق گنا گیا ہی جبکہ ہمارے علما نے قرآن مجید کے ایک بہت بڑے حصہ کو منسوخ التلاوت تک قرار دیدیا ہی اور کسی نے اِس ناجائز فیصلہ پر چون و چرا نہیں کی مگر ایک فقیہ کی ذاتی رائے کالوحی من السماء سمجھی جائے العجب کل العجب میرا یہ خیال نہیں ہی میں اُنہیں اعلےٰ درجہ کا فقیہہ متبحر عالم اور دینی رکن ضرور سمجھتا ہوں اور اسبات کا بھی قایل ہوں کہ اُنہوں نے معاملات دینی میں بڑی نیک نیتی سے رائے دی ہی لیکن اُن کی رائے کو ایک معصوم نبی کی رائے نہیں مانتا اور میرا یہ عقیدہ ہی کہ وہ بھی انسان تھے اور اُن کی ذات پر بھی خداوند تعالیٰ کا یہ قول کہ انسان ظلوم اور جہول ہی صادق آتا ہی اُن میں بھی انسانی کمزوریاں موجود تھیں اور وہ بھی بحیثیت انسان ہونے کے خطا و نسیان سے پُر تھے اُن سے غلطی کا احتمال یقینی ہی اور جو شخص مسلمان ہوکے یہ تسلیم نکرے اُس کی عقل پر ہنسی آتی ہی۔

ہم پہلے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے اور کھلانے والے اور اُس کے کاتب اور دونوں گواہوں کو ملعون فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ وہ سب برابر ہیں مثلاً وہ حدیث یہ ہی جو مسلم نے روایت کی۔

"لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء" وجہ کیا سوائے کھانے والے کے ہمیشہ در ہر عرصہ میں کھلانے والا۔ کاتب اور گواہ بری رہی فقہا کے قوانین اور رائیں یہاں نہیں چلیں اور کبھی کسی بڑے سے بڑے مولوی اور مفتی نے کھانے والے کے سوائے کھلانے والے پر آنکھیں نکالیں اور نہ کاتب اور شاہد پر کون دعویٰ کر سکتا ہی کہ اِس نے سود نہیں دیا اور کون کہسکتا ہی کہ اِس قسم کے لین دین کا اُسے کبھی اتفاق ہی نہیں پڑا۔ شریعت انسانی جو قوانین قدرت اور طبع انسانی کے متوازی بنائی گئی ہی کبھی ایسا حکم انجیل کی طرح نہیں دیسکتی کہ انسان ایک دن بھی اُس پر عمل نہ کرسکے۔ اور اگر جبراً قہراً عمل کرے تو برباد ہوجائے۔ اسلام کے جتنے اصول ہیں وہ نہ صرف سادے ہیں بلکہ ہر عصر اور ہر تمدن پر حاوی ہیں کہ کوئی انکو امتداد زمانہ پر قیامت تک اُنہیں مٹا سکیگا۔

درہموں سے اور پھر ان درہموں سے جنیب خرید لو موزن کے باب میں بھی ایسا ہی فرمایا"۔ اس حدیث میں بھی کہیں اشارہ نہیں ہے کہ حضور انور نے یہ فرما کے تمر جنیب کے لینے سے انکار کر دیا ہو بلکہ آپ نے آئندہ کے لئے منع فرمایا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اپنی چیز کو فروخت کر ڈالو اور پھر اُس کی قیمت سے چیز خریدو۔ بخاری اور مسلم دونوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور بظاہر اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس تبادلہ کو شریعت نے کیوں ربوٰ قرار دیا ہے جو مساوی طور پر کیا جائے مثلاً ایک چیز کی قیمت روپیہ ہے اور دوسری کی ۸ ظاہر ہے کہ ۸ کی قیمتی چیز دگنی دینی پڑے گی اسی کو مساوات کہتے ہیں کیا وجہ ہے کہ ایسے تبادلہ کو غیر مساوی قرار دیا جائے ہاں غیر مساوی تو اُس وقت ہو سکتا تھا کہ روپیہ کی چیز کا بدلہ ۸ کی چیز سے ہوتا۔ مثل بمثل کے یہی معنی ہیں اب رہا یہ تبادلہ کرنا کہ سیر بھر ناکارہ چیز دیکے آدھ سیر اچھی چیز لے لینی یہ بھی مثل بمثل میں آسکتا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں اگر ایسی قوم دنیا میں ہو اور ایسی بہت سی قومیں ظہور اسلام کے بعد ہوئیں جن میں کوئی سکہ رائج نہ تھا بلکہ اشیا کا باہم تبادلہ ہوا کرتا تھا تو وہ ایسے حکم پر مسلمان ہو کے کیونکر عملدرآمد کر سکتی ہیں۔ شریعت کے احکام ایسے ہوں کہ دنیا کی تمام قوموں پر برابر چسپاں ہوتے ہوں۔ اس حدیث کا صحیح ہونا امکان سے خارج تو نہیں ہے لیکن عقل باور نہیں کرتی کہ اس قسم کا عملدرآمد عام طور پر ہو سکے۔

ہماری تنہا یہ رائے نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محدثین بھی اس طرف گئے ہیں چنانچہ امام نووی رح نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے انه محمول علی الاجناس المختلفة فانه لا ربوا فيها من حيث التفاضل بل يجوز تفاضلها يدا بيد وانه مجمل وحديث عبادة بن الصامت وابی سعيد الخدری وغيرها مبين فوجب العمل بالمبين وتنزيل المجمل عليه وهو جواب الشافعی رحمه الله عليه یعنی اُسامہ کی حدیث اجناس مختلفہ پر محمول ہے کہ ان میں بڑھوتری کی راہ سے ربوٰ نہیں بلکہ بڑھوتری جب دست بدست ہو تو جائز ہے اُسامہ کی حدیث مجمل ہے اور عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری اور صحابہ کی حدیثیں مبین ہیں اس لئے مبین پر عمل اور مجمل کا مبین پر محمول کرنا واجب ہے اور یہی جواب امام شافعی رح کا ہے"۔

جو کچھ میں نے لکھا ہے وہی بات پیدا ہو گئی۔ اگرچہ امام نووی نے ایک کو مجمل اور دوسرے کو مبین اور قابل عمل بنایا ہے لیکن میری رائے سے بھی اُسامہ کی روایت کردہ حدیث سے تطابق ہوتا ہے۔ ایک کو مجمل اور دوسرے کو مبین قرار دینا یہ امام نووی کی اپنی ذاتی رائے ہے مطلب صاف نکل آیا کہ اجناس مختلفہ کا تبادلہ خواہ کم و بیش کیوں نہ ہو جائز ہے۔ حضرت اُسامہ ایک زبردست صحابی رسول مقبول کے تھے اور اُن کا مرتبہ عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری سے بہت بڑھا ہوا ہے اُنکی روایت کردہ حدیث عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری کی روایت کردہ احادیث کے مقابلہ میں مجمل نہیں ہو سکتی۔

کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مختلف اجناس کا تبادلہ کیوں ناجائز قرار دیا جائے جبکہ اُسکے ناجائز ہونے کی کوئی نص اور کوئی عقلی شہادت نہیں ملتی۔ ربوٰ کے معنوں میں غلطی واقع ہو گئی ہے۔ ربوٰ کے معنی زیادتی کے سمجھ کے ہر شے کی زیادتی کو ربوٰ قرار دیدیا ہے۔ ربوٰ کے مفہوم سے بحث ہونی چاہئے تاکہ ہر مقام پر ربوٰ چسپاں ہو سکے۔

کی صحت میں کلام نہیں اسلئیے کہ اصح کتاب مسلم میں بیان ہوئی ہے لیکن مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ اِس کا ثبوت ذرا مشکل سے ہے کہ ابو سعید الخدری کے اِس قول میں کتنے الفاظ حضور انور صلعم کے ہیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث ابی سعید نے بیان کی ہے اور وہ حسب ذیل ہے "عن ابی سعید قال جاء بلال الی النبی صلعم بتمر برنی فقال له النبی صلعم من این هذا قال کان عندنا تمر ردی فبعث منه صاعین بصاع فقال اوه عین الربوا عین الربوا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اخر ثم اشتر به" (یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے) یعنی حضور انور کے پاس بلال تمر برنی لائے۔ حضور نے ارشاد کیا کہاں سے لائے۔ عرض کیا میرے پاس تمر رومی تھے میں نے دو صاع ایک صاع کے بدلے بیع کر دیئے حضور انور نے آہ سرد بھری اور ارشاد کیا یہ عین وہی ربوٰ ہے ایسا نہ کر لیکن جب تو اسکے خریدنے کا ارادہ کرے تو تمر کو علیحدہ بیع کر ڈال پھر (اُسکی قیمت سے) اُسکو خرید لے۔

اِس حدیث میں کلمہ عین کلمہ ربوٰ کی طرف مضاف ہے اور لام عہد کلمہ ربوٰ پر داخل ہے جس کا اشارہ ہے اِس معہود ربوٰ کی طرف جس کی تحریم قرآن مجید میں آچکی ہے۔

اب یہ حدیث غور کرنے اور توجہ کر کے سمجھنے کے قابل ہے اِس حدیث میں یہ کہیں بیان نہیں ہے کہ حضور انور نے وہ تمر بلال سے لیکے نہ کھائے ہوں آپ نے اِن تمروں کو ربوٰ ضرور قرار دیا لیکن لینے اور استعمال میں لانے سے انکار نہیں کیا دوسرے وہی اعتراض جو ہم نے اوپر کیا ہے یہاں بھی چسپاں ہوتا ہے بلال نے ایک صاع کے بدلے دو صاع تمر دیئے اگر وہ برابر لیتے تو ربوٰ نہ ہو سکتا تھا عجیب معاملہ ہے کہ جب چیزوں کی نوعیت میں فرق ہے تو اُن کا تبادلہ مساوی کیونکر ہو سکتا ہے ایک شخص کے پاس گاڑھے کے اور دوسرے شخص کے پاس حریر کے تھان ہیں اور وہ آپس میں تبادلہ کرنا چاہتا ہے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ حریر والا دو تھانوں کے عوض میں دو تھان گاڑھے کے لے لیگا نوعیت کے علاوہ قیمت میں جب زمین و آسمان کا فرق ہے پھر تبادلہ میں مساوات کیونکر رہ سکتی ہے۔ اور جن چیزوں میں مساوات ہوگی اور جن کی نوعیت بھی یکساں ہوگی اِن کے باہم تبادلہ کرنے کی حاجت ہی کیا ہے مطلب حدیث کا یہ ہے اگر بلال ایک صاع کے بدلے ایک صاع تمر لاتے تو وہ جائز تھے مشکل یہ ہے کہ اِس حدیث میں بھی بُری چیز کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہوا جس سے ربوٰ کا مطلب سمجھ میں آسکے۔

اِسی قسم کی ایک اور حدیث ابی سعید نے روایت کی ہے جس کا کل مضمون تو اوپر والی حدیث سے ملتا ہے لیکن صرف وزن کا لفظ اِس میں زیادہ ہے۔ وہ حدیث یہ ہے عن ابی سعید وابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم استعمل رجل علی خیبر فجاء بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر هکذا قال لا والله یا رسول الله انا کنا ناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا وقال فی المیزان مثل ذلك (متفق علیه)"

یعنی حضور انور نے خیبر پر ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا وہ حضور انور کی خدمت میں تمر جنیب لایا حضور انور نے ارشاد کیا آیا سب خرمے خیبر کے ایسے ہی ہیں اِس نے عرض کیا نہیں واللہ اے رسول اللہ ہم دو صاع رومی کے بدلہ ایک صاع اِس تمر کا لیتے ہیں اور تین کے بدلہ دو صاع حضور انور نے ارشاد کیا ایسا مت کرو فروخت کر ردی کو

کیا افسوس ہی تیرے حال پر کہ تو نے ربوا کیا جب تو (آئندہ سے) ارادہ کرے ایسا تو فروخت کر اپنے خرموں کو متاع تجارت سے پھر جونسا خرما تو چاہے اُس متاع سے خرید لے۔ ابوسعید نے کہا تمر تمر کے ساتھ اور چاندی چاندی کے ساتھ احق ہی۔ راوی کہتا ہی میں نے ابوسعید خدری سے دریافت کیا آیا میں اب حضرت ابن عمر کے پاس جاؤں انہوں نے مجھے منع کیا اور میں ابن عباس کے پاس بھی نہیں گیا راوی کا بیان ہی کہ مجھسے ابوالصبہا نے حدیث روایت کی کہ میں نے ابن عباس سے مکہ شریف میں اِس معاملہ میں سوال کیا انہوں نے کراہیت ظاہر کی۔" اِس حدیث سے جو ابوالنضرہ نے بیان کی ہی اگر وہ صحیح مان لی جائے تو ابوسعید خدری کا اصرار پایا جاتا ہی کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی کہ ابی سعید نے راوی کو ابن عمر یا ابن عباس کے پاس جانے سے کیوں روکا ممکن ہی اُنہیں اپنے دعوے کے ثبوت میں اِس سے زیادہ حدیث صحیح معلوم ہوگی اور ممکن ہی کہ راوی کا اِس سے زیادہ وہاں اطمینان ہو جاتا۔ یہ عجیب پھیر ہی کہ راوی خود تو ابن عمر ابن عباس سے ملا نہیں بلکہ دوسرے شخص کے ذریعہ سے اُس نے ابن عباس کی کراہیت کا حال سنلیا۔

ابی سعید خدری کی اِس روایت پر میں کوئی جرح و قدح نہیں کرتا بلکہ میری غرض یہ ہی کہ خبر احد کا مرتبہ رکھتی ہی ایسی خبر احد کے لئے شریعت کا اکرہ نہیں ہی۔ اور اگر بفرض محال ہم اسے تسلیم بھی کریں تو بھی ربوا کی وہ حاوی تعریف جو بعد ازاں ہمارے فقہانے کی اِس سے مطلق نہیں پائی جاتی۔ صرف اجناس کے تبادلہ کرنے اور وہ بھی افزودی کے ساتھ تبادلہ کرنے کو منع کیا گیا ہی اور بس۔ بنکوں کے منافع یا تجارتی تعلقات کی پیچیدگیوں کا کہیں ذکر نہیں ہی اور اِس کی وجہ یہ ہی جیسا میں نے اوپر لکھا ہی۔ یہ طریقے ہی اب ایجاد ہوئے ہیں جنکا وہم و گمان بھی پہلے نہیں تھا۔

ایک اور روایت یہ ہی "ان ابا سعید الخدری لقی ابن عباس فقال له ارایت قولك فی الصرف شیئا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم ام شیء وجدته فی کتاب الله عز وجل قال ابن عباس کلا لا اقول اما رسول الله صلعم فانتم اعلم به واما کتاب الله فلا اعلمه ولکن حدثنی اسامة بن زید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما الربوا فی النسیئة"

یعنی ابوسعید خدری ابن عباس سے ملے اور کہا تو نے صرف کے باب میں اپنے قول پر نظر کی کیا تو نے اِس باب میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہی یا تو نے اُس کا ذکر کتاب اللہ عز وجل میں پڑھا ہی ابن عباس نے جواب دیا یہ سب یعنی دونوں باتیں رسول کریم کی سنی ہوئی تھیں مجھسے تم تو زیادہ باخبر ہو کتاب اللہ میں مجھے اسکا علم نہیں ہے لیکن اُسامہ بن زید نے مجھسے حدیث بیان کی ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ ربوا نسیہ میں ہی۔

یہ حدیث زیادہ توجہ کے قابل ہی ایک تو یہ کہ ابن عباس نے ربوٰ کے بارے میں خود حضور انور کی زبانی کبھی کچھ نہیں سُنا اِس نہ سننے کے یہی معنی ہیں کہ حضور انور نے کبھی اِس کی تشریح نہیں کی کہ ربوٰ کے یہ معنی اور ربوٰ کا اصلی مفہوم یہ ہی۔ دوسری بات یہ ہی کہ ابن عباس نے قرآن مجید میں اِس ربوٰ کی بابت (جسکا چرچہ اُس زمانہ میں ہوتا چلا آتا تھا اور جس نے اخیر میں جا کے ایک رنگ اختیار کر لیا) کچھ ذکر نہیں پڑھا تیسری بات یہ ہی کہ اُسامہ کے قول کے مطابق ربوٰ کو محض نسیہ قرار دیا ہی اِن تینوں باتوں سے یہ پتہ چلتا ہی کہ ربوٰ جس کو بعد ازاں ایسا پرخوف بنا دیا گیا پہلے قابل گفتگو ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں جس ربوا کا ذکر ہی وہ ربوٰ آیت نازل ہوتے ہی موقوف

اگر ہم ربوٰ کے لفظی معنی ہر جگہ چسپاں کرنے چاہیں گے تو اس قسم کی بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ ربوٰ کا مفہوم جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں صرف اتنا ہی کہ مسلمان سودی روپیہ کا لین دین باہم نہ کریں یعنی ایک منافع کثیر کسی مسلمان بھائی سے سود نہ لیں۔ ہمارے بعض محدثین اور اکثر فقہا نے اِن سادے اور مختصر معنی پر بحث کر کے تِل کا پہاڑ بنا کے کھڑا کر دیا اور یہ ایک ایسا پہاڑ ہی جو آنکھوں سے نظر آرہا ہی۔ دل نہیں چاہتا کہ حضرت اُسامہ کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں ہم فقہا کی ذاتی رائے کو مانیں وہ فقہا سے بدرجہا بلند مرتبہ تھے اور حضور انور نے ہمیشہ عزت کی نظر سے اُنہیں دیکھا ہی تو وہ ذات جو فیض صحبت خاتم النبیین سے مشرف ہو چکی ہو اور جسے رسول کریم کی مہربانی کا فخر حاصل ہو اُس کا قول خود بخود اُن فقہا کے قول سے زیادہ وقعت سے دیکھا جائے گا جو مشکل سے تابعین کجا تبع تابعین کے شمار میں آسکتے ہوں۔ میری یہ ذاتی رائے نہیں ہی بلکہ جمہور مسلمانوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہی۔

ایک بات اور بھی دیکھنے کے قابل ہی یعنی ابن عباس اور ابن عمر بھی اُسامہ کی حدیث پر عمل کرتے تھے اور مدت تک اِن دو صاحبوں کا عمل اِس حدیث پر رہا لیکن بعد ازاں جب ابی سعید خدری کی حدیث پہنچی تو وہ اُن کے ساتھ ہو گئے اور اُسامہ کے قول سے رجوع کیا میں اِس رجوع کرنے کو تسلیم کرتا ہوں لیکن سوال یہ ہی کہ رجوع کرنا وحی الٰہی کے نزول پر نہیں ہوا تھا کہ کل مسلمان ابن عباس اور ابن عمر کے ساتھ ہو جائیں انکی ذاتی رائے تھی پہلے اُسامہ کی حدیث پر عمل کرتے تھے مگر جب ابی سعید خدری کی حدیث سنی تو وہ اُسامہ کی حدیث سے زیادہ بھلی لگی اُنہوں نے اِسکو چھوڑ کے ابی سعید خدری کی حدیث قبول کر لی مگر اِس قبول کرنیکی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کی گئی جو بے کم و کاست مانی جاتی۔ اُسامہ کے قول سے رجوع کرنے کی یہ حدیث ہی صحیح مسلم میں ابو نضرہ سے روایت ہی "قال سالت ابن عمر وابن عباس عن الصرف فلم یریا به باسا فانی لقاعد عند ابی سعید الخدری فسالته عن الصرف فقال ما زاد فهو ربا فانکرت ذلك لقولهما فقال لا احدثك الا ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم جاءه صاحب نخلة بصاع من تمر طیب وکان تمر النبی صلی الله علیه وسلم هذا اللون فقال له النبی صلی الله علیه وسلم انی لك هذا قال انطلقت بصاعین فاشتریت به هذا الصاع فان سعر هذا فی السوق کذا وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ویلك اربیت اذا اردت ذلك فبع تمرك بسلعة ثم اشتر بسلعتك ای تمر شئت قال ابو سعید التمر بالتمر احق ام الفضة بالفضة قال فاتیت ابن عمر بعد فنهانی ولم ات ابن عباس قال فحدثنی ابو الصهباء انه سال ابن عباس عنه بمکة فکرهه" (ابو نضرہ سے روایت ہے)
یعنی میں نے صرف کے باب میں ابن عمر اور ابن عباس سے سوال کیا۔ اُنہیں اِن میں کچھ اندیشہ نہ معلوم ہوا میں ابو سعید خدری کے پاس بیٹھا تھا میں نے اُن سے (بھی) صرف کے بارے میں دریافت کیا اُنہوں نے جواب دیا جو کچھ زیادہ ہوگا۔ ربو ہوگا میں نے ابن عمر اور ابن عباس کے قول کی بنا پر انکار کیا ابی سعید خدری نے جواب دیا جو کچھ میں تجھسے کہوں گا وہی ہوگا جو میں نے حضور انور کی زبان مبارک سے سنا ہی ایک صاحب نخلہ حضور انور کی خدمت میں ایک صاع طیب تمر لایا اور حضور انور کے تمر اسی رنگ کے تھے حضور انور نے ارشاد

زیادہ ابوسعید خدری نے اِس میں حصہ لیا ہو اور یہ حصہ لینا صرف اسبات پر دلالت کرتا ہو کہ آپ جماعت صحابہ کے خلاف ربا کے معاملہ میں خاص ایک مسلک اختیار کرنے والے تھے ممکن ہو کہ آپ نے خاص طور پر رسول کریم سے اطمینان کے قابل کوئی حدیث سن لی ہو مگر اس کثرت روایات پر بھی وہ ربٰو کے متعلق کوئی انقطاعی فیصلہ نہ کر سکے۔

حاکم طریق جہاں عدوی سے یہ روایت کرتے ہیں۔ قال سالت ابا مجلز عن الصرف فقال کان ابن عباس لا یری بہ باسا زمانا من عمرہ ما کان منہ عینا بعین ید ابید وکان یقول انما الربوٰا فی النیۃ فلقیہ ابو سعید فذکر القصۃ والحدیث وفیہ التمر بالتمر والحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ ید ابید مثلا بمثل فمن زاد فہو ربا فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما استغفر اللہ واتوب الیہ کان ینہی عنہ اشد النہی یعنی میں نے ابو مجلز سے صرف کے باب میں سوال کیا اس نے جواب دیا کہ ایک زمانہ میں ابن عباس کو اس میں کچھ خوف نہ تھا جب وہ عینا بعین اور یدا بید ہوا اور کہتے تھے انما الربوٰا فی النیۃ پس ان سے ابوسعید خدری ملے اور تمام حدیث اور قصہ کا ذکر کیا اور اسی حدیث میں ہو التمر بالتمر والحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ ید ابید مثلا بمثل فمن زاد فہو ربا (یعنی تمر کی بیع تمر سے اور گندم کی بیع گندم سے جو کی جو سے سونے کی سونے سے چاندی کی چاندی سے دست بدست مثل بمثل ہو جس کسی نے زیادہ کیا ہے وہی ربو ہی) پھر کہا ابن عباس نے استغفر اللہ واتوب الیہ ابن عباس بہت سختی سے نہی کرتے تھے۔" اس حدیث سے اگرچہ ابن عباس کا رجوع کرنا پایا جاتا ہو مگر یہ ضرور ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی اپنی رائے اس مسئلہ میں ابوسعید خدری کے خلاف ضرور رکھتے تھے جو اسبات کی شہادت ہو کہ مسئلہ ربٰو کے بارے میں صحابہ مختلف الخیال تھے۔ اُسامہ بن زید، ابن عباس اور ابن عمر کی تو رائے یہی تھی گو بعدازاں صرف حضرت ابن عباس نے اپنی رائے کو واپس لے لیا کہ ایک درہم کی بیع دو درہموں سے بحالت دست بدست ہونے کے داخل ربو نہیں ہو۔ یہ خدا جانتا ہو کہ ابوسعید خدری کو صحیح حدیث پہنچی یا ابن عباس، ابن عمر اور اُسامہ بن زید کو ہم اسکا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ سب صحابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھا چڑھا ہو۔ کوئی کافی شہادت ایک کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کی ہمارے پاس نہیں ہو کونسا پیمانہ ہی جس سے ہم یہ جانچ سکیں کہ اُسامہ بن زید کو غلط روایت پہنچی اور ابوسعید خدری کو صحیح روایت مل گئی۔ اگر فقہا نے ابوسعید کی روایت کردہ حدیث کو تسلیم کر لیا ہو اور اُسامہ بن زید کی حدیث کو ناقابل اعتبار ٹھیرایا ہو تو یہ اُن کی ذاتی رائے اور ذاتی مذاق ہو ضرورت نہیں ہو کہ ہم بلاوجہ اُن کی رائے سے ہم آہنگی کریں کونسا اصول اسلام ہمیں مجبور کر رہا ہو کہ ہم بالجبر ابوسعید کی روایت کردہ حدیث پر عملدرآمد کریں۔ کیونکر فیصلہ ہو سکتا ہی ایک صحابی سچے ہیں اور ایک نہیں ہیں اسماء الرجال ایک ناکافی اور قدیم زمانہ کا پیمانہ احادیث کی صحت اور غیر صحت جانچنے کا ہو موجودہ زمانہ میں جب تحقیق کو زیادہ وسعت ہو گئی ہو اور خیالات میں فلسفہ اور طبیعات کا رنگ پیدا ہو گیا ہو وہ پیمانہ کام نہیں دے سکتا۔ قدیم پیمانہ کی تو یہ کیفیت ہو اب جدید پیمانہ ہمارے پاس کوئی نہیں ہو نہ اُس زمانہ کا کوئی شخص زندہ ہو کہ اُس سے فیصلہ کریں کہ ابوسعید خدری کس پائے کے صحابی تھے اور کیا ایسے اہم مسئلہ کو سوائے اُن کے رسول کریم نے کسی کے آگے بیان ہی نہیں کیا تھا۔ ربٰو کے معاملہ میں جہاں بحث کی گئی ہو ابوسعید خدری ہی کی روایت کردہ حدیث سے استدلال

ہو گیا تھا اور خلفائے راشدین تک ربوٰ کا بہت سادہ سیدھا مفہوم رہا لیکن جب بنو اُمیہ اور بعد ازاں بنو عباس کی سلطنت ہوئی اور تمدن کو ترقی ہوئی تو عقاید اور دینی مسائل میں بھی چھان بین ہونے لگی اِس تگ و دو اور چھان بین سے علم کی تو بہت ترقی ہوئی لیکن مذہبی پہلو بدنما اور پیچیدہ بن گیا اور ایسا پیچیدہ بنا کہ اب اُس کا سُلجھنا بھی مشکل پڑ گیا ہے۔ مسایل کے ہر پہلو پر بحث و مباحث کا دروازہ کھل گیا اور وہ بال کی کھال نکالی گئی کہ شاید خلفائے راشدین کے وقت میں اِسکا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ فقہائے کرام نے سود پر بھی توجہ کی اور اِس کی بحث کو اسقدر طول دیا کہ بات کا بتنگڑ ا بنا دیا اور وہ مین میکھ نکالی جس پر نہ کبھی عمل ہوا نہ ہو سکتا ہے۔

اِن سب باتوں سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہے کہ جسطرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ربوٰ کی آیت کی تفسیر میں خلش رہی اسیطرح حضرت ابن عباس اور ابن عمر کو بھی شک تھا اور آپ دونوں صحابہ معہ اُسامہ اور اَور صحابہ کے اِسپر کوئی رائے قایم نہیں کر سکتے تھے۔ جب اِن جلیل القدر صحابہ کی یہ کیفیت تھی تو ہم کس صورت سے ربوٰ کے متعلق بطور خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ سوائے ابو سعید خدری کے کیونکہ اِن ہی کی روایتیں بیان ربوٰ میں بہت پائی جاتی ہیں اور اکثر صحابہ مذبذب ہیں اور انہوں نے اگر کوئی رائے بھی قایم کی ہے تو اسکے بالکل برعکس معاملہ ربوٰ میں جلیل القدر صحابہ بالکل خاموش ہیں اور کبھی اُنہوں نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں کی جس سے اِس اہم مسئلہ کا فیصلہ ہو جاتا۔

ابو صالح نے ایک روایت کی ہے جو حسب ذیل ہے قال سمعت ابا سعید الخدری یقول الدینار بالدینار والدرھم بالدرھم مثلا بمثل فمن زاد او ازداد فقد اربی فقلت له ان ابن عباس یقول غیر ھذا فقال لقیت ابن عباس فقلت ارایت ھذا الذی تقول شئ سمعته من رسول اللہ صلعم او وجدته فی کتاب اللہ عز وجل فقال لم اسمعه من رسول اللہ صلعم ولم اجده فی کتاب اللہ ولکن حدثنی اسامة بن زید ان النبی صلعم قال الربا فی النسیئة۔ یعنی ابو صالح ابو سعید خدری سے میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ دینا کی بیع دینار کے ساتھ اور درہم کی درہم کیساتھ مثل بمثل ہے۔ پس جس شخص نے زیادہ طلب کیا یا زیادہ کیا اس نے تحقیق ربوٰ کیا۔ میں نے اِن سے کہا کہ ابن عباس اِسکے خلاف کہتے ہیں۔ ابو سعید نے کہا میں ابن عباس سے ملا اور کہا آیا دیکھا ہے تو نے اِس قول کو جو تو کہتا ہے اور آیا سنا ہے تو نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یا تو نے کتاب اللہ میں اُسے پایا ہے ابن عباس نے جواب دیا نہ میں نے رسول اللہ سے سنا اور نہ کتاب اللہ میں اُسے پایا مگر مجھسے اُسامہ بن زید نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا ربا نسیہ میں ہے۔"

یہ بات اور بھی عجیب ترین ہے کہ اکثر حدیثیں صرف ابو سعید خدری نے ربوٰ کے معاملہ میں بیان کی ہیں مشکل سے کوئی حدیث ایسی نکلے گی جس میں ابو سعید خدری رح کا نام نہ ہو یہ ایک راز ہے جو سمجھ میں نہیں آتا وجہ کیا کہ صحیحین نے اور صحابہ کے احادیث کو اِس کثرت سے نہیں بیان کیا جیسا اُنہوں نے ابو سعید خدری کی روایت کردہ احادیث کو درج کیا ہے سوا اِسکے اور کوئی بات نہیں کھلتی کہ صحابہ کا بہت بڑا گروہ معاملہ ربوٰ میں خاموش ہے اور یہ خاموشی صرف اِسوجہ سے ہے کہ قرآن مجید میں نہ صحیح احادیث میں اُن کی تفصیل اور تشریح درج ہے۔ سب سے

بدقسمتی اور خوش فہمی ہے۔ فقہا نے کبھی نہیں دعویٰ کیا کہ ہمارے قول کو بالجبر تسلیم کرو امام مالک کی حکایت موجود ہے کہ جب ہارون رشید نے اِن سے باصرار یہ کہا کہ میں آپ کی موطا کو کعبہ میں لٹکا دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ سب اسی کتاب کو اپنا دستور عمل بنائیں لیکن امام مالک نے یہ پسند نہیں کیا وہ نمائشی امام نہ تھے بلکہ رسول کریم سے اُنہیں خاص تعلق تھا وہ اپنے من مانے اقوال کی بالجبر اشاعت دینا نہیں چاہتے تھے آپ نے صاف کہدیا کہ یہ مجھے منظور نہیں ہے ممکن ہے کہ اور لوگوں کو صحیح احادیث پہنچ گئی ہوں اور وہ اُنہیں پر عمل کر رہے ہوں اے امیرالمومنین تو اُنہیں اِس عمل سے بالجبر علیحدہ نہ کر۔ کتنی بڑی امام مالک کی نیک نیتی اور عالی ظرفی ہے ورنہ کون شخص ہے جو اپنی شہرت اور ناموری نہیں چاہتا مگر یہ امام خدا کے پاک بندے اور رسول مقبول کے سچے عاشق اور اسلام کے سچے فدائی تھے اِنہیں اپنی جمع کردہ حدیثوں پر زیادہ اصرار نہ تھا اور نہ وہ کوئی انقطاعی طور پر اِنہیں رسول کریم کے الفاظ ہی سمجھتے تھے۔ اِنہیں معلوم تھا جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے اِسمیں غلطی۔ خطا اور نسیان کا احتمال ہے اور جو کمزوریاں کہ ایک انسانی کتاب میں ہوتی ہیں وہ اِس میں موجود ہیں یہ قرآن نہیں ہے کہ تمام دنیا اِسپر آنکھ بند کر کے چلنے لگے یہ خیالات بڑے مسعود و محمود تھے اور یہ ایسے خیالات تھے جن پر اسلام ہمیشہ فخر کرے گا۔

اقوال مذکورہ بالا کے خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فاضل امام نے سود کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نہ ایسے صاف الفاظ میں لکھا ہے جس سے دود کا دود اور پانی کا پانی علیحدہ علیحدہ ہو جائے۔ اصل میں اُن اقوال کی بنا ابوسعید خدری رض کی روایت کردہ احادیث ہیں جب وہی مجمل ہیں تو اُن کی شرح یا وہ استدلال جو اُن کی حدیثوں سے کیا جائے گا کیونکر مبین ہو سکتا ہے۔ کل احادیث صحیح مسلم کے جو ربوٰ کے بارے میں آئی ہیں یہ الفاظ ہیں "لا تبیعوا الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها علی بعض۔ سواء بسواء فمن زاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیه سواء فمن زاد واستزاد فهو ربا الدینار بالدینار لا فضل بینهما والدرهم بالدرهم لا فضل بینهما والدرهم بالدرهم لا فضل بینهما۔ اتی رسول الله صلعم بتمر فقال ما هذا التمر من تمرنا فقال الرجل یا رسول الله بعنا تمرنا صاعین بصاع من هذا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هذا الربوا فردوه اضعفت اربیت"۔

صحیح مسلم کے اِن کل کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے معاملہ میں سبب تحریم و فساد بڑھوتری ہے اِن تمام کلمات صحیح مسلم کو تسلیم کرنے کے بعد بھی بڑھوتری کے معنی سمجھ میں نہیں آتے کہ شریعت غرا میں بڑھوتری کے کیا معنی ہیں بڑھوتری کے صدہا اقسام ہیں کاش وہ اقسام بیان کر دیئے جاتے تو صاف سمجھ میں آ سکتا مگر ہم صحیح مسلم کے کلمات مذکورہ سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ سوا اس کے جو بڑھوتری کا طریقہ اُس زمانہ میں رائج تھا یعنی غریب غربا میں سود روپیہ چلانے کا طریقہ بس اِسیکو بڑھوتری سمجھ کے منظور کریں باقی اِس زمانہ میں جو تجارت کی شاخیں نکلی ہیں اِن کلمات سے مستثنےٰ کر دیں۔

مولٰنا بحر العلوم کی رائے

شرح منار میں مولٰنا صاحب رح تحریر فرماتے ہیں "کہ بیع حقیقت شرعیہ است عبارت از مبادلہ مال بمال ایں

کیا گیا ہے قریب قریب کل احادیث کا مطلب یکساں ہے اگرچہ حدیثیں بکثرت بیان ہوئی ہیں لیکن سب حدیثوں میں صرف ایک حدیث کو بھی منتخب کرلیں تو مطلب سب کا نکل آتا ہے۔ اِن کل حدیثوں کو صحیح تسلیم کرنے پر بھی سوائے چند اشیا کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ربٰو کے مدارج بیان کئے ہیں اور نہ اُن کی شاخیں لاٹیری اور بنکوں کا اشارہ بھی ذکر نہیں ہے اگر ابو سعید خدری کی روایت کردہ احادیث کا مطلب ربّانی مفہوم ہوتا تو وہ ضرور کل چیزوں کی حاوی ہوتا انسان اور خدا کے کلام میں یہی بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔

ربٰو کی بابت امام مالک کی رائے

حضرت امام مالک رح نے موطا کے کتاب البیوع و المعاملات میں یہ لکھا ہے یشترط فی کل عقد ان یکون بتراضی العاقدین وان لا یکون عقدا علی باطل"۔ یعنی ہر عقد میں شرط ہے کہ تبراضی طرفین ہو اور عقد باطل نہو۔ حضرت امام مالک کا یہ قول اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے آپ کا یہ فرمانا کہ جس عقد میں طرفین کی رضامندی نہو وہ باطل ہے اور جب طرفین ایک معاملہ میں راضی ہو گئے تو وہ باطل نہیں ہو سکتا۔ باطل کے معنی ربٰو ہیں جو باطل ہے وہ ربٰو ہے اور جو باطل نہیں ہے وہ ربٰو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسکی شرح مسوّیٰ میں شاہ ولی اللہ یہ لکھتے ہیں وھذا یشتمل ما لا یکون بعقد کالغصب والسرقة او یکون بعقد حرام کالقمار والربوا"۔ یعنی یہ مشتمل ہے اِس پر کہ عقد ہی نہو جیسے غصب اور چوری یا عقد حرام ہو جیسے جوا اور ربٰو" پھر اسی کتاب میں امام مالک نے ایک باب اِس عنوان سے مرتب کیا ہے الوصف الذی یدور علیہ ھذا الحکم یعنی وہ وصف جس پر اِس حکم کا مدار ہے اِس باب میں سعید بن مسیب سے روایت کی ہے لا ربوا الا فی ذھب و فضة او ما یکال او یوزن مما یوکل ویشرب یعنی سوائے چاندی سونے اور اُس چیز کے جو کھانے پینے کی قسم سے مکیل یا موزون ہوتی ہو اور کسی میں ربٰو نہیں ہے۔ اِن الفاظ سے اور ایک باب منعقد کیا ہے یجوز ان یحتال للخلاص من الربوا ببیع مستانف وقبض یتخللان فی ذلک"۔ یعنی ربٰو سے بچنے کے لئے جائز ہے کہ نئی بیع اور قبض کے ذریعہ سے جو درمیان میں واقع ہو تدبیر کی جائے" اسی باب میں امام مالک نے ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث کی نقل کی ہے اور اسی سے استدلال کیا ہے غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کل محدثوں اور فقہا کا دار و مدار محض ابو سعید خدری کی روایتیں ہیں سوائے اُن حدیثوں کے اور کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اِس اہم مسئلہ پر استدلال ہو سکے محض خبر احد پر تمام تمدن اسلام کا فیصلہ کر دینا یہ ایک ناقابل تسلیم بات معلوم ہوتی ہے۔ معاملات داد و ستد جو بناہیں تمدن اور ترقی قومی کی اور جن پر تمام قوم کی زندگی کا دار و مدار ہے فقہا نے بڑی بے احتیاطی سے اِس عظیم مسئلہ میں کام لیا ہے اگرچہ اُنکی نیت بخیر تھی اور اُس زمانہ کے تمدن میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے یہ مسئلہ مضر ثابت ہوتا اور اصل بات یہ ہے کہ فقہا نہ معصوم تھے اور نہ غیب کا علم جانتے تھے کہ اُنھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ آئندہ تمدن اسلام کا رنگ بدلے گا اور اسلام کی قسمت مسیحی دنیا کے ساتھ کہاں تک وابستہ ہو جائے گی اگر خفیف سا شبہ بھی اُنھیں ہو جاتا تو وہ ربٰو کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ محض ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث پر نہ کرتے خیر جو کچھ اُنہوں نے کیا نیک نیتی سے کیا لیکن اُن کے کئی صدی پہلے کے اقوال پر تکیہ کر کے ہو بیٹھنا اور اُن کو کالوحی من السماء سمجھنا یہ ہماری

جاتا ہے "یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہا ہے سود سے اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر نہ کروگے تو خبردار ہو جاؤ اللہ اور اُس کے رسول کی لڑائی سے اور اگر توبہ کروگے تو تمہارے لیئے راس المال ہے۔ خدا کا حکم تو یہ ہے اس سے زیادہ سادہ اور لطیف حکم اور ہو نہیں سکتا نہ اس میں ربوٰ کی مین میکھ نکالی گئی ہے اور نہ علمی پیچیدہ بیان ہیں کچھ بھی نہیں نہایت شیریں اور پر اثر الفاظ میں اُس روپیہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا ہے جو قبل از حرمت ربوٰ اصلی رقم سے زیادہ ایک کا دوسرے پر باقی تھا چونکہ یہ روپیہ کا معاملہ تھا اور خیال یہ تھا کہ صدہا سال کی عادت اور وہ بھی روپیہ کے معاملہ میں یکلخت کیونکر ترک ہوگی تو اسکے لیئے یہ شدید اور خطرناک حکم دیا کہ تمہیں خدا اور اُسکے رسول سے جنگ کرنی پڑے گی جنگ یا لڑائی سے وہ مطلب نہیں ہے جو عرف میں سمجھا جاتا ہے بلکہ لڑائی سے غرض خدا و رسول کی مخالفت اور اُسکے احکام سے سرتابی ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو محض ناممکن تھا کہ مسلمانوں میں کوئی اتحاد قایم ہوتا اور وہ آئندہ حل کے عظیم فتوحات حاصل کرتے۔ ربوٰ کے حرام ہونے کی حد یہاں تک ہے اور اسی غرض سے ربوٰ حرام بھی کیا گیا تھا کہ سالہا سال کی عداوتیں دلوں سے نسیاً منسیاً ہو جائیں۔ ربوٰ کے یہ سادے معنی ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہیں رہا یہ ہمارے فقہا کی پیچیدہ بحثیں یہ اُنکی طباعی اور عالی دماغی ہے نفس مطلب قرآن مجید کو اِس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

مولانا امام فخر الدین رازی

تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے فاضل امام نے بھی کوئی فیصلہ ربوٰ کے متعلق نہیں کیا۔ نہ قرآنی ربوٰ کی اصلی حقیقت بیان کی اور نہ فقہی ربوٰ کو واضح کرکے دکھایا۔ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے اس میں اگرچہ کچھ جدت نہیں ہے تو بھی ایک لطف آتا ہے آپ کے بیان کا ایک حصہ تو ابو سعید خدری کی روایتوں کا ماخذ ہے اور دوسرے حصہ اُن کی فقیہانہ و مفسرانہ رائے ہیں اور یہ رائیں کسی قدر توجہ کے قابل ہیں۔ اُن کی تفسیر کا جو حصہ ابو سعید خدری کی روایات سے ماخذ ہے اُس کا خلاصہ تو وہ ان الفاظ میں ہو سکتا ہے۔ قال محمد بن سیرین کنا فی بیت ومعنا عکرمۃ فقال رجل یا عکرمۃ ما تذکر ونحن فی بیت فلان ومعنا ابن عباس فقال انما کنت استحللت الصرف برأی ثم بلغنی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمہ فاشہدوا انی حرمتہ وبرئت منہ الی اللہ یعنی محمد بن سیرین نے کہا کہ ہم ایک گھر میں تھے اور ہمارے ساتھ عکرمہ بھی تھے ایک آدمی نے کہا اے عکرمہ تمہیں یاد نہیں کہ ہم فلاں شخص کے گھر میں تھے اور ہمارے ساتھ ابن عباس بھی تھے ابن عباس نے کہا میں نے معاملہ صرف کو اپنی رائے سے حلال سمجھا تھا پھر مجھے یہ خبر پہنچی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو حرام کیا ہے پس تم گواہ رہو کہ میں نے اُسکو حرام کیا اور میں اس رائے سے اللہ کے رو برو بری ہوں۔ امام فخر الدین رازی کی اس روایت میں بھی یہ بات قابل سوال ہے کہ ابن عباس نے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے کس کی زبانی اپنی رائے کے خلاف حدیث سنی غالباً ابو سعید خدری سے اُنہوں نے سنا ہوگا ان کے علاوہ اور صحابہ کی روایتیں معاملہ ربوٰ میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں۔ دوسرا حصہ تفسیر کا وہ ہے جو امام صاحب نے خود بیان فرمایا ہے

حقیقت اعتبار کردہ شارع مشروع باصلہ است پس ربوٰ اور سائر بیوع فاسدہ بالفعل کہ بیع اند صحیح و مشروع است و چوں ربوٰ مشتمل است بر زیادہ خالی از عوض و ایں زیادہ قبیح است پس بسبب اشتمال بریں زیادہ قبیح ربوٰ منہ عنہ شد و سائر بیوع فاسدہ بسبب اشتمال بر آمور مفسدہ کہ قبیح لعینہ اند متعلق نہی شدند پس در ربوٰ و سائر بیوع فاسدہ ملک بعد قبض پیدا مے شود بجہت وجود سبب و ایں زیادت در ملک نخواہد آمد کہ ایں قبیح است اصالتاً و ہمچنیں امور مفسدہ عقد لیکن چوں ایں بیوع منہی عنہ اند مشابہ غصب شدند پس زمان بقیمت لازم آید نہ بثمن مسمی کہ ایں مسمی مشتمل است بر وصف غیر مشروع و رد ایں بیوع واجب شد نسبت تعلق نہی بوی اگرچہ بجہت وصف باشد" اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑھوتری اگرچہ اس پر قبضہ بھی ہو تو بھی داخل ملک نہیں ہوسکتی۔ مولانا بحر العلوم کی اس عبارت میں حرام کا لفظ ایسی بڑھوتری کی نسبت استعمال نہیں ہوا ہے ہاں اگر باطل کو ربوٰ اور ربوٰ کو حرام کہیں تو بات دوسری ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا اسبات میں بہت بڑا اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک ایسی بڑھوتری باطل ہے لیکن امام اعظم امام ابوحنیفہ اس بڑھوتری کو باطل یعنی ربوٰ تو نہیں قرار دیتے ہاں فاسد مانتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ بڑھوتری داخل ملک بھی ہوسکتی ہے مولانا بحر العلوم کا یہ جملہ کہ چوں ربوٰ مشتمل است بر زیادہ خالی از عوض و ایں زیادہ قبیح است پس بسبب اشتمال بریں زیادہ قبیح ربوٰ منہ عنہ شد یہ نہیں سمجھ میں آیا زیادہ خالی از عوض کے کیا معنی ہیں غالباً یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ ایک شخص جب سودی روپیہ کسی کو دیتا ہے تو وہ سود بلا کسی معاوضہ کے ہوا کیونکہ اس نے دوسرے شخص سے بلا معاوضہ رقم حاصل کی اور اگر یہ دیکھا جائے کہ اپنے روپیہ کا معاوضہ لیا تو وہ روپیہ اُس کا سالم موجود ہے پھر معاوضہ کس بات کا ہوا غالباً بحر العلوم کا یہی مطلب ہے مگر سارے فقہائے سودخواری کی بہت سی صورتوں کو حرام سے مستثنےٰ کر دیا ہے مثلاً بیع الوفا حلال اور طیب گئی گئی ہے حالانکہ وہ بھی ایک قسم کا ربوٰ ہے کہ ہم ہزار روپے کے مکان کو گروی رکھیں اور یہ شرط کریں اگر چار سال کے عرصہ میں نہ چھڑا لیا تو مکان آ گیا ہوگیا۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک پیسہ بھی بیشی کا نہ لیا جائے۔ اور اخیر پر معاملہ ہے لیکن مکان کے قبضہ میں آ جانے کے بعد تو ایک رقم کثیر بڑھی جب آپ بڑھوتری کو فقہائے ربوٰ قرار دیا ہے پھر وجہ کیا ہے کہ اس بڑھوتری کو ربوٰ نہ قرار دیا جائے۔ مکانات کا کرایہ کیوں نہیں ربوا قرار دیا جاتا جب ایک مستقل رقم سے ہر مہینہ اُسمیں بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔ پرامیسری نوٹوں کی خریداری اور اُس سے منافع اُٹھانا یہ بھی بمنزلہ جائداد کی خریداری کے ہے ہمارے موجودہ علما ایک کو حلال اور ایک کو حرام قرار دیتے ہیں۔ فقہائے پرامیسری نوٹوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اسکا کچھ رواج نہ تھا ہماری سخت بدقسمتی ہے کہ جو صورتیں منافع کی فقہا کے زمانہ میں نہیں قرار دیگئی ہیں اور اُن کی رائے سے بچگئی ہیں اُنہیں بھی ہم نے اپنے زمانہ میں داخل ربوٰ سمجھ لیا ہے یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُس فریضہ کا عملی اثر ہماری زندگی پر کچھ نہیں پڑتا تو بھی اخلاقی اور تمدنی اصول کے خلاف ہے کہ ایک ناممکن التعمیل بات کو ناجائز اور قابل عمل قرار دیں اور اُس پر بہت شد و مد سے بحث کریں۔

ربوٰ کی قرآنی صورت میں تو کلام نہیں وہ تو بیشک حرام مطلق ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے صاف پایا

اور اس سے بہتر فیصلہ مسلمانوں کے انتشار مٹانے کے لئے اور ہو نہیں سکتا تھا۔ اس قول کی اصلی تہ کو امام صاحب پہنچ گئے ہیں لیکن اُنہوں نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ اس رائے کے ظاہر کرنے کے بعد انہیں لازم تھا کہ وہ معاملہ لین دین کے کل پہلوؤں پر بحث کرتے اور صاف لکھ دیتے کہ اس لین دین کو ربوا کہتے ہیں اور یہ لین دین ربوا میں داخل ہی مگر امام صاحب نے ایسا نہیں کیا وجہ نہ کرنے کی سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ موجودہ ضرورتیں اس زمانہ میں نہ واقع ہوئی تھیں اگر موجودہ حالت کا ایک شمہ بھی ہوتا تو امام صاحب ضرور بہت سے منافعوں کو ربوخواری سے نکال دیتے پھر بھی جو کچھ امام صاحب نے لکھا اچھا لکھا میں اُسکی دل سے تعریف کرتا ہوں اور مجھے یقین ہی کہ وہ اس معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے ہیں۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ اسقدر وضاحت سے بیان ہوا ہی کہ اس سے زیادہ امام صاحب کبھی بیان نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے سود لینے اور مجبت کے لئے بہت سادے الفاظ میں ربو کو حرام کہا ہی لیکن میں نے بال کی کھال نکال کے دکھادی اور کوئی پہلو اُسکا ایسا نہیں چھوڑا جسپر بحث نہ کی ہو۔ میرا ناظر تفسیر انصافاً خود موازنہ کرلے گا کسکا بیان کل پہلوؤں کو لئے ہوئے ہی اور کس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کرکے دکھادیا ہی اور بھی موجودہ زمانہ کے بعض مفسروں اور مضمون نگاروں نے ربو کی اصلیت پر بحث کی ہی مگر انہوں نے یہ غلطی کی کہ مخالف پہلوؤں کو چھوڑ دیا اور جو تفسیریں یا توضیحات اپنے مطلب کی ملی ہیں انہیں درج کردیا ہی حالانکہ میں نے ایسا نہیں کیا جس روایت یا احادیث سے قطعاً میرا مطلب ثابت نہ ہوتا تھا اُسکو بھی میں نے نقل کردیا اور اُسپر اس فقیہانہ طور پر بحث کی کہ مخالفت کا رنگ موافقت سے بدل گیا۔ انصاف اور حق کو نظر رکھ کے جو شخص میری تحریر کو غور سے پڑھے گا اُسے ربو کی اصلی حقیقت معلوم ہوجائے گی اُسے کھلے گا جو کچھ فقہائے اس معاملہ میں میں میگ نکالی ہی قرآنی مفہوم اس سے بہت دور ہی فقہائے جن منافع پر سود کا اطلاق کیا ہی یہ اُن کی ذاتی رائے ہی قرآن کا نفس مطلب اُن کی اس رائے کا پابند نہیں ہوسکتا۔

فقہا کا عام اصول یہ ہی کہ ایسی تعلیل نہ کیجائے جس سے حکم منصوص میں کسیطرح کا خلل واقع ہو چنانچہ فقہا کی مسلمات میں ہی "یشترط ان یبقی الحکم فی الاصل بعد التعلیل علی ما کان قبلہ لان تغیر حکم النص فی نفسہ بالرائ باطل" اس رائے کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں اور میرا ایمان ہی کہ اصل نفس کے خلاف اپنی رائے سے کوئی بات پیدا کرنی سخت لغو حرکت ہی اور ایسا شخص مسلمان کیونکر ہوسکتا ہی جس نے اپنی رائے سے منشائے باری تعالی کے خلاف کوئی بات پیدا کی ہو مگر سوال یہ ہی کہ یہ عام اصول اور مسلمات دوسروں کے لئے ہی یا فقہا کے لئے بھی یہ میں کبھی نہیں ماننے کا کہ فقہا پر وحی اُترتی تھی کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہی اور اُنہوں نے کبھی اپنی رائے سے کام نہیں لیا جتنی تفسیریں قرآن مجید کی لکھی گئیں سب رائے سے لکھی گئیں کوئی مفسر یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ میں نے خدا و رسول سے دریافت کرکے آیت کی یہ تفسیر کی ہی تمام تفاسیر خواہ وہ بڑے سے بڑے فاضل کی کیوں نہوں سب رائے سے لکھی ہوئیں اور اس سے کسی مفسر کو چارہ نہیں ہی کہ وہ اپنی رائے کا اظہار نکرے اور الہام کے ذریعہ سے خدا و رسول کا مفہوم ادا کرے ہاں بعض تفسیریں ایسی ملتی ہیں جن میں محض حدیث سے بحث کی گئی ہی اور کوشش کی گئی ہی کہ آیت کی

اِسکا ترجمہ حسب ذیل ہی" ربٰو کے معنی ہیں بلاعوض انسان کے مال لینے کے اور انسان کا مال نہایت محترم ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ مسلم کے مال کی حرمت اسکے خون کی حرمت کے برابر ہی پس اُسکے مال کا بلاعوض لینا حرام ہوا" دوسری وجہ امام صاحب یہ لکھتے ہیں" سود لینا موانست باہمی اور احسان کا باعث انقطاع ہی اگر ربٰو حلال ہو تو صاحب حاجت اپنی ضرورت سے مجبور ہو کے ایک درہم کے دو درہم دینے کے لئے تیار ہو جائیگا اور یہ امر احسان محبت اور بھلائی کے لئے انقطاع ہی اُسکے بعد امام صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔ ربٰو کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہی اور یہ ضرور نہیں کہ جملہ احکام کا سبب مخلوق کو معلوم ہو پس ربٰو کی حرمت پر کامل یقین کرنا واجب ہے گو ہمیں کوئی وجہ اِسکی معلوم نہ ہو" امام صاحب کی یہ رائے وہی ہی جو میں اوپر بالتفصیل بیان کر چکا ہوں امام صاحب نے ربٰو خواری کا سبب قطع موانست بتایا ہی وہ بہت ٹھیک ہی میری بھی یہی رائے ہی جو کچھ میں نے لکھا ہی انقطاعی لکھا ہی اور اُسکا آسانی سے جواب نہیں ہو سکتا۔ امام صاحب نے فی الحقیقت قرآنی ربٰو کی تفسیر کی ہی کوئی شک نہیں کہ ایک درہم کے عوض دو درہم لے لینا سخت ربٰو ہی اور یہی ربٰو مطلق حرام ہی بلکہ میں ایسے ربٰو کھانے والے کو ملعون اور جہنمی سمجھتا ہوں اسی ربٰو کو قرآن نے حرام کیا ہی اور یہی ربٰو موانست بھلائی اور محبت کے حق میں جیسا امام صاحب نے لکھا ہی زہر ہلاہل ہی۔ مگر پھر سوال یہ ہی کہ جس طرز عمل سے موانست وغیرہ کا انقطاع نہ ہو تو وہ طرز عمل یا طریقہ لین دین کیونکر ربٰو میں داخل ہو سکتا ہی۔ لین دین کی چند صورتیں قایم کر کے بعض کو ربٰو اور بعض کو بیع اور نسیہ کہدینا یہ ہماری ذاتی رائے ہی قرآن مجید کے حکم میں اس سے کچھ تبدیلی نہیں پیدا ہو سکتی۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ ایک درہم کے عوض دو درہم لے لینے سخت جرم ہیں اور اس طرز لین دین سے قیامت تک اتحاد اور دوستی نہیں پیدا ہو سکتی۔ میں امام صاحب کی رائے سے بدل متفق ہوں اور میں اپنے پہلے صفحوں میں ایسے ربٰو کو حرام مطلق تسلیم کر چکا ہوں۔ امام صاحب کی رائے کا آخری حصہ جس میں انہوں نے شبہ کیا ہی وہ اُن کا ذاتی خیال نہیں ہی بلکہ وہ حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیجاتی ہی اِس خیال کی ماخذ ہی۔ جس کا بیان بالتفصیل گزشتہ صفحوں میں کر دیا گیا ہی۔ کوئی شک نہیں کہ ربٰو کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہی ہاں یہ بھی درست ہی کہ جملہ احکام الٰہی کا سبب مخلوق کو معلوم ہونے کی ضرورت نہیں ہی اِس توضیح سے بھی میں انکار نہیں کرتا فی الحقیقت احکام الٰہی کے اندرونی اسباب دریافت کرنا غیر ضروری ہی عقل اُن اسباب کا ٹھیک پتہ نہیں لگا سکتی ممکن ہی کہ آیت ربٰو کے نزول کے وقت مسلمانوں نے یہ سرگوشی کی ہو کہ ہم کیوں اپنا روپیہ چھوڑ دیں اسپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا جسکا اقتباس ہمارے امام صاحب نے کیا ہی کہ گو حضور انور نے اِسکی توضیح اور تفسیر نہیں کی لیکن اُسے اسی حالت میں رہنے دو اور جب حرمت ربٰو کا حکم آگیا ہی اُس کو اُسیطرح مانو۔ لوگوں کا خیال صحیح تھا جب حرمت ربٰو کی آیت نازل ہوئی تو آئندہ کے لئے ہونی چاہیئے اور سود کا روپیہ لوگوں کا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا چڑھا ہوا تھا تو انہیں پس و پیش ہوا ہوگا کہ گزشتہ روپیہ ہم کیوں نہ وصول کریں اس پس و پیش کے مٹانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنا سابق کا کسی سود پیہ بھی چھوڑ دو اور جو لکھا گیا ہی اسپر خیال کرو اور بغیر پس و پیش کے مانو۔ یہ فیصلہ حضرت عمر کا بہت اعلے درجہ کا تھا

کی لوگ اہلیت نہیں رکھتے پھر میں کیوں خواہ مخواہ سمع خراشی کروں صرف اتنا اظہار کر دینا مناسب جانتا ہوں کہ مثل
فقہا اور محدثین کے جو کچھ میں نے لکھا ہی محض نیک نیتی سے لکھا ہی اور خوب سوچ سمجھ کے لکھا ہی ممکن ہی کہ اس میں
لغزشیں بھی ہوگئی ہوں لیکن ایسی لغزشیں چشم پوشی کرنے کے قابل ہیں۔

ربو کے متعلق قرآن مجید میں ایک یہ آیت آئی ہی الذین یبدلون مکان اعطاء الفقراء اخذ الربوا منہم فیأکلون
ذلک الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس "یعنی جو لوگ بجائے فقیروں کے
دینے کے فقیروں سے سود لیکے اُس سود کو کھاتے ہیں نہ کھڑے ہونگے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہی وہ شخص جسے شیطان
نے لپٹ کے خبط میں ڈالا ہو۔ اسی آیت میں یہ بھی بیان ہوا ہی ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع
وحرم الربوا یعنی یہ خرابی حال اُن سود خواروں کی اس سبب سے ہی کہ انہوں نے سوائے اسکے کچھ نہیں ہی کہ بیع
مثل سود کے ہی حالانکہ حلال کیا اللہ تعالیٰ نے بیع کو اور حرام کیا ہی سود کو ہمارے علما ان آیتوں پر مفصلہ ذیل
بحث کرتے ہیں اُن کی رائے نقل کرنے کے بعد پھر میں اپنی رائے دوں گا۔ تمام رایوں کا خلاصہ یہ ہی آیہ
یمحق الربوا ویربی الصدقات میں کلمہ ربوا کو اس ربو سے مخصوص نہیں کیا جو مساکین سے لیا جائے یہ اس اعتراض کا
جواب ہی جو پہلی آیت سے لیا گیا تھا کہ ربو مساکین کی ذات کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہی۔ دوم اس مقام پر پانچ جگہ
کلمہ (الربوا) معرف باللام واقع ہے (۱) یاکلون الربوا (۲) انما البیع مثل الربوا (۳) احل اللہ البیع وحرم
الربوا (۴) یمحق اللہ الربوا (۵) یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا سوم ان ہی آیات تحریم ربو کے بعد فرمایا
ان تبتم فلکم رءوس اموالکم الایۃ اسکے قرین بلا فصل یہ فرمایا وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا الایۃ اس سے صاف
ظاہر ہی کہ سود دینا اغنیا اور مساکین دونوں سے حرام ہی اور آیت تحریم ربو دونوں فریق سے سود لینے پر حاوی ہی
اسلیئے کہ جب تحریم ربو کے حکم کے بعد یہ حکم ہوا کہ جو کچھ سود سے باقی رہا ہی اسکو چھوڑ دو پس اگر توبہ کرو تو صرف راس المال
لو چونکہ منجملہ مدیونوں کے بعض لوگ غریب و مسکین بھی تھے کہ ادائے راس المال کی بھی اُن میں وسعت نہ تھی
لہذا خاص ایسے لوگوں کی نسبت یہ فرمایا وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم یعنی اگر مدیون
تنگ حال ہو تو اُسکی فراخ دستی کا انتظار کرو اور تمہارے لیئے بطور خیرات کے چھوڑ دینا بہتر ہی۔ پنجم تخصیص آیت
تحریم ربوا کی مساکین کے ساتھ نہیں ہی بلکہ یہاں تو مساکین کا کچھ بھی تذکرہ نہیں ہی۔ ششم جو شخص آیت ربو کی
تخصیص مساکین کے ساتھ کرتا ہی یہ اُسکی نری غلطی ہی۔ اس شخص کو غلطی یہ واقع ہوگئی ہی کہ اقتران یعنی مستقل باسمہ کے
دو جملوں کا ساتھ لانا دونوں جملوں کے اشتراک کا باعث جمیع امور میں ہوتا ہی حالانکہ یہ صاف و صریح غلطی ہی علم
اصول فقہ سے یہ امر بدلایل و براہین قرار پا چکا ہی کہ مستقلہ کے دو جملوں کا اقتران اگرچہ بحالت تغائر احکام بواسطہ
حروف عاطفہ کے ہو گو وہ احکام ایک ہی جنس کے ہوں مستلزم اشتراک نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ دو جملے متنافی
بلا واسطہ حروف عاطفہ کے احکام متغائرہ پر مشتمل ہوں ان میں کسی صورت سے بھی اقتران مستلزم اشتراک کا نہیں
ہو سکتا۔ جیسا کہ ما نحن فیہ میں ہی کہ تحریم ربو کی آیت بطور جملہ مستانفہ کے آیت ایجاب انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ

قول رسول سے تفسیر کی جائے لیکن یہاں بھی رائے کو دخل دیا گیا ہے حدیثوں کا انتخاب محض اپنی رائے سے کیا ہے - اِن میں بہت سی حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضور انور نے کبھی بیان نہ فرمائی ہونگی کیونکہ قرآنی مطالب سے وہ متناقض آکے واقع ہوئی ہیں اور اُن میں شان نبوت مطلق نہیں پائی جاتی - جو کچھ کیا گیا رائے سے کیا گیا خواہ حدیثوں کا انتخاب ہو خواہ قرآن مجید کی تفسیر ہو خواہ استنباط مسائل ہو کیا چیز رائے سے خالی ہوسکتی ہے کوئی بھی نہیں بخاری نے کئی لاکھ حدیثوں سے چند ہزار حدیثیں انتخاب کیں صرف اپنی رائے سے حالانکہ اِس بات کا نہ خود دعویٰ کرتے ہیں اور نہ کوئی اور اس کا قایل ہے کہ بخاری کا انتخاب رائے کے ذریعہ سے نہیں ہوا بلکہ اُس پر وحی اترتی تھی یا حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم خواب میں فرما جایا کرتے تھے اگرچہ اِس قسم کے خواب بعض علما نے اپنی کتابوں میں لکھدیئے مگر میں اِن خوابوں کو محض خواب ہی سمجھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ علوم متعارفہ سے اِن خوابوں کو کوئی تعلق نہیں ہے ایک خواب کا مختصر مضمون یہ ہے کہ حضور انور نے ایک شخص سے ارشاد کیا کیا تو میری کتاب نہیں دیکھتا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ تیری کونسی کتاب ہے ارشاد ہوا ہماری کتاب بخاری ہے اِس خواب کے صحیح ہونے میں ہرگز کلام نہیں مگر یہ خواب تعبیر ہے اس بات کی کہ بخاری بعد از قرآن سمجھی جائے گی اور اس کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اسقدر جمے گی اور جمی ہے کہ حضور انور نے اسے اپنی کتاب کہا محض یہ اس عظمت کا پرتو ہے جو اُس زمانہ میں بخاری کا جم چکا تھا کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ کوئی مذہبی کتاب بغیر رائے کے لکھی گئی ہاں یہ میں ضرور مانونگا کہ رائے رائے میں فرق ہے کسی کی رائے کمزور ہے وہ ویسا ہی مطلب نکالیگا کسی کی رائے زبردست ہے وہ ویسا ہی مضمون پیدا کرے گا - ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا جو کچھ لکھا گیا نیک نیتی سے لکھا گیا اور اسلام کے ہر فاضل محدث اور مفسر نے نہایت ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنی رائے کا اظہار کیا - فقہا کا یہ مسلم مسئلہ کہ کوئی ایسی تعلیل نہ کیجائے جس سے حکم منصوص میں کسیطرح کا خلل واقع ہو یکایک بیچون وچرا نہیں تسلیم کیا جا سکتا - فقہا کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ حکم منصوص یہ ہے اور اِس حکم منصوص کا مفہوم یہ ہے ہر شخص اپنے مفہوم کو صحیح بتاتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ میں سمجھا ہوں نیک نیتی سے سمجھا ہوں اب تیسرا شخص ہو جو اِن دونوں کے صحیح و غلط مفہوم کا فیصلہ کردے اور ایسا شخص الہامی ہونا چاہیئے - رہی یہ بات کہ ایک کی رائے کو لاکھوں آدمی مانتے ہیں اور اسپر اتنا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر یہ غلط بھی کہے تو صحیح ہے اور اس سے غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے اور دوسرے کی رائے کی اتنی پروا نہیں کرتے تو یہ مقبولیت اور خوش قسمتی ہے اِس معاملہ میں کسی کا اجارہ نہیں -

حسد کی جا نہیں یہ اپنی اپنی قسمت ہے   کسی پہ لطف کوئی مورد عتاب رہا

نتیجہ اس تمام بحث کا یہ ہے کہ کوئی بات رائے سے خالی نہیں ہے - ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی کی رائے نہایت درجہ پختہ اور کسی رائے کمزور - اگر یہ تمام مذہبی امور رائے کے رنگ سے نہ رنگے جاتے تو باہم اِس قدر کشاکشی نہ ہوتی کہ ایک ہی آیت کا ایک امام کچھ مطلب سمجھ رہا ہے اور دوسرا امام کچھ سمجھ رہا ہے میری اِس بحث کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ربو کی آیت پر میں نے بحث کی ہے اگرچہ خاص فیضان باری تعالیٰ کا صدقہ ہے لیکن میں اسکا اظہار نہیں کرتا کیونکہ ایسی باتوں کے سننے

میرے ساتھ کام کرتی ہی اور روح القدس ہر کام میں مجھے مدد دیتی ہی۔ ہر شخص کو اسکے باور کرنے میں تامل نہ ہوگا کہ راقم الحروف نے کبھی ایک لفظ بھی عربی فارسی اور انگریزی کا نہیں پڑھا مجھے فخر ہی کہ کچھ نہ کچھ اُمی ہونے کا پرتو مجھپر بھی پڑا ہوا ہی۔ جو کچھ میں لکھ چکا ہوں ان میں سے ایک مضمون کو امام فخر الدین رازی کے مضمون سے ملایا جائے اور ایک ہی مطلب کے دو مضمونوں کو ایک ساتھ رکھ کے دیکھ لیا جائے اس سے کھلجائے گا کہ انسانی اعلےٰ قابلیت اور روح القدس کی تائید میں بہت بڑا فرق ہی۔ اس تحریر سے غرض یہ ہی کہ قرآن مجید کے سمجھنے میں اپنی ایجاد کردہ منطق کو دخل دینا نہیں چاہئے خدا کے علم اور کلام پر جو کامل اور بسیط ہی ہمارا علم اور محدود کلام حاوی نہیں ہو سکتا ہماری زبان انتہا درجہ محدود ہمارے خیالات مائل بہ پستی ہم اس قدر معذور ہیں کہ ان چیزوں کی جو روز ہمارے استعمال میں آتی ہیں لذت نہیں بیان کر سکتے اور ہر بات کو بطور تمثیل کے ادا کرتے ہیں جب مجبوری کی یہ کیفیت ہو تو پھر ہماری زبان ہمارا علم اور ہمارے خیالات کس صورت سے کلام خدا پر حاوی ہو سکتے ہیں جسکی طرف معبود برحق کی توجہ ہوگئی اسیکا ضمیر روشن کر دیا گیا اور اُسے کل معنی اور باریکیاں سجھائی دینے لگیں اور جسکی طرف سے نظر پھر گئی وہ بالکل اچوٹ ہو گئے اور قرآن کا ایک لفظ جو بے پڑھے لکھے کو وحد میں لے آتا ہی اُسکے آگے سارا قرآن بھی پڑھ جاؤ تو جنبش بھی نہ ہوگی۔ ایک بڑے فاضل کا ذکر ہی کہ وہ کرسی یا تپائی پر بیٹھ کے قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے طلبہ قرآن لئے نیچے زمین میں بیٹھے رہتے تھے ایک مسلمان نے اُنپر اعتراض کیا کہ تم کلام خدا کی ذرا بھی عزت نہیں کرتے تو اس منطقی اور فلسفی فاضل نے جواب دیا جس سینہ پر شفا اور اشارات نقش ہوں وہ سینہ قرآن مجید سے بلند ہی مقام پر رہنے کے قابل ہی۔ بس یہ جنون ہی جو بیہودہ منطق کے پڑھنے والوں کو ہو جاتا ہی دماغ اُلٹ جاتا ہی حواس خمسہ میں فرق آجاتا ہی طبیعت میں استتار حق پر پردہ پڑ جاتا ہی اور شب و روز مہمل اصطلاحات کا ورد رہتا ہی وہ اصطلاحات جنکے کچھ معنی نہ ہوں اور جنہیں کہنے والا ہی سمجھے غرض یہ ہی کہ خالص اور پاک دل سے خدا کا کلام پڑھو اور غیر ضروری علم منطق کو ہرگز دخل نہ دو۔

قرآن مجید کی گزشتہ آیتوں میں یہ صحیح ہی کہ مساکین کی تخصیص نہیں ہی لیکن یہ تو ماننا پڑیگا کہ ربٰو کے ساتھ خصوصیت سے مساکین ہی کا ذکر آیا ہی کہیں دولتمند کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہی۔ بلکہ اس آیت شریف میں سود خواری کی اُس شدت کا ذکر ہی جو عرب میں رائج تھی اور یہانتک اس تشدد اور ظلم کی انتہا ہو گئی تھی کہ جو فقرا مدینہ میں رہتے تھے اور اُنہیں خرچ کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی اُن کی مدد نہ کرتا تھا بلکہ اُنہیں سودی روپیہ دیا جاتا تھا اور پھر ان پر تشدد ہوتا تھا کہ روپیہ ادا کریں اس بیجا طرز عمل کو روکنے اور اس ظلم شدید کا رستہ بند کرنے کے لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا "جو لوگ بجائے فقیروں کے دینے کے فقیروں سے سود لیکے اُس روپیہ کو کھاتے ہیں کھڑے ہونگے مگر جسطرح کھڑا ہوتا ہی وہ شخص جسے شیطان نے لپٹ کے خبط میں ڈالا ہو" صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ربٰو خواری مدینہ بلکہ کل عرب میں سخت زبوں ترین صورت سے رائج تھی اسلئے خداوند تعالیٰ نے نہ صرف ایسے سود خوار لوگوں کو بلکہ کاتب شاہد اور نویسندہ کو بھی مجرم گردان کے حکم دیدیا کہ وہ سب ایک ہی نمونہ میں ہیں اور یہ

مذکور ہوئی ہی۔ ساتھ ہی اس مقام پر چند احکام متغائرہ آیات ایک دوسرے کے ساتھ واقع ہیں (۱) فی سبیل اللہ خرچ کرنا اور مساکین کا دینا (۲) مال خبیث کے مقصد کرنے کی نہی (ولا تیمموا الخبیث) (۳) سود کی تحریم (۴) دستاویز قرض کے لئے حکم لکھا جانا یاایها الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه یہ فقیہانہ اور مجتہدانہ بحث ہی جو ربوا کے متعلق کی گئی ہی ہمارے فقہا کا یہی مذہب ہی اور وہ اپنے خیالات کی بنا محض اپنے اصول موضوعہ پر رکھتے ہیں آیت ربوا کے بارے میں تمام فقہا کا منشا میں نے آئنہ کردیا ہی جس کا خلاصہ یہ ہی کہ ربوا میں مساکین کی تخصیص نہیں ہی اگر مساکین ہی کی تخصیص ہوتی تو کاتب تمسک۔ گواہ۔ لینے والا۔ کیوں ماخوذ کیا جاتا ہی پھر تو امراء اس سے بری رہتے اور خوب دھڑلے سے گلچھرّے اُڑاتے۔ مگر میری رائے یہ نہیں ہی میں فقہا کے منطقی اصول اور اصول موضوعہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان فقہی اصول موضوعہ کی ساخت ظہور اسلام سے کئی صدی کے بعد ہوئی ہی قرآن مجید ان اصول موضوعہ کا محتاج نہیں ہی معاذ اللہ اگر اُسے ان کی احتیاج ہوتی تو کئی صدی تک مسلمان اسے سمجھ نہیں سکتے حالانکہ ایسا ماننا ہمارے مذہب میں کفر سے بھی زیادہ ہی قرآنی مضامین کو منطق اور فقہی اصول موضوعہ کا جامہ پہنا کے مسلمانوں کے آگے پیش کرنا یہ شان اسلام اور منشائے رسول سے بہت دور ہی۔ جب یہ صریح آیت موجود ہی کہ ہم نے جاہلوں میں تجھے نبی بنا کے بھیجا تاکہ تو ہماری آیتیں اُنہیں سنا اور انکو پاکیزہ بنا اور تو اُنہیں حکمت کی کتاب کی تعلیم کر اگر قرآنی مطالب منطق فلسفہ اور فقہی علوم موضوعہ کے محتاج ہوتے تو خداوند تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ جاہلوں اور بے پڑھے لکھوں میں تجھے مبعوث کیا ہی جہلا منطق اور فلسفہ کو قیامت تک نہیں سمجھ سکتے وہ فقہ کے اصول موضوعہ کو کیا جانیں وہ صاف اور روشن معنی قرآن مجید کے سمجھے اُنہیں قرآن کے مطالب سمجھنے میں کبھی پس و پیش نہیں ہوا کوئی نوشتہ کوئی تاریخ کوئی کلام ایسا نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ بدویان عرب نے آیت سنکے اُسکا مطلب اور تفسیر رسول مقبول سے پوچھی ہو حجازی متوطن عرب تو خیر کچھ لکھے پڑھے بھی تھے لیکن جنگلی بدو محض انسانی صورت کے سوا اور کوئی صفت انسانی نہیں رکھتے تھے۔ جب اُنہوں نے بآسانی قرآن مجید سمجھ لیا تو خیال ہو سکتا ہی کہ قرآن مجید میں منطق کی پیچیدگیاں۔ فلسفہ کے اُتار چڑھاؤ اور اصول موضوعہ کی بھرمار نہیں ہی۔

قرآن مجید کا سمجھنا زیادہ علم۔ فلسفہ منطق۔ ادب اور ریاضی پر موقوف نہیں ہی یہ خاص بات ہی جنکے دل خدائے قادر مطلق کے نور سے منور ہو چکے ہیں اور جنہیں خفیف سا بھی تعلق اپنے خالق حقیقی سے ہی وہ بآسانی قرآن مجید کو سمجھ لینگے۔ ایک تو ظاہری معنی کو سمجھنا اور ایک سمجھنے کے بعد دل پر اثر ہونا اور اثر ہونے کے بعد روح کو اُسکی لذت آنی یہ تین باتیں ہیں جو بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور اُنہیں ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں ہی۔ ظاہری معنی سمجھنے والے تو بہت نکلینگے مگر وہ کم ہونگے جنکے دل پر اس کا اثر ہوا اور وہ تو ان سے بھی کم ہونگے جو اس اثر سے لذت لیتے ہیں۔ مجھے قرآنی مضامین سے ایک خاص تعلق ہی محض بے علم ہونے پر بھی آیت پڑھتے ہی اُسکا وہ دو نقطی مفہوم سمجھ میں آجاتا ہی جو امام فخرالدین رازی کئی جزو میں بھی اُسے ادا نہیں کر سکتے۔ مجھے فخر ہی کہ سعد اقدس

تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ
إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ
حَمِيدٌ ۝ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ
يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً
مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يُؤْتِي
الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا
أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ
أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ
فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ
فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ
وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ
خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ
أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ
النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝

ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ اس میں سے خرچ کرنے لگو حالانکہ وہی چیز تمہیں دینی چاہیے تو تم اس کو کبھی خوش دلی سے نہ لو مگر یہ کہ دیدہ و دانستہ اس کے لینے میں چشم پوشی کرو اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات یعنی بخل کی طرف برانگیختہ کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے قصوروں کی معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے جسکو چاہتا ہے بات کی سمجھ دیتا ہے اور جسے بات کی سمجھ دی گئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں جو سمجھ دار ہیں اور جو خرچ بھی تم خدا کی راہ میں اٹھاؤ یا اس کے نام کی کوئی منت مانو وہ سب اللہ کو معلوم ہے اور جو لوگ غیر خدا کی منت وغیرہ مان کے خدا کے حق مارتے ہیں قیامت کے دن کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کرو گے سو اپنے لئے اور تم خدا ہی کی رضاجوئی کے لئے خرچ کرتے ہو نا اور جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کرو گے قیامت کے دن تم کو پورا پورا بھر دیا جائے گا اور تمہارا کچھ حق نہ مارا جائے گا خیرات تو ان حاجتمندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر بیٹھے ہیں ملک میں کسی طرف جانا چاہیں تو جا نہیں سکتے جو شخص ان کے حال سے بیخبر ہو وہ ان کی خودداری کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے لیکن اے مخاطب تو ان کو دیکھے تو ان کی صورت سے انہیں صاف پہچان جائے گا کہ محتاج ہیں نمرہ اں لگ لپٹ کے لوگوں سے نہیں مانگتے اور جو کچھ بھی تم لوگ خیرات کے طور پر خرچ کرو گے تو خوب سمجھ لو اللہ اسکو جانتا ہے۔ جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے مال کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو انکے دینے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں انہیں ملے گا اور نہ ان

عذاب سے جو ربٰوخواروں کے لیئے مقرر کیا گیا ہے اِن کے ساتھی بھی نہیں بچ سکتے حکم باری تعالیٰ کی شدت یہاں تک ہوئی کہ سود دینے والے کو بھی اسی جرم میں ماخوذ کرلیا۔ فقہا کے استنباطی مسائل کو بالائے طاق رکھکے اور تمام پیچیدہ منطقی باریکیوں کو نظر انداز کرکے جو شخص انصافاً ملاحظہ کرے گا تو اُسے صاف کھلجائے گا کہ قرآنی ربٰو کی کیا حقیقت ہے اور کیا رباخوار کے لئے ایسے وعید نازل ہوئے تھے۔ ایسا سود خوار جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ وہ مساکینوں کی امداد کرنے کے بجائے اُلٹا اُن کا گلا کاٹتا ہے اور اُن سے سود لیتا ہے خواہ وہ مساکین شہر کے رہنے والے ہوں یا پردیسی ہوں وارث جہنم ہے۔ مدینہ میں سود خواری کی یہ شدت تھی کہ بھوکے اور قلانچ آدمیوں سے جن سے ہمدردی کرنی انسانیت کا مقتضیٰ ہے سود لیا جاتا تھا۔ لاریب یہ سود حرام مطلق اور جرم عظیم ہے اور اس سے زیادہ جرم ناقابل معافی اور ہو نہیں سکتا۔ عین انسانیت کے مجرم یعنی سود خوار یہ سمجھتے تھے کہ مساکین سے جو ہم سود لیتے ہیں کیا برا کرتے ہیں ہماری ربٰوخواری مثل بیع کے ہے یہ اور بھی غضبناک خیال تھا ایک تو جرم کرنا اور پھر اُس جرم کو جائز قرار دینا۔ اُس پر خداوند تعالیٰ نے صاف کہدیا کہ ہم نے اِس قسم کے لین دین ہی کو حرام مطلق کردیا ہے پھر تمہیں کیا مجاز ہے کہ تم سود کو مثل بیع کے حلال سمجھتے ہو۔

اگر قرآن مجید کی کل آیتوں کو ترتیب دیکے بغور ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوا کہ جس ربٰو کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے اِس سے نہ صرف اخلاق بگڑتے تھے بلکہ غریبوں کا گلا کٹتا تھا اور یہ ایسا اندھا ظلم تھا جسکی کوئی انتہا نہ تھی میں چاہتا ہوں کہ پورا بیان قرآن سے لین دین اور سود کا نقل کردوں تاکہ دیکھنے والا سمجھ سکے کہ قرآنی سود اور فقہا کے سود میں زمین و آسمان کا بل ہے۔ قرآن مجید کا حکم ناطق ہے اور اِس حکم کے آگے لاکھوں فقیہوں کا قول محض بے حقیقت ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا
وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا

یعنی جو لوگ خدا کی رضا جوئی کے لئے اور اپنی نیت ثابت رکھکے اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچائی پر لگا ہوا ہے اُس پر زور کا مینہ برسا تو وہ چند پھل لایا اور اگر اُس پر زور کی بارش نہ ہوئی تو ہلکی پھوار بس ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے بھلا تم میں سے کوئی بھی اِس بات کو پسند کریگا کہ کھجوروں اور انگوروں کا اِس کا ایک باغ ہو اور اُسکے نیچے نہریں بہ رہی ہوں ہر طرح کے میوے اُسے وہاں میسر (آتے) ہوں اور (اسی اثنا میں) بڑھاپے نے اُسے آلیا اور اُسکے (کم سن) ناتوان بچے ہیں اب اِس (باغ) میں ایک آگ کا بھرا ہوا بگولا چلا بس وہ جل بھنکے رہ گیا اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کے تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو مسلمانوں خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے تجارت سے کمائی ہوں تو اللہ اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں خواہ

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي
عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَ
اسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ
لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ
الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ
تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ
أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا
تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا
يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ
فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِنْ
كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا
فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ
وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ ۝ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي
أَنْفُسِكُمْ
أَوْ تُخْفُوهُ

اسی طرح اُسے بھی چاہئے کہ بے عذر لکھدے اور جس کے ذمہ قرض عاید ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہ وہی اُس کا حقیقی کارساز ہے ڈرے اور بتاتے وقت قرض دہندہ کے حق میں کسیطرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے اور جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود ادائے مطلب نہ کرسکتا ہو تو جو اُسکا مختارکار ہو اور انصاف کے ساتھ دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ اُن میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اُس کو یاد دلائے گی اور جب گواہ شہادت کے لئے طلب کئے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کریں اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا اُسکی دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کے لئے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ تم آئندہ کسی طرح کا شک وشبہ نہ کرو مگر سودا دم نقد ہو جس کو ہاتھوں ہاتھ تم آپس میں لیا دیا کرتے تو اُسکی دستاویز کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور ہاں جب اس قسم کی خرید وفروخت کرو تو احتیاطاً گواہ کرلیا کرو اور نہ کاتب دستاویز کو کسیطرح کا نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمہاری شرارت ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اگر سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے اور قرض لینا ہو تو رہن یا قبضہ رکھ کے لو پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے یعنی قرض لینے والا اُسے چاہئے کہ قرض دینے والے کی امانت یعنی قرض کو پورا پورا ادا کرے اور خدا سے جو اُس کا کارساز حقیقی ہے ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسکو چھپائے گا وہ دل کا کھوٹا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور جو تمہارے دل میں ہے اگر اُسے ظاہر کردیا اسکو چھپائی

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ اِلَّا
كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ
عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا
خٰلِدُونَ ○ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ ○ اِنَّ
الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِينَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا
تُظْلَمُونَ ○ وَاِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ
اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ○ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ
اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا
تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۭ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا
يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے نہ ہوسکینگے مگر اِس شخص کی طرح کھڑے ہونگے جسے شیطان نے اپنی چپیٹ سے خبط الحواس کردیا ہو یہ اُن کے اِس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ سُود ویسا ہی معاملہ بیع حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہی اور سود کو حرام تو سود کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلطی ہی تو جسکے پاس اُسکے پروردگا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ آئندہ کے لئے باز آگیا تو پہلے لے چکاہے وہ اُس کا ہو چکا اور اُس کا معاملہ خدا کے حوالے۔ اور جو منع کرنے کے بعد سود لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں اور یہ لوگ دوزخ ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہی اور جتنے ناشکرے ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا اُن سے راضی نہیں جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کے کئے کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں انہیں ملے گا۔ اور اُن پر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہونگے یسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اُس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو اپنی اصل رقم لینی پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔ اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہی کہ اُسے اصل قرضہ بھی بخشدو اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹا کے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُسکے کئے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا مسلمانوں جب تم ایک میعاد مقررہ تک قرض کا لین دین کرو تو اُس کو لکھہ پڑھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے درمیان تمہارے باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اُس کے لکھنے والے کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نکرے جس طرح خدا نے اُسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے

لیکن قرآن کریم نے صاف طور پر بتا دیا کہ کس غرض سے ربوٰ حرام کیا گیا ہی اور مدینہ میں ربوٰ کس صورت سے رائج تھا۔ اور ربوٰ کی اصل کیا ہی اور کیوں ربوٰ کو حرام کیا گیا اور ربوٰ کیا نقصان پہنچا رہا تھا۔ آغاز میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہی گویا یہاں سے ربوٰ خواری کا بیان شروع ہوا ہی تمہید بڑی عمدگی اور بڑے زور پر اُٹھائی گئی ہی سب سے پہلے اُن کی مثال جو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک ایسے باغ سے دیگئی ہی جو بلند قطعہ زمین پر بنا ہوا ہو اور جس پر خوب زور کا مینہ پڑے اور اگر زیادہ بارش بھی نہ ہو تو صرف اوس اس باغ کو جو انگوروں اور کھجوروں کا ہی ترو تازہ بنا سکتی ہی۔ خداوند تعالیٰ کی اس مثال کا اثر مسلمانوں کے دل پر اُمید سے زیادہ ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ ثابت قدمی اور نیک نیتی سے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنی بہبودی کا باعث ہی۔ یہاں قرض معاف کرنا تو کیا سب سے پہلے اپنی ہی گرہ سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا اس میں خداوند تعالیٰ کا ایک یہ راز ہی کہ جب لوگ اپنی گرہ سے دینے کے عادی ہو جائیں گے تو پھر وہ روپیہ جو علاوہ راس المال کے اُن کا لینا ہی بخوشی چھوڑ دیں گے گویا یہ پہلی سیڑھی ہی ربوٰ کے کوٹھے سے نیچے اُترنے کی۔ خاص اس راز کو جو میں نے بیان کیا ہی بہت کم مفسروں نے خیال کیا سمجھا اور اُس پر غور کیا۔ جب طبائع مطمئن ہو گئیں اور خوشی خوشی خدا کی راہ میں صرف کرنے لگیں تو پھر خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اپنی عمدہ چیزوں میں سے دو یہ گویا سیڑھی کا دوسرا پایہ تھا جو بام ربوٰ سے اُترنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ پہلے حکم میں اچھی بُری چیز کی تمیز نہیں کی گئی صرف خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہی لیکن دوسرے حکم میں جب طبائع انسانی پہلے حکم کی عادی ہو گئیں اچھی بُری چیز کا فرق کر دیا ہی۔ اچھی چیز وہ ہی جو ہمارے کاڑھے پسینہ کی کمائی سے حاصل ہوئی ہو اور جس کے حاصل کرنے میں سر کا پسینہ ایڑی تک بہا ہو کسی کی دل آزاری سے ہم نے وہ چیز حاصل نہ کی ہو مثلاً چوری دغابازی اور فریب سے نہ لی ہو ایسی چیز اچھی ہی اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل ہی۔ اچھی چیز اور بھی کئی معنی اپنے میں پوشیدہ رکھتی ہی۔ اچھی چیز کے پردہ میں راس المال چھپا ہوا ہی جس سے وہ روپیہ جو غربا سے زائد لیا گیا ہی علیحدہ کر دیا گیا ہی۔ اس راز کا پردہ خود خداوند تعالیٰ نے آگے جا کے اُٹھا دیا پھر اسکے آگے بطور تنبیہ فرماتا ہی کہ ہم جو اپنی راہ میں خرچ کرنے کو تم کو کہتے ہیں کہیں نادانی سے یہ نہ سمجھ جانا کہ تمہاری چیز کی ہمیں خواہش ہی ہماری ذات بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہی یعنی جو کچھ ہم دلواتے ہیں تمہارے فائدہ اور بہبودی کے لئے تاکہ تم آدمی بنو تمہیں دنیا اور دین دونوں میں سرسبزی حاصل ہو۔ ہم خود تو بے نیاز ہیں ہمیں ان میں سے ایک چیز کی بھی حاجت نہیں۔ ہماری ذات علاوہ بے نیاز ہونے کے حمد و ثنا کے قابل بھی ہی ہماری حمد و ثنا کیا کرو اپنی نیک کمائی کا حصہ اپنے غریب بھائیوں کو دیا کرو اگر اس حکم کی بجا آوری نیک نیتی اور ثابت قدمی سے کی تو یہی ہماری حمد و ثنا ہی ہماری ذات تمہاری کسی چیز کی احتیاج نہیں رکھتی ہم حمد و ثنا کے قابل ہیں اور ہماری حمد و ثنا یہی ہی کہ تم ہمارا حکم مانو اور خوشی خوشی اُس پر کاربند ہو۔ اسکے بعد تنگدستی اور بخل کا تذکرہ کیا گیا ہی یعنی یہ شیطانی باتیں ہیں کہ تم تنگدستی سے ڈرتے ہو اور اسلئے بخل کرتے ہو کہ اگر ہم نے روپیہ خرچ کر دیا تو ہم تنگدست

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۚ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ○ كُلٌّ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا
نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ
الْمَصِيْرُ ○ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا
لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا
بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا
وَاغْفِرْ لَنَا
وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ
مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ○

الله تم سے اُس کا حساب لیگا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے
عذاب دے اور الله ہر چیز پر قادر ہی۔ ہمارے یہ پیغمبر (محمد) اُس کتاب
کو مانتے ہیں جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر اُتری ہی اور
پیغمبر کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی یہ سب کے سب الله اور اُس
کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ
سب پیغمبروں کا دین ایک ہے اور ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی
کو بھی جدا نہیں سمجھتے یعنی سب کو مانتے ہیں اور بول اُٹھے اے ہمارے
پروردگار ہم نے تیرا ارشاد سنا اور تسلیم کیا اے ہمارے پروردگار تیری
ہی مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کے جانا ہی الله کسی
شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس کے اُٹھانے کی اس میں طاقت
ہو جس نے اچھے کام کئے تو اُن کا نفع بھی اُس کے لیئے ہی اور
جس نے برے کام کئے تو اُن کا وبال بھی اسی پر ہے اے ہمارے
پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہمیں اُسکے وبال میں
نہ پکڑ اور اے ہمارے پروردگار جو لوگ ہم سے پہلے ہو گزرے
ہیں جیسا تو نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں احکام سخت کا
بار ڈالا تھا ویسا ہم پر نہ ڈال اور اے ہمارے پروردگار اتنا بوجھ جسکے
اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اُٹھوا اور ہماری خطاؤں
سے درگزر اور ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم پر رحم کر تو ہی
ہمارا حامی و مددگار ہے تو اُن لوگوں کے مقابلہ میں جو کافر ہیں
ہماری مدد کر۔ فقط

قرآن مجید کی اِس تمام عبارت سے بشرطیکہ فقیہانہ اعتقادات کی پٹی آنکھوں سے کھول کے دیکھی جائے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہی کہ غربا کی حفاظت اور باہمی اتحاد قایم کرنے کے لیئے ربٰو کو حرام کیا گیا ہی۔ قرآن مجید کا سیاق اِس بات پر دلالت کرتا ہی کہ مدینہ میں ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے اور کسی مسکین کو مدد دینے کا قاعدہ مطلق رایج نہ تھا اور اگر کوئی بوقت ضرورت کسی کو کچھ دیدیا کرتا تھا تو اُسکا ڈیوڑا دگنا سود لیکے اور اُس بیچارہ کو برباد کر دیتا تھا۔ سلسلہ کلام یہاں اِس خوبصورتی سے واقع ہوا ہی کہ فقیہانہ ربٰو کی پوری عقدہ کشائی ہوگئی اور صاف طور پر بتا دیا کہ قرآن مجید جس ربٰو کو حرام بتا رہا ہی وہ کیا ربٰو ہی۔ میں پہلے اسبات کا اظہار کر آیا ہوں کہ قرآن مجید میں ربٰو کی اصلی حقیقت بیان نہیں کی کہ ربٰو کیا چیز ہی اور لین دین کی اصطلاح میں ربٰو کسے کہتے ہیں

احکام کی تعمیل نہیں کرتے وہ ناسمجھ ہیں یعنی احکام کی یہ خوبی ہے کہ سمجھدار آدمی از خود مان لے۔

طبایع انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہ کسی کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو سب سے پہلے اُسے یہ خیال ہوتا ہے کہ جس نے مجھے حکم دیا ہے اور میں نے اس سرگرمی سے اُسکے حکم کی تعمیل کی ہے وہ بھی میری اس جانفشانی کو دیکھے اسلئے خداوند تعالےٰ نے عام طبایع کا لحاظ فرماکے یہ ارشاد کیا ہے کہ جو خیرات ہمارے نام پر دیجائے گی اُس کا ہمیں علم ہے اور ہم اُس سے بے خبر نہیں ہیں اپنے آقائے حقیقی اور خالق اکبر کا یہ فرمانا مزید اطمینان کا باعث ہو سکتا ہے پھر نہایت جلال اور الٰہی کبریائی کے زور میں تنبیہ کناں فرماتا ہے کہ جو لوگ غیر خدا کی منت وغیرہ مان کے ہمارا حق مارتے ہیں قیامت کے دن کوئی اُن کا مددگار نہ ہوگا اس قول خداوندی کا سمجھنا مشکل ہے خدا کا حق مارنا کیا اور غیر خدا کی منت ماننا کیا معنی خدا کی ذات سب باتوں سے بے نیاز ہے پھر اُس کا حق کیونکر غصب ہو سکتا ہے اور ضعیف انسان کی کیا مجال ہے جو قادر مطلق اور خدائے توانا بزرگ کا حق مار سکے۔ اس میں ایک خاص بھید ہے اور اس بھید کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسکا قلب تجلیات ربانی سے منور ہو چکا ہے غیر خدا کی منت ماننے خدا کا حق غصب کرنیکے معنی یہ ہیں کہ جو چیز دیجائے اللہ ہی کے نام دیجائے۔ اللہ کے نام دینے سے یہ غرض ہے کہ پھر اُسکا مطالبہ نہ کیا جائے اور یہ سمجھکے جو کچھ میرے پاس ہے خدا کا ہے اُسی کی راہ میں دیتا ہوں خیرات کرنے سے کسی قسم کا غرور پیدا نہیں ہوگا نہ لینے والے پر احسان رکھا جائے گا یہ تعلیم ہے در پردہ توحید کی اور اس سے زیادہ زبردست تعلیم خداشناسی کی اور ہو نہیں سکتی۔ غیر خدا کے نام پر دینے کے یہ معنی نہیں ہیں جیسا کہ اکثر مفسروں نے سمجھے ہیں کہ کسی بت پر خرچ کرنا یا کسی پیر شہید ولی دیوتا۔ قطب ابدال کے نام پر دینا بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ جس کسی کو بطور معاونت کچھ دو اُسے اپنا سمجھکے کچھ نہ دو کیوں کہ ایسے دینے سے خود سری اور بد اخلاقی پیدا ہوتی ہے جو روپیہ دیا جائے یہ سمجھکے دیا جائے کہ یہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اُسی کی راہ میں جاتا ہے میں خود اس مال میں کچھ اختیار نہیں رکھتا جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اگر کسی غریب کو دو روپیہ سودی دیا تو گویا تو اس میں اللہ کا حق مارا اسلئے کہ اُسکی راہ پر نہیں دیا اُسکی راہ پر دیا جاتا تو زیادہ لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ خداوند تعالیٰ نہیں چاہتا کہ نال تو اُس کا اور دوسرا شخص تصرف بیجا کرکے اپنے ایک بھائی کو اُس سے نقصان پہنچائے اللہ اکبر یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے جسکے ایک ایک لفظ میں صدہا دفاتر اخلاق تمدن اور توحید کے چھپے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ ہی نظریں دیکھ سکتی ہیں جو روح القدس کے نور سے منور ہو چکی ہیں۔ پھر آگے تنبیہاً فرماتا ہے کہ اگر خیرات علانیہ دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے یہ بات بھی زیادہ غور و توجہ کی محتاج ہے عجیب حکیمانہ قول ہے اے خدائے توانا و بزرگ یہ حکمت تجھی کو سزاوار ہے بیشک تو بہت بڑا حکیم ہے اور تجھسے زیادہ تمام کائنات میں کوئی نہیں ہے علانیہ اور پوشیدہ دینے کے حکم میں عام طبایع انسانی کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔ اگر پہلے ہی یہ فرما دیتا کہ چھپا کے دو تو انسان کی کمزور طبائع شاید اُسے بہت جلد قبول کرتے ہوئے ہچکچاتیں کیونکہ عام میلان طبع ناموری کی طرف ہے اور ہر شخص خواہ ولی کامل ہو یا شاہ زماں یہی چاہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی نکلے کہ لوگ

ہو جائیں گے۔ تنگدستی سے خوف کھانا اور بخل کی طرف رجوع ہونا یہ شیطانی وسوسے ہیں جن انسانیت کو اس کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہی۔ تنگدستی سے وہی شخص ڈرتا ہی جو نامرد ہی اور تمام قوائے ملکیہ اُسکے ایسے مضمحل ہو گئے ہیں کہ وہ انسانیت سے بھی گزر گیا اور قوائے بہیمہ نے اُس پر غلبہ کر لیا۔ استقلال۔ مردانگی۔ حوصلہ جرأت۔ دلیری یہ صفتیں ہیں جو انسان کی ذات میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہیں۔ اِن ہی صفتوں کی وجہ سے انسان انسان کھلایا جاتا ہی جب وہ معمولی باتوں سے ڈرنے اور خوف کھانے لگا تو یہ صفتیں اُس کی ذات میں سے قوائے بہیمہ نے سلب کر لیں پھر بصورت انسان چوپایا ہو گیا۔ خدائے توانا و بزرگ کا یہ منشا ہی کہ جب ہم نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کے دلوں میں ڈر یہ پیدا ہوا مبادا ہم تنگدست ہو جائیں اسلئے اُن کے زبون ترین خیالات یا قوائے جنیثہ یا شیطان اسبات پر آمادہ کرتا ہی کہ تم بخل کرو یعنی اپنے بھائیوں کی ہمدردی نہ کرو تنگدستی سے بلا وجہ خوف کرنا اور اِس بے بنیاد خوف سے بخل کرنا عین انسانیت کے حق میں زہر ہلاہل ہی اِس بے بنیاد خوف کو مٹانے کے لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہی کہ ہم خطاؤں کو بخشتے ہیں اور برکت دیتے ہیں یعنی جو شخص محض نیک نیتی اور ثابت قدمی سے ہماری راہ میں اپنی اچھی چیز دے گا اُسکے گناہوں سے چشم پوشی کی جائے گی جن لوگوں کا خدا پر ایمان ہی اور جو اِس ذات وحدہ لاشریک کو مشکل کشا مانتے ہیں وہ اس وعدہ خداوندی پر سر خم کرینگے۔ سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہی کہ خدائے توانا و بزرگ کو اِسکی کیا ضرورت پڑی کہ اپنی مخلوق سے وعدے کرے اور ہر پہلو سے سمجھائے اُس ذات کے لئے صرف یہی کافی ہی کہ احکام نافذ فرمائے اور بس لیکن یہ اُسکی رحمت اور اپنے بندوں کی محبت ہی کہ وہ احکام بھی دیتا ہی اور وعدے بھی فرماتا ہی اِن وعدوں پر بھی اگر کوئی شخص ذرا بھی شبہ کرے تو اُس سے زیادہ دائمی جہنم کا وارث کون ہو سکتا ہی پہلے یہ حکم ہوا کہ ہماری راہ میں خرچ کرو پھر یہ حکم ہوا کہ اچھی چیز خرچ کرنا پھر یہ فرمایا گیا کہ تنگدستی سے خوف کھا کے بخل نہ کرو اِسکے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اگر تم نے اِن احکام پر عمل کیا تو ہم تمہاری خطائیں بھی بخشدینگے اور تمہیں برکت بھی دینگے۔ اسکے بعد اپنی عظمت جتانے کے لئے صرف اسواسطے کہ ہم اپنے جہل اور کم ظرفی سے یہ سمجھنے لگیں کہ برکت کیوں کر ہو گی جب ایک چیز خرچ کی جائے گی تو ضرور ہی اس میں کمی واقع ہو اُس پر انتہا درجہ رحمت اور جبروت خداوندی سے یہ فرمایا گیا کہ ہم بڑے گنجایش والے ہیں پھر فرماتا ہی کہ ہم سب کے حال سے واقف ہیں جسے چاہتے ہیں بات کی سمجھ دیتے ہیں اور جسے بات کی سمجھ دیگئی گویا اس نے بڑی نعمت پائی اور نصیحت وہی مانتے ہیں جو سمجھدار ہیں۔

منشائے باری یہ ہی کہ ہمارے احکام وہی مانتے ہیں جن میں فہم و ادراک موجود ہی اور جنہیں بات سمجھنے کی قابلیت دیگئی ہی گویا اُنہیں بڑی نعمت ملگئی اسلئے کہ سمجھدار ہی نصیحت مانتا ہی یعنی ناسمجھ اور بدقسمت ہیں وہ جو ہماری نصیحت پر عمل نہ کریں۔ نہ اُن کے لئے گنجایش ہی نہ برکت ہی اور نہ نعمت ہی اِس حکم خداوندی کا راز یہ ہی کہ ہمارے احکام ایسے صاف صریح اور روشن ہیں اور جنکے ساتھ تمدن۔ تہذیب اور نفع رسانی مخلوق وابستہ ہی کہ اپنے چلنے اور دل و جان سے اِن کی تعمیل کرنے کی خواہش اُن ہی لوگوں میں ہو گی جو نیک سمجھ رکھتے ہیں جو ہمارے

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے۔ تمہاری کوئی بات اُس سے چھپی ہوئی نہیں ہو اگر اِسیکا یقین دلمیں ہوجائے تو پھر کسی قسم کا گناہ انسان نہیں کرسکتا۔ جل جلالہ اے رب العرش اور خدائے کائنات کیا تیری شان ہو کہ تو صرف دو لفظوں میں کتنے وسیع دفاتر حکمت اور علم کے بیان کرجاتا ہو۔ یہ فرمانا "جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے"۔ ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہو جسکا مثل نہیں ملسکتا۔ کاش دلمیں عقیدہ سے گزر کے یہ یقین ہوجائے کہ خدا کو ہماری سب باتوں کا علم ہے تو پھر اِس سے زیادہ صفائی قلب اور کامل انسانیت اور کیا ہوسکتی ہو۔ تمام گناہوں سے مبرّا اور تمام کمزوریوں سے پاک ایک قابل تحسین انسان بن سکتا ہو۔

اِسکے بعد ارشاد ہوا ہے "اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمّہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہو راہ راست پر لاتا ہے"۔ اِس آیت کی اصلی مفہوم کی طرف بہی بہت کم مفسّر گئے ہیں۔ اور اِسکے اصلی معنی سمجھنے میں زیادہ غور نہیں کی گئی۔ خداوند تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمادیا کہ اے پیغمبر ان لوگوں کا راہ راست پر آنا تمہارے ذمہ نہیں ہو۔ یعنی تمہیں محض ہمارے احکام پہنچادینے کیلئے بھیجا ہو۔ کسی کو راہ راست پر لانا تو ہمارے اختیار میں ہو۔ اِس ارشاد خداوندی سے ایک تو وہ الزام کہ قول رسول بھی اثر نہیں رکھتا اُٹھ گیا۔ جب ہر شخص کی ہدایت خدا کی مرضی پر موقوف ہو تو کوئی کیا کرسکتا ہے۔ دوسرے یہ بتادیا کہ جو کچھ ہیں ہم ہیں۔ ہم ہی ہدایت کرتے ہیں اور ہمارا ہی کل اختیار ہو۔ رسول اِس سے بری ہے کہ اُس سے جواب طلب کیا جائے کہ تو راہ راست پر کیوں نہ لایا۔ اُسے کیا غرض۔ اُسکا کام ہماری وحی کو تمہارے آگے پڑھ دینا ہو۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہو۔ جسکو اہل محاورے میں یوں کہا جاتا ہو کہ اللہ جسکو چاہتا ہو راہ راست پر لاتا ہے۔ توحید کا سبق۔ پیغمبر بری الذمہ۔ اپنی عظمت اور جلال قائم یہ تین چوٹی کے مفہوم ہیں جو اِس دو لفظی جملہ سے نکلتے ہیں۔

اس حکم کے بعد ارشاد ہوتا ہے "اور جو تم لوگ کچھ بھی خیرات کیطور پر خرچ کروگے سو اپنے لیے اور تم تو خدا ہی کی رضاجوئی کیلئے خرچ کرتے ہو نا"۔ اس سے بہتر ترتیب مضامین اور انسانی طبائع کے اُتار چڑھاؤ پر نظر کرکے احکام کا نافذ فرمانا عقل انسانی کے احاطہ میں نہیں آسکتا۔ شفقت خداوندی کی انتہا ہوگئی۔ رحمت کے دروازے کھل گئے۔ نجات کے چشمے بہنے لگے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اَب بھی اِس سے فیضیاب نہو اور سمجھ کے عمل نکرے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ خدا کے نام پر دینا خود اپنے لیے فائدہ جمع کرنا ہو۔ یہاں حضور خداوندی سے خود اِس راز کا پردہ اُٹھ گیا۔ یعنی صاف الفاظ میں یہ بشارت دیدی گئی۔ جو کچھ خرچ کروگے اپنے لیے۔ خداوند تعالیٰ تو اِن سب باتوں سے بے نیاز ہے۔ اُسکی رضاجوئی پر کوئی چیز خرچ کرنی گویا اپنے لیئے خرچ کرنی ہو۔ اللہ غنی فرماتا ہے کہ میری رضاجوئی اِسیمیں ہو کہ تم اپنے فائدہ کیلئے کچھ کرو۔ اِس سے زیادہ محبت اپنی مخلوق سے اور کیا ہوسکتی ہو۔ عیسائیوں کا تو یہ ایک معمولی جملہ ہے کہ خدا محبت ہو۔ لیکن انجیل یا توارت کے کسی کلمہ سے خدا کی محبت کا ثبوت نہیں ملتا۔ برخلاف اِسلام کے کہ قرآن کے ایک ایک جملہ میں محبت ہی محبت بھری ہوئی ہو اور یہ ایسی محبت ہو جسکی نظیر ملنی محال ہو۔ اسی محبت کی بنا پر نافرمان کے لیئے سخت اور شدید عذاب کا ڈر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اِس محبت پر بھی کوئی ہماری نافرمانی کرے گا تو اُسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اِسمیں شبہ نہیں کہ ایسی احسان فراموشی اور منعم کُشی کی یہی سزا ہو۔ اِس محبت اور مہربانی کے بعد اگر کوئی سرکشی کرے تو وہ جہنم کا داعی

مجھے اچھا سمجھنے لگیں اور نیکی میں میری شہرت ہو ان طبایع کا لحاظ فرما کے پہلے یہ ارشاد کر دیا کہ اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا مگر تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ ہر حاجتمند کو چھپا کے دو۔ پہلی بات کو افضل اور دوسری کو افضل ترین ٹھیرانا ایک خاص راز باری ہے جو عام طور پر نہیں سمجھ میں آتا۔ چھپا کے دینے سے ہمارا بہت بڑا فائدہ ہے اگر ہمیں چھپا کے دینے کی عادت ہے تو ہمارے دل میں وقار۔ استقلال۔ تحمل اور عظمت پیدا ہوگی۔ اور راز چھپانے کی قابلیت پیدا ہوگی۔ جب یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی تو ہمارا وقار لوگوں میں بڑھے گا اور ہر شخص عزت کی نظروں سے ہمیں دیکھے گا۔ ہم اپنا راز اچھی طرح چھپا سکینگے اور اس راز چھپانے کی بدولت ہمیں دنیا میں کامیابی ہوگی۔ دنیا کے جتنے کام چلتے ہیں محض راز سے دس روپے کے کام سے لیکے کروڑ روپیہ کا کام محض راز کی بنا پر چل رہا ہے بڑی بڑی سلطنتیں راز پر قایم ہیں اگر آج کسی سلطنت کا راز فاش ہو جائے تو وہ صفحہ ہستی پر قایم نہیں رہ سکتی۔ راز کے دل میں رکھنے کی قابلیت خواہ وہ اپنا راز ہو یا غیر کا معمولی بات نہیں ہے اسکے لئے ایک زبردست دل و دماغ کی حاجت ہے اور راز رکھنے کے لئے ایک ایسا باوقار دل چاہئے کہ ہزارہا ہچکولوں سے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکے۔ ہزاروں میں ایک آدھ شخص ایسا نکلتا ہے اور وہ اپنے جلسہ احباب میں باوقار وجیہ اور وقیع گنا جاتا ہے اور جس شخص کی یہ عادت نہیں ہوتی اُسکی نہ تو زیادہ وقعت ہوتی ہے اور نہ وہ اپنے بیاہ کے مقاصد میں کبھی کامیاب ہوتا ہے۔ اگر راز افشا کرنے کی زیادہ عادت پڑ گئی تو لوگ اس سے خوف کھاتے ہیں اسکی وجہ سے دیرینہ دوستوں میں بگڑ جاتی ہے خاندان میں نا اتفاقی اور بھائیوں میں رنجش ہو جاتی ہے غرض ایسا شخص تمدن اور اتحاد کے حق میں زہر ہے اسلئے خداوند تعالی نے عام طبایع کا خیال فرما کے نجیبے ہوئے طور پہ پہلے یہ فرمایا کہ علانیہ دینا اچھا ہے یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے دلی خواہش ظاہر نہیں ہوتی مثلاً ایک دوست اپنے دوست سے پردیس جانے کی خواہش کرے اور وہ دل سے منظور نہ کرے مگر بپاس اتحاد یہ کہدے اچھا جاؤ مگر تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤ۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ روکتا ہے اور اپنے دوست کا چلا جانا پسند نہیں کرتا اسیطرح خداوند تعالی نے یہ فرمایا اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ ایک حکم سے مرضی پائی جاتی ہے اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ مطلب خداوندی کی اس تہ تک محض روح القدس کی تائید سے میں پہنچا ہوں یہانتک کسی مفسر کا خیال نہیں گیا اور سب نے آیت کے ظاہری معنی سمجھ کے ایک کو افضل اور دوسرے کو افضل ترین قرار دیدیا حالانکہ ایک ممنوع اور دوسرا جائز ہے پھر آگے جاکے تو صاف کھول دیا کہ چھپا کے دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ گناہوں کے کفارہ ہونیکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو گناہ سابق میں کر چکے ہو وہ معاف ہو جائیں گے یا جو گناہ آگے کروگے اُن کا کفارہ ہوجائیگا بلکہ گناہوں کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل میں نیکی اور خداپرستی کی بنیاد قایم ہوگی۔ اور اپنی گزشتہ خطاکاریوں سے ہر وقت پشیمان ہونے کا مادہ پیدا ہوگا اور اسطرح اپنی فروگزاشتوں پر پشیمان ہونیکے یہ معنی ہیں کہ انسان انسانیت کے درجہ کمال پر پہنچ جائے اور آخیر اپنی قوم اور ملک کیلئے ایک اعلی درجہ کا نمونہ ثابت ہو۔

خیرات ہی جو طبائع انسانی کو ملحوظ رکھکے بتائی ہی۔ بعض ایسی غیور طبائع ہیں کہ مرنا قبول کرتی ہیں لیکن کسی سے مفت لینا اُنہیں ناگوار گزرتا ہے یا دینے والوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے خداوند تعالی نے خیرات کی ضمن میں یہ ارشاد کیا کہ قرض دو مگر راس المال سے زیادہ نہ لو۔ خیرات کے ساتھ ساتھ اِس کا بیان کرنا یہ معنی رکھتا ہی کہ خیرات کے دو حصے کر دئیے ہیں ایک وہ خیرات جو بلا خواہش وصول رقم دی جائے۔ ایک وہ خیرات جو اِس نیت سے دی جائے کہ اگر وصول ہو گیا تو لیلیا نہ وصول ہوا تو دل سے معاف کر دیا۔ ربوا کا امتناع فی الحقیقت ایک اعلیٰ درجہ کی خیرات ہی۔ نہ دینے والیکا دل دُکھتا ہے نہ لینے والا شرمندہ ہوتا ہے جس ربوا کی تیسری چوتھی صدی ہجری میں ایک خوفناک صورت پیدا ہو گئی وہ ربوا صرف ایک خیرات ہی۔ جسکی تعلیم مسلمانوں کو دیگئی ہی۔ مساکین کو امداد دینے کی ذکر میں ربوا یعنی راس المال سے زیادہ رقم لینے کا جو ذکر کیا گیا ہی وہ ربوا کے اصلی معنی بتاتا ہی۔ نہ اِسمیں منطقی پیچیدگی ڈالنے کی ضرورت ہی اور نہ فقہی مین میگ کو دخل دینے کی حاجت ہی۔ خداوند تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ جو شخص ربوا لیتا ہی وہ قیامت کی دن میں آگے مجنون بنکے کھڑا ہوگا۔ خداوند عزت نے ایسے شخص کو جو مساکین کی امداد نہ کرے بلکہ امداد کرنیکے بعد اُلٹا برباد کرنا چاہے۔ مخبوط الحواس ٹھیرایا ہی۔ ایک شخص کو رقم دیکے اُسنے امداد تو ضرور کی لیکن نادانی یہ کی کہ تھوڑے سے منافع پر امداد دینے کی سارے ثواب اور خوبی کو مٹا دیا۔ بیشک ایسا شخص اسی قابل ہے کہ خدائے عزت کے حضور خبط الحواس بن کے کھڑا ہو اور میدان حشر میں اُسپر نفرت کی نگاہیں پڑیں۔ اور تمام حاضرین اُسے مجنون سمجھیں۔ لیکن اِس خبط الحواس میں اور اُس مجنون میں جو مرض کی وجہ سے حواس باختہ ہو جاتا ہے فرق ہی۔ سود خوار اِس مجنون کی صورت میں کھڑا ہوگا جسے شیطان نے اپنی چھیپٹے سے خبط الحواس کر دیا ہو۔ اُسمیں اپنی ذلت اور تکلیف روحانی کے حس کرنیکی قابلیت ہوگی وہ ذلیل کیا جائے گا اور اُسے سمجھے گا کہ میں ذلیل کیا گیا۔ وہ سرنگوں ہوگا اور سمجھے گا کہ میں سرنگوں ہوا ہوں۔ اُسپر عذاب ہوگا اور وہ سمجھے گا کہ ہاں مجھے اپنے اعمال کی سزا مل رہی ہی۔ غرض یہ ایسا خبط الحواس ہوگا کہ جسکے حواس خمسہ درست ہوں گے۔ اور وہ اپنی تمام رسوائیوں اور ذلتوں کو حس کر سکیگا

اِس آیت میں ایک بات اور بھی دیکھنے کی قابل ہی اور وہ یہ ہی کہ خداوند تعالی نے سود خواری پر خبط الحواس نہیں قرار دیا بلکہ اِس چوری اور سینہ زوری پر آگاہ ہونیکے بعد بھی یہی کہتا ہی کہ میں بُرا کیا کرتا ہوں۔ راس المال سے ایک معینہ رقم زیادہ لینا محض بیع یعنے خرید و فروخت میں داخل ہی۔ اِس آگاہ کرنے پر بھی کمبخت یہ کہتے ہیں کہ ربوا کیا ہے یہ ایک لین دین ہی جو بالکل بیع ہی اور مثل معاملہ سود کے ہی۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہی۔ ہم نے بیع کو حلال اور ربوا کو حرام کر دیا ہی یعنی جب ہم نے اتنی بڑی تفریق کر دی پھر کتنی حماقت ہی کہ یہ لوگ بیع اور ربوا کو یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے زیادہ شیطانی مخبوط الحواس اور کون ہو سکتا ہے کہ خدا تو یہ فرماتا جاتا ہے کہ ربوا کو بیع پر قیاس نکرو اور یہ کج فہم ربوا کو بیع پر قیاس کیے جاتے ہیں چونکہ اِس روپیہ میں جو راس المال سے زیادہ لیا گیا ہے اور جسکو الہامی محاورہ میں ربوا سے تعبیر کیا گیا ہے نفس الامر کوئی برائی نہیں ہی خداوند تعالی نے یہ فرما دیا کہ جو سود لیچکے ہو وہ تمہارا مال ہے آیندہ کیلئے اِس سے احتراز کرو۔ جب ہم نے منع کر دیا تو پھر تم اصل رقم سے جو غربا کو بطور امداد دیجائے زیادہ لینا کیوں جائز سمجھتے ہو اگر ایسا کرو گے تو تم جہنمی ہو۔ خداوند تعالی جسنے تمہید ربوا میں کس کس محبت اور کس کس شفقت سے اپنی مخلوق کو خیرات دینے کیلئے فرمایا ہے اور کتنے وعدے وعید کیئے ہیں اور مختلف صلوں کی کیا کیا بشارتیں دی ہیں اسپر بھی وہ سرکشی کیئے جائیں اور احکام خداوندی کو پس پشت ڈالدیں۔ تو انکی سزا سوائے جہنم کے اور کیا ہو سکتی ہی۔ ایسا احسان فراموش

وارث بنانے کے قابل ہے۔ اِن وعدوں اور اطمینان سے جو بار بار خداوند تعالیٰ دیتا ہے انسانی طبائع کا عقدہ حل ہوجاتا ہے چونکہ انسان کمزور فطرت کا پیدا کیا گیا ہے اس لیئے اُنکی طبیعت کی کمزوری پر غالب آنیکے لیئے یہ علی التواتر وعدے کیئے گئے ہیں۔ اور اِن بار بار کے وعدوں سے جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں رب العرش کی انتہائی محبت اپنی مخلوق سے پائی جاتی ہے۔ مزید اطمینان کے لیئے اور محبت پوری ہونیکے واسطے یہ ارشاد کرتا ہے "اور جو کچھ بھی خیرات کیطور پر خرچ کروگے قیامت کے دن تمہیں پورا پورا بھر دیا جائیگا اور تمہارا کچھ حق نہ مارا جائیگا"۔ یہ دوسرا صلہ ہے اُن لوگوں کے لیئے جو اللہ کی راہ میں اُسکے دیئے ہوئے کو خرچ کرتے ہیں کہ دنیا میں تو اُنہیں سرسبزی حاصل ہوگی مگر قیامت کیدن بھی اُنہیں اِسکا صلہ دیا جائیگا۔ اور جو کچھ اُنھوں نے دیا ہے وہ پورا پورا بھر دیا جائے گا۔ خداوند تعالیٰ خود دیتا ہے خود ہی خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اپنے ہی مال کے دینے کے کئی کئی صلے بھی رکھے ہیں یہ رحمت اور محبت جو قادرِ مطلق اپنی مخلوق کیساتھ کرتا ہے۔ اِس محبت کی نظیر دنیا کی کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتی۔

پھر فرمایا ہے۔ "خیرات تو اُن حاجتمندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر بیٹھے ہیں۔ ملک میں کسیطرف جانا چاہیں تو جا نہیں سکتے جو شخص اُنکے حال سے بیخبر ہے وہ اُنکی خودداری کیوجہ سے اُنہیں غنی سمجھتا ہے۔ لیکن اے مخاطب تو اُنہیں دیکھے تو اُنکی صورت سے صاف پہچان جائے کہ محتاج ہیں مگر ہاں لگ لپٹ کے لوگوں سے نہیں مانگتے ہیں اُنہیں دینا کسیطرح بھی ناجائز نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن میں صریح طور پر اسکی نفی نہیں کیگئی۔ لیکن محتاجوں کی خاص صورت بیان کرکے تخصیص کردی گئی۔ اگر تخصیص نہ کیجاتی تو یہ سمجھنا مشکل تھا کہ محتاج کسے کہتے ہیں اور محتاج کا مفہوم کیا ہے۔

لگ لپٹ کے مانگنے کی سخت حقارت کیگئی ہے اور اِسکو ایک خلاف انسانیت فعل سمجھ کے محتاجین کو اس سے بچایا گیا ہے مہذب ممالک میں یہ قاعدہ جاری ہے کہ مُنہ سے خیرات نہیں مانگتے بلکہ اپنے گلے میں ایک تقطیع ڈال لیتے ہیں جس میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ہم محتاج ہیں ہمیں کچھ دو۔ اسیطرح بعض غریب عورتیں یہ کرتی ہیں کہ برقع اوڑھ کے ایک ہاتھ باہر نکال کے بیٹھ جاتی ہے۔ اگر کسی نے ہاتھ پر پیسہ رکھدیا لیلیا۔ اور نہ رکھا خاموش ہیں۔ مانگنے کا یہ طریقہ اگرچہ لپٹ کے مانگنے سے مستحسن ہے۔ لیکن قرآن مجید اِسکو بھی جائز نہیں قرار دیتا۔ وہ ارشاد کرتا ہے کہ صورت ہی ایسی ہونی چاہیئے کہ نہ اشارہ کی ضرورت پڑے اور نہ زبان سے کہنے کی اس سے زیادہ تہذیب اور نہیں ہوسکتی۔ اور جو اب تک متمدن یورپ کو بھی میسر نہیں ہے۔ ایسا قانون محتاجوں کیلئے تیرہ سو برس ہوئے اسلام نے بنایا جو اِس متمدن اور ترقی کناں زمانہ میں یورپ کو اب تک نصیب نہیں ہوا۔

اپنی لاثانی محبت اور رحمت کا اظہار کرنیکے لیئے پھر خیرات کرنیوالوں کو آئندہ صلہ ملنے کی بشارت دی۔ بشارت کی یہ تکرار اس رب الافواج کا تعلق بتاتی ہے جو اُسے اپنے بندوں سے ہے۔ یہ سب بیان کرنیکے بعد اصل مطلب کو یوں بیان فرماتا ہے "جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے نہ ہوسکینگے۔ مگر اُس شخص کیطرح جسکو شیطان نے چپیٹ سے خبط الحواس کردیا ہے"۔ مطلب خداوندی یہ ہے جسکی اتنی لمبی چوڑی تمہید اُٹھائی گئی ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی اِسکو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ غریبوں اور محتاجوں سے ہمدردی کرنے اور اُنہیں امداد دینے کی برابر تاکید کرتے کرتے اُسی کے ضمن میں ایک دوسری قسم کی خیرات کا اشارہ فرمایا یہ اسلیئے کہ اگر کبھی کسیکو دینا ناگوار گزرے تو دوسری صورت دینے کی یہ ہے کہ بطور قرض کے دیدے۔ لیکن اِس صورت سے دیا جائے کہ جتنی رقم دی گئی ہے اُسیقدر لیجائے۔ مزید برآں وہ قرض حسنہ ہو اگر دینے والے کو وسعت نہیں ہے تو معاف بھی کردے یہ بھی ایک قسم کی

کیساتھ انہیں خیرات دینے پر رجوع نہ کیا جاتا۔ اور پھر ربوٰا خواری کے لیئے اُنہیں سختی کیساتھ روکا نہ جاتا ہمیں منطق کے پیچیدہ مسائل اور فقہ کے طولانی اصُول سے مقصود خداوندی کے سمجھنے میں کام نہ لیناچاہیئے۔ نفس قرآن مجید پر غور کرکے اُسکا مفہوم سمجھنا چاہیئے جو تمام پیچیدگیوں اور بے بنیاد تراش خراش سے بہت دور ہی۔ اُسکے الفاظ سادے اور پر مغز۔ اُس کا مطلب سہل اور پر اثر جسکو وحشی سے وحشی اور جاہل سے جاہل آسانی سے اُسکا مطلب سمجھ سکتا ہی بشرطیکہ پہلے ہی اُسے پیچیدگی میں نہ ڈالدیا جائے۔ میں فقہا کو نہیں سمجھا تاکہ تمام منطقی اصُول سے بحث کروں۔ فقہا کا جو کچھ خیال تھا مستحسن تھا ہمیں اُن کے خیالات سے کچھ سروکار نہ رکھنا چاہیئے قرآن شریف کسی تفسیر اور فقہ کے دفتر کا محتاج نہیں ہی۔ اگر کل کتابیں برباد کردی جائیں پھر بھی قرآن مجید میں زندہ روح باقی رہے گی اور اُس کا وہی اثر لوگوں کے دلوں پر رہیگا۔ عام طور پر اس کا درس بھی ہوگا اور لوگ اُس کے معنی بھی سمجھیں گے۔ غرض کسی قسم کی پریشانی سمجھنے والوں کو نہ اُٹھانی پڑے گی۔ جو آیتیں ہمنے اوپر نقل کیں وہ بہت صاف ہیں اُنکے سمجھنے کیلئے معمولی عقل سے زیادہ درکار نہیں ہی۔ یعنی خیرات کا بیان ایک تمہید ہی ربوٰا کی۔ یا ربوٰا اور خیرات کو ایک ترازو میں رکھ کے تولا گیا ہی خواہ کچھ ہی کیوں نہ سمجھا جائے غرض یہ ہے کہ جب خیرات کرنا ایسی اچھی چیز ہے اور جب ہم اسکا صلہ بھی دینے کو تیار ہیں پھر کیوں یہ کیا جاتا ہے کہ مساکین کو خیرات دینے کی بجائے سود پر روپیہ دیا جاتا ہے اور پھر ہٹ دھرمی یہ کہ ربوٰا مثل بیع کے ہی۔ ہم ربوٰا لیتے ہیں تو برا ہی کیا کرتے ہیں۔ انصاف سے دیکھیئے کہ اس ربوٰا کو جو غربا سے لیا جاتا تھا منع کیا گیا ہے۔ اِس ربوٰا میں پرامیسری نوٹ بنکوں کا لین دین لاٹری کا روپیہ یا تجارت کی داد وستد یا رہن مکانات وغیرہ کب ناجائز ہوئے اور کیوں کرنا جائز ہوئے۔ افسوس ہے کہ ترتیب مضامین کو نہیں دیکھا اور صرف ربوٰا کے معنی بڑھوتری کے سمجھ کے اسکو طول دیتے چلے گئے۔ نئے نئے اصول قایم کردیئے اور صدہا لین دین کی صورتوں کو ربوٰا قرار دیکے صدمہ عظیم مسلمانوں کو پہنچایا۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی روایت کردہ احادیث کو غلط ثابت کیا جو یہ کہتے تھے کہ ربوٰا کی اصلی حقیقت یہی ہے کہ مساکین سے قرض دینے کی بعد زیادہ رقم نہ لیجائے اور باقی سب قسم کا داد وستد جائز ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہی جو فقہا کا ہے۔ ہمیں زیبا نہیں ہی کہ ہم اپنے استنباطی مسائل کے آگے نفس قرآن کے مطلب کو توڑ مروڑ ڈالیں اور سارا سلسلہ غلط کردیں۔ خیرات اور ربوٰا کے پورے بیان کو پڑھنا چاہیئے اور پھر خود نتیجہ نکال لیناچاہیئے کہ ربوٰا سے مقصود خداوندی کیا ہے اور کس بڑھوتری رقم کو حرام کیا گیا ہے۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ "جتنے ناشکر ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا اُن سے راضی نہیں ہی"۔ اسکا مطلب یہ ہی کہ اہل مدینہ کو ہمنے دولت دی اور اُنہیں آسودہ کیا۔ ہماری مرضی یہ ہے کہ وہ اُنکی امداد کریں جو اُن کے وطن میں بیوطن ہو کے آئے ہیں اگر ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اور کفران نعمت کیا تو ہم اُنسے راضی نہیں ہونگے۔ یہ بات تعجب سے دیکھی جاسکتی ہی کہ مفسروں نے ایک ثلث قرآن مجید کو منسوخ قرار دیدیا لیکن آیت ربوٰا کو اُسی کے حال پر قایم رکھا۔ حالانکہ میں قرآن مجید کے ایک لفظ کے بھی منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہوں تو بھی یہ دیکھنا ضرور ہے کہ شدید اور ضروری احکام ہاری کو ناسخ و منسوخ کے دائرہ میں رکھ دیا ہے لیکن ایسی آیت جسکے معنی بعد ازاں غلط سمجھے گئے اس دائرہ سے نکال دیگئی۔ خیر مفسروں کا ذاتی خیال ہی۔ اُن کے اس خیال پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اپنی اپنی رائے اور اپنا اپنا رنگ ہی۔ میری غرض صرف اتنی ہی کہ کل تفسیروں اور فقہی مسائل کو علیحدہ رکھ کے تھوڑی دیر کے لیئے قرآن مجید کو دیکھنا چاہیئے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے۔

شخص نافرمان ہی نہیں ہو بلکہ سخت بے ادب ہو۔ اور اُسے ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ اور وہ سزا دائمی ہو کیونکہ دائمی نعمت کی وعید کو اُس نے پس پشت ڈالدیا ہے۔ اور اُس وحدہٗ لاشریک کے حکم سے بے پروائی کی ہو جو غیر فانی ہے اور ابدالآباد تک قایم و حیّ ہو۔ اسلیئے اُس قادر مطلق کے نافرمان کو سزا بھی دائمی ملنی چاہیئے۔

پھر فرماتا ہے " اللہ سود کو گھٹاتا ہو اور خیرات کو بڑھاتا ہو اور جتنے ناشکر ہیں اور کھنا نہیں مانتے خدا ان سے راضی نہیں " اِس گھٹنے اور بڑھنے کی تفسیر میں گزشتہ صفحوں میں کر آیا ہوں۔ یہاں صرف یہ دکھانا ہو کہ ربوا کو خیرات کے ساتھ ساتھ فرمایا ہو جسکا مقصد یہ ہے کہ ربوا کا نہ لینا داخل خیرات ہو اور خیرات محتاجوں اور مسکینوں کو دی جاتی ہو۔ تو سود مسکینوں سے اِس طرح لینا جیسا عرب میں قاعدہ تھا کہ دُگنے اور ڈیوڑھوں پر معاملہ ہوا کرتا تھا حرام مطلق ہو۔ یہ آیت زیادہ توجہ کرنیکے قابل ہو کیونکہ خداوندِ زمین و زماں نے ربوا کی اصلی حقیقت کا پردہ اُٹھادیا ہے اور بتادیا ہے کہ ربوا خیرات کا مدمقابل ہو۔ اس کمبخت ربوا سے خیرات کو صدمہ عظیم پہنچتا ہے ہاں اگر ربوا موقوف ہو جائے تو خیرات بآسانی جاری ہو سکتی ہے۔ ربوا کے ساتھ خیرات کا ہونا محال ہے۔ قرآن مجید کا سیاق کلام صاف بتا رہا ہے کہ غریبوں سے بجائے خیرات کرنے یا انہیں امداد دینے کے سود نہ لو۔ جب خدا ایک شئ کو جائز اور ایک کو ناجائز کر چکا پھر تم سود لینے والے کون۔ جن محتاجین کا گزشتہ آیت میں ذکر آیا ہے اُس آیت کی شان نزول و محتاجین کی کیفیت مفسرین نے یہ لکھی ہو کہ جب حضور انور نے کفار مکہ کی اذیت اور جور و ظلم سے مدینہ ہجرت کی ہے تو آپکے ساتھ کئی خاندان ہجرت کر آئے تھے اور کچھ لوگ پیچھے سے مدینہ چلے آئے تھے۔ یہ مسلمان بالکل بے سر و سامان تھے نہ اُن کے پاس کھانیکو تھا اور نہ پہننے کو نہ رہنے کو جگہ تھی۔ خیر مکان کی تو اُن کیلئے تجویز کردی گئی تھی۔ لیکن روزمرہ خورد و نوش کا سامان حاصل ہونا کٹھن کام تھا۔ سب رئیس اور سردار تھے انتہا درجہ کے غیور اور حوصلہ مند۔ وہ اپنے مُنہ سے مانگنا حرام مطلق سمجھتے تھے۔ کمانیکے لیئے اِدھر اُدھر جا نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ دشمن تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حاجتمند ہیں لیکن غیرت کیوجہ سے کسی سے سوال کرنا بُرا سمجھتے ہیں اُنکی امداد کرنی چاہیئے اور اُن سے سود نہ لینا چاہیئے۔ چونکہ مدینہ میں سود خواری عام طور پر رائج تھی اور اِسکو مثل بیع سمجھا جاتا تھا اسلیئے اِن محتاجین سے بھی سود کا معاملہ ہوا ہوگا۔ یہ مہاجر سخت پریشان اور زدہ حال تھے جن کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہو کہ اُنکی صورت مجسم مصیبت ہو خواہ وہ زبان سے نہ مانگیں خیال کرنیکی جگہ ہو جب ایسے مصیبت زدہ اشخاص سے سود کا معاملہ کیا جائے تو کتنے ظلم کی بات ہو اور کسقدر قہر ہو۔ خداوند تعالیٰ نے خیرات کے محاسن بیان فرمائے اور پھر ان مصیبت زدوں کی طرف اہل مدینہ کو توجہ دلائی اور اسکے بعد یہ بیان فرمایا کہ ربوا خواری حرام ہو۔ تم اگر خیرات کروگے تمہارے روپیہ میں برکت ہوگی۔ اگر سود لوگے تو تمہارا روپیہ گھٹے گا۔

اِن ترتیب مضامین سے ہر فہمیدہ شخص سمجھ سکتا ہو کہ سود چیز کیا ہے اور کن سے لینا ناجائز کیا گیا ہے۔ آیت ربوا کا شانِ نزول کیا ہے اور خداوند تعالیٰ کو کیوں ربوا کے متعلق حرمت کا حکم دینا پڑا۔ اگرچہ پہلی شریعتوں میں بھی ربوا ناجائز ضرور تھا لیکن اسلام نے بلاوجہ کیوں اُسے ناجائز تسلیم کر لیا اور اِسمیں ترمیم کیوں نہیں کی۔ جیسا شریعت موسوی کے بہت سے احکام میں ترمیم کردی گئی۔ بعض مفسرین کا یہی قول ہو کہ مدینہ میں سب سے پہلے آیت ربوا کا نزول ہُوا تھا۔ بلاشک یہ بات سمجھ میں آتی ہو غربائے مہاجرین کی پرورش منظور تھی اور دولتمند انصار ہرگز دل سے مصیبت زدہ مہاجرین کی امداد نہ دیتے جبتک ان شدید صدمات اور دشواریوں

میں کیونکر آسکتا ہے۔ دوسرے خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کے لین دین ہی کا ذکر کیا ہے۔ غیر اسلام کو تو اِسمیں دخل ہی نہیں دیا۔ پہلے یہ شرط کردی بشرطیکہ تمہارے دلوں میں ایمان ہے یعنی تم مسلمان ہو اور اللہ سے ڈرتے ہو تو اپنا سود چھوڑ بیٹھو یہ نہیں فرمایا کہ ایک غیر اسلام پر سودی روپیہ چھوڑ کے اُسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ یا غیر اسلام سے اس قسم کا لین دین نہ کرو یا اُمرا ایسے لین دین سے احتراز کریں۔ اوپر سے سیاق کلام آلٰہی اسکا شاہد ہے کہ کسی طرح غربا کی حفاظت کیجائے اور جس جس صورت سے مسکینوں اور نگھروں کی حفاظت کیگئی ہے فی الحقیقت اُسکا پیرایہ عجیب وغریب ہے۔ الضاف سے نظر کیجائے تو صاف طور پر کھل سکتا ہے کہ محض غربا کی حفاظت اور آپس میں محبت قایم کرنے کیلئے یہ احکام اس وضاحت اور تمہید کے بعد نافذ فرمائے گئے ہیں۔ اِن احکام میں جو ربوٰا خواری کے متعلق خداوند تعالیٰ نے دئیے ہیں وہ احکام نہیں سادگی اور صفائی پائی جاتی ہے اور ایسے مدلل اور پر اثر پیرایے میں ادا کیے گئے ہیں کہ ان سے کوئی بھی کسی زمانہ میں انکار نہیں کر سکتا۔

اِس کے بعد خداوند تعالیٰ نے مزید وضاحت کے لیئے یہ فرمایا۔" اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اُسے اصل قرضہ بھی بخشدو اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹا کے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُسکے کیئے کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا۔" یہاں تو قرآن مجید نے رہا سہا پردہ بھی اُٹھا دیا۔ جن لوگوں کی مسکینی کی وجہ سے اُنپر سود کا روپیہ چھوڑدینے کا حکم دیا چونکہ وہ بہت تنگدست تھے۔ اِسلیئے یہاں تک کہدیا کہ کیا تو اُسوقت تک خاموش رہو کہ خداوند تعالیٰ اُنھیں فراخ دست کردے اور وہ تمہارا قرض ادا کردے۔ یہ فرماکے حکم ہوا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ قرض کا روپیہ بخشدو۔ اِس سے زیادہ وضاحت کلام آلٰہی کی سود کے بارے میں اور کیا ہو سکتی ہے۔ غربا کی حمایت اس وضاحت سے اور اِس صورت سے کسی الہامی کتاب میں نہیں کی گئی۔ ربوٰا خواری کوئی خطرناک چیز نہیں ہے۔ وہ تجارت نہ سہی صرف ایک لین دین ہے جو زمانہ ہائے دراز سے تمام دنیا میں رائج تھا لیکن صرف اِس خیال سے کہ اِس قسم کے لین دین سے غریب برباد ہوئے جاتے ہیں اور اِسنے غلامی کی عام حالت پیدا کردی ہے خداوند تعالیٰ نے اِسکی بیخ وبنیاد ہی اُکھیڑ کے پھینکدی۔ اِس آیت سے کہ وہ لوگ تنگ دست ہیں اُنپر اصل رقم ہی چھوڑدینی چاہیئے یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے راس المال سے زیادہ رقم لینی منع فرمائی وہ بیچارے ربوٰا تو کجا اصل رقم کے ادا کرنیکے بھی قابل نہ تھے۔ اول ہی اول یہ نہیں فرمایا گیا کہ اصل رقم بھی چھوڑدو احکام میں بتدریج ترقی ہوتی گئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ راس المال پر معاملہ کا دارومدار آٹھیرا۔ اگر پہلے ہی سے یہ حکم دیدیا جاتا کہ زائد رقم بھی چھوڑدو اور اصل رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو تو یکایک لوگ چونکتے ہو جاتے اور اُن میں ایک انتشار پیدا ہو جاتا۔ پہلے اُنھیں بتایا گیا کہ خیرات بہت اچھی چیز ہے خداوند تعالیٰ کے حضور مخیر سرخرو ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ اسکی کل نیکیوں کا ایک ایک کرکے بدلا دیتا ہے۔ جب یہ تسلیم کرا چکا تو ربوٰا خواری کی بحث چھیڑی کہ جو کچھ اب تک راس المال سے زائد رقم لیچکے ہو وہ تو خیر مگر آئندہ اسکے لینے سے پرہیز کرو تمہارے لیئے یہی بہتر ہے جب اس حکم کی بھی مسلمانوں کی طبائع عادی ہو گئیں تو فرمایا کہ جنپر تمہارا قرض آتا ہے اُنپر جبر نکرو کیونکہ وہ بہت تنگدست ہیں اُنھیں اس بات کی مہلت دیدو کہ فراخدست ہونے پر تمہارا قرضہ ادا کریں ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ تم معاف ہی کردو۔ احکام کی اس ترتیب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا ربوٰا سے کیا منشا ہے اور اُسنے کیوں ایسی زائد رقم لینے کو حرام قرار دیا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ جب وہ بیچارے ایسے تنگدست تھے کہ زائد رقم تو کجا راس المال بھی ادا نکر سکتے تھے اور نہ یہ امید تھی کہ وہ آئندہ بھی ادا

اِسکے بعد ارشاد ہوتا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہے اُن کے کیئے کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں اُنکو ملیگا اور اُنپر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہونگے"۔ اِس آیت میں بھی وہی خیرات کی تاکید چلی جاتی ہو۔ اور اسی کے پہلو بہ پہلو نیک کام کرنے کی بھی تاکید ہے۔ نیک کام وہی ہو جسکی تشریح صاف طور پر اوپر آچکی ہو۔ اسلیئے اِسکی زیادہ تفسیر کی ضرورت نہیں ہو۔

پھر فرماتا ہے "مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمّہ باقی ہو اُسکو چھوڑ دو۔ یہ سمجھنے کی بات ہو کہ آیت ربوٰا کے نازل ہونیسے پہلے کا وہ سود باقی تھا۔ آیندہ سود لینے کی ممانعت کرنی تھی اور جو سود حرام ہونیسے پہلے کا تھا اُسے کیوں چھوڑ دیا گیا۔ اِسکی وجہ یہ ہو کہ جنکے ذمّہ سود تھا وہ بیچارے دینے کے قابل نہ تھے۔ بہت ہی مفلس اور محتاج تھے اسلیئے حکم دیا گیا کہ اس سود کو چھوڑ دو۔ اِس سے بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگیا کہ محض مساکین اور غربا کی حفاظت کی غرض سے سود حرام کیا گیا ہے یہاں دولتمندوں اور امرا کا نام بھی نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی ہو۔ امرا کو ڈانٹ بتائی ہے اور اُنہیں آگاہ کیا ہے کہ قانون قرآن کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ اُنکے یہ فرائض رکھے گئے ہیں کہ وہ اپنے غریب بھائیوں سے بکشادہ پیشانی ملیں اور اُن کے ساتھ سلوک کریں۔

مظلوم کی حمایت کی ہو مدام تو نے ۔۔۔ تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی

پھر خداوند تعالیٰ نیک اعمال کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن علاوہ نماز اور زکوۃ کے اُس نے نیک اعمال کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ نیک اعمال کا اشارہ اُسی ہمدردی کیطرف ہے جسکا ذکر اوپر سے ہوتا چلا آیا ہے۔ نماز اور زکوۃ سے مقدم اِن اعمال کو خداوند تعالیٰ نے قرار دیا ہے اِس سے زیادہ ہمدردی کی فضیلت اور کیا ہوسکتی ہے۔ نماز فی الحقیقت تزکیۂ نفس کے لیئے پڑھی جاتی ہے اور ایک شخص کی نماز سے دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیئے خداوند تعالیٰ نے نیک اعمال کے بعد نماز کو فرمایا۔ اِسکے بعد زکوۃ کا ذکر کیا ہے جو گویا تیسرے درجہ میں رکھی گئی ہو۔ بغیر روپیہ والیکے دوسرا شخص زکوۃ کیلئے مکلف نہیں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہو کہ اِسکا تیسرا درجہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ایک دوسرے کی ہمدردی کرنی اور اپنی طاقت اور وسعت کے بموجب اُسکو امداد دینا جیسا ایک دولتمند کے لیئے فرض کیا گیا ہے۔ اسیطرح ایک غریب کیلئے فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہی فی الواقع نیک اعمالی ہو اور یہی سب چیزوں سے مقدم ہو ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی ہو کہ اُنپر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

پھر اِس تمہید کے بعد فرماتا ہے "مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہو اُسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اُسکے رسوؐل سے لڑنیکے لیئے ہوشیار ہوجاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تمہیں لینی پہنچتی ہے۔ نہ تم کسیکا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے"۔ آیت کے پہلے حصّہ کی تفسیر میں اوپر کر آیا ہوں یہاں صرف ہمیں لفظ نقصان پر بحث کرنی ہو۔ فیصلہ تو بہت اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے کہ طرفین کو کوئی گنجایش اعتراض کی نہیں رہ سکتی یعنی قرض دینے والے کی اصل رقم میں کوئی نقصان نہیں آیا۔ جتنا سود وہ لے چکا وہ کم فائدہ نہ تھا۔ سود لینے والا یہ سمجھا کہ مزید رقم دینے سے جان بچی اور اصل رقم ہی پر خیر گزری۔ طرفین راضی ہوگئے۔ اِسمیں کلام نہیں کہ اِس قسم کا ربوا جس سے کسیکو نقصان پہنچے حرام مطلق ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ بنک میں روپیہ رکھ کے اُسکا منافع لینا اِس حکم

باہمی کہتی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ دستاویز نہ لکھی جانے پر بڑے بڑے جھگڑے ہوتے تھے۔ لیکن جب دستاویز کا طریقہ نکل آیا پھر کسی قسم کا جھگڑا ٹنٹا نہ ہوا۔ اور مسلمانوں میں بھائی چارہ قایم ہوگیا۔ کل مدارج تحریر اور دستاویز طے کر کے اخیر میں یہ تحریر فرماتا ہے۔ ہمارا پیغمبر اس کتاب کو مانتا ہے جو اللہ کیطرف سے اُسپر اُتری ہے اور اُسکے ساتھ دوسرے مسلمان ہیں۔ یہ سب کے سب اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ سب کا دین حق ہے الخ

یہ سب فرمانیکے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ ”اللہ کسی شخص پر بار نہیں ڈالتا مگر اُسیقدر جسکے اُٹھانیکی اُسے طاقت ہو۔ تمام مدارج خیرات ربوٰا اور لین دین کے بیان فرما کے صاف لکھدیا کہ کسی شخص پر اُسکی قوت سے زیادہ اُسپر بار نہیں ڈالا جاتا۔ یعنی جو کچھ ہم نے حکم دیا ہے وہ اُسکی قوت اور فطرت کے مطابق ہے ہمنے کوئی حکم ایسا نہیں دیا ہے جسکے کرنے میں وہ عاجز ہو۔ خیرات بھی بآسانی کر سکتا ہے۔ راس المال سے زاید رقم بطیب خاطر چھوڑ سکتا ہے۔ ماسوا اسکے اگر اُسنے کسی اپنے غریب بھائی کو قرض دیا ہے تو جبتک اُسکے پاس روپیہ نہ آجائے وہ خاموش رہ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی فیاضی سے اُس قرض کو بخش بھی سکتا ہے۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں فرمائی گئی جو طاقت انسانی سے باہر ہو۔ اسی لیے ارشاد باری ہوا کہ ہم اُسکی قدرت سے زیادہ اُسپر بار نہیں ڈالتے۔ یعنی جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے چونکہ تمہاری قدرت اور فطرت کے مطابق ہے اسلیئے تمہیں اسپر عمل کرنا چاہیئے۔ مبادا تم یہ کہنے لگو کہ ہم مجبور تھے اور یہ کام ہمارے بس کا نہ تھا۔

ان تمام آیتوں پر اگر ایک عام نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ امیروں کے ہاتھ سے غریبوں کی جان بچائی ہے۔ کمبخت غربا کو قرض دیکے اُنہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ جبتک قرض ادا نہو جائے مثل غلاموں کے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ابھی تک یہ رسم حبش و کلم صحرائی بدوں میں جاری ہے۔ ان بیجا مظالم کو روکنے اور غربا کی حفاظت کرنیکے لیئے یہ احکام نافذ فرمائے۔ کیونکہ ابتدا سے خیرات اور امدادی کاموں کی تعریف اور پھر قرض دینے پر سود کا نہ لینا ثابت کرتا ہے کہ غریبوں کا تحفظ کیا گیا ہے دولتمندوں کو خیرات لینے کی ضرورت ہے نہ اُنہیں خیرات دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ مساکین کی صورت بھی بتادی کہ مساکین کے یہ معنی ہیں غرض اخیر صدقات سے غریبوں ہی سے حمایت رکھی ہے اور ہر ہر پہلو سے اُنہیں بچایا ہے۔ غور کرنیسے ربوٰا اور اُسکی حرمت کی اصلی حقیقت کھل سکتی ہے کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو بلا وجہ اور غیر ضروری ہو۔ نہیں ہر حکم کا ایک سبب موجود ہے۔ اور بغیر اُس سبب کے وہ حکم ہی بیکار ہے خداوند تعالیٰ نے ہر حکم کے ساتھ اُسکی وجوہات بھی بیان کردی ہیں کہ اس حکم میں یہ مصالحت ہے اور یہ فوائد ہیں اور فلاں چیز کی حرمت میں یہ نقصان تھا جو ہمنے حرام کردی۔ اور فلاں چیز میں یہ بہتری تھی جو ہمنے جائز کردی۔ اسی آیت ربوٰا میں بھی خداوند تعالیٰ نے کل اسباب و علل پر بحث کی ہے۔ اور بتادیا ہے کہ ربوٰا کیا چیز ہے اور کیوں حرام کیا گیا ہے۔ جو کچھ ہمنے ان آیتوں کی تفسیر لکھی ہے اگر اُسے بھی نہ دیکھا جائے۔ صرف قرآن مجید ہی کو غور سے پڑھ لیا جائے تو حرمت ربوٰا کے کل اسباب ملجائیں گے۔ اور ربوٰا کی اصلی حقیقت بھی کھلجائیگی اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ربوٰا چیز کیا ہے آیا موجود مروجہ ربوٰا کا سایہ بھی قرآنی ربوٰا میں پایا جاتا ہے۔ آیا فقہا کا ربوٰا کچھ بھی اس ربوٰا سے نسبت رکھتا ہے جسکا بیان قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ بس قرآن مجید کو پڑھ لو اور ربوٰا کی حقیقت معلوم کرلو فقہ اور مختلف روایتوں کے عقیدہ کی پٹی کو آنکھوں سے کھول ڈالو اور صرف قرآن مجید پر تکیہ کر کے دیکھ لو۔ کہ تمہیں تمام اسرار الٰہی کھل جائیں گے اور اصلی منشائے باریتعالیٰ کی تصویر تمہاری آنکھوں کے آگے آجائے گی۔

ربوٰا کے متعلق عام فیصلہ

کر سکیں گے تو خداوند زمین و زماں نے محض مسکینوں کو بربادی سے بچانیکے لیئے اور طامع دولتمندوں کی غلامی سے نجات دینے کیلئے پہلے زائد رقم پر بحث کی اور پھر اصل رقم کو چھوڑ دینے کا ایک لخت حکم دیدیا اور تنبیہاً فرمادیا کہ اُس دن سے ڈرو جب اللہ کی طرف لوٹا کے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُسکے کیے کا پورا پورا بدلا دیا جائیگا۔

ربوا کے متعلق احکام الٰہی کے سمجھنے میں اب بھی کچھ پس و پیش ہو تو یہ اُسکی قسمت۔ ہم قرآن مجید کے آگے کسی راوی کی روایت کردہ حدیث یا کسی فقیہ کے قول کو لیکے کیا کریں۔ ہم ایسے کلام ہی کو حق نہیں سمجھتے جو نص صریح کے خلاف ہو۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید کے ہر لفظ کی تفسیر ضخیم دفاتر میں بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اور ہر لفظ سے بہت بڑے بڑے اور طولانی مسائل استنباط ہو سکتے ہیں لیکن ایسی تفسیر اور ایسے استنباط کو لیکے کیا کریں جسمیں اصل مقصود خداوندی فوت ہوتا ہو۔ اور فہمیدہ شخص اُس طولانی توضیح کو دیکھکے متوحش بنجائے۔ جو کچھ اس آیت سے حدیثوں کے راویوں اور فقہائے کرام نے استدلال کیا ہے وہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور ان کل توضیحات استنباط مسائل وغیرہ کو دیکھ کے اصل آیت کا پھر مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے خیال میں پہلے قرآن مجید ہی کو ہر معاملہ میں حکم بنانا چاہیئے۔ جب قرآن مجید میں مذکور نہو یا مذکور تو ہو مگر مطلب واضح نہو۔ یعنی ہماری محدود عقلوں میں نہ آئے۔ اُسوقت روایتوں اور فقہا کے استنباطی مسائل کو دیکھنا چاہیئے۔

آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونیکے وقت بلکہ دو صدی کے بعد تک کسی روایت کا پتہ تھا اور نہ فقہا کے استنباطی مسائل کا۔ قرآن قرآن ہی سے سمجھا جاتا تھا اور اسکا مطلب وہ لوگ بھی بخوبی سمجھ سکتے تھے جو بالکل جنگلی اور وحشی تھے۔ اور انسانیت کی ہوا تک اُنہیں نہ لگی تھی۔ خود قرآن مجید میں اپنے فخر انبیا رسول کریم کو خطاب کر کے باریتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جاہلوں میں تجھ ہی کو بنا کے بھیجا تاکہ تو روشن آیتیں سنا کے اُن کا تزکیہ نفس کرے۔ کبھی اُن جہلا نے قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر نہیں دریافت کی اور دریافت بھی کیونکر کر سکتے تھے۔ جب کل مطلب صاف اور واضح تھا۔ اسی سے بلا تفسیر اور فقہ کی ہین میگ کو دیکھے ہدایت حاصل کی۔ اور اُن کا زمانہ خیر القرون کے نام سے نامزد ہوا۔ اللہ اکبر یہ کلام خدا کی شان ہے کہ اُسنے جنگلیوں کو کیسا مہذب اور متمدن بنا دیا کہ وہ دنیا کی اعلیٰ درجہ کی قوموں کے سرتاج بن گئے اور آجتک اُن کے تمدن کی دُھوم چار دانگ عالم میں مچ رہی ہے۔ قرآن مجید نے ایک نیا زمانہ پیدا کر دیا اور ایسا زمانہ پیدا کیا کہ اختتام عالم تک اُسمیں کسی قسم کی لغزش نہیں آ سکتی

حکم معافی دینے کے بعد پھر یہ حکم دیتا ہے۔ "مسلمانو جب تم ایک میعاد مقررہ تک اُدھار کا لین دین کرو تو اُسکو لکھ پڑھ لیا کرو۔ اور اگر تمہیں لکھنا نہ آتا ہو تو تم میں تمہارے باہمی قرار داد کو کوئی لکھنے والا انصاف کیساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اُس لکھنے والیکو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جسطرح خدا نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے اُسیطرح اُسکو بھی چاہیئے کہ بیعذر لکھدے اور جسکے ذمہ قرض عائد ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہ وہی اُسکا حقیقی کارساز ہے ڈرے۔ بتاتے وقت قرض دہندہ کے حق میں سے کسیطرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے اور جسکے ذمہ قرض عائد ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود ادائے مطلب کر سکتا ہو تو جو اُسکا کار مختار ہو وہ انصاف کیساتھ دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں" الغرض اسیطرح اخیر تک یہ بتایا گیا ہے کہ لین دین کا معاملہ زبانی نہونا چاہیئے۔ بلکہ بغیر دستاویز لکھائے قرض نہ دیا جائے۔ اس حکم نے قانون اور تمدن کی بنیاد دنیا میں قائم کر دی اور یہیں سے اتحاد اور

ہماری کیفیت ہو وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہمارا لاکھوں روپیہ سال سود کے نذر ہوتا ہے۔ ہماری جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اس کمبخت سود کی بھینٹ چڑھ گئی اور جو کچھ باقی رہی ہو وہ چڑھی جاتی ہو اگر مسلمانوں نے کوئی دوسرا پہلو اختیار نہ کیا تو پچاس سال کے عرصہ میں بہت کم مسلمان صاحب جائداد رہجائیں گے۔ بڑے تعجب اور خوف کا مقام ہو کہ ایک طرف سے تو دولتمند مسلمان بنکوں سے لین دین رکھتے ہیں اور دوسری طرف وہی مسلمان کسی کی جائداد رہن کر نیکو کفر جلی سمجھتے ہیں۔ اسوقت دو قسم کے مسلمان ہیں۔ ایک تو وہ جو صاحب جائداد ہیں اور بنکوں سے اُن کا لین دین ہو یعنی وہ بنکوں سے منافع لیتے ہیں اور ضرورت کے وقت بنکوں سے روپیہ لیکے سود بھی دیتے ہیں۔ ایک وہ مسلمان ہیں جو تجارت پیشہ ہیں اور جو بنکوں کو سود تو دیتے ہیں لیکن اُن سے سود لینا حرام سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کا کام کررہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی جائداد رہن رکھنے کی رسم اُن میں بہت کم ہے اور ایسے رہن کو وہ ربوا خواری سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ربوا خواری نہیں ہوسکتی کاش بجائے غیر اسلام کے فائدہ پہنچنے کے مسلمان ہی مسلمانوں کی جائداد اور مال سے فائدہ اُٹھائیں تو مسلمانوں کی یہ دولت غیروں کے پاس کبھی نہ جاسکے فقہانے ربوا کے مسئلہ کو مبالغہ آمیزی سے بیان کیا ہے کہ اسکی اصلی حقیقت پر بھی پردہ پڑگیا۔ اور معلوم نہیں ہوتا کہ ربوا کا حکم کس مصلحت کیلئے دیا گیا تھا اور اُس زمانہ محمود و مسعود میں ربوا کہتے کسے تھے فقہانے یہ ٹھیرادیا اور گویا ربوا کے لیے یہ کلیہ باندھ دیا کہ اصلی رقم سے کوئی چیز زیادہ ہو وہ ہی ربوا ہے حالانکہ یہ مفہوم خود فقہا کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ نص قرآنی سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

جو خیالات عام نادار مسلمانوں کے ربوا کے متعلق ہیں۔ اُن سے مسلمانوں کے عام گروہ کو بہت ہی صدمہ پہنچ رہا ہے آجکل روپیہ کی حفاظت کے ذریعے ایسے عمدہ پیدا ہوگئے ہیں کہ اگر مسلمان مثل اور قوموں کے اُن سے کام لیں تو اُنکی حالت ایک حد تک بہت درست ہوسکتی ہو۔ مثلاً وہ اپنی روزانہ کمائی میں سے کچھ آنے سیونگ بنک میں برابر جمع کرتے رہیں اور روزانہ خرچ میں کفایت کرکے کچھ بچاتے رہیں تو چند سال کے بعد آنکھ بند کرکے ایک خاصی رقم اُن کے پاس جمع ہوجائے اور وہ ان کے مرض اور خاص خاص زندگی کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا اور ایسا کرنا گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف بدقسمت مسلمان یہ آزادی اور دلیری سے کرتے ہیں کہ جہاں اُنہیں ضرورت ہوئی اپنا سو روپیہ کا مال پچیس روپیہ میں کسی بنیئے کے پاس گرو رکھ آئے اور ڈیڑھ دو روپے سود کے مقرر کر آئے۔ چند سال کے بعد سو روپیہ کی رقم پچیس روپے میں آئی گئی ہوگئی اور مسلمان صاحب دیکھتے کے دیکھتے رہگئے۔ کاش اس رقم کو فروخت کرکے سیونگ بنک میں پورا روپیہ جمع کرادیا جاتا اور سو میں پچیس لیکر اپنے خرچ میں صرف کیئے ہوتے۔ تو نہ روپے کا نقصان ہوتا اور نہ ضرورت اٹکی رہتی بلکہ جب تک ہمارے پاس پچیس روپیہ جمع رہتے وہاں دو تین روپے اور بڑھ جاتے اور ہمیں ایک پیسہ کا بھی نقصان نہوتا۔

ہمارے علمانے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اپنی آئندہ بہبودی اور زندہ رہنے کا کوئی سامان نہ کریں بلکہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی غیر موسن اور غیر مستحق لوگوں کو کھلاویں اور اسیکو اسلام سمجھے جائیں۔ بیسیوں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں گھرانے اس سود دینے کی علت میں برباد ہوتے دیکھے ہیں اور اُن ستم رسیدہ خاندانوں کی یہ کیفیت نظر کی ہے کہ کیا تو وہ دولتمند تھے یا بھیک مانگنے لگے۔ اُن کی لاکھوں روپے کی جائداد ہزاروں میں سیٹھ اور بنیئے کھاگئے اور وہ مُنہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے عجیب تماشہ ہے

جو کچھ ربوٰ کے متعلق مجھے لکھنا تھا لکھ چکا۔ مختلف روایتوں پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ فقہ کے مسائل کو ایک حد تک بحث سے نہیں چھوڑا ہے۔ قرآن مجید کی کل آیتیں جو متعلق سود ہیں پیش کر دی گئی ہیں۔ اِن سب بحثوں اور دلائل کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربوٰ جسکو اس خوفناک پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے محض معمولی چیز ہے۔ اور جس ربوٰ کی حرمت ضامن ہی غربا کی حفاظت کی۔ مگر راس المال میں رقم کی اِسصورت سے زیادتی کہ غربا کا کوئی نقصان نہ ہو بلکہ معاملہ ہی غربا میں نہو تو وہ کبھی ایسا ربوٰ نہیں ہو سکتا جو حرام ہو۔ مثلاً ایک شخص بنک میں روپیہ رکھ کے منافع لیتا ہے وہ کیوں کر ناجائز ہو سکتا ہے جبکہ اُس منافع لینے میں کسی غریب کا حق نہیں مارا جاتا۔

جس صورت سے موجودہ تمدن قایم ہوا ہے اور جو سلسلہ تجارت آجکل جاری ہی اُسنے خود اس بات کو بتا دیا ہی کہ انسان اپنے معاملات میں ربوٰ کی حرمت کا کہاں تک خیال رکھ سکتا ہے اور قرآن مجید کی وہ آیت کہ کسی شخص پر اُسکی قوت سے زیادہ بار نہیں ڈالا جاتا موجودہ لین دین کو جائز کرتی ہی کیونکہ انسان کو اُن قوانین کی پابندی مجبوری کرنی پڑتی ہی جو یورپ نے مقرر کیے ہیں۔ اور جن سے ایک ذرہ برابر بھی جنبش نہیں ہو سکتی۔ تجارت کا دار و مدار یورپ سے تعلق رکھنے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی فقہ اور روایتوں کا شیدائی یہ کہے کہ اس تعلق کو قطع کر دیا جائے تو یہ ایک امر محال ہی لاکھوں مسلمان اور کروڑہا روپیہ آناً فاناً میں برباد ہو جائے اور پھر ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہے۔ خداوند تعالیٰ اس مجبوری کو خوب جانتا ہی۔ ہمارا یہ استدلال اُسوقت ہوگا جب فقہی مسائل کا جامہ پہنا دینگے اور جب آیاتِ ربوٰ پر نظر کر کے دیکھیں گے تو موجودہ تجارتی لین دین یا بنکوں کی داد و ستد کو کوئی تعلق ہی نہیں رہتا۔ فقہ کا یہ مسئلہ کہ ہر شے کی زیادتی حرام ہے ایک سبک اور بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے۔ کون سی چیز دنیا میں ایسی ہے جسمیں کمی بیشی کا خیال نہو۔ مثلاً پرامیسری نوٹ ہیں روزمرہ اُن کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت ایک قسم کی تجارت ہی کبھی بھاؤ چڑھ گیا تو فائدہ ہو گیا اور بھاؤ گھٹ گیا تو صدہا روپیہ پر پانی پھر گیا۔ اسیطرح لوٹری۔ سیونگ بنک وغیرہ سے لین دین کسی صورت سے بھی داخل ربوٰ نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ربوٰ حرام مطلق ہے کہ ایک غریب شخص کو بجائے فی سبیل اللہ امداد کرنیکے سودی روپیہ دیا جائے اور سود در سود چڑھنے کے بعد نالش کر کے اُسپر ڈگری کرائیں اور پھر اُسکی بیوی بچوں کا سارا اسباب قرق کرا لائیں اور اس طرح اُسے برباد کر دیں یا اُسے قید کرا دیں اور اُسکے بیوی بچوں کو بے پناہ اور فاقہ کشی میں چھوڑ دیں۔ یہ ہی اصلی ربوٰ خواری۔ اور ایسی ربوٰ خواری حرام مطلق ہے۔ اور ایسی حرام ہے جسکی سزا جہنم ہے اور جس سے بدتر جرم شریعت میں سوائے تکذیب توحید باری تعالیٰ کے اور ہو نہیں سکتا۔

خداوند تعالیٰ کبھی ایسے احکام نہیں دیتا جنکی تعمیل پر ہم بالکل عاجز ہوں اور ہمسے ایک دن بھی اُن کی تعمیل نہو سکے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو مذہبی قوانین ایسے ہیں جنپر عملدرآمد نہیں ہو سکتا اور انسانی طبائع اُسے قبول نہیں کر سکتیں وہ احکام ہرگز خدا کے احکام نہیں ہیں بلکہ اُسکے بندوں نے مذہبی جامہ پہنا کے اُن احکام کو قانون شریعت بنا دیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کو گزشتہ موجودہ اور آیندہ کا حال پورا معلوم ہے وہ کیونکر ایسے احکام نافذ فرماتا جو کبھی ممکن التعمیل نہ بن سکتے تھے۔ اُسے موجودہ زمانہ کا بھی حال معلوم تھا وہ جانتا تھا کہ یہ مجبوریاں آکے واقع ہونگی۔ اور یہ قواعد تجارت کے ایجاد ہوں گے۔ اس حالت کے جاننے کے بعد کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ ایسے قوانین ایجاد کرتا جنپر ایک متنفس بھی کاربند نہو سکتا ہو۔ آج تمام معاملات آئینہ کیطرح ہمارے آگے ہیں جو کچھ

کی گواہی اس سے بہتر بہم نہیں پہنچ سکتی۔ تو بیشک عالم کا سراج ہے اور تجربہ سے بہتر مصلح دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا تو نے گزشتہ ادیان کے طولانی اور پیچیدہ اصول کو اس کلمہ سے ایسا سلجھا دیا ہے کہ اسکی قیمت ایک متقی کا دل بخوبی پہچان سکتا ہے۔ معرفت کے دفاتر ان ہی دو جملوں میں پوشیدہ رکھے ہیں دنیا بھر کے حکما جمع ہو کے کسی ایک مذہب کو ان دو جملوں میں قیامت تک ادا نہیں کر سکتے۔ اے خاتم النبیین اے فخر انبیا اے باعث حدوث کائنات اے مصدر دین ایمان اے امام الہدیٰ اے مالک ہر دو سرا اے نبی الوریٰ اے امین خدا۔ اے احمد مصطفےٰ اے قریشی نبی اے رحمت عالمین تیرا ہی صدقہ تھا۔ کہ ہم بربادی سے بچگئے اور یہ تیرا ہی طفیل تھا کہ تیرے اُمتی فضیلت میں انبیائے بنی اسرائیل سے زیادہ ہو گئے۔ ہم نے اپنی شومی طالع سے تیرے دین میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ لیکن پھر بھی تیرا دین ویسا ہی سادہ ہے اور اسکے اصول ادیان عالم کے اصول سے بارہا افضل ثابت ہو چکے ہیں۔ تیرا جلال اے نبی معصوم ابد تک قایم رہے آمین ثم آمین +

کہ اگر ہم فقہا کے مسائل ربوا پر عمل کرتے ہیں تو ہمنے خود اپنے لیئے ایک پہلو جائز اور دوسرا ناجائز کیوں بنا لیا ہی اور کیوں نہیں دوسرے سے بھی دست بردار ہوتے۔ شریعت نے جہاں کاتب۔ شاہد اور لینے دینے والیکو ایک حکم میں رکھا ہے پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ تین کو بری کر کے ایک ہی کو پکڑ لیں۔ اور تمام جہان کے عیب اور برائیاں اسی کے سر چپکی جائیں۔ یعنے کاتب۔ شاہد اور دینے والیکو تو ہمنے مطلق آزادی دیدی۔ لیکن ایک بیچارے لینے والیکو مجرم گردان کے پکڑ لیا۔ اور دنیا بھر کی برائیاں اور تمام عالم کے سب وشتم اسی پر پورے کر دیئے۔ اُسکے گھر کا کھانا پینا حرام۔ مرتے وقت اُسکا مُنہ خنزیر کا سا ہو جائے گا۔ اُسکی قبر میں کیڑے پڑینگے اور فرشتے سودی روپے گرم کر کر کے اُسے داغ دینگے۔ وہ راندہ درگاہ ہو چکا۔ کبھی بخشا نہ جائے گا اور اُسکے لیئے دائمی جہنم کی خبر دی گئی ہے۔ ایک کمبخت کی جان پر تو تمام ممکن الوقوع عذاب توڑ دیئے گئے اور اُس مظلوم کو کہیں کا بھی نہ رکھا۔ مگر اُسکے تین مجرم ساتھیوں کو جنہیں شریعت ایک پیمانے میں رکھ چکی تھی اور جنپر ایک ہی نوعیت کا جرم قایم کر کے اُنکے لیئے ایک ہی قسم کی سزا تجویز کر چکی تھی اپنی طرف سے اور اپنے اختیارات سے بالکل بری کر دیا۔ اور سب کے گناہوں کا عذاب ایک ہی کی گردن پر رکھ دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شریعت کے کام میں دست اندازی کا ہمیں کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اور وجہ کیا کہ ہمنے شریعت کے اتنے بڑے قانون کو توڑ ڈالا۔ کاتب۔ شاہد سود دینے والا اور سود لینے والا تینوں ایک ہی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں اور تینوں کو بعض روایتوں کی بنا پر شارع نے ملعون سے یاد کیا ہے۔ اور جو سزا تجویز ہوئی ہے وہ ایک ہی قسم کی۔ اور ان روایتوں کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ ایک شخص بھی ان چاروں میں سے نہیں بچ سکتا۔ اگر مرتے وقت سود لینے والیکا مُنہ خنزیر کا سا ہوگا تو سود دینے والیکا بھی مُنہ سور کا ہو جائے گا۔ اگر سود لینے والیکی قبر میں سانپ بچھو پڑینگے تو سود دینے والیکو بھی یہ زہریلے جانور ڈسیں گے۔ اگر فرشتے سودی روپیہ دہکا کے سود خوار کے جسم پر داغ دینگے۔ تو سود دینے والے کی کھال بھی اِن ہی دہکتے ہوئے روپیوں سے داغی جائے گی۔ اگر سود لینے والا شافع روز محشر کی شفاعت سے محروم کیا گیا ہے تو سود دینے والیکو بھی حضور انور کی شفاعت قیامت کے دن کبھی نصیب نہو گی۔ اگر تم تمام مروجہ احکام ربوا خواری کی بابت صحیح مانتے ہو تو اے سود دینے والو خوب سمجھ لو کہ تم اپنی بے بنیاد مجبوریوں کے بہانہ سے اِس جرم عظیم سے بری نہیں ہو سکتے۔

میری تحقیق میرا عقیدہ اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ ربوا خواری محض وہ لین دین ہے جو غربا کو بجائے امداد دینے کی ڈیوڑھے اور دگنوں پر قرض دیا جائے اور اُخوت اسلامی کو اِس طرح صدمہ پہنچایا جائے۔ جو کچھ میں لکھ چکا ہوں اُس کا مفہوم یہ ہے کہ بنک کا منافع ہرگز ربوا نہیں ہو سکتا۔ معاملات تجارت کبھی ربوا میں نہیں آسکتے۔ اور سوائے غریبوں کے نقصان پہنچانے کے اور سب قسم کا لین دین جائز ہے۔

اے آخر الزمان نبی معصوم تو نے اِس دین کی ہمیں تلقین کی جو انتہا درجہ آسان اور اول درجہ کا سادہ ہے اُس کے اصول صاف اور روشن ہیں۔ اور اُنہیں ایک بالغ شخص بشرطیکہ اُسے تجھ سے محبت ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے تو نے تمام مشکلات اور پیچیدگیاں جو اور ادیان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اسلام میں سے نکال ڈالی ہیں۔ اے ذی الجلال رب کے برگزیدہ نبی یہ تیرے ہی دین کا معجزہ ہے کہ صرف دو جملوں میں تو نے اصول اسلام کا خاتمہ کر دیا یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تیرے خیر البشر ہونے کی شہادت یہی دو جملے دے رہے ہیں اور تیرے فخر انبیا اور خاتم النبیین ہونے

اس سے لمک پیدا ہوا۔ ان آخر الذکر انبیا کا کچھ تذکرہ توریت میں بیان نہیں ہوا۔

لمک

لمک نے دو بیویاں کیں ایک کا نام عدہ اور دوسری کا نام ظلہ تھا۔ عدہ کے ہاں ایک لڑکا یابل پیدا ہوا اور اس نے گلہ بانی کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر یوبل عدہ کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا جو بانسلی کا موجد ہے پھر ظلہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اسکا نام تلقائن رکھا سب سے پہلے اسنے ہی لوہے کی باڑدار ہتیار بنائے۔ اسکی بہن کا نام نعمہ تھا۔ لمک نے ایک دن اپنی دونوں بیویوں سے یہ جملے کہے "اے عدہ او ظلہ میری آواز سنو اے لمک کی جورو میری بات پر کان دہرو کہ میں نے زخم کھاکے ایک مرد کو اور ضرب اٹھا کے ایک جوان کو مار ڈالا۔ اگر قائن کا سات گنا بدلہ لیا جاے گا تو لمک کا ستر گنا" آدم سے لیکے لمک تک جن نبیوں یا نبیوں کی اولاد کا ذکر ہوا ہے توریت نے سب کو نافرمان سرکش اور قاتل قرار دیا ہے۔ اب اس سے آگے بھی جتنے انبیا کا ذکر ہے کوئی نہ کوئی جرم انھوں نے توریتی فیصلہ کے مطابق ضرور کیا ہے۔ چنانچہ ہم اختصار سے توریتی شہادتوں کو جو انبیا کی نسبت ہونگیں میں درج کریں گے۔ علاوہ ان جرائم کے جن کے مرتکب انبیا ہوئے ہیں اُن کی معاشرت بھی معلوم ہوتی جائے گی کہ کس نے کتنی شادیاں کیں۔ دنیا میں اپنی راحت کیلئے کتنی دولت برباد کی اور ان کے اخلاق کیا تھے۔

حضرت آدم کی جب ایک سو تیس برس کی عمر ہوئی تو اُن کے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سیت رکھا گیا توریت میں لکھا ہے کہ سیت کی پیدائش کے بعد حضرت آدم آٹھ سو برس اور بھی زندہ رہے گویا پوری عمر حضرت آدم کی نو سو تیس برس کی ہوئی اسکے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیت کے ہاں ایک سو پانچ برس کی عمر میں انوس پیدا ہوا۔ انوس کی پیدائش کے بعد سیت آٹھ سو سات برس تک جیتا رہا۔ اخیر نو سو بارہ برس کی عمر میں جاں بحق تسلیم ہوا۔ اسکے بعد یہ نبی اور پیدا ہوئے۔ لیکن ان سب کی عمر بڑی بڑی تھی انوس۔ عمر نو سو پانچ برس۔ قینان۔ عمر نو سو دس برس۔ محلل۔ عمر آٹھ سو پچانوے برس یارد۔ عمر نو سو باسٹھ برس۔

حنوک

توریت کتاب پیدائش باب ۵۔ آیت ۲۴-۲۱ تک عجیب و غریب بیان ہے لکھا ہے کہ حنوک کے ہاں جب متوسلح پیدا ہوا تو حنوک خدا کیساتھ چلنے لگے اور جب بہت سے بیٹے اور بیٹیاں ہوگئیں تو حنوک خدا کے ساتھ چلتے چلتے غائب ہو گئے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح ہی زندہ آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ اور بھی زندہ آسمان پر جا چکے ہیں جن میں سے صرف بھی حضرت حنوک کا تذکرہ آیا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے موافق حضرت مسیح کے اور فضائل میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ بھی بیان کی جاتی ہو کہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اسلیئے کہ مردہ شفاعت نہیں کرا سکتا یہ دلیل ہو جو حضرت عیسی کی اور انبیا پر فضیلت کی بیان کیجاتی ہے۔ مگر حضرت حنوک کے زندہ خدا کے ساتھ پھرتے پھرتے غائب ہوجانے نے اس فضیلت کو خفیف کر دیا۔

توریت میں لکھا ہے جب دنیا کی آبادی بہت بڑھ گئی اور برائی پھیلی تو خداوند تعالی انسان کے پیدا کرنے سے بہت پچتایا۔ چنانچہ توریت کی عبارت حسب ذیل ہے "۔ اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اسکے دل کے تصور

سترھوان باب

انبیا علیہم السلام

جتنے انبیا گزرے ہیں خواہ انکی تعداد کتنی ہی ہو لیکن کسی نبی کے بالتفصیل حالات ہمیں نہیں ملتے۔ ہم اُن کی زندگی، معاشرت اور تمدن پر پوری بحث نہیں کر سکتے نہ انکی عادات و اخلاق کا کوئی دفتر ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر تورات مقدسہ کو بے کم و کاست صحیح بھی تسلیم کرلیں تو بھی سوائے چند اقوال اور بعض مختصر ہدایات کے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ ایک پریشان دل کی ہرگز تورات کے خوابوں اور مقولوں سے تسکین نہیں ہو سکتی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان انبیا نے اپنے کل زمانہ زندگی میں کیا کیا۔ اُن کے وعظوں اور اصلاح خلائق کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے آگے کس مخلوق کو کس حالت میں پایا اور اُنکی اصلاح کہاں تک کی۔ اُنکی معاشرت کیا تھی۔ اسی قسم کی ہزاروں باتیں ہیں جبتک اُن کا پتہ نہ لگے کسی نبی کے ذاتی حالات پر کیونکر بحث ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے حضرت آدم کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی سب سے اول نبی بنا کے دنیا میں بھیجے گئے۔ تورات میں تو یہ لکھا ہے کہ خداوند نے عدن کے پاس ایک باغ لگایا اور بطور باغبانی کے وہاں آدم کو رکھا پھر تنہا دیکھکے آدم کا ایک ساتھی مقرر کیا۔ اور پھر خداوند نے کل پرند اور چرند آدم کے پاس بھیجے کہ وہ اُن کا نام رکھے جس جانور کو آدم نے جس نام سے پکارا وہی اُس کا نام پڑ گیا۔ پھر آدم کو نیند آگئی۔ خداوند نے اُسکی ایک پسلی پسلیوں میں سے نکال لی اور اُس پسلی کے بدلے گوشت بھر دیا۔ پھر اُس پسلی کی ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ اب یہ میری ہڈیوں میں سے ایک ہڈی ہے اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس سبب سے وہ ناری کہلائے گی۔ کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا۔ اور وہ ایک تن ہونگے۔ اور وہ دونوں آدم اور اُسکی جورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے۔ اس کے بعد تورات میں سانپ کا تذکرہ ہے۔ کہ اُسنے آدم کی بیوی کو بہکا کے ممنوعہ پھل کھلا دیا۔ حوا نے وہ پھل خود ہی نہیں کھایا بلکہ اپنے خصم کو بھی کھلا دیا اور اُس کھانے سے دونوں میاں بیوی معتوب ہوئے۔ پھر ان دونوں کو باغ میں سے نکال دیا کہ کھیتی کریں اور ننگی تلواروں کا حیات کے درخت پر خداوند نے پہرا بٹھا دیا کہ آدم اور اُن کی بیوی حوا کہیں اس درخت کا پھل نہ کھا لیں کہ کبھی اُنپر موت ہی نہ آئے۔ فرشتے ننگی تلواریں لیے ہوئے اُس درخت کے گرد ہمیشہ کھڑے رہتے تھے۔ پھر حوا حاملہ ہوئیں اور قائن پیدا ہوئے۔ پھر دوسرا بیٹا ہابل پیدا ہوا پھر دونوں زراعت کرنے لگے اور اس حسد میں کہ اُسکی نذر بھیڑ کی خداوند نے قبول کرلی اور میری نذر کو مسترد کر دیا قائن نے ہابل کو قتل کر ڈالا۔

قائن

بھائی کے قتل پر قائن بہت دھتکارا گیا۔ اور خداوند کے حضور سے نکالدیا گیا وہ عدن سے بھاگ پورب کی طرف نود کی سرزمین میں چلا گیا۔ پھر قائن نے ایک عورت کی اور اُس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اور قائن نے اُسکا نام حنوک رکھا۔ پھر ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا پھر حنوک سے عیراد پیدا ہوا اور عیراد سے محویاایل اور اس سے متوسائیل اور

کے حسن وجمال کو استعجاب کی نظر سے دیکھ کے فرعون سے جاکے کہا کہ ایسی جمیلہ خاتون تیرے ملک میں آگئی ہے۔ فوراً فرعون نے حضرت ابراہیم کی بیوی کو بلالیا اور اُسکے عوض ابراہیم کو بھیڑ بکری۔ گائے بیل۔ گدھے۔ غلام لونڈی۔ گدھیاں اور اونٹ دیئے بیوی کے عوض اُس مال کو ابراہیم نے قبول کرلیا مگر فرعون اور اُسکے خاندان پر حضرت ابراہیم کی بیوی کے چھین لینے سے مصیبت پڑی۔ فرعون نے ابراہیم کو بُلا کے یہ کہا کہ تونے مجھ سے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ میری بیوی ہے میں اُسے اپنی جورو نہ بناتا تونے تو بہن کہا۔ اسلیئے میں نے اُسے اپنی جورو بنالیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنی جورو واپس لیلی اور کل مال ومتاع اور چاندی سونے کا سامان لیکے چلدیئے۔"

سرسری طور پر دیکھنے سے بھی ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو معاذاللہ توریت نے اول درجہ کا بیغیرت اور دیوث قرار دیا ہے اور ایسا دیوث جسکی نظیر سوائے بھڑووں اور زنانوں کے کسی بُزدل سے بُزدل قوم میں بھی نہیں ملنے کی حضرت ابراہیم کے اِس سفر میں حضرت لوط بھی تھے جنھوں نے ابراہیم کی بیوی کی کمائی کا حصّہ بانٹ لیا اور آپ دوسری سمت چلدیئے (پناہ بخدا)

حضرت لوط علیہ السلام

توریت میں حضرت لوط کا قصّہ اِسطرح درج ہے (قریب قریب یہی مفہوم قرآن مجید میں بھی ادا کیا گیا ہے جو آگے بیان ہوگا) دو فرشتے شام کے وقت سدوم میں آئے۔ لوط سدوم کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ اُنہیں دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوے۔ اور اپنا سر زمین تک جھکادیا اور کہا اے میرے خداوندو اب توجہ کرکے اپنے بندہ کے گھر چلیئے۔ رات بھر آرام کیجئے پاؤں دھویئے اور فجر کو اُٹھ کے اپنی راہ لیجئے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم رات بھر رستہ میں پڑے رہیں گے۔ حضرت لوط نے بہت منت کی کہ ایسا مت کیجئے۔ بلکہ میرے گھر چلکے شب باشی کیجئے۔ اخیر وہ راضی ہوگئے۔ اور حضرت لوط کیساتھ اُن کے گھر چلے آئے لوط نے بڑی خاطر کی اور فطیری روٹی اُنہیں پکا کے کھلائی۔ روٹی کھاکے فارغ نہوئے تھے کہ سدوم کے لوگوں نے جنمیں جوان بوڑھے سب شریک تھے حضرت لوط کے مکان کو گھیر لیا۔ اور پکار کے کہا کہ وہ خوبصورت لڑکے جو آج کی رات تیرے ہاں مہمان ہوئے ہیں کہاں ہیں۔ اُنہیں ہمارے حوالے کرتاکہ ہم اُن سے صحبت کریں۔ یہ سنتے ہی لوط باہر نکلے اور دروازہ پیچھے سے بند کرکے اُن سے کہا کہ ایسا بُرا کام کیوں کرتے ہو۔ تمہیں ایسی ہی خواہش ہے تو میری دو جوان لڑکیاں موجود ہیں۔ جنکی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے وہ حاضر ہیں اُن سے تم مباشرت کرلو۔ ان لڑکوں نے میرے مکان میں آکے پناہ لی ہے۔ سدوم کے لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہٹ جا ہم اندر جاکے اُن سے اپنا مطلب حاصل کرتے ہیں تو یہاں محض بود و باش کرنے آیا ہے یا ہم پر حکومت کرنے۔ دیکھ ہم اُن سے کیسی بد سلوکی کرتے ہیں کہ تو بھی یاد رکھے۔ اِس کے بعد سبنے لوط پر حملہ کرکے کواڑ توڑ ڈالنے چاہے کہ اُن لڑکوں نے لوط کو گھسیٹ کر اندر لیلیا اور دروازے کو بند کردیا اور کل لوگوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے اور کیا بڑے اندھا کردیا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ تم اپنے بیٹیوں اور دامادوں اور جورو کو لیکے باہر نکل جاؤ اِس شہر پر عذاب نازل ہوگا۔ حضرت لوط نے اپنے داماددں سے باہر نکل جانے کے لیئے کہا اُنہوں نے قہقہہ میں اُڑادیا۔ اخیر حضرت لوط ہی اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو ساتھ لیکے فرشتوں کے حکم سے باہر چلے گئے

اور خیال روز بروز صرف بدی ہوئے جاتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنیسے پچتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا ہے روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچتاتا ہوں مگر نوح پر خداوند نے مہربانی سے نظر کی۔ توریت نے جو کچھ خداوند زمین وزماں کی جناب میں گستاخی کی ہے اُسکو ہم اِسلیئے قلم انداز کرتے ہیں کہ ہمارے مضمون کا یہ مدعا نہیں ہے ہمیں صرف انبیا۔ اُن کی تعلیم اور اُن کے اثر پر بحث کرنی ہے۔ اوپر والی توریت کی آیت اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت نوح سے پہلے ایک نبی نے بھی ایسی اصلاح نہ کی کہ نہ خداوند دلگیر ہوتا اور نہ اُس وحدہ لاشریک ذات کو پچتانا پڑتا حضرت نوح سے پہلے نبی آئے اور صدہا برس کے ہو ہو کے وفات پاگئے یا زندہ آسمان پر چلے گئے۔ مگر خدا کی مخلوق کا اُنسے کچھ فائدہ نہوا۔ غرض حضرت نوح سے پہلے کے نبیوں پر تو پانی پھیر دیا گیا۔ اب حضرت نوح سے آگے آنیوالے انبیا کا حال ملاحظہ ہو۔

نوح علیہ السلام

جب خداوند تعالیٰ نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمام دنیا کو غارت کروں تو نوح پر نظر رحمت کی اور بہت سے وعدے کیئے کہ تجھے اور تیری اولاد کو برکت دیکے زمین میں بڑھاؤں گا۔ ایک کشتی تیار کرائی اور اسمیں سب قسم کے چرندوں اور پرندوں کا ایک ایک جوڑا رکھوایا پھر حسب منشائے باری طوفان آیا۔ چالیس دن اور چالیس رات موسلا دھار بارش ہوئی۔ پانی اسقدر چڑھا کہ بلند پہاڑوں سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا نکل گیا۔ سب مر گئے مگر حضرت نوح مع اپنے ساتھیوں کے بچ گئے۔ طوفان تھم گیا۔ کوے کے ذریعے سے خشک زمین کا پتہ لگایا گیا۔ غرض دنیا پھر آباد ہوئی اور حضرت نوح نے انگوروں کا باغ لگایا اور زراعت کرنے لگے۔ ایک دن انگوروں کی اسقدر شراب چڑھا گئے کہ اپنی جان و تن کے ہوش نہ رہے۔ اور بالکل برہنہ ہو گئے۔ پھر دو بیٹوں نے جب باپ کو اس صورت میں دیکھا تو چادر سے اُسکی برہنگی کو چھپا دیا۔ جب حضرت نوح کو ہوش آیا۔ تو اُنہیں یہ بات سخت ناگوار گزری کہ بیٹوں نے میری ستر پوشی کیوں کی۔ چنانچہ آپنے اپنے چھوٹے بیٹے کنعان کو جسنے پہلے چادر آپکے اوپر ڈالی تھی ملعون کہا اور اُسکے لیئے یہ فیصلہ کیا "وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کا نسب نامہ لکھنے کے بعد توریت مقدس میں آپکے بعض واقعات زندگی کو اس طرح لکھا ہے "جب ابرام (ابراہیم علیہ السلام) دکھن میں پہنچا تو وہاں کال پڑ گیا پھر ابرام مصر میں گیا کہ وہاں ٹھیرے کیونکہ ملک میں بہت بڑا کال پڑا تھا اور جب مصر کے نزدیک پہنچا تو اُسنے اپنی جورو سری سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھینگے اور کہینگے کہ یہ اُس کی جورو ہے سو مجکو مار ڈالیں گے۔ اور تجھے جیتا رکھیں گے تو کہیو کہ میں اُسکی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔" (کتاب پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۱۰ سے ۱۳ تک) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرپوک اور جھوٹا ظاہر کرنیکے بعد توریت نے آپ کی زوجہ مطہرہ پر اور سخت حملہ کیا ہے چنانچہ اِسی کتاب اور اسی باب میں آگے بیان ہوا ہے۔ جسکا مفہوم میں اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں تاکہ توریت کی ٹیڑھی بڑنگی اردو سمجھنے میں ناظر تفسیر کو دقت اٹھانی نہ پڑے۔ وہ حملہ یہ ہے "جب ابراہیم مصر میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی نظر آپ کی بیوی پر پڑی۔ فرعون کے امرا نے بھی اِنہیں بیوی

مزاج توراتی اور قرآنی میں پورا فیصلہ کرسکے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

جب اسحاق مقام جرار میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں نے اُس سے اُسکی جورو کی بابت پوچھا تو اُسنے اس خیال سے کہ خوبصورت ہے اگر میں اسے اپنی بہن نہ بتاؤں گا تو مجھے مار ڈالیں گے اپنی جورو نہ کہا بلکہ یہ کہا کہ یہ میری بہن ہے لیکن ایک دن فلسطینیوں کے بادشاہ ابی ملک نے جھروکے میں سے اسحاق کو ربقہ نامی عورت کے ساتھ جسے وہ بہن کہہ چکا تھا اختلاط کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ ابی ملک نے اسحاق سے بلا کے کہا تو نے کیوں چھپایا جبکہ یہ تیری جورو تھی تو نے اسے بہن کیوں بتلایا اسحاق نے کہا اسلیئے کہ مجھے لوگ مار ڈالیں گے ابی ملک نے جواب دیا کیا مجال ہے جو تیری طرف اور تیری جورو کی طرف آنکھ بھر کے بھی کوئی دیکھے۔ اور اُسنے عام منادی کرادی کہ جو کوئی اسحاق کو یا اسکی جورو کو ہاتھ لگائے گا قتل کر ڈالا جائیگا۔

ایک دن اسحاق نے اپنے بیٹے عیسو کو بلا کے کہا کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتا مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری موت کب آئے جی یہ چاہتا ہے کہ تو اپنی ترکش لے اور جنگل چلا جا شکار کھیل اور بہت لذیذ کھانا پکا کے میرے لیئے لا تا کہ میں سیر ہو کے کھاؤں اور تجھے برکت بخشوں۔ عیسو یہ سُن کے شکار کھیلنے جنگل کیطرف نکل گیا حضرت اسحاق کی یہ باتیں ربقہ انکی بیوی نے سنیں (حضرت اسحاق کی کئی بیویاں تھیں) اس نے اپنے بیٹے یعقوب کو بلا کے کہا کہ معاملہ اسطرح ہوا ہے۔ تیرا سوتیلا بھائی عیسو گیا ہے اُسکو برکت ملجائے گی مناسب ہے کہ تو جا اور بہت جلد شکار کھیل کے لا کہ میں عیسو کے آتے آتے کھانا پکا کے تیار کرلوں یعقوب نے کہا میرا باپ کہیں مجھے پہچان نہ لے کیونکہ میرے بھائی کے جسم پر بال ہیں اور میرے جسم پر بالکل بال نہیں ہیں۔ ربقہ نے کہا تو اسکا کچھ خیال نکر میں انتظام کر دونگی چنانچہ یعقوب گیا اور عیسو سے پہلے شکار مار لایا۔ ربقہ نے بہت جلد کھانا پکا کے یعقوب کو دیا کہ تو اپنے باپ کے پاس لیجا یعقوب کھانا لیکے گیا۔ اور آواز دی اے باپ اسحاق نے کہا میں ہوں اے میرے بیٹے۔ پھر یعقوب بولا اے باپ تیرا بیٹا عیسو تیرے لیئے شکاری کھانا پکا کے لایا ہے۔ تو کھا اور مجھے برکت دے۔ اسحاق نے حیران ہو کر پوچھا کہ اتنی جلدی تجھے شکار کیونکر ملگیا۔ یعقوب نے کہا۔ خداوند نے جلدی سے میرے آگے کردیا۔ اسحاق بولا آ میرے بیٹے میں تجھے چھوؤں یعقوب نے اپنا ہاتھ آگے کردیا۔ عیسو کی طرح اُسکے ہاتھ پر بال تھے اسحاق سمجھ گیا کہ عیسو ہی ہے۔ کھانا کھایا اور اُسے برکت دی۔

عقل باور نہیں کرتی کہ توریت کا یہ قصہ صحیح ہو نہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصہ کا مصنف کوئی فہمیدہ شخص ہو۔ باپ اور بیٹوں کی آواز میں تمیز نکرسکے۔ عجیب بات ہے قدم کی آہٹ سے آدمی پہچانا جاتا ہے نہ کہ آواز سے بھی نہ پہچانا جائے ع
این خیال ست و محال ست و جنوں ۔۔ جو جرم ابراہیم نے کیا کہ اپنی جورو کو بہن بنایا۔ اور پھر اس سے اختلاط کیا۔ یہی جرم اسحاق سے ہوا کہ بلا وجہ خیالی خوف سے اپنی جورو کو بہن بنایا۔ اور جب ابی ملک کو معلوم ہوا تو اُس نے ملامت کی کہ اے اسحاق تو نے اپنی جورو کو کیوں بہن بنایا جبکہ کوئی شخص تیری طرف آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ ہے حضرت اسحاق کے سوانح عمری کا اختصار جو توریت میں بیان ہوئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

پھر سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ کا مینہ برسا۔ اور کل جاندار چرند پرند نباتات جل کے خاکستر ہو گئے۔ افسوس ہے کہ حضرت لوط کی بیوی بھی سلامت نہیں رہیں۔ صرف پھر کے دیکھنے کے جرم میں نمک کا ستون بن گئیں"۔

اس واقعہ کے بعد ایک سخت شرمناک قصہ نبی زادیوں کا بیان ہُوا ہے جسے لکھتے ہوئے شرم آتی ہے مگر اس خیال سے کہ انبیا اور انبیا زادیوں کا خاکہ جو کچھ توریت میں اُتارا گیا ہے سنا ظر تفسیر کو معلوم ہو جائے۔ طوعاً و کرہاً لکھنا ہی پڑتا ہے۔ توریت نے ہر نبی کو دغا باز۔ دیوث۔ چور اور زانی قرار دیا ہے۔ اور توریت کے دامن پر یہ ایسا شرمناک دھبہ ہے کہ مٹائے مٹ نہیں سکتا۔ ناظر تفسیر کو بغور دیکھنے کے بعد کُھلجائے گا کہ ایسی کتابوں کے مقابلہ میں قرآن مجید کی کتنی ضرورت تھی اور قرآن مجید کا نزول دنیا کے لیئے کیسا لازمی تھا۔ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو ایک نبی بھی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا۔ اِن پر ایمان لانا تو کجا۔ چنانچہ وہ شرمناک قصہ یہ ہے "حضرت لوط ضغر سے اپنی دونوں بیٹیوں کو لیکے پہاڑ پر جا رہے کیونکہ ضغر میں رہنے سے اُنہیں خطرہ تھا۔ آپ اور آپ کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ ایک دن بڑی بیٹی نے چھوٹی بیٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور ہمیں کوئی مرد نظر نہیں آتا کہ دستور کے مطابق ہم سے مباشرت کرے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو شراب پلا کے مست کر دیں اور پھر اُس سے ہم بستر ہوویں تاکہ باپ کی نسل باقی رہے۔ چنانچہ اُسی دن انہوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی۔ پہلی رات بڑی بیٹی گئی۔ اور اُس سے حضرت لوط شراب کے نشہ میں ہمبستر ہوئے۔ دوسرے روز لڑکی نے اپنی چھوٹی بہن سے کہدیا کہ رات کو شراب پلا کے میں اپنے باپ سے ہمبستر ہو آئی ہوں۔ آج شب تو بھی ایسا ہی کر۔ رات ہوتے ہی چھوٹی لڑکی بھی شراب پلا کے اپنے باپ سے اُسی فعل شنیع کی مرتکب ہوئی۔ باپ سے دونوں بیٹیاں حاملہ ہو گئیں بڑی کے ہاں موآب پیدا ہُوا جو موآبی نسل کا جد بنا۔ اور چھوٹی کے ہاں بن عمی پیدا ہوا جو قوم بنی عمون کا بانی ہُوا"۔

نبی زادیاں تو بُری ٹھیریں مگر حضرت لوط بھی اِس الزام سے نہیں بچ سکے۔ کیونکہ جب اُنہیں ہوش آیا۔ اور اسکی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے اپنی بیٹیوں سے ہُوں تک نہیں کی۔ دوسرے خدا پر یہ الزام آتا ہے کہ جب وہ معمولی معمولی باتوں میں اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے نبیوں سے باتیں کیا کرتا تھا تو کیا وجہ ہوئی کہ اُس نے فرشتہ بھیج کر حضرت لوط کو آگاہ نہ کر دیا کہ تمہاری لڑکی اِس نیت سے تمہیں شراب پلائے گی تم ہرگز نہ پینا۔ حالانکہ قدم قدم پر خداوند سے باتیں ہوتی تھیں۔ لیکن ایسے شرمناک اور سنگین موقع پر کچھ نہ کہا گیا۔ اگر یہ عذر کیا جائے کہ اُس زمانہ میں بیٹیوں سے ہمبستر ہونا بُرا نہ سمجھا جاتا تھا اور چونکہ یہ عام ملکی رواج تھا اسلیئے بُرا نہیں ہو سکتا تو حضرت لوط کی بیٹیوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بیہوش کرنیکے بعد اپنی نفسانی خواہش پوری کریں۔ وہ علانیہ اپنے باپ سے اسکی درخواست کر سکتی تھیں۔ اور حسب قانون ملکی تسلیم کرنے میں اُنہیں کوئی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر یہ بات نہ تھی اگر یہ فعل شنیع جائز ہوتا تو اب تک وہ بچی ہوئی کیونکر رہ سکتی تھیں۔ پس ضرور ہُوا کہ ایسا فعل اسیطرح شنیع اور قبیح سمجھا جاتا تھا جیسا اب سمجھا جاتا ہے۔ اور نبی زادیوں نے اس فعل کو قبیح سمجھ کے اپنے باپکو پہلے بیہوش کیا اور پھر اِس جرم عظیم کی اُنہوں نے مرتکب ہوئیں۔ یہ ہے نمونہ انبیا کے واقعات زندگی کا جسکی شہادت توریت دیتی ہے۔ اور جس کتاب میں بالتفصیل نبی کے ایسے ہی شرمناک افعال لکھے ہوئے ہیں۔ ہم قریب قریب کل انبیا کے حالات درج کرینگے۔ تاکہ ناظر تفسیر انبیا کے

زلفہ یعقوب کو دی۔ یعقوب اُسے بھی اپنے استعمال میں لایا۔ اور اُس سے علی التواتر دو بیٹے ہوئے۔

اخیر میں خدا نے راخل کے رحم کو بھی کھولدیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی۔ اِسکے بعد لابن اور یعقوب کا جھگڑا اور عیسو یعقوب کے بھائی کی لڑائی کا تذکرہ ہے جو بہت ہی بے تکا اور بے مزا ہے۔ اس لیئے اسے یہیں ختم کیا جاتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام

جب حضرت یعقوب کنعان کی سرزمین پر رہنے لگے تو یوسف کی عمر ستّرہ برس کی تھی یہ گلہ چرایا کرتے تھے۔ یوسف بلہہ و زلفہ لونڈیوں کے بیٹوں کیساتھ رہتا تھا اور اُن کی بھلی بُری خبریں باپ سے کہا کرتا تھا۔ چونکہ یہ بڑھاپے کی اولاد تھی اسلیئے حضرت یعقوب اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کیلئے رنگ برنگ کی قبا بنائی۔ دوسرے بھائی دیکھ کے جل گئے۔ ایک دن یوسف نے بھائیوں سے اپنا خواب بیان کیا خواب سنتے ہی بھائی اور بھی ناراض ہوئے وہ خواب یہ ہے۔ "میں کیا دیکھتا ہوں کہ ہم سب کھیت پر بیٹھے ہوئے پولے باندھ رہے ہیں۔ جب ہم پولے باندھ چکے تو میرا پولا خود ہی کھڑا ہوگیا اسکے بعد تمہارے پولے میرے پولے کے آگے کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا۔ اسکے بھائیوں نے جل کے کہا کہ تو ہمارا بادشاہ ہوگا۔ یا ہمارا حاکم ہوگا۔ پھر روز بروز کینہ بڑھتا گیا یوسف نے دوسرا خواب دیکھا اور وہ بھی اپنے بھائیوں سے بیان کیا اسکا مضمون یہ ہے کہ خواب میں سورج۔ چاند اور گیارہ ستاروں نے مجھے سجدہ کیا۔

جب یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں سے یہ خواب بیان کیا تو بھائیوں کو بہت صدمہ ہوا اور باپ نے یوسف کو دھتکارا کہ یہ کیا خواب ہے جو تونے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کے تجھے سجدہ کرینگے۔ جب یوسف کے بھائی مقام سکم میں گلہ چرانے گئے تو حضرت یعقوب نے یوسف کو بھی بھائیوں کے پاس بھیجدیا رستہ میں ایک شخص یوسف سے ملا یوسف راستہ بھول گئے تھے اُس نے راستہ بتایا اخیر یوسف مقام دوتین میں اپنے بھائیوں کے پاس جا پہنچا دور سے اُنہوں نے دیکھ کے یہ صلاح کی کہ یوسف کو مار ڈالیں تاکہ اُسکے روز مرّہ کے خوابوں سے نجات ملے۔ ان میں سے ایک بھائی نے یہ کہا کہ یوسف بھی ہمارا خون اور گوشت ہی ہے اسے قتل کرنا نہ چاہیئے بلکہ کسی اندھے کوئیں میں ڈالدینا چاہیئے پھر باپ سے یہ کہدیا جائے کہ اُسے کوئی درندہ اُٹھا کے لیگیا۔ غرض جب یوسف اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے سب سے پہلے اُس کی بوقلمون قبا کو اُتار لیا اور ننگا کرکے اندھے کوئیں میں ڈالدیا اسی اثنا میں اسماعیلیوں کا ایک قافلہ پہنچ گیا جو سامان تجارت لیئے ہوئے مصر جاتا تھا۔ بھائیوں نے صلاح کی کہ یوسف کو اس قافلہ کے ہاتھ فروخت کرڈالیں۔ اخیر صلاح ٹھیر گئی اور یوسف کو اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپیہ کو فروخت کرڈالا۔ بھائیوں نے یہ ترکیب کی ایک بکری کا بچہ ذبح کرکے قبا کو اُسمیں تر کیا۔ اور باپ یعقوب سے آکے بیان کیا کہ ایک بڑا درندہ یوسف کو کھا گیا۔ اے باپ یہ اُسی کی بوقلمون قبا ہے یا نہیں۔ یعقوب نے کہا میں نے پہچانا یہ اسی کی قبا ہے۔ پھر یعقوب نے رونا اور واویلا کرنا شروع کیا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے کولہے پر ٹاٹ ڈال لیا۔ ہرچند بیٹوں بیٹیوں اور جوروں نے سمجھایا۔ لیکن غم میں یعقوب کا آنسو نہیں تھما۔

اسماعیلی قافلہ کے سرداروں نے فوطیفار نامی مصری امیر کے ہاتھ جو شاہ مصر کے جلادوں کا سردار تھا یوسف کو فروخت کرڈالا

توریت میں حضرت یعقوب کا عجیب قصہ مذکور ہوا ہے۔ آپ اپنی ماموں زاد بہن کے عشق میں چودہ برس تک غلامی کرتے رہے۔ اِسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ جب یعقوب پوربی لوگوں کے ملک میں پہنچا تو اُس نے دیکھا ایک گڑھے پر بہت بڑا پتھر رکھا ہے۔ گلہ والے اُس پتھر کو ہٹا کے اپنے گلہ کو پانی پلا دیتے ہیں اور پھر وہی پتھر اُس گڑھے پر ڈھانک دیتے ہیں۔ چنانچہ پانی پلا کے حسب معمول پتھر ڈھانک کے چلے گئے یعقوب ابھی موجود ہی تھا کہ راخل اپنے باپ کی بھیڑوں کے ساتھ آئی یعقوب نے پہچان لیا۔ کہ یہ میری ماموں لابن کی بیٹی ہے اُسکے پاس گیا اور پتھر کو گڑھے یا کوئیں پر سے اٹھا دیا۔ تاکہ لڑکی اپنے باپ کے گلہ کو پانی پلا دے۔ جب گلہ پانی پی چکا تو یعقوب نے کہا میں تیرے باپ کی برادری میں ہوں اور ربقہ کا بیٹا ہوں۔ لڑکی دوڑی ہوئی اپنے باپ کے پاس آئی اور اُس سے یعقوب کی پوری کیفیت بیان کی۔ لابن اپنے بھانجہ کی خبر سن کے دوڑا ہوا آیا یعقوب کو گلے لگا کے کہا کہ سچ تو میری ہڈی اور گوشت ہے۔ آ میرے گھر چل یعقوب اپنے ماموں کے گھر چلا آیا اور ایک مہینہ تک مہمان رہا۔

لابن نے کہا تو میرا بھائی ہے کیا میری خدمت کرے گا اور کیا مزدوری لیگا۔ لابن کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام لیاہ اور دوسری کا راخل تھا۔ لیاہ چندھی اور بدصورت تھی۔ مگر راخل بہت ہی خوبصورت تھی۔ یعقوب اُس لڑکی پر دل وجان سے عاشق ہوگیا تھا۔ لابن سے کہا کہ محض اس لڑکی کے لیئے میں سات برس تک تیری مفت خدمت کروں گا۔ لابن راضی ہوگیا اور یعقوب صرف اس لڑکی کے عشق میں سات برس تک خدمت کرتا رہا۔ جب سات برس پورے ہوئے تو یعقوب نے لابن سے کہا اپنے وعدے کو ایفا کر اور اجازت دے کہ میں تیری لڑکی کے پاس جاؤں۔ لابن نے تقریب کی اور بہت سے لوگوں کی ضیافت کی مگر اپنی بیٹی کے بدلے اپنی لونڈی زلفہ کو دھوکا دیکے یعقوب کے پاس بھیجدیا۔ علی الصباح یعقوب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی اُس نے سخت شکایت کی کہ اے لابن تو نے وعدہ خلافی کی۔ لابن نے کہا سن یعقوب ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ بڑی لڑکی کے ہوتے چھوٹی لڑکی کو بیاہ دیں اگر تو راخل کو چاہتا ہے تو سات برس اور بھی میری بلا اجرت خدمت کر یعقوب چونکہ دل وجان سے فریفتہ ہوچکا تھا خدمت کرنی شروع کی اور وہ سات برس بھی پورے کیئے۔ اخیر لابن نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ اپنی بیٹی راخل کو مع ایک لونڈی کے یعقوب کے حوالہ کیا۔ خدا کو اسپر غصہ آیا کہ یعقوب نے لابن کی بڑی بیٹی لیاہ سے کیوں نفرت کی اسلیئے راخل کو بانجھ کر دیا۔ اور لیاہ کا رحم کھولدیا گیا۔ لابن نے اپنی دوسری بیٹی لیاہ بھی یعقوب کے سپرد کر دی۔ یعقوب کی نظر راخل پر بہت تھی۔ مگر لیاہ کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہونی شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹے ہوئے۔ راخل کو اپنی بہن پر حسد ہوا کہ یہ بیٹوں پر بیٹے جنے جاتی ہے اور یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ راخل نے یعقوب سے کہا کہ مجھے بھی بچے دے نہیں میں مرجاؤں گی یعقوب کو یہ سن کے غصہ آیا اور کہا راخل یہ تو کیا باتیں کرتی ہے کیا میں خدا کی جگہ پر ہوں جس نے تجھے پیٹ کے پھل سے باز رکھا ہے۔ راخل نے جواب دیا اچھا میری لونڈی بلہہ حاضر ہے تو آج شب اسکے ساتھ سو وہ حاملہ ہوگی تو میں اُسے اپنے گھٹنوں پر جناؤں گی تاکہ میرا گھر اُس سے آباد ہو۔ یعقوب اُس پاس گیا بلہہ حاملہ ہوئی اور یعقوب سے بیٹا جنی۔ اِسپر راخل بہت خوش ہوئی اور بولی خدا نے میری فریاد سنی دوبارہ بلہہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی۔ راخل نے شاد ہو کے کہا میں اپنی بہن لیاہ پر غالب آگئی اسپر لیاہ کو حسد ہوا کیونکہ وہ جننے سے رہ گئی تھی اسلیئے اُسنے بھی اپنی لونڈی

تیسرے روز فرعون کی سالگرہ ہوئی۔ تمام امرا اور ارکین سلطنت جمع ہوئے۔ سردار ساقی اور نان پز کی دربار میں طلبی ہوئی۔ ساقیوں کا سردار اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ مگر نان پز کے سردار کو پھانسی دی گئی۔ ساقیوں کا سردار خوش حال ہونے پر یوسف کو بھول گیا۔ ایک دن فرعون نے خواب دیکھا اور اسکی تعبیر کے لیئے سخت پریشان ہوا۔ اسوقت ساقیوں کے سردار کو یوسف یاد آیا اس نے سفارش کی کہ یوسف کو بلا کے تعبیر خواب پوچھی جائے۔ چنانچہ یوسف بلائے گئے اور فرعون نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ یوسف نے کہا کہ سات برس تک تیرے ملک میں لہر بہر رہے گی۔ غلہ دُگنا اُگنا پیدا ہوگا اور پھر سخت قحط پڑے گا۔ اگر تو نے تحصیلدار مقرر کر کے غلہ کے جمع کرنے کا انتظام کیا تو تیری رعایا بڑی حد تک قحط سے بچ جائے گی۔ یہ تعبیر فرعون اور اسکے کل سرداروں کو بھلی لگی۔ فرعون یوسف پر ایسا مہربان ہوا کہ حکومت مصر اُسکے حوالہ کر دی۔ اور کہا سب کچھ تیرا ہے اور ہر چیز پر تجھے اختیار حاصل ہے۔ تجھ سے زیادہ ہوشیار اور عقلمند میں نے اور کوئی نہیں دیکھا۔ صرف تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگتر رہوں گا۔ باقی ساری زمین پر تجھے حکومت بخشی۔ پھر فرعون نے اپنی انگوٹھی اپنی انگلی سے اُتار کے یوسف کو پہنا دی۔ اور کتان کا لباس پہنایا۔ اور سونے کا طوق اُسکے گلے میں ڈالا اور اپنی دوسری گاڑی میں سوار کرا کے اُسکے آگے منادی کر دی۔ سب دیکھ رہے کہ کل مملکت مصر پر اسے حاکم بنایا گیا ہے۔ فرعون نے یوسف کا نام صفنات فعنیح رکھا۔ اُسوقت یوسف کی عمر تیس برس کی تھی۔ سات برس کے بعد کال پڑا۔ چاروں طرف آفت مچ گئی۔ لوگ دوڑے ہوئے فرعون کے پاس آئے کہ ہم کہاں سے کھائیں۔ فرعون نے کہا یوسف کے پاس جاؤ جو کچھ وہ کہے اُسپر عمل کرو۔ یوسف نے کھلیان سے غلہ پہلے ہی سے کھتوں اور کوٹھوں میں بھر رکھا تھا۔ اُن کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کیا۔ قحط کو روز بروز ترقی ہوئی اور ہر دیار اور ملکوں کے لوگ بھی غلہ مول لینے مصر میں آنے لگے۔

یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا مصر میں غلہ موجود ہے تم کیوں نہیں جا کے لاتے۔ یوسف کے دس سوتیلے بھائی غلہ لینے کے لیے اپنے باپ کے حکم سے مصر میں آئے۔ مگر یعقوب نے یوسف کے سگے بھائی بنیامین کو نہیں بھیجا کیونکہ یوسف کا داغ کلیجہ پر ہو رہا تھا۔ جب یوسف کے بھائی مصر میں پہنچے تو سیدھے غلہ خریدنے کیلیئے یوسف کے پاس گئے کیونکہ یوسف ہی حاکم تھا اور یوسف ہی غلہ بیچتا تھا۔ جوں ہی یوسف کو دیکھا اُسکے بھائی اُسکے آگے سربسجود ہوئے۔ یوسف انہیں پہچان گیا لیکن اُنھوں نے یوسف کو نہ پہچانا۔ یوسف کو وہ خواب یاد آئے کہ میرے بھائی میرے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔ یوسف نے جان کے ذرا سختی سے گفتگو کی اور انکا رُکے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم سرزمین کنعان سے غلہ لینے آئے ہیں۔ یوسف نے کہا نہیں تم جاسوس معلوم ہوتے ہو سرزمین کی بری حالت دیکھنے آئے ہو۔ اُنھوں نے متفق اللفظ جواب دیا۔ نہیں ہم سب ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں۔ ہم سچے ہیں۔ تیرے غلام جاسوس نہیں۔ یوسف نے پھر دھتکارا کہ نہیں تم قطعی جاسوس ہو۔ بھائیوں نے کہا تیرے غلام کنعان میں ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں۔ چھوٹا بھائی باپ کے پاس ہے۔ لیکن ایک بھائی نہیں ملتا۔

یوسف۔ میں نے کہا نہ تھا کہ تم جاسوس ہو وہی بات نکلی نا۔ تمہارا اسی سے امتحان ہوگا۔ فرعون کی زندگی کی قسم جبتک تمہارا چھوٹا بھائی یہاں نہ آجائے تم جا نہیں سکتے۔ تم اپنے میں سے ایک شخص کو اُسکے لینے کیلیے بھیجو۔

اب یوسف کے دن پھرے اور وہ اپنے مصری آقا کے پاس رہنے لگا۔ یوسف سے اُسکا آقا بہت خوش ہوا۔ اپنے تمام گھر کے دروبست کا اُسے مالک بنا دیا۔ خدا نے یوسف کی وجہ سے اُس سردار کو برکت دی اور اُسکے گھر میں بہر بہر ہوگئی۔ یوسف کے آقا نے سوائے روٹی کھا لینے کے اور کوئی کام نہ رکھا۔ سب کا یوسف کو مختار بنا دیا۔ یوسف اول درجہ خوبصورت اور خوش پیکر تھا۔ مصری آقا کی بیوی یوسف پر عاشق ہوگئی اور درخواست کی کہ تو مجھ سے ہمبستر ہو۔ یوسف نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے تو میرے آقا کی جورو ہے وہ مجھپر اتنی مہربانی کرتا ہے کہ سارا گھر اپنا مجھے دے رکھا ہے۔ تیرے ساتھ ہمبستر ہو کے میں خدا کا گنہگار نہیں بننا چاہتا۔ یہ عورت روزمرہ یوسف سے مُصر ہوتی تھی لیکن وہ برابر انکار کرتا تھا۔ ایک دن یوسف کو گھر میں اکیلا پا کے اُسکا پیراہن پکڑ لیا۔ اور کہا آج تو مجھ سے ہمبستر ہو۔ میں تجھے خالی کبھی نہ جانے دونگی۔ یوسف اپنا پیراہن چھوڑ کے بھاگا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ عورت جھلگئی اور اُسنے چند آدمیوں کو جمع کر کے کہا دیکھا میرے خاوند نے جس عبری کو اپنے گھر میں رکھا آج اُسنے مجھپر دست درازی کی اور چاہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔ میں نے بمشکل اپنا پیچھا چھٹایا۔ اور غل مچایا تو وہ اُسی وقت یہاں سے بھاگا ہے۔ اتنے میں اُسکا خاوند آگیا اُس سے بھی یہی شکایت کی۔ یوسف کا آقا یہ سُن کے سخت برہم ہوا اور یوسف کو پکڑ کے شاہی قیدیوں کے پاس قید کر دیا۔

خدا یوسف کیساتھ تھا۔ اُسکے جیل خانہ کے داروغہ کو یوسف پر مہربان کیا۔ داروغہ نے کل قیدیوں کو یوسف کے سپرد کر دیا اور قیدخانہ کے کل کام یوسف کے سپرد کر کے آپ بے فکر ہوگیا۔ اسی اثنا میں شاہ مصر نے ناراض ہو کے اپنے دو سرداروں کو جو ایک ساقیوں کا سردار تھا اور دوسرا نان پزوں کا، اسی قیدخانہ میں بھیجدیا۔ قیدخانہ کے داروغہ نے اُنہیں بھی یوسف کے حوالہ کر دیا اور وہ ایک مدت تک قیدخانہ میں رہے۔ اِن سرداروں نے رات کو ایک خواب دیکھا تھا اُسکی تعبیر نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ یوسف نے اُن سے دریافت کیا۔ تم اُداس کیوں ہو اُنہوں نے کہا جو خواب ہمنے دیکھا ہے اُسکی تعبیر نہیں ملتی۔ یوسف نے جواب دیا اگر تم خواب بیان کرو تعبیر میں بتا دیتا ہوں۔ سردار نے یہ بیان کیا خواب میں ایک تاک میرے سامنے آئی۔ اُس تاک میں ڈالیاں تھیں۔ اُن میں کلیاں نکلیں۔ پھر پھول آئے اور انگور لگے فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے اُن انگوروں کو لیکے اُس پیالہ میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ یوسف نے کہا کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد بادشاہ تجھے دربار میں بلا کے تیرا منصب عطا کریگا۔ اور تو اُسیطرح اپنے آقا کو جام شراب پلایا کریگا۔ لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجو اور مجھپر مہربانی کیجو اور فرعون سے میرا ذکر کر کے مجھے اس قیدخانہ سے رہائی دلوائیو۔ مجھے عبرانیوں کی ولایت سے یہاں پکڑ لائے ہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ناحق مجھپر طوفان اُٹھا کے مجھے یہاں قید کر دیا ہے۔ یہ خواب تو ساقیوں کے سردار کا تھا۔ نان پزوں کے افسر نے یہ دیکھکے کہ دوست کے خواب کی تعبیر بہت ٹھیک دی گئی ہے۔ اپنا خواب بیان کیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ تین ٹوکریاں روٹیوں کی سر پر لیے ہوں۔ اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لیے سب قسم کا پکا ہوا کھانا رکھا ہے۔ اُس ٹوکری میں سے پرندے کھا رہے تھے۔ یوسف نے تعبیر بیان کی کہ یہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں۔ اب سے تین دن کے بعد فرعون تیرا سر تن سے جدا کرے گا اور ایک درخت پر لٹکا دے گا اور وہاں پرندے نوچ نوچ کر تیرا سر کھائیں گے۔

غرض یہ سب سامان لیکے اور بنیامین کو بھی ساتھ لیکے مصر میں یوسف کے پاس آئے۔ یوسف نے اپنے چھوٹے بھائی کو پہچان لیا۔ اور اپنے داروغہ کو حکم دیا کہ تم اِن سب کو میرے مکان پر لیجاؤ۔ ایک بھیڑ ذبح کرو اور کھانا تیار کرو۔ دوپہر کو میں اِن کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ یہ بیچارے ڈر گئے اور دل میں خیال کرنے لگے کہ کہیں یہ شخص ہمپر چوری مقرر کرکے حملہ تو نہ کرے گا۔ اور ہمیں غلام تو نہ بنائے گا۔ یوسف نے شمعون کو بھی قیدخانہ سے نکالکے اُن کے پاس بھیجدیا۔ یہ پریشان ہوکے داروغہ سے پوچھنے لگے کہ جب ہم نے گھر لیجاکر بوریاں کھولیں تو اُن میں سے ہماری وہ نقدی نکلی جو ہم نے قیمت دی تھی۔ ہمیں بڑا خوف ہے کہ کہیں ہمیں چوری کا الزام نہ لگایا جائے۔ داروغہ نے کہا تم گھبراتے کیوں ہو تمہارے غلہ کی قیمت تو ہمیں وصول ہو چکی خدا نے یہ نقدی تمہیں مرحمت کی ہے۔ بھائیوں نے اُس ہدیہ کو گھر میں بیٹھ کے آراستہ کیا جو اپنے باپ کے پاس سے لائے تھے اور جوں ہی وقت مقررہ پر یوسف آئے تو وہ ہدیہ پیش کیا۔ اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ یوسف نے نہایت مہربانی سے خیر و عافیت پوچھی اور کہا تمہارا بوڑھا باپ زندہ ہے۔ بھائیوں نے کہا ہاں تیرا چاکر اور ہمارا باپ زندہ ہے۔ یہ کہہ کے وہ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ یوسف نے آنکھ اُٹھا کے اپنے سگے بھائی بنیامین کو دیکھا اور کہا یہی تمہارا بھائی ہے جسکی نسبت تم نے مجھ سے کہا تھا۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ یوسف کی زبان سے بیساختہ نکل گیا اے فرزند خدا تجھپر رحمت کرے۔ یہ کہہ کے یوسف کا دل بھر آیا۔ اور چاہا کہ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور علیحدہ گوشہ میں آکے خوب روئے پھر مُنہ پونچھ کے بھائیوں کے پاس آئے اور کھانا چُننے کا حکم دیا۔ سب کا کھانا علیحدہ علیحدہ چُنا گیا۔ کیونکہ مصری عبرانیوں کے ساتھ ایک قاب میں کھانا مکروہ جانتے تھے۔ چھوٹے بھائی کے لیئے علیحدہ قاب چُنی اور سب نے خوب سیر ہوکے کھانا کھایا۔ یوسف نے اپنے داروغہ سے حکم کیا کہ اِن کی بوریاں غلہ سے بھردے اور ہر بوری میں انکی نقدی رکھدے۔ اور بنیامین کی بوری میں میرا چاندی کا پیالہ رکھدے اور جب وہ شہر کے باہر جائیں تھوڑی دور کے فاصلہ پر تو اُنہیں جالے۔ اور بنیامین کا بورا کھول کے پیالہ نکال۔ اور یہ کہہ واہ تم بھی عجیب لوگ ہو کہ نیکی کے عوض بدی کرتے ہو۔ میرے آقا نے تمپر اتنی مہربانی کی اور تم اُسکا پانی پینے کا پیالہ چُرا لائے۔ چنانچہ داروغہ نے اپنے آقا یوسف کے حکم کی تعمیل کی۔ شہر کے باہر اُنہیں جالیا۔ اور کہا کہ تم میرے آقا کا پیالہ چُرا لائے ہو اِن سب نے سُن کے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ ہماری نسبت ایسا گمان نہ کرو ہم کبھی ایسا نہیں کرنیکے داروغہ نے کہا کہ اِس حجت سے کیا ہوتا ہے اگر تم میں سے کسیکے پاس وہ پیالہ نکل آئے تو کیا علاج۔ سب نے متفق اللفظ جواب دیا کہ اُسے سزائے موت دیجائے خواہ اُسے غلام بنایا جائے داروغہ نے کہا وہ میرا غلام ہوگا۔ چنانچہ ایک ایک شخص کے بورے کی تلاشی لی گئی۔ وہ پیالہ بنیامین کی بوری میں سے نکلا۔ یہ دیکھتے ہی سب کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے اور سب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور روتے پیٹتے شہر واپس پھرے۔ جب یوسف کے سامنے آکے کھڑے ہوئے تو یہودا نے غل مچا کے کہا اے خداوند تو بنیامین کے عوض مجھے غلام بنا کے رکھ لے۔ میں اپنے باپ کو ضمانت دیکے اِس بچہ کو لایا ہوں۔ اِسکے ایک بھائی کو درندہ نے پھاڑ ڈالا ہے اس کا باپ اسپر عاشق ہے۔ اگر ہم بغیر اسکے گئے تو وہ یہ خبر سنتے ہی مر جائیگا۔ اور ہمیں اُسکے غم کے بالوں کے ساتھ اُسے قبر میں اُتارنا پڑے گا۔ للہ ہمپر رحم کیا۔ اور ہمیں یہ مصیبت نہ دکھا۔ یہ سنتے ہی یوسف سے ضبط نہ ہوسکا وہ غل مچا مچا کے رونے لگے اور کہا

اور اُس عرصہ تک تم قید میں رکھے جاؤگے۔ اور تمہارے صدق وکذب کی پوری جانچ کیجائے گی اور نہیں تو فرعون کی جان کی قسم تم یقیناً جاسوس ہو۔ یہ کہکے یوسف نے تین دن تک اُنہیں نظر بند رکھا۔ تیسرے روز اُنہیں بلا کے کہا کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنے میں سے ایک کو یہاں قید میں چھوڑو اور سب بھائی غلہ لیکے چلے جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے آؤ تاکہ تم سچے بھی نکلو اور تمہاری زندگی بھی بچے۔ ان بھائیوں نے یہ منظور کر لیا۔ اور آپسمیں مشورہ کیا کہ ہمپر اُس سختی کی وجہ سے آفت آئی ہے جو ہمنے اپنے چھوٹے بھائی پر کی تھی۔ روبن جسنے یوسف کو قتل سے بچایا تھا کہنے لگا دیکھو میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ تم اسپر ظلم نکرو لیکن تمنے نہ مانا۔ اب تم خود ہی دیکھ لو کہ اُسکے خون کی باز پرس ہوئی۔ یوسف اُن کی باتیں سب سمجھ رہے تھے کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ یوسف ہماری زبان سمجھتا ہے اسلیئے کہ یوسف نے ترجمان کے ذریعہ سے اُن سے باتیں کی تھیں۔ یوسف علیحدہ گوشہ میں جاکے رونے لگے اور آنکھیں پونچھ کے پھر اپنے سوتیلے بھائیوں کے پاس آئے اور باتیں کرنے لگے۔ اُن میں سے شمعون کو لیکے اُن کے آگے باندھا اور اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اِن کے بورے غلہ سے بھر دیں اور اسکی نقدی جو اُنہوں نے دی ہے اُسے بھی بوروں ہی میں رکھدیں اور اُنہیں زاد راہ بھی دیدیں۔ سب بھائی گدھوں پر غلہ لادکے چلدیئے۔ ایک منزل پر دم لینے کے لیئے ٹھیرے گدھوں پر سے بار اُتارا ایک بھائی نے اُس نقدی کو پالیا جو اُوپر ہی تھیلی میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ نقدی دیکھ کے ڈر گیا۔ اور اُسنے اپنے بھائیوں سے کہا۔ ہائیں یہ کیا بات ہے۔ آپس میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔

اخیر سب بھائی زمین کنعان میں پہنچے۔ اور اپنے باپ یعقوب سے ساری کیفیت بیان کی اور سبنے اپنی بوریاں کھولیں تو اُن میں سے نقدی نکلی۔ یعقوب اور اُسکے بیٹے یہ نقدی دیکھ کے ڈر گئے۔ پھر یعقوب نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا۔ ہائے تم نے مجھے بے اولاد کیا۔ یوسف یوں گم ہوگیا۔ شمعون کو شاہ مصر کی قید میں چھوڑ آئے۔ اور اب بنیامین کو لیجانے کی صلاح ہے روبن نے کہا اے باپ تو بنیامین کو مجھے سونپ دے اگر میں اُسے واپس نہ لے آؤں تو تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالیو۔ یعقوب نے رو کے کہا میں کیونکر اِس چھوٹے بیٹے کو تمہارے ساتھ کر سکتا ہوں اسکا بھائی مرچکا ہے اور وہ اکیلا رہ گیا ہے اگر اسپر بھی یہی آفت پڑی تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو سخت غم کیساتھ گور میں اُتاروگے۔

جب یعقوب راضی نہوئے تو بھائی خاموش ہو رہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ غلہ خرچ ہوگیا۔ پھر یعقوب نے غلہ لانے کے لیئے کہا۔ اِسپر یہوداہ بولا کہ شاہ مصر نے ہمیں تاکید کردی تھی کہ تم اپنے بھائی کو ضرور اپنے ساتھ لانا۔ اگر تم نہ لائے تو میرا منہ نہ دیکھوگے۔ اگر تجھے غلہ منگانے کی ضرورت ہی تو ہمارا بھائی ہمارے ساتھ کردے نہیں کرتا تو ہم بغیر اُسکے کبھی نہ جائینگے یعقوب نے کہا کہ تم نے کیوں میرے ساتھ بدی کی کہ اُس سے یہ کہدیا کہ ہمارا چھوٹا بھائی بھی ہے۔ یہوداہ بولا یہ آپ کیا کہتے ہیں ہم نے خود کچھ نہیں کہا۔ اُس شخص نے تنگ کرکے ہم سے پوچھا کیا تمہارا باپ ابھی تک زندہ ہے آیا تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے ناچار ہمنے بتادیا۔ اب اگر تو ہماری ہمارے بچوں اور اپنے بچوں کی زندگی چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ کردے ناچار یعقوب راضی ہوگئے اور کچھ تحفہ تحائف دیکے بنیامین یعنے حضرت یوسف کے چھوٹے سگے بھائی کو اپنے اور بیٹوں کے ساتھ کردیا اور کہا یہ نقدی بھی واپس لیجاؤ شاید تم نے بھولے سے رکھدی ہو اور اپنے بیٹوں کو دعا دی کہ وہ مرد تمپر مہربان ہوگا۔

یہوداہ شیر ببر کا بچہ ہے اے میرے بیٹے تو شکار پر سے اُٹھ چلا ہے وہ شیر ببر بلکہ پرانے شیر ببر کی مانند جھکتا اور بیٹھتا ہے کون اسکو چھیڑے گا یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہوگا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک کہ سیلا نہ آوے اور قومیں اسکے پاس اکٹھی ہوں گی وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے ہاں اپنی گدھی کا بچہ خاص انگور کے درخت سے باندھیگا وہ اپنا لباس شراب میں ہاں اپنی پوشاک آب انگور میں دھوویگا اُس کی آنکھیں شراب سے لال ہونگی اور اُس کے دانت دود سے زیادہ سفید ہوں گے۔

زبلون سمندر کا کنارہ اور جہازوں کا بندر ہوگا اور اُسکی سرحد صیدا تک پہنچے گی۔

اشکار مضبوط گدھا ہے جو دو بھیڑ سالوں کے درمیان بیٹھا ہے اور جب دیکھے کہ آرامگاہ خوب اور زمین دلپسند ہے تو اپنا کاندھا بوجھ اُٹھانے کو جھکائے گا اور خراج گزار بنے گا۔

دان اسرائیل کے فرقوں میں سے ایک کے مانند اپنے لوگوں کا بناؤ کرے گا دان راہ کا سانپ ہے اور راہ گزر کا افعی جو گھوڑے کی ایڑیوں کو ایسا ڈسیگا کہ اسکا سوار پیچھے گر پڑے گا اے خداوند میں تیری نجات کی راہ دیکھتا ہوں۔

جد ایک فوج سے مغلوب ہوگا پر وہ اخیر کو غالب ہوگا۔

آشر سے اس کی روغنی روٹی آویگی وہ بادشاہی خوش خوراکیں دیگا۔

نفتالی چھوٹا ہوا ہرن ہے جو لطف کے کلام کہے گا۔

یوسف ایک پھلدار پودا ہے جو سوتے پر لگا ہوا جس کی شاخیں دیوار پر چڑھ جاتی ہیں تیر اندازوں اسکو چھیڑتے مارتے اور ستاتے تھے لیکن اُس کی کمان زور میں پائیدار ہے اور اُس کے ہاتھوں کے بازؤں نے یعقوب کے خدائے قادر کے ہاتھوں سے قوت پائی (وہاں سے اسرائیل کی چوپان اور چٹان ہے) تیرے باپ کے خدا سے جس نے تیری مدد کی اور اس قادر مطلق سے جس نے اوپر سے آسمان کی برکتیں اور چھاتیوں اور رحموں کی برکتیں تجھکو دے کے مبارک کیا جو برکتیں تیرا باپ ترے لئے چاہتا ہے سو پرانے پہاڑوں کی برکتوں سے اور قدیم کوہوں کی نفیس چیزوں سے بڑھ جاتی ہیں وہ یوسف کے سر بلکہ اُسکے سر کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے جدا ہوا آئیں۔

اس کے بعد حضرت یعقوب کا انتقال ہوگیا اور چالیس روز تک جنازہ کو مہمان رکھنے کے بعد حضرت یوسف نے وصیت کے موافق باپ کی تدفین کی۔ پھر ایک سو دس سال کی عمر میں حضرت یوسف کی وفات ہوگئی۔

حضرت موسے

جب اسرائیل کی اولاد زمین فراعنہ میں پھلی پھولی اور سرسبز ہوئی تو بادشاہ مصر نے بنی اسرائیل پر سختی کی۔ وہ بیچارے سخت سے سخت مزدوریاں کرنے لگے۔ اس پر بھی مصر کے بادشاہ کو صبر نہ آیا اس نے کل دائیوں کو بلا کے حکم دیا کہ جب عبرانی عورتوں کو جنانے کا اتفاق ہو تو اس بات کو یاد رکھو کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے زندہ رکھو اور لڑکا پیدا ہو تو اُسے مار ڈالو دائیوں نے شاہ مصر کے حکم کی تعمیل نہ کی اور اُنپر خدا کا خوف ایسا غالب آیا کہ لڑکوں پر انکا ہاتھ نہ اُٹھ سکا شاہ مصر نے جب یہ سنا کہ دائیوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو خفا ہوا دائیوں نے جواب دیا اے بادشاہ ہم مجبور ہیں عبرانی

اے بھائیوں کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں۔ تم نے مجھے قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا تم نے نہیں بلکہ خداوند نے مجھے مصر کی سرزمین میں پہنچایا۔ میں یہاں کا حاکم ہوں اور کل سیاہ وسفید میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں یہاں نہ آتا تو ہم سب قحط کی وجہ سے مرجاتے کیونکہ ابھی پانچ برس اور بھی قحط پڑے گا۔ تم میرے باپ سے میری ساری شوکت کا جو اِسوقت مجھے مصر میں حاصل ہے ذکر کرنا اور تم جاتے ہی میرے باپ کو یہاں لے آؤ۔ باپ کا نام لیتے ہی حضرت یوسف زار زار رونے لگے اور اپنے سگے بھائی بنیامین کو گلے لگا کے خوب دِل کی بھڑاس نکالی اور ساتھ ہی سب بھائیوں کو چوما اور اِن سے مل کے رویا پھر بھائی بھی اُس سے باتیں کرنے لگے۔

اِس نالہ وبکا کی خبریں فرعون کو بھی پہنچیں اور یہ بھی سنا کہ یوسف کے بھائی آئے ہیں۔ فرعون نے بھی یوسف کے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کی اور کہلا بھیجا کہ تو اپنے بھائیوں کو بہت سا غلّہ دیدے کہ وہ کنعانی سرزمین میں چلے جائیں اور اپنے باپ اور گھرانے کو لیکے فوراً مصر چلے آئیں۔ میں انہیں مصر کی سرزمین کی اچھی چیزیں دوں گا اور تم اِس زمین کے تحائف کھاؤ گے تو (یعنی یوسف) اپنے خاندان کے لانے کے لئے یہاں سے سرکاری گاڑیاں بھیج۔ چنانچہ یوسف نے یہی کیا کہ اپنے بھائی بنیامین کو تین سو روپے اور پانچ جوڑے کپڑوں کے اور اپنے باپ کے لئے دس گدھے مصر کی اچھی چیزوں سے لدے ہوئے اور دس گدھیاں غلّہ اور خورش کے سامان کی لدی ہوئیں اپنے بھائیوں کے حوالہ کیں کہ جا کی میرے باپ کو دیدیں اپنے بھائیوں کو یہ بھی تاکید کردی کہ تم راستہ میں جھگڑا نہ کرنا اور یہ ساری چیزیں اپنے باپ کے پاس لیکے پہنچنا۔ چنانچہ یوسف کے سب بھائی یہ قیمتی سامان لیکے پہنچے اور حضرت یعقوب معہ اپنے کنبہ اور بال بچوں کے زمین فراعنہ میں داخل ہوئے

باہمی نزاع

جب یعقوب مریض ہوئے تو یوسف اپنے باپ کے پاس برکت لینے کے لئے آئے۔ یعقوبؑ اپنے بیٹے کے لئے برکت چاہی پھر یعقوب نے اپنا داہنا ہاتھ افرائیم کے سر پر رکھا۔ یہ دیکھ کے یوسف بہت ناخوش ہوئے کہ باوا نے یہ کیا غضب کیا فوراً اپنے باپ کا ہاتھ گھسیٹ لیا اور کہا ایسا نہ کرا دِ رہا ہا کہ افرائیم کے سر پر سے اُٹھا کے منسّی کے سر پر رکھدیوے اور باپ سے خطاب کرکے کہا اے باپ یہ تو نامناسب حرکت کرتا ہے کیونکہ منسّی پلوٹھا ہے اپنا داہنا اُسکے سر پر رکھ یعقوبؑ نے کہا نہیں اے میرے بیٹے نہیں میں جانتا ہوں میں جانتا ہوں فضیلت میں افرائیم ہی زیادہ ہوگا۔ پھر یعقوب نے اپنے کل بیٹوں کو جمع کرکے اُن کی آیندہ قسمت اور موجودہ طرزِ معاشرت پہ پیشین گوئی کی۔

یعقوب بولے۔ اے روبن تو میرا پلوٹھا بیٹا ہے میری شہزوری کا پہلا قدر میں بڑا اور عزت میں افضل ہے لیکن تو پانیوں کا سا جوش کھاکے بڑا نہ ٹھیرے گا کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا اور اُسے نجس کیا۔

شمعون اور لاوی تو سگے بھائی ہیں اور اُنکی تلواریں ظلم کے ہتیار ہیں میری جان اُنکے مجمع میں داخل نہ کر اے میرے دل اُنکی مجلس میں شامل نہو۔ کیونکہ انہوں نے اپنے غضب میں مرد کو قتل کیا اور اپنی خودرائی سے بیلونکی کونچیں ماریں لعنت اُنکے غضب پر کہ تند تھا اور اُنکے قہر پر کہ سخت تھا میں انہیں یعقوب میں چھتراؤنگا اور اُنہیں اسرائیل میں بتھراؤنگا۔

اے یہوداہ تیرے بھائی تری مدح کرینگے۔ تیرا ہاتھ تیری بیریوں کی گردن میں ہوگا تیرے باپ کی اولاد تیرے حضور جھکیگی

کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اُس کا نام جیرسوم رکھا

اِس عرصہ میں مصر کا بادشاہ مرگیا بنی اسرائیل پر اور بھی آفت آنے لگی اور اب وہ رونے اور زاری کرنے لگے اخیر خدا نے بنی اسرائیل پر نظر کی اُنکی زاری کو سنا اور اسے قوم بنی اسرائیل یاد آگئی۔ موسے اپنے سسر یترو نامی کے گلہ کی چوپانی کرتے تھے۔ گلہ کو چراتے چراتے خداوند کے پہاڑ طور پر آکے پہنچے۔ گلہ کو ایک طرف ہکا دیا تھا۔ اسوقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اِس پر ظاہر ہوا موسےٰ نے دیکھا کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ موسےٰ نے کہا مجھے نزدیک جانا چاہئے اور اِس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا جب خداوند نے دیکھا کہ موسےٰ دیکھنے کے لئے نزدیک آیا تو خدا نے اُسی بوٹہ کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسےٰ موسےٰ۔ وہ بولا میں یہاں ہوں تب اُس نے کہا یہاں نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُسنے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں موسے نے اپنا مُنہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا۔ پھر خداوند نے موسےٰ سے کہا میں اپنے لوگوں کی تکلیف کو جو مصر میں ہیں یقیناً جانتا ہوں اب تو مصر میں جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال موسےٰ نے حیران ہو کر کہا کہ میری کیا ہستی ہے کہ میں فرعون کے پاس جاؤں خداوند نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں کچھ غم نہ کر اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ مصر کا بادشاہ تجھے نہ پل جانے دیگا نہ تیرے زور سے اور میں اپنا ہاتھ لمبا کرونگا اور سب عجائب قدرتوں سے جو میں اُنہیں دکھاؤنگا مصریوں کو ماروں گا تب وہ تمہیں نکال دیگا غرض بڑی دیر تک یہ ہی قیل و قال ہوتی رہی اخیر خداوند تعالیٰ نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کر رکھ چنانچہ اُسنے اپنا ہاتھ چھاتی پر چھپا کر رکھا جب اُس نے ہٹا کر دیکھا کہ اُسکا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا پھر اُس نے کہا کہ اپنا ہاتھ پھر چھاتی پر چھپا کر رکھ اُس نے پھر رکھا اور جب باہر نکالا تو دیکھا کہ وہ پھر جیسا اُسکا تمام بدن تھا ہو گیا۔ خداوند نے موسےٰ کو کئی قسم کے معجزہ بتائے تھے اور یہ کہا تھا کہ ایک معجزہ سے فرعون ایمان نہ لائے تو دوسرا معجزہ دکھائیو دوسرے پر ایمان نہ لائے تو تیسرا اور تیسرے پر ایمان نہ لائے تو چوتھا معجزہ دکھائیو۔ چنانچہ موسے نے ایسا ہی کیا مگر فرعون ایمان نہ لایا جو معجزے حضرت موسےٰ نے فرعون کے آگے دکھائے اُن کا ذکر توریت میں بالتفصیل درج ہے تعجب یہ ہے کہ عیسائی ایسی مافوق الفطرت باتوں کو پڑھتے اور اُن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہائے برحق خاتم النبیین شافع روز محشر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ہنستے ہیں اور اُنہیں ناممکن الوقوع سمجھتے ہیں۔

حضرت موسے کے معجزوں میں سے جو توریت مقدس میں درج ہیں دو ایک معجزوں کا ذکر کیا جاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے معجزوں کو موجودہ سائنس کے دلدادہ عیسائی کیونکر تسلیم کرتے ہیں اور وہ معجزے یہ ہیں۔ توریت کے کتاب خروج میں لکھا ہے۔ پھر خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ اپنا عصا لے اور اپنا ہاتھ مصر کے چشموں پر اور اُنکے نہروں اور اُن کے دریاؤں تالابوں اور سب حوضوں پر چلا کہ وہ لہو بن جائیں اور سارے ملک مصر میں ہر ایک سنگی اور چوبی برتن میں لہو ہو جائے تب موسے اور ہارون نے جیسا خداوند نے فرمایا تھا کیا اُسنے عصا اُٹھایا اور فرعون اور اُسکے نوکروں کی آنکھوں کے

عورتیں مصری عورتوں سے زیادہ قوی ہیں ہم پہنچنے بھی نہیں پاتے کہ وہ پہلے ہی سے جن دیتی ہیں۔ ناچار فرعون نے اپنے حکام کو حکم دیا کہ عبرانیوں کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا سے دریا میں ڈالدو۔ اسی اثنا میں دلاوے گھرانے کے ایک شخص نے ایک عورت سے بیاہ کیا وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی لیکن ڈر کے مارے تین مہینے تک چھپا رکھا لیکن جب راز کھلنے لگا اور زیادہ عرصہ تک نہ چھپا سکی تو عورت نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس ٹوکرے کو لاسا اور رال سے لیپ دیا اور بنتے سے بچہ کو اُس ٹوکرے میں رکھ کے دریا کے کنارہ پر جھاؤ میں رکھ دیا اس بچہ کی بہن اپنے بھائی کو دور سے کھڑی ہوئی تکتی رہی۔

اسی وقت فرعون کی بیٹی دریا پر نہانے گئی نہاتے نہاتے اسکی نگاہ جھاؤ میں ٹوکرے پر جا پڑی فوراً ایک سہیلی کو بھیجا کہ جا کے دیکھے ٹوکرے میں کیا چیز رکھی ہے سہیلی نے جا کے دیکھا تو ٹوکرے میں ایک بچہ کو روتا ہوا پایا سہیلی نے اپنی بیگم سے آکے کہا کہ ٹوکرے میں بچہ پڑا ہوا ہے فرعون کی بیٹی کو اُس بچہ پر رحم آگیا اور اپنی سہیلیوں کو حکم دیا کہ کوئی عبری انا لاؤ کہ اس بچہ کو دودھ پلا کے پرورش کرے۔ چنانچہ سہیلی گئی اور اتفاق سے بچہ کی ماں ہی اُس کے ہاتھ لگ گئی۔ فرعون کی بیٹی نے کہا تو اس بچہ کو دودھ پلا میں تجھے مہینہ دونگی۔ عورت اس بچہ کو پالنے لگی جب وہ بچہ توانا اور بڑا ہوا تو عورت بچہ کو لے کے فرعون کی بیٹی کے پاس آئی۔ شہزادی دیکھ کے بہت خوش ہوئی اور اُس کا نام موسےٰ رکھا کیونکہ وہ پانی میں سے نکالا گیا۔

موسیٰ جب جوان ہوئے تو اُنہوں نے اپنے بھائیوں کی حالت دیکھی کہ کیا ظلم اُن پر ہو رہا ہے ایک دن اُنکی نگاہ ایک مصری پر پڑی جو ایک عبری کو مار رہا تھا موسےٰ نے چاروں طرف دیکھ دکھا کے کہ کوئی ادہر اُدہر آتا جاتا نہ ہو اُس مصری کو مار ڈالا اور وہیں ریت میں دبا دیا۔ دوسرے روز موسےٰ نے یہ دیکھا کہ کئی عبری آپس میں لڑ رہے ہیں موسے نے سمجھایا کہ تم کیوں لڑتے ہو اُن میں سے ایک عبری نے جلکے کہا کیا تو ہمارا حاکم ہے جو ہم پر حکومت کرتا ہے یا ہمیں بھی تو اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جیسا تو نے مصری کو مار ڈالا تھا یہ سنتے ہی موسے ڈر گیا کہ میرے قتل کا اخیر راز فاش ہو کے رہا۔ اسی اثناء میں فرعون کو خبر ہو گئی فرعون نے موسے سے مصری کے خون کا انتقام لینا چاہا موسے بھاگ کے مدیان چلے گئے۔

یہاں پہنچکے ایک کونہ میں بیٹھ رہے۔ مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں پانی بھرنے آئیں ان لڑکیوں نے اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے اپنے کٹھروں کو بھر لیا گڈریوں نے تو اُن کے گلہ کو ہانکنا چاہا لیکن موسےٰ نے ان لڑکیوں کی مدد کی اور خوب سیر ہو کے اُن کے گلہ کو پانی پلوا دیا۔ وہ لڑکیاں جب گھر واپس آئیں تو اُن کے باپ نے پوچھا آج تم سویرے سے کیونکر چلی آئیں اور تمھیں اتنی جلدی فرصت کیونکر ہو گئی اُنہوں نے جواب دیا اے باپ ایک مصری شخص آگیا تھا اُس نے ہماری مدد کی ہمارے لئے پانی بھرا اور ہمارے گلہ کو پلایا کاہن نے کہا تم اسے گھر کیوں نہ لیتی آئیں تاکہ میں اسے روٹی کھلاتا اب جاؤ اور اُسے بلا کے لاؤ۔ وہ لڑکیاں باہر آئیں اور موسے کو گھر میں بلا کے لیگئیں۔ موسےٰ اندر آئے اُنکی بڑی خاطر کی گئی۔ کاہن نے اپنی بیٹی سفورہ موسےٰ کو دی اور اب موسےٰ بخوشی وخورمی اپنے خسر کے گھر رہنے لگے۔ موسےٰ

پنجواں معجزہ غبار کا

خداوند نے موسےٰ اور ہارون سے کہا کہ بھٹی کی راکھ سے اپنے دونوں ہاتھ بھر لو۔ اور فرعون کے سامنے اُس راکھ کو آسمان کی طرف اُڑاؤ۔ مصر کی ساری زمین میں غبار ہو جائے گا۔ تمام مصر میں آدمیوں اور چوپاؤں کے بدن پر پھوڑے اور پھپھولے ہو جائینگے چنانچہ ایسا ہی کیا اور سب کے بدنوں پر پھپھولے ہو گئے مگر فرعون نے ایک نہ سُنی۔

چھٹا معجزہ وبا کا

پھر خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ صبح اُٹھ اور فرعون کے آگے کھڑا ہو اور اُسے کہہ اگر تو میرے لوگوں کو نہ جانے دیگا تو میں ایک ایسی وبا بھیجونگا کہ تیری ساری رعیت مر جاویگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وبا آئی اور اُس نے ستیاناس کر دیا۔

ساتواں معجزہ اولوں کا

پھر خداوند نے موسےٰ کو فرعون کے پاس بھیجا اور اُسے سمجھایا کہ اگر اب کے بھی تو نہ مانے گا تو اولوں سے تمام مصریوں کو مار ڈالوں گا فرعون نے نہ سنی اسپر موسےٰ نے اپنا عصا آسمان کی طرف اُٹھایا اور گرج اور کڑک شروع ہوئی اولے گرنے لگے زمین پر آگ جلنے لگی اور اولوں نے تمام ملک مصر میں اُن آدمیوں اور حیوانوں کو جو میدان میں پڑے تھے ہلاک کر دیا درخت جڑ سے اُکھڑ گئے ہاں مگر جشن کی زمین جہاں بنی اسرائیل تھے اولوں سے محفوظ رہی۔

اسی طرح اور بھی کئی معجزوں کا ذکر ہے مثلاً ٹڈیوں کا آنا اور تمام ملک برباد کرنا مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ توریت کے مصنفوں نے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ جب ایک ہی آسمانی آفت سے تمام مصری برباد ہو جاتے تھے تو دوسری آفت کے لئے پھر کس طرح یک بیک پیدا ہو جاتے تھے ایک عجیب قصہ ہے جس میں ایک مشرقی فسانہ کی رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔ ایک مقام پر خمیری روٹیوں کا تذکرہ ہے اُن خمیری روٹیوں کے لئے ایک عجیب ہدایت کی ہے مثلاً توریت کی اسی کتاب میں لکھا ہے۔ پہلے مہینہ کی چودھویں تاریخ سے شام کو اکئیسویں تاریخ تک تم خمیری روٹی نہ کھانا سات دن تک تمہارے گھروں میں خمیر پایا نہ جائے کیونکہ جو کوئی خمیری کھائے گا اسرائیل کی جماعت سے کاٹا جائے گا خواہ وہ مسافر ہو خواہ اُسکی پیدایش وہیں ہوئی ہو۔

روٹیوں کا برسنا

خداوند نے موسےٰ سے کہا دیکھ میں تیرے لئے آسمان سے روٹیاں برساؤنگا یہ لوگ ہر روز نکل کر جتنا ایک روز کے واسطے کفایت کرے سمیٹ لیا کریں تاکہ میں اُنہیں جانچوں کہ وہ میری ہدایت پر چلیں گے یا نہیں موسےٰ نے یہ خوشخبری اپنی امت کو سنا دی کہ تم خداوند پر جھنجلاؤ نہیں کہ وہ تمہیں شام کو گوشت اور صبح کو روٹی پیٹ بھر کر دیگا خداوند تمہارے جھنجلانے کو سنتا ہے۔

حضرت موسےٰ نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا

جب موسےٰ کے خُسر تیرو نے جو مدیان کا کاہن تھا یہ سب سنا کہ خداوند نے موسےٰ اور اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے کیا کیا اور خداوند اسرائیل کو مصر سے باہر لایا اس پر خوشی سے خسر موسےٰ کی بیوی صفورا کو جسے موسےٰ نے چھوڑ دیا تھا ساتھ لیکر موسےٰ کی طرف چلا اور موسےٰ کے خیمہ میں آیا اور موسےٰ کے ہاتھ چومے اور اُنکی بیوی اُن کے سامنے پیش کی۔

آگے دریا پر مارا اور دریا کا پانی سب لہو ہو گیا۔ اور دریا کی مچھلیاں مرگئیں اور دریا بدبو ہو گیا اور مصر کے لوگ دریا کا پانی نہ پی سکے اور مصر کی ساری زمین میں لہو لہو نظر آنے لگا تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادؤں سے ایسا ہی کیا پر فرعون کا دل سخت ہو گیا تھا اور جیسا کہ خداوند نے کہا تھا اُنکی نہ سُنی۔ اور فرعون اپنے گھر چلا گیا اور اُس نے موسےٰ کے اس معجزہ پر ذرا بھی توجہ نہ کی مصریوں نے ہر طرف کنوئیں کھودے کیونکہ وہ دریا کا پانی نہ پی سکتے تھے۔

خداوند نے موسےٰ کو فرعون کے پاس پھر بھیجا اور اُسکے ہاتھ کہلا بھیجا کہ اگر تو بنی اسرائیل کو مصر سے نہ جانے دیگا تو تمام مصر مینڈکوں سے بھر دوں گا دریا میں بیشمار مینڈک پیدا ہو جاوینگے۔ پھر وہ تیرے گھر میں تیرے آرامگاہ میں تیرے پلنگ پر تیرے ملازموں کے گھروں میں تیری رعیت پر تیرے تنوروں میں اور تیرے آٹا گوندھنے کے لگنوں میں داخل ہونگے اور تجھپر تیرے ملازموں پر اور تیری ساری رعیت پر چڑھ جاوینگے۔

غالباً خداوند کے اِس کہنے کو بھی فرعون نے ٹال دیا پھر خداوند نے ہارون کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ عصا کے ساتھ نہروں دریاؤں اور حوضوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو ملک مصر پر چڑھا چنانچہ ہارون نے مصر کے پانی پر ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور مصر کی زمین چھپادی جادوگروں نے بھی اس معجزہ کے مقابلہ پر ایسا ہی کیا اور مصر کی ساری زمین مینڈکوں سے بھر گئی۔

دوسرا معجزہ جوؤں کا

خداوند نے موسیٰ سے کہا ہارون سے کہہ کہ اپنا عصا بڑھا اور زمین پر مار کہ تمام مصر میں جوئیں پیدا ہو جائیں ہارون نے ایسا ہی کیا اور جوئیں پیدا ہوگئیں جادوگروں نے بہت زور مارا کہ ان جوؤں کو نکال دیں مگر نہ نکال سکے ناچار جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے یہ خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔

تیسرا معجزہ مچھروں کا

خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ صبح اُٹھ اور دریا پر جا وہاں فرعون آوے گا تو اُس سے کہیو کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں اُس سے کہہ دیجیو کہ اگر تو نہ مانے گا تو میں تجھپر تیرے نوکروں پر تیری رعیت پر مچھروں کے غول بھیجوں گا مگر مچھروں کے یہ غول تیرے جشن کے زمین میں نہ جاوینگے تاکہ تجھے معلوم ہو کہ زمین کا خداوند میں ہوں فرعون نے موسےٰ کی ایک نہ سنی اور آخیر خداوند کا کہنا ہو گیا فرعون کے گھر اور اُس کے نوکروں کے گھر اور سارے ملک مصر میں مچھر ہی مچھر بھر گئے۔

چوتھا معجزہ جانوروں کی مری

خداوند نے موسےٰ سے کہا فرعون کے پاس جا اور اُس سے کہہ عبرانیوں کا خدا یہ فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں اگر تو نہ مانے گا تو میں تیرے مولیشیوں گھوڑوں گدہوں اونٹوں بیلوں اور بھیڑوں پر مری بھیجونگا مگر اِس سے اسرائیلیوں کے مولیشی بری کردئے جاوینگے فرعون نے نہ مانا اور دوسرے دن فرعون کے جانوروں میں وبا پھیلی اور سب مرگئے لیکن اسپر بھی فرعون نے کچھ پرواہ نہ کی۔

توحید کا غلو یہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ اگر کسی نے کسی غیر اللہ کے نام قربانی کی تو اُسے سخت سخت سزاؤں سے مار ڈالا جاتا تھا زنا کرنے کا کوئی بڑا جرم نہیں صرف معمولی رقم دیکر پیچھا چھٹ جاتا تھا حضرت موسےٰ کو توریت میں بعض مقامات پر چور او چکا اور راہزن لکھا ہے یہ تھی انبیا کی عزت جو توریت کے زمانہ تصنیف میں کیجاتی تھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت نہایت دردانگیز اور عبرت ناک ہے جب حضرت مسیح نے ہوش سنبھالا تو آپ یوحنا کے وعظوں میں جانے آنے لگے آپکے ۱۵ برس تک کے حالات بالکل نامعلوم ہیں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپنے اپنی فرضی یا اصلی باپ یوسف نجار کے دُکان پر پندرہ سال بیٹھکر کیا کیا حضرت عیسیٰ جب یوحنا یا حضرت (یحیی) کے وعظوں میں جانے لگے تو آپ کو خدا پرستی کا ایک جوش پیدا ہو گیا ادھر تو جوانی کا عالم اور ادہر مذہبی جوش آپ کو کچھ سُجھائی نہ دیا اور ایک دن جب بہت سے فریسی اور صدوقی بپتسمہ پانے کے لئے یوحنا کے پاس آئے تو حضرت مسیح کو جو وہاں موجود تھے جوش آگیا اور آپنے اُسی جوش اور غصّہ کی حالت میں خطاب کرکے فرمایا۔ اے سانپوں کے بچو تمہیں آنے والے عذاب سے بھاگنا کس نے سکھایا پس توبہ کے لئے پھل لاؤ اور اپنے دل میں ایسا خیال مت کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا انہیں پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کرسکتا ہے۔ درختوں کی جڑوں پر کلہاڑیاں رکھی ہیں جو درخت اچھا پھل نہ لاویگا کاٹ ڈالا جائے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ سے درخواست کی کہ آپ مجھے بپتسمہ دیں حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ میں تجھے بپتسمہ دینے کے قابل نہیں بلکہ سزاوار یہ ہے کہ تو مجھے بپتسمہ دے حضرت عیسیٰ نے جواب دیا نہیں اب تو تو ہی مجھے بپتسمہ دے چنانچہ آپ پانی سے بپتسمہ لیکر باہر نکلے کہ اتنے میں خدا کی روح کبوتر کی صورت میں آپ پر اُترتی ہوئی معلوم ہوئی اور ایک آواز آپ کو آسمان سے سنائی دی کہ یہ مرد ہمارا بیٹا ہے اور میں اس سے بہت خوش ہوں۔

شیطان کی آزمائش

جب کبوتر کی صورت میں خدا تعالیٰ کی روح حضرت مسیح پر نازل ہو چکی تو آپ کے پاس شیطان آن دھمکا اس عرصہ میں حضرت مسیح چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے تھے اُس نے حضرت مسیح سے کہا اگر آپ خدا کے نبی ہیں تو اس پتھر سے کہئے کہ روٹی بن جائے حضرت مسیح نے ایک نہایت ہی مبہم جواب شیطان کو دیا کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے جیتا ہے پھر شیطان حضرت مسیح کو مقدس شہر میں لیگیا اور ہیکل کے کنگورہ پر کھڑا کرکے آپ سے عرض کی اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے کو نیچے گرا دے کیونکہ خدا فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے اوپر ہی اوپر سنبھال لیں گے حضرت مسیح نے جواب دیا کہ خدا فرما چکا ہے کہ اپنے خدا کو مت آزما پھر شیطان حضرت مسیح کو ایک بلند پہاڑ پر لیگیا اور وہاں سے دنیا کی کل بادشاہتیں اور اُنکی شان شوکت دکھائی اور ان کی جناب میں عرض کیا کہ اگر تو اسوقت مجھے سجدہ کرے تو یہ کل بادشاہتیں میں تجھے دیدیتا ہوں حضرت مسیح نے نہایت نفرت سے جواب دیا اے شیطان میرے آگے سے دور ہو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ سوائے میرے کسی کو سجدہ نہ کرو اور میری ہی بندگی کرو یہ

ایک دن بادل گرجے بجلیاں چمکیں پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی قرنائی کی آواز بلند ہوئی کل بنی اسرائیل اپنے ڈیروں میں کانپ گئے موسےٰ نے کہا کہ ڈیروں سے باہر آؤ تاکہ میں تمہیں خداوند سے ملاؤں موسےٰ کے کہنے پر کل آدمی ڈیروں سے نکل پہاڑ کے نیچے آکھڑے ہوئے تمام کوہ سینا پر اوپر نیچے دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہوکر اُس پر اُترا اور تنور کا سا دھواں اُس پر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا جب قرنائی کی صدا زیادہ بڑھ گئی تو موسےٰ نے کلام کیا۔ خدا نے اُسے ایک آواز سے جواب دیا اور خداوند کوہ سینا کی چوٹی پر نازل ہوا موسےٰ طلب ہوئے موسےٰ سے کہا کہ تو نیچے اُتر لوگوں کو تاکید کر کہ حدوں کو توڑ کر خداوند کو دیکھنے اوپر نہ چڑھ آئیں اور ہلاک ہو جائیں اور پھر خداوند نے حسب ذیل ہدایتیں موسےٰ سے کیں خداوند تعالیٰ نے حضرت موسےٰ کو بہت سی ہدایتیں کیں منجملہ اُن ہدایتوں کے ایک ہدایت یہ بھی ہے۔ اگر بیل مرد یا عورت کو سینگ مارے ایسا کہ وہ ہلاک ہو تو وہ بیل پتھروں سے مارا جاوے اور اُسکا گوشت نہ کھایا جائے اور بیل کا مالک بے گناہ ہے ہاں اگر وہ بیل پہلے سے سینگ مارنے کی عادت رکھتا تھا اور اُسکے مالک کو خبر دیگئی اور اُس نے مرد یا عورت کو ہلاک کیا تو بیل پر پتھراؤ کیا جائے اور اُسکا مالک بھی مارا جائے۔ اگر ایک شخص کا بیل دوسرے شخص کو مار ڈالے تو مارنے والا بیل فروخت کیا جائے اور اُسکی نصف قیمت مقتول بیل کا مالک اور نصف قیمت قاتل کا مالک لیلے اور مرے ہوئے بیل کا دونوں آدھا آدھا حصہ کر لیں۔ اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اُسکی منگیتر نہیں دم دیکر اُس سے مباشرت کرے۔ پھر اُسکا فرض ہو جاویگا کہ مہر دیکر اُس چھوکری سے نکاح کرلے اگر چھوکری کا باپ راضی نہ ہو تو اُسے کنواریوں کا سا مہر دیدے۔ تو جادوگرنی کو مت جینے دے یعنی جہاں پا اُسے قتل کر ڈال جو شخص چارپائے سے مباشرت کرے واجب القتل ہے۔ جو شخص خداوند کے سوا کسی دوسرے کے واسطے قربانی کرے غرض اسی طرح بہت سے احکام ہیں جن سے حضرت موسےٰ کے زمانہ کا تمدن ظاہر ہوتا ہے ایسے احکام کی ترمیم اور تصحیح کی بہت ضرورت تھی اسلئے کہ حضرت موسےٰ کے قوانین کا زمانہ نہیں رہا تھا۔ افسوس ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی ڈھائی تین سال کی پرآشوب مدت رسالت میں ان قوانین میں سوائے خفیف ترمیم کے اور کوئی نیا قانون نہیں بنایا بلکہ اُنہوں نے موسوی شریعت کی نسبت یہ فرمایا کہ شریعت کا ایک شوشہ قیامت تک تبدیل نہیں ہونیکا توریت میں اسی طرح اور بھی کئی پیغمبروں کے حالات ہیں جنہیں پڑھ کے ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آیا یہ لوگ جن کے حالات لکھے گئے ہیں کون تھے کیا تھے۔ اور انسانی تہذیب اور تمدن کا اُنہیں کہاں تک حصہ ملا تھا ہر پیغمبر پر کوئی نہ کوئی سخت الزام توریت مقدس میں لگایا گیا ہے اور وہ ایسا سخت الزام ہے کہ جو بنائے بن نہیں پڑتا۔ توریت کے دیکھنے سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ دو تین ہزار سال پہلے کی معاشرت کا نقشہ اُتارا گیا ہے اور یہ درصل اُس تمدن کی تاریخ ہے جب انسان نے دنیا میں آنکھے بتدریج تہذیب اور اخلاق میں ترقی کی تھی اور ابھی وہ شیرخوارگی کی حالت میں تھا دنیا کے بڑے بڑے عیب جو ہزارہا سال سے ابھی تک یکساں چلے آتے ہیں توریت میں معصوم پیغمبروں کے سر چپکے ہیں اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو کسی پیغمبر کو بھی اس سے بری نہیں کیا اقوام ماضیہ کی خرابی بربادی اور انحطاط اخلاق کا باعث محض یہی تھا کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے مصلح اور ہمارے پیغمبر ایسی ناپاک معاشرت میں مبتلا تھے تو اُنہیں بھی اُن سے زیادہ شنیعہ افعال کرنے کی جرأت ہوتی تھی اور کوئی قانون ایسا نہ تھا کہ جو راہبوں کے مظالم سے مسکین لوگوں کو بچاتا۔ مذہبی لحاظ سے کوئی شخص آزاد نہ تھا

ایک گھڑی بڑھا سکتا ہے پوشاک کی کیوں فکر کرتے ہو جنگلی سوسنوں کو دیکھو وہ کسطرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں خوب سمجھ لو کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان شوکت میں اُنکے ایک کی مانند بھی لباس نہ پہنتا تھا اب یہ فکر نہ کرو کہ کیا کھائیں گے یا کیا پہنیں گے کیونکہ ان سب کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم اُن سب چیزوں کے محتاج ہو کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کرلے گا آج کا آج ہی کے لئے بس ہے۔ حضرت مسیح اُن مچھووں کو ایسی شیریں شیریں باتوں کی تعلیم دیتے تھے مگر پھر بھی وہ عقل کے پورے آپ پر کامل اعتقاد نہ رکھتے تھے مسیح کی یہ تعلیم اگرچہ اُن مچھووں کے لئے مناسب تھی لیکن عام مخلوق کے لئے کسی طرح درست نہ تھی سوال یہ ہے آیا آجتک کسی نے بھی اس نرم تعلیم پر عمل کیا اور اگر دنیا ایک دن کے لئے بھی عمل کرے تو کیا آفت برپا ہو یہ تعلیم اگرچہ ظاہرا طور پر نہایت اعلے درجہ کی رحم سے بھری ہوئی اور نرم معلوم ہوتی ہے لیکن جب انسانی فطرت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو اسے کچھ بھی نسبت نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت مسیح ایک دن ناؤ پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ یکایک آندھی آئی اور دریا میں لہریں اُٹھنے لگیں حضرت مسیح کو نیند آگئی یہ خوفناک حالت دیکھکر مچھوؤ بہت پریشان ہوئے۔ اور آپ کو جگا دیا اور کہا کہ اے خداوند ہمیں بچا کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں حضرت مسیح کو بُرا معلوم ہوا کہ مجھے نیند میں کیوں جگایا اور حالانکہ یہ مچھووے ہیں انہیں دریا کی معمولی لہروں سے کیوں ڈر لگا آپ نے نہایت ہی غصہ ہو کر فرمایا۔ اے کم اعتقادو کیوں ڈرتے ہو۔ پھر آپ نے محض اس خیال سے کہ ان کا اعتقاد مجھپر راسخ ہو جائے۔ دریا اور ہوا کو ڈانٹا کہ میں تم اتنا کیوں طوفان مچاتی ہو۔

تنبیہ اور ہدایت

حضرت مسیح اپنے مریدوں کو یوں فرمانے لگے۔ دیکھو میں تمہیں بھیڑوں کی مانند بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں بس تم سانپوں کی طرح ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بیگناہ ہو مگر آدمیوں سے خبردار رہو کہ وہ تمہیں اپنے کچہریوں میں حوالہ کریں گے اور اپنے عدالت خانوں میں کوڑے مارینگے اور تم میرے واسطے بادشاہ اور حاکموں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے کہ اُنپر اور غیروں پر گواہی ہو۔ لیکن جب وہ تمہیں حوالہ کریں فکر نہ کرو کہ ہم کسطرح اور کیا کہیں گے۔ بھائی بھائی کو اور باپ بیٹے کو قتل کے واسطے حوالہ کرے گا۔ اور لڑکے اپنے ماں باپ کی مخالفت میں اُٹھیں گے اور اُنہیں مروا ڈالیں گے۔ اور میرے نام کے باعث سب تم سے دشمنی کریں گے لیکن جو شخص اخیر تک برداشت کریگا وہ ہی نجات پاویگا۔

حضرت مسیح کا تشدد اور خونخواری

ایک دن آپنے نہایت غصہ میں یہ فرمایا یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اُس کے باپ اور بیٹے کو اُسکی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اُس کے گھر ہی کے لوگ ہونگے۔

حضرت مسیح کو اپنے معجزہ دکھلانے پر افسوس

جب آپنے بہت کچھ منادی کی اور اُسکا اثر نہ ہوا تو افسوس سے اُن شہروں پر ملامت کرنے لگے اور یہ فرمایا اے

سنکر شیطان رفوچکر ہوا۔ اور فرشتے آپ کی خدمت کرنے کے لئے آپکے پاس آموجود ہوئے۔

حضرت یحیٰی کی گرفتاری اور حضرت عیسیٰ کا خوف

ادھر شیطان کی آزمایش پوری ہوئی تھی کہ حضرت عیسےٰ نے یہ سنا کہ حضرت یحیےٰ گرفتار ہو گئے آپ فوراً جلیل کو چلے گئے اور ناصرت کو چھوڑ کے کفرناحوم میں جو دریا کے کنارہ زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہے جا رہے یہاں سے حضرت عیسیٰ منادی کرنے سے نچوکے آپ اپنے وعظوں میں صرف اسقدر فرمایا کرتے تھے توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت قریب ہے۔ ایک دن آپ دریا کے کنارہ چلے جاتے تھے کہ آپنے دو بھائیوں پطرس اور اندریاس کو دریا میں جال ڈالتے دیکھا یہ بیچارے چھوٹی مچھلیاں پکڑ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ہو لو میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنا سکھلاؤں گا آگے چلکے اور دو بھائیوں کو جو اپنے جالوں کی مرمت کر رہے تھے اُن کے باپ سے چھڑا کر اپنے ساتھ لیلیا۔ پھر آپ تمام معبدوں میں پھرنے لگے اور لنگڑے لولوں اور بیماروں کو اچھا کرنا شروع کیا اس صورت سے آپکے ساتھ بہت بڑی بھیڑ ہو گئی۔ آپنے جب کثرت سے اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو ایک پہاڑ پر چڑھ گئے حضرت مسیح کی تعلیم اور بہت سی نصیحت کی باتیں کیں اور اُن بیچارہ غریب آدمیوں کو یہ سمجھایا مبارک ہو تم جب میرے واسطے تمہیں لعن طعن کریں اور ستاویں اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں تمہارے حق میں کہیں خوش ہو اور خوشی کرو کیونکہ آسمان پر تمہارے واسطے بڑا بدلہ ہے۔ اس لئے کہ اُنہوں نے اُن نبیوں کو جو تم سے آگے تھے اسی طرح ستایا ہے آپنے اُن کے مزید اطمینان کے لئے یہ بھی فرمایا۔ یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں توریت کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ جو کوئی اِن حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو بھی ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو تعلیم کرے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا اور جو کوئی اُسپر عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں سکھلائیں اور اُسے ساتھ ہی یہ مافوق الفطرت باتیں تعلیم کیں کہ اگلوں سے کہا گیا تھا زنا نہ کر پر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں زنا کر چکا۔ پھر حضرت مسیح نے یہ فرمایا تم سُن چکے ہو کہ توریت میں یہ حکم دیا گیا ہے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے گال پر طپانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہتا کہ تجھپر نالش کرکے تیرے قبا لے کرنے کو اُسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا اور جو کوئی تجھسے مانگے اُسے دے اور جو کوئی تجھسے قرض چاہے اُس سے منہ نہ موڑ۔ پھر آپ نے یہ فرمایا مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑے اور چیونٹیاں خراب کرتی ہیں اور جہاں چور کونپہل دیتے اور چراتے ہیں بلکہ مال اپنے لئے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑے ہیں نہ چیونٹیاں ہیں نہ چور ہیں کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہاں تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو وہ نہ بوتے نہ جوتتے نہ کوٹھوں میں غلہ جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ یعنے خداوند تعالےٰ اُنہیں پالتا ہے کیا تم اُن سے اشرف المخلوقات نہیں ہو تم میں سے کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں سے

غرض یہ لوگ حضرت مسیح پر ایمان نہ لائے آپ نے اِن لوگوں کے شکوک کا یہ جواب فرمایا نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہے اور اُس نے اُن کی بے اعتقادی کے سبب بہت معجزہ نہیں دکھائے۔

حضرت یحییٰ کا قتل اور مسیح کی فراری

حضرت یحییٰ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ہیرودیس اپنے بھائی کی بیوی نہیں رکھ سکتا اور اُس پر یہ عورت حرام ہے اس غصہ میں اُس نے حضرت یحییٰ کو گرفتار کر کے قید خانہ بھیجدیا اُس کی خواہش تو یہ بھی تھی کہ حضرت یحییٰ کو مار ڈالے مگر آپ کے معتقدوں سے ڈر گیا تھا ایک دن ہیرودیس کی سالگرہ ہوئی۔ سالگرہ کے جشن میں اُسکے بھاوج کی بیٹی خوب ناچی اُسکے ناچ سے ہیرودیس خوش ہوا اور اُسی خوشی کے عالم میں کہا کہ اے لڑکی جو تو مانگے گی میں دونگا لڑکی نے اپنی ماں کے اشارہ سے ہیرودیس سے یہ کہا کہ یحییٰ کا سر تھالی میں رکھ کے مجھے یہیں منگوا دے۔ ہیرودیس یہ سُن کے پریشان تو ہوا لیکن وہ قسم کھا چکا تھا اسلئے اُس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ قید خانہ میں جاؤ اور یحییٰ کا سر کاٹ کر یہاں لے آؤ چنانچہ سر کاٹا گیا اور اُس لڑکی کو حوالہ کر دیا گیا اُس لڑکی نے اپنی ماں کو لا کے وہ سر دیدیا جوں ہی حضرت مسیح کو یہ خبر پہنچی آپ سخت پریشان ہوئے اور فوراً کشتی میں بیٹھ کے کسی ویرانہ میں چلے گئے شام کو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ شام ہو گئی ہے جو لوگ آپکے ساتھ آئے ہیں اُنہیں رخصت کر دیں تا کہ وہ لوگ کسی بستی میں جا کے کھانے پینے کا سامان کریں۔ آپنے فرمایا تم اُنہیں خود روٹی دو شاگردوں نے کہا ہمارے پاس پانچ روٹیوں دو مچھلیوں کے سوا کچھ بھی نہیں آپنے فرمایا وہ روٹیاں اور مچھلیاں یہاں لاؤ آپنے اُن روٹیوں کو لے کے آسمان کی طرف دیکھا اور اُنہیں برکت دی پھر اُن روٹیوں کے ٹکڑے لوگوں میں تقسیم کئے وہ سب سیر ہو گئے۔ پھر بھی بارہ ٹوکریاں بھری رہیں روایت یہ ہے کہ جن لوگوں نے روٹیاں کھائیں تھیں اُن کی تعداد پانچ ہزار سے۔

حضرت مسیح کا معجزہ دکھانے سے دوسرا انکار

ایک دن فریسیوں صدوقیوں نے آپ سے چاہا کہ ایک آسمانی نشان ہمیں دکھائیں آپنے فرمایا کہ جب شام ہوتی ہے کہ تم کہتے ہو کہ کل پرچھا ہوگا کیونکہ آسمان لال ہے اور صبح کو کہتے ہو کہ آندھی چلے گی۔ کیونکہ آسمان لال دھندلا ہے اے ریاکارو تم آسمان کی صورت کو امتیاز کر سکتے ہو پر وقتوں کی نشانیاں نہیں دریافت کر سکتے اِس زمانہ کے بد اور حرامکار نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھایا نہ جائیگا۔ یہ کہکے آپ آگے بڑھ گئے اور آپکے پیچھے آپکے شاگرد ہو لئے لیکن جلدی میں شاگرد اپنی روٹیاں چھوڑ گئے۔

حضرت مسیح کی فرضی بخشش

جب حضرت مسیح قیصر کی سرحد میں پہنچے تو آپنے دریافت کیا کہ لوگ یہاں میری نسبت کیا خیال رکھتے ہیں شاگردوں نے جواب دیا بعضوں کا خیال ہے کہ تو نبی ہے بعض تجھے الیاس سمجھتے ہیں بعض تجھے یرمیاہ کہتے ہیں حضرت مسیح نے فرمایا تم بتاؤ کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے یہ سُن کے حضرت مسیح بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے شمعون تو مبارک ہے کیونکہ جسم اور خون میں نہیں بلکہ میرے باپنے جو آسمان پر ہے تجھپر یہ ظاہر کیا

کرازین تجھپر افسوس اے بیت صیدا تجھپر افسوس کیونکہ یہ معجزہ جو تم میں دکھائے گئے صور اور صیدا میں دکھائے جاتے تو وہ ٹاٹ اوڑھکر اور خاک میں بیٹھکر کبھی سے توبہ کر چکتے اور اے کفرناحم تو جو آسمان تک پہنچایا گیا تو دوزخ میں گرایا جائے گا کیونکہ یہ معجزے جو تجھ میں دکھائے گئے اگر سدوم میں دکھائے جاتے تو آج تک قائم رہتا۔

حضرت عیسیٰ کا بغیر مرضی مالک کھیت کے بالیں توڑنا

ایک دن حضرت مسیح کا سبت کے روز کھیتوں میں گزر ہوا آپکے شاگرد چونکہ بھوکے تھے بالیں توڑ توڑ کے کھانے لگے فریسیوں نے حضرت مسیح سے شکایت کی کیا تو نہیں دیکھتا کہ سبت کے دن تیرے شاگرد بالیں توڑ کر کھا رہے ہیں حضرت مسیح نے بڑا معقول جواب دیا کہ داؤد نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور نذر کی روٹیاں کھائیں تھیں بھلا کب اُسے روا تھا کہ وہ اور اُس کے ساتھی خدا کے گھر میں روٹیاں کھاتے۔ اور کیا تم نے توریت میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کی حرمت نہیں کرتے تو بھی بیگناہ ہیں اور میرا رتبہ تو ہیکل سے زیادہ ہے۔

حضرت مسیح کا معجزہ دکھانے سے قطعی انکار کرنا

ایک دن بعض فقیہوں اور فریسیوں نے عرض کیا کہ اُستاد ہم تجھسے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں حضرت مسیح نے بگڑ کر جواب دیا کہ اس زمانہ کے بدکار نشان ڈھونڈتے ہیں یونس نبی کا نشان اُن کے نشان کے لئے کافی ہے جس طرح یونس تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح ابن آدم تین دن زمین کے اندر رہے گا۔

جسم سے روح نکل کر کیا کرتی ہے

حضرت مسیح فرماتے ہیں جب ناپاک روح آدمی کے جسم سے باہر نکلتی ہے تو خشک مقامات میں آرام ڈھونڈتی پھرتی ہے اور جب وہاں آرام نہیں ملتا تو پھر اُس جسم میں جس سے نکلی تھی واپس آتی ہے لیکن اُسے خالی دیکھکر پھر چلی جاتی ہے اور اپنے سے بھی بدتر سات روحوں کو ساتھ لاتی ہے اور پھر وہاں داخل ہو کر بستی ہے تو اُس آدمی کا پچھلا حال اگلے سے بھی بُرا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح کا اخلاق

ایک دن آپ وعظ فرما رہے تھے کہ آپ کی والدہ اور آپ کے بھائی باہر آکر کھڑے ہوئے اور آپ سے ملنا چاہا ایک شخص نے جا کے اطلاع دی کہ آپ کی والدہ اور بھائی ملنا چاہتے ہیں اور باہر کھڑے ہوئے ہیں آپنے بگڑ کے جواب دیا کون ہے میری ماں اور کون ہے میرا بھائی اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا کہ دیکھ میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے میری ماں اور بھائی وہی ہے۔

حضرتِ مسیح کی انکے وطن میں بے وقعتی۔

جب آپ اپنے وطن میں آکے پہنچے تو وہاں تعلیم دینے لگے اور عبادت خانہ میں بہت سے وعظ فرمائے اور معجزہ بھی دکھائے اِن کے اہل وطن نے یہ باتیں دیکھ کے حقارت سے کہا کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ہے اور اُسکی ماں مریم نہیں کہلاتی اور اُس کے بھائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ اور اُسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں اسے یہ باتیں کہاں سے آگئیں

خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی اُسکے برابر ۱۲ تختوں پر بیٹھوگے اور اسرائیل کے بارہ گروہوں کی عدالت کروگے اور جس نے گھر یا بھائی یا بہن یا ماں باپ یا جورو یا بال بچوں یا زمین کو میرے نام پر چھوڑا سوگنہ پائیگا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔

حضرت مسیح کا ہیکل میں جانا اور وہاں صرافوں کے تختہ اور کبوتروں کی کابکیں اُلٹ دینا وغیرہ

ایک دن حضرت مسیح خدا کی ہیکل میں گئے اور اُن سب کو جو خدا کی ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے نکال دیا صرافوں کے تختہ اور کبوتروں کی کابکیں اُلٹ دیں اور فرمایا یہ لکھا ہے کہ میرا گھر عبادت کا گھر کہلائے گا پر تم نے اُسے چوروں کا کھوہ بنا دیا ہے یہ دیکھ کے کاہن اور فقیہ بہت ہی خفا ہوئے اور حضرت مسیح کا یہ فعل اُنہیں بُرا معلوم ہوا۔

حضرت مسیح کا ایک درخت پر خفا ہونا

جب آپ بیت عنیاہ میں پہنچے تو وہاں رات بسر کی صبح کو شہر میں جانے لگے تو راستہ میں بھوک لگ آئی دور سے ایک انجیر کا درخت نظر پڑا آپ اُس درخت کے پاس پھل کھانے کے لئے گئے۔ دیکھا کہ کوئی پھل نہیں لگا ہے بلکہ پتے ہی پتے ہیں آپ نے خفا ہوکر اُس درخت کو بد دعا دی اے درخت تو نے مجھے بھوکا رکھا تجھ میں کبھی پھل نہ لگیں گے اِدھر اِن کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سرزد ہوئے اُدھر وہ درخت خشک ہوگیا یہ کیفیت دیکھ کے ان کے شاگرد تعجب کرنے لگے کہ یہ درخت کتنی جلدی خشک ہوگیا حضرت مسیح کو اُن کے تعجب کرنے پر غصہ آیا اور آپ نے اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کر سکوگے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اِس پہاڑ سے کہوگے کہ تو چل اور دریا میں جا گر تو پہاڑ فوراً اُسکی تعمیل کرے گا۔

کاہنوں سے حضرت مسیح کی بحث

ایک دن حضرت مسیح ہیکل میں وعظ فرما رہے تھے کاہنوں کے سردار نے حضرت مسیح سے پوچھا کہ یہ باتیں جو آپ کر رہے ہیں کس اختیار سے کرتے ہیں اور یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے حضرت مسیح نے فرمایا کہ ایک بات تم میری بتا دو تو میں بھی تمہیں اس کا جواب دیدونگا وہ یہ ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ کہاں سے تھا آسمان سے یا انسان سے اب وہ سناٹے میں ہوئے کہ ہم کیا جواب دیں کہ اگر آسمان سے کہتے ہیں تو مسیح یہ کہیں گے کہ تم نے اُسے کیوں نہیں مانا اگر انسان سے کہتے ہیں تو عام آدمیوں سے ڈر لگتا ہے کیونکہ سب لوگ یحیی کو نبی جانتے ہیں آخر وہ خاموش ہوئے اور جواب دیا ہم کچھ نہیں جانتے حضرت مسیح نے فرمایا تو پھر میں بھی تمہیں نہیں بتلانے کا۔

حضرت مسیح کی گرفتار کرنے کی سازش

جب فریسی آپ کے وعظوں سے سخت پریشان ہوئے تو باہم مشورہ کر کے ایک سازش کی اور حضرت مسیح کے پاس چند آدمی بھیجے جنہوں نے یہ دریافت کیا کہ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں حضرت مسیح سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے اے ریاکارو مجھے کیوں آزماتے ہو جزیہ کا سکہ مجھے دکھلاؤ یہ سنتے ہی ایک دینار اُنہوں نے حضرت مسیح کے سامنے پیش کیا آپ نے فرمایا یہ صورت اور سکہ کس کا ہے فریسیوں نے عرض کیا قیصر کا پھر آپ نے ارشاد کیا جو چیزیں قیصر کی ہیں

میں یہ بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسیا بناؤنگا اور دوزخ کا اختیار اُس پر نہ چلے گا اور میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا جو کچھ تو زمین پر بند کرے گا آسمان پر بند کیا جاوے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا آسمان پر کھولا جائے گا۔ پھر حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے ہدایت کی خبردار کسی سے یہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں

پطرس پر حضرت مسیح کی سخت خفگی اور اُسے شیطان کہنا

پھر حضرت مسیح اپنے شاگردوں سے کہنے لگے کہ میری تقدیر میں یہ لکھا ہی کہ میں یروشلم جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دکھ اُٹھاؤں اور مارا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں پطرس نے کہا ذرا آپ کنارہ چلئے جب حضرت مسیح کنارہ پہنچے تو پطرس بہت جھنجلا کر کہنے لگا اے خداوند تیری سلامتی ہو یہ آفتیں تجھ پر کبھی نازل نہ ہونگی یہ سنکر حضرت مسیح آگ بگولا ہو گئے۔ اور پطرس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہی کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ انسان کی باتوں کا خیال رکھتا ہی۔

حضرت مسیح اپنے مریدوں کو توبہ کرنیکی ہدایت کرتے ہیں

ایک دن شاگردوں نے حضرت مسیح سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کون ہے حضرت نے ایک چھوٹا لڑکا بلا کر اُن کے سامنے کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ توبہ نہ کرو اور چھوٹے لڑکوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے جو کوئی اس بچہ کی طرح چھوٹا جانے وہی آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا ہے اور جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں ایک کو ٹھوکر کھلاوے تو اُس کے لئے یہ بہتر ہے کہ چکی کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکایا جاوے اور وہ سمندر میں ڈلوایا جائے۔

حضرت مسیح اپنے نیک ہونے سے انکار کرتے ہیں

مریدوں میں سے آپکے ایک مرید نے آپ سے خطاب کر کے یہ عرض کیا اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں آپنے فرمایا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہی نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ اگر تو زندگی میں داخل ہوا چاہے تو حکموں پر عمل کر۔ پھر حضرت مسیح نے اُسے چند ہدایتیں کیں منجملہ اور ہدایتوں کے ایک ہدایت یہ تھی کہ جو کچھ تیرے پاس ہے تو اُسے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ پھر میرے پیچھے ہو لے وہ شخص یہ سنکر غمگین ہوا اور چلا گیا کیونکہ وہ بہت بڑا مالدار تھا اور وہ یہ سمجھا کہ مسیح مجھے لٹواتے ہیں۔

حضرت مسیح دولتمندوں کو سخت بُرا سمجھتے ہیں

حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہی بلکہ میں تمسے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے گزر جانا اِس سے آسان ہی کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو

حضرت مسیح پر آپ کے مریدوں کا اعتقاد بہت ہی ضعیف تھا۔

ایک دن پطرس حضرت مسیح سے کہنے لگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم نے تیرے لئے سب کو چھوڑ دیا اور تیرے پیچھے ہو لئے تو ہمیں یہ تو بتا کہ اِس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا حضرت مسیح نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہیں یہ صلہ ملے گا کہ جب نئی

قیامت کے آثار

جب یہ ساری مصیبتیں گذر چکیں گی تو سورج اندھیرا ہوجائے گا چاند میں روشنی اخذ کرنے کی قوت نہ رہے گی ستارے آسمان سے گر جائیں گے آسمان میں تزلزل پیدا ہوجائے گا اُس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا زمین کے سارے گھرانے چھاتی پیٹیں گے اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھیں گے اور وہ نرسنگے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو آسمان کی اس حد سے اُس حد تک چاروں طرف سے جمع کریں گے۔

حضرت مسیح کے سر مبارک پر ایک عورت کا عطر ڈالنا

اب حضرت مسیح کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہودی بغیر مارے نہیں چھوڑنے کے آپ اسی پریشانی میں شمعون کوڑھی کے گھر بیت عنیا میں پہنچے آپ وہاں جا کے بیٹھے ہی تھے کہ ایک عورت سنگ مرمر کے عطردان میں نہایت قیمتی عطر لائی جب آپ کھانا کھانے بیٹھے تو آپکے سر پر اُس عورت نے عطر اُلٹ دیا آپکے شاگرد جو ہمیشہ آپ سے مخالفت کیا کرتے تھے اور حالانکہ وہ مرید تھے لیکن آپ کی ہر بات پر اعتراض کرتے تھے یہ صورت دیکھ کے بہت ہی ناراض ہوئے اور اُس عورت کو ڈانٹنے لگے کہ تو نے یہ فضول خرچی کیوں کی یہ عطر تو بڑی قیمت سے آتا ہے اگر محتاجوں کو دیا جاتا تو اور اچھا تھا اِس سے غرض یہ تھی کہ ہمیں یہ عطر کیوں نہیں دیا گیا۔ حضرت مسیح بہت ہی ناراض ہوئے اور آپ نے اپنے مریدوں کو دھمکایا کہ تم اِس عورت پر کیوں لال پیلے ہوتے ہو اس نے تو میرے ساتھ نیک کام کیا بھائی محتاج تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا تم ابھی دیکھ لوگے کہ اِس عطر سے میرا کفن بسایا جائے گا اِس عورت نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے جہاں جہاں انجیل کی منادی ہوگی اِس عورت کا ذکر آتا رہے گا۔

حضرت مسیح کے ایک مرید کی بے ایمانی

حضرت مسیح کی نبوت کا ڈھائی تین سال کا پر آشوب زمانہ سخت دردناک ہی آپنے بڑی کوشش کے بعد چند یہودیوں کو اپنا فرزند بنایا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ بھی آپ پر پورا ایمان نہ لائے تھے ضرورت بے ضرورت پریشان سوالات کر کے آپ کا ناک میں دم کرتے تھے اور ہمیشہ نئے نئے معجزوں کے طلبگار رہتے حضرت مسیح کو پریشان کر دیا تھا غضب خدا کا آپ ہی کا ایک مرید یہوداہ اسکریوتی نامی سردار کاہنوں کے پاس گیا اور اُن سے ملتجی ہوا کہ اگر میں مسیح کو پکڑوا دوں تو کیا دلواؤ گے اُنھوں نے کہا کہ ہم ۳۰ روپیہ دیں گے اگر تو مسیح کو پکڑوا دے گا یہ بے ایمان مرید اب اس تاک میں رہنے لگا کہ کیونکر مسیح پر قابو حاصل کروں۔ حضرت مسیح اگرچہ نوجوان تھے لیکن اپنے بعض شاگردوں کی بدلی ہوئی آنکھ خوب پہچانتے تھے۔ اُنہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب خیر نہیں لاکھ بچو گے لیکن یہ ظالم نہیں چھوڑنے کے آپ کھلم کھلا فرماتے تھے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے غرض یہ تھی کہ شاید یہ سنگدل رحم کھائیں اور میرے قتل کی تدبیر سے درگزریں مگر سب سے زیادہ ۳۰ روپیہ کے لالچ نے کم بخت اسکریوتی کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا۔ جب عید فسح قریب آئی تو شاگردوں نے آپ سے کہا اے اُستاد تو عید کہاں منائے گا حضرت مسیح نے فرمایا شہر میں جاؤ اور فلاں شخص سے کہو کہ

قیصر کو دو اور جو خدا کے ہیں خدا کو دو یہ سن کے وہ لاجواب ہو گئے اور اپنا سا منہ لیکے چلتے بنے۔

حضرت مسیح کے مفتیوں اور فریسیوں پر لعن طعن

ایک دن آپ فرمانے لگے اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس اسلئے کہ آسمان کی بادشاہت کو لوگوں کے آگے بند کرتے ہو نہ تم اُس میں جاتے نہ اور جانے والوں کو اُس میں جانے دیتے ہو اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ بیواؤں کا مال اور اسباب ہضم کر جاتے ہو اور لمبی چوڑی نمازیں پڑھتے ہو اسی وجہ سے تمہیں سب سے زیادہ سزا ملے گی۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ تم تری اور خشکی کا دورہ اس لئے کرتے ہو کہ دوسرے شخص کو اپنے دین میں لاؤ اور جب وہ تمہارے دین میں آجاتا ہی تو آپ سے زیادہ اُسے جہنم کا وارث بنا دیتے ہو اے اندھی راہ دکھانے والو تم پر افسوس کہ کہتے ہو اگر کوئی ہیکل کی قسم کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر ہیکل کے سونے کی قسم کھائے تو اُسکا پورا کرنا ضرور ہے اے اونواے اندھو سونا بڑا ہے یا ہیکل ہیکل تو سونے کو پاک کرتی ہی پھر تم یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی ہیکل کی قسم کھائے تو مضائقہ نہیں مگر نذر کی قسم کھائے جو اُسپر چڑھتی ہے تو اُسکا پورا کرنا اُسپر ضرور ہے۔ اے اندھے راہ دکھانے والو مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو اے اندھو تم رکابی اور پیالہ کو اندر سے صاف کرتے ہو لیکن باہر کی کدورت کی تمہیں خبر نہیں اے فریسیوں تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو کہ وہ اوپر سے تو اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُن کے اندر سوائے ہڈیوں اور ناپاکی کے کچھ نہیں ہوتا اے سانپو اور سانپ کے بچوں تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے۔ جب حضرت مسیح ریاکار فقیہوں سے سخت بہ تنگ آجاتے تھے تو اُن کا غصہ اُنکی روحانیت پر غلبہ پا جاتا تھا اور وہ اس طرح کی مہذب گالیاں اُنہیں دینے لگتے تھے۔

حضرت مسیح کا مایوسانہ اور خوف سے بھرا ہوا وعظ

ایک دن آپ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھے تھے اور زمانہ کا اُتار چڑھاؤ ملاحظہ فرما رہے تھے کیونکہ آنکھ کھولتے ہی اُنپر مصیبتیں پڑنے لگیں تھیں۔ مخالف لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اُنہیں اُن کے شاگرد مچھووں کو ہر طرح کی اذیت دیتے رہتے تھے۔ بربادی اور موت اُن کی آنکھوں کے آگے چکر لگا رہی ہے اور وہ اسی سوچ میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں اُن کے شاگرد پہنچے اور اُنہوں نے عرض کیا اے اُستاد ہمیں بتا کہ زمانہ کے اخیر ہونے کی نشانی کیا ہے اور تو کب دوبارہ آئے گا حضرت مسیح نے فرمایا کہ دیکھو گمراہ نہ ہونا بہت سے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم مسیح ہیں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے تمہیں لڑائیوں کی وحشتناک خبریں سنائی دینگی۔ دیکھنا گھبرانا نہیں کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہی قوم قوم پر اور بادشاہ بادشاہ پر حملہ کرے گا مری پڑے گی اور جگہ جگہ بھونچال آئے گی بس یہیں سے تم مصیبتوں کا آغاز سمجھ لینا لوگ تمہیں ایذا پہنچائیں گے اور مار ڈالیں گے اور میرے نام کی وجہ سے کل قوم تجھسے کینہ رکھے گی اسوقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک دوسرے کو گرفتار کرائے گا بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہو جائیں گے جو بہتوں کو گمراہ کریں گے اور بدنیتی کے بڑھ جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ان سب مصیبتوں کو جو اخیر تک برداشت کریگا وہی نجات پائے گا۔ پھر اور کچھ بیان کر کے آپ یہ فرمانے لگے۔ اور گویا اپنے قیامت کے آثار بیان کئے۔

کی دشمنی اور ظالم یہودیوں کا ہجوم آپ کی جان زار کو آدھا کئے دیتا تھا آپ کو ایسی بے وقت موت کا جو آنکھوں کے سامنے آرہی تھی اُسی قدر غم تھا جس قدر ایک مایوس نوجوان کو ہوتا ہے دنیا کا ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا تھا تبلیغ رسالت کے فرائض کی تکمیل بھی ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ موت اور ناکامی آپکے سامنے مجسّم آکھڑی ہوئی جب حضرت مسیح کی مایوسانہ حالت دیکھی جاتی ہے تو دل پر ایک چوٹ لگتی ہے یہ معصوم پیغمبر اور روح اللہ نہایت مایوسانہ حالت میں اپنے مریدوں پر نظر اُٹھائیں اور مرید ذرا بھی اُس سے ہمدردی نہ کریں عملی ہمدردی تو مٹھی بھر مچھوے کیا کر سکتے تھے افسوس کہ کسی نے زبانی بھی اُس روح اللہ کی ڈھارس نہ بندھائی زمانہ میں ہمیشہ نیکوں اور صادقوں کے ساتھ یہ ہی سلوک ہوتا رہا ہے مگر افسوس آتا ہے اُس نوجوان شخص پر جس کی عنفوان جوانی کا زمانہ سخت پُر آشوب گزرا ہو جو کبھی اپنے وطن میں چین سے نہ بیٹھا ہو جس کی اولوالعزمی کے ساتھ ناکامی رہی ہو جس کے ساتھ اُس کے معبودوں نے ذرا سی محبت نہ کی ہو جس کے [illegible] کا اثر سامعین کے دل پر کچھ بھی نہ ہوا ہو جس پر بلاوجہ مخالفین نے کفر کا فتویٰ لگا دیا ہو اور سب سے زیادہ جس کے قتل کے درپے ہوں۔ اور ہر وقت موت اُسکی آنکھوں کے سامنے رہتی ہو اس وقت حضرت مسیح کی موجودہ حالت صاف طور پر یہ پائی

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

جب آپ کو کامل طور سے مایوسی ہوگئی اور یہ یقین ہو گیا [illegible] آپ پر خوف مایوسی اور زاری کی حالت طاری ہوئی آپ اپنے مریدوں کو ساتھ لیکے گتسمنی مقام پر تشریف لائے اپنے علیحدہ ایک کونے میں اپنے مریدوں کو بٹھا دیا اور یہ ارشاد کیا تم یہاں بیٹھے رہو میں جا کر دعا [illegible] پطرس اور زبدی کے دو بیٹوں کو اپنے ساتھ لیا اور آپ نہایت غمگین اور دلگیر ہوتے گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ سے رہا نہ گیا آپ ان دو بچوں سے فرمانے لگے جیسا کہ متی باب ۲۶ آیت ۳۸ میں لکھا ہے "میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر آپ کچھ آگے بڑھ کے سجدہ میں گر پڑے اور ذوالجلال رب سے یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گزر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو۔ حضرت مسیح کی یہ دعا یا یہ مایوسانہ اقوال خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اُسوقت آپ کس قدر مایوس اور غمگین تھے عین جوانی کی حالت میں اس شکستہ خاطری سے دنیا سے رخصت ہونا کس قدر آپ کے دل پر کچوکے لگا رہا تھا آپ خدا کے سچے پیغمبر تھے آپکی تعریف لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے دنیا کے اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست میں آپ کا نام [illegible] ہمیشہ [illegible] ایک انسان ہونے کے یہ لازمی بات تھی کہ آپ اپنی جوانمرگی پر خون کے آنسو روتے مگر آفرین ہے [illegible] روح اللہ پر کہ اخیر تک آپ نے خداوند تعالیٰ سے یہ ہی دعا کی کہ اگر تو پیالہ ٹالتا ہے تو اپنی مرضی سے ٹال میری مرضی سے نہیں۔ آپ کی جان زار اس وقت اور بھی سوا آتا ہے جب آپکے مریدوں نے ذرا بھی آپ سے [illegible] محبت نہ کی آپ اس جانکندنی کی حالت میں پریشان تھے اور وہاں آپکے مرید خواب نوشیں میں خراٹے لے رہے تھے جس وقت آپ دعا مانگ کر اپنے مریدوں کے پاس آئے تو دیکھا کہ سب سو رہے ہیں اُس وقت آپکے دل کا کچھ حال نہ پوچھو واقعی ایک صدمہ کی بات تھی حالانکہ آپ کا وقت آلگا تھا اور آپ گڑگڑا کے خداوند تعالیٰ سے ملتجی ہو چکے تھے کہ میرے قتل کی گھڑی کو ٹال دے مگر [illegible] کہ.

اُستاد نے یہ فرمایا ہی میرا وقت قریب آن لگا ہے میں جانتا ہوں کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ تیرے یہاں عید فسح کروں
چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ وہاں پہنچے اور شام کو کھانا کھاتے تھے چونکہ آپ بڑے نظرباز
تھے کھانا کھاتے میں تاڑ لیا کہ اسکریوتی کے تیور کچھ بدلے ہوئے ہیں اور وہ بار بار مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا ہے ناچار
آپنے یہ درد ناک جملہ فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے گرفتار کرائے گا۔ یہ سنتے ہی بارہ شاگرد
بہت دلگیر ہوئے اور ایک ایک نے حضرت مسیح سے عرض کیا اے خداوند کیا میں ہوں آپنے فرمایا اسوقت جو میرے
ساتھ ایک رکابی میں کھا رہا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا پھر آپنے سخت رنجیدہ ہو کر فرمایا میری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے
اُسے میں بھگتوں گا لیکن افسوس تو اُس کمبخت پر ہی جو مجھ جیسے شخص کو گرفتار کرواتا ہے کاش وہ دنیا میں پیدا ہی نہ
ہوتا تو اُس کے واسطے ہزار درجہ بہتر تھا اس پر اسکریوتی بولا اے اُستاد کیا میں تجھے پکڑواؤں گا۔ حضرت مسیح نے
فرمایا چور کی داڑھی میں تنکا تو تو خود ہی بول اُٹھا۔ حالانکہ حضرت مسیح نے صاف طور پر اپنے قتل کرانے والے کا نام بتا
دیا مگر اور مریدوں کے کان پر جوں بھی نہیں چلی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی مرید کے دل میں حضرت مسیح کی ذرا سی محبت
نہ تھی اور بلا شک کل مرید اسکریوتی کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ اگرچہ انجیل نویسوں نے سوائے اسکریوتی کے کسی کا
سازش میں ذکر نہیں کیا مگر قرائن اسبات کے موجود ہیں کہ اگر باقی ماندہ گیارہ مرید سازش میں شریک نہوتے تو اسکریوتی
کے ٹکڑے اُڑا دیتے اور اگر وہ مچھوے اپنی قومیت کے لحاظ سے انتہا درجہ ذلیل ہوتے تو بھی وہ اُس پر لعن طعن تو ضرور کرتے۔
حضرت مسیح نے جو کھلم کھلا اُسکا نام بتایا اس سے غرض یہ ہی تھی کہ میرے باقی کے گیارہ شاگرد کچھ مدد کریں مگر کسی نے
چوں تک نہ کی اس پر حضرت مسیح آگ بگولا ہو گئے اور آپنے اپنے کل شاگردوں کو اپنا قاتل تصور فرما کے یہ کہا لو یہ روٹی
اسے کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے پھر پانی کا پیالہ اُنہیں دیا اور کہا کہ اسے پیو کیونکہ یہ میرا لہو ہے جوش میں اِن کے مُنہ سے
تو یہ نکل گیا لیکن پھر آپ ڈر گئے مبادا یہ لوگ مجھے کوئی آسیب پہنچائیں فوراً آپنے اپنا لہجہ بدل دیا اور یہ فرمانے لگے۔
میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا
نہ پیوں یہ سُن کے وہ جاہل مچھوے خوش ہو گئے اور گیت گانے لگے حضرت مسیح کو اُن کے گیت گانے پر غصہ آیا آپنے
فرمایا تم سب اسی رات میرے لئے ٹھوکر کھاؤ گے کیونکہ لکھا ہے کہ میں گڈریہ کو مارونگا اور گلہ کی بھیڑیں تتر بتر ہو جائیں گی
پطرس نے جوش میں آکے کہا اے اُستاد یہ کیا کہتا ہے سب ٹھوکر کھائیں گے پر میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا حضرت
مسیح نے فرمایا میں تجھے خوب جانتا ہوں تو اسی رات مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا پطرس نے
دلیری سے کہا نہیں ہرگز نہیں اگر تیرے ساتھ میں بھی قتل کیا جاؤں تو بھی انکار نہ کرونگا اور سب شاگرد اُسکی ہاں میں
ہاں ملانے لگے یہ وہی حضرت پطرس ہیں جن کو مسیح بہت ہی عزیز سمجھتے تھے مگر افسوس ہے کہ اس مظلوم روح اللہ کا
کسی نے ساتھ نہیں دیا۔

حضرت مسیح کا خوف اور زاری

حضرت مسیح بھی آخر انسان تھے آپ کی ۳۰۔۳۱ برس کی عمر وطن سے بے وطن بے یار و مددگار پھر اُس پر اپنے مریدوں

کے لئے تلواریں اور لاٹھیاں لیکے اِس طرح نکلے ہو جیسے کوئی چور کو پکڑنے نکلتا ہے میں نے بار ہا ہیکل میں تم لوگوں کے آگے وعظ کیا ہے وہاں تم نے مجھے گرفتار نہیں کیا۔ مگر یہ ساری باتیں اس لئے ہوئی ہیں کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں

آپکے مریدوں کا بھاگ جانا

جب اُن مچھووں نے یہ دیکھا کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کو پکڑ لیا ہے تو کم بخت فوراً بھاگ گئے اور ذرا بھی یہ خیال نہ کیا کہ ہمارا پیر یا ہمارا پیغمبر کس بے بسی کی حالت میں دشمنوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے ایسے موقع پر تو معمولی آدمی بھی حمایت کو اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں مگر وہ سب دِل کے ایسے کافر ہوئے۔

کہ سد بدہ کی لی اور نہ سنگل کی لی ۔ نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

حضرت مسیح کی گرفتاری اور اُن پر ظلم

اخیر یہودیوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ اور آپ کو قیافا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے جہاں فقیہ اور بزرگ جمع تھے صرف پطرس نے تو اتنا کیا کہ آپکے ساتھ ہو لیا لیکن آپ سے بہت دور کے فاصلہ پر رہتا تھا اِس خیال سے کہ کوئی اُسے نہ پکڑ لے ظالم یہودی اُس پیغمبر اور روح اللہ کو گرفتار کر کے سردار کاہن کے پاس لائے پطرس کسی گھر کے اندر چلا آیا اور سردار کے نوکروں کے ساتھ بیٹھ گیا اور تماشا دیکھنے لگا۔ اب سردار کاہن اور ساری مجلس کو اِس بات کی تلاش ہوئی کہ حضرت مسیح کے خلاف جھوٹے گواہ پیدا کریں تا کہ آپکے قتل کرنے کا حیلہ نکلے بہت سے جھوٹے گواہ عدالت میں پیش کئے گئے لیکن مطلب کی بات ایک نے نہ کہی اخیر دو مِن چلے اول درجہ کے جھوٹے گواہ آئے اور اُنہوں نے حضرت مسیح کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دی کہ ہم نے مسیح کی زبانی یہ سنا ہے اور یہ شخص اس بات کا مدعی ہے کہ میں خدا کی ہیکل کو ڈھا سکتا ہوں اور پھر تین دن میں بنا سکتا ہوں اِس پر سردار کاہن نے حضرت مسیح سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو جواب دے یہ دو شخص کیا کہہ رہے ہیں حضرت مسیح بالکل خاموش کھڑے تھے اور ابھی تک آپنے کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا سردار کاہن جوش میں آن کے کہنے لگا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ۔ حضرت مسیح نے یہ جواب دیا۔ ہاں وہی جو تو کہتا ہے بلکہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اِس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھوگے یہ سنتے ہی سردار کاہن نے غل مچایا اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ پھر یہ کہنے لگا کہ یہ شخص کفر بول چکا ہے اب ہمیں کسی گواہ کی ضرورت نہیں اے حاضرین تم نے اُس کا کفر سُن لیا اب بتاؤ تمہاری کیا صلاح ہے سب نے یکزبان ہو کر کہا کہ قتل کے لائق ہے پھر اُن ذلیل شقی بیدل سنگدل قصائی اور بدکار یہودیوں نے آپکے روئے مقدس پر تھوکا گھونسے اور طمانچے مارے اور کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا

پطرس کا انکار

پطرس باہر دالان میں بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں کسی سردار کی ایک لونڈی نے اُسکے پاس آکے کہا کیا تو بھی یسوع جلیلی کے ساتھ تھا یہ سنتے ہی پطرس کانپ اُٹھا اور کہا نہیں بالکل نہیں یہ تم کیا کہہ رہے ہو میں بالکل نہیں سمجھا کہ تمہارا مطلب کیا ہے جب پطرس نے یہ دیکھا کہ مجھے لونڈی نے پہچان لیا ہے مبادا اور کوئی مجھے نہ پہچان لے

مریدوں نے کروٹ تک نہ لی آپنے سب سے پہلے پطرس کو جگا کر کہا ہائے افسوس تم لوگ ایک گھنٹہ بھی میرے لئے نہ جاگ سکے جاگو اور دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو روح جسم سے نکلنے کے لئے مستعد ہے اور جسم سست ہے۔ چونکہ اسوقت آپ پر پریشانی حد درجہ چھا گئی تھی۔ اور آپ سخت گھبرائے جاتے تھے پطرس سے یہ کہکے دوبارہ آپنے علیحدہ ایک کونے میں جا کے دعا مانگی اور وہ دعا یہ تھی اے میرے باپ اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گزر سکتا تو تیری مرضی۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیے

ہائے افسوس حضرت مسیح جیسا بیگناہ اور معصوم پیغمبر اِس طرح پریشان ہو اور اُس کے مرید اپنی گہری نیند میں پڑے ہوئے خراٹے لیویں آپ دعا مانگ کے پھر اپنے مریدوں کے پاس واپس آئے دیکھا کہ یہ کمبخت اُسی طرح سوتے ہیں اُس وقت کی دلشکنی آپ کی کوئی خیال کرے جس وقت ہم انجیل میں اس ذکر کو پڑھتے ہیں جتنا حضرت مسیح کی جان زار پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں اُن سے زیادہ اِن سردمہر عاقل مریدوں پر غصہ آتا ہے حیف یہ کیسے مرید تھے۔ سنگدل سے سنگدل دشمن بھی اس نازک حالت میں ضرور ہمدرد بن جاتا حضرت مسیح بار بار جگاتے ہیں لیکن انہیں خبر نہیں ہوئی اس وقت پتھر کا کلیجہ ہوتا تو وہ بھی پاش پاش ہو جاتا ٹکڑہ واہ رے سنگدلی کہ کسی نے ذرا بھی اُس روح اللہ کی ڈھارس نہ بندھائی جب آپنے دوبارہ بھی اُنہیں سوتے ہوئے پایا تو اور بھی مایوس ہو گئے اُسی پریشانی میں آپ پھر رب العزت کی بارگاہ میں دست بدعا ہوئے اور سہ بارہ آکے دیکھا تو اپنے شاگردوں کو اُسی طرح خراٹے لیتے ہوئے پایا آپ کچھ غصہ کچھ پریشانی اور کچھ شکستہ خاطری میں یہ فرمانے لگے بس اب تم سوتے رہو اور آرام کرو دیکھو وہ گھڑی آن پہنچی ہے کہ ابن آدم گناہگاروں کے حوالہ کیا جائے گا ہائے مجھے گرفتار کرانے والا بھی قریب آگیا ہے آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ اتنے میں آپ کا مرید یہودواہ آپہنچا ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لکڑیاں لئے ہوئے اُس کے ساتھ تھی۔ اِس سنگ دل ناخداترس مرید نے اِن ظالم یہودیوں سے یہ کہدیا تھا کہ جسے میں آگے بڑھ کے چوموں سمجھ لینا کہ وہی مسیح ہے یہ قصائی آگے بڑھا اور اُس نے حضرت مسیح سے مخاطب ہو کر کہا اے ربی سلام اور پھر آپ کو بوسہ دیا۔ یسوع نے اُس سے کہا تو یہاں کس لئے آیا ہے آپ اتنا کہنے ہی پائے تھے کہ ظالم اور بیدین یہودی آپ کو تنہا پا کے آپ پر گر پڑے اور آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت مسیح کے ساتھی بھی اِس غل غپاڑے میں اپنے خواب راحت سے بیدار ہو گئے تھے صرف ایک مرید کو غصہ آیا اُس نے تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے ایک ملازم پر وار کیا اور اُس کا کان اُڑا دیا حضرت مسیح نے فرمایا تو اپنی تلوار میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار چلاتے ہیں تلوار ہی سے مارے جائیں گے آپ نہایت ہی ہوشیار اور عاقل نوجوان تھے آپ خوب سمجھتے تھے کہ یہ مٹھی بھر مسلح یہودیوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں پھر اکیلا چنا کیا خاک بھاڑ کو پھوڑ سکتا ہے آپ نے صاف فرما دیا کہ اگر تو تلوار چلائے گا تو تلوار ہی سے مارا جائے گا پھر آپ نے جوش میں آن کے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو خداوند تعالیٰ سے دعا مانگوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن آسمان سے بھیجدے اور وہ آنے کے ساتھ ہی تم یہودیوں کو پارہ پارہ کر دیں مگر میری تقدیر میں تو روز ازل سے یہ ہی لکھا ہوا ہے۔ یہودی اس طرح مجھے گرفتار کریں اور پھر قتل کریں تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ حضرت مسیح نے نہایت افسوس سے یہودیوں کو خطاب کر کے فرمایا تعجب ہے تم میرے گرفتار کرنے

کہ ہم تیری فضیلت کا اندازہ کر سکیں تیرا فضل و کرم خدائے توانا و بزرگ کی عنایت سے ہمارے ساتھ ہو۔

حضرت مسیح کے قتل کا مشورہ۔

جب صبح ہوئی کاہن اور سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ مسیح کو کیونکر قتل کریں بڑی قیل وقال کے بعد یہ تجویز قرار پائی کہ اس کو بطلیموس کے پاس لے چلیں جو کچھ وہ حکم کریں اُس پر عمل کرنا چاہئے جب بدنصیب یہوداہ کو یہ خبر ہوئی کہ حضرت مسیح کو قتل کا حکم ہوا ہے وہ شوم بدبخت اخیر سخت نادم ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ ہائے میں نے کیا غضب کیا کہ بیگناہ کو قتل کیا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مسیح گرفتار ہو کر مارا جائے گا تو میں کبھی اُسے ۳۰ روپیہ میں فروخت نہ کرتا۔ اب پشیمان ہونے سے کیا ہوتا تھا۔ نادان ۳۰ روپیہ لیکر گھبرایا ہوا سردار کاہنوں کے پاس گیا۔ اور کہا بھائیو مجھے یہ خبر نہ تھی کہ یہ بیگناہ شخص اس طرح گرفتار ہو کر قتل کیا جائے گا تم اپنے ۳۰ روپیہ سنبھالو مجھے ایسے روپیہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ سردار کاہنوں نے جواب دیا تو عجب احمق ہے ہم تو یہ روپیہ مسیح کی قیمت کے تجھے دے چکے تو جان اور تیرا کام۔ شامت کا مارا وہ روپیہ لیکے سیدھا ہیکل میں چلا گیا اور اُس کے صحن میں پھینک کے باہر نکل آیا اور دل میں کہنے لگا ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ لاکھ اُس کمبخت نے سر پٹکا لیکن حضرت مسیح کا خون ناحق گردن پر سے نہیں اُتر سکتا تھا اُسکا نامۂ اعمال سیاہ ہو چکا تھا اور اب اُس کے سفید ہونے کی گنجایش نہ تھی۔ آخر قدرتی طور سے اُسکی بدکرداری کی یہ سزا ہوئی کہ اس کم بخت نے خودکشی کر لی۔ اس وقت اسپر دو دو جرم تھے ایک تو اُس نے ۳۰ روپیہ کا لالچ کر کے معصوم پیغمبر کو گرفتار کرایا دوسرے اُس نے خودکشی کی۔ ایسے شخص کا آیندہ زندگی میں جو کچھ حال ہوگا ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔ معصوم اور روح اللہ کی صبر نے تو یہوداہ کا کام تمام کر دیا لیکن افسوس ہے کہ اُس کے پھانسی پانے سے روح اللہ کی نجات نہوئی سردار کاہنوں نے دیکھا کہ یہوداہ ۳۰ روپیہ ہیکل میں پھینک گیا ہے اُنہوں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ بھائی یہ خون کی قیمت ہے اسے ہم خزانہ میں داخل نہیں کر سکتے اخیر صلاح یہ ٹھہری کہ اس روپیہ کو کہیں صرف کرنا چاہئے بڑی دیر کے مشورہ کے بعد کسی کمہار کی زمین کا ایک قطعہ خریدا گیا تاکہ اُس قطعہ زمین کو پردیسیوں کا مدفن بنایا جائے۔ آجتک اس کھیت کا نام خون کا کھیت ہے۔ متی کی انجیل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یرمیاہ نبی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اسطرح یسوع مسیح ۳۰ روپیہ میں فروخت ہوگا اور اُن ۳۰ روپیہ سے مردوں کے گاڑنے کے واسطے کھیت خریدا جائے گا۔

پھر حضرت مسیح عدالت میں کھڑے کئے گئے اور اُن سے سوال ہوا کہ کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو آپنے مجسٹریٹ سے فرمایا جو کچھ تو کہتا ہے صحیح ہے تمام یہودی غل مچانے لگے کہ دیکھو دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے مگر حضرت مسیح خاموش کھڑے رہے اور اُن کی فریادوں اور نالۂ و بکا کا کچھ جواب نہ دیا آپ خاموشی سے اپنی آیندہ خونی قسمت کا انتظار کر رہے تھے جو آپکے ساتھ تقدیر لازم ہو چکی تھی۔ پھر پلاطیس نے حضرت مسیح سے خطاب کر کے کہا کیا تو نہیں سُن رہا کہ یہودی تیرے خلاف کتنی شہادتیں دے رہے ہیں حضرت مسیح نیچی آنکھیں کئے خاموش کھڑے تھے آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ بد باطن مجھے ہرگز نہیں چھوڑنے کے پھر اِن سے جواب سوال کرنے کی کیا غرض جو کچھ یہ کہیں انہیں کہنے دو اِس وقت آپ کے دل کی عجب کیفیت ہوگی۔ اپنے فرائض کی تکمیل کی ناکامی اور اُسپر بیگناہ گرفتار ہونا اور اُسپر قتل کا حکم اور پھر

جب لونڈی نے پیٹھ موڑی تو آپ چپکے سے باہر چلدئے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک شخص نے غل مچا کر کہا کہ میں نے اِسے یسوع ناصری کے ساتھ خود دیکھا ہی پطرس نے قسم کھا کے صاف انکار کیا حضرت توبہ کیجئے میں تو یسوع ناصری سے واقف بھی نہیں ہوں اِس کے بعد چند آدمیوں نے پطرس کے پاس آ کے کہا تو بالکل جھوٹا ہی تو ضرور مسیح ناصری کے ساتھ رہا ہے تیری زبان خود اِس بات کی شہادت دے رہی ہی پطرس نے صاف الفاظ میں لعنت بھیجی اور قسم کھا کر کہا کہ میں اُس شخص کو نہیں جانتا اتنے میں مرغ نے اذان دی پطرس کو حضرت مسیح کی وہ بات یاد آگئی جو آپ نے فرمایا تھا کہ اے پطرس مرغ کی اذان دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔

یہ تھے حضرت مسیح کے مرید اور یہ ہے اُنکی شرافت اور محبت دنیا میں ایسا واقعہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہی کہ کسی کے مرید اپنے پیر کو اس بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں اور کھلم کھلا اپنے پیر سے انکار کریں۔ اِس سے زیادہ ناکامی ایک پیغمبر یا ایک مصلح قوم کی کیا ہو سکتی ہی کہ وہ کئی سال کی محنت اور جانفشانی کے بعد چند آدمیوں کو اپنا مرید بنائے اور وہ وقت پر اُس سے بیوفائی کر جائیں حضرت مسیح کے مقابلہ میں اگر حضور انور خاتم النبیین فخر موجودات شہنشاہ عرب و عجم حضرت رسالت پناہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پر خیال کیا جائے تو بعد المشرقین معلوم ہوگا آپ کے صحابہ ہمیشہ آپ پر سینہ سپر رہے سخت سے سخت موقعوں پر بھی کبھی ایسی پہلوتہی نہیں کی آپ کے نام پر جان دینا دونوں جہان کی نجات سمجھتے رہی آپ کے لئے وطن سے بے وطن ہوئے یار عزیز اور دنیا کی دولت اور بال بچے چھوڑ دئے آپ کی خوشی میں اپنی خوشی سمجھی آپ کی راحت میں اپنی راحت اور آپ کی مصیبت میں اپنی مصیبت اُس وقت جب جنگ احد میں آپکے دندان مبارک مشرکوں کے نیزہ سے شہید ہو چکے تھے اور آپ کا خود فولادی مشرک کی ایک گرز کے صدمہ سے آپ کے روئے مبارک تک کھال کو چیرتا ہوا چلا آیا تھا اور پہاڑی کے ایک پتھر سے آپکے گھوڑے کی ٹانگ پھسل گئی تھی اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے تھے غنیم نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور مسلمانوں کی کئی صفیں تتر بتر ہو چکی تھیں اس نازک وقت میں بھی چیرہ دست غنیم پر آپکے بہادر صحابہ ٹوٹ پڑے تھے اور مشکیزہ میں پانی لا کے اُس خون کو دھویا تھا جو آپ کی نورانی پیشانی سے بہ رہا تھا جس وقت آپکے صحابہ پانی لے کے پہنچے ہیں تو دیکھا کہ آپ درگاہ رب العزت میں نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ یہ دعا فرما رہی تھے اے میرے خدا تو ان مشرکوں کو ہدایت کا راستہ دکھا اُنہوں نے میری عظمت کو نہیں پہچانا اس لئے یہ مجھ سے مخالفت کرتے ہیں اللہ اکبر اے امی نبی ای محبوب خدا اے محمد عربی تیری بہت بڑی شان ہی کون ہی جو حیثیت انسان ہونے کے تیری عظمت اور بزرگی کا اندازہ کر سکے اے خدا کے سچے دوست

پیش از ہمہ شاہاں غیور آمدۂ — ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ

ای ختم رسل قرب تو معلومم شد — دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ

اے نبی اللہ تو تمام انبیا کا سرتاج ہے تیرے قوانین شریعت قیامت تک قابل عمل رہیں گے تو نے اپنے فرائض نبوت کی اس خوش اسلوبی سے تکمیل کی کہ تیرا ثانی اور انبیا میں نہیں ملتا اے دنیا کے نجات دہندہ ہماری آنکھیں کھول

بلکہ آپکے حوارین کی شہادت کے موافق آپکے روئے مبارک پر تھوکا اور وہ سرکنڈا لیکر آپکے سر پر مارا اور جہاں تک اُن سے توہین ہو سکی کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ پھر آپ کا قرمزی پیراہن اُتار لیا اور وہی کپڑے آپ کو پہنا دئے اور یہ سب بعدین آپ کو صلیب پر کھینچنے کے لئے لیچلے۔ جب دیوان خانہ سے باہر نکلے تو ایک شخص شمعون نامی کو راستہ میں پکڑ لیا کہ ان کی صلیب اُٹھا کے لیچلے آخر آپ کو گلگتا نامی ایک مقام پر لیکے پہنچے۔

صلیب کی تیاریاں

بدبخت یہودیوں نے پانی میں سرکا ملا کے آپ کو پینے کو دیا آپ نے جوں ہی مُنہ سے لگایا فوراً اُسے پھینک دیا اخیر آپکو صلیب پر کھینچ دیا اور آپکے کپڑوں پر چِٹھی ڈال کے آپس میں تقسیم کر لیا۔ سنا گیا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو چکی تھی کہ مسیح کے کپڑے اس طرح تقسیم ہوں گے۔ کل یہودی آپ کی صلیب کے گرد بیٹھ گئے اور نگرانی کرنے لگے کہ کہیں آپ صلیب سے اُتر کر چل نہ دیں اور سبب قتل لکھ کے آپ کے سر سے اونچا لگا دیا اوس تختی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے دو چور اور بھی ان کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے ایک دہنی طرف کھڑا کیا گیا تھا ایک بائیں طرف بیچ میں آپ تھے چونکہ شاہراہ پر آپ کو صلیب دی گئی تھی اس لئے آنے جانے والے آپ پر برابر ملامت کر رہے تھے کوئی کہتا تھا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کیوں نہیں صلیب سے نیچے اُتر آتا کوئی کہتا تھا کیا تجھ میں اس قدر قدرت تھی کہ ہیکل کو ڈھا دے اور تین دن میں اُسے بنا دے تعجب ہے کہ اس قوت کا ہو کے اپنے کو نہیں بچا سکتا سردار کاہنوں نے بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ ٹھٹھا مار کے کہا یہ تو اوروں کو بچاتا ہے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو صلیب پر سے کیوں نہیں اُتر آتا اے یسوع اگر ابھی تو صلیب پر سے اُتر آئے تو ہم تجھ پر ایمان لے آدیں تیرا تو بھروسا خدا پر تھا اب کیوں نہیں خدا تیری مدد کو آتا تو تو ہمیشہ اُسے باپ باپ کہہ کے پکارتا تھا اب باپ کہاں ہے جو بیٹے کی حمایت نہیں لیتا وہ دو چور جو آپکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے آپ پر طعنہ مار رہے تھے اور یہی بیہودہ الفاظ زبان پر لا رہے تھے مگر حضرت مسیح بالکل خاموش تھے آپ نہایت صبر اور سنجیدگی سے یہودیوں کے ہفوات سُن رہے تھے۔

متی

سب سے چھوٹی عمر کا حواری آپ کا متی تھا گو اُس موقع پر نہیں تھا لیکن سماعی شہادت اس طرح سے دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے چھٹی ساعت سے لیکے نویں ساعت تک ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا نویں ساعت کے قریب حضرت مسیح نے بہت شور سے چلّا کے کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ سُن کے بعض یہودی تو یہ کہنے لگے کہ وہ ایلیاس کو پکارتا ہے بعض نے کچھ سرکا اسپنج میں بھگو کے آپکے منہ میں ٹپکایا بعض کہنے لگے کہ دیکھیں ایلیاس اسکی مدد کو آتا ہے یا نہیں متی نے جو یہ بیان کیا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ وہ بہت بچہ تھا اُسکی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہوگا عقل باور نہیں کرتی کہ اگر ایسے وقت میں قدرتی طور سے کسی خفیف سی خفیف علامت کا بھی اظہار ہوتا تو یہودی سچ مچ آپ پر ایمان لے آتے اور آپ سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے متی کی یہ شہادت

یہ جب ابن آدم ہونے کی عنفوان جوانی کی آرزوئیں یہ سب وہ حالتیں تھیں جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔

سر جدا گر دو ستم شوخی کہ با یار بود   قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

حاکم نے سخت تعجب سے کہا کہ مسیح کیوں خاموش کھڑے ہیں اور اپنے خلاف شہادتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر یہاں خاموشی کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور مسیح جیسے اولوالعزم پیغمبر کے لئے زیبا بھی یہی تھا کہ اُن کی لاطائل باتوں کا کچھ جواب نہ دیا جاتا۔

حاکم کی یہ عادت ہی کہ عید کے دن وہ لوگوں کی سفارش سے ایک قیدی رہا کر دیا کرتا تھا بہت سے آدمی جس شخص کی سفارش کرتے تھے اُسی کو چھوڑ دیا جاتا تھا اسوقت دو شخص جن کے لئے سزائے موت تجویز ہو چکی ہے بلاطیس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے بلاطیس نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ دو شخص ہیں ایک یسوع مسیح دوسرا براباس ان دونوں میں سے جسے تم کہو رہائی دے دی جائے اسی اثنا میں حاکم کے پاس اُس کی بیٹی کا یہ پیغام آیا کہ اے باپ تو اُس راست باز شخص کو جسکا نام یسوع مسیح ہے چھوڑ دے اس لئے کہ شب کو میں نے خواب دیکھا ہی جس کی وجہ سے میری روح پر بہت بڑا صدمہ ہے مگر حاضرین مشورہ کر چکے تھے کہ براباس کو چھڑوا دیا جائے۔ اُنہوں نے متفق اللفظ یہ استدعا کی کہ براباس کو چھوڑ دیا جائے حاکم گھبرایا اور پریشان ہو کے یہ کہنے لگا کہ جب تم اس شخص کو چھڑواتے ہو تو اس شخص کو میں کیا کروں حاکم کی نیت یہ تھی کہ کسی صورت سے حضرت مسیح چھوڑ دئے جائیں مگر سردار کاہن اور یہودی وغیرہ یہ بات نہ مانتے تھے جب اُس نے یہ دریافت کیا کہ پھر میں اس راست باز کا کیا کروں تو اُنہوں نے غل مچا کر کہا کہ اسے صلیب دے حاکم نے متردد ہو کے پوچھا کہ ایسا اس نے کیا گناہ عظیم کیا ہے کہ تم اسے صلیب دلواتے ہو۔ یہودیوں نے اسکا کچھ جواب نہ دیا بلکہ وہ بار بار یہی غل مچاتے رہے کہ صلیب دے صلیب دے

حضرت مسیح پر ظلم

جب پلاطیس نے یہ دیکھا کہ میرے ہم قوم باز نہیں آتے اور اُن میں فساد کے آثار پائے جاتے ہیں تو اُس نے پانی کا لوٹا منگایا اور سب آدمیوں کے سامنے ہاتھ دھوئے اور کہا تم گواہ رہنا کہ میں مسیح کے خون سے پاک ہوں۔ یہ سُن کے لوگوں نے غل مچایا کہ مسیح کا خون ہم پر اور ہماری اولاد کی گردن پر تو ناحق گھبرایا جاتا ہی ہم بہت خوشی سے اپنی اور اپنی اولاد کی گردنوں پر اُسکا خون لیتے ہیں ناچار پلاطیس نے اُن کے کہنے سے براباس کو چھوڑ دیا اور اُس ظالم اور ناخدا ترس حاکم نے اُس معصوم اور اولوالعزم بیگناہ اور راست باز نبی کو کوڑے پٹوائے اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا حاکم کے کل ملازم سردار کاہنوں کے ساتھ مل کے حضرت مسیح کو دیوان خانے میں لائے اور آپ کے سب کپڑے اُتروا ڈالے اور قرمزی پیراہن پہنا دیا کانٹوں کا تاج آپکے مقدس سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا آپ کے دست مبارک میں دے کے گھٹنے ٹیک کے کھڑے ہوگئے اور کہا اے یہودیوں کے بادشاہ تجھے سلام یہ کہہ کے ایک قہقہا مارا اور آپ کا بڑا مضحکہ اُڑایا ان ازلی جہنمیوں نے اِس پاک اور بیگناہ نبی کے ساتھ یہیں تک بے ادبی نہیں کی

کہا کہ یہ سپاہی موجود ہیں انہیں لیجا کے قبر پر بٹھا دو اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اُسکی نگرانی کرو بلکہ قبر کے پتھر پر مہر لگا دو کہ پھر کوئی اُس کے اُکھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔ سبت کے بعد جب اتوار کی صبح ہوئی تو مریم مگدلینی اور دوسری مریم اُس قبر کو دیکھنے آئیں کہ اسی اثنا میں ایک بھونچال آیا اور آسمان سے خداوند کا فرشتہ اُترا اُسکا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا اور اُسکی پوشاک برف سی سفید تھی اُس نے قبر پر سے پتھر اُٹھایا اور آپ اُسپر بیٹھ گیا جونہی پہرے والوں نے اُس فرشتہ کی صورت دیکھی وہ خوف کے مارے کانپنے لگے اور سب پر غشی کا عالم طاری ہوگیا فرشتہ نے اُن عورتوں سے کہا تم کیوں ڈرتی ہو مجھے معلوم ہے کہ تم یسوع کو جو صلیب پر کھینچا گیا ہے ڈھونڈتے آئی ہو۔ وہ اس قبر میں نہیں ہے کیونکہ اُس نے فرمایا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اُٹھوں گا وہ اِس قبر میں سے چلا گیا آؤ یہ جگہ جہاں خداوند پڑا تھا دیکھو اور جلد جا کے اُس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اُٹھا۔ وہ جلیل کی طرف جا رہا ہے وہاں تم اُسے دیکھو گی جونہی ان عورتوں نے یہ خبر سنی وہ شاداں اور فرحاں دوڑی ہوئی گئیں اور مسیح کے شاگردوں کو اطلاع دی لیکن رستہ میں حضرت مسیح اِن عورتوں سے ملے اور اُن سے کہا سلام حضرت مسیح کی صورت دیکھتے ہی وہ عورتیں اِن کے قدموں پر گر پڑیں حضرت مسیح نے فرمایا تم ڈرو نہیں بلکہ تم میرے بھائیوں سے جا کے کہو کہ وہ مجھ سے جلیل میں آکے ملیں۔ یہ خبر آناً فاناً شہر میں پہنچی سردار کاہن اور یہودیوں کے کل بزرگ جمع ہوئے اور آپسمیں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے پہرے والوں کو بہت سے روپیہ دیکے کہا کہ رات کو جو کچھ گذری ہے وہ سچ سچ بیان کردو اور یہ کہا کہ تم پلاطس کے پاس چلکے صرف یہ کہدو کہ شب کو اُس کے شاگرد اُسے چُرا کر لیگئے پھر ہم تمہیں بچا لیں گے چنانچہ اُن پہرے والوں نے پلاطیس کے آگے جا کے یہی اظہار دئے یہودیوں میں اب تک یہی بات مشہور ہے اس کے بعد ۱۱ شاگرد جہاں یسوع نے اُنہیں فرمایا تھا یعنی جلیل کے پہاڑ پر گئے اور حضرت مسیح کو دیکھکر آپکے آگے جھک پڑے مگر ابھی تک یہ چھوٹے شبہ میں تھے اور انہیں کسی قسم کا اطمینان نہیں ہوا تھا حضرت مسیح نے فرمایا کہ دیکھو زمین اور آسمان کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے اس لئے تم جا کر سب قوموں کو شاگرد کرو اور اُنہیں باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسما دو اور اُنہیں تعلیم کرو کہ اُن سب باتوں پر جن کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے عمل کریں اور دیکھو میں زمانہ کے تمام ہونے تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں۔ فقط

یہ ہیں کل انبیاء سابقین کی سوانح عمری جو میں نے توریت اور انجیل سے منتخب کیے ہیں مفہوم میں کہیں فرق نہیں آیا ہے ہاں الفاظ کا تغیر تبدل ضرور کردیا گیا ہے کیونکہ توریت اور انجیل کی ایسی عبارت نہیں ہے کہ کسی کو پڑھنے کے بعد اُس سے دلچسپی ہو سوانح عمریوں کے غور سے دیکھنے کے بعد کم سے کم یہ بات تو ضرور ظاہر ہو جائے گی کہ تمام انبیا توریت اور انجیل کی شہادت کے بموجب دنیا سے ناکام گئے اُنکی اندرونی اور بیرونی معاشرت اُن کا اخلاق اُن کی طرز تعلیم اور اُن کا تمدن اِس قسم کا ہرگز نہیں تھا کہ لوگ اُن کے پیرو بنتے اور پھر اُن میں کوئی اصلاح پیدا ہوتی حضرت مسیح کی تعلیم بیشک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس میں روحانیت اور مافوق الفطرت اخلاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے دیکھنے میں بہت اچھی اور نرم لیکن عملی طور سے محض بیکار تھی اپنی تعلیم میں اگر یہ تعلیم حضرت مسیح ہی کی تسلیم کی جائے تو مخلوق خدا کی راہ

کہ آپنے خداوند تعالی سے فریاد کی کہ مجھے کیوں چھوڑ دیا کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ حسب معمول پرہیزگار اور راست باز لوگ مرنے سے نہیں ڈرتے اور بہت خوشی سے حق پر جان دیدیتے ہیں تو حضرت مسیح جیسا اولوالعزم پیغمبر جو محض کلمہ حق کہنے کے جرم میں صلیب پر کھینچا گیا تھا کیوں ایسے مایوسانہ کلمے اپنی زبان سے نکالتا چونکہ چاروں حواری اس جملہ پر متفق ہیں اس لئے ممکن ہی کہ یہ صحیح ہو لیکن ناظرین کو اتنا آگاہ کردینا ضروری ہی کہ صلیب کے وقت بارہ مریدوں میں سے ایک مرید بھی آپکے پاس نہیں تھا یہ جوان مردعین گرفتاری کے وقت بھاگ گئے تھے اور خدا معلوم کس کونے میں چھپے ہوئے پڑے تھے پطرس جو آپ کا سب سے زیادہ پیارا حواری تھا آپ پر معاذاللہ لعنت بھیج کے آپ کا تین بار انکار کرچکا تھا غالباً ان لوگوں نے بعدازاں صلیب دینے والے یہودیوں سے آپ کی اس وقت کی کیفیت دریافت کرلی ہوگی مگر اسکا پتہ کسی انجیل میں نہیں چلتا۔ متی مرقس یوحنا اور لوقا کا بیان ہی کہ آپنے بہت غل مچاکر جان دی جس وقت آپ کی جان نکلی ہے ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا زمین کانپی اور پتھر تڑخ گئے قبریں کھل گئیں بہت سی لاشیں پاک لوگوں کی جو بہت آرام سے ہمیشہ کی نیند میں سوتی تھیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور قبروں سے نکل نکل کے مقدس شہروں میں چلی گئیں۔ بہت لوگوں نے ان لاشوں کو دیکھا ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو حضرت مسیح کی موت کی خبر سُن کے آپکے حواریوں کی آنکھوں کے آگے مردے ہی مردے دکھلائی دیئے ہوں ہیکل کا پردہ پھٹنے سے استعارہ کے طور سے یہی غرض ہوگی کہ جب ہیکل کا اصلی تعظیم کرنے والا نہ رہا تو گویا ہیکل کا پردہ پھٹ گیا تمام دنیا پر تاریکی چھاجانے سے مطلب یہ ہی کہ جب روح اللہ دنیا سے اُٹھ گیا تو نور خدا بھی جاتا رہا آپ سے آپ تاریکی چھانی لازمی ہوئی چاروں حواری بہ تبدیل الفاظ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ یسوع کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئے تھے جب انہوں نے بھونچال اور سارا ماجرا دیکھا تو نہایت ڈر گئے اور کہنے لگے بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ بہت سی عورتیں جو جلیل سے آپکی خدمت کرنے آئیں تھیں دور سے اس خونی نظارہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جب شام ہوئی یوسف نامی ایک شخص جو بہت دولتمند تھا اور خود بھی مسیح کا مرید بن چکا تھا آپکے پاس آیا پہلے وہ پلاطس کے پاس گیا اور اُس سے یسوع کی لاش مانگی پلاطس نے حکم دیا کہ لاش دیدی جائے تو سپنے لاش لیکے ایک موٹی اُجلی چادر میں لپیٹی اور اسے نئی قبر میں جو اُسنے کھود رکھی تھی رکھدیا اور ایک وزنی پتھر قبر کے مُنہ پر ڈھانک کر چلا گیا دو عورتیں اسوقت آپ کی قبر کے پاس بیٹھی تھیں۔ ایک کا نام مگدلینی تھا اور دوسری کا نام مریم۔

حضرت مسیح کا جی اُٹھنا

صلیب پانے کے دوسرے روز تمام سردار کاہن اور بزرگ پلاطس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خداوند وہ دغاباز جیتے جی یہ کہا کرتا تھا کہ میں مرنے کے تین دن بعد زندہ ہوجاؤں گا تو حکم کر کہ تیرے سپاہی اُس کی قبر کی نگرانی کریں لفظ دغاباز متی نے حضرت مسیح کی نسبت معاذاللہ اسی انجیل میں استعمال کیا ہی اور وہ یہودیوں کا قول بیان کرتا ہی اور وہ یہی پلاطس سے کہنے لگے کہ اگر تیری طرف سے نگرانی نہ ہوگی تو اُس کے شاگرد اُسے قبر میں سے چُرا کرلے جائینگے اور مشہور کریں گے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہوگیا تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بھی بدتر ہوگا۔ پلاطس نے اُن سے

لیا گیا اور جس شخص نے ان معجزوں کو تصنیف کیا ہے بے شبہ اُس میں عقل نہیں تھی کبھی وہ جوؤں کو پیدا کر کے فرعون
اور اُس کی کل رعایا کو ہلاک کر دیتا ہی مگر مچھروں کا معجزہ بیان کرتے وقت اُسے یہ خیال نہیں رہتا کہ جب میں جوؤں
سے سب کو ہلاک کر چکا ہوں تو مچھروں سے ہلاک ہونے کے واسطے اور لوگ کہاں سے آئیں گے کبھی وہ وبا
سے فرعون کے مویشیوں اور آدمیوں کو مار ڈالتا ہے اور پھر بھی اُسے یہ ضرورت ہوتی ہے کہ فرعون کی ساری
زمین میں خون ہی خون بھر دے اِس پر بھی بس نہیں کرتا کثرت سے مچھلیاں چھوڑ دیتا ہے اور کل فرعونیوں کو
مار ڈالتا ہے شاید ترکیب یہ ہوگی کہ کل مردہ جیسے ان معجزے سے پھر زندہ کی جاتی ہوگی اور مثل
دوزخ کے ان میں دوبارہ روح پھوک کے زندہ کر کے عذاب کیا جاتا ہو

غرض توریت میں حضرت موسے کے
معجزہ پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پریشان خواب دیکھ رہا ہے اور اُسے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہیں
اِن سب باتوں کے علاوہ ایک بڑی بات اِن سوانح عمریوں میں دیکھنے کی یہ ہے کہ کسی نبی پر کوئی شخص صدق
دل سے ایمان نہیں لایا حضرت موسیٰ کے ظاہر طور پر تو معتقد بہت سے بن گئے تھے لیکن آپ پر اطمینان کسی کو
نہیں تھا اور پریشان سوال کر کر کے آپ کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ وعدہ کر کے اُس سے پھر جانا یہ بنی اسرائیل
کا روزمرہ تھا۔ یہی کیفیت حضرت مسیح کی تھی کہ تمام عمر میں تکلیفیں جھیل کے وطن سے بیوطن ہو گئے بارہ مچھوے
کو اپنا مرید کیا تھا لیکن انجیل اِس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ اُن میں ایک مچھوہ بھی صدق دل سے آپ پر ایمان
لایا تھا۔ حضرت مسیح سے بار بار معجزوں کا طلب کرنا اور آپ کا جھنجلا جھنجلا کر یہ فرمانا کہ اس زمانہ کے مکار اور
بدکار نشان ڈھونڈتے ہیں اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اُن مچھووں کا آپ پر مطلق ایمان نہ تھا چنانچہ ایک دن
جب آپ بہت ناراض ہوئے تو صاف الفاظ میں یہ فرما دیا اے کم بختو اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی
ایمان ہو تو تم اگر اِس پہاڑ سے کہو کہ ہٹ جاؤ تو وہ اپنی جگہ سے سرک جائے گا۔ مگر آج تک کسی حواری نے
ایسا معجزہ نہیں دکھایا پہاڑ تو در کنار کسی پتھر کو اپنی جگہ سے نہیں سرکایا آپ کے سب سے پیارے مرید پطرس کا محض جان
کے خوف سے معاذاللہ آپ پر لعنت بھیجکر تین دفعہ انکار کرنا خود آپ کے ایک شاگرد کا آپ کو ۳۰ روپیہ میں
فروخت کر ڈالنا اور پھر کل مریدوں کا مصیبت کے وقت جان چھپا کر بھاگ جانا اور آپ کو دشمنوں کے ہاتھ میں
تنہا دیدینا یہ ساری باتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ آپ کی تبلیغ رسالت ناکام رہی سب سے زیادہ دیکھنے
کی یہ بات ہی کہ جب دشمن آپ کے سر پر آپہنچے ہیں اور آپ کو اِس بات کا پورا علم ہو گیا کہ اب اِن کے ہاتھ سے
میرا بچنا محال ہے اور آپ کا بار بار گھبرا گھبرا کے خدا تعالیٰ کے حضور دعا مانگنا کہ اے خدا مجھے اس آفت سے
بچا اور اُس جانکندنی کی حالت میں آپ کے کل مریدوں کا نیند میں خراٹے بھرنا اور ان کا بار بار اُنہیں جگانا کہ
تم اُٹھو روح اپنے پروردگار کی طرف جانے کو تیار ہے اور جسم سست ہو گیا ہی مگر اُنکا کروٹ نہ لینا یہاں تک
کہ دشمنوں کا گرفتار کر لینا یہ سب باتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایک مرید کو بھی آپ سے ایسا تعلق نہ تھا جیسا کہ ہونا

میں ایسے مشکلات پیدا کردئے ہیں کہ جس پر آجتک کسی نے عمل نہیں کیا قوانین تمدن کے خلاف اخلاق کے خلاف معاشرت کے خلاف یہاں تک کہ انسانی فطرت کے خلاف کل باتیں ہم انجیل میں پاتے ہیں یعنی حضرت مسیح کا بڑی سختی کے ساتھ حکم ہے کہ اگر تمہارے کلہ پر ایک طمانچہ مارے تو تم دوسرا بھی آگے کردو اگر تمہیں ایک میل بیگار میں لیجائے تو تم دو میل بیگار میں چلے جاؤ ظاہر طور سے تو اس سے نرم اور با اخلاق تعلیم ہو نہیں سکتی۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس تعلیم میں انسانی فطرت کا بھی لحاظ کیا گیا ہے یا نہیں دو ہزار برس حضرت مسیح کو گزر گئے مگر تمام مسیحی تاریخوں میں ایک شخص کی مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس نے حضرت مسیح کی اس تعلیم پر عمل کیا ہو۔ کس مسیح پرست پادری نے ایک تھپڑ کھا کے اپنا دوسرا کلہ تھپڑ کھانے کو آگے کر دیا کون راسخ الاعتقاد مسیحی ایک میل کے عوض دو میل بیگار میں چلا گیا۔ موجودہ مسیحی یورپ میں کوئی شخص اس بات کو بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کے چال چلن کی نسبت دوسرا آدمی شک ظاہر کرے موجودہ قوانین کی رو سے وہ ازالہ حیثیت عرفی کا فوراً دعوے کر سکتا ہے اور اس شخص کو سزا دلوا سکتا ہے چنانچہ یورپ کی عدالتوں میں اس قسم کے صدہا مقدمات دائر ہوتے ہیں یہ تو بالکل چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن جب ہم مسیحی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو تن بدن میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اسی تعلیم پر ایمان رکھنے والوں نے بڑی بڑی خونریزیاں کی ہیں ظاہر طور پر یہ تعلیم مثل اس درخت کے ہے جو دیکھنے میں انتہا درجہ کا خوشنما ہے لیکن اس کے پھل زہریلے پھل ہیں کہ کھانے کے بعد انسان کا بچنا محال عقل ہے ان ہی نرم دل عیسائیوں نے لاکھوں بندگان خدا کا خون بہایا ہے۔ صدیوں تک حضرت مسیح کے چیلے انسانی گرم گرم خون میں اپنے ہاتھ رنگتے رہے ہیں لاکھوں گھر بے چراغ لاکھوں جوان عورتیں رانڈیں اور لاکھوں بچے یتیم کئے ہیں آجکل یہی رحم دل مسیحی یورپ رحم کو ضعف دماغ کی علامت بتاتا ہے۔ بفرض محال اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیں کہ اس سے بہتر تعلیم اور ہو نہیں سکتی عمل نہ کرنے والوں کا قصور ہے تعلیم کی اس میں کیا خطا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مخلوق خدا ایسی تعلیم پر کچھ دن تک عمل کرے تو پھر نظام عالم قایم رہ سکتا ہے یا نہیں اگر تمام مخلوق ایسی ہی بے نفس بن جائے تو طمانچہ مارنے والا اور بیگار میں لیجانے والا کون پیدا ہو انصاف کہاں جائے اور تمام دنیا کے قوانین کدھر غارت ہو جاویں یہ ساری باتیں ناممکن الوقوع ہیں اور ان کا معاشرت انسانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اسی طرح حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ اگر کوئی بری نظر سے کسی عورت کی طرف دیکھے تو گویا وہ اس سے زنا کر چکا اگر کچھ روز کے لئے دنیا کی کوئی حکومت اس قسم کا قانون جاری کر دے تو مخلوق خدا کی کیا کیفیت ہو اور اتنے بڑے جیلخانہ کہاں سے آئیں جو صدیوں سے بھرے جائیں۔

جو سوانح عمری انبیا کے لکھے گئے ہیں ان سے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کل انبیا میں کوئی خاص صفت نہیں تھی کہ جس سے وہ ہم شہروں یا ہم ملکوں میں ممتاز ہو سکتے معاذ اللہ توریت مقدس میں بعض انبیا کو زانی اور ڈاکو قرار دیا ہے بعض کو جھوٹا اور دغاباز اور بعض کو تلون مزاج اور پریشان خیالات جتنی عظمت ایک نبی کی ہونی چاہئے توریت یا انجیلیں اس کی مطلق شہادت نہیں دیتیں حضرت موسیٰ کے معجزے بیان کرنے میں ذرا بھی عقل سے کام نہیں

چاہئے یہ مانا کہ وہ گیارہ مچھوے کثیر تعداد یہودیوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکتے تھے مگر انسان کی طبیعت کا خاصہ ہی کہ جب وہ کسی پر فریفتہ ہوتی ہی تو منع کرنے سے بھی تمام جہان کی مشتملہ قوت کے مقابلہ میں سینہ سپر اور شمشیر بکف ہوکر اپنی جان قربان کر دیتی ہی۔ ایسی صدہا نظیریں روز دیکھنے میں آتی ہیں گذشتہ زمانہ کی تاریخیں ان نظیروں سے بھری پڑی ہیں اگر اسلامی تاریخ کے صفحے اُلٹے جائیں گے تو ایسی ہزاروں بلکہ لاکھوں نظیریں ملیں گی جنہوں نے اپنے پیر یا اپنے آقا کی حفاظت کے لئے تنہا لاکھوں آدمیوں میں گھسکر جان دیدی ہے محبت خود ایک بہت بڑی شجاعت ہی جو اپنے سامنے تمام دنیا کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتی محبت کے آگے جان کوئی چیز نہیں ہی اور اسی محبت پر لاکھوں جانیں قربان ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی محبت کی کسی نے پوری قیمت ادا نہیں کی غرض یہ بات پورے طور سے ثابت ہو چکی کہ کل انبیا کی مثل حضرت مسیح کی تبلیغ رسالت ناکام رہی اس لئے خداوند تعالیٰ کو ضرور ہوا کہ ایسا نبی پیدا کرے جس کی تبلیغ رسالت کامل اور کامیاب ہو جس کے معتقد اُسپر اپنا دھن من تن قربان کر دینا فخر دارین سمجھیں اور پھر اُسی پر خاتمہ نبوت ہو جائے۔ اور ساتھ ہی وہ نبی آخر الزمان کل گذشتہ انبیا کی عصمت بزرگی اور راستبازی کی شہادت دے اور اُن انسانی عیوب سے اُنہیں پاک کر دے جو یہودیوں اور نصاریٰ نے اُن پر لگائے ہیں۔ یہ تمام باتیں ہمارے حقیقی نجات دہندہ حضرت رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پوری ہوئیں۔ آؤ اے سچے نجات کے متلاشی آؤ اور دائرہ اسلام میں شریک ہو اسلام ہی نجات کا ایک رستہ ہی بدقسمت ہیں وہ جو اس سے محروم ہیں اور مبارک ہیں وہ جو اس سے مشرف ہیں اب بھی توبہ کے دروازہ کھلے ہوئے ہیں خدائے قادر و مطلق ہر گناہ کی توبہ قبول کرنے کو موجود ہے آؤ اے رستہ سے بھٹکے ہوئے آؤ بہت دن غفلت میں گذر چکے اپنے گناہوں پر شرمسار ہو توبہ کرو بیشک وہ بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

فہرست مضامین مقدمہ تفسیر الفرقان